

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اُسْوَةُ الرَّسُولِ

جلد اول

سوانح حیاتِ مقدسہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین رسول اکرم محمد بن عبد اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از آغاز حالہ سے سیرتِ قدیمہ ان کے وجودِ تبارع حضرت سید العبدین عبد اللہ

مؤلف سوانح حضرات چار دہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین

مؤلف

URDU STACKS

MA LIBRARY, AMU



U6232

خان بہادر سید اولاد سید ملکرامی
قوت برقیہ کی صنعت سے

مکتبہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین اسوۃ الرسول حصہ اول

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۸	استقلاط واقعات بنی ہاشم	۲۴	۱	دیباچہ
۹	استحقاق حالات ہاشم مطلب و عبدالمطلب	۲۵	۲	تیسرہ دیباچہ سیرۃ النبیؐ
۱۰	عبد بن قصی کی غلط ترکیب	۲۶	۳	تکلیف و سستی میں ملوث بنی ہاشم
۱۱	استقلاط احوال انبیاء سابقین عرب	۲۷	۴	بنی ہاشم کی ترقی
۱۲	تفہیم اسلام پر اصرار	۲۸	۵	بنی ہاشم کی ترقی
۱۳	استقلاط معارف رد حانیہ نبوت	۲۹	۶	بنی ہاشم کی ترقی
۱۴	مغایب اسلام سے مرعوبیت	۳۰	۷	تکلیف و سستی میں ملوث بنی ہاشم
۱۵	یورپین معترضین کے جواب میں سپر اندازی	۳۱	۸	معیار مقررہ سے انکار
۱۶	استقلاط واقعہ معراج	۳۲	۹	تکلیف و سستی میں ملوث بنی ہاشم
۱۷	استقلاط نبوت حریت حضرت ہاجرہ	۳۳	۱۰	معیار مقررہ سے انکار
۱۸	خصائص رسالت کا قطعی استقلاط	۳۴	۱۱	معیار مقررہ سے انکار
۱۹	فصاحت و بلاغت رسالت کی تفسیر	۳۵	۱۲	معیار مقررہ سے انکار
۲۰	مارگبولس کے اعتراض کا انصاف جواب	۳۶	۱۳	معیار مقررہ سے انکار
۲۱	صحیح بخاری پر نقدانہ نظر	۳۷	۱۴	معیار مقررہ سے انکار
۲۲	صحیح بخاری پر عدم اجراء	۳۸	۱۵	معیار مقررہ سے انکار
۲۳	علامہ ابن عباسی	۳۹	۱۶	معیار مقررہ سے انکار
۲۴	رواۃ بخاری کی محبوبیت	۴۰	۱۷	معیار مقررہ سے انکار
۲۵	حزین بن سفیان نامی	۴۱	۱۸	معیار مقررہ سے انکار
۲۶	عمران ابن حطان خارجی	۴۲	۱۹	معیار مقررہ سے انکار
۲۷	ابو قتیبہ	۴۳	۲۰	معیار مقررہ سے انکار
۲۸	خالد ابن مسعود	۴۴	۲۱	معیار مقررہ سے انکار
۲۹	عبد العلی	۴۵	۲۲	معیار مقررہ سے انکار
۳۰	ابو اسحاق بیعی	۴۶	۲۳	معیار مقررہ سے انکار
۳۱	عمر ابن سعد (قاتل حسین)	۴۷	۲۴	معیار مقررہ سے انکار
۳۲	شمس الدین ابوشن (الینا)	۴۸	۲۵	معیار مقررہ سے انکار

۴۸	عباس ابن حسین قنطری	۲۸	۴۷	پہلی مثال (غزوہ ذی قرد میں اہل سیرت کا اختلاف)
۴۹	اسرائیل ابن بونس	۲۵	۴۵	اصل حقیقت کا انکشاف
۵۰	محمد ابن یشار المعروف بربندار	"	۴۶	حدیث و سیرت کا اصول فرق
۵۱	مولف سیرۃ النبیؐ خود بخاری کے قاری ہیں	۲۶	۴۷	دوسری غلط مثال
۵۲	علم تاریخ سے بخاری کی جمالت	۲۷	۴۸	غلام ابن جریر کا ایک منہ کی خیر فیہ
۵۳	مرویات بخاری میں استنباد باقرار مولف سیرۃ النبیؐ	۲۸	۴۹	اصل حقیقت کا انکشاف
۵۴	شہیل صاحب کی ذوالجہتی اور سکون	۳۱	۵۰	حدیث کی اصول تعریف
۵۵	خدمت رسول میں بخاری کی بے ادبی	"	۵۱	محمد بن ابی ذر کے سیرت میں دیکھے گئے اہل اقوال
۵۶	بے ادبی کی دوسری مثال	۳۳	۵۲	دوسری اعتراض کی حقیقت
۵۷	کتاب بخاری کی اہمیت	۳۴	۵۳	محمد بن ابی ذر کے اقوال میں بیشتر اختلاف
۵۸	بخاری نے اپنی جمعہ حدیثوں کی صحیح تعداد نہیں بتائی	۳۵	۵۴	نیزول مکرملہ خوف میں اختلاف
۵۹	استناد بخاری مرویات ائمہ المہدیین	۳۸	۵۵	علی سے حدیث کا مرویات سے یہ ہے
۶۰	مرویات ائمہ المہدیین کے ترک کر دینے کا بیکار خاص سبب	۳۹	۵۶	مولف سیرۃ النبیؐ کے قلمی حقیقت کا انکشاف
۶۱	غلام ذوالنہین ولس کا صحیح بخاری کی نسبت و اعتقاد	۴۲	۵۷	صورت تو دعویٰ و فہم میں قدر مشترک ہے
	بحث تفسیر مرویات		۵۸	حدیث کی معنی مقررہ و تفسیری نظر
۶۲	موضوع آیت میں مساوت و تعمیم کا غلط اصول	۴۳	۵۹	حدیث سے تاریخ کے متعلقہ معیار
۶۳	تعمیم و مساوت فی الدرایع میں النجاشی و ابی خراہی	۴۴	۶۰	کتاب سیرت خراج تفسیر میں مسکنی تفسیر
۶۴	مولف سیرۃ النبیؐ کی شریک فروگزاشت	۵۰	۶۱	مولف سیرۃ النبیؐ کے قلمی حقیقت کا انکشاف
۶۵	اقوال صحابہ میں تعارض باقرار مولف سیرۃ النبیؐ	۵۱	۶۲	حدیث و سیرت کے جداگانہ
	بحث مزید حج حدیث علی السیرت		۶۳	یہ تفسیر میں تفسیر و تفسیر و تفسیر و تفسیر
۶۶	ترجیح کتب حدیث کا غلط دعویٰ	۵۳	۶۴	حدیث سیرت کی بہرہ
۶۷	اختلاف جن الاعتراف	۵۵	۶۵	اکثر تفسیر حدیث اصحاب سیرت تفسیر
۶۸	حدیث سیرت کی کوئی تفسیر تفہیم نہیں کی گئی	۵۶	۶۶	ترجیح حدیث مولف سیرۃ النبیؐ کا خاص مدعا
۶۹	سیرت اور فقہ کی مثال مقابل ناقص ہے	۵۸	۶۷	تفہیم و کسٹیشن سیرت
۷۰	تساوی مثال کا باعث	۵۹	۶۸	مولف سیرۃ النبیؐ کا غلط مدعا
۷۱	تعلیف حدیث کی جگہ صورت حدیث سیرت لال غلط ہے	۶۰	۶۹	محمد بن ابی ذر کے قلمی حقیقت کا انکشاف
۷۲	اصحاب سیرت و اصحاب سیرت دو گروہ مقابل ہیں	"	۷۰	یہ تفسیر میں تفسیر و تفسیر و تفسیر و تفسیر
۷۳	اختلاف جمود و غیر اس سے نہ دینیہ	۶۱	۷۱	یہ تفسیر میں تفسیر و تفسیر و تفسیر و تفسیر

۱۰۲	مسلمین قرن اولیٰ اور سلاطین کی غلامی کا اقرار	۱۰۸	۱۳۰	صحابہ مجتہدین نقل حدیث سے احتیاط کرتے تھے	۱۳۴
۱۰۳	فتویٰ غلامی کے منفی حضرت عبداللہ ابن عمر ہیں	۱۰۹	۱۳۱	رسول کے بعد جہاد و اجتہاد دونوں تباہ ہو گئے	۱۳۸
۱۰۴	ابن عمر کا سکوت بے سبب نہیں تھا	۱۱۰	۱۳۲	کیا عبد رسول میں صحابہ کیا مجتہد نہیں تھے	۱۴۰
۱۰۵	ابن عمر کی حسیلہ البقی	۱۱۲	۱۳۳	قالہں جہاد کی عملی مثال	"
۱۰۶	ابن عمر کی پہلے پر جوشی پر رد و پوشی	"	۱۳۴	جہاد کے ایسا جہاد ہی غارت ہوا	۱۴۱
۱۰۷	زور و شہرت حدیثیں بنو انی کی ہیں	۱۱۳	۱۳۵	چند محدثین احادیث کی مثالیں	۱۴۲
۱۰۸	ابو ہریرہ معمولی آدمی تھے	۱۱۵	۱۳۶	محدث صاحب کی حدیث نقل	۱۴۳
۱۰۹	ابو ہریرہ کا تذبذب اور ذہنی	۱۱۶	۱۳۷	غندر کی وجہ تسمیہ	"
۱۱۰	بیت المال میں خیانت کر چکے تھے	۱۱۷	۱۳۸	موضوعات احادیث پر علماء و محدثین کی ندامت	۱۴۴
۱۱۱	جھوٹی حدیثیں بنائے تھے	"	۱۳۹	کتاب موضوعات کی تالیف کا زمانہ	۱۴۶
۱۱۲	وضع حدیث کیلئے حضرت عمر کی تادیب فرما چکے تھے	"	۱۴۰	یہ زمانہ ہی سلطنت کے اثر سے خالی نہیں تھا۔	۱۴۷
۱۱۳	حدیث سازی بعد رسول معلوم کی جا رہی تھی	"	۱۴۱	احادیث توہین بنی فاطمہ	۱۴۸
۱۱۴	معوذہ کہ حکم و حشر کی توہین بنی جھوٹی حدیثیں بنائیں	"	۱۴۲	بنی فاطمہ کو آل فاطمہ لکھا یہ ہی توہین بنی فاطمہ ہے	۱۴۹
۱۱۵	حضرت عائشہ کیساتھ گستاخانہ تعرضیں	"	۱۴۳	اہانت کی پہلی مثال	۱۵۰
۱۱۶	ابو ہریرہ کی کثرت حدیث	۱۱۸	۱۴۴	دوسری مثال	"
۱۱۷	انکی کثرت حدیث پر شاہ ولی اللہ صاحب کا تعجب	"	۱۴۵	تیسری مثال	"
۱۱۸	رفع حدیث کا آخری نتیجہ	۱۱۹	۱۴۶	چوتھی مثال	"
۱۱۹	۳۰ لعین ہیں و اضعیف حدیث	۱۲۰	۱۴۷	پانچویں مثال	"
۱۲۰	جدول سوائے صحابہ تابعین و اضعیف احادیث	۱۲۱	۱۴۸	دینیات میں ائمہ اہلبیت علیہ السلام کی بے اعتباری	۱۵۲
۱۲۱	دورہ عباسیہ میں محدثین و نقباء سلطنت کا اثر	۱۲۵	۱۴۹	بنی فاطمہ ائمہ طاہرین اور ان کی ذریعہ تباہی	۱۵۵
۱۲۲	قاضی ابو یوسف	۱۲۶	"	کے تفصیلی مصائب۔	"
۱۲۳	ہارون الرشید کے دربار میں قاضی ابو یوسف کا فتویٰ	"	۱۵۰	یورپ میں تصنیفات پر ناگوار محسوس	۱۶۵
۱۲۴	سلطنت پرستی کی دوسری مثال	"	۱۵۱	توازن نقل حدیث کی مفاد و مہم	۱۶۶
۱۲۵	قاضی ابو یوسف اور سلطنت سے تعلق	۱۲۶	۱۵۲	تمام یورپ میں تعریف و تہنیت کے انوار کتبہ صحاح و	۱۶۸
۱۲۶	قاضی صاحب قاضی القضاۃ بغداد کیونکر بنے	"	۱۵۳	سنن ہیں	"
۱۲۷	علماء و محدثین کے ان اطوار نے قرآن و احادیث کو	۱۳۱	۱۵۴	موضوعات فی الحدیث کا دوسرا شرمناک نسخہ	۱۸۶
۱۲۸	کس درجہ تک پہنچا یا	"	۱۵۵	مستقر رسالت اسوہ حسنہ صرف اہلبیت رسالت تھے۔	۲۱۸
۱۲۹	ہارون الرشید اور قرآن کی عظمت	۱۳۲	۱۵۶		
۱۳۰	ہارون الرشید اور عظمت قرآن کی دوسری مثال	۱۳۳			

۱۵۵	کتاب قدیمہ یهود و نصاریٰ میں غریب اخلاق اور	۲۳۱	۱۹	عرب کی بائیسین یا سوم	۸
	خلافت آداب واقعات	"	۲۰	عرب کے آثار	۱۰
۱۵۶	اسوۃ الرسول کی ضرورت تالیف	۲۳۵	۲۱	عرب کے چہ ناس	۱۱
			۲۲	معدنیات	۱۱
۱۵۷	اسوۃ الرسول کی تالیف میں اصول تحقیق اقصیٰ	۲۳۶	۲۳	تجلیات	"
۱۵۸	اسوۃ الرسول کے مجلدات خمسہ اور ان کے مضامین	۲۳۸		ملک عرب کی قدیم تقسیم	"
	مقدمہ کتاب اسوۃ الرسول		۲۴	عرب آبادان	۱۲
	حصہ اول		۲۵	عرب شگستان	"
	تسمیہ	۱	۲۶	عرب بگستان	"
	نصیحتان عرب	۲	۲۷	عرب کے قدیر شہ	۱۵
	وجہ تسمیہ عرب	۳	۲۸	تاریخ میں بعض مقامات عرب کے نام	۱۸
	جغرافی تعلقات سے عرب کی وجہ تسمیہ	۴	۲۹	ملک عرب کی جدید تقسیم	"
	تاریخی مشاہد سے عرب کی وجہ تسمیہ	۵	۳۰	عربوں کا عرب - جو	"
	کتاب قدیمہ یهود و نصاریٰ سے عرب کی وجہ تسمیہ	۶	۳۱	عراق عربی	۲۰
	قرآن مجید اور لفظ عرب	۷	۳۲	یمن	"
	ملک عرب کا جغرافیہ	"	۳۳	عمان	۲۱
			۳۴	عجمہ	۲۲
	عرب کے حدود و دار بزم	۸	۳۵	بین	۲۳
	سواحل اور بندرگاہیں	۹	۳۶	حضر موت	۲۴
	رتبہ ملک	۱۰	۳۷	بلاد احقاف	۲۵
	آبادی	۱۱	۳۸	صفد کے مین	"
	علاقہ شام کے بدوی سرحدی اقوام	۱۲	۳۹	نہدران	۲۶
	عرب مستوطن	۱۳	۴۰	طبرستان	"
	سطح زمین عرب	۱۴	۴۱	حجاز کے مشہور مقامات	"
	عرب کے پہاڑ	۱۵	۴۲	سورہ مکر	"
	عرب کے دریا	۱۶	۴۳	مدینہ منورہ	۲۶
	عرب کا صحرائے عظیم	۱۷	۴۴	طائف	۲۸
	عرب کی آب و ہوا	۱۸	۴۵	جوف - ثور - تیک - خیر - مین	۲۹

۴۶	عرب شام	۲۹	۶۸	عرب بالبادہ	۵۹
۴۷	عرب عراق	۳۰	۶۹	تحقیقین عرب بالبادہ کے مختصر حالات	۶۰
۴۸	جزائر مال کے مطابق عرب کے مشہور مقامات	۳۱	۷۰	عرب بالبادہ کے قدیم سات قبیلے	۶۱
	حالات عرب اور ان کے ماخذ		۷۱	بنی کوشس	۶۲
۴۹	ادبیات اسلامیہ	۳۲	۷۲	بنی خلیلیم	۶۳
۵۰	علم النجوم کے تدوین	۳۳	۷۳	بنی لود	۶۴
۵۱	اشعار قبل اسلام	۳۴	۷۴	بنی عوص	۶۵
۵۲	عرب کے قدیم جغرافیہ نویس	۳۵	۷۵	بنی عول	۶۶
۵۳	عرب کا علم حفظ الانساب	۳۶	۷۶	عاد اولی یا سسانہ اولی	۶۷
۵۴	عرب کے مصنفین و مؤلفین (حاشیہ)	۳۷	۷۷	بیرون عرب عمار کے فتوحات	۶۸
۵۵	ادبیات اسرائیلیہ	۳۸	۷۸	فہماک تازی عرب تھا	۶۹
۵۶	ادبیات ایرانیہ و رومانیہ	۳۹	۷۹	توریت میں کوش کی اولاد کا شمار	۷۰
۵۷	بظلمیوں کے جغرافیہ عرب کی بے اعتباری	۴۰	۸۰	دوسو بیستیس برس تک ارضی بابل میں سامیوں کی حکومت	۷۱
۵۸	عربوں کے اکتشافات اثریہ	۴۱			
	عرب میں یورپ کے اکتشافات اثریہ	۴۲			
۵۹	علاقہ حضرموت میں اکتشافات اثریہ	۴۳	۸۱	علم اللہ امت (ارکیولوجی) کے اسناد سے سامیہ اولی	۷۲
۶۰	علاقہ عمان میں آثار قدیمہ	۴۴	۸۲	یاعاد اولی (عربوں کی تاریخ)	۷۳
۶۱	علاقہ حجاز میں آثار قدیمہ	۴۵	۸۳	سینچ سے چار ہزار برس قبل سامیہ اولی کی حکومت	۷۴
۶۲	علاقہ نجد میں آثار قدیمہ	۴۶	۸۴	ملوک سامیہ اولی کی فہرست	۷۵
۶۳	علاقہ عرب شمالی میں آثار قدیمہ	۴۷	۸۵	ملک مصر میں سامیہ اولی کی حکومت	۷۶
۶۴	سند عرب	۴۸	۸۶	مختلف ممالک میں سامیوں کی حکومت	۷۷
۶۵	آثار جغریہ و سماویہ	۴۹	۸۷	عرب بالبادہ، عاد اولی یا سامیہ اولی کا زوال	۷۸
۶۶	ایکس انگریزی بیاج اور غنق (حاشیہ)	۵۰	۸۸	تشریف ہوئی کی جہشت اور قوم عاد	۷۹
	ملک عرب اقوام و قبائل ان کے مسکن و موطن ان کے تمدنی اور سیاسی حالات	۵۱		کی ہدایت	۸۰
	عرب کی اقوام قدیمہ	۵۲		افریقہ عالم جنوبیہ کے عباد و جہشتیں کو سنہ ۲۶ قبل	۸۱
				حضرت یسوع کی آخری ہمنیت	۸۲
				قوم مٹو یا عاد و ثامنیہ	۸۳

۲۵۰	نبو سارہ یا نبو ادم	۱۵۷	۱۹۲	یا جوج ماجوج کی قدیم توہین (حاشیہ)	۱۳۵
۲۵۱	بیں برسوں کے بعد بہائی بہائی ملتے ہیں	۱۵۸	۱۹۵	اصحاب الاخشہ	۱۳۶
۲۵۲	ادوم کی حکومت - ادم کی تاریخ	۱۵۹	۱۹۶	ذوالقرنین کے فتوحات ازیقہ و چین پر صبا و قرآن	۱۳۷
۲۵۵	حضرت ایوب کی رسالت	۱۶۰	"	کے اعتراض کی تحقیق و تنفیذ (حاشیہ)	۱۳۸
"	(سنہ ۱۹۰ ق م)	"	۲۰۲	سب سے حبش یا اصحاب الفیل	۱۳۹
"	حضرت ایوب کی رسالت	۱۶۱	۲۰۴	لفظ سحر شد کی تفسیر (حاشیہ)	۱۴۰
۲۵۶	حضرت ایوب امیر یا شیخ قوم تھے	۱۶۲	۲۰۶	فتح تبت (حاشیہ)	۱۴۱
۲۵۸	حضرت ایوب کا زمانہ رسالت - آپ کا وطن آپ کے	۱۶۳	۲۰۸	کیککوس اور سودا بہ ملکہ مین (حاشیہ)	۱۴۲
"	واقعات	"	۲۰۹	سلاطین بنی قحطان (مین - سبا - سبا - حمیر	۱۴۳
۲۶۰	قرآن میں حضرت ایوب کا واقعہ	۱۶۴	"	اور سبا سے حبش) کا اعلیٰ تمدن	۱۴۴
۲۶۲	حضرت رحمہ زوجہ خباب ایوب	۱۶۵	۲۱۲	مولف سیرۃ النبی کی کویتہ قلبی پر ایک نظر	۱۴۵
۲۶۵	نبو ملہ جبرہ حضرت اسماعیل	۱۶۶	۲۱۶	حمیر کی اولاد اور عرب کے مختلف حصوں میں	۱۴۶
"	(صحابہ کرام) صحابہ لایہ انصار قریش	۱۶۷	"	ادوم کی حکومت	۱۴۷
۲۶۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۱۶۸	۲۱۸	حمیر کے ملک حمیر	۱۴۸
"	(سنہ ۱۹۹ ق م)	۱۶۹	۲۲۱	غسان کے ملک حمیر	۱۴۹
۲۶۷	حضرت ابراہیم کی فطرت صالح	۱۷۰	۲۲۳	ملوک کسندہ	۱۵۰
۲۶۸	حضرت ابراہیم اور نمر کی گلابی	۱۷۱	۲۲۴	ملوک حجاز	۱۵۱
۲۶۹	شام معرفت کی پہلی جہلہ آرائی	۱۷۲	۲۲۵	عرب العرب (بنی قحطان) کے مشہور قبائل	۱۵۲
"	اذر سے احتجاج	۱۷۳	۲۲۶	عرب المستعربہ یا عرب المستوطنة	۱۵۳
۲۷۰	کافرین و مشرکین سے احتجاج	۱۷۴	۲۲۸	ادوم یا عبسین اسحق حاشیہ	۱۵۴
۲۷۱	انوار حقیقت کی دوسری جہلہ آرائی	۱۷۵	۲۳۱	بنو قحطریہ	۱۵۵
۲۷۲	ماں سے احتجاج	۱۷۶	"	حضرت شعیب کی رسالت	۱۵۶
۲۷۳	جناب رسول خدا اور حضرت ابراہیم کے ابتدائی تبلیغ	۱۷۷	"	(سنہ ۱۹۹ ق م)	۱۵۷
"	رسالت میں ممانعت	۱۷۸	۲۳۳	حضرت شعیب کی نسبت قرآن و تورات کی مطابقت	۱۵۸
۲۷۴	کافرین قوم سے بار دیگر احتجاج	۱۷۹	۲۳۵	شہر مدین کی تاریخ قدیم	۱۵۹
۲۷۵	عید کافرین کے دن بت شکنی	۱۸۰	۲۳۶	بنی ودان یا اصحاب الایک	۱۶۰
۲۷۶		۱۸۱	۲۳۷	اصحاب لایہ جہلہ والے ضرور تھے	۱۶۱

۲۲۲	تفسیر خانہ کعبہ	۱۹۷	۲۹۰	نور دے دربار شاہی میں حضرت ابراہیمؑ کی ظہری	۱۷۸
۲۲۵	ایکان چوکی تعلیم و احسان	۱۹۸	۲۹۱	نور دے سے احتجاج، آتش نرود اور خلیل معبود	۱۷۹
۲۲۶	حضرت اسمعیلؑ کی قربانی	۱۹۹	"	معرفت الہی میں حضرت ابراہیمؑ کا کمال	۱۸۰
۲۲۷	کہ سے مراد جنت اور حضرت ابراہیمؑ کی جنت	۲۰۰	۲۹۲	خطاب خلیل اللہؑ سے سرزار ہوئے۔	۱۸۱
۲۲۸	سب پہلے دین ابراہیمؑ سے، نہ کہ اس کے بعد	۲۰۱	۲۹۳	واقعہ احراق سے بعد کے حالات حضرت نوحؑ	۱۸۲
۲۲۹	نبی صاحب کے غلط تفسیر سے، نہ کہ نبیؐ کی تفسیر	۲۰۲	"	کا ایمان لانا	۱۸۳
۲۳۰	صرف شریعت اسلامی میں سنت ابراہیمؑ کے فہم	۲۰۳	۲۹۴	حضرت سارہ کا ایمان لانا، ارض بابل سے	۱۸۴
"	اب تک غلط فہم	"	"	ہجرت، انحضرتؑ کی ہجرت سے نمائندگی	۱۸۵
"	حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کے متعلق جو غلط فہم	۲۰۴	۲۹۵	بابل سے شہر فاران کی طرف ہجرت، مقام	۱۸۶
"	ابراہیمؑ میں عرب کا تمدن	"	"	کھان میں قیام، حضرت کی طرف روانگی	۱۸۷
۲۳۵	ملکی زبان میں الفاظ کی کمی کا شکر، نہ کہ غیر لغت	۲۰۵	۲۹۸	شہر جہون میں تسمیہ	۱۸۸
"	ہونے کی دلیل نہیں ہوتی	"	۲۹۹	حاران میں حضرت نوحؑ کی رسالت	۱۸۹
۲۳۹	کعبہ، تحقیق بیت المقدس ہے	۲۰۶	"	حضرت ابراہیمؑ کے بعد از ہجرت اور	۱۹۰
۲۴۱	حضرت اسمعیلؑ علیہ السلام	۲۰۷	"	حضرت اسمعیلؑ کی ولادت	۱۹۱
"	رشتہ تین سو و ستائیس و بیس	"	۳۰۱	ولادت اسمعیلؑ کے متعلق آسمانی نشان	۱۹۲
"	حضرت اسمعیلؑ، وجہ تسمیہ اسمعیلؑ	۲۰۸	۳۰۲	سارا اور مہاجرین، ہجرت	۱۹۳
"	تعلق بہشت ربیب	"	۳۰۳	مکہ خراست اور مہاجرین کی رشتہ فاریں	۱۹۴
۲۴۲	اسمعیلؑ پر حق کی توحید کا غلط فہم	۲۰۹	"	میں ہجرت	۱۹۵
۲۴۳	حضرت اسمعیلؑ کی پادشاهی	۲۱۰	۳۰۶	حضرت ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کی رشتہ فاریں	۱۹۶
۲۴۴	نوحؑ اسمعیلؑ کا واقعہ	۲۱۱	"	میں خود پوچھا گیا	۱۹۷
۳۵۸	نوحؑ کون ہے؟	۲۱۲	۳۰۸	حضرت ابراہیمؑ کے نکاح، جسے جہان کا غلط	۱۹۸
۳۵۹	توبہ کی کیفیت	۲۱۳	"	الزام	۱۹۹
۳۶۰	اس حدیث کی تفسیر، کہ سید کے نوحؑ	۲۱۴	۳۱۱	دشت فاران سے، ارض حجاز اور حوالی کو مزار	۲۰۰
"	کی تفسیر	"	۳۱۲	ہجرت کی وقت حضرت اسمعیلؑ کا	۲۰۱
۳۶۱	حدیث سیدہ کی تفسیر	"	۳۱۳	حضرت ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کا قریب زور نام	۲۰۲
۳۶۲	توبہ کی حقیقت اور نبیؐ کا حشر کی غلط فہم	۲۱۵	"	ہونا اور بنی جبریم کو ہی سکونت کی اجازت دینا	۲۰۳
۳۶۳	نوحؑ و ہودؑ تفسیر کی حقیقتی تفسیر	۲۱۶	۳۱۹	حضرت ابراہیمؑ اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی	۲۰۴
۳۶۴	توبہ کے تفسیر اور اس کی	۲۱۷	"	جائے تفسیر	۲۰۵
۳۶۵	توبہ کے تفسیر اور اس کی	۲۱۸	۳۲۱	حضرت اسمعیلؑ کی ہجرت اور اس کی	۲۰۶

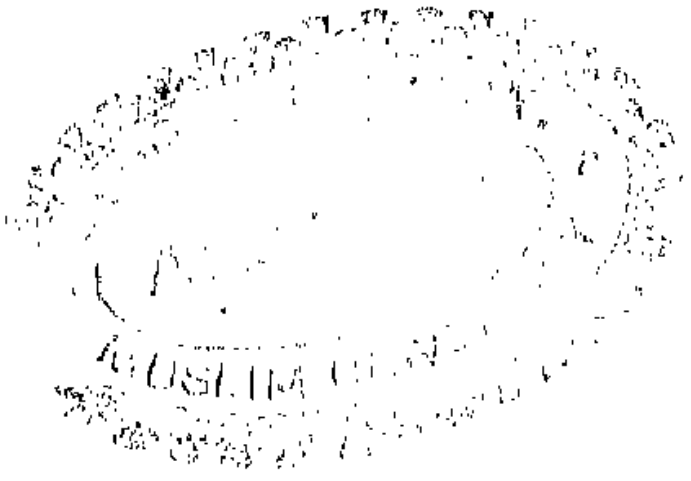
۲۱۹	شہادت حسینؑ زچ عظیم ہے	۲۲۱	۲۲۲	انباط کی سیاست	۲۸۱
۲۲۰	۶ ب میں حضرت اسماعیلؑ کی رسالت	۲۲۳	۲۲۴	۱۰ کتاب البحر	۲۸۶
۲۲۱	اشوقت عرب کے کیا عقائد تھے	۲۲۴	۲۲۵	قیدار بن اسماعیلؑ کی قیام	۲۸۹
۲۲۲	حضرت اسماعیلؑ کی معاشرت	۲۲۵	۲۲۶	کتب قدیمہ سادہ میں بنی قیدار کے اخبار	۲۹۰
۲۲۳	بنی جرہم میں شادی	۲۲۶	۲۲۷	معار ابن عدنان اور حضرت یرمیاہؑ	۲۹۲
۲۲۴	وفات حضرت اسماعیلؑ	۲۲۸	۲۲۹	قبیلہ قریش سلسلہ نسب و جہ تسمیہ	۲۹۴
۲۲۵	ام اسماعیلؑ حضرت ہاجرہؑ	۲۲۹	۲۳۰	قریش قریش کی شاخیں شعبہ	۲۹۵
۲۲۶	فرعون اور ناموس رسولؑ کی توہین	۲۳۰	۲۳۱	سب سے پہلے قریش کون کسلا	۲۹۶
۲۲۷	حضرت ہاجرہؑ پر کنیزی کا غلط الزام	۲۳۱	۲۳۲	قصی ابن کلابؑ	۲۹۷
۲۲۸	لفظ عبری امتہ کی تحقیق	۲۳۲	۲۳۳	قصی سے پہلے تولیت کعبہ اور امارت مکہ کے حالات	۲۹۸
۲۲۹	لفظ عبری شفہ کی تحقیق	۲۳۳	۲۳۴	قصی کے ابتدائی حالات	۵۰۱
۲۳۰	ہجرہ اور طورہ کا ایک ہونا غلط ہے	۲۳۴	۲۳۵	قصی کو اپنی حقیقت نہی کیسے معلوم ہوئی	۵۰۲
۲۳۱	لفظ سارامین کی تحقیق	۲۳۵	۲۳۶	مکہ میں قصی کی بازگشت و دہرے بانیوں کی	۵۰۳
	خانہ کعبہ معظّمہ			امت پر ملاقات مکہ میں سکونت بنی خزاعہ و شادی	
۲۳۲	قیامت کعبہ معترضین کے تعریضات کی تردید	۲۳۶	۲۳۷	خانہ کعبہ کی کلید برداری مکہ کی امارت کعبہ کی تولیت	۲۵۵
۲۳۳	غلاف کعبہ و سقف کعبہ	۲۳۷	۲۳۸	بنی خزاعہ اور مکہ سے اپنے حقوق کا مطالبہ مقابلہ فتح مکہ	۲۵۶
۲۳۴	سقف کعبہ بعد ابراہیم	۲۳۸	۲۳۹	قصی نے زور شمشیر سے کفتح کیا کسی جیل و تدبیر سے	۲۵۷
۲۳۵	تولیت خانہ کعبہ	۲۳۹	۲۴۰	قومی اصلاح اور دارالندوہ کی افتتاح	۲۵۸
۲۳۶	اولاد اسماعیلؑ کے مختصر حالات	۲۴۰	۲۴۱	دارالندوہ میں قصی کے خاص حقوق	۲۵۹
۲۳۷	انباط عصب	۲۴۱	۲۴۲	عبد مناف کی امارت	۲۶۰
۲۳۸	انباط مینالوط اور نابت ابن اسماعیلؑ الفاظ مترادف ہیں	۲۴۲	۲۴۳	ہاشم ابن عبد مناف کی امارت	۲۶۱
۲۳۹	انباط کی حکومت رتبہ حکومت دارالحکومت	۲۴۳	۲۴۴	ہاشم کے خدمات مکہ ملکی اور قومی اصلاح	۲۶۲
۲۴۰	لموک انباط	۲۴۴	۲۴۵	ہاشم اور قومی تجارت	۲۶۳
۲۴۱	انباط کا تمدن	۲۴۵	۲۴۶	ہاشم مرحوم اور قصیر دم	۲۶۴
۲۴۲		۲۴۶	۲۴۷	شاہ حبشہ کے نام ہاشم کا خط	۲۶۵
		۲۴۷	۲۴۸	ہاشم کی ملکی اور قومی خدمتیں	۲۶۶
		۲۴۸	۲۴۹	مکہ میں ہوا اتر سب سے پہلے اور ہاشم کی فیاضی	۲۶۷

۵۴۶	حضرت عبد المطلب کی نذر	۲۸۲	۵۱۷	ہاشم کے ساتھ اُمّیہ کی خاصیت	۲۶۸
۵۴۷	حضرت عبد المطلب کی نذر	۲۸۲	۵۱۸	ہاشم کے ساتھ اُمّیہ کی منافرت	۲۶۹
۵۵۳	ابوہریرہ بن الصّبّاح کی خانہ کعبہ		۵۱۹	واقعات صحیحہ سے بولنے سیرۃ النبی کی صحیح چشم پوشی	۲۷۰
	پیر چتر پائی، اہولان		۵۲۰	اہل البیت	۲۷۱
			۵۲۱	سلمیٰ بنت عمر سے عقد	۲۷۲
			۵۲۲	ہاشم کی وفات	۲۷۳
۵۵۴	فوج ابوہریرہ کی چڑھائی	۲۸۳	۵۲۳	عبد المطلب بن عبد مناف کی امارت	۲۷۴
۵۵۵	انہد ام کعبہ کے متعلق اصحاب فیل کی	۲۸۵	۵۲۴	حضرت عبد المطلب بن ہاشم کی امارت	۲۷۵
۵۵۶	ناکامی		۵۲۵	عبد المطلب کے حالات کی کیسے اطلاع ہوئی	۲۷۶
۵۵۷	سید صاحب دغیرہم کی غلط فہمی	۲۸۶	۵۲۶	شبلی صاب اور قتلاعب عبد المطلب کا استخفاف	۲۷۷
۵۵۸	ابا بیل کو آبلہ کی جمع جملانا ابلہ فسریدی	۲۸۷	۵۲۷	نفسیہ چاہ زفرم	۲۷۸
۵۵۹	ہتہ		۵۲۸	نعمیر زفرم میں قریش کی مخالفت	۲۷۹
۵۶۰	آبلہ غری کا کوئی لفظ نہیں ہے	۲۸۸	۵۲۹	مخالفت قریش اور عبد المطلب کے استحقاق	۲۸۰
۵۶۱	زول ابابیل غراب الہی تھا	۲۸۹	۵۳۰	مخالفت عبد المطلب میں قریش کی آخری حرکت مذبحی	۲۸۱
۵۶۲	حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی زندگی	۲۹۰			
	تہمت بالخیر و الخیر				

المبلف

دخان بہادر، سید اولاد حیدر، فوق بیکرانی

عفا دار الشان



الترکبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَسْمَحُّ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلِّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَحَاطَمِ السَّیِّئَاتِ وَالْه
الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

میرے سلسلہ و خات حضرت چاروہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی یہ آخر کتاب ہے اور یہی
آخر ہے جو ظاہر میں آخر و حقیقت میں اول ہے۔ اول اس لئے کہ **سیرۃ الرسول** (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)
ہے۔ جو سابق اجزاء سے سیزدہ گانہ کی اصل الاصول۔ آخر اس لئے کہ سب سے آخر میں لکھی گئی۔ اور نیز اس رعایت خاص
سے کہ ختم الرسل اور نبی آخر الزمان کے حالات میں صلاوا علیہ والہ وسلم کی ذات قدسی صفات منازل
رسالت کی کائن اور مناصب نبوت کی متمم ثابت ہو چکی ہے۔

وجہ تاخیر | ایسے متمم رسالت کے حالات و واقعات کی تحقیق تفصیل اور تشریح کے لئے مولف کو کئی جمعیت اور انتہائی
ہمت سے کام لینا ہے۔ میری سابق تالیفات اسی کل کی جزئیات تھیں اور اسی اصل کی فروعات جنہیں سوائے اندرونی
پیمیدگیوں کے بیرونی مشکلات کی تنقید و تفصیل اور جرح و تعدیل کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے انکی تدوین و ترتیب کے منازل
و مراحل بالتدریج و ترتیب پہلے طے کر لئے گئے۔ اور ان سے کئی فراغت اور خاطر خواہ جمیدت حاصل کر کے اس **سوال الرسول**
کی مبارک تدوین سے سعادت اندوز ہونے کی کوشش کی گئی۔

ترتیب تالیف میں تقدیم و تاخیر کا التزام مناسمجہر عاید نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مجھے اکثر صحابہ سیر و تاریخ اور ارباب تحقیق
نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ میرے اس کتاب میں میرے مخاطب اعلیٰ شمس العلماء مولوی شبلی حیدر انصاری
سیرۃ النبوتی کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں۔

میں اس بات سے ناواقف تھا کہ میرا فرض اولیٰں ہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے سیرۂ نبویؐ کی خدمت انجام دیتا۔ مگر یہ ایک ایسا اسم اور ناز کہ فرض تھا کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جرات نہ کر سکا۔ تاہم میں دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں، ”یہاں چھ م

یہ عبارت لکھ کر گویا شبلی صاحب نے میرے موندہ کی بابت تھیں لی۔ بلکہ ظہورِ کتب سنہ ۱۳۱۰ء میں تاجیر اور عدم تخریر سیرۃ نبوی کے لئے بھی یہی مجبوراً ہی سمجھی جائیں۔ ممکن تھا کہ ابھی تاخیر ہوئی۔ مگر ایک تو اس وجہ سے کہ تمام سیرتیں تلے الترتیب تیار ہو چکی تھیں اور ایک ہی باقی تھی۔ دوسری یہ کہ شبلی صاحب کی سیرۃ النبی کی اشاعت۔ اسکی مہم مجمل۔ غیر مفصل اور تکمیل صورت نے۔ میری کتاب کی تالیف میں ایسی عجلت پیدا کر دی کہ پھر میں اپنے اس قصداً واراستہ کو ذرا بھی نہ روک سکا۔ محکم و خوب یاد ہے کہ میں اندون اپنی کتاب التمریض اسلام اللہ علیہا تمام کے آپس کا دینا چاہتا تھا۔ جس کو میں نے فوراً متروک ہو وقت کر دیا۔ اور بالآخر میری وہ کتاب بغیر کسی دبا چہ اور نقد نہ ہی کے چھپی۔ یہ میں نے کبھی نہ دیکھا۔ مگر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ کی تالیف در ترتیب سے پھر ایک دم کے لئے ہی غافل نہ ہوا۔ عجلت کی ضرورت اس عجلت کی کیا ضرورت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بالکل اچھوتی نظر کی سیرت نے شائع ہو کر مہمو قوم و ملت میں اور خصوصاً فرقہ مشیعہ کی حمیت میں ہی کیفیت پیدا کر دی جو سر و لیہ سرور صاحب کی بابت انتقاد کی اشاعت نے آج سے پچاس برس پہلے پیدا کر دی تھی۔ جسکو سر سید احمد خان نے منصفانہ ذیل عبارت میں تالیف فرمایا ہے۔

حسب یک کتاب چھپی اور ہندوستان میں پونجی تو لوگوں نے نہایت اوق و شوق سے پڑھا۔ مگر جب اُن کو یہ بات دریافت ہوئی کہ اسلام کی اور آنحضرت کے حالات کی نہایت سیدھی۔ سادھی اور صاف باتوں کو ہی تو وہ دیکھ کر اس دفعہ پروا نہ کیا ہے۔ جس سے حاکم ہونا ہے کہ پہلے ہی سے ہر صبح پراس کتاب کا گھنٹا مقصود و مراد کو خدا کی تعریف و تائید کو اور شوق و ذوق بالکل ٹھنڈا کر گیا کہ جو وہ اس خطاب سے علم انگریزی کی تفہیم کرتے تھے اور اپنے رویات و روایات سے مخصوص ناواقف تھے۔ آئین اس بات کا پتہ چاہیہ کہ اگرچہ مسروریم ہو، صاحب نے سیدھی۔ سادھی اور صاف باتوں کو ہی پڑھ کر پہلو پر تھکا کر رکھا ہے۔ تو فی الواقع ان کی تعلیم کیا ہے غصبات و تحقیر۔ دینا چاہیہ۔ اور جو ہر روز قبل صاحب کی سیرۃ النبی کی کچھ سنجیدگی کی کیفیت ہوئی۔ یہ کتاب ایمان و ایمان کی قیادت اور تھوڑے جتنی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی۔ لوگوں نے بڑے بڑے اشتیاق سے خوبدار مگر حسب کتاب پڑھتی اور محاورہ ہوا۔

خود غلط بلو انو اپنے ہا پنداشتیں
پھر تو قوم و ملت کے ہر برترے اور پاک و وطن کے ہر گروہ سے یہ سب ملنے ہوئے
لگی کہ شعلی صاحب نے (۱) اگر اے سبط جبر کی بشارت آنحضرت کو چھٹا یا۔ (۲) آنحضرت کو جس کی بکریاں اجرت
دفعہ دہری پر چرانا قبول کر لیا۔ (۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل بعثت ہی تھی۔ عرب کی قدیم داستان یوں کی انمول صحبتیں

رات بھر بٹھنا۔ (۴) ایک بار انہیں صبحتوں میں جاتے ہوئے راہ میں ایک شادی کے جلسہ کا تماشا دیکھنے پکڑے ہو جانا اور پھر وہیں سو کر تمام صبح کر دینا۔ (۵) حضرت علی رضی کا شراب پینا تسلیم کر لیا ہے۔ اور ان کے ایسی کثیر التعداد مثالیں جن سے سیرۃ النبی کی متعدد جلدیں سیاہ کی گئی ہیں ایسی ہی ہیں تو فی الواقع انکی حکایت کیا ہے؟

میری موجود کتاب **اسوۃ الرسول** انھیں مستفسرات کا جواب ہے اور شبلی صاحب کی غلط بیانیوں کی حقیقت کا دفتر انکشاف کر میں اپنی موجودہ تالیف کی اس وقت تک کوئی تفصیل کرنا پسند نہیں کرتا جب تک کہ شبلی صاحب کے دیباچہ پر کامل تبصرو نہ کروں اور اسکی حقیقت اور اصلیت کا بھی اسی طرح صاف صاف انظار و انکشاف نہ کروں جس طرح آپکی اصل کتاب کے تمام غلط شکوک اور ہم واقعات و حالات کے متعلق تحقیق و تنقید سے کام لیا گیا ہے۔

دیباچہ سیرۃ النبی **تخصیص** (۱) سیرۃ النبی کے مجلدات دیکھ کر مفصلہ ذیل رائے قائم کی گئی ہے۔
(۱) حقوق بنی ہاشم کے استخفاف و استیصال کے علاوہ جوہد سے آپ کا شعائر تالیف قرار پایا ہے جسکے لئے اخلاقاً اب سے کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ بنی امیہ کی جانبداری کے لئے آپ فطرتاً مجبور ہیں۔ بہت سے واقعات قدیمہ اور شاہدات عظیمہ جو تاریخ عرب آثار اسلام اور اخبار جناب سید الانام علیہ وآلہ السلام سے پورے تعلق رکھتے تھے قطعاً مروج القلم اور کالعدم فرادے گئے۔

استخفاف و استیصال حقوق بنی ہاشم

(۲) ان میں سے بعض لکھے بھی گئے تو انکی تفصیل و بیان میں بی ضرورت اور بی موقع اس قدر کہ نہ فی خستہ پار کی گئی کہ اُن مختصرات کو اشارات و استعارات شاعرانہ کہیں تو بیجا۔ اور عموماً پسلی اور چھپان سمجھیں تو نازیبا نہ ہوگا۔

بی ضرورت کوئی نامی

(۳) بہت سے واقعات کی تحقیق میں اپنی مقتداہ مختصرات و مصنوعات کا بی ضرورت اضافہ کیا گیا ہے۔ جو حقیقت اور واقعیت سے بہر حال دور ہے۔

بی ضرورت تنقید

(۴) اکثر ایسے واقعات سے جو تاریخ و مزیات عرب میں متواتر آتے کے درجہ پر پونچھے ہوئے تھے۔ اور شاہدات کہہ جاسکتے تھے۔ صرف اس وہمہ و اقیاس کی بنا پر کہ آپ کے نوایجا و فلسفہ تاریخی کے حدود میں ظاہری طور پر نہیں آسکتے تھے۔ انکار کر دیا گیا۔ اور قدما نے عرب کے ان اخبار و اقوال متفقہ اور نامستلزم پر تکذیب و تغلیط کا حاشیہ چڑھا دیا گیا۔
(۵) جس طمطراق اور تکلفات مالا یطاق سے تنقید و تحقیق واقعات کے کثیر التعداد معیار ایجاد کئے گئے اُن میں سے کسی کی بھی پابندی نہیں فرمائی گئی۔

مقررہ معیار سے انکار

(۶) اسناد کی تفصیل اور تعبیر میں بہت پر تاویل و تاویل پر تاویل کا بیانیہ دیکھی ہے اور پھر حدیثوں میں صحاح ستہ کی حدیثوں کو۔ اور صحاح ستہ کی حدیثوں میں صحیح بخاری و مسلم کی حدیثوں کو ترجیح بالمرجع عنایت کی گئی ہے۔ مگر اسوس کہ آغاز کتاب ہی میں امام بخاری پر حدیث کے غلط معنی لگانے کا الزام ثابت کر دیا گیا ہے (دیکھو لفظ قرار بط۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۹) اور انکے

ترجیح حدیث علی التایید

شراح حافظ ابن حجر، واقعہ پرستی کا مجرم لگایا گیا (ماہب بحیرہ کے حالات ص ۱۳۱) ان بنا پر ان محدثین اور انکی حدیثوں کی کیا وقعت باقی رہتی ہو اور کیا اعتبار اسلئے آپ کا قائم کردہ معیار بالکل طومار بیکار ثابت ہوا اور کچھ بھی نہیں۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

(۷) اسناد حدیث کی تصدیق و توثیق کے علاوہ معمول واقعات تاریخی کی تحقیق و اثبات کی نسبت بھی۔ اگرچہ وہ تہذبات (۷) ہی کیوں نہ ہوں۔ ۱۔ مقدار شدت احتیاط کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ غیر متقید اور غیر مستند کوئی واقعہ نقل نہ کیا جائے۔ مگر اپنی ہی کتاب میں۔ ۱۔ اپنے ہی دست و قلم سے اپنے دلائل کے اسناد اثبات میں صرف اس لکھ دیتے ہیں کہ اتفاقاً وہی گئی کہ اکابر صوفیہ نے لکھا ہے۔ (ذکر بیج تمہیل ص ۱۰۱)

حدیث صحیحہ کی
شرح و تفسیر
کے
انحراف

افسوس ہے کہ بزرگ صوفیہ اور ان کی کتاب کے صرف نام لکھ دیئے کی بجائے کلیفہ کو انفرادی گئی۔ اگرچہ ان کے قول کی تحقیق بحال نہیں ہو سکتی تھی تو روایت احاد کے اصول تنقید کے مطابق صرف ان بزرگ صوفیہ کی اہمیت اور نقیبت پر اعتبار کیا جاتا۔

(۸) اسلاف کی غیر متفقانہ اور محض کو آئندہ تقلید کے غلط اصول سے بظاہر تو قطع انکار کیا گیا ہے مگر اپنے مفید کتاب مضامین کی تصدیق و تحقیق میں انکھین بند کر کے قول سلف کی تقلید کی تہذیب پرستی گئی ہے۔ ۱۔ و بجز سوغتی اور مضبوطی سے کہ اگرچہ اس کے خلاف میں کسی ہی معتبر دستند قوس و اسناد آپ کے پیش نظر نہ ہوں مگر آپ ایک کو بھی نہیں اسلئے منافذ بنی الیہ با بنی عبد المطلب اور منافذ بنی شعیف با بنی عبد المطلب کے متواتر استقاط واقعات۔ باب الاجارہ بخاری کے خلاف طہقات ابن سعد کے قوس و اسناد روایات قصہ وغیرہ کی تعداد واقعات جو اس کتاب میں اپنے اپنے مقام پر پوری تحقیق سے لکھے گئے ہیں موجود ہیں

اسناد کتب
مستحکمہ و معتبرہ
کو

(۹) جن کتب حدیث۔ تاریخ و سیر کو دیباچہ کتب میں ساقطانہ اعتبار کیا گیا ہے۔ اصل کتاب میں انہیں کے اسناد دعائوں کے کثیر تعداد مقامات پر کام پایا گیا ہے۔ ماہب لہ نہ تہذیب قسطنطنیہ کے متعلق تحریر ہے۔

مشہور کتاب ہے۔ اسکے معنی قسطنطنیہ میں جو غلامی کے مشہور شاعر ہیں۔ حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے۔ کہ کتاب اگرچہ غایت بنفس سہ «مناذین کاہن» تھیں۔ لیکن ہزاروں کتب

کتاب ہند
ناشہ کر
سے
اسناد

۱۱ غلط ۱۱ جن میں موجود ہیں نہ تو انہی۔ رباعہ۔ ص ۲۶

لیکن تمام کتابیں کتب ماہب لہ کے حوالوں سے بحری پڑی ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہوں صفحات ۱۸۲ و ۱۸۳ و ۱۸۴ وغیرہ۔ طرفہ تو یہ ہے کہ غرائض اصلی والی موضوع روایت کی تنقید میں ابن حجر شراح بخاری کی تردید کتب میں ماہب لہ ہی کی جہات پیش کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۵۵

(الف)۔ اس الی کتب تاریخ کے متعلق جو واقعہ کی حدیث کرست کم حاجت سے کہ نہ راجح شروء کر گئی۔ مگر اپنی

کتاب میں اپنے حصول مطلب کے لئے تمام قیود و حدود و تورات کر تمام چھوٹی بڑی - عام و خاص اور متبر و غیر متبر کتب احادیث سے استخراج و استخراج فرمایا گیا۔ کمالاً یحفظی علی ناظر کتابہ

(ب) یہی کتب تاریخ کی بھی کیفیت ہے۔ لکھنے کو تاریخ قدیمہ عرب کی ایک جدول مفصل اور فہرست مکمل دیا چہ کتاب میں لکھی گئی ہے۔ اور انہیں سے۔ ابن ہشام۔ ابن اسحاق۔ طبری۔ اور ابن سعد کے منقولات و روایات پر اعتبار کیا گیا ہے۔ مگر اپنی کتاب میں مفید مطلب واقعات تاریخی کے نقل کے وقت۔ ابوالفداء۔ ابن اثیر۔ ابن ختمہ۔ مسعودی۔ ابن الوردي۔ غرض کوئی متاخرین نہیں چھوڑا۔ اور سب کے اقوال و ارشاد۔ بلا تحقیق و تنقید۔ داخل اسناد کر لئے گئے۔ پھر سابق معیار کے تعین اور دعویٰ دونوں پر یکساں ہوئے۔

(ت) سیرت کی بھی یہی صورت ہے۔ دیا چہ میں عرب کے تمام قدیم سیرت نگاروں کی بڑی بڑی فہرست داخل ہے (ملاحظہ ہو از صفحہ ۲۰ تا ۲۶) انہیں سے۔ سیرت ابن اسحق۔ روض الالف۔ سیرت ابن سید الناس۔ سیرت ابن عبدالبر و غیر ہم کی ایسی معدود سے چند سیرتوں کو قابل الاستاذ بنایا گیا ہے۔ مگر اصل کتاب میں حصول مطلب کے لئے۔ وہی مہمونی بھرتی ہے اور جگہ دوئم تک تو پہونچتے ہو پہونچتے۔ ملفوظات حضرت اشرف چہا نگار سیرت کے حوالوں کی نوبت پہونچائی گئی ہے۔ فاعترفاً بادل الابصار۔ جب ان معیار پر کام کرنا ہی نہیں تھا تو پھر ان کا یہ طومار درانجا کہوں نیا کر کیا گیا۔

(۱۰) دیا چہ کتاب کے پڑھنے سے۔ بطور ظاہر تو۔ آدھ طبع و شوکت الفاظ۔ منقذہ نظر تحریر۔ محققانہ اور منتدیانہ زبانی نشانی روشن و انداز سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔ اور ایسا کہ محد و تحصیل و تحقیق کے افراد قوم و ملت آپکی ظاہری عمارت آریٹون اور کاشی قلم کار یون سے معرب ہو جائیں۔ مگر حقیقت کی دور بین نگاہ میں جب اس آیت پر غور کرتی ہیں تو سوا سے بڑے بڑے عربی کے الفاظ۔ بڑی بڑی عربی کی قدیم کتابوں کے نام اور آئینے بڑے بڑے مصنفین و مولفین کے ناموں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کے علاوہ اگر کچھ ہے بھی۔ تو اپنی تحقیق جدید کی انانیت اور ایک فرقہ خاص اور قوم خاص سے حد و جہ کی نقسانیت۔

(۱۱) صحاح کی ان خاص مرقیات میں غمہ نا اور صحیحین بخاری و مسلم کی ان احادیث کی تفصیل و بیان میں خصوصاً۔ مولف کے مدعا سے خاص کی تہید تھیں۔ اس لغویانہ اور معنیانہ انداز سے غلو کیا گیا ہے اور اسد جہ افراط و تفریط اختیار کی گئی ہے۔ جس سے اسلاف کی کورانہ تقلید عقاید کی قدیم غلطیوں کی تائید۔ اپنے فرقہ خاص کی جنبہ داری ہرگز ممکن طریقہ سے اپنے مدعا و مطالب کی تصدیق۔ اپنے اصول خاص کی توثیق۔ جو جواز قیاس کی بنیاد پر۔ اگرچہ۔ منافق احکام الہیہ اور مخالفت احادیث بنوینہ ثابت ہوتے ہیں۔ صاف صاف نمایان اور آشکار ہیں۔ حالانکہ دیا چہ کی عبارت میں تمام تر حقیقت نویسی۔ واقعہ نگاری کے پیکر و عکس اور سچے و سچے فرمائے گئے ہیں اور ہر واقعہ کی غایت تحقیق اور کامل تنقید کیلئے چلائے گئے لئے شرح و بیان کے دریا بہا وئے گئے ہیں مگر شکل آئینہ اوہر سب سے ہر کچھ بھی نہیں۔

مفید مطلب قیات
بہجہ دھیمین ک
جانبداری میں غلو

(۱۳) اس حمل موضوع تالیف کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلاف کی غلط تائید تقلید میں اصل رسالت کی شان خاص نبوت

کے حقیقی اقتدار پر پامال ہو گئے مخصوصات نبوت اور مخصوصات رسالت عام کر دی گئے
تخصیص کی جس گتہ نصیم قسم کر دی گئی۔ شرف صحابیت میں جو حقیقت رسالت کے
فیضان صحبت کا ایک ادنیٰ اثر ثابت ہوتا ہے۔ اتنی اہمیت پہنچا کر دی گئی کہ صحابیت رسالت
کی حامل اور ایک صحابی پیغمبر کا مقابل قرار دیدیا گیا۔

شان
رسالت کی
پامال

(۱۴) احکام شوریٰ اور خلافت راشدہ کی وعظمت بڑائی گئی کہ رسالت اور اس کے علوم لبریت

اس کے نتیجہ بناوئے گئے اور وما یطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی کی نص صیح کے مقابلہ میں
انہم اعلوٰں یعنی فی امور الدنیا کی حدیث موضوع سے استدلال کیا گیا۔ گویا رسالت اور بعد گو یہ خصوص
میں تقسم کر دی گئی۔ امور عقبیٰ پیغمبر سے تعلق رہت اور امور دنیا صحابہ سے اور اس بنا پر رسالت
نظام قومی اور سیاسی کے لئے ناقابل رد قرار دیدی گئی۔ اور کمال رسالت بتھیں کر دیا گیا۔ تو
پھر سیرۃ النبی میں رہا کیا۔

رسالت و علوم لبریت
احکام شوریٰ و خلافت
کے نتیجہ بناوئے گئے

(۱۵) انہیں اصول موضوعہ کے ثبوت میں۔ بلا تفتیش و تحقیق تمام کتاب کی کتاب۔ ایک کثیر القیاد و انتفاع سے بہرہ منی

گئی۔ جو عملی اور نظری دونوں طریقوں کے دلائل سے راستہ کر کے نمونہ بن گئے ہیں جن کی تخصیص
میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ تجویز و تدبیر رسالت صحابہ کی رہے اور حکم شوریٰ کے نتیجہ
ہو جاتی ہے۔ اور سب پر مروجہ کہ نص ووص آئینہ سے بھی شریعت کے فیصلہ کی ترویج اور زعم اور ہمت
احکام نبویہ کی تعلیم ثابت کی جاتی ہے۔

اقول داراستہ کا ہ
سے حکم رسالت کی
تخصیص و تفصیل سے
قول صحابہ کی تصویب

(۱۶) جیسے جیسے تحقیق بڑھتی جاتی ہے ویسے ویسے اس اصول موضوعہ کی اہمیت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے یہاں تک

کہ یہ برآسمان نیز پرداختی۔ کا اظہار بیش ہو جاتا ہے ایک حدیث منقولہ عن معاذ بن انیساء الانبیاء کا نوریت
وونعموتس المیہ وللاذکر مثل خط اسکا انفساں اور ویرت مسیمن لدود منوع
کردے گئے ہیں۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

قول صحابی نہایت
در حدیث میں کی تفسیر

(۱۷) ان تمام موضوعات و موضوعات کا نتیجہ کیا نکلا؟ رسالت و نبوت۔ خلافت راشدہ کا ایک مندرجہ ثابت ہو کر

رہ گئی اور اس سے راہنمیں۔ اور اس کی مقدار حیثیت۔ میں حیثیت الوقوع ایک قومی حکومت تحت نظام انشور
دکھلا دی گئی۔ جہاں مراتب رسالت اور مراتب نبوت کی تخصیص و تفصیل قائم رکھنے کی کوئی ضرورت
نہیں پائی گئی۔

رسالت
خلافت کا
ایک مندرجہ

(۱۸) حقیقت رسالت مندرجہ بھی گئی اور کہیں کتاب میں تفصیل سے سمجھائی گئی۔ اتنی جی نہیں جتنی حکم

رسالۃ کی
حقیقت کہیں
نہیں ڈالی گئی

جلد دوم مطبوعہ حیدرآباد ص ۲۶۹ میں۔ امام فخر الدین رازی امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلی۔ حکماء کے اسلام (بقول شبلی صاحب) کی صرف عقلی ویلیوں سے بٹلائی اور سمجھائی گئی تھی۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ بیان اسکے بیان کی ضرورت آپ کے مدعا سے تالیفی کے خلاف واقع ہوتی تھی۔ اگر رسالت و نبوت کے اعلائے مقام مطالب کی تفصیل و توضیح۔ الکلام کی طرح۔ سیرۃ النبی کے مضامین میں بھی داخل کر دیجائی تو شوری اور خلافت۔ صحابہ اور صحابیت کی اہمیت میں تنقیص لازم آتی۔ اور رسالت و نبوت کے مقابلہ میں شور۔ اور خلافت کی نظام سیاسی و قومی کی اصابت و ثبوت میں مضبوطی و استحکام پیدا ہو جاتا۔

(۱۸) رسالت کی حقیقت پر روحانی انکشافات کے طریقہ استدلال سے ساری کتاب میں کسی ایک موقع پر بھی شبہ نہیں ڈالی گئی۔ اور آیت و اتباع النور المذی انزل معہا کے (جو سیرۃ النبی کے دیباچہ ص ۲۲ میں لکھ کر معرفت صحابیت کی ضرورت دی گئی ہے) مطالب و مقاصد سے۔ کہیں بھی بحث نہیں کی گئی۔ حالانکہ الکلام میں مسبق الذکر علماء و حکماء سے اسلام کے مخالف اذواقوال سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ رسالت سر پار وحائیت ہے۔ ملاحظہ ہو الکلام (۱) جلد دوم از صفحہ ۲۴۴ تا ۲۵۹ و (۲) ۲۵۹ تا ۲۶۸۔

رسالۃ کے انوار
حقیقت کہیں
نہیں بحث کی گئی

(۱۹) سیرۃ النبی کے ذفا تر تلاش۔ ورق ورق کر کے لوٹ جائے۔ تا جہاں رسالت کی نظری شکل۔ ایک شاندار دنیاوی اور قومی حاکم سے زاید ثابت نہیں ہوتی۔ جس کے زاید از ہزار سالہ گزرے ہوئے احکام و قوانین امتہا درجہ کی کوشش و سعی کے بعد۔ توڑ پھوڑ اور انبیج تان کر موجودہ زمانہ کے جدید اور غیر محفوظ نظام حکومت کے مطابق عموماً۔ اور دول یورپ کے آئین سیاست کے موافق خصوصاً ثابت کئے گئے ہیں۔

رسالۃ منہاج
مشورت

(۲۰) کتاب کی تینوں جلدیں (مطبوعہ موجودہ) پڑھ ڈالئے اور رسالت کے عمل و نظم پر غور کیجئے تو وہ نامتور اور علی الاکثر خلفائے راشدین اور صحابہ اکابرین کی اصابت رائے اور حسن مشورت کے نتیجے ثابت ہوتے ہیں۔ پھر سیرۃ النبی کے نسیم کی ضرورت۔

(۲۱) تفصیل واقعات میں علی الاکثر۔ جمہور محققین۔ علم الحدیث۔ علم التفسیر۔ علم السیرت اور علم التاریخ کی مزیات کی بالکل خلاف۔ صرف اپنے قیاسی مختار اور تاویل دور از کار کا انبار لگا کر اپنی قوت اجتہادی کا اشتہار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ قیاسات و تاویلات۔ علماء و محققین متقدمین و متاخرین کے اقوال و مختار کے مخالف ہونے کے علاوہ۔ قرآن مجید کے الفاظ و معانی کے بھی صحیح مخالف و منافی ثابت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرج حضرت اسمعیل علیہ السلام کے متعلق آپ کی غلط فہمی کی پوری تصحیح کر دی گئی ہے۔

فوج اسماعیل
غلط تاویل

(۲۲) اکثر مقامات میں ماخذ اصلی سے انھیں مزیات کی نقل و تحریر پر اکتفا کی گئی ہے جو آپ کے مدعا سے تالیف کے لئے مفید تھیں۔ اور ان سے بولف کی غرض خاص کی تائید ہوتی تھی۔ اور ان مزیات کو بالکل مرفوع خود غرضانہ طریقہ استنباط

سے اس سلسلہ مقدس کی عظمت و وجاہت کا تمام ملک و قوم عرب پر عہدہ تسطی قائم ہوتا ہے۔ اور اس بنا پر من حیث السیرت۔ اس سلسلہ مبارک کے نامبروہ اور سربراہ و زور و بزرگوں تفصیل و بیان سے قابل الذکر تھے اور ان ممتاز ان خاندان میں حالات قصی سے آغاز تفصیل کرنا ضروری تھا۔ مگر شبلی صاحب نے اپنے اصول تعمیر کی بنا پر ایسے نو وار قوم و قبیلہ کے حالات خاص میں بھی کسی تفصیل و تصریح کو مناسب و مصاحت نہ سمجھا۔

اس نو وار قبیلہ کے حالات و واقعات کی فہرست مختصر۔ ساڑھے چودہ سطروں میں بنا رہی کی تو قصی سے تین پشت پہلے تفصیل سلسلہ نسب میں ایک نام ہی چھوڑ دیا شبلی صاحب کی عبارت یہ ہے۔

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی بن کلاب۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۱۸ حالانکہ سلسلہ نسب کی صحیح ترتیب تفصیل یہ ہے۔ نضر کے بعد مالک۔ مالک کے بعد فہر۔ اور فہر کے بعد قصی بن کلاب ملاحظہ

ہو بلہری۔ ص ۱۱۰۲ ج ۱ مطبوعہ جرمن۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ جرمن۔ ابوالنہار ابن وردی۔

طرفہ تریو ہے کہ غلط نامہ میں بھی اس غلطی کی صحت نہیں کی گئی۔ اگر ایسا ہوتا تو کاتب یا مصمم رنگ کی خطا و فرد گذشت سبھی جاتی۔ جب ایسا نہیں۔ تو اس شبلی صاحب کی عجولت و رقی اور کوتاہی کے سوا اور کیا یقین کیا جائے گا افسوس آنا بنا حقیق اور معمولی سلسلہ نسب کی بھی صحیح نقل نہ کر سکا۔

(۲۴۷) اسی طرح ہاشم مطلب اور عبد المطلب۔ ممتاز بن ہاشم کے متعلق مشہور و معروف واقعات

تاریخی یا تو قطعاً قلم انداز کر دئے گئے۔ یا ایسے اختصار سے بیان کئے گئے کہ پیر سے پیر۔ پیر سے پیر۔ داشت۔ گم شد۔ بازیافت کے صرف چار جہوں میں۔ ساری یوسف زلیخا تمام کر دی گئی اب ابن

استغفار و حالات
ہاشم
مطلب اور عبد المطلب

واقعات کو عربی کی اصل کتابوں میں ملاحظہ کیا جاوے تو معلوم ہو جاوے گا کہ ان حالات میں کتنی وضاحت اور صراحت کا کام کیا گیا

ہے مثال کے لئے ملاحظہ ہو قصی کے حالات میں واقعات مناقرت۔ ہاشم کے زمانہ میں منافرة امیہ و عبد الشمس اور

عبد المطلب کے ایام میں منافرة حرب اور بنی تقیف کے واقعات قطعاً مفرع القلم فرماوے گئے اور عبد المطلب کے بعد حضرت ابیطالب کے

وقت سے تو بنی ہاشم سے ولایت کعبہ اور امارت مگر بالکلہ منقطع کر کے حرب ابن عبد الشمس کے سپرد فرما دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو پیرۃ النبی ص ۱۱۸

منافرة کے واقعات خاص کر کیون قلم انداز کر دئے گئے ہر طرف اس لئے کہ بزرگان بنی ہاشم کی ذاتی عظمت و وجاہت

اور خاندانی شرافت و نجابت سار قریش اور اقوام و قبائل عرب پر ان واقعات سے ظاہر ہوتی تھی اور یہ آپ کے اصول تعمیر

کے بالکل خلاف تھا جو اسکا اصل مقصود و موضوع تالیف ہے

انہیں وجہات کے سبب حضرت ہاشم کے کارنامات ملکی و قومی کو کل ۲۰ (سارے میں سطور ۱۰)

بن حضرت عبد المطلب کے جرائد خدمات کو کل ۲۰ (چھ سطور ۱۰) میں حضرت عبد المطلب کے حالات

تاریخی کو کل ۲۰ (سارے میں سطور ۱۰) میں اور علیا مگر حضرت امیہ خاتون سلام اللہ علیہا کے حالات کو کل ۲۰ (۵)

سارے پانچ سطروں میں لکھا کہ تمام کروا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ از صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۲

کیا ایک سیرت نویس اور تاریخ نگار کا طریقہ تحریر ایسا ہی ہونا چاہئے؟ کیا سیرۃ النبی سے پہلے بھی تاریخ سیرت یا تذکرہ کی کوئی کتاب لکھی گئی ہے؟ اگر لکھی گئی ہے تو کیا اس میں بھی اختصار پسندی اور کوتاہ فہمی، استخاطا واقعات اور استخفاف حالات کے ایسے ہی غیر متدین اور اہل طریقہ البغ اختیار کئے گئے ہیں؟ کیا سیرۃ النبی کے مفصل مولف نے ان حالات کی تدوین و تالیف کے وقت، عربی مآخذوں میں یہ واقعات و حالات نہیں دیکھے تھے؟ کیا تاریخ کبیر نام طبری میں جبکہ مطبوعہ جزیر من نسخہ مولف کے پیش نظر تھا، ان واقعات و حالات کی پوری تفصیل مندرج نہیں ہے؟ پھر شمس العلماء صاحب نے انکی حقیقت پر تحقیق کی کافی روشنی کیوں نہ ڈالی۔ ان میں چند واقعات لکھے بھی۔ تو ان کی تفصیل و بیان میں بالخصوص کبہ فہمی اور غلط فہمی کیوں اختیار فرمائی؟

ان تمام سوالات کا جواب ایک ہے اور وہ بالکل صاف و واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ حقیقتاً شمس العلماء صاحب اپنے ہول اختیار کردہ کی وجہ سے قلعی مجبور ہیں۔ آپ سلسلہ ابراہیمی میں بنو ثابت یا غیر بنو ثابت بنی مدنان یا غیر بنی مدنان، بنی متحد یا غیر بنی متحد، بنی قیدار یا غیر بنی قیدار، قریش یا غیر قریش، بنی اشور یا غیر بنی اشور، امیہ یا غیر بنی امیہ، غرض کہ تمام قبائل و عشائر کے جو بعد از نبی و دو نوع اسلام، جماعتیت کے عالم نفس کے پیدا کرنے والے، اور کچھ اور اگرچہ خلافت کے کل پرستہ در کیوسیرۃ الفاروق) ثابت ہونے والے تھے سب کو ذاتی نسبت و وجاہت میں برابر اور مساوی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ آپ کی مدد و رج کی دور نہ لکھی ہو کہ اس لحاظ سے یہ مسئلہ کہ آگے چل کر قریش کے کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر ترجیح کا دعویٰ نہ ہو سکے، اور تمام قبائل و عشائر صحت اصلیت کی ظاہری بنا پر مساوی المراتب ہوں جاویں۔ اگلے ان خصوص نہ مبنی امیہ کو بنی ہاشم سے وقت متاثر ہو کر شکستہ بن بنی ہاشم بنی بنو ہاشم اور نا کا مہاجر بن پر نا کا مہاجر بن حاصل ہو ہیں۔ ان کا بیان کرنا مشیل صاحب کے نمائندہ ثابت کے لئے بیحد مفید تھا۔ اسی اصول کی بنا پر آپ نے بنی ہاشم کی بنی امیہ پر ترجیح حاصل شدہ کے واقعات کو شروع ہی سے اصول تعمیر کی ایجاد کر کے بالکل منفل کر دیا ہے اور اس کے استغاثات کی کوششوں میں بنی ہاشم کو ہر جہت کا اظہار فرمایا ہے کہ بالآخر بعد حضرت عبدالملک بن عبدالعزیز کی ولایت کو وراثت کہہ اور اس کے لئے کے تدبیر و توانی اختیار سے مغزوں کر کے مسند امارت حریب ابو سفیان کے باپ کو حوالہ کر دی۔ اور اس سے قبل صاحب کا نفس مطلب یہ تھا کہ ایس وقت اور اسی زمانہ سے بنی امیہ کو بقا بد بنی ہاشم و قریش اور امیہ کے نسب پر ہیں، ہم اس منہ بن کو پوری تحقیق و تنقید کے ساتھ اس کے اصلی مقام پر لکھیں گے جو حال منہ بالانفیس تنقید کا حاصل ہے۔ یہ سیرۃ النبی کے مولف کی یہ غفلت قبول عرض اور ناقابل معافی فرد کہ اشتہار کہ وہ جس حال و تعب پر کسی سیرت نویس کا دیکھ کر تہ بین اس کی غفلت خاندانی کے چھپانے لکھتا ہے اور مٹا سنے میں اسے کوشش اور کوشش بہت ہوتے ہیں

وہ خصوصیت کے ساتھ قلمبند کئے جائیں گے اور جو حالات و واقعات آپ کے حالات سے کوئی نسبت خاص نہیں رکھتے وہ قابل ذکر نہیں سمجھے جائیں گے۔ آپ نے میرۃ النبی میں جو چھٹنا عرب کی تاریخی کلیات کا ایک جزو ہے دو عربی پیغمبروں کے حالات و واقعات کو قطعاً مرفوع القلم فرمایا۔ قوم عاد کا مختصر سا ذکر کیا۔ مگر ان کے نبی مرسل حضرت عھود علی نبیا وآلہ وعلیہ السلام کا مختصر ذکر بھی نہ لکھا گیا۔ اسی طرح قوم ثمود کے حالات اور ان کے قدم صنعات بیان کئے گئے۔ مگر ان کے پیغمبر جناب صالح علی نبیا وآلہ وعلیہ السلام کو کسی حال و واقعہ سے مسلمانوں کو کوئی خبر نہیں دی گئی۔ قدمت عرب کے معتقدین و مؤیدین اور علم پرستوں کے مولفین و مصنفین آپ کی اس فرد گزاشت اور اکتی نظر پر سخت خرفگی کرینگے۔

شبلی صاحب کو ان اولین مسلمان عرب سلام اللہ علیہما کے حالات و واقعات کے مرفوع القلم فرمائیے کیونکہ عیسائیوں اور یودیوں کے ان مثنویانہ اعتراضات کے اثبات کی طرف سے بھی نہ کوئی خوف آباور نہ کوئی حیا جو توریت و انجیل کی فہرست انبیاء و مرسلین میں ان کے نام نامی نہ درج ہوئیے باعث تزان مجید کے ان اخبار و قصص حسنہ کو (نعوذ باللہ) غلط مانتے ہیں۔ جو ان دونوں بزرگواروں کے متعلق مرقوم ہیں جس پر حضرت اور بیت پر حضرت ہے کہ آج تک ہر خواندہ اور ناخواندہ سلمان کو اس کا دعویٰ ہے کہ ان کے اصلی اور حقیقی ملک و وطن کی خاک پاک قدیم الایام سے احکام رسالت اور الہام نبوت کا قدیم مرکز ہے اور اسی بنا پر وہ اس ارض پاک کی تقدیس کو ارض بابل و شام کی تحریم و غفلت سے قدیم یقین کرتے چلے آئے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ان کی قدمت کی فخر انھیں دونوں قدیم پیغمبرین عرب کے وجود ہی پر مبنی ہے۔ تو پھر انھیں مقدسین کے حالات کو مرفوع القلم کرنا کسی بہرہ و اسلام اور خبر خواہ عرب کا کام ہو سکتا ہے ؟

(۲۷) اکثر مباحث کی تنقیدی تفصیل میں استدلال کے ایسے طریقے اختیار کئے گئے ہیں جو با خود متعارض

اور متناقض ہیں۔ اکثر تنقیدی مضامین بحث میں نہایت شرت سے کتاب میں طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور اسلاف کی تحریر کو اصلی معیار تحقیق بنایا گیا ہے۔ بخلاف اسکے اکثر مضامین مباحث میں اسلاف کے اقوال و ارشاد کی کامل تردید و تنقید قلمبند فرمائی گئی ہے۔ اور ان پر کھلے کھلے الفاظ میں غلط نویسی کی تحقیق اور غلط فہمی کے الزام قائم کئے گئے ہیں۔ بہت سے واقعات میں نقل کا حاصل کے اصول تحریر سے کام لیا گیا ہے اور بہت سے مندرجات کی بحث منقول میں۔ استدلال معقول کی نام معقول غلط کی گئی ہے۔ آپ کے اکثر طریقہ استدلال تنقیدی میں آپ کا قدم مقدم اپنے علمائے کرام کا متعلقہ نام مشہور ہوتا ہے۔ اور بعض مباحث و مسائل کے انداز تحریر سے آپ کی شان ایک کامل غیر مقلد کی ثابت ہوتی ہے۔ اکثر واقعات و مضامین کی نقل و تفصیل میں آپ کی شدت اختیار و استخراج و مستنبط موآخذ اصلی تک محدود پائی جاتی ہے۔ اور یہ ظاہر

تقدیر اسلام
۱۰
اصدار

ہوتا ہے کہ آپ اسلام کے کسی نہی میں فکر و عقل سے کام لینا نہیں چاہتے۔ اور اکثر مسائل کی تحقیق میں آپ واقعات کے ایک ایک لفظ کو مسائل عقلی کے مطابق ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اکثر واقعات تو اس سے بھی ترقی کی گئی اور اپنے کمال تحقیق کے انطاہدین سیرت و تاریخ کے ہر مسئلہ کو ہیئت و فلسفہ کی معیار و مقدار پر مجتمع آٹا رٹنے کی پوجہ سعی فرمائی گئی۔ اس غلط بحث کا آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ واقعات سیرت و تاریخ کے اصلی مقاصد و قوت ہو گئے۔ بحث ہی بحث رہ گئی۔ اور ان میں حقیقت کے متلاشی۔ اصابت کے متنبی۔ منقولات کے نگاہ مبالغہ سے فراغ نہیں ہوئے۔

(۲۸) تاریخ و سیرت کے مضامین کو ہیئت و طبیعیات کے مطابق کر نیکیہ شوق و تمنا میں معارف رسالت اور مشارف نبوت کے اُن مخصوصیات کو جو طبقات انسانی کی تعلیم سے علیحدہ ہو کر ان مقدس ہستیوں اور نورانی پیکروں کو روحانیت اور ملکوتیت کے حدود تک پہنچا ہوا بتلاتے ہیں بالکل قلم انداز فرما دیا۔ صرف اس خیال سے کہ وہ ہیئت و فلسفہ کے اصول کے مطابق نہیں ثابت ہوتے۔ گراسی کے ساتھ دماغ میں یہ تصور پیدا ہوئی کہ انبیاء و مرسلین سلام اللہ علیہم کی روحانیت اور نورانیت قرآن مجید کے کثیر التعداد آیات میں داخل ہے اور انحضرت صلعم کے اوصاف روحانی و نورانی تو آپہ و انبجوا النور الذی نزل معہ سے قطعاً ثابت ہے۔ اور جس سے آجپ شہ صحابیت کی بحث میں استدلال فرما چکے ہیں ملاحظہ فرمادیں۔

رسالت کے معارف
روحانی سے کہیں بحث
نہیں کی گئی

مولف کا یہ طرز عالمائے مذہب سے نہ مختلف نہ ہے۔ نہ فلسفیانہ ہے۔ بلکہ میرے متاؤن مزاجی اور مولفہ کی نامتناہی طبعی کا کامل ثبوت ہے حالانکہ الکلام میں ان تمام مباحث پر علماء حکماء اسلام کی تائیدی اقوال و ارشاد قائل فرما چکے ہیں۔

(۲۹) یہ تو صرف اسلامی مؤلفین اور ان کے موافقات سے اخذ و فضل واقعات و اختارات میں شبلی صاحب کے مختلف متغیر متلون اور غیر مستقل طریقہ تحریر دکھائے گئے۔ اب آپ کا انداز غیر اسلامی مؤلفین اور ان کے معترضانہ اقوال و آرا کی تائید و ترمیم میں اس سے زیادہ سلف انگیز و حیرت خیز ہے۔ یہاں معترضین کے جوابات عقیدہ میں قبلی صاحب کے اتنی ضرورت سے زیادہ زری اور ملا بہت اختیار فرمائی ہیں کہ گویا معترضین کے تمام معترضانہ مطالبات میں آپ نے تسلیمی جواب اور قبالی دعویٰ داخل کر دیا ہے۔ ان کے معنیانہ اور گمراہانہ استدلال کے مقابلہ میں بوض اس کے کہ اپنے پیش کردہ عقیدہ ہی اور رویہ ہی دلائل و براہین میں قوت و دفعہ پیدا کی جائے۔ بعد ضحیف و خوار اور لامتناہی تحقیق دکھلایا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر پورے مقابلہ کی بجائے پھر انداز کی کر کے کسی کسی طرح مخالف سے جان بچائی گئی ہے۔

مخالفین اسلام سے
مربوطیت

(۳۵) قیامت تو یہ کی گئی ہے کہ آنکے بے سرو پا اور محض بیجا اعتراضوں کے جواب میں بھی بعض مقامات پر متعصبین کے مقابلہ میں سپر انڈا دی تنقید و تردید سے تو ذرا بھی کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ اولیٰ اپنی ہی مرویات کی جو روایت و درایت کے تمام منازل و مراحل کو طے کر کے حدود متواترات و مشاہدات مسلمہ کے درجوں تک پہنچ رہی تھیں۔ تردید و تکذیب کر دی گئی ہے۔ مثال کے لئے۔ راہب بیکسیر کا واقعہ عظیم الشان ہو چکا ہے جس میں جناب رست تاب علی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صریح بشارت اور آپ کی رسالت کی صریح تصدیق و اجابت ثابت ہوتی ہے۔ مگر آپ صرف اپنے اُس واہمہ اور عیسائیوں سے معروب ہو جانے کی وجہ سے اسے بڑے متعدد دفعہ انکار کرتے ہیں کہ اسکی نقل سے عیسائیوں کا یہ نوبانہ قول کہ آنحضرت صلم نے رسالت کی ابتدائی نسیم ایک عیسائی عالم سے پائی تھی۔ مطابق ہو جاتا ہے۔ ہم نے اس واقعہ کی حقیقت اور اس متواتر روایت کی صحت اپنے تمام پرپوری تفصیل سے قلمبند کر دی ہے۔

(۳۶) اس طرح معراج کے عظیم الشان واقعہ کو اصل کتاب میں نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ موجودہ طریقہ فلسفہ تاریخ نویسی کے خلاف ہے۔ اور مشرقین یورپ۔ ان اقسام کے اندراج و اوقات کو مضحکہ انگیز خیال کرتے ہیں۔ استفہار اللہ۔ شعلی صاحب نے یہ نہ سوچ لیا کہ یعقوب کا ایمان پر سیرٹی لگا کر چڑنا اور اس طریق سے معراج کا حاصل کرنا آنکے عہد نامہ قدیم میں موجود ہے۔ جس پر تمام فلسفی اور غیر فلسفی یورپیہین افراد قوم کا ایمان ہے۔ اس سے زیادہ تعجب نہیں۔ یعقوب کا خدا سے رات بھر لشتی کرنا۔ اور اسی کا تھما پائی میں یعقوب کا چوٹ کھا جانا۔ انکی ران کا پھٹ جانا اور اسی بنا پر۔ اس موقع خاص کے گوشت کا انکی است پر حرام ہو جانا۔ اور اس سے زیادہ مضحکہ خیز و کفر انگیز۔ یروشلم (شہر بیت المقدس) کی دو شہر عورتوں اہلہ اور اہلیہ سے (لفوذا لشر) خدا کا بتلا ہو جانا۔ وغیرہ۔ ایسے ایسے کثیر التعداد لغویات و ہمارات پر پڑے ہیں۔ جس سے دنیا سے عیسائیت میں کسی فرد بشر کو انکار کی مجال نہیں۔

افسوس کہ ان لغویات و ہمارات کے قائلین اور معتقدین سے آپ اتنا معروب ہو گئے۔ کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کو جو ہر مکی خبر سر کا داخل قرآن ہے۔ مرفوع القوم فرادیا۔ اگر آپ سے اتنی جرات بھی نہیں ممکن تھی تو کم سے کم آپ نے اسکی تفصیل و بیان میں اپنے مرفی اور شن ڈاکٹر سر سید احمد خان کا طریقہ تحریر اختیار کر لیا ہوتا۔ اور اس واقعہ کی تشریح و توضیح کو۔ روایات کے صادقہ تک۔ جو تمام انبیاء کے کرام کی مقدس سیرت اور مقدس رسالت و نبوت میں داخل ہیں محدود کر دیا ہوتا۔ تاہم اہل اسلام کے اطمینان و دلجوئی کے لئے کافی ہو جاتا۔ آپ کے قلم کا علم و فرامان نے تو نبوت اور بنی اسلام کے اس قدیم اور بالکل سچے دعویٰ کو۔ جو اس کے مشاہد عینی میں داخل ہے بالکل نکذیب کر دی۔ لغو و باطل آپ کو اس شرناک تکذیب کی کس نے جرات دلائی۔ یہی مشرقین

یورپ کی فیلد نامہ تحقیق کی ظاہری ہیبت اور لفظی شکوک نے۔ یا خود آپ کی اس آرزو و حسرت نے کہ آپ کا شمار بھی کسی کسی طرح فلسفی مورخین و محققین یورپ میں داخل اور آپ کی کتاب سیرۃ النبی بھی فلسفہ کی جدید تصانیف میں شامل ہو جائے۔

(۱۲۲) جناب ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو تمام عیسائی مولفین و مصنفین حضرت سارہ کی کنیز بتلاتے ہیں اس لئے کہ تورات میں انکو کبیر لکھا ہے۔ شعلی صاحب سیرۃ النبی میں حضرت ابراہیم و اسماعیل کے جنتہ جنتہ تمام واقعات لکھے۔ اور قدامت کعبہ اور فوج اسماعیل کی خصوصیت کی نسبت۔ اور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارا اعلیٰ کی حقیقت کے متعلق عیسائی مولفین کی غلط فہم کی تنقید و تصحیح بھی کی۔ مگر افسوس ہے کہ اس مسئلہ واجب التعمید اور لازم التحقیق کی نسبت اتنا بھی نہیں لکھا گیا جتنا سر سید احمد خان صاحب خطبات میں آپ کے سامنے لکھ چکے تھے۔

حضرت ہاجرہ
کی کنیز تھیں
چوری گئی

(۱۲۳) تاثر منفرد رسالت اور منظر منقوشہ نوشتہ۔ جو حقیقہ کرام انبیاء علیہم السلام میں اعجاز عمر سے وقت و فائز تک۔ طبعہ غوام سے آنکھ اور ذاتی و صفاتی کو ممتاز بتلاتے ہیں۔ انشائنا و کتبنا بھی کہیں نہ کو نہیں کہے گئے۔ اس خوف سے کہ موجودہ فلسفہ تاریخ نویسی کے اصول کے خلاف ہو گا حالانکہ مولفین یورپ کے عہد نامہ ہا سے قدیم و جدید کی دونوں جلدیں اوٹھا کر دیکھی۔ لیکن تو تمام انبیاء علیہم السلام کے ان اثر روحانیہ اور منظر نورانیہ کے کثیر التعداد واقعات و مشاہدات مندرج پاسے جائیں گے۔ جنکے اوجہ و قبول سے کسی عیسائی کو انکار نہ ہو گا۔ مگر شعلی صاحب نے کہ بلا وجہ و بغیر سبب۔ اپنے نبی اور اپنے رسول (روحی لا لہذا) کے تاثر و مکاشفہ روحانیہ کو مقابل اندراج سمجھ کر قلم انداز فرمائے جاتے ہیں۔

خدا بصر رسالت
کا قلمی ہے

ایک ہم ہیں ہمیں ملنا بھی نہیں آتا ہے ہا ایک وہ ہیں جنہیں نصیب رہنا آتی ہے۔

سیرۃ النبی کے ورق کے ورق اور صفحے کے صفحے الٹ جائے۔ پچھم عربی۔ نبی مطہری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں ابتدا سے عمر سے آخر ایاام حیات تک کہیں ان مشاہدات و مکاشفات کا ذکر و تذکرہ نہیں۔ بچپن کے حالات اور ایاام طفولیت کے واقعات کل سوا پچھم (۱/۲) معارف میں لکھ کر ختم کر دئے ہیں۔ اور محض ہر عمر اور سطحی طور پر۔ یہ سچا سچ ہے ہاں آپ کے پرورش پائی کی کیفیت لکھی گئی ہے۔ مگر حلیمہ کے گھر میں آپ کے فیوض قدم سے بہت برکت کے جو آثار نمایاں ہوئے۔ اور جو قریب قریب تمام غریب کے قیام ماخزون بن دیج ہیں ایک بھی قابل ذکر نہیں سمجھے گئے ان حالات کے متعلق لکھا بھی گیا تو یہ کاسیران طائف کے تذکرے میں خلاف المعروف یہ شہا کا آپ سے اپنی پشت کا داغ دکھلا کر اپنی معرفت کرانا اور یا وانا کہ ایاام طفولیت میں ایک بار اپنے اسکی پشت میں کاٹ کھا یا تھا جس کا داغ اب تک موجود ہے۔

ان شواہد کے مقابلہ اور موجودگی میں قبیلہ بنی سعد یا ہوازن کی تعلیم و صحبت کو زبان رسالت کے کمالات کا تھا باعث تجویز کرنا صحیح بعقلی ہے۔ اگر شبلی صاحب ذرا بھی غور و تعمق سے کام لیتے۔ تو انھیں کی نقل کردہ حدیث سے حقیقت کا انکشاف کامل ہو جاتا۔ کیونکہ زبان رسالت نے اپنی فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ ترین زبان عرب ہونے کا جو دعویٰ فرمایا ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں انا اعمد کیمنا من فریش میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ تر فصیح ہوں اسلئے کہ میں تریش سے ہوں اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ اپنی فصاحت و بلاغت کو سب سے پہلے اپنا کمال خاندانی بتلاتے ہیں۔ ان الفاظ کے بعد ارشاد فرمایا ہے ولسانی لسان بنی سعد بنی بکر میری زبان بنی سعد بنی بکر کی زبان ہے۔ یعنی میری زبان بنی سعد بنی بکر کی زبان کے مقابل اور مماثل ہے۔

اس حقیقت کے مقابلہ میں بنی سعد کی تعلیم و صحبت کو انھیں صلعم کی فصاحت و بلاغت کا تھا اور پہلی عہد خیال کرنا اور انکی زبان کو تریش اور بنی ہاشم کے اعلیٰ ترین ادبیات پر ترجیح و تفصیل دینا گویا قول رسول ہلم کی تکذیب کرنا ہے (غور بانہ حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب نے شان رسالت ہی کو نہ خود سمجھا ہے اور نہ اپنی زبان کتاب میں اسکی اصلیت اور حقیقت کی کو سمجھائی ہے۔ اس بنا پر ان سے ایسی لغزشوں کا واقع ہونا لازمی ہے۔

(۳۵) اسی طرح مارکیہ لوہس مستشرقین کے اس مغویانہ تعریف کا جواب کہ ابطال الب آپ سے

بچپن میں اجرت پر مکہ والوں کی بکریاں چروایا کرتے تھے۔ ایسے ضعیف لفظوں اور نامستحکم طریقوں

مارکیہ لوہس کے
اعتراض
ناتقص جواب

میں دیا گیا ہے جس سے گویا تسلیم و اہتمام کے پہلو نکلتے ہیں۔ اگرچہ اس اعتراض کا اصلی

سبب آپ خود ابن ماجہ کے ایک شاخ کی غلط فہمی بتلاتے ہیں۔ اور اُنکے بعد بخاری کا اس

غلط استخراج و استنباط ثابت کرتے ہیں۔ مگر ہم اصل حقیقت کا انکشاف نہیں کرنا۔ طریقہ استدلال جو قائم فرماتے

ہیں وہ ایسا ضعیف اور خلاف اصول ہے جو غیر مسلم مترجمین کے لئے کبھی ممکن نہ ہو۔ اطمینان دہ اور تشریفی شخص نہیں

ہو سکتا کیونکہ وہ بخاری کی قصیدہ المنظرئی اور زود اعتباری کے جوابدہ ہیں۔ اور نہ ابن ماجہ کے شیخ سوید ابن سعید کی غلط

فہمی کے ذمہ دار ہیں۔ میں نے اس واقعہ کو پوری حقیقت کے ساتھ اپنے مقام پر بالتفصیل بیان کر دیا ہے۔ یہ تمام

انتقادات صحاح کی عموماً و بخاری صاحب کی خصوصاً عقیدہ تہذیب و تقلید کی وجہ سے پیش آئی ہیں۔ اور اس حقیقت

کے انکشاف نے ہر واقعہ کتاب بعد کتاب البخاری کی مختصری تنقید پر مجبور کر دیا ہے

صحت صحیح بخاری پر پست رائے نظر

(۳۶) صحیح بخاری کو بخاری مؤلف بنی بابا۔ پھر اس شدت و مصیبت کے ساتھ کہ وہ کتب زعماسیر۔ احادیث۔ تواریخ اور سیر پر شاہ مخاوند مرجع۔ معتبر اور سند تسلیم کی گئی۔ اسلاف کی تقلید کو رائے کا یہی اصلی طریقہ ہے۔ جو ایک محقق اور

و غیر ہم من اهل البیاع مختلف فیه فایکمالی جامع
 علی صحۃ مرقیات القدریہ فاما یلزم ان احادیثہما
 اصح الصحیح یعنی انہما مشتملہ علی شروط المعبر
 عند الجمهور و علی اکمال و ہذا لا یفید الا ان
 القوی ہذا هو الحق المتبع و نعم قال الشیخ
 ابن ہمام ان قولہ متقدیمہ و مرادہا علی اوایات
 الائمة الاخرین قول لا یعتقد بہ ولا یقتدی
 بل هو من تحکیمہم التصرفہ کیف لا و ات
 الا صحتہ من تلقا عد الہ الرواۃ و قولہ فیہم
 و اذا کان رواۃ غیر ہم عادیین ضابطین لہما
 و غیرہما علی الشوائب لا سبیل للحکمہ فیہما علی
 غیرہما الا شککما و لکن کمالا یلتفت الیہ
 فافہم

ص ۳۱۱

یہاں اس کے قدری میں اور قول روایت اہل بدعت مختلف فیه ہے
 پھر کوئی کمالی جامع ہو سکتا ہے۔ نعمتہ روایات قدریہ پر غلطی یہ
 کہ اگر لازم آتا ہے تو اس قدر کہ روایتیں ان کی صحیح ہیں یعنی مشتمل ہیں
 ان شروط پر جو معتبر ہیں جو میں ہو جہ کمال۔ تو اس سے نہ حاصل
 ہوگا اگر صرف ان قوی۔ یہی مذہب قوی ہے۔ کیا خوب کام
 شیخ ابن ہمام نے کہ اہل حدیث کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کتاب
 کی روایت کو دوسرے محدثین کی روایات پر توفیق حاصل ہے
 ایسا تو ہے جو کسی طرح قابل شمار نہیں بلکہ یہ ان کا حکم نہیں
 ہے۔ کیونکہ محض کمال و اتنا تو عدالت رواۃ اور قوت خود پر
 ہے۔ جب دوسرے محدثین کے راوی ایسے ہی عادل اور
 قابل ہوں گے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انکو تفریق دیا جائے۔ انہا
 میں کا حکم محض کے متعلق محض حکم کی شان میں ہے۔ جو
 جو کسی نوع و صورت سے التفات کے قابل نہیں ہو سکتا پھر کیا وجہ

بحر العلوم کی مندرجہ بالا عبارت سے صحت صحیح بخاری و مسلم پر اجماع عام کا غلط خیال عوام میں جو پیدا کیا گیا
 ہے اسکی مقدار حقیقت بخوبی معلوم ہو گئی۔ اس نتیجہ تحقیق سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ محققین علماء کے اسود
 انکرم ابتدائی سے حکم نگار ہے ہیں کہ صحیحین میں روایات متناقضہ جمیع میں جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں
 اور ہر دو ان عیوب کے انکی صحت اور دوسری کتابوں پر انکی ترجیح و تفضیلت کا فائل ہے وہ محض زبردستی سے
 ایسا حکم لگاتا ہے جو ہرگز قابل التفات نہیں ہو سکتا۔

علماء کا جین بخاری اتنا لکھ کر ہم ذیل میں ان علماء کے کرام کے صرف نام لکھ دیئے ہیں کہ انکے پر کتبہ کرتے ہیں جنہوں نے
 صحیح بخاری پر توفیق حاصل اور جین تہم کیا ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم ان کے علمی و اقوال لکھ کر اس بحث کو اپنی
 ضرورت سے زیادہ طول دینا پسند نہیں کرتے اور اسکی تفصیل کو کتاب المثنیٰ پر کتاب ابھر علی البخاری۔ مطبوعہ
 الفقیہہ امرتسر کے سلالہ اور جواہر پرچوں کر سٹے ہیں۔

سب ذیل اکابر محدثین و محققین۔ صحیح بخاری پر جین دار کی ہیں۔
 امام دارقطنی۔ ابن جوزی۔ ابن ثبانی۔ ابن عبد البر۔ علامہ عینی۔ باجی۔ ابن ہمام۔ ذوالنہین اندلسی
 شیخ عبد الحق دیلمی۔ ملا علی قاری۔ شاہ ولی۔ محب اللہ بخاری۔ بحر العلوم۔ داؤدی۔ حافظ ابو سعید۔ علامہ غسانی

ہم نے محض سرسری طور سے پچھلے علمائے معبرین قاوچین بخاری کے نام لکھ دیے۔ ان بزرگوں کے علاوہ یہ نکتہ بھی ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جیسا کہ الفقیہ اعرس نے لکھ کر بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ امام مسلم بن الحجاج ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی صحیح و مسند و سنن میں امام بخاری سے کوئی روایت نہیں کی۔ اگر کوئی روایت کی ہے تو وہ کس مقام پر ہے۔ اور اگر نہیں کی تو کیوں نہیں کی؟ کیا یہ لوگ بخاری کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ ان سے روایت کریں۔

رواۃ بخاری کی بحوث
صحیح بخاری کا غلط اور عیانتہ خیال جیسا کہ عالمگیر ہو رہا ہے۔ وہ حقیقت میں ایک فوہ علم
سے زاید ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ بخلاف اسکے۔ اسکی صحت پر اسکے آغاز تالیف ہی سے جرح و قدح ہوتی چلی آتی
ہے۔ یہاں تک کہ علمائے معتبرین کی ایک تعداد کثیر نے اسکی صحت سے انکار کر دیا۔ امام ابن ہمام کے مختار سے
اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ قرعی اور اہل بدعت رواۃ بخاری میں داخل ہیں۔ اب ہم ذیل میں چند روایان بخاری
کی حقیقت اور دکھلاتے ہیں جنس ثابت ہوتا ہے کہ حجانین اور شیطین امث۔ ہر قسم کے لوگ اس میں
علی الاکثر شامل ہیں۔

(۱) حریز پیر عثمان صفیانی ناصبی ہے۔ جسکی نسبت تہذیب التہذیب - جلد دوم ص ۲۴۰ میں مرقوم ہے :-

قال الصليبي شامي وكان يميل على علي وقال عمر بن علي
كان يتقصص علينا وقال يزيد ابن هارون كان عمر بن زياد
احب عليا من ابي وقال الحسن ابن علي اخلاص عن يزيد
نخوذ انت وقال انصحنات ابن عبد الوهاب هو قرولة
حدثنا اسمعيل ابن عياض سمعت حريز بن عثمان يقول
هذا الذي يرويه الناس عن النبي صلى الله عليه وآله
ورسله انه قال لعلي انت بمنزلة هارون من موسى
حق ولكن اخطأ الله اسمع فلت ما هو وقال انما هو
انت متنى بمنزلة قارون (منه زائدة) من موسى قلت عمن
ترويه قال سمعتنا الوليد بن عبد الملك انه قال وهو علي

عجلی کو بیان ہے کہ وہ خاشی تھا اور حضرت علی پر پر ابرطہن کیا کرتا تھا عمر
ابن علی کہتے ہیں کہ توفہ تیسویں علی کرتا تھا اور انکو نکالی دیتا تھا۔ جو بن
علی نکالی ایک سو دس موقع پر ایسا ہی قول کہتے ہیں فتوح بن عبدود کہ
کہتے ہیں کہ وہ متروک اندیشہ ہے اور بتو بہت ہم عمل ہیں یہ شریعت میں
کہ وہ (حزب) کثرتا تھا کہ یہ حدیث جو مشہور ہے اس میں نبی (ص) نے فرمایا
نور حضرت صام نے یون فربایا تھا (نور بادشہ) اس میں نبی (ص) نے فرمایا
مگر اس نے غلط کی۔ میں نے پوچھا نے کس سے سنا ہے وہ ایک اور دلیل
عبد الملک نے خضر پر ایسا ہی بیان کیا۔ ملازمہ انوس نے وزیر کو خط لکھا میں
کہ اسے اور بیان کہ اسے کہ کہ حزب نے کہا کہ رسول (ص) نے جب جاہ کہ
اپنے خیر پر اور یوں تو اس نے اس کے سے اگر اس کے لگا رہے ہیں کہ اس کے

منبر وحی الازدی فی الضعفاء ان النبی صلی اللہ علیہ
والہ وسلم اذا کان بمرکب بغلیۃ جاء علی فحل یخولم البغل
لیقع النبی صلعم قال الازدی من کانت هذا حاله
لا یرکب عنده قلت لعلہ سمع هذا القصة ایضا
من الولید قال یحیی بن صالح وخطابی الی وزیر ابن
عثمان بن عید بن الحسن بن علی بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
تقیص علی ابن ابی طالب کلا یصلح ذکرہ حدیث معقل
منکر حدیث لا یروی مثله من یتق الله وقال العجائب
ابن صالح لکن یتب عن حرز فقال ایتب اکتب بن رجل
صاۃ مع صلوات الفی سبع سنین فکان لا یخرج
من المسبح حتی یلعن علیا سبعین مرۃ و
قال ابن جان کان یلعن علیا بالفرۃ سبعین مرۃ
بالغنی سبعین مرۃ فقیل له فی ذلک فقال لہ ان قال
دوس ابائی واجدادی وکان داعیۃ الی مذہبہ
بشکب ما یتہ وقال ابن حجر عقیلی عند البخاری
حدیثان۔

گہڑیں۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ شاید اسکو بھی وہی ابن عبد الملک
سے سنا ہوگا۔ یعنی ابن صالح وخطابی بیان کرتا ہے کہ حرز نے
تقیص بنخایہ امیر بن ایک ایسی حدیث بیان کی کہ اسکا ذکر
بھی مناسب نہیں۔ اور حدیث معقل اسدرجہ قابل نگار ہے کہ
کوئی شخص جو خدا سے ڈرتا ہوگا کبھی ایسی بات کو نہ بیان کرے گا
یہی ابن صالح سے عجا نے پوچھا کہ حرز بن عثمان سے تم
نے کوئی حدیث کیوں لکھی۔ عجا نے جواب دیا کہ ہم کیا کرے
شخص سے روایت کر سکتے ہیں کہ جس کے ساتھ ہم نے
سات برس تک کامل نماز صبح پڑھی اور وہ روزانہ مسجد
اُس وقت تک نہیں نکلتا تھا۔ جب تک کہ علی ابن ابی طالب
پر ستر باز نہ کر لیتا تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں
کہ وہ ہر روز صبح کو حضرت علی پر ستر مرتبہ اور
شام کو ستر مرتبہ کیا کرتا تھا۔ کسی نے اُس سے وجہ پوچھی تو اُس نے
کہا کہ علی نے میرے سر پر آوروہ بار بار اُس کے سترتے ہیں۔ یہ حرز ایک
بچہ مذہب خاص کا داعی تھا۔ پھر ایسی شخص سے کیونکر روایت لیا کرتے تھے
ابن حجر عقیلی کہتے ہیں کہ بخاری نے اس حرز سے دو حدیثیں لی ہیں۔

(۴) عمران ابن حطان خارجی ہے۔ - تاریخ ابوالفداء میں حسب ذیل انکے حالات تحریر ہیں۔

عمران ابن حطان خارجی ہرشی ابن بلعمہ
یا خریۃ من دلی ما اراد بها
اللیبلغ من ذی العرش فواتا
الی لا ذکرہ یوما فاصعبہ
اوفی البریۃ عند الله مبارانا

عمران بن حطان خارجی نے ابن بلعمہ کے مرتبہ میں یہ اشعار پڑھ کر
کیا چڑھ کر تھی اُس دلی ابن بلعمہ کی جس نے
نفس خود شوری خدا کے ارد سے۔ سے دُھڑب رگانی
میں جب ابن بلعمہ کو یاد کرتا ہوں تو گمان کرتا ہوں کہ
میں کا میری عملیہ کے آگے تمام مخلوق سے زیادہ پورا

وقال العقیلی فی الاصابۃ عمران ابن حطان
یکفی اباشواہ تابعی شہور وکان من رسل الخوارج

ابن حجر عقیلی نے کہا کہ عمران بن حطان مکرر وہ خوارج مشہور تھے
سے ذکر ہے صحابہ میں کسی نے نہیں کیا اگر قاضی حسین ابن محمد ثانی نے

تعلیقات میں عمران کو صحابی بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ جب عمران کے شرابو العلیب العلیری نے یسے تو اس کے جواب میں شیعر منقول
 میں عمران ابن حطان کے اشعار پر پتیرائی ظاہر کیا ہوں
 جو اس نے ابن بلجم کی مدح میں بطون بیان کیے ہیں
 میں ابن بلجم کو یاد کرتا ہوں تو لعنت کرتا ہوں اور اس کے
 دین پر اور عمران ابن حطان پر بھی لعنت کرتا ہوں
 یہ لکھ کر قاضی حسین ابن محمد شافعی لکھتے ہیں کہ ابو العصب طبری خطاک
 جو عمران ابن حطان کی نسبت لعنت کے الفاظ استعمال کئے کیونکہ عمران
 ابن حطان صحابی ہے اور اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے نیز ابن
 حجر موصوفی کتاب مذکور (احادیث) میں لکھتے ہیں کہ بخاری اور ابوداؤد
 نے عمران ابن حطان سے روایت کی ہیں۔ اور محدث عثمان البلی
 نے عمران ابن حطان کو اہلسنت والجماعت میں شمار کیا ہے اور کتاب
 خیرین الحسیدین ابن حجر عسقلانی میں ہے کہ ابن خرمظہ طبری نے
 مانع کے ساتھ کہا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں اس امر کے متعلق کچھ
 خلاف نہیں ہے کہ ابن بلجم نے علی ابن ابی طالب کو قبل و بعد ازاں کی بنا پر
 کیا کیونکہ ابن بلجم نے کہا تھا کہ اس پر بی زین اسکی رائے ظاہر
 ہے بلکہ صاحب اب پر ہے

قال القاضي حسين ابن محمد هذا الذي قاله ابو
الطيب الطبري خطاء فان عمر ابن صبايا لا يجوز
لغناه قال ابن حجر العسقلاني وقد اخرج البخاري
وابن داود لعمران ابن حطان (الى ان قال) وعن
عثمان البستي قال كان عمران ابن حطان من هل
السنة في النخيل الجبيل ابن الجبيل العسقلاني
قال وبلغ ابن خرم فقال له اختلاف بين احد
من اهل السنة في ابن ابي مليح قتل عليا
منا ولا يجوز مقلدنا انه عليه الصواب

(۳۷) ابوقلایہ ہے جس کا پورا نام عبد اللہ ابن زید ہے۔ تنزیہیہ انکی نسبت مرقوم ہے۔

کان بجل علی ولہ میر وعندہ شینا
ص ۳۲۵ ج ۵ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں
ابو قلابہ عبد اللہ ابن زید ذکوانی
انہ کان دلس عن مسقطهم وعن لم یحکمہم وکان
وہ صحابہ کرام ہیں۔

اس کی وجہ سے اس کی تعلیم پر غور فرمایا ہے۔

۱۵۔ یہیں حضور قتل ہوا۔ صحابہ سابقین حضرت عثمان کی نسبت سے تاویل و تفسیر ثابت نہیں کیا جاتا۔ اجماع کبار ائمہ کے سے قتل عثمان پر بھی کمال اتفاق ثابت ہوتا ہے۔

قال ابو الحسن علی بن محمد القاسمی لما لکی فیما نقلہ
ابن التین شاح البخاری فی الکلام علی اقسامہ
بعد ابن نقل قضاۃ ابی قلابہ مع عمر ابن العزیز
علی مکانہ فی العلم کیف لہ یعارض اباقلا
فی قولہ ولیس ابوقلابہ من فقہاء
التابعین وھو معدود عند الناس فی
البطلۃ کذا قال تنزیب التذیب ص ۲۲۰ ج ۵

ابن اسبغ بن بخاری ناقل ابن کہ ابی قلابہ نے عمر ابن عبدالعزیز
سے مسئلہ قسامہ کے متعلق بیان کیا۔ جس کے مطابق عمر ابن
عبدالعزیز نے فیصلہ کیا۔ اس پر ابو الحسن ابن علی ابن محمد
قاسمی المساکلی کہتے ہیں کہ تعجب ہے عمر ابن عبدالعزیز
سے کہ باوجود ہیکہ وہ کسی عالم جیسے تھے۔ اور بن نے ابو
قلاہ سے یہ کیوں نہ کہا کہ تیسرا شمار تو بلکہ بیسویں حقون
من ہے۔

(۴) خالد ابن مہران ہے۔ تہذیب التہذیب میں ہے قال ابو حسانہ یکنب حدیثہ ولا یخرج
ص ۲۰ جلد ۳۔ اسکی حدیث لکھو مگر اس سے احتیاج نہ کرو۔ پراسی کہ اس میں یہ عبارت مندرج ہے۔

والظاہر ان کلامہ ھو آخہ فیہ من اجل اشار
البدع مناد ابن زید من تغیر حفظہ باخرہ او من
اجل دخوله فی عمل السلطان
یہ سب اعتراضات خالد پراسوجہ سے ہو۔ ہن حلیا کہ حاد
بن زید نے اشار کیا ہے کہ آخر عمر میں اسکا حافظہ خراب ہو گیا تھا
اور اسوجہ سے کہ وہ سلطنت کے امور میں داخل ہو گیا تھا۔

(۵) عب الا علی ہے۔ میزان الاعتدال میں مرقوم ہے۔

قال محمد ابن سعید لم یکن بالقوی فانت ستر
تسع وثمانۃ ومائۃ وقال احمد کان سری لقدام
وقال بندارو اللہ ما کان یدری امی رجلیہ
اطول ص ۲۸ جلد ۲۔
محمد ابن سعید کہتے ہیں کہ وہ قوی اکھریٹ نہ تھا اسوجہ
میں وفات پائی۔ احمد کہتے ہیں کہ وہ قدری طریق در آج
کاوی تھا۔ بندار کہتے ہیں کہ قسم بخدا وہ بھی نہ جانتا تھا کہ
کون پیر اس کا بڑا ہے۔

(۶) ابو اسحق اسمعیلی ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

روی جومیر عن مغیرۃ فقال ما افسد حدیث
اہل الصوفہ غیر ابی اسحاق والاعمش
تہذیب التہذیب میں انکی نسبت مذکور ہے۔
ابن حبان کتاب ثقات میں لکھتے ہیں کہ وہ اس شخص سے۔ اور
ایسا ہی حسین کہ ابسی اور امام طبری نے ابی اسحاق اسمعیلی کو ابن
میر شمار کیا ہے۔ تہذیب جلد ۸ ص ۹۶۔

(۷) عمر ابن محمد قتال امام حسین علیہ السلام ہے۔

طرقہ تو یہ ہے کہ یہ ابو اسحق ایسا شخص ہے جو عمر ابن سعد سے روایت کرتا ہے جو قاتل امام حسین علیہ السلام ہے میزان الاعتدال جلد ۴ صفحہ ۲۳۲ میں مرقوم ہے۔

عمر ابن سعد الذہری ہونی نفسہ غیر متہم
لکنہ باشرقتل الحسین و فعل الا فاعی روی
شعبہ عن ابی اسحاق عن العزاس ابی
حسن عن عمر ابن سعد فقام ایسہ رجل
فقال اما یخاف الله تروی عن عمر ابن سعد
فیکی وقال لا یخوف قال العجلی روئے عنہ الناس
تالیقی ثقہ وقال احمد بن زبیر سأل عن ابن معین
ابن سعد ثقہ فقال کیف بکون من قتل الحسین ثقہ۔

عمر ابن سعد ذہری اگرچہ فی نفسہ غیر متہم ہے مگر باشرقتل امام حسین علیہ السلام
کی وجہ سے وہ متہم ہے اور اس سے قتال اس سے ایسے ہی مرزوق ہے
شعبہ ابن اسحاق سے۔ وہ عمر ابن حریشہ سے۔ وہ ابن سعد سے روایت
کرنے لگا تو ایک شخص نے کہہ کرے ہو کر کہا کہ تجھ خون خدا نہیں آتا کہ تو عمر ابن
سعد سے روایت کرتا ہے۔ یہ سکر وہ اونے لگا اور کہنے لگا کہ اب ایسا
نکردن گا۔ عجلی کہتے ہیں کہ بہت لوگوں نے عمر سعد سے روایت کی ہے
اور وہ تابعی ثقہ تھا احمد ابن زبیر کہتے ہیں کہ سنی ابن معین سے پوچھا کہ عمر سعد
تھا تو بولے کہ شخص قتال امام حسین علیہ السلام ہو وہ بکوث ثقہ ہو سکتا ہے
کچھ ابو اسحاق اور عمر سعد ہی کی حدیثوں سے صحیحین بخاری اور مسلم بھری نہیں ہے بلکہ اسکے بیٹے ابراہیم اسکے
پوتے ابو حفص بھرا دیان صحاح ستہ میں داخل ہیں اور انھیں کے ساتھ۔ غرازمین ربیعہ۔ یزید ابن ابی یزید۔ قتادہ بن زید
بن جبیر۔ سب روایت صحاح ستہ سے ہیں۔

(۸) شہر ذی الجوشن ہے۔ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں :-

شہر ابن ذوالجوشن ابوالسابعہ الضبائی عن ایسہ
و عن ابی اسحق عن ابی یحییٰ الیس باہل الروایۃ فاثہ
احمد ثقہ الحسین رضی اللہ عنہ وقد قتلہ اعداؤہ
الفاخر روی ابو یکر بن عیاس عن ابی اسحاق
قال کان مشر یصلی مغنا ثم یقول اللھم انک تعلم
انی شریف فاعف عانی قلت کیف یعف اللہ لک وقد علمت
علی قتل بن رسول اللہ قال و یجاءت فیکہما تضییح ان
امراء فامولہم اعداؤہ باشرقتلہم و لا غالفناہم
لناشر من ہذا لا یخبر السفاۃ قلت ان ہذا لعلنا
قیح فانما الطاعۃ فی الامروہ ص ۲۰۰

شہر ابن ذی الجوشن۔ ابوالسابعہ الضبائی اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور
ابو اسحاق سمیع بن اس سے روایت کرتا ہے۔ مگر وہ اس قابل نہیں ہوگا
اس سے روایت کیا جائے۔ قتال ابن امام حسین علیہ السلام سے ہے جسکو عوام
نہارنے قتل کیا۔ ابو یکر بن عیاس ابو اسحق سے روایت کرتے ہیں کہ شہر
لوگوں کے ساتھ ہوا پڑھتا اور دعا کرتا کہ خدا یا رب ہم شریف ہیں تو ہم کو بخشہ
ہم نے کہا تو کو تو بخشا جاسکتا ہے حالانکہ تو نے قتل فرزند رسول اللہ
ہیں مانتا کی۔ اس نے کہا کہ ہمارے حکاموں نے ہمیں ہی حکم
دیا۔ پھر اگر اس حکم کو انجمن دیتے تو ان آپ کا کس کی ہون سے جی ہذا
ہوئے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ۔ غرازمین ربیعہ۔ یزید ابن ابی یزید۔ قتادہ بن زید
بن جبیر۔ سب روایت صحاح ستہ سے ہیں۔

(۹) عیاس ابن جحش بن قحطری ہے۔ تدریب التہذیب میں مرقوم ہے۔

قال ابن ابی حاتم عن ابیہ مجهول

(۱۰) اسرائیل ابن یونس ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے۔

اسرائیل ابن یونس بن ابی اسحاق سبعی الکوفی
دروزی محمد ابن البراء ابن المدینی اسرائیل ضعیف
واما یحیی القطان یحمل علیہ فی حال ابی یحیی
الفسات وکان لا یرضی الا ما یحیی القطان
فکان لا یحدث عنہ ولا عن شریک

ابن ابی حاتم اپنے باپ سے لکھتے ہیں کہ وہ مجهول کہیں سے ہے اور اسے اس سے

اسرائیل ابن یونس ابن ابی اسحاق سبعی الکوفی اوسی
ابو اسحاق شیبی کے پوتے ہیں ابن مدینی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف
ہے۔ یحیی قطان اس کی مذمت کرتے تھے۔ اور اس سے
ناراض تھے۔ اور وہ ٹونہ اس سے نہ آسکے کسی شریک سے
روایت قبول کرتے تھے۔

تہذیب التہذیب میں انکی نسبت یہ مذکور ہے :-

واطلق ابن خرمہ ضعف اسرائیل وسردیہ احادیث
عن حدیثہ بما صنع شناد قال عثمان ابن ابی شیبہ
عن عبدالرحمان ابن محمد بن اسرائیل سارق سرق الحدیث

ابن خرمہ نے اس کو مطلقاً ضعیف کہا ہے اور ان حدیثوں کو رد کر دیا
جسکا راوی وہ تھا عثمان ابن ابی شیبہ۔ عبد الرحمن ابن محمد بن اسرائیل
لکھتے ہیں کہ اسرائیل چور تھا۔ حدیثیں پرانا تھا۔ ص ۲۶۲ جلد اول

(۱۱) محمد بن یسار المعروف بہ بخاری۔ میزان الاعتدال مذہبی میں انکی نسبت تحریر ہے کذبہ الفلانی
فلان نے اسکی تہذیب کی ہے۔ میزان الاعتدال ص ۵۲ ج ۲

وقال عبداللہ ابن الدوری کنا عذر یحیی بن معین
یحیی ذکما بندار فریث یحیی لا یجاءئہ ولیستضعفہ
تہذیب التہذیب میں مرقوم ہے۔

عبد اللہ ابن الدوری بیان کرتے ہیں کہ یحیی ابن معین کی صحبت میں
بندار کا ذکر ہوتا تھا کہ اسکی طرف کوئی توجہ نہیں کی بلکہ تہذیب کی

قال اسحاق بن ابراہیم الفراء کنا عند بندار
فقال فی حدیث عن عائشہ قال قالت رسول اللہ
فقال لہ رجل یتخبر منہ اعیاذک باللہ ما افضحت
فقال کنا اذ خرجنا من عند روح دخلنا الی ابی حمید
فقال قد یان ذلک علیک وقال عبداللہ ابن اسمعیل
ابن سبیر سمعت عمر بن علی یحلف ان بندار یکذب
فیما یروی عن یحیی وقال علی ابن المدینی سمعت
ابی وصالہ عن حدیث رواہ ابی ہریرہ قال یخسر وفاق
فی السخویر کہ قال ہذا کذب وانکرہ اشکرا لک

اسحاق بن ابراہیم الفراء کا بیان ہے کہ ہم بندار کے پاس تھے تو
اس نے کہا عائشہ نے کہا رسول اللہ فرماتے تھے کہ ایک شخص نے
توک کر کہا کہ تو رسول سے مسخر کرتا ہے حدیث میں۔ خدا کی پناہ۔ دیکھو کیا
کیا نصیحت کیا کہ وہ کتنا تھا کہ جب ہم راج کے پاس سے باغیچہ کے پاس
جاتے۔ تو وہ کتنا تھا کہ تیری بات فاش ہو گئی۔ اور عبد اللہ ابن اسمعیل
ابن سبیر کہتے ہیں کہ ہم نے عمر بن علی کو کہنے سنا ہے کہ یہ جھوٹا ہے
ان روایات میں جو سبھی سے روایت کرتا ہے علی ابن یزید (اور استاد
بخاری) کہتے ہیں کہ ہم نے بن ہالی وصالہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ بندار
واقف فی السخویر کہ یحیی بن یونس نے کہا کہ یہ بالکل جھوٹا ہے۔

وقال حدثني ابي اود موقفا وقال سراج الفولاني
 لا يرضاه وقال كان صاحب حمام ص ۹۷
 ابن عيينہ کی مجلس میں تھے کہ ابنا کا ذکر کیا۔ یحییٰ بن عیینہ نے
 اسکی طرف کوئی اعتنا نہیں کی بلکہ اُس کی تضعیف کی۔ اسی طرح تواریخ بھی ہندو کہ نہیں پسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ تو کبوتر بار تھا
 کہان تک روایان بخاری کی ثقاہت و صداقت کے اوصاف کی تفصیل کریں۔ انہیں عشرہ کاملہ
 کی کمال صداقت مرقومہ بالا پر اکتفا کیجاتی ہے۔ روایتیں ست کہ اور البشیر پائان نیست ہو
 حقیقتاً ہیکو اتنی مقصدانہ تفصیل و تصریح کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ بشلی صاحب نے تو خود روایت بخاری کی تضعیف
 و تکذیب فرمائی ہے۔ اور ہم انھیں کی اصل عبارت کی نقل پر اس بحث کو تمام کرتے ہیں۔
 واقعہ یہ ہے کہ بیان کرنیوالوں کی تنقید فرماتے ہوئے مرقوم کیا گیا ہے۔

اس حدیث کا ایک ہی عبدالرحمن ابن غزوان ہے۔ اسکو بہت سے لوگوں نے اگرچہ ثقہ بھی لکھا ہے
 مگر اکثر اہل فن نے اسکی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں
 لکھتے ہیں کہ عبدالرحمن منکر حدیثین بیان کرتا ہے جس میں سب سے بڑا عجز و کبر کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن حجر
 تہذیب التہذیب میں لکھتا ہے کہ عبدالرحمن ابن غزوان خطا کرتا تھا۔ اسکی طرف اس وجہ سے شبہہ
 پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے مالیک کی حدیث نقل کی ہے۔ مالیک کی ایک روایت ہے جس کو حدیثین

بھوٹ اور فروع خیال کرتے ہیں۔ سیرۃ النبی ص ۱۳۱-۱۳۲

انحضرت صلعم نے (نعوذ باللہ) اپنے ایک صاحبزادے کا نام عبدالغزونی رکھا۔ اس روایت کی تنقید و
 تردید میں مرقوم کیا جاتا ہے۔

اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح سلسلہ ہے جو امام بخاری نے تیار فرمایا۔ روایت کیا ہے
 اس کا پہلا آدمی اسماعیل ہے جس کا پورا نام اسماعیل ابن ابی بونس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے
 اسکی توثیق بھی کی ہے۔ لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے:-

معاویہ ابن صالح	اسماعیل اور ابوس اسکا باپ دونوں ضعیف ہیں۔
یحییٰ ابن مغلطہ	وہ جبوت بولتا ہے اور بالکل ہشیع ہے
امام نسائی	ضعیف اور ثقہ ہے۔
نصر بن مسلمہ مزیلی	کذاب ہے۔
دارقطنی	میں اسکو صحیح روایت کے لئے پسند نہیں کرتا۔
سیف بن عیینہ	وہ بھڑکھڑکا ہوا ہے۔

سلم بن شعیب

مجھ سے خود اس نے اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات میں اختلاف ہو تا تھا تو میں ایک حدیث بنا لیتا تھا۔

مولوی صاحب خود ان روایہ بخاری کی تکذیب فرماتے ہیں اور اس کے کذاب ضعیف غیر ثقہ اور مضاع ہونیکا خود اقرار کرتے ہیں اور باوجود اسکے اس کتاب پر ایسے شیعہ و فریقہ بین کہ اپنے تمام طوائف تحقیق کا مقصد اقصیٰ اسی کو قرار دیتے ہیں ان ہذا لشیء عجائبنا لمتبرہ ایا اولیٰ لا لباب۔

علم تاریخ میں بخاری کی ہدایت

علم حدیث میں۔ جس کے خاص کر بخاری صاحب امام اولین قرار دئے جاتے ہیں۔ اسکے کمال کی توثیق ہماری مندرجہ بالا عبارت تنقیدی سے ثابت ہو گئی، علم تاریخ میں امام صاحب کو جیسا کہ پیشہ حاصل تھا۔ وہ توشلی صاحب خود تاریخ صغیر بخاری کی روایت تسمیہ عبد الغفری میں بخولی ظاہر فرما چکے ہیں۔ مگر ہم بھی مزید اطمینان کیلئے بخاری صاحب کی تاریخ والی کی ایک اعلیٰ مثالی میں نقل کرتے ہیں صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی صفحہ ۱۷۰ سطر ۲۵۔ باب اعدوا المرأة علی غیر زوجہا یہ باب کتاب النکاح میں ہے۔

حدثنا الحميد ناں سفیان قال حدثنا ايوب بن موه قال جری حميد بن نافع عن شبيب بنت ابي سلمة قالت لما جاءني الى سفیان من الشام وعت ام حبيب بصفرة في اليوم الثالث فاستحيت عاضبها وذرعيها وقالت ان كنت عن هذا الولا اني سمعت رسول الله صلعم يقول لا يجمل لامرأة توسر بالله واليوم لا خير ان تزوج علي ميت فرق ثلاث الا على زوجها فانها اتخذ عليه اربعة اشهر وعشر

تقریب حدیث کرتے ہیں کہ سفیان نے کہا اُس سے ایوب بن موسیٰ نے اُس سے جب بن نافع نے اُس سے زینب بنت ابی سلمہ نے کہا زینب نے کہا کہ جب ابوسفیان کے مکان کی خبر شام سے آئی تو ام حبيب نے قبر سے دن صفر یہ ایک قسم کی زرد رنگ کی خوشبو ہے، نکلا کر اپنے گال اور زلف پر لایا اور کہا کہ تم کو اس کی حاجت دی ہوگی اگر تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنتے ہوتے کہ مسلمان عورت کو اسے شوم کہ کسی کے زیرین تین دن سے زیادہ نہ کر زینب، نہیں کرنا چاہئے۔ اور شوہر کے مرنے میں چار ماہ اور دس دن۔

اس روایت میں بخاری نے جو یہ لکھا ہے کہ ابوسفیان کے مرنے کی خبر شام سے آئی۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ابوسفیان کا انتقال مدینہ میں ۳۱ھ میں ہوا۔ جیسا کہ حنفی شرح بخاری مطبوعہ بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۴ سطر ۲ میں حدیث کے شروع میں مرقوم ہے۔

قوله من الشام قال بعضهم فيه نظر لان ابوسفیان مات بالمدينة ولا خلاف بين اهل العلم بالاجاز وجمهورية على انه مات ثنتين وثلاثين۔

کہا بعض نے کہ اس قول میں کہ ابوسفیان کے مرنے کی خبر شام سے آئی۔ نظر ہے کیونکہ جب وہ مدینہ کو اسیر القنان ہے کہ ابوسفیان کا انتقال مدینہ میں ۳۱ھ میں ہوا۔

ابن حجر مصنف فتح الباری شرح صحیح بخاری میں۔ جو ایک اعلیٰ درجہ کے ایدو کیسٹ بنجامین بخاری ہیں۔

اور شیخ مذکورین بخاری کی ہر گز یہی ہوئی بات کہ بنائے کا انھوں نے بیڑا اٹھایا ہے۔ اُن کو بھی اُس کا اقرار کرنا پڑا کہ یہ بخاری سے غلطی ہو گئی۔ چنانچہ وہ عبارت فتح الباری کی جو مطبوعہ مذکور صفحہ مذکور میں اُس پریش کے حاشیہ نمبر ۱۰ میں ہے۔ اور بن الشام کے فقرے پر لکھا ہے۔ ہم تجھے نقل کرتے ہیں۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ بخاری کا یہ کنا کہ ابوسنن کا انتظام بنام بن ہوا بالکل غلط ہے اور بنام بن جوسر سے وہ ام حبیبہ کے بھائی زید بن ابوسنیان تھے۔ اور بن ابی شیبہ دارمی اور سند احمد بن یحییٰ یہی لکھا ہے کہ بنام سے مرنے کا جبرام حبیبہ کے بھائی کی اتنی نفی فتح الباری شیخ صحیح بخاری۔

قولہ من الشام قال ابن حجر هو وهم لانه مات با
المدینہ بل انما الذی مات بالشام نحو
ابن یزید بن ابی سفیان والحديث فی سند ابی
شیبہ والذی ارہی بلفظ لعی لا ختم حبیبہ او حیم لہما
وکلہما نحو مقوی کوئہ انما ہا۔

یہی صیح الکتاب بعد الکتاب باری ہے۔ اور اس میں اس قسم کی فاش غلطیاں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ امام ہی نہیں کی تاریخ بخاری کا پایکمال ہے، اور حقیقت حال۔ لاجل ولاقوۃ۔

اسی حیثیت اور واقفیت پر مشبلی صاحب حدیث توحید تاریخ کی کتابوں پر بخاری کے اقوال و تخار کو ترجیح بالمرجع کی فضیلت دیتے ہیں۔ حدیث میں مصدوق، غیر مصدوق، موثق، خیر، وثوق اور اہل وناہل رواہ کیا کچھ انبار لگا یا گیا ہے۔ اسکی کیفیت ابھی ابھی اوپر دکھادی گئی ہے، اور حقیقت کا انکشاف کر دیا گیا ہے کہ جن رواۃ اقوال صحیح بخاری کا دار و مدار ہے۔ ان میں۔ قدرتی، ناہمہی، خارجی، قائلان فرزند زول۔ مدرس غلطی فی الحدیث و ضائع اور کذاب کی بھرتی بھری پڑی ہے۔ پھر ان تمام جانب و مناقص سے پر اور مکتوب کتاب کو صحیح کیا صیح الکتاب کہنا سوا سے بد عقلی اور سبب عقلی کے اور کیا کہا جائے۔

نعتیہ مشبلی صاحب کی اس دلیری پر کہ وہ بخاری کی ان زبردست آشتوں کو ذرا بھی خیال میں نہیں لاتے۔ رواۃ کی تشدید کے علاوہ۔ خود بخاری صاحب کی روایات و اقوال میں مشبلی صاحب جو اختلاط و مناقص دکھاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

بخاری کے روایات میں
اسے متبع و باقر و زائد
سیرۃ نبویہ

(۱) بخاری بن روایت ہے کہ جب خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو اُنکا قد سا گھٹن کا تھا

حافظ ابن حجر اسکی شرح میں لکھتے ہیں

اس پر ایمان دار ہوتا ہے کہ قدیم قوموں کے جو آثار اسوقت تک موجود ہیں۔ مثلاً قوم ثمود کے آثار کائنات ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے قد اتنا بڑے نہ تھے جیسا کہ ترتیب سابق سے ثابت و ثابت اور اسوقت تک

و لیکن ہذا ما یوجد الا ان من آثار الا صم
الانسان کما یارثہ و خان مسا لہم تدل علی ان
واما اتھم لہم تکل منہ طہ العن علی جسمہما
یقتضی قبائہ الترتیب السابق و لہم یظہر الی الان

ما یزید ہذا لا شکال۔

جھکا اس اشکال کا جواب نہیں معلوم ہوا۔

(۲) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے کہیں گے کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت میں تو مجھے رسوا نہ کرے گا۔ اس حدیث کی شرح میں ابن حجر لکھتے ہیں۔

استشکل لا سمعیلی لہذا الحدیث
من اصلہ وظعن فی صحیحہ۔

اسماعیل نے اس اشکال وار کیا ہے اور اس کی صحت پر یمن کیا ہے۔

اسماعیلی کے اعتراض کا ابن حجر نے جواب دیا ہے۔ لیکن اسماعیلی کا درجہ یمن حدیث میں حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے۔ اس لئے اسماعیلی کا اعتراض کو غلط ہو۔ لیکن قابل لحاظ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث استدلال کے خلاف ہے۔

سبحان اللہ کیا شان فیصلہ ہے اور کیا الفاظ تجویز۔ ابن حجر سے اسماعیلی کا قن حدیث میں درجہ خاصہ ہے۔ بڑا بھی ہے۔ مگر یہ بھی شبلی صاحب کے نزدیک اسماعیلی کا اعتراض غیر صحیح اور مشکوک ہے۔ اور اگر غیر صحیح ہوگا تو تاہم قابل لحاظ ہو سکتا ہے، کون بتا سکتا ہے کہ ان بچپار اور ذوالمعنی الفاظ و جملہ منہ ہیں یا کلام لفظ کو بھی حقیقت اور حتمائی سے کوئی سروکار ہے۔ اس لئے اس کے کچھ پرہیز والا ان منطق معکوس کے کچھ پرہیز اقوال و آراء میں بغرض تفہیم و استفادہ اور بچار ہے اور غریب یا کو عمر بھر حقیقت کچھ بھی نہ معلوم ہو۔

(۳) عمر ابن مہمون سے روایت ہے کہ میں نے زیادہ جاہلیت میں ایک بندہ کو دیکھا جس نے زنا کیا رکھی، تمنا رہی "شمس العلماء صاحب زنا بوث ہے" اس پر اور بندوں نے مکار اسکو سنگسار کیا۔

حافظ ابن عبد البر نے جو مشہور محدث ہیں اس بنا پر اس حدیث میں تاہل کیا کہ باوجود کلام نہیں۔ اس لئے اسکے فعل پر زنا کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ نہ اس بنا پر انکو زنا دیا جاسکتا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :-

وفدا سنکر ابن عبد البر قیدہ عمر بن مہمون
ہذا وقال فیہا اضافۃ الزنا الی غیرہ کلف
واقامۃ الحمد علی الہیات۔

ابن عبد البر نے اس قصہ عمر بن مہمون کا کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں غیر کلام کی طرف اشارہ کیا اور باوجود کلام حد جاری کرنا کی نسبت و نشان قائم کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے یہ قول لکھا ہے کہ اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے۔ اگر سند صحیح ہے تو وہ بندہ زنا باجن رہتا ہوں گے۔

حافظ صاحب۔ ماثلاً اللہ بناری پرستی اتنی تو ہو۔ آپ کی تحقیق اسیق میں جنات بھی اقسام حیوانات میں داخل ہیں۔ اور شیطان بھی کیونکہ وہ بھی تو قرآن مجید کی نص و کان من الجن کے رو سے جنات میں شمار ہے ہاں حافظ صاحب یہ حیوانات وہاں گمراہ ارض کے کس اقطاع میں پائے جاتے ہیں؟ اور کس ملک و جزیرہ میں انکا سکنا ہے؟ زمانہ حال کے جدید یورپین نیچرلسٹ آپ کی اس تحقیقات و انکشافات سے بڑا فائدہ اٹھاتے گئے اور آپ کے ان اضافات کے بعد یمنون ہون گئے۔ ہم علامہ ابن حجر کی اعلیٰ قابلیت اور ان کی اس لغویت پر حیرت کریں یا شمس العلماء نے عمالی کے ان لغویات کے نقل کرنے پر تعجب کریں۔ باوجود اس کے کہ صاحب ان محدثین کے اقوال کو بے سرو پا اور مہمل باتوں سے مبرا اور معتر بلانے ہیں۔

(۴۱) صحیح بخاری میں حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ ابن ابی کے طرد اور ان کے حضرت صلح کے صحابہ میں جھگڑا ہو گیا۔ اس پر یہ آیت اتری وان طائفتان اقتدلا و اصلحوا۔ بیہما اگر مسلمانوں کے دو گرو آپس میں رجا میں تباہی میں صلح کرادو۔

روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ سو وقت تک عبداللہ ابن ابی سلول کا گروہ ظاہر میں بھی اسلام نہیں لایا تھا۔ اس بنا پر ان بطلان نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت قرآنی اس واقعہ کے متعلق نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ آیت میں تصریح ہے کہ جب دو گروہ ہوں اور یہاں عبداللہ ابن ابی کا گروہ غائب ہے۔ کافر تھا۔ حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے کہ تقلیباً ایسا کہا گیا ہے۔

ایک نہ نشد و نشد۔ حافظ صاحب جس طرح جنات کو حیوانات بناتے ہیں اسی طرح مومن و منافق کو تقلیباً ایک بنا کر اپنے مبالغہ آمیز شعر بیان کی پوری شان دکھانے میں۔ ان سے زیادہ عبرت آتی ہے تو بخاری کے حال پر اور ان کی بصارت فی القرآن اور مہارت فی احادیث پر۔ جو وحی الہی کی صحیح شان نزول کی بھی خبر نہیں رکھتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ عبداللہ ابن ابی سلول کبھی مسلمان بھی ہوا۔ مومن کہاں تک ہو گا ان ہذا اذیلو مبین فی الحدیث متحقق از دیباچہ سیرۃ النبی جلد اول۔ ص ۵۵-۵۶

کمال تعجب ہے شعلی صاحب کی اس ہرأت پر وہ بخاری کے اتنے قرآن و حدیث سے معارفات ایک ایک کر کے غور کیا کرتے ہیں اور کبھی تو خود اور کبھی دوسرے اکابر علماء و محدثین سے ان پر لازم لگاتے ہیں۔ مگر پھر بھی بخاری و مسلم کی تصدیق و توثیق میں جڑی سرگرمی اور پرجوشی سے۔ مقدمہ کتاب کے پائین حاشیہ میں یہ عبارت جو اقلیم فرماتے ہیں :-

حدیث میں متعدد کتابیں ہیں جو موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں ہے بخاری

اور مسلم حاشیہ ص ۵

اب مولوی شبلی صاحب کے کوئی کیونکر پوچھے جب صحیح بخاری میں ایک ایسی ہی حدیث نہیں تھی تو خود بدولت سر
یہی مولوی شبلی صاحب بن جنھوں نے ابھی ابھی بخاری سے اتنی ردائیں جو صریحاً اسلامی قرآنی
معارض اور مطالبہ حادیت کی مخالفت ثابت ہوتی تھیں۔ دکھلا دیں۔ پھر آپس میں کہ ایک
دوسرے مقام پر۔ اپنی ہی قلم و زبان سے۔ اپنی خود غرضی کے زیراثر ہو کر تالیف و اسلاف اور تائید بخاری میں
یون رطب اللسان ہیں۔

شبلی صاحب کی ذرا الجھنی
تکون مزاجی

اس موقع پر یہ نکتہ بھی خاک کاٹا کے قابل ہے۔ یہ مسلم ہے کہ حدیث روایت میں امام بخاری
مسلم سے بڑھ کر کوئی شخص کامل فن نہیں پیدا ہوا۔ رسول اللہ کے ساتھ ان کو جو عقیدت اور خلوص اور
شفقت تھی۔ اس کے لحاظ سے بھی تمام محدثین یزید زرتھے۔ سیرۃ النبی دیباچہ ص ۲۹

اول تو اس قسم کی تحریروں سے عموماً با استغناء بخاری و مسلم۔ دیگر تمام علماء و کابرین اسلام کے غلو و عقیدت اور الفت رسول نام
پر ناحق اور محض نازیبا حسد ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ابھی تک تو شبلی صاحب صرف حدیث و حدیث و حدیث رسول نام ہی کے
تعلق امام بخاری کا کمال ثابت کرنے پر اصرار فرماتے تھے۔ اب آپ مجتہد و الفت رسول نام میں بھی ان کے غلو و عقیدت
کے کمال کی یکتائی اور عدم الثالی کے دعوے فرماتے گئے۔ اس بنا پر ضرور ہوگا کہ شبلی صاحب کے اس غلط دعویٰ کی
حقیقت پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے۔

صحیح بخاری کے آئین پارے ہیں۔ لیلۃ القدر کے منطلق یہ حدیث مرقوم ہے۔

ندیت رسول بن
ام بخاری کی باران

باب فصل لیلۃ القدر و قول اللہ انما انزلہ فی لیلۃ القدر (وما ادرنا لہ لیلۃ القدر)
الفلا لیلۃ القدر خیر من الفل شہد ال آخرہ قال ابن عیینہ ما کان فی القدر وما ادرنا لہ لیلۃ القدر
وما ادرنا لہ لیلۃ القدر۔

اس حدیث میں اصل بحث ابن عیینہ کے قول سے ہے کہ انھوں نے کہا کہ قرآن میں جہاں ما ادرنا آیا ہے یعنی
کس چیز نے تجھے بتایا اس کا علم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور جہاں خدا نے ما ادرنا کہا (یعنی کون چیز تجھے بتائی ہے)
اس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھا۔ ما ادرنا یہ ہے کہ جہاں بصیغہ ماضی آیا ہے اس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے
اور جہاں بصیغہ مضارع ہے۔ اس کا علم حضرت کو نہیں ہے۔

بخاری کی اس حدیث سے تخریج پر حسب ذیل اعتراض قائم ہوتے ہیں۔

(۱) پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ اب حدیث رسول لکھتے ہیں یا تو ان تابعین کیونکہ ابن عیینہ جتنا نام سفیان ہے
نصرانی بن نہ خلیفہ۔ بلکہ ایک معمولی درجہ کے عالم ہیں۔ اس کے کلام کو یہ رتبہ کہاں ملا کہ حدیث رسول پر مقدم

ارکھا گیا مگر اسکا جواب مویدین صحیح بخاری عموماً اور غیر مقلدین حضرات یہ دے سکتے ہیں کہ ہم سنت رسول کے عامل ہیں۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کل علماء حدیث کا یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیث تعلق ہے یعنی سلسلہ رواۃ اس حدیث کا مقطوع ہے۔ کیونکہ بخاری اور ابن عیینہ سے ملاقات نہیں ہوئی جو یہ حدیث ان سے سنتے اور اس امر کو لکھا بھی نہیں کہ ان (ابن عیینہ) سے تشریح پر یہ حدیث صحیح کہاں رہی اور صحیح بخاری صحیح کیونکر ہوئی

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ محمد ابن یحییٰ ابن ابی عمر نے کتاب الاکان بن روایت ابو حاتم رازی اس حدیث کو موصول طریقہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن عینی اور ابن حجر ہی جواب دیتے ہیں۔ مگر دونوں صاحبوں نے اس پر ذرا بھی غور نہیں کیا کہ کسی دوسرے کے باتصال روایت کرنے سے۔ امام بخاری پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے کیسے رفع ہو جائے گا۔

(۳) تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر بغرض محال۔ یہ جواب قبول بھی کر لیا جائے تاہم کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔ کل شیء فی القرآن وما ادریک فقد اخبرہ۔ کل شیء ما قبلہ ما یدریک فامر بخیر بہ۔ ان الفاظ اور روایت صدر کے الفاظ میں برفورق ہے وہ ظاہر ہے۔ خدا کا نفعی علی المحقق ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۱۸۰ جلد دوم و تکرار لغاری ص ۱۶۵ جلد پنجم۔

(۴) چوتھا اعتراض یہ ہے کہ امام غلطالی کا مقول ہے کہ التفسیر ابن عیینہ ہیں۔ جو بروایت محمد بن عبد الرحمن بن خود ابن عیینہ سے منقول ہے۔ مجھے یہ عبارت نہیں ملی۔ بلکہ جو نسخہ بخاری حافظ ضیاء بغدادی نے اس کی طرف رجوع کیا۔ تو اس میں بھی اس عبارت کو نہ پایا۔ فتح الباری ص ۱۸۰ ج ۲۔

اب فرمائیے کہ جو عبارت خود ابن عیینہ کی تفسیر میں بھی نہیں ہے۔ اس کی نسبت کرائی کی طرف کس درجہ نہایت صحیح بخاری کی شان کو بلند کرتا ہے۔

(۵) پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اصل دعویٰ ہی غلط ہے۔ فتح الباری میں ہے۔

حاشیہ صفحہ ۱۰۲ شتہ وغیرہم یفعلون ہذا للشیخ محمد بن علی قاری لکھتہ بن وھذا القہر من لدنہ علیہ السلام کہ وہ جہاں آنا ملے۔ مگر مومنین اکثر العلماء اور من عرف بہ فہو بخیر و ح عند جماعۃ لا ینقضون بطلانہم من شذوذ احد البینہ۔ شیخ الشیخ محمد بن علی قاری شارح مشکوٰۃ۔

دوسرا الزام سیفان ابن عیینہ پر حاشیہ کا تفسیر میں ہے۔ قال یحییٰ ابن سعید اشہل ابن عیینہ اختلاف فی شذوذ سبع و تسعین لمن سمع منہ ہذا السنۃ والاکم بعد ہا مسماۃ لا شیء۔

ترجمہ ہے کہ جس شخص کی یہ حالت ہو اس کے اقوال سے علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خود کجاو سے درجہ بخاری کی جگہ

قد نقض هذا المحصر لقوله ما يدعيه صاحب هذه المقالة .
فاثباته في ابن مكنوم وقد علم بحاله وانته من
توكله ونه عنه الذكرى .

اس دعویٰ حمی پر اعتراض کیا گیا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے وہاں رکھو
یہ کہ ۔ یہ آیت ابن مکنوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے
حال کا علم تھا کہ وہ لوگوں میں جتنا مذکور ہو اور بہت نصیحتیں ان کو کی گئیں اور ان کو نفع دیا ۔

اس بنا پر بخاری کا یہ دعویٰ کہ جس آیت میں ما یدریک ہے ۔ اس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا ۔ بالکل غلط ہو گیا ۔
کیونکہ یہاں اس لفظ سے جو وارد ہے ۔ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حاصل تھا ۔ بہین تفاوت وہ اگرچہ است ناگہی ۔
اس چاروں اعتراضوں کو ۔ ابن حجر اور عینی ۔ دونوں صاحبوں نے لکھا ہے ۔ مگر آخری دو اعتراضوں کا کوئی صاحب
جواب نہ دے سکے ۔ صرف عینی صاحب آنا لکھتے ہیں کہ تفسیر ابن عینیہ میں اس قول کا نہ ملنا اس کی دلیل نہیں ہے کہ
یہ قول ہی نہ ہو ۔ ابن حجر تو اتنے جواب سے بھی عاجز رہے اور اس کا احساس بھی ان کو ہوا کہ حضرت کی شان رسالت
کے کس قدر خلافت ہے ۔ مگر ابن حجر صاحب توالیہ پیش ہیں ۔ ان کو تو صحیح بخاری کی عظمت سے کام ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی جلالت قدر اور عظمت مرتبہ سے ۔ اسی وجہ سے صرف ان اعتراض کو لکھ کر چھوڑ دیا ۔ مگر علامہ عینی جو فرقہ حنفی کے
مسلم البتہ عالم ہیں ۔ بالا ثراون کا دل بھر آیا ۔ اور اس جملہ سے ان کا قلب کانپ گیا ۔ لکھتے ہیں ۔ قلت فی هذا العبارۃ
اسماء الاکابر لا یخفی ذلک علی المذہب ۔ اس عبارت میں جس قسم کی اسرار ادب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہے
وہ صاحبان انصاف پر غفی نہیں ۔

انسوس ۔ شبلی صاحب بخاری کی ایسی سواہلی کو رسول کے ساتھ خلوص اور خاص شینگی کہتے ہیں ۔ اگر ایسی
ہی ہے جیسا وہ سمجھتے ہیں تو اس عقیدت و خلوص کی دوسری مثال ملاحظہ ہو ۔
(۲) بخاری میں تسبیح سیرۃ کفر کے متعلق ۔ یہ حدیث مرقوم ہے ۔

حدیثنا بشرا بن ادم قال خبرنا علی
ابن مسهر قال حدیثنا امام عن ابیہ
عن عائشہ قالت سمع النبی قاریا یقر من اللیل
فی المسجد فقال یرحمہ اللہ لقد اذکرتنی کذا وکذا ایہ
اسقطنہا من سورۃ کذا وکذا بخاری جزئی غریب

بشر بن آدم ۔ علی بن مسهر سے ۔ وہ ہشام سے ۔ وہ اپنے باپ سے اور
وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایک شخص کو کہ شب کے وقت بعد میں قرآن پڑھتا تھا حضرت نے فرمایا
خدا رحم کرے ۔ اس پر کہ اس نے فلاں فلاں آیہ کو بھیجے باوجود اس کے کہ
گیا تھا میں فلاں سورے سے

بخاری کی اس مثال عقیدت سے رسالت کی نزالت طبع کا خوبصورت مضمون شبلی صاحب کو البتہ مل سکتا ہے
ورنہ اس کفرانگیز عبارت سے ایک محقق کیا بخاری العقل بھی بخوبی سمجھ جائے گا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح
بھول جاتے تھے کہ مطلق خیال ہی نہ رہتا تھا بلکہ جب کوئی دوسرا پڑھتا تھا تو آپ کو یاد پڑتا تھا ۔ انویا ہشامین ذاکہ
شبلی صاحب نے سیرۃ النبی میں بخاری کے ساتھ ۔ جتنا خلوص عقیدت اور اپنی شینگی ظاہر کی ہے ۔

افسوس کہ اُن کے دعوے کے خلافت بخاری نے اتنا خلوص و عقیدت بھی رسول کے ساتھ نہ دکھلائی۔ اور جس رسول کو شبلی صاحب الکلام میں علما و حکماء اسلام کے اقوال کی شہادت ہے۔ دلائل و براہین عقیدہ کے ثبوت کے ساتھ۔ تمام خواہے بدر کہ و احساس ظاہر تہ و باطنینہ میں۔ عام طبقہ انسانی سے اہل حریں ثابت کر چکے ہیں اور حدود و ادراک و احساس انسانی سے متجاوز قرار دیکر حدود و ملکوتیت اور روحانیت تک پہنچا چکے ہیں۔ اسی روحانیت اور نوریت کے پس پر محبت (روحی اہل الفضا) کو امام بخاری صاحب ایک عالمی العقل آدمی کے برابر۔ عامل سو و نسیان و فاعل تسامح و غبطان قرار دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہی بخاری صاحب کی خلوص و شہادتگی ہے اور ہی الفت و فریفتگی۔ اگر اسی کا نام خلوص و عقیدت ہے تو پھر امانت کیا ہے۔ ہاتھ ابرہہ انکھ لان کنندہ صادقین۔

ان مرویات مخالفت اصول اسلام کی نسبت اس تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ امام بخاری نے سرسری طور پر ان حدیثوں کو لکھ دیا ہے اور ان کے نتائج پر زیادہ غور نہ فرمایا۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ وہ رسول اور رسالت کو قابلِ سو و سیاق بیان یقین کرتے تھے۔ اور اس پر وہ ثابت العقیدہ تھے۔ اسی بنا پر صحیح بخاری میں آپ نے خاص طور پر فیسیان القرآن کے نام سے ایک علیحدہ باب قرار دیا ہے جس میں چار حدیثیں ہیں مضمون کی اسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم قرآن مجید کو نقل کرتے تھے۔ لیکن ہم ان لغویات کی نقل سے قیاس کرتے ہیں۔ اور ان حملات کے نقل کو بھی معصیت سے خالی نہیں سمجھتے۔ اس لئے جنہی مثالیں اور کچھ دیگر گہمی دین وہی ہمارے مذاک کے لئے کافی ہیں۔

ہم اوپر کھڑے آئے ہیں کہ حقیقت رسالت اصلاً سمجھی ہی نہیں گئی۔ نہ نبیل صاحب غایت رسالت کو پھر کے
اور نہ بخاری صاحب حقیقت نبوت کو سمجھا سکے۔ اور کیونکر سمجھتے یا نبیما سکتے۔ خلافت اور صحابیت کے اصول
تعمیم ان نصوص شخصہ ص سے بالکل مستاصل ہو جاتے۔ کمال مسرت و عبرت ہے کہ ان مردیات سے اپنے عقاید
کے اصول کی تحفظ ملت کر لی گئی مگر یہاں کی شان رسالت۔ مخالفین اسلام کی توہین و تشہیک کے لئے کیسلی
چھوڑ دی گئی۔ اور ان مردیات بخاری وغیرہ اشاکہ کو دیکھا کر۔ عیسائی متعصبین اور آریہ سلج۔ قرآن اور حامل قرآن سلام اللہ
علینہم رب العالمین کی مقدس زبان۔ بیان اور کمال حفظان کو محمول السورۃ النبیان ثابت کرنے میں اور جہی ہو گئے
فَاعْتَبِرُوا یَا اُولٰٓئِہِ الْاَبْصَارِ

نقادان فرمودت۔ شیخ بخاری کی احلیف سے بھی خوب واقف ہیں حبیب اللہ بن
یہ کتاب جیسا کہ عوام میں آجکا۔ غلط مشہور ہے۔ امام بخاری کی تالیف ہی نہیں آتا
ہوئی۔ بلکہ تحقیق سے اس مسروقہ قرار پاتی ہے۔ اس میں یہ کتاب امام صاحب کے
میں کو امام صاحب سے اسناد کی غور میں۔ اس نے ایک استاذ کے کو نقل فرمایا

صحیح بخاری کی اصلیت
کیا بخاری صاحب اس کے اصل جامع ہیں
جیسا کہ نام میں لفظ مشہور ہے ؟

حاصل کر لیا اس کی حقیقت۔ حافظ ابن حجر شافعی بخاری کی زبانی ملاحظہ ہو۔ تہذیب التہذیب۔ امام بخاری کے خاص ذکرین جلد ۲ ص ۲۵ میں رقمطراز ہیں۔

قال مسلمہ واللف علی ابن المدینی کتاب العلل وکان
مختفیا فغاب یوما فی بعض صیغاعہ فجاء البخاری الی
بعض بئینہ وراعیہ بالمال علی ان یری الکتاب یوما
واحد لعلہ طار لہ فدفعه الی النساخ فکتبوا لہ و
ردوا الیہ فلما حضر علی الکلمۃ لشیعی فاجابه البخاری
منصلا عنہم رفعہم الفضیہ وانعم لذلک لفلان
سزل مغرما حتم مات بعد اسیر واستغنی البخاری
عندہ بذل الکتاب وخرج الی خراسان ووضع
کتابہ الصحیح فاعظم شأنا وعلما ذکرہ وھو اول
من وضع فی الاسلام کتابا صحیحا فصار
الناس لہ تبعاء بعد ذلک۔

مسئلہ کہتے ہیں کہ علی ابن مدینی (اشاد بخاری) نے ایک تالیف کیا
کی تھی علل احادیث میں جس کی اشاعت بین وہ بخل کرنے تھے۔ ایک
روز کسی ضرورت سے اپنے کپیٹ پر گئے تو بخاری نے ان کی بعض اور کو کچھ مال کر
اس بات پر راہ کر لیا کہ ایک روز کے لئے وہ کتاب دیدین اس نے دیا
تو بخاری نے کاتبوں کو دیا اور اتون رات بے اس کو نقل کر دیا جب علی
ابن مدینی واپس آئے اور اپنے درس پر پھرجو سب محول شاگردوں کو اس کتاب بخاری
نے وہی جو ابھی آج ان کی کتاب میں تھا۔ اس وقت کو علی ابن مدینی سمجھ گئے اور اس
مغرم بہوم پر ہر کہہ گئے۔ اسی غم میں چند روز کے بعد وہ مر گئے۔ اور بخاری اس
کتاب کو لے کر خراسان چلے گئے۔ اور ان جاکر اپنی کتاب صحیح کو تالیف کیا۔
جس سے بڑی نامور ہوا حاصل کی اور وہ پہلی کتاب صحیح ہے جو اسلام میں تہذیب ہوئی
اور بے اس کی تبعیت اختیار کی۔

ہم اس سے زیادہ اس کی حقیقت کی لول و طویل تفصیل کو بیان کرنا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ مسئلہ زیر بحث بین بخاری
کی اصل صحت کی تنقیہ سے وہ ہے تا اس کی حقیقت و اصلیت کی تحقیق۔ جس کو ہم ایک حد تک اپنی منہ رجا بالا عبارت
تتقدی میں درج بھی کر چکے ہیں۔ اس لئے ہم اپنے سلسلہ بیان میں اس کتاب کی غیر صحت اور ابتری کی حالتوں
کو دیکھاتے ہیں۔

بخاری نے اپنی صحیح میں اپنی
بہت حدیثوں کی تصحیح تدریس
کیا

حفظ حدیث کے متعلق بخاری صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم کو ایک لاکھ حدیث صحیح اور
دو لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں۔ مقدمہ صحیح بخاری ص ۱۵۔ مگر پھر اس پر ترقی فرما کر
کرار شاد ہوتا ہے خلافت الصحیح من ستمائتہ الف الحدیث ص ۱۶۔ صحیح بخاری
کو ہم نے چھ لاکھ حدیثیں سے نمٹ کر کے لکھا ہے۔ اب یہ دونوں متعارض اور متناقض دعویٰ قابل ملاحظہ ہیں۔ چلے دیوکی
میں تو اقرار ہے کہ صحیح اور غیر صحیح ملا کر کل تین لاکھ حدیثیں یاد ہیں پھر دوسرے دعوے میں چھ لاکھ حدیثیں کہا
سے آگے ہیں۔ جس سے موجودہ صحیح بخاری مرتب کی گئی۔ بخاری کے ان دونوں مختلف دعویٰ کو پیش نظر رکھ کر ہر
شخص باسانی فیصلہ کر لے گا کہ آپ کے ان دونوں مخالف اقوال میں ایک تو نیرور غلط ہو گا۔ مگر جب حقیقت
کا تلاشی۔ احادیث کا تجسس۔ آپ کے لاکھوں حدیث کی تلاش میں۔ آپ کی صحیح بخاری کا درق ورق الٹ ڈالنا

اب اس مضمون کی مفصل کیفیت حسب ذیل ہے :- مقدمہ فتح الباری میں ابن حجر کہتے ہیں :

سمعت البخاري يقول اخذت ما في الف حديث
جميع واخذت ما في الف حديث غير صحيح
وقال وقرأته سمعته يقول ما ضل ببارحة
حتى حدثت كما دخلت في تصانيفي
من الحديث فاذا هو نحو ما في الف

حلیہ پتہ ص ۵۴۶

ابان دعاوی مختلفہ کی نسبت امام جمال الدین سیوطی اپنی کتاب تدریب الراوی میں مندرجہ ذیل انکشافات فرماتے ہیں :-

بخاری نے جو دعویٰ کیا ہے کہ ہم ابک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ حدیث غلط
یاور کہتے ہیں۔ ایسے کلام ہے شاید ان سے مراد دو حدیثین میں جنکی تائید
کرتے ہیں اور موقوفات بھی ان میں شامل ہیں جن سے ابک حدیث کو
انھوں نے دو کر دیا ہے۔ ابن کثیر نے کتاب نہیں المرادی میں کہتے ہیں
کہ مراد بخاری کی اس کہنے سے ہمارے ہاں ایک حدیث ہے مگر کیا ہو کر تو ان کی
ہے۔ کیونکہ جو حدیثین ہمارے پیش نظر ہیں۔ وہ منقطع و غیر صحاح مساند
سنن جوامع اور اجزا میں نہیں ہیں۔ اگر ان کا قطع کیا جاوے تو لاکھ کیا
بلکہ چچاس ہزار سے بھی زیادہ نہ ہوگی۔ پھر یہ بھی نہایت مستبعد ہے
کہ ایک شخص خاص اس کو دو تمام کمالی حدیثیں اکٹھا یاو
ہو لے۔ جو امت اسلامیہ میں سے کسی فرد و اہل کو بھی نہ یاد
ہوں۔ حالانکہ سب لوگوں نے ان حدیثوں کو تمام تراویح میں
مشائخ، تالیف سے حفظ کیا ہے۔ جو اس بات سے ہر سے
سب کے پیش نظر موجود ہیں۔

تاریخ و جغرافیہ

قال العراقي في هذا الكلام نظر نقول البخاري
 حفظه آية الف حديث صحيح وما تقي الف
 حديث غير صحيح قال ولعل البخاري اراده
 بالاحاديث المذكورة الاسانيد والموقوفات
 قوبها عدد الحديث الواحد المروي باسنادين
 حديثين زاد ابن الجمان في المنهول الراوي
 او اراد المبالغة في الكثرة قال ولاول اولي
 او قيل يريد ان هذا هو المراد ان الاحاديث
 الصحيح التي بين اظهر نابل وغير الصحاح
 لو تتبع من الاسانيد والجوامع والسنن والاسانيد
 جزءا وغيرها لما بلغت مائة الف بل تكرر بل
 وجد خمسين الفا او يزيد بكل البعد لا يكو حيل
 واحد حفظ ما فات الائمة جميعه فاما حفظ من
 اصول المشائخ وهي موجودة تدبر تراوي شي مؤر

امام حلال بن یحییٰ کی نسبت عمر بنی کی ضرورت نہیں وہ اسکا بڑا بیٹا ہیں حضرت امام حسن بن علیؑ اور حضرت امام حسین بن علیؑ کی نسبت عمر بنی کی ضرورت نہیں وہ اسکا بڑا بیٹا ہیں حضرت امام حسن بن علیؑ اور حضرت امام حسین بن علیؑ کی نسبت عمر بنی کی ضرورت نہیں وہ اسکا بڑا بیٹا ہیں

ایسی حالت میں۔ جیسا کہ امام سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ صحاح۔ غیر صحاح۔ مسانید۔ سنن۔ جوامع اور اجزاء مستقرات سب کی حدیثیں ملا کر بھی ایک لاکھ پچاس (۱۵۰۰۰۰) ہزار حدیثوں سے زیادہ کا مجموعہ ثابت نہیں ہوتا تو پھر بخاری صاحب کو تین لاکھ حدیثیں کہاں سے مل گئیں جو انھوں نے یاد کر لیں جس کی نسبت وہ اتنی دینی سے دعویٰ کرتے ہیں۔

اب بخاری صاحب کے خوش اعتقاد مقلدین کے محققانہ اضافات ملاحظہ ہوں۔ لیکن ان حدیثیں میں

شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں :-

چھ لاکھ حدیثیں جو امام بخاری صاحب کے پاس موجود تھیں ان میں سے انتخاب شروع کیا۔ اور جتنے ان میں سب سے زیادہ صحیح حدیثیں ثابت ہوئیں اور نہیں پاکسازی گئی۔

دارالحدیث شمش لک (۶۰۰۰۰۰ لاکھ) حدیث کہ نزاد موجود بود از او انتخاب شروع نموده و آنچه کہ بسیار صحیح بود بر آن اکتفا نمود۔ ص ۱۰۰۔

کہاں تو علماء سے منقذ ہیں تین لاکھ حدیثوں پر جرح و فحش کر رہے تھے۔ شاہ صاحب کی ترقی عقائد نے تین لاکھ کی تعداد کو دنی کر کے تین لاکھ کو چھ لاکھ کر دیا۔ اگر زیادہ تحقیق سے کام لیا جاسے تو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقتاً یہ شاہ صاحب کی ایجاد ہے اور نہ ان کا خاص مستزاد۔ بلکہ بخاری صاحب ہی کا دعویٰ ہے جس کو ہم اس کے خاصانہ زمین اس بحث کے آغاز میں لکھ آئے ہیں۔

فی الواقع بخاری کا یہ دعویٰ اس درجہ غلط تھا کہ خود علماء کے المستند کو انکار کرنا پڑا کہ بخاری نے اپنے اس اظہار دعویٰ میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ سبحان اللہ! حادثہ ہوائی کی تفصیل و بیان اور مبالغہ بخاری کو ایسا امام الحدیث اور عمومی شاعروں کی طرح اپنے کلام و بیان میں مبالغہ آمیزی سے کام لے اور علی لسانہم وایس فی قلبہم کلام صدق اور فتنے کل وادیہ ہوائی کا مفاد بنے۔ اسے مستغفرا اللہ بولی۔

بخاری صاحب کی ان طواری بندیاں کا آخر نتیجہ بھی تدریب الراوی کی مفصلہ ذیل عبارت کے ظاہر ہے

سبعة آلاف ومائتان وسبعون حدیثا
المکثرة ویدلت المکثرة اربعة الاف ص ۲۰

صحیح بخاری میں سات ہزار سو پچتر حدیثیں ہیں اور اگر اس کا لکھ جائے تو کل چار ہزار حدیثیں رہ جاتی ہیں۔

اب زیادہ۔ یہ کہتے تھے کہ جس کو اپنے ایک دعوے کے مطابق ایک لاکھ۔ دوسرے دعوے کے مطابق تین لاکھ اور تیسرے دعوے کے مطابق چھ لاکھ حدیثیں اور اپنی ایسی ہمت با نشان تالیف میں۔ جس کو کہیں گے کہ یہ تین ہزار حدیثیں پروردگار کے فضل سے لکھ گئے وہ صرف چار ہزار حدیث لائے اور بقولے چھیا نوے ہزار اور بقولے دو لاکھ چھیا نوے ہزار اور بقولے چھیا نوے ہزار

نائب زدے۔ آخرین ہجرت بنا چاہے کہ اصل سرایہ چار ہزار کا تھا۔ ہالی سب آپ کی تالیفان اور بنانی ہجرت

سچ تو یہ ہے کہ ہم بخاری صاحب کی حدیثوں کا لکھا لگانا نہیں سکتے ۵ شمار کردہ ہم کہ بیشمار آید۔
امام صاحب کی قوت حافظہ۔ یادداشت اور صدق بیانی کی تصدیق تو غیر ناظرین کی منصفانہ تجویز اور محققانہ
فیصلہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

شہل صاحب کو بخاری پرستی کی کیون مجبوری ہوئی۔ صرف اس لئے۔ جیسا کہ ہم اوپر بھی ایک مقام
پر اشارہ کیا ہے۔ ہیں کہ بخاری صاحب اور ان کے اصناف کے حضرات چونکہ شہل صاحب کی مدعا کے
تالیف مسائل تعمیر بین الطبقات الامم۔ عدم تخصیص فی الدارج الصحابہ تنقیص نبی ہاشم اور ترجیح و تفضیل خلفاء و اہل
بنی امیہ میں آپ کے بالکل مبالغہ اور ہم کلام واقع ہوئے ہیں۔ اس بنا پر ان حضرات کے اخبار و آثار کو مٹو یا اور
بخاری صاحب کے شعار و شعار کو خصوصاً اپنی تحقیق و تنقید کا معیار قرار دیا یا اور مقتدا کتاب ہی سے بخاری کی مدح
سرائی اور من حدیث میں بے مثال اور بی مثال آغاز فرمائی گئی۔ اور پھر کتاب کے مسائل و مباحث میں انہیں کے مختار
کو ترجیح و تفضیل عنایت کی گئی۔ کیونکہ اصل مقصد و بغیر ان کی دستگیری کے دوسرے علماء و محدثین کی مرویات و تالیفات
سے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

(۳۷) سیرۃ النبی کی جلد ون میں ایک حدیث بھی ایسے باعلائے اہلبیت سے نہیں لی گئی جس سے
صاف ظہور ظاہر ہوتا ہے کہ شہل صاحب کے نزدیک یہ بزرگوار قطعی ساقط الاعتبار
ہیں۔ اس طریق میں آپ پورے پورے اپنی شیخ الشیوخ امام بخاری کے مقتدا ہیں۔
کیونکہ انھوں نے بھی اپنے تمام صحیح میں ان حضرات سے استخراج و استماع حدیث نہیں
کیا۔ علامہ اہلبیت نے بخاری کی اس عصبیت کی تو آج تک نہ کوئی پردا کی اور نہ کوئی شکایت مگر علماء
اہلسنت میں مولانا عمر کریم صاحب فاضل معاصر نے۔ فرستہ اعتراضات جرح و قدح بخاری میں اس معصیانہ ہتھکنڈ
فروگداشت کو خصوصیت کے ساتھ دخل کر دیا۔ انکی اصل عبارت حسب ذیل ہے۔

استقاط مرویات
لئے اہلبیت تعلیل
بخاری

بخاری صاحب نے تقریباً چار ائمہ اہلبیت کا زمانہ پایا۔ سیدنا حضرت علی بن موسیٰ اور رضا
سیدنا امام محمد تقیؑ سیدنا امام علی تقیؑ اور سیدنا امام حسن العسکریؑ (علیہم السلام) گیارہویں
سے کسی بزرگوار سے کسی حدیث کی سلامت نہیں کی۔ اور تحقیق و ملاحظہ حدیث میں ساری
دنیا چھان ڈال۔ کہہ دینے عراق۔ شام اور مصر۔ غرض کوئی جگہ نہ چھوڑی یہ کیوں؟

(رسالہ الفقہ - امرتسر)

(۳۸) امام بخاری ہی نے ان بزرگوں کو مستزک احادیث نہیں قرار دیا ہے بلکہ منہاج السنۃ میں امام بخاری
تو کیا اس غصبیت کو جملہ اصحاب صحاح اہلسنت کا خاص شعار قرار دیتے ہیں۔ ان کی اسل

عبارت ہے۔

فإن العلماء المعروفين بالرواية الذين
كانوا في زمن هذا الحسن بن علي بن الحسين ليس
العلماء رواية مشهورة في كتاب هل
أهل كتب السنة البخاري مسلم - إلى دار الزيادة
والنسائي وابن ماجه كانوا موجودين في ذلك الزمان
وقبله وبعده وقد جمع الحافظ أبو القاسم بن عساکر
ذكر أسماء شيوخ الكل شيوخ هؤلاء الأئمة
فلا يس من هؤلاء الأئمة من روى عنه
الحسن بن علي بن الحسين مع روايتهم من
ألف مؤلفه من أهل الحديث.

منہاج السنہ ۱۲۱

یعنی جو علماء مشہورین حدیث ہیں۔ اور وہ۔ زمانہ حضرت
امام حسن عسکری علیہ السلام میں موجود تھے۔ ان میں سے کوئی بھی
اُن سے روایت نہیں کرتا۔ شیوخ کتب سنن۔۔ بخاری
مسلم۔ ابی داؤد۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ۔ یہ سب اُسی
زمانہ ہیں۔ قبل و بعد۔ یہ ہر دو زندہ تھے۔ حافظ ابوالفاسم
بن عساکر نے۔ کتب سنت کے تمام شیوخ اشیوخ کے
نام لکھے ہیں جن میں سے کوئی بھی حضرت امام حسن عسکری
سے روایت نہیں کرتا۔ حالانکہ ہزاروں راویوں سے حدیثوں
کی روایت کرتے ہیں۔

منہاج السنہ

۱۲۱

اس کا سبب کیا؟ وہی تفتیش الہیہیت۔ جسکو ہم مجمل طور پر بھی ایک تفتیش فاضل کی تحریر کا حوالہ دیکر اوپر

لکھ چکے ہیں اور بار دیگر مفصل طور پر حسب ذیل ہے۔

امام ابن تیمیہ نے تو اصحاب سنن اور بخاری وغیرہم کی اس عصبیت کو بڑے افتخار سے لکھ مارا۔ مگر انکو یہ نہیں معلوم تھا کہ علما سے اہل سنت ہی میں اکثر حضرت کو ان علما کے عموماً اور بخاری کے اس شعار سے خصوصاً سخت تنبیہ ہوا ہے اور بخاری کی اس اغرائس کو آنھوں نے بکمال حقارت دیکھا ہے۔ انھیں میں علامہ ذوالشبین ابن رجبہ اندلسی ہیں۔ وہ اپنی کتاب اس اسماء النبی میں ذیل کی عبارت قلمبند فرماتے ہیں :-

بخاری نے اپنی صحیح کے وسط بخاری میں روایت کیا ہے کہ ابن باز
سے کہ حضرت معلم نے ہم کو خالد بن ولید کے ہزارہ حجۃ الوداع کے قبل
جانبین روانہ کیا بعدد جناب علی بن ابی طالب کو بھیجا اور کہا کہ
جو شخص خالد کے ساتھیوں میں سے چاہے تمہارے ساتھ رہے چاہے
نہ اس کو رہنے دینا اور جو شخص کو چاہے واپس لے اس کو بھی لینا
براہ راست میں کہ تم ان میں سے جو بچے رہ گئے تھے اور بہت سال غمین
رہے آیا تھا کہ تیرے سے روایت ہے کہ حضرت نے حضرت علی کو

ترجمة البخاري في صحيحه في وسط المغازي ما هذا
قصّة بعثت على ابن أبي طالب وخاله ابن وليد إلى
اليمن قبل حجة الوداع حدثني أحمد بن عثمان قال
حدثنا إبراهيم بن مسلمة قال حدثنا إبراهيم بن
يوسف ابن إسحاق ابن أبي إسحاق قال حدثني أبي
عن ابن أبي إسحاق سمعت البراءة بعثت رسول الله
صلى الله عليه وآله وسلم مع خاله ابن وليد إلى اليمن

ثم رعت علياً بعد ذلك مكانه فقال من اصحاب
خالد من شاع منهم ان يعقب معات فلعقب من
شاع فليقبل فقلت ممن عقب معه فقال غنمت
او قى ذات سعد وحدثني محمد ابن ليار قال حدثنا
روح ابن عباد قال حدثنا علي ابن سويد بن
منجوق عن عبد الله ابن جريدة عن ابيه قال
بعث النبي صلى الله عليه وآله وسلم علياً الى خالده
ليقبض الخمس وكنت ابغض علياً وقد اغسلت
لخالده لاثم مني الى فطماً قدما الى النبي صلى الله عليه وآله وسلم
له ذلك فقال يا بريد ان ابغض علياً فقلت نعم قال
لا تبغضه فان له في الخمس اكثر من ذلك
قال ذوالنبيين او سرده البخاري فاصح
مبثرا كما ترى وهي عادة في ايراد الا
احاديث التي من هذا القبيل وماذا لا التوا
وايه في التكرار من هذا السبيل واورد الامام
احمد بن حنبل كاملاً في فتاواه والاطراف صحته
وبه موافقة قال فيما حدثني الفاضل العبد القبيح
مشيا في الحرق ناج الدين ابو الفتح محمد ابن احمد
بن المندائي قرا عليه بواسط الحرق بن
سماحة على الثقة الرايس الى اسماء بن الحسين
اسمى بالله على الثقة ابو جعفر ابن علي الحسين او
بن المداصب بن المداصب على الثقة الى بكر احمد بن
جعفر بن حماد بن المداصب بن سماعة بن
الامام الى عبد الوحمان بن عبد الله بن سماعة
بن ابيه امام السنة ابو عبد الله احمد بن حنبل

بھیجا کہ جا کر خاند سے خمس وصول کریں اور ہم کو علی سے بعض تھا
اور ہم نے دیکھا کہ علی غسل کر کے آئے ہیں تو ہم نے خاند سے کہا کہ کیا
اسکی طرف نہیں دیکھتے ہو۔ جب ہم جناب رسول خدا صلعم
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت سے اس بات کا تذکرہ
کیا حضرت صلعم نے فرمایا کہ اسے بڑیہ کیا تو علی سے عداوت
جس میں نے کہا ان حضرت نے فرمایا علی سے بغض نہ رکھو
کیونکہ ان کا حق خمس میں اس سے کمین زیادہ ہے۔ بعد میں
ذوالنبيين (ماحب کتاب) کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بخاری
اپنی صحیح کے درجہ بالا دونوں حدیثوں میں بالکل ناقص
اور طبعاً ہی درست وارد کیا ہے۔ سبب کہ دیکھا جاتا
ہے۔ اور یہ ان کی مادت ہے۔ ہورہ ان اسام
کی حدیثوں کی تفہیم و بیان میں اختیار کرتے ہیں
اور سبب اس کا یہی ہے کہ اسے بدست
وہ اس راہ سے اخراج کرتے ہیں، کہتے ہیں اس
روایت کو امام احمد بن حنبل نے کہا اور
محقق قرار دیا ہے جس کے طرق نہایت ہیں وہ ان
ہوئے وہ یہ ہے (سلسلہ روایات میں مذکور ہے۔ بخاری
الموات قلم انداز کرتے ہیں عبد اللہ بن بربہ سے روایت
کرتے ہیں کہ ہم کو حضرت علی بن ابیطالب سے درجہ بعض تھا
کہ دیکھا کسی سے بھی نہیں ہیں نے کشتن سے نہ نکلا
رجہ سے نعمت کی تھی کہ وہ علی سے بغض رکھتا تھا۔ یثقب
وتمن علی تھا سرور کثیر بنا کر بھیجا گیا تو ہم نے صبر سے اس
اس کی ہر اہی قبول کر لی کہ وہ دشمن بنی تھا۔ اس واقعہ کے
بعد میں دستاویز ہوئے تھے۔ تو بڑے کمزور تھے ہی نہ تھے
وہ کہہ دیا کہ نقیب غنیمت کے لئے کسی کو چاہیے ہو۔

روایت امام احمد بن حنبل میں حضرت علی کی اقوت اور مساوت کا ذکر ہے جس سے جناب امیر کی فضیلت تمام عالم پر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے۔ بخاری نے اس جگہ کو بالکل نکال دیا۔

بخاری کی یہ ترکیب صرف ایک روایت میں نہیں ہے بلکہ بقول علامہ ذوالنہسین ابن جابر البانی۔ وہی عادت کہ کما تری بخاری کی یہ عادت تھی جیسی کہ دیکھ جاتی ہے کہ جس حدیث میں حضرت علی کا ذکر آتا۔ اس کو اسی طرح مختصر اور قطع کر کے روایت کرتے پھر آپ کے تین فی الحدیث کا لفظ باقی

علامہ ابن حجر کا پھر فقرہ دہاوات الہامیۃ فی التنبی عن ہذا السبیل بخاری کی یہ عادت اس وجہ سے تھی کہ اس سبیل سے انحراف کرنے میں انکی رائے بدھی۔ صاف صاف بتا رہا ہے کہ بخاری کو ان حضرات (اہل بیت شہین) کے قصور و خوات تھاکہ ان کے اہل سنت کو بھی اس کج روی کا اقرار کرنا پڑا پھر بتایا جائے کہ ایسے محدث کا وزن اور ایسی کتاب کی کثرت ہو سکتی ہے جو اپنے ذاتی غرض کے لئے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح اتر کر یا کرنا ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر دوسرے مقام پر وہی علامہ ابن حجر البانی لکھتے ہیں

اس روایت کو ہم نے صحیح مسلم سے اس لئے پہلے نقل کیا ہے کہ مسلم نے اس کو بہ تمام و کمال نقل کیا ہے غلات بخاری کے کہ انھوں نے اس حدیث میں بہت سا غلطی و غلطی کیا ہے جو ان کی خاص عادت ہے جیسا کہ دیکھیں آپ کتاب اور بیانیہ بات

بدانا ہما اور دہا مسلم لائے اور دہا بکمالہ
وقطعه البخاری واستقطبہ علی عادتہ کما
تری وهو مما عتیب علیہ فی تصنیفہ علی ما تری
ولا سیمما سقاطہ لذكر علی

حضرت علی کا لفظ کر دینا

کہ ان کی فضیلت پر اس کا عیب لگایا گیا ہے۔ خصوصاً ذکر

نو کیا یہ شخص۔ ان تمام معائب و مناقص کے بعد بھی۔ محدث۔ امام اور امیر المؤمنین فی حدیث کا بیان ہے۔ جو سدا الفاظ و احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال دے اور خصوصاً ذکر حضرت علی بن ابی طالب کو ساقط کر دے اور غمو یا اس کی عادت قرار پائے۔

علامہ ذوالنہسین ابن حجر کی توثیق۔ علامہ ذوالنہسین ابن حجر کوئی معمولی شخص نہیں تھے بلکہ اکابر علمائے اہل سنت سے تھے۔ وافیات الامام ابن فہمکان میں ہے :

ابو الخطاب عمر بن الحسن بن علی بن محمد
بن حمیل بن فرح بن خلف بن فرس بن ذکال
بن بدہ بن جب بن مرد العود بن ذی النہسین
الاندلسی البانی صاحب کتاب العیسان علماء
اور شاہیر فضلاء تھے۔ صاحب حدیث
بنی صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے محدث تھے

ابو الخطاب عمر بن الحسن بن علی بن محمد
بن حمیل بن فرح بن خلف بن فرس بن ذکال
بن بدہ بن جب بن مرد العود بن ذی النہسین
الاندلسی البانی صاحب کتاب العیسان علماء
اور شاہیر فضلاء تھے۔ صاحب حدیث
بنی صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے محدث تھے

(۳۹) بخاری اور ان کے اصناف کے حضرات۔ اصحاب صحاح کی عموماً اس قطع و برید اور استخفاف و استخفاف احادیث سے جو غرض و غایت تھی وہ پورے طور سے ظاہر ہو گئی۔ مولوی شبلی صاحب نے اپنی تالیفات و تصنیفات میں جن میں اپنے اسلاف کی کامل تقلید اختیار فرمائی۔ بلکہ ضرورت سے زیادہ۔ زیادہ غور و تحقیق سے دیکھا جاوے۔ تو آپ کے محتاط قلم نے تو اتنی تفصیل و بیان کا بار اٹھانا بھی گوارا فرمایا۔ جتنا آپ کے اسلاف نے جبراً و قہراً اور طوعاً و کرہاً لکھ دیا تھا ہم نے شبلی صاحب کے اس طریقہ استخفاف و استخفاف کو آپ کی دونوں جلدوں میں غور و تعمق سے دیکھا ہے اور ایسے تمام واقعات میں جہاں جہاں آپ نے احادیث و روایات اور اسلاف انھما سے کام لیا ہے۔ ان کی اسالیب اور حقیقت نفسیہ۔ حدیث۔ تاریخ اور سیر وغیرہ کی تفصیل و بیان سے پوری طور پر قلعہ بند کر دی ہے۔ اور کالی ثبوت و شہود سے بتلادیا ہے کہ شبلی صاحب نے اپنے ذکر و نقل میں بھی اپنی اسی ضرورت خاص کو مد نظر رکھا ہے۔ جو بخاری اور غیر اشلہم کا قدیم سے معیار و شمار قرار پا چکا تھا۔ اور وہ اصول و ساریت اور طریقہ تعلیم تھا۔ جس کی ابتداء قبل اسلام کے وقائع نگاری میں اسی وقت سے اٹھائی گئی ہے جب سے نبی ہاشم۔ قبیلہ قریش سے جدا ہو کر البیت کے خاص خطاب و القاب سے مخصوص کئے گئے اور امارت مکہ اور ولایت خانہ خدان کا اصل اور وردی منصب قرار پایا۔ پھر بعد ظہور اسلام تمام واقعات اور خصوصاً ان

اصول و رسالت
طریقہ تعلیم

عسلم بنو علم لہم کے امام اور شمار آیام عرب کے عارف تھے طلب علم و پیشہ میں اکثر بلاد و سرس اسلامیہ کی یاد تھی اور علماء و شایخ سے ملاقات کی۔ پھر علاقہ بصرہ و وہ کی طرف گئے۔ اور اہل عراق سے فریقہ۔ دیار مصر۔ شام و شرق۔ عراق کا سفر کیا۔ بغداد میں اصحاب ابن الحنفیہ سے سماعت کی اور مدینہ میں ابو الفتح مندائی سے عراق و خراسان اور ان کے متعلقات شہر مازندران کی طرف سفر کیا۔ یہ سب طلب حدیث کے لئے تھا۔ اور خاص کر اس غرض و مقاصد سے کہ ائمہ حدیث سے ملاقات کریں اور ادب سے علوم حاصل کریں۔ ان سب کے ساتھ خود اس درجہ علم و فہم کے علماء ان علم حاصل کرتے اور استفادہ کرتے۔ اصفہان میں ابی جعفر صیقلانی سے اور بغداد میں ابی جعفر بن ابی جعفر سے سماعت کی۔ وفاقہ شام میں ہوئی و فیات ان عیان میں

النبوی و ما یتعلق بہ عارفاً بالحدیث و الفلانی و ایام العرب و اشعارہا اکثر یطلب الحدیث فی اکثر بلاد کلاہا و بلاد اسلامیہ و یقی لها علماء و مشائخ تھانہ مرحل منہا الی بلاد الشام و دخل ہر اکثر و اجتماع بفضلہا ثمرات ثم ارتحل الی افریقیہ و منہا الی الدیال المصنویۃ شہر الی الشام و الشرف والی العراق و سمع ہمدانی و ادم بن یعقوب و صاحب الدین ابو سعید و سمع ہر اسطمان الی الفتح محمد بن احمد المندائی و دخل الی عراق البہم و خراسان و ما واکلاہا و مازندران کل ذلک فی طلب الحدیث و الا جماع بائنا الحدیث و اخذ عنہم و سمع فی ذلک الحال حدیث عنہ و یقارنہ و سمع ہر جہان من ابی جعفر صیقلانی و یثباتہ من ہمدانی و بن عبد اللہ بن عبد اللہ

مقامات میں جن سے اور جہان سے اسکے اعلیٰ خدات اسلام اور فضائل و مناقب اور ترجیح علیٰ کافہ الامم اور دیگر امور شریف و خصائص ثابت ہوئے۔ اسی اصول سادت اور طریقہ تعلیم کا ظاہری پردہ ڈال دیا گیا حقیقت حال اور صورت، واقعہ یا تو قطعاً موقوف القلم اور کا عدم کر دی گئی۔ یا بیان بھی کی گئی۔ تو محض اشارات یا استعارات کی صورت میں اور اگر کسی خاص مقامی مجبوری سے توجہ بھی فرمائی گئی تو حقیقت بیان میں اس قدر اختصار اور قطع و برید سے کام لیا گیا کہ حقیقت و حقیقت واقعہ بالکل مبہم اور غیر مفہم ہو کر رہ گئی۔

ہم نے اپنی موجودہ کتاب میں ابتداء ہی سے شبلی صاحب کے اس طرز تحریر پر تخفیف حقیقت پر پوری نظر ڈالی ہے اور ہر مقام پر آپ کی اس فکر کاری کی حقیقت کھود دی ہے۔ تنہا شبلی صاحب ہی کی اس ترکیب تحریر کی تنقید نہیں کی ہے بلکہ محدثین۔ مورخین اور معاری و سیرت کے مؤلفین کے ہتھ میں بھی ہیں حضرات نے ان مصنوعات سے کام لیا ہے۔ اسکے استخفاف کا بھی پورا انکشاف کر دیا ہے یہ مناسب تھا کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں ان مصنوعات کی چند مثالیں بھی پیش کر دیتے مگر ہم اس باعث سے باز رہے کہ ان تمام مضامین جو مختصر یہ نامی کتاب میں پیش نظر آنے والے ہیں۔ بلا ضرورت تیار پیدا ہوئے گا اور بیکار طواریت کا باعث ہوگا۔

انہی تعلیم اور سادت و علیٰ طرح میں اصحاب کے اصول سکرت سے بالا خوش نصیب کا انکار

(۴۴) حقیقت کسی ترکیب سے چھپ نہیں سکتی۔ کیونکہ صرف اس نے کہ اس کا نام ہی "حقیقت" ہے۔ شبلی صاحب نے اصول تعلیم کے مطابق

انواع و اقسام کی ترکیبوں سے حقیقت حال کے مشاہدات پر نقاب لگائی فرمائی ہے۔ مگر یہ کہ یہ سب موزن پر اپنے ہی دست و قلم سے اسی اصول تعلیم کی کمال تنقید و رد یہ صاف صاف لفظوں میں مفصلہ ذیل عبارت میں قلمبند کر دی ہے:-

روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے صحت کے متعلق ان سے بعض بعض موزنوں پر کام نہیں لیا گیا۔ مثلاً اصول روایت کے دو سے رواۃ کے ثقات مباح ہیں۔ کوئی راوی نہایت ضابطہ نہایت معنی فہم اور نہایت دقیقہ رس ہوتا ہے۔ کس میں یہ اوصاف کم ہوتے ہیں۔ کس میں اور بھی کم ہوتے ہیں۔ یہ فرق مراتب جس طرح فطرتاً نام۔ و اقوال میں پایا جاتا ہے۔ صحابہ بھی اسی سے مستثنیٰ نہیں۔ صرف عائشہ نے حضرت عبداللہ و حضرت ابوہریرہ کی روایت پر اور حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت ابوہریرہ کی روایت پر تفسیر کیں وہ اسی بنا پر تھیں

اختلاف کی بنیاد پر بڑے بڑے حرکت اور مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ مثلاً دو روایتوں میں تعارض پیش آئے تو اس بحث کے فیصلہ میں معجم حرکت یہ خیال کیا جاتا ہے

کہ ایک روایت کے راویوں کا دوسری روایت کے راویوں سے زیادہ عالی مرتبہ ہونا ثابت
 کر دیا جاوے (گودو لون اوی ثقفین) اور یہ اس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہو گا لیکن
 صحابہ میں اگر یہ اصول ہیکار ہو جاتا ہے۔ فرض کر دو کہ ایک روایت حضرت عمر سے مروی ہے
 اور دوسری کسی بدوی عرب سے مروی ہے۔ جس نے عمرؓ میں صحت ایک دفعہ انصافاً
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تھا۔ تو اب وہ دونوں راویوں کا درجہ برابر ہو جاتا ہے۔ علامہ مازنی مشہور
 محدث ہیں۔ علامہ نووی شریح صحیح مسلم میں اکثرین سے استناد فرماتے ہیں۔ انھوں نے
 اس تعمیم کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اسبابہ کے دیباچہ صفحہ ۱۰۱ و ۱۱۱ میں
 ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لست انفی بقولنا ان صحابہ عدول
 کل من راہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 او من راہ لما او اجتمع بہ لغرض
 و انصوف من کتب وانما انفی
 بلہ المذین کلازموا وغیرہ
 والنظر فی ما یبصر النور الذی
 انزل معہ اولئک ہم
 الفضلحون

یہ مقولہ کہ صحابہ سب عادل ہیں۔ ہم اس سے پہلے
 شخص کو مراد نہیں لیتے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کو انصافاً دیکھ لیا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غرض کے
 لئے ملا۔ اور پھر واپس چلا گیا۔ بلکہ ان لوگوں
 کو مراد لیتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کی خدمت میں بہ استخارہ رہے۔ اور آپ
 کی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آنحضرت
 پر نازل ہوا۔ یہی لوگ کامیاب ہیں

لیکن محدثین نے مازنی کے اس قول سے عام مخالفت کی۔ علامہ مازنی نے اپنے
 یہ نہی کی کہ حدیث کے وصفت کو مطلقاً متفقہ میں صحابہ سے مخصوص کر دیا۔ اس بنا پر
 محدثین کی مخالفت ان سے بجا نہیں۔ لیکن اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر
 و علی کی روایتیں ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ خصوصاً اس
 راویوں کے تعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے جو فقہی مسائل یا دقیق مسائل سے تعلق

رہتے ہیں سیرۃ النبی جلد اول ص ۴۱ و ۴۲

یہ حقیقت کی حقیقت استہلی صاحب کے مقدمہ بالا اعتراف سے کہ مراتب صحابہ میں تمیز و مساوی کا خیال
 صحیح نہیں بلکہ بعض بعض خاص مقامات رفتاری اور دقیق مسائل پر اس تخصیص میں ترمیم ضروری اور لازمی ہے۔
 حضرت ثمان کے لئے کسی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ حالانکہ حضرت عمرؓ سے ان کا سابقہ اسلام ہونا اور ان کا تہاؤ و تہاؤ ثابت ہو سکتا ہے۔

نقل فرمائی ہے۔ اور جس کو ہم اوپر بھی لکھ چکے ہیں اور ضرورتاً پھر لکھتے دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ در فرض کرو ایک روایت حضرت عمر سے مروی ہے اور دوسری کسی بدوی عرب سے کہ کبھی تو آپ کا کلمہ عدول کی تائید میں اس پر جو شی سے علامہ مازنی کی تعلیٰ طور پر دیکھتے ہیں۔ اور کبھی مندرجہ بالا عبارت تحریر فرما کر۔ کلمہ عدول کی اصولی تعلیٰ سے علامہ ہجو کر طبقہ صحابہ کرام میں ترتیب فی المذاہج قائم کرتے ہیں۔ اور اپنے معیار تالیف اصول مساوی اور تعمیم کا کوئی خیال نہیں فرماتے۔ ایک صحابہ کو حضرت عمر کے القاب سے یاد فرما کر اس کا اعزاز بڑھاتے ہیں اور دوسرے کو ایک بدوی عرب کے اہانت امیز و حقارت انگیز الفاظ سے ذکر فرما کر اس کی شان صحابیت کو خاک میں ملاتے ہیں۔ اور جب علامہ مازنی اس شخصیت و تفریق کو لکھ کر بتلاتے ہیں تو آپ ان کے مختار تحقیق کو غلط ٹھراتے ہیں اور جملہ علما و محدثین کی شکایت و مخالفت کا باعث ٹھراتے ہیں۔ حالانکہ مازنی غریب نے صحابہ کی شان صحابیت کی نسبت کسی ایسے الفاظ کا استعمال نہیں فرمایا جس سے اس کی ذاتی یا معنائی توہین ہوئی ہو بخلاف ان کے آپ نے ایک جگہ انہیں دو دو جگہ اصل شان صحابیت کی تک حرمت فرمائی۔

اب فرماتے تفریق فی المراتب بالتحقیص بالمدارج۔ جو کہتے۔ آپ تو خود قائم فرماتے ہیں اور ایک بدوی عرب کی اصلیت و تہذیب و کھانا کر۔ صحابہ میں تحقیص و تفریق کا ثبوت خود پہنچاتے ہیں۔ تو پھر اب آپ کلمہ عدول کی تعلیم کو غلط تسلیم کرنے پر کیوں تیار نہیں ہوتے

شبل صاحب پر حقیقت کا انکشاف بھی ہو گیا اور مکاشفہ حقیقت کو تسلیم بھی کر چکے۔ جبکہ علامہ مازنی کے اس قول کو نقل کر کے انہوں نے اس آیت قرآنی کو الذین اعترفوا ذلالتهم لولایتنا و لولایتنا لولایتنا انزل معہ اولیٰک ہم المفلحون۔ جو حضرت صلعم کی خدمت میں بالشراف اہم ہے اور آپ کی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پروری کی جو ان پر نازل ہوا ہوں لوگ کامیاب ہیں۔ کو بھی نقل فرمایا ہے۔ جس پر علامہ موصوف نے اپنا معیار قائم کیا ہے۔ اور ایک گونہ آپ نے ان کے اس استدلال کو تسلیم بھی کر لیا ہے اور تحقیص بالمراتب کی اصل و غایت کو اس آیت قرآنی کی عبارت سے بھی سمجھ لیا ہے کلمہ آپ کا طرز تحریر اور انداز تالیف بتلاتا ہے کہ باوجود اسکے کہ آپ اپنے اس عقاید و تعلیمات کی غلطی اور خود غرضی کو خوب سمجھ چکے ہیں اور یقین کر چکے ہیں کہ تمنا صحابہ ہونے کی شخصیت اور حیثیت قابلہ نہیں پہنچا سکتی۔ بلکہ اس کے ساتھ خدائے تبارک و تعالیٰ نے اور احسان و خداداد کے شروحات و بھی قائم کر دیے ہیں۔ ان کا ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے۔ مگر انفس میں کہ حقیقت کے اتنے انکشاف کے بعد بھی آپ کلمہ عدول کی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے اور مسلمانوں کی تقلید کا دامن نہیں چھوڑتے۔ علامہ مازنی کے شیخ استدلال کو تسلیم نہیں کرتے اور آپ کے متعلق مذہب کے مخالفانہ تلامذہ کو صحیح اور جائز مانتے ہیں۔

حقیقت پنا کام کر گئی۔ اور آپ کی اس درخی نقلش بنگار کی صورت میں اس کی پوری جلوہ آئی ہو گئی۔

آیت قرآنی۔ جس کو آپ نے خود نقل فرمایا ہے۔ صاف صاف اور صحابہ کو جلا چکی۔ مگر نہ آپ کی کوئی نظری
اس کی پوری حقیقت تک پہنچی اور نہ آپ کی فطرت الفہمی اس کی پوری معرفت حاصل کر سکی۔ اسی ایک آیہ دہانی ہدایہ نے
مکملہ عقل کے غلط اصول کو غلط و باطل فرمادیا۔

۵ نہ ہر کہ موثر اشد تفسیر داند۔ محض صحابیت اور صرف صحابہ ہونے سے کام نہیں نکلتا۔ بلکہ ارشاد الہی کے
مطابق۔ خدمت و اعانت۔ نصرت و حمایت اور انوار رسالت کی خاص تبعیت۔ صحابیت کے اصلی اور حقیقی معیار ہیں
اگرچہ اوصاف میں کوئی صحابی کامل ہے تو البتہ شرف صحابیت کا اطلاق اس پر بھیج آئے گا۔ ورنہ نہیں۔ علامہ
ماذی نے اسی نص آیت کی علت غائیہ پر غور کیا ہے۔ اور اسی کے نتیجہ سے صحابہ کرام کے دائرہ میں۔ باعتبار
معرفت و خدمت مراتب بالہدایہ قائم فرمائے ہیں۔ مثالی صاحب بھی ان کے اس مختار کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اسی حد تک
پہنچان تک کہ آپ کے مفید مطلب ہے۔ اور اُس کے آگے نہیں۔ اس کے آگے چل کر تو پھر اسی اصول قدیم اور شعاع
تعمیم کا مدول کی تائید و تقابلاً فرماتے ہیں اور علماء و محدثین کی طرف سے علامہ مازنی ہی پر اس میں تخصیص کے
تاکم کرنے کے لئے مخالفت برپا رہا اور طیار ہو جاتے ہیں۔

ہم کو مثالی صاحب کے اس مشہورہ تہذیب اور دو طرفہ طریقہ فیصلہ سے کئی شکایت ہے اور نہ کوئی علاقہ
ایکونکہ اس کے اسلاف کا قدیم طریقہ ہے۔ ہم کو جو کچھ دکھانا ہے وہ صرف اپنے تئذ اندھائی کی تصدیق اور وہ
یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھا ہے ہیں کہ حقیقت کسی حال اور کسی چال سے چھپ نہیں سکتی مثالی صاحب اور ان کے
ہم خیال علماء و محدثین کی تمام قلم کاروں سے قطع نظر کہ اس آیہ دہانی کے صاف اور واضح الفاظ و معانی پر اگر
کیا جائے تو کامل طور سے معلوم ہو جائے گا اور نہایت آسانی سے سمجھ لیا جائے گا کہ صرف حصول صحابیت کیلئے خدات۔ و ذریعہ
کی تبعیت شرط ہے صحابہ کرام کے لئے جسے اور وسیع دائرے میں۔ ان حضرت انھیں خدات اسلام حضرت اعانت رسول اللہ علیہ السلام
کے باہمی موازنہ مقابلہ کی بنا پر مراتب بالہدایہ قائم کئے جاتے ہیں۔ اور انھیں کے اعتبار پر ثابت ہونا ہے کہ حضرت عمرؓ کے
ساوی اور مقابل درجہ کے صحابہ ان کے صحابی عربی بدوی سے بدرجہ افضل ہیں۔ انھیں سے انرا شمار سے مثالی صاحب اور
ان کے اسلاف و ہم خیال علماء و محدثین کو سمجھ لینا چاہئے کہ اب وہ صحابہ اولین و السابقین جو خدات۔ مخالفت اور باجواب و اتباع و
رسالت میں حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ افضل و اعلیٰ ثابت ہوتے ہیں وہ حضرت عمرؓ کے ان کے ان کے ان کے ان کے ان کے ان کے ان کے ان کے
اب کس نوع اور عنوان سے کام لیں۔ اس کے مدول اصول معیار قرآنی کے مطابق کامل اور کیا۔ انھیں معلوم کہ وہ مسئلہ جو قرآن
کے بالکل مخالف و معارض ثابت ہوا ہو۔ وہ کس طرح اہل اسلام کے عقاید میں داخل ہوگا۔

مندرجہ بالا نص قرآنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب شرائط مذکورہ بر شرف صحابیت مخصوص و محدود ہو گیا تو اعتبار
اعلیٰ و افضل بلایہ کے جو صحابی من حیث المعرفت والی خدمت انفس و انفس ثابت ہوئے ہیں ان میں ترجیح

والاں تفصیل تسلیم کئے جاویں گے اس کے لئے شخصیات اور ذاتیات کی ضرورت نہیں شبلی صاحب - خیریت ہے کہ یہاں تک تو ہمارے ہمنیال ثابت ہوتے ہیں گراں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آپ نے عام بدوی عرب اور صحابہ مقررین تک اس موازنہ و تقابلہ کو محدود و ہوتونہ کر دیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان صحابہ مقررین کے دائرے میں بھی یہی معیار اختیار قائم کئے جائیں گے اور ان میں بھی جن حضرات کے خاص خدات اور صفات نصاب معیار کے مطابق اوزرین گئے۔ وہی مابقی بزرگواروں سے ضرور افضل و اعلیٰ یقین کئے جاویں گے۔ اگر شبلی صاحب کی طرح یہ سلسلہ امتیاز صحابہ سابقین تک نام کر دیا جاوے تو نصوص الہی کے مخالف ہوگا اور ہر وہ شے جو مخالف قرآن ہو ہر عنوان سے غلط و باطل ہوگی۔

اب ہم شبلی صاحب کی اس غلط تجویز کی تحقیق و تہقیر کرتے ہیں اور مفصلہ ذیل مشاہدات سے ثابت کرتے ہیں کہ صحابہ اولین ہی کے زمانہ میں یہ معیار امتیاز و فضیلت قائم ہو چکے تھے۔ اور اسی معیار سے ترجیح و تفضیل میں امتیاز قائم کی جاتی تھی۔ ابوالمویدہ خطبہ خوارزمی مناقب میں تحریر فرماتے ہیں :-

قال مسروق شامت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 اللہ وسلم فوجدت علیہم الشیخوخۃ علی عمر و عبد اللہ
 ابن مسعود والی الدرداء و معاذ بن جبل و زید بن
 ثابت و علی ابن ابیطالب ثم شامت ہوا کلاء الخمسة
 فوجدت علیہم اشد الوجہ علی و عبد اللہ ابن مسعود
 ثم شامت کلاء المنین فوجدت علیہم البقیل علی
 عبد اللہ ابن مسعود۔

مسروق کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ
 تین تین تیس کمال کی تو مجھے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا علم حضرت عمر
 عبد اللہ ابن مسعود۔ ابو الدرداء۔ معاذ ابن جبل۔ زید ابن ثابت
 اور علی ابن ابی طالب پر تمام ہوتا ہے۔ پھر میں نے ان پانچوں (چمٹہ)
 بزرگوں میں تیسیم تیسر کی تو مجھے معلوم ہوا کہ ان پانچوں حضرات کا علم آؤنا
 پر تمام ہوتا ہے۔ علی اور عبد اللہ ابن مسعود پر پھر میں نے ان دونوں بزرگوں میں
 تیسیم تیسر کی تو مجھے معلوم ہوا کہ علی عبد اللہ ابن مسعود پر تیسیمت رکھتے ہیں

مسروق اجل تابعی میں حضرت عائشہ ہی محدثہ کی خبر میں جو انکو یونہی و دونوں حاصل تھا۔ وہ ہرگز میرے
 بیان کا محتاج نہیں۔ اگر ان کے اس مختار پر قول صحابہ نہ ہونے کے باعث اشتباہ ہو تو (حالانکہ بخاری اور شرح بخاری دیکھی
 جاوے تو قول تابعی بتقابل قول صحابی ایراد حدیث کے موقع پر زیادہ معتبر و درست ہے) امام خوارزمی کی کتاب مناقب
 میں مفصلہ ذیل عبارت سے حضرت ابی الدرداء کا یہ قول ملاحظہ فرمایا جاوے۔

حضرت ابی الدرداء صحابہ کبار کے طبقہ اولی میں بہت بڑے فقیہ اور مجتہد تسلیم کئے جاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں
 کہ میرے زمانہ میں اسلام کے تین عالم موجود تھے۔ ایک کوفہ میں۔ ایک شام میں اور ایک خاص مدینہ میں۔ کوفہ کے
 عالم سے وہ عبد اللہ ابن مسعود کو مراد لیتے تھے۔ شام کے عالم سے وہ اپنی طرف اشارہ فرماتے تھے کیونکہ ان دونوں پر زیادہ
 تر علم و شام میں رہتے تھے۔ اور مدینہ کے عالم سے انکی مراد امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے تھی۔ یہ کہ

محاکمہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

فَالَّذِي بِالشَّامِ لَيْسَ بِالْكَوْفَةِ وَهُوَ لَيْسَ

بِالَّذِي بِالْمَدِينَةِ وَهُوَ لَا لَيْسَ بِأَحَدٍ

شام کا نام عند الضرورت کو ذرا لے عالم سے پہنچ لیتا ہے اور کوئٹہ والا۔

مہذبہ لے عالم سے پہنچ لیتا ہے مگر دینہ عالم سیاست کوئی غی نہیں پہنچتا

شبلی صاحب کی شریک فرم گزشتہ (۶۷) مسئلہ زیر بحث کے متعلق ہم اس سے زیادہ لکھنا نہیں چاہتے۔ مگر اتنا لکھ دینا

اور بتلادینا ضروری سمجھتے ہیں کہ آیہ متذکرہ بالا میں شرکاء صحابیت کی نسبت جہاں نصیحت نصرت رسول کی شرطیں

نظام کی گئی ہیں ان کے ساتھ اس نور کی بقیہ بھی لازم کی گئی ہے جو رسول صلعم کی بیستین منجانب اللہ نازل ہوا ہے

اکثر علماء محدثین و مفسرین نے نور سے قرآن مجید مراد لیا ہے کہ لفظ صاف کی تفسیر ہی معنی ہے تفسیر

کراہی ہے کہ یہ نور۔ نور قرآن سے ایک جوہر جداگانہ ہے۔ کیونکہ روایتاً و رائتاً اور بالکل حقیقتاً قرآن مجید آپ کے

ساتھ نازل نہیں ہوا جس کی تفسیر جس کو دیکھو، کالفاظ صاف صاف ثابت کر رہا ہے۔ اور نہ کوئی شخص اس کا قائل

ہے کہ ایک بار آپ پر تمام قرآن نازل کیا گیا ہے پھر نور سے قرآن مجید کا مراد لیا جانا لفظ قرآن کے اصل حقائق سے

مختلف و معارض واقع ہوتا ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ اصحاب احادیث و تفاسیر سے زیادہ ارہاب کلام اور فطرت۔ عظام نے اس کی نسبت

غور و تعمق سے کام لیکر اس نور رسالت کی حقیقت کا پورا انکشاف فرمایا ہے۔ اور لفظ نور سے اس کا خاص

نفس نورانی مراد لیا ہے۔ اور رسول کے نفس خاص کو خدا خود سورۃ ال عمران کے آیہ انفسا فانفسکم علیہم

بتلا چکا ہے۔

مگر شبلی صاحب نے اپنی سیرت کو تاریخ فلسفہ اور یورپین تصانیف کے اسٹائل (اندرم) پر کامل اوتارنے کے

شوق و تمنائیں رسول کی روحانیت ہی کو بالکل مخفی کر دیا ہے۔ پھر نورانیت کی تفصیل کا کیا ذکر۔ بڑی سی روحانیت کا

ایک چمکتا جوہر ہے۔ امی بلگرامی کے ایک از عجرات اعلیٰ بود۔

شبلی صاحب نے شمس العسا کو رسول صلعم کے روحانی نورانیت کو یا چھپا دیا ہے کہ تمام کتاب میں کسی مقام پر

آپ کے انوار روحانی کا عکس ظاہری بھی نہیں پڑے پایا۔ مگر بالاخر انہیں ماثرو روحانی نے۔ گو ظاہر مازہ ہی جن کی ذوالی

سہی۔ لیکن آپ ہی کے دست و قلم سے اپنا وجود و اثبات ثابت کر دیا ہے۔

مگر باریز ہمہ۔ یہاں بھی ہمارے شبلی صاحب اپنی ترکیب سے نیر جو کے۔ اس آیت دینی ہدایہ کی روش میں

اصل لفظ نور۔ ہی کو خد صفا فرمایا۔ لکھتے ہو۔ وہاں پر ص ۲۴ لکھیں قدرت نے نور آپ کا ہاتھ پر کر دیا ہے

ترجمہ میں نور کا لفظ لکھا ہی ہے۔

سب سے زیادہ موعود شبلی صاحب کے حال کر رہا ہے۔ کی غریب کا تب یہی ہے جسے شمس کے کہہ سکتے ہیں کی

بھی تحقیق کر لی۔ ہے نہ کاتب کی غلطی ہو بصلح سنگ کی غفلت۔ یہ تو مولف ہی کا قدیم طریقہ استخفاف ہے۔ اس لئے کہ آخر کتاب جلد اول میں غلطنامہ لگا دیا گیا ہے۔ اور نہایت اہتمام سے چھاپا گیا ہے صحت الفاظ کے اہتمام میں جو جو خرم و احتیاط کے سامان کے گئے ہیں وہ نہایت وضاحت سے مندرج کر لئے گئے ہیں۔ اسکے نمبر ۵ میں یہ عبارت تلبیس کی گئی ہے۔

نصوین غلطیوں کا رہنا گزرا ہے۔ کاتب سے زیادہ اس کا سردار بصلح سنگ ہے۔ جسے فکر کے نیچے نقطہ داغ بکراؤ جاتا ہے اور داغ نقطہ بن جاتا ہے۔ یا دوت چھن کر اپنی جگہ سے اڑ جاتا ہے۔ ان میں (تمام کتاب کے غلطنامہ میں)

تین سو تیرہ ہیں۔ ص ۱۰۵ میں ہوا الذی کو ہوس ۲۰۹ میں اولا کا لہ ام کو اولا کا لہ جام اور ص ۲۴ میں فاشہدوا کو فقلوا اشمہدوا بنا دیکھے۔ دیگر قابل اصلاح غلطیاں پر ہم نے خط لکھ دیا ہے بقیہ غلطیاں

نیز۔ زیر انقشوں کی زیادہ تر ہیں اور مولیٰ بن تمیم غلطنامہ ص ۱۱۲ جلد اول میں ہے۔

اس اعداد کی عبارت سے ثابت ہو گیا کہ فقرات طریقیہ میں اندراجات الفاظ کی سو قلم والی غلطیاں۔ سو آدھیں ان تین غلطیوں کے جو اشتہاری عبارت میں درج کر دی گئی ہیں۔ اور کوئی نہیں ہے۔ اور جو میں بھی ان خط لکھ دیا ہے۔ اور وہ زیادہ تر زیر۔ زیر اور نقطوں کی معمولی غلطیاں ہیں۔

مگر ان اشتہاری دعویٰ کے برخلاف غلط نامہ اخذات نقطہ انور۔ خود دیباچہ ص ۱۲۱ میں واقع ہے نہ نمبر کے اشتہاری غلطیوں کے گھلایا گیا ہے۔ نہ اس مقام پر حسب الذکر خط لکھ دیا گیا ہے۔ اور غلط مزید تو یہ ہے کہ جہدو (غلطنامہ) میں بھی نہ اس صفحہ ۱۲۱ کا کہیں ذکر ہے اور نہ نقطہ انور کا نشان۔ اس بنا پر اس غلطی کو یا تو مولف کی نثرناک فراموشی یا نثرناک صحیح ہو گا۔ یا اس کے ہوتے ہوئے اندباغ کی صریح چشم پوشی کہنا مناسب اور فی الواقع ہو گا۔

ہم اس سے زیادہ اس مسئلہ کی تشہیر کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے کہ اسکی ضرورت۔ ستنا تفصیل میری موجودہ مبالغہ کے موضوع سے زیادہ ہوگی اور بیکار طوالت کا باعث۔

توال صحابہ میں تعارض اور شبلی صاحب کا خورق اور شبلی صاحب الوال صحابہ میں تعارض و تعارض و کما کہ یہ نہایت گرا جاتا ہے

میں حل اکثر غلطیوں کو جاتی تھی۔ اس کے ثبوت میں آئمیں نے متعدد مثالیں بھی پیش کی ہیں جن میں سے چند مفصلہ ذیل مثالیں ہم انہیں کے الفاظ عبارت میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس چیز کو اگر چھو

اسکے کمانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ اس بنا پر تو لازم آتا ہے کہ ہم گرم پانی سے

بھی وضو نہ کیا کریں حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ جیسے جب تم آنحضرتؐ کی کوئی حدیث سناؤ تو کہنا و تمہیں نہ کہنا کرو (جو اللہ بن عباسؓ نے فرمایا)

(۲) حضرت بخاری (باب التلوٰۃ و التواضع) میں ہے کہ تمہارا ہر ایک مجلس میں سے حدیث بیان کر

کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص خالصتاً خدا کے لئے لا الہ الا اللہ کہے گا۔ خدا اس پر گرجا کر دے گا۔
 اس جلسہ میں ابو ایوب انصاری ہی موجود تھے جبکہ مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، مہینوں تک قیام فرمایا تھا۔
 حضرت ابو ایوب انصاری نے یہ حدیث سن کر کہا کہ واللہ ما اظن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اظن
 قط خدا کی قسم میں کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ تو تم کہتے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا۔ محمود ابن ابی نعیم نے کہا کہ
 کو ان کے تفسیر میں نے یہ حدیث نہ تھا مگر چونکہ یہ حدیث اثنی عشریہ قرآن کے خلاف ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری
 یقین نہ لاسکے۔ اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ فرمایا ہوگا۔ اگرچہ صحیح بخاری میں ہے کہ محمود ابن ابی نعیم نے یہ حدیث
 اگر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی عثمان سے کر لی۔ لیکن اس سے اس سلسلہ (عبداللہ صحابہ) پر اثر نہیں پڑتا
 حضرت ابو ایوب کو جن اسباب کی بنا پر محمود ابن زید کی روایت میں شبہ پیدا ہوا عثمان (اصل راوی) پر بھی وہی
 شبہ پیدا ہو سکتا تھا۔ حضرت ابو ایوب محمود ابن زید کو درنگوں میں سمجھتے تھے بلکہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے
 اصل روایت کے مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہوگی۔ یہ احتمال بعینہ راوی الیٰہ کی نسبت بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ
 حضرت عائشہ نے بعض صحابہ سے کہا تھا کہ تم لوگوں کو سچے لوگوں سے روایت کرتے ہو مگر سناؤ غلطی کرنا آہستہ
 (مست) حضرت بخاری ابن یاسر نے جب حضرت عمر کے سامنے تیمم کی حدیث بیان کی تو حضرت عمر کو یقین نہ آیا
 بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب تیمم میں ہے یہ الفاظ کہے۔ اتق اللہ باعتمار بدین اے عمار خدا سے ڈرو چنانچہ وہی بنا پر جب
 عبداللہ ابن مسعود کے سامنے حضرت ابو موسیٰ الاشعری نے اس حدیث سے استدلال کیا تو حضرت عبداللہ نے کہا
 ان۔ لیکن حضرت عمر کو تمہارا کہ روایت سے تسکین نہ ہوئی۔

(نکات) حضرت عائشہ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگوں کے نوچہ کرنا سے فرسہ پر عذاب ہوتا ہے تو انھوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے کہ تم نہ ہو اور نہ تمہاری اولاد کون بوجہ گناہ والا اور نہ سے کا بوجہ نہیں آگنا سکتا۔

(ج) اسی طرح جب ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی آنحضرت صلعم نے کشتیگان بدر کی نسبت فرمایا کہ میں جو کشتی ہوں یہ سنتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ابن عمر نے غازی کی۔ اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما صحابی تھے لیکن حضرت عائشہ نے اس بنابر اس حدیث کی صحت سے انکار کیا اگر ان کے نزدیک اس روایت قرآن مجید کے خلاف تھی۔

(ح) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب الفتن میں روایت ہے کہ حضرت عباسؓ اور علیؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے عمرؓ! میں نے اپنے والد اور اہل بیتؓ سے کہا کہ تم میرے اور اس قبیلے کے عجم و ہجو کے بار اور غائبان کے درمیان فیصلہ کیجئے، چونکہ حضرت علیؓ کی شان میں یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔

اور جن مسلمانوں کے زمان اور چکل زمان سے یا اس سے بھی زاید قبل ان شخص الفاظ نوٹ سے پس تک نکلتے رہے۔ جس کا خود نبی صاحب کو اقرار ہے کیا یہ اسیرت مسلمان نہ تھے اور کیا اس وقت تک مسلمان نہیں کہتے جاتے۔ (ناعتروا بوائے) اس لئے بعض محدثین نے اپنے نسخہ میں سے ان الفاظ کو نکال ڈالا (بجو الہ نوہی شیعہ صحیح مسلم بذکر حدیث مذکور) علامہ مازنی اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں اذ انسدت طرقنا ولبها نسبنا الکذب الی ذلک انھا۔ جب اس حدیث کی تاویل کے سب راستے بند ہو جائیں گے تو ہم اسکے رادیوں کو چھوڑنا کہیں گے لے سیرۃ النبی۔ دریا چھوٹا۔ ج ۱ ص ۵۳-۵۱

اخلاص میں الصحابہ کی اتنی مثالیں تو ہم نے شبلی صاحب ہی کے مندرجات و مسلمات سے نقل کر دیں اور دیگر کتب حدیث و تفسیر میں اسکی مطابق تلاش نہیں کی۔ جن میں سیکڑوں مثالیں ابھی اور مل سکتی تھیں مگر حقیقتاً ہم کو دوسری کتابوں میں ان کی دیکھنے کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے مخاطب اصلی ہیں مولوی شبلی صاحب اور کتاب میں تمام خطاب ہیں انھیں کی طرف اس بنا پر انھیں کے معترفات سے ہمارا طریقہ استدلال آسان ہی ہو جاتا ہے کہ بیرونی اور خارجی مشاہد کی ضرورت نہیں رہتی آخر میں پیش این پیش کر کے شبلی صاحب کے اس فیصلہ کو دلا دیں۔ جن میں آپ نے حدیث کی کتابوں کو میرت کی کتابوں پر ترجیح دی ہے۔ اور انھیں اختلافات یا جمانہ کی بنا پر کتب سیرت کی کتب حدیث کے مقابلہ میں باعتبار ہی بہت قدرتی اور کو قہرتی ثابت کی ہے۔ اب آپ کے دونوں تحریر کردہ بیانات ایک طرف رکھے جائیں۔ اور اختلاف احادیث کے متعلق آپ کا مقدمہ بالا مندرجہ اور محققانہ کارنامہ ایک طرف۔ توصات صاف معلوم ہو جائے گا کہ جن عیوب و مناقص کی وجہ سے سیرت کی کتابوں کی سب اعتبار ہی اور کم وقتی تہیز کی گئی ہے۔ وہی قبائح اور فحش تو آپ حدیثوں اور ان کے رادیوں کی نسبت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور صرف تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ شہادت ان کو اپنے ہا حشوا وائل تنقیدی میں پیش کرتے ہیں۔ اس بنا پر ترجیح حدیث علی السیرۃ کا مسئلہ ایک غلط اور بے اصل تجویز آپ ہی کے کھتا ہے ثابت ہوتا ہے۔ جس کو ہم ایک جاہلانہ نمبر میں پوری تفصیل کے ساتھ حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

(۳۷) شبلی صاحب نے کتب حدیث کو کتب سیرت پر ترجیح دے جانے کے مسئلہ کو اپنی غرض خاص سے آسانا ہم اور ضروری سمجھ لیا ہے کہ مسئلہ کا بیان کے صفحہ (۴۱) ہی سے اسکی بحث آغاز کر دی۔ اس عبارت سے آپ کی کیا مراد ہے اور اس بحث کو ترجیح دے آپ کی کیا غرض خاص ہے وہ ہمارے سلسلہ بیان سے اپنے مقام پر معلوم ہوگی۔ ہم پہلے آپ کے ان احوال مختلف کو ذیل میں لکھتے ہیں

شبلی صاحب کا دوسرا نام مولوی
ترجمہ کتب حدیث

۱۔ سہان ماہ عظیم شاہ امام شاکرین شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تو اس روایت کو نہایت معتبر و مستند سمجھ کر محض انشاء سیرت میں عدم عدالت جہت سبب اور انہیں علی مرتضیٰ کے ثبوت میں پیش کریں اور قبول آپ کے اسلاف بخیرین مثل امام نووی اور مازنی وغیرہم اس حدیث کی یوں بیان اور تفسیر۔ بوائے

جواب نے اس مسئلہ کی بحثیں اصولاً اٹھاند فرمائے ہیں۔

(الف)۔ حدیث صحیح (کتب صحاح) ادب اب میر کے متفقہ روایات کے مقابل میں بھی قابل ترجیح ہیں۔

حاشیہ ص ۵ دیباچہ سیرۃ النبی جلد اول۔

(ب)۔ اس بنا پر سیرۃ و معارفی کا تبصرہ حدیث سے کم ہے۔ (حاشیہ ص ۵ دیباچہ)

(ج)۔ جس طرح امام بخاری اور مسلم نے یہ تصنیف نام کی کوئی ضعیف روایت بھی اپنی کتاب میں درج کرنا نہیں کی

اس طرح سیرت کی کتابوں میں کسی نے التزام نہیں رکھا۔ آج ایسوں کتابیں قدامت سے لے کر تازہ ترین

تک کی موجود ہیں۔ مثلاً سیرت ابن اسحق۔ سیرت ابن ہشام۔ سیرت ابن سیلک۔ سیرت ابی یوسف۔

حکیم۔ مواہب اللیثیہ۔ کسی میں یہ التزام نہیں۔ حاشیہ ص ۵ دیباچہ۔

اب شبلی صاحب کیونکر بچاؤ۔ کہ آپ نے جو اہم معیار و معیار قرار دیا ہے اس کے روبرو تو جیسا کہ

آپ معترف و اعتراف فرماتے ہیں۔ دونوں مضامین کی کتابوں میں وہی غریب و مناقضہ موجود ہیں۔ پھر فیصلہ ترجیح

کیسا ہے؟ اور خود یہ تفصیل کیا؟ سیرت نگاروں نے نہ بھی انھیں صحابہ و تابعین کے اقوال سے، اقوال و تالیفات

مستند سے، حدیثوں کی روایات کی تدوین کی تھی۔ ہنہ۔ اور ان کے اقوال و ارشاد میں آپ

کے اقوال و اعتراضات کے مطابق اختلاف و مناقضہ دونوں ثابت ہے۔ اس بنا پر ہر انسان پسند شخص فوراً

دونوں فنون کی کتابوں کی تصدیق و توثیق کو سادہ و اہل قرار دے گا۔ اور کسی عنوان سے ایک اور سر پر

ترجیح و تفضیل مذکورہ مگر حقیقتاً آپ کو امام بن بخاری اور مسلم اور ان کے پیروں کی تالیفات سے اپنے مقاصد

تالیفی پر سے کر رہے ہیں۔ اس ضرورت و مجبوری سے اپنے اپنے خود فرضی کی بنا پر ترجیح کتب حدیث و تالیفات

بخاری شریف کی تفصیل کا قیاس قائم کیا۔ مگر چونکہ آپ کے اس قیاس و گمان میں حقیقت اور عملیت نام کو

بھی نہیں تھی اور نہ کاشی قلمکاری چھپ چکی تھی۔ اس لئے جواب ہی نے اپنے ہی دست و قلم سے

ان تمام قیاس کا سبنا س بھی کر دیا۔ اور جس طرح روایات سیرت و تاریخ کے اختلافات و مناقضات سے ان کی

بے اعتباری اور کم وقعت ثابت کی گئی تھی۔ اس طرح حدیثوں کے رواہ کی بھی تنقید و مذہب فرمایا گئی۔ اور خود صحابہ

امام بخاری بھی ان کے التزام و التزامات سے ثابت کئے گئے۔ جس کی برتری تفصیل و تبصرہ اور یہ غلبہ بردہ گئی۔ آپ کے کتاب

میں ان کے تمام اہم ترین و اہم ترین کیونکہ اس کے دیباچہ سیرۃ النبی میں جو بحثیں لکھی ہیں۔ اور تنقید ان کے

کی۔ نام اس سے کہ وہ حدیث کی روایات میں یا سیرت و تاریخ کی جو تفریق و تفریق لکھیں اور ان کے

اصول پر جو تفصیل و بحثیں لکھیں وہ ایک غلط ثابت ہو کر ان میں اور ان کے ہر ایک اور ہر ایک

حدیث کی تدوین اور تالیف کی موزانہ و انفرادی ہے۔ یہ سب اس لئے لکھا کہ ان کی اصلاح ہو۔

جیسا کہ

لکھی گئی۔ جو معاویہ کے حکم پر تمام خاص سے قریب کی گئی۔ تو اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ علم حدیث کی تاریخ و ترتیب علم تاریخ کی تاریخ و تدوین سے بہت پیچھے ہوئی ہے۔

مگر افسوس کہ شبلی صاحب کو نہ خود اپنے تئیں کلام کا خیال ہے اور نہ انحراف عن الاعتراف کی پروا آپ کو تو صحاح کی عمود اور صحیح بخاری کی خصوصاً توثیق و تصدیق برنوع مقصود ہے۔ جو آپ کی مرکز تئیں ہے اسلئے باوجود ان مشاہدات و مسلمات کے بھی۔ اگرچہ۔ حدیث کی قدامت تاریخ پر ثابت نہیں۔ لیکن کتب حدیث ہی کی مردانہ کو ترجیح دیتا ہے اور ان میں بھی بخاری کی تمام کتب حدیث پر ترجیح بالمرجح تسلطی جاتی ہے۔ حالانکہ بخاری کی جمہوریت و پر ثبات گرد گئی ہے۔

حدیث و سیرت کا کوئی (۴۴۴) حدیث و تاریخ و سیرت کے درمیان کوئی حدفاصل نہیں قائم کی گئی۔ گویا یہ دونوں تفصیل نہیں کی گئی۔ علوم باہم مخلوط کر دیئے گئے۔ اور انہی باہمی تفریق محض اس لئے مخفی رکھی گئی ہے کہ علم تاریخ کو ایک خاص علم ہونے کی اہمیت نہ حاصل ہو۔ ورنہ وہ اور علوم کے ساتھ عمود اور علم حدیث کے ساتھ خصوصاً مساوت کا مستحق ہو جائے گا۔ شبلی صاحب کے اس طبع تاریخی سے جو کچھ علوم ہوتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ علم تاریخ و سیرت کے ماخذ اصلی بھی وہی سندین ہیں۔ جو پہلے صحابہ کرام کے سینوں میں تھیں پھر تابعین و عظام کے سینوں میں آئیں۔

شبلی صاحب کے اس عجیب و روزگار غماز کو کون اختیار کر سکتا ہے۔ ہاں تاریخ کے مورخ عمود اور تصنیف و واقعات کے متلاشی تو خصوصاً آپ کی اس تحقیق خاص کو جو آپ کی محض خود غرضی پر مبنی ہے۔ ایک مضحکہ خیز مطالبہ سے زیادہ نہ سمجھیں گے۔

حقیقتاً اصناف فنون اور اقسام علوم میں۔ حدیث و تاریخ و روایات گانہ علوم میں۔ جن کی تعریف جدا بہ عنوان علیحدہ اور تفصیل و بیان الگ الگ ہیں

حدیث اصطلاحاً کسی شخص کے اقوال اور اعمال یا ایک نبی رسول کے احکام و ارشاد کو کہتے ہیں تاریخ ممالک و اقوام کے حالات و واقعات کی تفصیل کا نام ہے۔ سیرت اسی کا ایک خاص شعبہ ہے۔ جو کسی شخص خاص کے حالات و واقعات کی تفصیل تک محدود ہوتی ہے۔ عرب چونکہ قدیم و پرانے سے صاحب سیرت اور ایک سربراہ و قوم تھی۔ اس بنا پر جہاں اس نے اپنے حالات و واقعات کی تاریخ و ترتیب کی وہاں خصوصیت کے ساتھ اپنی فطرتی جرات و بغاوت کے مذاہات توئی رکھیں جمع کئے۔ اور اس کا ہر شاخ و برگ اور جو کہ واقعات متغایر بھی۔ ملک و قوم کے وسیع کارناموں میں کہ جس قوم خاص یا کسی کی فرد خاص بن کے ذاتی حالات و واقعات ہونے لگے۔ اسلئے ان متغایر بھی سیرت کی ایک شاخ اور تاریخ کا ایک شعبہ قرار دیا گیا۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے دیباچہ کتاب میں تاریخ سیر اور معارضی کی جرح و قدح اور تکذیب و تصنیف ہی تک اکتفا فرمائی اور تفریق و تخصیص و تفضیل کسی کی بھی نہ بتلائی۔ حالانکہ دیباچہ سیرۃ النبی ص ۱۲ میں تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت سے ہوئی ہے کے عنوان خاص سے ایک علیحدہ باب قائم کیا ہے اور اس میں تاریخ - حدیث - سیرت اور معارضی کے آغاز و ایجاد - تالیف و تصنیف کے علیحدہ علیحدہ زمانے لکھ کر بتلائے ہیں۔ مزید برآں - ائمہ حدیث - تاریخ و سیرت و معارضی اور ان کی و تالیفات کے ناموں کی مطول فہرستیں بھی مدج کر دی ہیں۔ یہ سب کچھ اہتمام کیا گیا ہے۔ مگر بحیثیت مولف جو آپ کا ضروری اور فرض اولین تھا وہ کسی نہ کسی پریمی و اہمیت عام کے لئے نہیں لکھا گیا اور ان مختلف اصناف علوم اور متفرق اقسام فنون کی جداگانہ تعریف اور ان کے باہمی تفریق و تخصیص کو تفصیل و تشریح کے ساتھ کہیں بھی نہ بتلایا۔

کیونکہ صرف اس غرض خاص سے کہ فنون علم حدیث کے متبع - زیر اثر اور اسی سے ماخوذ و مخلوط ثابت ہوں۔ اور آخر میں ان کا معیار اصلی علم حدیث اور حدیث میں کتب صحاح اور کتب صحیحین اور صحیحین میں خاص ان خاص اہم بخاری کی صحیح ثابت ہو جس سے آپ کو ایک ذمہ خاص اور قوم خاص کی حمایت اور دوسری قوم ذمہ کے حالات و واقعات میں اپنی عیب پوشی کی غرض سے - اسقاط - حذف اور محافظت کی اور جروی کا پورا موقع ہاتھ آئے۔

ہم اور بھی لکھ آئے ہیں اور پھر لکھ کر بتلائے دیتے ہیں کہ آپ کا یہ مختار بالکل اعجب و روزگار ہے اور آپ کی یہ تجویز بالکل نوکشی اور آہوتی ہے۔ افسوس ہے اگر آپ نے ابن خلدون ابن خلدون کی مقدمات کو نہیں دیکھا تھا تو کم سے کم فارسی کی معمولی تاریخ و ضہ الصفا و خاوند شاہی ہر وی کا دیباچہ پڑھ لیا ہوتا تو مجھ کو یقین ہے کہ آپ کو ان فنون کی باہمانہ تفریق و تمیز پوری معلوم ہو جاتی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ان کے باہمی فرق و تباہ دینے سے بالکل بیخبر تھے اور آپ کی خود غرضی آپ کی مجبوری کا باعث تھی۔ جس سے آپ کسی طرح علمہ نہیں ہو سکے تھے انھیں غرض و مدعا سے آپ نے حدیث و سیرت کے فرق کو جتنے جتنے غایت مجبوری سے لکھا بھی تو حدیث اور اسکی صحت کی بحث میں - چنانچہ دیباچہ ص ۱ کے زیرین حاشیہ عبارت میں حدیث و سیرت کی جو تفریق بتلائی بھی گئی وہ تعریف نہیں سمجھی جاسکتی بلکہ تصنیف ہے۔ جو آپ کے اصل مدعا - ترجیح حدیث علی سیرت کی اصل بحث پر مبنی ہے۔ آپ کی عبارت یہ ہے۔

اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کر دینے کے قابل ہے۔ جو آج کل قلت علم اور ناشائستگی نے پیدا کر دی ہے۔ بہت سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ سیرت و حدیث ہی کے ایک قسم کا نام ہے۔ یعنی احادیث میں سے روایات الگ لکھنے کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق

رعادات سے متعلق ہیں۔ تو یہ سیرت بنگلی اور چوکہ حدیث میں متعدد کتابیں ایسی ہی موجود ہیں ایک حدیثی ضعیف

ہیں شامی صحیح بخاری و مسلم (مطلب یہی ہیں) تو یہ کتابیں جو صحیح ہو سکتا ہے کہ سیرت میں کوئی کتاب ہنگ

اس صحت و التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی۔ دیکھا کہ ص ۵ عبارت پائین حاشیہ۔

مترجمہ بالا عبارت نہ پڑھ کر انصاف پسند حضرات بتلا دیں کہ اس عبارت کے ابتدائی فقرات کو جس میں سیرت کی تعریف کا اشارہ کیا گیا تھا۔ عبارت کے آخری کلمات سے۔ جنکا خاتمہ بخاری و مسلم کی مدح سرائی پر کیا گیا ہے۔ کیا بار بار واسطہ ہے اور ان چیز الفاظ میں جو سیرت کی تفریق کو حدیث سے علوق بنا دیا گیا ہے وہ علم سیرت کی پوری تعریف ہو سکتی ہے؟ اور ان سے علم سیرت کی اہمیت اور حقیقت کا انکشاف ممکن ہے؟

علاوہ براین۔ بیان ہے سیرت کا۔ اور بحث کیجاتی ہے علم حدیث کی صحت سے اور ان کے مخصوص اصحاب کی صداقت سے۔ سبحان اللہ میں چہ می سرایم و بلند زہ من چہ می سراید۔ مگر ان قلم کار یوں سے آپ کا نہ کیا تھا؟ وہی بخاری کی جنبہ داری جس کا حق آپ نے کما حقہ ادا کر دیا۔ پھر اس عبارت کے آگے تحریر ہوتا ہے۔

اس تمام تقریر کا حاصل یہ ہے کہ سیرت ایک مافوق جاگانہ ہے اور اس بنا پر اس کی روایتوں میں اس حدیث کی شدت

احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی۔ جو فرضی حدیث کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ فقہ کا مفسر قرآن و حدیث

سے ماخوذ ہے۔ مگر یہ نہیں کہتے کہ یہ حدیث قرآن باحدیث ہے۔ یا درود لون کا ہر پلہ ہے۔

اگر شبلی صاحب اتنا ہی لکھ کر کہ سیرت ایک فن جداگانہ ہے۔ ختم کر دیتے اور اندیہ تفصیل کی کیفیت کرتے تاہم علم سیرت کی ابتدائی تعریف ہو جاتی۔ مگر آپ اپنے مطلب کے متلاشی ہیں۔ اتنا لکھ کر ختم کر دیتے تو بیان بے رہا اور ختم نہ بند ہو جاتی۔ اور ترجیح حدیث علی السیرت کا اصل مطلب فوت ہو جاتا اسلئے تفصیل کی اور تفصیل میں پوری اضافہ خاص کر کیا گیا کہ جس میں کیا تھو صحاح ششہ کا مجموعہ بھی داخل کیا گیا۔ اور ان کے صحت و صداقت کے ساتھ شدت حدیث کی حدت بھی بڑی لکھی۔ اب کون آپ سے پوچھے کہ آپ تو ابھی ابھی خود لکھ چکے ہیں کہ سیرت ایک فن جداگانہ ہے پھر اس کے متعلق علم حدیث کی جزئیات و کلیات سے بحث کرنا کس عقل پر اسے کا کام ہو سکتا ہے۔

سیرت اور حدیث کی مثال ناقص ہے [مترجمہ بالا عبارت میں سیرت کو علم فقہ کی ساتھ ان الفاظ میں تشبیہ دی گئی ہے۔ کہ اسکی

مثال یہ ہے فقہ کا فن قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہ قرآن و حدیث ہے۔

شبلی صاحب کی یہ مثال بھی سربا ناقص اور یہ تشبیہ بھی بالکل ناکامل ہے۔ کیونکہ اس لئے کہ فقہ اور سیرت کی ایک صورت نہیں ہو سکتی۔ فقہ حقیقتاً قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے اور قرآن و حدیث سے ماخوذ ہو سکتا ہے۔ غرض ہی دلائل میں میرے خیال میں سیرت النبوی کی تفصیل خاص کہ وہ حدیث سے آپ کی منشا ہو سکتی ہے۔ اگر شبلی صاحب نے تو ابھی غور فرمایا تو اپنی غلط فہمی کی حقیقت معلوم ہو جاتی اور آپ کے لئے جو توبہ ہو سکتی

کہ اگر ظہور اسلام سے قبل قریش میں کسی شخص خاص کے حالات لکھنے کی آپ کو ضرورت نہ ہوتی۔ یا ظہور اسلام کے ایام میں یا اس کے بعد جہاں بھی آپ کو کسی غیر مسلم باشندہ قریب کی حالات و واقعات قلمبند فرمانے کا اتفاق ہوتا تو آپ کہاں تک ان اشخاص کی سیرتوں کی تالیف و تصنیف میں قرآن و احادیث سے ان حالات و واقعات فراہم کرتے ہیں۔ جب ان سیرتوں میں قرآن و احادیث کے استخراج و استنباط کی مطابقت ضرورت نہیں اور یہ بالکل صحیح ہے کہ بلا استناد ان مآخذوں کے آپ ان کی سیرتیں کیا کر سکتے ہیں تو ہم معلم السیرت کو علم الفقہ کا مماثل و مقابل ٹھہرنا کیسی ناشائستگی ہے۔

ہاں آپ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عام طبقہ مومنین و مسلمین کی حالات و واقعات میں علیٰ ترتیب و المراتب خاص خاص مقامات قرآن و احادیث کی اقتباسات کے محتاج ہوں گے۔ مگر یہ ملحوظ رہے کہ ان استخراج و استنباط سے اور ان اقتباسات و بیانات سے سیرت کے کلیات میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا کیونکہ ایسے جزوی تعلقات تو ہر ایک کے تمام علوم و فنون میں پائے جاتے ہیں جغرافیہ کو تاریخ سے تعلق ہے تو تاریخ کو جغرافیہ سے ریاضی اکثر مقامات میں ادب سے مدد کا طالب ہے اور ادب ریاضی سے علم ہیئت فلسفہ سے استفادہ کرتا ہے۔ یہ فلسفہ ہیئت سے خارجی سبق لیتا ہے۔ اسی طرح سیرت اسلامی کو مناسب مقامات پر قرآن و احادیث سے استفادہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر بایں ہمہ اس میں علوم و فنون جانتے ہیں کہ ان وقتی اور جزوی تعلقات سے نہ جغرافیہ تاریخ سے ماخوذ کیا جاسکتا ہے اور نہ تاریخ جغرافیہ ہو سکتی ہے۔ نہ ریاضی ادب کہا۔ گے گا کہ ادب ریاضی نہ ہیئت فلسفہ ہو گا۔ گے گی نہ فلسفہ ہیئت مگر شبلی صاحب کی منطق خواہواہ سیرت اور فقہ کو مثالاً ایک بتلاتی ہے۔ تو اس کو کیا کیا جماد سے۔

شبلی صاحب کے سامعہ اعلیٰ باعث آپ نے علم سیرت کو اپنی سیرۃ النبی کی خاص ضرورت تک محدود فرمایا ہے اور اس بنا پر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات و واقعات کو قرآن و احادیث سے ماخوذ و نامشروط فرمایا ہے۔ تو آپ کی اس تجویز میں بھی یہ کہا جاوے گا کہ ان حضرت صلعم کے حالات و واقعات بھی بالکل قرآن و احادیث سے ماخوذ و مستنبط نہیں ہیں۔ بلکہ انھیں حدود و قیود تک جن کا وجود ثبوت عبارتہ از قرآن و احادیث ہوتا ہے اسے استخراج و استنباط کا محتاج ہے۔ یا جسکی تفصیل و بیان میں قرآن و احادیث کے شہود کی ضرورت ہے۔ نہ عموماً حضرت کے تمام جزوی اور کلی حالات ہیں۔ چنانچہ انھیں نصاب پر آپ نے بھی اپنی کتاب مرتب فرمائی ہے اور آپ سے پہلے تمام مومنین نے بھی یہی نصاب اور نظام تصانیف قائم فرمایا ہے سیرۃ النبی میں اسی جن واقعات کا قرآن و احادیث سے تعلق تھا۔ انکی تفصیل میں قرآن و احادیث کے مآخذ سے کام لیا گیا ہے اور جو تاریخ و سیرت سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تاریخ و سیرت کی کتابوں سے لے گئے ہیں۔ پھر اگر بعض مقامات آپ کا یہ

قیاس صحیح بھی مان لیا جاوے کہ آپ اس مقام پر سیرت سے صرف سیرت اہل اسلام مراد لیتے ہیں۔ تب بھی تو ایسے قرآن و حدیث سے مقاصد تالیفی پورے نہیں ہوتے۔ اور تاریخ و سیر کے نقل یا خلاصہ کام نہیں نکلتا حقیقت میں شبلی صاحب نے اپنی خود غرضی سے علم سیرت کے دائرہ کو بہت محدود دکھلایا ہے۔ حالانکہ وہ بہت وسیع ہے۔ اور اتنا کہ وہ تاریخ سے ملحد ہو کر ایک فن جدا گانہ بن گیا ہے۔ اسکے دائرے کو تنگ و محدود سمجھنا خصوصاً علم و تحقیق کے موجودہ روشن زمانہ میں۔ عرصہ خیرہ چشمی بھی جاسکے۔ علم سیرت کو خاص اسلامی مؤلفین و مصنفین کی ایجاد و طبع و ہونا۔ یہ بھی تحقیق کی خامی اور تلاش کی کمی ہے۔ کیونکہ۔ جامین اور مدرسین تو ات رانجل سے اگر قطع نظر کی جاوے۔ تو پھر مؤلفین و مصنفین اسلامی سے صدیوں پیشتر رومی اور یونانی مصنفین۔ مورخین علم سیرت کے قدیم مشاق اور نقاد ثابت ہوتے ہیں۔

اس کے آگے شبلی صاحب بظہر نہیں۔

توین سیرت کی جگہ صحت حدیث سے استدلال غلط ہے

مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفتہ۔ لیکن موجودہ قرآنی و فنی حدیث کے اصلی مبدعین کے ہوتے نہیں بل سکتے ہیں۔ اس لئے باب سیر کو تنقید و تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے۔ اس بنا پر سیرت بغازی کا ترجمہ فن حدیث سے کم رہا۔

اس عبارت میں بھی وہی ترجیح حدیث کے اصول پر بحث ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے دست قرآن حدیث تاریخ و سیرت کی اصلی تالیف نکالتی۔ آپ حدیث کی ترجیح و اولیٰ ہمیشہ میں سنا ہے بین اربین میں بتلائیے کہ حدیث کیا بود اور تاریخ و سیرت کیا اور ان میں فرق و ماہ الا بتماز کیا رکھا گیا ہے۔ آپ کی اس عبارت میں مزید اتنی نوعیت ہے کہ آپ کی باب سیرت کے ساتھ مغازی کا نام لیا گیا ہے۔ مگر ابھی سیرت ہی کی اصلی حدیث قائم نہیں ہونے مغازی کی مغالی کیسی۔ اس سے آگے تکرر فرمایا جاتا ہے :-

تیسری ص ۱۱۱ کہ جو کما میں سیرت کے نام سے مشہور ہیں۔ فقہ سیرت بن ہشام۔ سیرت بن ہشام۔ سیرت بن ہشام۔ سیرت بن ہشام۔ ان میں زیادہ رغبات کے حالات ہیں۔ البتہ زائد بابت میں مغازی۔ کہ سیرت بن ہشام کی اصل ہوتی لیکن سیرت کو اب مدینہ غنی ذات کے بارہ سب کچھ ہے۔

اس تحریر سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ مغازی میں آگے چل کر اور چیز میں بھی داخل ہو گئیں۔ اس کے آگے لکھا جاتا ہے :- اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے الگ الگ چیز ہے۔ بہان تک کہ بعض بعض مؤلفوں پر اب سیرت اور محدثین دو کتابیں کے گرد سمجھے جاتے ہیں۔ اور بعض روایات کے متعلق بصورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام اب سیرت ایک طرف نظر آتے ہیں اور مغازی دوسرا ایک طرف۔ ایسے موقع پر لوگ نام مغازی

کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہے۔ لیکن محققین لکھتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے ہم اس موقع پر ایک دو اندہ مثال کے طور پر لکھتے ہیں۔

ہم پہلے شبلی صاحب کی اس عبارت تمہیدی کا انکشاف حقیقت کر لین تو آپ کی مثالوں کی کیفیت دکھائیں گے سیرت کی اصل حقیقت کے چھپانے اور اسکی وقت و صحت کے گھٹانے میں۔ اتنے قبل سے جو کوشش فرمالی جا رہی تھی اس کا نتیجہ اب دکھلایا گیا۔ پیام یا رسطیف استگرید پر ایک۔ خیر دو فریق (ارباب حدیث و صحابہ سیرۃ) اب تیار کر دے گئے۔ اور حقیقتاً تھے بھی ایسا ہی۔ جیسا اب بتلایا جاتا ہے۔ یہ دونوں برابر کے عجوبہ ہیں۔ اصحاب حدیث ایک طرف ہیں اور ارباب سیرۃ دوسری طرف۔ اور یہی بالکل صحیح ہے کہ خاص خاص مقامات پر دعویٰ داران حدیث بتقابلہ سیرت و تاریخ کے قابل ترجیح و تفضیل ضرور ہیں اور اکثر مقامات پر اھلکاران سیر و تاریخ صاحبان حدیث پر ترجیح پانے کے مستحق ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اور غیر جانبدارانہ فیصلہ فرمایا گیا ہے یہ سلسلہ راستہ آج تک ہی مختار جمہور مولدین و محققین کا عام دستور چلا آتا ہے۔ مگر چراغ خود فرضی اور نفسانیت کا کہ اتنی حقیقت و اصلیت لکھ دینے کے بعد بھی شبلی صاحب صرف اپنا مطلب نکالنے کے لئے بعض فرضی اور لاعلم محققین کا فیصلہ جو حقیقتاً کسی محدث کا ہے اور نہ محقق کا۔ بلکہ آپ کی خاص ایجاد ہے اور آپ کی خاص طبعزاد۔ زیب قلم فرماتے ہیں :-

لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کے متفقہ روایت کے مقابلہ میں بھی قابل ترجیح ہے۔

یہ فیصلہ بالکل خلاف جمہور ہے۔ اگر فی الحقیقت جیسا لکھا گیا ہے یہ محققین کا فیصلہ ہے اور آپ سچے ہیں۔ تو ان محققین حضرات کے نام۔ انکی کتاب۔ ان کی عبارت، تحریر فرمائیے تو دیکھا جاتا۔ کس پر آپ کے محققین ہیں۔ کس مرتبہ کی انکی کتابیں ہیں۔ کس مقدار کے انکے مختار ہیں۔ شبلی صاحب کی ان قلمکاریوں سے کہ محققین کا یہ فیصلہ ہے یا محدثین کی یہ رائے ہے نہ واقفکاران فن معرب ہو سکتے ہیں نہ نادان افکار غیور کی اس سے نفی و اطمینان ہو سکتا ہے۔ اول تو کوئی محقق اس نئی مغزی اور بد داعی سے فیصلہ کر ہی نہیں سکتا۔ اور بعض محال اگر کوئی صاحب ایسے ہوں گے بھی تو وہی ابن حجر شریف صحیح بخاری یا خود آپ۔ اگر حقیقتاً آپ ہیں اور یہ آپ ہی کا مختار ہے۔ تو آپ ایسے یکہ طرفہ مختار و فیصلہ کے ذمہ دار ہیں۔ اور اگر ابن حجر شریف صحیح بخاری ہیں (جیسا کہ بہت جلد معلوم ہوتا ہے) تو آپ خود اپنے محقق شخص کو اسی سیرۃ النبی میں۔ رد و بستی کا خاص خطاب دے چکے ہیں اور علامہ اسماعیلی وغیرہم کے مقابلہ میں انکی عدم قابلیت و مجہولیت ثابت کر چکے ہیں ملا فہو سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۳۱ پر ایسے ناقابل درجہ و درجہ اول شخص کو محقق کہنا اور اس کے معض جانبدار ان فیصلہ کے ابتلاع و تقلید کے لئے تمام اہل اسلام کو مجبور کرنا آپ ہی کی

خلاف جمہور اور بغیر

اسناد و سند

جرات وغیرت کا کام ہے۔

یہ تو آپ کی عبارت تمہید کی تنبیہ تھی۔ اب جو مثالیں دی گئیں ہیں انکی کیفیت ذیل میں ملے گی۔
غزوہ تبوک میں ایک غزوہ تھی فرد کے نام سے مشہور ہے۔ اسکی نسبت ابابہ شریقی

اہل شمال غزوہ ذوق کے
متعلق اہل بیت کا اختلاف

ہیں کہ صلح حدیبیہ کے قبل واقع ہوا تھا۔ لیکن صحیح مسلم میں سلمہ ابن الاکوع سے جو روایت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خبیثہ بن رافع قبل کا یہ واقعہ ہے اس حدیث کی شرح میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔

اہل سرین کے کسی کو اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ غزوہ ذوق فرد حدیبیہ سے پہلے ہوا تھا۔ نو مسلم کی حدیث میں جو مذکور ہے وہ کسی راوی کا وہ ہوا گا۔

لا یختلف اهل السیر ان غزوة ذوق قد كانت قبل المحدث یثیہ فیکون ما اشیع فی حدیث سلمہ من وہم بعض الرواۃ

حافظ ابن حجر فتح الباری میں۔ ذکر غزوہ ذوق فرد میں قرطبی کے اس قول پر بحث کر کے لکھتے ہیں۔

تو اس پر صحیح مسلم میں غزوہ ذوق کی جو تاریخ مذکور ہے وہ اسکی زیادہ صحیح ہے جو بعض سیرت نے بیان کی ہے۔

فعلی هذا فی الصحیح من التبایح لغزوہ ذوق اشیع ما ذکورہ اهل السیر۔

ابن ابی شیبہ خیال کی تصدیق ہو گئی۔ یعنی صاحب کے یہ عقیدہ ہی ابن حجر صاحب میں بہر حال۔ ابھی جی اسی کتاب میں شبل صاحب ص ۸۷ پر علامہ عقی کے مقابلہ میں۔ انھیں ابن حجر صاحب کی فن حدیث میں جو نسبت و تحقیق کو ان الفاظ میں دکھلا سکتے ہیں کہ۔

اسی سنی کے اعتراض کا جواب حافظ ابن حجر نے دیا ہے۔ لیکن اسمعیلی کا رد جن حدیث میں حافظ ابن حجر سے ہے زیادہ ہے۔

پہرا سے محدود اعلان و اسے شخص کے فیصلہ سے علامہ قرطبی کے اسے بہرہ ور کی تحقیق کو ملد کرنا۔
فعلی صاحب کے مبلغ تحقیق پر کالی روشنی ڈالتا ہے۔ اگر آپ کو اپنی خود غرضی کی ضرورت ہے۔ ابن حجر کی فیصلہ کو مکرر کام لکھنا تھا تو سن کی پوری بحث جو قرطبی کی تردید میں لکھی گئی ہے۔ نقل فرماتے ہیں۔ جس سے تحقیق کے ہر شکی کو رد تو جو حیات معلوم ہو جائے گی۔ بنا پر ابن حجر نے اپنے فیصلہ کو قائم کیا ہے۔ اگر آپ اس وقت و قوت میں ہیں بیدار و صحت مند اس کو ناف ثابت ہو چسپ ہیں۔ اور آپ کا یہ خاص انداز تحریر یہاں لکھا ہے کہ ایک مقام پر آپ بذات اس کے فائدہ اور مطالب کے مطابق عبارت کتاب لکھ کر ہنسی کو قلم اکر دیتے ہیں۔ ہم اس کے بعد کو غزوہ ذوق کے اصل مقام پر لکھتے گئے۔ مگر یہاں خود آپ کی تحریر سے اسکی حقیقت کھ دیتے ہو جس سے ہر شخص سمجھ جائے گا کہ اصلیت کیا ہے۔ سیرۃ النبی ص ۸۷ میں نیز عاصم یہ عبارت مذکور کی گئی ہے۔

حافظ ابن جریر نے ان دونوں روایتوں (روایت حدیث و روایت سیرت) میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ عینہ بن حصیب نے دو روایتیں درج فرمائی ہیں۔ عام راہ باب سیرت کو ذکر کرتے ہیں وہ بلا حاشہ تھا۔ اور یہ بالکل تین بیانیہ ہے عام راہ باب سیرت کو غرضہ خبر (بلکہ عام غزوات) سے متعلق ہے جو کہ کسی حدیث کی تشریح و تفسیر میں اس لئے آئے ہیں اس کے بعد حدیث میں کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کے اسباب و سبب ہیں۔ لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سبب واقعات تک ہی تسلسل کی گواہی دیتے ہیں۔

اب اس تحریر سے ثابت ہو گیا کہ ابن جریر کا یہ فیصلہ کسی تحقیق اور دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ اس لئے فیصلہ نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ ان کی مثال اسے ہے۔ مگر آپ اسے خواہوا اپنی بات دیکھئے اور اپنا مطلب نکال لیتے۔ سیرت میں قول فیصل بن جابر دیکھلائے بنی جب بقول آپ کہ ابن جریر کا یہ قول قول فیصل تھا تو پھر ان واقعات میں تطبیق دینے کی کیا ضرورت تھی۔ تطبیق کی تعریف میں آپ خود لکھتے ہیں کہ دو مختلف قہ قول میں اس وقت تطبیق کی جاتی ہے جب دونوں میں صحت کے شرائط پاسے جاتے ہیں اور جب اقوال مختلفہ میں تطبیق کی جاتی ہے اور وہ تطبیق بھی معقول اور مناسب دیکھلائی جاتی ہے۔ تو ہاتھ بٹاؤ صحت و حدیث کے پھر ایک قول کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیا جاسکتی۔

شبلی صاحب غلامہ دونوں مختلف اقوال میں ابن جریر کے طرز عمل کے دو مختلف طریقہ دکھلائے ہیں۔ ایک فیصلہ جس سے حدیث میں صحت کی سیرت کی کتابوں سے برتری ہوئی ثابت ہوتی ہے۔ دوسری تطبیق جس سے روایت کی روایات صحت میں مساوی اور برابر معلوم ہوتی ہیں۔ اور ہر اس عمل تطبیق کو شبلی صاحب بالکل نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ ابن جریر کہتے ہیں کہ وہی شبلی صاحب ابن جریر کے اسی فیصلہ بھول پر جو حقیقتاً ان کی روایت پرستی کی بنا پر ان کی اپنی رائے ہے۔ عمل کے جانے کیلئے مضمر ہیں۔

شبلی صاحب نے اگر خوش بینی سے صحت و روایات سیرت کی تصدیق و توثیق کی تھی تو قطعاً و تبریداً اور استغناء و احذات کی کیا ضرورت تھی۔ فتح الباری کا یہ پورا عبادہ مستلانی لکھ کر ہوتی۔ صرف ابن جریر کا قول آخر ہے وہ قول فیصل اور حکم ناظرین قرار دیتے ہیں۔ لکھ دینا کیا معنی۔ یہ تو توہین و تہذیب کے بالکل خلاف ہے۔ آخر اپنے انھیں ابن جریر کی تطبیق کی معقول توجیہ و تفصیل مندرج کی گریبان میں دیکھ لیں کہ یہاں اس کی تفصیل آپ کے مفید مطالب میں تھی۔ بالآخر دوسرے مقام پر یہ راز سے بے ہوش کیا گیا اور ضرورت حال کا انکشاف جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ آپ کے اس طرز فکر اور انداز تالیف کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ نے نقل واقعات میں پورے تدبیر سے کام لیا ہے۔

شبلی صاحب نے تطبیق حدیث اور وہ تطبیق کا ذکر تو کیا مگر حقیقتاً تفصیل کسی کی بھی نہیں کی۔

اصل حقیقت کا انکشاف
واقعات

ابن حجر کے اس قول سے اتنا اشارہ فرما کر رہ گئے کہ عینہ ابن حصین نے ذی قرد پر دو دفعہ حملہ کیا تھا۔ عام ارباب سیر جس کا ذکر کرتے ہیں وہ پہلا حملہ تھا۔ اور یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ ہم اس اجمال کی تفصیل میں زرقانی کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ اور زرقانی کی نسبت آپ دیباچہ سیرۃ النبی ص ۲۷ میں لکھتے ہیں۔

زرقانی علی الموابہ۔ موابہ لہ رینہ کی شرح ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سہیل کے بعد کوئی کتاب اس تحقیق و جامعیت سے نہیں لکھی گئی۔

زرقانی کی عبارت حسب ذیل ہے:

قال المحافل والمجمل فی طریق الجمع ان تكون اغاثة في
الفتح رعتي نين لا ولي القى ذكرها ابن مسحا
وهي قبل احمد بيه واثنا يه بعد هاجل الخرج
خير وكان راسل دين اغارو عبد الرحمن بن عيبد
كما سان سلم عند مسلم وبيد ان الحما كذا في الا
كليل ان اخروج الى ذى قرد ذكره فقي الا دل خرج
البهاذير بن حارثه قبل احد وفي اثنا يه خرج البها
صلوات الله عليه والى وسلم في ربيع الاخر سنة خمس اثنا
عده لا مختلف فيها فاذا ثبت هذا قويا لجمع الذى ذكرته

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ان مختلف روایتوں میں جمع کی یہ صورت ہے کہ حقیقتاً اس مقام پر دو بار حملہ کئے گئے۔ ایک بار نوہری ہے۔ جسے ابن اسحاق (صاحب سیرت) نے قلعہ بیتہ بتلایا ہے اور ایک بار دوسرے بار خروج خیبر سے پہلے۔ اور یہ وہی ہے کہ جس کا ذکر ابن کورع کے طریق سے مسلم نے کیا ہے۔ اس کے مراد خروج عبدالرحمان ابن عتبہ تھے۔ اس قول کی تائید امام حاکم کے اس قول سے ہوتی ہے۔ جس کا ذکر کتاب ایکس میں اس طرح پر کیا ہے کہ ذی قرد پر خروج بکر اولیٰ ہوا ایک بار قبل جنگ احمد بن حارثہ کی زرارہ تہ مذکور کیا گیا۔ دوسرے بار تہ۔

ہجری میں بذات خاص جناب راتاب علی السریعہ والہ وسلم شربت لکھتے اور تیسری بار یہی ہے۔ جب کا ذکر سلمہ کی زبانی مندرج ہے زرقانی لکھتے ہیں کہ اگر حاکم کا یہ قول ثابت ہو جائے تو جو صورت جمع میں اختلافین کی اوپر لکھی گئی ہے۔ ازنی ہو جائے گی زرقانی جلد اول ص ۱۷۱۔

اب تو زرقانی کی مقومہ بالا عبارت سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہو گیا۔ اور ثابت ہو گیا کہ قبول ابن حجر تمام ذی قرد پر دو بار۔ اور قبول امام حاکم تین بار حملہ کیا گیا۔ جن میں سے بقول ابن حجر صرف ابن اسحاق صاحب سیرت اور قبول نسبی صاحب عام ارباب سیر جس حملہ کا ذکر نے نہیں وہ پہلا حملہ تھا۔ اور یہ بالکل قرین قیاس ہے۔

اب ان انکشافات و اعترافات اکابر علماء محدثین کے مقابلہ میں بتلایا جاد کے کہ اہل سیرت نے ذی قرد کی نسبت کیا غلط لکھا ہے جس پر مستراض کی مثال قائم کی گئی ہے اور جب انھوں نے غلط نہیں لکھا تو آپ کے مکرزبانی سے کم کل تضییف کیسے کر سکتے ہیں اور یہ لکھے والوں سے۔ جو خود ان کے تصدیق کرتے ہیں۔ ان کو کہو جادو ہے اعتبار کیسے کر سکتے ہیں۔

شبلی صاحب نے اتنی خامہ فرسائی فرما کر اس بحث کو خواہ مخواہ طول دیا۔ اگر انھیں ابن حجر کے اس ذاتی قول و رائے کے ساتھ عقیدت تھی۔ تو خیر اسکو لکھ کر۔ اسی کے ساتھ انکی تطبیق اور جمع میں اس حدیثین والی عبارت بھی لکھ دی ہوتی تو یہ بحث تمام تھی اور معاصے بحث حاصل۔ مگر آپ کیسے لکھتے۔ وہاں تو آپ کو حدیث کی ترجیح کسی انکی نوع سے ثابت کرنی ہے اور سیرت کی کم وقعت۔ مگر اصل کتاب میں جہاں واقعہ ذی قرد کی تفصیل ضروری ہو گئی وہاں حقیقت پر روشنی ڈالی بھی گئی۔ تو اس کم مقداری سے کہ اصل واقعہ کی کامل جلوہ الائی نہیں ہوئی۔ جس قدر حقیقت حال لکھی بھی گئی وہ اصل کتاب میں داخل نہیں کی گئی بلکہ عبارت حاشیہ زیرین میں قلمبند فرمایا گئی خبر۔ ابن غنیمت است۔ اگر شبلی صاحب کو خوش نیتی ہے۔ جیسا کہ خود تحریر فرمایا ہے۔ حقیقت حال کی تحقیق ہو چکی تھی اور خصوصاً ابن حجر اور امام حاکم کے ایسے اکابرین محدثین کے اقوال سے ثابت ہو چکا تھا کہ مقام ذی قرد پر متواتر حیلے کئے گئے تھے۔ از انجملہ سبب پلادہ تھا جسے اہل سیرت لکھتے ہیں۔ اور قبول ابن حجر وہ دوسرا تھا اور قبول امام حاکم تیسرا۔ وہ تھا جسے اصحاب حدیث لکھتے ہیں۔ تو آپ نے اس تمام عبارت محدثین کو اپنی اصل کتاب کی عبارت میں کیوں داخل نہ فرمایا کہ ہر خاص و عام اسلام کی اطلاع اور اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی ہو جاتا۔ حقیقت کا اختصار خصوصاً ایسے علم ہوجانے کے بعد مولف کے لئے نہایت شرمناک الزام پیدا کرتا ہے۔

اصل واقعہ ابن شبلی صاحب کو کیا نام دینا کہ معلوم ہو گیا کہ اہل سیرت نے غزوہ ذی قرد کی نسبت جس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور جس کا نہ۔ وقوع بتلایا ہے۔ وہ اصحاب حدیث کے ترادادہ واقعہ سے بالکل علحدہ واقعہ ہے اور وہ ان کے شمار متفقہ کے مطابق حدیث سے پہلے۔ اور امام حاکم کے اسناد کے موافق واقعہ احمد سے بھی پہلے واقعہ ہوا تھا۔ اور صحیح مسلم میں جس واقعہ کی کیفیت مرقوم ہے اور قبول شبلی صاحب جس کے ہیر و مسلمانہ بن کوغ ہیں۔ وہ غزوہ خیبر سے ہیں دن قبل ۱۰ ہجری میں وقوع پذیر ہوئی۔

ان تمام واقعات کی کامل تحقیق کرنیوالوں پر بخوبی ظاہر ہے کہ حاربیت بلکہ ایسے اور قبل سے لیکر غزوہ خیبر تک۔ ان تمام چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایات کا لگاتار سلسلہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ جو حقیقتاً تھوڑی تھوڑی تفاوت آیام کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد برابری واقع ہوئے گئے۔ چنانچہ خود شبلی صاحب ان الفاظ میں اس کی حقیقت حال کا اقرار کر چکے ہیں۔ کہ لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی گریبان ہیں۔

جب یہ اعتراضات و اقرار فرمایا گیا کہ یہ تمام واقعات حقیقتاً ایک ہی سلسلہ کی گریبان ہیں تو شبلی صاحب کو یہین سے۔ حدیث و سیرت۔ دونوں جداگانہ فنون کے فرق مابہ الامتیاز کی بھی تمیز کر لیتی تھی۔ اور اسی تمیز سے آپ کو دونوں کی باہمی تفریق و تخصیص بھی معلوم ہو جاتی اہل سیرت نے کیوں غزوہ ذی قرد کے صرف ایک جملہ اور اسی کے وقوع کا ذکر کیا۔ اور دوسرے یا تیسرے کا نہیں؟

حدیث دیرت کی تفریق اہل اعتراض سے پہلے ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اہل سیرت کی نظر اپنے اصول کے مطابق واقعہ کی اہمیت پر ہوتی ہے اور اسکے بیان و تفصیل کی شدت ضرورت پر۔ ہر قابل و ناقابل مشہور و غیر مشہور واقعہ کو جو اس شخص خاص کی نسبت بیان کئے جاتے ہیں۔ جسکی سیرت کا قلمبند کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جمع کرنا اور لکھنا نہ اہل سیرت کا شعار نہ اہل سیرت سے نہ میاں تصنیف اسی باعث سے ذی تردد کے متحدہ اور متکثر کردہ واقعات میں دوسرے واقعہ کو (بقول ابن حجر) قابل الذکر سمجھ کے اس لئے قلمبند کیا کہ اس واقعہ میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالانفس انفیس شریک ہونے سے۔ اسکی شان اہمیت دو بالا ہو گئی تھی۔ اسکی حیثیت سرانہ کی حیثیت سے متفہم ہو کر غزوہ رسول کی خاص غلٹ حاصل کر چکی تھی۔ باقی اور ذی تردد کے واقعات حملات جو اس سے قبل و بعد واقع ہوئے وہ ایک ہی مقام پر۔ ایک ہی قوم و قبیلہ کے ساتھ اور ایک ہی غرض و مدعا کی بنا پر آبا کی رسولی صورتوں میں وقوع پذیر ہوئے۔ جو اہل سیرت کے اصول تدوین کے مطابق تو ارد کے حکم پر آتے تھے۔ اور جنکے بیان میں ہی نوعیت واقعہ کی کوئی تفصیل نہیں تھی۔ اس بنا پر قلم انداز کر دے گئے۔

اہل سیرت کے خلاف اصحاب حدیث قول و احکام کے متلاشی ہیں۔ حسب اسکے معیار کے مطابق کوئی قول یا کوئی حکم مل گیا۔ عام اس سے کہ ایک طریق یا تہذیب۔ تو اتر اور مختلف طریقوں سے ملے۔ اسکو انہوں نے ان تمام طریقوں سے۔ ایک مقام پر بھی نہیں۔ مختلف ابواب اور متفرق فصول میں قلمبند فرمایا۔ اور تواتر تواتر یا تکرار کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اسی بنا پر آپ ایک حدیث کو مختلف طریقوں سے متفرق ابواب و فصول میں کتب صحاح میں نمودار اور صحیحین بخاری و مسلم میں خصوصاً صحاح پایہ گئے۔ اسی سے نبلی صاحب حدیث دیرت کی تفریق و تعبیر کو سمجھ لئے ہوئے ہیں۔

دوسری غلط مثال دوسری مثال یہ دی گئی ہے۔ ایک غزوہ۔ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے۔ اسکی نسبت کثر ارباب سیرت کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر کے قبل واقع ہوا تھا۔ لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا۔ اس پر علامہ دیلمی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں طبع ہیں۔

وَأَمَّا شَيْخُ الدِّمِثَاطِيِّ فَأَذْهَى غَلَطًا لِّمُحَمَّدٍ لِّصَحِيحِهِ ۖ
بِجَمْعِ أَهْلِ نَيْسَابُورٍ عَلَى خِلَافِهِ ۖ

ہاں ان کے شیخ دیلمی نے حدیث صحیح بخاری کی نسبت غلط ہونے کا سہجہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم میں یہ غلطیاں ہیں۔

دیکھئے۔ پھر وہی دم بریدہ عبارت لکھ دی گئی اور پوری زمین نقل کی گئی۔ لکھا گیا تو صرف پانچ قول اور وہ بھی اشتباہ حافظ ابن حجر نے اس میں (بیانی) کو لکھ کر اس کا رد بھی کیا ہے۔

اور بس۔ اچھا۔ وہ رد اور اسکی عبارت کمان۔ چہ؟ وہ بالکل زیب! اب تحقیق طالب کا اپنی اس عبارت سے حقیقت مثال کی نسبت کیا سہجہ کرتا ہے۔ اور وہ کہہ کر ابن حجر کے جواب تردیدی پر تیار ہو سکتا ہے۔ جبکہ

نہ اس نے دیکھا اور نہ ٹرٹا۔ جب ترقی کی اصلی عبارت موجود نہیں۔ تو پھر مجبوراً فتح الباری میں ابن حجر کی تفسیری عبارت جو انھوں نے علامہ دیلمی کی تصریح میں لکھی ہے پیش نظر رکھنی ہوگی۔ اور اسکو شبلی صاحب نے ان الفاظ میں زرقانی ج ۱ ص ۱۱ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔

وَدَلَّ هَذَا عَلَيْهِ أَنَّهُ كَانَ يَحْتَقِلُ الْخُرُوجَ عَنْ كَثِيرٍ مِمَّا وَافَقَهُ أَهْلُ السَّيْرِ مَخْلَافَ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ وَأَنَّ ذَلِكَ كَانَ قَبْلَ تَصْلُوحِهِ مِنْهَا وَالْخُرُوجَ لِسَنَخِ كِتَابِهِ الْفَسَادَ لِتَمَكُّنِ مِنْ تَغْيِيرِهِ۔

اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ یعنی دیلمی تصدیق کر چکے تھے کہ جن مضمون پر انھوں نے ارباب سیرت سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ سے مخالفت کی ہے۔ ان سے رجوع کریں گے اور پھر ان سے عبارت میں کئے گئے ترقی واقع ہوا تھا۔ لیکن چونکہ ان کی کتاب کے نسخے تمام شائع ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ اپنی کتاب کی اصلاح کر کے سیرۃ النبی بیابان

حافظ ابن حجر کی اس عبارت منقولہ کا حوالہ بھی مستحبی صاحب کے لئے مفید مطلب نہ نکلا۔ کیونکہ۔ جیسا آپ نقل فرماتے ہیں یہ تو ابن حجر کا منقولہ ہے کہ دیلمی نے آخرین ایسا کیا یا ایسا کرنے کا قصد کیا تھا۔ دیلمی کا تو قول اعتراضی نہیں کہ ہم نے ایسا کیا یا ہم ایسا کرنے کا قصد رکھتے تھے نہ جتنا کہ ابن حجر یا شبلی صاحب و دیلمی کا اصل قول نہ پیش کریں۔ ثبوت کافی نہیں ہو سکتا ہے۔ منقولہ ایسی حالت میں جب شبلی صاحب کو خود انرا ہے کہ محدثین اور اہل سیرت دو برابر اور متقابل کے گروہ ہیں۔ تو یہ کہن نہیں کہ ایک گروہ اپنے مخالف و متقابل گروہ پر ترجیح پانے کے لئے اسکی تضعیف کا کوشش نہ ہو۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ علامہ دیلمی کی نسبت محدثین کی جس میں ابن حجر بھی شامل ہیں۔ یہ خالی اقوال ہو یا حسن ظن۔

ہم نے بھی یہ بحث زرقانی میں بدوری پڑی ہے۔ اس میں بھی حافظ ابن حجر کی زبانی علامہ دیلمی کی نسبت لکھا ہے کہ آخرین علامہ موصوف نے صحت حدیث کی طرف رجوع کیا تھا اور قصد کرتے تھے کہ اپنی تصنیفات میں ترمیم کر دیں۔ مگر کتابیں دو درجہ تمام بلاد اسلام میں متنازع ہو چکی تھیں اسلئے اس کام کو انجام نہ فرما سکے۔ تحقیق حقیقت اہوت تک کامل نہیں ہوتی جب تک کہ دیلمی کا اصل اعتراض اس کے خاص الفاظ میں نہ پیش کیا جاوے۔ جس سے ایک محقق اور حقیقتہ حال کے متجسس کو علامہ دیلمی کے رجوع کرنے کی کافی وجہ معلوم کرنے میں بھرپور مدد ملتی پائی رہے۔

لیکن یہ کہ گروہ محدثین کے مابین تقابلی ابن حجر کی نقل قبل پر اعتبار کریں مگر اہل سیرت اور اس کی ناظرین تو ثبوت میں علامہ دیلمی کا اصل قول غالب کریں گے۔

ابن حجر کا ایک ٹکڑا خیر منجملہ خوب آیا۔ زرقانی میں ابن حجر کا اہل سیرت کی تردید اور اہل حدیث کی تائید میں ایک منقطع کثیر لکھا ہے جو ناظرین کے لطیفہ طبع کے لئے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں:-

یہی ہے کہ شاہ کہا ہے کہ صاحب بخاری بن اسکندر بن اسکندر
قائم ہو چکا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع قبل خبیہہ واقع ہوا۔ مگر وہ اسکے
زمانہ وقوع میں اخلات کرتے ہیں۔ ابن اسحاق شمس بن ہاشم بن
ادہ ابن سعد ابن جابر بن شہر بن۔

اشارة اليه البصري على ان اصحاب البخاري مع
خوهم بانها كانت قبل خبيث فمخلفون في زمنيها
فقد ابن اسحق انها سنة اربع وعشرون مائة
وابن جابر سنة خمس۔

ابن حجر کو یہی کہ یہ قول دکھلا دیا۔ وہاں راہ تو سے پس است کا مضمون تیار ہو گیا۔ پھر کیا تھا۔ اس دلیل
موجودہ پر حسب ذیل فیصلہ تیار ہو گیا۔

دیلمی نے حدیث صحیح یعنی حدیث ابو موسیٰ کی تفسیر کا دعویٰ کیا ہے
اس بنا پر کہ صحیح ابن سیرین نے اس حدیث کی صحت سے صحت کیا
اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اہل سیرین نے اسکے زمانہ وقوع میں خلیات
کیا ہے۔ اسکے اعتبار اسی پر بہتر ہے جو کتاب صحیح سے ثابت ہو۔

الدنيا في فادسي غلط الحديث الصحيح يعني حديث
ابي موسى وان جميع اهل السير على خلافه وقد تقدم
الخصم مختلفون في زمانها فالاولى لا اعتماد على ما ثبت
فيه الصحيح زر قال ج ام ۱۱

سبحان اللہ کیا فیصلہ ہے اور کیا اصول فیصلہ۔ صرف سیرین کے اختلاف کی وجہ سے واقعہ کا واقعہ ہی غلط اور
الغلط۔ اگر اسی اصول خیریت میں فی السیرین کی بنا پر اتعات کی صحت کا دار مدار ہے تو خاص معینین میں ایک کی سیرین
تساہیل سنون کے اخلات کی ہر با سب و فصل میں موجود پائی جائیں گی۔ تو پھر اسکے تعلق کیا کیا ہو گا۔ ایسا
فیصلہ کرنا تو خاص صاحب کی گروہ محدثین کی کھل کھل جھڑپ ہے۔ اور اس پر کوئی حقیقت تو جو نہیں رکھتا

اصل حقیقت کا انکشاف ان تمام طول و طویل بحث و تفصیل کا بھی آخر میں وہی نتیجہ نکلا جو ذی قریب کا اور لطف تو یہ
ہے کہ حافظ ابن حجر کو یہی حدیث میں انکشاف کی سہمی آخر پر عمل کرنا پڑا فتح الباری کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

بنو موسیٰ بن سعد بن جابر بن شہر بن۔ اور یہ زمانہ وقوع اسکا اسلئے صحیح ہے کہ
ابو موسیٰ (اصل) اسی حدیث خبیہہ کے بعد آئے اور خبیہہ مخرم
سنتھ میں واقع ہوا۔ اور یہی ہو چکا ہے کہ ثبوت اخلات میں
لیکن اسکے ساتھ ذات الرقاع کا قبل خبیہہ واقع ہونا بھی ممکن ہے۔
کیا ہے یعنی بعد از موت بنی زبید۔ بنی زبید کے ہونے میں نہیں کیجئے
کہ صاحب بخاری نے کس طرح اس توں قبل خبیہہ کو تسلیم کیا ہے
یہ تو اسکے روئے کے نزدیک ایسا ہی ہے۔ اشارہ اس احتمال
کی طرح ہو گا کہ ذات الرقاع بعد خبیہہ واقع ہوا ہے اسکے

قد جمع البخاري الى انسها كانت بعد خبيث فمخلفون
فقال رحمه بعد خبيث كان ابا موسى جاء بعد
خبيثا في وخبيث كانت في الحرم سنة سبع و
استدل ذلك بالورود مع ذلك فذكرها قبل
خبيث عقب بنی قريظة فلا ادري هل تعد
ذلك فليلا لاهل البخاري انها كانت قبلها او
ان ذلك من الروايات او اشار الى ان كان
ان تكون ذلك الرقاع اما لغزوتين مختلفين
واحد بعد خبيث واخر قبلها كما اشار اليه

حقیقتاً یہ دو مختلف غزوات ہوں۔ ایک نعل خیر اور ایک بعد
خیر جیساکہ بیہقی نے اشارہ کیا کہ اصحاب بخاری نے اپنی شرط کے ساتھ
لکھا ہے کہ قبل خیر واقع ہوا مگر زمانہ وقوع میں اختلاف ہے۔ ابن حق
سے میں بتلاتے ہیں اور ابن سعد و ابن حبان سے میں۔

افسوس کہ یہ تمام امور لکھ کر بھی ۔ حافظ صاحب صرف اٹھ بیس کی جنبہ داری کے اصول پر موقوف ہوئے ہیں۔
 کرین اور شعلی صاحب اپنی خوش فہمی سے تہذیب حدیث علی السیرت کی بحث میں اپنا معیار استدلال بنا کر نقل
 فرمایا ہے ۔ داسکے گراؤ پس امر فریب و زور آ۔

شعبی صاحب کی دونوں اثناء مغلطہ کی تحفہ و تنقیہ پر ہی تفصیل سے کردی گئی اور ارباب تحقیق کو آپ کی غلطیوں کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ وکون ہو گا جو نقل سلیم اور دماغ صحیح رکھ کر آپ کی ان غلطیوں سے ہیرت پر ترجیح دینے کے قیاسی استدلال کو صحیح مانے گا۔

سیرت اور حدیث کی اصول و تفریق

ہماری مقربہ بالا عبارت تنقید سے قبل صاحب کی مثال قیاسی کی غلطی کے ساتھ سلاست میں حقیقت کو ہمیشہ و سیرت کا فرق باب الامیناء بھی معلوم ہو گیا اور ان پر ثبات ہو گیا کہ کتب حدیث و سیرت کی تالیف و تصنیف کے اصول و سیاق بالکل جدا جدا ہیں اور دونوں کے تقسیم فنون کے طریقہ استخراج و استنباط اور تفصیل و بیان بھی جدا جدا ہیں۔

استخراج واقعات اور استخراج حالات میں اہل سیرت کی نظر خصوصیت کے ساتھ واقفیت اور اصلیت کی طرف نماز رہتی ہے۔ سب سے پہلے ان کا فرض اولین واقعات و حالات دریافت کرنا اور ان کو تعبیر میں عقلی و نقلی تصدیق و توثیق کے درجہ تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اسکے بعد اپنے تمام تحقیق کو درباب سیر کے اور اقوال سے متقابل کر کے اپنے توشہ و تفسیر کو میسر تو اتار کر کامل اور نازنا ہوتا ہے۔ واقعات کے بعد تعیین زمانہ وغیرہ کی ضروریات پیش نظر کی جاتی ہیں۔ اور کامل تلاش اور کافی تحقیق کے بعد۔ اقوال مختلفہ سے جس زمانہ اور جس وقت پر اتفاق دیکھا جاتا ہے۔ وہی نقل کیا جاتا ہے۔ ان ایسے اقوال مختلفہ میں۔ جنکے اثر و رد باعث تباہیت مساوی ہوتے ہیں۔

ان میں آئمہ حدیث کی طرح فیصلہ نہیں ہو جاتا ہے اور وہ مسئلہ اختلافی قرار دیکر۔ ان تمام اقوال مختلفہ کو مجبوراً لکھ دینا ہو گا یہ قدیم سیرتوں کے ساتھ غصہ نہیں ہے جیسا کہ ابھی بتلایا صاحب نے ذات الوقاع کے ذکر میں ابن ہشام۔ ابن سعد اور ابن جہان کے اقوال مختلفہ کو نقل فرمایا ہے۔ مگر بابائینہ اور باب سیر اس قول اختلافی کی صرف نقل پر اکتفا نہیں کرتے اپنی تحقیق کے خاص اعتبار پر ایک زمانہ خاص کا بیان ضرور کر لیتے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ ان اقوال مختلفہ میں کسی قول سے ملتا ہو یا ان سے مختلف ہو کہ کوئی زمانہ خاص بتلا ہو۔ اس لیے اس خاص مختار کے لیے وہ کافی ثبوت دیتا ہے۔

بھی نقل کر دیتے ہیں

ایک سیرت کی تحقیق چونکہ واقعیت اور اصلیت پر تمام ترستی ہے اسلئے وہ اپنے دائرہ تحقیق کو ایک خاص صنف علم و فن یا اہل علم و اطلاع کے کسی خاص طبقہ اور فرقہ کے ساتھ محدود نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اپنی تحقیق و تلاش کے ذرائع اور وسائل کو علوم و فنون کے ہر اصناف اور ابواب علوم و فنون کے ہر طبقات کا وسیع کرنے میں اور اپنے انصاف تحقیق اور معیار توثیق کے مطابق جو واقعہ اصلیت اور حقیقت کے ساتھ جس مستبر اخذ میں مل گیا۔ اس کو نقل و مستند کر لیتے ہیں وہ اصول عقاید کے مشہور و اپنا متنازعین قائم کرتے۔ وہ اپنے ثواب میں صحابیت اور تابعیت کی خصوصیت کے پابند و محتاج نہیں ہوتے۔ وہ ایک معتد غیر صحابی اور ایک معتبر غیر تابعی کے قول کو بھی۔ بشرطیکہ وہ قول آئیکے انصاف تحقیق پر کامل اور تریا ہو بلا تہیج نقل کر دیتے ہیں۔ اسلئے کہ اُنکے بیان کردہ حالات کی واقعیت۔ اُنکے معیار تحقیق کے مطابق ثابت ہو چکی ہے۔ اور اب سیرت ایک ہی قسم کے متواتر واقعات کی تکرار کو۔ جو درت اور نوعیت سے خالی ہو اور اطلاع عام کے افادہ کیلئے ہی ضروری ہو۔ اکثر قلم انداز کر دیتے ہیں اور احتیاطاً ہر ابتدائی واقعہ کا۔ بیان میں سے جو زیادہ اہمیت رکھتا ہو حسب ضرورت ذکر کر دیتے ہیں۔ علم و فکر اور واقعہ کو پسند نہیں کرتے۔ اسلئے کہ توارا اُنکے سیاق و سباق میں سخت عیب ہے۔

حدیث کی ہرول تعریف ہم نے مندرجہ بالا تفصیل میں علم سیرت کی بقدر ضرورت اور مناسبت مقام مخصوص احادیث

اور علم حدیث سے اسکی تفریق قلمبند کر دی ہے۔ اب اس طرح علاحدہ بشکل تعریف کی جاتی ہے۔ حدیث سیرت سے محض جداگانہ ایک نم خاص ہے۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ عموماً ایک شخص خاص یا صنف خاص ایک ہی مسئلہ کے کلام۔ انکلام اقوال اور ارشاد کا مجموعہ ہے۔ جو بخلاف اہل سیرت اندراج حالات و واقعات کا ذمہ دار نہیں۔ وہ اصولاً اپنے مستخرج و استنباط کو اقوال و احکام کی نقل و تکرار تک محدود رکھتے ہیں۔ نقل احکام و اقوال میں وہ زیادہ تر احکام مذہبی۔ مسائل فقہی۔ اور ارشاد ہدایت بخیر کے مکتوبات نقل و تکرار کرتے ہیں۔ پابند ہیں۔ مگر انھیں حالات کے ساتھ وہ واقعات نقل کی۔ قومی اور نظام سیاسی کا بھی حصہ جب نہ ذکر کر دیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ قبل صاحب بھی عمر افان سکوان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

یہ ٹھوکر کھانا چاہیے کہ حدیث کی کتابوں میں حضرت صبر کے حالات واقعات کے متعلق ثابت ثبوت

سے واقعات مذکور ہیں۔ جو سیرت میں کمال مدد سے کئے ہیں تاہم تمام باتوں سے ایک نابینا شخصیت تیار نہیں کر سکتے۔

اسکے علاوہ ان میں تاریخی ترتیب کی نہیں ہے۔ دیباچہ میں

اس باب کی کتاب حدیث میں جو تاریخی ترتیب اور غیر سلسلہ حالات حضرت صلوات اللہ علیہ کے متعلق تھے وہ سب سیرت و تاریخ کو منسوب

تاریخی طور پر مدد دے سکیں گے۔ تحقیقی طور پر ان کا اندازنی و نقل و تکرار کی کتاب اس کے افادہ میں جو سکتا ہے۔ اور میں حقیقت

الموضوع ان سے سیرت ذریعہ کی کوئی خاص تالیف مرتب اور تیار ہو سکتی ہے۔ علم حدیث سیرت و تاریخ کا ملح اپنے بیان و تفصیل میں احکام و اقوال کو علی ترتیب الوقوع جمع کرنے کا پابند نہیں وہ مجموع میں نہ ترتیب کا ذمہ دار ہے نہ کسی تسلسل کا محتاج نقل حدیث کے معیار۔ سیرت کے مفردہ تعصبات سے علی الاکثر جدا ہیں۔ آئمہ حدیث کو اکثر روایات روایات احاد اور اقوال منفرد بھی اعتبار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اہل سیرت روایات احاد و منفردہ کو قابل ذکر نہیں سمجھتے علم حدیث اصول عقاید کا منبع اور مہر ہے۔ سیرت کو عقاید کے اتباع و امداد کی ضرورت نہیں۔ علم حدیث کے اطلاعی ذریعے صحابی۔ تابعین اور تبع تابعین کے طبقات مختلفہ تک محدود ہیں۔ اہل سیرت اپنے ذریعہ اطلاعات کو کسی خصوصیت کے ساتھ مخصوص کرتے۔ مان رواۃ کا معتبر ہونا ضروری ہے۔ مگر ان کا صحابی اور تابعین میں ہونا ضروری نہیں۔

ہم علم حدیث کے بالاختصار بیان و تعریف اور سیرت سے اس کی تفریق، فرقہ بالا عبارت میں دکھلا کر اور اسی نظریہ مختصرہ کو اپنے مدعا کے لئے کافی سمجھ کر مسئلہ زیر بحث کے دوسرے پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

تفصیل حالات میں چونکہ اہل سیرت کو اہل حدیث کی طرح کسی طبقہ خاص سے تعلق نہیں
کیسا تعلق نہیں ہوتا۔ اس بنا پر محدثین اور ان کے ہمناموں نے غیہ قوم

محمد بن ابی بکر سیرت بن
ان کے لیے اصل نازل دست لال

وغیر مذہب والوں سے استخراج و استنباط کرنے کی وجہ سے ان پر اعتراض وارد کئے گئے ہیں۔ اور شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبی میں ان کو بڑی سرگرمی سے نقل فرمایا ہے اور تقلید اسلاف کی پورا انتہا شہرہ دکھلایا ہے دیباچہ سیرۃ النبی ص ۱۳ ابن امام احمد ابن حنبل کا سیرت ابن اسحاق کی نسبت یہ قول نقل فرمایا گیا ہے۔

بانی رہے صاحبان معاذی یا معاذی کی کتاب میں تو اس میں ابن اسحاق
کتاب اس فن میں مشہور کتاب ہے اور وہ یسویون اور عیسائیوں
سے روایت کرتے ہیں۔

والما معاذی ستم اشہرہا کتاب محمد
ابن اسحاق دکان یا خدمت اہل
کتاب۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے اعتراض کی نقل سے پہلے معترض کی شخصیت اور خصوصیت پر غور نہ کیا۔ آپ خود صفحہ دیباچہ کی حاشیہ کی عبارت زیرین میں لکھ کر اقرار کر چکے ہیں کہ:-

کے بعض متبعین پر ارباب سیرت اور محدثین روگردانہ مقابل سمجھ جاتے ہیں اور بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا

ہو جاتی ہے کہ تمام ارباب سیرت ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاری و مسلم و احمد حدیث۔ ایک طرف

نومر قومیہ بالا ازار و منتخبات خاص کے تراکیف۔ ایک گروہ مقابل کی تضعیف و تکذیب دوسرے گروہ مقابل کے اقوال سے کرنا اصول اور خصوصاً آپ کے لئے۔ کیسے صحیح الاستدلال ہو سکتا ہے۔ اور حسب استدلال لا یمحج نہیں ہو سکتا قابل تسلیم کیسے سمجھا جائے گا۔ امام حنبل علم حدیث کے امام اول ہیں اور گویا اس فن شریف کے موجد و بانی ہیں۔ موجودہ مؤرخین علم حدیث کا قول سیرت اور اہل سیرت کی تنقید و تردید میں پیش کرنا شبلی صاحب کی تقلید و اسلاف

کے سوا اور کیا کہا جاوے۔

امام حنبلی فن حدیث میں خصوصاً امام بخاری اور عموماً ائمہ صحاح ستہ کے استاد اور شیخ الشیوخ ہیں وہ فن حدیث کی استعداد و جامعیت میں چاہے جتنے بڑے کامل نقاد اور استاد فن نہ بنائے جائیں اس میں عذر نہیں۔ مگر یہ حضرت بخاری اور ائمہ صحاح یکجا ان کے استاد امام حنبلی بھی علم سیرت اور اسکے اصناف فنون میں بالکل گور سے ثابت ہیں۔ مثال کے لئے امام بخاری کی تاریخ جو ہے۔ وقتیں علی ہذا۔

یہ بھی ضرور ملحوظ رکھنا ہو گا کہ حضرات محدثین فن حدیث میں اپنی حاصل کردہ فن اور اسکے کمال کی توسیع و تشہیر کے متعلق اپنی کوششوں میں انواع اقسام کی افراط و تفریط سے کام لیا کرتے تھے۔ اور اپنے حاصل کردہ علم خاص کے مقابلہ میں دوسرے علوم و فنون کو لاد جو اور محض بیسو و بجمتہ تھے۔ اور ان علوم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان پر محض بے اہل اعتراض کرتے تھے۔ یہی امام حنبلی صاحب ہیں جنہوں نے حدیث کے مقابلہ میں تمام علوم و فنون کو ردی بلایا ہے۔ اور حیف ہے کہ کتبلی صاحب نے ہمیں اس علم پر ان کے ان تمام لغویات کو خود نقل فرمایا ہے۔ خواجہ اسی صفحہ میں قول مندرجہ بالا ہے۔ پلے۔ امام حنبلی کے یہ اقوال نقل فرمائے ہیں۔

ثلاث کتاب لیس لہما اصول الفقہ فی المذہب والفقہ فی التفسیر۔ تین قسم کی کتابیں ہیں جنکی کوئی اصل نہیں بخاری علم فقہ سیرت یعنی امام صاحب کے وقت تک جتنی کتب تفسیر و احکام (سیرت) اور بخاری مرتب ہوئی تھیں وہ کو یا اسکا اصل تھیں۔ وہ ردی ہو گئیں۔ نتیجہ نکلا کہ جب یہ سب کتابیں بننے لگیں اور میکر کر دی گئیں تو اسلامی علم کی دنیا میں جو کتب حدیث اور کون کتابیں رہ گئیں۔ جن کو اہل اسلام دیکھیں اور پڑھیں۔ امام صاحب کی اہل مراد تو یہ ہے کہ سوائے کتب حدیث کے اور کوئی کتابیں نہ پڑھی جائیں اور نہ ان پر کوئی اعتقاد کیا جائے۔ اور اس ترکیب سے آپ کی اور آپ کے مجموعہ حدیث کی گرم بازاری ہو۔

آپ کی اس بیوقوفانہ رائے کی بلاخر غلطیپ بنیادی کو تاویل کرنی پڑی۔ جس کو نبیل صاحب ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

غریب بغدادی نے اس قول راہم میں کو نقل کر کے کہا ہے کہ دور امام حنبلی کی ان خاص کتابوں سے ہوگی جبے اصل میں۔

اب امام حنبلی صاحب کتب تفسیر کی طرف متوجہ ہو کر لکھتے ہیں۔

اما کتب التفسیر میں اشہرھا کتابا الکلبی قال	کتب تفسیر میں بہت شور میں تفسیر کلبی اور تفسیر علی بن ابی طالب
مسلمانی فی تفسیر الکلبی من اولہ الی آخرہ سبب	تفسیر کلبی والی ہے آخر کتب و پانچویں ہے۔
سبب تفسیر کی یکتا مستند لگتی۔	اناللہ وانا الیہ راجعون۔ منادی و میرضی نسبت امام صاحب کی خوش فہمی کا

اور نقل ہو چکی۔ اب ایک تحقیق کنندہ امام حنبل کے ان اقوال ثلاثہ کو دیکھ کر آسانی سے سمجھ لیگا کہ اونکا یہ فیصلہ عادلانہ ہے یا حکمانہ۔ یہ تو مسلم ہے کہ اسوقت تک سوائے علم التفسیر علم المغازی اور علم السیرۃ۔ اسلام کی علمی دنیا میں دیگر اہل علم و فنون کی بہت کم تدوین و ترویج ہوئی تھی۔ پھر حبیب امام صاحب کے فتوے کی رو سے یہ تینوں علوم بیکار ہو گئے۔ تو اسلام کی علمی دنیا میں رہ گیا۔ اس بنا پر ہمارا یہ دعویٰ صحیح ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کا یہ فتویٰ صرف اپنی اور اپنے مسند کی گرم بازاری اور جوع خلافت کی ضرورت سے تھا۔ افسوس ہے کہ امام صاحب نے تفسیر پر بھی حکم کر دیا۔ جو قرآن سے متعلق ہے۔ اور آپ کی حدیث بالکل اسی سے ماخوذ ہے۔ بہکواس سے زیادہ بحث نہیں اب ہم کو مسئلہ زیر بحث کے متعلق اور امام صاحب کے ان اقوال یا فتاویٰ کی نسبت یہ کہلانا ہے کہ ان پر امت کا عمل ہی ہوا یا نہیں کیا اسکے بعد اسلامی مصنفین نے مغازی سیرت تفسیر پر کتابیں لکھنی چھوڑ دیں تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کے اس فتوے پر اسوقت سے لیکر اسوقت تک ایک ساعت کیلئے ہی عمل نہیں کیا گیا۔ اور تو اور۔ خود نبی صاحب نے سیرۃ النبی حال میں تیار کی۔

اب ان حالتوں میں نبی صاحب کا ان اقوال سے استدلال کرنا کسی طرح صحیح اور قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح امام حنبل صاحب کے اس غیر عادلانہ اور محض جانبدارانہ فتوے اور حکم پر اہل اسلام نے آج تک عمل نہیں کیا اسی طرح مشہی صاحب کی اس تاخیر پر بھی کوئی توجہ نہیں کی جائیگی۔

اصل اعتراض کا انکشاف اب رہا اصل اعتراض۔ وہ اہل سیرت کی نسبت اس بنا پر وارد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے اخذ واقعات کئے ہیں۔ چنانچہ نبی صاحب اسکو کسی قدر زیادہ تفصیل سے دیباچہ میں ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر جو اعتراض تھا وہ یہ تھا کہ غیر غیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کر کے داخل کتاب کرتے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اور چونکہ یہ واقعات انہوں نے یہودیوں ہی سے لئے ہوئے اسلئے اونپر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور انکو ثقہ سمجھتے تھے۔

سلفیہ میں وفات پائی۔

اعتراض سے پہلے نبی صاحب اور ان کے پیروں کو سمجھ لینا چاہتا تھا جیسا کہ تفریض حدیث و سیرت کی بحث میں بتلادیا گیا ہے کہ علم حدیث کی تدوین بالکل اصول عقائد پر قائم کی گئی ہے اور علم سیرت کی نہیں۔ اچھا حدیث اپنے ہی قوم و مذہب والے رواۃ سے اخذ روایات کو کلیتہاً محدود و مقید رکھتے ہیں اور اب سیرۃ غیر اقوام و مذہب کے لوگوں سے ہی اپنے معیار تحقیق و اعتبار کے مطابق اپنے مذہب و عقائد و حالات

کی اطلاعات حاصل کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ایک غیر قوم وغیر مذہب والا شخص۔ اپنے مخالف مذہب کے پیشوا کے حالات و واقعات کو نہایت خوشی اور آزادی سے جمع کر سکتا ہے جس طرح کثیر التعداد عیسائی مولفین نے یورپین ممالک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتیں لکھی ہیں جنہیں سے اکثر کا ذکر شبلی صاحب نے خود سیرۃ النبی کے دیباچہ میں ایک مطول اور مفصل جدول کے اندر نام بنام تحریر فرمایا ہے۔ اس طرح ہندو مولفین نے ہندوستان میں بھی آپ کی سیرتیں لکھی ہیں۔ انہیں سب سے مشہور وہ ہے جو شار دے پرکاش صاحب پنجابی کی ہے۔ اور نو کشور رنگ در کس لاہور سے ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ اور اس کتاب پر مولانا حالی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی دستخطی تقریظیں۔ اور سید ممتاز علی صاحب ل۔ اے (علیک) ایڈیٹر رسالہ تہذیب النساء۔ اور ایڈیٹر صاحب علی گڑھ انسٹیٹیوٹ اور ایڈیٹر صاحب۔ ماہوار رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے ریویوز اور تائیدی تحریری چھپی ہیں۔

مگر کتب سیرت کے خلاف کسی غیر مسلم شخص نے اب تک اسلامی حدیثوں کی جمیع تدوین نہیں کی اس لئے کہ حدیث اسلامی کی تالیف کے لئے عقاید اسلامی کی پابندی ضروری اور لازمی تھی۔ اور وہ اون سے ممکن نہیں تھی۔ جب سیرت کے معیار تالیف اور شعائر تصنیف حدیث سے بالکل علیحدہ ثابت ہوتے ہیں تو مترجمین کا غیر اسلامی ذرائع سے اخذ واقعات پر اعتراض کرنا ہی فضول ہے۔

امام احمد ابن حنبل کا محمد ابن اسحاق پر اسوجہ سے خاتم اعتراض کرنا اول تو مسترد و رد دلیل سے فضول و بیکار ہے اور دوسرے اس سبب سے ہی قابل التفات و اعتماد نہیں ہو سکتا کہ جو سبب اعتراض بتلایا گیا ہے اور جو وجہ نقص رواۃ قائم لگئی ہے۔ وہ ہی ثابت نہیں ہوتی۔ امام صاحب لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق نے یہود و نصاریٰ سے روایت کی اور یہی ایک وجہ انکار لکھی ہے۔ مگر ابن حبان نے اس اعتراض کی پوری تشریح کر دی ہے۔ جیسا کہ شبلی صاحب کی عبارت سے ہم دیکھ آئے ہیں کہ

ابن حبان کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف غیر و غیرہ کے واقعات متعلق ابن اسحاق نے چند اشعار و روایات کو مبرا

پر ایسی باتیں اونکی کل کتاب کی نسبت یہی حکم رکھا۔ امام حنبل کا حکم نہ فیصلہ ہے۔ نہ منصفانہ سے مختلفا پر وہی ابن حبان اسکی توضیح بھی کئے دیتے ہیں کہ خیبر وغیرہ کے حالات بھی اونہیں یہودیوں سے لئے گئے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے تو اب امام حنبل کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔ وہ یہود۔ اب تو یہود بہت نہیں تھے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر شرف اسلام ہو چکے تھے۔ اس لئے کہیں وہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ بلکہ شرف صحابہ پر بھی فائز ہو چکے تھے۔ باعتبار اسلام لانے کے انکار مانہ قبول اسلام ہی نہایت ثابت ہوتا ہے۔ جو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری کے قبول اسلام کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے اس پر شرف صحابہ پر

کے اعتبار سے۔ یہ مسلمان اور وہ دونوں صحابی مداح اسلام میں ضرور برابر کئے جائیں گے۔ اس حالت میں اب امام حنبلی کے اس اعتراض کو کون شخص قابل تسلیم کہہ سکتا ہے۔ باقی رہا شبلی صاحب کا یہ اصل اعتقاد۔ کہ یہ واقعات ان مسلمان شدہ یہودیوں نے یہودیوں سے سُنئے ہوں گے۔ اس لئے ان پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔

تو یہ خالی توہمات کے تسلسل میں جن کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا۔ اور اس پر ذیل تعدد کا اطلاق ہو گا۔ اول تو اس اعتراض اضافی کی ابتدا ہی صورت احتمالی۔ سُنئے ہونگے "سے قایم کی گئی ہے۔ اور نتیجہ بھی مشتبہ فیہ نہ نکالا گیا ہے۔ یعنی پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر سمجھا جاوے گا کہ یہ روایات غلط نہیں ہیں۔ کم سے کم مشتبہ فیہ ہیں۔ مگر بائیں اعتماد سے خالی نہیں۔ پھر بقول امام حنبلی انیس لہا اصول۔ بے اصل کیسے ہو گئے امام احمد ابن حنبلی کا اصل اعتراض اور ابن حبان کی مشرح حقیقت تو ہم نے پوری تفصیل سے لکھ کر دکھلا دی۔ اب ہم ذیل میں شبلی صاحب کی دوسری سند معترضانہ کی حقیقت دکھلاتے ہیں۔ ابن حبان کے نقل و ترجمہ عبارت کے بعد تحریر ہوتا ہے۔

دوسرے اعتراض کا انکشاف حقیقت۔

علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد ابن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔

شبلی صاحب کی نقل و تحریر کی عجب شان ہے۔ جب حصول مطلب کے متعلق آپ کے تمام ذرائع مسدود ہو جاتے ہیں تو آپ اپنی نا دیدہ قابلیت سے ہر شخص کو خواہ مخواہ مرعوب کر لینا چاہتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں۔ دیکھئے آپ خود لکھتے ہیں کہ امام حنبلی کے یہ تمام اعتراض آپ نے ان کی خاص کتاب سے نہیں لکھے بلکہ موصوفات ملا علی قاری سے نقل کیے ہیں۔ پھر طرہ تزیہ کہ ملا علی قاری کی بھی اصل عبارت نقل نہیں فرمائی۔ اسی طرح ابن حبان اور ان کی کتاب الثقات کا صرف نام لکھ دیا ہے۔ اور نقل عبارت کی ہے ابن حجر کی تہذیب التہذیب سے۔ تو ایسے مخدوش مشکوک نقول و نقول اسناد و اشہاد پر کبھی کوئی اعتماد کر سکتا ہے؟

علامہ ذہبی کے شاید اس لکھ دینے سے کہ ان یہود و نصاریٰ کو ابن اسحاق ثقہ سمجھتے تھے شبلی صاحب کو اس شبہ پر یقین دلایا ہے۔ تو اس تعریف کی تردید ابن حبان کے قول صریح سے آپ خود نقل فرما چکے ہیں تو پھر ذہبی کے قول منفرد اور مسترد پر اعتبار کرنا آپ کے توہمات مسلسل کا طوار ہے اور کچھ بھی نہیں۔

ذات الرقاع میں ہم نے جناب رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ نماز خوف پڑھی۔ اس لئے علامہ عبد الباقی ازرقانی حدیث ابو موسیٰ کی پوری عبارت تحریر فرما کر لکھتے ہیں :-

يتذاداد قوۃ بحدیث ابی صیرہ و محدث ابن عمر فان ابو صیرہ فی ذلک اظہر ابو موسیٰ لما جاء النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم یخبرنا سالم و نذکر فی حدیثہ انہ صلی اللہ علیہ صلوۃ الخوف فی غزوہ بحدل کذا لکن ذکر انہ صلی اللہ علیہ صلوۃ الخوف یجوز ذلک ان اول مشاہدہ بحدل فتکون ذات الرقاع بعد الخوف و قد قبل الغزوۃ التي شهدھا ابو موسیٰ و هی ذات الرقاع غیر غزوۃ ذات الرقاع التي وقعت فیھا صلوۃ الخوف ان ابو موسیٰ قال لهم کان ستمۃ الفرس لغزوۃ التي وقعت فیھا صلوۃ الخوف کان لسلوین فیھا مشاف ذلک و الجواب ذلک ان العذر الذی ذکرہ ابو موسیٰ محمولہ علی کان صرافقالہ و لیس یترجمون کان مع ابی سالم قالہ فی الفتح ثم قال فیہ بعدا و ملق فی شرح جابہ لا یخمد قول البخاری و ھے بعد خیبر کے ما و ھے المضاف ما نصہ و اما قول الغزالی انھا غزوۃ ذات الرقاع اخر الغزوۃ انھو غلط واضح و قد بالغ ابو الفتح فی مکارہ علی الغزالی ذلک یقول و قال بعض من تنصر الغزالی تسلمہ ارا و اخر غزوۃ صلیت فیھا صلوۃ الخوف و ھو انھما و ردودیمما اخر جہ ابور او النساء و صحیحہ ابن حبان من حدیث ابی بکر انہ صلی اللہ علیہ وسلم ارا سلم ابو بکر بعد غزوۃ اوطاف بالاتفاف ذلک بعد غزوۃ ذات الرقاع فطحا هذا المقطع من کتاب الفتح فی قول من صلوۃ ارا و ذکرہ صلوۃ الخوف مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کان ذلک ذات الرقاع اخر صلوۃ الخوف

اس حدیث (ابو موسیٰ) کو ابو ہریرہ اور ابن عمر کی حدیثوں سے قوت ہو گئی کیونکہ ابو ہریرہ کی مثال بالکل ابو موسیٰ کی واقع ہوئی ہے کیونکہ یہ دونوں اشخاص (ابو ہریرہ و ابو موسیٰ) جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ خیبر میں حاضر و کرام اسلام لائے اور ابو ہریرہ نے اپنی حدیثیں بیان کیا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بخندین صلوۃ خوف پڑھی۔ ایسا ہی ابن عمر بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت کے ساتھ غزوہ بخندین صلوۃ خوف پڑھی۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ابن عمر نے جب پہلے غزوہ خندق میں شرکت کی اور تب ذات الرقاع کیونکر خندق کے بعد واقع ہو گا اور یہ بھی آگیا ہے کہ جس غزوہ میں ابو موسیٰ نے شرکت کی اور اس کا نام ذات الرقاع رکھا۔ وہ حقیقتاً ذات الرقاع کی جگہ دوسرا غزوہ تھا جس میں صلوۃ خوف پڑھی گئی۔ کیونکہ ابو موسیٰ کا بیان ہے کہ ہم لوگ کل چھ آدمی تھے۔ بخلاف اسکے جس غزوہ میں صلوۃ خوف کا وقوع ہوا اس میں مسلمانوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ کتنی جتنی ابو موسیٰ نے بتلاں سہ۔ جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ ابو موسیٰ کی مراد اس تعداد سے اس پر عمل ہے کہ انھوں نے قرن ایک بار ہی اسکے واقع ہو سکا ذکر کیا ہے مگر اسکا بکرات واقع ہونا صحابی ہر ایک ہوں میں کسی نے بھی نہیں لکھا ہے۔ مگر ابن جریر بخاری کے قول میں تو نہیں ہاں۔ جابر کے قول کے نیچے لکھتے ہیں کہ ذات الرقاع بنی بنی بکرات ہوا۔ ازرقانی لکھتے ہیں کہ شارح (ابن حجر) کو استقام پر ذکر کرات ہیں۔ وہم ہو گیا ہے اور اس قول پر کوئی نص نہیں لائے۔ لیکن ابی امام غزالی کا قول کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ ترقیا۔ بالکل غلط ہے اور بنی صلاح اس حدیث سے انکار کرنے میں مبالغہ کیا۔ ہے لیکن بعض لوگ جو غزالی کے پیرو ہیں کہتے ہیں کہ مراد قول غزالی ہے کہ آخری صلوۃ خوف جس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی گئی لیکن یہ قول ناہنجی ہے

مردود ہے۔ ایسے کہ ابوداؤد اور نسائی سے منقول ہے اور ابن حبان نے اسکی صحت کی ہے کہ ابوبکر نے بلا تعلق غزوہ طاعن بن ہمام قبول کیا اور آپ کے ساتھ صلوات خوف پڑھی اور یہ غزوہ صلاً غزوہ ذات الرقاع کے بعد واقع ہوا۔ اس بنا پر حضرت غزالی کا قطعاً استقامت ثابت ہوتا ہے۔ اور قول ابوبکر اور ثکرت صلوۃ خوف سے لازم آتا ہے کہ ذات الرقاع کی صلوۃ خوف ہرگز نہ صلوۃ خوف نہیں تھی۔

ہم وقوع ذات الرقاع اور نزول حکم صلوۃ خوف کی حقیقت کو حسب الودعہ اپنے خاص مقام پر لکھیں گے۔

ہم نے یہاں تو صرف اس ضرورت کے مطابق اس واقعہ خاص اور تعین وقت صحیح صلوۃ خوف کے متعلق حضرات محدثین کے اختلافات کبھی سے اس کے چند اقوال مختلفہ بیان نقل کر دیے ہیں۔ ابھی طوابع کا طوابع باقی ہے اور زرقانی جلد اول میں مفصل مرقوم ہے۔

اس ختم اسلام میں المحدثین کے دکھلائیے میرا مقصود صرف اتنا ہی ہے کہ غزوہ ذات الرقاع کے تعین اوقات کی نسبت اہل سیرت کے باہمانہ اختلاف کر نیے اور لکھا خدمت اعتبار ثابت کیا گیا ہے اور اس کے اقوال دارا کی قبولیت سے عموماً انکار کیا گیا ہے۔ اگر ساقط الاعتبار کی بھی وجہ باوجود قیام ہو تو اسی غزوہ ذات الرقاع کے اور صلوۃ خوف کے وقت نزول کی نسبت۔ حضرت محدثین کے اختلاف کی بھی تو وہی صورت نمایاں ہوتی ہے۔

بلکہ اس سے بھی بد نما اور نازیباً کہ چونکہ صاحب حدیثین نے تواریخ سیرت میں صرف ابن سعد و ابن حبان کے اختلاف اقوال دکھلا کر ان کے مختار اقوال سے انکار کیا ہے۔ یہاں تو امام ابو نعیم قبل خیر بتلا رہے ہیں۔

ابن عقیبہ۔ بعد کمالی تروید قبل بدالکسر۔ وقت وقوع ٹھہرا رہے ہیں۔ امام احمد ابن حنبل اور ان کے تمام موبدین زار باب سنن ابی عیاش زرقانی کے اسناد سے نزول حکم صلوۃ خوف کا باعث خالد ابن ولید کے کا فرانہ حملات کو تبصر حیات ثمار ہے میں مگر نہیں فرماتے کہ کب اور کس وقت۔ امام غزالی ذات الرقاع آخر غزوہ ۱۵ اور نزول حکم صلوۃ خوف کا اصل موقع دکھلا رہے ہیں۔ امام ابن الصلاح اوکی تروید میں صحیح نسائی اور ابوداؤد کھول کر توفیق و تصدیق ابن حبان کے ساتھ مبالغہ آمیز کلام مناظرہ فرما رہے ہیں۔

غرض ایک عجیب عالم رہنمائی ہے اور اضطراب کشمکش نیست۔ ابن عقیبہ صاحب ذات الرقاع کو تائید یکم بتلایں کہ بدر الکبیر سے بھی قبل پہنچ پیمانہ بنجلاں اس کے امام غزالی صاحب تائید اور تازہ واقعہ ٹھہرتین لکھو برے سے نیچے لا کر غزوہ تک اور تار لائیں۔

یہ تو ذات الرقاع کے خاص تعین وقت کی حالت اختلاف دکھلائی گئی۔ جو حضرات محدثین کے اقوال مختلفہ کے باعث پہنچی ہوئی پائی گئی۔ اب حکم صلوۃ خوف کے نزول اور اس کے استقرار وقت اور موقع نزول کے حالات ملاحظہ ہوں۔

ابو موسیٰ صاحب غزوہ ذات الرقاع کو موقع نزول حکم صلوۃ خوف بتلا گئے۔ مگر ابو موسیٰ صاحب جو

نزول حکم صلوۃ
خوف میں اختلاف

اسلام لائیکے اعتبار لیا م سے ابو موسیٰ کی نظیر قرار دے گئے تھے۔ اور عبد اللہ بن عمر صاحب ثنائی کے نزدیک ائمہ سے گئے تھے۔ اور ان دونوں صاحبوں کی منقولہ حدیثوں سے ابو موسیٰ والی حدیث کی تقویت پہنچانی گئی ہے ان دونوں صاحبوں کی حدیثوں میں ذات الرقاع کا نام نہیں ہے بلکہ نجد بصریح و تراجم آیا ہے۔ اس سے ابو موسیٰ کے قول کی حقیقت بالکل مکمل حساباتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کس علم و دانست کے صحابی تھے۔ اور اسی مایہ و پایہ کے اعتبار پر صحیح بخاری کے سرمایہ ناز راوی قرار دے گئے ہیں۔

ابن حجر کو اپنے اقوال کے اشکال نظر آئے اور جب انکی کوئی صورت جواب نظر نہ آئی تو آخر کہا ہوا۔ (جیسا کہ مرقوم بالا عبارت مرقانی سے ظاہر ہوا) کہ ابو موسیٰ نے اس غزوہ کا یہ ہیں نام غزوہ ذات الرقاع رکھ دیا ہے (یعنی اصل یہ غزوہ نجد ہے جہاں بنی محارب بستے تھے۔ اور انکی بے ادبی پر اسلام کو تنبیہ کی ضرورت واقع ہوئی تھی) ذات الرقاع ابو موسیٰ کا خاص نام نہا ہی اور ایجاد ہی نام ہے۔ اور نہ وہ اصلی ذات الرقاع تھا جس میں صلوة خوف کا حکم نازل ہوا تھا عجب تو یہ ہے کہ ابو موسیٰ کی اتنی ہی تعلیلا و کذب پر کتنا نہیں کی گئی۔ یہ بلکہ انھیں حدیث سے بے خبر اس اصحابی کی تکذیب اس طرح کی ہے کہ ابو موسیٰ نے جس غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع بتلایا ہے اور اس کو حکم صلوة خوف کا مقام نازل ٹھہرایا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس غزوہ میں کل چھ آدمی شامل تھے۔ حالانکہ یہ اصلی غزوہ ذات الرقاع (غزوہ بنی محارب) جس میں صلوة خوف کا حکم نازل ہوا اس میں اہل اسلام کی تعداد آٹھ سے کہیں زیادہ پائی جاتی ہے۔ جتنی ابو موسیٰ اپنی حدیث میں بتلاتے ہیں

ابن حجر کی جان عجیب ضیق میں پڑی ہے۔ اور ہر ابو موسیٰ کی دستار صاحبیت بھی سبھا لینی اور دیر نام بخاری کا شمار انضامیت بھی۔ حافظ صاحب نے بقدر امکان جواب تو زیادہ کلم الکلام جو دنیا ستاپنی کی اور ضعف استدلال کو خوب سمجھتے تھے۔ بالآخر غزوہ دسی فرد کی طرح ذات الرقاع کے بھی تواتر ذکر واقع ہوئے گا، مثال ظاہر کرنا ہی بڑا غریب کرے گی۔ بغیر اس ترکیب کے مستدقین کے اس تلوا و اقوال مختلفہ میں نہ کوئی تبدیلی ممکن ہو سکتی تھی اور نہ تاویل۔

ردایا سیرت پر غور کیا گیا مسئلہ زیر بحث کے خاتمہ پر آخر فیصلہ بھی دکھلا دینا نہایت ضروری ہے۔ اس بنا پر اب ہم اپنے موجودہ بیان میں یہ دکھلائے ہیں کہ انراں طومار اور انبار بیکار کے بعد حدیث و سیرت کے ادب اپنے صحابہ کا عمل کس کے حکم پر ہوا۔ آیا اہل سیرت نے اہل حدیث کے خیال کو تسلیم کر لیا اور ذات الرقاع کے وقت وقوع کو تسلیم کیا تو بنی محارب بعد خیبر مان لیا یا اہل حدیث نے اہل سیرت کے قول کو مان لیا کہ اول کو قبل خیبر قرار دے لیا۔

جب ہم اسکی تحقیق کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام مشین حدیث کی کتابوں میں اپنے اپنے مقام پر لکھی

رہ گئیں اور حدیث و سیرت واسے اپنے اپنے اقوال و مختار پر قائم رہے۔ اور کسی نے دوسرے کے قول کو تسلیم نہیں کیا۔ سیرت واسے قبل خیر اور حدیث واسے بعد خیر لکھتے رہے۔ مگر اس قبل و بعد کے تقاضے سے علاحدہ ہوئے علامہ قسطلانی صاحب مواعظ لہ ثبوت ہے۔ جو خود بھی شارح بخاری میں اور حافظ ابن حجر قسطلانی شارح بخاری کے اشد تلامذہ میں داخل ہیں ایک بالکل نئی لیکن خوب انگیز راہ نکالی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ باوجود اسکے کہ محدثین کے طبقہ میں اعتبار و اعتماد کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں۔ مگر وہ اسب لہ ثبوت! اپنی جامع کتاب میں ذات البرقاع اور صلوۃ خوف کے نزول حکم کے تمام واقعات اور ان تمام اختلافات محدثین کو لکھ کر صحیح بخاری کی روایت کو نام مردود یا ترجیح دیتے ہیں۔ مگر تاہم اپنی کتاب میں ذات الرقاع کو اپنے سلسلہ بیان میں قابل خیر لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ذرا غامض شرح مواعظ لہ ثبوت۔ مضامین مطبوعہ حیدرآباد جلد دوم میں

یہ سب طرح کی تائید ہے میراث قسطلانی نے مضامین کتاب میں امام بخاری اور اسکے خیال محدثین کی تقلید کر کے
ان کی حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا۔ مگر اپنی کتاب کی ترتیب و تالیف میں اچھا پیشہ کو قسطلانی متروک فرما کر اہل سیرت کی تقلید فرمائی اور ذات الرقاع کو قبل خیر بیان کیا۔

شعاع صاحب کے قسطلانی صاحب سے زیادہ توفیقی صاحب نے اپنی مختار و مختار سے روایات
کی ہے۔ ترجیح حدیث علی السیرۃ کی ثبوت میں واقعات ذات الرقاع کی اہل سیرت کو مثال بنا کر دکھایا ہے اور تمام دلائل و براہین بخاری محدثین کا فیصلہ پیش کیا ہے۔ قدرتی بخاری ابی انہا کانت بعد خیر بخاری سے بہتر ثابت ہے کہ وہ (غزوہ ذات الرقاع) بعد خیر واقع ہو۔ اور اسی قول کو تمام محدثین کا تسلیم ہے۔

باتفاق جمہور خیر میں فتح ہوا خود آپ نے بھی وقوع خیر کو تسلیم کیا ہے۔ تو اب اس بنا پر ذات الرقاع مختار سے خیر کے بعد یا سب سے بعد ہے۔ وغیرہ میں واقع ہوا ہو گا۔ مگر آپ نے ان تمام دلائل تحقیق و تنقید کے بعد۔ جو صرف موعوبیت عامہ کے لحاظ سے لکھ کر دکھائے گئے تھے۔ اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اول میں ذات الرقاع کو سب سے گاہ افقہ تحریر فرمایا ہے۔ ان ہذا الشی عجائب فاعتر و یا اولی الالباب۔

مگر یہ انداز بھی کس حزم و احتیاط اور کس بیداری و ہوشیاری سے عمل میں لایا گیا ہے کہ آپ کے تدبیر و موازنہ کی شان عظمت کو اس سے بھی دو بالا کر دیتا ہے۔ یتنا عوام الناس کو معلوم اور ان کے پیش نظر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جدول فہرست مضامین میں جو دیباچہ سے پہلے کتاب پر لگائی گئی ہے۔ ذات الرقاع کا نام نہیں اس کتاب کی تفصیل وہاں میں کسی سبب سے سال کے واقعات میں اس کا ذکر نہیں اس سے تو آپ کا یہ فہمکہ انگیز فیصلہ ظاہر ہوتا ہے کہ با تو آپ قطعاً اسکے وقوع کے قائل ہی نہیں۔ یا اہل سیرت و حدیث کے بشمار و ناگوار اختلاف اقوال سے عاجز اگر آپ نے اسکے خلاف دستخط ہی کو اپنا معیار تحقیق بنایا ہے۔

لیکن حقیقت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے اس معیار پر بھی قائم نہیں۔ مگر یہ امر آپ کا مافی الضمیر ضرور تھا آپ نے ذات الرقاع کا جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ اس کے بیان کے اصلی مقامات کتاب میں کچھ نہیں ذکر نہیں فرمایا۔ لیکن موضوع کتاب سے قطعاً نہ کر۔ گویا خاتمہ حالات مغازی رسول پر جو اصول غزوات و اسرایا پر منقذہ انہ تحریر لکھی ہے اور اس میں مغازی و اسرایا کے اسباب وقوع اور ان میں سے ہر ایک واقعہ کے لئے۔ منجانب اسلام ایک عذر و معقولہ لکھا یا ہے اور مختصر سی کیفیت دکھائی ہے۔ اس لئے بیان آپ کو ذات الرقاع کے بیان کی غایت مجبوری ہو گئی ہے اور اس کا بیان ان الفاظ مختصر میں کیا گیا ہے۔

(حاشیہ تقابل پر) ذات الرقاع مسئلہ

مہربان اعز اب علیہ السلام البجالی

اعراب بہاروں پر بھگا گئے۔ جلد اول ص ۴۳۶ سبجان السند

کیا عنوان ہے اور کیا مفصل اور مکمل بیان۔ آپ کی کتاب دیکھنے والے اس واقعہ کی کہان تک تفہیم اس عبارت سے کر سکیں گے۔ اس کا جو اہم پیشہ میلی صاحب دینا گئے۔ مگر ہم تو آپ سے کہیں گے کہ اس کا نہ لکھنا ہی آپ کے حفظان اقتدار کے لئے مفید تھا۔ آپ اپنے بڑی احتیاط سے اتنی عبارت لکھ کر اپنے تمام استغناات کا انکشاف کر دیا۔ افسوس ہے کہ یہاں اس کی وقوع کا زمانہ سنہ ۶ ہجری لکھا گیا ہے۔ مگر فہرست مضامین اور اصل کتاب میں اس کا ذکر و مذکور نام و نشان بالکل چھپایا جاتا ہے۔ کیوں۔ اس لئے کہ بخاری کی تکذیب ہوتی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کی تکذیب نہیں ہوتی ہے۔ جو خود اسکو مثال بنا کر بڑی سرگرمی سے اوپر دکھلا چکے ہیں اور آپ پھر اس کو بخلاف بخاری و حجامی نہیں سمجھتے۔ یعنی قبل خیر کو واقعہ بتلائے ہیں۔ اور اس میں تناقص کی رائے دیکھا ہے ذرا بھی نہیں مشربائے نہیں۔ یہ حقیقت کا واقعہ تھا جس نے آپ کا حکم لکھ کر آخر کار آپ کے تمام بیویوں پر استغناات کا اقرار لکھوا دیا اور اسی کے ساتھ انہیں اہل سیرت کی تقلید بھی جنکی تصانیف میں آپ اپنا پرچوس لکھے۔

صحت۔ تمام علوم و فنون

میں قدر مشترک ہے

اب ہم ہی صحت۔ اس کی بحث ہم اوپر لکھے آئے ہیں کہ جس طرح حدیث میں غلطی ہے وہی ہی سیرت میں۔ مگر حقیقت کو صحت کی تعریف پہلی ذہن نشین کر لینی چاہئے۔

یوں تو صحت کے بہت اقسام بتلائے گئے ہیں۔ مگر اصل دو ہی قسمیں ہیں۔ اور باقی انھیں کے فروعات اور شعوبات۔ صحت کی پہلی قسم یقینی ہے اور دوسری ظنی۔ جو بوجہ علوم متداولہ عالم میں۔ الہیات (مخلوقات) اور ریاضیات کے سوا کسی علم کی صحت یقینی نہیں۔ صحت ظنی وہ ہے جو بہرہ و شایعات کے برابر ہوتی ہے۔ اور جس شخص کے وجود کا بغیر شہادہ اعتراف نہ کیا جاوے۔ وہ علم یقین بھی بہرہ و شایعات میں داخل ہے۔ صحت ظنی وہ ہے جس کا اعتراف یقین نہ ہو۔ اسباب ضروری ہوں۔ مگر یہ بدینہ و شایعات میں شامل ہونے کے قابل نہیں۔ اسی بنا پر۔ اسلام اور سکھائے۔ تہذیب الایمان۔ با حفاضات و الوہیات۔ ان مقامات

وجہ ذراست وغیرہ کے علاوہ۔ باقی تمام علوم و فنون کی صحت و اعتبار کی صحت قطعی کے درجہ میں تک یقین کیا ہو۔ انھیں میں سیرت و حدیث دونوں داخل ہیں۔ اور اسی بنا پر بحر العلوم نے کتب حدیث کی عموماً اور صحیح بخاری کی صحیح الکتاب اور صحیح یقینی ہونے کو قصوداً تمام طریقوں سے مخرج و مضروع اور منوع ثابت کیا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ پھر اسی صحت سے شبلی صاحب کا مقصود ہے توبہ شکل سے حدیث و سیرت کے لئے ممکن ہو سکے گی۔ اسکے علاوہ حدیث ہو تابع ہو سیرت ہو یا معارضی۔ یہ تمام علوم و فنون متوالا متوالا داخل ہیں۔ پھر ان پر دلائل مقولات کا جمع کرنا تو صحیح فاسد علی الفاہ کا حکم مکتبہ ہے۔

بہر حال جب اتنا تحقیق ہو گیا کہ عموماً علم حدیث کی صحت قطعی ہے۔ یقینی نہیں۔ عام اس سے کہ کتب صحاح ہو یا مستزید ہو۔ یا مسند۔ سب ایک ہی تعریف کے اندر آتی ہیں۔ اور حدیث کی طرح۔ سیرت اور تاریخ کی بھی صحت کا یہی حال ہے۔ تو صحت کی میزان میں تو حدیث و سیرت کی نزوات۔ اگر اپنے اپنے معیار صحت کے مطابق صحیح و معتبر طریقوں سے مستخرج کئے گئے ہوں تو وہ بھی کامل اعتبار اور قابل اعتبار ہوں گی۔ مگر اس صورت میں تو شبلی صاحب کو ترجیح حدیث علی السیرت کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔ ہم اس سے زیادہ مسئلہ صحت کے متعلق تحقیق کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔

شبلی صاحب کو قرار دیا گیا ہے حدیث | ہم ذیل میں شبلی صاحب کے قرار داد معیار صحت حدیث کو ذیل میں نقل کر کے ان کے بعض مقامات پر بالا فقہاء اپنی تنقیدیں عبارت لکھ دیتے ہیں۔ پہلے ہم ان معیار کو لکھتے ہیں۔ جن کو آپ نے روایات احادیث کا ایک جز قرار دیا ہے۔ جس کو معلوم ہوتا ہے آپ نے موضوعات علامہ سیوطی ابن جوزی کے مقدمہ سے نقل کیا ہے۔ تحریر ہوتا ہے۔

سب ذیل روایات میں روایت قابل اعتبار نہ ہوگی اور اسکی نسبت اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں

(۱) جو روایت عقل کے مخالف ہو۔

(۲) جو روایت اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔

(۳) محسوسات اور شہادت کے خلاف ہو۔

(۴) قرآن مجید۔ احادیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

(۵) جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دہائی ہو۔

(۶) معمولی کام میں بہت پر سے انعام کا وعدہ ہو۔

(۷) روایت جو کبیک المحدثی ہو اور اس کی غیر ذریعہ کے نہ لگاو۔

(۸) جو روایت الیہی ہو۔ کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو۔ یا اپنے کسی اور راوی نے اس کی روایت کی ہو۔

(۲) جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اُس شخص سے غلام ہو۔

(۱۰) جس روایت میں ایسا قابل اعتبار واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سب کھڑوں راوی اُس کو روایت کرتے باوجود اُس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو۔

(۱۰) جس روایت میں ایسا قابل اعتبار واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سیکیٹرون راوی اس کو روایت کرتے باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو۔

شیعہ صاحب کے مندرجہ بالا اصحاب
 حدیث کی مختلف تفسیریں۔
 اٹھارہ سو تین سو چوبیس ہجری میں گرامس میں
 کہ تھا ان فن نے صرف انکو اپنی کتابوں میں لکھ کر۔ اور حدیث کے غلط عقائد
 کا عوام میں باعث شہرت بنا کر رکھ لیا۔ مگر صحاح سے لیکر سن و سائیت تک کے حضرات محدثین میں ایک صاحب
 بھی ان پر عمل پیرا ہوئے اور ہزاروں طریقوں و طرق سے مسابہ و منہ و صحاح کیا۔ خاص صحیح بخاری میں موجود ہیں
 جنہیں یہ سب القدر والی حدیث اور دیگر حدیثوں کی تفسیر بخاری کی جہت میں اوپر دکھلا چکی گئی ہے۔ اس سبب اس سبب
 تفسیر لکھ کر نہ صرف وہ بل عبارت تفسیری لکھی جاتی ہے۔

(۱) خلاف عقل و ایمان۔ اس شرط نہایت سے معرفت الہیہ خصوصاً ثبوت و اوجہ الوجود کے متعلق مردیات جن سے ذات باطنی تعالیٰ کے صفات سلب اور ثبوت کا مثل ہیرویات کے یقین اعتقاد ہے اور نیز احکام تعبدی کی روایوں کو مستثنیٰ کرنا چاہیے۔ ایسے کہ امکان تسلسل انسانی ان رفیق مطالب و معانی کے بار کا قبول آپ کے متحمل نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ۔ خدا کی آنکھ۔ کات وغیرہ نہیں۔ گرا کے اسمع اساعین اور البصر الناطقین پڑنے کا مثل مشاہد
کے یقین کا دل اور اسے اس کا واجب ہے۔ جو باہمی التماس میں انسانی عقل محدود کے حاد و تفتیل سے یا ہر سو کی
چھ سے بظاہر خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح احکام تعبیری میں جو بھنچا آئے وہانی ہدایہ و اخلاقیات و احسن والا اس کا کیسے بدوں سے
برسر کمال کو بردون کے لئے تورات ام اور عورتوں کے لئے حلال تاکید بتلانا ہمیں مخصوصاً اوقات نماز میں
ردن کی تقریق اور عورتوں کی اس تخصیص کے لئے عقل کوئی وجہ معقول نہیں قائم کر سکتی اس زمانہ کی جدید
در روشن تر عقل ذالے تو فرمات مستہ گئے احکام دانیات معلوم و معلوہ کو بھی۔ اس لئے کہ انکی نزدیک انسان
زاد مادہ اور ادید ہو است - بہت کم قابل تعمیل سمجھے ہیں ۔

(۲) مرویات خلاف اصول مسلمہ۔ اصول مسلمہ کی تعریف ضرور ہونی چاہیے۔ کہ سمجھا جاوے یہ اصول مسلمہ
 اصل ہے یا مستلزام۔ اگر مسلمہ خاص مقصود ہے تو ظاہر ہے کہ دوسری قوم و فرقہ اسے جن کو ادعا اسلام ہوگا

وہ کیونکر اسکے لئے مجبور کئے جائینگے۔

اس کے علاوہ یہ ایسی شرط ہے۔ جو شرط ہی شرط ہو کر کتا بولنا میں لکھی ہوگی۔ اس پر عمل کبھی نہیں ہوا۔ اجتماع ہوں مسلمات اور اولین معتقدات اہل سنت و جماعت سے ہے۔ وہ اجتناب ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ اول مسئلہ یعنی اجتماع متقیفہ بنی سادہ کی صحت و صداقت جو لازم و غیر لازم میں۔ آپس ہی میں اختلاف ہے۔ تو دوسرے مسلمات سے بحث ہی بیکار ہے۔ باقی رہا صحت حدیث کے مسلمات۔ جو موجودہ بحث کا اصل مدعا ہے۔ وہ عموماً صحاح ستہ اور خصوصاً صحیح بخاری کی نسبت پیش کیا جاتا ہے اس مسئلہ یا اجتماع کی تنقید تہلیل۔ امام ابن ہمام اور بحر العلوم کے اقوال دارا استنبیل اور قلمبند ہو چکی ہے۔ پھر کیسے کہا جائے کہ ہول مسئلہ کے خلاف آپ حضرات کا علم رائد نہیں ہے۔ اگر حقیقتاً جیسا کہ لکھا جاتا ہے شرط اصول مسئلہ کے مطابق کیا بھی جاتا۔ تو پھر ابن ہمام اور بحر العلوم سے۔ علمائے کرام کو اجتماع کے اصول مسئلہ سے انکار کی کیا ضرورت تھی۔ اس ثابت ہوتا ہے کہ یہ شرط انصاف و عیادت بہت پیچھے وضع کئے گئے اور اسکے خلاف علم رائد بہت قدیم ہے۔ (۳۷) مرویات خلاف مشاہدات و محسوسات۔ محسوسات کی جگہ برکات کا لفظ زیادہ اسب تھا اس لئے کہ محسوسات کا علم اکثر محسوسات پر مطلق ہوتا ہے۔ اور برکات کا عقل کے حینون میں داخل ہے جو اصل عبارت میں ضرور ہے۔ یہ شرط حقیقتاً شرط اول کا ایک ضمیمہ ہے۔ اسلئے اس پر دوبارہ تکرار کی ضرورت نہیں۔

(۳۸) مرویات جو قرآن مجید۔ احادیث متواترہ یا جماع قطعی کے خلاف ہوں اور جس میں تاویل کی کچھ گنجائش نہ ہو بظاہر یہ شرط بالکل صحیح ہے اور حدیثوں کا اصلی اور حقیقی معیار صحت بھی ایک شرط ہے۔ جو کلمہ شرط و فیہ و ہر حاوی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ نا فہمہ ایک نابرسائی محقق ہوتی ہے۔ اور مشاہدات بتلاہ ہی میں کہ اس کے کسی شائبہ پر جتنی تک نہیں کیا گیا قرآن مجید کے خلاف تو محض معاشرہ الانبیاء کی روایت موجود ہے۔ احادیث متواترہ میں کثرت ہلا کے اجماع امت کے خلاف یقیناً (جس کے اعلان کی وقت بقول ابن اثیر ایک لاکھ مسلمانوں سے بھی زیادہ کی جمعیت موجود تھی) متقیفہ بنی سادہ میں خلاف سازی کے کارنامے حضور اہل آجتک تمام اسلامی کتب اس پر شاہد ہیں اور یہ ایسے شواہد ہیں۔ جنکی تصدیق و توثیق کے لئے دوسری تائید و تحقیق کی مطلق ضرورت نہیں پھر ان شواہد کے مقابل میں کلام عقل والا کسکنا ہے کہ اس شرط پر سواد اعظم میں کبھی صحیح طور پر عمل بھی کیا گیا۔ (۳۹) معمولی بات پر بڑا غلبہ۔ بظاہر تو صحیح ہے۔ مگر حقیقتاً یہ دین و عقل و شرع و تقویٰ کے مدعا ہے۔ دور۔ علاوہ اسکے ایسی ہزاروں حدیثیں ابھی تک حدیث میں موجود ہیں۔ اگر اس شرط پر حکم کے ساتھ عمل بھی ثابت ہے۔ تو پھر ایسی حدیثوں کی نقل و تکرار کا دروازہ کیا باز کیوں نہ مسدود کر دیا گیا۔

(۶) ذرا سی بات پر بڑے انعام کا وعدہ۔ اس کی بھی وہی مثال ہے جیسا کہ اللہ جلہ عشرۃ مآلہا کے نصیب رحمت اور اثبات قدرت کے مخالف اور وسعت غصب رحمتہ کے اصل مدعا کے تناقض معلوم ہوتی ہو اگر اس شرط پر عمل ثابت ہے۔ تو پھر احتک ان حدیثوں کا وجود کیوں باقی ہے۔

(۷) رکبک المعنی حدیثین۔ مثلاً گدو کو بغیر زنج کے نہ کھاؤ۔ اعتراض و استناع سے پہلے تو ان روایت کی خوش فہمی پھر ان محدثین کی جامعیت و قابلیت کی داد دینی چاہئے جنہوں نے ایسے ایسے مہملات کو قول رسول تبارک و تعالیٰ رسالت پر اتھام کیا۔

(۸) جس روایت کا راوی۔ راوی اصل سے نہ ملا ہو۔ شرط صحیح ہے مگر عمل ذرا بھی ثابت نہیں۔ تاہم کتب حدیث ایسی حدیثوں سے ملوہ ہیں۔ اور تو اور خاص صحیح بخاری میں۔ نزول بسکہ القدر کے ذکر میں بہم میل سے اس کی مثال نقل کر چکے ہیں۔ امام صاحب نے آئندہ ذکر کے عن ابن عتیہ سے عنوان حدیث شروع کر دیا۔ پوچھئے تو کہاں آپ کا وقت کہاں ابن عتیہ کا زمانہ پر لفظ عن کا فرمانا کیا؟

(۹) جس روایت میں ایسا قابل اعتناء واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سنیکڑوں آدمی اس کی روایت کرتے یہ شرط تحقیق میں اتنا ہی سے نظر انداز کر دی گئی۔ اور قطعاً ناقابل عمل سمجھی گئی۔ حدیث سخن معاشرا الا نبیسا کا بیان کرنے والا کیلرا وہی ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی کی خراجا و پراتنا اعتماد کیا جاتا ہے کہ جماع قطعی کا حکم نکایا جاتا ہے اور اسی غرض و غایت سے۔ شبلی صاحب نے خراجا و کے قابل الاستناد ہونے کی توثیق ان الفاظ میں لکھی ہے کہ

اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا۔ تو کوثران اور قیاسات کے خلاف ہو۔ اور گو بنا ہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو۔ لیکن اس کی روایت قبول کر لی جائے گی۔ دیباچہ ص ۱۰۱

اتنے ہی الفاظ تا یہی پر اکتفا نہیں کیے گئے۔ بلکہ خبرہ حاد کے قابل الاستناد ہونے پر ایک خاص بحث کی گئی ہے جس کو ہم عنقریب اپنی سلسلہ بیان میں نقل کریں گے۔

(۱۰) جو روایت ایسی ہو۔ کہ نام لوگوں کو اس سے واقف ہو چکی ضرورت ہو۔ یا این ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت کی ہو۔

اس مشہد صحت کی مخالفت بھی۔ حدیث سخن معاشرا لانیاء کے اشاعت اور اسر علیہ رآد امت سے کما حقہ ثابت ہے۔

اب شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان حکام کے اجراء و اعلان کی کیا کام نکلا۔ جب اپنی تھانوں پر ہی ثابت نہیں ہوتا۔ تو ضرور یقین کیا جائے گا کہ یہ شرائط حدیث میں نے اپنی واقفکاری میں اور گرم بازار ہی علم کی غرض خاص سے

لکھ سے تھے کہ عوام اہل اسلام انکی شدت اعتباط اور کمال نقد کے قابل ہو کر مرعوب ہو جائیں۔ اور ہمیں بزرگوارانِ اسلام کی تقلید میں شبلی صاحب نے بھی اسی مدعا و نشان سے ان شرائط کو نقل فرمایا کہ زمانہ کے محدود علم و تحقیق رکھنے والے افراد قوم و ملت عموماً درجہ تعلیم مغربی کے اچھے خواں مسلمان طلبہ و طالبات کی تحقیق و تنقید کی یہ طول و طویل تفصیل دیکھ کر حلقہ گوشتِ عقیدت بن بابین۔

ایک غرض خاص آپ کی اور بھی اسکے ساتھ ملحق تھی کہ ان حدود و قیود کو دیکھ کر حدیثوں کی کتابوں کی طرف رجوع عام ہو جائے گا۔ اور چونکہ کتب حدیث کی بنا اصول عقاید پر ہے۔ اور عقاید ہی سے تعلیم۔ استخفاف۔ اختلاف اور استقاط و تعارضات خصوصاً کے اسرار ملین گئے۔ اسلئے ان کے بیان و تفصیل کو اپنے مقصد مطلب پر اگر اس شرح و بسط سے قلمبند کیا گیا۔

ہم نہیں کہتے کہ یہ ترکیب۔ خاص شبلی صاحب کی ایجاد ہے یا انکی طبع و خداد۔ کیونکہ اسکی ایجاد بھی آغازِ خلقت ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ ہر حکومت امویہ سے گذرتی ہوئی سلطنت عباسیہ تک براہِ قائم و بازان رہی اور اب تک ہے اور وقت سلطنت کی تائید سے شدت و کثرت سے جاری تھی۔ اسوقت تعصب و نفسانیت سے برابر دہی قدیم لکیری پی جا رہی ہے۔ اور باب صحاح نے عموماً اند بخاری صاحب نے خصوصاً اسوقت زمانہ کی دہرے سے اپنے قلم کار رنگ آمیز یون کے مختلف رنگوں میں انکو خوب خوب رنگا۔ اپنی تجویز و قیاسی رد عا کے موافق۔ حدیثوں پر کہیں انما فی الفاظ و کلمات سے انکے اصلی رنگوں کو کبھی شوش اور پسند کر دیا اور کبھی اسراف و استخفاف اور استغراق کی مصالحت و مناسبت اور ازالہ و استقاط و کلمات بلکہ علی الاستمرار مقدمات و تعارضات کلی سے۔ حدیث کے اصلی رنگ کو بالکل ہٹا کر دیا ہے بخاری کے استقاط الفاظ و غیرہ کی مثال ہم علامہ ذوالنہبین ابنہ لسی کی تحریر سے اور ثبات کرتے ہیں۔

بائن ہمہ سلسلہ زنجیرت کی تحقیق میں جیسا کہ ہم اوپر بتلائے ہیں خاتمہ بحث پر پر اسی کا اعادہ کئے بغیر نہیں رہ سکے کہ مقدمہ بالادلائل درابین سے پورے طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ حدود و شروط صحت حدیث کے نام تادی فیہ و بکر گئے۔ اور اہل تحقیق کو مسلمانانِ دہگور و سلطان در کتاب کی تصدیق کا موقع دے گئے چنانچہ شبلی صاحب نے ہی ہی رویہ اختیار کیا ہے۔ دیا چہ بین تو دینا پھر کے معیار۔ مترادف اور نہ اب گمراہ سے۔ مگر اصل کتاب میں علی ایک پر ہی نہیں کیا گیا جیسا کہ ہم ایک خاص نمبر میں آچے اس انداز کو دکھلائے ہیں اور آپ کی کتاب کے اصل مقامات پر اسکی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا گیا ہے۔

بیان تک تو موضوعات ابن جریری کے مقدمہ سے صحت حدیث کے مضامین و معیار تیار کئے گئے۔ اب میراث کی صورت کے لئے معیار نور ایجاد کئے گئے ہیں

حدیث کی ایسی روایات
سیرت کی صحت و معیاریات

کیونکہ اسکے استنباط کا حوالہ اس طرح کہیں نہیں دیا گیا ہے۔ جیسا کہ صحت حدیث کے معیار کا حوالہ و ضرورات ابن جوزی سے دیا گیا ہے۔ وہ معیار حسب ذیل قائم کئے گئے ہیں۔

- (۱) کتب سیرت قابل تنقیح ہیں اور ان کے روایات و اسناد کی تنقید لازمی ہے۔
- (۲) سیرت کی روایتیں باعتبار یقینیت احادیث کی روایتوں سے فرق ہیں۔ اس سے بصورت خیال ان حدیث کی روایت کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

(۳) سیرت کے واقعات میں سلسلہ علت و معلول کی تلاش ضروری ہے۔ دیباچہ ص ۶۱

صحت سیرت ہے کہ کیا سمجھا جائے۔ آیات و نصاب صحت سیرت یقین کیا جاوے جیسا کہ دعویٰ اور عدہ فرمایا گیا ہے۔ یا آپ کا کتابت نامہ فیصلہ سمجھا جاوے۔ جیسا کہ اندازہ تحریر سے ثابت ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شرط صحت حدیث کے اوپر لگے گئے ہیں۔ گویہ ہلکا خاصیت سیسی بھی ہوتی اور ان پر عمل است ہوا بھی ہو۔ مگر تاہم وہ اپنی تدوین میں انہیں کے اعتبار سے شرط و حدود و باتشہی کی صورت ضرور رکھتے ہیں۔ اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی عالم اور واقعہ کارن کے قائم و مقرر کردہ ہیں۔ اور یہ تنقیحات شبلی صاحب کی خاص طبع و مزاج ہیں۔ ان کا موضوع عالمانہ ہے۔ اور ان کا مقصد و عیاضانہ ہے اور خود غرضانہ چنانچہ ان کا انکشاف حقیقت سلسلہ و حسب ذیل ہے۔

(۱) کتب سیرت محتاج تنقیح ہیں۔ یہ تو بالکل یکطرفہ فیصلہ ہے۔ کیا حدیث کی کتاب میں قابل تنقیح و تنقید نہیں۔ کیا اتنی موضوعات کی کتاب میں لکھیں جانے کے بجائے شبلی صاحب اپنے اس صراحت قائم رہ سکیں گے کہ کتب احادیث تنقیح و تنقید کی محتاج نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اکیلی سیرت کی کتابوں کو قابل تنقیح و تنقید نہ کرنا اور حدیث کی کتابوں کو مستثنیٰ کر دینا کیسی زبردستی ہے۔

جب صحیح بخاری کی ایسی صحیح الکتاب کی اکثر روایتوں کو سیرۃ النبی میں خود آپ قابل نظر اور مشکوک صحت قرار دیتے ہیں۔ تو اور کتب حدیث کے ناقابل تنقیح ہونا کیا ذکر حقیقت یہ ہے۔ سیرت کی کتابیں اسی حد و مقدار تک تنقید کے قابل ہیں جس حد و مقدار تک حدیث کی کتابیں بگڑا ہوتی ہیں کہ دونوں قسم کی کتابوں میں بعض کتابیں زیادہ تنقید کے قابل ہیں اور بعض کم

(۲) سیرت کی روایتیں حدیثوں سے اعتبار میں فروتر ہیں۔ یہ تو گویا شبلی صاحب کا وظیفہ ہے

اور اس وظیفہ سے جو مراد ہے۔ وہ ہم غریب اپنے سلسلہ بیان میں تلاش کئے دیتے ہیں۔

ہاں اصول فقہ یا مسلمات مذہبی کا بیان اگر کسی سیرت و تاریخ کے مضمون میں آگیا ہے اور وہ کتب حدیث کی روایات معتبرہ کے مخالف ہے تو ایسی حالت میں روایات حدیث کو روایت سیرت پر ضرور ترجیح دی جائے گی۔ ورنہ واقعات و حالات کی عام تفصیل و بیان میں اگر سیرت و تاریخ سے مراد آئے اپنی شرط و

صحت پر کامل اثر چکی ہیں تو گو وہ کسی حدیث کا قابل التعمید اور مشکوک الصحت سے مخالف بھی ہوں قابل انکار نہیں۔

(۱۳) علت و معلول کی تلاش۔ علت و معلول کی بحث کو پیش کرنا محض بیخود و بیهوده ہے۔ اس بنا پر تمام علوم کے اقسام مضامین و مباحث۔ و لائنیں و براہین میں یہاں تک کہ وسطوں کے معمولی خطوط ہی اسکی ضرورت سے خالی نہیں کون لایعقل ہوگا۔ جو کسی تخریر و مضمون کو بڑے بڑے کا اور اسکی علت و معلول کو نہ سمجھیں۔ کون قادر و عاقل اور ناقص الذہن ہوگا جو بغیر علت و معلول کے اپنا کوئی مضمون یا تاثر نہ کرے گا۔ کیونکہ کوئی تخریر۔ کوئی عبارت بغیر اس کے لکھی ہی نہیں جاسکتی۔ اور اس ایسی عالمانہ اور محققانہ شان کی تصنیف و تالیف اور اس میں ایسی عامیانہ و لائنیں و براہین پیش کیے جائیں گے کہ بجا میں ہم بوجہ شک میں کہ تناسیرت کی کتابوں میں علت و معلول کی تلاش کو کیوں منحصر اور محدود کیا جاتا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں بھی اسکی جستجو کون نہیں کہ جاتی۔ جن میں علیہ الام اکثر مثالیں ملتی ہیں۔ ہم امام بخاری کی صحیح سے استقفا علت و معلول کی صرف ایک مثال ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس خواب کو ایک طویلانی حدیث میں بیان کیا گیا ہے جس میں آپ نے ایک گائے کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا۔ اور اس کے چند دنوں کے بعد حضرت حمزہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ جو اسکی تعبیر خیال کی گئی۔ اس واقعہ خواب کی تفصیلی عبارت اس فقرہ طویل پر تمام کی گئی ہے۔

رأیت فیہا بقول اللہ خیراً۔ یعنی یہ ہونے میں نے ایک گائے کو دیکھا۔ اللہ خیر ہے۔ کہنے۔ اس عبارت سے وہ فقرہ متعلقہ کی کہان تک تفہیم و توضیح ہوتی ہے۔ بخاری صاحب نے فقہاء کے ساتھ خیر کا تفسیر تو ضرور لایا یا اگر معنی نہ لگا کر دے۔ اب کون پوچھے کہ آپ کے تنہا یہ آیت بقول اللہ خیر کے فقرہ مناقضہ کے لکھ دینے سے۔ واقعہ کی پوری تفصیل اور شہادت حضرت حمزہ کے ساتھ اسکی تطبیق کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔ اور پھر آپ کا واقعہ خیر۔ والا فقرہ مصلح اور بجا اور پُرسترا ہے۔

ابن شہابی صاحب۔ اس فقرہ اور عبارت میں علت و معلول۔ بتقدیر اور خبر اور مصلح و موعول ٹٹول ٹٹول کر تلاش کریں اور بخاری صاحب کے اس خط و بے ربط فقرہ اور انکی ضد و تخریب کی واردیں اور انکی تنقید متفحیم سمجھیں جب شہادت حضرت حمزہ اسکی معلول ہوئی۔ تو اسکی علت۔ آپ کا وہی فقرہ رأیت بقول اللہ خیراً۔ اس سے اصل واقعہ کی حقیقت جو ثابت ہو چکی ہے۔ کہان معلوم ہوئی۔ اور جب یہی معلوم ہوئی تو علت و معلول کے بیکار ہوئی اور اسی کے ساتھ وہ عبارت بھی محض مہمل ثابت ہوئی۔ جس میں علت و معلول کی ساتھ نہ کوئی سنا ہے اور نہ علت اس نے معلول کی تحقیق کو ملاتی ہے۔

یہی کیفیت و اسلئے خیر اوائل فقرہ کی ہے جب واقعہ کی خبر یا معلول اپنی حقیقت کیساتھ معلوم ہو جائے تب فقرہ خواہ خیر کی تطبیق اور مناسبت کا نصفیہ کیا جائے۔ روایت بقدر۔ ایک گالی کو دیکھ کر حکیم رسالت کی زبان صداقت و اللہ خیر کا فقرہ نکلتا کہ یہ معلوم اعتبار و یقین نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ خواہیں اس نظر آنی والی گالتے کی کوئی خاص کیفیت یا علت استعجاب یا استنساخ نہیں دکھلائی جائیگی۔ اور علاوہ براین باتفاق جمہور جس واقعہ کی طرف اس خواہکار و جانی تعلق بتلایا جاتا ہو اس کی متاد و راحت ہی اس فقرہ سے نہیں ہوتی۔ تو پھر وہ اللہ خیر کا فقرہ کی تطبیق کیسے کیا جائے اور اس کے اگر عبارت کی عبارت اور یکجا بنائی گئے دونوں فقرے قطعاً نامر و طاعت سمجھ جائیں۔ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

بڑی کوشش کے بعد ابن حجر نے اس کلیتہ میں کہ موضوع بنانا چاہا ہے۔ مگر افسوس کہ وہ بھی ناقص رہا۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں۔ فی زوائد ابن اسحاق وانی رایت واللہ خیر لقبرا۔ روایت ابن اسحاق میں یوں ہے کہ میں نے خواب میں (دیکھا ہے۔ خدا خیر کرے ایک گالے کو۔ اول تو اس معلوم ہوا کہ بخاری صاحب حدیث کے اصلی الفاظ کو ادھر کا ادھر کر دیا کرتے تھے۔ اور حدیثوں کو اولٹ پلٹ کر جمع کیا کرتے تھے۔ دوسرے ایک اصل واقعہ کی حقیقت کا انکشاف تو حافظ صاحب کی اس عبارت مشکوٰۃ سے بھی نہیں ہوا۔ اور کلام دیوان میں ابہام دیا کا ویسا ہی رہ گیا۔ اور معلوم ہوا تو صرف اتنا کہ آداب خواب یہ ہے کہ جب آدمی خواب بیان کرے تو کہے۔ خدا خیر کرے چنانچہ اس ارشاد پر آج تک نام مسلمانوں کا عمل ہے۔ بلکہ خواب پر منحصر نہیں وہ اپنے ہر ارادہ قصد اور فعل کے اظہار کی وقت۔ اس کا اعادہ کرتے ہیں۔ اور یہ کلمہ بسم اللہ شان شاد اللہ وغیرہ کا متروک قرار پایا ہے۔ اور بعض لوگوں کی خصوصیات کلام میں داخل ہو کر سخن تکبیر اور تالیف محل کا حکم رکھتا ہے۔

لیکن ابن حجر کے اس نظریہ سے بھی معلوم کہین نظر نہیں آتا جس کی تلاش شبلی صاحب کو نظر ہو حقیقت یہ ہے کہ بخاری نے ایسی جملہ روایات لکھ کر ردعائے حدیث کو بالکل غارت کر دیا ہے۔ بخلاف اسکے ان کے پیچشم محمد بن نے اس حدیث کو پوری حقیقت و معانی کیساتھ نقل کیا ہے عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔

وعند احمد والنسائی وابن سعد من حدیث جابر بن عبد اللہ صحیح فی حدیث احمد بن حنبل وروایت بقدر
امام احمد۔ امام نسائی اور ابن سعد بسند صحیح جابر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صلعم نے دیکھا خواب میں تھا
یا بیل کو زنج کیا ہوا۔

مندرجہ بالا حدیث میں سب کچھ موجود ہے۔ شبلی صاحب کا مقصد و علت معلوم بھی واقعہ کی حقیقت حال بھی اور پھر اس کی واقعہ ایسی کہ ساتھ تطبیق اور کامل مناسبت اور ثابت بھی۔

اب ہم بخاری موجود بحث سے ثابت ہو گیا کہ جب بخاری کی ایسی حدیث کی جمع الکتاب۔ اپنی عبارت کی نقل میں علت و معلول کی شرط نہیں رکھتی اور اس غیب زلف سے ہرگز خالی نہیں تھا اس سے پایہ اعتبار میں فقرہ حدیث

کی کتابوں میں یہ نقص و عیب کس حد اور مقدار تک پایا جائے گا۔

شہلی صاحب نے بڑی کاوش سے اہل سیرت کی صحت مرویات کے لئے یہ بین نصاب قائم کئے۔ جن کو دیکھ کر ہر شخص آسانی سے سمجھ لے گا کہ یہ شرائط نصاب میں داخل کئے جانے کے قابل ہیں یا نہ حقیقی شرک و نصاب کے معانی و مفہوم میں آسکتے ہیں۔ یہ شہلی صاحب کی خاص ایجاد ہے۔ یہ تینوں شرائط ہدایات اسی طرح حدیثوں میں پیش نظر رکھے جاسکتے ہیں بطور نقل روایات سیرت میں۔ پھر اس قدر شرک کو ایک صنف خاص کے ساتھ شرط منفرد قرار دینا کیا معنی۔

شہلی صاحب کے انداز تحریر
کافی نئی ترکیبیں

اب ہم شہلی صاحب کی شان اور انداز تحریر کی ایک نئی ترکیب کا انکشاف کرتے ہیں۔ آپ نے صحت روایات سیرت کے متعلق جو نصاب مقرر فرمائے۔ ان میں علت و معلول کی شرط کو اپنی جیلہ تقابلی کے ساتھ ایک معقول بحث کے انداز میں لکھا ہے۔ جس سے ایک معمولی عقل اور سطحی علم و اطلاع و اسباب افراد و قوم سیرت کے واقعات کو عقل کے خلاف سمجھیں اور ایک اشکال منطقی کی صورت میں اس کے نقص فی الروایات کو تسلیم کریں۔

افسوس کتابوں کی تالیف و تصنیف علما اور حکماء کے خاص ملاحظہ کے لئے نہیں کی جاتی بلکہ عوام کے مطالعہ اور استفادہ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے۔ دیکھئے شہلی صاحب نے اسی نقص سیرت کو پہلے تو اس انداز سے اور تحریر فرمایا ہے۔ جسے سوائے علما کے دوسرے کو شک و شبہ سے آپ کے انداز سے تحریر تک پہنچ سکیں۔ پھر اسی نقص کو ایک دوسرے مقام پر ایک نئی ترکیب اور نئے انداز سے ظاہر فرماتے ہیں۔ آپ کے ان دونوں تفاوت انداز تحریر کو پڑھ کر تحقیق کے متقاضی پوری طور سے سمجھ جائیں گے کہ پہلے مقام میں آپ نے تو اپنے مدعا کو اپنی قلمکاری اور ہوشیاری سے اشکال منطقی اور محال عقلی کا پردہ ڈال کر چھپایا۔ کیونکہ وہاں آپ کو اس ترکیب سے طبقہ عام کی صرف معرو بیت منظور تھی۔ اور یہاں آپ نے اسی مدعا کو اصل حقیقت سے بیان کرنے کی آپ کو اس وجہ سے مجبور ہی ہوئی ہے کہ یہاں مخالفین اسلام کی لکھی ہوئی سیرتوں سے اسلامی سیرتوں کا موازنہ کرنا ہے۔

مگر افسوس کہ آپ کو اسبہ بھی سیرتوں کا درود نہ آیا۔ اور مخالفین کے اعتراف میں کا باعث حدیثوں کی جگہ سیرت کو بتلایا۔ کام انفرادی استاذ پارہ سے کہ از عیبارگی۔ برہنہ بیچارہ ہی بندہ گناہ خویش را۔ اس ضرورت عبوری سے آپ نے اپنے مرقومہ بالا اعتراف کے الفاظ مدعا کو مفصلہ ذیل عبارت میں اکیڑہ صریح ترکیب اور نئے انداز سے بیان فرمایا ہے۔

دیباچہ سیرۃ النبی ص ۳۳ نمبر ۵۸ میں مرقوم ہے۔

اور باب سیر باب و علل کے مشہور واقعات میں بحث نہیں کرتے۔ نہ اُن کی تحقیق و تلاش کی طرف توجہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس باب میں پرہیز کا طریقہ نہایت غیر عقلی ہے اور ایک یورپین پورخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے اور نہایت دور اوقیاسات اور احتمالات سے سلسلہ معلومات پیدا کرتا ہے۔ اس میں بہت کچھ اس کی خود غرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے اور اسے اپنے مقصد کو ایک محور بنا لیتا ہے۔ تمام واقعات اسی کے گرد و پیش گھومتے رہتے ہیں۔ بخلاف اسکے اسلامی مورخ نہایت سچائی، انصاف اور خاص بہرہ فراہمی سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے۔ اُس کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی وہ اُس پر اپنے حقائق اور قیست کو بھی نثار کر دیتا ہے۔ لیکن اس میں (سیرت میں) ہر سے زیادہ تفریط ہو گئی۔ اس بات سے بچنے کے لئے کہ واقعات را سے سے مخلوط نہ ہونے پائیں وہ پاس پاس کے اسباب ظاہری پر نظر نہیں ڈالتا۔ اور واقعہ کو خشک، اور اور اور اچھوڑ دیتا ہے۔ فلان لڑائیوں کو اس طرح شروع کرتے ہیں کہ انھیں حضرت علیؑ نے فلاں وقت میں فلاں قبیلہ پر فوجیں بھیجیں۔ لیکن اس کے اسباب کا مطلق ذکر نہیں کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ گفت پر حملہ کرنے اور اُن کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کسی وجہ اور سبب کی ضرورت نہیں۔ عرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں۔ اس سے مخالفین استدلال کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ حالانکہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبائل پر فوجیں بھیجیں گئیں وہ پہلے سے آمادہ جنگ تھیں اور سلطانوں پر جس قدر تیار بن کر چکی تھیں۔

اب خدا خدا کو اس کے آپ کی علت و معلول کا مسئلہ۔ جسکی تلاش کی بڑی تاکید فرمائی گئی تھی۔ شیونہ میں آیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صرف عیسائی معترضین سے آپ کی معرکہ بیت المقدس کی علت و نہایت تھی۔ اسلام بے قصاص کے شخص منسوبانہ اعتراض نے آپ کو حد سے زیادہ ہلا دیا جو ہم آپ کو تسکین و یقین کامل دلائے ہیں کہ وہ اپنی اس تعرض میں قیامت تک کا مباح نہیں ہو سکتے اسلام نے اول تو بے وجہ و سبب کسی پر ہاتھ اٹھایا نہیں۔ اُس کا ہر حملہ کوئی جنگ کوئی غزوہ صورت نہ لےتا نہ چھوڑ کر مخالفانہ طریقہ سے واقع ہوا ہی نہیں۔ اگر ہمارے اتنی بے مبالغہ برہمی ہمارے مخالفین کو اپنی مغویانہ فضا پر اصرار ہے گا تو پھر ہم کو کہنا پڑے گا کہ اسلام کرماد کو بھی وہی ضرورت میں پیش نظر تھیں اور اُن کے لئے کچھ دعاوی اسلام اور تبلیغ شریعت کے پاس یہی بندہ تھے۔ چوتھسی۔ وادو اور سلمان علیہ السلام کو اسلام کو اپنے زمانہ کے جنادوں کے لئے اپنی ہمت، و تبلیغ کیلئے وقت واقع ہوئے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسی اسلام باصم صام کے جواب اعتراض کے متعلق آپ کو اتنی ابتدا سے غفلت اٹھانے کے سامان فراہم کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ مگر سیرت ہے کہ آپ نے یہ چند الفاظ لکھ کر کہ اس بارے سے پہنچنے کے لئے کہ واقعات اس سے متعلق ہیں چاہیں اور یہ کہ وہ (باب سیرت تاریخ) پاس پاس کے ظاہری اسباب پر نظر نہیں رکھتے۔ اہل سیرت کی طرف سے ان کے اسباب وقوع نہ لکھنے کی وجہ تفصیل بھی قلم بند کر دی ہے۔ اس لئے مجھ کو زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن میرے نزدیک شبلی صاحب کی اس تحریر میں اتنا اضافہ اور ضروری ہے کہ اہل سیرت جس قدر حالات و واقعات کی شرح و بیان کے ذمہ دارین اُس قدر اسباب و علل کے نہیں۔ اس بنا پر ان اقسام کی فرو گذاشت اگر کسی واقعہ میں ان سے مرعہ ہوا سے تو قابل اعتراض نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اہل سیرت نے جہاں تک ان اقسام کی کتابوں پر میری نظر ہے۔ سیرت کی کتابوں میں بہت کم ایسی فرو گذاشتیں کی ہیں۔ مگر تاہم سیرت کی تمام کتابیں ایسے خالی نہیں بتلائی جاسکتیں۔ مگر اب یہ اتنی بھی نہیں اور ایسی بھی نہیں ہیں کہ ان کو عیسائیوں کے مفتر یا نہ اعتراض اسلام بالسیف کا اصلی باعث سمجھا جاوے۔ یہ شبلی صاحب کا مقررہ خیال اور مجھ کو نہ قیاس ہے۔ اہل سیرت سے زیادہ اہل حدیث اس کے جواہر ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ غزوات کے حالات و واقعات میں کثیر علل و احوال و احوال حدیث نے آغاز کا لفظ استعمال کیا ہے جسکو شکر اعتراضین کے کان پر نہ گونجتا ہے۔ اور وہ اعتراض کا جملہ پاجاتے ہیں۔ زرقانی مذکر غزوہ ذی قرد میں ابن جبر کے یہ الفاظ مستعمل ملاحظہ ہوں یہ محتمل فی دلسرین الجمع ان تکون احوالہ جینیہ علی اللقاح اور دوسرے مقام پر وہاں اس آئین احوال و

عبدالمطلب بن عبدمنہ - زرقانی ص ۱۷۱

حدیثوں کی کتابوں میں غارہ اور غارو کے الفاظ دیکھ کر عیسائی مومنین پر۔ دیوانہ راہ ہوتے ہیں اس کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اس سے بحث نہیں کرہ اسکے پہلی اور بہت سی معنیوں تک پہنچتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان الفاظ کے اسواہ فترات محدثین کی غیر مقتید روایات کی نقل و تحریر نے بھی مخالفین اسلام کو مختلف قسم کے اعتراض کا پورا موقع دیدیا ہے۔ اور انھیں حدیثوں کا اثر بعض بعض تاریخ دیرت پر بھی پڑا ہے۔ مگر ہم ان کی تفصیل کو یہاں بیان کرنا اسباب نہیں سمجھتے وہ سورۃ الرسول میں اپنے اصلی مقامات پر بیان کی جاتیں گی

سیرت کی عدم صحت پر شبلی صاحب کے اعتراض جیسے حجتیں انکی حقیقت دکھلا دی گئی ہیں۔ سبب انکا ملو مار ہے۔ جو آپ نے اپنے اپنے مجدد اور محقق عصر مشہور کر نیکی عرض حسان سے لکھ کر آپتے دیا چھ اور ان کی نیت قرار دی ہے۔ اور ان تمام خامہ زبانی کا حاصل یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر

حدیث دیرت کے
جدا کا نہ اخذ میں

لکھ کر بتلائے ہیں کہ صحت بیان حدیث و سیرت کی کیا تمام اقسام معلوم و فنون کی جان ہے اور علم و فن میں اس کا کھانا و خیال لازم ہے۔ اگر صحت کا انتظام و التزم نہیں ہے تو نہ حدیث ہی کی روایات قابل استناد ہیں اور نہ سیرت ہی کے واقعات لائق اعتماد۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ چونکہ علم حدیث سے علم سیرت ایک جداگانہ علم خاص ہے۔ اس لئے دونوں کے معیار صحت بھی جدا ہیں۔ علم حدیث کی صحت کا تمام دار و مدار علم رجال پر ہے اور حقیقتاً اس علم کی ایجاد کا افتخار اہل عرب کا اباستنا اور خاصاً تحقیقات ہے جس میں تمام اقطاع عالم کے اقوام و قبائل۔ عام اس سے کہ قابلیت جامعیت میں اہل عرب سے پہلے ہوں یا پیچھے۔ کوئی حصہ نہیں پاسکتے۔ حقیقت میں سرزمین عرب ہی سے یہ کمال پیدا ہوا۔ وہیں اس نے نشو و نما پائی۔ اور وہیں اس نے تمام دنیا کو اپنے فیوض پر نچا کر مالال کر دیا۔

اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ حدیثوں کی صحت رجال تک محدود ہے۔ اور رجال حدیث خاص طور پر صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے طبقات تک بالکل محدود ہے۔ اور باعتبار تعلقات باہمانہ کے یہ طریقہ صحت صحیح اور قریب الواقع ہے۔ اس لئے کہ کتب حدیث مجموعہ ما تخریصت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد۔ اقوال اور احکام کی مجموعہ ہیں۔ اس بنا پر ان اقوال کے حصول و دستیابی کا ذریعہ پہلے وہی حضرات ہوں گے جو آنحضرت مسلم کی ملازمت اور مجالست کا شرف حاصل کر چکے ہوں گے۔ ان کے بعد دوسرے نمبر میں وہ لوگ بھی آئے جنہیں گے جنہوں کو ان اصحاب و انصار سے آنحضرت کے احکام و اقوال سنے۔ یہی حضرات طبقات علم رجال میں تابعین کے نام سے مشہور ہوئے تیسرے نمبر میں وہ لوگ آئے جنہیں جھون نے تابعین سے حدیثوں کو سن کر نقل کیا۔ یہ تبع تابعین کہلائے۔

یہی رجال حدیث ہیں۔ اور حدیث کی صحت بالکل انہیں حضرات کی صحت و یات رآی پر موقوف ہے۔ علم سیرت کے واقعات بھی اگرچہ کسی شخص خاص ہی کے حالات و واقعات ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ نہایت کمال صحیح اور فی الواقع ہوگا کہ سیرت کی صحت رجال کی صحت کی محتاج ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ سیرت کے رجال حدیث کے رجال کے ایسے اصول عقاید کی بنا پر کسی خاص قوم خاص فرقہ اور خاص مذہب تک محدود نہیں ہیں۔ حدیث کے رجال صحابہ تابعین اور تبع تابعین تک آکر تمام ہو جاتے ہیں۔ اور کیونکہ سیرت میں حدیث میں مذہبی احکام و ارشاد کے نصاب کی تفصیل و تشریح ضروری ہوتی ہے اور اس بنا پر ضرور ہے کہ رجال دروادی و فقیہین و ماہرین مذہب ہی ہو سکتے ہیں۔ دوسرے کیونکہ سیرت میں اگرچہ حدیثوں میں بعض بعض نظام سیاسی اور معاملات ملکی و قومی کے احکام و حالات بھی باہر آ سکتے ہیں

لیکن وہ سب مذہب کے ماتحتی اور منہی احکام میں۔ تاریخ و سیرت کے معیار تک نہیں پہنچتے۔
علم سیرت اپنے رجال کو ان حضرت تک محدود نہیں کرتا۔ اور یوں کہتے ہیں: وہ واقعات ملکی اور حالات
قومی لکھتا ہے۔ احکام مذہب لکھنا اس کا کام نہیں بجز مذہبی حضرات کا وہ کیوں محتاج ہونے لگا۔ واقعات ملکی ہونا
یا تو کسی بڑی قوم کے حالات ہوں۔ یا اس قوم کے کسی شخص واحد کے واقعات۔ وہ اس ملک و قوم کے
ہر آدمی کو۔ عام اس سے کہ وہ مذہبی خیال و اطلاع کا آدمی ہو یا نہ ضرور معلوم ہوں گے۔ ہاں مذہبی احکام میں
اور نصاب کو البتہ مذہبی شخص بتلائے گا جو مذہب سے واقف ہوگا۔ اسی بنا پر اہل سیرت و تاریخ نے اپنے
رجال تحقیقی کو مذہبی شخص و افکار ہونے کے حدود خاص سے محدود نہیں کیا اور اپنے دائرہ تحقیق اور حصول
واقعات کو اتنا وسیع کیا کہ اپنے ملک و قوم کے حالات و واقعات بھی۔ اگر ان کو معتبر اور صحیح ذریعہ سے غیر ملک
غیر قوم اور غیر مذہب والوں سے بھی ملے تو بامال انھوں نے اپنی تالیفات و تصنیفات میں نقل کر کے
ہاں نقل کر کے وقت ان کو احتیاط صحت پر ضرور نظر رکھنی ہوتی ہے اور یہ یقین کر لینا ہوتا ہے کہ وہ بیان کنندہ سچا
ہے اور قابل اعتبار۔ اور اس کا بیان کردہ واقعہ اصلیت۔ مناسب اور متن سیرت و تاریخ کے مقرر کردہ معیار صحت
کے مطابق ہوتا ہے۔

اب ان تمام شہادت و مغالطات کا جو اصلی باعث ہے۔ اور جسکی وجہ سے اکثر
لوگوں کو بہت سے مقامات پر حدیث و سیرت کو جنس متیہ اور قسم و اہل ہونے کا
مشبہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض مقامات پر علم سیرت کو علم حدیث سے مستخرج و مستفاد ہونے کا دھوکا ہو جاتا ہے
اور اکثر موقعوں پر سیرت کو حدیث کا قبیح یا روایات سیرت کو مریدانہ حدیث سے فروتر سمجھنے کی غلطی واقع
ہوتی ہے ان سب کا اصلی باعث یہ غلط فہمی ہے کہ سیرت اسلامی یا سیرۃ النبیؐ کی تدوین و تالیف تک
علم سیرت کے وسیع دائرے کو محدود سمجھا جاتا ہے۔ اور اس صنف خاص کی ایجاد و وضع۔ تدوین و تالیف کے
زمانہ اور ایام کو علم اسرار رجال کی طرح ظہور اسلام کے وقت سے قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ صریح غلطی ہے۔ جو محض نظر و
تحقیق کی کمی کے باعث عارض ہوئی ہے۔

سیرت سے خاص سیرت اسلامی
یا سیرۃ النبیؐ سمجھنا غلطی ہے۔

ہم دیکھ کر متلا آتے ہیں کہ علم سیرت من حیث العلم عام اس سے کہ اہل عرب میں اس کا رواج۔
اس کا مذاق جب نہ پیدا ہوا ہو۔ نہایت قدیم ہے۔ دیگر ممالک و اقوام میں اس کا رواج اور مذاق تاریخ عرب سے صد ہا
پیشتر پایا جاتا ہے اسکی ابتداء کا زمانہ تحقیق سے قریب و آئینہ کے درمیان ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ سب سے
قدیم کتاب سیرت کے موضوع پر پوسیدہ سوس پودہ کی ہے جسے ولادت حضرت عیسیٰؑ سے تین سو برس پہلے لکھی
ہے۔ اس بنا پر قدیم سیرت کا زمانہ نامعلوم ہے۔ ہر اس مسئلہ کے خلاف اس کے بعد کے علوم و فنون کی روش

سے قدیم صحیفہ اول سے نقل ہے۔

اسی قدانت کی بنا پر جمیع اہم تفریق حدیث و سیرت کے متعلق۔ اور بتلا آئے ہیں کہ اگر کسی غیر مسلم عرب کے حالات اس وقت لکھے جائیں تو ان میں حدیثوں کے استنباط کہاں تک مدد دے سکیں گے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بغیر استنباط احادیث کے اس غیر مسلم اہل عرب کے تمام حالات تیار و مرتب ہو چکے ہوں۔ تو کیا یہ ایسا شخص کی سیرت نہ کہلائے گی۔ اور کیا اس کتاب پر توجہ اور اعتناء نہ کی جاسکے گی۔ اور کیا وہ ذرا بچہ و جال حدیث سے نہیں فراہم کئے گئے ہوں۔ قابل اعتقاد نہ سمجھے جائیں گے۔ اگر نہیں ہوں گے تو بتلا چارو کے ایک یہود عرب اور نصاریٰ عراقی کی سیرت لکھنے کی کیا صورت ہوگی۔

عرب کی قدیم سیرتیں اور تاریخیں دیکھئے۔ ان کے موضوع اور نظام ایسا ہے کہ ملاحظہ کیجئے۔ حالانکہ یہ سب ظہور اسلام سے صدیوں بعد کی تصنیفات اور کوئی دوسری کوئی تیسری اور کوئی چوتھی صدی ہجرت کی تاریخیں ہیں مگر سب میں عنوان بیان کم سے کم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے آغاز کیا گیا ہے۔ (بڑی۔ ابن سعد اور ابو الفداء اور ابن اثیر و اکثر انہوں نے تو جناب آدم سے ابتدا کی ہے۔) اب غور کیجئے کہ اسلام سے اس وقت پہلے کے حالات جمع کرنے میں۔ انہوں نے اسلامی حدیثوں سے کہاں تک استنباط و استخراج کیا ہوگا۔ اور جب حدیثوں سے ان حالات کا استنباط نہیں کیا گیا تو ضرور ہے کہ غیر قوم و ملک کے لوگوں سے جو پوچھ و پگچھے یا جس کے کلام و اقوال ان کی قدیم کتابوں میں محفوظ تھے۔ یہ واقعات و حالات سننے گئے یا لکھنے گئے۔ اجتماع حالات تو آنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ موجودہ اسلامی سیرتوں کی تاریخات کے وقت غیر قرآن و مذاہب کے لوگ عرب میں بہت کم باقی رہے تھے۔ مگر ان نقل و تحریر کے کام کثرت ہوئے۔ لطف تو یہ ہے کہ وہ حدیثیں انبیاء سابقین اور اقوام قدیمہ قبل اسلام کے حالات میں لکھی گئی ہیں۔ وہ بھی زیادہ تر انہیں اور ایسے ہی لوگوں سے ہیں۔

ان شایعات مندرجہ بالا کے مقابلہ میں۔ اگر ان روایہ غیر اسلامی یا غیر جال حدیث سے نہ کام لیا جاتا تو عرب کی تاریخ کا سلسلہ ہی نہ قائم ہوتا۔ اس لئے سیرت و تاریخ کے آں روایہ جال کی ہیئت پر اتفاق جمہور ہوا اور سیرت و تاریخ کے تمام بیانات قبل اسلام و سیرت ہی معتبر اور قابل استنباط و اندراج سمجھے گئے۔ اور جب تک کہ یہ سیرتیں جاسے ہیں۔ جیسے حدیثوں کی مزایا۔

اب رہا سیرۃ النبی۔ سیرۃ النبی سیرۃ صحابہ اور دیگر اسلامی مہینہ پر کیا مہینہ۔ جس کے تمام واقعات و حالات میں علی الترتیب لہذا ج مذہبی غماز خاص طور پر شامل ہیں اور ان میں سے زیادہ سیرۃ النبی کی ترویج و تبلیغ میں۔ مگر اسکے بھی ابواب و فصول میں مثلاً ہدایت آیت۔

اسلام کے علمی زمانے میں حدیث
سیرت کی باہم تخلیق۔

تعلیم و تہذیب دین ۱۰۰ احکام نصاب فقہیہ وغیرہ وغیرہ کے بیان و تفصیل میں کتاب حدیث سے تھوڑے و بے حدیث اور ضروری ہے کیونکہ ان منہاجین کے استخراج و تہیہ کے لئے ان سے بہتر اور معتبر ماخذ نہیں ملے گا۔ اسکی صلاحیت سیرت میں ہے نہ اسکی جامعیت تاریخ میں۔

باقی رہے غزوات۔ نظام ملکی و سیاسی۔ اصلاح و فہام قومی۔ انتظام فوجی و مالی۔ حکام اخلاق اور حسن شریعت وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام حالات و اوقات کے معتبر ترین ماخذ سیرت کی کتابیں ہیں۔ اسلئے کہ یہی امور ان کے خاص موضوع ہیں اور انھیں کے خاص موضوع پر وہ مرتب کی گئی ہیں شبلی صاحب سیرت کی ان خصوصیات کو اپنے دیباچہ میں اس عبارت و انداز میں لکھ کر قبول فرما چکے ہیں۔

حدیث کی کتابوں میں انحضرت کے حالات، اور اخلاق و عبادت کے متعلق کثرت سے واقعات پائے جاتے ہیں جو سیرت میں کافی واردہ کیے جاسکتے ہیں تاہم ان سے متناہک نہ کئی تعریفیں یا نہیں ہو سکتی، اسلئے علو و ادون میں تاریخی ترتیب جی نہیں۔

مرویات سیرت و تاریخ اسی طرح حدیث میں داخل ہو گئیں جو زیادہ تر اندون و فہون کے باہمی تعلقات اور قربت پر مبنی ہیں اسی بنا پر فن سیرت نے عالم اسلام میں ایک نئی اور عظیم صورت اختیار کر لی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رجال سیرت بھی ترتیب دہی ہیں اور رجال حدیث ہیں۔ اسلئے ایک محدث نے کسی احکام شرعیہ اور نصاب فقہیہ کے بیان کرنے کے ساتھ اس کے اسباب نزول، چاہئے نزل، وقت نزول اور ان تمام تعلقات و واقعات کو بھی جمع کر دیا ہے جو اس نکتہ شرعیہ کے متعلق ایک ایسے مادی نے اس سے بیان کیا تھا اور رجال حدیث و سیرت دونوں میں مشترک تھا۔

اسی طرح تاریخ و سیرت کی کتابوں میں بھی اگر احادیث سے کم کسی اتحد کی تفصیلی و بیان میں بھی حدیثوں سے استخراج و استدلال کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ اسلئے تاریخ و سیرت بھی احادیث کے اقتباسات و اشتباہات سے خالی نہیں رہی ہیں۔ اسلئے بھی وہی سبب ہے۔ لادھی حدیث و سیرت۔ دونوں کا رجال مشترک تھا۔ زیادہ تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کے زمانہ تصنیفات و تالیفات میں۔ رجال دورہ اخیر مختصر نہیں۔ دونوں اصناف فنون کے مصنفین علم سیرت کے بھی ویسے ہی ماہر تھے جیسے حدیث و تفسیر اور فقہ کے عالم متبحر۔ اہل سیرت و تاریخ امام حدیث و تفسیر بھی اور امام حدیث و تفسیر صاحب سیرت و تاریخ بھی چنانچہ شبلی صاحب بھی اس سلسلہ کی تسبیح کر کے اکثر مقامات پر لکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض اعتراف اسلئے حاصل فرماتا ہے کہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

ابن ہشام۔ نہایت فہم اور نامور مورخ و محدث تھے۔ دیباچہ ص ۱۶

بسم ربنا محمد و آلہ کے خفص بن کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال اور ثقہ اور درست علم کے معترف ہیں انکی تفسیر حسن التفسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیہ کا قول ہے کہ دینامین کہیں کوین ان سے پڑھنا نہیں پاتا ص ۱۹

شعبی شہر تخریث ہیں۔ اکثر فزون ہیں کمال رکھتے تھے جن مغازی اور سیر میں ان کو اس درجہ قوم تفسیر تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ کوین ان غزوہ میں ہزیمت خود شریک تھا مگر یہ شعبی نہیں ہے۔ زیادہ ان حالات کو جانتے ہیں۔ ص ۲۰

عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن مخزومی۔ حدیث میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ سیرت بنوی کے نگار علامین تھے۔ ابن سعد نے انکی شان میں یہ الفاظ لکھتے ہیں ومن رجال المدینہ عالم بالانباری رجال مدینہ من علماء مغازی سے تھے ص ۲۱

ولید بن مسلم القرشی۔ شام کے شہر تخریث نہایت قوی الحافظ تھے۔ شام میں ان کے زمانے میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا۔ تاریخ اور مغازی میں دیکھ سے انکار درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا۔ ص ۲۲
عبدالرزاق بن ہمام بن زلفا عمیری ثقات محدثین میں انکا شمار ہے۔ غریب میں کہ یہ قدس شیع تھا ابن ہشیم کہتے ہیں کہ اگر عبدالرزاق مرتد (نشیخ کا معارف) ملاؤ ان سے بھی ہو جائے تب بھی ہم ان سے روایت حدیث ترک نہیں کر سکتے۔

محمد بن عیسیٰ قمی شہر تخریث ہیں۔ جنکی کتاب صحاح سنیہ میں تفسیر درجہ کا تھی ہے سیرت مغازی میں انکا خاص رسالہ ہے۔ جس کا درجہ گذشتہ تصانیف سے الگ ہے۔
ابو بکر محمد بن شیمہ البغدادی محدث میں ابن خزیہ اور ابن ہشیم کے شاگرد تھے۔ اور تاریخ و سیر کے جلیل القدر عالم تھے۔ تاریخ کیسیر اللہ کی تصانیف ہیں۔ ص ۲۵

ابن ہشیم و واہد و جمال کی باہم تخلص اور ان کے بیانات کی افراط و تفریط نے اسلام کی علمی دنیا میں سیرت کے تمام انداز و صورت کو برباد کیا ہے اور حدیث تفسیر و معارف و غیرت کے ان بیانات میں تاریخ و سیرت کے درمیان میں جھگڑا ہے کہ اسکی میاں و جمع کرنے والے دو لوہے نہیں کے جامع تھے۔ اس باہمی تخیل اور سیرا کشت شک و تخریب کے عمل رائد نے انکی امتیاز کو دھوا کر دیا ہے۔

محمد بن ابی ہریرہ باہم تخریب و افراط و تفریط نے ان کے امتیاز و شناخت سے بہرہ نہیں۔ وہ حدیث کا مدینہ کی جا پڑ تفسیر کو تفسیر کے تمام پر سیرت کی تفسیر کی جگہ پروردی تحقیق کیساتھ جان کہ وہ اپنا کام میں لاتے ہیں اور ان کے تصانیف و افتاب سائنس کہ انکی جگہ پروردی سب مقامات پر متعین کرتے ہیں جو اس واقعہ میں

یہ قابل استخراج ہیں کہ کتب حدیث سے ملے جاتے ہیں تو تفسیر سے قابل اندراج ہیں وہ کتب تفسیر سے۔ جنکا تعلق سیرت سے ہے وہ سیرت سے ملے جاتے ہیں اور جو تاریخ سے استنباط کی ضرورت رکھتے ہیں وہ کتب تاریخ سے مستفاد کئے جاتے ہیں۔

یہ شہابی صاحب کی خاص خود غرضانہ مختار و ہا سے ہے کہ آپ صرف حدیث کے استنباطات و فتاویات کو دیگر کتب کے استخراجات و استنباطات کے مقابلہ میں کافی سمجھتے ہیں۔ اور اسی غرض مقصود انہوں نے کتب حدیث کو بلا دلیل و حجت تمام دوسری کتابوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ اس کی تفسیر و تفسیر سیرت پر ہے جس کو آپ اکثر سہارا دیا ہے۔ نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ آپ ہر مقام پر باخیال سیرت کو حدیث کے مقابلہ میں بے اعتبار اور ناقابل استناد ٹھراتے ہیں۔ اور بلا قید و شرط ہر واقعہ حال میں اس کے بیان و اعتبار میں حدیث سے فروتر قرار دیتے ہیں جس کی تفسیر و تفسیر و تفسیر و تفسیر سے مندرجہ بالا استدلال سے کما حقہ ہو گئی۔ اب آگے اس غلط فہم کی صحیح توجیہ بھی لا غلط ہو۔

ترجمہ حدیث کی توجیہ
اور ان کی صاحب کے ترجمہ کا جائزہ

ہم اس طولانی بحث و استدلال کو ترجیح حدیث اور اس سے شہابی صاحب کے غرض و مقصد کی توجیہ اور ان کی توجیہ کے بیان پر تمام کر رہے ہیں شہابی صاحب نے تمام مباحث میں انوار و افہام کی فکر کا یہی ہونا اور غریب عبارت آدمیوں سے اس کی محکوم لکھا ہے اور اپنی لغوی شان و شوکت سے۔ عوام الناس کو مرعوب کر رکھی ہے اور اندر اندر کوشش کی ہے۔ سب سے زیادہ ایک شخص کا حقیقی فرض ہی ہے کہ وہ آپ کی اس طاعت کے اندر نہ لے اور سیرت اسباب و معلول کی توجیہ کرے اور تب تک کہ باآپ آپ کی اتنی سچی و کوشش اور کدو کاوش کی گئی وہ نہ اور سب سے بھی محنتی ہونا ہے۔ تحقیق سے ثابت ہو جاتا ہے کہ سہارا دیا ہے اور سیرت و تاریخ کی کتابوں سے۔ آپ کے خلاف مواضع طلب ہیں نہ کہتے۔ اور ان کے مضامین۔ نہ انجیل اور بیانات سے آپ کے ان بیانات سے تائید کی ضرورت پڑی ہوگی۔ سبکی بنا پر اپنی سیرت موجودہ کا مخرج آپ نے قرار دیا ہے اور قائم کیا ہے۔ باوجود سیرت و تاریخ سے آپ کے بہت سے روایتی ترویج و ترویج لازم آتی ہے۔ بخلاف کتب سیرت و تاریخ و غیرہ کے کتب ہمارے سے نمونہ اور صحیح ترین سے خصوصاً تریب تریب آپ کے تمام مطالب و مقامات تاریخی پر سے ہو جاتے ہیں۔ تمام سچی و کوشش اور کدو کاوش صرف اسی لئے تھی۔

اگرچہ اس وقت اس سوال کی عبارت سے سیرۃ النبی کے ہر ایک غلط واقعہ کی اس پر تمام ہو۔ پوری تحقیق سے ترویج کر دی ہے۔ جو ہمارے علم بیان سے علی الترتیب اور بالترتیب معلوم ہوتی ہے اس کے لئے۔ مگر ہم نے اس میں چند مثالیں لکھ کر اس پر توجہ دینی ہے کہ انجیل و تاریخ کے درمیان میں۔

تفقیص و کسر نشان رسالت۔ عام اہل کلمہ کی اچریت بکریاں چراۓ۔ خاصکر بخاری اور ابن ماجہ کے شیخ کی خاص مرویات ہیں۔ سیرت و تاریخ میں اسکی تفصیل نہیں۔ ابن سعد کے طبقات میں اسکی تفقیص روایت موجود ہے۔ احکام و فتاویٰ رسالت کا صحابہ کی رائے و فتوٰ کا ہمیشہ متبع ہونا خصوصیات محدثین سے ہے۔ اسلامی مورخ اور اہل سیرت اسکا بہتہ کم ذکر کرتے ہیں اور سپر استدلال نہیں کرتے۔ اہل کتابوں میں جان کینوں بظنون کا ضمنی ذکر اچھی گیا ہے۔ وہ مورخ ہوئیے ساتھ اونٹنہ و شہنشاہ کا اثر و نفوذ صفا میت کے سنگ بند اور کھنے کی غرض خاص سے۔ ائمہ حدیث نے صحابہ کی یہ وہ خدمات اور انواع انہام کے حالات لکھے ہیں۔ جو سیرت و تاریخ کے مندرجات میں کین نہیں پائے جاتے۔ مثلاً ہجرت کی وقت حضرت ابوبکر کا خدمت رسالت میں اونٹ نذر کرنا یا کم قیمت ہتھوں نبی صاحب پر دینا۔ یا حضرت ابوبکر کو گھر سے بلا کر اپنے ہمراہ لینا احادیث کے خاص ہے۔ فتاویٰ میں محدثین کے زیر اثر آنی ہوئی سیرتیں اور تاریخیں اول ان واقعات کو استدلال لکھتی ہیں۔ مگر کہتی ہیں تو وہی ہی معتبر حدیثوں سے اسکی تفقیص اور خلاف روایتیں بھی قلمبند کر دیتی ہیں۔ جس سے حقائق ثابت ہوتا ہے کہ اہل سیرت کا نہ ایسی حدیثوں پر اعتبار ہے نہ اپادوں کا مختار حضرت عائشہ کی افضلیت اور محبوبیت حضرت عثمان کا شہدہ مناسب ہے محقق نبی صاحب کی بھی جلد دوم ایسے ایسے شرمناک واقعات سے بھری پڑی ہے جن سے معاشرت رسول پر باہما الزام آتا ہے اور مخالفین اسلام کو حملات اور کافرانہ تعریض کے پورے موقع ملتے ہیں۔ سیرتیں۔ تاریخیں عوامانہ کتبیں ذکر بھی نہیں کرتیں۔ سچانہ کا واقعہ جس درپہ درپہ سنی سے بخاری نے کیا ہے کیا کسی سیرت اور تاریخ نے بھی اسکو لکھا ہے ؟

نفس رسالت کے متعلق مسئلہ اہم اتنے ہی انکشاف حقیقت کو کافی سمجھتے ہیں اب ہم ذیل میں بنی ہاشم اور اہلبیت علیہم السلام کے متبع عموماً اور حضرت علی مرتضیٰ نفس رسول۔ علیہ السلام کی نسبت۔ استخفاف۔ احذات۔ استقاط و فحاشات کی مثالیں ذیل میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ تعمیر کی بناؤ تمیہ آپ نے یاچہ اور آغاز کتاب ہی سے خاصکر اسی لئے شروع کر دی ہے کہ بنی ہاشم کے تمام موردی و فحاشات رحمت اور نماندنی سطریت و وجاہت گاہ اور عرب کے قبائل و اقوام کے ساتھ مخلوط ہو کر عام ہو جائے۔ اسی غرض و دنا سے آپ نے ممتاز بن نبی ہاشم کے حالات و واقعات کو اتنا مختصر کر کے دو تین سطروں سے زیادہ میں نہ لکھا کہ سیرت و تاریخ میں ان حضرت متقدبین بنی ہاشم کے ملکی اور قومی خدمات کے کار کجا نہایت شرح و بسط سے مرقوم ہیں۔ مگر آپ نے انکو بال انداز نہ سمجھا۔ صرف محبت میں کے مختصرات سے کالی جو قدیم لایا ہے سے آپ کے عجیبال اور ہم مذاق تھے

ان ممتاز بن بنی ہاشم کے خدمات کے ساتھ ان کے خصوصیات اور فضائل و مناقب کے اظہار و اعلان

اس کو بھی قطعاً ممنوع القلم فرما دیا۔ اس بنا پر کہ ائمہ حدیث نے انکو بیان نہیں کیا۔ مگر اونیمن تخریص نے حدیثوں کی تالیف کے بعد جب تاریخوں کی تدوین کی تو قصی کے وقت سے ہاشم مرحوم کے عہد تک ہر بزرگ کے تمام خطبات اور سوانح ایک ایک کر کے نقل و قلمبند کئے ہیں جن میں ان حضرات نے تمام قبائل و اقوام حجاز کے مجمع اور جلسہ میں اپنے حقیقی اور اصلی خطاب اہل بیت اور سید القریش سے مخاطب ہونے کے اظہار و اعلان فرمائے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ اور اہلبیت رسول علیہم السلام کے خصوصیات اور خدمات کے متعلق جسطرح مقامات و شخصیات سے امکان و مقداری کے مطابق سیرۃ النبیؐ کے دونوں جلدوں میں پورا کام لیا گیا ہے مثلاً سبقت اسلام کے مسئلہ کا تصنیف محض محدثین صحاح کے جانبدارانہ و غیر جماعی فیصلہ سے کیا گیا ہے۔ سیرت اور تاریخ کی تمام کتابیں اسکے خلاف فیصلہ سالہ ہیں۔ اہل بیت تو یہ ہے کہ محدثین کی ایک کثیر جماعت بھی اسکے ہم آواز ہے۔ حضرت علیؑ کے غزواتی خدمات بدر۔ احد۔ خندق۔ خیبر فتح مکہ۔ حنین۔ اور طائف۔ اور اسی طرح آپ کے تمام تبلیغی خدمات جو عرب کے مختلف اقوام و قبائل کے پیرائے پائے اور اسلام لانے کے متعلق کتب احادیث میں (ابتدائی سے انتہائی مختصر اور چند الفاظ میں مندرج کئے گئے۔ سیرت و تاریخ اسکے تفصیلی طور پر ہیں۔ واقعہ غدیر خم کا صحاح میں ذکر نہیں ہے۔ سیرت و تاریخ میں پورا واقعہ تمام حقیقت اور حقیقت کی تہ تفصیل طور پر مرقوم ہے۔ حضرت علیؑ کی شہرہ خواری (معاذ اللہ) کا واقعہ کسی سیرت اور تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔ مگر سنن ابو داؤد میں جو آپ کے صحاح میں سب جھڑپیں شمار ہوتی ہے۔ اور آپ اسی کی سند منقولہ اور روایت احادیث سے اس پر تحقیق جدید کا اعلان کرتے ہیں۔ مذکورہ طور پر ہے۔

ان کتابوں سے ثابت ہو گیا کہ ان واقعات و حالات کے استقلا و استغناء کے ماضی وہی کتب احادیث تخریص اور اونیمن سے شملی صاحب کا یہ حاصل ہوتا تھا۔ بخلاف اسکے۔ سیرت اور تاریخ کی کتابیں ان کے مخازن نہیں تھیں۔ ایسے سیرۃ النبیؐ میں ان واقعات کی تفصیل تمام تہ تہ تخریص کی کتابوں سے کی گئی۔ اور اسی غرض و ضرورت سے ہر مقام پر ہر ممکن و ناممکن طریقہ سے حدیث کی ترجیح تاریخ و سیرت پر ثابت کر نیکی کو شش گیلی۔ روایات حدیث کی یہاں تک تائید فرمائی گئی کہ انکی روایات احادیث بالکل صحیح طریقہ سے قابل الاستنباط و تلباتی گئی۔ چنانچہ بیباچہ سیرۃ النبیؐ ص ۱۵ میں مرقوم ہے۔

اگرچہ اسی نے بولی واقعہ بیان کیا۔ تو گو ذرائع اور قیاسات کے خلاف ہو۔ اور بولنا ہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو۔ لیکن اس کی روایت قبول کر لی جائے گی (حدیث تخریص معاشرۃ الانبیاء کی تفسیر ہے)

بیباچہ ص ۱۵۔

روایت احادیث کو مرقوم موضوع کی اہلیت اور تراجم حوالہ کی ملاحظہ فیض کے لحاظ سے قبول

کرنا چاہیے۔ ص ۶۱

روایت احمد وہ ہے۔ جس کے سلسلہ اسناد میں کہیں ایک راوی پر مدار وایت ہو یعنی کوئی دوسرا راوی اس کا تواتر نہ ہو۔ اس قسم کی تسلیم انکار اور یقین و ظنی ہونے کے متعلق اہل فن کا اختلاف ہے مگر روایت احمد کی تسلیم سے ظنی نہ کہیں۔ لیکن درحقیقت یہ انکار ہدایت ہے ص ۵۹

(۳۴) شعبل صاحب کا محض لفظ دعویٰ اور اس کی تفسیر و تفسیر اصحاب حدیث کی مدح سرائی کے سلسلہ میں شعبل صاحب نے ایک ایسا غلط دعویٰ کیا ہے جس کو حلیہ و حلیہ و حلیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر آپ نے اپنے اس بے اصل دعویٰ کا وجود پایا ہو گا تو انہیں حدیث کی غیر مقید اور مہموعات مہموعات سے۔ ورنہ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں۔ تو آپ کے اس دعویٰ کے بالکل مخالف اور محارض مشاہد پائے جاتے ہیں۔ دینا بیا ص ۴۵ میں شعبل صاحب کا خطرناک بیان :-

فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب متحرک تھے ہیں ان میں سب سے بڑا تو ای اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہا ہے گا کہ ان کا ظہور سے نہیں دبا۔ حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانے میں ہوئی جنھوں نے خود سے نوٹس برساتا۔ سند سے ایشیا کے کوہک تک سب جامع میں آئی فاطمہ کی توہین کی اور جبکہ میں سنہرے حضرت علی پر لعن کمال آیا (کہ لافانی) سیکرڈن ہزاروں حدیثوں اور معاویہ وغیرہ کے فضائل میں جو امین عباسیوں کے زمانے میں ایک ایک خلیفہ کے نام پیشین گوئی ان حدیثوں میں داخل ہوئیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا عین اسی زمانے میں (غلط ہے ایک صدی بعد) حدیث میں نے علانیہ منادی کرادی کہ یہ جوڑی روایتیں ہیں آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے۔ اگر تاہم عقاید سنہی۔ مرقاۃ بلا علی تازی اور تاریخ خلفاء سیوطی میں خلفاء بنی امیہ۔ از معاویہ تا ولید سب کے سب اللہ تعالیٰ کی لعنت اور رسول اللہ کے وحی برحق کے مقدس طبقہ میں داخل ہیں اور بنو امیہ بنی عباس (عباسیہ) جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے۔ اسی مقام نظر آتے ہیں جان لکھ کر ناچا جائے گا۔

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا کہ امیر المومنین۔ اگر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کو وقت ہوتا تو خلافت کا جگر اس سے نہ ہوتا۔ (دونوں فریق تیر سے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ ابھی سرور باد گیسٹ شہنشاہی آئے اور کھڑکے کا تو خود کھٹکے آئے۔ امیر المومنین کا باپ (سندھیت، عباسیہ جو عباسیوں کے مورثہ اعلیٰ ہیں) وہاں موجود تھا۔ اور اس کو کس نے پوچھا۔ مامون الرشید کو ابی اس گستاخانہ لیکن سچ جو اس کی تمسین کرنی پڑی۔ دینا بیا ص ۴۶

ایک محقق اصل کا ٹکٹ جواب | افسوس ہے کہ شبلی صاحب کو ماموں الرشید کا یہ واقعہ تو یاد رہا مگر اوس کے باپ ہارون الرشید کے موشہ پر اور خصوصاً ایام حج میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے سامنے ایک حقیقی محقق خلافت اور حق گوئی حقیقت کا یہ مفور کہ انا امام المقلوب و انت امام الجسوم صواعق محرقہ ہم قلوب کے امام ہیں اور تم جسوم کے امام ہو۔ (یعنی ہم اصلی امام ہیں اور تم جعلی) نہ یاد آیا۔ پورا واقعہ ابن حجر کی صواعق محرقہ میں ملاحظہ ہو۔

پھر دوسرے موقع پر جب ماموں کے باپ نے مدینہ منورہ میں زیارت رسول صلعم پڑھتے وقت یوں خطاب کیا السلام علیک یا رسول اللہ یا بن ختم۔ سلام ہو تم پر اے رسول اے میرے ابن عم۔ تو رسول اللہ کے اوی حقہ دار اصلی اور قرابت و حقیقی سے فوراً زیارت رسول صلعم ابن الفاظ میں پڑھی اسلام علیک یا ابنا۔ اے میرے پر بزرگوار آپ پر میرا سلام ہو۔ ابن خلکان اس کے بعد کا یہ عالم کہ ماموں ہیں۔ فتخیر وجہ ہارون الرشید ہارون الرشید کے چہرہ کا رنگ سفید ہو گیا۔ یہ حقیقت کا روحانی اثر ہے۔

ماموں ہوں یا حضرت عباس۔ دونوں باعتبار استحقاق حقیقی کے بیکار تھے۔ پھر اوس شاعر دربار کے مبالغہ کا یا اوس کے معترض کی اوس غلط تعریف کا تردید ہی جواب کیے دے سکتے تھے۔ کیونکہ یہ حقیقت اس شاعر کے بیان میں غلطی اور نہ اوس معترض کی تعریف میں۔ لیکن یہاں۔ ماموں کے باپ ہارون کا اصلی محق سے سامنا تھا اور مقابلہ۔ اوس کی حق گوئی اور اظہار حقیقت نے ہارون کے موشہ کا رنگ اوڑا دیا۔ وہ اصلی محق۔ فرزند مخبر صادق حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے۔

مگر اب یہ دیکھ لینا چاہیے کہ ماموں نے اوس معترض کی بے ادبانہ تعریف کی بقول شبلی صاحب تحسین و آفرین کی۔ مگر اوس کے باپ ہارون نے اوس صاف گوئی راست گوئی کا کیا صلہ دیا۔ ابن خلکان لکھتے ہیں فجلہ معہ الی البغداد فحبسہ بها ہارون اوس کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور وہاں جا کر قید کر دیا ویدعلم انہ یزیدوا من قلبہ یقلعون۔ و فیات الاعیان ابن خلکان میں بزیل تذکرہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پورا واقعہ ملاحظہ ہو۔

حقیقت میں شبلی صاحب نے بیکار میں تنبیہ کا نمونہ کیا ہے۔ اور اس کے سلسلہ میں بے فائدہ ان مضامین کا ذکر کیا ہے۔ ہارون کے غرض و مطالب کی توضیح و تنبیہ کہاں تک کر سکیں گے۔ اور انہیں کی تردید و تکذیب ثابت کرتے ہیں شبلی صاحب نے جو نکر اس تنبیہ میں خلافت مضمین سے اپنے

مدعا کی تائید کرنی چاہی ہے۔ اسلئے کہ ہم اون کے ہر بیان دعوے کی علیحدہ علیحدہ ذیل میں تنقید کرتے ہیں۔

(الف) پہلا دعویٰ یہ ہے کہ فن تاریخ و روایت میں جو خارجی اسباب اتر پیدا کرتے ہیں۔ اون میں سب سے بڑا اور قومی اثر حکومت کا ہوتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس کا فخر حاصل رہے گا کہ اون کا قلم تلوار سے نہیں دیا۔

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اور قطعاً خلاف واقع مشاہدات و واقعات اس کے خلاف و نقیض بتلاتے ہیں۔ عنوان عبارت ہی سے قبل صاحب نے اپنی قلمکاریوں کا فتح اباب فرمایا ہے۔ اور تنہا فن تاریخ و روایت ہی میں اسباب خارجی کے اثر کرنے کے متعلق سب سے بڑا قومی اثر حکومت کے اثر کو ٹھرایا ہے۔ اور حدیث کا نام نہیں لیا ہے۔ اس لئے کہ عموماً حدیثیں اس کے اثر سے محفوظ سمجھی جاتیں۔ اگر آپ کو اخفا کے تحقیق شروع ہی سے مد نظر نہیں تھی تو آپ سے خوش منیتی اور پوری کشادہ دلی سے فن تاریخ و روایت کی جگہ صاف صاف لفظوں میں فن تاریخ و حدیث کیوں نہ لکھ دیا کہ آپ کا موجودہ دعویٰ و اقیقت سے کسی قدر زیب ہو جاتا۔ مگر ہرجت میں آپ کا پہلا مدعا تو یہ ہوتا ہے کہ شخص آپ کی ناویدہ قابلیت سے خواہ مخواہ مرتوب ہو جائے اور آپ کے تمام بے اصل استدلال و اقوال کو اثنا صدقاً کہہ کر قبول کر لے۔ حالانکہ آگے چلکر آپ ہی اپنے دست و قلم سے روایت کی جگہ صاف صاف حدیثوں کی خرابی کو لکھ کر ان الفاظ میں دکھلائے گئے۔

حدیثوں کی تدوین بنی امیہ کے زمانہ سے ہوئی..... سیکڑوں ہزاروں حدیثیں ایہ معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلفاء کے نام بنام پشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔

کیا اب بھی روایت کے حدیث اور حدیث کے روایت ہونے میں کوئی شبہ رہ گیا۔ پھر شروع ہی میں روایت لکھنا اور حدیث کو چھپانا کس کام کا ثابت ہوا اور کیا فائدہ پہنچا سکا۔ مسلمانوں کو..... اون کا قلم تلوار سے نہیں دیا۔ اس کے متعلق خود آپ کے اعتراف۔ اصل روگردار و حقیقت حال کو بالکل مخالف اور معارض ثابت کر رہے ہیں۔ دیباچہ نمبر ۱۲ میں ایک علیحدہ عنوان اس عبارت کے ساتھ قائم کیا کہ..... تفسیر و تالیف کی ابتدا..... سے ہوئی۔ اس کے بعد مذکورہ ذیل عبارت حوالہ نمبر ۱۱ لکھی ہے۔

صحابہ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی۔ بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے۔ لیکن جو کچھ تھا وہ زیادہ تر زبانی تھا۔ لیکن بنو امیہ نے حکماً علما سے تصنیفیں لکھوائیں۔ قاضی عبدالکبیر نے جامع بیان العلم میں انکا تذکرہ کیا۔ قول نقل کیا ہے کہنا نکرہ کتاب العلم حتیٰ اگر ہنا علیہ ہو لکن الامراء ہم لوگ علم کا قلم بند کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہاں انکے کہ اس پر امر کرنے سے ہم کو مجبور کیا انھیں امام زہری کی نسبت دیباچہ جس ۱۵ میں تحریر کیا گیا ہے۔

امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے اور حدیث و فقہ میں انکا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ انکا شمار ان کے شیخ الشیوخ میں ہے۔

آپ کے مندرجہ بالا دعویٰ کو آپ کے ان خاص تحریریں و قراروں کی عبارت سے ملایا جاوے تو صرف اسی موازنہ سے آپ کی دعویٰ کی بے اصل اور بے سرو پا کی ثابت ہو جاتی ہے۔ ان کھلے کھلے لفظوں میں آپ اقرار فرماتے ہیں کہ حدیث کی تدوین بنی امیہ کے زمانہ ہی میں ہوئی۔ جنہوں نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ و خیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ اور یہ وہی حدیثوں کی مشین بنی امیہ کے زمانہ سے لیکر بنی عباسیوں کے وقت تک کاسم کرتی رہی۔ اور اس کا رخاۂ میں بڑے بڑے کارکن مشہور و معروف شماع و ضامع شب و روز کا کام کیا کرتے تھے۔ امام زہری۔ حدیث و فقہ کے اعلم العلماء بنجاری کے شیخ الشیوخ۔ مجدد حدیث کا قول آپ خود نقل کر چکے ہیں کہ ہم تو علوم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہاں انکے کہ امر کرنے ہمیں مجبور کیا۔ اور اس قول زہری کے قبل آپ خود معترف لکھ چکے ہیں کہ بنی امیہ نے علما سے تصنیفیں لکھوائیں تو اب اتنے متواتر اقرار و اعتراف کے بعد کیسے کوئی تجویز کر سکتا ہے کہ صرف تاریخ ہی پر حکومت کا اثر ہو چکا اور حدیثیں اس سے محفوظ رہیں۔ حالانکہ آپ کے اقرار اور امام زہری کے اعتراف سے ثابت ہو گیا کہ سب سے پہلے احادیث ہی میں یہ مصنوعات و موضوعات داخل ہو گئے۔ اگرچہ تحقیق سے ان مصنوعات و موضوعات کا زمانہ وفات رسول معلوم کے بعد ہی سے شروع ہو گیا۔ اور سخن معاشرۃ الانبیاء سمیت من سبب اللہ ہذا ھین الامۃ۔ وغیرہ اشادہ کثیر التعداد و احاد۔ دارالاشاعت خلافت سے تیار ہو گئیں مگر مسجد اقصیٰ انکے نزہہ و ضعیف می ریزو۔ آپ ان مصنوعات کا زمانہ حکومت بنی امیہ کو قرار دیتے ہیں اور انھیں کو ان موضوعات کا اصلی واضع ثبوت دیتے ہیں۔ تاخیر ہم آپ ہی کے مختار کو تسلیم کیے لیتے ہیں۔ زمانہ بنی امیہ ہی میں علما سے حدیث کے استماع

حکومت اور اطاعت سلطنت کی چند مثالیں آپ ہی کے اعترافات سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔
 زہری اور تعلقات شاہی | امام زہری کی نسبت آپ لکھتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر بچاؤ کے قابل ہے کہ امام
 موصوف (زہری) سلاطین کے دربار شاہی تعلق رکھتے تھے۔ اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ یہ شام بن عبد الملک
 نے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ امام زہری۔ اعلم العلماء۔ حدیث و فقہ کے بے نظیر عالم
 امام بخاری کے شیخ الشیوخ۔ سلطنت کے دربار ہی تھے۔ سلاطین کے مقرب خاص۔ سلطان
 وقت کے بچوں کی تعلیم دینے پر نوکری بھی تھے۔ کیا اسے تعلقات بمصاحبت۔ مرافقت اور
 ملازمت کے ثبوت اعترافی کے بعد بھی کوئی صحیح العقل آدمی کہہ سکتا ہے کہ ان کا قلم سلطنت
 کی تلوار سے نہیں بنا۔

دیگر نمل اور تعلقات شاہی | امام زہری کی حالت تو معلوم ہوئی۔ اب آپ کی تحریر سے دیگر علماء و محدثین
 کے حالات ذیل میں ملاحظہ ہوں۔ بذیل ذکر حکومت عبد الملک ابن مروان مرقوم ہے۔

امیر معاویہ کے بعد عبد الملک ابن مروان ۶۵۱ھ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ ہر ذی قعدہ ۱۰۰
 تفسیریں لکھوائیں سعید ابن جبیر (صحابی) جو اعلم العلماء تھے۔ ان کو حکم ہوا کہ قرآن کی تفسیر
 لکھیں۔ چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی۔ جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی۔ عطار ابن
 دینار کے نام سے جو تفسیر ضرور ہے وہ انہیں کی تفسیر ہے۔ لہذا کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ
 ہاتھ آگیا اور انھوں نے اپنے نام سے مشہور کیا۔ (ابو الدینان الاعتدال زہری)

حضرت عمر ابن عبد العزیز کا زمانہ آیا تو انھوں نے تفسیر و تالیفات کو زیادہ ترقی دی۔ تمام
 ممالک میں یہ حکم بھیجا کہ احادیث نبوی مدون و تفسیر کی جاوے۔ یہ سعد ابن ابراہیم جو
 بہت بڑے محدث اور مدینہ کے قاضی تھے۔ ان سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے
 اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے۔ علامہ ابن عبد البر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں۔ عن سعد ابن
 ابراہیم قال امرنا عمر ابن عبد العزیز بنحو السنن فكتبناها واذنا ذلنا فبعثنا الى كل ارض له عليها سلطان
 سعد ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم کو عمر ابن عبد العزیز نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ تو ہم نے
 دفتر کے دفتر لکھ ڈالے۔ عمر نے جہاں جہاں اس کی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا۔

ابو بکر بن محمد بن عمر بن حزم انصاری۔ جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث اور مدینہ کے قاضی
 تھے۔ اور امام زہری کے استاد۔ ان کو بھی خاص طور پر احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ (ابو الطیال)

حدیث حضرت عائشہ کی روایات میں ایک خاص حیثیت ہے۔ یعنی اون سے اکثر و درویش
مردی ہیں جو فقہ و عقائد کے ہمارے مسائل ہیں۔ اس لئے عمر ابن عبد العزیز نے اون کی روایتوں
کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا (اعتنا کی) عہد بنی عبد الرحمن ایک خاتون تھیں۔ اذکر حضرت
عائشہ نے اپنی آغوش تربیت میں پالا تھا۔ وہ بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں۔ تمام علمائے اتفاق
ہے کہ حضرت عائشہ کی روایات کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ عمر ابن عبد العزیز نے ابو بکر
بن محمد کو خط لکھا کہ عہد کے مسائل و روایات قلم بند کر کے بھیج دینا۔ (بحوالہ تہذیب التہذیب ج ۲)
عاصم ابن عمر بن قتادۃ الانصاری۔ الملتوی مسئلہ کو حکم بھیجا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر
لوگوں کو منگادی اور مناقب کا درس دیں (دیباچہ سیرۃ النبی از صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۵)

آپ کے خاص تحریر کردہ الفاظ و احادیث صاف بتلا رہے ہیں کہ اس نے اکابرین دین استے
اولین علماء و محدثین نے انہیں سلاطین و افضعیین احادیث یعنی خلفائے بنی امیہ کے حکم و خواہش کے
مطابق اس کثرت سے روایات حدیث۔ سیرت اور منگادی کی تالیف و تدوین فرمائی جس سے
حسب الآثار سعد ابن ابراہیم۔ دفتر کے دفتر تیار ہو کر تمام ممالک اسلام میں ذائع و شائع کئے گئے
اور بقول آپ کے۔ ولید ابن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایات کا دفتر ولید کے کتب خانہ
سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی روایات و تالیفات گھوڑے اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔
(بحوالہ تذکرۃ احناف ذہبی۔ دیباچہ ص ۱۱)

جب شبلی صاحب کو خود معلوم ہے کہ اتنی کثرت سے احادیث و روایات۔ و افضعیین بنی امیہ
کے خاص زمانہ میں اور اون کے خاص حکم سے بن چکی تھیں۔ تب آپ نے پھر کیسے لکھنے کی جرأت کی
کہ علماء حدیث پر سلطنت کے خارجی اسباب کا اثر نہیں پڑا۔ یا اون کا قلم سلطنت کی تلوار سے
نہیں دبا۔

اب یہ سوال تنقیح طلب ہے کہ جب شبلی صاحب کے مرقوم بالا اسے ثبوت و شہود سے
ثابت ہو گیا کہ اس کثرت سے حدیث بنائی گئیں اور پھر اس قدرت و ثبوت کے ساتھ کہ (دورہ
عباسیہ میں) ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں تیار کرائی گئیں۔ تو وہ حدیث بنانے والے
زیادہ تر قابل الزام ثابت ہوتے ہیں یا حدیث بنوانے والے جواب بالکل آسان اور صاف ہے
وہی حدیث بنانے والے۔ جنہوں نے احکام رسول کو رضائے سلاطین کے مقابلہ میں وقف و
قربان کر دیا۔

دوسرا سوال تصفیہ طلب ہے کہ ان علماء و محدثین نے یہ فعل کیسے کیا۔ جواب یہی ہے کہ بعض سلطنت کے دباؤ اور لگاؤ سے۔ جن کی عمریں سلطنت کی ملازمت اور وظیفہ خواری میں گزریں جس کو خود معترفانہ طریقہ سے لکھا بھی جاتا ہے اور پھر پڑھی و لیری سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا قلم سلطنت کی تلوار سے نہیں اڑا۔ تو یہ کیسا غلط و عوامی ثابت ہوا۔ تلوار سلطنت سے الگ اسکے قلم کا نہ دینا کہاں تک ثابت ہوگا۔ واقعات اور صورت حال تو بتا رہی ہے کہ ان کے قلم تو ہمیشہ تلوار سلطنت سے جڑے رہے۔

اولین طین اور سلاطین کی غلامی کا اقرار | شبلی صاحب، محدثین کے قلم کو کپڑے میں۔ ان کا قلم کیا چیز ہے یہاں تو صحابہ اولین اور ثمرین سے انصار و ہاجرین تائیں سکا ایران سلطنت کے شکنجے اور سلاطین امرار حکومت کے پنجہ میں ایسا دبا گیا کہ آخر سب کو کتاب و سنت کے عمل کو ترک کر کے سلطنت کی صاف صاف غلامی کا اقرار کرنا پڑا۔ موسیٰ بن النضر لکھتے ہیں۔

فسار مسلمة في عشرة الاف فارس من اهل الشام | مسلم نے (ابن عقیلہ حکیم زید) دس ہزار فارس کی
حقه نزل الدين من جهة الكوفة (الى ان قال) | جماعت سے براہِ حرہ مدینہ میں پہنچ کر جنگ کا قتل
فقتل الفضل بن عباس وقتل جماعة من الاشراف و | پراکھا۔ اس جنگ میں فضل بن عباس مارے گئے
الوفاء و دام قتالهم حتى اهل المدينة و اباہم | اور ایک بڑی جماعت اشراف و انصار مدینہ کی
مسلمة مدينة النوى ثلاثه ايام يقتلون فيهم | قتل ہوئی۔ بالآخر مدینہ والوں سے شکست پائی
الناس و ياخذون ما جهم من الاسواق و يفسقون | اور مسلم بن عقبہ نے تین دن تک قتل عام کر کے
بالنساء قال الزهري ان قتلى البصرة في الف عام | لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیا اور عورتوں کے
وجوه الناس من القریش و المهاجرین و الانصار | ساتھ حرام کاری کو حلال کر دیا۔ زہری کا قول ہے
و عشرة الاف من وجوه الموال و همن لا يعرفون | کہ سات سو ہاجرین انصار اور دس ہزار عوام الناس
ان مسلمة بالبحر من بقي من الناس على انهم خذل | اہل مدینہ قتل ہوئے اور جو جنگی انھوں نے مجبور
و عبيد. ليزيد ابن معاوية | ہو کر زید ابن معاویہ کی غلامی اختیار کر لی۔

غلامی زید کے خاص الفاظ اقرارِ عہد شدہ و پہلی شاہ عبدالحق صاحب یہ بتلاتے ہیں۔

و مردم را بیدار و بیدار و بیدار و بیدار و بیدار | یعنی زید پادشہ کی غلامی کی بیعت اس شرط سے لگوا کہ زید چاہے
ساعتی نہ اگر زید بخواہد بفرستد و اگر خواہد آزاد کند و | انکو بیچ دے چاہے آزاد کر دے۔ چاہے نفسہ خدا کی اطاعت
نواہد بطلان عہد و خدا نواہد بطلان عہد و خدا | چاہے خدا کی نواہی کا حکم کرے۔ بہانہ بطلان عہد و بطلان عہد

73

اس فتوے کے مفتی حضرت عبد اللہ ابن عمر صحابی ہیں۔ اب اس بیعت و غلامی زید کے جواز بلکہ اس کے وجوب کے فتویٰ دینے والے کون مفتی صاحب ہیں اور ان کی شانِ عظمت کیا ہے؟ تحقیق سے باتفاق جمہور ثابت ہوتا ہے کہ یہ نور دیدہ خلافت اور ہمیں پور سلطنت۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر صحابی ہیں۔ جو صحابہ کبار ہونے کے علاوہ اسلام کے اول محدث اور سب سے پہلے حدیث رسول صلعم کی من حیث الکتاب تدوین و جمع کرنے والے۔ آپ کی اس صحیح یا سند کا نام صادقہ تھا۔ جس کا ذکر شبلی صاحب نے بھی دیباچہ ص ۵ میں فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر نے جس اہتمام اور حسن انتظام سے اپنے اس فتویٰ کا اعلان فرمایا ہے اسکی صورت اعلان صحیح بخاری کی مفصلہ ذیل الفاظ و عبارت سے ظاہر و ثابت ہے۔

عن نافع قال لما اهل اهل المدينة يزيد بن عاصم ان نافع منقول ہے کہ جب اہل مدینہ نے زید کی بیعت سے علیحدگی جمع ابن عمر مشہد و ولدہ فقال انی سمعت النبی صلعم یقول ینصب لکل غادر لو آء یوم القیامۃ وانا قد باعنا هذا الرجل (زید) علی بیع اللہ در سولہ دانی لا اعلم عددا اعظم من ان یبا یعرج علی بیع اللہ در سولہ ثم ینصب له القتال دانی احد منکم خلعت ولا تابع فی هذا الامر ان کانت الفیصل بینی و بینہ اختیار کی تو عبد اللہ ابن عمر نے اپنی اولاد اور متوسلوں کو جمع کر کے یہ اسپیچ دی کہ ایشا الناس میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ ہر غدار کو نیا لے کیلئے قیامت کے دن ایک جہنم نصب کیا جائیگا اور جبکہ تمام لوگ زید کی بیعت کر چکے ہیں۔ تو میری رائے میں اس سے بڑھ کر اور غداری کیا ہو سکتی ہے کہ بیعت کرنے کے بعد زید سے لڑائی ٹھانیں۔ پس تم میں سے جو شخص میری اس رائے کے خلاف کرے گی میں اس سے جدائی اختیار کر دوں گا۔

حدیث بخاری کے الفاظ سے رد و کداحال جب یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر صحابی کبار اور محدث و فقیہ ذمی اعتبار سلطنت کے رباؤ یا لگاؤ سے خالی نہ چھوٹا تو عام محدثین و فقہا کا ذکر ہی بیجا ہے۔ ابن عمر میں دونوں اوصاف جمع تھے۔ صحابیت کی عظمت بھی اور خلیفہ زادگی کے اعزاز بھی۔ مگر افسوس کہ ان بزرگ نے حکومت کے اقتدار کے سامنے نہ اپنے ذاتی اعزاز و وقار کی کوئی قدر کی نہ ان فدائیان قوم و ملت کے جانی اور مالی ایشار کی۔ اور محض بنی آئینہ کی تلوار کے خوف سے ایسا مرغوبانہ فتویٰ شائع فرمایا جس کے مملک اثر نے بالآخر باقیماندہ صحابہ۔ مہاجرین و انصار مدینہ کو زید کا غلام بنا دیا۔

عبد اللہ ابن عمر کا غلط اجتہاد | اب حضرت عبد اللہ ابن عمر کی اس بیان کردہ حدیث رسول اور حقیقت خلافت

نیز یہ کہ اجماع مہاجر و انصار کی مختار کے ساتھ مل کر غور کیا جاوے تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فی الواقع یہ قول رسول تھا اور عبداللہ ابن عمر نے اسکو آنحضرت سے سنا تھا تو پھر ان باغیان مدینہ سرکشان کوفہ اور غدارانِ مصر کے سامنے اس حدیث کا کیوں اعلان نہ فرمایا۔ جنہوں نے حضرت عثمان سے خالی خسلع بیعت ہی نہیں کیا بلکہ ان کو قتل بھی کر ڈالا۔ ابن عمر اسوقت مدینہ ہی میں تھے۔ اور باغیان عراق و مصر بھی مدینہ ہی میں پڑاؤ ڈالے تھے کئی روزوں تک ہفتوں تک حضرت عثمان اور جاحث باغیان میں خلع خلافت کے لئے سوال و جواب اور رد و مکدیش رہی۔ مگر ابن عمر صاحب نے ایک دن بھی گھر سے باہر نکال کر باغیان کوفہ و مصر اور اہل یان مدینہ کو یہ حدیث سنا کر اور ان کی موجودہ حرکتوں کو بغاوت ٹھہرا کر متنبہ نہ فرمایا۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کے نزدیک حضرت عثمان کا خلافت پر اصرار بجا تھا اور ناحق۔ اور فرما ہے باغیان و غدار کا اصرار جائز اور حق تھا۔ اسی بنا پر اس حدیث کے اعلان و اشاعت اور باغیوں کی تنبیہ و موعظت نہیں فرمائی گئی۔

اس موقع پر آپ کا سکوت اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ کے جہد انہ مختار میں خلافت عثمان اتنی واجب الاتباع و لازمۃ نہیں تھی۔ جیسا کہ یہ بد کی سلطنت۔ کیونکہ اگر خلافت حضرت عثمان میں بھی اتنی ہی اہمیت ہوتی۔ تو حضرت عبداللہ ابن عمر اس خلافت کے ساتھ غدر و بغاوت کر سنے والوں کو بھی ویسے ہی باغی اور غدار ٹھہراتے۔ اور عقاب عذاب الہی سے بھی اسی طرح ڈراتے۔ جیسا اس وقت نیزید کی خلافت سے خلع و بغاوت کرنے والوں کو باغی اور غدار ٹھہرایا گیا ہے۔

ابن عمر کی اسوقت کی خموشی اور اسوقت کی خموشی اور اسوقت کی پر جوشی بے وجہ اور بلامعنی نہیں تھی۔ آپ حمایتِ خلافتِ نیزید کے مدد و یو کی وقت

ہی سے وہ وار ہو چکے تھے۔

تاریخ روفۃ الصفا جلد سوم کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

معاویہ لعبداللہ ابن عمر گفت کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را چون نگاہ کنایم کہ بے شاہان باشند از این روز نیزید را بولایت عود پر کشیدیم و مراں ہمہ امرا و ولیدان اور پذیرفتند۔ الا چند تن قریش

عبداللہ ابن عمر سے معویہ نے کہا کہ ہم امت محمدیہ کو نیکو بے شاہان (چند است) کے کیسے چھوڑتے اسوجہ سے کہ میں نے نیزید کی پستی کا قصد کر لیا اور تمام مشرور کے لوگوں سے تقریباً اوکی دیکھ رہی ہوں کہ قبول کر لیا ہے۔ اسوجہ چند قریش کے لوگوں کے۔ ایہ تھے ان کی (قریشیوں) مخالفت کے متعلق اپنی کیا رائے قائم کی ہے۔

کنوں تو دریں مخالفت چہ اندیشہ نمی
عبداللہ گفت: هیچ میخوانی کہ تقدیم
امرے کنی کہ فتنہ آنجیغشتہ نشود و
خون مردم ریختہ نہ گردد و بر تو عصیانے
فرونیاید معاویہ گفت: چرا سخا ہم چنین
امرے را دو سست دارم عبداللہ
گفت: سریر خود را نصب کن و بر فراز
آن بنشین تا من بنشینم بیایم
باتو کنم بیعت بشرط آنکہ بعد از تو نصب
امامت اجتماع باشد سوگند با خدا کہ
بعد از تو اگر امت پیغمبر انجمن شوند و
غلام حبشی را با امامت برگزینند من
داخل شوم در آنکہ امت داخل شدہ اند
ایں بجفت و داخل سراسے خویش
گشت و در برابر روستے خویش و بیگانہ
فروست و ہر کس از دوستاں عزیم و
زیارت دے میگرد و زیارت نمی داد

عبداللہ نے جواب دیا کہ جو امر آپ کرنا چاہتے ہیں وہ صرف ایسا ہوتا
چاہیے کہ اسکے باعث سے آدمیوں کی خوزیری نہ ہو اور ملک میں
فتنہ و فساد نہ پھیلے جس کی وجہ سے آپ پر ارتکاب عصیاں کا
اطلاق ہو۔ معاویہ نے کہا کہ میں ایسے امر کو خود پسند کرتا ہوں اور
کیونکہ اس سے پسند کرنے کی خواہش نہ کروں گا۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے
تو پر آپ اپنی منہ امارت بچائیے اور اس پر جلوس فرمائیے۔ میں پہلا
شخص ہوں گا جو حاضر دربار ہو کر آپ کی بیعت کروں گا۔ مگر اس شرط پر
کہ آپ کے بعد انقطاع امامت بقاعدہ اجتماع امت جاری ہو۔ خدا کی
قسم اگر آپ کے بعد امت رسولؐ کی بیعت کرے ایک غلام حبشی کی
امامت پر ہی اتفاق کرے تو میں اسی امر میں داخل ہوں گا۔ جس پر
امت کا اجتماع ہو چکا ہے۔ اتنا کہ کہ عبداللہ ابن عمرؓ اپنے گھسہ
برخصت ہو گئے۔ گھر کے دروازے بند کر کے۔ اور تمام اصحاب و اعزہ
سے ملنا جٹنا موقوف کر دیا۔ اگر کوئی شخص آپ کی زیارت کو آتا ہی
تھا تو اسکو زیارت کی اجازت نہ دیتے تھے۔

ہم کو یقیناً حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے اس طرز عمل پر اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے
کیونکہ یہ امر نہ ہمارا موضوع بحث ہے اور نہ مقصود استدلال۔ مگر ہم اتنا کہ ضرور بتلا دینے کے
مستحق اور ذمہ دار ہیں کہ عبداللہ ابن عمرؓ کے ایں سکوت نے معاویہ کے حصول مقاصد میں بڑھی قوت
پونجائی۔ اگر ان کے اس حسن خدشت کی زیادہ تحقیق کی جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ عبداللہ نے اپنے اس
طریقہ عمل میں اپنے پدر بزرگوار کی تقلید اختیار فرمائی ہے۔ جنہوں نے اپنے ایام حکومت میں بنی امیہ
کی دہشتی ہوئی کشتی کو پھر ساحل مراد تک پہنچا دیا تھا۔ اب ان کے بعد ان کے خلف الرشید نے
و بعد ہی نیز یہ کے مسئلہ خاص میں اس سرگرمی سے تائید فرمائی کہ تمام حکام اسلام کی حکومت اگر ہمیشہ کیلئے
نہیں تو کم از کم سو پر ہاں تک بنی معاویہ و بنی مروانیوں کے لئے مستقل ہو گئی۔

عبداللہ ابن عمر خلافت یزید کے لئے شرط اجماع لگا کر قطعاً پھر گئے۔
روضة القضا (ابن اثیر و ابن قتیبہ کا خلاصہ ہے) کی مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہو چکا ہے کہ ابن عمر صاحب نے خلافت یزید کو اجماع امت پر مشروط فرمایا تھا۔ مگر جب وہ وقت آیا تو آپ نے بلا انتظار اجماع و اتفاق امت جس خلوص اور حسن عقیدت سے یزید کی بیعت فرمائی ہے اوس کی کیفیت تاریخ ابوالفداء کی مفصلہ ذیل عبارت سے ثابت ہے۔

بویع یزید بخلافۃ لما مات ابوہ
فہی رجب سنۃ ستین ولما استقر
یزید فی الخلافة ارسل الی عاملہ بالمدينة
بالزام الحسنین وعبد اللہ ابن الزبیر
عبد اللہ ابن عمر بالبیعة فاما ابن
عمر فقال ان اجتمع الناس علی بیعتہ
فبايعته واما الحسنین وعبد اللہ ابن
زبیر فلم یبايعا فقال لهما
ابن عمر اتقیا اللہ ولا تفرقا
جماعة المسلمين

معوہہ کے بعد یزید کا (شام میں) بیعت کی گئی اور جب وقت
پر وہ مسلط ہو گیا تو اوس نے عامل مدینہ کو لکھا کہ حسین۔ عبد اللہ
ابن زبیر اور عبد اللہ ابن عمر سے میری بیعت ضرور لیجائے۔
چنانچہ ابن عمر نے تو اس وقت بیعت کر لی اور کہا کہ اگر لوگوں
نے یزید کی بیعت پر اجماع کیا ہے تو میں بھی اوس کی بیعت
کئے لیتا ہوں۔ لیکن امام حسین اور عبد اللہ ابن زبیر نے بیعت
سے قلعی انکار کر دیا۔ اور بیعت نہیں کی۔ جب امام حسین
اور ابن زبیر نے یزید کی بیعت نہ کی تو ابن عمر نے ان دونوں
صحابوں سے کہا کہ تم لوگ خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت
میں تفرقہ نہ ڈالو۔

عبداللہ ابن عمر کی اس وقت کی پرچہ
اور دوسرے وقت کی روپوشی

بیعت یزید کے وقت تو حضرت عبداللہ ابن عمر کی خوش عقیدگی اور پرچہ
کا یہ منظر دکھائی دیتا ہے اور بیعت علی کے وقت آپ کی ناتوجہی۔

بے اتفاقی اور کنارہ کشی کی خاص کیفیت۔ مروج الذهب مسعودی۔ اسد الغابہ جزری۔ اور تاریخ کبیر طبری
کی مفصلہ ذیل عبارتوں میں ملاحظہ کیجائے۔

تعد عن بیعتہ جماعة عثمانیہ
منہم سعد بن ابی وقاص وعبد
اللہ ابن عمر و یایعہ یزید
بعد ذالک
تخلف عن بیعة جماعة من الصحابة
منہم ابن عمر

اون کی (حضرت علی) بیعت سے ایک جماعت عثمانیہ نے کنارہ کشی
اختیار کی جن میں سعد بن ابی وقاص و عبد اللہ ابن عمر ہی تھے۔
حالانکہ آگے چکر اندونوں صاحبوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت
کر لی مگر حضرت علی کی بیعت نہیں کی۔ اسد الغابہ میں ہے:-
صحابہ کی ایک جماعت بیعت علی سے باز رہی اور اون میں ابن
عمر ہی تھے۔

تاریخ طبری میں ہے :-

بایع الناس علیاً بالمدینہ و تزویج سبغۃ ففلم
یبایعوا منهم سعد بن ابی وقاص و منهم ابن عمر (الان قال)
وله یتخلف احد من الانصار لا بایع فیہما نعلم

یہ میں لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی لیکن سات آدمیوں نے
نہیں کیا اور بیعت نہیں کی جن میں سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ ابن عمر
بھی تھے اور جہاں تک تحقیق ہوا ہے انصار میں سے کسی ایک
نے بھی حضرت علیؑ کی بیعت سے خلف نہیں کیا

نہیں معلوم کہ عبداللہ ابن عمر صاحب کے دماغ میں خلافت علیؑ کے انعقاد کے وقت - اجماع امت
کا ادب اوس کی حرمت اور قدر و منزلت - اوس ثابت و عصبیت کے بعد جیسی کہ خلافت و امارت یزید
کے وقت ثابت ہوتی ہے - پیدا ہوئی تھی یا نہیں - اگر اس وقت بھی اجماع امت کی ایسی ہی اہمیت تھی
تو پھر غدرو بغاوت کا فتویٰ عام جو خلافت یزید سے خلع و انکار کے متعلق تمام اہل اسلام کے لئے دیا
گیا تھا اور جس کی بنا پر خلیفہ امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر خدا کے عذاب سے ڈرائے گئے اور
بیعت یزید کے لئے ذمہ دار اور جواب دہ بنائے گئے - وہی فتویٰ وہی حکم - اتباع اجماع کے متعلق -
خلافت علیؑ سے انکار و خاموشی اختیار کرنے کے وقت اپنی ذات پر کیوں نہ لگایا گیا - ہاتھ بڑھا نہ
ان کنتہ صادقین -

اور اگر یہ خیال اس وقت تک اون کے ذہن نشین نہیں تھا اور علین خلافت یزید کے وقت پیدا ہوا
تو صحابہ - علماء - محدثین - مفسرین اور فقہاء کے لئے بھی طرز عمل - سلطنت کا حقیقی دباؤ اور اصل لگاؤ
ثابت ہو گا - اور شبلی صاحب کی اتنی بڑی مطول اور مفصل فہرست صحابہ محدثین ہیں - کم سے کم حضرت
عبداللہ ابن عمر ہی پہلے صحابی اور محدث ثابت ہوئے ہیں - جن کا قلم سلطنت کی تلوار سے دبا ہی نہیں
بلکہ حقیقتاً اوسے نوک شمشیر سے بنایا گیا -

مگر نہیں - تنہا عبداللہ ابن عمر ہی ایسے صاحب قلم نہیں ثابت ہوئے ہیں - بلکہ ان کے ایسے
کثیر التعداد صاحبان علم و قلم ایسے ثابت ہوئے ہیں - جن کا قلم ہمیشہ سلطنت سے دبتا رہا
اور جن کا قلم کئی صدیوں تک شمشیر حکومت کی نوک سے برابر بننا رہا - اس کی تفصیل علامہ مداحی
کی کتاب الاحداث کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو -

کتب معویۃ الی عمالہ فی جمیع الافان لا
یحیزوا الاحد من شیعۃ علی و اہلبیتہ
شہادۃ و کتب الیہم ان انظر و امن
فیکرم من شیعۃ عثمان و حجہ

معتویہ نے اپنے ممالک محروسہ کے تمام محال کو یہ فرمان شاہی لکھ
دیجا کہ حضرت علیؑ اور ان کے اہلبیت کے کسی شیعہ کی گواہی نہ قبول
کی جائے اور یہی تاکید لکھ دیجا کہ حضرت عثمان کے شیعہ اور
ان کے اہلبیت کے ساتھ محبت رکھنے والوں کے اقوال برابر

واهل بيته والذين يرون فضائله و
مناقبه فادلناهم بالسهم وقربواهم
واكرمواهم واكتبوا المصابيل ما يروى
كل رجل منهم واسمه واسم ابيه
وعشيرته ففعلوا ذلك حتى اكثرت
وفضائل عثمان ومناقبه لما كان
يبعثه اليهم معوية من الصلوات
والكساء والحببات والقطائع ويقيضه
في الحرب منهم والموالي فكثر ذلك
في كل مصر وتنافسوا في المنازل
والدين فليس ابي احد من الناس الا مار
عامل من عمال معوية ولا يروى في عثمان
فضيلة او منقب الا كتب اسمه وقربه
ويشفقه فلبثوا بذلك حينما تم كتب
العمالة ان الحديث في عثمان
قد اثاروا فشا في كل مصر وفي
اهل وجه وناحيه فاذا جاء ثم
كتابي هذا فادعوا الناس الى
الرواية في فضائل الصحابة والخلفاء
الاولين ولا يتركوا خيرا يروونه احدا من
المسلمين في التوراة الا والوني بمنافض له في القضا
فان هذا احب الي راقر عيني وادحض الحجة
الى تراب وشيعته واشد عليهم من مناقب
عثمان وفضله فقرئت كتب
على الناس في بيت اخبار

قبول کے جائیں اور ایسے جو لوگ حضرت عثمان کے فضائل و
مناقب بیان کریں انکو اپنی جلوت و خلوت میں قربت خاص کا
مرتبہ دیا کرو اور انکے اکرام کیا کرو اور انہیں سے جو کوئی جو کچھ
رفضائل عثمان و بنی اُمیہ بیان کرے۔ ان میں سے ہر ایک
کے نام مع ولدیت اور قومیت لکھ دیجو۔ چنانچہ ماتحتی عثمان
مالک نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ فضائل مناقب حضرت
عثمان میں کثرت سے حدیثیں جمع ہو گئیں اور معویہ نے ان
تمام اشخاص کو انوار و انعام کے صلہ جات۔ خلعات عجبہ جات
اور اراضیات جاگیرات اور کنیز و غلامان دے دیکر تمام عرب
میں انکو مال مال کر دیا۔ یہاں سے لوگ تمام دیار و امصار میں
پھیل گئے اور کثرت سے ہوتے گئے۔ اور ان غلامان معاویہ میں
کوئی عامل ایسا نہیں چوماجس نے معاویہ کے من فرمان ہی
کے خلاف کسی ایسے شخص کو جس نے حضرت عثمان کے فضائل
مناقب میں روایت کی ہو۔ اور عاملین معاویہ نے اس کو درجہ
قربت نہ دیا ہو۔ یا اس کا نام لکھ کر دربار معاویہ میں اسکی سفارش
نہ کی ہو۔ یہی حالت برقرار ہے۔ تا انیکہ فضائل عثمان میں ضرورت
سے زیادہ حدیثیں تیار ہو گئیں۔ تو معاویہ نے اپنے عمال کو
دوسرا حکم دیا اس مضمون کا لکھا کہ پھر نہ فضائل عثمان میں شہیں
زیادہ ہو گئیں اور ہر باد و اطراف امصار میں کثرت سے پھیل
گئیں۔ اس لئے بغور رسید حکم نہ ہوا کہ لوگ ان لوگوں کو روایات
احادیث کو بکار حکم عام دیا۔ ذکر اب فضائل صحابہ او خلفائے
سابقین کے متعلق حدیثیں مرتب کریں۔ اور مجاہد کو اس امر کی
فورا خبر کرنے سے کسی وقت غافل نہ رہو کہ جب کوئی شخص
امت اسلام میں کوئی حدیث یا روایت ابو تراب (حضرت علیؓ)
کا شان میں بیان کرے تو اسی وقت اس کی مناقب حدیث

کثيرة وفي مناقب الصحابة
والخلفاء الاولين مفتعلة
لا حقيقه لها وجد الناس
في رواية ما يجري
هذا المجري حتى اساروا بذكر
ذلك على المناظر والقي الی
معلم الكتاب بيب فاعلموا
صبا لهم وعلماء فممن ذلك
تشير الوسخ حتى سروده و
تعلوا لکما يتعلمون القرآن
حتى عملوا لا بنا فممن ذلك
خلفهم وحشمهم

صحابہ کی شان میں تیار کر ل جائے۔ کیونکہ یہ امر محکوم سب سے
زیادہ محبوب ہے اور اس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی
ہے۔ اور انکو بیان الی تراب سے سخت منع کرو اور مناقب عثمان
کے بیان کے لئے سخت تاکید کرو۔ الغرض یہ فرمان معاویہ
پر ہر سب کو سنایا گیا اور لوگوں نے کثرت سے فضائل صحابہ
میں ایسی ہی حدیثیں تیار کیں جن کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔
انہیں حدیثوں کو ان لوگوں نے شارع عام پر اجاڑا دیا۔ یہاں
تک کہ مسجدوں کے منبروں پر یہ حدیثیں بیان کی گئیں اور معلمین
نے انکو کتب درسیہ میں لکھ لکھ کر انکو اور جوانوں کو پڑھائیں اور
انہیں انہیں اور پھر ان کی تعلیم کو اتنی ترقی ہوئی کہ یہ قرآن مجید
کی تعلیم کے برابر ہو گئی اور مسلمانوں کی تمام لڑکیوں۔ عورتوں اور
گھر کے غلاموں اور کینڑوں تک کو پڑھائی اور یاد دہرائی گئیں۔

ان شہود کثیرہ کے بعد بھی شبلی صاحب یا کوئی اور صاحب اونکے ہتھیال۔ ایسے دعوے کر سنے پر
جرات کر سکتے ہیں کہ علماء محدثین کا قلم شمشیر سلطنت سے نہیں دبا۔ دینا کیسا ان شواہد نے تو ثابت کر دیا
کہ ان کے قلم تلوار حکومت سے دبے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ شاہی تلوار کے پھلوں اور لوگوں سے بڑھتے
اور درست ہوتے رہے۔

علامہ درانی کی عبارت بالا سے ان حضرات کی اجمالی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے ممکن ہے کہ کہا
جائے کہ یہ اضعیفین حدیث بعض معمولی۔ غریب۔ ناتمامت اور حکم پرور طبقہ کے ادنیٰ لوگ تھے۔ اس لئے
مزدوری سے کہ ان میں سے چند ممتازین علماء و فنکار کی غنت کی کیفیت لکھ کر حقیقت حال کا انکشاف کر دیا جائے۔
حضرت عبداللہ ابن عمر صاحب کے تعلقات شاہی اور مفصل بیان ہو چکے ہیں۔ ہم ذیل میں ان
کے ہمسر ہوزن اور ہمپایہ صحابی و محدث حضرت ابی ہریرہ کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں تاکہ انکو محفوظ
رہیں۔

صحابہ قند سے تھے۔ مرد فقیر و مفلس تھے فاقوں اور بھوک
کی شدتوں کا مزہ چکھے ہوئے تھے۔ پر بعد جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حالت ابھی ہو گئی اور انہوں نے

ابو ہریرہ معمولی آدمی تھے وکان من
اصحاب الصفہ فقیرا ذات
جو عا وفاقہ ثم بعد

مال کثیر جمع کر لیا۔ یہ بہت عابد تھے کثرت سے ذکر و وظائف کیا کرتے تھے۔ (زمانہ معاویہ میں) ایک بار والی مدینہ کے نائب مقرر ہوئے۔ بار دیگر اسی طرح مروان کے وقت میں نائب بنائے گئے جب بازار میں نکلتے تھے تو ان کے سر پر جوچہ ہوتا تھا۔ امام ابن عبد اللہ استعجاب میں ان کے حال میں لکھتے ہیں کہ یہ پیٹ بھر دینے سے راضی رہتے تھے۔

البنی صلی اللہ علیہ والہ وسلم
صلی حالہ وکثر مالہ وکان کثیر التقب
والذکر ولی امرہ المدینہ و نائب ایضا عن
مروان فی امرها وکان یمشی فی السوق
ویمشی الخزیمۃ وقال ابن عبد البر فی الاستعیان
فی حالہ راضیا بشعب بطنہ۔

ابو ہریرہ ذہبت تھے اور مذہب سیرۃ حلبیہ میں علی ابن برہان الدین حلبی شافعی لکھتے ہیں :-

جب حضرت علیؑ اور معاویہ میں جنگ (صفین) واقع ہوئی تو ابو ہریرہ کا طرز عمل یہ تھا کہ نماز حضرت علیؑ کے پیچھے پڑھتے تھے اور کھانا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے تھے اور جب اطائی ہوتی تو ایک ٹیلے پر چڑھ جاتے تھے۔

ولما وقع القتال بین علیؑ و معاویہ وکان
ابو ہریرہ یصلی خلف علیؑ کما مر اللہ وجہہ
و یحضر طعام معاویہ و عند القتال
یجسود علی التل۔

توفیق امام مدنی صاحب کتاب الاحداث۔ حافظ ابو سعد سمعانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں

ابو الحسن علی ابن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیدف المدائنی مولیٰ عبد اللہ ابن سمرقہ القرشی و هو
بصری سلک المدائن ثم انتقل عنہا الی بغداد فلم یرل بها الی حین وفاته و هو صاحب الکتب
المنفردہ روی عنہ الزبیری ابن بکار و احمد بن حنبلہ و ابو جریث ابن ابی اسامہ قال یحییٰ ابن معین
خیر منۃ اکتبر من المدائنی کتبہ وکان ابو العباس یقول من اراد اخبار الاسلا م فخلیہ لیکتب
المدائنی توفی بها فی ذی القعدۃ سنۃ اربع و عشرين و ما ستین وکان عالما بابائہ الناس اخبار
العرب و انسابہم عالما بالفتوح و المغازی و رواۃ الشیخہ و قانی ذلک ذکرہ غیرہ انہ توفی سنۃ
خمس و عشرين و ما ستین و لہ ثلاث و تسعون ترجمۃ ابو الحسن علی ابن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیدف المدائنی عبد اللہ بن سمرقہ قرشی کے
غلام تھے پھر کے باشندہ تھے شہر مدائن جاکر رہے تھے۔ پھر وہاں سے انکار بغداد میں مقیم ہوئے اور پھر روز وفات تک یہیں رہے وہ
صاحب تصنیفات کثیرہ ہیں۔ اُنہ زبیری ابن بکار احمد بن حنبلہ ابو جریث ابن ابی اسامہ نے روایت کی ہے یحییٰ ابن معین نے ایک بار نہیں
کئی بار کہا کہ کتاب مدائنی سے روایت پر نقل کرو اور ابو العباس کہتے تھے میں گو کہ انکا ارادہ ہو کہ اخبار اسلام لکھیں انکا فرض ہے کہ کتاب اُسی سے
لکھیں۔ مدائنی نے تصنیف ۲۷۲ میں اہتمام کیا۔ وہ ایام عرب۔ اخبار عرب و انساب عرب کے پچھتے عالم تھے۔ اور فتوح مغازی اور اشعار کے بھی
بڑے عالم تھے۔ اور ان علوم میں صدوق تھے۔ ابن ابی اسامہ کے علاوہ اور لوگوں انکا سن ثابت ہے ۲۲۵ ہجری اور عمر انوی برکات لکھی جو۔ المولف علی عنہ

بیت المال میں خیانت کر چکے تھے۔ عقد الفریہ۔ معجم الادوار اور حجم البلدان میں ہے۔

قال عبد اللہ بن ہریرہ یا عدو اللہ وعدو کتابہ قتل مال اللہ۔ حضرت عمر نے ابو ہریرہ کو مخاطب کر کے کہا اے دشمن خدا و دشمن کتاب خدا تو نے مال خدا میں چوری کی۔

جھوٹی حدیثیں بتاتے تھے صحیح بخاری میں کتاب النفقات باب وجوب صدقہ اہل و عیال سے انکار کذب صریح پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ سے منقول ہے۔

قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصدقة الی ان قال ان قالوا یا ابا ہریرہ عن لفظ ابو القاسم رسول اللہ قال لا هذا من کیس ابو ہریرہ نے کہا کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ افضل صدقہ وہ ہے۔ (تا آخر حدیث) لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ کیا رسول خدا صلعم نے ان ہی الفاظ سے کہا ہے تو کہا کہ نہیں۔ یہ ابو ہریرہ کی دانائی ہے۔

وضع حدیث کیلئے حضرت عمر زمانہ رسول اللہ صلعم ہی سے حدیث سازی کی علت میں یہ مبتلا تھے۔ چنانچہ اسی نے انکی تادیب فرمائی۔ بنا پر خاص محمد رسول میں حضرت عمر نے حدیث من قال لا الہ الا دخل الجنة کے اعلان کرنے پر ان کو مارا تھا۔ (صحاح وغیرہ)

حدیث سازی بعد محمد رسول صلعم پھر حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسی حدیث سازی کے جرم میں ابو ہریرہ کو بار دیگر مارا اور فرمایا کہ آئندہ ایسی حدیثیں بیان کرو گے تو جلا وطن کر دئے جاؤ گے۔ (رسالہ اثر ابن عباس از مولوی عبدالحی لکھنوی)

حضرت علی کی تنقید شان میں جھوٹ حدیثیں معاویہ کے حکم سے بنائیں شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید معتزلی سے ثابت ہے کہ ابو ہریرہ اور سحرہ بن جندب صحابی سرکار معاویہ میں خاص حدیث سازی پر مامور تھے۔ اور اسی زمانے میں۔ ابو جہل کی بیٹی سے ارادہ نکاح پر حضرت علی سے پیغمبر خدا صلعم کی بیزارمی والی حدیث بنائی گئی اور اسی طرح وہ حدیث بنائی گئی جو بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے نماز تہجد کے لئے فرمایا اور انہوں نے اُسکے ادا سے انکار کر دیا۔

حضرت عائشہ پر گستاخانہ تعریف امام حاکم مستدرک میں ذیل کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

عن عائشہ دعوت ابو ہریرہ فقال لیا ابا ہریرہ ما هذا الا حدیث الی بلخنا انک تحدت بما عن النبی هل سمعت الا ما سمعنا و هل رايت عن عائشہ سے منقول ہے کہ میں نے ابو ہریرہ کو بلا کر پوچھا کہ اے ابو ہریرہ یہ کیسی حدیثیں ہیں جو تم کو پہنچی ہیں کہ تم رسول اللہ صلعم سے منسوب کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے وہی سنا جو ہم نے سنا اور تم نے وہی دیکھا جو ہم نے دیکھا۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ ہاں جانا

ما را اینا قال یا اما لا انتہ
کان یشغلک عن رسول اللہ صلعم
المرءة والمسلحة والتعصیفہ
لرسول اللہ صلعم والحق واللہ
ما حصان عنہ شیء وهذا حدیث
صحیح لم یضربہاہ الشیخان۔

آپ کو آئینہ و سرمہ دانی اور بناؤنگہار را حدیث رسول
سُنیے سے) باز کہتا تھا۔ جو تم رسول اللہ صلعم کے لئے کیا
کرتی تھیں۔ اور خدائے سبحانہ تعالیٰ کی قسم کہ کوئی چیز مانع
انہیں تھی۔ امام حاکم کا بیان ہے کہ یہ حدیث یعنی واقعہ مکالمہ
حضرت عائشہ و ابوہریرہ صحیح ہے۔ مگر اس کو شیخان (سجاری
اسلم نے) نے نہیں لکھا ہے۔

ابوہریرہ کا کثرت حدیث ظاہر ہے کہ ابوہریرہ سترہ ہجری میں مسلمان ہوئے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد
جناب رسول خدا صلعم کل تین برس تک زندہ رہے۔ پس اس آیتنے قلیل عرصہ کی صحبت میں جتنی حدیثیں
ابوہریرہ سے مروی ہیں۔ اتنی نہ شیخان سے مروی ہیں نہ حضرت علی سے۔ مقام غور ہے کہ حضرت علیؓ
جناب رسول خدا صلعم کے ساتھ تقریباً تین سال رہے۔ ان سے کل ۱۰۵ احادیث مروی ہیں اور
ابوہریرہ سے پانچزار (۵۰۰۰) اور بعض نے ابوہریرہ کے صرف راویوں کی تعداد پانچزار بتلائی ہے تو
احادیث کا کیا شمار ہو سکتا ہے۔

ابوہریرہ کا کثرت حدیث پر شاہ
ولی اللہ صاحب لم یضربہاہ الشیخان
کتاب ترة العینین میں شاہ ولی اللہ صاحب۔ ان کی کثرت حدیث پر
ذیل کے کلمات تعجباً نہ منہ پر فرماتے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ بہت کم بہت کم ابوبہریرہ آنحضرت صلعم
کا خدمت میں رہے۔ اور علی مرتضیٰؓ سے علم میں بہت کم درجہ رکھتا
تھے باری ہمہ ارباب فضل و کمال نے اس سے پانچزار احادیث
نقل کیں اور علی مرتضیٰؓ کے عالی درجہ کے عالم تھے اور صاحب علم
علاوہ برآں ابوبکر و عمر کی صحبت میں مدت دراز رہ چکے تھے۔
اور مثل شیخین مہاتر ملکی معاشرت رعایا و اشراف مملکت کا جن
ان سے کوئی تعلق نہیں تھا اور مدینہ منورہ میں انھیں بلا تعلقات
بیکار رہا کرتے تھے۔

با این همه آزادی و فارغ البال ایک حدیث کا پتہ نہیں چلتا جو
اہل حدیث نے حضرت علیؓ سے نقل کی ہو۔ البتہ جب آپ
کو نہ میں آئے وہاں نقل حدیث میں مصروف تھے مگر بہت کم وہ

از عجائب آنست کہ مثل ابوبہریرہ کی صحبت او بہ
آنحضرت قلیل وقت بہ پائے او بسیار فزونی ترا
و در ذہب ما از پانچزار حدیث روایت کردہ اند و
ثقاۃ آنرا از ویادگر دفتہ۔ حضرت مرتضیٰ با وجود
محنت دائمہ و کمال فقہ است و تمام حفظ انصاف
استماع از صدیق و فاروق و بسیار سے از حدیث تا
سمیع عانت خویش و عدم مانع از روایات کہ عبارت
از قلت بہار است بعد آنحضرت صلعم کہ دو صدیق
بودہ است با اشتغال بہ امور ناموس و تمام عمر چنانچہ
در فاروق بودہ است با قلت اشتغال در مسائل
نقضیہ چنانچہ در ظہور و زیر بودہ است در مدینہ با شد

ترتیب الحائضین ص ۴۰۹

فہم ہی کے منہ میں یہ عبارت ثابت ہو جاوے۔

— 10 —

وہمیرا ابن حسین ہے

صاحب انش این مالک ہے۔

گوشت میں شائع ہو چکا ہے۔ جن حضرات کو تحقیق حالات صحابہ کرام منظور ہو۔ اور وہ کسی وجہ سے عربی کتب رجال و سیرت کے تفحص و تجسس سے محروم ہوں۔ وہ اس رسالہ سے بہت کچھ مستفیض ہو سکتے ہیں۔

بحث جہولیت کے خاتمہ پر ہم علامہ ابن الحدید مقتدر علی شارجہ البلاغت کی عبارت ذیل میں نقل کر دیتے ہیں۔ جس میں علامہ موصوف نے چند صحابہ اور تابعین و ضاعین حدیث کے نام بتلائے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

معاویہ نے صحابہ میں سے ایک قوم کو اور تابعین میں سے ایک قوم کو حضرت علی کی شان میں روایات تبجہ بنانے کیلئے مقرر کیا۔ جن روایتوں سے آپ کی شان کی تنقیص ہو اور جن سے آپ کے ساتھ برات ظاہر ہوتی ہو۔ اوس کی خواہش کے مطابق بہت سے ایسے جمل بنائے گئے۔ جو لوگ اس کام پر خاص طور پر مامور تھے۔ وہ صحابہ میں سے ابو ہریرہ۔ عمر فاروق اور مغیرہ ابن شعبہ اور تابعین میں عروہ ابن زبیر تھے۔

ان معویہ وضع قوم من النبی باہ و قوم ما من النبا بعین علی روایت اخبار قبیلۃ فی علی یقتضی الطعن فیہ والبراءۃ منہ وجعل لہم علی ذلک جعلوا غیب فی مثله واختلفوا ما ارضاهم ابو ہریرہ و عمر بن عاص و المغیرہ بن شعبہ ومن النبا بعین عروہ بن الزبیر۔

تابعین میں دو ضعیف حدیث مرقومہ بالا شواہد سے ہم نے صحابہ کرام کے طبقہ میں چند بزرگوں کے حالات بالا اختصار لکھ دیئے ہیں۔ جن پر وضع حدیث کا الزام قطعاً ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم تابعین کے طبقہ سے چند بزرگوں کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

امام زہری ان بزرگ کے تعلقات سلطنت کی نسبت ہم شبلی صاحب کی اعترافات سے کافی طور پر ادھر لکھ آئے ہیں۔ جس سے زائد تفصیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن مزید اطمینان کے لئے شاہ عبدالحق صاحب محارث و ہوس کی وہ تحریر جو شاہ صاحب نے شرح مشکوٰۃ شریف کے رجال کی نسبت قلمبند فرمائی ہے اوس میں امام زہری کے متعلق مفصلہ ذیل الفاظ و عبارت درج ہیں۔

زہری بوجہ قلت دیانت ضروریات امرار (خلفائے نبی امیہ) کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ ان کے ہم عصر علما و زادات ان سے ترک تعلق کیا اور معتزض ہوئے کہ تم سلاطین و امرار غیر خفاط سے معاشرت رکھتے ہو تو جواب دیا کہ میں ان کے امور خیر میں شریک ہوں اور مالاشرع ہوتا ہوں اس پر علمائے کماکان ان کی صحبت میں رد کر امور کرد ملت کا دیکھنا اور اس پر سکوت اختیار کرنا۔ یہ جرم کیا کم ہے۔

یہاں انہ اعیان الزہری بیتی بہ صحبت الکلا
عراقات الد یا نیۃ لضررات الخفست
لہ عطاء والنہا دیاخذون علیہ وینکسون
ذلک منہ وکان یقول انا شریک فی خیرہم
دون شرہم فبقولہون الا تری ما ہم فیہ
ویسکت

انھیں کے ہم خیال اور مکالم۔ زبیر ابن عروہ۔ آنحضرت ابن راہوہ شیت ابن ربیع۔ عمران ابن خطابان وغیرہم ایک کثیر الشمار جمعیت۔ وضعی حدیثوں کی صناعیت میں شب و روز مشغول و مصروف تھے۔ ان کی وضعی حدیثوں کی ایک مختصر سی فہرست ہم ذیل میں مندرج کرتے ہیں جس سے حقیقت کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے۔

پہلا راوی حدیث	دوسرا راوی حدیث	مضمون اصل حدیث	ترجمہ حدیث
عروہ ابن زبیر	زہری	روى الزهري عن عروة ابن زبیر قال حدثني عائشة قالت كنت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قبل العباس وعلي فقال يا عائشة ان هذين يمتون علي غير ملتق او قال ويني	زہری عروہ ابن زبیر سے بیان کرتے ہیں کہ عروہ کا بیان ہے کہ ہم سے عائشہ نے کہا کہ ہم ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ سامنے سے عباسؓ اور علیؓ آئے ہوئے مکہ لائی گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا کہ اے عائشہ یہ دونوں میری ملت کے سوا دوسری ملت پر مہینگے بعض کا قول ہے کہ ملت کی جگہ دین فرمایا گیا تھا۔
زہری	عبد الرزاق	روى عبد الرزاق عن معمر قال كان يقول عند الزهري حدیثان عن عروہ عن عائشہ فی علی فساء الله عنهما يوما فقال ما نضمن بهما ونحیدنهما الله اعلم بهما انی کما تهماهما فی بنی ہاشم قال فاما الحديث الاول فقد ذكرناه واما الحديث الثاني فهو ان عروہ تزعم ان عائشہ قالت كنت عند النبي اذا قبل العباس وعلي فقال يا عائشة ان شرک ان انظرني الى الربيعين من اهل النار فانظرني الى هذين قد طهما فنظرت فاذا العباس و	عبد الرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے کہ زہری کے پاس عروہ کی زبانی عائشہ سے حضرت علیؓ کی نسبت روایتیں ہیں۔ میں نے ایک دن زہری سے ان دونوں حدیثوں کو پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اوکو نہ لکھا اور نہ بیان کرتا۔ اور نکاحا خدا کو معلوم ہے کیونکہ ان دونوں میں بنی ہاشم پر اتہام ہے۔ ایک تو وہی حدیث ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور دوسری یہ ہے جیسا کہ عروہ کا زعم ہے کہ عائشہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی کہ آپ نے مجھ سے بطور راز فرمایا کہ اگر تم اہل دوزخ کو دیکھنا

		علی ابن ابیطالب	چاہو تو ان دونوں کو دیکھ لو اس کے بعد فوراً ہی دو آدمی آتے ہوئے معلوم ہوئے وہ عباس اور علی ابن ابی طالب تھے۔
عمر ابن عاص	بخاری و مسلم	اما عمر عاص فری عنہ الحدیث الذی اخرجہ البخاری و مسلم فی صحیحہما مسئلہ و متصلہ بجمہر بن عاص قال سمعت رسول اللہ ان ال ابی طالب لیسوا لی اولیاء انما ولی اللہ صالح المؤمنین	بخاری و مسلم نے بسند متصل عمر عاص سے اپنی اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ عمر عاص کا بیان ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابی طالب کی اولاد میرے دوست نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ولی اللہ ہیں اور مؤمنین صالحین۔
ابو ہریرہ	زہری	واما ابی ہریرۃ فری عن الحدیث الذی معناه ان علیاً خطبہ بنتہ ابی جہل فی حیوۃ رسول اللہ فاسخطہ فخطب علی المنبر فقال لا ہل للہ لا یجۃ للنبۃ ولی اللہ وابنتہ عدو اللہ ان فاطمۃ بضعتہ منی یوذنی ما یوذیہا فان کان علی یرید بنتہ ابی جہل فلیفارقہ بنتی ولی فعل ما یرید و لا ما یرید معناه و الحدیث شہور من آیۃ الکبری	ابو ہریرہ سے وہ روایت مروی ہو چکی ہے کہ حضرت علی نے دختر ابی جہل کی خواستگاری کی۔ زمانہ حیات رسول صلعم میں۔ آنحضرت صلعم کو یہ امر بہت ناگوار گذرا اور آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ میں ارشاد کیا کہ خداوند عالم کبھی اس میں امر کو پسند نہیں کرتا کہ ایک دوست خداوند علی یرید بنتہ ابی جہل فلیفارقہ بنتی ولی فعل ما یرید و لا ما یرید معناه و الحدیث شہور من آیۃ الکبری
ابو ہریرہ ایضاً زہری	مسور ابن مخزومہ	قلت هذا حدیث ایضاً من صحیح البخاری و مسلم عن المسور بن مخرمۃ عن الزہری و ذکرہ المزیلی فی کتابہ المستوفی بتزیلہ الا نبیاء	اور اس نے مجھ کو ایذا دی اور اگر تم ارادہ ہو جس کی بٹی سے نکاح کا ہو چکا ہے تو میری رطک سے مفارقت اختیار کرو۔ پھر ہو چاہو کرو۔ ابن اسعد یہ منقول اتنا لاکھ متبادلی ہے کہ یہ روایت بالمعنی کراچی سے مروی ہے اور شیخین بخاری و مسلم نے اسکو مسور بن مخزومہ سے بطریق زہری نقل کیا ہے۔

ابو ہریرہ	بخاری	ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد ابی الخ (۱۰۰)	جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو نماز تہجد پڑھنے کا حکم دیا اور انہوں نے قطعی انکار کروا۔
حریز بن عثمان سفینی	اسماعیل بن عیاش (رقاوۃ)	عن اسماعیل بن عیاش سمعت حریز بن عثمان تقول هذا الذی یرویہ الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اعلی انت بمنزلہ ہارون من موسیٰ حق ولكن اخطاء السامع قلت ما هو فقال انما هو انت منی بمنزلہ قارون من موسی قلت عن ترویه قال سمعت الولید ابن عبد الملک وهو علی منبر	اسماعیل بن عیاش کہتے ہیں کہ حریز بن عثمان کو پہنچے یہ کہتے ہوئے سننا کہ یہ حدیث صحیح و مشہور ہے کہ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ تمہاری منزلت میرے آگے ویسی ہی ہے جیسے ہارون کی موسیٰ کے آگے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یوں فرمایا تھا کہ (نعم ہارون) تمہاری منزلت میرے آگے ویسی ہی ہے جیسا کہ ہارون کی موسیٰ کے آگے اسماعیل کہتے ہیں میں نے حریز سے پوچھا کہ تم نے یہ حدیث کسی سے سنی تو اس نے کہا الولید ابن عبد الملک سے اور ایسی حالت میں کہ مسجد کے منبر پر بیٹھا ہوا تھا۔
ایضاً	ازومی (رقاوۃ)	حکمی الازدی فی الضعفاء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یركب بغلته فجاء علی فحمل خراجه البغلة لیقع النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	ازومی اپنی کتاب الضعفاء میں بیان کرتے ہیں کہ حریز نے بیان کیا کہ ایک بار جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خیر پر سوار ہونا چاہا تو علی نے اپنے خیر کی لگام کھول دی کہ حضرت گر پڑیں۔
خالد بن حارث ابن حکم ابن عاص الماجنون	ہارون ابن عبد الملک ابن الماجنون	قال السید ابو الحسن یحییٰ غی کتابہ انخیرا لمدینہ محدثنا ہارون ابن عبد الملک بن الما جنون قال لما قدم خالد بن الحارث بن الحکم بن العاص وهو ابن مطیرہ علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو یوم یوم یوم شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ سید ابو الحسن یحییٰ اپنی کتاب اخبار مدینہ میں لکھتے ہیں کہ ہارون ابن عبد الملک بن الما جنون کہا بیان کرتے کہ جب خالد بن حارث ابن حکم قال لما قدم خالد بن الحارث بن الحکم بن العاص وهو ابن مطیرہ علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو یوم یوم یوم شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وشتہم علیاً وقال استعمل محمد	آنحضرت صلعم نے علی کو اکثر مقامات کا
علیاً وهو یعلم ان علیاً خائن وکن	عالی مقرر کیا حالانکہ آپ جانتے تھے کہ
شفعت له ابنته (مکافی نبی بسم	علی خائن ہے۔ لیکن اس امر میں اون کی
المودة فی القرب)	صاحبزادی برابر سفارش کیا کرتی تھیں۔
	(راہصل از بنایع المودة فی القرب)

یہ وضعی حدیثوں کی صورت حال کا نہایت مختصر نقشہ تھا۔ جو اوپر لکھ کر دکھلا دیا۔ ہر شخص اسی سے وضع حدیث کی کثرت۔ واضحین حدیث کی شخصی حیثیت۔ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ عام منافرت اور ان نفوس مقدسہ کی ذاتی عظمت اور مزاج و مراتب کی ذلت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ہم مزید اطمینان کے لئے مفصلہ ذیل صرف دو مثالیں اور نقل کر کے یہ دکھلا دیتے ہیں کہ ان کی عظمت یا ان کی اقتدا و متابعت کا شرف و افتخار کہاں تک اس زمانہ کے اہل اسلام حاصل کرتے۔ وہ انکا نام لینا تو چاہتے ہی نہیں تھے۔ بلکہ ان کے نام اور ان کے ذکر تو امر او خلفاء کی صحبتوں اور مجلسوں میں بطور استحضار اور لطافت طبع پیش کئے جاتے تھے۔ اور اس وسیلہ سے امر او خلفاء اسلام سے بڑے بڑے تحائف اور انعام حاصل کئے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو ذیل کا واقعہ

امام اکبرؑ میں سید علی المدنی اپنی کتاب طبقات الشیعیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ان النساء واقف للہجاء وبقال له جبدا
الا صمعی عبد الملک ابن قریب نصکم بہ
ایھا الامیران اھلی عقوبتی فسمونی علیاً و
انی فقیر بائس وانا الی صلیۃ الامیر عتاجہ
فتضا حک لہ الحجاج و قال للطف ما قوسلت
بہ قد ولینک موضع کذا

ایک شخص حجاج کے پاس آیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ (امام) اصمعی کا دادا عبد الملک ابن قریب نامی تھا۔ یہ شخص راز آؤ سخن چلتا ہوا اور فرمایا کرتا ہوا آیا کہ امیر کی درباری ہے۔ میرے گھر والوں نے مجھے عاق کر دیا اور میرا علی نام رکھ دیا اور میں بالکل مروف و فقیر ہو کر اب سوائے امیر کے کسی بخشش کے دوسرا کوئی سہارا نہیں رکھتا حجاج اس کے یہ کلام سکر بے ساختہ ہنس پڑا اور خاص لطف و کرم سے اس کو پاس بلا کر کھنے لگا کہ میں نے تیری امید تو اس کے مطابق نہ ہو کہ فلاں مقام کا والی مقرر کیا۔

کیا اس سے بھی زیادہ کسی ممتاز قوم شخص کی توہین ہو سکتی ہے۔ اس سے بخوبی نتیجہ نکال لیا جاسکتا ہے کہ اہل اسلام اس وقت اپنے واجب الاتباع خلیفہ پھارم کی اتنی اور ایسی وقعت و احترام کرتے تھے۔

تہذیب الکمال قری میں مرقوم ہے :-

فی تہذیب الکمال المنزی وھا شیعہ تہذیب
التہذیب الکمال لصفی الدین الخضر جی قال
قال یونس بن عبید سألنا الحسن وقلت
یا ابا سعید انک تقول قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذلک لم یکرہ
وقال یا بنی ائنی لقد سألنا لئنی عنہ لحد
قبلاک وکولا منزلاتک منی ما اخبیرناک
ان فی زمان کما تری (وکان فی عمل الحجاج)
سئل شعی سمعتنی اقول رسول اللہ صلی
لہو عن علی ابن ابی طالب غیری فی فی
زمان لا یمستطیع ان ذکر علیا

تہذیب الکمال قری میں اور اسکے حاشیہ تہذیب موصوفہ
صفی الدین خضر جی میں یونس ابن عبید سے منقول ہے کہ میں نے
حسن بصری سے پوچھا کہ اسکا کیا سبب ہے کہ تم رسول اللہ صلی
سے بلا واسطہ حدیثیں روایت کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ نہیں دیکھا ہے۔ حسن بصری نے جواب دیا کہ
تجھے اسوقت ایک ایسا سوال کیا ہے جو اس سے قبل کسی
نے مجھ سے ایسا سوال نہیں کیا تھا اور اگر تم میرے معتقدین
سے نہ ہوتے۔ تو میں تم کو کبھی نہ بتاتا۔ سنو !
میں جس قدر حدیثیں اس طریق پر بیان کرتا ہوں کہ فرمایا جاتا
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقیقتاً سب حضرت علی ابن ابی طالب
علیہ السلام کی روایات سے ہیں۔ مگر جیسا کہ زمانہ ہے وہ تم
دیکھتے ہو۔ (یہ زمانہ حجاج کی امارت و حکومت کا تھا) او
اس زمانہ میں میں علی کا ذکر ہی نہیں کر سکتا۔

حسن بصری کے ایسا صاحب اثر اور مقتدر بزرگوار ہے جو منصب شریعت اور سند ولایت دونوں
کا دعویدار تھا۔ صرف سلطنت کے خوف سے ایسا مجبور تھا کہ علی کا نام لینے یا ذکر کرنے کی بھی قدرت
نہیں رکھتا تھا۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تہذیب الراوی میں لکھتے ہیں :-

قال ابو عبد الرحمن مقررہ کانت بنو امیہ
اذا سمعوا بہو لود اسمہ علی فقتلواہ
ابو عبد الرحمن مقررہ کہتے ہیں کہ بنی امیہ جب سنتے تھے کہ کسی
لڑکے کا نام علی رکھا گیا ہے تو اسکو قتل کر ڈالتے تھے۔

اس سے بڑھ کر اس نفس قبیح بکت کی اور کیا ذلت و توہین ہو سکتی ہے کہ اسکا نام لینا اور اسکے
نام پر نام رکھا جانا۔ قابل قتل جرم قرار دیا گیا تھا۔ اور پھر بھی اسلام۔ اسلام تھا اور اہل اسلام اہل اسلام
ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے اور تمام صحابہ و تابعین کرام اور علمائے عظام انہیں کی تائید و تائید میں
اپنے فتاویٰ و احکام نافذ فرماتے تھے۔

دورہ عباسیہ میں محدثین اور احادیث دورہ امویہ میں جو محدثین اسلامی اور احادیث نبوی کی خرابی ہوئی اسکی مختصری
کیفیت اور پردہ کھلائی گئی۔ اب مفصلہ ذیل صفحہ میں عہد عباسیہ کے علماء
پر سلطنت کا اثر

اور احادیث کا موقع ملاحظہ فرمایا جاوے۔

قاضی ابویوسف قاضی ابویوسف صاحب، جو امام ابوحنیفہ کے بعد سواد اعظم حنفیہ کے امام اول ہیں۔
اون کی علمیت و فضیلت یا معرفت کیلئے ابن خلدون کی مفصلہ ذیل عبارت کافی ہے۔

ماکان فی اصحاب ابی حنیفہ مثل ابویوسف
لوکلا ابویوسف ساکرا لابی حنیفہ
ابوحنیفہ کے شاگردوں میں کوئی ابویوسف کا مثل نہیں تھا اگر
ابویوسف نہ ہوتے تو کوئی ابوحنیفہ کا نام ہی نہ لیتا۔

ایسی عالم متبحر کی سلطنت پرستی تاریخ اخلافا رسیوطی کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

ہارون الرشید کے دربار میں

قاضی ابویوسف کا مندر

ابن مبارک سے منقول ہے کہ جب ہارون الرشید خلیفہ ہوا
تو اپنے باپ کی ایک لونڈی پر زلیفہ ہو گیا۔ اور اس سے
مقاربت کی خواہش ظاہر کی لونڈی نے کہا کہ میں تمہارے
لئے حلال نہیں ہو سکتی کیونکہ تمہارے باپ کے پاس رہ چکی
ہوں مگر ہارون الرشید کا شوق ایسا شدید تھا کہ اس نے
اسی وقت قاضی ابویوسف کو بلا کر کہا کہ اس لونڈی کے
حلال ہونے کی کوئی تدبیر تیار۔ قاضی صاحب نے کہا کہ یہ
لونڈی جو کچھ سکے اس کو سچ باور کر دینا چاہیے ہرگز
نہیں۔ آپ اس کی بات کو نہ مانئے کیونکہ وہ جھوٹ سے
محفوظ نہیں ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ
کس پر تعجب کروں۔ آیا اس بادشاہ جس نے اپنے باپ کی
حرمات کا کھانا کیا یا اس لونڈی جس نے بادشاہ کی
خواہش سے انکار کیا یا قاضی صاحب فقیر زمانہ پر جنہوں نے
ہارون الرشید کو اجازت دیدی کہ اپنے باپ کی شک حرمات
کرے اور اپنی خواہش نفسان کو پورا کرے

عن ابن المبارک قال لما
انقضت الخلافة الى الرشيد وقعت في
نفسه بجمارية من جملة من لم يزل في
علي نفسها فقالت لا اطيعك ان اباك
قد طان بي فشفف بها فامرسل بها الى
ابي يوسف العندك في هذا فاني فقال يا
امير المؤمنين اوكلها اذعت امه شيئا
ينبغي ان تصدق لا تصدقها فانها
ليست بها مونة قال ابن المبارک
فلم ادر من اين اتعجب من هذا لذی
قد وضع يد في دماء المسلمين اولهم
يتمم جرح عن حمة ابیه او من هذا لامة
التي رغبت بنفسها عن امير المؤمنين
او من هذا لافقيه الاضواء قاضیها قال
اهتك حرمة ابیک وانقض شهواتک

سلطنت پرستی کی دوسری مثال قاضی ابویوسف کی سلطنت پرستی کی ایک اور مثال اسی تاریخ اخلافا رسیوطی میں
حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

قال عبد الله ابن يوسف قال الرشيد لابی
عبد الله ابن يوسف سے مروی ہے کہ ہارون الرشید نے

یوسف انی اشتکتہ جارم یہ و
اسید ان اطاعہا الان قبل
استبزا فہل عند ان حیلہ قال نعم
تہبھا بیعض ولدک ثم تزوجھا

ایک لونڈی خریدی کی ابو یوسف سے کہہ کہ میں بلا انتظار استبزا
اسی وقت مقاربت کرنا چاہتا ہوں، تمہارے پاس
ایکے جواز کا کوئی حیلہ ہے۔ ابو یوسف نے کہا ہاں۔ آپ پروردگار
اپنے کسی صاحبزادہ کو پسند کر دیں اور پھر اس سے عقد
فرمالیں۔

کیا یہ واقعات فقہاء و علماء کی زبان و قلم کو شمشیر کے
کیا شریعت اسلامی کی توہین و ذلت اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے کہ اس کے جواز مجاہد کے لئے
احکام شرعیہ کی جگہ حیلہ تلاش کئے جاتے ہیں اور علماء سے علماء اجرا سے فتاویٰ کی جگہ حیلہ بازی سے کام
لیتے ہیں۔ کیا شبلی صاحب اگر یہی حقیقت ہیں تو سواد اعظم احناف میں قاضی ابو یوسف سے بڑھ کر کسی
دوسرے فقیہ و عالم کی اعلیت و جامعیت کی مثال دے سکتے ہیں۔

تقاضی ابو یوسف صاحب اور
سلطنت کے ساتھ لگاؤ۔
یہاں تاکہ تو سلطنت کے و باؤ کی مثالیں پیش کی گئیں اب حکومت سے لگاؤ
کی مثالیں بھی ذیل میں ملاحظہ کی جائیں۔ اسی تاریخ اختلاف میں اسحاق ابن راہویہ

معتبر ترین رواۃ صحیح بخاری کے اسناد سے مرقوم ہے۔

عن الحسن ابن راشد بن راشد قال دعا
الرشید ابو یوسف لیلا فافتاح فامر لائف
دیرہم فقال ابو یوسف ان سائے امیر المؤمنین
بتعبی لہما قبل الصبح فقال تجملوا ہما فقال
بعض ان الخزانہ فی بیتہ والا بواب مغلقۃ
فقال ابو یوسف فقد کانت الا بواب مغلقۃ
حین دعا فی فقیہت۔

اسحاق ابن راہویہ سے مروی ہے کہ ہارون الرشید نے قاضی
ابو یوسف کو رات کے وقت بلایا اور اس سے فتویٰ پوچھا
اور ان کو ایک ہزار درم دے جانے کا حکم دیا۔ قاضی صاحب
نے کہا کہ امیر المؤمنین یہ رقم مجھے اسی وقت مل جانی چاہیے۔
کسی شخص نے کہا کہ خزانچی اپنے گھر سے اور تمام شہر کے وردائے
بند ہو چکے ہیں، قاضی صاحب نے فرمایا کہ جب میرا بلایا گیا تھا تو اس وقت بھی
تمام دروازے بند ہی تھے میرے پاس کوئی گھڑی تھی اس وقت بھگن جا کر

تقاضی صاحب داخل دربار کیسے ہوئے اور
دارالخلافہ بغداد کے قاضی القضاۃ کیسے بنے۔
تقاضی صاحب دربار شاہی میں داخل کیسے ہوئے اور بغداد کے قاضی القضاۃ
کیسے بنے۔ اس کی دلچسپ اور رنگین کیفیت ذیل میں ملاحظہ ہو جس کو

ہم مولانا محمد علی صاحب زہرۃ الرشید کے فارسی ترجمہ سے اردو میں خلاصہ کر کے لکھتے ہیں۔
قاضی ابو یوسف ابتدائے ایام میں نہایت تنگی اور عسرت سے بھرپور گزرتے تھے۔ اور ہمیشہ محتاج و پریشان
حال رہا کرتے تھے۔ ان کے مکان کے پاس ایک یہودی کا مکان تھا۔ اس سے چار کھانہ اپنی

عمارت موجودہ میں کچھ اضافہ کرے۔ ابو یوسف نے اس سے منع کیا۔ اس نے بطور استہزاؤ تمسخر کہا کہ جب تمکو وہ دن نصیب ہوگا کہ تم ہی امرائے شاہی کی طرح اپنے تخت رواں پر سوار ہو کر اس طرف نکلو گے اور میری عمارت کے موجودہ اضافہ کی وجہ سے تمہاری سواری کے لئے راستہ تنگ ہو جائیگا تو میں اسوقت اپنے اس اضافہ کو ہٹا لوں گا۔ ابو یوسف اپنی کمزوری اور مجبوری کے باعث اس یہودی کے اس طعن آمیز مکالمہ کا کوئی جواب نہ دیکے۔ خاموش ہو رہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابو یوسف کا ستارہ ظلمت زوال سے نکل کر شرف اقبال پر آگیا۔ اس کی حقیقت یوں ہے کہ ہارون الرشید کی خلافت کا زمانہ تھا۔ زبیدہ کی کنیزوں میں سے کسی ایک کنیز پر ہارون کی طبیعت آگئی۔ اس نے اُسے لٹایا۔ اس کنیز نے پہلے زبیدہ کی ملکیت خاص کا عذر معقول دکھلا کر انکار کیا۔ مگر پھر ہارون کے شاہی اقتدار سے مرعوب ہو کر اس کے قریب آگئی۔ مگر خدا جانے ہارون کو کیسی صلاحیت آگئی کہ وہ اس کے ساتھ اپنے ارادہ و قصار سے باز رہا۔ مگر

حسن وہ ہے جو ہے سیکڑوں پردہ نہیں نہاں عشق وہ ہے جو کسی حالیں پہناں نہ رہے
زبیدہ کو ہارون کی اس دزدیدہ نگاہی کی خبر لگ ہی گئی۔ نہایت برہم ہوئی۔ اور ہارون کو بلا کر کہنے لگی اے جہنمی۔ کیا حرکت تھی۔ میرے پاس سے چلا جا۔ میں تیری صورت کو دیکھنا نہیں چاہتی ہارون کو بھی اپنے اقتدار شاہی کا تاؤ آہی تو گیا۔ اور اپنے ہی غصہ کی حالت میں کہنے لگا کہ جا میں تجھے آج سے طلاق دے دی۔

غصہ کی بے لطفانہ حالتوں میں جانبین سے تو یہ خطاب و عتاب ہو گئے۔ مگر پھر تھے تو زبیدہ اور ہارون ہی۔ زبیدہ نے تاب کے باشندہ کششہا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد رنجشوں کے پردے طرفین سے اٹھ گئے۔ تو دونوں میں سے پہر کوئی ہی ایک ساعت کی مفارقت کو گوارہ نہ کر سکا۔ اور فوراً بکچھتی اور باہم کجائی کی کوشش کرنے لگے۔ ہارون کو اتنی احتیاط شرعی کی کہاں پروا۔ مگر ہارون زبیدہ کو البتہ ہارون کی قسم شرعیہ اور مسئلہ طلاق کے اجرا کا خیال دل سے لگا تھا۔ اور اس بنا پر وہ تا وقت رجوع ہارون سے کجائی پر کسی طرح راضی نہیں ہوئی۔

اس ہم اندر عاشقی بالائے غما سے دگر۔ بالآخر ہارون نے ضرورت سے مجبور ہو کر یا زبیدہ کے خاص اصرار سے مامور ہو کر علماء کی مجلس شوریٰ مجتمع کی اور اس میں یہ مسئلہ پیش کیا اور سارا قصہ بیان کر دیا اس جلسہ میں ابو یوسف بھی تھے تمام علماء خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ نہیں معلوم وہ علماء کیسے تھے اور ان کی جامعیت کیسی تھی۔ جو ہارون کے اس مسئلہ معمول کا بھی جواب

نہ دے سکے حالانکہ صورت مسئلہ اطلاق طلاق یعنی نکاح کیا اجرا سے حکم ظاہر کے نہ صاحب مقررہ تک بھی نہیں پہنچی تھی۔ علمائے عظام کی خاموشی اور سکوت کی وجہ وہی سلطنت کا بادشاہ اور سلطان کی رضا جوئی تھی اور وہ حضرات اسی بنا پر اس مسئلہ شرعی میں حکم خدا اور رسول صلعم کے اجرا سے پہلے بادشاہ کی استعراج و استرخا کا انتظار فرماتے تھے۔ اور یہ چاہتے تھے کہ اس امر خاص میں بادشاہ کی طبیعت کا میلان صیاب یا جاوید دینا حکم لگایا جاوے۔

وہ ابھی اسی شش و پنج میں تھے کہ ابو یوسف کو دست پر سوجھ گئی اور خوب ہی سوچی۔ فوراً اپنے مقام سے اٹھے اور گئے گئے یا ایہا الامیر آپ کے اس مسئلہ کا جواب میرے پاس ہے۔ آپ پہلے یہ فرمایا کہ آپ کی نیت اس کمینہ کی طرف بد ہوئی تھی یا نہیں۔ ہارون نے کہا البتہ۔ ابو یوسف نے کہا کہ تو ہر آپس جہنمی کیسے ہوئے؟

اس پر تو نفسِ قرانی و اما میں بخاف مقام سے بڑھ | جو شخص خدا کے عتاب کی وجہ سے اپنے نفس کو برائی سے
و نہی النفس عن اللہ ہی فان لہ جنتہ عقی لما وہی | بچائے بہشت بریں او کی منزل ہوگی۔

صادق ہے۔ اس حکم سے تو آپس جہنمی ہونے کے عوض بہشتی ثابت ہو گئے۔ اس بنا پر عجب آپ کی نسبت جہنمی ہونے کا غضب امیر خطاب عائد ہوا تو ہر آپ کی طرف سے اجرا سے طلاق کا عتاب نہ جواب کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ یہ طلاق شرعاً کوئی چیز نہیں اور اس حالت میں زیدہ کے ساتھ رجوع کی تکلیف ضروری نہیں۔ ہارون یہ جواب خاطر خواہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور اسی وقت ابو یوسف کو خزانہ شاہی سے اتنی ہزار دینار انعام دوائے اور دار الخلافہ بغداد کا قاضی مقرر کیا اور حکم دیا کہ شاہی تخت رواں پر سوار کر کے ملازمین شاہی قاضی صاحب کو دربار سے اون کے گھر تک پہنچاؤں حکم کی دیر تھی۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ شاہی تو شک خانہ سے ایک شاندار اور پر شکست تخت رواں لایا گیا۔ قاضی صاحب اس پر سوار ہوئے ملازمان شاہی نے نہایت عزت و احترام سے اپنے گاندہ ہوں پر اٹھا کر قاضی صاحب کو گھر پہنچا دیا۔ جب قاضی صاحب کا تخت رواں اس یودی کے مکان تک پہنچا تو اتفاقاً وقت سے وہ یودی کھڑا تھا۔ قاضی صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ہائی۔ اس نے تو حسب وعدہ اپنی تعمیر کے اضافہ کو ہٹا لو۔ یودی انکا یہ عالم دیکھ کر تشاے میں آ گیا۔ مگر تھما زبان کا پکا وعدے کا سچا۔ اس نے اسی وقت اپنے مکان کا وہ حصہ توڑ ڈالا جسے اس نے قبل میں بڑھایا تھا۔

زیرۃ الربیع مبلوہ بمبئی جلد اول ص ۲۷۳

مرقومہ بالا واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ قاضی ابو یوسف صاحب کس حد اور مقدار تک سلطنت کے زیر اثر

اور دست نگر تھے سلطنت کو ان سے اور ان کو سلطنت کے ساتھ کیسے تعلق تھے اور کیسے لگاؤ۔ یہ بھی مسلم ہے کہ جب ابن ابی بکر کے ایسے اعلیٰ علماء اور اعظم الفقہاء و محدثین کی اتباع و منقاد حکومت کی یہ کیفیت ہو تو عموماً علماء و محدثین کی متابعت و مطابقت کی کیا حالت ہوگی۔ قیاس کن پاکستان میں بہار امام تاضی ابویوسف کی طرح ابھی اور حضرات کے حالات و واقعات ہی ہمارے پیش نظر ہیں۔ مختصراً اور متوکل۔ عباسی کے زمانہ حکومت میں تاضی بخاری ابن اکثم کے حالات و تعلقات سلطنت بھی اسی کی مثال ہیں۔ مگر ہم ان کی تفصیل کو زائد از ضرورت سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں۔ حقیقتاً ہم کو ان امور کے انکشاف حقیقت کی چنداں ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس لئے کہ شبلی صاحب تو خود اصل مدعا کے بحث کا اعتراض فرما چکے ہیں۔ امام زہری کی نسبت وہ خود نکتہ قرار کرتے ہیں کہ امام صاحب شہرہ میں عبد الملک ابن مروان کے دربار میں گئے۔ اوس نے بہت قدر و منزلت کی۔ کتاب المفاز میں غالباً حضرت عمر ابن عبد العزیز کی ہدایت کے مطابق لکھی۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوفہ سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مقررین خاص میں داخل تھے۔ ہر شام ابن عبد الملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔ دیباچہ ص ۱۵۱

پھر دیباچہ ص ۱۶۱ میں مذکور خط ابن اسحاق صاحب السیرت مرقوم ہے۔ امام زہری کے دروازے پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آنے پاوے۔ لیکن محمد ابن اسحاق کو اجازت تھی۔ جب چاہیں چلے آئیں۔ محدث و فقیہ۔ اور تحقیق کا دارالعلوم اور رجوع عامہ سے امتناع و سخت تعجب ہے۔ مگر حقیقت حال بتلاتی ہے کہ وہ محدث و فقیہ نہیں رہے تھے بلکہ ابواب سلطان وقت کے قریب اور اطفال شاہی کے معلم تھے۔ اور اس شان کے اظہار و اعلان کے لئے دربان۔ پاسان اور میر سامان۔ غرض تمام ساز و سامان کی ضرورت تھی۔

امام زہری کے علاوہ ان کے استاد ابو بکر محمد بن عمر بن خرم النصار ہی۔ مدینہ منورہ کے تاضی سعد ابن ابراہیم مدینہ کے تاضی اور بڑے محدث۔ عاصم ابن عمر ابن قنابہ وغیرہ مشاہیر شبلی صاحب کے افراد کے مطابق۔ یہ تمام حضرات اتباع سلطنت کے ایک ہی رشتہ سے وابستہ تھے۔

مگر شبلی صاحب نے احادیث اور علماء سے احادیث کی بدعنوانیوں کا آغاز بنی امیہ کے وقت سے قائم کیا ہے اور مدناویہ سے لیکر تمام خلفائے بنی امیہ کو اس مفسدات کا باعث بتلایا ہے اور انھیں کو ملزم و مجرم ٹھہرایا ہے اور ہر اس بدعنوانی کے مسئلہ کو خلفائے عباسیہ تک ظاہر فرمایا ہے۔ مگر ہم نے اس کی تنقید و تحقیق میں ان بدعنوانیوں کا باعث اس سے بھی قدیم پایا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ

حضرت عمر ابن عاص۔ حضرت انس ابن ملک اور سمرہ ابن جندب وغیرہم۔ بڑے بڑے صحابہ کبار اور تابعین ذی مقدار کو وضعین حدیث ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ ہماری عبارت سے پہلے ظاہر ہو چکا ہے۔ یہاں تک تو چمنے شبلی صاحب کے اس دعوے کی تردید میں کہ مسلمانوں کا قلم شمشیر سلطنت سے نہیں دیا، مرقوم بالا ثبوت و شواہد پیش کر دئے۔ جو ضرورت سے زیادہ کافی ہیں۔ اب ہم اپنے موجودہ بیان کے ایک دوسرے اور مفید پہلو کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

علماء محدثین کے ان اطوار نے قرآن حدیث کو کس درجہ تک پہونچایا۔
اب ہم اپنے موجودہ بیان و تفصیل میں یہ دکھلاتے ہیں کہ ان علامہ کرام اور فضلاء عظام نے سلطنت کے زیر اثر اور

دست نگر ہو کر قرآن و حدیث کی کیا صورت قائم کی جن کے دو اصل ترجمان تھے اور ذمہ دار شریعت و بیان۔ ان بزرگوں کی طرف سے معانی قرآن اور مطالب احادیث میں جو غیر مجوزہ و خلعت کی گئی اور اوکو صرف قیاس و ضرورت کی بنا پر تاویلات۔ تطبیقات اور تفسیلات وغیرہ کے مختلف اقسام کے آسانی و مصلحتات سے موسوم فرمایا گیا۔ ان سب کا بیان کرنا اور تحقیق و تنقید کے بعد ان کی اصل حقیقت کا انکشاف کرنا، اول تو ہمارے موضوع تالیف سے زائد ہے۔ دوم یہ کہ انہیں سے بعض جمید امور ضروری کی اہمیت ہمارے آئندہ سلسلہ بیان سے معلوم ہو جائیگی۔ اس بنا پر ہم اُن کے انکشافات سے قطع نظر کر کے اپنی موجودہ تفصیل بیان میں قرآن و احادیث کی بھرتی اور ناقدری کی وہ کیفیت دکھلاتے ہیں۔ جو ان بزرگوں کو اتباع و خوشامد سلطنت کی وجہ سے نہایت بدنام اور بیجا ناپہا صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ اور اسکی خاص وجہ سولے اسکے دوسری ثابت نہیں ہوتی کہ ان حضرات نے آغاز ہی سے۔ خلفاء و امراء وقت کی خوشامد و خوشنودی کی ضرورت میں اگر ان علوم مقدسہ کو ایسا عام اور بازاری کر ڈالا کہ ہر کس و نا کس ان کے احکام و ارشاد کی تفسیر و تطبیق کو ان کے خاص مقامات کے علاوہ۔ اپنی تمام ضروری اور غیر ضروری۔ قابل اور ناقابل جائز اور ناجائز۔ ضرورتوں کے وقت۔ بلا تامل استعمال کرے لگتا۔ حقیقتاً یہ علما و فقہا اگر قرآن و احادیث تعلیم و تلقین کو اپنے مقام خاص تک مشروط و محدود فرما دیتے۔ اور ان کی تخصیص کو تہمید کے درجہ تک نہ پہونچاتے۔ تو امیر معاویہ صاحب اتنی کثیر التعداد جعلی حدیثوں کے ہوائے پر قادر نہ ہوتے۔ ان کے صاحبزادے یزید ابن معاویہ قرآن و احادیث کے احکام و ارشاد کو پس پشت رکھ کر محرمات شرقیہ کے حلال ہونے کا اس ولیری سے۔ تمام ممالک اسلامیہ میں حکم فرماتے۔ ولید صاحب قرآن پر تیر بارانی نہ کرتے۔ اپنی دختر ناکتہ کا ازالہ بکارت نہ فرماتے۔ اپنی معشوقہ خنانہ یا نورانہ صاحب کے مردہ مجید کے ساتھ مقاربت نہ کرتے۔ حالت جنب میں جامع مسجد میں اپنی کنیز خاصہ سے آمست

نہ کروائے سقف کعبہ پر بیٹھ کر مے نوشی کے جلسے جمائے کا قصد و حرکت نہ فرماتے۔

یہ انھیں علما و فقہا کی چشم پوشی تھی اور علقہ کے ان کمفر کرداریوں کی طرف سے گراں گوشی ان کی چشم پوشی اور منہ بگوشتی کا خاص سبب وہی سلطنت کے زیر اثر اور اسکا قطعاً دست نگر ہونا تھا۔ اور زیر اثری اور دست نگر ہی کا باعث ان کی شکم پروری تھی۔

دورہ بنی امیہ تک ان ناگفتہ واقعات کی نسبت اگر یہ عذر کیا جاوے کہ قوم حنیف جہالت

سے نکل کر اوج علم و تہذیب تک نہیں پہنچی تھی تو یہ عذر بدتر از گناہ سمجھا جاوے گا۔ اور حدیث خیر القرن

کی موضوعیت کو صاف صاف ثابت کر دینگا۔ صرف اتنا ہی اشارہ کر کے ہم علمائے عہد بنی امیہ

کے اطوار و کردار سے زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اب ہم اسلام کے خاص علمی زمانہ میں۔ جب

خاص علوم اسلامیہ کے علاوہ ہر قسم کے علوم و فنون۔ دیگر ممالک و اقوام کی زبانوں سے ترجمہ

ہو کر ملک و قوم میں نہایت سرعیت و وسعت سے پھیل رہے تھے جب ملک عرب کا علمی آفتاب

تمام دنیا کے ممالک پر فضا فگن تھا۔ جب اس کے تمدن۔ تہذیب۔ ادب۔ غرضکہ تمام کمال و فضل

کی شہرت اور ندرت تمام اقطار عالم میں اپنی روشنی پھیلا رہی تھی۔ اس وقت اور علمین اس عالم

میں قرآن وحدیث کی خاص عظمت و حرمت کی کیا صورت قائم تھی۔ ہم صرف دو مفصلہ ذیل واقعات

سے اسکا منظر پیش کرتے ہیں۔

دارون الرشید اور قرآن کی عظمت | دارون الرشید کا دربار گرم ہے۔ خلیفہ کی خدمت میں دو کمیزیں لائی گئیں

ایک بیوہ سے ایک کنواری۔ اگر اپنے حسن و جمال کے اعتبار سے اون میں کوئی فرق یا تمیز نہیں

کیا جاسکتی تھی اور وہ بیوہ (شعلیلہ) بھی اوس دوشیزہ سے اپنے حسن و جمال اور صورت بہتال

میں ہرگز کم نہیں تھی۔ خلیفہ عصر نے دربار اوٹھایا۔ خلوت کر لی۔ دونوں شاہدان پر ہی سیکر کو پہلو میں

بٹھالیا۔ چشمزدن میں بعد رشتہ ترک دونوں پر فریاد ہو گیا۔ مگر دونوں کی درباری و رعنائی کی یکسانی

کی وجہ سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی سیلے ادبی نہ کر سکتا تھا۔ دیکھا دونوں حینان ماموش

کو بٹھلائے رکھ کر خال خال اور موبوہ دونوں کے حسن و زیبائی کے مرقع کو دیکھتا رہا۔ حسن و عشق

کے امتحان لیتا رہا۔ مگر کوئی فرق اور کوئی نیچر نہ پاسکا۔ وہ شاہدان آئینہ رخسار بھی خلیفہ عصر کی منظر نظر

ہونے کے شوق و تمنائیں فیصلہ شاہی کا چھپنی سے انتظار کر رہی تھیں اور خلیفہ عصر کے شش

پنج کی وجہ کو بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔

جب بادشاہ کے غور و تامل کو حد سے زیادہ عرصہ گزر گیا تو اون میں سے ایک پریر

ہارون رشید کو مخاطب کر کے کہا کہ یا اہیا الامیر۔ اتنے طول و طویل غور و فکر فرمانے کی ضرورت کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میں ایک زن شلیطہ ہوں اور میری بہن باکرہ ہیں۔ مجھ میں اور اون میں تو صرف ایک ہی شب کا پروہ حائل ہے۔ صبح ہوئی۔ اور وہ پردہ اٹھ گیا۔ پھر یہ ہی ہماری ہی اسی ہو گئیں۔ یہ سن کر اوس دو شیرہ ہوش۔ نے جواب دیا۔ یا اہیا الامیر۔ میری بہن نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ ہے۔ مگر اس سچ کہنے سے پہلے اون کو سمجھ لینا چاہتا تھا کہ گو وہ ایک ہی رات سی مگر کیسی ہے۔ اسی ہی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے خیر من الف شحی قدر قیمت میں ہزار مہینوں سے بہتر (لغۃً و بائاً) ہارون رشید بمصدق اسیکہ ۵۔ باکیں لطف از گفتار خیزد۔ اسکا۔ بدل معقول اور جبتہ جواب منکر ہزار جان سے اوس کا فردا پر فریفتہ ہو گیا اور فوراً اوس کو اپنے محل شاہی میں داخل کر لیا۔

یہ صحبت عیش سلطانی اور استعمال و تطبیق آیات قرانی۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

ہارون الرشید اور عظمت قرآن کا دوسری مثال اسکی دوسری مثال باعتبار رکاکت اور سبکی کے لطیف تر ہے۔

ہارون الرشید ایک بار مہیاں شہوت کی حالت میں سوئے سے جاگ پڑا۔ اتفاق سے کوئی کنیز اوس وقت اوسکے پہلو میں موجود نہ تھی۔ بے چین ہو کر خلوت سے باہر نکل آیا۔ اور محل شاہی کے گوشوں میں اپنے شاہد مدعا کو تلاش کرنے لگا۔ اس تجسس و تلاش میں اوس نے ایک کنیز کو پیشی چادر اور اڑھے مشغول خواب پایا۔ ہارون کے آتے ہی وہ بیدار ہو گئی تو امیر المؤمنین کو سہرا کھڑا پایا۔ ہارون نے اظہار مدعا کیا۔ اوس نے عذر ناسیہ کی معقول اور وجہ خاص دکھا کر اپنی مجبوری بیان کی۔ مگر ہارون کی آتش نفسانی ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح اوس پر ضبط و صبر کا پانی نہ ڈال سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اوس نے اوس کے ساتھ خلاف وضع فطری ترکیب ہونا چاہا اور جماعت کو اعلان سے متبدل کرنے کی تجویز ٹھرائی۔ اوس کنیز نے امیر المؤمنین عہدہ کو اس حرکت ہتیمیہ سے باز رکھنے کے لئے کہا کہ یا اہیا الامیر! تو جن من حیث امرکم اللہ۔ عورتوں سے وہی فعل کرنا چاہیے جس کا خدا نے حکم دیا ہے۔ یہ سن کر ہارون نے کہا کہ نساء کم حرث کم فاتوا حرمکم انی نشتہم عورتیں تمہاری کہتیاں ہیں تم جس طرح چاہو ان میں کہتیاں کہتے ہو۔ کنیز بولی۔ بجا ارشاد ہوتا ہے۔ مگر یہ آیہ منسوخ ہو چکا ہے۔ اور اسکا نسخہ راقی البیوت من ابوابہا۔ گھروں میں دروازے سے آیا کرو۔

وجود ہے۔ زہرۃ الریح نعمت اللہ جاری ص ۲۷۳

کس کس کی تعریف کی جائے۔ امیر المؤمنین کی نظر فی القرآن کی یا اوس کنیز کے بھرتی الکلام کی مگر ہم تو تعریف کریں گے علمائے کرام کی۔ جن کی فیاضانہ تعلیم نے اصول تعلیم کی بدولت قرآن عید

کے اقتباسات کی یہ سبکی اور توہین کراں۔

ہم نے صرف تعلیم قرآن کی تعلیم سے جو خراب نتیجہ پیدا ہوا تھا۔ دو مثالیں بیان کر دیں ہیں جن الفاظ و بیان کو ہم نے اور دوسری مثالوں سے کسی قدر مستدل۔ تزیین التہذیب اور قابل نقل و تحریر سمجھا ہے۔ اور باقی حقیقتاً دوسری مثالیں حیوانیت اور نفسانیت کے مفصل دفتر میں اور جو کسی طرح ذکر کے قابل نہیں ہیں ان کو قطعاً مرفوع القلم کر دیا ہے۔

اہانت قرآن کے بعد۔ احادیث کے ساتھ جو استحضار و تسخیر کیا گیا ہے۔ اور واقعہ ہی۔ عروہ ابن زبیر۔ زبیر ابن بکر۔ حکمران۔ جاحظ عثمانی۔ اغالی۔ اور ابو النواہس ملک الشعراء عباسی نے جن بدعنوانیوں اور بے ادبیوں سے ان کا استعمال کیا ہے۔ انھیں کے بے ادب اور گستاخ قلموں کے سوا نہ کسی دوسرے کے قلم کو ان کی نقل و تحریر کی قوت ہے۔ اور یہ کسی کی زبان کو ان کی تفصیل بیان کی قدرت۔ ان سے بالکل قطع نظر کی گئی ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ جب قرآن مجید کے ساتھ ان کے ایسے آزادانہ اور بے ادبانہ عمل ثابت ہو رہے ہیں تو حاشیش تو قرآن ہی کی تفسیر میں ہی تھا اور علی الاکثر۔ انھیں سے ماخوذ و مستخرج ہوتی ہیں۔ دوسری یہ کہ ان میں سے چند بدعنوانیوں کو ہم عنقریب ایک جہاگاہ عنوان سے بیان کر دیا ہے۔ انشاء اللہ

امنا لکرم اور صرف قرآن مجید کے ساتھ اہل قرآن مجید کے ان عامیانہ اور گستاخانہ طرز عمل کو دکھلا کر اصل حقیقت کا انکشاف کلی کر دیتے ہیں کہ تحقیق اور تنقید مرقومہ باللات ان تمام معائب اور مناقص اور فضائح کا الزام حضرات عالمین فی القرآن والحدیث پر اگر ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ قرآن حدیث کے مطالب و معانی کے بتلانے والے تہنایہ ہی بزرگوار ثابت ہوتے ہیں۔

صحابہ کرام علیہم السلام کہ ان حضرات نے ان کی تعلیم و تلقین میں اس حزم و احتیاط کو ذرا بھی قائم نہ رکھا۔ جن کی نسبت انہوں نے اکثر صحابہ کبار اور خطاطین ذی اعتبار سے جو ان کے ان علوم میں معلم و استاد تھے۔ ہدایت خاص پائی تھی۔ اور جو عموماً تمام اسلامی کتب و اخبار میں مرقوم و مذکور ہے۔ وہ تمام تر انھیں حفظ و تقدم پر مبنی تھیں۔ جن میں سے ایک کو خود نبی صاحب بھی صحیح مسلم کے اسناد سے ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں :-

ر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تکنوا عنی من کتب | (فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے جو سنو اسکو قلم نہ کرو
عنی غیر لقلان فلا یحی | | بجز قرآن کے۔ اور کسی نے قلم نہ کیا ہو تو اسے مٹا دو۔

یہ حکم کیوں دیا گیا تھا؟ فوراً سمجھ لیا جاتا ہے کہ عوام الناس کی افراط۔ تفریط۔ بے ادبی اور

بے ترکیبی کے آئندہ خطرے اور اندیشے سے۔ زبان رسالت سے اس حکم اتنا ہی کو سن کر ایک مدت خاص تک اکثر صحابہ مجتہدین نقل حدیث وغیرہ سے احتیاط کرتے تھے۔ شبلی صاحب۔ مجمع بخاری کے اسناد سے سائب ابن یزید کی مفصلہ ذیل روایت نقل فرماتے ہیں۔

صحبت عبد الرحمن ابن عوف۔ طلحہ ابن عبد اللہ والمقداد وسعد بن مسعود عنہما سمعت ابا عبد اللہ یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا انی سمعت طلحہ یحدث عن یوم احمد

ابن عبد الرحمن ابن عوف۔ طلحہ ابن عبد اللہ۔ مقداد اور سعد (ابن ابی وقاص) کی صحبت میں رہا۔ لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے نہیں سنا بخیر اسکے کہ طلحہ غزوہ احمد کا واقعہ بیان کرتے تھے۔ دیباچہ ص ۱۲

مگر یہ صحابہ بھی تمام تر محتاط نہ تھے۔ اکثر حضرات نے انہیں سے آگے چل کر نقل حدیث کا کام شروع کر دیا تھا چنانچہ اس حکم اتنا ہی کے متعلق شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کارشاد ہے۔ کیونکہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں بعض صحابہ آپ کے ارشادات قلبیہ کر لیا کرتے تھے مجمع بخاری باب العلم میں حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے کہ صحابہ میں مجھ سے زیادہ حدیثیں کسی کو محفوظ نہیں تھیں۔ البتہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔ اور میں لکھتا نہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر کی عادت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیا کرتے تھے۔ زہری نے ان کو منع کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلطی کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی میں اور تم سب لکھ لیا کرتے ہو۔ عبد اللہ ابن عمر نے اس پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے وہاں مبارک کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو۔ اس سے جو زکوٰۃ ہے حق نکلتا ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تفسیر العلم میں روایت کی ہے کہ اوس بیاض کا نام جس میں عبد اللہ ابن عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں قلبیہ کر لیا کرتے تھے۔ صادق تھا۔ دیباچہ ص ۱۰

شبلی صاحب کی مرقومہ بالا عبارت سے اتنا معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی نقل کا آغاز آپ ہی کے زمانہ سے ہو گیا تھا۔ مگر اکثر صحابہ اس وقت ہی احتیاط و تامل سے کام لیتے تھے۔ جیسا کہ امام بخاری کے اسناد سے اور معلوم ہو چکا ہے۔ نقل حدیث میں اس احتیاط کا اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اکثر صحابہ میں باقی اور قائم رہا۔ چنانچہ شبلی صاحب بھی دیباچہ ص ۵۷ میں تحریر فرماتے ہیں۔

جو صحابہ بہت محتاط تھے۔ حدیث کی روایت کرتے وقت اون کی حالت متغیر ہو جاتی تھی۔ سنن ابی ماجہ کے دیباچہ میں عمر ابن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ میں عبداللہ ابن مسعود کی خدمت میں ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا میں نے کہا ہی اون کو یہ کہتے نہیں سنا کہ آنحضرت صلیع نے یہ فرمایا۔ ایک دن اتفاق سے اون کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تو دفعتاً سر جھکا لیا۔ پھر میری نظر اون پر پڑی تو دیکھا کہڑے ہیں قمیص کی گھنڈیاں کھلی ہیں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں۔ گھٹے کی رگیں پھول گئی ہیں اور کھڑے ہیں کہ آنحضرت صلیع نے یوں کہا۔ یا یوں کہا۔ یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم یا اس کے مشابہ۔

امام شعبی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی خدمت میں سال بھر رہا۔ لیکن میں نے اونکو کبھی حدیث روایت کرتے نہیں سنا۔

سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے سعد ابن مالک کے ساتھ مکہ مبارکہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا اس تمام راہ میں انھوں نے ایک حدیث ہی آنحضرت صلیع سے روایت نہیں کی۔ حالانکہ وہ صحابی تھے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر نے اپنے والد ماجد سے پوچھا کہ میں نے آپ کو اور صحابہ کی طرح روایت کرتے نہیں دیکھا اونھوں نے کہا میں جب سے اسلام لایا۔ میں نے کبھی آنحضرت صلیع کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ لیکن میں نے آنحضرت صلیع سے سنا ہے کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے تو چاہیے کہ اپنا گھر آگ میں بنالے۔

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ خود آنحضرت صلیع نے منیر پر ارشاد فرمایا ایا کہ کثرت الحدیث عنی۔ خبردار۔ مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ بیان کرو۔

دیباچہ ص ۷۵ میں تو بیان حدیث میں خود مخبر صادق علیہ السلام کے قول سے یہ حزم و احتیاط نقل فرمائی گئی ہے۔ اور پھر برخلاف اس حکم امتناعی تنبیہ عن الکثرت اور حزم و احتیاط بیان احادیث اونھیں مرویات احادیث کی دیباچہ ص ۱۱ میں ان عبارت و الفاظ کے ساتھ یہ صورت قایم کی گئی ہے کہ :-

شعبی صاحب کا عبداللہ ابن عمر کی نسبت عدم نقل حدیث کا بیان اور شعبی صاحب کا اوسپر اعتبار اور سند اوس کا اظہار ہرگز قابل قبول نہیں کیونکہ بالکل خلاف واقع ہے۔ اگر ابن عمر کا یہی طرز رکوت مانا جاوے تو پھر اتنی انکی مرویات کہاں سے ثابت کی جائیں گی۔ شاید بیعت یزید کے قبل انکا یہ طرز عمل ہو۔ المؤلف عنی عنہ

آنحضرت صلعم کے بعد اس تحریر ہی ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوتی گئی کہ بنو العباس سے پہلے ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایات کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات اور تالیفات گہڑوں اور گدھوں پر لا کر لائی گئیں۔ بسواۃ تذکرۃ استغاثہ ذہبی۔ پھر صفحہ ۱۴ میں مرقوم ہے۔

سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ ان سے دفتر کے دفتر کے حدیثوں کے قلمبند کراے اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے۔ مثلاً ابن عبد البر اپنی کتاب جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں۔

عن سعد بن ابراہیم امرنا عمر بن عبد العزیز | سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے ہر احادیث
بجانبہ السلطنۃ بنانا تھا دفتر دفتر آفیت الی | کے جمع کرنا حکم کیا۔ ہر دفتر کے دفتر لکھ دالے۔ عمر نے
اکل ارض لہ علیہا سلطان دفتر | جہاں جہاں انکی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا۔

بالکل ایسے ہی۔ ان سے قبل کے خلفاء و امراء نے تحریر و اجراء احادیث میں۔ گو وہ تمام تر موضوعات ہی کیوں نہ ہوں اپنی سطوت سلطانی کے اثر سے جیسی کوشش و تاکید کی وہ ہم امام مدائنی کے الفاظ و عبارت میں اور لکھ چکے ہیں۔ تو اب زمانہ ابتداء کے اسلام کی امتناع و احتیاط نقل حدیث کو جسے نبی صاحب خود لکھ چکے ہیں۔ اس زمانہ کی کثرت حدیث اس کا عامیہ اور بے اویانہ استعمال سے جو شبلی صاحب کی اور نیز دیگر محققین کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے۔ ملایا جاوے تو صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اصحاب مانعین نقل حدیث کا مدعا۔ حرمت قول رسول صلعم کا استغاثہ تھا۔ (جیسا کچھ اور جتنا کچھ بھی ہو) برخلاف ان کے ارباب مجوزین نقل حدیث کو۔ نقل و بیان حدیث کے اکتار سے بادشاہوں کے دربار میں اپنا اقتدار اور اسلامی امصار و دیار میں اپنے محدث ہونے کا اعتبار بڑھانا تھا۔ جس کی اصل حقیقت کو شبلی صاحب نے تمام تر چھپایا ہے۔ امام زہری کے حالات میں صرف ان کے تعلق دربار اور شام کے علم الاطفال کا اشارہ فرمادیا ہے۔ مگر آپ سے زیادہ۔ شاہ عبد الحق صاحب مؤلف دہلوی نے شرح مشکوٰۃ شریف کے مقدمہ میں ان کے حالات کا انکشاف فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

واقعی کے حالات میں تو شبلی صاحب لکھ چکے ہیں کہ گویا وہ سلطنت کے ہاتھ بکھا ہوا تھا۔ مگر تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعی ہی ہی پر موقوف نہیں۔ باشتنا سے متعدد دے چند۔ قریب قریب تمام تنصیر سلطنت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور کوئی نکر نہ ہونے۔ زمانہ بدل گیا تھا۔ اور اسی کے ساتھ

معاشرت۔ تمدن۔ اخلاق اور مذاق سب کچھ متغیر ہو گیا تھا۔ احکام رسالت کے ساتھ عوام میں فراہم
سلطنت اور نصاب شریعت کی جگہ قواعد سیاست واجب الاتباع تھے اور انھیں کے اتباع
پر گزران اوقات اور ضروریات حیات منحصر تھے۔ ضرورت خود داری اور دیانتداری کو قائم نہیں
رہتے رہتی تھی۔ سلطنت حکومت۔ خوف سلطنت ہر دم و ہر لحظہ گلو گہر تھا۔ راست گوئی کے جوہر کو
قتل و ہلاکت کا خوف زائل کر چکا تھا۔ حق جوئی اور انصاف امر پرستی کے اندر ہو چکے تھے۔ اس بنا پر ان
حضرات سے کمال تدین و اعتبار کی امید و یقین محض بیکار رہے۔ یہ وظیفہ خواران سلطنت کہنا تک
استحقاق دیا نہ کر سکتے تھے۔

خلافت راشدہ کے زمانہ ہی سے وظیفہ خواروں کا عمل آغاز تھا۔ جو حضرت عمر کی خاص ایجاد تھی
اور ان تمام آئندہ مواد و فساد کی مورث۔ ایک وظیفہ خوار خلافت عبدالرحمان بن عوف نے مرنیکے
بعد اپنی اتنی دولت اور چوڑی تھی کہ ان کی ایک زن مطلقہ کو جس کی حقیقت شانزدہ اہل مالیت میں
بے نصاب شریعت آٹھویں حصہ سے بھی کم تھی۔ انسی ہزار دینار ملے تھے۔ بان کثر المال ملا علی تقی جانا
موضوعات و قسم علیٰ هذا۔ توکل۔ قناعت۔ خود داری اور احتیاط کو قطعاً فراموش کر دیا جس کی
تعلیم وہ زمانہ رسول صلعم میں ایک مدت تک پانچکے تھے۔ اب وہ خلفائے عصر کی ان مالا مال و ادو
پریش اور نامشروع جہادوں کی غنیمت سے مالا مال اور فارغ البال ہونے کے عادی اور غور ہو چکے
تھے۔

رسول اللہ صلعم بعد جہاد و اجتہاد
دونوں تباہ و برباد کر دئے گئے۔
اگر حقیقت بینی اور انصاف سے کام لیا جاوے تو ثابت ہو جائیگا کہ اصول
تعمیم کی تقلید سے اسلام میں حکم جہاد و اجتہاد۔ دونوں کو تباہ و برباد کر دیا۔
اور ان دونوں حکمیات اسلام کی وہ ناگفتہ بہ حالت پہنچے کہ آج کل مخالفین دیندارین دین کے
چھینے حکمت و اعتراضات اسلام پر وارد ہوتے ہیں۔ وہ انہیں دونوں امور کی بدعنوانی اور بے ترکیبوں
کے باعث۔ اگر زمانہ رسالت کے عمل باجہاد اور اوس کی تعمیل و اجرا میں حزم و احتیاط۔ اوس کے قواعد و
نصاب پر نظر کی جائے اور ان کو زمانہ خلافت کے جہاد کی عملی صورتوں سے ملایا جاوے۔ تو ثابت ہو جائیگا
ہے کہ عہد رسالت کا جہاد غایت مجبوریوں کے وقت اپنی حفاظت و اختیاری کی ضرورت سے دشمنوں
کے قاتلانہ حملات کا مدافعت نہ ہو اب تھا۔ بخلاف اسکے زمانہ خلافت کا جہاد۔ تو وسیع ملکات۔ ترقی اقتدار
حصول دولت۔ وصول غنیمت۔ اجراء کے مدعا سے خود غرضی و نفسانیت کی بنا پر پیشی تھا۔ وہ الزامی امور
میں جہاد شرعی کا حکم نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ملک گیری کے عام مبارک جنگ میں شمار ہوتے تھے۔

جہاد حصول دولت کا ذریعہ بنایا گیا تھا زمانہ خلافت میں۔ حصول دولت۔ حصول غنیمت کا پورا ذریعہ بنا کر اور مذاق زمانہ کے بالکل مطابق پاکر۔ فرائض اسلام میں سے ایک فرض جہاد کو بڑی اہمیت کے ساتھ واجب التعمیل سمجھ لیا گیا تھا اور امت اسلام کے ہر خاص و عام کا اسی پر عمل درآمد قائم تھا۔ عرب کے تمام قدیم شاغل و کاروبار متروک کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ تجارت جو ان کا معیار قومیت تھی، قطعاً بند کر دی گئی۔ حقیقتاً اسلام میں دولت کیا آئی تیا مست آئی۔ قناعت۔ توکل اور صبرِ خصیت ہو گئے۔ تلاش و تلاش۔ تناسل سے تمول اور فکر و تدبیر و تدبیر ہو گئی۔ جہاد حکم خداوندی تھا۔ اور ایک خاص حالت صورت تک مشروط و محدود تھا۔ اوس کے اصل مقصد و مدعا کو بگاڑ کر۔ ملکی حملات اور جنگی تاخت و تاراج اور عام قتل و غارت کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا جس کی نظیر میں۔ عہد رسالت میں بنی خزیمہ پر خالد ابن ولید کا خود غرضانہ اور ظالمانہ حملہ۔ اوس پر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت عتاب اور درگاہ رب العزت میں (انی ابرار علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم)۔ (خدا یا۔ جو کچھ خالد نے کیا میں اوس سے بالکل بری ہوں) کے ایسا معذرتانہ خطاب۔ ایک طرف رکھا جاوے۔ اسی کے مقابلہ میں انھیں خالد ابن ولید کا زمانہ خلافت میں مالک ابن نویرہ سے جہاد۔ اوس کے مال و ابرو کی ظالمانہ غارت۔ ان کے طرز عمل پر حضرت عمر کی خاص گرفت۔ دوسری طرف رکھی جاوے۔ تو جہاد شرعی خیر شرعی اور اصلی و غیر اصلی کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ نصاب جہاد کی زیادتی اور شائبہ شدت کے موقع پر اوس حقیقی داعی کلمۃ اللہ اور اصلی مجاہد فی سبیل اللہ روحی و اللہ کی تشویش۔ تردد۔ اور اضطراب کا کیا عالم ہو جاتا تھا۔ وہ اوس کے معذرتانہ قول ۱ اللہم ابراء ابداً ۲ حاکم خاندان کے بار بار فرمانے سے ثابت ہے۔ اور پھر اوس کے مابعد کے طرز عمل سے بھی کما حقہ پیدا و افکار ہے۔ جو بنی خزیمہ کے تون ناحی کی دیت میں اوس نے اپنی جگہ پر اپنے خاص نفیس نفیس۔ اپنی ذات خاص کے مماثل اور راہ خدا کے مجاہد کامل کو بھیکر اپنی مالیت خاص سے اوس کے جانوروں تک کی دیت و قیمت کوڑی کوڑی کر کے ادا فرمائی۔ رسالت کے جہاد اور اوس میں کسی بدعنوانی اور فروگزاشت پیدا ہو جانے پر ادا دیت اور منالوہین کی کوئی اور تسکین میں اس احتیاط و التفات سے کام لیا جاتا تھا۔

زمانہ خلافت کے جہاد اور اوس میں بدعنوانیوں اور بے تسکیوں کی یہ حالت تحقیق سے ثابت ہوتی ہے کہ شکایت پر شکایت ہو رہی ہے۔ استغاثہ پر استغاثہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر کوئی شکوہ ہوتا ہے اور کوئی اعتداء و توجہ کرنے والا اسی ایک مثال کو پیش نظر رکھ کر جس میں حضرت عمر کے ایسے

ولیعہ اور منتظر الخلافت بزرگ کی یہی کچھ نہ چلی اور بالآخر مالک ابن نویرہ کا خون بہا۔ آج تک خلافت کے دوسرے جہاد رسالت اور جہاد خلافت کا فرق مابہ الامتیاز ذہن نشین کر لینا چاہئے۔
یہ جہاد حقیقتاً جہاد نہیں باقی رہے تھے۔ بلکہ ملکی فرماؤں اور اون کی رعایا کے ایک کاروبار تھے جس نے اتفاق سے بڑا فروغ پایا۔ یہاں تک کہ ملک و قوم کا عام مذاق۔ عام مشغلہ اور گذران اوقات کا ایک ہی ذریعہ و وسیلہ قرار لگ گیا۔ اسوقت بلا امتیاز و اختصاص۔ صحابہ کبار کے طبقہ میں تمام مہاجر و انصار مجاہد ہی مجاہد نظر آتے تھے۔ بہت کم ایسے بزرگوار تھے جو علمی مذاق رکھتے تھے۔ اور قوم و ملت کی قلبی خدمت کرتے تھے۔ اور جو لوگ شاذ و نادران مشاغل میں مصروف تھے۔ علی الاکثر وہی افراد قوم تھے۔ جو پیری کے ضعف و نقارست کی وجہ سے جنگی کاموں سے بیکار ہو گئے تھے۔ یا وہ حضرات تھے جو ان جہادوں کی حقیقت کو سمجھ کر ان کی شرکت سے اعراض فرماتے تھے۔ اور متوکل بخدا ہو کر گھر بیٹھتے تھے۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا عہد رسول صلعم میں تمام صحابہ کبار مجاہد مجاہد نہیں تھے۔ اور خدمات جہاد انجام نہیں فرماتے تھے۔ جواب یہ ہے۔

ہاں سب جہاد کرتے تھے۔ مگر مجاہدین میں ہمیشہ انتخاب بھی ہوا کرتا تھا۔ اور یہ انتخاب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص تجویز پر منحصر و موقوف ہوتا تھا۔ اور طریقہ انتخاب بالکل نصاب جہاد کے اصول منصوصہ پر مبنی ہوتا تھا۔ نصاب واجبات کے اعتبار سے جو شخص ان میں تکلیف جہاد کے لئے مکلف سمجھا جاتا تھا۔ وہ مجاہدین کی فہرست میں داخل کیا جاتا تھا۔ اور خدمات جہاد کی انجام دہی کے لئے مجبور ہوتا تھا۔ ورنہ غیر مکلف کو کبھی تکلیف جہاد نہیں دہی جاتی تھی۔

اسکے علاوہ جناب رسول خدا صلعم کے عہد میں جہاد ادا سے واجب کی خالص نیت اور کامل ادا سے کیا جاتا تھا اور جہاد بعد رسول اللہ صلعم تو سب ملک اور حصول دولت کے اغراض ذاتیات کے قصد سے۔

خالص جہاد کی عملی مثال مثال کے لئے جنگ احد میں حضرت علی اور ایک کافر کا مقابل ہونا حضرت علیؑ کا اوس پر غالب آنا۔ کافر کا زخمی ہو کر گرنا۔ حضرت علیؑ کا سر کاٹنے کی نیت سے اوس کے سینہ پر چڑھنا۔ کافر کا روئے مبارک پر ٹھوک دینا۔ آپؑ کا فوراً اوس کو دیا ہی چھوڑ کر اپنی صفت میں اپنے مقام پر واپس چلا آنا۔ صحابہ کا باعث عفو پونہا۔ حضرت علیؑ کا جواب میں ارشاد فرمانا کہ اسوقت تک میرا جہاد ادا سے واجب کی خالص نیت کے ساتھ تھا۔ اب جب اوس نے میرے

موتھ پر تھوک دیا تو ایسی حالت میں اوس کے سر کاٹ لینے سے میرے خلوص جہاد میں شرکت نفس واقع ہو جاتی۔ یہ بہت مشہور واقعہ ہے۔ مولوی روم نے اپنی مثنوی میں بڑی شرح و بسط سے پوسے واقعہ کو نظم کیا ہے جس کا شعر اول یہ ہے ۵

اوخوانداخت بروئے علیؑ استخار ہر دھی و ہر ولیؑ کاتی ہو
اگر تحقیق و غور سے کام لیا جائے تو ایسے خالص مجاہدین عہد رسول صلعم میں اکثر نظر آئیں گے۔ مگر افسوس کہ رسول صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی۔ یہ صورتیں تو باقی رہتی ہیں مگر ان کے عمل جاتے رہتے ہیں۔ حضرت عمر کی خلافت میں۔ مجاہدہ روم کے موقع پر جب قیصر کی کثرت فوج کی خبر نے پہنچنے کے تمام اہل اسلام کو گھبرا دیا۔ اور حضرت عمر نے مجالس مشورت جمع کی۔ اور اوس میں بالخصوص حضرت علیؑ سے مستفسر ہوئے۔ تو انہوں نے مقابلہ و مقاتلہ کی مفید و ضروری تدبیریں بتلا کر یہ فقرات بھی آخر میں اون سے ارشاد فرمائے کہ یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ عہد رسول صلعم میں ہم لوگ تعداد فوج کے اعتبار پر نہیں لڑتے تھے۔ بلکہ مبارک جنگ میں۔ ادا سے واجب اور خلوص نیت ہمارا نصب العین ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ ابن اثیر جلد ۴ و تاریخ اعظم کوئی جلد ۲ نسخہ تعلیمی زمانہ خلافت میں ایسے خالص جہاد کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں اور ایسے کامل مجاہدین کی شان و نامور صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ اسی بنا پر مخالفین اسلام کے اون تمام بیجا اور بے سرو پا تعریف کا جو غزوات النبی صلعم اور عقاید جہاد کے متعلق وارد کرتے ہیں۔ نہایت آسانی سے شافی اور کافی جواب دے دیا جاتا ہے۔ لیکن جب بعد رسول صلعم۔ خلفاء و امراء کے جنگی مظالم اور ملکی مفاسد کے کشف حالات کرتے ہیں۔ تو سو اے اسکے کہ اون کے مبارک جنگ کو احکام جہاد سے بالکل بے تعلق بتلا کر۔ پادشاہوں کی معمولی ملکی لڑائی بتلائی جاوے۔ اور کوئی جواب معقول کسی سے بن نہیں پڑتا۔ نہیں معلوم کہ شبلی صاحب کا اس مسئلہ خاص میں کیا مختار تھا۔ مگر یہ زمانہ خلافت کے تمام جنگی حالات کو جہاد کے معنیوں میں لینے سے قطعی انکار کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ تہذیب الاخلاق مضمون جہاد۔

جہاد کہ ایسا جہاد ہی غارت ہوا۔ عہد رسول صلعم کے بعد۔ جیسا جہاد غارت ہوا دلیا ہی ابتداء سے سال
جماعت ر یعنی دومۃ البجندل کے بے ایمان فیصلہ کے بعد۔ سے تو جہاد کی اور ناگفتہ حالت ہو گئی جسکا
نمونہ عہد معاویہ میں حرمین شریفین پر سیر ابن اوطاؑ صحابی کا حملہ۔ طائف میں پسران عبداللہ ابن عباس
بجالت صغریٰ قتل کیا جانا۔ پھر عہد یزید ابن معاویہ میں۔ واقعہ کربلا۔ واقعہ حرہ۔ غارت مدینہ منورہ۔ آخر

کعبہ منظم ہو جو وہ ہے۔

جب بنی ہاشم کی طرف سے بنی امیہ کو خاطر خواہ اطمینان ہو گیا۔ اور حجاز۔ عراق۔ جزائر۔ مصر۔ افریقہ۔ تک خلافت کا تسلط ہو گیا۔ تو اختیار و اقتدار کے بعد۔ استقرار حکومت اور استمرار سلطنت کی تدبیر پیش نظر ہوئی۔ چونکہ ابتدا ہی سے مذہب و حصول دنیا کا ایک تیار آئہ قرار دے لیا گیا تھا۔ اس لئے اس تدبیر میں ہی اسی سے کام لیا گیا۔ صرف صورت بدل دی گئی۔ اور چونکہ تسلط ہو جانے کے بعد جہاد اور مجاہدین کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس لئے ان کی جگہ پر اجتہاد اور مجتہدین حدیث و فقہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس بنا پر علمائے محدثین اور فقہائے دین طلب ہو سکے۔ اور ان حضرات سے پہلے فضائل بنی امیہ میں تصنیع و ترصیع احادیث کی فرمائش ہوئی۔ جب ایسی حدیثیں تھیں تو انھیں باہر اور ضرورت سے زائد ہو کر تمام ممالک اسلامیہ میں ذائع و شائع ہو گئیں تو فضائل و مناقب خلفائے سابقین کی تحجیم و ترسیب کی ہدایت ہوئی۔ جیسا کہ علامہ ابن بدائنی کی کتاب لاجلہ سے اور پرکھ دیا گیا ہے۔

یہ واقعات ثابت کر رہے ہیں کہ خلفائے اولین کے عہد میں جس طرح جہاد و مجاہدین کی کثرت تھی اسی طرح خلفائے متاخرین بنی امیہ و عباسیہ کے زمانہ میں اجتہاد و مجتہدین سے شاہی دربار اور تمام انحصار و دیار بکھر گیا۔ پانچ سات برس پہلے جیسے جہاد ملکی پیشہ اور قومی کاروبار بنا لیا گیا تھا بالکل اسی طرح اس وقت اجتہاد ہی ذریعہ معاش اور سب اوقات کا وسیلہ قرار دے لیا گیا۔ اور بقول امام بدائنی۔ دھنی حدیثیں بنانے کے لئے خلافت کی طرف سے بڑے بڑے انعامات۔ جاگیریں اور خلعت۔ لٹاکرے تھے۔ ہر عالم فقہیہ۔ محدث قاضی اور خطیب مال و دولت اور ثروت و شکست میں وایان ملکی سے کم نہیں تھا۔ ملک و قوم کی نگاہوں میں ان کی قدر و منزلت۔ حرمت و عظمت امر او سلاطین سے فرد تر نہیں تھی۔ اور یہ حضرات ہی اپنے اقتدار و اعتبار کے خیالوں میں اپنے آگے ملک و قوم کے معمولی طبقات کی کوئی ہمتی نہیں سمجھتے تھے۔ معمول عالم کی صحبت بڑے بڑے امرائے ملکی کی مجلس سے زمان و شوکت میں کم نہیں تھی۔ کسی محدث اور فقہیہ کی مجلس کی زیب زینت و قصر شاہی کی آرائش سے ملکی نہیں تھی۔

مشہور بن علما و محدثین کی نموداریوں کا کیا ذکر۔ روایات احادیث کے معمولی رواۃ کی خود سنائی و ناغہ داری عزت اور خود سنائی دیکھنے کے قابل ہے۔ یہاں ہم ایک خود نما اور غونت پسند رواۃ کی جو عجیب غریبی اور سند امام احمد ابن حنبل کے۔ بنی ہاشم و معتبر تہذیب صحاح کا مشترک راوی ہے۔ یحییٰ بن الاعرجی نے یہی

کی اسناد سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

عن ابن مسعود قال قال قتاد بن ربعی عن علی بن غنیم
فقال لا یصلحکم حقن دماءکم فیما بینکم
اہل البیت فیکونوا فیہ
ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم غنیم سے حدیث سننے کے لئے گئے جب
انکے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ جب تک تم لوگ ہمارے
پچھلے بچے بازار میں نہ چلو گئے کہ لوگ دیکھیں اور ہماری تعظیم کریں
تک تک تم لوگو حدیثیں نہ سناؤ گے۔

اب اس سے بڑھ کر اس راوی حدیث کی دنیا داری کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اس غرض سے
کہ لوگ اس کی قدر و منزلت کریں۔ شاگردوں سے اس کی خواہش و فرمائش کرتا ہے کہ وہ انکے پیچھے
بازاروں میں اور گلی کوچوں میں بلیں اس سے بڑھ کر غلغلہ اور دیانت طبعی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔
حدیث صاحب کا حدیث نقل اس کے بعد اس معلوم حدیث اور حدیث کی حدیث نقل ہوتی ملاحظہ فرمائیے۔ فرمائش
تو اتنی اور عقل و دانش اتنی۔ اسی میزان الاحدال میں ہے۔ چنانچہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ غنیم را ایک
روز بازار میں پہنچے۔ گھر والوں کو دیکھا کہ وہاں سے پکائی جاتے۔ حکم دیکر سو گئے۔ گھر والوں نے
چھلی پکا کر کھا ڈالی اور ان کو سوتا سوتا چوڑیا۔ لیکن مزاج کے قصور سے ان کے ہاتھ میں شوربہ لگا دیا
گھری نیند سے جب ان کی آنکھ کھلی تو فوراً چھلی یاد آئی۔ کہنے لگے چھلی لاؤ۔ چھلی لاؤ۔ گھر والوں نے کہہ
سوان اللہ۔ ساری چھلی منہم کر گئے پھر کہتے ہیں۔ چھلی لاؤ۔ چھلی لاؤ۔ ذرا اچھ تو نہ ہو غنیم نے انہیں کر نیکی
لئے ہاتھ سو لگھا تو واقعی چھلی کے شوربہ کی بو آئی تھی تو غاموش ہو رہے۔
جب ان کے حافظہ و عقل کی یہ مقدار و کیفیت تھی تو انکی قوت سامعہ اور استحضار کا کس عقل والے
کو اعتبار ہو سکتا ہے۔

غنیم کا وجہ تہی عقل کا اندازہ ہو چکا۔ اسی میزان الاحدال کی عبارت سے ہے۔ ان کے مزاج کا بھی موازنہ
کر لیا جاوے۔ ان کے ملقب بغنیم کی توجہ میں مرقوم ہے۔ ابن ابی جریر کہتے ہیں انکا یہ نام رکھا ہے۔
اس لئے کہ بات بات پر یہ سب لڑتے اور جگڑتے رہتے تھے۔ اہل عہد ان سے مزاج والے آدمی کو غنیم
کہتے ہیں۔ اسی رعایت و مناسبت سے یہ بھی غنیم ہو گئے۔

مندرجہ بالا واقعات سے کمال طور پر سمجھ لیا جاوے گا کہ محمد شین اور علماء و فقہاء اسلام کی ان آیات میں
کیا شان ہو گئی تھی۔ اور ان کے آداب و معاشرت۔ اعمال و اشتغال اور اخلاق و مذاق میں عظمت
کے کتنے اثر پیدا ہو گئے تھے۔ وہ تیر و احتیاط اور عارفانہ کی جگہ علانیہ دنیا اور کسب معاش
اور فکر تعیش نہیں بنادے۔ حدیثوں کا بیان و اعلان ان کا پیشہ تھا۔ وہ اس کی تعلیم مقلدین کو

خالقہ اللہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی گزراں اوقات اور سامان معیشت کا ذریعہ سمجھ کر عمل میں لاتے تھے حکومت کی تجویز کی تائید میں ہزاروں حدیثیں دن رات بنتی رہتی تھیں اور ایک زبان سے ہونے ہزاروں زبانوں پر چڑھ کر متواتر ہونے کے خلعت پہنا کرتی تھیں زمانہ کی خلعت اور اہل زمانہ کی تکبیر سے عالم اسلام میں غفلت کی دو تار کی پھیلا رکھی تھی کہ کسی کے دل میں نہ خدا کا خوف باقی رہا تھا۔ اور نہ رسول کا درد۔ جس نفس قدسی برکت پر رات دن اتنے اتہام باندھے جاتے تھے اور کسی کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ یہ تھا شمشیر سلطنت کا اثر۔ اور یہ تھا تدبیر حکومت کا دست مقدر جس سے قبل صاحب اغماض فرماتے ہیں۔

احادیث موضوعات پر علماء کی ندامت لیکن ان مصنوعات کے انبار احصار و شمار سے بھی زاید ہو گئے۔ اور اتنے کہ حق و باطل کی تمیز بالکل دشوار ہو گئی۔ تو ان محدثین متقدمین کو اپنے نقل حدیث پر سخت ندامت و انگیر ہوئی۔ اور معترفاً اقرار کرنا ہوا۔ کہ نقل و بیان حدیث کی نہ اتنی کثرت کی جاتی اور نہ اقوال و ارشاد کی یہ اہمیت دیکھی جاتی۔ ان حضرات میں سے چند بزرگواروں کے اعترافات اور معذرتانہ کلمات ذیل میں ان کے خاص الفاظ کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں۔ امام شعبی فرماتے ہیں :-

کرۃ الصالحون الا ولون الکما سن لہ بشا
و لو استقبلت من امری ما امست یرت
حدیثہا ما اجمع علیہ اھل الحدیث
پہلے صحابہ زیادہ روایت بیان کرنے کو کر دے سمجھتے تھے۔ اور
راقی روایت میں جو نقصان ہے اگر وہ پہلے سے مجھے معلوم ہوتے
تو میں ہرگز روایت نہ بیان کرتا جن حدیثوں پر سب کا اجماع
ہوتا صرف انھیں کو بیان کرتا۔

امام عبداللہ ابن عبدالرحمن دارمی نے لکھا ہے۔

قال عاصم سالت الشیبی عن حدیث فحید
فقلت انہ یرفع الی النبی صلعم فقال لا علی
من دون النبی صلعم اھل البنا فان کان
دون النبی صلعم۔
عاصم کا بیان تھا کہ میں نے شیبی سے ایک حدیث پوچھی
انہوں نے بیان کر دی۔ میں نے پوچھا کیا آپ اسے جناب
رسول خدا صلعم کی طرف منسوب کرتے ہیں کہا نہیں۔ اس لئے کہ
اگر حدیث کے نقلوں میں کمی و بیشی ہو اور غیر رسول صلعم کی
طرف منسوب کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ایضا سند دارمی یہاں مرقوم ہے :-

قال ابراہیم النخعی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم عن اہل اقلہ و اہل اقلہ فقلت لہ ما اقلہ
ابراہیم نخعی نے ایک روز مخالف اور فراتہ کی نہیں میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت بیان کی۔ اس پر لوگوں نے

تذکرۂ احتفاظ ذہبی میں ہے کہ امام شعبہ جو امیر المومنین فی اُحدیث میں اور ان کو انس ابن مالک صحابی کی صحبت کا بھی مشرف حاصل ہے اور خدا جھوٹ نہ بنو اُسے تو چار سو تابعین سے تقریباً دس ہزار حدیثوں کی روایت ہی کی ہے کہ جس کے سبب سے ان کو فن رجال کا نگہ بنیاد رکھنے کا فخر حاصل ہے اور نیز آپ کے شاگرد ہی پر امام سفیان ثوری محدث کو ناز ہے پس آپ کو جس وقت حدیث کے نقصان پر اطلاع پہنچی تو نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا۔

و دردت انی و قاد الحام و لم اسرف المحدث
 ۱۱ مجیدہ نماک میں تمام میں اندھن بن کر جلتا اور کاش کہ حدیث مذہبانتا۔
 سفیان ثوری جن کا مقدس خطاب سید الکفا ہے۔ اور خدا بہوٹ نہ ہو اسے تو بیس اور تیس نیز ار کے
 درمیان انہوں نے روایت کی ہے۔ جن کے فضل و کمال کا پایہ مالکس اور یحییٰ ابن سعید القطان سے
 ہی زیادہ بلند تھا۔ جب ان پر حدیثوں کے نقصان و خرابی کا حال کھلا تو نہایت خوف و ہراس اور افسوس
 یاس سے فرمایا کہ یہی غنیمت ہے کہ قیامت میں مجھ سے میرے علم کے لئے کوئی مواخذہ نہ ہو اور مجھے
 اپنے تمام اعمال میں حدیث کی روایت سے زیادہ کسی اور عمل سے اندیشہ نہیں ہے۔

نہیں یہاں لہذا یہ ابن حجر عسقلانی میں ہے کہ اسحاق ابن اسمعیل اصنافی جسکی کنیت
ابوالیوب ہے۔ روایت حدیث سے ایسے پیرا ہونے کہ مرث سے پانچ برس پہلے قسم کھائی کہ آج سے
روایت نہ کروں گا۔

الرفقاء الذين هم القريب مني

ہشام و ستوان جن کا لقب السخا فظ النجیہ ہے۔ جب انکو احادیث کی خرابیاں معلوم ہوئیں تو ستر
 روئے کر آنکھیں جاتی رہیں اور بار بار یہی فرماتے تھے کہ وہ اگر حدیث کی بازی میں سے چوٹ جائیں تو غلبہ
 علی ہشام الد مستوا فی ہفتی فدت عینہ ۱
 ستوان کی روئے روئے آنکھیں جاتی رہیں کہتے تھے کہ اگر احادیث
 کی بازی میں سے چوٹ جاؤں تو غلبہ ہے۔

اوسکی تہذیب الشہادت میں ہے کہ جہان ابن ہانی بالی نے روایات احمد بن حنبل سے روایت کی ہے۔

سنا رکشی اختیار فرمائی۔ تذکرہ احفاد میں ہے کہ مسعر ابن کرام جو کہ اعلام محدثین میں ہیں۔ ابن قطان جن کی نسبت فرماتے ہیں کہ میں نے فن حدیث میں کسی کو انکا ہمسر نہیں پایا۔ جب ان کو واقعات روایات کے مسائل کا علم ہوا تو ایسے پریشان ہوئے کہ کہہ کر فراموش ہو گئے۔

و ددت ان الحدیث قویا علی ساری علی ساری
بجہ یہ پسند تھا کہ حدیثیں میرے سر پر سے آگینہ نہ کر گزریں اور
نسقطت نہ سکرت۔

حدیثوں کی کثرت اور کثرت کی بدولت ان کی ذلت و حقارت کا نتیجہ نکلا کہ طبقہ کرام محدثین محتاطین میں اتنے حضرات نے آخر کار نقل و بیان احادیث پر اپنی طرف سے تامل کا اظہار فرمایا۔ تامل کا نام ہے کہ وہ جہاں پہنچا وہاں پر کثافت نہ فرمائی بلکہ اکثر زبردگوں نے مطلقاً اس کا ہی کو پھوڑ دیا۔ غاصب و لایا و لایا کا بھلا

کتاب موضوعات کا ایفہ کا زمانہ اس کے بعد حبيب معاون سلطنت کے اقتدار میں کمی آئی۔ یا یوں سمجھا جاوے کہ اب سلطنت کو ان کی استدواء و اعانت کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اور قوم و ملک کے اہل علم و خیر اور صاحبان نظر و اثر کو اتنا براع سلطنت اور غوغا حکومت سے ہی کسی قدر آزادی اور فراغت حاصل ہوئی۔ تو احادیث رسول صلعم کے ان مفاسد و معائب کی طرف ان کو غور و غوض کرنے کا پورا موقع ملا۔ بڑی فکر و تلاش اور سعی و کوشش کے بعد جعلی اور مصنوعی احادیث کا پتہ لگایا گیا اور احادیث صحیحہ کو چین چین کر موضوعات کے انبار سے علیحدہ کیا گیا۔ اور علم اسرار الرجال کی امداد سے اس موضوع خاص پر موضوعات کی ایک حدیث کے دفتر کے دفتر تیار و مرتب کئے گئے۔ موضوعات ابن جوزی۔ موضوعات شوکانی اور موضوعات ملا علی قاری وغیرہ شامل ہیں۔ اس عدت کے منقول اور اس صنف خاص کے موضوع ثابت ہوئے ہیں۔

عام کتب احادیث کے علاوہ کتب حاج کی صحت پر ہی نظر ڈالی گئی۔ اور باعتبار صحت بخاری مسلم ترمذی علی الترتیب نہیں قائم کئے گئے۔ پھر صحیحین بخاری و مسلم کی مساوت فی الصحت کا مسئلہ پیش ہوا۔ اور ان میں سے رطب و یابس کی تمیز و تنقیح کے بعد امام حمید ہی اندلسی نے جمع بین الصحیحین تیار کیا۔ مگر بایں ہمہ سعی و کوشش اور کد و کاوش کے کسی حدیث کی کتاب کی نسبت یہ قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی سبب حدیثیں صحیح ہیں اور اب کتاب میں کوئی غلط یا شبہ اور مخدوش روایت نہیں ہے۔ سوائے شبلی صاحب کے کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا کہ صحیحین بخاری و مسلم میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں۔ شبلی صاحب اس قیاس و رائے میں بالکل منفرد ہیں۔ مگر افسوس۔ اسی دیباچہ میں آگے چلکر صحیح بخاری کی روایات کو خود مخدوش و مشکوک اور اس کے روایات کو ضعیف اور شبہ

یہ زمانہ بھی اثر سلطنت سے خالی نہیں تھا۔ اگرچہ اظہار حقیقت سے گتے ہی دور نہ ہو مگر نظر رہتی تھی۔ انہیں تحقیقات اور حقیقت واقعات کی بنا پر خلیفہ معتمد باللہ نے ۲۸ھ میں اہل اسلام کے دلوں سے حسرت خفا سے بڑی اہمیت کے خیال عظمت و حرمت کے ہٹانے اور مٹانے کے لئے جو انہیں مصنوعی اور دھنسی حدیثوں کی وجہ سے اون کے ذہن نشین ہو رہے تھے قصہ کہ کیا تھا کہ ایک عام اعلان سلطان کے ذریعہ سے ان اقسام کے عقائد بالملک کی امتناع و استیصال کر دیا جاوے۔ مگر پھر وہی حضرات و علما و فقہاء کے کرام جو ان موضوعات، احادیث کے متحمل کرنے والے تھے۔ ایک دوسرے کے زنگ ہیں ایک کے تابع ہو گئے یہ پورا واقعہ تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملتا خطہ ہو۔

وفي سنة ثلاث وثلاثين و مائتين و مائة
المعتمد بالله كتابة الطعن في معويده و
أينته وأبيه وأياحه لعنه وكان من جملة
ما كتب في ذلك بعد استجد له والصلوة على
النبي أنه لما بعث الله رسوله كان أشد الناس
في شقاقهم بنو أمية وأعظمهم في ذلك
أبو سفيان وأمراء يقال ذلك في السواد
ولعن معاوية على المنابر فقل له ان في ذلك

استطالة العلویین و دھم فی کل وقت
یخرجون علی السلطان فیحصل بہ الفتن
بین الناس فامسك عن ذلك
تاریخ کبیر طبرہا

میں ابوسفیان کا نمبر اول تھا نیز مقتصد نے حکم دیا کہ کتبہ کا
مضمون تمام بلاد میں شائع کیا جائے اور معاویہ کی نسبت
کلمات لعن استعمال نہ ہوں مقتصد کا یہ ارادہ دیگر
ارکان دولت نے سمجھا یا کہ ایسا کرنے سے علویوں کو
دلیری ہو جائیگی اور بادشاہ وقت پر ترس جائیگا اور رعایا میں
فساد برپا ہو جائیگا۔ یہ منکر خلیفہ معتقد باللہ چپ ہو رہا۔ اور
اس قدم سے باز رہا۔

استحفاظ سلطنت اور استمرار و استقرار حکومت کی اس تدبیر نے توحق و باطل کی تکرار اور حقیقت کا
انکشاف ہونے نہ دیا۔ اسی طرح و حرص کی تاریکیوں نے حقیقت کے انوار اور اصلیت کے سرا
کو ہمیشہ مخفی کر رکھا اور ان کی جلو و نمایوں کو انواع اقسام کی ترکیبوں اور تدبیروں سے چھپایا۔ اس
ہر شخص حقیقت حال کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ ان حضرات کو اصلیت اور واقعیت سے پوری
اطلاع تھی۔ حق ناحق۔ صحیح غلط۔ اصلی اور مصنوعی۔ غیر مصنوعی کی کامل شناخت اور کافی اطلاع
تھی۔ مگر سلطنت کا اقتدار۔ اپنا اعتبار اور حصول دنیا کے کار و بار دائم و برقرار رکھنے کے سبب خاص
سے۔ حق کو حق۔ صحیح کو صحیح۔ اور اصلی کو اصلی کہنے یا بتلانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اور قصور معاف
اپنی اس ضرورت پوری کرنے اور مطلب نکالنے کے آگے نہ ایمان کوئی شے تھی اور نہ مذہب کوئی
چیز اب اس سے بڑھ کر سلطنت کا دباؤ یا سلطنت کا انکار کیا کوئی ازہر ہو سکتا ہے۔

آل فاطمہ علیہا السلام اور بدعنوانی کے انکشاف حقیقت کے متعلق ہم اتنی ہی نقل و
بیان کو کافی سمجھ کر مسئلہ زیر بحث کو تمام کرتے ہیں۔ اور آئندہ سلسلہ بیان میں شبلی صاحب کے دوسری
ناشی اور محض زبانی تنقیح کی چہرہ کشائی کرتے ہیں۔

شبلی صاحب نے میکہ کے سود اور بے ضرورت ان ناگفتہ بہ اور ناپرسان امور کا ذکر نکالا۔ کہ آل
فاطمہ علیہا السلام کو ہین کر ان اور حجبہ میں برسر منبر حضرت علی پر لعن کہلوا یا (لعن کہلوا) سیکڑوں ہزاروں چٹیں
امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کی نام بنام
پیشگوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔

ان امور ناپرسان کی طرف اشارہ کیا کہ تو جب اس ضرورت خاص سے منعطف ہوئی ہے کہ آپ
اپنی محمد بن اور مولفین موقوفات کی دیانت داری اور خیر جانیداری ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ

ان واقعات سے اور ان موضوعات کے انکشافات سے نہ ہم ان علما کی دیانت داری تسلیم کر سکتے ہیں اور نہ ان کی حقیقت نگار ہی مان سکتے ہیں۔ جن کی حقیقت ہم اوپر پوری تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ بلکہ اس تھوڑی بہت حقیقت نویسی کو ہم زمانہ کے تغیر خیالات اور ان صاحبان حقانیت کے پاک روحانیت کا خیر مرئی افریقین کرتے ہیں۔ جن کے فضائل و مناقب روحانی کے چھپانے گھٹانے اور مٹانے کی خاص غرض سے۔ ان موضوعات و مصنوعات کا انبار بھی لگا یا گیا۔ اور یہ دفتر کے دفتر۔ طومار کے طومار ہی تیار کئے گئے۔ پھر یہ بھی خدا کی نشان دہی اور ان نفوس مقدسہ کی حقیقت کا اعلان کہ جس طبقہ اور فرقہ کے ہاتھوں سے یہ طومار بنائے گئے انھیں ہاتھوں سے مٹائے ہی گئے۔

بنی فاطمہ کو آل فاطمہ لکھنا
 یہی تو ہیں آئینہ غلطی ہے۔
 یہاں تک تو ہمارا ہی تمہید ہی عبارت تھی۔ اب شبلی صاحب کی تحریر کی منسلک ذیل توضیح و تنقیح قلبہند کی جاتی ہے۔

تعجب ہے کہ شمس العلماء شبلی صاحب کے ایسے فاضل محقق اور کامل ادیب اور آل فاطمہ کی ایسی غلط ترکیب خلافت قاعدہ و اصطلاح عرب۔ قلبہند فرمائے۔ کیا قرآن مجید میں۔ آل ابراہیم آل موسیٰ و آل ہارون کی جگہ اسکا استعمال مشناتہ کے ساتھ۔ مثل آل سارہ۔ آل صفرہ۔ یا آل زرعون کی جگہ آل آسیہ وغیرہ ہی پیش کیا جاسکتا ہے۔

اور اگر جمع مشناتہ خلافت فصاحت اور منافی قواعد نہ بھی ہوتا ہم مخالف استعمال اور معارض اصطلاح عام تو ضرور ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے علاوہ آپ اپنی کتب و حدیث و سیرت و تاریخ میں بھی بنی فاطمہ کی جگہ آل فاطمہ لکھا ہوا نہیں دیکھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں سے آپ کو اتنی اجنبیت اور مغایرت حاصل ہے کہ آپ ان کے اصلی نام اور القاب کو بھی صحت کے ساتھ نہیں لکھ سکتے۔ ہم تو بنی فاطمہ کی جگہ آل فاطمہ لکھنے والے کو بھی۔ بھجوا دے۔ *دفعتم عن مقامکم و انزلتکم عن مراتبکم اللہ ربکم اللہ فیدہا۔* تم کو تمہارے اصل مقام سے ہٹا دیا اور ان رتبوں سے گٹایا جو خدا نے تم کو دئے تھے۔

بے ادبی اور جواب دہی سے خالی نہ سمجھیں گے جس نے ایک مشہور و معروف اور مخصوص خطاب القاب کی جگہ غیر معروف و لغت کو مستعمل کر کے ان حضرات کی ایک گونہ توہین کر دی ہے۔

شبلی صاحب کو کیا پڑ ہی ہے کہ وہ توہین بنی فاطمہ کی کوئی تفصیل کریں تفصیل تو صریح کسی بھی غنیمت ہے کہ آپ نے توہین کا اقرار کر دیا۔ وہ بھی ظاہر ہے کہ ان حضرات کے ساتھ خلوص و عقیدت کے تقاضے سے نہیں۔ بلکہ اپنے علما کی اذہار و دیانت کی ضرورت سے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ آپ نے ان واقعات ناگفتہ بہ اور ان حالات ناشنوا کا بیکارہ ذکر نہ کیا۔ یا اپنے سلسلہ بیان میں اسکا

اشارہ فرمایا جن کے اظہار و اعلان سے آپ کے مسائل عقائد میں مفاسد اور بڑے بڑے اکابر و علماء دین کے جواب ظاہر ہوئے ہیں۔ اسی حزم و احتیاط کو نظر رکھ کر صرف توہین آل فاطمہ کا اشارہ کر کے قطعاً سکوت اختیار فرمایا گیا ہے۔

مگر آپ کی طرح ہم حقیقت کو چھپا نہیں سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ واقعات بہت کم اہل اسلام کے قلب میں جاگزین اور ادن کے ذہن نشین ہیں۔ مگر بائیں ہمہ اسقاط و اذعان و استحقاقات۔ اونکی کثیراتعداد مثالیں شبلی صاحب ہی کی کتب احادیث و تاریخ میں محفوظ ہیں۔ جن میں سے ذیل میں چند مثالیں نمونے کے طور پر نقل کی جاتی ہیں۔ جن سے ثابت ہو جائیگا کہ ان حضرات رحمہ اللہ میں کی جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرابت۔ اور ان کے ذاتی فضائل و مناقب۔ ظلم حکومت اور انکے امت کے ہاتھوں کیسے غارت کئے گئے تھے اور ان کی امانت۔ بہتک حرمت اور بے پروائی کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔

امانت کی پہلی مثال تاریخ ابن اثیر میں ہے کہ معاویہ کے حکم سے اہل شام کو یہ بتایا گیا تھا کہ یہ شخص ابو تراب جن پر تم لوگ لعنت کرتے ہو۔ وہ یمن کے ایک قبیلہ کا بہت بڑا چور ہے۔ ابن اثیر جلد پنجم دوسری مثال آیام حج میں ایک مرد کھن سال باشندہ شام سے چند لوگ خانہ کعبہ میں گئے۔ جو حضرت علی کو کھانیاں دے رہا تھا۔ اوسکے بھانسنے کی غرض سے ایک صاحب اوسکے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ تم علیؑ کو جانتے ہو۔ اوس نے کہا کون علیؑ۔ وہی نہ جو حضرت عائشہ کے بھائی حضرت کے باپ تھے۔ وہ تو کسی جنگ میں ماروئے گئے۔ ابن اثیر جلد پنجم تیسری مثال بنی فاطمہ کی انتہائی توہین و مہملات ابن سعد میں ہے۔

عن عبد اللہ بن ابی سہاق قال کان من ان
اہ۔ دیرا علینا وکان یسب علیاً کل جمعة
علی المسب والکسب علیہ السلام لیدع
فلو میر وشیعاً ثم ارسل الیہ رجلاً
یقول لہ بعلی۔ بعلی بعلی و بلی و
یاک و بلی۔ مثلاً لا مثل البفسلة
یقال لہا ابوک فیقول امی الفرس
عمر ابن اسحاق سے مروی ہے کہ مروان ہم پر امیر تھا اور وہ
ہر جمعہ کو منبر پر چڑھ کر حضرت علیؑ پر لعنت کیا کرتا تھا اور جناب
امام حسن علیہ السلام نہ کرتے تھے اور جواب نہ دیتے تھے۔
اسے فلک آن ابتدا میں انتہائے اہلیت (اُس نے ایک
دن ایک آدمی خاص طور پر امام حسن کے پاس بھیجا کہ اسکا بیٹا
کہ علیؑ پر علیؑ پر علیؑ پر تم پر اور تم پر لعنت۔ تمہاری مثال
بالکل خیر کی ہے جب اُس سے پوچھو کہ تمہارا باپ کون ہے۔
تو وہ کہتا ہے کہ میری ماں گھوڑی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔ اور حافظ ابن حجر صاحب نے تو اسکی نظیر میں ایک دوسرا واقعہ بھی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں قلمبند فرمایا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

قال السيد ابوالحسن بن يحيى في كتابه انجيل المدينة
حدثنا هارون ابن عبد الملك بن الملاحشوت
قال لما قدم خالد بن الحارث بن الحكم بن العاص
ودعي ابن المطيرة على منبر رسول الله صلى
يوم جمعة لتشم النبي صلى و تشتم عليا و
قال استعمل عليا و هو يعلم ان عليا خائن و
ولكن شفعت له ابنته (الآخر الحديث)

علامہ سید ابوالحسن یحییٰ فی کتاب انجیل المدینہ
کہ ہارون ابن عبد الملک ابن الملاحشوت
خالد ابن حارث ابن حکم ابن عاص لقب بایں مطیرہ
یوم جمعہ کو منبر رسول صلی علیہ وسلم پر گیا اور جناب رسول خدا صلی علیہ وسلم نے
حضرت علی پر سب و شتم کرنے لگا اور کہنے لگا کہ محمد صلی علیہ وسلم نے
علی کو بلاد اسلامیہ کا عامل مقرر کیا حالانکہ آپ جانتے
تھے کہ وہ خائن ہیں مگر اونکے بارہویوں کی راہ کی
(جناب سیدہ ع) سفارش کیا کرتی تھیں۔

پانچویں مثال۔ زیارت اہل بیت کی نہیں
میرزا شاہ ولیوسی شاہ عبدالحق صاحب اپنی کتاب چند سبب لعلی و یار اکبر
میں رقمطراز ہیں۔

چوں ولید ابن عبد الملک حج آمد۔ و بعد از اتمام مناسک
حج قدم بیدینہ منورہ آورد۔ روزی بر منبر مسجد خطبہ فرمود
در اشارے آن نظرش بر جمال حسن ابن حسن بن علی علیہ السلام
افتاد کہ در خانہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نشسته بود و
آئینہ در دست داشت کہ در شے جمال جہاں آراے خود
مشاہدہ ہے نمود چوں ولید از منبر فرود آمد عمر ابن عبد العزیز
اور طلبید و زجر نمود کہ چرا ایشان را در اینجا ہنوز گذشتی
و بیرون نہ نمودی۔ بنی خواہم کہ ایشان را بعد از میں اینجا
بہ بنیم۔ خانہ ایشان را بہ خرم و داخل مسجد کن۔ فاطمہ
بنت حسین حسن ابن حسن و اولاد ایشان سلام اللہ
علیہم اجمعین در خانہ بوزند و از آمدن ایما نمودند
حکم کرد کہ اگر بیرون نیابند خانہ را برایشان بند از
پس اسباب خانہ را بے رخصت ایشان بدر نمی و روند

جب ولید ابن عبد الملک مناسکات حج تمام کر کے مدینہ منورہ
میں آیا ایک دن منبر رسول پر خطبہ پڑھتے ہوئے اسکی نظر
حسن بن حسن پر پڑی جو خانہ جناب سیدہ عائشہ میں بیٹھے ہوئے آئینہ
میں اپنا مونہ دکھ رہے تھے خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد
ولید نے عمر ابن عبد العزیز سے کہا کہ حسن ابن حسن وغیرہ کیوں
اب تک اس مکان میں سکونت پذیر ہیں۔ اسوقت ان کو یہاں
سے نکال دو اور مکان کو خرید کر کہے داخل مسجد کرو۔ میں نہیں
چاہتا کہ آئینہ ان لوگوں کو اس مکان میں دیکھوں۔ حسن بن
اور ان کی اولاد نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ ولید
نے حکم دیا کہ مکان کو ان پر گرا دو۔ جب مکان ہموا تو سرخ
ہوا۔ اور اسباب مکان سے باہر کر دیا گیا۔ مجبوراً ان حضرات
نے محدرات کو اسی روز روشن میں گھر سے نکال کر بیرون مدینہ
سکونت اختیار کی کچھ دنوں بعد اسی طرح کا قصہ حضرت

و خانہ راویراں میگردند پس حکم ضرورت برآمدند و در روز روشن تخذرات اہل بیت بیرون مدینہ رفتند و موضعے برائے سکونت اختیار کردند و ہم چنین در بیت حفصہ رضی اللہ عنہا کہ در دست اولاد عمر ابن الخطاب بودند نزاع شد چوں اینها گفتند کہ ہرگز ننخواستہم برآید و عوفی خانہ ہم ننخواستہم ستانند۔ حجاج ابن یوسف وراں وقت در مدینہ بود حکم کرد تا خانہ را ہم برایشان بیندازند و لیکن چوں تقضیہ بولید رسید لعمر ابن عبد العزیز نوشت کہ در استرخاے خاطر عمر ابن الخطاب تقصیر را رضی مشو۔ ثمن خانہ را بدہ و اگر نہ ستانند۔ ایشان را اگر امکن و ببقعہ از خانہ ایشان بگذار ایشان را در بے بجانب مسجد نیز بگذار۔

حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے متعلق پیش آیا جو اولاد حضرت عمر ابن خطاب کے قبضہ میں تھا۔ جب اون سے کہا گیا کہ گھر سے باہر نکلو تو وہ اس پر راضی نہ ہوئے اور قیست ہی لینی منظور نہ کی۔ حجاج ابن یوسف ثقفی اوس وقت مدینہ میں تھا اوس سے چاہا کہ مکان کو اون لوگوں پر گرا دیا جاوے لیکن جب اس بات کی خبر ولید ابن عبد الملک کو ہوئی تو اوس نے عمر ابن عبد العزیز عامل مدینہ کو لکھ بھیجا کہ اولاد عمر ابن خطاب کی رضا جوئی میں قصور نہ کرو اون کا اگر ام ملحوظ رکھو۔ اگر وہ مکان فروخت کرنے پر راضی نہ ہو رہا تو اون کے مکان کا ایک حصہ چوڑو اور اون کی آمد و رفت کے لئے مسجد میں ایک دروازہ کرو۔

حدث دہلوی کی مرقومہ بالا عبارت سے امرائے دولت خلافت کی عدالت اور اون کے بلوٹ غیر جانبدارانہ اور عادلانہ فیصلہ و تجویز کی پوری حقیقت ثابت ہو گئی۔

۱۰ امور مذہبی اور دنیات میں حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کی بے اعتباری مقدمین کی کیا مقدار و وقعت سمجھی گئی۔ وہ ہماری مفصلہ ذیل عبارت سے ثابت ہوگی۔

(۱) جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام۔ ابوالائمۃ الطاہرین امیر المومنین کی نسبت۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے رسالہ قرۃ العینین میں تحریر فرماتے ہیں۔

قرآن و احادیث کے بعد اسلام کا ہر فرقہ پرست اور فرقہ کے تمام اہم ترین مسائل حضرت مر کے اقوال سے مانگوں ہیں۔ اگر تمام دنیا کے اسلام کے ہر عمل پر نظر کیجاوے تو کثرت سواد اسلام کا اطلاق فرماتے خنیان۔ مالکیان اور شافعیان پر تمام امور ہر فرقہ کے ہر صاحب مالک پس

باید دانست کہ بعد از قرآن و احادیث مدار اسلام برفقہ است و جمہات فقہیہ مسائل اجماعیہ فاروق است۔ اگر در اکثر اسلام نظر کنی۔ خنیان و مالکیان و شافعیان اند۔ اما مذہب مالک پس منتہا ہے اور موطا ہے امام مالک است بخیر

اثر از مرتضیٰ دروے منقول نیست و ہمچنین در سند ابوحنیفہ و آثار محمدیہ کہ فقہ حنفیہ است از روایت مرتضیٰ بچند حدیث موضوع و چند اثر شمرده زیادہ انچہ در موطا است۔ بقیلہ منقول نیست و ہمچنین در سند شافعی کہ مفتہائے مذہب شافعیہ است از روایت مرتضیٰ بچند حدیث موضوع و چند اثر موقوف کہ نسبت مرویہ دیگران۔ بسیار قلیل است منقول نیست۔

قرۃ العینین

مالک پر موقوف ہے اور کتاب موطا میں سوائے چند حدیث اور روایات مرتضیٰ سے کچھ اور منقول نہیں ہے۔ اسی طرح سند ابی حنیفہ میں اور آثار امام محمد میں جن پر فقہ حنفی کا دار و مدار ہے مرتضیٰ کی چند روایت وہ بھی بطریق موضوع اور چند آثار حنفیہ بائنا موقوف۔ موطا سے بھی کم۔ اور کچھ اون سے ماخوذ منقول نہیں۔ اب مذہب شافعی۔ اس کی انتہا بھی سند شافعی پر تمام ہے۔ اون کی سند میں بھی مرتضیٰ سے بجز چند حدیث موضوع اور اقوال موقوف کے کچھ منقول نہیں ہے۔

باب العلم رسالت کی حقیقت فی علم الدین جو مذاہب ثلثہ حنفیہ، مالکیہ و شافعیہ کے علماء و محدثین کے نزدیک جتنی تھی۔ وہ عبارت مرقومہ بالا سے ظاہر ہو گئی۔ اس سے بڑھ کر امام ابن تیمیہ صاحب اپنی کتاب بزرگانہ میں لکھتے ہیں۔

وقال فی حق علی خطاۃ فی سبعة عشر شیئاً ثم خلف فیہا نصّ الکتاب حضرت علیؑ نے سترہ سائل شرعیہ میں خطا کی اور وہ سب خطائیں نص قرآن کے خلاف تھیں۔

(۲) حضرت حنین علیہما السلام و حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین میں رقمطراز ہیں :-

حضرات حنین و امام زین العابدینؑ روایت بسیار کم آئے ہیں۔ حضرت حنین و امام زین العابدین علیہم السلام سے بہت کم روایت آئی ہے۔

مولوی محمد حسن صاحب جہوپال۔ کتاب اعلام الناس ص ۶ میں نہایت جسارت سے آنا اور اخلاف زمانے ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام بت پرستوں کی طرح باتیں کیا کرتے تھے۔ (نمودا شد) امام محمد باقر علیہ السلام کی نسبت در اسات اللیب میں بمقام ذکر تقسیم اموال خمس لکھا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ کاذب اور مفتری تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق میزان الاعدال ذہبی جلد اول ص ۵۵ میں مرقوم ہے۔ آپ سے امام بخاری نے کوئی روایت نہیں لی۔ یحییٰ ابن سعید قطان و ساد بخاری کا قول ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے کھٹکتا ہوں۔ امام مالک سے کوئی روایت آپ سے نہیں لی۔ اور اگر مجھ سے

سے کوئی روایت آپ سے نقل بھی کی تو اس میں دو سکر کو ملا لیا۔ مہا آپ کی روایت پر کبھی اعتقاد نہیں کیا۔ ذہبی کی عبارت یہ ہے۔

قال مصعب بن عبد الله عن الزبير بن العوف قال
لهم يروى ما لا شئ من جعفر حتى ظهروا به في كذا
كان يروى عن جعفر حتى ينفذوا به

مصعب بن عبد الله زراوری کی اساد سے نقل کرتے ہیں
کہ مالک نے امام جعفر صادق سے کوئی روایت نہیں لی تھا
بنی عباس قائم ہونے کے بعد روایت ہی تو ایسی حالت

میں کہ انکے دوسرے کو آپ کے ساتھ ملا لیا۔

یہ روہی امام ذہبی میزان الاعتدال جلد دوم ص ۵ میں لکھتے ہیں:-

عقلمی کا اعتقاد تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں یعنی قابل اعتبار نہیں غالباً
اسی لحاظ سے بخاری و مسلم اور مؤطا میں کوئی روایت آپ سے نہیں لی گئی۔
حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسبت لکھا ہے۔ کاشیغی وہ کوئی شے نہیں۔

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے متعلق میزان الاعتدال میں مروی ہے تروہی عن
ابنہ بنما لب وخطی۔ وہ اپنے والد بزرگوار سے عجائبات نقل کرتے تھے اور ان میں ہی ہم دخل کرتے تھے۔

حضرت امام محمد تقی (جو) علیہ السلام ایسے بے اعتبار سمجھے گئے کہ راویان صحاح سے ان کا نام ہی
ساقط کر دیا گیا۔

امام دہم و امام یازدہم الملقب بلسکر بنین حضرت امام علی النقی و حضرت امام حسن عسکری
علیہما السلام کی نسبت امام تیمیہ منہاج السنہ میں جلد اول صفحہ ۳۸ میں لکھتے ہیں۔

رمز ابن سبلی طبری و ابراہیم جرمی داری حضرت امام علی النقی و حضرت امام حسن عسکری سے زیادہ دین
نبویہ کے ماہر اور جاننے والے تھے۔ ان دونوں ائمہ پر واجب تھا کہ ان دونوں علمائے سے کسی ایک

کو اپنا استاد بنالے تاکہ ان کو قواعد اسلام معلوم ہو جائے۔

ہم ان علماء محدثین معتبرین ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ان اکاذیب و افترایات کی
کوئی تنقید و تردید کرنا نہیں چاہتے۔ ان لغویات کی نقل سے ہمارا مدعا صرف یہی تھا کہ شبلی صاحب کے
قول کے مطابق صرف بنی امیہ نے ان حضرات ائمہ طاہرین (دینی ناظم) کی توہین نہیں کی اور ان کو
دین و دنیا دونوں کے لئے بیکار نہیں سمجھا بلکہ بخلاف آپ کے مرقومہ بالا شواہد ثابت کرتے ہیں کہ بنی امیہ
کے بعد ان کے ساتھ آپ کے مالک اور طرز عمل ہی تو بنی امیہ کی کھلی کھلی اور صاف صاف تقلید
ثابت ہوتے ہیں تو اس بنا پر شبلی صاحب کو اکیلے بنی امیہ کے ان معاصی پر اعتراض کرنے کا کیا حق

حاصل ہے۔ مگر آپ تو توہین بنی فاطمہ کو صرف بنی امیہ پر عاید کرتا چاہتے ہیں اور اپنے منطالم کو صریحاً چھپاتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آپ اپنی ہجو علمائے سلف کے اتنے اقوال و افرا پرستی کا قلم کیسے پھیر دے سکتے ہیں؟

یہاں تک تو ہم نے آل رسول صلعم بنی فاطمہؑ اور طاہرین علیہم السلام اور ان کی ذریات اور متبعین کی مصیبتوں کی صریح اجماعی اور اجمالی کیفیت لکھی ہے۔ اب اس کی کامل تفصیل ہم مکاتب خوارزمی کے اسناد سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

سواد اعظم میں ابوالموتیرا خطیب خوارزمی کے نام نامی سے کون واقف نہیں ہے۔ اس محدث اعلم اور محقق اکمل کے معارف و مشارف سے۔ رجال و احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مکاتیب خوارزمی کیا ہے۔ حقیقتاً یہ شیعیان نیشاپور کے ایک استغفا کا جواب ہے۔ جو شیعوں نے اپنے مخالف مذہب ماکم کے منطالم کے تحت خوارزمی کی خدمت میں منقول حکم و جواب کی ضرورت سے بھیجا تھا۔ یہ جواب ایک رسالہ کی صورت میں مصر کے مطبع بولاق منصر سے ۱۲۹۵ ہجری میں طبع ہو کر شائع ہوا ہے۔ جیسا کہ عبارت خاتمہ رسالہ سے ظاہر ہوگا۔ ہم ذیل میں اویس کے اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

بنی فاطمہؑ اور طاہرین اور ان کی ذریات متبعین کے تفصیل مصائب

را سے خندان نیشاپور تم لوگوں اور ہم لوگوں کو خدا تعالیٰ صلاح خیر دے اور توفیق نیک۔ ہم وہ قوم مصیبت زدگان ہیں جن کے لئے خدا نے دولت دنیا کو نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ دارا آخرت میں ہمارے لئے ذخیرہ فرمایا ہے اور جلدی ثواب عطا کرنے کی جگہ۔ ایک وقت خاص پراون کے ثوابوں کے عطا فرمائے جانے کا اون سے وعدہ کیا ہے۔ ہم لوگ دو قسم کے گئے ہیں۔ ہماری ایک قسم تو شہید ہو کر ناز شہادت ہو چکی اور ایک قسم سخت مصیبت و عسرت میں اپنی زندگی بسر کر گئی۔ جو ہم میں سے زندہ ہیں وہ مرجانے والوں پراون کے مصائب گذشتہ کے باعث رشک کرتے ہیں۔ اور اپنے نفس میں اون کے مصائب کی وجہ سے ذرا بھی روگردانی کا خیال نہیں کرتے۔ حضرت امیر المؤمنین

انتہم ونحن اصلحنا الله وایاکم عصابة لم یرض الله لنا الدنيا فخذوا الدار الاخری وریبنا عن ثواب العاجل فاعد لنا ثوابا لاجل وقسمنا تسعین قسما مات شہید وقسمنا عاشر شریداً فالحق یحسدنا لیت علی ما صرنا لیه ولا یرغب بنفسه عما جری علیہ قال امیر المؤمنین ولیسبق الدین علیہ السلام المؤمن الی شیعتنا اسرع الی الحد ورو هذا مقالۃ استست علی المؤمن وولد اهلها فی طالع الهنا هنر والفتن فحیاة اهلها لغص وقلوبهم مشوها غصص والا یام علیہم من مامله والدنیا عنہم مائله فاذا کنا شیعۃ المؤمن فی القرائض والسنن و

متبعی انارہم فی ترک کل قبیح و فعل حسن
فیذبحی ان تتبع انارہم فی المحن غصیت
سیدتنا فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا و علی الہما
میراث ابیہا صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ و ہم
السقیفہ و آخر المؤمنین عن الخوارج و قدّم
الحسن علیہ السلام شرا و قتل اخوہ علیہ
السلام جہل و سلب نرید بن علی الکلباسہ
و قطعہ راس نرید بن علی فی المعرکۃ و قتل ابنہ
محمد بن ابی اہیم علی بن عیسیٰ بن موسیٰ العباسی
و مات موسیٰ بن جعفر فی حبس حاروت
و سم علی بن موسیٰ بیدالما سوت و دھرم الدین
انفج و قمع الی الا نزل فی فسرید او مات
عیسیٰ بن نرید طریدا شریفا و قتل یحییٰ
بن عبد اللہ بعد الايمان و الا یمان و بعد تاکید
الانہود و الفضل ہذا غیر ما فعل یعقوب
بن اللیت بعلوۃ طبرستان و غیر قتل محمد
بن نرید و الحسن بن القاسم الداعی علی
ایدی ال ساسان و غیر ما صنہ ابوالسّاح
فی العلویۃ المدینہ و حملہم بلا عطاء و الا
و دنا من الجحشالی سامر و ہذا بعد قتل
قتیبہ بن مسلم الباہلی بن عمر بن علی بن
خندہ بابو یق و قد استر نفسه و امر شیخصہ
بصانہ عیانہ و یلذذہ وفاتہ و لا کما فعلہ
الحسین بن اسمعیل المصعبی یحییٰ بن عمر
النریدی فاصلة و ما فعلہ فراسم بن خاقان

اور یسویب الدین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ رنج و غم
ہمارے شیعوں پر اس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے
جتنی تیزی سے آدمی کے جسم پر ضرب کے بعد آتا ہے
ہے۔ آپ کے اس کلام ہدایت الیام کی بنا اس پر ہے
کہ آپ کی اولاد و ذریعات کی خلقت و پیدائش اس عام
پراشونی، نزوال اور نکتہ و فساد کے ظالم میں واقع ہوئی کہ
آپ کی اولاد و عقاب کو زمانہ حیات تکلیف و شدت
میں کئے۔ اور اون کے قلوب مختلف فکر و کمالات میں
مبتلا رہے۔ زمانہ اون پر کمالات متواتر کر تارہ۔ دنیا اپنی
طرت اہل کرتی رہی گویا اون کے پیچھے پڑی رہی لیکن باہنہ
ہمارے اموں کے شیعہ ہمیشہ اور ہر حال میں فرائض سنن
کی انجام دہی میں مصروف رہے اور اپنے ائمہ دین کے
اتبار و آثار کی پوری اتباع و انقیاد میں تمام امور قبیحہ کو
متروک فرماتے رہے۔ اون کے اتباع آثار ائمہ کے حالات
آلام و محن سے مصلحتاً ظاہر ہیں۔ جناب سیدہ سلام اللہ
علیہا و علی امیہا کی میراث ابائی اون کے اور اون کی اولاد
کے مقابلہ میں۔ انفاق و مہر کے دن۔ غصب کر لی گئی۔ اور
امیر المؤمنین کو سب سے آخر میں خلافت دی گئی۔ حضرت
امام حسن کو مخفی طور پر زہر دے کر شہید کر دیا اور اون کے
بھائی کو علانیہ طور پر قتل کر ڈالا۔ زید بن علی کے مردہ کو کناہ
میں سولی دیا اور معرکہ جنگ میں اون کا سر کاٹا۔ اور اون کے
دونوں بیٹوں محمد و ابراہیم نامی کو عیسیٰ بن موسیٰ العباسی
کے ہاتھوں قتل کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے
ارون کے قید خانہ میں انتقال فرمایا اور حضرت علی رضا
علیہ السلام کو ماموں نے زہر دلوا دیا۔ اور یس ابن محمد مقام

بعلوۃ الکوفہ کافۃ ولحسبکم انہ لیس
فی بیضۃ الاسلام بلدۃ لا وفیہا لقتیل
طالبی تربۃ تشارک فی قتلہ الاموی فی العباسی
واطبق علیہم العدنانی والقطانی فلیس
حی من الامیاء لفرجہ من ذی یمن ولا یکرہ
لا مضربہ الا وہم شرکاء فی دماءہم و
کما تشارک ایسار علی جزیرہ قاتلہم الحیۃ
الی المنیۃ وکمرہوا عیش الذلۃ فما تو
اموات الغرۃ ووثقوا یما لہم فی الدار الباقیہ
فیمنعت نفوسہم عن ہذہ الفانیہ ثم لم یشرکوا
کما ساء من الموت الا شریکھا شریکہم واولیاءہم
ولا قاسوا لونا من الشدائد الا قاسا لہم انصار
ہم واتباعہم داس عثمان بن عفان ووطن
عمار بن بابر الدینہ ونفی ابا ذر الغفاری الی
سبذہ وانشخص عمار بن عبد قیس التیمی
وغرب لا شریک لہ فی وعدی ابن محاتم الطائی
وسیر عمر بن زہرۃ الی الشام ونفی کمیل ابن
زیاد الی العراق وجفا ابی ابن کعب واقصاہ
وعادی محمد بن خذیفہ وناواہ وعمل فی
دم محمد بن سالم ما عمل وفعل مع کعب ذی
الخطبہ ما فعل واتبعہ فی سیرۃ بنو امیہ
یقتلون من ہاربہم ویدفنون من ہلکہم
لا یحفلون املہا جری ولا یصونون الا انفسہم
ولا ینتافون فی شہون الناس ولا ینظرون
عباد اللہ مولا وکمال اللہ وکمالہم موت

نخ سے ہزیمت پا کر اور یکہ و تنہا ہو کر ملک اندلس میں بے نام
نشاں ہو گئے۔ اور عیسیٰ ابن زید (موتم الاشبال) کی کیمہ
تنہا ہو کر پریشان حال پھرتے رہے اور عیسیٰ ابن عبد اللہ
ابن زید کو اماں دی جانے۔ حلف شریعہ اٹھائے اور عہد
و بیان جائز اور ضمانت جان کی جانے کے بعد ہی قتل کر دیا
یہ صرف وہ لوگ ہیں جو حجاز و عراق میں شہید کئے گئے۔ ان
غریبوں اور اہل نیموں کے علاوہ یہ وہ لوگ تھے۔ جنکو
یعقوب ابن التیث نے مخفی سادات علوی ہونے کے
جرم میں علامہ طبرستان میں قتل کرایا۔ اور اسی طرح محمد
ابن زید اور حسن ابن القاسم الملقب بدارعی کو قبیلہ آل
ساسان کے ذریعہ سے قتل کرایا۔ ان کے علاوہ ابوالسیاح
تمام سادات علویہ کو مع ان کی اولاد و فریات کے بل پروردہ
سامان راحلہ حجاز سے ساعرہ لے گیا اور یہ امر اس وقت
واقع ہوا جب قتیبہ ابن مسلم باہلی عمر ابن علی کو قتل کر چکا
واقعہ یہ ہے کہ قتیبہ نے ایک دن ایک شخص کو دیکھ
لیا تھا کہ وہ عمر ابن علی کی حفاظت جان اور مصیبت مرگ
سے ان کی اماں کی ترکیب کر رہا ہے۔ قتیبہ نے عین
اسی حالت میں مع ان کے باپ کے پکڑ دیا لگایا اور
قید کر دیا ایسے ہی حسین ابن اسماعیل المصعبی نے خاص
طور پر محمدی ابن عمر زیدی کے ساتھ ظلم و شقاوت برقی۔ اور
ایسے ہی مظالم و شدائد فرام بن خاقان نے کوفہ کے
سادات علویہ کے ساتھ کئے یہی خوبی شمار کر کے سمجھ لو
کہ مالک اسلامیہ میں کوئی شہر یا نہیں جو مایوسہاں آل
ابیطالب نے قتل کئے گئے ہوں اور ان کے قتل و خون
میں اموی اور عباسیوں نے شریک نہ کی ہو۔ اور ان کے

الکعبہ و مستعبدون الصلوات
و یعطون الصلوات الموقوتہ و یعطون
الصلوات الموقوتہ فی حرم الرسول
سیرتہم فی حرم الکفار و اذا فسق
الاموی قلم یات بالضلالة عن کلالہ
قتل معاویہ بن عبدی اللہ و عمر
ابن الحنفی الخراجی بعد لا یمان الموکدۃ
و المواتق المغلظۃ و قتل زیاد ابن سمیہ
الکوفی من شیعۃ الکوفۃ و شیعۃ
البصرۃ صبرا و اسعہم حبسا و اسرا
حق قبض اللہ معاویہ علیہ اسواء اعمالہ
و خاتم عمرۃ بشارۃ فاتیہ ابنہ
یہیہ بن ہاشم و یقتل ابنہ قتلاۃ الی ان
قتل ہاشمی ابن عروۃ المرادی و مسلم ابن
عقیل الهاشمی و کلاب و عقب یا حشر بن
زیاد الریاحی و یابی من سی عمرو بن قرطۃ
الانصار بنی و حبیب ابن مظاہر الاسدی
و سعید بن عبد اللہ الحنفی و نافع بن ہلال
البحلی و حنظل بن سعد الشامی و غالب بن
ابی شیبہ الشاکری فی نیف و سبعین من
جماعۃ شیعۃ الحسین علیہ السلام
یوم کربلا ثانیاً ثم سلط علیہم الدعی ابن
الدعی عبید اللہ ابن زیاد یصلبہم علی جذوع
النخل و یقتلہم انوار القتل حتی اجتث اللہ
دایرۃ ثقیل الظہر بدما ثہم الی سفک

اس فعل میں کسی عدائی یا خطائی نے مطابقت کی ہو۔
سے کوئی شخص قبائل ذی یمان - بنی بکر اور بنی مضر کے زندہ
لوگوں میں ایسا نہیں چوڑا جو ان مظلوموں کے خون میں
شریک ہوا۔ ان جماعتوں کی طرح جو اونٹوں کی ذبح
پر تیار ہوتی ہیں۔ ان مظلوموں کی حیا و غیرت نے موتوں
کو پسند کیا اور ذلت سے جینے کو ناپسند فرمایا۔ اور عزت
کی موت مر گئے۔ اور ان تمام نہات پر فائز ہوئے جو
دار آخرت میں ان کے لئے ذخیرہ تھیں اپنی پاک روحوں
کو وئیائے فانی کے علائق سے رہا کیا اور ان حضرات
میں سے کسی نے کاسہ مرگ ایسا نہیں پایا جس کا ذائقہ
اونکے بعد ان کے شیعوں نے اور ان کے دوستوں
نے نہ چکھا ہو اور کوئی مظالم و شدائد نہ باقی رہے جو
اونہوں نے خیال کئے ہوں اور ان کے بعد ان کے
انصار و متبعین پر نہ گذرے ہوں حضرت عثمان ابن عفان
نے حضرت عمار ابن بامر کے شکم پر لات ماری اور حضرت
ابو غفاری کو دینہ سے ریزہ میں نکال دیا۔ اسی طرح عامر
بن قیس التیمی کو ہلا و طنی پر مجبور کیا اور اس شتر بخشی
اور عدوی ابن حاتم الطائی کو اون کے گھر سے نکال دیا
اور عمر ابن زرارہ کو بھی شام کی طرف بیج دیا اور کسب ابن
زیاد نخعی کو عراق میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی
اور ابی ابن کعب پر ایسی ہی ستم کئے اور ان کو خاتمہ
تک پہنچا دیا۔ محمد ابن حذیفہ پر ظلم کئے۔ محمد ابن سالم
اور کعب ابن ذی حطبہ کے خون میں جو ترکیبیں کیں اور
جو طرز عمل کئے وہ اپنے مقام پر ہیں یہ اون کے بعد بنی
امیہ نے اونہیں کی تقلید اختیار کی۔ جو لوگ اون سے

عظیم التبعة لجزیرہم الذی انتہک
فانتہت لنصرة اهل البيت طائفة
اراد الله ان يخرجهم من عہدہ ما
صنعوا ولفصل عنہم وضرباً اجتروحاً فصمد
واصل لفئة الباغیة وطلبوا دم الشهداء
من ابن الزانیہ لا یزیدہم قلة عددہم
و کثرة اسواد اهل الکوفہ بازلہم الا
اقدا ما علی القتل والقتال وسمعاء
بالنفوس والاموال حتی قتل سلیمان
ابن صرد الخزاعی والمسیب بن بختیہ
الفرزہ بنی وعبد الله بن واصل التیمی فی
رجال من خيار المومنین وعلیہ التابعین
ومصابیح الانام و فرسان الاسلام ثم
تسلط ابن الزبیر علی الحجاز والعراق فقتل
الخنساء شقی الاوتار وادرك الشاراف فی
الاشرام وطلب بدم المظلوم الغریب فقتل
قاتله ونفی خاذله وابعده عن ابن کیسان
واحمر بن شمیط ورفاعة ابن یزید السائب
بن مالک وعبد الله ابن کامل وناقطوا
بقایا الشیعة یمثلون لهم بكل مشقة و یقتلون
هم ثم قتلہ حتی طهر الله من عبد الله
ابن الزبیر البلاء وارضح من انھیہ
مصدبا لعدا و فقتلہما عبد المملک ابن
مریان کذلک تولى بعض الظلمین بعضا
سما کانوا یکسبون بعد ما حبس ابن الزبیر

لا ہے تھے (طرفداران علی جبل و صفین میں) اون کو تو
قتل کر ڈالا۔ جو بچ گئے تھے اون کے ساتھ غدر و فساد
کیا۔ نہ انکو مہاجرین نے پناہ دی اور نہ انصار نے
اون کی اعانت کی۔ اور نہ دنیا والوں نے اون کی قدر
منزلت کی۔ ان لوگوں نے بندگات خدا کو اپنی ملکیت
اور مال اللہ کو اپنی خاص دولت سمجھ رکھی تھی۔ کعبہ کو
منہدم کر دیا تھا۔ صحابہ کی پرستش کرتے تھے۔ نماز موقوفہ
کو ترک کر بیٹھے تھے۔ آزاد اور نیکو کاروں کو قتل کرتے
تھے۔ اور عزم رسول صلعم کی ان لوگوں نے وہ خرابی کی
اور اس طرح اوس میں داخل ہوئے۔ جیسے حرم کفار
میں داخل ہوتے ہیں۔ اور بنی امیہ میں سے حبیب کوئی
کسی خطرات کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے بدلے میں
اوسکو کوئی سزا و تکلیف نہیں دیجاتی تھی۔ معاویہ نے
عمر بن حمق خزاعی اور حجر بن عدی الکندی کو بخلاف
تہمات شرعیہ اور وعدہ ہائے صحیحہ قتل کرایا۔ اور زیاد
بن ہشیم نے ہزاروں شیعان کو ذبح و بصرہ کو قتل کیا اور ان
کی کثیر تعداد کو بدتہائے دراز تک قید رکھا۔ یہاں تک
کہ معاویہ اپنی بد اعمالی کی سزایابی کے لئے خدا کے دربار
میں بلایا گیا اور اوس کی عمر اوسکے بدترین اعمال کے
ساتھ بالکل تمام ہو گئی۔ معاویہ کی تبعیت اوسکے بیٹے
نے اختیار کی۔ جو کچھ اوسکے باپ نے چہا چہا کر کیا تھا۔
یزید نے اوسے علانیہ دکھلا دکھلا کر کیا۔ ابی ابن عروہ
المرادی اور مسلم بن عقیل اہل شمی کو پٹے علانیہ طور پر
قتل کرایا۔ اور اوس کے بعد حجر بن زیاد الریاحی۔ ابو موسیٰ
بن قریظہ الانصاری۔ حبیب ابن مظاہر الاسدی

محمد بن حنفیہ و اراد احرارہ و نفی عبد اللہ
ابن عباس و اکثر اشرارہا کہ قلمہ اخلت البلاد
لال مرقان و کانت سلطوانہ لیلانین شم
علی العباسین قتالہا بالہا شہین و
انخان الفاطمین و قتل شعیبہ علی و
مھا آثار اہلبیت النبی و جری ما جری
علی کلیل ابن زیاد النخعی و انصل البلاء
مدتہ ملک المرمانہ الی الا یام العباسیہ
حق اذ اراد اللہ ان ینتقم مدتهم باکثر
اثامهم و یجعل اعظم ذنوبهم فی اخر ايامهم
بعث علی بقیہ الحق المہمل والدین معطل
نرید بن علی فخذ لواء منافقواہل العراق
وقتلہ احزاب اہل الشام و قتل معہ
من شیعۃ نصر بن خزیمہ الاسدی
ومثویہ بن اسحاق الانصاری
وجماعۃ من شیعۃ و تابعیہ و حتی
من زوجۃ و اذ نال و حتی من کلمہ
واثناء فلما انتھکوا ذلک الحزیم و اقتر
فوا ذلک الاثم العظیم غضب اللہ علیہم
وانتزع الملک منہم فبعث علیہم ابا
محمد کہ ابامسلم فتنظروا نظر اللہ الیہ الی
صلابۃ العلویہ والی ابن العباسیہ
فترک قضاہ و اتبع هواہ و راع انصرہ
بدنسیہ و افتخروا بقتل عبد اللہ بن
معویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابیطالب

ابو سعید ابن عبد اللہ الحنفی۔ نافع ابن ہلال العجلی خلیفہ
ابن سعد الشامی۔ عاتل ابن شیبہ الشاکری۔ شیعان
حسین علیہ السلام بہتر نفوس کو معرکہ کربلا میں قتل کرایا۔ پھر
بار دیگر اس واقعہ عظیم کے بعد ولد احرار ابن و ولد احرار
عبد اللہ ابن زیاد نے شیعان قرب و جوار کو درختوں کی
شاخوں پر سولیاں دلوائیں اور انواع و اقسام کے ساتھ
اون کو قتل کرایا۔ یہاں تک کہ خداوند عالم نے اس کی
پشت پر ان بیگناہوں کے خون ناحق اور بہتک حرمت کی
بے شمار معصیت کا بار کرایا۔ اور اس درمیان میں ایک
جماعت مجاہدین کو نصرت اہل بیت علی توفیق ہوئی اور
خداوند عالم نے ان لوگوں کے ذریعہ سے ان ظلمہ وقت کی
سزا دہی کا ارادہ فرمایا۔ اور اس جماعت نے ان شہیدان
مظلوم کے خون ناحق کا معاوضہ اس ولد احرار سے لینا۔
چاہا۔ مگر ان کی قلت اعداد آخر میں زیادہ نہ ہو سکی اور
اور ان کو ملک نہ پہنچنے کی امید منقطع ہو گئی۔ اشرار کو فہم
کی جماعت کثیر ان کے مقابلہ و مقابلہ پر تیار ہو گئی۔ اور
اپنے جان و مال سے مستعد ہو گئی۔ یہاں تک کہ سلیمان
ابن صرور خراعی۔ مسیب بن نجیحہ الفرزہی۔ عبد اللہ
ابن واصل التیمی جو انصار مومنین اور نیکو کار تابعین
شمار ہوتے تھے۔ اور شہسواران اسلام اور انوار
ہدایت انام کہلاتے تھے قتل کئے گئے۔ اسکے بعد حجاز
و عراق پر ابن زبیر کا تسلط ہو گیا اور مختار نے مظلوم غریب
اور شہید مصیبت نصیب کا طلبہ خون کیا اور ان کے
تمام قاتلوں کو قتل کیا اور ان کے دشمنوں کو ویسے
ہی ذلیل و بوار کیا۔ اور ابو عمر بن کیسان۔ احمر ابن شعیب

و سلطوا طواغیت خراسان و خوار و جرج
سجستان و کمراد اصفہان علی ال ابطالب
یقتلہم تحت کل حجر مدر و یطربہم
فی کل سہل و جبل حتی سلط علیہ
احب الناس الیہ فقتلہ کما قتل الناس
فی طاعتہ و اخذہ بھا اخذ الناس
فی بدیتہ و لم یفعلہ ان لم یخط الله
برضاہ و ان مرکب ما یھون الہ و یھلک
من الدنیا و الدنیا فیدھا عسفا
و نقدی فیہا جوار و حلیفا الی ان
مات و قد امتلأت منہ و باھل بیت
الرسالة و معدن الطیب و الطہارۃ
قد تدب غائبہم و یلقط حاکمہم حتی
قتل عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ
الحسنی بالسند تلی ید عمر ابن ہشام
بن عمر التغلبی لما ظنک بہ من قریب
تبارک علیہ و کانت مسہ علیہ ید یاء
و هذا قلیل فی جنب ما قتلہ حاکمہ من
منہم و فعلہ موعی قبلہ بہم فقد عرفہم
ما تو جہ علی الحسن بن علی بن محمد بن موسی
و ما اتفق تلی علی بن ابراہیم بن الحسن بن
من حاکمہ و ما جری علی احمد بن
علی الزید و علی القسم بن علی الحسنی
من حاکمہ و علی بن عثمان الخراسانی
احمد بن اخذ من قبلہ و الجملة ان حاکمہ

رفاعہ بن زید سائب ابن الکلب اور عبد اللہ ابن کامل
اور تمام جماعت شیعہ نے انکا ساتھ دیا۔ اور قاتلان حسین
کو اسی طرح قتل کیا جس طرح انہوں نے شیطان
حسین کو قتل کیا تھا۔ یہاں تک کہ خدا نے عبداللہ ابن
زبیر کے وجود سے تمام اصرار و بلاد کو ظاہر کیا اور اسکے
بھائی مصعب کی طرف سے بھی تمام دنیا کو آرام و اطمینان
ہو گیا اور ان دونوں کو عبد الملک ابن مروان نے قتل
کیا۔ اسی طرح ایک ظالم کے بعد دوسرا ظالم قائم ہوتا
گیا اور ان سے انواع و اقسام کے مظالم پھیل میں آتے
گئے۔ اس سے قبل ابن زبیر نے محمد بن حنفیہ کو قید کیا
اور ان کو جلا کر مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ ابن
عباس کے تمام فضائل و مناقب کا انکار کیا اور اکثر
اوقات ان پر سخت ظلم بھی کئے۔ اور جب تمام ملک
آل مروان کے لئے خالی ہو گیا تو حجاج پہلے تمام حجاز پر
پھر بعد ازاں تمام عراق کا دالی مقرر ہوا۔ وہ بنی ہاشم
کے ساتھ طرح طرح کے کھیل کھیلایا اور بنی فاطمہ کو تمام
ڈرایا اور دھکایا شیطان علی کو بلا تامل قتل کیا۔ اور
اہلبیت رسول کی بنیادیں کھود ڈالیں۔ کمال ابن زیاد
حنفی پر جو سائب گذرے وہ گذرے۔ یہ تمام مصیبتیں
اور مظالم بنی امیہ کے وقت سے لیکر بنی عباس کے زمانہ
تک جاری اور قائم رہے۔ یہاں تک کہ خدا نے ان کی
مدد حکومت کو ختم کیا اور ان کے گناہوں کو دنیا کے
تمام لوگوں کے گناہوں سے عظیم تر بن قرار دیا۔ اور ان کے
مظالم کی پاداش میں ان کے ايام تکلیف و سخت کو تمام کر دیا۔
آخر ایام بنی امیہ میں جب حق مہل اور بنی مہل ہو چکا

مات وقد قصر شبراً للنبوة واقلم غرس
الامامة وانتم اصيلكم الله لستم اعظم
نصيباً في الدين من الاغشي فقد افاق
ومن علي ابن يقطين فقد اتهموه فامسأ
في صدر الاول فقد قتل زيد ابن صوحان
العبدى وعوقب عثمان ابن حنيف
الانصارى واقصى حارث بن قدامة
السعدى وجندب بن زهير الانزلى
وشرار بن حافى المرادى ومالك ابن
كعب الانصارى ومقل ابن قيس الرياحى
والحرث الاعور المهدلى والولاء الطفيل
الكنانى وما فيهم الا من خر على وجهه
تتلا او عاش في بئته ذليلاً يسمع شتمه
الوصى فلا ينكر ويرى قتله الا وصيائه
واولادهم فلا يغير ولا يخفى عليكم حرم
عامتهم وحيرتهم كما سير الجحفي ركشيد
البحرى وكنز سائر ابن اعين ليس
الا نهم مرحومهم الله يتولون اوليائه
والله وتبرون من اعداء الله وكفى
به جبراً عظيماً عند هم وعيباً كبيراً
بنيهم وقل في بنى العباس فانك مستجد
بمحمد الله تعالى مقالاً وحل في عجايبهم فاندك
تري ما شئت فجلا الجحفي فيهم فتفرقا
على الدليلى والتركى ويحل المنسجى
والفرغانى وميت امام من ائمة الهدى

تھا تو زید ابن علی نے احقاق حق کے لئے سعی یلینغ کی اس
عراق نے اون کے ساتھ نفاق کیا اور اون کو چھوڑ دیا۔
اسل شام نے آخر کار اون کو قتل کیا۔ اور اون کے ساتھ
شیعوں کو مثل نصر ابن حریرہ اسمعی معویہ ابن اسحق
انصارى اور اون کے متبعین کی جماعت کثیر کو قتل کیا
یہاں تک کہ اون لوگوں کو بھی مار ڈالا۔ جو ان لوگوں سے
قربت اور عزیز داری رکھتے تھے۔ یا وہ لوگ جو ان کی مدح
شنا کرتے تھے جب ان ظلمہ وقت نے یہاں تک ان
صاحبان حرمت کی ہتک دیکھیں کی اور اون کے گناہ و
معصیت اس شدت و عصبیت تک پہنچ گیا تو خدا نے
ان پر اپنے غضب نازل فرمایا۔ اور ان سے انزعاج ملک
کر لیا۔ اون پر ابو مجرم (ابو مسلم نہیں) کو مسلط کیا۔ ہر نظر
قدرت علویوں کے ساتھ ابو مسلم کی سختی اور عباسیوں کے
ساتھ اس کی نرمی کو برابر دیکھتی رہی اوس نے اپنے اس
کردار و قرار میں خوف خدا کو چھوڑ دیا اور اپنی خود غرضی کی
مباہلت اختیار کر لی۔ اپنی آخرت کو دنیا کے لئے بیچ ڈالا۔
اوس کے یہ طرز عمل ایں ظاہر ہوئے کہ اوس نے عبد اللہ
ابن معویہ ابن عبد اللہ ابن جعفر ابن ابریطالب کو قتل کیا۔
اور کاثران خراسان۔ فواج سجستان اور اکرادا سفہان کو
آل ابریطالب کے قتل و غارت پر متعین کیا اور ان شتمکاروں
نے آل ابریطالب کو ہاروں۔ میدانوں۔ دریاؤں اور
ریگستانوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا یہاں تک کہ
اوسپر (ابو مسلم پر) ایک ایسے شخص کو مسلط کیا جو اوس کے
(ابو مسلم) نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (السفاح)
اور اس کو اوس نے ایسے ہی قتل کیا جیسے اس نے کثیر

وَسَيَدُ مِنْ السَّادَاتِ بَيْتَ الْمُصْطَفَى
فَلَا يَتَّبِعُ جَنَازَتَهُ وَلَا تَجْصَحُ مَقْبَرَتَهُ
وَيَمُوتُ ضَرَّاطَ لَهْمٍ وَلَا سَعْبٍ أَوْ مَسْكَنَةٍ
أَوْ ضَارِبٍ فَتُحْضَرُ جَنَازَتُهُ أَلْعَدُولُ وَ
الْقَضَاةُ وَيَعْمَرُ مَسْجِدُهَا لِلتَّغْيِيَةِ سِنْدِ الْقَوَادِ
وَالْوَلَاةِ وَيُسَلِّمُ فِيهِمْ مِنْ يَمِينِ فَوْنِهِ
دَهْرِيًّا وَسُوفِ سَطَايَا وَلَا يَتَعَرَّضُونَ
لِمَنْ يَدْرُسُ كِتَابَ فُلَسْفِيَا وَمَانُوا بِأَوَّلِ قَتْلِهِ
مَنْ عَرَفُوهُ شَيْعِيًّا وَيَسْفِكُونَ دَمَ مَنْ
يَأْتِيهِمْ عَلَيْهِمْ وَلَوْ لَمْ يَقْتُلْ مِنْ شَيْعَةٍ
أَهْلُ الْبَيْتِ غَيْرَ الْمُعَلَّى ابْنِ مَخْنِسٍ
قَتِيلِ دَاوُدَ بْنِ عَلِيٍّ وَلَوْ لَمْ يَجْبَسْ فِيهِمْ
غَيْرُ الْبُتْرَابِ الْمَرْوَرِيِّ لَكَانَ ذَلِكَ
جُرْحًا لَا يَبْرَأُ وَنَاشِئَةً لَا تَطْفَأُ وَصَدْعًا
لَا يَلْتَمُ وَجُرْحًا لَا يُلْتَمُ وَكَفَا بِهِمْ أَنْ
تَشْعَلَ عَقْرُ شَيْءٍ قَالُوا فِي مَجَاهِلِيَّةِ الشَّعْرِ
الْبُيُوتِ بَهَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَدَوْنَتْ أَنْ يَحْبِرَهُمْ وَرَوَاهَا الرُّوَاةُ
مِثْلُ الْوَاقِدِيِّ وَوَهْبِ بْنِ مِثْلَةِ الْبَيْهَقِيِّ
وَمِثْلُ الْكَلْبِيِّ وَالشَّرْقِيِّ بْنِ الْقَطَائِي الْهَيْثَمِ
ابْنِ عَدِّي وَدَا بِنْ أَلْكَانِي وَآبُ بَعْضِ
الشُّعْرَاءِ الشَّيْخَةِ بِكَلِمَةٍ فِي ذِكْرِ مَنَاقِبِ
الْوَصِيِّ فِي ذِكْرِ جَزَائِرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَالِهِ وَسَلَّمَ فَيَقْطَعُ سَازَنَهُ وَيُزِقُّ دِلْوَانَهُ
كَمَا فَعَلَ بَعْدَ اللَّهِ بِنْ عَمَّارٍ الْبَرْقِيِّ وَكَأْسَرِي

بندگان خدا کو قتل کیا تھا اور اس سے ہی اوس نے دیا
ہی مواخذہ کیا جیسے اس نے اپنی بدیت کے لئے مواخذہ
کیا تھا۔ اور اس شخص کو اسکا یہ جزرہ عمل ہی کی قارہ
نہ پہنچا سکا کیونکہ اوس کی سورت بدیری غصیب خدا کا
باعث ہوئی۔ اور حصول مدعا کے بعد وہ اپنی ہوا و حرص
کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دنیا کو اوس نے اپنے لئے بدل
کر لیا۔ دنیا میں اوس کے اعمال خبط ہو گئے اور تمام دنیا کو
اوس نے جو درد ظلم سے بہریا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا اور
تمام ملک کے قیدی خانے الحبیت رسالت اور معدن طیب
طہارت سے بھر گئے اوس کے بعد اوس کے دربار اور خلفاء
بھی اوس کی متابعت کی۔ عبداللہ بن محمد بن عبداللہ
الحسنی کو علامہ تہذیب (مستشرقین) میں عمر ابن زہشام
بن عمر قلعی کے ذریعہ سے قتل کر آیا اوس کی وجہ صرف
ظلم سلطنت کے شک و شبہ کے سوا اور کچھ معلوم نہیں
ہوئی اور یہ واقعات تو ان مظالم کے مقابلہ میں جو ہاروں
الرشید نے الحبیت کے ساتھ کئے یا موسی عباسی کر گیا
بہت ہی قلیل اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ آپ حضرات شیعیان
خراسان (سلمان فتویٰ) خود واقف ہیں جو موسی عباسی
کے ہاتھوں سے بن علی (ملقب بفس زکیہ) پر مقام فتح
قریب مدینہ) میں گزرا اور علی ابن افسطس صینی پر ہاروں
کے ہاتھوں سے جو مظالم گذرے اور محمد بن زید بن علی
اور قاسم ابن علی الحسنی پر قید دوام و علی ابن غسان
انحرای پر گرفتاری اور دیکھاری کے مصائب ہاروں
کے ہاتھوں سے جو گذرے وہ مشہور ہیں۔ یہاں تک کہ
ارون مر گیا ایسی حالت میں کہ وہ شجرہ رسالت کو قلع

یا کہ کیت بن زید کا سیدی و کما بفسق قبر
منصور بن النریقان النری و کما دشر علی
و علی بن علی النخعی مع رفقتهم مروان
بن ابی حفصۃ الیمامی و من علی بن الجهم
النشامی لیس لہ شغل حافی الذنب شیخا بہما
مقتتبا الرب حتی ان ہما بن النخعیان
و جعفر المتوکل علی الشیطان لا علی الرحمان
سما کما یعطیان ماکا و لیس کما قولا لا
لمن شتم الابرطالب و نصہذا ذهب
الذوالعصب مثل عبد اللہ ابن مسعود
الزبیری و ذهب بن وحب النخعی و
من الشغل مثل مروان بن ابی حفصۃ
الاموی و من الاولاد باء مثل عبد الملک
ابن قریب الا صمعی و ما فی ایام جعفر مثل
بکابر بن عبد اللہ الزبیری و ابی السہل بن
ابی ایوب الاعمی و ابن ابی شہر ابی العیشی
و یمنہم اشرککم اللہ قد تہ شکنا بالمعروف
الوفی و اشرک الدین لادنیہا لیس فی ذلک
زیادۃ من زلزلہ فیما و لیس لہا عقیدۃ لا شک
من نقص منافات الاسلام بدعۃ النریبان
سیدہ و کما بدعۃ کلۃ من اللہ و وصیۃ من
سورۃ اللہ صلہم یورث من شغل من
عبادہ و اما قبة للمتقین و معہ لیس
خدا و بعد لیس لیس لیس لیس لیس لیس
یا سرخی اللہ عنہ یوم صغیر لیس لیس لیس

اور نخل الامت کو متا صل کر چکا تھا۔ اور اسے شیطان نیشا پور
خداوند عالم ہمارے امور میں صلاح و خیر دے۔ تم لوگ نعمت
دین میں اعمش سے زیادہ حصہ نہیں رکھتے۔ جن کو طرح طرح
کی عقوبت سے خوف زدہ کیا گیا اور علی بن نقین پر اتہام
لگایا گیا۔ اور انھیں بزرگوں کی طرح زمانہ سابق میں زید بن عدوان
العبدی کو پہلے پر بعد اون کے عثمان ابن حنیف انصاری
اور آخر میں مالک ابن کعب ارجسی۔ معقل ابن قیس ریای
اور حرث بن الاحور ہمدانی اور ابو طفیل الکفانی کو ہی ایسے
ہی مضمتیں پیش آئیں۔ اور حارثہ ابن قدامۃ المذہبی۔ اور
جندب بن زبیر الاسدی اور شریح ابن ابی المرادی۔ اور
ان میں سے کوئی متمسک ایسا نہیں بچا جو قتل نہ کیا گیا ہو یا
جو بچ گیا ہو اس کے گھر سے کہ حقیرانہ اور فقیرانہ زندگی نہ
بسر کرے ہو اور برابر جناب علی مرتضیٰ پر سب و دشمنی نہ سنتا ہو
اور ان کی تردید و تکذیب کی مجال رکھتا ہو۔ یا اون کے اوصیا
و ذریات کو قتل ہوتے ہوئے نہ دیکھتا ہو۔ لیکن با اینہما ان
کے عقاید میں کوئی تغیر نہ آیا اور یہ ظلم و مفساد اون کو
کوئی حرج نہ پہنچا سکے۔ جیسا کہ جابر جعفی۔ رشید ہجر ہی
اور زراہ ابن اعین کے حالات سے ظاہر ہے کہ ان کے یہ
سب بزرگوں اور بزرگوارانہ (یعنی ائمہ اطہار) کے دوست و
تھے اور ان کے دشمنوں سے بیزار تھے۔ اور ظلم و قسط
کے نزدیک اون کا ہی جرم عظیم اور عیب کبیر تھا۔ اب
بنی عباس کے کردار کا ذکر کرو۔ ان کے ذکر میں بھی ہم
بہت سے اقوال ملیں گے اور ان کے اقوال میں عجائبات
و غرائب مشاہدات پیش آئیں گے۔ بیت المال کی تقسیم
کو گویا ان لوگوں نے قبائل و طہم اقوام ترک۔ اندلس اور

حقی تبلغ سعفات ہجر علمنا انا علی الحق و
انہم علی الباطل ولقد ہنرم حبیش رسولی اللہ
صلوۃ اللہ علیہ ثم ہنرم ولقد تاخرنا
الاسلام ثم تقدم الم احسب الناس
ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون
ولولا فحنة المؤمنین وقلۃھم ودولہ
و کثرۃھم لما استلأت جھنم حتی نقول
حل من مرید وکما قال اللہ تعالیٰ و لکن
اکثرھم لا یعلمون ولما تبین البحر من
الصبر ولا عرف الشکور من الکفور
لما استحق المطیع الاجر ولا احتقب العاصی
المؤثر فان اصابتنا نکبة فذلک ما قد
تعودنا وان رجعت لنا دولة فذلک
ما قد انتظرنا وعندنا بحمد اللہ تعالیٰ
لکل حالۃ الة ولکل مقامۃ مقامۃ
ف عند الحن الصبر وعند النعم الشکر
لقد شتم امیر المؤمنین علیہ السلام
علی المنابر الف شہر ما شکلنا فی وصیۃ
وکذب محمد علی اللہ علیہ والہ وسلم
بضع عشر سنۃ فما اتھمنا فی نبوتہ
وعاش ابلیس مدۃ تزید علی المدد فلم
ترتب فی لعنۃ وابتلینا بفترة الحق و
لحن مستیقون بدولۃ دفنا الی قتل الامام
لقد الامام والرضا بعدا لرضا الامام عندنا فی
حقہ امامتہ وکان اللہ مفعولا وکان

فرغانہ کے لئے خاص کر دیا تھا۔ اور جب کہ ہمدانی
کے طبقہ میں کوئی امام مرجع نہ تھا۔ یا اہل بیت مصطفیٰ میں
کوئی سید القوم انتقال نہ آتا تھا تو کوئی فرد واحد ان کے
جنازہ میں شریک مشایعت نہیں ہوتا تھا۔ اور اسکا کوئی
مقبرہ نہیں بناتا تھا۔ بخلاف ان کے جب کوئی مسخرہ
توالہ گانے والا۔ یا شاہی بجائے والا مرجع ہوتا تھا تو تمام علماء
قضاۃ اور اسکے جنازہ کی مشایعت کرتے تھے۔ اور بزرگان و
رہبان کے مقبرہ و مسجد میں اوس کی قبر بناتے تھے۔ بنی
عباس اور لوگوں سے جو مذہب دہریہ۔ سفسطایہ ہوتے
اور ان سے بحاسن سلوک پیش آتے اور یہ لوگ اگر ملک و قوم
کو کتب فلسفی اور فانی کی تعلیم دیتے تھے تو ان سے تعلق
اعراض نہ کرتے تھے۔ لیکن جب کسی شیعہ کو پہچان لیتے تھے
تو اوس کو قتل ہی کر دیتے تھے۔ اور جس شخص کا نام علی ہوتا
تھا۔ اوس کی گردن مارتے تھے۔ علی ابن خنیس کو علی ابن
راوندی قتل کیا۔ اور ابو تراب مزیہ کو جس دوام کی
سزا دی۔ ان لوگوں نے اپنے ذمہ وہ مظالم لے لیے ہیں جن
سے وہ کہی ہی نہیں ہو سکتے۔ اور وہ آتش مفسدہ برپا کی
ہے جو کہی ہی نہیں سکتی اور وہ عداوت و زخمائے کاری
پہنچائے ہیں جو کہی الیام نہیں پاسکتے ان لوگوں نے
اون جملہ شہداء قریش کی تو معاونت کی جنہوں نے اپنے
اشعار میں اغیاب امیر المؤمنین علیہ السلام کی پہنچی۔
لیکن ان شعرائے اسلام کی تعریف و تہنیت کی
جنہوں نے اپنے اشعار و قصائد میں حضرت علی مرتضیٰ
کی مدح و ثنا کی تھی۔ بنی عباس نے خاص کر انکے اشعار
پہنچوئے کہ غالب کیا اور انکے تمام اخبار و روایات کو اپنے

امر الله مقدور كل سوف تعلمون ثم كلا
سوف تعلمون وسيعلم الذين ظلموا اي
منقلب ينقلبون ولتعلن نبأ بعد حين
اعلموا رحمكم الله ان بني امية الشجرة
الملعونة في القرآن واتباع الطاغوت
والشيطان جهنم وافي دفن جواسن لوصي
واستاجر من كذب في الاحاديث على النبي
صلى الله عليه واله وسلم وحولوا الجوار
الى بيت المقدس عن المدينة والمخوفة
نزعوا الى دمشق من الكوفة وبذلوا
في طرس هذا امر لا موال وقلدوا عليه
العمال واصطنعوا فيه الرجال فما قدروا
على دفن الاحاديث رسول صلى الله عليه واله
وسلم ولا على تحريف اية من كتاب الله تعالى
ولا على داس احد من اعداء الله في اولياء
الله ولقد كان ينادى على رؤسهم بفضائل
العترة ويكلم بعضهم بعضا بالدليل والحجة
لا تنفع في ذلك هيبة ولا يمنعه من رغبة
ولا رهبة والحق عزيز وان استذل اهله
وكثروا قلوبهم والباطل وان رصع بالشبه
قبيلهم وذليل وان غطوا وجهه بكميلهم وكيف
لا يفتقدون في ما يقتلون بني عمهم جوعا و
سغباً مملون ديار التراب والديلم فضة و
نزهة يستنصرون المنزلة والغنى واليحيون
المهاجرى والانه ماري ويولون بانباط الاسود

اہتمام سے خاص طور پر ذائع کیا۔ اور انھیں اخبار د
آمار سے واقف ہی۔ وہ بن بنیہ التیمی بکلی۔ شرتی بن
القظامی۔ ہشیم بن عدی اور داب بن الکنافی نے دفتر
کے دفتر مرتب کئے۔ بعض شعرا سے شیعہ نے علیہ نہیں
بلکہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر معجزات
کے ساتھ جناب علی مرتضیٰ کے فضائل و مناقب کا ذکر کیا
اوس غریب کی زبان کو ال گئی۔ اور اوس کا وظیفہ بکریا
گیا۔ اسی طرح عبد اللہ بن عمار البرقی کے ساتھ ظالمانہ
سلوک کئے گئے۔ اور کبیر بن زید اسدی کے ساتھ
بھی یہی برتاؤ کئے گئے۔ منصور بن الزرقان انصاری کی تو قبر
تک اس جرم میں گھوڑا لگائی۔ اور ایسے ہی مصائب و
نواب و عمل خراعی اور اون کے رفقا پر مروان ابن ابی
حفصہ الیامی اور علی ابن جهم الثاقبی کے ہاتھوں اونکی
انتہائے نا صیت کی وجہ سے گزر گئے۔ یہاں تک کہ
ہارون اور جعفر متوکل (جو متوکل یہ شیطان تھا) متوکل
علی الرحمن) یہ دونوں ایسے ظلم وقت ثابت ہوتے
ہیں کہ انہوں نے اپنی دولت دشمنان آل ابیطالب کے
اشارہ عطا یا کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ان لوگوں نے تمام
زرقہ نواب کی بڑی بڑی مدد کی جیسا کہ علما دشمنان آل ابیطالب
میں عبد اللہ بن مصعب ابن الزبیر و سب ابن و ہب بن جری
کے ساتھ اور شہر میں مروان ابن ابی حفصہ الاموی کے
ساتھ اور ابی عبد الملک ابن قریب الاموی کے ساتھ
بڑے بڑے گرانمایہ سلوک کئے۔ پھر اس طرح جعفر کے
زمانہ میں بکرا بن عبد اللہ بن ہب اور ابی اسلمہ بن ابی الجون
الاموی و ابن ابی شہر اسلمہ بن ہب کے ساتھ عطا یا کئے اور

ویناچتھم و قلف الجیم والظماظم قیادتھم و منعون
الابی طالب میراث امہم و فی جدمہم نیشتمی
العلوی الاکلتہ فی حرمہا و یفترحم علی الایام
الشہوۃ فلا یطعمہا و خراجہ مصر و اکاھوانہ
و سادات الحرمین و الحججہ ان تصرف الی ابن
ابی مریم المدینی والی ابراہیم الموصلی و
ابن جامع السہمی والی رزل الضارب و
برصوما الزامروا قحاح بن شیعہ و النصارانی
قوت اهل بلد و مجاری کفالتہ و الاذنی
الشریون کفالتہ امۃ ذات عدد و المتوکل
نزعوا یسری باثنی عشر الف سربہ و السید
من سادات اهل البيت بتعفف بن نجیۃ او
سندیۃ و صفوۃ مال الخراج مقصور علی
ارزاق الصفا عنہ و علی موائد الخافۃ و
علی طعمۃ الکلابین و رسوم القرا دین و
علی الخارق و علویۃ المذنی و علی زرد و
عمر بن بانیہ الملهی و یخلون علی الفاطمی
باکلتہ او شربۃ و یصارفونہ علی دانی و حبیۃ
و یشترون العوادۃ بالبدر و یجرون لہا
ما بقی یزرق عسکر و القوم الذین احل
لہم الخمس و جرمت علیہم الصدقہ و
فرضت لہم الکرامۃ و الخبۃ بتکلفون
ضرا و یہکون فقرا و یرہن احدہم سیفہ
و یلبع ثوبہ و یبخر الی فئۃ لعین مرلیۃ و تیشد
علی دھرہ بنفس ضعیفہ لیس لہ ذنب الا ان

کے۔ اور اسے حضرات خطبان شیعیان نیشاپور (خداوند عالم
شکور شد و ہدایت عطا فرمائے۔ ہم لوگ عروۃ الوثقی کے
ساتھ مستحکم ہوا۔ اور ہماری دنیا کی بنا ہی ہمارے اساس
دینی پر مبنی ہے۔ ہم کو جتنی بصیرت دین حاصل ہو چکی ہے۔
اوس سے گھٹنے والی نہیں۔ ہمارے عقاید محکمہ میں اون منکر
اسلام کے نقصان فی العقاید سے کوئی نقص واقع نہیں
ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے دین میں عجیب و غریب بدعتیں
پیدا کی ہیں اور کلمۃ اللہ و حکم رسول اللہ سے بالکل
منحرف ہو گئے ہیں۔ خداوند عالم یوں تو جس کو چاہتا
ہے زمین کا وارث بناتا ہے۔ مگر دار عاقبت نیکو کاروں
کے لئے ہے۔ ہر کج کے بعد گل آئے والا ہے۔ اور
ہر یوم الیست کے بعد یوم الاحد کا ہونا ضروری ہے
جناب عمار یا سررضی اللہ عنہ جنگ صفین کے روز
فرماتے تھے کہ اگر یہ لوگ ہم کو مارتے مارتے تباہی و جدائی
کے اوس سر نہ تک پہنچا دیں۔ تاہم ہم ہی یقین
کرتے رہیں گے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ ضرور باطل پر ہیں
یہ بھی غور کے قابل ہے کہ پہلے جناب رسالت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے لشکر کو نہایت ہوئی۔ اور ہر آپ کے لشکر
نے نماز تین کو شکست پر شکست پہنچائی۔ اس سبط پہلے
تبلیغ و توسیع میں تاخیر واقع ہوئی اور بعد ازاں تقدیم۔
پھر اسی کے متعلق خدا نے ارشاد فرمایا ہے۔ کیا لوگ
یہ سمجھیں کہ وہ صرف اس کہ دینے سے کہ ہم ایمان
لائے ہیں۔ چوڑے جانیں گے اور کیا وہ لوگ فتنہ و
فساد نہیں کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں اگر مومن کی تعداد
کم اور ان کے دشمن زیادہ نہ ہوتے تو پھر دوزخ پر

جَدَّ النَّبِيُّ وَأَبُوهُ الْوَقِيُّ وَأُمُّهُ فَاطِمَةُ وَ
جَدَّتُهُ مَخْلُوبَةُ وَصَدِّيقَتُهُ هَبْهَبَةُ الْكَلْبَانِ وَ
أُمَامَةُ الْقُرَّانِ۔

اور مملو ہو کر کیسے کہتی کہ مجھے ابھی اور زیادہ دیا جاوے۔ اور
اگر خدائے نہ فرما دیا ہوتا کہ اکثر لوگ جاننے والے نہیں
ہیں۔ تو پھر صبر کرنے والوں کو بے صبروں سے۔ اہل شکوک

کو، صاحبان کفر سے اور ایمان جڑ کو مجربان سزا سے کیونکر بچا جاتا۔ ہم لوگوں کے مصائب ایسے ہیں۔ جنکے
لئے ہم سے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور تحقیق کہ رعیت دولت و نعمت کے انتظار کرنے کا ہر حکم ہو چکا
ہے اور ہم اسکا انتظار کر رہے ہیں۔ اور سچے اللہ ہمارے پاس ہماری تمام حالتوں کے لئے ایک دلیل اور وسیلہ ہے
اور ہر مقام کے لئے ہمارے پاس ایک حجت ہے۔ مصیبت کے وقت ہمارے پاس صبر ہے اور نعمت و دولت
کے وقت شکر ہے۔ اگرچہ ایک ہزار حسنین تک جناب امیر المومنین علیہ السلام پر برسرِ غیر لعنت کی گئی۔ مگر ہم لوگوں کو
آپ کے وصی برحق ہونے میں ذرا بھی اشکال واقع نہیں ہوا۔ جناب رسالتا علیہ السلام کے والد سلم کی پندرہ برس
تک تکذیب ہوتی رہی اور ابلیس ملعون ان امور قبیحہ میں اپنی طرف سے رد پہنچانے میں ہمیشہ زیادتی ہی کرتا رہا۔ مگر
ہم اس پر (ابلیس پر) برابر لعنت ہی کرتے رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے مصائب اور ہماری آزمائش فطرت
حقہ کے مطابق ہے اور ہم اس کے تمام آثار پر پورا یقین رکھنے والے ہیں۔ ہم برابر ایک امام کے قتل کے بعد دوسرے
امام کے قتل پر مدافعت کرتے رہے۔ اور ایک رضائے الہی کے بعد دوسری پر راضی برضا رہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک
اون کے یہ مصائب اون کی صحت امارت کے لئے دلیل واضح اور حجت قاطع تھی اور یہ امور بصدان آید وافی بدایہ
وکان وعدا للہ مفعولاً (خدا کا وعدہ ہو کر رہے گا۔) مقدر ہو چکے تھے اور ضرور ہونے والے تھے۔ مخالفین کو معلوم
ہو جائے۔ اور ہر تالیف اگھا جاتا ہے اون کو ایک دن معلوم ہو جائے گا۔ اور جن لوگوں نے ظلم کئے ہیں وہ معلوم کر لینگے

کہ اون کی کیسی بازگشت ہونے والی ہے اور اون کو اس وقت کے بعد اس کی خبر ہوگی۔ اور اے حضرات
خطابان شیخان خراسان۔ آپ لوگ یقین کر لیں کہ نبی امیہ وہی ہیں جن کے لئے قرآن میں شجرہ ملعونہ کہا گیا ہے۔
اور یہ وہی لوگ ہیں جو طاغوت و شیطان کے مطیع و فرمانبردار مشہور ہیں۔ جنہوں نے حضرت علیؑ کے محاسن کو مخفی
کرایا۔ اور جنہوں نے اُجرت دیدے کہ حدیثوں میں جناب رسول خدا صلعم پر جو بڑے بڑے ہوا۔ اور ان تمام موصوعات کے
تمام دیار و امصار بیت المقدس سے لیکر مدینہ تک پراور مملو کر آئے۔ خلافت کو فہ سے اٹھا کر دمشق میں لے گئے اور
ان امور قبیحہ کی تعمیل و ترتیب میں دولت کثیر صرف کر دی۔ اور ان کی تعمیل و نفاذ پر اپنے عمال کو مقرر کیا۔ وہ استخفاف
احادیث رسول۔ اسقاط اخبار فضائل اہلبیت پیغمبر۔ تحریف فی القرآن اور رفع مظالم معاندین عن رؤس ائمہ
طاہرین کا کوئی تدابیر نہ کر سکے۔ اگر کوئی شخص فضائلِ عمرت طاہرین بیان کرتا تھا تو اون میں سے بعض بعض
لوگ اون کے دلائل و حجت کو سن سن کر روئے لگتے تھے۔ مگر! نیمہ یہ اثر و مصیبت نہ اونہیں کوئی فائدہ پہنچاتی

تھی اور نہ وہ اپنے غلط طریقہ سے باز آتے تھے۔ حق ہمیشہ عزیز ہی رہتا ہے اگرچہ صحابیان حق کتنے ہی ذلیل نہ کئے جائیں۔ اور اگرچہ اون کے متبعین کیسے ہی قلیل اور معدودے چند نہوں اور باطل کو گو ظاہری صورت میں کتنا ہی آراستہ و پیراستہ نہ کیا جاوے مگر وہ ہمیشہ بد نما اور ذلیل ہی دکھائی دینگا۔ بنی اشیہ کے بعد پھر ایسے لوگوں کو کیوں ملزم نہ کہا جاوے جنہوں نے اپنے نبی احمام کو بھوک اور پیاس سے مار ڈالا۔ اور بخلاف ان کے دیا ترک و دلیہ کے باشندوں کو سوتے اور چاندی سے بھر دیا۔ جنہوں نے اقوام مغربی اور فرغانی کی پوری استعداد استعانت کی اور قبائل مہاجر و انصار پر مظالم کئے۔ اقوام انباط سیاہ کو اپنا ذریعہ بنایا اور اقوام نامختون عجم و عظم کو اراکین و امراء سلطنت منفر کیا اور آل ابی طالب کو نہ اون کی ماں کی دراشت دی اور نہ اون کے جد بزرگوار کے خاص حقوق دئے اور خمس سے اون کو کچھ حصہ دیا اور جب کسی غلوی نے اپنی قوت لایکوت کے لئے سعی و خواہش کی تو اس کی سخت ممانعت کی۔ یہاں تک کہ حالت گرسنگی میں اکل میتہ اون پر حلال ہو گیا۔ انھیں تکالیف میں اون کی عمریں تمام ہو گئیں۔ مگر کہیں اونھوں نے سیر ہو کر روٹی نہ کھائی۔ بخلاف ان کے خراج مصر و اہواز۔ صدقات حرمین و حجاز۔ ابن مریم المدینی (حکیم نصرانی) ابن جامع التہمی رقائق و مغنیان سلطان اور بخیشو نصرانی طلیب شاہی کی جاگیر است دیئے۔ اور اہل بلد کے وظیفہ پہنچائے۔ اور بغلے ترکی اور افشین رومی کے غلام و کنیز کے مصارف میں اٹھایا جاتا تھا۔ اور مزید براں محلات شاہی کے مصارف یومیہ میں آتا تھا۔ جن میں سے صرف متوکل کی لڑکیوں کی تعداد بارہ ہزار بتائی گئی ہے۔ مگر سادات اہلبیت میں ایک سید غریب ایک حبشی اور سندی عورت کے ساتھ اپنی عمر کاٹ دیتا ہے۔ تمام اموال خراج۔ صدقات و زکوٰۃ۔ جلاوٹوں۔ خواجہ سراؤں۔ کنوئیں اور بھال بندروں کی خوراک۔ تماشا کرنے والوں۔ باج بجانے والوں۔ مثل دزد۔ اور عمر بانی المادی کے مصارف میں صرف کیا جاتا تھا۔ مگر ان میں سے بنی فاطمہ کو کچھ نہ دیا جاتا تھا۔ بلکہ سخت بخل کیا جاتا تھا۔ اور یہ تمام اموال و دولت مصارف عیش اور خرید آلات غنا وغیرہ میں اٹھائی جاتی تھی۔ اور جو بچی تھی وہ فوج و لشکر کے مصارف میں آتی تھی۔ اور اس قوم و ذوق کی جیکے لئے خمس حلال اور صدقہ حرام کیا گیا تھا۔ اور جن کی عظمت۔ تکریم و تعظیم محبت و مودت لازم و واجب کی گئی ہے۔ ایسی ناگفتہ بہ حالت تھی کہ وہ نہایت تنگی اور شدید محنت میں بسر کرتے تھے۔ انہیں سے کوئی اپنی تلواریں دھن رکھتا تھا کوئی کپڑے پچہ گزراں کرتا تھا۔ اپنی آنکھوں سے گہر میں مریض پڑا ہوا دیکھتا تھا جو شہرت و شہف سے مسکتا تھا۔ مگر اسکے علاج و تدارک پر قادر نہیں تھا۔ اور یہ تمام مصائب و نوائب صرف اس جرم کی وجہ سے تھے کہ اون کا جد بزرگوار بنی تھا۔ پدنا مدار و ضعی تھا۔ اون کی ماں فاطمہ تھیں۔ اور دادی خدیجہ زہیب اون کا ایمان تھا۔ ہادی اون کا قرآن۔

بہت کیا ہے۔ ایک بار مصر کے مطبع بولاق مصر سے ۱۲۶۹ھ ہجری
مکاتیب خوارزمی میں چکر شائع ہوا تھا۔ ہم نے کتاب عبقات الانوار جلد سوم سے اس
 کے مرقومہ بالا اقتباسات کو نقل کیا ہے۔ اور کتاب مذکورہ میں اس کے صفحات ۱۲۵ میں عبارت ہذا
 مرقوم ہے۔ یہ پوری کتاب کتب خانہ فردوسیہ شمس العلماء صدر المحققین مولانا السید ناصر حسین صاحب
 مدظلہ میں موجود ہے۔ فمن شاء برجم الیہ۔

واضح ہو کہ اصل کتاب مکاتیب خوارزمی کے خاتمہ طبع میں یہ عبارت صحیح مطبع کی طرف سے مندرج
 کی گئی جس سے اس کی اہمیت اور مصنف کی اعلیٰ ثبوت ثابت ہوتی ہے۔ وقد تناہی طبع ہذا
 الرئیسائل التي لم يبلغ شأوا لها في الفصاحة والبيان وأصل بل هو عند هذا ادنى من
 باقل ولو نظرت في آياته لما ألهاك مستند سائل ولو كانت في عرق بن سائل
 الأبادي تكان لها عليه جميل كبادي فلم يأنها لثمت ما شرت الأوائل كلمة نقائل
 وأهكت كم ترك الأول للآخر ولما فاض الغابر فليكن الأوبى لها نعم الأخذ والقبض
 عليها بالنواجذ فإنه يبلغ بها في صناعة الشدة وتكون له في الألفاظ أو فرعد و
 كان طبعها على هذا الوجه الحسن وتمثيلها في هذا القالب المستحسن بدلا للطباعة
 المصرية الكائنة ببولاق مصر لمفترية تعلق المستعين ببولاق قيا بعيد وبيدي
 عبدالرحمن بيك رشدي على ذمة حضرت محمد علي بيك جراح باشي بالديار
 المصرية وحضرت حسن افندي مترجم الكتب العسكرية لآل الملوك وظين بعين العناية
 الربانية وكان تصحيحها محسباً لا مكان معرفته الفقير إلى رحمة الرحيم الرحمن المتوسل
 إلى ربّه بأجلاء النبوي محمد قطرة المدوي باشي مصمم المطبعة المذكورة يسر الله
 في الدارين أصمراً وقد وافق انتهاء طبعها وتمام تمثيلها ووضعها وأصل ذي الحجة الذي
 هو في هذا العام مشهور ۱۲۶۹ تسع و سبعين ومائتين الف من الهجرة ختام فالحمد لله الذي
 بنعمته تتم الصالحات والشكر له على مدد الأوقات وصلى الله وسلم على سيد الكائنات و
 على آله وأصحابه وذو القربى الكرامات مالا يحصى بدر تمام وفاح مسلك ختام

ترجمہ عیار رشاد خاتمہ۔ مکاتیب خوارزمی۔ رسالہ ہذا کا انطباع تمام ہوا جس کی فصاحت کو سبحان وائل نہیں
 پہنچتا اور اس کی انشاپردازی کے مقابلہ میں عیان ابن وائل باقل سے بھی زیادہ الحق ثابت ہوگا۔ اگر مصنف کے زمانہ
 میں ہوتا تو اس کی قابلیت کے آگے اپنے ہاتھ پھیلاتا۔ اور اگر قس ابن ساعدہ ہوتا تو فانت و استعداد میں مصنف کا

متبعین اہلبیت طاہرین کا خاص مصیبت | یہ تو اہلبیت علیہم السلام اور ان کی اولاد و ذریات کے مصائب
تھے جو امام ابوالموید اخطب خوارزمی کے مکاتیب کی اصل عبارت سے اوپر نقل کئے گئے۔ اون کے
پیروان و مستقرین اور شیعیان فخرین پر جو مصیبتیں ابتدائے لکھنا تک گذریں ان کی کیفیت امام مدائنی
کی مفصل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

معاویہ نے سال جماعت کے بعد ایک زمان عام اپنے
تمام عمالان ملکی کے نام اس مضمون کا لکھا کہ جو شخص
فضائل علی و اہلبیت کے متعلق کوئی روایت بیان کرے
ہم اس سے بری ہیں۔ یہ بلا و مصیبت اہل کوفہ پر
جن میں زیادہ تر شیعیان علی تھے۔ اس وقت سے اور
زیادہ ہو گئی جب سے معاویہ نے زیاد بن سمیہ کو کوفہ والی
مقرر کیا اور بصرہ ہی اسی کے متعلق کر دیا اور وہ ان
دونوں مقاموں کے شیعوں سے خوب واقف تھا
اس لئے کہ حضرت علی کے دست میں یہاں کا عامل رہ
چکا تھا۔ بد بخت ابن زیاد نے شیعیان علی کو تمام آبادی
دیرانوں، پہاڑوں اور میدانوں میں جاں پایا قتل کیا۔

کتب معویہ لیسمة و احدثة الى عماله بعد
عام الجماعة ان برئت الذمة ممن
من شيعتنا من فضل ابوتنا اهل بيته
وكان اشد الناس بلاءه حينئذ اهل الكوفة
الكثر من بهائم شيعته على فاسلعل عليه
ابن زياد بن سمية وضم اليه بصره و
كان يتبع الشيعة وهو بهم عارف لانه
كان منهم ايام على فقتلهم تحت كل حجر و
مدرسا اخافهم وقطع الايدي والارجل
وشمل البيوت وصلبهم على جذوع النخل
وطرحهم وشردهم عن المراق فلم يبق لها

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱۔ دست میں بنتا۔ میں نے حقیقتاً اس کے متعلق اور کچھ نہیں کیا سوائے اس کے کہ اساتذہ
اولین نے جو کلمات مفیدہ یا دگار چھوڑے تھے انہیں جمع کر دیا اور مقدمین نے جو کچھ متاخرین کے لئے اور حاضرین نے
غائبین کے لئے سرایہ چھوڑا تھا اسے مستقل اور مستحکم کر دیا۔ جس کی عبارت کو دیکھ کر ادیب متعجب بگردانت پینے لگتے ہیں
کیونکہ اس کی تحریر میں انتہا درجہ کی فصاحت و بلاغت سے کام لیا گیا ہے۔ اس بنا پر اس رسالہ منیہ کا چھاپنا ہر طریق
و قرینہ سے مناسب تھا۔ لہذا مطبع بولات واقع مصر مغربی میں حسب الایمانے مالک مطبع عبدالرحمن بیگ راشدی۔
بیراہ تمام محمد علی بیگ جراح باشی۔ دلا حسن افندی مترجم کتاب العسکر (خداوندوں پر نگاہ توجہ رکھیے) اس کی تبلیغ
کا کام آغاز کیا گیا۔ اور حتی الامکان اس کی تصحیح۔ فقیر امین وارحمۃ رحیم الرحمان۔ محمد قطب الہدی باشی مطبع
مذکورہ نے انجام دی اور اوائل ماہ ذی الحجہ ۱۲۶۹ھ ہجری میں اس کی نقل و صححت و طبع تمام کاموں سے فراغت ہوئی۔

معروف۔

ثم كتب معويه الى عماله بسنة واحدة
الى جميع البلدان انظروا من قامت عليه
البينة انه يحب عليا واهل بيته فاحوه
من الديارات واسقطوا اعطاه وشرقه
وتشتم ذلك بسنة اخرى من اثمته
بمواكاته هؤلاء القوم فتكلموا به واهدوا
داره فلم يكن المباد اشد ولا اكثر منه
بالسرقات ولا سيما بالكوفة حتى ان الرجل
من الشيعة على لياثيه من يثق به فيدخل
بيته خائفي اليه سره ويخاف من خادمه
ومكره ولا يتحدث حتى ياخذ عليه الايمان
الغليظة لكيمن عليه فظهر حديث كثير
من ضيع وبعثان منتشر مضي ذلك الفقهاء
والقضاة والاولاد وكان اعظم الناس في
ذلك بليته القراء المراءون والمستهزئون
الذين يظهرون بالخشوع والنسك فيفعلون
الاحاديث ليحفلوا بذلك عند ولاتهم
وتفركوا بها لستمهم ويصيبوا بالاموال و
الضياع والمنازل حتى انة قلبت تلك الاخبار
والاحاديث الى ايدي الذين الذين
لا يميلون الى الكذب فقتلوا وهدموا
وهم يظنون انها حق وبنوا عليها باطلا
لما ورد بها ولا تدبوا بها فلم ينزل الا امر
كذلك حتى مات الحسن ابن علي باسراء

اون کے آٹھ پاؤں کاٹے۔ اون کی آنکھوں میں سلاخیاں
بھر دئیں۔ درختوں کی شاخوں پر سولیاں دلوائیں۔ گھروں
سے نکال دیا۔ ہر ملک عراق سے خارج البلد کر دیا یہاں تک
کہ ارض عراق پر معروفین شیعہ میں سے ایک متنفس بھی
نہ بچا۔

بار دیگر اس کے بعد معاویہ نے ایک اعلان شاہی
تمام عمالان ملکی کے نام جاری کیا یاں مضمون کہ جس وقت
تم کو کسی شخص کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شیعہ علی و محب
اہلبیت سے تو تم اسی وقت اوس کا نام اپنے دیوان
سے کاٹ دو۔ اوس کا روزیہ بند کر دو۔ اور اس قوم کے
ساتھ موالات و موافقات قائم رکھنے کی وجہ سے ان
کو مجرم قرار دو۔ اس کا مکان گرا دو۔ اس حکم شاہی
کی تعمیل کی وجہ سے یہ بلاد مصیبت ترقی کر کے حدود انتہائی
تک پہنچ گئیں۔ اور تمام ممالک عراق سخت بلا میں مبتلا ہوا
خاکرا لیاں کو ذر پر توان بلادوں کا یہاں تک اثر پہنچا۔
کہ اگر کوئی شیعہ اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے اُسکے
گھر جاتا تھا تو خاکرا اوس سے خلوت میں ملاقات کرتا تھا
اور اوس کے ملازمین و حاکمین سے بھی خوف کرتا تھا یہاں
تک کہ ابن خادین سے حلف و قسم شرعی لیتا تھا اس
لئے کہ وہ کسی غیر پر اسکا شیعہ ہونا ظاہر نہ کرے۔ اسی
زبانہ ظلمت میں کثیر القعدا و احادیث موضوع و بہتان
صریح تمام بلاد اسلامی میں ذائع و شائع ہوئے اور
انھیں احادیث پر علماء و فقہاء اور عمالان ملکی عمل پیرا ہوئے
ان بلاد مصیبت میں سب سے زیادہ بلاد عظیم قاریا
راویان اور ابن خادین کے محل نشین کی حالت جنوں سے

المبلاء والفتنة فلم يبق احد من هذا القبيل الا
خائف على دمه او طريدا في الارض ثم تقام
الامر بعد قتل الحسين وولي عبد الملك بن
مروان، فاشتد على الشيعة وولي عليهم الحجاج
بن يوسف فتقرب اليه اهل النك والقتل
والدين بغض علي ومولاته وعذاته ومولاته
من بدعي من الناس انهم ايضا عدوا اكثر واكثر في
فضلهم ومولاهم ومنافهم واكثر من الغض من
علي ومن عيبه والظن فيه والشان له وقدره
امين عرفة المصروف وهو من اكابر المحدثين

ابن ظاهري خشوع وغيره كوكلاكر اور نا صيت كو ضامن ديكر
حديث سازي شروع كي اور نقل و بيان حديث كو اس لي
اپنا پيشه بنا ركھا تھا كه اس كے ذريعه سے اونكو دايان
لكا اور امر سے دولت كا تقرب حاصل هو۔ ان كے
دربار ميں رسائي لي۔ اور اس طريقه سے وہ مال و دولت
زراعت اور عذرہ و نفيس عمارت پر قادر هوں يہاں تك
كه يہي اخبار و احاديث اون مولفين و مصنفين اسلحي
تكم پہونچے۔ جو ان كا ذيب و افترايات كي حقيقت تك
نہ پہونچ سكه اور اسوجہ سے اونہوں نے اونكو قبول كر ليا
اور اپني تاليفات ميں اونكو نقل كر ديا۔ اور يہ گمان كيا كه

توثيق ابن عوف المعروف بابن نطفويه ابراهيم بن محمد بن عوف بن سليمان بن المصيرفة بن حبيب
بن مہلب بن ابی صفر العتلي الازدی الواسطي ابو عبد الله الملقب بنطفويه بشهادة النقط
جعل علي مثال سيبويه لانتسايه في النحوق قال يا قوت لان نطفويه عالما بالمرساة واللغة والحديث
اخذ عن ثعلب والمبرد وكان ظاهرا لا خلاق حسن الجالسة صادقا في ما يرويه حافظ القرآن فقيها
علي مذهب داود الظاهري راسا فيه مستندا في الحديث حافظا للسيرة و أيام الناس التواريخ
والوفيات ذا مزية و طرف مجلس الاقران اكثر من خمسين سنة وكان يبتدي في مجلس الاقران
علي رواية عامات يوم الامر لبعثاني عشر مبعث الاولي سنة ثلث وعشرين وثلثا مبعث ابراهيم بن محمد
ابن عوف ابن سليمان ابن مغيره بن حبيب بن مہلب بن ابی صفر العتلي الازدی الواسطي نام تھا۔ ابو عبد الله
كنيت تھی اور نطفويه لقب تھا لفظ لفظ (خيار) کے ساتھ شہادت کی وجہ سے یہ لقب پڑا۔ علم نحو میں سيبويه
کے برابر تسليم کئے جاتے ہیں۔ يا قوت حموی کا بيان ہے کہ نطفويه علم عربي۔ لغت اور حديث کے عالم تھے۔ علم
حديث اونہوں نے ثعلب اور مبرور سے حاصل کیا تھا۔ بہت بڑے خوش اخلاق تھے۔ مرويات ميں صدق
قرآن کے حافظ۔ طريقہ ظاہريہ داودی کے فقيه۔ نقل احاديث کے مستند سيرت۔ أيام عرب اور تاريخ کے ماہر
کامل صاحب مرويات و مکارم تھے۔ علم قرآن کو پچاس برس ميں کمال تک پہونچا تھا۔ اور ابتدا ميں مرويات
قرآن طريقہ عام پر بيان کرتے تھے۔ ۱۲ ربيع الاول ۲۳۳ھ ميں وفات پائی۔ وفيات الاعيان
المؤلف عفي عنه

واعلاہم فی تاریخہ ما نیا سبب هذا الخیر
وقال ان اکثر الامم ادیت الموضوعة
فی قضاائل الصحابة اذ جعلت فی ايام
بنی امیہ تقربا الیہم بما یظنون انہم
ترعمون اذ بنی ہاشم قال المولف
غفاہ للہ صاحب کتاب الدرجات
الرفیعة فی طبقات الشیعة الامامیہ
السلامہ السید علی المدنی (ولم یزل
اکثر علی ذلک سائر خلافتہ بنی امیہ
لغنیہم اللہ حتی جاءتہ الخلفۃ العباسیۃ
فکانت ادھی وادریا خیرا واضرا اما لقبہ
اہل البیت علیہم السلام وسدتہم فی
دولتہم اعظم ہما مضوا فی الخلوۃ
الامویۃ کما قبلہ

واللہ ما فعلت امیہ فیہم
معاشرما فعلت من العباس

ثم شب الزمان ہرم والنشان مضطرب
والنشان مضطرب والدھر کا یزداد آلا
عبوسا ولا ايام لا یتبدی الا بوسا ولا
مقل الشیعة من هذا الخطیۃ الشیعة
فی اکثر الامم من مقل الامم من مقل الامم
فی نزول آیات النقیہ والافطوح علی العسبر
لہذا البلیۃ انتہی ما فی الدرجات العلیہ

یہ مریات صحیح اور فی الواقع میں۔ اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ
کہ یہ سبب جو ٹی حدیثیں ہیں تو وہ کہیں ان کو نقل نہ کرتے۔
اور نہ ان کی تدوین فرماتے۔ ان بدعتیانوں کی یہی حالت
رہی یہاں تک کہ حضرت امام حسن نے وفات فرمائی۔
تو یہ بلاؤں سے پہلے سے ہی زیادہ ہو گئے۔ کوئی شخص شیعیان
علی میں سے ایسا نہیں تھا جس کو ہمہ دم اپنے تعلق کے جانے
یا خارج البلد کئے جانے کے خوف نہ لگا تھا اور شہادت
امام حسین کے بعد تو اس بلاؤں مصیبت میں اور شدت
ہو گئی عبدالملک کے زمانہ خلافت میں شیعیان علی پر اور
سختی ہوئی۔ اونپر حجاج ابن یوسف کے ایسا ظالم عامل
مقرر ہوا اور اس کے دربار میں صابان علم اور ایمان
صلاح و دین صرف علی کے ساتھ بغض رکھنے اور ان
کے دشمنوں کے ساتھ محبت رکھنے اور مواخت اختیار
کرنے کے باعث مقرب بنائے گئے۔ ایسے دشمنان
علی کے قضاائل و مناقب اور سوا بقات کے متعلق کثیر القدا
روایتیں بنائی گئیں اور اسی طرح کثیر القدا روایتیں
مناقص و معا عن حضرت علی میں تیار کی گئیں۔ جیسا کہ
علامہ ابن عرۃ الملقب بنقطویہ۔ جو علم تاریخ کے
بست بڑے عالم اور علم حدیث کے عظیم الشان محدث تھے
اپنی تاریخ میں اس خبر کو نقل کرتے ہیں کہ امام شیعہ موضوع
نہایت کثرت کے ساتھ بنی امیہ کے زمانہ میں ان کے
تقرب حاصل کرنے کی غرض سے فضائل صحابہ وغیرہ
میں بنائی گئیں۔ اور اس سے ان کی خاص مراد بنی ام

کی توہین تھی۔ صاحب درجۃ الشیخ علامہ مدنی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ اجراء و نقل احادیث موضوع حکاوت
بنی امیہ تک اسی طرح قائم رہا اور پھر زمانہ سلطنت بنی عباس میں بھی اسی طرح جاری رہا۔ بلکہ پہلے سے ہی زیادہ

خراب اور تباہ اور باعث ضرر و نسا و ثابت ہوا اور ان کے زمانہ حکومت میں اہلبیت علیہم السلام اور ان کے تمام متبعین و مخلصین نے وہ آلام و مصائب دیکھے جو انہوں نے عہد نبی اُمیہ میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ جیسا کہ مشہور ہے۔
 ۱۔ قسم خدا کی بنی اُمیہ نے ان کے حق میں وہ نہیں کیا جو بنی عباس نے ان لوگوں کے زمانہ زندگی میں مظلوم
 کئے۔ زمانہ گذرتا گیا۔ اور ان کی پریشانیاں بڑھتی گئیں۔ بشعرا سے مظلوم بڑھتے گئے۔ زمانہ ان کے ساتھ بجز
 سرد و گرمی اور بے التفاتی کے اور کچھ نہ کر سکا۔ اور روزگار ناہنجار اہل حق اور دیندار کے ساتھ سوا سے سختی و عذاب
 کے اور کوئی سلوک نہ کر سکا۔ بالآخر ان ہی شدید و مصائب کی وجہ سے کثیر القرا و شیعہ بڑے بڑے شہر اور
 مقامات میں شریطہ تقیہ اختیار کر کے زانوین شین ہو گئے۔ اور ان تمام بلا و مصیبت پر صبر اختیار کر کے حصول
 درجات رفیعہ آخرت کے لئے مستحق ہو گئے۔

شبلی صاحب نے حضرت علی اور آل ربی (فاطمہؑ) کی توہین۔ اور احادیث موضوعہ کی کثرت تدوین کے
 متعلق اپنی عبارت دیباچہ میں جو اشارہ فرمایا تھا۔ اور حقیقتاً ان امور کو چوپایا تھا۔ ہم نے اس کی تفصیل و تشریح
 کر دی۔ اور جن ممکن طریقوں سے امر او خلفاء اسلامی تقصیب و نفسانیت کے اصول پر اپنے علماء و محدثین
 شریعت اور اراکین و معاویہ سلطنت نے مختلف ذریعوں سے۔ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا استیصال
 ان کے متبعین اور شیعیان مخلصین کی تباہی و بربادی۔ ان کے حقوق و اجبہ کی استباح اور ان کے
 فضائل و مناقب کا استحفاظ جاری اور قائم رکھا۔ ان کی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا۔
 یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس نقل و تفصیل میں شیعہ ماخذا ان کے اخبار و آثار سے کچھ بھی کام نہیں لیا
 گیا ہے۔ بلکہ سوا اہل علم اہل سنت کے علماء، متبحرین اور محدثین و محققین مثل۔ امام سیف الدین مدائنی
 امام ابوالمودا خطیب خوارزمی۔ علامہ سید علی المدنی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ
 عبدالحق صاحب محدث دہلوی کے اقوال و ارشادات سے اقتباسات و استنباطات قلمبند کئے
 گئے ہیں۔

یورپین تصنیفات پر سیکر تبصرہ اس طویل و طویل اور پر تفصیل کو تمام کر کے آپ ہم شبلی صاحب کے اس
 مضمون دیباچہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو یورپین تصنیفات (سوا شیخ آنحضرت صلعم) کے متعلق تبصرہ
 کی صورت میں لکھا گیا ہے۔

اگرچہ ہم آپ کے اس مضمون میں تبصرہ کی کوئی مناسبت نہیں پاتے۔ لیکن اس لئے کہ آپ اس
 تبصرہ سے موسوم کرتے ہیں ہم ہی آپ کے ہم آواز ہو کر اسکو تبصرہ ہی لکھتے ہیں۔ شبلی صاحب نے
 یورپین تصانیف میں جو نقائص ان کے تجسس و تلاش میں اور جو معائب ان کی تحقیق و تنقید

میں بتلائے اور دکھلائے ہیں۔ وہ اون کی عدم معرفت۔ کسی اطلاع حقیقت سے ناواقفیت تبصرت نفسانیت کے عذر تک تو نہایت معقول ہیں۔ مگر قدیم مختار کے مطابق۔ سبب ان نقائص کو اسلامی سیرتوں کے غیر مستند اور غیر مقید اقتباسات اور منقولات و روایات کا نتیجہ بتلایا جاتا ہے اور سیرت کے مطالعہ کے بعد پھر رجوع فی الحقیقت کی اور نہایت کی جاتی ہے۔ تو آپ کے استدلال میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث و سیرت کی فاضل و مفضول کی بحث میں پوری تفصیل سے اور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ باعتبار حقیقت و اصلیت کے سیرت سے حدیث کی زیادہ حالت خراب ہے۔ کثرت موضوعات کی بنا پر شبلی صاحب یور وپن مصنفین کو سیرت سے جدا ہو کر احادیث کی نقل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ مگر **۱** اس راہ کہ میر و می برکان است۔ یہ راستہ اون کے اختیار کردہ رستہ سے بھی زیادہ مضرتناہت ہو گا۔ اس لئے کہ موضوعات سیرت سے زیادہ حدیثوں کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ جن کے مشاہدات ان غیر اسلامی مولفین کو اسلام پر انواع اقسام کے اعتراض کرنے کے لئے پوری قوت پہنچائیں گے۔ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انکا رپور وپن مصنفین (سرایہ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابیں ہیں۔ مثلاً مغازی و اقدی۔ سیرت ابن ہشام۔ سیرت محمد بن اسحق۔ تاریخ طبری وغیرہ یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرت صلعم کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہے گا تو قیاس یہی رہے کہ وہ تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات میں ایک بھی ایسی نہیں جو استناد کے لحاظ سے بلند مرتبہ ہو۔ چنانچہ اس کی بحث اور گزر چکی مصنفین سیرت سے قطع نظر کر کے روایتیں زیادہ تر جن لوگوں سے مروی ہیں۔ مثلاً سیف شری۔ ابن سلمہ۔ اور ابن کثیر عموماً ضعیف الروایہ ہیں۔ اس لئے عام اور معمولی واقعات میں اون کی شہادت کافی ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ واقعات جن پر مہتمم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ اون کے لئے یہ سرایہ بیکار ہے۔ آنحضرت صلعم کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بروایت صحیحہ منقول ہیں۔ یور وپن مصنفین اس سرایہ سے بالکل بے خبر ہیں۔ (اچھا ہے جو ہمیشہ بے خبر رہیں۔ مولف عفی عنہ) اور ایک آدھ کوئی ہے۔ (مثلاً مارکیو لوس) تو اولاً وہ اس فن کا ماہر بھی نہیں۔ اور ہو بھی تو تعصب کا ایک چنگار ہی سیکڑوں خرمین معلومات کو جلانے کے لئے کافی ہے۔ دیباچہ ص ۷۰

مرفوضہ بالا عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ غیر اسلامی مورخین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری مرتب کرنے کے وقت یقینی واقعات صرف حدیث ہی کی کتابوں سے لیں گے۔ "جاننا کہ آپ خود لکھ کر اوپر اعتراضات فرما چکے ہیں کہ سیرت، و تاریخ کی تدوین میں سلسلہ اور ترتیب واقعات کی بڑی ضرورت ہے۔ اور روایات احادیث میں کوئی سلسلہ یا ترتیب واقعات کی نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ دیباچہ میں ۸ عبارت زیرین حاشیہ میں آپ کی منقطع ذیل تحریر موجود ہے:-

یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں۔ جو سیرت میں کافی مدد دے سکتے ہیں تاہم تمنا ان سے ایک تاریخی تصنیف نہیں تیار ہو سکتی اس کے علاوہ ان میں تاریخی ترتیب بھی نہیں ہے۔

مثلی صاحب تو صرف غیر اسلامی مورخین کو اپنے اس اصولی رجوع فی الحدیث کی ہدایت فرما رہے ہیں۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ غیر مسلمین کے علاوہ اگر خاص مسلمان بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل کرنا چاہیں اور آپ کی ہدایت کی موافق روایت حدیث کو واقعات یقینی قرار دیکر مستعمل کریں تو بالآخر وہ اپنی تصنیفات و تالیفات میں واقعات کا سلسلہ اور ترتیب قائم کر سکتے ہیں۔ متعلق کہاں تک کامیاب ہوں گے۔ اور تمنا ان مآخذوں سے جب کتاب تیار ہوگی۔ اور بقول آپ کے وہ سلسلہ و ترتیب سے بالکل خالی رہے گی تو وہ سیرت۔ سیرت نامیگی۔ یا کیا؟ اس کا جواب مثلی صاحب ہی دے سکتے ہیں۔

جب صرف احادیث کے اقتباسات سے مستطاب شدہ سیرت میں نہ ترتیب سیرت قائم رہی اور نہ سلسلہ تاریخ پایا گیا۔ تو آپ کے اصول نو ایجاد کے مطابق صرف حدیثوں سے کام لیا جانا۔ ان مورخین کے لئے محض تصحیح اوقات اور رسمی بیکار ثابت ہوئی یا نہیں۔ پھر ایسے غلط اصول قائم کر سکتے ہیں۔

مثلی صاحب نے بلاغ و تامل احادیث کی روایت پر یقیناً حکم عام لگا کر یوروپین مصنفین کو اقتباسات و منقولات احادیث کی طرف رجوع دہی سے منع کیا۔ مگر یہ خیال نہ فرمایا کہ احادیث کی نقل و تحریر ان کے لئے تو نقل و سیرت و تاریخ سے زیادہ آپ ہی کو ضرور پہنچانے والی ثابت ہوئی ہے۔

مثلی صاحب کی کھلی مخالفت دہی ہے۔ جبکہ آپ لکھتے ہیں کہ یوروپین مصنفین کا راجد صرف

تمنا نقل احادیث کی ہدایت
منافکہ دہی ہے۔

اسلام کی سیرت و تاریخ کی کتابیں ہیں۔ اور انھیں غیر مستند و غیر متقید روایات کی بنا پر اون کو اسلام پر استغنیہ حملات و اعتراضات کی جرات ہوئی۔ آپ کی یہ تحریر بالکل خلاف واقع ہے۔ اس لئے کہ آپ ہی نے آگے چل کر اپنی اصل کتاب میں آنحضرت صلعم کے متعلق عیسائیوں کے جتنے اعتراضات قائم کئے ہیں۔ وہ سب کتب احادیث کے اقتباسات ہیں اور انہیں احادیث خصوصاً اصحاب صحاح کی روایات ہیں۔ سیرت یا تاریخ کے حوالہ سے تو کوئی بھی نہیں۔

ذیل میں اون کی چند مثالیں نمونہ کے طور پر لکھی جاتی ہیں۔

یورپین تعریفات کے اخذ کتب صحاح و سنن ہیں (۱) سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۲۷ کے زیرین حاشیہ متعلق (۲)

یہ عبارت مرقوم ہے

عبدالطلب کا آنحضرت صلعم کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے۔ لیکن مارکیو لوس صاحب کو داد کا پوسٹے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہیں فرماتے ہیں۔ کہ یتیم لڑکے کی حالت اچھی نہیں تھی۔ آخر زندگی میں۔ ان کے چچا حمزہؑ نے نشہ کی حالت میں محمدؐ کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہنا لگا (لائٹ آف محمدؐ مارکیو لوس ص ۲۵-۲۹)

حضرت حمزہؑ کے جس قول سے استدلال کیا ہے۔ مارکیو لوس خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ نشہ کی حالت تھی۔ اوس کی تفصیل جیسا کہ بخاری میں ہے۔ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے بار برداری کے لئے اونٹنا خریدے۔ اوس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حمزہؑ شراب میں مخمور او دھڑے گزرے (خبریت ہوئی کہ علیؑ نے اوس وقت حمزہؑ کے ساتھ ملکر شراب نہیں پالی۔ بخاری صاحب کا شکر) اور ایک اونٹ کا پیٹ پھٹ کر دل و جگر کا کباب لگایا۔ آنحضرت صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ حمزہؑ کے پاس گئے اور اون کو ملامت کی۔ حضرت حمزہؑ سخت مخمور تھے۔ ایسی حالت میں وہ الفاظ اون کی زبان سے نکلے تھے۔ کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت میں پیش کیا جاسکتا ہے؟

کسی حالت میں یہ الفاظ کہے گئے ہوں۔ اس سے بحث نہیں۔ بحث تو واقعہ کی حقیقت سے ہے اور وہ خود امام بخاری کی خاص روایت سے ثابت ہے۔ کسی تاریخ و سیرت سے بھی مستنبط نہیں۔ اس لئے نبیل صاحب کے منظر کردہ اصول کے مطابق وہ واقعات یقینی میں داخل ہے۔ اس بنا پر مارکیو لوس نے حضرت حمزہؑ کی سخت کلامی کا ذکر کیا تو کیا بیجا کیا۔ اوس کے دل کی گڑبادی ہی بات نہیں ہے۔ اس لئے تو صحیح بخاری کی ایسی قطع کتب کے حوالہ سے لکھی ہے اور اسی بنا پر اپنا استدلال قائم کیا ہے۔

مارکیولوس حضرت حمزہ کی شراب خواری اور خمریوں سے اسلام لانے کی بعد بھی مبتلا رہے میخواری رہنے کا ذمہ دار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جس مذہب و طریقہ کا پابند ہے اس میں حرمتِ خمر کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔ جتنی اسلام میں۔ وہ تو حضرت حمزہ کی اس بد زبان کی مثال دکھلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونکی نامہربانی ثابت کر رہا ہے۔ یہ تو بخاری کی ذمہ داری ہے کہ حضرت حمزہ کو شروع سے اسلام لانے تک شراب خوار ثابت کرتے ہیں اور چہرے میخواری کی مجبورانہ و مجبورانہ کیفیت کو ان کی اس سخت کلامی کا باعث دکھلا کر معذرت بھی کر دیتے ہیں۔ مگر یہ غرض بڑا گناہ بھی واقعہ کی اعلیٰ پر پردہ نہ ڈال سکا۔

افسوس بخاری صاحب کو ان لغویات کی تجمیع و تدوین فراتے وقت نہ اسلام کا پاس آیا نہ ایمان کا لحاظ۔ افسوس پر افسوس تو یہ ہے کہ تائید بخاری کی خاص پرجوشیوں میں شبلی صاحب کے ایسے محقق و نقاد نے پس و پیش پر کچھ خیال نہ فرمایا خاندان رسالت اور دومان نبوت۔ ان حضرات کی تحقیق میں حقیقتاً ایسا ہی ذیل و غور تھا کہ ابتدا ہی سے ان میں تمام مخرّب اخلاق عادات و اطوار موجود تھے۔ اور باوجود اسلام لانے اور دولتِ ایمان پانے کے بھی ان کے دائم عادات میں سرِ موقوف نہ آیا۔ تعجب پر تعجب تو یہ ہے کہ احادیث متواترہ سے یہی حضرات ائمہ مشہور گناہ احادیث لکھتے رہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن ابی اسود اور ہشیر گاران قریش میں سے تھے۔ انہوں نے شراب، خمر کو اپنے لئے حرام کر لیا تھا۔ مگر انہیں کے گھر میں۔ انہیں کے صاحبزادے حضرت حمزہ شراب پیا کرتے تھے۔ اور عبداللہ بن ابی اسود دیکھا کرتے تھے۔ اور کچھ نہ کہا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اسود درِ فرزند کی کے تقاضے سے اگر عاصی ہو کر کسی شہرت نہ کر سکتے تھے۔ تو صرف اپنی مثال دکھلا کر بہت کچھ ان پر اثر پہنچا سکتے تھے۔

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رفقہ و بالشتِ تغافل تو اور بھی زیادہ قابلِ کا باعث ہے۔ مانا کہ حرمتِ خمر کا اس وقت تک حکم ظاہر ہی نہیں تھا۔ مگر شراب خواری کی حقیقی بدکاری تو آپ پر بخوبی ظاہر تھی۔ اور چونکہ اسلام تمام ادیان سابقہ کی تصدیق و تائید کے ساتھ ان کے محترّعات و بدعات کی تصحیح و ترمیم کا بھی دعویٰ ہے۔ اس بنا پر جس طرح تمام داعیانِ احم سابقہ اس کی حرمت کو جانتے تھے۔ اسی طرح یہ ضرور تھا کہ بانی اسلام علیہ السلام بھی اس کی حرمت سے بخوبی واقف ہو۔ باوجود علمِ حرمت کے یہ ممکن نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقینِ مسلمین کو عموماً اور اپنے اعزہ و اقاربِ قریب ترین کو خصوصاً اس کی حرمت سے آگاہ نہ فرمایا ہو اور اس بد عادت کے ترک کر دینے کی تاکید شدیدی نہ کی ہو۔

جیسا کہ قرآن مجید بتا رہا ہے۔ اس قسم کا زمانہ وقوع حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ہے۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت حمزہؓ کے مزان میں فطرت صالحہ کے استے جو صبر کئی نہیں تھے۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و مواعظت کے بعد بھی بری اور پھلی باتوں کی تمیز کر سکتے۔ قرآن مجید میں فطرت صالحہ کی بنا پر جہاں تمام انبیاء سے سابقین کا کامل رشد و ہدایت پانا نام بنام مذکور ہے۔ وہاں کے اذن کے تمام اعزہ و اقارب کافرانہ فطرت صالحہ و ہدایت راشدہ ہونا پوری تفصیل سے مرقوم ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ النعام جزو ۷ کی مرقومہ ذیل آیہ مبارکہ۔

وہدینا لہم الشوق و یعقوب کلہ ہدیانا و
نوحا ہدیانا من قبل و من ذرینہ داؤد
و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و
ہارون و کذلک یخبرنا الحسنین و حکیمان
و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس کل من الصالحین
و اسمعیل و الیسع و یونس و لوطا کلہ
نفینا علی العالمین و من اباءہم و
ذرینہم و اخوانہم و اجبتینہم و
عدینہم الی صراط مستقیم۔

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ (بیٹا) اور یعقوبؑ (پوتا)۔
دو فرزند) عطا فرمائے اور سب کو ہم نے راہ راست
دکھائی۔ ان سے پہلے ہم نے نوحؑ کو بھی راہ راست
دکھائی اور ان ہی کی نسل میں سے داؤد اور سلیمان
اور ایوب اور موسیٰ اور ہارون (سب) کو ہم نے راہ راست
دکھائی) اور غلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو
ہم ایسے ہی سدا عطا فرمایا کرتے ہیں اور علیؑ ہذا القیاس
اگر کیا بکئی اور الیسع اور یونس اور لوط (ان سب کو)
ہم نے راہ راست دکھائی اور ان سب کو دنیا جان

کے لوگوں پر برتری دی اور نہ صرف ان ہی کو بلکہ ان کے بھائیوں کو اور ان کی ادا د سے اور ان کے بھائیوں
سے ہٹنے انتہا سب کیا اور ان کو دین کی سیار ہی راہ دکھائی۔

اس آیت سے انبیاء سے سابقین کے اسلاف و اخلاف اور اعزہ و اقارب کا فطرۃ صالحہ پر اور ہدایت
راشدہ پر فائز ہونا ثابت ہو گیا۔ تو پھر شرف المسلمین اور ختم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے
کے اخلاف و اغقاب ان منافق و مشاؤون سے کیوں محروم سمجھے جائیں گے۔ عقاید اسلام کے علاوہ ظاہر و باطن
انصاف تو اسی کے مقتضی ہیں کہ یہ حضرات ان فساد و افساد پر مدبر و ادا الی مشرف یقین کے جائیں
چہ جائیکہ سید المرسلینؑ کے علم محترم اور اہل علم۔ اسلام لانے اور ایمان پانے کے بعد بھی ایک مدت مدید
تک فطرت خواری کی ایسا بدکاری میں گرفتار نہ رہے جائیں۔ اٹھنا ابھتان عظیم

یہ اسی اصول تعلیم کا نتیجہ ہے جس کو خواہ مخواہ محض اغیار کی تائید کی غرض سے مذہبی عقاید میں
داخل کر کے نشان برسات اور خاندان رسالت کی صاف صاف تنقیص و توہین کی جاتی ہے۔ حضرت حمزہؓ

کی شراب خواری کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی میخواری کا سنگ بنیاد ہے جس کو بخاری نے رکھا اور ابو داؤد نے جوڑا کاپل باندھا۔

یہ وہی شرمناک لغویات ہیں جن کو یوردین مصنفین کتب صحاح سے نقل کر کے اسلام کی معاشرت اور عادات و اخلاق پر اعتراض کا پورا موقع پاتے ہیں۔ اور انبیاء سابقین کے خواری صحابی اور آخرہ و اقارب میں اس نامہ بخاری عادات و اطوار اور جواز کی مثال انھیں اخبار و آثار اسلامی سے دکھلاتے ہیں۔ جو حقیقتاً عقل و نقل دونوں ذریعوں سے سراپا لغو اور تمام و کمال افتراء ہے۔ ہم اس مضمون کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی شراب خواری والی بحث میں پوری تفصیل سے لکھیں گے۔

(۲) صفحہ ۱۲۸ میں مرقوم ہے:-

غالباً جب آپ کی عمروں بارہ برس کی ہوئی تو آپ نے بکریاں چرائیں۔ فرانس کے ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ابو طالب چونکہ محمد کو ذلیل سمجھتے تھے۔ اس لئے ان سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے۔

اسکی تحقیق و تنقید میں ص ۱۲۹ کے زیرین حاشیہ یہ عبارت مرقوم ہے:-

بخاری نے کتاب الاجارۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ میں قراریط پر کہ دالوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ سوید ابن سعید کی رائے ہے کہ قراریط جمع قیراط کی ہے اور قیراط درہم و دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اس بنا پر ادن کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجرت پر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ میں نقل کیا ہے۔ لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجاد کے قریب ہے۔ ابن جوزی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوسی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے۔

آپ کے اس بیان سے اس مورخ فرانسسی کی تکذیب کیا ہوئی۔ بلکہ ابراہیم حربی۔ ابن جوزی اور علامہ نووی۔ سب نے ملکہ بخاری۔ ابن ماجہ اور ادن کے شیخ سوید ابن سعید کو جھوٹا بنایا۔ بخاری کو نقل سے پہلے تحقیق حققت کر لینی ضرور تھی آخر انھیں کے شارحین نے ان کی غلطی تصحیح و ترمیم کی۔ لیکن معترضین کی ان تسبیحات و ترمیمات کی خبر مویا نہ ہو۔

وہ تواضع الکلب کے حوالہ پر ہم نے اس بحث کو پوری تفصیل کے ساتھ اس کے خاص مقام پر بیان کیا ہے۔ اس لئے زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں۔

(۳) ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑاؤ سے کاٹھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا وہ کسی بُت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۳۹ کے پائیس حاشیہ یہ عبارت مرقوم ہے۔

صحیح بخاری باب مناقب ذکر زید بن نضیل۔ یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے جو اس روایت میں صاف ہو گیا ہے۔ مسند امام احمد ابن حنبل جلد اول ۸۹ میں ایک روایت ہے جس میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہو گا نہ نہیں کہا یا لیکن اس روایت کے راویوں کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے؟

بخاری کی روایت قرار لیتا اور ابھی ابھی لکھی گئی ہے۔ جب وہ مخدوش روایتیں خود لکھتے ہیں تو ان سے دوسروں کی تصحیح کی کیا امید ہے۔ اول تو بخاری نے اس روایت کو ایک ہی الفاظ کے ساتھ تمام ابواب میں کیوں نہ لکھا۔ مگر جب خیال آیا تو ایک دوسرے باب میں حقیقت کا انکشاف فرمایا۔ اور لطف یہ کہ سابق والی روایتوں کے تمام الفاظ ویسے کے ویسے ہی چھوڑ دئے۔ اب اگر معترض انہیں ابواب سے مستبعد کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبل نبیست رنعوذ باللہ بے احتیاطی ثابت کرتے ہیں تو اس کے اسناد غیر صحیح کیسے کہے جاتے ہیں۔ ثانی صاحب تو اپنی سیرۃ النبی میں مرویات بخاری کے الفاظ میں اجمال باقی رہ جانے کا یقین دلاتے ہیں۔ اب اس سے جو اعتراض ہو چکے ہیں ان کی تردید کیسے ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ امام بخاری کے شیخ الشیوخ حضرت امام احمد ابن حنبل کے الفاظ حدیث میں تو کوئی اجمال نہیں۔ وہ تو حدیث صاف لکھ رہے ہیں کہ قریش کا لایا ہوا کھانا نہیں تھا۔ مگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا پکا ہوا کھانا تھا۔ جو مخدوش مزید کی شیانیت کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ معترضین کو بخاری اور امام احمد ابن حنبل کے فرق مابہ الامتیاز کی کیا خبر۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ جانتے ہیں کہ امام حنبل سے امام بخاری نے علی الاکثر حدیثیں لی ہیں اور ان کو اپنا شیخ تسلیم کیا ہے۔ پھر وہ امام حنبل پر ترجیح بخاری کا خیال کیسے قابل تسلیم کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے ان دو جمل روایت کے قیام و رہی کم و بیش دو اکابر و محدثین ثابت ہوتے ہیں۔ ہم اس مسئلہ کو بھی اس کے مقام پر پورے تفصیل سے لکھیں گے۔

(۴) نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے معتقدات میں جو تغیر ہوا ہے وہ عہد نبوت سے ہوا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرز عمل وہی تھا جو آپ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبدالغفری رکھا تھا۔ یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کمزور سند لال ہو سکتا ہے۔ حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ انھوں نے یہ نام رکھا ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اس لئے آپ نے تفرق نہ فرمایا ہو گا۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح وہ سلسلہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے۔ اس سلسلہ کا راوی اول اسمعیل ہے جس کا پورا نام اسمعیل ابن اویس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے:-

معاویہ ابن صالح	اسماعیل اور اسکا باپ دونوں ضعیف ہیں۔
یحییٰ ابن جہانظ	جھوٹا بتا ہے اور نہایت ہیچ ہے۔
امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔
نصر بن سلمہ مزوری	وہ کذاب ہے۔
دارقطنی	میں اسکو صحیح روایت کیلئے پسند نہیں کرتا۔
سیف بن محمد	جوئی حدیث بناتا ہے۔
سلمہ ابن شیبہ	مجھ سے اس نے خود اقرار کیا کہ حسب کبھی کسی بات میں کوئی اختلاف ہوتا تھا تو میں ایک حدیث بنا لیتا تھا۔

اس عبارت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو ایسے غلط دعویٰ کی خبر آئی آپ کے امام بخاری نے دلائی تھی۔ جو امیر المومنین فی احمدیہ ہیں مگر آخر میں ان کی یہ ذلت ہو رہی ہے کہ آپ خود اپنے دست و قلم سے ان کی مرویات کی نفویات ظاہر فرما رہے ہیں۔

(۵) صفحہ ۱۲۰ کے زیرین حاشیہ یہ عبارت مرقوم ہے:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزلی کے نام پر ایک خاک کی جھڑی کی تھی لیکن صاحب موصوف نے اس کی سند میں کوئی عیب نہیں پیش کیا۔ بلکہ وہوسن کا حوالہ دیا ہے (دیکھو مارکیو لیوس کی کتاب ص ۶۸-۷۰) مستم الکبدان (ایک جہراشہ

کتاب میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے۔ لیکن (اولاً تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے ثانیاً یہ روایت) کلمبی سے ہے۔ جو مشہور دروغ گو ہے۔
 بیٹے اس متعصب عیسائی کی تعریف کی سند بھی ایک اسلامی عالم کے مختار سے مستنبط ہے۔ یا قوت حموی کی عالمانہ اور محققانہ آب و تاب سے کون مسلمان واقف نہیں ہے۔ نبلی صاحب نے خود علی الاکثر اسکے حوالہ اور سند سے کام لیا ہے۔ آپ اس وقت موقع کی ضرورت سے مجبور ہو کر اس عربی محقق کی تکذیب کر دیں وہ دوسری بات ہے۔ لیکن اگر کیو لوس کی تعریف کو آپ بے سند نہیں کہہ سکتے اور نہ اس کے نقل پر اعتراض کر سکتے۔ وہ ان تک آپ کا عذر صحیح تھا۔ کہ اس نے دھوسن کے قول کو سند میں دیا تھا۔ لیکن جب آپ نے ایک اسلامی عالم کی سند پالی۔ تو مارکیو لیوس سے الزام جاتا رہا۔ اگیا اور ہمیں یا قوت حموی اور کلمبی کے سر۔ جو دونوں اسلام کے مقتدر اور معتبر عالم ہیں۔
 ان تمام تعریفات کے باعث۔ عام اس سے کہ یہ اعتراض فی نفسہ کیسے ہی ضعیف اور محض بے دلیل ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ہی کی کتب احادیث اور آپ ہی کے علماء محدثین کی مراثیات ثابت ہوتے ہیں۔ اگر کتب احادیث میں ان لغویات کا شروع ہی سے انبار نہ لگایا ہوتا۔ تو آج مخالفین کو تعریف کا کوئی موقع نہ ملتا۔ اگر تدوین احادیث کے وقت ہی محدثین و تدوین احادیث نے اصول فقہیم تائید عقاید۔ تقلید اسلاف اور حمایت سلطنت کے غلط طریقے نہ اختیار کئے ہوتے تو ان تمام آلائشوں سے اون کا دامن بھی پاک و صاف ہوتا۔ اور ان کی تالیف و تصنیف بھی۔ مگر یہ امر بہت مشکل تھا۔ اور ان کے امکان سے باہر ان کے تمام باب و علل ہم پوری تفصیل کے ساتھ ادھر بٹا آئے ہیں۔ بار دیگر ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ وہ حضرات ان لغویات و حشویات کے نقل و اندراج کے لئے سلطنت کی طرف سے اگر مامور تھے تو اپنے عقائد کے اصول موضوعہ کے اعتبار سے مجبور۔ مثلاً شریعت کی خراب عادت میں یا شیعتہ اپنی ہاشم نام قبائلی قریش و عمرو نام تمام عرب یہ گرفتار ہی بنی ہاشم کو ہی ان عادات و سبب کا ترک نہ کہلا یا جاویں اور ہمیم کا اصول نہ جاری کیا جاوے۔ بہت سے مسلمین قریش و جن میں سابقین و جاہلین وغیرہ علی الاکثر مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اس الزام سے بچ نہیں سکتے۔ اور کلام عدول کی عدالت مستقیم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے ضرور تھا کہ اسلاف رسول سے لیکر جو حقیقتاً اشرف قریش تھے۔ ظہر پیغمبر اسلام تک۔ اس خاندان کے لوگوں کو بھی اس عادت ذمہ کا عادی اور ترکب مبتلا یا جاوے۔

اس غلط اصول کے وضع کرنے کے وقت۔ نہ رسول صلعم کی ذات عصمت و عظمت کے مسئلہ کا خیال

پاس رکھا گیا۔ نہ اون کے پہلے اون کے آبائے متقدمین کی فطرت صاحبہ پر مخلوق فرمائے جانے کا لحاظ کیا گیا۔ نہ رسول صلعم کی موجودگی میں اور نہ اون کی وفات کے بعد۔ اون کی ذریعات و اقربا کی مودت یا عزت و حرمت کی رعایت کی گئی۔ بلکہ وہ تمام بزرگوار عام طریقہ سے عوام الناس کی طرح تمام اخلاقی اور معاشرتی ضروریات میں ادنیٰ گندہ عادات و خصائل اور زائل مشاغل کے متکبر و عامل تبدلے گئے۔ اسلاف رسولؐ ہیں تو قصی کے وقت سے لیکر عبدالمطلب تک سب کے سب کفار و مشرکین (نعموز باللہ) اسحاق اور بنی اسحاق رسولؐ میں تو حمزہ عم سے لیکر قلی تک سب کے سب شہر آشور۔ حضرت حمزہؓ کو آنحضرت صلعم کے عم محترم ہونے کے علاوہ آپ کے ساتھ اخوت بالرفضاعت کا بھی شرف حاصل ہے۔ گویا حقیقی اور ظاہری دونوں طریقوں سے آپ کے ساتھ خون ملا ہوا ہے۔ مزید براں اسلام لایچکے ہیں۔ شرف ایمان پاچکے ہیں۔ مگر اس پر بھی عادات و اطوار کی وفائیت اور عزالت سے توبہ نہیں کرتے۔

حمزہ ۴ سے تو خراب حالت علیؑ کی ہے۔ وہ بنی عم ہونے کے علاوہ بالکل صفر سنی کے زمانہ سے لیکر ۲۵ برس کی عمر تک دامن رسولؐ میں پرورش پاچکے ہیں۔ ہر دم دہر لحظہ صحبت نبوت میں حاضر رہ کر ہر قسم کی تعلیم و تربیت میں کمال حاصل کر چکے ہیں۔ مگر اون کو بھی شہر آشور ہی کی رنعموز باللہ ایسی بڑی عادت پڑی ہے کہ نمونہ سے چھٹی ہی نہیں اور مے نوشی کی اسی مدہوشی میں نہ اپنی اوقات کا خیال ہے اور نہ اپنے عملیات پر نظر نشہ چڑھا ہوا ہے اور نماز کا وقت آگیا۔ اسی طرح نماز کو کھڑے ہو گئے۔ اور تلاوت سورہ قرانی کے وقت کئی آیت زیادہ پڑھا گئے۔

رسول صلعم کے ایسے مقربین اور سابقین صحابہ کبار اور ایسے خراب اور نفرت انگیز عادات و اطوار جن کو دیکھ کر اہل اسلام پر کیا منحصر ہے۔ اقوام عالم کے تمام مہذب طبقہ میں ان سے نفرت اور عام نا پسندیدگی کا اظہار کیا جائے گا۔ اور اس بنا پر ہر شخص (نعموز باللہ) تعلیم رسولؐ میں اخلاقی پاکیزگی اور عادات کی صفائی کی کئی تبدلے گا جس کا سبب یا تو معلم کی تعلیم کافی نفسہ نقص سمجھا جائیگا یا انکی جہالت اور تعلیم و ہدایت کی طرف سے ان بزرگواروں کی غایت درجہ کی عدم توجہ اور غفلت کا اقرار کرنا پڑیگا۔ اور ان دونوں صورتوں میں نفس اسلام الزام سے بری نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ تمام الزام صریح اہتمام ہیں اور بالکل بہتان۔ اسلام کا دامن ان تمام آلاشوں سے بالکل پاک و صاف ہے۔ نہ اوس معلم اسلام کی تعلیم میں کہیں نقص و عیب کا نام ہے۔ جو تمام تعلیمات قدیمہ کا مستحق ہے اور مستحق اور مخصوص تہذیب و اخلاق کے متعلق۔ مصدر قدرت سے اِنَّكَ تَعْلٰی خَلَقْتَ عَظِيْمًا كَسَدِّ خَاصٍ لِّكُلِّ مَخْلُوْقٍ وَ مَبْعُوْثٍ

فرمایا گیا ہے۔ اور نہ ان صحابہ کرام مذکورہ صدر کی تعلیم، خلوص متابعت، طرز عمل، نیکو کاری اور پرہیزگاری میں کوئی کمی ہے۔ یہ سب حضرات علما و محدثین کی کرامات میں جنہوں نے طبقہ صحابہ میں مساوت بالمذابح اور اصول تعمیم کلام عدول، قیام کرنے کی غرض خاص سے۔ ان لغویات و حشوئیات کا انبار لگایا ہے۔ ورنہ خیر یہ امور کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتے کہ اس خاندان اعلیٰ اور دودمان والا کے سرمایہ ناز اخلاص و اعتقاد ایسے مخرب اخلاق اور متنافی تہذیب عادات، و اطوار کے نوگر اور عادی بنائے جاویں جو (خاندان) شریعت اسلام کے اجر اسے صدیوں پہلے شرب و خمر و غیرہ کی برسی عادتوں کا تارک ہو چکا ہو۔ اس بنا پر ہم مذکور صدر صحابہ اور اعزہ رسول صلعم کے تقدس و اتقا، زہد و ورع، خضوع و خشوع الی اللہ اور تمام صفات حسنہ کے بدیہات و یقینات کے مقابلہ میں کہی اُن کو ان عادات و قبیحہ و اعمال ذمہ کام تکبیر نہیں تسلیم کر سکتے۔ جن کے اسوہ حسنہ۔ چودہ سو برسوں کے بعد بھی تہذیب۔ اخلاق، حسن معاشرت اور تمام دینی و دنیاوی رفقاء و صلاح کی ضرورت میں۔ ہماری ہدایت کے لئے رہبر کامل ثابت ہوئے ہیں۔ اور جن کی تصدیق و توثیق سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا کہا جاوے ان علما و محدثین کی قلم کاریوں کو جو اپنی ایک قلم صنعت رقم سے ان بزرگواروں کی دورخی تصویریں کھینچتے ہیں ایک سائے سے تو ان کے زہد و اتقا کے پاک و صاف مرقع دکھلا کر ان کے طرز عمل اختیار کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ دوسری طرف سے اُن کے عادات ذمہ کا ایسا ناپاک نقشہ کھینچا جاتا ہے۔ جس کو دیکھ کر عام طبائع اُن سے خود بخود نفرت اور پرہیز اختیار کریں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ان مفصلات کے یہ اختیار کردہ جمع غدین کے اصول کہاں تک قابل قبول ثابت ہونگے۔ متعصبین یورپ کو انہیں لغویات احادیث سے مستفیع اور متمنع ہو لینے کا پورا موقع مل جاتا ہے۔ اور عیسائی مترضین اپنے حواریوں کی بد اعتیاطی اور قابل اعتراض رفتار کردار کو صحابہ کبار اور مہاجر و انصار میں جو دھماکا کر اہل اسلام کی اُن تعریفوں کی پوری تردید کر دیتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی بد اعتیاطیاں و برعنوانیاں ثابت کی جاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل اسلام اپنے اخبار و آثار سے حواریوں کے عادات و اطوار پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ یہ عیسائی ہیں اور انہیں کی مرویات جن سے حواریوں کی برعنوانیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ وہی موقع اور وہی لفظ صحابہ کبار کے متعلق بھی ان لغویات کی بدولت عیسائیوں کے ہاتھ آ جاتی ہے۔ اور وہ بھی اہل اسلام ہی کی ان مرویات سے صحابہ کبار کی ان بد اعتیاطیوں کو دکھلاتے ہیں تو اہل اسلام کے لئے جو اب مشکل ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر صاف صاف کہنا پڑتا ہے کہ کتب احادیث میں یہ مقولات

خصوصاً ان حضرات کے متعلق جو خدمت رسالت سے خصوصیات کا شرف رکھتے تھے، سر اہل لغو ہیں اور ان خود غلط متعصبین میں نہیں کی مصنوعات ہیں جو اپنے عقاید کی غلط تائید اور صرف مصحابہ کے نام کی تقلید میں اپنے برے کی تائید نہیں کرتے ہیں اور اصول تعلیم کے مطابق مصحابہ کے طبقہ میں عام مساوت قائم کرتے ہیں اور مثلاً بعض علمائے بعض کے ایسے کثیر التعداد نصوص پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ احادیث کے ان لغویات نے مقررین رسالت پر ارتکاب مجرم کے غلط الزام تو لگائے ہی تھے انہیں کے ساتھ شان نبوت اور فیضان رسالت کو بھی بدنام کر دیا۔ اگرچہ ان کے خیال میں ان کے ان موضوعات نے طبقہ مصحابہ میں مساوت کی المدارج کی صورت بھی قائم کر دی، مگر پھر آگے چلکر وہ بھی قائم نہیں رہتی کیونکہ امام احمد ابن حنبل نے مسئلہ افضلیت کو عقاید اہل سنت کا جزو عظم اور اصول مسلم قرار دیا۔ اور اگر بغرض محال مسئلہ افضلیت اجماعی مانا بھی نہ جائے۔ حالانکہ اس کے اجماعی ہونے پر علی الاکثر اتفاق ہو چکا ہے۔ تاہم مسئلہ اختلافی تو ضرور کہا جائے گا۔ تو باوجود اس کے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہو یا مختلف فیہ اس سے جو نتیجہ مترتب ہوا وہ بھی ہے کہ جس طرح مصحابہ کے اطوار میں ذمائم ثابت ہوئے ویسے ہی تعلیم رسالت میں مناقصہ۔ پھر نہیں معلوم کہ اطوار مصحابہ میں ذمائم اور تعلیم رسول میں مناقصہ ثابت ہونے کے بعد بھی اصول عقائد قائم رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

ان موضوعات کا ایک دوسرا
شرمناک رُخ
ان لغویات نے تعلیم و صحبت رسول پر جو بدنامی لازم لگایا وہ اس قدر افسوسناک نہیں ہے جتنا ان موضوعات کا وہ عصہ ناپاک اور شرمناک ہے جو حضرت عائشہ کی سائر انواع پر فضیلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے ساتھ مفروضہ کی محبت ثابت کر سکتی تھی وہ اہتمام میں بڑی کہ وہ کادش سے جمع کیا گیا ہے۔ احادیث کے اس حصہ موضوعات و مہنوعات کی وہ ناقابل الذکر حالت ہے جس کے پڑھنے اور سننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عوام الناس سے کہیں زیادہ یہ ناگفتہ بہ واقعات و حالات کو دیکھ کر متعصبین عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک و مقدس سیرت اور صفات و منزہ معاشرت پر ایسے ایسے گندہ اعتراضات وار کرتے ہیں اور اپنی شدت تعصب میں اس دریدہ ذہنی اور بد زبانی سے کام لیتے ہیں کہ اہل اسلام پر کیا موقوف ہے۔ کسی قوم و فرقہ کا کوئی باغیرت اور حیا دار آدمی ان کے سننے کی تاب نہیں لاسکتا۔ انہیں سے چند مثالیں نمونہ کے طور پر ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

مواہب لذیہ عسقلانی اور روضۃ الاحباب محدث شیرازی میں مرقوم ہے۔

اور عائشہ منقول است کہ گفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ ایک دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

و سلم پر نعلین خود وصلہ سے نزد من چرخ می رستم
در روی آں سرور نظر کردم دیدم کہ عرق از
جبین و سے ریزاں و از اں عرق انوار تاباں
است۔ در جمال و سے حیراں گشتم حضرت
بجانب من نگاہ کرد گفت چه بودہ است۔ ترا
کہ حیراں شدہ آئی۔ گفتم یا رسول اللہ صلعم در
بُشرۂ نورانی و عرق پیشانی تو دیدم زلفیۂ جمال
تو گشتم انسرور نعلین از دست بناد و برخاست
نزد آمد و میان ہر دو چشم مرا بوسید۔
روفتہ الاحباب جلد اول۔ مطبوعہ لکھنؤ ص ۵۷۹

اپنی نعلین میں پیوند لگا رہے تھے۔ اور میں بیٹھی ہوئی چرخ
کات رہی تھی۔ اسی اثنا میں میری نظر آپ کے چہرہ مبارک
پر پڑی۔ جن مبارک قطرات عرق کی آب و تاب کچھ ایسی
خوشنما معلوم ہوئی کہ میں آپ کے چہرہ نورانی کی زیبائی پر
بے ساختہ زلفیۂ ہو گئی۔ میری موجودہ دل باختگی کے
عالم کو آنحضرت م نے بھی دیکھ لیا۔ مجھ سے استفسار
فرمایا کہ کیا حالت ہے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے
جمال نورانی نے مجھے اسوقت اپنا شیفتہ و زلفیۂ بنا رکھا
ہے۔ یہ سن کر آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ نعلین
ہاتھ سے رکھ دی۔ اوٹھ کھڑے ہوئے۔ اور میرے
نزدیک آئے۔ اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان
بوسہ لیا۔

بحکم آنا بشکر مشکلم آنحضرت صلعم بشر ضرور تھے۔ اس بنا پر اگر درمیان زن و شو۔ اس قسم کے
معاملات پیش آئے تو مستبعد نہیں۔ مگر ان نازک واقعات کو نقل و نشر کر کے سنگین و گراں بار کرنے کی کیا
ضرورت تھی۔ میرا یقین ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ ہر شخص کو ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ مگر نہ وہ
شخص خود ان کے نقل و بیان پر جرات کرتا ہے اور نہ اس کے حالات و واقعات قلمبند کرنے والوں
کی حیا اس کی مقتضی ہو سکتی ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ حضرات محدثین ہی اس کے اکیلے نالین پائے
جاتے ہیں۔ حالانکہ ہر عالم کے حدیث کو ان اقسام کے واقعات کی نقل سے بظاہر کوئی تعلق اور واسطہ
نہیں۔ البتہ سیران اقسام کے واقعات کو نہیں لکھتے۔ خلاف تہذیب ہونے کے علاوہ منافی
شان رسالت جانتے ہیں ائمہ محدثین اس کو حضرت عائشہ کے ثبوت فضیلت اور آنحضرت صلعم کے
ساتھ مفرد درجہ کی محبت و شرف سے کر ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ اور اصول عقاید کی ضرورت سے اسکے
نقل و بیان کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ مدعا بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اور ازواج
مطہرات کے ساتھ بھی ایسے معاملات پیش آتے ہوں۔ جس کی خبر حضرت عائشہ اور ان کے متعلقین کو نہ
ملی ہو۔ تو پھر فضیلت کیسی اور ترجیح کیونکر ثابت ہوگی ؟

توسیع تالیف و تصنیف کے موجودہ زمانہ میں۔ بالانشائے کتب حدیث و فقہ۔ بیشمار کتابیں اسلامی تاریخ و

سیر کی روزانہ مشاہدے اور مطالعے میں آتی ہیں۔ مگر کسی ایک میں بھی کسی شخص خاص کے ناموس کی خلوت کے حالات و واقعات اس طرح منظر عام میں نہ لائے جاتے ہیں اور نہ یوں علانیہ طشت ازبام کئے جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ رسولؐ اور اوسکا ناموس۔ فاعتبروا۔ اہل اسلام تو ان شرمناک واقعات کو دیکھ کر دیدہ عبرت سے جتنے آنسو نہ بھائیں وہ کم ہے۔ مگر متعصبین مخالفین اسلام کو آنحضرتؐ صلعم کی معاشرت کے متعلق عورتوں کی صحبتوں میں آپ کی محویت۔ اور ان کے ساتھ آپ کا ایک شغف خاص وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ) مختلف اقسام کے غلط الزام کا موقع ملتا ہے۔

(۲) ریاض النضر میں مرقوم ہے۔

عن عائشہؓ انھا قالت اذیت رسولیؐ ہجرۃ طیفۃ ہالہ فقلت لیسوۃ والذی صلعم بنی و بنیہا علی فایت فوضعت یدہ فی الحریۃ و لطفنت بہا وجہہا فضحک الذی صلعم فوضعت یدہ فقال لسودہ الطینی وجہہا فاطنحت وجہی فضحک الذی صلعم فجاء عہم فنادی یا عبد اللہ یا عبد اللہ فظن رسول اللہ انہ سیدخل فقال قوما فاغسلوا وجوہکم فقال عائشہ فمالا لہ رھاب عمر لم یبہ رسول اللہ صلعم آیا لا صفت

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلعم کے لئے حریرہ بچایا اور اسکو لیکر خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی۔ اور ایک طرف بیٹھ گئی ایک طرف سودہؓ تھیں اور ایک طرف میں۔ بچ میں آنحضرتؐ صلعم تھے میں نے سودہؓ سے کہا اسیں سے کہاؤ۔ اونہوں نے انکار کیا پہ میں نے کہا۔ کہاؤ نہیں تو تمہارے مونہ میں ہی حریرہ مل دوں گی۔ سودہؓ نے اسپر ہی انکار ہی کیا تو میں نے اپنے ہاتھ میں وہ حریرہ لیکر سودہؓ کے مونہ پر مل دیا یہ دیکھ کر رسول خدا صلعم ایسا ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور سودہؓ سے فرمایا کہ تم ہی ان کے مونہ پر مل دو چنانچہ اونہوں نے بھی وہ حریرہ میرے چہرہ پر مل دیا۔

یہ دیکھ کر رسول خدا صلعم بیاختہ ہنسنے لگے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ نے دروازے پر آکر یا عبد اللہ یا عبد اللہ کہہ کر بکارا۔ آنحضرتؐ صلعم سمجھے کہ اندر آنا چاہتے ہیں۔ ہم لوگوں سے فرمایا کہ اب تم دونوں اٹھو اور اپنے ہاتھ مونہ دھو ڈالو۔ (ایسا نہ کہ عمرؓ کو ایسی حالت میں دیکھ لیں) عائشہؓ کہتی ہیں کہ اوس دن سے میں ہمیشہ عمرؓ سے ڈرتی رہی کیونکہ آنحضرتؐ صلعم کو ان سے ڈرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

مطالعات کسی قوم و ملک میں مانع تہذیب نہیں۔ مگر خاص مشکوٰۃ رسالت میں اس قسم کی اوجھل کو قابل اعتراض ضرور ہے جس طرح حضرت سودہؓ کی تمام ازواج مطہرات میں کبر السنی مسلمات سے ہے اور سبطہ ام المؤمنین عائشہؓ کی صغیر السنی ہی یقیناً سے ہے۔ اس بنا پر باوجودیکہ دونوں خواتین میں زوجیت رسولؐ کے شرف مشترک نے کتنی ہی مساوت نہ پیدا کر دی ہو۔ تاہم حضرت عائشہؓ کا یہ

بے تکلفانہ مذاق۔ اعتبار مساوت سن کے نہایت بد نما اور نازیبا ثابت ہوتا ہے۔ خصوصاً ازواج مطہرات کے آداب و اخلاق اور ابواب تہذیب کے سخت خلاف واقع ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان مطالبات عامیانہ سے قطع نظر فرمانا اور مزید براں ان معمولی خوش فطریوں پر چند رات سہرا پردہ نبوت کو اشتعال دینا اور بھی شرمناک صورت پیدا کرتا ہے۔ گویا آنحضرت صلعم ان اقسام کے مزاح و مذاق کو تہذیب و نسواں اور خصوصاً ازواج مطہرات کے حدود تہذیب و آداب کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔

آخر حصہ حدیث نے بالآخر ان لغویات کی حقیقت اور اسباب موضوعیت کا انکشاف کر دیا۔ اور ثابت کر دیا کہ حضرت عمر کے کمال سطوت و ہیبت اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ حضرت عائشہ کی انتہا درجہ کی شوخی اور بے تکلفی کے اظہار۔ ان تمام لغویات کے مدعا تھے مگر ان مدعا کے اظہار کی برجستگیوں میں اس درجہ کی موضوعیت اور لغویت سے کام لیا گیا کہ نتیجہ یہ ہوا کہ آداب رسالت اور آداب نبوت کو ایک طرف تو حضرت عائشہ کی محبت نے داب لیا۔ دوسری طرف حضرت عمر کی سطوت و ہیبت نے۔ پھر رسول صلعم کی تقدیر کیسی اور کتنی باقی رہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲۲) اسی کی دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ تفسیر و تفسیر میں مسطور ہے:-

عن عائشہ قالت استاذن ابوبکر علی النبی صلعم وانا معہ فی موطا محمد فاذا نزلہ فقفی حاجتہ وھو علی ثلاث المحال فی الموطا ثم استاذن علیہ عثمان فاصلیح ثیابہ وھلبا فاذا نزلہ فقفی علیہ حاجتہ ثم خضر جہ قالت عائشہ قلت یا رسول اللہ استاذن علیک ابوبکر فقفی لہ حاجتہ وانت علی ثلاث ثم استاذن علیک عمر فقفی لیک حاجتہ وانت علی ثلاث ثم استاذن علیک عثمان فاصلیح ثیابک واصتظمت فقال یا عائشہ ان عثمان یرجل حبشی ولواذنت علی ثلاث المحال غنیمت ان لا تقف فی حاجتہ

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر نے نبی صلعم کے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ اوسوقت آنحضرت صلعم کے ساتھ میں ایک ہی چادر میں لپیٹی ہوئی تھی۔ آپ نے اسی حالت میں اون کو اجازت دیدی اور وہ آئے اپنا کام کیا اور چلے گئے پھر عثمان نے اذن طلب کیا۔ تو آپ (چادر کھینک کر) اونٹ بٹھے اور اپنے کپڑے درست کر لے اور اون کو آنے کی اجازت دی۔ پس وہ بھی آئے اور اپنا کام پورا کر کے چلے گئے۔ تب میں نے کہا یا رسول اللہ صلعم ابوبکر آئے اور اپنی حاجت پوری کر کے چلے گئے مگر آپ اپنی حالت پر بانی رہے۔ پھر عمر آئے اور اپنا کام کر کے چلے گئے۔ مگر آپ کی حالت میں فرق نہ آیا لیکن جب عثمان نے انہوں کو طلب کیا تو آپ نے کپڑے درست کر لئے اور ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے۔ آخر اسکا سبب کیا تھا؟ تو آپ نے

فرمایا کہ اسے عائشہ عثمان ایک مرد با حیا ہیں۔ اگر میں اون کو اسی حالت میں بلالیتا تو مجھے خوف تھا کہ وہ بغیر حاجت پوری کے واپس جاتے۔“

اس روایت کے متعلق زیادہ لکھنا مناسب نہیں ہے۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ اس واقعہ کے بیان میں تہذیب و شائستگی کہاں تک محفوظ رکھی گئی ہے۔ صرف دو تین باتیں اس کے متعلق عرض کر دینی ہیں۔ اول یہ کہ اگر وہ حالت جس کو خود ام المومنین نے بیان کیا ہے قابل شرم تھی اور قول و فعل رسول کے مطابق ایک مرد با حیا و غیرت مندر کے سامنے اس حالت میں رہنا مناسب نہ تھا۔ تو پہلے آنے والے کی آد پر بھی وہی کرنا مناسب تھا۔ جو حضرت عثمان کی تشریف آوری پر کیا گیا۔ بلکہ حضرت ابو بکر کی آد پر اولیٰ اور انسب تھا۔ دوسری یہ کہ دو آدمیوں کے مقابلہ میں کسی تیسرے شخص کو یہ کہنا کہ ان میں یہی با حیا اور غیرت مند ہے جس امر کا مستلزم ہے۔ اس کو میں اپنے زبان و قلم سے ادا نہیں کر سکتا کیونکہ دو باقی ماندہ بزرگواروں کی سمجھت تو یہیں کا باعث ہو گا۔ ایسا سوہر ادب اور علمائے کرام ہی کو مبارک ہو جنہوں نے یہ روایت درج کتاب کی ہے۔ یا اون کے رواۃ ثقہ کو نہیں بیان فضیلت و وضع روایت کا بھی سلیقہ نہ تھا۔ ایک بزرگ کی توفضیلت بیان کی اور دو بزرگواروں کے فضائل پر پانی پھیر دیا۔ ان موضوعات و مسنوعات کی حقیقت ہی یہی ہے کہ ان کے نقل و بیان میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس قدر تحقیر و توہین محض غلامی کے کرام اور ام المومنین حضرت عائشہ کے فضائل دکھانے کے لئے کی گئی ہے اور جو نقشہ آپ کی معاشرت کا دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے وہ حد درجہ قابل افسوس ہے۔

(۲۴) کنز العمال جلد چہارم ص ۲۳۷ میں مرقوم ہے۔

عن عائشہ قالت فقدت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فظننت انہ قام الی جارتہ ماریہ فقمت النعل الجذرفوجدها قائما یصلی فادخلت یدہ فی شعرہ کہ انظر هل اغتسل ام لا فقال اغتسل الشیطان قلت ولی شیطان یا رسول اللہ فقال نعم قلت وجمیع بنی آدم قال نعم قلت وایک قال نعم وکن اللہ اعماخی علیہ وسلم

عائشہ کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے فرش خواب پر (نیا یا خیال گذرا کہ آپ اپنی کنیز ارقیہ حبشہ کے پاس اٹھ کر چلے گئے۔ پس میں (راۃ میرے میں) ٹوٹتی چل کھڑی ہوئی تو آپ کو نماز میں مشغول پایا۔ تو میں نے اپنا ہاتھ اون کے باؤں پر رکھا تاکہ وہ کھجور کے غصک فرمایا ہو یا نہیں۔ پس آپ نے (میرے یہ حرکت دیکھ کر) فرمایا کہ تم کو اس وقت تمہارے شیطان نے گرفتار کر رکھا ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ کیا میرے ساتھ کوئی شیطان ہی ہے۔ فرمایا۔

ہاں میں نے کہا اور بنی آدم کے ساتھ ہوا فرمایا۔ ہاں میں نے کہا اور آپ کے ساتھ ہوا فرمایا ہاں۔ مگر خدا نے اس کے مقابلہ میں میری مدد کی۔ جس سے آپ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی مضمون کو اوسے کتاب میں اس عبارت کے ساتھ بار دیگر نقل کیا ہے۔

عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا۔ لیکن کہیں نہ پایا خیال کیا کہ آپ کسی کینیز یا بیوی کے پاس گئے ہوں گے مگر یہ غلط ہوا آپ سجدہ میں سر رکھے فرما رہے ہیں کہ اسے پروردگار بخش دے۔ جو کچھ مجھے بطور غماہ رہا بخفی سرزد ہوا ہے۔

عن عائشہ قال طلبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فلم أجده فظننت انہ انی بعض جواریه او نسائه فرأیتہ وهو ساجد وهو یقول اللہم افقر لی ما اعلنت وما اسررت۔

اوس سے ہے کہ ازواج مطہرات اور غلبہ نفس کے یہ حالات و واقعات۔ گویا ان مخدرات پر تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اثر اور صحبت نبوی کا کوئی فیض ہی نہ پہنچا تھا۔ پھر یہ مناقصہ شان رسالت اور مخالفت آداب نبوت طواریکوں تیار کئے گئے۔ صرف اس لئے کہ حضرت عائشہ کی فضیلت ثابت ہو۔ مگر فضیلت کی جگہ تو اون کی تناقص طبیعت ثابت ہوتا ہے۔

(۵) اسی کا دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو۔ اصحابہ جلد ۴ ص ۳۳۳ مطبوعہ مصر میں مرقوم ہے:-

جوینہ۔ تبیکہ کنہ کی ایک عورت تھی جس کو ابو اسید ساعدی نے خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر کیا تھا۔ عائشہ اور حفصہ نے اس کا امر یعنی آرائش اپنے ذمہ لی اور اٹھائے مشاغل میں ان میں سے ایک نے اوس سے یہ کہہ دیا کہ جب کوئی عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی جاتی ہے تو آپ یہ بات بہت پسند کرتے ہیں کہ وہ اعوذ باللہ منک کہے (میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں) اور ابن سعد نے ہشام بن محمد کلبی سے اور اوس نے ابن غنیل سے وہ روایت کی ہے۔ جو بخاری نے بھی لکھی ہے اور اس روایت بخاری میں اتنی زیادتی ہے کہ حفصہ نے عائشہ سے اپنا عائشہ نے حفصہ سے کہا کہ تم منہ ہی لگاؤ میں بالوں میں گنگائی کرتی ہوں۔ وہ مشاغل میں مصروف

والجورینہ مراۃ من آلکندہ احضرھا ابواسید الساعدی فتولت عائشہ و حفصہ امرھا فقالت احداھما ان یعجبہ اذا دخلت علیہ امرأۃ ان تقول اعوذ باللہ منک واخرج ابن سعد عن ہشام بن محمد وهو ابن علقمۃ عن ابن غنیل الذی اخرجہ البخاری وزاد فیہ فقالت حفصہ لعائشہ اور عائشہ حفصہ خفیہا وانا امش طرھا ففعلتھا ثم قالت لھما املاھما انہ یعجبہ من المرأة اذا دخلت علیہ ان تقول اعوذ باللہ منک فلما دخلت علیہ واطلق الباب وارجع الی السر ومدا یدہ الیھا فقالت

۱. عوذ باللہ منک فقام بکۃ علیٰ جہہ وقال
عذت بمعاذ ثلاث مرات ثم خرج فقال یا
ابا سید الختہا با حعلہا و متعہا بمرقتین
یعنی کہ با سیدین نکانت فقول اذ عوفی الشقیہ
اس کے بعد وہ جلے عروسی میں لائی گئی۔ دروازے بند کر دئے گئے۔ پردے گرا دئے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی
طرف ہاتھ بڑھائے تو وہ کہنے لگی اعوذ باللہ منک (میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں) یہ کہتے ہی آپ اس میں
روئے مبارک پر رکھ کر اوٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تو نے اس کی طرف پناہ مانگی ہے جس کی طرف پناہ مانگی جاتی ہو
یہاں تین بار ارشاد فرمایا اور ہر چلے آئے۔ ابواسید سے فرمایا کہ اس عورت کو اس کے گروہ والوں کے پاس پہنچا
دو۔ اور کر پاس کے دو کپڑے اس کو دیدو۔ پس وہ عورت سب سے کہا کرتی تھی کہ تم لوگ مجھے بد نصیب کہہ کر پکارا کرو۔
اس روایت میں کس کس کی تعریف کی جائے۔ ازواج مطہرات کے آداب و اخلاق کے نشان
کی یا ان علما و محدثین کے طرز بیان کی جو جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت کے راز کو
یوں طشت از بام اور زباں زد خاص و عام کر دیتے ہیں نہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ رسول۔ سے شرم کرتے ہیں
رسول کی یوں توہیں کی اور اس کے ناموس کی یوں پردہ دری۔ زیادہ افسوس تو اس کا ہے کہ اس کی
نقل سے اصل مدعا بھی تو حاصل نہیں ہوا حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی فضیلت ظاہر ہونے
کا جگہ ان کی پوری حیلہ سازی اور صریح فتنہ بردازی ثابت ہو گئی۔
(۶) تفسیر در مشور میں۔ سورہ تحریم کی تفسیر کے متعلق مرقوم ہے۔

ابن جریر ابن المنذر نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن عمران خطاب سے پوچھا کہ
وہ کون دو عورتیں ہیں کہ جنہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف
ایک دوسرے کی مدد کی تو کہا کہ وہ عائشہ ہیں اور حفصہ
اور یہ واقعہ ماوراء ابراہیم کی نسبت گذرا تھا اور وہ یوں
تھا کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم سے حفصہ
کے گھر میں مقاربت کی جس سے حفصہ غضبناک ہو گئیں
اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ آپ نے مجھے تو ایسا ظلم کیا
ہے جو اپنی بیویوں میں سے کسی ایک پر بھی کیا غصہ نہیں

۱. أخرجه ابن جریر و المنذر عن ابن عباس
قال قلت لعمر ابن خطاب عن المرءات
اللذان تظاهرن فقال عائشہ و حفصہ و
سكان بدء الحديث في شأن ابراهيم اصابها
الذي صلي عليه في بيت حفصه في يومها
فوجدت حفصه فقالت يا نبي الله اقد جئت
الي شيئا ما جئته الي احد من امر اهلك
في يومی و فی داری و علی فراشی فقال
الاخضین ان احببها فلا اقربها قالت بلی

فخرہا و قال لا تذکرہ ذلک الا حدیثا کتبہ
للعائشہ فاظہرہ اللہ علیہ فانزل اللہ
ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک الا یات
سکھہ۔

کہ میری ہی باری کے دن۔ میرے ہی گھر میں اور میرے ہی
بستر پر؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی نہ ہو گی کہ میں
ماریہ سے کنارہ کشی کر لوں اور اب کہہ ہی اوس کے تزیین
انہ جاؤں۔ حصہ سے کہا ہاں۔ آپ نے ماریہ سے کنارہ کشی

اختیار کرنے کا قصد کر لیا اور حصہ سے کہا کہ دیکھنا اس بات کو کسی سے بھی نہ کہنا۔ مگر انہوں نے عائشہ سے کہہ دیا
تو خدا نے اپنے رسول صلعم کو اس پر مطلع کیا اور آیہ یا ایہا النبی انہ کو نازل فرمایا۔

واقعی کس قدر افسوسناک ہے کہ یہ اوس کی ازواج مطہرات کے اطوار و عادات ہیں جو حقیقی
غیرت و حیا کی مجسم شان ہیں اور انہی و شیعۃ الایمان جس غیرت مند کا خاص فرمان ہے۔ حالانکہ بفرض
محال۔ اگر ان خواتین کے ایسے اطوار ذکر دار صحیح بھی ہوں تاہم وہ رسالت کے خاص وقار میں کوئی کمی
نہیں پیدا کر سکتے۔ مگر ظاہر ہی طور پر ان واقعات کو پڑھ کر ہر شخص آئنا کھینے کا ضرور مجاز ہو گا۔ کہ ان
خواتین نے ایک غرض تک شرفیاب خدمت و ذکر آداب و اخلاق رسالت سے کوئی استفادہ حاصل
نہیں کیا۔ اور اپنے اہل خصوص و قار و اقتدار کی کوئی قدر و منزلت نہیں کی جن کی بنا پر ان کو عام
طبقہ نسوانی میں اہمیت مومنین اور ناموس جناب سید المرسلین صلعم ہونے کا شرف عنایت فرمایا گیا
تھا۔ ان خواتین کے ذیل میں سب سے زیادہ قابل اعتراض حضرت عائشہ کے واقعات ہیں۔ حالانکہ
تمام علماء و محدثین جو ان کی اعلیٰ درجہ کی قابلیت۔ جامعیت قوت اجتہاد۔ محاذ تہذیب و آداب و بکارم اخلاق
اور محاسن معاشرت وغیرہ وغیرہ غرض ان کے تمام کمالات کو ایک ایک کر کے لکھتے ہیں وہی حضرات
ان کی نسبت ان تمام کمالات کا اظہار بھی کرتے ہیں اور اقرار بھی۔ وہ اپنی غایت غلط فہمی سے ان
لنویات کے نقل و بیان سے حضرت عائشہ کی فضیلت اور آنحضرت صلعم کے ساتھ ان کی مفراط
درجہ کی محبت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کی امید کے خلاف نتیجہ بالکل برعکس معلوم ہوتا ہے۔
حضرت عائشہ کی تعظیم و تکریم کی جگہ ان واقعات سے تحقیر و توہین ثابت ہوتی ہے۔

سب تو سب قبلی صائب۔ باوجود اپنی تحقیقات جدید کے بھی اس مسئلہ میں اوسی قدیم غلط فہمی پر
قائم ہیں چنانچہ سیرۃ النبی۔ جلد دوم ص ۲۲۵ میں مرقوم ہے۔

حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ۔ ازواج مطہرات میں سب سے محبوب ترین تھیں۔ لیکن
محبوبت کے اسباب وہ نہ تھیں جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حسن و صورت میں حضرت
صفیہ ان سے بڑھ کر تھیں۔ اور دوشیزہ بھی تھیں۔ اور دیگر ظاہر ہی محاسن میں بھی دیگر ازواج

ان سے کم نہیں تھیں۔ لیکن حضرت عائشہ کی قابلیت۔ توانائی۔ قوت اجتہاد۔ وقت نظر و سماعت
معلومات ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔

پھر ص ۴۴ میں بھی مضمون یوں لکھا گیا ہے۔

حضرت عائشہؓ بجز انہی دل و دماغ رکھتی تھیں۔ اسلئے قرب صحبت سے اس قدر فائدہ اٹھا سکیں
کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہ سے مخالفت کرتی تھیں اور انصاف

بالائے اطاعت اس سے اکثر مسائل میں ان کی فہم و وقت نظر کا پڑ بھاری نظر آتا ہے۔

خاص حضرت عائشہ کے متعلق چند واقعات ہم اوپر لکھے آئے ہیں اور چند امور ابھی اور نمونہ کے
طور پر آئندہ دکھلائے جائیں گے۔ ان کی حقیقت حال ان تمام دعووں کے خلاف ثابت ہوتی ہے
جو غیر فقہ کے حالات خاص امام بخاری کی مرویات ہیں۔ جن کی صورت و صداقت میں کسی کو غدر و کلام کی
مجال نہیں۔ اس باقیمت عورت کے حالات میں حضرت عائشہ کے طرز عمل۔ قوت اجتہاد اور انصاف
بالائے اطاعت دونوں اصول کے مخالف و منافی ثابت ہوتے ہیں۔

پھر اسی طرح جناب رسول خدا صلعم کو فریض خواب پر نہ پا کر اپنے دل میں آپ کی طرف سے
خلاف عدالت و مروت گمان بیدار کرنا صاف صاف بتلازم ہے کہ ام المؤمنین کی نسبت ان تمام اوصاف
و محامد کا ادعا صرف جوش عقیدت کے قیاسات ہیں اور ان قیاسات خارجی کو جذبات داخلی سے کوئی
تعلق نہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت ام المؤمنین دوسروں کے معاملات میں اپنی قوت اجتہاد انصاف بالائے
اطاعت۔ قابلیت اور جامعیت سبب کچھ کام میں لاتی ہوں۔ مگر اپنی خاص احتیاج و ضرورت کے وقت
آپ کا طرز عمل ان ظاہر ذاتیات کے اعتبار سے۔ ایک محض معمولی اور نسبتاً خیالی عورت سے زیادہ
نہیں ثابت ہوتا۔ چنانچہ سیرۃ النبی کے مفصلہ ذیل اقتباسات ان بیانات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں:-

(۱) حضرت صفیہ نہایت عمدہ کہانا پکاتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے کہانا پکا کر آنحضرتؐ

صلعم کے پاس بھیجا۔ آپ اس وقت حضرت عائشہ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے حضرت

عائشہ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا۔ آنحضرتؐ صلعم نے یہاں پر ٹکڑے

چھین کر کھیا۔ اُن کو جوڑا۔ پھر دوسرا پیالہ منگا کر واپس کیا۔

اس واقعہ میں۔ انیسویں نہ ام المؤمنین نے قوت اجتہاد سے کام لیا۔ نہ اصول عدالت بالائے
اطاعت پر عمل پیرا ہوئیں۔ بلکہ عام انسانی رشک و حسد انہوں نے اس کے طریقہ سے کار فرما ہوئیں۔ اگر قوت اجتہاد
پر قادر ہوئیں تو سمجھ لیتیں کہ ایک خاتون نے جو ان کی ہوسر اور ہم چشم ہے۔ اوس بزرگ کی دعوت کی

ہے اور اس کی خدمت میں تحفہ بھیجا ہے۔ جس کی خدمت آپ پر اور اس بھیجنے والی خاتون پر بقدر مشترک اور بدرجہ مساوی واجب ہے۔ پھر فیصلہ مجتہدانہ کے خلاف۔ اس کے تحفہ بھیجنے پر آپ کی آزر دگی خاطر کیسی۔ یہ ناراضی اور اتنی ناراضی اور جھجکاہٹ کہ پیالہ کا ٹپک دینا اور حبس غذا کو ضائع کر دینا تو ام المؤمنین کی ذاتیات اور دوسری طبعی کاشوہات ہے۔ اور پھر ایسی صورت میں کہ رسول خدا صلعم پاس بیٹھے ہیں۔ انہیں کے لئے خاص تحفہ آیا ہے۔ آپ ہی کی برابر والی اون کی ایک بی بی نے بھیجا ہے۔ اگر آپ کو کچھ ملال خاطر بھی ہوا تھا۔ تو آپ کو آنحضرت صلعم کی رعایت سے تحمل کرنا ضروری تھا۔ اور انصاف بالائے اطاعت سے کام لینا تھا۔ اگر اس پیالہ کو خود لینا یا جھونکا کر انہیں تھا تو خود آنحضرت صلعم کو لے لینے دیا ہوتا۔ اور آپ خاموش رہ جاتیں۔ نہ توڑا ہوتا نہ ٹپکا ہوتا۔ تو آنحضرت صلعم کو اس پیالہ کے ریزہ ریزہ چنے کی نہ تکلیف ہوتی۔ اور نہ اس کے معاوضہ دینے کی زیر بار ہی ام المؤمنین کے صرف ایک ذاتی خیال نے آپ کے تمام قیاسی محاسن کا خاتمہ کر دیا۔ جب ذرا ذرا سے امور خانگی میں آپ اپنی بہی مزاج کو ضبط نہیں کر سکتی تھیں تو عدالت بالائے اطاعت کے اصول یا قوت اجتہاد کے انصاف پر آپ کا قائم رہنا مشکل سے تسلیم کیا جائیگا۔

(۲) ایک دفعہ آنحضرت صلعم سے حضرت عائشہؓ کا آواز بلند باتیں کر رہی تھیں رگڑنے کی سختی لفظوں میں دہمی کی گئی ہے) اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آگئے۔ حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ صلعم سے چڑا کر بولتی ہے۔ آنحضرت صلعم بیچ میں آگئے اور حضرت عائشہؓ کے آڑے آگئے۔ حضرت ابوبکرؓ غصہ میں بھرے باہر چلے گئے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہؓ سے کہا کیوں۔ میں نے تم کو کس طرح بچا لیا۔ چند روز کے بعد آنحضرت صلعم کی خدمت میں حضرت ابوبکرؓ آئے تو وہ حالت بدلی ہوئی تھی۔ بولے مجھ کو سلع میں بھی شریک کر لیجئے جیسا کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

ص ۳۴ بحوالہ ابوداؤد باب ما جاء فی المزاج

شعشلی صاحب نے ابوداؤد کی اصل عبارت نہیں لکھی ترجمہ کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ محبت و تکرار کا پہلا استغاثہ کیا گیا ہے۔ مگر آخر میں حقیقت نہ چھپ سکی۔ لکھ دینا پڑا کہ یہ واقعہ آنحضرت صلعم کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خانہ جنگی کے متعلق ہے۔ جس کو شعشلی صاحب نے ابتدا میں یوں لکھا کہ آنحضرت صلعم سے برہم ہو کر بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ آپ سے بڑھ کر ابوداؤد صاحب محدث ہیں جو اس خانہ جنگی کو فراعینا میں بتلائے ہیں۔

بہر حال صورت واقعہ دونوں صاحبوں کے مختار کے خلاف ہے۔ اس روایت کے متعلق امور قابل نظر ہیں۔

(الف) جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے واجب الاتباع شوہر سے لڑنا اور کاشانہ نبوت میں اتنا چلا چلا کر تقریر کرنا کہ باہر سننے والے نہیں اور سن کر دڑے چلے آئیں جیسا کہ حضرت ابو بکر نے کیا۔ عام اور معمولی شرفاء کے گھروں میں مستورات کے لئے جایز نہیں چہ جائیکہ ازواج مطہرات اور دارالرسالت کے مخدرات کے یہ اظہار ثابت ہوتے ہیں۔ پھر حضرت عائشہ کی یہ کیفیت اور اون کا یہ عالم ایسا ہی ناقابل عفو اور غیر تحمل تھا کہ حضرت ابو بکر نے تھپڑ مار کر اون کی تنبیہ کا قصد و ارادہ کر لیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کی رائے میں تمام قصور اور زیادتی حضرت عائشہ کی طرف سے تھی۔ رسول معصوم تھے اور محض بے گناہ۔ فطرت عامہ اور خاصہ کا امتیاز بھی یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اخلاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز گوارا نہ فرمایا۔ کہ حضرت عائشہ عامیانہ طور پر اپنی شوخی اور گستاخی کی سزا پائیں۔ آپ اون کے بیچ میں آگئے اور ماسعد بہم و انت فیہم (ہم اون پر عذاب نہیں کریں گے جن کے بیچ میں تو ہوگا) کی پوری شان دکھا کر اون کو حضرت ابو بکر کی سزا دہی سے بال بال بچا لیا۔

(ب) لطیف تر تو آخر حصہ حدیث ہے۔ حضرت ابو بکر کا بعد مرور واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی یاد دہانی کرنا اور آپ سے ان الفاظ میں درخواست کرنا کہ مجھ کو بھی صلح میں شریک کر لیجئے جس طرح کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ ایسا کلمہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر کے علاوہ سببی رکھنے کے اعتبار سے کوئی غیر تمند اور مذہب شخص اپنے منہ سے نکالنا کیسا کاغذ و قلم سے سننا گوارا نہیں کر سکتا۔

(ج) صفحہ ۲۲۷ جلد دوم میں تحریر ہے :-

حضرت حفصہ آخر حضرت عمر کی بیٹی تھیں۔ اس لئے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ صحیح بخاری میں واقعہ ایثار کے متعلق خود حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ میں ایک دن کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا۔ اتفاق سے میری بی بی نے مجھے مشورہ دیا۔ میں نے کھاتھیں ان باتوں میں کیا دخل ہے بولیں کہ تم میری مدد خلعت پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہے۔ میں اٹھا اور حفصہ کے پاس آیا۔ میں نے کہا بیٹی تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو۔ یہاں تک کہ آپ دن بہرہ رنجیدہ رہتے ہیں۔ بولیں ہاں ہم تو ایسا کرتے ہیں۔ میں نے کہا خبردار۔ میں تمہیں عذاب اللہ

سے ڈراتا ہوں، تم اوس کے گھمنڈ میں نہ آ جاتا جس کے حسن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فریفتہ

کر لیا ہے۔ (یعنی عائشہ) بحوالہ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۲۶

خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت خنصہ اور حضرت عائشہ کی بیباکانہ درشت مزاجی استقدر عام ہو گئی تھی کہ ہر کس و ناکس کو اس کی پوری اطلاع تھی جیسا کہ خنصہ کی نسبت خود اون کی ماں نے اقرار کیا۔ اور عائشہ کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے اظہار فرمایا اور خاکسار صابرؓ کو تنبیہ فرمائی کہ تم بھی عائشہ کی طرح نہ ہو جانا۔ جن کے حسن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فریفتہ کر لیا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج پر وہ استقدر حاوی ہو گئی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوس کے حسن پر اپنی غایت فریفتگی سے ان کی کسی جادو یا خواہشوں کو ذرا بھی رد کر نہیں سکتے۔

حقیقتاً یہ سب اونھیں لغویات کے انبار اور اونھیں وضعی احادیث کے طواہر ہیں جو فضائل صحابہ اور خلفاء کے اظہار و انتشار عام کی غرض سے مرتب اور تیار کئے گئے ہیں۔ ورنہ ان لغویات کی کوئی اصل ہے اور نہ ان حشوئیات کی کوئی حقیقت۔ خدا کی شان۔ وہ سراپا پیکر تقدس۔ جو تمام ملکوتی اور روحانی عادات و خصائل۔ اخلاق و شمائل سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اخلاق الہیہ کا نمونہ بنایا گیا ہو۔ وہ جمال قدرت کے علاوہ کسی فانی ہستی کی زیب و آرائش اور حسن و زیبائش پر فریفتہ و شنیفتہ ہو سکتا ہے۔ اور پھر اتنا اور ایسا کہ رسالت کا وقار اور نبوت کا اقتدار بھی قائم رکھ سکے۔

یہ وہی لغویات ہیں جو عیسائی متعصبین اور یو روپین متعصبین کے تمام کافرانہ اور مغویانہ تعریفیات کے اصلی ماخذ ہیں۔ وہ نقل کے ذمہ دار ہیں۔ ان کو ان کی مخصوص عیشت کی حقیقت کی کیا خبر۔ ان کو کیا علم ہے کہ یہ لغویات کس وقت میں کس ضرورت سے مرتب کئے گئے۔ یہ ظاہر ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی ریاض المنضرہ کے حوالہ سے اوپر لکھا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ کی فضیلت میں ایک عظیم خاص حدیث بیان فرمائی ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی سلطوت و ہیبت کے زیر اثر ثابت ہوئے ہیں۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ کے اخلاق کے لئے بھی ادائے احسان کی ضرورت سے ضروری تھا کہ وہ بھی حضرت عائشہؓ کی فضیلت میں ایسی حدیث بیان فرمائیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (نعوذ باللہ) حضرت عائشہؓ کے حسن و جمال کے زیر جنابیت ہونا ثابت ہوتا ہو۔ حضرت عمرؓ کا شمار مردوں میں تھا۔ اس لئے ہیبت و سلطوت میں ان کا کمال دکھلایا گیا حضرت عائشہؓ طبقہ نسوان میں شامل تھیں۔ اور عورتوں کے لئے سوائے حسن و جمال کی تسخیر و تاثیر کے کوئی دوسرا ذریعہ بہتر اور تیز و اثر نہیں تھا یا جاسکتا تھا۔ لیکن شہابی صاحب حضرت عمرؓ کے رائے کے اتفاق نہیں کرتے۔ اور ام المومنین کے حسن و جمال کو بے مثال نہیں سمجھتے۔ چنانچہ

لکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ (حضرت عائشہ) حسن و جمال میں حضرت صفیہ سے زیادہ نہیں تھیں۔ مثالی صاحب کے خلاف حضرت عمرؓ کے اُمّ المؤمنین کے حسن و صورت کی بے مثالی ثابت تھی اس لئے آپؐ نے اس کو رسول صلعم کی شفقتی اور زینتگی کا باعث قرار دیا۔ مگر افسوس خود حضرت عمرؓ بھی حقیقت کو نہ چھپا سکے۔ اگر حقیقتاً حضرت عمرؓ حضرت عائشہ کے جذبات حسن و جمال کو صحیح اور محسن سمجھتے تو پھر صاف جہزادی کو اس طرز عمل اختیار کرنے سے کیوں روکتے؟

وقت پر خوب یاد آگیا۔ مثالی صاحب نے حضرت عائشہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی مفروط محبت رکھنے کی توجیہ میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ ازواج مطہرات میں سب سے محبوب ترین تھیں۔ لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر حضرت عمرؓ کی رائے اور ارشاد سے تو سوائے حسن کے اور کوئی دوسری وجہ محبوسیت کی پائی نہیں جاتی۔ مثالی صاحب جانیں اور حضرت عمرؓ

(۴) صفحہ ۲۸ جلد دوم میں تحریر ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ سے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ توجہ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں۔ (اے کونکر۔ ارشاد ہوا کہ جب توجہ سے خوش رہا کرتی ہے تو یوں قسم کہاتی ہے۔ محمدؐ کے خدا کی قسم۔ اور جب ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے۔ ابراہیمؑ کے خدا کی قسم حضرت عائشہ نے کہا ہاں۔ یا رسول اللہ صلعم میں صرف آپ کا نام چوڑھ دیتی ہوں جو الہ بھیج صلعم۔

ممکن ہے کہ یہ مکالمہ صحیح ہو۔ کیونکہ حضرت عائشہ کی تلخ مزاجی بسا اوقات فیما بین ایسی شکر رنجی کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ مگر تاہم ائمہ کرام اس سے آنحضرت صلعم کی ذات اقدس و اطہر پر عدم خلاق و آداب معاشرت کا کوئی الزام نہیں آتا۔ اس سے حضرت عائشہ ہی کی سوراوی اور تلخ مزاجی کا پورا انکشاف ہوتا ہے کہ موسوفہ ذرا سی بات پر بہیم ہو کر اپنے مفترض الطاعتہ اور واجب الطاعتہ شوہر سے ایسا بیزار ہو جاتی تھیں کہ قسم کھانے میں بھی اس کا نام لینا گوارا نہ فرماتی تھیں۔ بظہر ہے کہ اس عالم خاص گزر جانے کے بعد بھی عہد الاستفسار نہایت ہی مشکل سے اپنی اس منافرت کا خود اقرار فرماتی ہیں۔

(۵) سیرۃ النبی کے اسی صفحہ میں مرقوم ہے۔

مبشر ایک چوڑا سا نیزہ رکھتے ہیں اور جس طرح ہمارے ملک میں پڑھاتے ہیں۔ مبشر بھی ایسی ہی

اسی سے اس واقعہ کی لغویت اور موضوعیت کی ترکیبوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ خود ناقل حدیث
شبلی صاحب اس فعل کا مسجد رسول کی ایسی جائے مقدس میں واقع ہونا قابل ذکر نہیں سمجھتے۔ اس لئے
ذکر مسجد کو ترک کر کے صرف حضرت عائشہ کی غایت محبت کے مدعا سے ثبوت کو نقل فرمادیتے ہیں۔ مگر
افسوس خانہ خدا کی توہین کا تو خیال کیا گیا مگر خانہ رسول معلّم کی تضحیک اور بے حرمتی کا کوئی لحاظ نہ فرمایا گیا
اور ناموس رسولؐ کو عورتوں کا بھی نہیں۔ مردوں کا برسر عام تماشا دکھلایا گیا۔ وہ مرد بھی کون؟ غیہ قوم۔
غیر جنس اور غیر ملک کے رہنے والے۔ وہ آڑ ہی سے سہی اور وہ آڑ بھی شوہر ہی کی آڑ سہی۔ اعتراض
آزاد عمل سے ہے۔ صورت عمل سے نہیں۔ جب اصل عمل ہی عام شرفا کی حیا و غیرت اور اخلاق و آداب
معاشرت کے خلاف ہے تو لغو و بائسٹرا اس کے ارتکاب کی نسبت اس ذات قدسی صفات کی طرف من
کیسے دیجا سکتی ہے۔ جو حکم اِنْدَکَ لَعَلِّیْ خَلْقِیْ عَظِیْم۔ اخلاق الہیہ کا خاص نمونہ بنا کر دنیا کی تعلیم ہدایت
کے لئے نازل فرمایا گیا تھا۔

ایسے مانع تہذیب و ادب افعال کو نفوذ باللہ عمل رسول نے نسبت دیجاتی ہے اور مسجد رسول
تشانہ گاہ بنائی جاتی ہے۔ مگر نہیں معلوم آگے چلکر اس عمل رسول پر عمل امت کیوں نہ قائم ہوا۔ کیونکہ
اس واقعہ کے بعد اس وقت سے لیکر اس وقت تک۔ پھر مسجد میں ایسے شانہ دکھائے جانے کا
کہیں ذکر و تذکرہ نہیں ہے۔۔۔ اسی سے سمجھ لیا جائیگا کہ اس بے سرو پایا اور محض کذب و افترا کی حقیقت

کیا ہے۔ حضرت عائشہ کی فضیلت کے ایک اظہار یہ عائد ہے کہ کتنے محرمات کے ارحام کا خون کر دیا۔ اور ان موصوفہ محترمہ کی فضیلت ثابت ہونے کی جگہ معاشرت رسول پر مبنی اخلاق و آداب الزام لگانے کا مخالفین اسلام کو موقع مل گیا۔

بشلی صاحب کی ادب شناسی تاہم غنیمت تھی کہ انہوں نے نقل و حدیث میں اگر رسول کی نہیں تو مسجد رسول صلعم کی حرمت کا خیال کر کے ذکر مسجد سے چشم پوشی اختیار فرمائی۔ مگر صد آفریں ہے ابو داؤد صاحب اور ترمذی صاحب کی جرأت و دلیری پر کہ ان صاحبوں نے بلا لحاظ و پاس مسجد رسول کو ان لہویات کی تماشہ گاہ بنایا۔ لطف پر لطف تو یہ ہے کہ ان کے ہود و لعب ہونے کا اقرار اور اوں کی عملی ترکیبوں کا اظہار بھی درج کتاب فرما دیا۔ ان لغویات سے اتنے مفسد پیدا ہوتے ہیں جو ہرگز قابل ذکر نہیں۔ اُم المؤمنین کی چاہے کتنی فضیلت نہ ثابت کی جائے مگر ان کا معصوم ہونا کسی طرح ثابت نہیں۔ اس بنا پر اگر انہوں نے دزدیدہ رنگا ہی سے ان مردانہ کھیل تماشوں کو دیکھ بھی لیا تو اتنا قابل اعتراض نہیں۔ مگر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عصمت عدالت و مروت کے ہرگز شایاں نہیں ہے کہ بالنفس المنفیس خصوصاً مسجد میں ان لہویات کو خود بھی بشارت فرمائیں اور پروگبان عصمت کو بھی اسکی سیر کرائیں لغو و بالہ من ہذہ المہفوات۔

(۶) صفحہ ۳۴۹ میں مرقوم ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ سے آپ نے کہا کہ آؤ تیز قدمی میں مقابلہ کریں۔ حضرت عائشہ اس وقت دہلی تہی تھیں۔ آگے نکل گئیں۔ جب سین زیادہ ہوا اور پر اندام ہو گئیں تو پھر مقابلت کی نوبت آئی۔ اب کبار و پیچھے رہ گئیں۔ آپ نے فرمایا یہ اس دن کا جواب ہے۔ بحوالہ ابو داؤد۔

کون پیچھے۔ اس سے حضرت عائشہ کی کیا فضیلت ثابت ہوئی۔ اگر پہلی بار جیت بھی گئی تھیں تو پہلی بار ہار گئیں۔ افسوس ایک حضرت عائشہ کے اظہار فضیلت نے کاشانہ نبوت میں ہلچل ڈال دی اور مشکوے رسالت کی خاک اوڑا دی۔ حضرت عائشہ کو ازواج مطہرات کے طبقہ میں ان خوش فعلیوں کے مقابلہ اور ان زندہ دلیوں کے موازنے کے لئے کوئی قانون محترمہ ایسی نہیں ملتی تھیں۔ جن کے ساتھ وہ تیز رفتاری کا امتحان دیتیں۔ اور نہ لغو و بالہ آنحضرت صلعم کو اپنے مہاجر و انصار میں کوئی شخص ایسا نظر آتا تھا جس سے تیز رفتاری میں مقابلہ کیا جاتا۔ کس قدر شرمناک ہے کہ ایک مرد اپنے صنف ضعیف اور جنس نازک کے ساتھ تیز رفتاری کا مقابلہ کرتا ہے اور ایک بار ناکامیاب مگر دوسری بار

کامیاب ہو کر اس سے اپنی تیز رفتاری پر فخر و مباہات کرتا ہے۔ کس قدر عبرت ناک ہے کہ عصمت سرایہ نبوت کی خلوت و جلوت کی صحبتیں۔ اور اون کے عزیز اوقات ان اقسام کے لہو یاست۔ دوزخ و دہوپ اور اوجھل کود میں ضائع کئے جائیں۔ استغفر اللہ ربی۔ یہی لغویات عیسائیوں کی تعریفات کے اصلی ماخذ ہیں اور یہی تشویات اون کے تمام مغویانہ مفاسد کے حقیقی باعث۔ حالانکہ نہ ان کی کوئی اصل ہے نہ حقیقت۔ صرف کذب و افتراء کا طومار ہے اور موضوعات و مصنوعات کا انبار۔

دفعۃً احادیث میں فضیلت حضرت عائشہ کی داستان اتنی طول طویل ہے۔ جس کی شرح و بیان خارج از امکان ہے اس بنا پر ہم اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں پسند کرتے۔ ام المؤمنین کی فضیلت اور محبت رسولؐ کے متعلق ابتدا اور انتہا کی ایک ایک روایت کو اور لکھ کر ہم اس مضمون کو تمام کر دیتے ہیں۔

محبت رسولؐ کی ابتدا صحیح ترمذی کی مفصلہ ذیل حدیث سے قائم کی جاتی ہے۔

ذیاب جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ حضرت جبریلؑ حریز بن کے ایک بارچہ پر حضرت عائشہ کی ایک تصویر کبھی ہوئی لے آئے اور مجھ سے ارشاد کیا کہ یہ آپ کی دنیا و آخرت میں زوہب ہے۔

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جبریل جاء بصورتها في خرقه حریز خضر آء وقال هذا عند جنتك في الدنيا والاخرة

اس حدیث کی موضوعیت اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف سے ظاہر ہے۔ اس لئے اس کے متعلق کسی تنقید کی ضرورت نہیں۔ ہاں استغناء بات لکھ دینا ضروری ہے کہ یہ وہ شرف ہے جس سے جناب خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا بھی محروم ہیں۔ حالانکہ حضرت عائشہ نے ان محترمہ کی سارا زواج مطہرات پر فضیلت رکھنے کے مسئلہ کو خود خدمت رسولؐ سے رو در رو مقابلہ کر کے طے کر لیا تھا۔ (مشکوٰۃ باب ثبوت ازواج) اور ان کی افضلیت کے اوصاف و اسباب کو خود مخبر صادقؐ کی زبانی سن لیا تھا۔ مگر بائیں ہمہ خدا نے شرف زوجیت کا اظہار انھیں کی روٹائی سے آغاز فرمایا اور علیہ مکرمہ حضرت خدیجہ ع کے فضائل و مناقب کو زیر نقاب رکھا۔ حالانکہ اون کے محترمہ کے زمانہ زوجیت رسولؐ میں حضرت عائشہ کی تصویر کسی ان کی زوجیت کا تصویر بھی قائم نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح آپ کی تصدیق رسالت فرمانے اور ایمان لانے کا وہ وقت تھا کہ سوائے جناب خدیجہ ع کے کوئی نفس واحد اس وقت تک نہ خدا کو خدا جانتا تھا اور نہ رسولؐ کو رسولؐ۔ تعجب ہے کہ معطیات قدرت نے اس شرف خاص کی عطا کئے جانے کے وقت حضرت خدیجہ ع کے ساتھ اتنی ناتواپی اور غفلت شعاری دکھلائی اور حضرت عائشہ کے ساتھ اتنی

گرم اشاری اور جانبداری سے کام لیا۔ اِنَہَذَا لَشَيْءٍ عَجَابٍ

صرف اسی روشنائی پر اکتفا نہیں کی گئی۔ بلکہ خداوند عالم نے آپؐ کا خطبہ نکاح بھی پڑھ دیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے اسی صحیح ترمذی میں یہ روایت مرقوم ہے۔

عن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال جبریل ان اللہ قد تزوجک باہنۃ ابی بکر معہ صور تھما۔
ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جبریلؑ نے کہا کہ خدا نے آپؐ کو حضرت ابی بکرؓ کی صاحبزادی سے بیاہ دیا اور اسکی تصویر بھی اونکے ہمراہ تھی۔

اب نہیں معلوم کہ یہ نکاح حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد واقع ہوا یا قبل اگر قبل واقع ہوا تو یہ حدیث متفقہ جمہور کہ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے قبل کسی کے ساتھ نکاح نہیں فرمایا۔ غلط ہو گئی۔ اور اگر بعد ان کے واقع ہوا تو دوسری حدیث مسلمہ جس سے جناب خدیجہؓ کی تقدیم و تفصیل تمام اہل ایمان یقیناً ثابت ہوتی ہے۔ جوٹی ہو گئی۔ فالظر اوقتہ ہر روا

ابتداء فی فضیلت تو یوں ہوئی انتہا بھی ملاحظہ فرمائی جاوے۔ زرقانی جلد دوم صفحہ ۲۶۶ میں

مرقوم ہے۔

رووی بوالحسن الخلی عنہما رفعتہ یا عائشہ انہ لیہون علی الموت انی قد رأیتک زوجتی فی الجنۃ ورواہ ابن عساکر بلفظ ما ابالی بالموت مذ علمت انک زوجتی فی الجنۃ والسلف بلفظ ھون علی الموت انی رأیت عائشہ فی الجنۃ ورواہ ابن عساکر بلفظ ھون علی الموت انی رأیت عائشہ فی الجنۃ کانی انظر الی بیاض کفہما لیہون بذلک عندی موتی

ابوالحسن الخلی نے بطریق مرفوع حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ کو بہشت میں اپنی زوجہ دیکھ کر مجھے اپنی موت پر رغبت ہوئی اور اس مضمون کو ابن عساکر نے ان الفاظ میں لکھا ہے کہ مجھ کو اس وقت تک اپنی موت گوارا نہ ہوئی جب تک کہ مجھ کو اس امر کا علم نہ ہو گیا کہ تو بہشت میں میری زوجہ ہوگی اور امام احمد ابن حنبل نے بطریق مرفوع روایت کی ہے کہ میں نے بہشت میں عائشہؓ کو دیکھا۔ اور صرف اونکی تمثیل کی سفیدی مجھے دکھائی گئی۔ اور یہی میری رغبت الی الموت کی باعث ہوئی۔

آخر ان لغویات کی کوئی عدا بھی ہے۔ آخر وقت تک جب خدا سے لو لگی ہوئی ہے۔ یہ وہی صلہ کا محبت عائشہؓ میں یہ عالم ہے کہ نہ آپؐ کو رجوع الی اللہ کی نسبت کسی فرحت و اطمینان کا خیال ہے اور نہ الریشی الاعلیٰ کے ساتھ شرف وصال حاصل ہونے پر کوئی روحانی سرور لاحق ہے۔ لغو واللہ

خدا کی قربت اور اس کے وصال سے شخص مفارقت عائشہ کے حزن و ملال کی وجہ سے اس وقت تک کراہیت کی جاتی ہے۔ جب تک یہ علم و یقین کامل طور سے نہیں ہو لیتا ہے کہ وصال الہی کے ساتھ وصال حضرت عائشہ بھی حاصل ہو گا۔ یا احمد ابن حنبل کے الفاظ میں اس وقت تک اپنی موت گوارا نہیں کی جاتی جب تک کہ حضرت عائشہ کی صورت اگرچہ بقدر کف دست ہی کیوں نہ ہو بہشت میں نہیں دیکھ لی جاتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان لغویات احادیث نے نہ خدا کو خدا رکھا اور نہ رسول کو رسول۔ خدا اپنے رسول کو اپنی قربت کی طرف بلاتا ہے اور محبت عائشہ ہے کہ وہ اپنی سمیت کہنے لے جاتی ہو۔ کرشمہ دامن دل مسکینہ کہ جا اینجا ست

آخر میں ہے ان علما کی فکر کار یوں پر اور محدثین کی ان کار گزار یوں پر جنہوں نے حضرت عائشہ کے فضائل و مناقب کی تدوین و ترمیم میں خدا کی منزہ ذات و صفات اور اس کے معصوم اور سچے رسول صلعم کے اخلاق و عادات پر اتھام پرا تھام باندھے اور مخالفین اسلام کو انواع اقسام کے الزام لگانے کا پورا موقع دے دیا۔ ایک حضرت عائشہ کی افضلیت و محبت ثابت کرنے کی کوششوں میں آسمان زمین کے قلابے ایک کر دئے۔ تو کار زمین را نکو ساختی باز کہ بر آساں نیز پروا خستی۔

فقہی روایات میں ان لغویات کی کتابوں سے لیکر لکھی گئیں۔ ان شرمناک واقعات نے عصمت و حرمت کی ناپاک صورتیں

رسالت اور حیا و عزت نبوت کی جو حالت پہنچائی ہے۔ وہ عبرت للناظرین بکر دنیا کے پیش نگاہ ہے۔ ان سے زیادہ ان لغویات کی ناپاک صورتیں تو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں جن کے ذکر و بیان سے نفوذ باللہ رسول اللہ صلعم کی پاک و پاکیزہ معاشرت کو تعیش دنیاوی اور جذبات نفسانی کا مرتع بنا رکھا ہے۔ اور ان لغویات کی نسبت حضرت عائشہ کی تمنا ذات سے کی جاتی ہے۔

راہ مبطلات صوم کے ذکر میں۔ ررقانی شرح موطا سے امام مالک میں لکھتے ہیں :-

امام بیہقی حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت صوم میں میرا لبہ لیتے تھے۔ اور میری زبان چومتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی باتیں جو میاں بی بی میں تھیں ان کا ظاہر کرنا ضرورت کیلئے جائز ہے۔ حالانکہ بلا ضرورت بیان منہی عنہ ہے۔ یعنی نہ بیان کرنا چاہیے۔

للبيهقي عن عائشة (أنه صلى الله عليه وآله وسلم كان يشبهها وهو صائم ويحيي لسانها وفيه مجاز لا يخبر عن مثل هذا مما يجري بين الزوجين على الجملة للضرورة وإنما في حال غير الضرورة لمنه عن ذكره في شرح موطا ص ۹۳ ج ۲)

اب اسیر حضرت عائشہ کی ترقی دیکھئے :-

ان عائشہ بنت طلحہ بن عبد اللہ احد العشرۃ
المقرینۃ الیتمیۃ ۴۲ عمران كانت فائقة الجمال
فقه روى لها الستة اخبرته ان لها كانت
عند عائشہ زوجہ النبی فدخل علیہا زوجہا
هنالك وهو عبد اللہ ابن عبد الرحمن ابن
ابی بکر الصديق الیتمی تابعی روى له شیخان
وغیرہما وهو صائم فقالت عمتہ عائشہ
ما يمنعك ان تدنو تقرب من اهلك زوجك
فقبلها وتلا علیہا یمس البشیرۃ دون جماع و
لعلها فصدت افادته انکم ولا فمعلو ۴
انہ لا یقبلہا بحضور عمتہ عائشہ ۴۲ المؤمنین
وقال ابو عبد الملك تزد ما يمنعك اذا
دخلتار یجتمی انہا شکت لعمیشہ قلة حاجۃ
الی النساء و سالتہا ان تکلمہ فادتہ بذلك
او ضیم عندہا لکہ نفسہ فقال قبلہا وانا
صائم شرع یوطاس ۴۲

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ عائشہ بنت طلحہ حضرت عائشہ کی بہانچی
تھیں اور نکاح عبد اللہ ابن عبد الرحمن ابن ابی بکر صدیق
کے ساتھ ہوا تھا وہ ثقہ تھیں اور مشہور صاحب جلال اور سخی
چرا عادت مروی ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم ایک دن
حضرت عائشہ کے پاس بیٹھے تھے کہ میرا شوہر آیا۔ اور وہ
روزہ رکھے تھا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ بیٹا تم اپنی بی بی سر
حالت صوم میں بوسہ دکنار کیوں نہیں کرتے۔ لایق بھیتجا جواب
دیتا ہے کہ ہاں ہوتا تو ہے۔“

لفظی ترجمہ بوجہ عدم تہذیب کے ترک کیا گیا۔ صرف
مفہوم اور مراد روایت کے بیان سے کام کیا گیا ہے۔

اب حضرت عائشہ نے اس حدیث کو جس انداز بیان سے ادا فرمایا ہے۔ وہ بھی اسی محدث
کے الفاظ ہیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم حالت صوم میں اپنے لبس ازواج کا بوسہ لیتے
تھے۔ یہ کہہ کر وہ ہنسیں اور سلم بن حضرت عائشہ نے کہا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا بوسہ لیا اور وہ

عن عائشہ ۴۲ المؤمنین انہا قالت ان کان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقبل بعض
ازواجہ وهو صائم فضیحت اما فی کان
یقبلنی وهو صائم او ام سلمہ مکافی البخاری

۴۲ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ۔ حضرت ام سلمہ کے ذکر مرقوۃ بالا میں۔ بخلاف مسلم وغیرہ کے۔ امام
بخاری صاحب الکمل منفرد ثابت ہوتے ہیں۔ حالانکہ امام مسلم نے ایک روایت میں عائشہ سے اور ایک میں حفصہ

او حفضہ کما فی مسلم البضا لکن الظاہرات
کلا منہما اتھا اخبار عن فعلہ معھا۔
زرقانی ص ۹۳

روزہ سے تھے یا ام سلمہ کا اور مسلم کی دوسری حدیث میں ہے
کہ حفضہ کا حاصل یہ ہے کہ بطور ظاہر سب کا بیان ہے کہ
ہمارا بوسہ لیتے تھے۔

ناموس رسول کی بے حرمتی اوس کی پاک معاشرۃ کی غارتی ہیں تاکہ پہنچا کر اگر ختم کر دی جاتی۔
تاہم غیبت تھی۔ مگر یہاں تو لفظ لفظ کی تفصیل اور حرف حرف کی تصریح سے حضرت عائشہ کی نفیادت
کے نکتوں پر نکتے لگا لیتے ہیں لیکن ان تمام طومار بیکار ہے سوائے توہین انگیز اور مفسد خیریتوں کے
کوئی فائدہ نہیں نکلتا۔ اب زرقانی صاحب عبارت حدیث میں لفظ "نفیادت" یعنی حضرت عائشہ کے
ہنس دینے کی توجیہات ان الفاظ میں قلمبند فرماتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵۔ اس سے اس عمل کو لکھتا ہے۔ مگر بخاری صاحب نے یہ کوشش کی ہے کہ ام سلمہ کو شامل
کر لیں۔ اس غرض سے کہ ازدواج مطہرات میں بقول جمہور حضرت ام سلمہ حضرت عائشہ کی مخالفت پارٹی میں شامل تھیں
زرقانی صرف بخاری کی نقل عبارت حدیث پر استفاک ہے اور سلسلہ رواۃ وغیرہ کے نقل کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے
ہم ایک رجال کی تحقیق سے بالکل مجبور ہیں۔ مگر اتنا ضرور لکھ کر بتا دیں گے کہ جناب ام سلمہ کے طرز عمل سے یہ حدیث
بخاری بالکل جوٹی اور وضعی ثابت ہوتی ہے۔ اسوجہ سے کہ آنحضرت صلعم کی ازدواج مطہرات میں یہ رہ خیر
بہتر ثابت ہوتی ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواستگاری نکاح کے وقت ہی اپنے خیر
ہونیکا اظہار فرمایا تھا اور اپنے غیرت داری کے تقاضہ کو آئندہ قصد مناکحت کا مانع ٹھہرایا تھا۔ اور جو شرائط
نکاح کے تھے ان میں سب سے پہلے اپنے خیر ہونے کا اظہار تھا۔ ہم اس مقدسہ کے حالات مولوی شبلی
صاحب کے خاص الفاظ میں حسب ذیل دیکھاتے ہیں۔

ان کے شوہر ابوسلمہ بڑے شہسوار تھے۔ مشہور غزوات بدر و احد میں شریک ہوئے۔ غزوہ احد میں چند زخم
کھائے اور ان کے صدقات سے جانبر نہ ہو سکے جہاں ہی مسلمانوں میں وفات پائی ان کے جنازہ کی نماز بڑے اہتمام
سے پڑھی گئی۔ آنحضرت صلعم نے نو تکبیریں کہیں لوگوں نے نماز کے بعد پونچھا یا رسول اللہ آپ کو سو تو نہیں ہوا۔
فرمایا ہزاروں تکبیروں کے مستحق ہیں۔ ابوسلمہ کی وفات کے وقت ام سلمہ حاملہ تھیں وضع حمل کے بعد جب عادت گزر گئی
تو انہوں نے (مفصلہ ذیل) جب عذر پیش کیے۔ (۱) میں سخت غیر عورت ہوں۔ (۲) صاحب عیال ہوں۔

(۳) میرا سن زیادہ ہے۔ (اللہ اللہ کس قدر متانت۔ صفائی اور عدالت ہے) آنحضرت صلعم نے ان تمام زحمات کو
گوارا فرمایا۔ ازدواج مطہرات میں حضرات عائشہ کے بعد فضل و کمال میں انہیں کا درجہ ہے (نفس خود غرضانہ فیصلہ
اور ترجیح بلا دلیل ہے) ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے (ہم اوس کی تہنید و تصحیح کریں گے)

توجیہ اول نلینہا علی اٹھا صاحب
القصة۔
یعنی ام المومنین حضرت عائشہ اسلمے سنیں کہ معلوم
ہو جائے جسکا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت صلعم جس کا

یوسہ لیتے تھے وہ میں ہی ہوں۔

مگر انوس۔ اس کی کوئی وجہ نہیں دکھائی جاتی کہ اس محدث کو رسول صلعم کے اس افشاء رائے
کی نسبت حضرت عائشہ ہی کا اقرار کیوں ملا۔ اور حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ کی نسبت وہ اس
کے اظہار کو نہ پاسکے۔ صرف اس لئے کہ مراد ہے صرف حضرت عائشہ کی افضلیت سے۔ اسلمے
صرف انہیں کی نسبت اس فضیلت و افضلیت کی تفصیل کی گئی۔ مگر بفرض محال۔ اگر نعوذ باللہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶۔ روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہ کے سوا تمام بیویوں پر انکو فضیلت
حاصل ہے حضرت عائشہ کے موضوعات مشہور ہیں اور ان کی ایک حدیث بھی موضوع نہیں۔ یہی فرق مالہ البیان
کافی ہے) صلح حدیبیہ میں جب صحابہ کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی سے نال تھا تو حضرت ام سلمہ ہی کی تدبیر سے
پیشکل حل ہوئی۔ اور یہ اون کی دانشمندی اور عقل و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں
تفصیل تمام درج ہے۔ سیرۃ النبی جلد دوم ص ۳۰

ایسی صاحب جامعیت و قابلیت اور ایسی صاحب حیا و غیرت خاتون۔ عام فطرت نسوانی کے خلاف۔
ناحرم مردوں کے مجمع میں تبلیغ کی ضرورت ہی اسے کیوں نہ ہو۔ اپنے راز خلوت کی یوں چھوڑ کٹائی کرے اور اس صفائی
سے اپنے شوہر کے اختلاط کی باتوں کو دھڑا دھڑ بیان کرے۔ کہی کوئی آدمی خیال کر سکتا ہے کہ یہ خاتون با عصمت و
عفت وہی ہے۔ جو اپنے غیور ہونے کی نسبت اس ثنائت اور استقامت سے دعوے پیش کرتی تھی۔ لاوائسہ
یہ بخاری صاحب کی صریح کا زبانہ قلم کار ہی ہے۔ اور کچھ ہی نہیں۔ جو صحابہ کی طرح طبقہ ازواج مہجرات
میں مسادی فی المذاہج کا اصول تعمیم قائم کرنا چاہتے ہیں۔

ہم اس خاتون معظّمہ و محترمہ کی غیرت و حیا داری کی ایک اور مثال ذیل میں لکھ کر اس بحث کو تمام کر دیتے ہیں۔
صحیح مسلم ص ۳۳۳ میں مرقوم ہے کہ سلیم انصاری نے خدمت رسول میں آنے کی اجازت مانگی۔ آپ اسوقت ام المومنین
حضرت ام سلمہ کے گھر میں تھے اجازت ملی۔ اندر آئے۔ رسول صلعم سے سلیم نے دریافت کیا کہ کیا عورتوں کو بھی اختتام ہوتا
ہے۔ جناب ام سلمہ نے سلیم کو ڈانٹ کر کہا کہ تم مسئلہ پوچھتے ہو یا عورتوں کو فضیلت کرتے ہو؟ ایسی غیرت مند اور حیا دار عظیمہ جو مسئلہ
شرعیہ کے استفسار میں بھی۔ عام جنس نسوانی کے متعلق اتنا کٹھن نہ ہو جتنا چاہتی ہو اور یہاں تک مسئلہ کو نور اوکلی ایسی برسر حرکت پر تنبیہ
فرماتی ہو۔ وہ نعوذ باللہ اس ہیجائی سے اپنا بیان آپ کر سکتی ہو! ان هذا ابتداء لاجلنا
مراد عفتی عنہ

بوس و کنار ہی پر فضیلت و اقتدار ازواج مطہرات کا دار و مدار ہے تو تاہم۔ باسناد صحیحین۔ حفصہ اور ام سلمہ دونوں اس فضیلت میں شامل ہیں۔ پھر حضرت عائشہ کی فضیلت کیسی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اب دوسری اور تیسری توجیہ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

حضرت عائشہ کو اسوجہ سے منہی آئی کہ انہوں نے وہ بات بیان کی جس کے تذکرہ سے مردوں کے سامنے فطرتاً عورتیں شرعاً ہی مگر صرف تبلیغ علم کی ضرورت نے انکو مجبور کیا کہ اس واقعہ کو بیان کیا۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ اس بیان سے اون کو سرور ہوتا تھا۔ اور یاد آتی تھی حضرت کی وہ محبت اور لطف و مدارات۔ جو اون کے ساتھ تھی۔ چنانچہ پہلی کی حدیث ہی عائشہ سے کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم حالت صوم میں ہمارا بوسہ لیتے تھے اور زبان چوستے تھے۔

(۲) اَوْ تَعْبُدَتْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ إِذَا حَدَّثَتْ بِمِثْلِ هَذَا مِمَّا يَسْتَحْيِ الْإِنْسَاءُ مِنْ ذِكْرِهِ لِلرِّجَالِ أَلَيْسَ لَهَا ضَرُورَةٌ تَبْلِيغُ الْعِلْمِ إِلَى ذِكْرِ ذَلِكَ.

(۳) اَوْ سَرَّ ابْنُ مَكْنَاهَا مِنَ النَّبِيِّ وَحَالَهَا مَعَهُ وَمَلَا طِفْطَةً لَهَا وَحَبِيبَةً وَابْنَةً عَنْهَا إِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَيَمُتُّ لِسَانَهَا مَرَّةً.

یہ فاضل شایع ان واقعات کی رکاکت کا خود ناقل بھی ہے اور قائل بھی۔ خود کہتا ہے۔ مِمَّا يَسْتَحْيِ الْإِنْسَاءُ مِنْ ذِكْرِهِ لِلرِّجَالِ۔ فطرتاً عورتیں ان اقسام کے تذکرے مردوں کے سامنے کرتے ہوئے شرعاً ہی۔ مگر بار بار یہی ذکر کئے جاتے ہیں اور رسول صلعم سے ذرا بھی نہیں شرعاً تاکہ اس کے خاص ناموس کو اتنا بے غیرت سمجھ کر اس کے منہ سے خلاف عادات نسواں مردوں کے مجمع میں اپنے آپ بیان کر آتا ہے۔ لا حول ولا قوۃ۔ پھر خلاف عادات نسواں تیسری وجہ منہی کی غایت محبت رسول بتلاتا ہے۔ حالانکہ عورتوں کا خاص قاعدہ ہے کہ اگر لبس بلی تذکرہ دے اپنے شوہر متوفی کا ذکر کرتی ہیں۔ یا اس کے لطف و مدارات کو یاد کرتی ہیں تو بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر لاتی ہیں۔ اور اس کی یاد میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہیں۔ مگر یہ فاضل شایع حرم رسول صلعم کے متعلق تمام خلاف فطرت امور جائز رکھتا ہے اور خدا و رسول سے ذرا بھی نہیں ڈرتا۔ استغفر اللہ۔

ان انویات کے نشر و اجرا کا نتیجہ ہوا کہ حالت صوم میں بوس و کنار سنت قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ حقیقت صرف جواز سے آگے نہیں بڑھتی۔ مگر حضرت عائشہ کے طومار مرویات جو انکی فضیلت اور رسول اللہ کے ساتھ مفرد محبت رکھنے کے ثبوت میں جمع کئے گئے۔ ان قابل اعتراض حرکات کو حکم شریعت قرار دے لیا گیا۔ چنانچہ زرقانی لکھتے ہیں۔

وَإِذَا لَظَّاهَرِيَةً لِبَطْنِهَا هَذَا يُعْمَدُ بِشَيْءٍ فَيُجْعَلُ الْقَبْلَةُ (زید ظاہریہ) (جواب حدیث کا استاد فرقہ ہے) اسکا فائل

لَا صَائِمٌ سَنَةً وَ قَرِيبٌ مِّنَ الْقَرِيبِ اقْتِدَاءُ لِفَعْلِهِ

ہے کہ روزہ دار کو بوسہ لینا سنت ہے اور موجب قربت ہے کیونکہ آنحضرت صلعم یہ کام کرتے تھے۔

اس مسئلہ خاص میں تمام علماء محدثین سے زیادہ قیامت کی ہے تو امام بخاری نے کہ بوسہ بازی کو حالت صوم میں صرف سنت رسول صلعم ہی قرار دینے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس پر اور اضافہ یہ فرمایا کہ اپنی بیوی سے ایک خاص باسیا اس امر کا یا نہ ہا کہ روزہ دار اپنی زوجہ کے ساتھ مباشرت کرے۔

چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

آنحضرت صلعم حالت صوم میں بوسہ لینے تھے اور مباشرت کرتے تھے اور تھے حضرت بڑے مالک اپنے عضو خاص کے۔

سَوَّانُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَبَاشَرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَ سَوَّانُ اسْلَامِ الْأَرَبِ

محدثین سے زیادہ تو ان کے شارحین حدیث زیادہ بے شرم ثابت ہوئے ہیں:۔

وزقان صاحب شرح موطا اپنی شرح میں اسی حدیث بخاری سے استدلال فرماتے ہوئے

لکھتے ہیں:۔

حضرت عائشہ نے اس حدیث میں کل انواع شہوات کو درجہ بدرجہ بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ پہلے بوسہ کا ذکر کیا۔ پھر مباشرت کا جس کے معنی معانقہ دست بازی وغیرہ کے ہیں۔ پھر مجامعت کو کناہ سے بیان کیا۔ لفظ ارب سے۔ اب اس سے بڑھ کر کیا فصاحت ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے فرقہ ظاہریہ نے بوسہ بازی کو داخل سنت کر لیا جو کہ اس سے اسید ثواب ہے۔ اور اسکا رد یوں کیا گیا ہے کہ حضرت اپنے عضو خاص کے بڑے روکنے واسطے تھے۔ کہ دوسرا آپ کے ایسا ممکن نہیں تھا۔ غرض صورت مسئلہ یہ بھری کہ تنہا بوسہ لینے یا مباشرت کر نیسے تا وہ قبیحہ انزال منی نہ ہو۔ روزہ باطل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مذہبی

ذَكَرَتْ الْأَنْوَاعَ الشَّهَوَاتِ مَرْتَقِيَةً وَالْمَعَانِقَ وَارَادَتْ أَنَّ تَقْدِيرَ الْجَمَاعَةِ تَكُنْتُ عَنْهَا بِالْأَرَبِ وَاحِي عِبَارَةً أَحْسَنَ مِنْهَا وَاقْتِدَاءُ لِفَعْلِهِ بِظَاهِرِ هَذِهِ الْحَدِيثِ فَيَجْعَلُ الْقَبْلَةَ لِلصَّائِمِ سَنَةً وَ قَرِيبَهُ مِّنَ الْقَرِيبِ اقْتِدَاءُ لِفَعْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَرَدَّ بِأَنَّهُ كَانَ جَمَلًا نَفْسَهُ فَلَيْسَ كَغَيْرِهِ وَكَيْفَ مَا كَانَ لَا لِفِطْرٍ لَا بِأَنْزَالِ الْمَنِيِّ وَلَوْ مَذَى وَحَبِ الْقَضَاءِ عِنْدَ مَالِكٍ وَلَا شَيْءٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ الشَّافِعِيِّ وَشَدَّ قَوْمٌ فَقَالُوا لَوْ جَرَدَ الْقَبْلَةَ بَطَلَ الصَّوْمُ

در طوبت قبل منی) نکلے تو امام مالک کے نزدیک روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک کچھ نہیں۔ مگر یا نہیں۔ ایک قوم (طبقہ علم) کہتی ہے کہ محض بوسہ لینے ہی سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

ہم ان لغویات کی تنقید و تحقیق میں ایسا عزیز وقت زیادہ صرف کرنا نہیں چاہتے جتنے ہم جتنا لکھ چکے وہی ضرورت سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر آخر میں ہمارے لئے یہ لکھ کر بتلادینا بھی ضروری ہے کہ صوم سے مراد الہی کیا ہے؟ یہی نہ کہ انسان کی تمام خواہشات روزہ رکھنے سے کم ہوں۔ انسان صبر و تحمل سے اپنی تمام خواہشات نفسانی پر قابو پاسکے۔ انسان میں۔ انکسار و تواضع۔ صبر و تحمل اور ذماعت و استقامت کے جو ہر پیدا ہوں۔ آدمی خدا کی یاد میں مجبور ہو۔ اور حالت صوم میں وہ مشاغل اختیار کرے۔ جن سے صفات مذکورہ بالا کی مشق و تعلیم حاصل ہو۔

بخلاف ان امور کے واقعات مذکورہ بالا ہے۔ جو خاص طور پر فقہ اسلام کے احکام ثابت ہوتے ہیں ان مشاغل کے مخالف طریقہ عمل اختیار کرنے کی تنبیہ و تاکید معلوم ہوتی ہے۔ صرف کہانا پینا بند تو ہے۔ مگر اور سب جائز ہے۔ لغو و بالشر۔ ہاتھ مساس کے لئے۔ مونہ بوسوں کے لئے۔ تو اس بنا پر ہر شخص نہایت آسانی سے خود تصفیہ کر لے گا کہ یہ احکام صیام مدعا سے الہی کے بالکل مخالف ہیں۔

حقیقت مدعا پر اگر تحقیق کی نظر ڈالی جائے تو اس طواری کی مقد۔ اور فقط اتنی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی صائم سے محض اتنا تا یہ فعل صائم ہو گیا تو مبدل صوم نہ ہو گا۔ چنانچہ حضرت عمر کے خاٹن نے اس مسئلہ کی ابتدا ظاہر ہوتی ہے اور وہ صحیح نسائی اور ابوداؤد میں حسب ذیل مرقوم ہے۔

عن حماد بن الخطاب ہششت قبلات و
انا صائم فقلت یا رسول اللہ صلعم صندت
الیوم امراً عظیماً قبلات و انا صائم قال
ارایت مضمضت من الماء و انا صائم
قلت لا یا میں بہ قال فہو
بات تو اتنی تھی۔ مگر عقیدت مندوں نے حضرت عائشہ کی فضیلت و محبت۔ حضرت عمر کی روایت اور نیز اس حکم لطف انگیز کو شہرت دینے کی ضرورت سے۔ ذرا سی بات کا تشکر کر دیا۔ نہ خدا کو چھوڑا نہ رسول صلعم کو حضرت عائشہ پر جو ہوا ہشام لگا ہے۔ وہ ایک ایک کر کے اوپر لکھ دئے گئے۔ اب اس حکم سے حضرت عمر کے خاص ناموس کی جتنی اور جیس پر وہ دری کی گئی ہے۔ وہ زرقانی کی ششدری موطا کی مشعلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائی جاوے۔

ان عاتکہ انہ فی ریحانہ بنت ابی حمزہ | تاکہ نیت زید۔ زوجہ حضرت عمر ابن الخطاب حضرت عمر

و یفقر العین ابن یقبل یضم النون فایم المفاع و
سکون التختانیہ و لام لقرشیہ العلق بہ
صلی بتم من المہاجرات وھی اُخت سعید بن
زید احد العشرۃ امراء عمر بن الخطاب بن عجمک
تقبل براس عمر بن خطاب وھو صائم یجیدہ بلا
لذۃ فلا یفھا وکانت مہینۃ یملئہ

کس قدر شرمناک ہے کسی شریف گھر کی عورت کے لئے یہ کہنا اور لکھنا کہ وہ اپنے شوہر کا پوسہ لیتے ہوئے دیکھی گئی۔ اور اس سے زیادہ عبرت ناک ہے۔ اس عورت کا خود اور لوگوں سے اپنے اس فعل کا اتر کر کرنا۔ اور اپنی خلوت کے پردوں کو خود اپنے ہاتھوں سے چاک کرنا۔ اگرچہ واقعہ کی حیثیت سے یہ واقعہ کتنا ہی صحیح اور اصلی ہو۔ مگر اخلاق انسانی اور حیاسے نسوانی کے لحاظ سے اسکا ذکر و تذکرہ بالکل معیوب و فرمود معلوم ہوتا ہے۔

(۲) احکام صیام کی حرمت جو ان لغویات کی بدولت ہوئی وہ ہمارے مسند رحمہ بالابیات سے کما حقہ ظاہر ہو گئی۔ اور وہ ہماری پہلی مثال تھی۔ اب ہم مرویات فقہیہ کے لغویات کی دوسری مثال پیش کرتے ہیں۔

دوران حیض میں جواز مباشرت کی نسبت امام بخاری لکھتے ہیں۔

(اسکا ترجمہ ہم نہیں کر سکتے سخت بے ادبی ہے اور
مصلحت ہے) مولفہ ثانی عنہ

حدثنا محمد بن اسمعیل بن خلیل قال اخبرنا علی بن مسهر
قال ابوالاسود عن ابیہ عن عائشہ قالت کانت احدا
اذا کانت حائضا اراد رسول اللہ ان یمسحها
امسحها ان تفرغ فی فور حیضہا ثم یمسحها۔ جلد
اول ص ۴۰

خدا کی پناہ! یہ کیا رسول ہے۔ جو ایسے موقعوں پر ہم کو فحش تقریریں کہتی ہیں۔ یہی بیٹھہرے و لڑکے
یہی بیٹھہرے ہیں۔ (دوران حیض میں عورتوں کے پاس جاؤ۔ تاوقتیکہ وہ اپنے ایام گزار کر پاک نہ ہو لیں خدا
پاک آدمیوں سے محبت رکھتا ہے۔)

خدا کا حکم پوچھا کر۔ ان حالت خاص میں ہم کو ہر قاریہ نسوانی سے منع کرنا ہے اور نفوذ بالشر

خلاف عادت نظری اور برعکس حکم خداوندی خود ان افعال ذمیمہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اعوذ باللہ
میں استعاذ منہ عبادۃ المخلصون۔

اسی کی ایسی ایک دوسری مثال اور پیش کی جاتی ہے۔ اب منی کی حقیقت کو کریں امام ذلیعی
لکھتے ہیں۔

شافعی نے کہا ہے کہ منی نجس نہیں ہے کیونکہ حضرت
عائشہ سے روایت کی گئی ہے کہ میں منی کو رسول اللہ صلی
کے کپڑوں سے گھسا کرتی تھی اور حضرت اوس بن بکس میں
نماز پڑھتے تھے اور اوس کو دہوتے نہیں تھے اور
دوسری روایت میں ہے کہ میں منی کو آپ کے کپڑوں
سے چھڑایا کرتی تھی اور آپ نماز پڑھتے تھے۔ پس اگر
منی نجس ہوتی تو اوس کے گئے رہتے پر آپ کبھی نماز
شرع نہ فرماتے اور نہ صرف اوس کے گھس دئے

قال الشافعی لیس نجس لما روی عن عائشہ
انہا قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فیہ ولا یغسلہ وفی حدیث
اخری قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو یصلی والواو
للحال ولو کان نجسا لما افرک من الثوب
معه ولا اکتفی بالفرک فیہ کما تثر
النجاسات۔ ذلیعی ص ۱۷

جانے یا چھڑائے جانے پر اکتفا فرماتے جیسا کہ سائر نجاسات کا حال ہے۔ ذلیعی ص ۱۷

ان تمام لغویات میں سب سے زیادہ شرمناک تو یہ ہے کہ ان مدعیان اسلام نے اس حدیث
کو بھی ہزار ہا شریعت حضرت ام المومنین عائشہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ لغو ذبالہ وہ مقطوعہ حضرت
کے جائزہ اطہر سے منی چھڑایا کرتی تھیں۔ ناخون سے رگڑا کرتی تھیں۔ جس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی
کہ آخر ان کو یہ خدمت کیوں دی گئی۔ کیا ان محترمہ کے لئے گھر میں دوسرا کام نہیں تھا۔ اگر کوئی
غیر مذہب کا شخص ان روایات کو دیکھے گا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہاں تک وہ اسلام کی طرف رغبت
کرے گا۔ غرض اسلام کی بدقسمتی سے اس کے دینی اور مذہبی اخبار و آثار میں یہ لغویات اقوال
عام احادیث اور احکام فقہیہ وغیرہ کی مختلف صورتیں اس کثرت سے اختیار کر چکے ہیں کہ ان کے
لکھنے پڑھنے اور سننے سے غیر تمندان اسلام کا ایمان لرزتا رہے اور حیا داران ایمان ہارسے غیرت کے
ڈوبے جاتے ہیں۔ خدا رحم کرے اسلامی علماء اور فقہاء پر جو انواع و اقسام کے انداز و اداس کے
ساتھ ان لغویات کی شرح و بیان پر مرتبے جاتے ہیں اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے کہ ان
روایات کی بدولت اصل اسلام کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہ مضامین ایسے نہیں ہیں جن پر
ہمارے غیروں کو اطلاع نہ ہو اور وہ اپنی قوم میں ان باتوں کو شاخ و درشاخ بڑھا کر نہ بیان کرنے

ہوں اور دیگر اقوام کو اسلام سے نفرت نہ دلاتے ہوں۔

امام ذلیعی ہوں یا امام شافعی۔ امام بخاری ہوں یا امام مالک۔ ان حضرات سے کون پوچھے کہ اگر نجاست منی میں آپ کو بخلاف اور مجتہدین اسلام کے داخل تھا۔ تو آپ کو اپنے مختار پرستے اصرار کی کیا ضرورت تھی۔ زاید سے زاید آپ کی رائے خطا ہے اجتہاد ہی کا حکم رکھتی۔ تاہم آپ حضرات شاب تھے۔ آپ نے اس مسئلہ اختلافی کو اتنی اہمیت دی اور اسکے شہود و ثبوت کی فراہمی میں اتنی کوشش کی کہ اس کی عدم نجاست کو نعوذ باللہ وغیرہ صادق کی استرخا اور حضرت صدیقہ کے طرز عمل سے ثابت فرمایا۔ مگر انہوں نے کہ ان شہود و ثبوت کی شرح و بیان میں آپ کو نہ رسولؐ کی ہتک حرمت اور نہ ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کا کوئی خیال آیا۔ ہم کہتے ہیں آپ کا کہنا صحیح ہے۔ اس کی عدم نجاست ویسی ہی ہے جیسی آپ کو تحقیق ہو چکی ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس کی کیا ضرورت ہے کہ شریف گھر کی بھوپٹیوں کے طرز عمل سے اسکے ثبوت پر ہونے کے جائیں۔

آپ پر کیا موقوف ہے دنیا جانتی ہے کہ خلوت میں عورت اپنے مرد کی تمام خدمتیں کرتی ہے۔ لیکن خدا شاہد ہے اپنی ان خدمتوں کا روزنامہ دُنیا کے سامنے نہیں پیش کرتی۔ فطرت نے باہمی راز و نیاز کی باتوں کو زن و شو کے فیما بین محفوظ رکھا ہے اور جانبین کی شرم و حیا نے ان کے لب زبان پر سکوت و خاموشی کے قفل لگا دئے ہیں۔ یہ وہ مشاہدات ہیں جو روزمرہ کی عام اطلاع و علم میں داخل ہیں۔ اس بنا پر کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ خلاف فطرت انسانی اور عکس غیرت و حیا کے نسوانی حضرت ام المؤمنینؓ جناب رسالت علیہ السلام کی خلوت خاصہ کے ان رازوں کو یوں فاش کر دیا ہو گا۔ لا والشر

قیامت تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس سے جو عدم نجاست کی حدیث آئی ہے۔ وہ امام ذلیعی خود کہتے ہیں جس میں عقلی اور نقلی دونوں طریقوں سے ثبوت موجود ہیں۔ وہ پیش نظر ہے۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت سے پوچھا میں نے کپڑے میں منی لگ جانے کے بارے میں۔ زیا دہ تو مثل باغ کے ہے جو منہ سے پانک سے آتا ہے اسی قدر گمانی ہے کہ کسی کپڑے یا تنکے سے پونچھ دے اور تیز چو کہ اسی سے خلقت بشر کی ابتدا ہو لہذا وہ بھی مثل مٹی کے ہوئی۔

عن ابن عباس انہ قال مثل النبی عن المنی یصیب الثوب فقال انما هو بمنزل البصاق والمخاط وانما یحقیق ان یتسبب الخرقۃ اریا فخذیہ ولانہ مبتدع وخلق البشر فیہ سائر السالطین

حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت موجودہ کی موجودگی میں۔ ایک محترمہ کی زبانی جو ایک شریف خاتون ہونے کے علاوہ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے اعزاز پر بھی ممتاز ہیں۔ ان ناقابل الذکر امور کے بیان کرانے میں ان علماء و محدثین کے کون سے راز پوشیدہ تھے۔ اور ان حضرات نے کون سی مصالحت اس میں دیکھی تھی۔

ترستان منطق الطیر است جامی لب بہ بند
خبر سلیمانی نشاید فہم ایہ گفتار را

حضرت عبداللہ ابن عباس شرف صحابیت کے اعتبار سے معتبر اور مستند صحابہ کبار میں داخل تھے۔ اور علمیت و جامعیت کے لحاظ سے محیط العلم بین الصحابہ کے خاص القاب سے مشہور و معروف اس بنا پر ان کی مرویات ازواج مطہرات کے بیانات سے کم پایہ نہیں۔ اس بنا پر امام بخاری، شافعی، مالک اور ذہبی کو اپنے مختار کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت کی نقل کافی تھی۔ مگر ان کے یہاں اصرار سے ائمہ اربعہ علی النساء کے حکم محکم اور اصول مسلم کو پس پشت رکھ کر ازواج مطہرات کے ان اقوال و طرز عمل سے استدلال کیا۔ جو کسی طریقہ اور قرینہ سے مخدرات رسالت کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ ان کی نقل و بیان سے ان کی تعظیم و تکریم کی جگہ ان خواتین محترمت کی توہین و تحقیر ثابت ہوتی ہے جس سے مخالفین اسلام اور متعصبین غیر اقوام کو معاشرت رسول پر سخت الزام و اہتمام کا موقع ملتا ہے۔

ایسی احادیث چاہے تعداد میں کتنی ہی متعدد نہ ہوں۔ کیسی ہی متواتر و متوارد نہ ہوں۔ جب مخالف اخلاق الہی اور منافی شان رسالت بنا ہی ثابت ہوں گی۔ ذکر و نقل کے قابل نہیں ہو سکتیں ان ازواج مطہرات کے طبقہ میں جن خواتین کے واقعات کا ذکر و حوالہ قرآن مجید سے ملتا ہے وہ البتہ مسلم ہیں۔ یا ان مخدرات کے حالات مرویات احادیث سے ایسے پائے جاتے ہیں۔ جو ازواج رسول ہونے کی شان و منزلت سے۔ آداب و تہذیب سے عادات و اطوار سے مخالف و منافی نہیں۔ یا جسکے اظہار و ارتکاب سے اقتدار رسالت کی توہین و تحقیر نہیں ہوتی البتہ قابل تسلیم یقین کئے جاسکتے ہیں۔

لیکن حاشا و کلا۔ ایسے شرمناک واقعات جن کے نمونہ اوپر دکھلائے گئے۔ جو اپنی عملی صورتوں میں لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً منافی شان رسالت اور منافی عادات ازواج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہوتے ہیں۔ اور ایسے خفیف و رکیک اور باعث تحقیر ہیں کہ لغو بالشر ازواج مطہرات تو درکنار عام پاک دامن بیبیوں اور شریف گھروالیوں کی نسبت بھی ایسی خلاف فطرت نسوانی اور منافی تہذیب

انسان کا ذکر کرنا کوئی بھلا آدمی گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ تمام واقعات و حالات بالکل بے سرو پا ہیں اور محض کذب و افتراء۔ زیادہ تر اوں سادہ لوح علماء و محدثین کی خوش فہمیوں کا نتیجہ ہیں جو آنحضرت صلعم اور ازواج مطہرات کے فیما بین ان خوش فعلیوں کے نقل و بیان کو آداب و اخلاق رسالت سمجھتے ہیں اور ازواج مطہرات کے آداب و معاشرت۔ ان علمائے ان حالات کے نقل و بیان میں تحصیل حقیقت کی جگہ تعمیل عقیدت کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور جن خود غرضانہ مدعا و مطالب اور عقیدت مندانہ اغراض و مقاصد سے یہ واقعات جمع کئے گئے ہیں ان کے اسباب و علل اور بیان ہو چکے ہیں۔

افراد مخصوصہ میں خصائص الہیہ کی اصل حقیقت کو اصول معمول کے طریق پر سمجھنا یا سمجھنا ناقص انسان کا تصور ہے۔ ان لغویات کی تدریس کرنے والوں نے قدرت کے مکاشفات و تخصیص کو معاملات تعمیم سمجھا اور رسالت کے متعلق آنما بشریہ کی تعمیم پر ظاہری نظر ڈال دیا۔ وَاَنتَ لَقَدْ عَلِمْتَ اَوْ مَا يَظُنُّ الْاَلَاءُ الْحَيِّیُّ کے مشارف تخصیصی کے صریح چشم پوشی کی۔ حالانکہ اصول اصطفا کو مسلمہ نبوت اور لازمہ رسالت یقین کرتے ہوئے۔ یہی علماء و محدثین۔ انبیاء و مرسلین کے ہر فرد و واحد کو بالذات النفس سائر امت اور عوام الناس کے افراد سے تمام قوائے جسمانی اور کمال روحانی میں افضل و اکمل ثابت کرتے ہیں (دیکھو معراج القدس بمنفذ من الضلال اور احیاء العلوم خالی)

پھر اسی ترتیب و تدریج سے اوں کے اعزہ و اقارب۔ رفقا و مصاحب اور دیگر متعلقین و متبوعین کے آداب و تہذیب اور اخلاق و عادات کو۔ انبیاء و مرسلین کی شرف تربت و صحبت کا نتیجہ و مترتبہ بتلا کر عام طبقات امت کے خصائص و شمائل سے بہتر اور بالاتر یقین کرتے ہیں۔ مگر بجائے ان مسلمات کے۔ مذکورہ بالا واقعات میں خاص رسول صلعم کے متعلقین اور اوں کے ہمراز و ہم نشین مخدرات کی نسبت۔ جو اشرف الخواتین ہونے کے علاوہ اجماع المؤمنین کے لقب سے برابر یاد کی جاتی ہیں۔ ایسے مخالفت عادات و آداب عوام خصوصاً رسول اللہ صلعم کی موجودگی میں اور اوسکی آنکھوں کے سامنے بیان کئے جاتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر سوائے اسکے کہ اہل اسلام حیراں اور انگشت بندہاں ہو کر رہ جائیں اور کیا کر سکتے ہیں۔

اس بنا پر ہر تحقیق کنندہ اور ان لغویات کی اصل حقیقت اور ضرورت موضوعیت کا جاننے والا صاف صاف کہہ دینگا کہ یہ واقعات سراپا اتہام ہیں۔ یہ حالات بالکل جوئے الزام ہیں رسول کائنات کی عبادت رسالت اور اوں کی ازواج کی رد اسے جیاد غیرت ابن تمام الالیشوں سے بڑی منافی آداب و تہذیب رسالت اور مخالف فطرت پر دگیان عصمت ثابت ہوتی ہوں بالکل پاکٹ

منزہ تھی۔ اون کی پاک و مقدس معاشرت اعلیٰ ترین شرفا کے گہروں کے محاسن معاشرت سے بھی بدرجہا بہتر اور اعلیٰ تر تھی۔

لیکن جیسا ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ رسول بالذات نفس معصوم تھا۔ عام ازواج یا سائر اصحاب معصوم نہیں ہوتے۔ اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اون کے معصوم کر دئے جانے کی قدرت و ولایت کی گئی تھی۔ اس لئے اون کی ازواج کے طبقہ میں اور اصحاب کے دائرے میں۔ اون کی دو ایک خواتین یا صحابی سے مخالف فطرت عامہ اور منافی ادب و تہذیب رسالت امور قابل اعتراض ظاہر ہو گئے۔ تو اون سے نہ رسول کی تعلیم و ہدایت پر کوئی الزام آسکتا ہے اور نہ اوس کی نفس نفیس پر کوئی اعتراض قائم کیا جاسکتا ہے۔

ایسے اعتراض کرنے والوں کی خدمت میں ہم عرض کریں گے کہ حقیقتاً ازواج مطہرات ہوں یا اصحاب کبار یا شہداء اور نفوس کے جن کام معصوم ہونا انھیں الہیہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ سب کے سب جائز و معتدل ہیں۔ اور مصالحت خداوندی کے انتظام بھی ایسے ہی ہیں۔ کیونکہ یہی انتظام تو ہم کو خاص و عام کی تفریق و تمیز بتلائے ہیں اور معصوم و غیر معصوم کے عادات و آداب کا فرق ثابت کرتے ہیں اور اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ قطع نظر اس کے کہ کوئی شخص کسی شخص کا کتنا ہی قریب و دلیف عزیز بہر از اور مساز نہ ہو مگر تا وقتیکہ وہ خلقت و فطرت کے اعتبار سے برابر اور مساوی نہ مخلوق کے لئے ہو۔ عادات و اطوار میں ایک نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ان واقعات میں ازواج آنحضرت کی نسبت اون مرویات کو جن کا ذکر و حوالہ قرآن مجید میں موجود ہو۔ یا احادیث صحیحہ میں اون کا ذکر و بیان اس انداز طریقہ سے آیا ہو جو مناقصہ شان رسالت اور مخالف ادب و عادات ازواج مطہرات نہ پایا جاتا ہو۔ تو البتہ صحیح کہا جاسکتا ہے۔ اور ان کو ازواج مطہرات کی فطرت عامہ کی لغزشوں کا باعث بتلایا جاسکتا ہے جن کی طرف اون کے ارتکاب کی نسبت کی جاتی ہے۔ ان کے سوا چلتے فطرت و حکایات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب لغویات ہیں جنکے باعث وہی ضعف عقاید۔ خود غرضی اور نفسانیت کے مفاسد و مقاصد ہیں اور کچھ ہی نہیں۔

متعصب عیسائیوں کو انھیں خرافات سے متنبہ ہونے کا پورا موقع مل گیا ہے۔ اور انھیں خیر و غنا شاکس کو اون کی کور قلبی نے اسلام کے جواہر پائے سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ مبصرین حقیقت اور ناظرین اصلیت کی نگاہوں میں نہ اون کا وزن ہے نہ مقدار۔ نہ اون کی قیمت ہے نہ شمار۔ ہم عیسائیت کے کوتاہ بین متعصبین کو علی رؤس الاشهاد با درکراستے ہیں اور پورا یقین دلاتے ہیں

کہ اسلام اور اوس کو بانی علیہ السلام کا پاک و صاف دامن ان تمام لغزشوں اور آلائشوں سے بالکل منزہ ہے۔ اوس کی خلوت و جلوت کی تمام صحبتیں ان مخالف آداب و اخلاق حالات و واقعات سے بالکل متبرا اور متعزاتھیں۔ اوس کی مقدس معاشرت کے تمام تعلقات دنیا اور اہل دنیا کے لئے اسوہ حسنہ کے اصلی اور سچے نمونے تھے۔ اور اوس سے انھیں امور کے اظہار ہوتے تھے۔ جو قاری رسالت اور اقتدار نبوت کے حدود کے اندر تھے۔ اوس کی پاک و پاکیزہ زندگی میں تعلقات دنیاوی اور معاملات خانہ داری کی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی ایک عیالدار بزرگ کے لئے جائز اور ضروری ہوتی ہے اور وہ نفس قدسی برکت امور دنیاوی اور ضرورت عیال داری میں اتنا ہی منہمک رہتا تھا۔ جتنا اہلیت اور رہبانیت کے امتیاز فیما بین قائم کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اس سے زائد جو کچھ اسلامی کتابوں میں مرویات ہیں وہ سب علما کی غلط فہمیوں کے اضافات سمجھیں جائینگے۔

ہمارے لئے نہایت ضروری اور مناسب رہے کہ ان لغویات کے مقابل میں جو ازواج مطہرات کے متعلق غلط فہم علما کے حوالہ سے اوپر لکھے گئے۔ ہم انھیں کی زبانی اور انھیں ازواج مطہرات کی مرویات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ احکام و ارشاد اور پسند و نصلح جو ازواج مطہرات کو اوس کی سادی زندگی بسر کرنے۔ علائق دنیاوی اور حسن و زینت ظاہری سے باز رہنے کی نسبت پہنچائے گئے ہیں ذیل میں لکھ دیں۔ جس سے ثابت ہو جائیگا کہ ان احکام و ارشاد کا جاری کرنے والا اور تعلقات دنیاوی سے از حد متنفر ہو کر۔ بالکل الگ رہنے والا۔ کبھی ان امور تعیش اور لہو و لعب کا عامل یا مجوز نہیں ہو سکتا۔ یہ محالات سے ہے جو زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت کی ہدایت کرتا ہو۔ وہ دوسرے وقت اپنے متعلقین کو کھیل کود۔ تماشہ اور دیگر اسباب تعیش و مسرت میں مصروف رہنے کی اجازت دیتا ہو۔ یا اوس کو ایسے خرب اخلاق و آداب امور میں منہمک پا کر چشم پوشی فرماتا ہو۔ مواہب لدنیہ مطہرات کے اسناد سے محدث شیرازی۔ روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ خداوند عالم مجھ کو بہشت میں بھی آپ کی زوجہ قرار دے آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتی ہو کہ اس مرتبہ پر فائز ہو تو آج سے کل کے لئے سامان قوت میں کچھ نہ بچاؤ اور اپنے کسی کپڑے کو بغیر مونہ نہ لٹکائے نہ چوڑا اور مال دنیا سے زاد سفر سے زیادہ نہ لیجاؤ۔

عائشہ گفت یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفت دعا کنی تا خداوند تعالیٰ مرا در بہشت از ازواج تو گرداند۔ فرمود اگر اس مرتبہ میخوای از برائے خود را هیچ طعام را ذخیرہ مسازہ هیچ جامہ را بند از تا برد و صلہ زنی و باید کہ زاد تو از دنیا بمقدار زاد و راسے بود ص ۵۸۱ لکھنو

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ کی زبانی مرقوم ہے۔

مکان لا حد انما کانت ذوب و اسعد جزا دل ص ۴۵ | ہم تمام بی بیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا رہتا تھا۔

ہم صرف انہیں دو مذکورہ بالا مثالوں کو لکھ کر اتنا پوچھتے ہیں کہ ایسی سادہ اور سخت ترین زندگی و اتقا کے ساتھ معاشرت کی تعلیم دینے والے بزرگ کے حالات میں ان اقسام کے لہو و لعب اور تعلیقات کو اس کے طرز عمل اور مشاغل بتلانا کس قدر تعجب انگیز اور حیرت خیز ہے جس نفس قدسی نے اپنی ازواج مطہرات کو اس صبر و قناعت سے زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی ہو معمولی کھانا کھانے اور کپڑوں میں پیوند لگانے کی خاص تاکید فرمائی ہو۔ ممکن ہے کہ وہ ان مختصرات کو ان لغویات میں کسی وقت اور کسی طریقہ سے منہمک رہنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ان ازواج مطہرات سے بمقتضائے بشریت پایا ہوا تمام نظرت اگر چند امور زاید از ضرورت صادر بھی ہو گئے تو ان کی ذمہ داری انہیں کی خاص ذات تک محدود رہے گی۔ ان کی وجہ سے رسول صلعم کی ذات و صفات پر نہ کوئی الزام آیا ہے اور نہ آسکتا ہے۔

صفات رسالت کے اسوۃ حسنہ | اب ضرورت کلام اور مناسبت اس انکشاف حقیقت کی متقاضی ہے صرف اہلبیت رسول تھے۔ کہ خاندان رسالت اور دوزمان نبوت کے اخلاق و عادات نورانی تہذیب

و آداب سیر و عانی اور عیار و عفت نسوانی کی سچی اور اصلی مثالیں۔ اس نور چشم نبوت، شمع فانوس حیار عفت، بقیۃ خیر المرسلین، سیدۃ نساء المرسلین، خیر آئینہ الانبیاء، صدیقۃ الکبریٰ، بتول العذراء حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا و علیہا کے اسوۃ حسنہ اور صفوہ علیہ سے ذیل میں لکھ کر بتلادیا جاوے کہ خدا اور رسول نے جس محدود دور میں اور سیدہ نسواں کو ناموس رسول اور اہلبیت پیغمبر صلعم کے حقیقی معنیوں میں قرار دیا ہے اور جس کو سیدہ رفیع سے نسبت کا مخصوص القاب اور لفظ کرم تطہیر اکا خاص خطاب عنایت فرمایا گیا ہے۔ وہ اہل اسلام اور اہل ایمان کے طبقہ نسواں میں۔ سوائے اس درجہ پیغمبر صلعم کے کوئی دوسری خاتون۔ عام اس سے کہ ازواج رسول صلعم ہو یا ام المؤمنین ثابت نہیں ہوتی۔ تمام اقرا و مو منات میں ہی ایک محدود کائنات ایسی ثابت ہوتی ہے جس کی عصمت طہارت نفس قرانی سے ثابت ہے اس موصوفہ مقدسہ اور اس محدودہ منظرہ کے محاسن عادات انبیاء ناموس الہی کے اخلاق و آداب کے نمونہ اور صفات رسالت پناہی کے اسوۃ حسنہ تسلیم کیے جاسکتے ہیں۔ اور یہی حالات و واقعات دنیا کی تعلیم و تہذیب کے لئے سہماں کا پورا کام دے سکتے

ہیں۔ طبقہ نسواں میں جس عصمت و عفت۔ جس شرم و غیرت سے ارشاد الہی کا خاص مقصد ہے وہ اس محدود عالم و عالمیاں کے مفصلہ ذیل ارشاد و اقوال اور حالات و واقعات سے کما حقہ ثابت ہے۔

(۱) ایک بار جناب سرور کائنات نے حضرت فاطمہؑ سے دریافت فرمایا کہ عورت کی سب سے اچھی صفت کون سی ہے۔ سیدہ نے جواب میں عرض کی کہ عورت کی بہترین صفت یہ ہے کہ نہ کسی نامحرم کو وہ دیکھے اور نہ کوئی نامحرم اسے دیکھنے پائے۔ سیرۃ فاطمہؑ

اسی کے متعلق آپ کا یہ ارشاد آج تک اسلام کی تمام مذہبی اور اخلاقی کتابوں میں مذکور و مستور ہے۔ (۲) کوئی عورت بلا ارشاد ضرورت دوسری عورت کو بھی ننگی نہ دیکھے۔ نہ کبھی دوسری ننگے بدن ایک چادر میں لپیٹے اور اگر کوئی عورت اتفاقی ضرورت سے کسی دوسری عورت کو ننگے بدن دیکھ لے تو اس کے اعضا اوس کی بدن کی بناوٹ (ساخت) کی نسبت اپنے خزانہ سے کچھ اظہار کرے۔

اسی حیا کا تقاضہ تھا کہ آپؐ نے مرض الموت میں وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ رات کو اٹھایا جاوے اور رات کے وقت ہی جنازہ پر پردہ (تابوت) بنالیا جائے اور سوائے اسماء بنت عمیس کے کوئی عورت میری میت کو غسل نہ دے۔ سیرۃ فاطمہؑ یہ متبرک اقوال صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ ناموس الہی اور اہلبیت پیغمبر کے اخلاق و آداب کی پریشان ہوتی ہے اور جس محدودہ و دوراں پر حیا و عفت کا خاتمہ مٹا یا گیا ہے۔ اوسکی شرم و غیرت اور حیا و عصمت کی یہ تصویر ہے۔

(۳) ایک بار عبد اللہ ابن ابی کثر تم تابینا صحابی کسی ضرورت سے پیغمبر صاحب کو تلاش کرتے تھے۔ رسول کریمؐ سیدہ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ یہیں آگئے۔ اور بی بی فاطمہؑ

حضرت فاطمہ الزہراؑ سلام اللہ علیہا کے اس ارشاد کو اس حدیث کے مضمون سے ملایا جاوے۔ ہمیں میں آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ کو پیشیوں کا تناؤ شاد کہنا نامندرج ہے۔ تو یابنین کے حیا و غیرت اور شرم و عفت کے فرق ماہی الامتیاز کا حقہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

اس مضمون ارشاد کو صحیح مسلم کی اوس عبارت و روایت سے ملتا ہے جہاں لکھا جاوے ہے۔ جیسے حضرت عائشہؓ اور آنحضرتؐ مسلم کا ایک طرف اکٹھے ہیں ایک ہی تہ بند کے ساتھ غسل فرانا مرقوم ہے۔ تاہم یہ حدیث اس آسان زمین کا قوی پہلا دہک ہے۔

ادن کو دیکھ کر روڑ کر کوٹھری میں چلی گئیں جب وہ کام سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو سیدہ
باہر تشریف لائیں۔ جناب رسول مقبول صلعم نے ارشاد فرمایا: بیٹی! ام مکتوم تو نابینا ہیں تم نے کیوں
تکلیف کی۔ آپ فرمائی گئیں۔ آبا جان وہ اندھے تھے۔ میں تو اندھی نہ تھی کہ غیر محرم کو دیکھتی
رہتی۔ سیرۃ فاطمہ

آپ کی شرم و حیا کا ایک اور واقعہ مشکوٰۃ شریف سے نقل کیا جاتا ہے۔

(۴) ایک دفعہ حضرت نبی کریم نے ایک نابالغ غلام کے ساتھ جو آپ نے اپنی نور چشم حضرت
فاطمہؑ کو سپرد فرمایا تھا، تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ ایسا چوٹا کپڑا اوڑھے تھیں کہ اوس سے
سر ڈھانکتیں تو پہننگا ہو جاتا اور اگر پہنچا پتیں تو سر کھلا رہتا۔ ایک نہایت اضطراب کی حالت
میں تھیں اور اوس کپڑے سے سراپا کے چپائے کی کوشش فرماتی تھیں۔ حضرت رسول خدا صلعم
نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ! کچھ حرج نہیں ہے۔ جس سے تم شرماتی ہو وہ تو صرف تمہارا یاب اور

تمہارا نابالغ غلام ہے۔ یہ حدیث ابو داؤد نے ہی روایت کی ہے۔ سیرۃ فاطمہ ۱۵۷-۱۵۸

معاشرت اور آداسے حقوق شوہر کی نسبت منقطع ذیل واقعات کی شہادت کافی ہے۔

(۵) جناب سیدہ کی وفات کے بعد حضرت علی مرتضیٰؑ سے دریافت فرمایا گیا کہ حضرت
فاطمہؑ کا سلبک آپ کے ساتھ کیا تھا۔ ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ وہ جنت کا ایک خوشبودار
پھول تھیں۔ جس کے مری جانے پر ہی اون کی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر رہتا ہے۔

(۶) حسن بصری۔ جناب علی مرتضیٰؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حالانکہ دن رات کثرت سے عبادت
کرتی تھیں اس پر بھی اگر کے کام دہندوں سے بچے بھی اون سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی۔

(۷) حضرت شیر خداؑ کی مالی حالت ابھی نہیں تھی۔ اکثر مزدوری کر کے بسر اوقات کرتے تھے۔

ایک دن کہیں آپ کو مزدوری نہیں ملی۔ دہنویاں بیوی اٹھ پہرے بھوکے تھے۔ شام
کے وقت ایک تاجر کے ادٹ آئے۔ جیسے اپنا اسباب اور دوائے کی ضرورت سے ایک
مزدور کی تلاش تھی۔ حضرت علیؑ نے پیرات گئے تاکہ اس کے اونٹوں کا اسباب دواتار۔

سو داگرنے ایک درم اجرت دی جسے آپ نے خوشی سے لے لیا اکثر دکانیں بند ہو چکی تھیں
مگر ایک جگہ جو کاغذ لکھا۔ ایک درم کے جو خرید کر کے گھر لے آئے۔ حضرت بتول نے

۱۵ واقعہ ہی واقعہ نمبر ۱ کے منافی ہے۔ یہاں ایک نابینا سے اتنی احتیاط کی گئی۔ دہاں مجید مبصرین میں تماشے

المولف عفی عنہ

دیکھ گئے۔

بہنسی خوشی سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ اور آپ کی ہول سے وہ جو لیکر اوسی وقت اونکو پیسا۔
روٹی پکائی اور آپ کے سامنے رکھی جب حضرت علی سیر ہو کر کھانچکے تو خود کھانے لگیں۔ حضرت
علی فرماتے ہیں کہ مجھ کو اوس وقت حضرت سرور کائنات صلعم کا یہ ارشاد یاد آیا کہ فاطمہ دنیا کی
بہترین عورت ہے جس پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ سیرت فاطمہ ص ۱۱۲

(۸) حضرت علی سے منقول ہے کہ ایک بار جناب سیدہ عیسٰی ہوئیں۔ شب بھر بستر علالت پر چینی
سے کال۔ صبح ہوئی۔ مجھ سے پہلے فاطمہ اٹھیں۔ وضو کرنے لگیں تو میں نے اپنے دل میں
کہا کہ یہ اگر اس وقت وضو نہ کرتیں اور صرف تیمم پر اکتفا کر لیتیں تو ان کے لئے بہتر تھا۔ اس
اثناء میں اذان کی آواز آئی اور میں مسجد میں نماز کے لئے چلا گیا اور فاطمہ اٹھ کر اپنے مصلے پر
نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ میں جب مسجد سے گھر واپس آیا تو سیدہ کو معمول روزانہ کے
مطابق چکی پیسنے میں مصروف پایا۔ مگر علالت کی وجہ سے ضعف و زحمت کا روز سے
زیادہ اثر نمایاں تھا۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے سیدہ سے کہا کہ تم اپنی جان پر رحم کرو۔ تم
علیل ہو۔ رات بھر بے چین رہ چکی ہو۔ صبح کو تم نے پانی سے وضو کر لیا۔ اور اپنی علالت
کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ پھر چکی بھی پیسنے لگیں۔ اس سے تو مرض میں اور قوت و طوالت ہوگی
جناب سیدہ نے فرمایا تو میری عین خواہش دلی ہے کہ میری موت خدا کی عیادت اور آپ
کی اطاعت میں آجادے۔

سبحان اللہ و بحمدہ۔ یہ ہیں وہ صفات و عادات۔ یہ ہیں وہ اخلاق و آداب جو مہذب
سے اون ذوات مقدسات کو خاص طور پر عنایت فرمائے جاتے ہیں جو طبقہ انسانی میں مذکور و انات
کی تفریق سے مستثنیٰ ہو کر معارف روحانی کے درجات علیہ پر فائز ہو جاتے ہیں اور دائرہ بشریت میں
تمام جنسیت اور حیثیت کی تعمیر سے علیحدہ ہو کر مدارج تخصیص پر مشرف کئے جاتے ہیں۔
اس بنا پر خاندان رسالت اور دو دمان نبوت کے اخلاق۔ آداب اور حسن معاشرت کی حقیقت
اور اصلیت ان مقدس بزرگواروں کے حالات و واقعات میں تلاش کرنی چاہیے۔ جو خدا کی
طرف سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذوی القربی۔ آپ کے اہلبیت۔ آپ کی
حضرت اور ذریت قرار پا چکے ہیں۔ اور جن کی تصریح آیات: قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
فی القربیٰ اور ندح ابنائنا نکم و بنائنا و نسائنا نکم و انفسنا و انفسکم میں بالتفصیل
درج ہے۔ صاحبان تعمیر بزرگواران تخصیص کے ساتھ اوصاف میں برابر نہیں ہو سکتے اور نہ

تعلقات نسبی کا مقابلہ واسطہ نسبی کر سکتے ہیں۔ رشتہ دیگر رگ جگر رگ است۔

عیسائی متعصبین یا اور اسلام کے مخالف فرستے۔ اسلام کی کتابوں میں ان موضوعات مذکورہ بالا کو جنہیں وہ اپنی تعریضات کا ماخذ اصلی سمجھے ہوئے ہیں۔ دیکھ کر نہ مغرور ہوں اور نہ مسرور۔ ہم اونکو یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ اپنے ان مفویانہ اور گمراہانہ عالم فریبیوں پر اصرار کریں گے اور آنحضرت صلی علیہ وسلم کی پاک و مقدس سیرت اور معاشرت پر انھیں موضوعات مزیات کے اسناد سے الزام لگائیں گے تو ہم ان کے عہد نامہ قدیم و جدید کے مستند اور متواتر مثالوں سے انبیائے سابقین سلام اللہ علیہم اجمعین کی معاشرت کے حالات میں اس سے بھی زیادہ ناپاک اور قابل اعتراض واقعات ثابت کریں گے اور دکھلائیں گے کہ انھیں کی مقدس کتابوں سے انھیں کی مرویات کے مطابق اور انھیں کے عقاید کی ذمہ داریوں پر۔ انبیائے سابقین کی پاک معاشرت میں ایسے شرمناک اور ناپاک واقعات لکھے گئے ہیں جن کی نقل و ذکر سے کہی کوئی شخص یقین کیسا گمان ہی نہیں کر سکتا کہ یہ واقعات اور حالات اوس مقدس اور مبارک طبقہ کے ہیں جو خدا کی جانب سے تمام دنیا کو تہذیب اور شائستگی پر سیز گاری اور نیکو کاری اور تقویٰ و طہارت کی تعلیم و تلقین کیلئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔

سب سے زیادہ تعجب انگیز تو یہ امر ہے کہ متعصبین عیسائی جو دو چار ادھر ادھر کے غیر مقتید اور غیر مستند واقعات کے حوالے سے اپنے مفویانہ اعتراض وارد کرتے ہیں وہ اول سے لیکر آخر تک ان احادیث سے مستخرج اور مستنبط ہیں۔ جن کی موضوعیت اور مجہولیت کی اصلی کیفیت ہم اوپر دکھلا آئے ہیں۔ اسلئے یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ ان کے ماخذ بھی بالکل حدیث ہی کی کتابیں ہیں۔ مگر حدیث کی تمام کتابیں یا ان کی تمام روایتیں مسلمانوں کے لئے۔ نصوص الہیہ اور شہود الہامیہ کی طرح واجب التسلیم نہیں۔ عام اس سے کہ وہ صحاح کی مرویات ہوں۔ یا مسانید و مستنن کے اقتباسات ان کی شہادت قرآن مجید کی عبارت کی ایسی نہ قابل تصدیق ہو سکتی ہے نہ لائق توثیق۔ بلکہ اصول عقاید کے اعتبار سے جو امور ان کتابوں میں مخالف اور منافی نصوص قرآنیہ پائے جاتے ہیں۔ وہ کسی مرد مسلمان کے آگے قابل قبول و وثوق نہیں ہوتے۔ اسلام کا یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر افسان

مجموعہ ہے۔

بخلاف مسلمانوں کے۔ عیسائیوں کی تو خاص کتب الہامیہ میں یہ تمام مخرقات منقول و مذکور ہیں۔ جن کی صحت و صداقت سے کسی عیسائی کو انکار ہوئی ہی نہیں سکتا۔ یہ مسلمانوں کی طرح یہ

کسی عالم - محدث اور فقیہ کے اقوال نہیں بتلائے جاتے۔ بلکہ ان کے عقاید میں تو یہ خاص النحاص
وحی کے الفاظ اور کلام ہیں۔ جو بقول ان کے خدا کی طرف سے۔ اہمیت کی اطلاع و علم کے لئے انبیاء
کرام کی سرگزشت یا ان کے قصص و حالات کی تفصیل و بیان میں نازل فرمائے گئے ہیں۔ اس بنا پر
یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ اہل اسلام عیسائیوں کی ان مغویانہ تعریفیات کے جواب میں۔ اور
منافی قرآن اور مخالف احادیث صمیمہ ہونے کا۔ پورا تشفی بخش اور اطمینان دہ جواب دینے کے لئے
تیار ہیں۔ اور منافی قرآن اور مخالف شان رسول معلوم نہ ہم کتب صحاح کی احادیث کی تصدیق و توثیق
کے لئے مجبور کئے گئے ہیں اور نہ مسامید و سنن کی مرویات کے ایجاب و تسلیم کے لئے مغذور بخلاف
ہمارے۔ عیسائیوں کے لئے تو انکار کا کوئی موقع اور پہلو ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ذرا سے انکار کے
بعد ان کا ایمان ہی بیکار ہوا جاتا ہے۔

تمہیداً اتنا عرض کر کے۔ عہد قدیم (مجموعہ توریت) کی مختلف کتب انبیاء علیہم السلام سے
چند مثالیں نمونے کے طور پر حسب ذیل پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے ہمارے بیان کی پوری تصدیق
ہو جاتی ہے۔ گران کے نقل و بیان سے پہلے حکوانا لکھ کر تبادیل نہایت ضروری ہے۔ کہ ہم
بمصدق۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔ صرف ان لغویات و حشویات کی نقل ہی سے کام لیتے ہیں۔
ورنہ ان لغویات کو انبیاء موصوفین سلام اللہ علیہم اجمعین کے متعلق نہ ہم صحیح اور واقعی
سمجھتے ہیں اور نہ ہم ان مفتریات کو (نعوذ باللہ) الفاظ وحی یا کلام الہام جانتے ہیں۔ ہم کیا جہور اسلام
کے عقاید میں یہ سب علمائے یہود و نصاریٰ کے افتریات و اہامات ہیں جو ان مقدس اور
مطہر بزرگواروں کی ذات بابرکات پر لگائے گئے ہیں۔ کیونکہ صرف عہد نامہ قدیم کی تدوین۔ جو
نزول توریت سے تین سو برس بعد واقع ہوئی۔ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ امتداد زمانہ۔ اختلاف
بیانات۔ تصرفات رسم و رواج قومی و ملکی۔ اور دیگر اسباب خارجی نے خدا کے اس مجموعہ کلام
کو کہاں تک وحی و الہام کے اصلی اور حقیقی مقام تک باقی چھوڑا ہے۔ یہ تو تحریفات و تدلیسات
کتب قدیمہ کے ایسے ثبوت ہیں جو بدہیات و یقینات کے درجہ تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے
علاوہ انقطاع۔ اختلاف اور ضعات سلسلہ اسناد و غیرہ کے بیشمار شہود و ثبوت تو ابھی باقی ہیں۔ جو
کتب قدیمہ کو ان کی موجودہ صورت میں کسی طرح صحیح و اصلی نہیں ٹھہرا سکتے ہم ان امور کو متنزیہ
قرآن مجید اور اس کی صحت و صداقت کی بحث میں انشاء اللہ بالتفصیل بیان کریں گے۔

حضرت لوط کی صاحبزادیوں پر (نفوذ باللہ) دنیا کاری کا الزام۔

نزول عذاب کے بعد۔ لوط اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ شہر صغریٰ میں آئے اور ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڑا

ہو گیا ہے۔ اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو عام جہان کے دستور کے مطابق ہمارے پاس

آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں۔ اور اوس سے (نفوذ باللہ) ہم بستر میں تاکہ

اپنے باپ کی نسل باقی رکھیں۔ سو انھوں نے اوس رات کو اپنے باپ کو مے پلائی۔

اور پہلوٹھی اندر گئی۔ اور اپنے باپ سے (نفوذ باللہ) ہم بستر ہوئی۔ پر اوس نے

رلوط (مے) لیٹے وقت اور اوٹھتے وقت اوسے (رلوط کو) نہ پہچانا۔ اور دوسرے

روز ایسا ہوا کہ پہلوٹھی نے چوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم بستر

ہوئی۔ تو آج رات کو بھی اوسے مے پلائیں اور تو بھی جا کر اوس سے ہم بستر ہو کہ اپنے

باپ کی نسل قائم رکھیں۔ سو اوس رات کو بھی انھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور

اور چوٹی اوٹھ کر (نفوذ باللہ) ہم بستر ہوئی اور اوس نے (رلوط مے) اوسے لیٹے اور

اوٹھتے وقت نہ پہچانا۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے (نفوذ باللہ) حاملہ

ہوئیں۔ بڑی ایک بیٹا جنی اور اوسکا نام مواب رکھا گیا وہ موابیوں کا۔ جو اب

تک ہیں۔ باپ ہوا۔ اور چوٹی بھی ایک بیٹا جنی اور اوس کا نام بنی بھی رکھا گیا۔

وہ بنی عمروں کا جو اب تک ہیں۔ باپ ہوا۔ (تکوین باب ۱۹ درس ۸ ص ۳۰)

یہ ایک پیغمبر مہجرت ہے۔ اوس کی ازواج بھی نہیں۔ خاص نبات ہیں۔ اور ذرات ان کے اخلاق و آداب ایسے ناپاک اون کے اعمال و افعال ایسے تاریک و سیاہ کہ نہ باپ کو بیٹی کی تمیز ہے اور نہ بیٹی کو باپ کی پہچان۔ العباد باللہ اگر یہی انسانیت ہے تو پر حیوانیت کیا ہے؟ یہ وہی پاک و مقدس رسول ہے جو خدا کی طرف سے بندگان الہی کو دینی تعلقات اور دنیاوی ضروریات میں تہذیب و شائستگی کی تعلیم و ہدایت فرمانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ اور جب کافران اولین سے کہ ان تمام طبقات میں حلال و حرام کے نصاب و امتیاز قائم کر کے دنیا کو محرمات کے ارتکاب سے بچائے۔ اور مخالفت کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائے۔ چہ جائیکہ خود اس کے ایسے گندہ اور ناپاک اطوار ثابت ہوں۔ نفوذ باللہ من ذالک۔

اگر عیسائیوں کا یہ عندہ ہے کہ حضرت لوط علی نبینا وعلیہ السلام کے زمانہ تک دنیا کی آبادی بہت کم تھی اس لئے انسانی معاشرت اور ملکی تمدن کا دائرہ بہت محدود رہا۔ اس بنا پر افراد

نسل انسانی اور آبادی عالم کی ضرورت اس کی مجوز تھی۔ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے۔ یہ سبوط آدم اور بنائے عالم کو دو ہزار برس سے زیادہ ہو چکے تھے۔ دنیا میں معاشرت۔ تمدن۔ اخلاق۔ تہذیب اور ہر قسم کے ابتدائی علوم و فنون جاری ہو چکے تھے مختلف اقوام و قبائل اور متفرق فرسے اور طریقے قائم ہو چکے تھے۔ تمام اقطار عالم میں انسانی آبادی قائم ہو چکی تھی اور حضرت نوحؑ کی اولاد نے کرہ ارض کا کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑا تھا جہاں سکونت نہ اختیار کی ہو۔ اس بنا پر قلت نسل آدم اور ضرورت آبادی عالم کا عذر بدتر از گناہ ہے۔

اگر زمانہ آدم کے بہائی بہنوں کے ازدواج کی مثال پیش کی جائے گی۔ تو اول تو ہم اسکو بھی صحیح نہیں کہیں گے دوسرے اگر صحیح مان بھی لیں۔ تاہم وہ بھائی بہن کا واسطہ تھا۔ اور اس زمانہ کی غایت اور لادری ضرورت بھی تھی۔ جب حقیقتاً مردوں کے لئے عورتوں کا چھوڑنا کے لئے مردوں کا ملنا ناممکن تھا۔ مگر بخلاف اسوقت کے اس وقت تو باپ بیٹی کا علائقہ بتلایا جاتا ہے۔ جو بھائی بہن کے تعلقات سے کہیں زیادہ شرمناک ہے۔ اور پھر اس وقت جب دنیا میں اس کثرت سے عورت مرد موجود ہیں کہ بھائی کو بہن کی ضرورت نہیں ہے تو پھر باپ کو بیٹی کی کتبہ حاجت ہو سکتی ہے۔

کوہ بن عیسیٰ معتزین آنکھیں کھول کر اپنی کتاب مقدس میں ان ناپاک اور حد سے زیادہ شرمناک واقعات کو ملاحظہ کریں۔ اور خود تصفیہ کر لیں کہ آیا ان کے عقائد میں ایک خدا کے بھیجے ہوئے خدا کے سچے رسول صلعم کے ایسے ہی اخلاق ہوتے ہیں اور ان کی اولاد و عقباء کے ایسے ہی آداب ؟

اب رہا مسلمانوں کے نزدیک جناب نوحؑ کی بھی تنزیہ و تقدیس ویسے ہی ثابت ہے جیسے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی۔ ان کے تمام طرز عمل ویسے ہی پاک و صاف اور ان کی ذات ویسی ہی مقدس و مطہر ہے جیسا کہ ایک نبیؑ اور رسولؑ برحق کی ہونی چاہیے۔ یہ تمام واقعات نہ ارشاد الہامی مانے جاسکتے ہیں اور نہ الفاظ وحی تسلیم کئے جاسکتے ہیں۔ یہ تمام لغویات یہودی و نصاریٰ مولفین و بدوشت کتب قدیمہ کے مفتریات و موضوعات ہیں جنہوں نے اپنے افعال و ذلیہ اور ہراسم و سیمہ کی قدامت جو از کی ضرورت سے ان کے ارتکاب کو انبیاء سابقین کے نفوس مقہورہ کے ساتھ منسوب کیا ہے اس سراپا لغو و افترا کی حقیقت اتنی ہی ہے جتنی قرآن مجید میں ظاہر ہے اور باقی تمام مفتریات و بدوشت مرد خواتین۔ ڈاکٹر سرسید احمد خاں نے جو ان لغویات کی صحیح تحقیق فرمائی ہے وہ عیسائی مشرکین تو بیت

کی غلط فہمی کا پورا انکشاف کرتی ہے۔ ذیل میں اون کی عبارت ملاحظہ ہو۔

حضرت لوط اور ادن کی دونوں بیٹیوں کی نسبت جو اس مقام پر لکھا ہے۔ عیسائی اون سب کو قبول کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ حضرت لوط نے اپنی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی مگر ایسا یقین کرنا درحقیقت تصحیک کے قابل ہے۔ اگر ایسا ہوا تو کیا یہ ایک مقدس شخص کی تہذیب اور متانت کے مناقض نہیں ہے۔ اور کیا حضرت لوط جیسے پاک شخص کے خلاف شان نہیں ہے مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور قرآن مجید میں اگرچہ حضرت لوط کا قصہ مذکور ہے۔ مگر اس میں یہ بات کہ اونھوں نے اپنی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی۔ تذکر نہیں ہے۔ تورات مقدس میں جو کچھ بیان ہے اس کی نسبت ہم خیال کرتے ہیں کہ جو معنی عیسائی مصنفین نے لئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ انھوں نے اس میں حضرت لوط کا یہ قول لکھا ہے کہ مرادو دخترے است کہ مردے را ندانستہ اند۔

تمنا انیکہ ایشان را بشما بیرون آرم دیا ایشان انچہ در نظر شما پند آید بکنید۔

قرآن مجید میں اس جگہ تثنیہ کا لفظ (صیغہ) نہیں ہے۔ بلکہ جمع کا ہے۔ جیسا کہ سورہ ہو میں ہے۔

هو كما ع بنا فی هاتین اوطھسا لکم اور سورہ حجر میں ہے۔

فالی هو كما ع بنا فی ان کنتم فاعلمین مسلمان عالموں کا قول غباریہ ہے کہ لفظ

بنات سے حضرت لوط کی بیٹیوں کی مراد نہیں ہے بلکہ قوم کی عورتیں مراد ہیں اور یہ بات حضرت لوط نے اس مراد سے کہی تھی۔ جیسی کہ وہ ہمیشہ اون کو نصیحت کیا کرتے تھے

کہ تم اپنی خراب عادت۔ فعل خلافت فطرت انسانی چھوڑ دو اور عورتوں سے نکاح کرو

اور ادن کے ساتھ رہو کہ وہ تمہارے لئے پاکیزہ زندگی ہے۔ تورات مقدس میں اس

سقام پر لفظ بنوتش آیا ہے جو یہ معنی بنت کے ہے مگر جس طرح عربی زبانی میں لفظ

بیبت کا استعمال سوائے اصلی بیٹیوں اور عورتوں پر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح عبری

زبان میں بھی عام عورتوں پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ولیم اسمتھ صاحب کی عبرانی دکنر می

میں لفظ بیبت اور بنوتش کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عام عورتوں پر ہی بولا جاتا ہے جیسا کہ

کتاب امثال سلیمان باب ۳۱ در ۱۹ میں استعمال ہوا ہے۔ پس اس مقام میں

بھی اس لفظ سے اصلی بیٹیاں مراد نہیں ہیں۔ عام عورتیں مراد ہیں۔ بلکہ غالباً لوطیاں۔

کیونکہ حضرت لوط کی بیٹیاں تھیں۔ جیسا کہ سفر تکوین باب ۱۹ در ۱۲ میں لکھا ہے۔

اون کی شادیاں ہو چکی تھیں اور اون کے شوہر موجود تھے۔ اور جب حضرت لوطؑ شہر مدوم سے فرار ہوئے تو اون کے داماد اور اون کی بیٹیاں اون کے ساتھ نہیں گئیں۔ صرف حضرت لوطؑ کی بیوی اور وہی دو عورتیں جن کا ذکر اوپر ہوا اور جن کو بیٹیاں کر کے تعبیر کیا ہے اور جو غالباً لونڈیاں تھیں۔ ساتھ گئیں رستے میں اون کی بیوی زندہ نہ رہیں۔ صرف دو چوکر باں اون کے ساتھ تھیں۔ قرآن مجید میں اگر طیس مقاربت کا جو متغیر کوہ میں ان دونوں چوکر یوں نے حضرت لوطؑ کے ساتھ کی کچھ ذکر نہیں ہے۔ اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جاوے تو بھی ان دونوں چوکر یوں کا حضرت لوطؑ کی اصلی بیٹیاں ہونا۔ ان وجوہات سے جو ہم نے اوپر بیان کیں۔ قابل یقین نہیں ہے۔ اور جب وہ لونڈیاں تھیں تو اون کے ساتھ مقاربت کو کہ وہ رہو کے ہی سے ہو۔ بوجیب اس زمانہ کی شریعت کے ناجائز نہ تھی۔ سفر تکوین باب ۱۹ در ۳۲ و ۳۳ میں لکھا ہے کہ ان دونوں چوکر یوں نے حضرت لوطؑ کو باپ کہہ کر تعبیر کیا ہے۔ اس کہنے سے بھی اون چوکر یوں کا اصلی بیٹیاں ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ باپ کا لفظ بہت زیادہ عام ہے۔ اور اس کا اطلاق۔ مالک۔ بزرگ شخص پر بھی ہو سکتا ہے۔ خطبات احمدیہ ص ۸۸ مطبوعہ لاہور

(۲) جناب داؤد اور (نعموذ باللہ) زمانے محض۔ سموئیل بنی کی کتاب میں حضرت داؤد علی نبینا وعلیہم السلام کے متعلق لکھا ہے:-

ایک دن شام کو ایسا ہوا کہ داؤد اپنے بچپن پر سے اٹھا اور بادشاہی محل کی چہرے پر ٹپٹنے لگا۔ اور وہاں سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہار ہی تھی اور وہ نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے اس عورت کا حال دریافت کرنے کو آدمی بھیجے۔ اونہوں نے کہا وہ انعام کی بیٹی بنت بنت بنتی ہے اور آریا کی جوردانیس۔ اور داؤد نے آدمی بھیج کر اس عورت کو بلایا۔ چنانچہ وہ داؤد کے پاس آئی اور وہ اس سے ہم بستر ہوا۔

کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی۔ اور وہ اپنے گھر کو علی گئی۔ اور وہ عورت حاملہ ہو گئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔ تب داؤد نے یوآب کو لکھ بھیجا کہ آریاہ اور حتمی کر میرے پاس بھیج دے۔ سو یوآب نے آریاہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا۔ اور جب آریاہ آیا تو داؤد نے اس سے پوچھا کہ یوآب کیسا ہے اور لوگوں کا

حال کیا ہے اور جنگ کے کام کیسے انجام ہوتے ہیں پر داور نے اور یاہ کو کہا کہ اپنے گھر جا اور اپنے پاؤں دھو۔ اور یاہ جو بادشاہ کے محل سے نکلا تو بادشاہ کی طرف سے اوس کے پیچھے پیچھے ایک خوان بھیجا گیا اور اور یاہ بادشاہ کے گھر کے آستانہ پر اپنے خداوند کے سبب خادموں کے ساتھ سو رہا۔ اور اپنے گھر نہ گیا اور حبیب داؤد نے اور یاہ کو کہا کہ کیا تو سفر سے گھر نہیں آیا پس تو اپنے گھر کیوں نہ گیا تب اور یاہ نے داؤد سے کہا کہ صندوق اور اسرائیل اور یہوداہ خیموں میں رہتے ہیں اور میرا خداوند یوآب اور میرے خداوند کے خادم کھیلے میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس میں کیا کر اپنے گھر جاؤں اور کہاؤں گی اور اپنی جورو کے ساتھ سو رہوں۔ تیری حیات اور تیری جان کی قسم کہ میں یہ کبھی نہ کروں گا۔ صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اور یاہ کے ہاتھ میں دے کے اسے بھیجا۔ اوس نے خط میں یہ لکھا کہ اور یاہ کو سخت لڑائی کے وقت اکاڑھی کھجور اور اوس کے پاس سے پہرانیوں کو دہرا جائے اور جاں بحق ہو اور ایسا ہوا۔ یوآب جو اوس شہر کے گرد اگر دو کی حالت دیکھنے گیا تو اوس نے اور یاہ کو ایسے مقام پر جہاں اوس نے چاہا کہ جنگی لوگ وہاں نہیں پہنچیں گے مقرر کیا۔ اوس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور چلتی اور اور یاہ مارے گئے۔ اور اور یاہ کی جورو اپنے شوہر اور یاہ کا مرناسنکر سوگ میں بیٹھی۔ اور حبیب سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اوسے اپنے گھر میں بلوایا۔ اور وہ اوس کی جورو بنی اور اس کے لئے بیٹیا جنہی۔ پردہ کام جو داؤد نے کیا تھا۔ خداوند کی نظر میں بڑا معلوم ہوا۔ سوئیل کی کتاب درج ۲-۲۶ ص ۲۷ مطبوعہ لاہور۔

توریت مقدس کی مرقومہ بالا عبارت سے۔ اس مقدس پیغمبر کی نسبت (نفوذ باللہ) بکر داری بد اخلاقی اور بد اعمالی سب کچھ تو لکھ کر بتلایا گیا اور ٹھکانہ معاذ اللہ عن محضہ پر متصرف ہونا۔ اور اوس کے حاملہ ہو جانے کے بعد اس کے اخفائے حمل اور اپنے اخفائے جرم کے لئے اوس کے شوہر کو میدان جنگ سے۔ صرف اس غرض کے لئے طلب کر لینا کہ وہ حمل اسکے ساتھ متیقن ہو جاوے اور پھر شوہر (اور یاہ) کو مکر گھر جانے اور سوئے کی تاکید کرنا۔ بد قسمت اور یاہ کا اپنی عقیدت و خلوص کے اعتبار سے داؤد و اوس کے آستانہ نبوت کی حاضری کو اہل دعیال کے ساتھ رکھ کر آرام پانے اور عیش اور ٹھانے پر ترجیح دینا۔ اس بنا پر گھر جاکر آرام کرنے سے انکار کرنا۔ داؤد کا مجبور ہو کر اسکو

پھر معرکہ جنگ پر واپس دینا اور اپنے انس و جناب کو اس کے قتل کر دینے کے لئے خاص شقہ شاہی لکھنا اور اس عمل و ترکیب سے اس غیب اور اجل نصیب اور یاہ کی جان لینا۔ وہ ناپاک اور گنہگار واقعات ہیں جو عام انسانوں کے عادات و اطوار کے مخالف ثابت ہو رہے ہیں چہ جائیکہ انبیائے کرام کے افعال و کردار ثابت ہوں۔ کبھی ممکن ہے کہ خدا پرستی کی تعلیم دینے والا ہو اپنی ہی کی ناپاکیوں میں مبتلا ہو یہ تمام مفتریات ہیں اور بالکل لغویات قرآن مجید ان منہ خرافات کا نہ ذکر کرتا ہے اور نہ اسکی تصدیق۔ حقیقت اتنی معلوم ہوتی ہے کہ اور یاہ کے مرجانے کے بعد اس کی بیوہ سے بعد انقضائے ایام عدت۔ حکم شریعت کے مطابق نکاح کر لیا گیا اور اسکو مشکوے نبوت میں داخل ہونے کا اعزاز خاص بخشا گیا۔

اسی کتاب سموئل بنی میں۔ حضرت داؤد کے صاحبزادے امیوں کے یہ حرکات لکھے ہیں:-

(۳۳) داؤد کے صاحبزادے امیوں اور بن سے زنا بکھر

داؤد کے بیٹے ابی سلوم کی ایک خوبصورت بہن تھی جس کا نام تھرتھا۔ اس پر داؤد کا بیٹا امیوں عاشق ہوا۔ امیوں ایسا بے چین ہو کہ اپنی بہن تھرتھے کے لئے بیمار پڑا کیونکہ وہ کنواری تھی۔ سو امیوں نے اس سے کچھ کرنا اپنے لئے دشوار جانا۔ اور داؤد کا بھائی سمعدہ کا بیٹا یونذب امیوں کا دوست تھا۔ یہ یونذب بڑا عاقل شخص تھا۔ سو اس نے کہا کہ تو بادشاہ کا بیٹا ہو کے۔ کیوں دن بدن ڈبلا ہوتا جاتا ہے۔ تب امیوں نے اس سے کہا کہ میں اپنے بھائی ابی سلوم کی بہن تھرتھے پر عاشق ہوں۔ سو یونذب نے اس سے کہا کہ تو بستر پر پڑا رہ۔ اور اپنے تئیں بیمار بنا اور جب تیرا پتھجہ دیکھنے آئے تو تو اس سے کہو میری بہن تھرتھے کو پروانگی دیجئے کہ آئے اور مجھے کھلائے اور میرے سامنے کھانا پکائے تاکہ میں دیکھوں اور اس کے ہاتھ سے کھاؤں۔ تب امیوں پڑا رہا۔ اور اپنے تئیں بیمار بنایا اور جب بادشاہ اسے دیکھنے آیا تو امیوں نے بادشاہ سے کہا کہ میری بہن تھرتھے کو آگے دیکھئے کہ وہ میرے سامنے دو ایک ٹھٹھکے پکائے تاکہ میں اس کے ہاتھ سے کھاؤں۔ سو داؤد نے تھرتھے کے گھر کھلا بھیجا کہ تو ابھی اپنے بھائی امیوں کے گھر جا اور اس کے لئے کھانا پکا۔ سو تھرتھے نے بھائی امیوں کے گھر گئی۔ اور وہ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے آٹا لیا۔ گوند لہا اور اس کے سامنے پھلکے پکائے اور انکو ٹیکے ایک قاب میں ڈھرا۔ اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ پر اس نے نہ اسے سے انکار کیا۔ تب امیوں نے کہا سب مرد میرے

پاس سے باہر نکل جاویں۔ سو ہر ایک شخص اوس کے پاس سے اٹھ گیا۔ تب امیونہ نے تمر کو کہا کہ کھانا کوٹھری کے اندر لاؤ کہ میں تیرے ہاتھ سے کھاؤں گا۔ تب تمر نے وہ پھلکے جو اپنے ہاتھ سے پکائے تھے۔ لئے اور کوٹھری میں اپنے بھائی اخیونہ کے پاس آئی اور جب وہ کھانا اوس کے سامنے لائی کہ اسے کھائے تو اوس نے اوسے پکڑا اور اوس سے کہا کہ اے میری بوا آ مجھ سے ہمبستر ہو۔ وہ بولی۔ نہیں بھئی۔ مجھے رسوا نہ کر کہ اسرائیل میں ایسا کام کرنا چاہئیں۔ سو تو ایسی احمق مت کر۔ اور میں کیا کروں گی کہ میری رسوائی دفع ہو۔ اور تو اسرائیل کے احمقوں میں سے ایک کے مانند ہوگا۔ پس آپ پادشاہ سے کیئے کہ۔ وہ مجھے تم سے منع نہ کرے گا۔ لیکن اُس نے اوس کی بات نہ مانی کہ وہ اوس سے زور آور تھا۔ سو اوس سے زبردستی کی اور اُس سے

ہمبستر ہوا۔ سہیل بنی کی کتاب نمبر ۲ باب ۱۸۰ ص ۳۲۸ مطبوعہ لاہور

اَل دَاوُد کے متعلق یہ ایک طویل و طویل داستان ہے جو حقیقتاً باعتبار اخلاق و تہذیب کے نہ قابل ذکر ہے نہ لائق بیان۔ نعوذ باللہ۔ پیغمبر کے ناقابل ذکر کردار تو خیر ایک شخص کی عورت کی خرابی تک محدود رہ کر ختم ہو گئے۔ مگر پیغمبر زادے کے حرکات نے تو ماں بہن کی تمیز بھی باقی نہ رکھی اسی سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ منصب نبوت کیا اور درجہ رسالت کہاں یہ حضرات تو عام اخلاق تہذیب انسانی کی معمولی منزلت پر بھی فائز نہیں تھے، استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ المسلمانوں کے عقاید میں یہ سب یہود و نصاریٰ کے افتریات و موضوعات ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

(۴) حضرت سلیمان کا اظہار عشق حضرت داؤد کے بعد چنانچہ سلیمان کے متعلق مفصلہ ذیل لغویات کی نسبت کی جاتی ہے۔ حضرت سلیمان عم کی غزل الغزلات میں ہے۔ اپنی زوجہ کی تعریف حسن اور اس کے ساتھ اظہار شوق میں فرمایا جاتا ہے۔

اے میری جانی تو شکلیں دیکھ تو خوبصورت ہے۔ تیرے رخسار تیری چادر کے پیچھے آ رہے اندر کے مانند ہیں تیری چائیاں آہو کے دو بچوں کے مانند ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئے۔ اے میری بوا میری زوجہ۔ تو نے میرا دل غارت کیا۔ اے میری بہن۔ میری زوجہ۔ تیرا عشق کیا خوب ہے۔ تیری محبت سے کتنی زیادہ لذت ہے۔ اے میری زوجہ۔ شہد و شیر تیری زبان کے تلے ہیں۔ اے میری بوا۔ اے میری زوجہ۔ تو ایک مقفل باغچہ اور بنا کیا ہو ایک پانی کا موتا ہے۔

اتھولہ۔ جن دنوں میری تھی۔ چٹا لاکر لگی۔ اور اپنے یاروں پر یعنی اسوریوں پر جو ہمسایہ تھے عاشق ہو گئی۔ کہ وہ سردار لشکر اور حاکمان ملک تھے۔ اور سب کے سب دل پسند اور جوانمرد سوار تھے۔ جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور جوانی پوشاک پہنتے ہوئے تھے اس طرح اس نے ان سب کے ساتھ۔ جو اسور کے برگزیدہ مرد تھے چٹا لاکر اور وہ ان سب کے ساتھ جن سے وہ عشق بازی کرتی تھی۔ اور ان کے سارے بتوں سے ناپاک ہوئی۔ اس نے پر اس زنا کاری کو جو اس نے مقصد میں کی تھی۔ نہ پہوڑا۔ کیونکہ اونٹوں نے اس کی جوانی میں اس کے ساتھ خلوت کی تھی اونٹوں نے اس کے بکر کے پٹائیوں کو ملا تھا۔ اور اپنی زنا اور سپراؤنڈ پٹی تھی۔ اس لئے میں نے اسکو اس کے یاروں کے ہاتھ میں۔ ہاں اسوریوں کے ہاتھ میں۔ جن پر وہ مرنے لگی۔ کر دیا۔ اونٹوں نے اسکو بے ستر کیا۔ اس کے بیٹے اور بیٹیوں کو چھین لیا اور اسے تلوار سے مار ڈالا۔ سو وہ عورتوں کے درمیان رسوا ہوئی۔ کیونکہ اونٹوں نے اسے عدالت سے سزا دی۔

اس کی بہن اتھولہ نے یہ سب کچھ دیکھا۔ پر وہ شہوت پرستی میں اس سے بدتر ہوئی اور اس نے اپنی بہن کی زنا کاری سے زیادہ زنا کاری کی۔ وہ بنی اسور یعنی ان سردار لکڑیوں اور حاکموں پر جو ان کے ہمسایہ تھے۔ جو بھڑکلی پوشاک پہنتے تھے۔ اور گھوڑوں پر چڑھتے تھے اور سب کے سب دل پسند جوانمرد تھے عاشق ہوئی۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ بھی ناپاک ہوئی۔ ان دنوں کی ایک ہی رسم و راہ تھی۔ بلکہ اس نے زنا کاری زیادہ کی۔ بابل کے بیٹے اس پاس کے عشق کے بستر پر چڑھے اور انہوں نے اس سے زنا کر کے اسے آلودہ کیا اور جب وہ ان سے ناپاک ہوئی۔ تو اسکا جی اُسے بھر گیا۔ تب اس کی زنا کاری علانیہ ہوئی اور اس کی برہنگی بے ستر ہوئی۔ تب جیسا میراجی اس کی بہن سے ہٹ گیا تھا ویسا ہی میرادل اس سے بھی ہٹ گیا۔ تب بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر کے۔ جب وہ مصر میں چٹا لاکر تھی۔ زنا کاری پر زنا کاری کی سو وہ پہر اپنے یاروں پر مرنے لگی۔ جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جنکا انزال گھوڑوں کا

باب ۲۳ درس ۱۔ ۲۳

شکار ازل تھا۔

کیا ایسے فحش اور ناپاک مضامین کی نسبت بھی کسی تصریح و تشریح کی کوئی ضرورت باقی ہے۔ مجھ کو ان فضیلت خیز اسناد کی نقل سے خود بخیر آتی ہے اور مجھ کو خود اسکا اقرار ہے کہ میں نے اپنے تبصرہ کے

خاتمہ کو تہذیب قلبی اور آداب تحریری سے نہایت فروتر کر دیا ہے۔ لیکن المامور معذور۔ اور عرض کر چکا ہوں کہ استدلال کی ضرورت اور صورت حال کی مناسبت سے مجھ کو قطعاً مجبور کر دیا ہے۔ ورنہ کہاں میرا تبصرہ اور کہاں دنیا کا مضحکہ۔

کیا کوئی شخص سر میں داغ اور داغ میں فہم سلیم اور عقل مستقیم رکھ کر ان فواحشات کو الہامات سمجھ سکتا ہے۔ یا کبھی دہوکے سے بھی کسی بنی مرسل کے بیانات تسلیم کر سکتا ہے۔ عیسائی ان معتقدانہ کاشفات اور محققانہ تحقیقات کے جواب میں ان شرح و بیانات کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ واقعات نہیں ہیں بلکہ قوم بنی اسرائیل اور ساکنین بیت المقدس کی بد اعمالیوں کی مختلف صورتیں تبلیغات خطابیہ کے پیرایہ میں بغرض عبرت پذیری۔ دکھلائی گئی ہیں۔

ہم اس کو تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیتے ہیں۔ لیکن عرض کرتے ہیں کہ کیا جناب باری عزوجل یا اس کے فرستادہ برحق حضرت خرقیل کو ہدایت قوم کے لئے۔ خدا مات تبلیغ کی ادکاری کے موقع پر تمثیل و تبلیغ کی ضرورت سے کوئی اور صورت و عنوان بیان نہیں ملتا تھا۔ جو ایسے ناپاک اور نفرت انگیز فحش الفاظ میں اس کی حقیقت تمثیلی اور عبارت تفصیلی قایم کی گئی۔ اگر ان دونوں فاحشہ عمورتوں کی تمام داستان عنوان تمثیلی کا حکم رکھتی ہے۔ تو لغو و باطل۔ جناب کوٹ۔ حضرت داؤد۔ اور اون کے صاحبزادے عموں کی بد کرداریوں کے متعلق۔ جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں کیا جواب پیش کیا جاتا ہے

ہا تو ابرہہ انکمران کنتم ہا تعلون۔

عیسائی معتز ضنین سے استفادہ ہے کہ جب آپ کی کتب مقدسہ سے انبیاء کے کرام کے اخلاق اون کی تہذیب اون کے آداب اور اون کی معاشرت کے علاوہ سے ایسے نفرت انگیز اور ناپاک اطوار و عادات ثابت ہوتے ہیں۔ تو آپ اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی ایسی مقدس اور پاک پاکیزہ معاشرت۔ اخلاق و آداب پر۔ اوپر اوپر کے محض موضوعات اور غیر معتبر و غیر مستند روایات پر مومخہ آنے کا کیا حق رکھتے ہیں۔ جن کی حقیقت اور اصلیت اوپر بالتفصیل تحقیق ثابت کر دی گئی ہے۔

عیسائیوں کی انار اسلامی حقیقتاً عیسائی مولفین یا کسی مخالف فرقہ کے مصنفین سے حقیقت نویسی سے بالکل نادانہ ادکاری کی امید ایک خیال موہوم ہے۔ اول تو اون کے لئے مخالفت آغاز ہی سے سرراہ ہوتی ہے۔ دوم اون کی عدم واقفیت اور کسی اطلاع بھی اکثر اون کو حقیقت سے دور

ڈال دیتی ہے۔ گاڈ فرمی ہینکس (GODFREY HINGS) مارگیولوس (MARGOLIOUTH) کار لائل (CARALAYAL) اور گیبون (GIBBON) وغیرہم لایڈ اپس کے مشہور

معروف فاضل اور محقق کامل ہیں۔ مگر ادن کی تصانیف و تالیفات بھی ان فرد گزشتوں سے خالی نہیں گاؤ فرمی سٹیکس نے اپنی دانت میں اپا لوجی لکھی ہے جو ۱۸۲۹ء میں جیکر لندن سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں گویا اسلام کے متعلق تمام اعتراضات کی معقول معذرت دکھائی ہے۔ مگر حقیقت میں آپ حضرات خوب جانتے ہیں کہ وہ ایک طرف تو اسلام کی جانب سے معذرت کرتے ہیں اور دوسری طرف سے اسلام پر خود حملے کرتے ہیں۔ یہی حالت مارگوبوس کی ہے۔ پڑھنے کو تو یہ انگریزی فاضل سند امام جمیل کی چھ ضخیم جلدیں پڑھ گیا۔ مگر نتیجہ کیا نکلا۔ معلوم شد کہ هیچ معلوم نشد۔ جب اپنی کتاب لکھنے بیٹھے تو اوس میں اسلام کی بدخواہی، بدنامی اور رسوائی کا کوئی پہلو اوٹھانہ رکھا۔

یہ تو مخالفت، تعصب اور خاص نفسانیت کی وجہ سے عیسائی مصنفین کو اسلامی تصانیف کے وقت و قسٹیں پیش آتی ہیں اس کے بعد حقیقت اور اصلیت سے ناواقفیت ایک دوسری آفت ہے جو ان کے سر آتی ہے۔ یورپ کے موجودہ تحقیقات کے کمال اور ترقی اور ان کے علم و فضل کی روشنی کو کون نہیں جانتا۔ خاص اسلام کے متعلق ادن کی ایک سے بیکر سزار تک تصنیفات و تالیفات تیار ہیں۔ مگر ایک حقیقت کا ماہر ان کے ان لاتعداد و فاقرا اور بے شمار ذخائر کو بھی اسلام کی معرفت اور اوس کی نفس حقیقت معلوم کرنے کے لئے کہہ ہی کامل نہیں کہہ سکتا۔ عیسائی مصنفین کی ناواقفیت اور کم علمی۔ اسلام کے اہم مسائل پر اپنی تحقیق کی کہاں تک روشنی ڈالے گی۔ تحقیق سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے محض معمولی اور عام امور سے بھی واقف نہیں ہیں۔ مثال کے لئے ہم مسٹر نیل (Mr. Niall) کے ترجمہ قرآن کے مقدمہ کی مفصلہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں۔

اگرچہ علمائے یورپ کا یہ خیال کہ جناب رسول خدا صلعم کہ میں دفون ہوئے ہیں مسترد ہو چکا ہے لیکن ابھی تک اکثر مصنفین اپنی نادان فکار ہی یا غفلت شعاری کے باعث سوچتے ہیں صحیح حکم نہیں لگا سکتا۔ اس غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ میں اس مقام پر صرف دو مصنفین کی نظیریں پیش کر دیتا ہوں پہلے تو ڈاکٹر اسمتھ صاحب (Doctor Smith) ہیں جو ایک زمانہ تک خود ریکی میں رہ چکے ہیں۔ اس لئے ان سے ایسی فرد گزشت نہ قابل معافی ہو سکتی ہے نہ لائق داگداشت۔ یہ فاضل اپنی کتاب کے تین متواتر مقامات پر لکھتا ہے کہ مسلمان کہ میں اپنے پیغمبر کی زیارت کو جاتے ہیں۔ پھر اوس کی کتاب میں دوسرے مقامات پر لکھتے

ہیں کہ پیغمبر اسلام مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر اسمتھ کی کتاب اپیل (Epucule)

جلد اول ص ۲۲۰ جلد دوم ص ۲۳۰ ۴۴۲ مطبوعہ لندن۔

ان سے بڑھ کر سر جی۔ مینڈل (Sir J. Mandeville) کے سفرنامہ

کے مدیر صاحب ہیں۔ جنہوں نے اصل کتاب کے اس صحیح مضمون کو کہ پیغمبر اسلام کی قبر

مدینہ میں ہے (اصل کتاب ص ۵۰) غلط جانکر۔ بائیں صفحہ خطوط ہلال کے اندر کہ بنا دیا

ہے۔

انھیں کے ایسے اباٹ۔ دی وٹاٹ (Abbot de Vertot) صاحب کی

حرکات ہیں۔ مقدمہ ترجمہ القرآن۔ مشرسل صفحہ ۴۴۲ مطبوعہ لندن۔

ہماری کتاب اسوۃ الرسول ہم اپنے تبصرہ کے موجودہ مضامین و مباحث کو اس مقام پر بالتمام ختم کر دیتے

ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مرقومہ بالا تبصرہ میں معمول سے زیادہ طول ہو گیا ہے۔ لیکن ہماری

ضرورت ہماری مجبوری افادہ عام کی بنا پر اسی کی متقاضی تھی کہ سیرۃ النبی کے ابہامات۔ ضغافات

احذافات۔ استقاط اور استحقافات واقعات کے کامل مشکافتات کر دئے جائیں۔ اور شبلی صاحب

کے اور اصول اور موضوع تالیف کی حقیقت اور اصلیت بتا دی جاوے۔ جن کو سیرت نگار ہی

اور تاریخ نویسی سے کوئی مناسبت نہیں۔ وہ تو شبلی صاحب کے خاص معتقدات ہیں۔ جو نہ جمہور

کے مشفقانہ کہے جاسکتے ہیں اور نہ مسلمات۔

نیز شبلی صاحب کے اصول تعلیم کا طریقہ ظاہر کر دینا ضروری تھا۔ جو حقیقتاً ان کے اصول

عقائد کا ایک خاص ضمیمہ ثابت ہوتا ہے۔ اس اصول کو شبلی صاحب نے جس حفظ بالقدم اور

حزم و احتیاط سے اپنی تالیف میں از اول تا آخر۔ مد نظر رکھ کر تمام واقعات کو اسی کے مطابق

قلم بند فرمایا ہے۔ اس کی حقیقت اور راہیت ہر موقع اور ہر مقام پر کھول دی گئی ہو اور اصلیت کھلا دی گئی ہو۔ اسی

کے ساتھ آپ کی عالم قریب انشا پر دازمی کی کا اصلی اور بے وجودی بھی ثابت کر دی گئی ہے۔ جو

اپنے اپنے خاص موقع پر مذکور ہیں۔

تبصرہ میں ہر مہم واقعہ کی صحیح نتیجہ۔ ہر غلط واقعہ کی کامل تنقید و تحقیق اور ہر مشکوک قصہ کی

تصحیح و ترمیم بطور تمثیل قلمبند کر دی گئی ہے۔ اور تفصیل اصل کتاب میں اپنے مقام پر مندرج ہے

تبصرہ میں زیادہ تر ان واقعات کی حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے۔ جن کو شبلی صاحب نے کسی

مصاحبت سے مرفوع القلم فرما دیا تھا یا گھٹا بڑھا دیا تھا۔ یا تاریخ و سیرت کی مہیت و صورت

میں ہر مہم واقعہ کی صحیح نتیجہ۔ ہر غلط واقعہ کی کامل تنقید و تحقیق اور ہر مشکوک قصہ کی

تصحیح و ترمیم بطور تمثیل قلمبند کر دی گئی ہے۔ اور تفصیل اصل کتاب میں اپنے مقام پر مندرج ہے

تبصرہ میں زیادہ تر ان واقعات کی حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے۔ جن کو شبلی صاحب نے کسی

مصاحبت سے مرفوع القلم فرما دیا تھا یا گھٹا بڑھا دیا تھا۔ یا تاریخ و سیرت کی مہیت و صورت

سے نکال کر عقاید کے قالب میں اوتارا تھا اور اس حیلہ قلمی سے اپنے مسلمات عقائد کو تاریخ و سیر کے واقعات و مشاہدات بتلا کر عوام سے تسلیم کرانا چاہا تھا۔

اس میں کوئی عذر نہیں ہے کہ ہم کو ان کے عقاید کی تنقید کی نہ کوئی ضرورت تھی اور نہ ان کی تردید کا کوئی حق حاصل تھا۔ اس لئے میری تنقید بیکار سمجھی جائے گی۔ لیکن اتنی عرض کر دینی ضروری ہے کہ عقاید اسلام کے متعلق وہ واقعات مندرجہ سیرۃ النبی صلعم جو منافی شان رسالت ظاہر ہوتے ہیں یا وہ مرویات جو مخالف قرآن اور معارض احادیث متفق علیہ ثابت ہوتے ہیں انکو بذریعہ تنقید کیسے چھوڑا جاسکتا تھا۔

جس طرح ہر ایسے واقعہ کے متعلق تنقید و تحقیق سے کام لیا گیا ہے اسی طرح بشلی صاحب کی عبارت و مضمون میں جن جن مقامات پر ضرورت خاص سے تلمیحات اور استعارات۔ صرف استعارات و واقعات کے لئے کام میں لائے گئے ہیں یا انشا پر دازی اور عبارت آرائی کی قلم کاریوں سے۔ سطحی الذہن اور محدود الاطلاع افراد قوم و ملت کو صرف مرعوب کر دینے کے لئے کہیں منطق کے اسباب و علل۔ معانی و مطول کہیں فلسفہ اور کلام کے دوا مز و غوا مض۔ دلائل و مباحث پیش کر دئے گئے ہیں۔ ان کی اصلی تصریح و تشریح بھی کر دی گئی ہے۔

عبارت کتاب کے اکثر مقامات میں۔ اعراق۔ انفکاک اور خلاف سیاق اور دیگر اقسام کے غلط و اسقام کی عام حرف گیریوں سے چشم پوشی اختیار کی گئی ہے۔ اور انکی حقیقت شناسی اور اصل فہمی کو ناظرین کے مطالعہ و مشاہدہ کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہی ناگزیر ضرورتیں تھیں جنہوں نے سیرۃ النبی صلعم کے بعد اسوۃ الرسول کی تالیف و اشاعت کو خاص اہمیت دے رکھی تھی۔ مولف نے ابتداء سے پیکر انتہائے تاہیف تک انھیں امور ضروری کو کامل شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ مذہبی اور دینی واقعات کے حالات کو پہلے قرآن مجید کے ارشادات سے۔ پھر احادیث صحیحہ کی مرویات سے مقابلہ کر کے قلمبند کیا ہے۔

ملکی اور قومی وقائع اور سوانح کو تاریخ و سیر کے معتبر اور مستند ماخذوں سے مستند کیا ہے۔ استناد و استخراج کے طریقوں میں ہر واقعہ کی صحت اسناد میں وہ تمام اصول تحقیق قائم رکھتے ہیں جو ایک روایت کی تصدیق و توثیق کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

تہذیبی اور اخلاقی حالات و روایات میں انہیں واقعات کے اندراج پر اکتفا کی گئی ہے۔ جو اخلاق الہیہ آداب نبویہ اور نیز ملک و قوم کی مروجہ تہذیب و شائستگی کے مطابق ثابت ہوتے ہیں۔

تالیفات و تصنیفات کے ان اصول مسلمات کی تفصیل و تعمیل میں بشلی صاحب کی طرح خود غرضانہ اور جانب دارانہ فیصلہ جات اور اقتباسات و استخراجات کا غلط طریقہ نہیں اختیار کیا گیا ہے اور بلاوجہ و ضرورت صرف حصول مدعا کی ضرورت سے۔ ایک فن کو دوسرے فن سے فروتر اور کم پایہ نہیں قرار دیا گیا۔ یا ایک فن خاص کی مرویات و مندرجات میں دوسرے فن کے مرقعات و تذکرات ملا کر خلط مبحث کا معجون مرکب تیار نہیں کیا گیا ہے۔

سیرت نگار می کے موجودہ سابق تحریر میں حد و تنقید و تحقیق ضرور قائم رکھے گئے ہیں اور اس ضرورت میں استدلال کلامیہ سے بھی کام لینا ہوا ہے۔ لیکن واقعات کی تنقید و تحقیق میں نہ اتنی جدت دکھائی گئی ہے۔ اور نہ اپنی اصابت رائے کی قائم رکھنے کی بنا پر اتنی شدت اختیار کی گئی ہے کہ تاریخ و سیرت کے مضامین کلام و منافک کے میگزین بن جائیں۔ یا اپنی جدید تحقیق اور مجدد بننے کے شوق و تمنا میں سیرت نگار می اور تاریخ نویسی کے عام فہم اور سلیس طریقہ تحریر کو۔ جو آغاز فن سے لیکر اس وقت تک تمام علمائے متقدمین و متاخرین کا مختار قرار پا چکا ہے فلسفہ تاریخ کی جدید اور یورپین طریقہ تالیف کی تقلید کی موجودہ صورت و ہیئت میں بدل دیا گیا ہے اور نہ علم قدراست کے انکشافات جدیدہ کے ہر ممکن و ناممکن قیاسات کی بنا پر واقعات تاریخی کی اتنی اچھان بین اور اون کی ہی ہندی کی چند ہی کی گئی ہے کہ ثبوت استدلال کے طومار و انبار میں اصل مطلب مفقود اور لاوجود ہو جاوے حقیقت واقعہ اور اصل صورت حال تو غائب ہو جائے۔ مصنف کا صرف خارجی اور سطحی استدلال باقی رہ جاوے۔

اس مسلک اور اس طریقہ تالیف کے خلاف اسوۃ الرسول میں ہر مسئلہ ہر واقعہ کی اصل حقیقت کے انکشاف کر دئے جانے کو فرض اول قرار دیا گیا ہے۔ اور اون کی تفصیل بیان میں ایسی قدر وسعت دی گئی ہے جس قدر سہولیت اور عام قبولیت کے لحاظ و اعتبار سے ضروری تھی۔ مختلف فیہ مسائل میں کثرت رائے کو ترجیح دی گئی ہے اور وہی واقعات درج کئے گئے ہیں جو قبولیت اور مقبولیت دونوں حیثیت رکھتے ہیں۔ نقل روایات میں مصنف راجح و احادیث کو میں بھی کام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ بشلی صاحب نے اس کے قابل الاستناد ہونے کا بھی عام فتویٰ دیدیا ہے۔

دیباچہ سیرۃ النبی ص ۱۶۱ء

واقعات کی ترتیب یا اعتبار سنین کی گئی ہے اور ہر سال کے سلسلہ واقعات میں تقدیم و تاخیر وقوع کی ترتیب قائم رکھی گئی ہے۔ ایسے واقعات جن کے ایام وقوع کی تمین میں اختلاف ہے۔ کثرت اقوال پر اعتبار کیا گیا ہے۔ ایسے واقعات جنکی تفصیل ضرور ہی نہیں سال وقوع کے آخر میں تذکرہ لکھ دئے گئے ہیں۔

مرقومہ بالا ترتیب و تدوین کے مطابق اسوۃ الرسول ص ۱۶۱ء کا نہ حصوں میں مرتب اور تدوین ہوئی ہے۔

پہلے حصہ میں۔ ملک عرب کی قدامت۔ قدیم قبائل و عشائر کے تفصیلی حالات۔ عرب کے تمام جنرافی اور تاریخی خصوصیات۔ عرب کے تمام قدیم انبیاء و مرسلین۔ انکی تبلیغ رسالت اور ان کی قوم دامت کے واقعات۔ عرب کے تمام قدیم سلاطین۔ اور ان کا طرز حکومت نظام عہد عرب میں جناب ابراہیم کا ورود۔ بنائے کعبہ حضرت اسمعیل اور ادن کی والدہ مقدسہ۔ حضرت اسمعیل اور ادن کی اولاد و عقباب۔ تولیت کعبہ۔ امارت مکہ کے مسلسل اور منفصل حالات۔ نابت ابن اسمعیل کے زمانہ سے لیکر حضرت عبدالمطلب کے ایام تولیت و امارت تک مندرج ہیں۔

دوسرے حصہ میں آنحضرت کی ولادت۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات۔ حضرت ابرہہ کی تولیت و امارت کا زمانہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت۔ مکہ میں تبلیغ رسالت۔ مدینہ میں ہجرت فرمانے کے وقت سے لیکر غزوہ خیبر تک ہجری تک کے تمام حالات و واقعات مرقوم ہیں۔

تیسرے حصہ میں سترہ ہجری سے لیکر سترہ ہجری سال وفات تک کے تمام احوال قلمبند ہیں۔

چوتھے حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد و ذریات۔ ازواج مطہرات اور متروکات وغیرہ کی تفصیل درج ہے اور اسی تفصیل کے ساتھ آپ کے مکارم اخلاق۔ محاسن عادات۔ اقوال و ارشادات قلمبند کئے گئے ہیں۔

پانچویں حصہ میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص رسالت اور قرآن مجید کی ہدایت سے بحث ہے رسالت کے متعلق تعلیم عقاید۔ اوامر و مناہی۔ اصلاح حال و اعمال۔ درستی اخلاق و معاشرہ۔

تمام ضروریات دینی اور دنیاوی کی کامل تفصیل درج کی گئی ہے۔ اور اسی کے ضمن میں شریعت اسلامی کی تعلیمی فوائد و منافع۔ محاسن و مناصح اوں کا دیگر شریعتوں کے احکام و نصاب مردود سے از روئے مقابلہ و موازنہ مکمل متمم اور مرتجح ہونا کامل شرح و بسط سے بتلایا اور دکھلایا گیا ہے۔ قرآن مجید کی نسبت۔ اوس کی بے نظیر اور لا جواب فصاحت و بلاغت کے اظہار و ثبوت کے علاوہ اس کا سراپا اعجاز اور حقائق معرفت سکھانے والا ہونا قوی اور مستحکم دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ خاتمہ بحث میں مخالفین اسلام کی اوں تمام تعریضات کی تردید و تنقید قلمبند کی گئی ہے۔ جو اسلام اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام پر غرض غلط فہمی کو نہ بنی اور قصب دینی کی وجہ سے وارد کئے جاتے ہیں۔

صنف تالیف اور شغف تصنیف میں تحقیق و ترتیب کے بعد بہت بڑا اہم اور ضروری امر نقل اسناد ہے ہر واقعہ کے شہود و ثبوت میں اسناد کی اصلی عبارت کو ملحوظ رکھ دیا گیا ہے۔ متقدمین صرف مصنف اور تصنیف کے نام کے حوالہ کو کافی سمجھتے تھے لیکن زمانہ حال کے محققین نے اس طریقہ اختصار کو اطمینان و اعتبار کے لئے کافی نہ سمجھا۔ مزید اطمینان اور خاطر خواہ تشفی کے لئے اسناد کی پوری عبارت۔ تصنیف۔ صاحب تصنیف کا نام شمار جلد نشان صفحہ و سطر تک کے اندراج کو ضروری سمجھا ہے۔ یہ طریقہ چونکہ نہایت مستحسن اور مستحکم تھا اس بنا پر فی زمانہ عالم تصنیفات و تالیفات میں یہی دستور قائم ہو گیا۔ اسوۃ الرسول میں بھی نقل اسناد کے یہی اصول قائم رکھے گئے ہیں۔ نہایت احتیاط سے اسناد کی اصلی عبارتیں۔ کتابوں اور اوں کے صفحات۔ سطور اور مجلدات وغیرہ کے صحیح حوالے قلمبند کئے گئے ہیں۔ عربی اور فارسی ماخذوں کی اصلی عبارت ایک طرف۔ اوں کا ترجمہ دوسری جانب درج کر دیا گیا ہے۔ انگریزی حوالہ جات میں چونکہ بغیر ٹائپ کے اصلی عبارت کی نقل دشوار تھی۔ اس لئے اوں کے صرف ترجمہ پر اکتفا کی گئی۔ لیکن اصل کتاب کے تمام حوالے دیے گئے ہیں فیمن شار فی شرح الیہ۔ عو اجات بعد ختم واقعات نور اللمحہ دئے گئے ہیں اور عبارت زیرین حاشیہ وغیرہ کے ملاحظہ کی دوبارہ رحمت نہیں دیکھیں۔

المؤلف الاحقر

خان بہادر

سید اولاد حیدر بلگرامی

ربانی فی علم او اھدنی الی صراط مستقیم سبحانک لا اھل الا

ما علینا اننا انشأناک علیہم و علی اللہ علی رسولہ والہ الامم

نہت بالخیر

کوا شھ ضلع آرد

شریف العمارت

عید الفطر ۱۳۲۲ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ علی سید المرسلین و خاتم النبیین و علی آلہ الطیبیین
تحمید الہی فطرت انسانی کا مقصد ہے اور نعمت حضرت رسالت پناہی عقیدت ایمانی اور ادب الہی حالی کا مدعا
صلوا علیہ و آلہ و وصیائہ المصنوعین۔

اس سے پہلے کہ موجودہ تالیف کے تمہیدی مضامین آغاز کئے جاویں۔ ہم ضرورت تالیفی اور تناسب مقامی
دونوں اعتباروں سے۔ ملک عرب کے جغرافی اور تاریخی حالات کو جن سے ہمارے کتاب کے تمام
مضامین کو ابتدا سے لیکر انتہا تک پورا تعلق ہے۔ کامل اور کافی تفصیل سے۔ لکھ دینا اور بیان کر دینا نہایت
ضروری سمجھتے ہیں۔

فہمستان عرب

ملک عرب اگرچہ تقریباً تمام تر ریگستان ہے۔ مگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے اور تاریخی مشاہد سے ملایا
جاوے تو انقطاع عالم میں یہ ہزاروں کوس کا چٹیل اور غیر آباد۔ بے آب و گیاہ میدان۔ قدیم الایام سے تقدیریں
کامرکز و وحاشیت کا معدن۔ معرفت کا مخزن۔ رسالت و نبوت کا گلزار۔ اور فصاحت و بلاغت کا
باغ پر بہار ثابت ہوتا ہے۔

وجہ تسمیہ۔ عرب کی وجہ تسمیہ میں عموماً دو قول مشہور ہیں۔ قول اول یہ ہے کہ عرب اور اعراب کے معنی
فصاحت اور زبان آدمی کے ہیں۔ چونکہ اہل عرب اپنی زبان آدمی کے سامنے دنیا کی تمام زبانوں کو پیچ
سمجھتے تھے۔ اسلئے انہوں نے اپنے آپ کو عرب (فصحی اللسان) اور دنیا کی تمام قوموں کو عجم (ذولیدہ زبان)
کہہ کر لپکارا۔

قول دوم جو جغرافیہ میں کا مختار اور مورخین کا معیار تحقیق ہے وہ یہ ہے کہ عرب کا قدیم اور اول نام عربیۃ
اور عربیۃ تھا۔ جو کثرت استعمال سے مخفف ہو کر عموماً عرب بولا جانے لگا۔ اور اسکے بعد ملک کے نام سے
خود قوم کا نام بھی قرار پا گیا۔ عربیۃ کی جمع عربات ہے۔ اور لغوی معنی۔ صحرائے ناقابل زراعت۔ عرب کے
اشعار قدیم عرب کے اصلی معنی ہی بتلاتے ہیں۔ ذیل کے اشعار عرب سے اسکی پوری تصدیق ہوتی ہے
اسد ابن جاحل کہتا ہے۔ وعربۃ ارض جلدانی النضر علیہا۔ حکم اجڈانی نشریلہ لفقارہ ظلماء

ملک عرب وہ قطعہ زمین ہے جو اپنے باشندوں کی شہرت کیلئے وسیعاً ہی مشہور ہے جیسا اسکے باشندوں کو پیاموں کو پیام میں ٹھنڈا پانی پلانے کیلئے شہریت کا شرف حاصل ہے۔
حضرت ابی طالب کے مشہور قصیدہ کا ایک شعر ہے ۵۔ و عربۃ د امرکلا یحکمحل حرامہا
من الناس اکلاہ الذودعی الیہ لاجل۔

ملک عرب وہ قطعہ زمین ہے جس کی حرام (منوعات) چیزوں کو سوائے دانشمندان اور بزرگان قوم کے کوئی دوسرا شخص حلال (جائز) نہیں کر سکتا۔
ابوسفیان کہی جناب سالتاب صلی اللہ علیہ وآلہ کی مدح میں کہتا ہے۔ ابونا رسول اللہ وابن خلیلہ
بعربۃ بوانا فنعم الملک۔

خدا کا رسول اور اسکے خلیل کا زرد ہمارا باپ ہے۔ تمام عرب کو اس پر فخر ہے۔ کیا اچھا سردار قوم ہے۔
وچہ تسمیہ کے متعلق قول اول اگر صحیح ہی ہو لیکن تاہم اہل عرب کی خصوصیت اور ذاتی مفاخرت تک بھی وہ سمجھا جائیگا۔
زیادہ سے زیادہ انکی نکتہ آفرینی اور وقت رسی کا نتیجہ یاد عاکہلا کے عام مقبولیت اور واقعیت کے درجوں تک
نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ہر قوم اپنی زبان کی اسی طرح جوہری ہے جس طرح عرب۔

جغرافی تعلقات سے عرب کی وجہ تسمیہ کی تحقیق۔ اس قطعہ زمین کا نام عربۃ کیوں رکھا گیا حقیقت یہ ہے
کہ عربۃ اصل میں سامی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی صحرا اور بادیا کے ہیں۔ جغرافی میں عربا آیا ہے۔ عرب کی ذرا
سی بدلی ہوئی شکل ہے۔ معنی وہی ہیں۔ بیابان اور میدان۔ ابھی تک عربی میں ہی اسکی قدیم یاد اُنھیں معینوں
میں باقی ہے۔ عربۃ بدویت کے لئے اور اعراب۔ بادیا اور صحرائیوں کے لئے آج تک زبان زد خاص عام ہے۔
چونکہ ملک عرب تمام زمیں پر آب و گیاہ ہے اور رگستان کالق ووق میدان۔ علی الخصوص وہ ملکی حصہ جو علاقہ حجاز
کے نام سے مشہور ہے۔ اور ہماری موجودہ تالیف کی تصریحات و تفصیلات کا اصلی مقصود یہ علاقہ بادیا عرب
شام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی باعث سے اسکا نام عرب باقرار پایا۔ پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو
بھی عرب کہنے لگے۔

تاریخی مشاہدہ سے وجہ تسمیہ عرب کی تحقیق۔ لفظ عرب سب سے پہلے تلامذہ ق م (قبل مسیح) میں
حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں سمجھ ہوتا ہے (کتا بہلا تلتما۔ آیت ۱۔ ۶۔ ۲۲) اور پھر اسکے بعد عام
طور سے اسکا استعمال۔ جغرافی۔ یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آتا ہے۔ اس پر یاد شام کے کتبائے یحییٰ میں
تسمیہ تمام میں عرب کا نام عریبی لکھا ہے۔ قبل اسلام یہ لفظ پورے ملک کو جو بین سے شام تک وسیع
ہے۔ محیط تھا۔

کتب مقدسہ سے تحقیق۔ توریت میں لفظ عرب ایک خاص قطعہ زمین عرب کے معنی میں متعدد بار آیا ہے لیکن یقیناً اس وسعت کے ساتھ اطلاق نہیں ہوا ہے جس وسعت کے ساتھ اب یہ کہا جاتا ہے۔ لفظ عرب اسے صرف وہ قطعہ زمین مراد لیا گیا ہے جو حجاز و شام سے سینا تک وسیع ہے۔ عام ملک عرب کے لئے زیادہ تر مشرق اور مشرق کی زمین کا استعمال ہوا ہے اور کبھی جنوب کا۔ کیونکہ عرب فلسطین کے مشرق و جنوب دونوں گوشوں میں ہے۔

قرآن مجید میں لفظ عرب۔ ملک عرب کیلئے کہیں نہیں آیا۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی سکونت کے ذکر میں وادِ غلزدیٰ یعنی ناصح یعنی ناقابلِ زراعت اسکو کہا گیا ہے۔ جو تحقیق وچہ تسمیہ میں۔ جغرافیہ تاریخ اور توریت مقدس سے اوپر لکھی گئی ہے وہ قرآن مجید کی تصریح سے جب مقابل کیجاتی ہے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے انھیں الفاظ اللہ قدیمہ کا بعینہ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ چونکہ اس غیر آباد ملک کا کوئی نام نہ تھا۔ اسلئے خود لفظ ”غیر آباد ملک“ (عرب) اس کا نام پڑ گیا۔ توریت سے اس سے اسکی تصدیق و تطبیق اسطرح ثابت ہوتی ہے کہ توریت میں بھی اسمعیل کا مسکن آباد نہ لیا گیا ہے جس کے معنی سیابان اور غیر آباد قطعہ زمین کے ہیں اور جو بالکل عرب کا ترجمہ اور وادِ غلزدیٰ غیر آباد ہے۔

ملک عرب کا جغرافیہ

عرب کے حدود و اربعہ۔ ملک کا نام قائم ہو گیا۔ اب جغرافی حالات یہ ہیں۔ ان حالات میں اصول جغرافیہ کے مطابق سب سے پہلے حدود و اربعہ کا بیان ضروری ہے اور وہ یہ ہیں۔

شمال میں۔ ایشیائی ترکستان۔

جنوب میں۔ بحر ہند اور خلیج عدن۔

مغرب میں۔ بحر قلزم جسے بحر احمر (رڈ سی) بھی کہتے ہیں۔

مشرق میں۔ بحر عمان اور خلیج فارس۔

اہل جغرافیہ لکھتے ہیں کہ عرب کے شمالی حدود۔ ایک مختلف نہیں۔ فی الحال یورپ کے تحقیق جغرافیہ

نے عرب کے شمالی حدود کی جو تحقیقات کی ہے وہ تمام اطلاع عالم میں مستحکم ہو چکی ہے۔ وہ یہ ہے کہ نقشہ

عرب میں ۳۴ درجہ ارض البلد سے ایک خط شہر سوتیز سے خلیج فارس کے سرے تک کھینچا جائے تو

یہی خط ملک عرب کی شمالی حد مانا جائیگا۔

حقیقت یہ ہے کہ عرب کی شمالی حد اکثر اوقات مختلف فیہ رہی ہے۔ بعضوں نے علاقہ حلب سے لیکر دریائے فرات تک کے قطعہ زمین کو بھی عرب میں داخل بتلایا ہے۔ اون کے اس قول کی بنا فتوحات اسلامی پر قائم ہے۔ کیونکہ اونھوں نے اپنے فتوحاتی وسعت کے ساتھ اپنے ملکی حدود کو بھی بڑھا ہوا خیال کر لیا ہے۔ اسی طرح قدیم تاریخوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیرہ نمائے سینا کو بھی اکثر عربی اور یورپین مورخین ملک عرب میں شامل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا مختارہ یونانی اور رومانی کتابوں پر مبنی ہے۔ جنہوں نے عرب کی تقسیم ملکی میں بطور سینا (جزیرہ نمائے طور سینا) کو بھی عرب کے حصوں میں قرار دیا ہے اور نمبر اول شمار کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اون کا یہ قول بھی قول اول کی طرح ادسوقت کے عرب کی موجودہ حکومت کے رقبہ کے اعتبار پر قائم کیا گیا ہو۔ اور شیوع اسلام سے پہلے شاہان عرب نے اپنے حدود حکومت کو جزیرہ نمائے سینا تک بڑھا دیا ہو۔ مگر بخلاف ان سب قیاسی اضافات کے اصل تحقیقات وہی ہے جس پر تمام علماء جغرافیہ کا اتفاق ہو چکا ہے۔ وہ وہی خطہ ہے۔ جو شہر سوز سے کھینچ کر خلیج فارس کے سرے تک پہنچتا ہے اور یہی عرب کی شمالی حد خطہ ہے عربی جغرافیہ کا یہ دعویٰ کہ اون کا ملک معمرہ عالم کے وسط میں واقع ہے۔ گو ایک مدت تک قیاس غلط اور مفاخرت خاص سمجھا گیا۔ مگر زمانہ موجودہ کی تحقیق جدید سے ثابت ہو گیا کہ ملک عرب درحقیقت دنیا کے قدیم کے قلب میں واقع ہے۔

مغرب کی جانب یہ ملک خاکنا سے سویٹزر کے ذریعہ سے ملک مصر سے ملا ہوا تھا۔ مگر ۱۸۶۹ء میں نہر سوئز کے کھد جانے سے جدا ہو گیا۔ یہ نہر ۱۶ میل لمبی اور ۵۰ سے لیکر سو گز تک چوڑی ہے۔ اور مالک مصر فرانس اور برطانیہ کی متفقہ تجویزوں اور کوششوں سے بنی ہے۔

سواحل اور مشہور بندرگاہیں۔ ملک عرب کی جو شمالی حد اوپر لکھی گئی ہے اس کے اعتبار سے یہ جزیرہ نما تقریباً طول میں ۳۰۰ میل ہے۔ اور شمالی خط ارض البلد کے ۳۴ درجہ پر۔ جہاں یہ سب سے زیادہ عرض پائا گیا ہے۔ اسکا عرض ۵۰۰ میل ہے۔ شمالی حد کے پاس جہاں سب جگہ سے کم اسکا عرض پایا جاتا ہے۔ وہاں اس کی چوڑائی کل ۹۰۰ میل ہے۔ اسکا مغربی ساحل جو بحر احمر سے ملا ہوا ہے سنگین اجزا سے ملی ہوئی زمین ہے اور بالکل سخی یعنی ناقابل زراعت۔ اسکے نیچے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جنہیں کوئی دو ہزار فٹ سے اونچا نہیں ہے۔ اس ساحل پر کوئی بندرگاہ نہیں۔ مگر ہاں۔ چھوٹے چھوٹے جزائر البتہ ہیں۔ جن میں آتش فشاں مادہ رکھنے والے پہاڑ واقع ہیں۔ آبنائے باب المندب کے ابتدائی حصہ میں جزیرہ پیرم واقع ہے۔ جو فوج کا ایک قابل الذکر مرکزی مقام ہے۔ جنوبی مشرقی ساحل کی بھی زمین کے اعتبار سے یہی حالت ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس ساحل پر عدن، ظفار اور قیشوم کی کئی مشہور و معروف

بندر گاہیں واقع ہیں۔ شرقی ساحل جو بحر متیت سے لیکر بحر عمان تک تمام ہوتا ہے۔ بہت ہی آباد ہے۔
 رقبہ ملک۔ جزیرہ نما سے عرب طول میں کم سے کم ۳۰۰ میل اور زیادہ سے زیادہ ۸۰۰ میل بتلایا
 جاتا ہے اور عرض میں ۶۰۰ میل مربع۔ کل رقبہ بارہ لاکھ تیس ہزار میل مربع ہے۔ باعتبار رقبہ کے
 ملک عرب جرمن اور فرانس سے چار گونہ بڑا اور ہندوستان سے ایک ٹلٹ کم وسیع ہے۔
 آبادی۔ آبادی ایک کروڑ دس لاکھ ہے۔ جس میں پانچواں حصہ بدو قوموں کا ہے۔ بدو۔ بادیه
 سے ماخذ ہے باقی اور قومیں شہر۔ قصبات اور دیہات میں رہتی ہیں اور عرب انکسٹر اکلاتی ہیں۔ بدو
 قومیں یعنی عرب البادیہ ہمیشہ خانہ بدوش رہتے ہیں۔ یہ دنیوں۔ بھٹیروں اور عموماً موشیوں کو پالتے
 ہیں۔ ہمیشہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ خیموں میں رہتے ہیں اور برابر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل
 ہوا کرتے ہیں۔ جب ایک مقام پر ان کی موشیوں کا چارہ۔ اور پانی پینے کا چشمرہ خشک ہو جاتا ہے۔
 تب ان کو دوسرے مقام پر جہاں ان کی ضرورت کی یہ دونوں چیزیں دستیاب ہوتی ہیں چلے جانے کی
 مجبوری ہوتی ہے۔ یہ لوگ صحرا نوردی اور وشت سپائی کی آزاد اور سادہ زندگی کو شہر اور قصبات کی مقامی
 سکونت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی اس ترجیح کا دعویٰ کچھ آج سے نہیں ہے۔ بلکہ ہزار ہا برس قبل سے
 وہ ہمیشہ سے اپنی قدامت کے والہ و شیدائیں۔ اور ایسے شیدائی کہ انھوں نے اپنے وطن کی اصلیت
 اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ملک و قوم کو موسوم کیا۔ جیسا کہ وجہ تسمیہ عرب میں ابھی ابھی اور بیان ہو چکا
 ہے۔ قدامت اور اصلیت کے ایسے عاشق کامل کہ باوجود لاتعداد امتداد ایام کے بھی نہ ان کے
 ملکی رسم و رواج میں ابھی تک کوئی فرق آیا ہے اور نہ قومی وضع و لباس میں جنگ و جدال۔ خون
 قتال گویا ان کی فطرت کے خاص عناصر تھے۔ مگر جب سے اسلام کی مبارک تعلیم نے ان میں
 تہذیب اور شائستگی بھلائی۔ تو مساوت۔ شجاعت اور بیات کی صورت میں آگئی۔ لوٹ مار اور
 ایذا رسانی۔ مہمان نوازی اور آرام رسانی کی انسانی خوبیوں میں ظاہر ہوئی۔ شدہ شدہ وہ سلطنت
 اسلامی کی نگرانی میں تعلیم پاکر قوم و وطن کے بہت بڑے بہادر اور شجاع سپاہی اور اپنی مہاکست کے
 فیاض اور بڑے مہمان نواز ثابت ہوئے۔ ان کی ہمسایہ اور ہم وطن قوموں کے علاوہ تمام دنیا کی غیر قوموں
 نے بھی ان کی ہمت۔ شجاعت۔ فیاضی اور مہمان نوازی کو تسلیم کر کے پیچہ تعریف کی ہے۔ تھامان عرب
 کا فرانسیسی محقق لکھتا ہے۔

خلفائے راشدین کے وقت میں اسلامی فوج کا بہت بڑا حصہ ہی بدوی تھے۔ بدوی قوم وادراک میں حقیقتاً تمام دنیا کی گلہ چرانے والی قوموں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ میں نے ان سے بارہا گفتگو کی ہے۔ کب معیشت کے متعلق ان کے خیالات بہتر سے یورپین تعلیم یافتہ لوگوں سے بہتر ہیں۔ رسوم و عادات میں نیم وحشی ہیں، مگر خیالات میں وحشی نہیں۔ یہ لوگ اگر وحشی کچھ بھی جائیں تاہم فہمیدہ اور ذہین ضرور ہیں۔ یہ قوم چار مختلف قبائل پر منقسم ہے۔ (۱) دروز۔ عام بدیوں سے علاقہ شام کے سرحدی بدوی نظر آتا اور عاداتاً بہت قریب ہیں۔ حقیقت میں مسلمانوں کا

ایک معزز اور خود مختار فرقہ ہے۔ یہ لوگ بڑے جرمی ہیں۔ ان میں اور لبنان کے موارنہ میں سخت عداوت ہے (۲) موارنہ۔ یہ نصرانیوں کا ایک معزز اور لائسن فرقہ ہے جس سے اصل موقع پر بہادری کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ (۳) متاولہ۔ کوہستان عرب میں آباد ہے۔ ان کا مذہب امامیہ ہے سخت متعصب ہیں۔ کبھی کسی اجنبی کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ بالکل علیحدہ رہتے ہیں۔ (۴) زہنا یہ یہ ایک بالکل جداگانہ پہاڑی قوم ہے۔ ان کا مذہب رباطی اسلام کی ایک شاخ ہے۔ مگر نہایت مختلف۔ تنازع کے بھی قائل ہیں اور آفتاب و ماہتاب کی بھی پرستش کرتے ہیں۔

عرب مستوطن۔ مستوطن عرب بدوؤں کی طرح نیم وحشی نہیں کہے جاسکتے وہ اپنے کمالات صفات اور معلومات کے اعتبار سے دنیا کی اور شاہکستہ قوموں سے پیچھے نہیں ہیں۔ یورپین مشہور سیاح مسٹر مالگرلو کے اعترافات سے اہل عرب کے ان اوصاف پر ثبوت کی کافی روشنی پڑتی ہے۔ عرب سکنان عمان کی نسبت یہ مشہور و معروف سیاح فہمرازہ سے کہ علاقہ نجد میں ایسے شخصیات کثرت سے پائے جاتے ہیں جو انگریزوں کی طرح کلیں (پیشینیں) بنا سکتے ہیں اور آسانی سے ریلوے کی ٹریکس چھڑا سکتے ہیں علاقہ یمن میں دو دارالعلوم کام کر رہے ہیں۔ ایک شہر زید میں اور ایک شہر ظفار میں۔ اگرچہ یہ دارالعلوم جامع الاظہر کی طرح مشہور تو نہیں ہیں۔ لیکن ملک کے علم و دست اور روشن خیال طبقات میں ان کی علمی کا بہت بڑا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

کچھ آگے چل کر پھر یہی یورپین فاضل لکھتا ہے کہ یمن نے بہت سفر کیا ہے۔ اور مختلف اقوام کے ساتھ میرے روابط و وابستہ رہے ہیں۔ جن میں افریقی، ایشیائی اور اہل یورپ سب شامل ہیں۔ لیکن ان میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جسے وسط عرب کے عربوں پر ترجیح دی جاسکے۔ ان مستوطنین عرب (عرب انحصار) کی بھی وہی زبان (عربی) ہے جو بدوی عرب کی ہے اور ان کی رگوں میں بھی وہی خون

دوڑتا ہے جو اون کی سٹریاؤں میں۔ لیکن تاہم شتان بدینہما دونوں میں فرق عظیم ہے۔
 پھر کچھ آگے چل کر ہی قابل مصنف علاقہ نجد کے وہابی فرقہ عرب کے متعلق لکھتا ہے کہ وہابی عرب
 بمقابل دوسرے عربوں کے بخیل اور شکل مہوں میں شریک ہونے پر کم آمودہ ہوتے ہیں۔ نہ وہ مثل
 اور عربوں کے رنگیلے ہیں۔ نہ صاعث دل ہیں۔ نہ کشادہ پیشانی۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ زیادہ ثابت قدم
 اور زیادہ عقلمند ہیں۔ اون کی باتوں سے۔ اون کا دل مدعا بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے ارادوں
 میں نہایت مضبوط ہیں۔ دشمنی میں سخت اور دوستی میں ان لوگوں کے ساتھ جو اون کے حقوق نہیں
 ہیں۔ نہایت مشتبہ۔ ان کی خاموشی خشن بلکہ خوس صورتیں شمالی عربوں کے نیک اور خندہ روئی
 کو یاد دلاتی ہیں۔ وہ ہرگز فوری پریشیوں پر کام نہیں کر بیٹھتے۔ بلکہ قیل سے سوچتے ہوئے اور سمجھ
 ہوئے خیال پر عمل ہوتے ہیں۔ اگرچہ اون کے فہم و ادراک خود غرضی سے آلودہ ہیں۔ لیکن اون کے عزم
 قوی ہیں۔ اور ان کی ثابت قدمی نے ان کو اس لائق بنا دیا ہے کہ وہ اپنی تمدنی حالت کو نہایت مضبوط
 کر لیں۔ اور اپنے ہمسایوں پر ظالمانہ حکومت کر سکیں۔ شدید انتقاد باہمی کی وجہ سے۔ ان کی کامیابی بمقابل
 ایسے دشمن کے یقینی ہے۔ جسے آپس کی پھوٹ سے گزر کر رکھا ہو۔ دباہیوں کے یہ خصائص ان کے
 روزمرہ کے حرکات و سکنات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ان سے گفتگو کرتے وقت انسان کو ضرور ہے
 کہ اپنے الفاظ و اشارات کا ویسا ہی خیال رکھے۔ جیسا کہ کسی دشمن سے گفتگو کرتے وقت لگتا ہے۔
 سطح زمین عرب۔ سطح زمین سکے اعتبار سے جزیرہ نما ہے عرب تقریباً ہر تفع میدانوں کا تختہ ہے
 جو خاکریز اور پورب اور دکن کی طرف بہ نسبت اور جانب کے زیادہ اونچا ہے۔ جن میں بعض بعض نشیب کے
 مقامات سبز و شاداب وادیوں سے بھرے ہیں۔ عموماً سطح زمین کی اونچائی ایک ہزار سے لیکر تین ہزار فٹ
 تک ہے۔ جزیرہ نما کے سینا اس فاضل مغربی کے نزدیک سینا داخل عرب ہے۔ ہندوستان ہے۔
 جس کے کچھ خلیج سوئز اور پورب خلیج عقبہ واقع ہے۔ اس کی زمین بالکل سنگلاخ ہے۔ اور اس کے
 وسط میں کوہ سینا واقع ہے۔ کوہ سینا کا سلسلہ مشرقی ساحل سے شروع ہو کر خلیج فارس کے کنارے کنا
 ہوتا ہوا جزیرہ نما کے سندان میں داخل ہوتا ہے۔ ان کی اونچائی دو ہزار سے لیکر تین ہزار فٹ تک ہے۔
 خلیج فارس کے وہاں پر جزیرہ کویت واقع ہے۔ اور وہ فی الحال بہت اچھی بندرگاہ ہے۔ اس کے جنوبی
 مشرقی حد وہ پتلا زمین کا حصہ ہے جس میں سب سے آگے راس سندھ واقع ہے۔ یہ قطعہ زمین شمال
 مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ یہاں سے فاصلہ بحر عمان واقع ہے۔ اور وہ بحر ہند سے جا کر مل جاتا ہے۔
 خلیج عمان کے جنوبی مغربی کنارے پر سقط کی خوشابندرگاہ واقع ہے۔

عرب کے پہاڑ۔ پہاڑوں کے دو سلسلہ شمال و مشرق اور جنوب و مغرب کی طرف جبل اجا اور
ہبیل تسلیم کے ناموں سے مشہور ہیں جن کی سب سے اونچی چوٹی سمندر کی سطح سے پانچ ہزار فٹ اونچی
ہے۔ جبل الطوقی جو ملک عرب کی ریڑھ (استخوان پشت) کہلاتا ہے۔ ٹھیک اتر سے دکن کی طرف جاتا
ہے۔ اس سے اور فلج فارس سے کہیں سو میل کہیں دوسو میل کا فاصلہ گھٹنا بڑھتا ہے۔ علاقہ عقبہ بنی یاسر
کی چوٹیاں چھ ہزار فٹ اونچی ہیں۔

عرب کے دریا۔ اس ملک میں کوئی دریا کشتی چلانے کے قابل نہیں ہے۔ جو بھی چند چشمے ہیں وہ
گرمی کے دنوں میں تمام تر خشک ہو جاتے ہیں۔ ملک کے اکثر علاقوں میں کسی کسی مہینوں تک پانی کی
ایک بوند نہیں برستی۔ لیکن عجیب قدرت خداوندی یہ ہے کہ یہاں کے پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے جاری رہتے
ہیں جن سے دامن کوہ اور وادیاں عمدتاً سرسبز و شاداب رہتی ہیں۔ کبھی کبھی یہی چشمے پھیل کر تھوڑی در تک
ایک بیضوی دریا بن جاتے ہیں۔ پر وہ ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں یا سمندر میں بہا جاتے ہیں۔ ملک
عرب نے انہیں چشموں کے روکنے کیلئے بنائے تھے۔ کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ چشمے ابل کر بصورت
سیلاب پھر خطر ہو جاتے ہیں۔ بند ارم۔ بند تارپ انہیں کی یادگار ہیں۔

عرب کا صحرا عظیم۔ اہل عرب اس صحراے عظیم کو ارض الدہان کہتے ہیں۔ یہ صحرا ملک کے جنوب
میں واقع ہے۔ ارض الدہان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ زبان عرب میں دہان کے معنی سرخ کے ہیں۔ چونکہ اس
صحرا کی ریگ سرخ رنگ کی ہے اس لئے اس کا نام ارض الدہان قرار پایا۔ یہ لقمہ دو صحرا قبہ میں تقریباً
بچاس ہزار میل مربع ہے اور تمام قبہ ملک کا پانچواں حصہ ہے اس صحرا کی وسیع زمین میں سو اسی ریت کے
بڑے بڑے تودوں اور انباروں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ملک کے باشندے بھی اور گرد و نواح کے مسلمان
قابل وقوف بھی اس صحراے عظیم کو بہت کم طے کرتے ہیں۔

عرب کی آب و ہوا۔ ملک عرب بھی افریقہ کی طرح تمام اقطار عالم میں خشک ترین قطعہ زمین ہے۔ جزائی
مناسبت اور نسبت کے اعتبار سے تمام ممالک ایشیا میں جزیرہ نما سے عرب کو شمالی افریقہ سے پوری مماثلت
ہے۔ کوہستانی مقامات میں آب و ہوا اعتدال کے درجہ پر رہتی ہے۔ مگر غیر محفوظ اور غیر سایہ دار علاقہ قحطانی
مقابل برداشت گرمی پڑتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ملک بادِ سموم۔ جسے بادِ خمیں بھی کہتے ہیں۔ چلا
کرتی ہے۔ یہ دو پھین مشہور و معروف سیاح اور مورخ مسٹر ڈور ہی عرب کی بادِ سموم کی نسبت لکھتا ہے۔

بادِ خمیں۔ بادِ سموم کے آثار قافلوں پر آٹا فانا ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پہلے افق کی طرف سے آسمان
پر ایک ہلکی سی سرخی نظر آتی ہے۔ پھر تھوڑی دیر میں وہ سرخی سیاہی سے بدل جاتی ہے۔ پھر دغاً دغاً

سیاہی زردی سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ آفتاب سے کرنیں مفقود ہو جاتی ہیں۔ اور وہ گویا خون کا ایک
 ترس ہو کر رہ جاتا ہے۔ زمین اور آسمان کا جو تہمین زمین ریت کے ذروں سے بھر جاتا ہے۔ اور
 ہوا کی حرکت سے وہ ذرے تمام زمین کی سطح پر اس طرح پھیل جاتے ہیں۔ جیسے طوفان آنے کے وقت
 سمندر کا پھین اوڑھ کر ساحل کی سطح پر پھیل جاتا ہے۔ یہی علامات بتا دیتے ہیں کہ میدان سے فوراً
 کسی طرف بھاگ جائے گا ورنہ آگیا۔ کیونکہ چشمزدن میں بادِ خمیں کے مار ڈالنے والے جھونکے
 پونچتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر میں۔ مھر کی بے انتہا اور اندازہ سے باہر ریت کی مقدار اڑا کر سمندر کی
 لہروں کا عالم بکھلاتی ہیں۔ غریب اور بد نصیب مسافر کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ آنکھیں بالکل سرخ ہو جاتی
 ہیں۔ ہونٹ خشک ہو کر آگ کی طرح جلنے لگتے ہیں۔ سواری کے اونٹوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ کہی تو وہ
 اس آفت سے گھبرا گئے کہ میدان میں دوڑنے لگتے ہیں۔ کہی تھک کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی
 لمبی لمبی گردنیں ریت کے تودوں میں چپا دیتے ہیں۔ اور جیوں جیوں ہوا کا طوفان بڑھتا جاتا ہے اپنی
 تھوٹھنیوں کو زمین پر دھڑا دھڑا چبکے جاتے ہیں۔ اور اپنی جان بچانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ اگر طوفان
 کے گرد و باد میں قافلہ نے راہ گم نہیں کی تو وہ کسی پتھر کے نیچے یا کسی غار کے اندر چھپ رہنے کی کوئی
 محفوظ جگہ ڈھونڈ لیتے ہیں اور طوفان کے گزر جانے تک اس کا انتظار کرتے ہیں۔ لیکن اگر قبضہ ہی سے
 اس بادیہ لاشناہی میں قافلہ نے راہ بھلا دی اور چھپ رہنے کی کوئی محفوظ جگہ بھی نہیں ملی تو پھر انسان
 اور بے منہ کے حیوان کے جو اس گم ہو جاتے ہیں۔ جان بچانے کی عقل جو نطرت کی طرف سے ہر ذی
 روح میں دو لیت ہوئی ہے۔ بالکل سلب ہو جاتی ہے۔ اعضاء و جوارح ایک ایک کر کے جواب
 دیجاتے ہیں۔ تمام جسمانی طاقتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ بالآخر گرمی کی شدت سے انسان بالکل خشک اور پریشان
 ہو کر دوسرے کے شدید دوران میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ عضو عضو کی طاقت جواب دیدیتی ہے۔ قافلہ کا
 قافلہ ریت کی سر بفلک موجوں میں بیٹھ جاتا ہے۔ اور ذرا سی دیر میں مسلسل ریت کا انبار اون کو بڑے
 بڑے تودوں کے نیچے ایسا دبا دیتا ہے کہ اون کا نام و نشان ہی نہیں رہتا ہے۔ تاہم یہ بدست و بدید
 کے بعد۔ نظام قدرت نے اگر پھر وہاں کہیں ایسا ہی سامان پیدا کر دیا اور ایسا ہی طوفان آیا اور ان کی
 موجوں نے ریت کے انبار کو اڑا دیا تو انسانوں اور حیوانوں کی سفید سفید ہڈیوں نے نمودار ہو کر ان
 کی داستانیں ہمارے سامنے کھو کر رکھ دیں اور بتا دیا کہ ان کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھ لو کہ یہ
 بادِ خمیں کے کارنامے ہیں۔

عرب کے اندرونی حصوں میں عموماً زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ مھر ان میں دن کے وقت آدھرا سا بھرا

۱۰۹ اور راستہ کے وقت ۱۰۰ درجہ سے کم نہیں ہوتا۔ یمن بن آخر جولائی تک کبھی پارہ - ۸۴ درجہ سے متجاوز نہیں ہوتا۔ صناعاً علاقہ یمن میں توجاروں میں برت پڑتی ہے جس شدید گرمی اور خشکی کا ذکر ہوا ہے وہ عرب کے ہر حصہ میں نہیں پائی جاتی۔ بعض حصے جو رقبہ میں یورپ کے بڑے اور مشہور ملک سے کم نہیں۔ ایسے موجود ہیں جن کی زمین بہت اچھا حاصل دیتی ہے۔ جیسے علاقہ یمن اور نجد۔ جہاں نہایت اعلیٰ پیداوار ہوتی ہے۔ بالکل پوپہن کی آب و ہوا کو تمام دنیا کی آب و ہوا پر ترجیح دیتا ہے۔ یہاں کے گھوڑے تو ساری دنیا میں لا جواب مانے گئے ہیں۔ علاقہ عقبہ میں جا بجا چشے اور ندیاں (روادھی) پائی جاتی ہیں۔ جان کہیں کچھریں اور چارہ سپہا ہوتا ہے۔ اون صحراؤں میں بدو می تو میں اپنی مویشیوں کے ساتھ رہا کرتی ہیں۔

عرب کے اشرار۔ سواحل کے قریب سبز و شاداب علاقوں میں۔ انار۔ خوبانی۔ شقلاویہ۔ سیب۔ بیزنجر۔ بادم۔ پستہ۔ انگور۔ لیموں۔ خربزہ۔ سیم۔ تھاکو۔ نیچ۔ سیاہ مرچ۔ خوشبو۔ ہندی۔ ادراک۔ جھاؤ۔ گلاب۔ زنگس۔ بنفشہ۔ نیل وغیرہ بھی پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں کے کاشتکاروں کو پیچہ کا پانی۔ کنوؤں اور تالابوں میں جمع رکھنا پڑتا ہے۔ بعض حصے ملک کے ایسے بھی ہیں جہاں گھاس تک نہیں آگتی۔ عرب کے حیوانات۔ اونٹ۔ گھوڑے۔ خچر۔ گدھے۔ بیل۔ بھینس۔ نیل گائے۔ بھیتڑ۔ دُبنے۔ ہرن۔ شیر۔ چیتے۔ تیندوے۔ پورغ۔ بھیتڑے۔ لومڑی۔ اور گیدڑ وغیرہ درندے بھی ہوتے ہیں۔ بٹیاں (بلخ) اگرچہ نقصان عظیم پہنچاتی ہیں۔ مگر اکثر اوقات صحراؤں میں مسافروں اور ان کی سواری کے جانوروں کی غذا میں کام آتی ہیں۔ تمام جانوروں میں گھوڑے اور اونٹ نہایت اعلیٰ درجہ کے اور مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اونٹ تو خاص الخاص عرب کا جانور تمام عالم میں مشہور ہے۔ عرب اپنے گھوڑوں کو نسل اپنے نر زندوں کے پالنے اور عزیز رکھتے ہیں۔ اور اون کی نسل کو ہرگز ہرگز بکڑنے نہیں دیتے آدمیوں کی طرح اون کے نسب نامے تیار رکھتے ہیں۔ پرندوں میں۔ مرغ۔ شتر مرغ۔ بٹیر۔ باز۔ شکار۔ کبوتر۔ فاختہ۔ گیدہ۔ کوا۔ چیل۔ ہڈہ۔ اور آبی جانور کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

عرب کے غلے اور دیگر پیداوار۔ جو۔ باجرا۔ گیہوں۔ مٹر۔ ملک کے شاداب حصوں میں پیدا ہوتا ہے۔ بن اور کچھ عرب کی خاص پیداوار ہے۔ یہ دونوں چیزیں یہاں سے بہتر دنیا بھر میں کہیں نہیں ہوتیں۔ کچھ (رطب) ملک کی خاص خوراک ہے۔ ناریل۔ لوبان۔ تیز پات۔ سنائے کی مختلف

اقسام کے گوند۔ عود۔ مُر۔ اور بساں بھی اس ملک کے ساتھ مخصوص ہیں۔
 • معرینیات۔ تانبے اور لوہے کی کانیں تو جا بجا اکثر پائی جاتی ہیں۔ یہاں کی زمین چاندی اور سونا بھی پیدا کرتی ہے۔ علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب صفۃ جزیرہ العرب میں ایک ایک کان کا نشان بتلایا ہے۔
 اور انگریزی سیاح مسٹر برٹن نے توہین کی طلائی معاون پر ایک خاص کتاب لکھی ہے جس کا نام گولڈ مائنس آف مدین ہے۔ ملک کا دامن اور جواہروں سے بھی بھرا پُر نظر آتا ہے۔ زمین میں لال ہوتا ہے اور بیش بہا عقیق۔ اکٹھے مقامات میں فیروزہ اور خرمائی کے معاون بھی پائے جاتے ہیں۔ بحرین کی زمین تو گویا موتی پیدا کرتی ہے اور گویا تمام دنیا کے دامن سوال موتیوں سے بھر دیتی ہے۔
 عرب کی ملکی تجارت۔ عرب قدیم الایام سے تجارت پیشہ ملک ہے۔ تورات باب القضاہ ۲۶-۲۷ میں اس کے سونے۔ چاندی اور تجارت کا کثرت سے ذکر مرقوم ہے۔ قدیم موبخ یونان ہیرودوٹیس کی تاریخ میں عرب کی قدیم تجارت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ زمانہ موجودہ میں اس کی تجارت روم۔ افریقہ۔ ایران۔ ہندوستان اور یورپ کے ساتھ جاری ہے۔ ۱۹۱۰ء میں صرف مدنیوں کی تجارت کی لاگت ۱۲ لاکھ پونڈ کے قریب انداز لگائی ہے (ارض القرآن) عرب کی تجارت زیادہ تر قافلوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ عرب میں سڑکیں نہیں ہیں۔ کاروانوں کے راستے اکثر داویوں سے ہو کر نکلتے ہیں۔ مگر کثرت آمد و رفت سے یہ راستے ہمارے ہاں کی سڑکوں سے زیادہ ہموار اور استوار ہو جاتے ہیں اور جاوے کھلتے ہیں۔ عرب میں ابھی تک قافلوں کے وہی راستے ہیں جو قدیم الایام سے چلے آتے ہیں۔ یہ اون کی قدامت پسندی کی خاص دلیل ہے۔ ان میں زیادہ معروف وہ راستے ہیں جو دمشق سے بغداد۔ ریاض سے مکہ معظمہ اور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ اور مسقط سے بندہ اور دمشق کو جاتے ہیں۔ اور اب تہلب سے لیکر مدینہ منورہ تک ریلوے جاری ہے جو حجاز ریلوے کے نام سے مشہور ہے۔ اور برابر اطراف و جوانب میں ریلوے اور موٹر گاڑیوں کے انتظام خصوصاً عراق و شام کے علاقوں میں ہوتے جاتے ہیں۔

ملک عرب کی تقسیم قدیم

یونان و روم کے قدیم جغرافیہ دان۔ ایراسٹینوس۔ اسٹرابو اور پلینی نے عرب کو دو قدرتی حصوں پر

ارض القرآن۔ بیتھن یونیورسٹی ڈکشنری۔ تاریخ الاسلام

تقسیم کیا ہے۔ شمال اور جنوبی۔ لیکن اس سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ دوسری صدی عیسوی میں بطلمیوس کی تقسیم ہوئی اور اب تک یورپین جغرافیہ نویس اور سیاح اسی تقسیم کی تقلید کرتے ہیں۔

بطلمیوس نے تمام ملک کو تین طبعی حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عرب آبادان (العرب المہیونہ) ARABIA FLEX اور عرب رگیستان (العرب القتال) ARABIA DESERTA اور

عرب سنگستان (العرب الجی) ARABIA PETRECA

عرب آبادان۔ یا عرب المہیونہ۔ بقیہ تمام جزیرہ نمائے عرب کو جو مغرب میں بحر احمر مشرق میں خلیج فارس۔ جنوب میں بحر ہند اور شمال میں عرب سنگستان اور عرب رگیستان سے محاط ہے۔ کہتے ہیں۔ جس میں بحر احمر کے ساحل پر حجاز سواحل بحر احمر و ہند پر یمن۔ حنفہ موت اور سواحل خلیج فارس پر عمان و بحرین اور وسط عرب میں۔ یمامہ اور نجد داخل ہیں۔

عرب سنگستان یا عرب الجی مغرب میں مصر کی سرحد سے جزیرہ نمائے سینا سے گذر کر مغرب میں بصرہ پر ختم ہوتا ہے۔ جو عرب کا ایک قدیم شہر ہے۔ شمال و مغرب میں تدر تک اس کا گوشہ جاتا ہے۔ اور اس کی پشت پر شمال و مغربی یہودیہ اور فلسطین کا ناکس پڑتا ہے۔ جنوب میں عرب رگیستان اور عرب آبادان ہے۔ عرب رگیستان کی مشرقی و شمالی حد تہذیب و استوار سے شروع ہو کر مغربی و شمالی حد میں عرب سنگستان یا عرب الجی کی مغربی و شمالی پر ختم ہوتی ہے۔ جنوب میں عرب آبادان یا عرب المہیونہ واقع ہے۔

یونانی اور رومی فاتحین نے عرب بیری (عرب سنگستان) اور عرب اڈرنا (عرب رگیستان) کو فتح کر لیا تھا۔ اس لئے وہ اس کے حالات سے واقف تھے۔ عرب آبادان کے لئے صرف سواحل سے ان کو آنکھائی تھی اور ایک آدمہ غلط سلط اندرانی قبائل و اقطاع کے نام بھی انہوں نے سن لئے تھے۔

جب تحقیق ڈاکٹر اسپرنگر۔ بطلمیوس نے اپنے جغرافیہ میں عرب آبادان کے ۵۴ قبائل۔ ۱۶۴ مقامات۔ ۵ کوہستانی سلسلے اور ۴۰ دریاؤں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اسٹیفینوس STEPHEN اور پلینی PLENY نے بھی بعض نام گنائے ہیں۔ لیکن اسباب خواہ جو کچھ ہوں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دس پانچ ناموں کے سوا۔ اب وہ سب غیر معروف ہیں۔

تحقیق بطلمیوس کی پر قیاسی نہیں بلکہ غیر متعصبانہ ہے۔ اس میں وہ سب ناموں کا جو مصداق بطلمیوس کے دماغ کے سوا کہیں غائب نہیں ہیں۔ عرب کے خالی از سبب ماسات اور ان کو پر کرنے کے لئے نام اپنی طرف سے

سے گڑھا لئے ہیں۔ ایک مصنف اسکی ایک معقول وجہ بتاتا ہے۔

اکثر ان اقطاع عرب میں آبادی کا کوئی باقاعدہ مقرر اصول نہیں رہا ہے۔ جس کا بطلمیوس نے نشان دیا ہے۔ اگر بطلمیوس کے ناموں میں کوئی حقیقت ہے۔ تو وہ کوئی نہیں ہوں گے۔ یا تخرستان۔ جہاں کارواں اور قافلے اپنے پٹے پر ڈیرے کرتے کر دیتے ہوں گے۔ بطلمیوس کے ذریعہ جغرافیہ عرب بلکہ جغرافیہ عالم کے متعلق علمائے عرب کو یہی شکایت ہے اور اس کے وجوہ بھی بتاتے ہیں۔ سب سے چوتھی صدی ہجری میں مسعودی لکھتا ہے۔

الاناسماعی ہذا کتاب بالیونانیۃ متخذہا فقہا۔ جغرافیہ بطلمیوس میں یونانی ناموں کو سمجھنا مشکل ہے۔ مروج الذهب ج اول ص ۱۰۰ مطبوعہ مصر و حاشیہ فیخ المطیب۔

ساتویں صدی ہجری میں یاقوتی نے کتاب المقدسہ میں شہادت ہے۔

جہلت اکثر الاماکن التي ذكرت فيها وابهم علينا امرها وعلمت بطاول الزمان فلا تصاف
میں جغرافیہ بطلمیوس کے بیان کردہ مقامات سے ناواقف ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آئے کہ مرور زمانہ سے وہ
سبب منت گئے اور اسے مجہول ہیں۔

سب سے آخر میں دسویں صدی ہجری میں لفظ جغرافیہ کے تحت میں کاتبی حلی کا بیان ہے۔

لکن اندر میں کثیر صما ذکر و تغیرات اسماء ہر فائدہ بآبائے انتفاع مستند بطلمیوس
کے بیان کردہ مقامات سے ٹکے بدل گئے اور ان کے اطلاعی منافع سے فائدہ اٹھانے کے ابواب مسدود ہو گئے۔
لیکن معتقدین بطلمیوس۔ اس الزام سے برہم ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یونانی اللہجہ ناموں کی
عرب جغرافیہ نویسوں کے بلکہ حال کے یونانیوں اور وہی کے بیان سے بطلمیوس کو کیا ہے۔ ریپورٹر ڈاکٹر فاسٹر نے
۱۸۴۲ء میں جغرافیہ عرب کے دوسرے حصہ میں ۱۰۹-۱۱۰ تک ۱۵۶ صفحے۔ ان ناموں کی تحقیق
نقد بنی و تطبیق میں صرف کئے ہیں اور ہر جگہ اپنی عالمانہ جہالت کی عجیب غریب مثال پیش کی ہے۔ غریب فائدہ
کو نہیں معلوم کہ یہ قبائل کب پیدا ہوئے۔ ان مقامات میں کب آباد ہوئے اور عربی میں ان کا صحیح نام کیا ہے۔
وہ بطلمیوس کے لکھے ہوئے قبائل کے ناموں کو حرفت کے ہیر پھیر سے موجودہ قبائل کے ساتھ تطبیق دیتا ہے۔
اور اس کو نہیں معلوم کہ اب قدیم قبائل کا علی الاکثر نشان بھی نہیں۔ وہ قاتحانہ شان کے ساتھ عہد اسام میں
کہاں سے کہاں منتقل کر آباد ہو گئے۔ موجودہ قبائل کے نام بالکل نئے ہیں۔ قبائل کے ساکن کی تعیین اگر
ہو سکتی ہے تو صرف جغرافیہ عرب کے بیانات سے۔

فاسٹر کے بعد ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۶۹ء میں جغرافیہ عرب قدیم ANCIENT GEOG OF ARAB
کے نام سے چھپوا دی ہے۔ اس میں اسی قسم کی کوشش کی ہے۔ مجھے اون کی کامیابی کا حال نہیں معلوم ہے۔

اون کے مرتبہ نقشہ عربیہ قدیم کے سوا۔ اصل کتاب مجھے نہیں ملی ارض القرآن جلد اول ۱۷۰ ص
 ارض القرآن کے فاضل معاصر کو یورپین محققین کے ان قیاسات و اہیات پر تعجب نہ کرنا چاہیئے۔ اونکو
 اپنی تحقیق عالم میں کمال مطلق دکھانے کے ساتھ ساتھ تمام دنیا کی زبانوں پر اکیلے علم و اطلاع رکھنے ہی
 کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ ان زبانوں میں زبانداں ہونے کا بھی پورا پورا فخر حاصل ہے۔ مجھ کو چند عیسائی
 احباب سے ان امور میں ذاتی تجربہ حاصل ہو چکا ہے۔ ان میں سے ایک بزرگ۔ ایک کتاب میں بتائی
 (نبی مبعوث کیا گیا) کے معنی بتی کر کے بنا ڈالی گئی۔ ترجمہ فرماتے تھے۔ اور مجھے اپنے غلط فہمی کے اصرار
 پر گھنٹوں اوبھجے رہے۔ میں نے اس کتاب میں ریورنڈ فارسٹر صاحب کے ان قیاسات و تعلقات کے
 مسلسل اور مکمل انکشافات مندرج کئے ہیں۔ جن کی علمی تحقیقات نکتہ رسی اور صحیح سخن فہمی کی خوبیوں میں
 جا کر کیا آٹھ چاند لگے جاتے ہیں۔ یہی حالت ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی تحقیق و تہلیق کی بھی ہے۔ اون کی کتاب
 مدت سے میرے پیش نظر ہے۔ اون کے قیاسات و انطباقات بھی فارسٹر صاحب کی طرح۔ ”سوال از
 آسمان و جواب از زمین“ کا حکم رکھتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر اور پڑھ کر سنجیدہ اور تعمیدہ ناظرین کتاب مندبا
 انداز سے تبسم ریزہ لب فرما کر رہ جائیں گے۔ اور بس۔ مگر ہاں۔ اتنا لکھ دینا اور بتا دینا ہی ضروری ہے کہ
 ریورنڈ فارسٹر صاحب کی عالمانہ جمالت سے اسپرنگر صاحب کی غلط فہمی کا درجہ کم ہے۔ میں نے ان صاحب
 کے غلط معنی اور غلط ترجموں کو اس کتاب میں اپنے اپنے مقامات پر لکھ کر بتا دیا ہے اور اکثر مقامات پر
 انکی تصحیح بھی کر دی ہے۔“

المولف

سید اولاد وحید رعی عنہ۔

بہر حال عرب کے جن مقامات کے نام یونانیوں اور رومانیوں کی کتابوں میں آئے ہیں۔ ہم ان سب کا عربی صحت کے ساتھ ایک نقشہ مرتب کر کے ذیل میں درج کرتے ہیں

نمبر	یونانی تلفظ	تلفظ بخط اردو	صحیح عربی نام	کیفیت
۱	MACARABA	مکاربا	مکہ ربّہ	ربّہ کے معنی اعظم کے ہیں
۲	IATHREPPA	اتھریپا	یثرب	زمانہ جمالت میں مدینہ منورہ کا نام
۳	IAMBIA	انبیا	ینبوع	حجاز کا ایک ساحلی نام
۴	DUMATHIA	دومتھا	دومتہ	رومتہ الجندل شمال عرب کا ایک شہر
۵	EGRA	اجرا	حجر	شہود کا دار الحکومت حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پر
۶	THAMIA	تھمیا	یتھار	انتھاسے حجاز میں بجانب شام ایک شہر
۷	MADAUNA	مداونا	مدین	حجاز کے قریب ساحل بحر احمر حضرت شعیب کا شہر
۸	SUPPHOR	سفار	ظفار	یمن میں ایک قدیم شہر
۹	ADANA	عدانا	عدن	ساحل بحر ہند پر یمن کا ایک بندر
۱۰	MINAI	مینائی	مینین	یمن میں ایک قدیم آبادی
۱۱	MARIABA	ماربابا	مارب	یمن کا قدیم دار الحکومت
۱۲	NEGRANA	نجرانا	نجران	یمن میں ایک نصرانی آبادی
۱۳	CHTRAMOTI	کٹراچیرموتی	حضرت موت	ساحل بحر جنوبی عرب میں ایک شہر یمن کے پاس
۱۴	MACCALA	مکالا	مکلا	جنوب میں ساحل بحر عرب پر
۱۵	GERRHAI	گرمائی	قریہ	یمامہ میں ایک شہر
۱۶	CATABAI	قتابائی	قتاب	قدیم یمن میں ایک شہر
۱۷	KARNAI	قرنان	قرن	حضرت اسیر قرنی کی طرف منسوب ہیں
۱۸	SALAE	سبائی	سبأ	"
۱۹	OMANUM	عمانوم	عمان	ساحل خلیج فارس پر مشرقی عرب میں ایک موبہ
۲۰	AMITHOSCUA	امیتھوسکوتا	مسقط	عمان کا دار الحکومت

عرب سنگستان و رگستان سے یونانیوں اور رومیوں کو واقفیت تھی۔ کہ ان پر انکا قبضہ تھا۔ لیکن یہاں دوسری وقت ہے عربی آبادیوں کے ناموں کو (مٹا کر یونانی نام سے یونانی اور رومی شہر قائم کر لئے تھے۔ تاہم جن ناموں کے اتحاد و اشتراک کا حال معلوم ہوا ہے حسب ذیل ہیں۔

تقدم۔ سب سے مشہور مقام ان اطراف میں ہی تھا۔ یہ انتہائے شمال میں فلسطین کے پاس عرب کا آخری شہر ہے۔ اسفار یہودیہ میں ہے کہ اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنوایا تھا (ملوک اول ۹-۱۵) بہر حال۔ یہ ایک عرب ریاست کا دارالامارت تھا۔ رومیوں نے جب سن ۶۳۸ء میں فتح کیا تو اسکا نام پالمائیر رکھ دیا۔ جوزوفس جلد اول ص ۴۲۸۔

ریاست مواب۔ یہ شہر بحیرہ میت کے قریب عرب سنگستان میں۔ موابی عربوں کا دارالحکومت تھا۔ رومیوں نے اس کا نام اریوپولس رکھا تھا ۱۵۳ء میں زلزلہ سے تباہ ہو گیا۔ ہوان۔ ص ۲۰۲۔
بصری۔ جس کو رومیوں نے بگاڑ کر بوسٹرو بنایا ہے۔ وہ ابھی اسی شہر (بصرہ) کے قریب تھا۔ اور اب بھی اسکا نشان ہے۔ یہ ادومی عربوں کا خاص مقام تھا۔ ہوان۔ ص ۲۰۲۔
الرقیشیم۔ اس کو عبرانی۔ سلاخ اور یونانی۔ پٹرا کہتے ہیں۔ یہ شمالی عرب میں پہلے دریائی حکومت کے تحت ایک دارالامارت تھا۔ پرنٹلی عربوں کا دارالحکومت ہوا۔ رومیوں کے عہد میں ہی اسکو خاص اہمیت تھی۔ (ہوان ۲۰۲)۔

ریاست عمویہ۔ جمہونی عربوں کا عرب رگستان کے شمالی و مشرقی حصہ میں دارالحکومت تھا۔ اس کو یونانیوں نے فلاڈلفیا کا نام بخشا ہے۔ کہ تیسری صدی ق م میں اسکو شاہ بطلمیوس فلاڈلفیوس نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ (جوزوفس جلد ۱ ص ۱۹۲)۔

ان لوگوں کو بعض جزائر اور سواحل عرب سے بھی واقفیت تھی۔ تم نے مٹکا کا نام اور پڑا ہو گا۔ اسکا ذکر بطلمیوس نے بھی کیا ہے۔ اور اسکی جگہ ۱۳-۴۵ درجہ پر مقرر کی ہے۔ لیکن صحیح مقام ۱۴-۳۰ درجہ ہے۔ (فاسٹریج ۲ ص ۱۹۲)۔

بطلمیوس سے سو برس پیشتر ایک یونانی مصری نے جس کا نام مجہول (غیر معلوم ہے) سے جہاز رانوں کے لئے ایک بحر می جغرافیہ (چارٹ) ترتیب دیا تھا جس میں اس نے بحر عرب کے جزائر پر جو قریب ہندو اسکندریہ کے سر راہ واقع ہیں۔ روشنی ڈالی ہے۔ وہ پہلے بحر عرب میں عرب کے ایک جنوبی ساحل یودیوں EUDAEON کا ذکر کرتا ہے جس کو عدن سمجھا جاتا ہے۔ اس کی نسبت اس کا بیان ہے کہ مصر و ہند کے درمیان یہ ایک تجارتی منڈی ہے۔ جیسی کہ اب بھی ہے۔

عرب کی تقسیم قدیم۔ جزیرہ نما عرب۔ پہلے آٹھ علاقوں میں منقسم رہے۔

(۱) علاقہ سینا۔ ملکی جغرافیہ میں علاقہ طور کے نام سے مشہور ہے۔ اس علاقہ میں وادی تیسہ بھی شامل ہے۔ یہ علاقہ خلیج عقبہ اور خلیج سوئز کے درمیان خلیج مصر کے ماتحت ہے۔ اسی علاقہ میں وہ جبل مقدس ہے جو تمام آسمانی کتابوں میں کوہ طور کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی کو مقدس چننا ہوئی کہ کوشمہ قدرت نظر آیا اور احکام توریت نازل فرمائے گئے۔ ڈاکٹر بک DABECK کا بیان ہے کہ اصل جبل سینا (کوہ طور) وہ ہے جو خلیج عقبہ کے عین سرے پر واقع ہے۔ اس کوستانی سلسلہ کو جبل موسیٰ کہتے ہیں۔ اسکی سب سے اونچی چوٹی کوہ حریب ہے۔

(۲) علاقہ حجاز۔ بحر احمر کے کنارے۔ علاقہ سینا سے شروع ہو کر ساحل یمن تک تمام ہوتا ہے۔ اس علاقہ کا ایک پورا حصہ قابل زراعت ہے۔ اسی علاقہ میں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ (زادہ اللہ شرفاً) واقع ہیں جہاں کی خوش نصیبیت اسلام و ابتدائی امت پر پائی۔ (۳) کھانہ۔ بحر قزقم کے ساحل سے کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑی سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس کوستانی سلسلہ اور ساحل بحر قزقم کے درمیان کچھ کوہ مکہ معظمہ سے لیکر یمن کے شہر خاتم تک چلا گیا ہے۔ اسی کو کھانہ کہتے ہیں۔ اسکو اکثر قدیم جغرافیہ نویسوں نے الغور کے نام سے ہی لکھا ہے۔ اسی علاقہ میں شہر حدیدہ۔ ذوبہ اور قحوا واقع ہیں۔ اور قحوا تو کافی کیلئے ساری دنیا میں مشہور ہے۔

(۴) یمن کے شمال میں حجاز جنوب میں شیخ عدن۔ مغرب میں بحر قزقم۔ اور مشرق میں حضرموت واقع ہے۔ عرب کے تمام علاقوں میں یہ علاقہ سب سے زیادہ سبز و شاداب ہے۔ قدیم زمانہ میں علاقہ حضرموت میں اپنے توابعات۔ مہرہ۔ شجر اور عمان کے سب اسی میں شامل تھے۔ لیکن اب نہیں۔ شہر صنعاء اس علاقہ کا دار الحکومت ہے اور بہت بڑا خوبصورت شہر ہے یمن کے بلند مقامات جنکو جبل الیمین کہتے ہیں۔ انہیں بہت سی وسیع اور زرخیز آبادیاں ہیں جہاں تھوہ۔ وسمہ زہل۔ کجور سب قسم کی ترکاریاں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ آب ہوا یہاں کی معتدل ہے۔ خزاں اور بہار میں دو دفعہ پانی برساتا ہے۔ قدیم سے یمن کی تجارت مبصر بندہ و نشان قیام اور ایران وغیرہ کے ساتھ جاری ہے۔ یہاں کثرت باشندے زیدہ۔ بادسبکے ہیں جنہیں کچھ تو تجارت پیشہ ہیں اور کچھ کاشتکار۔

(۵) حضرموت۔ بہت وسیع علاقہ ہے جو جنوب مشرق کے سوا اسی سے ہوتا ہوا ڈوڑ تک ملک کے اندرونی حصہ میں اُٹل ہو گیا ہے۔ اس علاقہ میں کثیر القدر حکومتیں واقع ہیں جسپر جداگانہ امیر قبائل حکومت کرتے ہیں۔ انہیں کوئی قابل الذکر مقام نہیں۔ (۶) علاقہ عمان۔ اس کے شمال اور مشرق میں خلیج فارس محیط ہے۔ مغرب میں حضرموت اور جنوب میں بحر ہند واقع ہے۔ یہاں ایک خارجی فرقہ کا حاکم حکمراں ہے۔ جو نو عمر حکومت برطانیہ کا زیر فرمان ہے۔ شہر سقط اس کا دار الحکومت ہے۔ سقط مشہور بندرگاہ ہے اور تجارت گاہ۔ مکہ جانے والے راستہ میں حاجی ضرورت کے اشیاء میں سے فراہم کرتے ہیں۔

(۷) علاقہ بحرین۔ یہ علاقہ پہلے پیامہ کو ملا کر العروض کے نام سے مشہور تھا۔ اسکا قدیم دار الحکومت شہر پیامہ تھا۔ جسے پہلے جو کہتے تھے۔ یا تو تھیں۔ معجم البلدان میں عروض سے صوفیہ پیامہ ہی کو مراد لیتا ہے۔ آخر میں یہ علاقہ جزیرہ بحرین کے شامل ہو جانے سے۔ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

(۸) علاقہ نجد، اس علاقہ کے شمال میں صحرائے شام جنوب میں اربع الخالی مغرب میں حجاز اور مشرق میں عراق عرب واقع ہے۔

یہ علاقہ ایک بادشاہی حاکم کے زیر حکومت رہتا ہے۔

اس کے شمال میں حجاز کے نام سے ایک ریاست مشہور و معروف تھی، جو پہلے حکومت عثمانیہ کا زیر فرمان تھی اور بعد ازاں

(۹) اربع الخالی، حضرموت کے شمال میں ایک صحرائے بحر ہے جو اربع الخالی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بالکل غیر آباد اور ناقابل زراعت قطعہ ہے۔

(۱۰) دیار النہر (رأس) دو قطعہ زمین ہے جو حجاز اور یمن کے درمیان ایک ریگستانی چیل میدان کی صورت میں واقع ہے

حجاز کے شمالی حصہ میں جو کوہستانی سلسلہ ہے وہ قدیم زمانہ میں بنی آدم اور بنی مدین کے عرب قبائل کا مسکن تھا۔

ملک عرب کے دو مقامات جو کتب قدیمہ میں مذکور ہیں

خاران کے ایک قدیم جغرافیہ نویس نے کہا کہ اساتذہ اور پڑھنے والے محققین کی تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ کتب قدیمہ میں مذکور نام خاران

ہے بلکہ یہ جو حضرت اسماعیل کے اٹھویں بیٹے، حدود کی طرف منسوب ہے۔ اور توریت میں حواء کے نام سے مذکور ہے کہ یہ ذبور یا سب

آیت میں ہیں قربانگاہ کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ اس کا معنی ہے جو الفاظ قرآنی میں اس طرح بتلایا گیا ہے۔ اَوَّلُ

بَيْتٍ وَفَخِصِّ الْاَدْنٰی بَيْتًا مَّكَرًا كَيْفَ سَبَّ بِلَادِ الْاَكَاكِرِ جَوَادِیْدٍ رَكِبَتْ اِلَيْهِ بَنَیْیُنَا ۝۱۱ (شعر) سندس یہودی اور یہ سلم کہ کہ فی الحال کہ منظر ہے

اسی دعا میں حضرت داؤد نے یہی فرمایا ہے کہ دورہ کو کہتوں جو ملک لیتے ہیں بسبب واقعات اور بنا سبب مقامات پر غور کیا جاتا ہے۔ اور یہی

حقیقت مکتوبات میں مذکور ہے۔ تو سورہ سے ترزہ کے تسلیم کے جانیں کہ کو کام ہو سکتا ہے اس بنا پر مردہ وہی ہے جو یورپ میں سورہ کے نام سے

مذکور ہے۔ کہ بیان یا مدین یمن نام کے جنوبی یمن کے شمال تک علاقہ مدین کہلاتا ہے یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد میں جو

قطر کے لٹین ہی ہیں فقہ بابل میں ۱۱۴ کتاب خرقہ کی ۲۶-۱۹-۲۲ آیات میں قانہ اور حارات وغیرہ کا۔ عدن کے ساتھ

نام آیا ہے اور فرام ایک دہرہ سرانند تھا حضرت سلیمان کے جہاز عیلات چکر سیر اور آتے تھے یہی کہل ۲۸۰۹ اور کاتورات میں متعدد

بار نام آیا ہے یہ ایک تجارتی منڈی تھی۔ ہونکر سکتا تھا اس آیت میں عدن جو اب تک موجود ہے اس کی تجارت کی اس وقت بھی وہی تھی (۲۲۰۲۶)

یمن کے شہر نہیں ہی سب کا نام بھی توریت میں آیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت سلیمان کے دربار میں ہی تھی (ملک دوم ۱۱-۱۰-۱۱) سب کا کیا تھ یمن

کے دو شہر تجارتی تھا مثلاً اوزال کا نام بھی دو تھندی کی خصوصیت کہتا تھا یہاں کتاب خرقہ ۲۴-۱۸ اوزال ہاں باو تھا جہاں صنعا آباد ہے

شمال عرب میں حجاز کے قلعہ میں تو واقع تھا۔ جہاں بنی اسماعیل کی آبادی تھی۔ (تکوین ۲۵-۱۸) عربوں کے ایک اور مسکن کا نام حویر بن بلایا

کیا ہے تاریخ ثانی ۱۶-۱۷ معلوم نہیں کہاں واقع تھا لیکن فلسطین کے ساتھ اس کا ذکر ہے شاید شمالی عرب میں ہو گا۔

ملک عرب کی تقسیم جدید

اقطاع عرب عرب جغرافیہ نویسوں نے ملک کو اس کے طبعی کی بنا پر تقسیم کیا ہے۔ عرب عراق اور شام کو جو دراز سبیل یا پنج صوبہ

تقسیم چھٹا: نجد یمن اور عروس اس تقسیم کا اصل معیار جبل السراۃ قرار دیا گیا ہے جو عرب کا سب سے طویل السلسلہ پہاڑ ہے۔ یہ سلسلہ انتہائے شمال یعنی بر الشام سے شروع ہو کر انتہائے عرب یعنی یمن میں منتہی ہوتا ہے۔ اس سلسلہ سے عرب کو مشرقی و مغربی دو طبعی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ مغربی حصہ مشرقی حصہ سے چوٹا ہے۔ وہ عرضاً دامن کوہ سے سواحل بحر احمر تک اور طولاً حد و عرب شام سے حدود یمن تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس حصہ کا نام حجاز ہے۔ حجاز کا جنوبی حصہ بلخاف یمن جو نشیب پست ہے۔ تھامہ اور عور بھی کہلاتا ہے۔ جسکے معنی اپنی کہیں مشرقی حصہ عموماً بلند اور فراز ہے اور وہ کوہ سروات سے اوتر کر وسط ملک کو طے کرتا ہوا عراق تک چلا گیا ہے۔ اس حصہ مشرقی کا نام نجد ہے جسکے معنی فراز و بلند کے ہیں۔ تھامہ اور نجد کے درمیانی اور کوہستانی حصہ کو بھی حجاز اسلئے کہتے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک حاجز (حاجب) اور پردہ ہے۔ عراق اور جنوبی حد و نجد سے خلیج فارس تک پانہ۔ عمان اور بحرین وغیرہ جو قطعہ ملک اس کے اوکو عروس (ترکیا) کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ترجیحا اتریم واقع ہوا ہے۔ حجاز نجد اور عروس کے بعد جنوبی حصہ میں سواحل بحر احمر سے سواحل بحر عمان تک سواحل بحر عرب پر وہ قطعہ ملک ہے۔ جو اپنے یمن بکرت اور رخیزی کی بنا پر یمن کے نام سے مشہور ہے۔

فاصل معاصر صاحب ارض القرآن کو۔ یمن کی وجہ تسمیہ میں سہ ہوا ہے۔ یمن کا یمن سے ماخوذ ہونا ظنی ہے اور قیاسی۔ اصلاً یمن یہاں سے ماخوذ و استخراج ہے جس کے معنی سید ہے طرف کے ہیں۔ چونکہ خانہ کعبہ سے اور علاقہ حجاز سے ملک یمن سید ہے لہذا اس کی طرف واقع ہے۔

رہا خطلہ ہو نقشہ ارض القرآن متعلقہ ص ۱۲ اس لئے اسے بیان پھر کثرت استعمال سے یمن کہنے لگے۔ خانہ کعبہ میں۔ رکن یمنی۔ اس رکن مخصوص کا نام ہے جس کو حاجج سیدھو کا نہ سے ماکر۔ طواف کے شوط بجا لاتے ہیں اور اس کا ٹھیکہ دست یمن سے مقابل اور برابر

رکنا اور کان ضروری ہے۔ المولف

اب بہت سے اہل جغرافیہ کے نزدیک تھامہ کوئی مستقل صوبہ نہیں بلکہ حجاز کا ایک ٹکڑا ہے۔ اسلئے عرب کے حسب ذیل صرف چار صوبے قرار دئے جاسکتے ہیں۔ عروس۔ نجد۔ یمن اور حجاز ان چاروں صوبوں میں سے ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر منقسم ہے۔

قدیم اخبار و آثار سے بھی تھامہ اور حجاز کے ایک علائقہ ہونے کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ اور سیدھے واضح اور قوی ثبوت یہ ہے کہ جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موطن و مسکن کے یہاں خطابات مشرفہ کتب سیر و حدیث میں برابر اکلا بطلی لکھا ہے۔ اور بعض مقامات میں المسکى لکھا ہے مرقوم ہیں جو ان دونوں مقامات

کے اتصال و اتحاد کو قطعاً ثابت کرتے ہیں۔ المولف۔

علاقہ عروض | عروض جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے۔ وہ قطعہ ملک ہے۔ جو مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس صوبہ میں یمامہ، بحرین اور عمان تین اقطاع ہیں۔ بحرین اور عمان ساحل بحر فارس پر واقع ہیں۔ اور یمامہ بحرین اور عمان کے پار۔ نجد حجاز اور یمن کے وسط میں ہے۔

(۱) یمامہ۔ یمامہ کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں عمان اور بحرین۔ مغرب میں حجاز اور بعض حصہ یمن۔ مغرب میں احقاف یا الریح الخالی۔ شمال میں نجد۔ یمامہ کا وہ حصہ جو نجد سے متصل ہے۔ آباد اور سرسبز ہے۔

یمامہ کی قدیم تاریخ یہ ہے کہ وہ قبائل طسم و عیس کا مسکن تھا۔ (ابوالفدا ص ۹۹) حجر یا قریہ اور قبیلۃ ان قبائل کے عہد میں یمامہ کے مشہور شہر تھے۔ یمامہ میں طسم اور عیس کی بعض عمارات اور قلعوں کے آثار زمانہ اسلام تک باقی تھے۔ جن میں سب سے بڑی عمارتیں قصر شمس و قصر معنی تھیں۔ (معجم البلدان) شہر حجر جس کا نام القریہ ہے ان قبائل کی حکومتوں کا صدر مقام تھا۔ زرقاء جس عورت مشہورہ کی نسبت آج تک مذکور ہوتا ہے کہ وہ بہت تیز نگاہ تھی۔ دشمن کی فوج کو تین روز کی مسافت سے دیکھتی تھی۔ اسی یمامہ کی رہنے والی تھی۔ مشہور قبیلہ ربیعہ کی بعض شاخیں عہد قدیم سے یہاں آباد تھیں۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو عجل کی آبادی بھی نہیں تھی۔

قریب زمانہ اسلام اس سرزمین میں عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو حنیفہ بستا تھا جو بکر ابن وائل کی ایک شاخ تھا۔ بنو حنیفہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر ستر ہجری میں عقیدت کشتی کا اظہار کیا۔ اسی ملک و قبیلہ کا فرزند مسیلمہ (الکذاب) تھا جس نے آخر عہد نبوی میں ادعا کی نبوت کیا۔ اور حضرت ابوبکر کے عہد میں ایک جنگ عظیم کے بعد وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بنو امیہ کا ایک مشہور قبیلہ اسلام سے تقریباً ایک صدی پیشتر یہاں آباد تھا۔ جو حکومت کے لحاظ سے ال کندہ کا ماتحت تھا۔

بحرین۔ جس کا دوسرا نام الاحسا ہے۔ ایک ساحلی مقام ہے۔ اوس کے اوپر عراق۔ اوس کے نیچے عمان اوس کے مغربی پہلو پر یمامہ اور مشرقی جانب خلیج فارس واقع ہے۔ بحرین موتیوں کے لئے مشہور ہے۔ اس کے جزائر اور سواحل موتیوں کی کان ہیں۔ جہاں ہر سال ہزاروں کشتیاں اور

ہزاروں غواص موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن اون کی محنت کا ثمرہ موتیوں کے عرب تاجرم اور یورپ کی کمپنیاں زیادہ تر حاصل کرتی ہیں۔

قبیلہ جدیس جو طسم کو متاثر کیا تھا۔ اس کا ملک ہو گیا تھا۔ حسن شاہ یمن کے حملوں سے گھبرا کر یہیں پناہ گزیں ہوا تھا۔ بعد کو عدنانی قبائل میں سے قبیلہ عبدالقیس کا یہ مسکن ہوا۔ بعض قبائل رقیعہ ہی یہاں آباد تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں بحرین اہل فارس کے قبضہ میں تھا۔ اور ایک طرف سے مناقرہ (آل منذر) جو عراق (حرمہ) اور ادوس کے آس پاس واسے ملک میں ایرانیوں کے نائب تھے۔ بحرین کے حاکم تھے۔ (یعنی ج ۱ ص ۲۴۰۔ لندن) طرفہ جو عرب کا ایک مشہور شاعر تھا۔ آل منذر کے اشارے سے یہیں قتل ہوا۔ ستم جبری میں یہاں کا حاکم منذر بن عاد ہی تھا جو پیغام اسلام پہنچنے پر اپنی تمام عرب رعایا کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ اور یہاں سے بنو عبدالقیس کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا۔

بعد اسلام اس ملک میں سب سے بڑا واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ قرآن مجید جو نیم سلمان جوہی تھے اون کی طاقت کا مرکز۔ فارس کے قربت کی بنا پر ہی ملک تھا۔

بحرین کے بعد خلیج فارس سے سڑک بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے۔ مشرقی جانب بحر عمان۔ مغرب کی طرف الریح النخالی۔ جانب جنوب بحرین۔ جانب شمال شہر مین۔ ساحلی مقامات نہایت آباد اور سرسبز ہیں۔ جبل خضر یہاں کا سب سے بڑا پہاڑ ہے۔ جس کی بلند ہی ۱۰۰۰ میٹر ہے۔ ملک عمان کے پہاڑ معدنیات سے اور ادوس کے دریا موتیوں سے اور ادوس کی وادیاں غلہ۔ فواکہ اور خوشبودار لکڑیوں سے مالا مال ہیں۔ عمان کے گورے۔ گائیں اور بکریاں بھی مشہور ہیں۔

مورخین عرب کا بیان ہے کہ عمان۔ عمان بن قحطان کی طرف منسوب ہے۔ لیکن روایت تو یہ ہے عمان ابن لوط کی طرف منسوب ہونا چاہیے۔ قبیلہ ازہ جس کو بنی اسد بھی کہتے ہیں۔ قبل اسلام اس کی ایک شاخ یہاں آباد تھی۔ آج کل یہ ملک ایک مستقل ریاست ہے۔ جس کا پایتخت سقطہ ہے۔ اہل ملک زیادہ تر ایٹنی طریقہ کے خارجی ہیں ملک کا رقبہ کم از کم ۵۰ ہزار میل مربع اندازہ کیا جاتا ہے۔

الہ اکبر علاقہ نجد

نجد وسط عرب میں ایک سرسبز و شاداب اور بلند و فراز قطعہ ملک ہے۔ سطح آب سے ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے اور تین حرارت سے بے آب صحراؤں سے محیط ہے۔ اور اسی لئے وہ اجنبی نفوذ اور بیرونی آمد و رفت سے محفوظ ہے۔ اس کے شمال میں صحرا کے شام مغرب میں صحرا کے حجاز مشرق میں صحرا کے و ہزار الیہ الخالی) اور جنوب میں یمانہ ہے۔

نجد عرب کے مشہور قبیلہ بکر ابن وائل کا مسکن تھا۔ کلیب جس سے بڑھ کر عرب جاہلیت کے نزدیک کوئی معزز نہیں ہوا۔ بکر بن وائل کا سردار تھا جس کے قتل کے بعد انتقام کے لئے مکہ و ثعلبہ میں چالیس برس تک آتش جنگ مشتعل رہی۔ یہیں گندھ کے نام سے ایک چوٹی سی عربی حکومت قائم ہوئی۔ جو متاثرہ ملک حیرہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھی۔ قباوہ پر نو شیر وال نے جب مذہب کا مذہب اختیار کیا۔ تو متاثرہ کے مقابلہ میں شہنشاہ فارس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شاہان کندہ سے بھی اس مذہب کو اختیار کیا تھا اور آخر ہی اہر ان کی تباہی کا باعث ہوا۔

عربی زبان کو نجد کی آب و ہوا سے عجیب و غریب مناسبت ہے۔ مگر عربی شاعری کا آدم کھانا ہے۔ اسی نجد کی خاک سے پیدا ہوا تھا۔ اور کلیب مذکور کا حقیقی بھائی تھا۔ اہر انقیس جو عرب کا ملک الشرا تھا۔ اسی نجد کی حکومت کندہ کا آخری شہزادہ تھا۔ اور آج بھی جبکہ استاذ زمانہ اور امتلاط اقوام کے سب سے فصیح عربی زبان کا نام جزیرہ عرب میں کہیں موجود نہیں۔ یہاں کے بہاروں میں قدیم فصیح عربی زبان بلا امتلاط موجود اور محفوظ ہے۔

نجد عہد قدیم سے فصیح و فہم کا مسکن ہے۔ آخر عہد میں اہلانی قبیلہ کی مشہور و معروف شاخ طے اخبار سلمیٰ کی بیٹیوں میں آباد ہو گئی تھی۔ جن کو شرا طے نے ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد کیا ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے۔ نجد میں خطفان کا قبیلہ بسا تھا۔ جن کی ادیبانہ کے لئے خود انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نجد شریف لائے تھے۔ اس نام کا نام اہل سیرت (والمغازی) کے اس غزوہ ذات الرقاع ہے۔ قبیلہ ہواز تھا۔ اور سلیم نجد کے مغربی حصہ پر قابض تھا۔ قبیلہ حطیم کی بھی ایک شاخ نجد میں تھی۔

آج کل نجد، شمر، قصیم اور عارض تین حصوں میں تقسیم ہو کر دو شیوخ کے زیر حکومت ہو گیا ہے شمالی حصہ جو صحرا ہے شام و عراق و حجاز کے متصل ہے۔ شمر کہلاتا ہے اور کبھی اس کے دارالامارتہ۔ حائل کے نام سے۔ حائل پکارا جاتا ہے۔ جبل الشمر اور جبل سلمیٰ اور کچھ وادیاں اس تقسیم میں داخل ہیں۔ شمر کی حکومت آج کل آل رشید کے قبضہ میں ہے۔ آبادی کا تخمینہ تین لاکھ ہے شمر میں قبیلہ طے کی ایک شاخ۔ شمر نامی آباد تھی۔ جس کے نام سے یہ ملک موسوم ہو گیا۔

عارض۔ جو یمن کے صوبہ احقاف کے متصل ہے۔ نجد الحین کہلاتا ہے۔ اور آج کل نجد ہے۔ عموماً یہی سرزمین مراد لی جاتی ہے۔ امیر نجد آل سعود ہے۔ جس کے دارالامارتہ کا نام مدینہ الریان ہے۔ قصیم کا جنوبی حصہ اسی حکومت کے تابع ہے۔ نجد کا یہ حصہ شمر سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجد ہی کے اتر ہے۔ عارض کے باشندے زیادہ تر اہل عہدیش ہیں اور ان کی مردم شماری بیش و کم ۵ لاکھ ہے۔

نجد کے چھوٹے گھوڑے اور اونٹ مشہور ہیں۔ ہر قسم کے میوے یہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت بھی ہوتی ہے۔

علاقہ یمن

یمن عرب کا سب سے زیادہ سرسبز۔ سب سے زیادہ آباد اور سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ متحد ملک ہے۔ (اسی مناسبت سے اکثر عربوں الملک لکھا گیا ہے) اور جو قبل اسلام اور بعد اسلام ہرگز علم نہ ہو۔ اس کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ اس لئے اکثر مجہول ہے۔ عمارات اور قلعوں کے آثار یہاں کثرت سے ملتے جلتے ہیں۔ جو قدیم شاندار تمدن کا پتہ دیتے ہیں۔ قریب و بوار کی سلطنتوں نے مثل روم و فارس اور پیشہ شاہیں پرستوار حملے کئے ہیں اور کبھی فتح بھی کیا ہے۔ یونانی اور رومی مورخین کے پاس یمن کے متعلق بعض اہم معلومات ہیں اور کچھ معلومات آثار قدیمہ کی مدد سے یورپین علماء سے آثار (اثر کیا جو سٹ) سے حاصل کئے ہیں۔

صوبہ یمن کے حدود طبعی ہیں۔ گواہی کے بعد دو حکومتیں تشکیل دیاں گئیں حکومتیں مختلف رہے ہیں۔ جنوب میں بحر عرب مغرب میں بحر احمر شمال میں حجاز نجد اور عیلام اور مشرق میں عمان و بحرین۔ اس ملک کی ابتدائی تاریخ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے قدیمت کی تاریخی میں مخفی ہے جہاں تک معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس سرزمین کے مختلف اقطار میں وقتاً فوقتاً عمارتیں

اہل معین۔ عاد۔ سبأ۔ اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں یہاں قائم ہوئی ہیں ان بیانات کی تفصیل قبائل عرب میں آئے گی جنہوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں۔ جن کی عظمت کے آثار اب تک باقی ہیں۔ ترقی زراعت کے لئے وادیوں میں بڑے بڑے بند آب ہیں۔ جن میں سے سب سے زیادہ مشہور سد مأرب ہے۔ جس کا قرآن مجید میں ہی ذکر ہوا ہے۔ ہندوستان۔ فارس۔ حبشہ۔ مصر اور عراق کی تجارتیں انھیں کی وساطت سے قائم تھیں۔ پہاڑوں سے معدنیات اور جواہر نکالے جاتے تھے۔ سامان عطریات و بخورات انھیں کے ملک سے تمام مہذب ممالک میں پہنچتا تھا۔ آخر عہد میں تقریباً شہر بس کے لئے اہل حبشہ یمن پر قابض ہو گئے تھے۔ جن کو آخر کار اہل فارس نے یمن سے نکال دیا۔ اور خود قابض ہو گئے۔ ظہور اسلام کے وقت اہل فارس کی طرف سے باذان یہاں کا گورنر تھا۔ جو شہر ہجری میں مسلمان ہو گیا۔ بقیہ اہل یمن جو یہودی تھے منہمک میں داعی اسلام حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ہمدان یمن کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ تمام قبیلہ صرف ایک دن میں شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ یہ عظمت مرتضوی کے کمال صداقت کے اعجازِ سماویوں تھے۔

یمن کے مشہور مقامات کے نام یہ ہیں۔ معین۔ مأرب۔ ظفار۔ شبان۔ اوزال۔ براقش۔ نشق۔ غامان۔ زن۔ شیوہ۔ عمران اور صنعاء وغیرہ۔ ان میں اکثر مقامات ویران یا دریائے ربیعہ میں غرق ہیں۔ بعض موجود ہیں۔ لیکن ان کے قدیم نام مشرک ہیں۔ ملک کی کثرت آبادی سرسبز کا اندازہ اس سے ہو گا کہ ملک کی تقسیم پہلے جن صوبوں پر تھی اور جن کو اہل عرب مختلف کہتے ہیں۔ مورخ یعقوبی نے ان کی تعداد ۴۸ بتائی ہے۔ یمن کی بڑی بڑی تقسیمیں یہ ہیں (یعقوبی ص ۱۲۷) حضرت موت۔ احقاف۔ صنعاء۔ نجران۔ حمیر۔ جو علی المرتضیٰ شریف مشرقی جنوبی حدود یعنی حضرت موت سے جنوبی مغربی حدود یعنی حجاز تک سواحل بحر ہند و بحر احمیر پر واقع ہیں۔

حضرت موت۔ ساحل بحر ہند پر واقع ہے۔ شمال میں بحر ہند۔ جنوب میں ربع الخالی اور الاحقاف اور مغرب میں صنعاء یمن یہ ایک نہایت قدیم آبادی ہے۔ قحطان یا قحطان جو یمن کا پدر اول تھا۔ اس کے بارہ بیٹوں میں سے توریث نے ایک کا نام حضرت موت بتایا ہے۔ اس بنا پر اہل تاریخ یقین کرتے ہیں کہ یہ قطعہ زمین اپنے باشندہ اول حضرت موت بن قحطان کے نام

سے منسوب ہے۔ اہل حضرموت نے ایک مستقل حکومت بھی قائم کر لی تھی جس کی مختصر تاریخ مؤرخ ابن خلدون نے بیان کی ہے۔ عاد و ثمود کے قبائل کا اصلی مسکن بھی یہی تھا۔ عاد کا قبیلہ یہاں سے ہنٹ کر اخفاف میں بس گیا اور ثمود کا قبیلہ حجاز کے پاس جا کر آباد ہوا۔ اور بالفعل حضرموت ایک مستقل قطعہ ملک کی حیثیت سے ایک مستقل امام کے متعلق ہے۔ شادابی اور سرسبز زمیں میں صنعاے یمن سے کم نہیں ہے۔ اور عود قافلی وغیرہ یہاں کے نباتات مشہور ہیں۔ سال بسال حضرموت میں سوق الرابیع کے نام سے ایک بازار لگا کر تا تھا اور اسی کے متصل شہر قمرہ میں دوسرا بازار لگتا تھا۔

۲۔ **بِلَادُ الْأَخْفَافِ** | یہاں۔ عمان۔ بحرین۔ حضرموت۔ اور مغربی یمن کے کچھ میں جو صحرا سے عظیم الدہناں یا ریلج خالی کے نام سے واقع ہے۔ گو وہ قابل آبادی نہیں لیکن اوس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق زمین ہے۔ خصوصاً اوس حصہ میں جو حضرموت سے بحرین تک پھیلا ہوا ہے۔ گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں۔ تاہم عہد قدیم میں اسی قطعہ مابین حضرموت و بحرین میں عدارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا۔ جسکو خدا نے اُسکی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔

۳۔ **صنعاے یمن** | ملک یمن کا قلب اور یمن کے قدیم تمدن کی تماشہ گاہ و حقیقت یہی ٹکڑا ہے۔ جو بحر ہند اور بحر احمر کے سواحل پر عرب کے شمالی و مغربی گوشہ میں واقع ہے۔ یمن۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں اسی قطعہ زمین میں قائم ہوئی تھیں۔ سبا و احمر یا سدعوم اسی کی وادیوں میں تعمیر ہوا تھا۔ ظفار۔ مارب اور اوزال میں سکے پائے گئے تھے۔ ملکہ سبا اسی سرزمین کی شہزادی تھی۔ قصر عذآن۔ قصر اعط۔ قصر ربہ۔ قصر صواح اور قصر بدر اسی قطعہ ملک میں تعمیر ہوئے تھے۔ جن کے آثار چوتھی صدی ہجری میں ہماہانی نے برائے العین مشاہدہ کئے تھے۔ صنعا جو یمن کا اب پایہ تخت ہے۔ قدیم شہر نزول کے پاس۔ اسلام سے ایک مدت پہلے آباد ہوا تھا۔ سلسلہ ہجری میں۔ جیسا ہم نے پہلے لکھا ہے یہ ملک مشرف باسلام ہوا۔ اب یہاں زیادہ زیدی طریقہ کے سلطان آباد ہیں۔ جو عقاید میں معتزلہ کی ایک شاخ اور شیعی اور اہل سنت کے وسط میں ہے۔ یہاں کا امام بھی زیدی سادات کے خاندان سے ہے۔ یمن کے نباتات خصوصاً یمن کا قہوہ (بن) مشہور ہے۔ بعد اسلام شہر زبید یمن کا ایک مشہور شہر تھا۔ جہاں سے متعدد حکماء نے اسلام پیدا ہوا ہے۔

۴۔ نجران

بلاد احقاف اور عسیر کے درمیان ایک مختصر سی آبادی تھی۔ چند قدیم میں یہاں بنو ہاشم عیسیٰ میں سے بھیلہ ابن نزار آباد ہوا تھا۔ (یعنی ج ۱- ص ۲۵۵) عبد اسلام سے کچھ پہلے سے روم و حبش کی کوشش سے یہاں عیسائیت پھیل گئی تھی۔ یمن کی یہودی حکومت نے ان عیسائیوں کو کبھی یہودی بنانا چاہا۔ لیکن روم و حبش جو بھی ہمسایہ سلطنتیں تھیں وہ برابر ان کی حمایت کرتی تھیں۔ نجران میں ایک بہت شان دار کلیسا بھی تعمیر ہوا تھا۔ یہ عربوں میں کعبہ نجران کے نام سے مشہور تھا۔ ۹۰۰ء میں اہل نجران کا دن رات حضرت صلعم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تھا۔

۵۔ عسیر

بجراہم کے ساحل پر حجاز اور صنعاء یمن کے مابین واقع ہے۔ یہاں کے باشندے عموماً اہل حدیث ہیں۔ امام عسیر درسی خاندان کا ہے۔ ان کی تعلیمات کے علاوہ یمن میں بہت سے ساحلی مقامات اور جزائر ہیں۔ مثلاً شہر مہرہ، مقلہ، کج، جزائر کوریا، موریا یا جزیرہ بریم وغیرہ۔ ان کی حکومت مختلف شیوخ کے ماتحت ہے۔ اور وہ زیادہ تر برٹش گورنمنٹ کے زیر اقتدار ہے۔

زمانہ ظہور اسلام میں یمن حکومت فارس کے ماتحت تھا۔ ۹۰۰ء ہجری میں یہاں کا آخری ایرانی گورنر مسلمان ہو گیا اور ملک بلا جنگ و جدل علم اسلام کے زیر سایہ آ گیا۔

علاقہ حجاز

حجاز بجراہم کے ساحل پر ایک متعین حصہ ہے جس کا نام توریت میں فاران بتایا گیا ہے اور جہاں سے نبی ربانی کے ظاہر ہونے کی بشارات دی گئی تھی۔ اس کے مشرقی جانب نجد مغربی جانب بجراہم شمال میں عرب شام یا عرب البحر جنوب میں عسیر اور شمالاً جنوباً کوہ سروات کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ جس کی بلند تر چوٹی ہزار فٹ ہے۔ سلسلہ کوہ میں بہت سے چشمے جاری ہیں۔ جہاں گاؤں آباد ہیں۔ باغ لگے ہیں۔ کھیتیاں ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں جنگل ہیں۔ دامن کوہ سرسبز ہے اور وہاں بھی آبادی ہے لیکن زیادہ آباد اور سرسبز حصہ وہ ہے جو بجراہم کے ساحل پر واقع ہے۔ ان مقامات کے علاوہ تمام حصہ ریگستان ہے۔ جہاں کسی قسم کی زراعت نہیں ہو سکتی۔ حجاز کا سب سے بڑا ساحلی شہر حیدر ہے جو کہ کی بندرگاہ ہے۔ اس کے بعد دوسرا ساحلی مقام مینع ہے۔ جو مدینہ کی بندرگاہ ہے۔ اندرون ملک کے بڑے شہر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔

۱۔ مکہ یا مکہ جس کا تیسرا نام ام القریٰ ہے۔ حجاز کا دار الحکومت ہے۔ یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر

درا براہیم علیہ السلام کی بناء ایک نوجوان پیغمبر (اسماعیل علیہ السلام) کی قربانگاہ اور ایک یتیم پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ) کا سولد ہے۔

یہ شہر ارض البلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ اور طول البلد ۴۰ درجہ ۹ دقیقہ پر واقع ہے۔ سطح آب سے تقریباً ۳۳ میٹر بلند ہے۔ اس کے چاروں طرف قدرت نے پہاڑوں کی دیواریں کھینچی ہیں ہیں، بافضل شرقاً وغرباً تقریباً ۳۳ کلومیٹر اور جنوباً شمالاً تقریباً ۱۶ کلومیٹر پھیلا ہوا ہے۔ مشرقی سلسلہ جبل خلیج (فلق) جبل قیقان - جبل ہند - جبل تلعج - اور جبل کد اور سے مرکب ہیں۔ آخر اللہ کریم جبل وہی ہے جس کی راہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروز فتح مکہ میں داخل ہوئے۔ جنوبی سلسلہ جبل ابو حدیدہ - جبل کدہ اور جبل ابوقیس کے بعض سلسلہ سے مرکب ہے۔ مشرق میں جبل ابی قیس اور اس کے پیچھے جبل خندہ واقع ہے۔ مغرب میں جبل عمر واقع ہے۔

حجاز حضرت مسیح علیہ السلام سے ڈائی ہزار برس پہلے کاروان تجارت کی ایک منزل گاہ تھا۔ تقریباً دو ہزار قبل مسیح میں حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند حضرت اسمعیل کو یہاں آباد کیا۔ باپ بیٹے نے خدا کے نام پر یہاں ایک قربانگاہ بنائی جس کا نام کعبہ قرار پایا۔ فرزند ان اسماعیل کی اولاد ایک مدت تک یہاں دیگر قبائل پر بالادست رہی۔ اس کے بعد قحطانی قبائل (بروایت عام) آئے۔ اور انہوں نے اپنا استیلا ظاہر کیا۔ ہنوا اسمعیل میں سے قصی نے آخر یہاں کی ریاست حاصل کی قصی قریش کے پر علی تھے۔ عمر اسلام میں قریش یہاں کے مالک تھے۔ امور ملک و معینہ اسے حکومت ایک ایک شیخ خاندان کے زیر نگرانی تھے۔ شہر کے علاوہ اسماعیلی قبائل شہر کے آس پاس بھی آباد تھے۔ مکہ کے جنوب میں جو پہاڑیاں ہیں وہ مشہور قبیلہ ذیل کا مسکن تھیں۔ جنوب کی طرف دادی القرئی ہے۔ جو قدیم قبائل کا مسکن تھا۔ اس کے اطراف میں قبائل کنانہ رہتے تھے۔ مکہ کے پاس جبل حبشی کے دامن میں قبائل احابیش رہتے تھے۔

بلد مشہورہ قبل ہجرت نبوی اس شہر کا نام یثرب تھا۔ ہجرت کے بعد اس کا نام مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہوا۔ کثرت استعمال سے اس کا نام مقام مضاف الیہ ہو کر المدینہ ہو گیا۔ یہ شہر سمندر کی سطح سے ۶۱۹ میٹر بلند اور طول بلد ۳۹ درجہ ۵۵ دقیقہ اور عرض ۲۲ درجہ ۵۵ دقیقہ شمال خط استوا پر واقع ہے۔ گرمی میں یہاں حرارت کا درجہ ۴۸ درجہ تک بڑھتا ہے اور جاڑوں میں دن کو صفر سے دس درجہ اوپر اور رات کو صفر سے ۵ درجہ نیچے ہوتا ہے اس لئے جاڑوں میں اکثر صبح کو پانی یہاں پینا جاتا ہے۔ پہلے یہاں حاکم رہتے تھے۔ لیکن زمانہ آمد اسلام میں یہاں کے حکام

اور قبائل اوس و خزرج آباد تھے محققین حال کا بیان ہے کہ شرب مصری لفظ ہے اور اتھیریس کی تعریب ہے ہمارے یہاں کے مورخین (اسلامی محققین) کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے تھے اور اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ عمالیق منسلق ق م میں مصر کے حکمران تھے۔ اور منسلق ق م میں وہاں سے نکالے گئے تھے۔ اس بنا پر تعمیر شہر کا زمانہ منسلق ق م اور منسلق قبل مسیح کے درمیان ہے۔ عمالیق کے بعد سب سے اول یہود آکر آباد ہوئے اور ان کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج یہاں آکر آباد ہوئیں۔ یہ اوس اور خزرج وہی قبائل ہیں جن کا لقب اسلام میں انصار ہوا۔ اور جنہوں نے اسلام کی دعوت اولین قبول کی اور مسافرین اسلام کو اپنے گھر و نہیں اٹھارا۔ جس کی مکافات میں خدا نے انصار کے نام سے ان کو زندگی جاوید بخشی۔ اور ان کے شہر کو پیش کر ڈیڑھ لکھ نفوس کا مرکز قرار دیا۔

بنو لام جو خطے کی ایک شاخ سے مدینہ کے کوستانی مقام میں آباد تھے۔ ہمدانی نے لکھا ہے کہ بعد اسلام یہ شاخ دیار ربیعہ کو منتقل ہو گئی۔ بنو ظفر بھی حسب بیان ہمدانی مدینہ کے مقابل ہی سکونت پذیر تھے۔ بنو کلاب جو مشہور قبیلہ تھا وہ مدینہ کے اطراف میں رہتے۔ قریب اور عوالی میں آباد تھا۔ بعد اسلام حسب روایات ہمدانی شام کو منتقل ہو گیا۔ جہاں اس نے اپنی ایک ریاست بھی قائم کر لی۔

۳۔ طائف۔ حجاز کی جنت ہے۔ بے انتہا سرسبز و شاداب ہے۔ امرائے حجاز عموماً گرمی وہیں بسر کرتے ہیں۔ ابتدائے قبیلہ عدوان کا مسکن تھا۔ بعد کو وہ مشہور قبیلہ ثقیف کے قبضہ میں

۴۔ بہر حال محققین جدید اور قدیم دونوں کے اتفاق سے یہ امر محقق ہو گیا کہ شرب کا وجود عمالیق کی آبادی کے وقت سے قائم ہوا۔ فاضل معاصر اگر زیادہ غور سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ شامان عمالیق میں سے ایک کا نام شرب تھا جس نے اس شہر کی بنیاد لی اور اسے آباد کیا۔ اسی نے اوس کے نام سے یہ موسوم ہوا۔ ملاحظہ ہو اسپرٹ آف اسلام مولفہ رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی۔ ص ۱۳۲۔ مگر رائٹ آنریبل صاحب نے بھی کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ اس لئے علامہ سمودھی کے اخبار الوفا۔ باب اول اور فصل اول اور شرح زرقانی۔ جلد اول ذکر مدینہ۔ ملاحظہ فرمائی جاوے۔

۵۔ قبیلہ اوس اندلس و جزیرہ جبرہم میں جو عرب العاریہ یا قحطانی النسل ہیں۔ اور بنی جبرہم کی قدیم سے بنو کاہیل کے ساتھ قرابت اور ہم بطنی تاریخ کا مسلہ ہے۔ ملاحظہ ہو ابو الفسدا اور معارف ابن قتیبہ۔ اور خطبات احمدیہ۔ سرسید مرحوم مصلوہ لاہور ص ۹۵۔

آیا۔ قبل ہجرت آنحضرت صلعم دعوت اسلام کے لئے تشریف لائے۔ لیکن جس طرح جلیل کے ایک شہر نے مسیح علیہ السلام کو قبول نہیں کیا۔ طائف نے بھی آپ کو قبول نہ کیا۔ سب سے ہجری میں آنحضرت صلعم نے طائف کا محاصرہ کیا۔ سب سے ہجری میں سردار ثقیف عروہ ابن مسعود نے اسلام قبول کیا۔ اور خود اپنی قوم کے ساتھ سے اسلام کی راہ میں مارا گیا لیکن اس کی مٹا دی بے اثر نہ رہی۔ اسی سال وفد ثقیف خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عقیدت کیش ہوا۔

۴۲۔ جوٹ نمود۔ تبوک۔ خیبر۔ اور مدین۔

ان شہروں کے علاوہ بعض مقامات بھی قابل ذکر ہیں۔ مدینہ سے کچھ آگے بجانب شمال وہ میدان واقع ہے۔ جہاں نمود کا قبیلہ آباد تھا۔ جو حوث اور داوی القرئی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے پایہ تخت کا نام حجر تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ یہ شہر زیادہ تر اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کے نام سے مدائن الصالح کہلاتا ہے۔ سب سے ہجری میں تبوک کو جاتے ہوئے آنحضرت صلعم کا اس شہر سے گذر ہوا تھا۔ اسی سے متصل دوسری آبادی تیار ہے۔ حجر اب ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ حجر کے بعد ایک اسٹیشن المعظم چوڑا کر دوسرا اسٹیشن تبوک ہے۔ جہاں آنحضرت صلعم نے ریلوے کی مدافعت کے لئے اقامت فرمائی تھی۔ (اور اسی منزل کے ایمن حضرت علی مرتضیٰ کی شان میں حدیث منزلت ارشاد فرمائی تھی) مدینہ کی جانب مغرب خیبر ہے جو یہو کی جنگی قوت کا مرکز تھا۔ اور جہاں یہودیوں کے بڑے بڑے قلعے تھے۔ سب سے ہجری میں آنحضرت صلعم یہاں تشریف لائے۔ اس کی تسخیر فرمائی۔ (یہی قطعہ زمین جناب علی ابن ابی طالب اسد اللہ الغالب کی معرکہ آرائی اور قلعہ کشائی کی جگہ گواہ ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حدیث تفسیر ناو علیا اور حدیث نبوی کا عطیہ المراتب انہ منہول ومنقول فرمائی گئی) حجر کے مقابل جانب مغرب بحر احمر کے ساحل پر شہر مدین آباد ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دار الحجۃ اور اون کے خسرو و شہزادہ بنو بابت رشیب علیہ السلام کا وطن اور مدینا تینوں کا پایہ تخت تھا۔ عہد ظہور اسلام میں۔ یہ تمام شہر یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ اور یہاں اون کے بڑے بڑے قبیلے تھے۔ جن کو اسلام نے عہد نبوت میں یکے با دیگرے فتح کیا۔

عراق

یعنی وہ قطعہ عرب۔ جس کو یونانی عرب شکستان کہتے ہیں اور جو امین شام۔ مصر۔ بادیہ شام۔ حجاز اور نجد واقع ہے۔ یہ آبادی عرب کا بہت قدیم حصہ ہے۔ بلکہ اولین حصہ ہے۔ اکثر نشانات جہد و جدوجہد یہی ہیں۔ اس کا حال

اسلامی مولفین کے قلم سے عقیدت کے شجاعت میں۔ اور مشہور نہیں ہیں۔ مگر منطقہ کی طرح یہ شہر بجا اہل اسلام کے نزدیک واجب الاحترام ہے اور فقہ میں و تقدیم کے جو ہر وہ سے پُر اور مملو۔ جن کا بیان اپنے مقام پر معلوم ہو گا۔ موجودہ زمانہ میں۔ یہ شہر علاقہ حجاز کیا تمام جزیرہ نما سے عرب کا رونق اور آبادی کے اعتبار سے سرانگہ ہے۔ تمام شہر کے چاروں طرف ۲۷ فیٹ اونچی شہرناہ ہے۔ جس میں اونچے اونچے چھاٹک لگے ہیں۔ شہرناہ کے جنوبی دروازے کو باب المصہر کہتے ہیں۔ آب و ہوا لطیف اور خوشگوار ہے۔ یہاں کا پانی مکہ کے پانی سے زیادہ شیریں اور خوش ذائقہ ہے۔ اہل شہر نیک طینت خوش مزاج اور مہمان دوست ہیں۔ تمام شہر میں پٹی ہوئی نہر کے ذریعہ سے آب رسانی کا کافی انتظام ہے۔ سڑکوں اور راستوں میں جا بجا پانی کی کلیں لگی ہیں جب چاہے پانی لیلو۔

مدینہ کا بندر گاہ منہج ہے۔ جو ایک شب و روز کی مسافت پر جنوب کی طرف واقع ہے۔ اس مقام کو چار بھی کہتے ہیں۔ یہاں سے ایک رات کی مسافت پر شہر بدر واقع ہے۔ جو غزوہ است اسلامی کی پہلی زمرنگاہ ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت علی مرتضیٰ نے ولید۔ عتبہ اور دیگر حناوید قریش کو قتل کر کے اسلام کی فتحیابی کا علم نصرت پسند کیا تھا۔

بدر کے جنوب و مشرق میں جحفہ واقع ہے۔ جو مکہ سے ۴۰۔ مدینہ سے ۶۰۔ اور جارت سے ۳۰ منزل ہے۔ اور قوافل کے اترنے کا مشہور و معروف مقام ہے۔ جحفہ سے تقریباً ۳۰ منزل پر غدیر خم واقع ہے۔ جہاں حجۃ الوداع سے مراجعت زمانے وقت ۸ اذی الحجۃ سنہ ہجری میں جناب سالتاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تکمیل و مقبولیت کے متعلق آیہ وانی ہدایہ التہمت لکھ دیں۔ رضیت لکم اسلاما دنیا اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی تائید و ولایت و وصایت کی نسبت نزول آیہ یا ایہا المرسلین بلغوا عن علیہ الخ کے مطابق۔ حدیث من کنت موکلاہ فیسے من کلاہ کی بشارت۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کے سامنے (ابن اثیر) پہنچائی تھی تفصیلی ذکر اپنے مقام پر مرقوم ہو گا۔

منہج مشہور بندر گاہ ہے۔ جو مدینہ طیبہ سے مغرب میں بحر قلمزم کے کنارے سویل کے فاصلہ سے واقع ہے شہرین مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ فتح مکہ کے بعد تھقیف اور ہوازن کے قبائل میں اسلام سے لڑنے اور پناہ پانے۔ پہلے چھوٹا سا تقسیم ہے۔ لیکن سے دو رات کی مسافت پر قنفذہ۔ بندر گاہ جبارہ سے جنوب کی طرف حجاز کی ایک چوٹی سی بندر گاہ ہے۔ عیدہ حجاز کی مشہور بندر گاہ ہے۔ اسکی آبادی تیس ہزار ہے۔ پہلے سلطان روم کا اور اب سلطان حجاز کا ایک تختی افسر اور حکومت

برطانیہ کا کونسل رہتا ہے۔ طائف سے ایک رات اور مکہ سے تین راتوں کی مسافت پر حکاظر واقع ہے جو قدیم زمانہ میں بہت بڑے سالانہ میلہ کا مقام تھا۔ صنعا جو قدیم میں اوزال کہا جاتا تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ فریڈ یہ ہے۔ تمام عرب میں باعتبار خوبی اور انتظام صفائی وغیرہ کے یہ شہر عمدہ اور نفیس مشہور ہے۔ اس کی آبادی پچاس ہزار بتلائی جاتی ہے۔ شہر عدن سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر ایک سبز و شاداب وادی میں واقع ہے۔ تمام عرب میں تمدن ملکی اور سیاسی یہیں سے پھیلا۔ اسکے شمال و مغرب میں ۱۲۵ میل کے فاصلہ پر صنعہ ہے۔ جہاں کا مکایا ہوا چمڑا بہت مشہور ہے اور دور دور ملکوں میں جاتا ہے۔ زبیدہ سے دو منزل پرست الفقیہ ہے۔ جہاں کثرت سے قومہ کی تجارت ہوتی ہے۔ تنجا باب المندب پر واقع ہے کافی یہاں کی مشہور ہے۔ جہاں صنعا سے ۵۸ فرسخ پر اور زبار دو منزل جنوب کی طرف واقع ہے حصن المواہب صنعا سے ۵ فرسخ پر شمال کی جانب واقع ہے۔ عدن جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے بہت بڑی تجارت گاہ ہے جہاں اس ہزار آبادی ہے۔ اس سے ملے ہوئے علاقہ حضرموت پر حکومت برطانیہ کا قبضہ ہے اور ۸۳۹ عیسوی گورنر بمبئی کے ماتحت ہے۔ یمن کی اور آبادیاں رداعہ و خمیر و خیوال و بحیمہ و توس و قرنی و اور ثوران بھی قابل الذکر ہیں۔ منامہ علاقہ بحرین کا مشہور شہر ہے۔ برکش گورنمنٹ کے زیر حمایت ہے۔ اس مقام کے موتی۔ تمام اوصاف و اصناف کے اعتبار سے بے نظیر ہوتے ہیں اور اطاع عالم میں مشہور ہیں قطیف بھی یہاں کے مشہور بندر گاہوں میں ہے۔ دیگر مقامات قومیت۔ مغرب۔ ہجر اور جوف بھی قابل الذکر ہیں۔ مسقط راہ پر ذکر ہو چکا ہے سلطان مسقط کے زیر حکومت ہے۔ جوہر جہاز تجارتی کا مالک ہے موتی۔ بھلی۔ اور سودا کی بہت بڑی تجارت گاہ اور عربوں کے کمال صنعت و حرفت کا مرکز ہے۔ بحر عمان اور عربی سواحل پر جتنے عمدہ اور خوبصورت جہاز اور کشتیاں دکھائی جاتی ہیں وہ سب قریب قریب مسقط ہی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ برکہ۔ رستاق۔ سوہار اور مریاط یہاں کے دوسرے قابل الذکر مقامات ہیں۔ علاقہ نجد میں جبل الشمر ایک جداگانہ عربی حکومت ہے۔ دار الحکومت شہر حائل ہے جس کو بطن العرب بھی کہتے ہیں۔ اسی کے قریب جبل السمار ہے اور یہاں حاتم طائی کی قبر ہے۔ اسی کے قریب وادی ساہوت ہے۔ یہ چوٹی سی حکومت۔ ریاست جبل الشمر کے ماتحت ہے۔ پایہ تخت اس کا شہر جوف ہے۔ جوف کے اوپر طرف دو ستہ الجندل واقع ہے۔ جو منکمہ ہجری میں ابو موسیٰ الاشعری کے ائمہ اور عمر عاص کے مفسدہ انہ کا کہہ کی فیصلہ گاہ بن چکا ہے۔ حجر کے شمال میں تیمار ہے۔ جو بہت مشہور مقام شمار ہوتا ہے۔ تیمار کے شمال میں لطیفہ ہے اور لطیفہ کے مشرق و شمال کی جانب فیہ ہے

جو مدینہ منورہ سے دوسو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حشر موت کے علاقہ میں سقوط۔ طریم۔ ساوہ اور نافع وغیرہ مشہور مقامات ہیں۔

اہل عرب کی جسمانی ساخت اور تمدنی حالات

عرب کے باشندے۔ قد و قامت میں معتدل جسمی ساخت میں مضبوط اور رنگت میں عموماً گندم گوں ہوتے ہیں۔ سوا اہل اور خصوصاً مصر سے ملے ہوئے علاقوں کے رہنے والے عربوں کے رنگ کے ہوتے ہوتے ہیں۔ وہ قوم و قبیلہ جو وسط ملک میں رہتے ہیں۔ ان سے زیادہ صاف اور صبر رکھتے ہوئے ہیں۔ بادین نشین قبائل اپنے مویشیوں کے گھلے لیکر ایک مقام سے دوسرے مقام پر برابر نقل و حرکت کیا کرتے ہیں۔ ان کے مویشی ان کے گھلے ان کے گدازان اوقات کے اصلی ذرائع ہیں۔ ان کے علاوہ اور قوم و قبائل کے اعراب۔ تجارت۔ زراعت۔ فلاحیت اور تحصیل علوم و فنون کے مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی خاص غذا روٹی اور گوشت ہے۔ گیہوں اور جو کی روٹیاں زیادہ کھاتے ہیں۔ ویسے ہی دنبوں اور اونٹ کا گوشت۔ ان میں قبائل بندہ کی کے دستوراً سبقت تک قائم ہیں ہر قبیلہ کا ایک شیخ ہوتا ہے۔ جو ان کا مستلزم الاطاعت حکمراں ہے۔

عرب کے قدیم اقوام و قبائل اور ان کے مساکن

عرب کی قدیم تاریخ میں اسلامی مولفین نے کوئی مکمل مفصل اور مسلسل کتاب مرتب نہیں کی۔ مگر حتی المقدور وہ اپنی کوششوں سے باز نہیں آئے۔ جتنا کچھ ذخیرہ وہ جمع کر سکے ہیں اور جیسا کچھ سرایا بھی وہ چھوڑ گئے ہیں۔ وہ متلاشین حقیقت کے سر آنکھوں پر رکھے جانے کے قابل ہے۔ ان کے ان واجب التعظیم اور قابل قدر تالیفات و تصنیفات کی ایک فہرست اپنے مقام پر بہت جلد لکھی جائے گی۔ اول تو زمانہ ہمارے دراز کی گذشتہ واقعات کا زبانی یاد رکھنا اہل عرب کی فطرت کے اصلی جوہر تھے۔ اس فطرتی خصوصیت کے ساتھ حب وطن۔ نسبی اور حبی رفاہیت اور قومی عظمت کے عناصر بھی داخل تھے۔ پہر سلاطین ملکی فرمانروایان قومی اور سرور و شیوخ قبائل کے اثر و اقتدار نے بھی بہت کچھ حوصلہ افزائی کی۔ ان ذخائر کے لئے سلاطین حیرہ کا کتب خانہ بہت مشہور و معروف تھا۔ ابن ہشام کو خوش قسمتی سے اس خزانہ کے چند جوہر پارے ہاتھ لگ گئے۔ اور انھوں نے اس ذخیرہ کو اپنی کتاب تبیان میں جمع کر دیا۔ اس کے علاوہ عرب کے اشعار جاہلیت۔ بیان دونوں ذریعوں سے انکشاف

حالات اور حصول اطلاعات کے لئے زیادہ حامی اور مددگار ثابت ہو سکے۔ ابن ہشام نے ازمنہ قدیم کے نقل حالات میں زیادہ تر انہیں اشعار سے کام لیا ہے۔ ان اشعار میں شاعری کے کمالات، نکات اور رعایت کے علاوہ، قدیم سلاطین عرب، اقوام قبائل، عمارات، تمدن، اخلاق اور معاشرت کے متعلق ہر قسم کے اخبار و آثار پائے جاتے ہیں۔

قریب قریب تمام اسلامی مورخین و مولفین نے اپنی اپنی تالیفات میں قدیم حالات و واقعات کے سلسلہ لانے کی غرض سے انہیں اشعار کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ ابن ہشام، ابن قتیبہ طبری، ابوالفدا، ابن خلدون، یعقوبی، یاقوت، سموہی وغیرہم انہیں حدائق شعراء کے گنجین ہیں اور اب اسلامی تالیفات اور عربی تاریخوں میں، عرب کے ازمنہ سابقہ کی تاریخ کے متعلق جو کچھ جستہ جستہ اور غیر مسلسل حالات منقول ہیں وہ یا تو انہیں اشعار قدیمہ سے مستنبط کئے گئے ہیں یا قدیم عرب کے اون بچے بچے تالیفات سے ماخوذ ہیں جو ابن ہشام اور کلبی وغیرہ کو ہاتھ آئے ہیں، مگر جیسا اوپر لکھا جا چکا ہے، یہ سراسر یہ مکمل کہا جاسکتا ہے نہ مسلسل۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اتنی بے شمار مدت کے بعد اون کے تفصیلی حالات معلوم ہونا نہایت دشوار ہے۔ اور اسی باعث سے شمس العلما شبلی صاحب نے اس وادی میں ہمت کا قدم نہ بڑھایا، اور اون کے حالات کو قطعاً مرفوع القلم فرمایا۔ اس کی بظاہر دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول تو وہی تحقیق کی دقت۔ مواد کی قلت اور دوسری سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ نے ان حالات کو زیادہ از ضرورت اور باعث طوالت سمجھا، ممکن ہے کہ کسی حد تک آپ کا یہ گمان و قیاس صحیح ہو۔ مگر میرے نزدیک رسول عربی پیغمبر مدنی اور خصوصاً الملکی الابطحی الہتہامی (روحی لہ الفدا) کے سیرت نگار کو ان خصوصیات و تعلقات پر نگاہ رکھنا ضرور تھا کہ جس مقدس زمین سے قدرت نے رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق و مبعوث فرمایا۔ وہ آپ سے پہلے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی جائے ولادت مصلیٰ عبادت اور مقام زیارت بن چکی ہے، اور ان تمام نفوس قدسیہ کو عرب کے انہیں اقوام سابقہ اور قبائل قدیم سے پورا تعلق ہے۔ جن کو آپ نے اپنے تحریری جبریدہ سے نظری کر دیا ہے۔ میں نے انہیں خصوصیات کے بنا پر ان کے قدیم حالات کو کسی قدر زیادہ تحقیق و تفصیل سے لکھ دیا ہے، اور اپنے سلسلہ بیان کو اہم قدیمہ اور عرب کے اقوام سابقہ کے حالات و واقعات سے مرتب کر کے بالکل مکمل کر دیا ہے۔

عرب کے اشعار جاہلیت کو یا تنہا عربی مولفین و مصنفین کے تالیفات و تصنیفات کو ان معلومات کا

کافی زور دینا بھی نا کافی ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ ساتھ کتب مقدسہ قدیمہ اور دیگر مذہب اقوام کے
اون جدیدہ تالیفات و تصنیفات اور تازہ انکشافات کا مطالعہ اور موازنہ بھی ضروری ہے۔ جو عرب
میں قبل و بعد ظہور اسلام مدون اور مرتب ہوئی ہیں۔ میں نے اس ترتیب اور سلسلہ کے خیال سے چار
اقسام مختلفہ کے ماخذوں سے خوشہ چینی کی ہے۔ اور اون کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں چن دیا ہے۔
مگر قبل اس کے کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان کو عرب کے قبائل و اقوام قدیمہ کی تفصیل میں
آگے بڑھیں۔ ہم کو اپنے مرقومہ بالا ماخذوں کی حقیقت کا انکشاف ہی نہایت ضروری ہے۔
اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ادبیات اسلامیہ

(۲) ادبیات اسرائیلیہ

(۳) ادبیات یونانیہ و رومانیہ

(۴) انکشافات اثریہ

ادبیات اسلامیہ میں قرآن مجید اشعار عرب قبل اسلام اسلامی کتب جغرافیہ تاریخ و
انساب شامل ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں عرب کے مختلف قوم و قبائل کے حالات مختصر مذکور
ہیں۔ اون سے صرف عبرت اور بصیرت فی الاحوال مقصود و منظور ہے۔ اس لئے یہ بالکل صحیح
ہے اور پروا ہے کہ قرآن مجید میں جغرافیہ تاریخی اور سیاسی حالات ملک کی تلاش و جستجو بالکل بیکار
عمل نہایت میں زیادہ تر خیالات عام تحصیل و نیابت اسلام کی طرف متوجہ تھے۔ اور نیز اس
وجہ خاص سے کہ علوم و نیابت کو ان تعلقات ملکی سے کوئی علاقہ نہیں تھا۔ اور صحابہ میں قدر اپنے
ملک کے سیاسی اور تاریخی حالات جانتے تھے۔ وہ ان کے نزدیک بالکل کافی تھے۔ اس لئے حمد
نبوت سے لیکر چاروں خلفوں کے زمانہ تک ان اقسام کے تدوین و ترتیب کی کوئی فکر
نہیں کی گئی۔

خلافتِ رابعہ ہی کے عہد سے استنباط علوم اور اسلامی تالیفات کی تدوین کی ابتدا ہوئی۔ اور
سب سے پہلے ابو الاسود دہلی نے علم الفجر کے ابتدائی اصول باب درینہ العلم کی خدمت سے حاصل
کر کے مستنبط کیے۔ گویا عربی شجر اور ادبیات کی اسی وقت سے بنیاد قائم ہوئی۔ امارتِ معاویہ کے زمانہ
میں سب سے پہلے حبیب بن شریہ نے علم تاریخ کی تدوین کی اور کتاب اخبار الملوک الماضین لکھی
اس کے بعد اسی زمانہ میں ہشام کلبی اور قاضی ابو الجعفی نے انساب میں اور ابن ہشام نے سغازی
سیرت اور تاریخ کو ترتیب دیا۔

ہر شخص اس امر کو عجیب سے دیکھے گا کہ اسلام میں حدیث و تفسیر کی کتابوں سے پہلے کتب

تاریخ و انساب کی تالیف و تصنیف شروع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ و علم انساب کے موضوع کیلئے عرب کی طبیعت اور فطرت قدرت کی طرف سے خاکسار موزوں پیدا کی گئی تھی۔ اس لئے اصول فطرت کے مطابق سب سے پہلے اون کی طبیعت کا چھان دیدن اسی شعبے کی طرف ہوا جس سے اون کو خاص دلچسپی تھی۔

اسلامی عالم تالیفات و تصنیفات۔ عبید بن شریح، امیر مدینہ کا معاشر تھا۔ اس کی اصل کتاب اخبار المذکر المذکورین (گزشتہ بادشاہوں کے حالات) تو بالکل معدوم ہے مگر اس کے اقتباسات مسعودی میں جا بجا موجود ہیں۔ اس کتاب کے بعد دوسری اور تیسری صدی میں ذیل کے کتابیں لکھی گئیں۔

کتاب منہار استیسی والیمین۔ (۲) کتاب خیر عبد القیس (۳) کتاب مناقب بابلہ۔ (۴) کتاب مکہ و احکم (۵) کتاب بیونات العرب (۶) کتاب ماثر العرب۔ (۷) کتاب ماثر خطفان (۸) کتاب قصص الکعبہ (۹) کتاب الخفس من قریش (۱۰) باب حدیث نے اس تمام واقعہ کی انخبط کی ہے۔ مولف (۱۱) کتاب لادوس و الخفس (۱۲) کتاب ایام بنی یثکر (۱۳) کتاب ایام بنی مازن (۱۴) کتاب قحطان و عدنان۔ یہ کتاب دینا ہی ضروری ہے کہ یہ تمام کتاب ایک تنہا اسلامی مولف ابو عبیدہ کی ہیں کیا یہ اس کے کمال کا معیار نہیں ہو سکتا۔ اسی صدی کے دوسرے مولف ہشام کلبی کے تالیفات یہ ہیں۔

(۱) کتاب من نقل من عاد و ثمود و العالیق و جراحہم و بنی اسرائیل من العرب (۲) کتاب ملوک کندہ (۳) کتاب طسم و جدیس (۴) کتاب عاد و ثمود و النثیر (۵) کتاب تفرق عاد (۶) کتاب اصحاب الکعبہ (۷) کتاب الحیرة۔ قاضی ابوالخیر کی کتاب طسم و جدیس ابن ہشام کی تالیف سیرۃ النبیؐ ہے۔ جس کے مقدمہ میں عرب توہم کی تاریخ ہے۔ پھر اسی ذکر کو ایک علیحدہ کتاب میں جمع کیا اور اس کا نام کتاب التیجان رکھا۔ ہمدانی کے تصنیفات صفحہ اخیرۃ العرب یطون (یورپ) میں چھپ گئی ہے۔ اس کی دوسری کتاب اکلیل کامل ابھی تک نہیں ملی۔ اس کا ایک کرا پروفیسر ڈی۔ ایچ۔ مولر D. H. Muller کی سہی و انتہام سے شائع ہوا۔ جو ذیل کے دس بابوں پر مشتمل ہے۔ باب اول در بیان ابتدائے خلقت و تقسیم انساب۔ داؤام عرب و عجم و حمیر۔ باب دوم در بیان نسب فرزندان الیہی ابن حمیر۔ باب سوم در بیان فضائل قحطان۔ باب چہارم در بیان تاریخ یثرب ابن قحطان تا عہد تبعہ ابوکرب۔ باب پنجم در بیان تاریخ عہد اسطوخارہ ابوکرب تا عہد ذوالاس باب ششم در بیان تاریخ عہد آخرا ذوالاس تا عہد اسطوخارہ باب ہفتم در بیان قصص کا و ہد اخبار تھیلہ باب ہشتم در بیان عمارت حمیر و شامان حمیر و مسکنات حمیر و مقابر و مزارات حمیر و اشعار حمیر و نقوش و کتبائے حمیر باب نهم ضرب الامثال زبان حمیری و خطا حمیری باب دهم حالات قبیلہ ہمدانی حمیر۔ خدا کی قدرت دیکھئے۔ ہندوستان ایران

دوسری اور تیسری صدی میں تو متعدد کتابیں۔ حدیث۔ تفسیر۔ تاریخ اور انساب میں لکھی گئیں جن کی کامل فہرست حاشیہ پائین صفحہ میں مختصر ذکر کے ساتھ قلم بند کی گئی ہے۔ چوتھی صدی سے علم جغرافیہ کی ابتدا ہوئی اور سب سے پہلے ابن اسحاق مکہ ہمدانی نے عرب کے جغرافیہ میں دو کتابیں صفتہ جزیرۃ العرب اور اکلیل لکھیں۔ صفتہ جزیرۃ العرب۔ جزیرہ عرب کا خاص جغرافیہ ہے۔ اکلیل یمن کی خاص تاریخ ہے۔ دونوں بڑے کام کی چٹیریں ہیں۔ اور مولف دونوں کتابوں کے استنباط و استخراج متفید ہو چکا ہے (انکے باقی حالات حاشیہ زیر میں ملاحظہ ہوں)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ افغانستان اور غالباً خاص عرب اور دیگر اسلامی ممالک میں کہیں بھی اس کتاب کے کسی جزو یا کھل کا موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا مگر برٹش میوزیم۔ لندن (عجائب کدہ لندن) اور اکل لائبریری برلن (شاہی کتب خانہ۔ برلن) میں موجود ہے۔ سنٹرل فین یورپ اس کتاب کی بڑی قدر کرتے ہیں اور عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق اس سے زیادہ مستند کوئی اور جال نہیں سمجھتے۔ ہمدانی جو مکہ۔ خود حمیری سلسلہ سے تھا اور زبان حمیری سے واقف ہی تھا۔ اس لئے آثار و کتبات کو ذرا بڑھ سکا تھا۔ اب ہم ادون مولفین عرب اور ادون کی تالیفات کی ایک فہرست ذیل میں لکھ دیتے ہیں جنہوں نے اقوام و قبائل عرب قدیم کا ذکر کیا ہے

نام مصنف	سنہ وفات	نام تصنیف	مقام طبع
ابن مشام	۵۲۱ھ	کتاب السیرۃ	مطبوعہ یورپ و مصر
ابوالولید ازرقی	۵۲۲ھ	اخبارک	" "
ابن قتیبہ	۵۲۶ھ	کتاب المعارف	" "
ابن دافع یعقوبی	۵۲۷ھ	تاریخ یعقوبی	" "
ابو جعفر طبری	۵۳۰ھ	تاریخ الرسل والملوک	" "
حمزہ اصفہانی	۵۳۶ھ	تاریخ صفی الملوک الارض	کلکتہ
سعودی	۵۳۷ھ	روح الامیب	مصر
ابوالفسدا	۵۴۶ھ	المختصر فی احوال البشر	یورپ و مصر
ابن خلدون	۵۴۷ھ	المعراج و دیوان المبتدأ و النہج	" "

۱۔ اشعار عرب قبل اسلام کے متعلق علقمہ ابن علقمہ ایک شاعر نے قصیدہ نوبیہ میں حمیر قوم تنج کے حالات اور عام عمارات کے ناموں کو نظم کیا ہے۔ ۵۵۰ھ میں شوان ابن سعید اٹھیری نے قصیدہ حمیرہ کے نام سے۔ خاندان حمیر کی تاریخ نظم کی جس میں سلاطین حمیر کے کثرت سے نام گنا گئے ہیں سیرت کا سلسلہ جیسا ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ دوسری صدی سے آغاز ہوا۔ عرب قدیم کا سب سے پہلا مورخ یا سیرت نگار ابن اسحاق المتوفی ۱۵۰ھ جو اس وقت ابن ہشام المتوفی ۲۴۰ھ کی روایت سے موجود اور اس کی تصنیف کتاب السیرۃ کا جزو اعظم ہے۔ اس کے بعد کے مورخین اسلام نے بھی عموماً اپنی تاریخ کی تمہید میں تاریخ عرب و بنی اسرائیل کے مضمون میں اشخاص و اقوام عرب کے حالات لکھے ہیں ان مولفین اور ان کی تالیفات کی فہرست بھی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

جتنے حاشیہ صفحہ اول۔ عربی جغرافیہ نویس اور ان کی کتابوں کے نام :-

مصنف	تالیفات	نام تصنیف	کیفیت
ایوزیاد کلابی	۵۲۰ھ	کتاب النواادر	کتاب کے چند ٹکڑے ہیں۔ ایک عربی جغرافیہ حالات میں ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں جغرافیہ کی سب سے پہلی کتاب ہے
نضر بن شمس	۵۳۰ھ	کتاب لصفات	کتاب کا دوسرا ٹکڑا عربی حکیم گاہوں، گہروں، پہاڑوں اور گھاٹیوں کے بیان میں ہے۔
ہشام بن محمد کلبی	۵۴۰ھ	کتاب المیدان کتاب التالیف	دو حصے ہیں۔ حصہ اول میں۔ حاضرات قصبات عرب دوسرے میں جغرافیہ عالم
ابو سعید الاسدی	۵۵۰ھ	کتاب جزیرۃ العرب والممالک	پہلی کتاب میں عالم جغرافیہ عرب۔ دوسری میں عرب کے تالابوں، چشموں اور دیگر ادویوں کے بیان میں۔
سید ابن ہریرہ	۵۶۰ھ	کتاب التالیف فی الممالک والممالک	عرب کی زمینیں۔ پہاڑ اور تالابوں کے بیان میں۔
ابو سعید بن اسلم	۵۷۰ھ	کتاب التالیف فی الممالک والممالک	عرب کی گھاٹیوں، آبادیوں اور گہروں کے بیان میں۔
عمر ابن رستہ	۵۸۰ھ	العلاق النفسیہ	اس کتاب کی ساتویں فصل جغرافیہ عرب ہے جس کی تالیف نے حد نبیہ ایک ٹکڑے متعلق ہندو زمین کے متعلق ہے
ابن حاکم ہمدانی	۵۹۰ھ	صفحة الجغرافیۃ العرب	جغرافیہ عرب میں حقوق عرب کا بیان ہے۔ عرب کا اطلاق اقوام، قبائل، حیوانا، لائے۔ پہاڑ، تالاب، چراگاہ، ادوی معذبات۔ آثار قدیمہ۔ مقامات، نقل، بعد مسافت وغیرہ کے بیان میں۔
ابوزید بلخی	۶۰۰ھ	کتاب التالیف فی الاخبار	فصل تیسری عرب کی جغرافیہ اور ایک مساجد۔ راہ اور ایک عجائب آثار کے بیان میں غرضی مشرق و مغرب کی اہمات ہوا۔ اس کو شائع کیا ہے۔
ابو سعید بن اسلم	۶۱۰ھ	کتاب جزیرۃ العرب	عرب کا عام و تمام جغرافیہ
حسن بن محمد المعروف ابن احمال	۶۲۰ھ	کتاب التالیف فی الممالک والممالک	عرب کے پہاڑوں اور وادیوں کے بیان میں
محمد بن عمر بن عسکری	۶۳۰ھ	کتاب التالیف فی الممالک والممالک	عرب کے مقامات، تالاب اور پہاڑوں کے بیان میں
ابو بکر	۶۴۰ھ	معجم ما استعجم	مقامات عرب کے بیان میں۔ کوئین (یورپ) میں چھپی ہے۔
جلال الدین سیوطی	۶۵۰ھ	مرآۃ الاطلاع علی سائر الممالک والممالک	چھ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ عرب کے تمام مقامات کا استقصا ہے مختص از معجم یا قوت چھپ گئی ہے۔

جغرافیہ نگاران عرب کی نسبت یہ براعتقاد ہی پھیلی ہوئی رہے کہ گویا وہ اس صنف علم سے بالکل کورے تھے۔ انہوں نے بذات خود اپنے ملک یا غیر ملک کا کوئی جغرافیہ نہیں لکھا۔ بلکہ بطور مستعار دوسروں کے تحقیقی معیار اپنی تالیفات و تصنیفات میں نقل کئے اس غلط خیال کے پھیلائے والے زیادہ تر یورپین مولفین اور زمانہ موجودہ کے خام محققین ہیں جو انھیں کے خوشہ چیں ہیں اور اس ظالم فریبی میں ان کے شریک ہیں۔

یورپین مولفین اور ان کے معتقدین کو اگر تحقیق مسائل کا مذاق سلیم حاصل رہے تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اہل اسلام یعنی مسلمانان عرب میں جغرافیہ نویسی کا ابتدا خود عرب سے ہوئی اور ان میں اس نشانیہ علم کا سلیقہ اس وقت سے پیدا ہو گیا تھا کہ جب عرب میں کوئی متفنن یونانی لفظ ”جغرافیہ“ کے معنی کیا تام سے بھی واقف نہ تھا۔ یورپین محققین نے اپنی غلط فہمی اور کوتاہی سے یہ سمجھا ہے کہ عربوں نے یونانی اور رومی جغرافیہ عرب کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ اول	مصنف	سن وفات	نام تصنیف	کیفیت
ابن خردادبہ	۲۵۱ھ	۲۵۱ھ	کتاب المسالك الى مكة	مطبوعہ یورپ۔ اس کتاب میں یمن کے نام سے عرب کا ذکر کیا ہے۔
ابن نعیم ہراتی	۲۵۱ھ	۲۵۱ھ	کتاب المسالك الى مكة	مطبوعہ یورپ۔ بالتمام۔ ذکر کر کہ طائف۔ مدینہ۔ ماکہ اور کربلا (میری پاس موجود ہے)
ابن واضح یعقوبی	۳۰۰ھ	۳۰۰ھ	کتاب المسالك الى مكة	مطبوعہ یورپ۔ (میری پاس نظر ہے)
اصطخری	۳۷۰ھ	۳۷۰ھ	کتاب المسالك الى مكة	مطبوعہ یورپ۔ باب اول ذکر جغرافیہ عرب۔
مسعودی	۳۷۰ھ	۳۷۰ھ	مروج الذهب	مطبوعہ مصر (موجود)
ابن مردودہ	۴۵۲ھ	۴۵۲ھ	معجم البلدان	تلمیذ موجودہ کتب خانہ حیدرآباد۔ وہاں کی اور ترتیب حروف ہجاء کے حسب ذیل شہر و نگر حالات اس نام الفری بنجرین۔ عاتق عرب بھان۔ مدینہ
ابن حوقل	۴۷۲ھ	۴۷۲ھ	کتاب المسالك الى مكة	مطبوعہ یورپ۔ باب اول میں عرب کے ہمارے رگستان۔ اور استونکریا میں۔
ابوالدینار شہازی مقدسی	۴۷۹ھ	۴۷۹ھ	کتاب المسالك الى مكة	مطبوعہ یورپ۔ ذکر کر کہ ہونہ تصبی۔ گاؤں۔ عمارات۔ مدینہ اور کتبہ رول کر بیان میں صرف ایک حصہ چبا ہے۔
ادریسی	۵۲۵ھ	۵۲۵ھ	کتاب المسالك الى مكة	مطبوعہ یورپ۔ ذکر کر کہ ہونہ تصبی۔ گاؤں۔ عمارات۔ مدینہ اور کتبہ رول کر بیان میں صرف ایک حصہ چبا ہے۔
یاقوت حموی	۶۲۷ھ	۶۲۷ھ	معجم البلدان	مطبوعہ یورپ۔ ذکر کر کہ ہونہ تصبی۔ گاؤں۔ عمارات۔ مدینہ اور کتبہ رول کر بیان میں صرف ایک حصہ چبا ہے۔
ذکر بارتوسی	۹۶۸ھ	۹۶۸ھ	کتاب المسالك الى مكة	مطبوعہ یورپ۔ ذکر کر کہ ہونہ تصبی۔ گاؤں۔ عمارات۔ مدینہ اور کتبہ رول کر بیان میں صرف ایک حصہ چبا ہے۔
شمس الدین مشقی	۱۰۰۰ھ	۱۰۰۰ھ	کتاب المسالك الى مكة	مطبوعہ یورپ۔ ذکر کر کہ ہونہ تصبی۔ گاؤں۔ عمارات۔ مدینہ اور کتبہ رول کر بیان میں صرف ایک حصہ چبا ہے۔
ابوالفدا	۱۰۳۲ھ	۱۰۳۲ھ	کتاب المسالك الى مكة	مطبوعہ یورپ۔ ذکر کر کہ ہونہ تصبی۔ گاؤں۔ عمارات۔ مدینہ اور کتبہ رول کر بیان میں صرف ایک حصہ چبا ہے۔

خیال قطعی غلط ہے۔ یونانی اور رومانی اور دیگر اقوام و ممالک کی کتابیں تو تیسری اور چوتھی صدی ہجری سے زبان عربی میں ترجمہ ہونی شروع ہوئی ہیں اور عرب کا قدیم جغرافیہ داں سنہ ۲۵۰ھ کے اواخر میں اپنی جغرافیہ کی کتاب "کتاب النوا" کے نام سے مرتب کر چکا تھا۔

عرب قدیم سے جغرافیہ نویس تھے۔ ان کے متقدمین اور متاخرین مولفین نے کثیر التعداد جغرافیہ کی کتابیں لکھی ہیں جو اس علم خاص میں ان کے کمال و جامعیت کی کامل ثبوت ہیں۔ (سلسلہ عبارت حاشیہ میں ان کی فہرست علیحدہ دی گئی ہے) جغرافیہ کے متعلق انہوں نے دو قسم کی کتابیں تیار کیں۔ ایک تو وہ جس میں خاص عرب کا جغرافیہ ہے۔ دوم وہ جس میں دیگر اقالیم عالم کے ساتھ عرب کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ادبیات اسلامیہ کے سلسلہ تفصیل میں۔ قرآن مجید۔ اشعار ايام قدیم، تاریخ اور جغرافیہ کے معلومات اور ان کے ماخذوں کا ذکر ہو چکا اب کتب تفسیر کی حقیقت یہ ہے۔ پہلے لکھ چکا گیا ہے کہ تاریخ و انساب کے بعد عرب میں اس کی تدوین ہوئی۔ اور سب سے پہلے مجاہد ابن جابر صحابی نے عہد بنی امیہ میں اپنی تفسیر تیار کی۔ مجاہد کا سال وفات سنہ ۱۰۴ھ ہے۔ اس کے پانچ سو سال بعد صحیح ہو سکتا ہے کہ عرب کی پہلی کتاب تاریخ اخبار الملوک ماضیہ سے ۵۹ برس بعد تفسیر مرتب کی گئی۔ مفسرین اور ان کی تفاسیر ہی حاشیہ کے سلسلہ عبارت میں مرقوم ہیں۔

عرب کا علم حفظ الانساب و ادبیات اسلامیہ کے ذیل میں کتب الانساب بھی ضروری عناصر میں داخل ہیں۔ خصوصاً موجودہ تفصیل اقوام و قبائل قدیمہ کے لئے ان کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ صنف تالیفی تو عرب کی سلسلہ جولانگاہ ہے۔ اور قدیم سے اس فن شریف میں ان کو دستگاہ کامل حاصل ہے اس لئے اس کی نسبت ہم کو زیادہ تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں۔ ہم ظہور اسلام

جدیدہ مضمون ماضیہ صفحہ گزشتہ مفسرین اور ان کی تفاسیر کے نام یہ ہیں۔

مفسر اور ان کی تفسیر کا نام	سن وفات	مفسر اور ان کی تفسیر کا نام	سن وفات	مفسر اور ان کی تفسیر کا نام	سن وفات
تفسیر مجاہد ابن جابر	۱۰۴ھ	تفسیر مقاتل ابن ہیان	۱۵۰ھ	تفسیر ابراہیم بن معقل النخعی	۲۹۵ھ
تفسیر دلی	۱۵۰ھ	تفسیر ابن جریر طبری	۲۴۰ھ	تفسیر ابن ابی حاتم	۳۵۲ھ
تفسیر ابن حبان	۲۴۰ھ	تفسیر ابن مرددہ	۵۱۶ھ	تفسیر یحییٰ بن زکریا علاوہ بہت سی	
				تفسیر ابو یوسف طویل سبک بنس لکھی ہیں	

سے ان مولفین کے سلسلہ کا آغاز کرتے ہیں۔ اس موضوع پر اہل اسلام میں سب سے پہلے غنفل کبریٰ نے اپنی کتاب سان الحجۃ تیار کی۔ پھر عبید بن بشر نے قرن اولیٰ میں۔ ابن گوآر قرطبی۔ ہوانہ بن حکم ابو الفطان ہشام کلبی۔ محمد ابن سائب کلبی۔ مدائنی۔ قاکہانی۔ مصعب بن عبد اللہ زبیری۔ زبیر ابن بکار۔ مصنف انساب قریش۔ اصمعی۔ ابو عبیدہ۔ ابن ہشام۔ مصنف انساب حمیر و مکرہا سے حمیر المبرد اور ازرقی۔ اور اخیراً بلاذری۔ سمعانی۔ ابن حزم اور قلعشدری وغیرہم محققین انساب پیدا ہوئے اور تفصیل و تشریح انساب میں انکے الیفات جیسے قابل قدر ہیں۔ وہ دنیا جانتی ہے۔

انساب عرب کی خصوصیت کے متعلق ہم کو ایک جملہ معترضہ کی تنقیح ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ مستشرقین جدید عرب کے ان انساب کی کتب قدیم کو غلط اور بے اصل سمجھتے ہیں۔ اس کی قطعی صحت کا کثیر التعداد امتداد ایام کی بنا پر ہم دعویٰ نہیں کرتے مگر دعویٰ کے ساتھ اتنا ضرور کہیں گے کہ مسٹر رابرٹسن اسمتھ Mr Robertson Smith اور مسٹر نولدکی

Mr Noldeke نے اپنی غلط فہمیوں سے جتنا سمجھا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ صحیح اور توہی الاصل ہیں۔ نولدکی ان الفاظ میں عربی انساب کی کتابوں پر مونہ آتا ہے۔

اب علماء کے لئے موقع آگیا ہے کہ ان کفلانہ خیالات کو پس پشت ڈالیں جو چاہتے ہیں کہ عربوں کی کتب انساب کو جن کو ٹیڈ کلبی اور اسکے بیٹے ہشام کلبی نے گڑھا ہے۔ مان لیں تاکہ قبائل عرب قدیمہ و جدیدہ کے تعلقات تحقیقی و یقین کے ساتھ ظاہر ہوں کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ تمام قبائل بنی قیس جو وسط ملک عرب میں آباد ہیں وہ صرف ایک شخص کی نسل سے ہوں۔ بنی قیس جو سچے کچھ پہلے تھا۔ اس لئے ہر ای تحقیق یہ ہے کہ کوئی قبیلہ درحقیقت اپنے اوس پدر اول سے واقف نہیں جس کی طرف وہ منسوب ہے۔

رابرٹسن اسمتھ کہتا ہے۔

یہ محقق ہو چکا ہے کہ چند قبائل زمانہ ماضی غیر قدیم میں کسی شخص کی طرف منسوب نہ تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں سب سے سہل اور سبک جواب تو یہ ہے کہ جب نئی اور پرانی دونوں دنیا کی آبادی۔ ایک آدم (علیہ السلام) کی اولاد مان لینے پر آج تک عقلاً اور نقلاً کوئی استعجاب و استبعاد نہیں پیش کیا گیا۔ تو یہی قیس کی کثرت و وسعت پر نولدکی کا استعجاب استبعاد محققین کے نزدیک بالکل قابل مضحکہ سمجھا جائیگا۔

پھر انساب کے لاتعداد زمانہ تک استحفاظ کو بیدار عقل سمجھ کر اس تعریف کو پیش کرنا بھی معتبر ضمین کی غلط فہمی ہے۔ حقیقتاً وہ عرب کے قومی تمدن سے بالکل ناواقف ہیں۔ زمانہ نامعلوم المقداد سے عرب کا ایک ایک قبیلہ کیا۔ ہر ہر فرد واحد کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد اور دشمنوں کی ہتھیار کے لئے انساب محفوظ رکھے۔ عرب کا ہر وہ قبیلہ جو غیر مدبر کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ عام طور سے عرب میں ذلیل و حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اور بطور نشان ملامت کے اس کا نام لیا جاتا ہے۔ شعراے عرب کیا قریب قریب عرب کے تمام قبائل و عشائر ان ضرورتوں کے لحاظ سے حفظ انساب کے لئے مجبور تھے۔ پھر ادنیٰ انساب کی تفصیل کیسے غیر صحیح یا ناقابل اعتبار سمجھی جاسکتی ہے اور غیر قوم، غیر ملک والوں کو ایک لاتعداد و امتداد ایام کے بعد اون کی تردید و تنقید کا کیا حق حاصل ہے۔ بنو قیس کی کثرت و وسعت پر یہ اعتراض بھی چلنے کے قابل نہیں۔ کیونکہ بنو قیس کی طرح چھ سو برسوں کی مدت میں ایک شخص کی اولاد سے چند لہو و قبائل کا پیدا ہو جانا نہ محال عادی ہو سکتا ہے نہ محال فطری۔

مستشرقین یورپ کو کتب انساب عرب کے غلط ہونے کا گمان کیونکر پیدا ہوا؟ اسکی حقیقت سن لیجئے۔ نئی روشنی کے زمانہ میں اہل علم پرستی کی بنا پر۔ جہاں سینکڑوں کیا ہزاروں "ایزم" پیدا ہو گئے۔ اور پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ وہاں تو تو "ایزم" (طوطیت جس کی تعریف ہے) بھی ایجاد ہوا۔ اس دہی مجسمہ یا قیاسی مسئلہ کی خاص تسمیہ سے وہ ازمنہ قدیم مقصود ہیں۔ جن میں انسان کا تمدن اور اس کی تہذیب بالکل طفل مہم تھی۔ اس لئے ہر بڑی اور قوی چیز اس کی ضعیف نگاہوں میں عظیم ترین معلوم ہوتی تھی۔ اسی بنا پر اس زمانہ کے لوگ۔ دیوتوں۔ ستاروں۔ حیوانوں اور درختوں کی طرف اپنے حسب و نسب کو تعظیماً منسوب کرتے تھے۔ اسی کو طوطیت اور اسی زمانہ کو طوطیت کا دور خاص کہتے ہیں۔ ہندوؤں میں کثرت سے اس کے آثار اب تک موجود ہیں۔ جیسے سورج بنسی۔ چند بنسی اور ناگ بنسی وغیرہ۔ یہ قبائل اپنے آپ کو آفتاب و ماہتاب کی نسل خاص سے سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ محالات بدیہی ہے۔ اب ہر شخص سمجھنے لگا ہے کہ حقیقتاً یہ اون کے مورث اعلیٰ کا نام نہیں۔ بلکہ اون کے قبیلہ کی دیوی کا نام ہے۔ جس کی طرف وہ تعظیماً منسوب کئے گئے ہیں۔

قبیلہ عرب میں بنو شمس وغیرہ اسی قسم کے نام ہیں۔ اور حیوانات کے نام ہی ہیں۔ مثلاً بنو اسد۔ بنو کلب۔ بنو نعلب وغیرہ ان کی طرف نسبت کی وجہ وہی سمجھنی چاہیے۔ جو

اد پر لکھی گئی۔ جانوروں کی وجہ نسبت میں تواضع اور انکسار کا خیال و رعایت بھی شامل ہے۔
 افسوس ہے حقیقت نا شناس مستشرقین یورپ نے عرب کے ناموں میں جانوروں کی
 نسبت و رعایت کو ہی ہندوؤں کے اصول پر سمجھ لیا۔ حالانکہ اون کا یہ خیال تاریخ عرب سے اون
 کی قطعی ناواقفیت ثابت کرتا ہے۔ یہ اون کی کھلی وہم پرستی ہے۔ عرب میں کبھی اس قسم کا
 خیال پیدا ہی نہیں ہوا۔ تاریخ عالم سے مذاق سلیم رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس خیال کا وجود
 ہندوستان، مصر اور یونان کے حدود سے آگے نہیں بڑھا۔ تعجب ہے کہ یورپ کے محققین عرب کی میتھالوجی
 (علم الاصلنام) کو ہندوستان و یونان کے اصول میتھالوجی سے لاتے ہیں۔

اول تو اس قسم کے نام عرب میں صرف چند ہیں۔ اور جو ہیں بھی۔ اون میں کلب (کتا) نخل
 (چھوٹی ٹہلی) ثعلب (لومڑی) کون سی گرامی قدر ہستیاں ہیں جن کے انتساب سے خاندان کی بنیاد
 قائم ہو۔ اگر اسی کو یورپین محققین کتب انساب کی غلطی کا باعث سمجھتے ہیں تو وہ سمجھ لیں کہ اس
 روشن خیالی کے زمانہ میں اون کا خاص طبقہ روشن ہی اس قسم کی رعایت و نسبت سے خالی
 نہیں پایا جاتا۔ یورپ کے اقطاع متفرقہ اور بلاد مختلفہ میں۔ سیکڑوں اور ہزاروں ذی اثر و مقتدر
 بزرگوں کے نام۔ فاکس (Fox) (لومڑی) بل (Bull) (بیل) ثابت ہوتے ہیں۔ کیا ان پر
 حلطیت کا الزام نہیں لگایا جائیگا؟

مندرجہ بالا جملہ معترضہ معروض بیان میں خواہ مخواہ حائل ہو گیا۔ اس کی تنقید و تصحیح کر دی گئی
 سلسلہ بیان ادبیات اسلامیہ میں جواز منہ قدیمہ اور اہم سابقہ کے اطلاعات کے ذریعہ قائم کئے
 گئے ہیں۔ کتب انساب کے بعد عرب کی زبانی اور خاندانی مرویات کا نمبر ہے۔ جو نالاً بعد نالاً
 عربوں میں محفوظ رہ کر اسلامی کتب میں مدون ہو گئے۔ مسلمانوں کے اصول روایت کی رو سے گو
 یہ ذریعہ علم زیادہ محفوظ نہیں۔ لیکن جو خاندانی روایتیں شفقاً اور بلا انکار و بغیر اشتباہ و شک عرب
 میں عام طور سے مشہور تھیں اور جن کا فخر ہر موقع پر ظاہر کیا گیا اور کسی نے بھی اوس کے انکار و نفی
 کی وجہ نہ پائی تو یہ گویا درحقیقت تواتر کی حیثیت رکھتی ہیں جنکی تردید اصول تاریخ کی رو سے مستحیل ہو
 ادبیات اسلامیہ انھیں غماص سے مرکب اور ہمارا موضوع تالیف انہیں ذخائر سے
 مرتب ہے۔

ادبیات اسرائیلیہ

ہماری موجودہ مایفاسٹا میں۔ ادبیات اسرائیلیہ قسم دوم کا ماخذ ہے۔ اس ماخذ میں تورات کی کتب خمسہ کتبیم نبیم ترگوم۔ مدراش اور تالمود۔ داخل ہیں۔ اور انھیں کے مجموعہ کا نام ادبیات اسرائیلیہ قرار پایا ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

توراة۔ اصل میں لفظ عبری ہے جس کے معنی قانون اور شریعت کے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی کتب خمسہ کے مجموعہ کا نام توراة ہے۔ گویا کلیم اللہ کے نظم رسالت کی کلیات ہی ہے۔ اس خمسہ کلیسیہ کی پہلی کتاب کا نام سفر تکوین ہے جس میں ذکر کبر (کائنات) آدم و حوا۔ نوح و ابراہیم۔ اسحاق و اسماعیل و یعقوب و یوسف قلمبند ہیں۔ دوسری کتاب کا نام سفر خروج ہے۔ جس میں ذکر حضرت موسیٰ فرعون۔ بنی اسرائیل و بعض احکام و قانون شامل ہیں تیسری کتاب کا نام سفر لاہبار ہے۔ جس میں ذکر شریعت و قوانین شریعت اور حرام و حلال انبیاء کی تفصیل مندرج ہے۔ چوتھی کتاب کا نام سفر العدد ہے جس میں ذکر تعداد بنی اسرائیل وقت خروج از مصر و غزوات حضرت موسیٰ و بعض احکام شریعت مندرج ہیں۔ پانچویں کتاب کا نام سفر اللاشٹا ہے جس میں قوانین اور احکام شریعت داخل ہیں۔ نبیم۔ بنی کی جمع تھا عدہ عبرانی ہے اور نبیم سے ہوتی ہے۔ عربی قاعدہ سے نبیمین کہنا چاہیے مثلاً خاتم النبیین یہ دفتر اسرائیلیہ انبیاء بنی اسرائیل کے کلام و مواعد و مرافی کا مجموعہ ہے اور خصوصاً سفر حضرت یوشع سفر القضاۃ سفر سموال۔ سفر الایام۔ اور سفر الملوک کہ ان میں صرف تاریخی حالات و واقعات ہیں۔ اکثر توراة کا اطلاق تو ماہ و نبیم دونوں پر ہوتا ہے نبیم کے بعض حصہ کو کتبیم بھی کہتے ہیں جو اقوال انبیاء بنی اسرائیل کے نقول و کتابت سے مراد ہے۔

ترگوم۔ یا ترجمہ یعنی ترجمہ و بیان۔ ترگوم ارامی زبان میں۔ توراة و نبیم کی تفسیر و توضیح کا نام ہے۔ ربینون (ائمہ یود) نے انبیاء کی زبانی یا دواشت و روایت کی بنا پر کی۔ اس کی تصنیف کا زمانہ ۶۰۰ ق م سے سنہ ۲۰۰ تک ہے۔

مدراش کا درجہ ہمارے ہاں کی احادیث کا ہے۔ لفظ مدراس اور شری اورس ایک چیز ہے۔ تلمود و تالمود۔ فقہ اسرائیلی ہے جس کی بنیاد کتب سابقہ پر ہے۔ اور جس کی ترتیب بترتیب ابواب و فصول مسائل قائم کی گئی ہے۔ لفظ تلمود۔ عبری تلمید ہے جس کے معنی تعلیم و علم کے ہیں۔ یہ تلمود دینا بھی ضرورت ہے۔ زیادہ ہوگا کہ یہود کے نزدیک تو یہ تمام کتابیں مستند ہیں۔ نصاریٰ

صرف توراۃ بنیم اور کتبیم کو تسلیم کرتے ہیں اور انھیں کے مجموعہ کو عہد عتیق کہتے ہیں۔ اسلام میں ان کے اعتبار کی کیا حقیقت ہے ؟

اسلام میں وہی اصول عامہ ان کی صداقت و صحت کا ہی معیار قرار دئے گئے ہیں یعنی انکی مرویات بھی جو معارض قرآن و حدیث صحیحہ ہیں۔ وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ مصطلحات فقہیہ اور الفاظ شرعیہ میں اسکو سقوط کہتے ہیں۔ یعنی وہ حالات و واقعات جو توراۃ میں ہیں اور قرآن میں نہیں۔ وہ سقوط کی خاص اصطلاحی نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ جزو نہ وحی ربانی ہے اور نہ مقصود قرآنی۔ کسی طرح مضافۃ بھی ایک اصطلاحی نام ہے۔ اور اس سے وہ حالات مراد ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے مگر توراۃ میں نہیں۔ جہاں ایسے اضافہ ہیں وہ اصل میں اس واقعہ کا خاص نکتہ تھا جس کو ان کتابوں نے جن میں تصرفات و مداخلات انسانی مقبہ ذرائع سے ثابت ہو چکے ہیں۔ بالکل چھوڑ دیا ہے۔ مگر قرآن مجید نے جس کی منزل صرف کتب مقدسہ اور الہامات قدیمہ کی تکمیل تصدیق تصحیح کی ضرورت و مدعا ہے ہوئی تھی۔ پھر ان نرو گزشتہوں کو اصلیت اور حقیقت حال سے چر کر دیا۔ سقوط و اضافات کے دونوں صورتوں کو اعتدال پر بلکہ مخالفین اسلام میں ڈیڑھ ہزار برسوں سے علمائے مستشرقین اور کٹر پڑوں محققین کی نگاہیں پڑ چکی ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو اس کی صداقت اور اصلیت میں کلام کی آج تک جرأت نہیں ہوئی۔ جیسا کہ انکی اکثر شاہیں ہمارے موجودہ تالیفات کے سلسلہ بیان میں بھی اپنے اپنے مقام پر پائی جائیں گی۔

ہم نے اپنی تالیف کا اخذ ان کو کیوں بنایا۔ صرف اس کی ضرورت سے کہ اہم قدیمہ اور انبیائے و مرسلین سابقین کے وہ حالات و واقعات جو ہمارے مقامہ تالیفی سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور ان کی تفصیل اسلامی ادبیات میں ضرورت سے زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں کی گئی ہے۔ قلمبند کرنا اور بقدر ضرورت ان کو تفصیل سے لکھنا نہایت ضروری ہے۔ اور ظہور اسلام کے مابعد کے واقعات کشیدہ کی تشریح و تفسیر اور تسلسل کا قیام رہنا بھی۔ تاوقتیکہ انھیں کے واقعات جو کثرت سے۔ ان اخبار و آثار قدیمہ میں موجود ہیں بیان نہ کئے جائیں ممکن نہیں تھا۔ باوجود ضرورت سے موجودہ کے مولف نے ان تمام واقعات کی نقل و اندراج میں نقد و واقعات کے تعلق انھیں اصول کا برابر کا قیام رکھا ہے جو محققین و ناقدین اسلام نے اس فن خاص کے لئے مقرر کئے ہیں۔

ادبیات یونانیہ و رومانیہ

یونانی اور رومانی مورخوں۔ سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے بھی جستہ جستہ اور متفرق طور پر اون ملک و قبائل کا ذکر کیا ہے۔ جن پر ملک و قبائل عرب قدیم ہونے کا کامل اطلاق ہوتا ہے۔ اسلئے ان سے استنباط بھی ہمارے لئے ضروری تھا۔ ہم نے اپنی موجودہ تالیف میں اس طبقہ کے جن مصنفین اور اون کی تصنیفات سے مدد لی ہے۔ اون کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

ہیرودوٹس Herodotus یہ یونانی مورخ اور جغرافیہ نویس حضرت مسیح سے ۴۷۰ برس قبل تھا۔ اس نے یونان و ایران کی تاریخ لکھی ہے۔ اور اسی ضمن میں مصر، افریقہ، اور عرب کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی تاریخ کا عربی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ مگر اس مورخ کا علم ملک عرب کی نسبت نہایت نامکمل تھا محققین قدیم و جدید نے اس کی غلطیوں کی پوری تنقید و تصحیح کر دی ہے۔

سیروڈوٹس کی ایک صدی بعد سکندر اعظم ایران و مصر پر فاشخانہ قابض ہوا۔ اس نے اسی خاص سے ارستوٹھینس Protosthenes المتوفی ۳۷۰ ق م۔ جو یونانیوں کے عہد میں کتبخانہ اسکندریہ کا مہتمم تھا اس نے سکندر کی ہدایت سے سفر سے جو نتائج تازہ معلوم ہوئے تھے اون کے ساتھ جغرافیہ عام کی ایک کتاب لکھی۔ اس کی اصل کتاب قضاائع ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد ایک جغرافیہ نویس یونانی اسٹرابو Strabo نے اس کتاب کے چند ابواب اپنی کتاب میں نقل کیے۔ خوش قسمتی سے جن میں ایک عرب کا باب بھی محفوظ ہے۔ ارستوٹھینس نے یمن کے قبائل سبا و معین اور اون کے تمدن کا اور نیز قبائل منقریوت کا اور عرب کا رواں کے اون راستوں کا جو براہ قریہ (Gerrae) خلیج فارس کو اور براہ تہامہ۔ اس خلیج عقبہ کو پہنچتے ہیں۔ ذکر کیا ہے۔

ارستوٹھینس کے تقریباً سو برس بعد سسٹینی کا مشہور مورخ دیودورس Deiodorus المتوفی ۳۰۰ ق م پیدا ہوا جس نے عرب کے بعض حالات کا نشانہ دیا۔ جنہا کی حکومت کا ذکر کیا۔ اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ کعبہ مکرمہ کی طرف بھی اس نے اشارہ کیا ہے۔ (گین ج ۳ باب ۱۱) افسوس ہے کہ اس کتاب کا زیادہ ترجمہ تلف ہو گیا۔

اب یونان کی جگہ باطل ملک داری پر روم آگیا۔ رومی مسوڑا لیس گالوس Gallus کی ماتحتی میں جو یونانی عرب پر رویوں نے حملہ کیا اور ایک مصنف ہی کر لیا۔ لیکن عرب کے بے آب گیا۔ مگر اس سے شکست کھا کر خود اون کو چھپے ہوا بنا پڑا۔

اسٹرابو (Strabo) المتوفی سنہ ۶۰ ق م نے اپنے جغرافیہ تصنیف میں رومیوں کی اس ہم حال نگاہ پر اس مہم میں بظاہر کے علاوہ عرب کے دو شہروں کے نام آتے ہیں نگر آنا اور ناریسار (Negrana Maritima) جو صحیح طور سے نجران اور شہر مارب ہیں۔ اسٹرابو کے بعد پلینی (Pliny) المتوفی سنہ ۷۹ء کا نام لینا چاہیے۔ جو کتاب تاریخ طبعی کا (Natural History) کا مصنف ہے۔ اس نے مشرقی سواحل عرب کا اور خصوصاً اوس مہم کا ذکر کیا ہے۔ جو رومیوں نے مشرقی سواحل کے اکتشاف کے لئے روانہ کی تھی۔

پلینی کے سوا سب سے بعد دوسری صدی عیسوی میں اسکندریہ کا مشہور طبیعت دان و جغرافیہ نویس بطلمیوس (Ptolemy) پیدا ہوا۔ اس وقت رومن طاقت اپنے عروج و کمال پر تھی بطلمیوس نے تمام دنیا سے معمور و معلوم کا ایک نقشہ عرب تیار کیا اور پھر اسی نقشہ کی تشریح و تفصیل کے لئے جغرافیہ میں ایک کتاب لکھی۔

بطلمیوس کی نوعیت و تدریس یہ ہے کہ سب سے پہلے اوس نے معمورہ عالم کو طول بلد اور عرض بلد پر منقسم کیا اور پھر ان خطوط کے ذریعہ سے اوس نے مقامات کی تعیین کی۔ اسلئے بطلمیوس کی یہ تصنیف باعتبار جغرافیہ طبعیہ (Natural Geography) یا جغرافیہ وصفیہ (Descriptive Geog.) کے جغرافیہ فلکی (Astronomical Geog.) سے زیادہ قریب ہے۔

یہ بھی بتلادینا ضروری ہے کہ بطلمیوس خود سیاح عرب نہ تھا۔ اسکندریہ اوس زمانہ میں عرب تاجروں کا مرکز تھا۔ اس لئے انہیں تاجروں اور کاروانوں سے دریافت کر کے عرب کا جغرافیہ ترتیب دیا۔ بطلمیوس نے عام طور سے عرب کے مشہور قبائل شہر گاؤں۔ پہاڑ۔ سواحل۔ تجارتی منزل اور تجارتی راستوں کو بیان کیا ہے۔ لیکن چند ناموں کے سوا اب ان منازل و قبائل کے نام بالکل غیر معلوم عربی محققین کے علاوہ ایک یورپین مشہور مصنف بن بری Bunbury نے بھی اس خطہ مالینہ بطلیہ پر سے بڑا عقاد ہی ظاہر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ صرف فرضی اور مصنوعی ناموں کا مجموعہ ہے لیکن جرمن مستشرق اسپرنگر (Springer) نے قدیم جغرافیہ عرب (Ancient Geography of Arabia) میں

اس کتاب کا عربی میں اول ایڈیشن کئی کئی بار طبع ہوا۔ لیکن اچانک بن بری نے تیسری صدی عیسوی میں اسکا

ترجمہ کیا۔ کتاب القریۃ ص ۴۸ طبع لیسزک۔ ایشیا افریقا ج ۱ ص ۲۸-۲۹ میں

میں جو ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ نہایت قابلیت سے بطلمیوس کے ناموں اور مقاموں کا عرب جغرافیہ نویسوں اور موجودہ سیاحوں کے بیانات سے مقابلہ کیا ہے۔ اور ان کی صحت ثابت کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چند ناموں کے سوا اور تمام ناموں کی تطبیق تکلف ہو سکتی ہے۔ اور اس کی مثالیں ہماری کتاب میں جا بجا ملیں گی۔

بطلمیوس کے جغرافیہ کے متعلق آج سے ہزار برس پہلے مسلمان جغرافیہ نویس مسعودی اور ہزار برس کے تین سو برس بعد یاقوت حموی خود بھی نکات کرچکے ہیں جیسا کہ ایک مقام اور لکھ ہی آؤں یہیں مشرق ہو گا رختہ Hogarths اسی بنا پر لکھتا ہے۔

بطلمیوس کا کاروانوں کی زبان سے ان کی (عرب) تحقیقی اور یونانی حروف و احوال اس کی (الفاظ عرب) تفسیر اور پھر انقلابات و عادات روزگار کا توازن (تاریخ) (کتابیں) کتاب کی جہالت و ناشناسی۔ ان وجوہ سے قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ ایک لفظ اپنے

مخرج سے کہاں کہاں جا پڑتا ہے۔ The Penetration of Arabia by Hogarths P. 9-24

یونانی اور رومانی مصنفین کے تذکرے میں ایک قابل الذکر یہودی مصنف ہی ہے۔ اس قابل تحقیق کا نام یوسیفوس (Josephus) ہے۔ یونانی۔ لاطینی اور رومانی زبانوں میں اس کی متعدد تصانیف متعلق تاریخ و مذہب یہودی ہیں۔ اسکی سب سے مشہور اور قابل قدر ترین کتابیں جو میرے ہاتھ میں آئی ہیں ان کے لئے بھی مفید ثابت ہوئی ہیں۔ یہ ہیں: قدانت یہودیہ۔ عبادت یہودیہ اور فلسفہ یہودیہ۔ ان تصانیف کی وسیع النظری اور تصانیف کثیرہ کی تدوین کا باعث حقیقی یہ ہے کہ یہ فاضل پہلی صدی مسیحی میں اسکندریہ میں مقیم تھا اور وہاں کے مشہور اور قدیم کتب خانہ کا خاص متہم جس میں بابل اور مصر کی تمام قدیم تاریخیں موجود تھیں۔ یوسیفوس کو خوش قسمتی سے یہ موقع زمین ہاتھ لگا۔ اوس نے اپنی بابتی و مصری تاریخوں سے بابل و مصر کی تاریخ کے اقتباسات نقل کیے جن سے عرب کے قدیم قبائل و اقوام کے واقعہ نگاروں کو بھی بہت کچھ مدد ملی۔

بابل کے جس مؤرخ کا یوسیفوس نے حوالہ دیا ہے وہ یہودئوس ہے۔ اور یہ مصر کے مؤرخ کا نام یائشون بتلما ہے۔ ان دونوں مصنفین کے اقتباسات ہی مفید ہو سکتے ہیں۔

اکتشافات اثریہ

ہمارے معلومات کے چارگانہ ذرائع ہیں۔ پوچھے نمبر کا ذریعہ۔ اکتشافات اثریہ ہیں۔ جن سے الواح

کتبات اور عمارات و نیز دیگر آثار قدیمہ مراد ہیں۔ اور فی الحال چین، حضرت موت، جوآن، تدمر، بطرا، عملا، مدائن، صالح، صفا، حجر، حجاز، عراق اور مصر میں قدیم عربوں کے بہت سے آثار، عمارات اور یادگاریں ہیں جن میں ہزاروں کتبے اور نقشے کھدے ہیں۔ ان کتبات اور نقوش سے علمائے آثار قدیمہ نے عجیب غریب نتائج استنباط کئے ہیں۔ یہ کتبات و نقوش زیادہ تر حمیری (مسند، سبائی، آرامی اور بنطی خط میں ہیں۔ دولت بنی امیہ اور عباسیہ کے ابتدائی زمانوں میں جبکہ تاریخی مذاق مجتہدانہ حیثیت رکھتا تھا۔ ان آثار کی تحقیق کی گئی۔ اور ان میں سے اکثر خطوط اور زبانوں سے اس وقت کے علماء واقف تھے۔ ذوالنوی مصری جو دوسری صدی میں تھے مصر کے خط برآبی (سہر و گلفی) پڑھتے تھے۔ حمیری محقق علامہ حمدانی نے صنفہ جزیرۃ العرب میں تمام مشہور آثار کے نام گنائے ہیں۔ قلعہ ناعطا جو سلاطین یمن سے پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کیا تھا۔ اسلام سے تقریباً پندرہ سو برس قبل کی تعمیر ہے۔ وہ سب بن مہیہ نے (جنہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا) اس کا ایک کتبہ پڑھا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

”یہ ایوان اس وقت تعمیر کیا گیا جبکہ ہمارے لئے مصر سے غلام آتا تھا۔“ معجم البلدان ذکر ناعطا

یا قوت عمومی نے معجم البلدان ذکر ناعطا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ عرب جاہلیت کا ملک الشجرہ امرار این اس رفیع الشان ایوان کی نسبت کہتا ہے۔

یہ وہ ہے جو ناعطا کی بندہ سے ہزاروں آدمی زمین پر لاسکتا ہے۔

مَقَامُ الْمَلِكِ الْأَكْبَرِ مِنْ جَبَلِ نَاعِطٍ بَنِي أَسَدٍ
حَضْرَتِ الْأَمِيرِ الْأَكْبَرِ الْأَكْبَرِ

امیر سعادیت کے زمانہ نے (منہج تاسع) عبدالرحمن مصر کے گورنر تھے۔ انہوں نے حضرت موت کے منہدم شدہ قلعہ حصن غراب پر ایک کتبہ پایا تھا۔ اس کا عربی ترجمہ یہ ہے۔

ہم گھوڑوں اور بچوں سے خشکی کا شکار کرتے ہیں اور کبھی دریا کی تہ سے مچھلی نکال لاتے ہیں۔ ہمارے حکمران وہ سلاطین ہیں جو بدکاری سے بہت ڈرتے ہیں اور خداؤں اور خیانت کاروں کے حق میں بہت سخت ہیں وہ ہمارے لئے ہر ایک کے مذہب کے مطابق شریعت قائم کرتے ہیں اور ہم احکام الہی اور نبوت و شہر ایمان لائے ہیں جب کوئی دشمن ہماری زمین کا قصد کرے تو ہم گدگدوں نیزے لیکر نکل پڑتے ہیں۔

وَنَصْطَادُ صَيْدِ الْبَرِّ بِالْخَيْلِ وَالْقَنَا وَطُيُوسِ
النَّصِيدِ النَّوِي مِنْ نَجْمِ الْبَحْرِ يَلِينَا مَوَكِّعُ
يَهْدِيهِ وَاتَّعَنَ الْخَنَّا شَدِيدُ عَلِيٍّ هَلِ
الْخَيَانَةُ وَالْفُسَادُ تَقِيمُ لَنَا مِنْ دِينِ هُوَ
نُشْرُ يَمَانٍ وَنُفُوسٍ بَلَايَاتٍ وَالْبَغْيُ وَالنَّشْرُ
أَوَامَا عَدُوًّا نَحْلُ أَرْضًا يَحْيِي نَا بَعْرًا جَمِيدًا
بِالْمُسْقِفَةِ الشَّعْرِ

یہ کتبہ علامہ نوبری نے اپنی تاریخ مسالک الابصار میں نقل کیا ہے۔ لیکن تاریخ مذکور کے اکتشافات کے بعد ۱۸۳۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک مشن میں بھیجا تھا۔ اوس کو ہی کتبہ اصل قدیم حمیری خط میں ملا۔ اصل کتبہ کا ذکر قوم عاد کے تذکرہ میں بہت جلد آئیگا۔ فارٹر صاحب Forster کی تحقیقی ہیں کتبہ قوم عاد کا ہے اور عرب کے قدیم ترین کتبات سے ہے جس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اٹھارہ سو برس قبل ہے۔ فارٹر صاحب نے اپنے تاریخی جغرافیہ میں (ص ۹۱-۹۰) اس کا جو ترجمہ کیا ہے۔ نوبری کے ترجمہ سے بہت کم مختلف ہے۔

مورخ کلی کے زمانہ میں قبیلہ ذوی الکلاغ کے ایک شخص نے یمن میں ایک تختہ پایا جس پر ایک مردہ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک زرین سپر تھی جس پر سرخ یا قوت جڑے ہوئے تھے۔ اوس سپر پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ (یہ عبارت حمیری عبارت کا ترجمہ ہوگی)

بسم اللہ رب حمیرا نا حسان بن حمیر النقیل
اللہ کے نام پر جو حمیر کا خدا ہے۔ میں عمر و نفیل کا بیٹا حسان
ہوں معجم البلدان۔ لفظ متبعین

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیری خدا کے قائل تھے اور ان کا معبود اللہ تھا۔

عماد روایہ کے بھانجے نے ایک ہاڑ کی چوٹی پر قوم عاد کا ایک پتھر کا پایا تھا۔ جو پتھر میں پوشت تھا۔ اوس پر یہ شعر لکھے تھے۔ (اصل شعر نہیں بلکہ عربی ترجمہ ہے) معجم البلدان۔ لفظ ناقص

آهَلُّ اِلٰی اَسْبَابِ نَحْنُ بَنُو اللّٰوْحِ لَوْحًا لِّمَلِ
مِنْ قَبْلِ الْمَمَاتِ مَعَادٍ بِلَادٍ بَهَا كُنَّا وَكُنَّا
نُحْيِيْهَا اِذَا اَهَلُّ اَهْلٍ دَابِلُوْدٍ بِلَادٍ

مقام ذواللوائے میں جو مکانات ہیں کیا مرنے سے پہلے
پہر وہاں جانا نصیب ہوگا یہ وہ شہر ہے جہاں ہم رہا کرتے
تھے اور جن سے نسبت رکھتے تھے جبکہ اگر آگ تھے
اور شہر تھے۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یمن میں ایک دفعہ سیلاب سے۔ ایک قبر کھل گئی۔ تو ایک عورت کی لاش نکلی جس کے گلے میں موتیوں کے سائے لہرا اور انگلیوں میں مربع انگوٹھیاں تھیں۔ اس کے سر پر ایک لوح تھی جس پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا۔

باسمک اللهم الہ حمیرا نا تاجہ بنت
ذی شقر بعثت مائرا الی یوسف فابطاع الینا
فبعثت لاذی ید من ورف لثانی ید من
طمین فلم یجد لہ فیبعثت بہ من ذہب فلم یجد

نیرے نام پر جو حمیر کا خدا ہے۔ میں ذو شقر کی بیٹی تاجہ ہوں
میں نے اپنے قاصد کو یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔
اس نے جب دیر لگائی تو میرا بھائی چاندی پر سونا بھیجا
لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ میرے جو امرا

پس کر آنا بنا یا جاوے۔ لیکن وہ سب کا ارتقا جو شخص میرا
حال سنے اوس کو میرے حال پر رحم کرنا چاہیے۔ جو عورت
میرے زور پہنچے گی وہ میری ہی موت مرے گی۔

فبعضت بکل من بھرتی فلم نجدہ فاقرب بسہ
فطعن فیہم انفسہم بدہ فاقنقلت فمن انعم بی
فلیرحمہن وایہ امرتہ لیست حلایا من خلقتی
فلو سات الا صیتی

اس کتبہ کو فارسی صاحب نے بھی اپنے حیرانہ مضمون میں اس مع انگریزی ترجمہ کے نقل کیا ہے۔
یہ کتبہ حضرت پارسہ علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اس قدر
زمانہ قدیم سے تحریر کا رواج تھا اور نیز یہ ہی کہ حمیرا کے پناہ مہبود سمجھتے تھے۔

حضرت اصفہانی المتوفی سنہ ۳۸۰ھ نے ایک حمیری کتبہ کا ذکر کیا ہے جس کی عبارت یہ تھی۔
بسم خدا شمر بھش (شاہ میر) نے آفتاب دہی کے لئے یہ بنایا۔ تاریخ الملوک لافض میں۔ انکلتہ

ابن حاکم ہمدانی حمیری المتوفی ۳۸۰ھ علامہ مقدسی۔ باقوت جمہوی۔ علامہ نویری اور
قرطبی نے اپنی تصنیفات و تالیفات میں اس قسم کے آثار و کتبات کا مفصل ذکر کیا ہے۔

عرب کے متعلق اہل یورپ بہر حال یہ ایک اور دور ہی کو ششمنس تھی۔ حقیقتاً اہل یورپ نے اس شاخ کو
سے انکشافات اثریہ۔

سرت۔ علامہ خطوط قدیم نے ان کتبات و نقوش کو اس طرح مل کر کیا ہے کہ ان سے عرب کی تاریخ
قدیم کے متعلق عجیب غریب انکشافات حاصل ہوتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اہل یورپ کو اولاً مقامات
مذکورہ اور آقا کے انکشافات و تحقیقات کا خیال پیدا ہوا۔ جو علی العموم بعینہ عرب کے مقامات و
اقوام ہیں۔ اس سلسلہ میں پائل۔ مصر و فلسطین۔ خوران اور عرب کے دیگر آثار کی طرف بھی
توجہ ہوئی ہے۔ ہرگز صرف آثار عرب سے متعلق نہیں ہے۔ اور ہم نے اسی کے متعلق متذکرہ تحقیقات
یورپ کے ان انکشافات سے مدد لی ہے۔

ان میں سب سے پہلا یورپین سیاح اور کشفیات آثار عرب نبو نبہر Neubhar ہے۔
یہ محقق سنہ ۱۱۰۰ھ میں تہمایین کی طرف عازم ہوا۔ اس کے بعد جب ٹیگر علی پاشا خدیو مصر اور یورپی
امیر ٹیگر کی جنگ شروع ہوئی اور یورپ نے مصر کا ساتھ دیا تو اوس وقت یورپ کو سیاحت
عرب کا سبب پہلا اور سب سے بہتر موقع نصیب ہوا۔ ان سیاحوں کے حالات و انکشافات

و تحقیقات پر انگریزی میں ہوگا D.G. Hogarlin نے ایک مستقل کتاب ۱۸۵۰ء
مضمون پر لکھی ہے۔

نیو بھارٹس مارک (Denmark) کا رہنے والا تھا۔ سلطنت کی طرف سے محققین آٹما قدیمہ کے ایک وفد کے ساتھ ۱۷۶۱ء میں روانہ ہوا۔ یہ جماعت متکا شیفین آثار قدیمہ ایک برس تک مصر اور جزیرہ نما کے سینا کی سیر و سیاحت کرتی رہی۔ ۱۷۶۲ء میں عرب میں داخل ہوئی۔ اور ڈیڑھ پونے دو برسوں تک ملک یمن اور اوس کے تمام توابعات و مضافات کی سیر و تلاش کر کے ہندوستان کی طرف واپس ہوئی۔ نیو بھارٹس ہندوستان سے دوبارہ پھر عرب میں پہونچا۔ اور اس کی با اوس نے خلیج فارس، بصرہ، شام اور فلسطین کے مقامات قدیمہ کی سیر کی۔ پھر ڈنمارک لوٹ گیا۔ اس وفد کے نتائج سفر ۱۷۶۱ء میں نیو بھارٹس نے شائع کئے جن کی وجہ سے پہلی بار علمی اور تحقیقی پیرایہ میں یورپ کو نہ صرف یمن سے بلکہ تمام عرب سے اطلاع ہوئی۔

نیو بھارٹس کے بعد ہرنبرگ اور ہمپرک C.G. Erberg, W.F. Hemprich نے
تھامس اور جزائر سواحل عرب کا سفر کیا۔ پھر ایک فرانسیسی ٹیمیر (M.O. Tamusien)
شیفارڈ Cheau اور ماری Mary نے مصری فوج کے ساتھ عرب کے علاقہ
عسیر کی سیر کی۔

پھر تو سفری محققین اور یورپین مکتشفین کا تاننا بندھ گیا۔ ہر سال خیل کے خیل لوگ آنے لگے اور ریگستان عرب کی خاک چھاننے لگے۔ ان میں سے ارنارڈ L. Annaud پہلا یورپین ہے جس نے جنوبی جوت (عرب) اور آرب کا سفر کیا۔ یہاں کے کتبات نگین کو پڑھا اور سندھ عزم کا نقشہ تیار کیا۔ ارنارڈ کے اس کارنامہ کو دیکھ کر مسٹر ہالوے J. Halway نے بے چین ہو گئے۔ یہ فاضل علم آثار قدیمہ کا مشہور و معروف یورپین عالم تھا۔ ۱۸۶۹ء میں عازم ملک عرب ہوا۔ سب سے پہلے یہ دار الحکومت یمن شہر صنعاء میں پہونچا۔ پھر صنعاء سے شمال مشرقی جانب آمدید آیا۔ جو پانچ ہزار عرب باشندوں کا مسکن اور ضلع تخم کا مرکز ہے۔ اسی طرح اس محقق نے سات برس کے مسلسل سفر میں یمن اور اوس کے تمام مضافات و تعلقات کی خاک چھان ڈالی۔ یہاں تک کہ عرب کے صحرا کے تعلیم کو بھی یہ تحقیق کا سودائی طے کرتا ہوا علاوہ نجران تک پہونچ گیا۔

ہالوے کے بعد آسٹریا کا عالم آثار گلاڈر (Glaser) (۱۸۵۵ء تا ۱۹۰۱ء) ہے جس نے علم آثار عرب کی سب سے زیادہ خدمت کی۔ اس نے دولت عثمانیہ کے زیر حفاظت صنعاء کے شمالی و مشرقی جوانب کا مشاہدہ کیا۔

حضر موت جنوبی ساحل عرب سے اندرون ملک میں جانے کی کوشش سب سے پہلے ۱۸۳۳ء

میں لگینی جب دو انگریز افسر لفٹننٹ کروٹنڈن C. Cruikenden اور ویلسٹ J.R. Wellsted نے سو اعلیٰ عرب کی پیمائش کے لئے متعین کئے گئے۔ ان دونوں نے وادی میقات میں نقب اٹھ کر کھنڈروں کا معائنہ کیا۔ یہاں اور نیز مٹکلا کے پاس حصن غراب میں حمیری کتبات کا انکشاف کیا۔ یہ سب سے پہلی دفعہ ہے۔ جب حضرموت میں عربی تمدن کا سراغ ملا۔

ان کے بعد اوڈلف وان ورڈے (Adolph Von Wrede) ۱۸۷۳ء میں مٹکلا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا اور حضرت ہونہ بن غبر کی قبر پر جو حضرموت میں واقع ہے زائر مگر پہنچا۔ پھر وہاں سے شمال کی طرف مڑا اور وادی ودان کے سطح مرتفع تک پہنچ گیا۔ اور جنوبی صحرائے عظیم تک اسکی سیاحت اور مشاہدے تمام ہو گئے۔

۱۸۹۱ء میں ہرش "L. Hurouch" سلطان مٹکلا کی زیر حفاظت قصبہ سیون اور ترمیم سے جو سلطان کے مقبوضات میں آگے بڑھا۔ پہلے یہ وادی ودان پہنچا۔ اس نے قرینہ بھران کے پاس قدیم عمارت اور کتبات کا کھنڈر پایا۔ یہاں سے وہ واپسی میں وادی ابن علی اور وادی اویم ہو کر مٹکلا واپس آیا۔

تھوڈرے ہی دلوں کے بعد۔ ملکی پیمائش کی ضرورت سے گورنمنٹ آف انڈیا نے تھیوڈر بنٹ J. Theodore Bent اور ان کی ہمراہی جماعت کو بھیجا۔ اس سفر میں لیڈی بنٹ بھی ہمراہ تھیں۔ یہ لوگ حضرموت پہنچے اور ان دونوں میاں بی بی نے یہاں بہت سے حمیری یادگاروں اور کتبات کا معائنہ کیا۔

عمان عمان ایک مدت سے انگریزی حکومت کے زیر اقتدار ہے۔ تعجب ہے کہ یورپین سیاح مسقط سے آگے نہیں بڑھے۔ برٹش دستہ فوج جو ۱۸۸۱ء میں عمان گیا تھا۔ سو اعلیٰ سے آگے نہیں بڑھا۔ جے۔ ویلسٹ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اور جس نے جنوبی عرب میں حضرموت کی تفتیش کی تھی۔ ۱۸۵۲ء میں دوبارہ شمالی عرب کی تحقیق کو لکھلا۔ مسقط سے وہ جاز پر راس الحد تک آیا پھر جنوب کی طرف صحرائے کنابوں تک قبیلہ بنو علی تک پھرا۔ پھر وادی بٹیر اور نجد ہو کر حضرموت کے شہر شراہا اور وہاں سے ہندوستان واپس آیا۔ ایسے ہی عمان سے ہو کر کرنل مائلس Coronel S.B. Miles نے بھی ظہیرہ، قطار وغیرہ تہاہات کی سیر کی۔

عمان اعجاز کا پہلا یورپین سیاح ایک آسٹریائی ہے جس کا نام پیڈے لیچ Badary Leitch ہے۔ یہ شخص علی بن عبد اسحاق کے نام سے سلمان بنکر ۱۸۵۸ء میں جدہ پہنچا۔ اور حاجیوں کے قافلہ

کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچا۔ یہ سب سے پہلا یورپین ہے جس کو شہر مقدس کی زیارت اور اعمال حج کے مشاہدے کا شرف حاصل ہوا۔

حجاز کی سب سے عمدہ تصویر برکھارڈ (Burkhardt) نے کینیڈی اور یورپ اس کے لئے اس کا شکر گزار ہے۔ یہ جولائی ۱۸۱۲ء میں حجاز آیا۔ جب محمد علی پاشا خدیو مصر وہاں سے برسر پیکار تھا۔ برکھارڈ پہلے طائف پہنچا پھر مکہ اور یہاں تین مہینے شہر کے جغرافی اور سیاسی حالات لکھتا رہا۔ جنوری ۱۸۱۵ء میں مدینہ منورہ گیا۔ اور وہاں کے حالات کا بھی جغرافی اور ریاضی نظریے سے مدائنہ کرتا رہا۔

اس کے بعد پروفیسر سر رچرڈ برٹن (Sir Richard Burton) بھی ایک مسلمان حاجی کے بھیس میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچا اور یہاں کے جغرافی اور طالعوغرافی (ریاضی جغرافی) حالات کی سب سے زیادہ تحقیق کی۔ اس سفر کے پچیس برس بعد حکومت مصر کی طرف سے وہ مدینہ میں سونے کی کان کی تلاش میں بھیجا گیا۔ سونے کی چوکان وہاں ملی اس میں سونا نکالنے کی کوششوں کے قدیم آثار معلوم ہوتے تھے برٹن کو اس وقت سونے کی مقدار بہت کم ملی تاہم سونے سے زیادہ گران قیمت اکتشافات اثر یہ اس کے ہاتھ آئے۔

نجد کپتان سیڈلیر (Capt Sadler) ولین نے (G.E. Wallien) ۱۸۲۵ء میں اور مسٹر پاگلریو نے (W.G. Palgrave) ۱۸۳۲ء میں مصر و نجد کے خاص تعلق سے۔ نجد۔ ریاض۔ حائل۔ شمر اور حجاز کا مشاہدہ کیا۔ ان کے معائنات میں بہت عرب کے اجتماعی۔ ذراعی اور عام سفر کے حالات کے کوئی علمی و تحقیقی نہیں ہے۔ اور عجیب نہیں کہ یورپ کے لئے یہ خبریں ابھی بالکل نئی تھیں۔ مگر باوجود پاگلریو جیسے سطحی النظر کو بھی مجالس اکتشافات عرب میں۔ یہاں ایک بلند درجہ دیا جاتا ہے۔

شمال عرب جنوبی عرب (بین و حضرموت) کی طرح شمالی عرب میں بھی قدیم یادگاروں کے ٹپے ٹپے مخزن ہیں۔ جن میں حوران۔ بصرہ۔ تدمر۔ مدین۔ مدائن الصالح۔ صفاء۔ اور العلاء وغیرہ عتیق العمارتیں شامل ہیں۔ سب سے پہلا ان مقامات کی سیر کرنے والا جس نے بصرہ کے کنڈروں کو دیکھا وہی برکھارڈ (۱۸۱۵ء) ہے۔ اس کے بعد چارلس ڈولے (Charles Doughty) ایک انگریز ہے جس نے ۱۸۶۵ء میں ان مقامات کا سفر کیا۔ اور انجیر۔ مدائن الصالح اور العلاء کو مشاہدہ کر کے مفید معلومات کا ذخیرہ ساتھ لایا۔ اور اپنے تمام سرمایہ کو پس میں پروفیسر رینان (Renan) کے پاس بھیجا۔ اس نے اور آگے سفر کرنے کی اجازت بھیجی۔ چنانچہ اس نے نجد و حجاز کے تمام درمیانی مقامات کا

مشاہدہ کیا شہر تیار میں اس نے بہت سی قدیم یادگاریں دیکھیں اور یہاں ایک مشہور یادگاری پتھر جس پر عبارت کندہ تھی اس کو ملا۔ وہ آئندہ موسم گرما میں شہر حاصل کیا۔ وہاں سے واپس ہو کر حیدرآباد پہنچا اور یہاں چند مہینوں تک سیر و سیاحت کر کے جڑہ واپس آگیا۔

دوسرے کئی تین برس بعد ولفرڈ Wehrnd اور لیڈی اینو بلنٹ Anno Blunt نے ایک نوجوان شیخ عرب کی معیت میں جو شہر مذکور کا باشندہ تھا۔ عرب کا سفر کیا۔ یہ لوگ پہلے دمشق آئے۔ پھر صحرائے شام اور اسی شہر میں ہوئے جوئے ہوئے جوئے جوئے سے جبل شمر ہو کر شہر حائل میں آئے۔ یہاں ابن رشد امیر نجد نے ان کا نہایت تہنیک سے استقبال کیا۔ پھر ایک مہینہ بعد یہاں سے ایران قافلہ کے ساتھ یہ لوگ کر بلا و قندہ اور ہو کر نکل آئے۔

۱۸۸۳ء میں فرانسیسیوں کی سیاحت کا زمانہ آیا۔ مسٹر سی ایچ ہار (C. Hubar) کی معیت میں ایک اور یورپین عالم اکتشافات یوٹنگ (J. Euting) نامی تھا۔ ان دونوں کے اکتشافات نے دوسرے کی ناتمام تحقیقات کامل کر دی۔ ہورسکی تحقیقات و اکتشافات۔ عام حالات و واقعات سے بلند تر اور زیادہ علمی ہیں۔ جس کی عرب کی آرکیالوجی (علم القدامت) اور طابو گرافی (علم تخطيط البلدان) نہایت مہم نون ہے۔ ہوئے حائل اور تہا کے درمیان بہت سے کتبائے کاسراغ لگایا۔ اور دوسرے کے بیان کردہ مشہور منقوش پتھر کو حاصل کیا۔ جو مواب کی یادگار ہے اور جس کے ساتھی آثار میں نہایت گرانیہ وقعت ہے۔

یہ پتھر پہاڑی سے نکلے ہوئے ہیں اور وہاں تیسے براہ راست نجد سے نکلتے ہیں اور مکہ سے جڑہ۔ جڑہ پہونچ کر توفیل قسمتی سے اوس نے اپنی تحقیقات و اکتشافات کا نام سربازہ بیان چھوڑ دیا اور خود جولائی ۱۸۸۳ء میں اندرون ملک پہونچا۔ یہاں عربوں کے ہاتھ لگے اور ان کی تحقیقات و اکتشافات کا کوئی نہ بچا۔

حدود سنہ یورپین سیاحوں کے مقامات سفر کا نقشہ اگر ہمارے سامنے ہو۔ تو نظر آئے گا کہ نصف شمالی عرب کو حقوق سے کہ تک اونہوں نے بالکل چھان ڈالا ہے نصف جنوبی عرب میں ایک شہر حصہ صحرائے اعظم (ربع الخالی) کا ہے جس میں سفر مرادف موت ہے بقیہ حصہ میں استثنائے جوئے بنجران و تہن وہ سوا حل سے سوئل سے آگے نہیں بڑھے۔

شہر مذکور کا نشان یورپ کو بہت پہلے چکا تھا۔ ڈاکٹر ولیم ہالیفیکس (W. Halifax) نے

۱۹۹۱ء پہلا یورپین سیاح مذکور ہے۔ وہاں کے عمارات کی تحقیق ووڈ Wood اور ڈاکسن

Dawkins نے ۱۸۸۳ء میں کی لیکن ایسی گرانی کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابل

قدر خدیوہ پرنس اپاما لک Abu melak نے ۱۸۸۳ء میں اور ڈاکسن Waddington

اور ویرن D. Vogue نے ۱۸۹۲ء میں انجام دی اور ان پر تصنیفات و رسائل ترتیب دیئے۔
سند آرب عرب کا ملک قدرتا دریا سے محروم ہے۔ اس لئے اس کی زرعی زندگی کا مدار زیادہ تر
 ان پہاڑی چشموں پر ہے جو بہہ کر وادیوں میں پھیل جاتے ہیں۔ اور پھر وہ رنگستانوں میں خشک
 ہو جاتے ہیں یا سمندر میں گر جاتے ہیں۔ نیز وہ پہاڑوں سے اس طرح یکا یک اوٹ پڑتے ہیں کہ
 دور تک آبادیوں کو بے نشان بنا دیتے ہیں۔ اس وجہ سے عرب وادیوں میں بند آب تعمیر کیا
 کرتے تھے۔ جس کو عربی میں سند کہتے ہیں۔ عرب کا مشہور ترین سند آرب ہے جس کو سند عرم
 بھی کہتے ہیں۔ جو تقریباً دیر ۱۰ ہزار برس سے منہم ہے اور جس کی شکستہ دیواریں زائرین عدن
 کے لئے نشان عبرت ہیں۔

یورپین سیاحوں میں سند آرب کا مشاہدہ سب سے پہلے آرنائو نے کیا۔ لیکن اس کی اصل
 اہمیت گلاڈ نے اپنے اکتشافات مطبوعہ ۱۸۹۷ء سے ظاہر کی۔ ان کتبات سے اس سند کے متعلق تاریخی
 حالات بہت روشن ہو گئے ہیں جن میں حران کے پاس ہیریس W.B. Harris نے ایک اور
 بند دیکھا جس کا طول ۱۰۰ گز ہے اور جس کے اوپر تین بڑے بڑے حوض ہیں۔

آثار جبر و حواستہ آثار قدیمہ کی یہ صنف سب سے زیادہ کارآمد ہے۔ کہ پتہ اور سیسے کے اختیار پر اکثر
 کتبات منقوش ہوتے ہیں اور ان سے بڑے بڑے تاریخی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور حل مطالب
 کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتے ہیں۔ انیسویں صدی میں یورپ کے عام عجائب خانوں
 میں اس قسم کی چیزیں کافی تعداد میں موجود ہیں جن میں سے اکثر پرمین اور سیا کی زبان اور بعض پر
 حضرت موت اور تائبین کی زبان میں کتبات منقوش ہیں۔

اپنے ماخذ اکتشافات اثریہ کے متعلق ہم نے یہاں تک تواریخ القرآن کی مدد سے لکھا ہے۔
 اکثر مقامات پر اس کی پوری عبارت نقل کر دی ہے اور بعض مقامات پر شخصیات و اختصار سے کام لیا
 ہے۔ افسوس ہے کہ صاحب ارض القرآن نے تمام سیاحوں یورپ کا نام بنام نہ ذکر کیا ہے۔ مگر
 انگریزی محقق برک ہیر پوٹ Burk Havelock کا ذکر کرنا بالکل سہو فرمایا۔ یہ وہ مشہور و معروف
 انگریزی محقق ہے جس نے یونانی اور رومی جغرافیہ عرب کو موجودہ جغرافیہ عرب سے تطبیق و تکرار
 اس موضوع پر ایک خاص کتاب مرتب کی ہے۔ یہ اسی نے بتلادیا ہے کہ یونانیوں کا حقیقی و
 بطنانی قوم سبا کا مشہور شہر تھا۔ اور موجودہ بندرگاہ نوزہ جو خلیج عرب پر ایکس موجود بندرگاہ ہے
 ایک ہی مقام ہے۔ اور سفاریا ظہار سے یمن کا وہ کوہستانی حصہ۔ جہاں جغرافیہ لیبیسی سے مطابقت

شہر صفار اور قوم صفاریہ آباد تھی۔ مراد ہے۔ اس انگریزی محقق کے عجیب غریب احوال ہم سرسید مرحوم کے خطبات سے حاشیہ پابین صفحہ میں نقل کر دیتے ہیں۔

عربی محققین اور اسلامی محققین نے اپنے امکان کے مطابق، مگر آثار قدیمہ کے جتنے اکتشافات کئے تھے، اور اپنی تالیفات و تصنیفات میں ان کے جس قدر حالات و واقعات لکھے تھے، ان کو ہم بالتفصیل اور بیان کر آئے ہیں۔ ہم نے اپنے موجودہ تالیف کے مقدمہ میں عموماً اور اقوام و قبائل قدیمہ کے متعلق خصوصاً اس قسم کے ماخذ سے اکثر مقامات پر مدعا کیا ہے۔

۱۵ ذکر سرسید مرحوم اس انگریزی سیاح کا ذکر کرتے ہوئے فرموا کرتے ہیں۔

”ہم نے اس کے نام کے آگے رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے (اسے الفاظ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر جو مشرق ہر بوط کے نام کے بعد لکھے گئے ہیں، بلا شک متغیر ہوں گے، اور اس سیرت کے رفع کرنے کے واسطے میری دانست میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ نہایت ذی فہم اور ذی علم گادڑی بلیس صاحب کی کتاب کی کسی قدر عبارت کا ترجمہ اس جگہ لکھ دیا جاوے۔ گادڑی بلیس صاحب کہتے ہیں۔

یہ مشہور و معروف سیاح برق ہر بوط جس نے دارالعلوم کیمبرج میں تعلیم پائی تھی، ایک نہایت پرغور تحقیق کے بعد اور خوب سوچ سمجھ کر سلطان ہو گیا اور اپنے عیسائی دوستوں کے مجمع میں جالت اسلام انتقال کیا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دین اسلام کی تعلیم مقام صاحب ایک آفندی نے دی تھی۔ اور اسی نے اس کو سلطان کیا تھا۔ اور اس نے وہیں علانیہ اپنے اسلام کا اقرار کیا، اور جبکہ یہ بنیاد پر دوام ہوا تو بیکہ کے قریب اپنے مذہب اور مسائل اسلام کی واقفیت کے متعلق اس کو سخت امتحان دینا پڑا جس کے باعث وہ ہمیشہ حاجی کے لقب کا دعویٰ کرتا رہا۔ اس کی توسلی بالکل سچی اور صاف باطن معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس کے عیسائی دوستوں سے علی العموم پوشیدہ تھی۔ میں اس حالت کے بیان کرتے ہوئے بہت خوش ہوں کہ میں ایک شریف آدمی سے جو بالفعل سنہ ۱۸۶۹ء سے برٹش گورنمنٹ کے ایک معزز عہدہ پر مامور ہے۔ واقفیت رکھتا ہوں۔ مگر اس کے نام ظاہر کرنے کا مجاز نہیں۔

ان صاحب نے بیان کیا مشرق برق ہر بوط اس کے انتقال سے تھوڑے دن پہلے وہاں موجود تھا۔ اور مشرق برق ہر بوط نے نہایت غمیدگی سے بچے یثیر والیا کو وہ درحقیقت مسلمان ہیں۔ اور اسی حالت میں مجھے اپنے مرثیے کی آزدہ ہے۔ اس کا گنام سوانح عمری لکھنے والا اپنی کتاب جو اس کے بعد شہر ہوئی اس کی موت کا حال بیان کرتا ہے۔ مگر اس کے مذہب کے بارے میں کوئی لفظ اونھ سے نکالنے سے احتیاط

پرہیز کرتا ہے۔ غالباً اس کو معلوم ہو گا کہ اگر حق بات زبان سے نکلی تو پادریوں کے بدنام اور رسوا کرنے کی وجہ سے میری کتابوں کی زرخست میں حرج واقع ہو گا۔ لیکن ایک فقرہ جو میرے بیان کی تائید کے واسطے کافی ہے۔ اس کی زبان سے نکل ہی گیا ہے وہ (برق ہر بوط) شب کو پڑنے لگا۔ سب سے بغیر انھوں نے وہاں لکھنے کے مرگیا۔ تب نیز تکفین اس کی۔ اس کی وصیت کے مطابق بطریق اسلام کی گئی۔ اور اس کے بعد زہرہ کا جو وہ لکھی لوگوں کی نگاہوں میں رکھتا تھا کما حقہ لیا نظر کر گیا۔ اگر وہ فی الحقیقت مسلمان تھا

ان تمہیدی اور ضروری مضامین اور اپنے تمام ذرائع معلومات کو بیان کر کے اب ہم ملک عرب کے قبائل و اقوام اور ان کے مختلف مسکن و موطن اور ان کے تمدنی اور سیاسی حالات و واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

عرب کے قدیم اقوام و قبائل۔ اور ان کے مسکن و موطن اور ان کے تمدنی اور سیاسی حالات

عرب کی اقوام قدیمہ۔ پہلے اقوام قدیمہ کے اقسام لکھے جاتے ہیں۔ بنی نوع انسان میں قومیت کی بنا حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے معلوم ہوتی ہے۔ اور ان کی وجہ یہ ہے کہ تمدن اور سیاست کی صلاحیت معمورہ عالم میں طوفان حضرت نوح کے بعد پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر تمام اقطاع و اقوام عالم کی تاریخ حضرت نوح کے بعد پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر تمام اقطاع و اقوام عالم کی تاریخ حضرت نوح کے وقت سے آغاز کی جاتی ہے۔ اور ان کا سلسلہ اسی نرگس سے ملا جاتا ہے قوم و قبائل کے اعتبار سے۔ اہل عرب کی تین قسمیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) عرب البائدہ یا عرب البادیہ (بدوی) یا امم سامیہ یا عاد و اول۔ یا موجودہ اکتشافات تحقیق کے اعتبار سے۔ ایکسوس (شامان شان)

(۲) عرب العارہ۔ عرب القحیم۔ عرب المتوطن۔ یا عاد و ثانی یا جرہم اولی یا عیلامی بھی کہے جاتی ہیں

بسیار عبارت صحیفہ گذشتہ۔ تو اس نے ضرور اسلامی شریعت کے مطابق اپنی تمیز و تکفین کا اسد عاود وصیت کی ہوگی۔ اور یقیناً اگر عیسائی اس کی وصیت کا لحاظ نہ کرتے تو حکام بہ مجبوری اور ان سے کراتے۔ یہ بیہ از قیاس ہے کہ وہ عیسائیوں کا مسلمانوں کو ایک ایسے نو مسلم کے شرف (خدمت) سے محروم نہ کرنا گوارا کرتے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے اسکو بلا تکلف تفصل انگریزی کی نگرانی میں اور اسکے جموطنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جن کو پورا موقع اس کی تجدید و تہجد کے واسطے اپنی لیاقتیں صرف کرنے کا ملا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کی بلا وجہ تظہیر و تائید کرے ہیں۔ اس کو کوئی غرض غفلت نہ تھی۔ بلکہ ہر خلاف اسکے اور عیسائیوں سے جن کی طرف سے وہ امور تھا اور جن کی وجہ سے اسکا گذارہ ہوتا تھا۔ اسکو مخفی رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

اگر اس کی سوانح عمری لکھنے والے پر اعتبار کیا جاوے تو وہ اعلیٰ اصولی اور بہترین چال چلن کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ منجملہ اور سپہ سالار کیفیتوں کے جو اس مرتد کافر کی باجستہ۔ جس طرح اس کو عیسائی لوگ کہیں گے۔ مرقوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ بھی ہے اس نے اپنی موروثی جائیداد قیمتی و سہارا دہیہ کی اپنی ماں کے نام وقف کی تھی۔ واسطے دیکرا اپنے آپ کو محض مفلس و فلاح بنا دیا تھا۔ (ہنریگز الی۔ صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ لندن) اور طبیبانہ احمدیہ مطبوعہ لاہور ص ۱۶

(۳) عرب المستعربہ۔ بنو ابراہیمؑ۔ یا عرب میں سننے آباد ہونے والے جو سکونت مدت و راز کی وجہ سے قوم عرب میں داخل ہو گئے۔
 باعتبار ترتیب اقسام کے۔ عرب کے اقوام کا علیحدہ علیحدہ حال لکھا جاتا ہے۔
 عرب البائدہ۔ یا عرب البادیہ کے اقوام و قبائل سات مختلف طبقات میں منقسم ہیں۔ یہ طبقات منقسم ہیں۔

(۱) کوثر پسر حاتم پسر حضرت نوحؑ کی اولاد۔

(۲) عیلام پسر نوحؑ کی اولاد

(۳) لوط پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد

(۴) عوص پسر ارم پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد

(۵) حوٹ پسر ارم پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد

(۶) جدیس پسر کثر پسر ارم پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد

(۷) قنود پسر کثر پسر ارم پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد۔

انہیں اقوام سبعہ کا ملک عرب گویا ہفت پیکر ہے۔ یا مندرجہ بالا طبقات عرب قدیم کا سبعہ ملقا عرب کے اسی ہفت دفتر ہیں۔ سامی، ارمی، عاد اولی، جرہم اولی وغیرہم سب داخل ہیں۔ اور ان تمام اقوام و قبائل پر مجبوراً متحد النسل اور متصل الاصل ہونے کے اعتبار سے عرب البائدہ ہونیکا صحیح اطلاق ہوتا ہے۔

عالم تاریخ کی سیر سے ان سات مختلف گروہوں کے مقامات سکونت ہی ساری اقطاع عرب میں ثابت ہوتے ہیں۔ عربی مورخین و محققین نے ان کے حالات اور مقامات سکونت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اسکا انتخاب حسب ذیل ہے۔

بقیہ عبارت صحیحہ گذشتہ۔ اس شخص کے متدرجہ حالات و اعتقادات۔ خبیثہ ناجن پر خطوط کو بیچ دے گئے ہیں۔ بڑھکر اور پھر اس کو رضی اللہ عنہ کے لقب تکفیس سے یاد رکھ جائے کہ قابل تجویز قرار نہ دیں۔ کیا سید صاحب مہرم یا کسی اہل اسلام کو مسئلہ تھقیہ کے جواز و دعوت میں کوئی عذر باقی رہ جاتا ہے۔ مولف عفی عنہ۔

گزر عبرانی لفظ ہے۔ جس کے حروف تہجی میں کاف فارسی داخل ہے۔ یہ نسبت نامہ چونکہ توراۃ سے ماخوذ ہے اس لئے گز نقل کیا گیا ہے۔ گز کی تہرید جائز ہے۔ ابن سعد نے اس نسبت نامہ کی عبارت کو یوں لکھا ہے۔ جائز ابن ارم

ابن سام ابن نوح۔ ص ۲۷۰ ج ۱۔ طبقات صلیبہ ج ۱۔

مؤرخ ابو الفدا لکھتا ہے۔ قال القاضي صاعد بن احمد لا ندی صاحب قضاء مدینہ
طلیطلہ ان العرب البائدہ فکانت اعماضہ کملہ وودو طسم وجدیس ولتقادہم الفراضہم
ان حقائک انصارہم والقطعت عنا اسباب العلم بانارہم۔

قاضی صاعد بن احمد اندلسی جو شہر طلیطلہ (Tolida) کے قاضی تھے۔ لکھتے ہیں
کہ عرب البائدہ کے لوگ بہت قوی اکسیر ہوتے تھے۔ اون کی مثال یہاں۔ اقوام۔ عداوہ و طسم۔ جدیس
کے حالات موجود ہیں۔ زمانہ وراز کے باعث اون کے اخبار و آثار کے ذریعہ معلومات مسدود و منقطع ہیں۔
پھر وہی مؤرخ لکھتا ہے۔ اما جرہم فہم صنعان جرہم الا ولی وکالوا علی عہد عداوہ فبادو
اور دست اخبارہم و ہم من عرب البائدہ ابو الفدا۔

جرہم جنہیں صنعان ہی کہتے ہیں۔ یہی لوگ جرہم اولی تھے۔ اور یہی لوگ زمانہ عداوہ میں تھے۔
پھر یہ معدوم ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کے حالات بھی لاپتہ ہوئے۔ لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ وہ
عرب البائدہ میں داخل تھے۔

جرہم کے بعد بنو طسم کی حقیقت یوں ہے۔ بنو طسم۔ سکنت بنو طسم المیامہ الی البجیرین۔ ابو الفدا
بنو طسم میامہ (میامہ) سے لیکر بجرین تک کے علاقوں میں آباد تھے۔

بنو عداوہ کی نسبت یہ عبارت ہے۔ سکنت بنو عداوہ الی حضرموت۔ بنو عداوہ رگستان سے
لیکر علاقہ حضرموت تک ساکن تھے۔ ان کے مختلف مقامات سکونت کی تفصیل یہ ہے۔

وبلاو عداوہ لھا الا حفاف وہی بلاد متصلہ بالہین وبلاد عمان ابو الفدا۔ قوم عداوہ کے
شہروں کو حفاف کہتے تھے اور یہ علاقہ ہین اور عمان سے ملے ہوئے تھے۔

معالم التنزیل میں مرقوم ہے والی عداوہ جوہم ہوردا۔ وهو عداوہ بن عوص بن اسام بن اسام
وہم عداوہ اولی وکانت منازل قوم عداوہ ہلا۔ حفاف وہی رہال بین عمان و حضرموت

آیہ مبارکہ الی عداوہ جوہم یوہوہا میں جس عداوہ سے مراد ہے۔ وہ عداوہ بن عوص بن اسام بن اسام ہے
اور اوس کی اولاد۔ عداوہ اولی کہلاتی۔ ان لوگوں کے مقامات حفاف میں تھے۔ حفاف اس رگستان
کا نام ہے جو علاقہ عمان و حضرموت کے درمیان ہے۔

قوم ثمود کے متعلق ابو الفدا اور صاحب معالم التنزیل کی تحقیق منفقہ یہ ہے۔

سکنت ثمود الحجیر بین الحجرات الشام الی قادی القری۔ ثمود کی سکونت علاقہ حجر میں تھی۔ اور یہ حجاز و
شام کے درمیان و اوس القری تک پھیلے ہوئے تھے۔

الحجر کل اہستہ یہ ہے۔ الحجر بالکسر ثم السكون والراء اسم دیا رثمود وادی القری بین
المدینہ والشام وكانت مساکن ثمود وادی بیوت منقوشة فی الجبال مثل الفائر تسمى ثلاث الجبال
کذا قال لیب کل جبل منقطع عن الآخر بطاف حوله وقد نقر فیہ بیوت ونقر علی قدام الجبال التي
تنقر فیہا وادی بیوت فی غایة الحسن فیہا نقوش وطیقات حکمة المصنعة وفي وسطها بئر التي
كانت تروها الناقة۔ (مراد ص ۱۰۰ طبع الامام سیوطی)

الحجر قوم ثمود کے اون مقامات سکونت کا نام ہے۔ جو وادی القری کے علاقے ہیں۔ مدینہ اور شام
کے درمیان واقع ہے۔ یہی مقامات قوم ثمود کے مساکن تھے۔ ان لوگوں نے پہاڑوں میں پتھر تراش
کر کے غار کی صورتوں میں اپنے رہنے کے لئے گھر بنائے تھے۔ انہیں کو جبال اثنا لیب کہتے ہیں۔
یہ تمام پہاڑ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ مگر سب کے سب ایک گول دائرہ کی صورت میں گھومے
ہوئے ہیں۔ انہیں پہاڑوں میں پتھروں کو کاٹ کر گھر بنے ہوئے ہیں۔ ان پتھروں کو پہاڑ کی موٹائی
کی مقدار کے مطابق کاٹا ہے۔ ان میں نہایت خوبصورت گھر بنائے ہیں۔ اور ان میں نقش و نگار
بھی ہیں اور خوبصورت طاق بھی مستحکم صفت کے ساتھ بنے ہوئے ہیں۔ ان گھروں کے کچے ہیں وہ
کنواں ہے۔ جہاں ناتہ (صالح) کو ان لوگوں نے پانی پینے سے روکا تھا۔
تقوم البدان میں الحجر کی حقیقت یوں لکھی ہے۔

قال ابن حوقل الحجر بین جبال علی بن یوم من وادی القری اقوال لم یحصل ذلک فان بینہما اکثر من
خمسة اکیام قال وكانت ديار ثمود الذین قال الله تعالی عنہم وثمر الذین جابوا الصخر فاذا قال لیب
ثلاث الجبال وما تحت منها کما انہما الله تعالی وتلحقون من الجبال بین ثا فایرہایت وتسمى الجبال
کذا قال لیب اقوال وادی یز لها ججاج الشام وادی عن العلی علی نصف مرحلة من جهة الشام
(تقوم البدان)

ابن حوقل کا بیان کا بیان ہے کہ علاقہ حجر پہاڑوں کے درمیان وادی القری سے ایک دن کے
راستہ پر واقع ہے۔ مگر میں نے (ابو الفدا) پانچ دنوں کے راستہ سے بھی زیادہ اوس کو پایا۔ یہی قوم ثمود
کے رہنے کے مقامات ہیں۔ اور یہ وہی قوم ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ الذین جابوا
الصخر بالواد۔ ابن حوقل کا بیان ہے کہ میں نے ان پہاڑوں اور اون چیزوں کو جو ان میں واقع ہیں۔ دیکھا
ہے جیسا کہ ان کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے وکنتم من الجبال فایرہایت۔ ان پہاڑوں کا نام الانیا
ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں شام سے آنیوالے حاجیوں کا قافلہ اترتا ہے اور یہ مقام علی سے ماہرین

کہ اور شام۔ نصف راہ پر واقع ہے۔

اب وادی القری کے متعلق بقوم البلدان کی تحقیق ہے۔ وادی القری فہو بادیۃ الجزایرۃ
وہا کان من یابس الی ابلۃ من سجھا بالجواز معا ضاکا ضف تبوک فہو بادیۃ الشام۔ بقوم البلدان
وادی القری اوس بادیۃ الجزایر کا نام ہے جو یابس سے لیکر آلیہ تک۔ حجاز سے انموالے راستہ
میں۔ تبوک کے مقابل واقع ہے۔

ہم نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں تمہیداً۔ صرف مورخین عرب کے اقوال سے۔ عرب البائدہ
کے جہت جہت حالات اور اودن کی سکونت کے مقامات لکھ دیے۔ اب ہم حسب الوعدہ۔ ان کے ساتوں
قبائل کے حالات اور اودن کی سکونت کے مقامات اور تمدنی و سیاسی واقعات و حالات۔ محققین
اور کشیفین یورپ اور نیز کتب مقدسہ کے حوالوں سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔
عرب البائدہ کے قبائل ہفت گانہ کی تفصیل اوپر لکھی گئی ہے۔ ان ساتوں قبائل کے مورث یا
موجد خاندان کے نام یہ ہیں۔

(۱) کوش (۲) عیلام۔ (۳) لور (۴) شوص (۵) حول (۶) جدریس (۷) شمود۔
ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(۱) بنی کوش رکوش ابن حام بن نوح (عرب کے کسی مورخ نے ان کا کوئی حال نہیں لکھا ہے۔
اسکا سبب یہ ہے کہ اس قوم کے لوگ تربت سکونت کی وجہ سے۔ عرب کے یقطانی قبائل سے مل جل
گئے۔ اور ایسے کہ عرب میں تدوین تاریخ کے زمانہ میں۔ ان میں کوئی باہمی تفریق باقی نہیں۔ اس لئے
انکو بھی یقطانی قبائل میں داخل کر لیا۔ عربی مورخین میں ایک نویری نے ان کی نسبت یہ فقرہ لکھا ہے
وہ ملک شریل بنی قیس و نیم۔ (شریل بنی قیس اور نیم پر حکومت کی) اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے
کہ کسی زمانہ میں شریل عرب کے اندرون قبائل قیس اور نیم پر حکمراں تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا
کہ شریل۔ جو اپنے نام کی ترکیب سے بنی کوش کی قوم کا شخص ہے۔ نویری کے نزدیک یقطانی کے
قبائل میں داخل تھا۔ اب ثابت ہو گیا کہ حقیقتاً عربی مورخین کی خاموشی اسی سبب سے تھی کہ وہ بنی کوش
کو جانتے ہی نہ تھے اور اگر جانتے بھی تھے تو بنی یقطان کی ایک شاخ۔

مگر یورپین محققین کی تلاش و فکر کا کیا کہنا۔ جنہوں نے بڑی جانفشانی اور دماغ سواری سے اس
مسئلہ کی تاریخی تحقیق کی کامل روشنی ڈالی۔ اور بنی یقطان سے بنی کوش کے ایک جہاگانہ قوم ہونے کے
ثبوت اور اودن کی آبادیوں کے مقامات کے صحیح نشان قوسی دلیلوں کے ساتھ دکھائے اور بھلائے۔

ایک زمانہ تک یورپین محقق ہی عربی مورخین کی طرح بنی کوش کے حالات سے ناواقف بنے تھے چنانچہ سٹر جارج سل (George Sale) اور دیگر انگریزی مورخین بھی اپنی تالیفات میں انکا کوئی حال نہ لکھ سکے۔ مگر ریرورنڈ فار سٹر صاحب (Rev. Forester) نے سب سے پہلے اس کی تحقیق و تفریق کی طرف اپنی ہمت کا قدم بڑھایا۔ اور رفتہ رفتہ بڑی کوشش و تلاش اور کمال صحت و قابلیت سے مسئلہ زیر بحث کا پتا لگایا۔ اور نہایت معبر و مستند حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ بنی کوش درحقیقت عرب ہیں خلیج فارس کے کنارے برابر آباد تھے اور اپنے اس دعوے کو مشرقی کناروں کے مختلف شہروں کے ناموں سے مقابلہ کر سکے۔ جو بطلمیوس نے اپنے جغرافیہ عرب میں لکھے ہیں۔ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے اور اپنے ثبوت کو تاریخی مشاہد سے مضبوط کر دیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ محققین عالم قدراست کی یہ رائے مسلم ہو چکی ہے کہ سپاسوگلاں کوش نے پہلے وچھٹا دہائی تقریباً آٹھویں صدی عیسوی کے قریب واقع ہونا۔ شہر سبسی اور قوم سبا کا سرحد خاندان پر موجود ہونا۔ کوشی ناموں اور خاندانوں۔ حویلا۔ ستباہ۔ راماہ۔ ودان کا خلیج فارس کے کنارے پر مسلسل سلسلے میں واقع ہونا اور سبب آخر یہ کہ اشعیاء نبی کی کتاب کے دو مقاموں میں کوش اور سبا کا ساتھ ساتھ بیان ہونا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ سبا خورستان سے ملتی ہو۔ مروجہ نقشہ عرب میں اس نام کے قریب کوش کو بطلمیوس نے اپنے نقشہ عرب میں اس نام کے نام سے لکھا ہے۔ یہ شہر کھان جو اصل میں کوش کان ہو پائے ہیں۔ یہی شہر ہے جو تورات مقدس میں کوشام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح بحر عمان کے اسی کنارے پر عمان یا عمان اور تاتمر (تدمر) یا سبیب اور سواہر شہروں کے درمیان ہم ایک شہر پاتے ہیں جس کو بطلمیوس نے سواہل حام۔ جو بالفعل ماحام کہلاتا ہے۔ اس خاکے کے مقابل کے اطراف پر جو اس مندرجہ پر منقش ہوئی ہے اور خلیج فارس کے دامن کے اندر شہر او ضلع رعماہ جس کو یونانی ترجمہ تورت میں رحمہ اور بطلمیوس نے رعماہ لکھا ہے۔ پایا جاتا ہے خلیج کے باہر شہر اور ضلع ودان یا ودانہ کا پتا ملتا ہے اور تورت میں جو ودان کی چوٹی سیبتی رعماہ کا ذکر ہے وہ یہی ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان تمام مقاموں کے نام قبائل کوش کے مندرجہ بالا ناموں سے بالکل مل جاتے ہیں۔ ان میں سے راماہ (رعماہ) اور ودان کا تورت مقدس میں مذکور ہونا پورے طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے یہ امر ثابت ہو گیا کہ بنی کوش حقیقت میں ایک جداگانہ قوم تھی اور وہ عرب کے اس حصہ میں آباد تھے۔ جو خلیج فارس کے کنارے دور تک چلا گیا ہے۔

سٹر ریرورنڈ فار سٹر اپنے اس قابلہ تحقیق و تطبیق میں اکثر خدا تعالیٰ سے بڑھ گئے ہیں۔ اسی وجہ سے

اون کے بعض دلائل کے ثبوت میں ضعف آگیا ہے۔ اس کی خاصکریہ وجہ ہوئی ہے کہ بنی کوش کے ناموں یا مقاموں میں سے جہاں اون کو عرب کے موجودہ ناموں اور مقاموں میں ذرا بھی مشابہت معلوم ہوئی۔ انہوں نے اس نام اور مقام عرب کو بنی کوش کی طرف سے منسوب کر لیا۔ حالانکہ اون کے تنہا قیاسی خیال کے خلاف کثیر التعداد تاریخی مشاہد اور دلائل موجود ہیں۔

اسی طرح فارسٹریٹ صاحب کا یہ دعویٰ کہ بنی کوش عرب کے تمام حصوں میں پھیل گئے قابل قبول نہیں ہے۔ اون کے اس دعوے کی بنا اس طرح قائم ہوتی ہے کہ بنی کوش کے قوم کا بادشاہ نمرود جبکہ ذکر کتب مقدسہ میں بھی موجود ہے۔ اپنے ہمنوم لوگوں کے ساتھ عرب کے دوسرے حصوں میں آکر رہا تھا۔ اسلئے بنی کوش تمام اقطاع عرب میں پھیل گئے۔

اس مقام پر اس یورپین محقق کو بھی وہی دہوکا ہوا ہے جو مشرقی مورخین کو۔ اور یہ دونوں فرق بنی کوش کو خلیج فارس کی آبادی سے بڑا کر بحر احمر تک پہنچا دیتے ہیں۔ اسلئے نمرود کی سلطنت کو یمن تک وسیع بتلاتے ہیں۔ حالانکہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ نمرود کبھی اپنے بھائیوں کے ساتھ علاقہ یمن میں آباد نہیں ہوا تھا، کوش کی اولاد جن کے نام سبا۔ حویلاہ۔ سبباہ۔ رسیاہ اور سبتکا تھے۔ اور عہدہ کے بیٹے شیبہ اور ودان سب کے سب خلیج فارس کے کنارے کنارے آباد ہوئے تھے۔ جیسا کہ ابھی ابھی ہم تورات مقدس کے حوالے سے ودان اور عہاد کے مقام سکونت خلیج فارس کے سوا حل پر ثابت کر چکے ہیں۔ اگر یہ قومیں نمرود کے ساتھ یمن یا تمام اقطاع عرب میں آکر سکونت پذیر ہوئیں تھیں تو ضرور تھا کہ نمرود کے ایسا ان لوگوں کا ذکر تمام عرب کے متعلق تورات میں مندرج ہوتا۔

بات اتنی ہے کہ رپورٹڈ فارسٹریٹ کا یہ دعویٰ کہ بنی کوش بہر اہی نمرود آکر تمام اقطاع عرب میں پھیل گئے۔ کسی طرح تاریخ سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب اقطاع عرب میں جبکہ نشان اور پر دیا گیا ہے۔ ضرور بنی کوش آباد تھے۔ مورخین عرب کو بھی اسکا اقرار ہے۔ مگر وہ بنی کوش سے قطعی ناواقف ہو چکے۔ باعث انکو یقظانی سمجھے اور سمجھاتے آئے ہیں۔

توراة میں۔ ودان اور عہاد کے متعلق جو حوالہ اور دیا گیا ہے وہ رپورٹڈ فارسٹریٹ صاحب کے مرقوم بالا مختار کے بالکل مخالف ہے۔ بنی کوش کا وجود تورات کے ایک دوسرے مقام پر بھی اس جگہ پایا جاتا ہے جہاں جناب موسیٰ علی نبیہ وآلہ وعلیہ السلام کے دوسری شادی کرنیکا بیان ہے۔ کتاب اعداد باب ۱۲ آیت ۱۱ میں لکھا ہے کہ: ”وہ بنی کوش اور ہارون نے حضرت موسیٰ سے اس انکھوپن عورت کی وجہ سے جس کے ساتھ اونہوں نے شادی کی تھی۔ گفتگو کی“

ریورنڈ فارٹر لفظ اٹھوپیا کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ توریت و انجیل کے تاریخی جغرافیہ کے انگریزی ترجمہ میں۔
الفاظ اٹھوپیا اور باشندگان اٹھوپیا اکثر مستعمل ہوئے ہیں اور ان کی جگہ عبرانی توریت میں اسم معرکہ کوش
آیا ہے۔ اور یہ لفظ کوش جہاں کہیں کتب مقدسہ میں اس طرح مستعمل ہوا ہے تو اس سے ہمیشہ ایشیائی
یعنی عرب مراد لیا گیا ہے نہ افریقی اٹھوپیا۔

اس سے زیادہ واضح اور محکم ثبوت اسی توریت میں موجود ہے۔ کتاب خروج باب ۲ آیت ۱۵ اور ۱۱
میں لکھا ہے کہ وہ (حضرت موسیٰ کی بی بی) ایک مدیانی عورت تھی حضرت ابراہیم کی اولاد بنی قبطہ کے
سلسلہ سے۔ اور یہ بھی متحقق ہے کہ مدین یا مدیان عرب میں ایک شہر تھا۔ چنانچہ بین یونیورسل انفارمیشن میں
BEETON'S UNIVERSAL INFORMATION اٹھوپیا کے عرب کے ترجمہ میں۔ اٹھوپیا کے
عرب سے ارض مدائن مراد لیا ہے جس کو جغرافیہ قدیم کے مطابق عرب فلکس (ابادان) میں شامل کیا ہے۔
بینس یونیورسل انفارمیشن مطبوعہ لندن ص ۶۵۲

اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت موسیٰ کی بی بی ایک عربی خاتون تھیں۔ مگر حقیقتاً کوش کا ترجمہ اٹھوپیا
درست نہیں ہوا ہے اور اسی وجہ سے اسکے اصل مفہوم عرب کو اٹھا کر اٹھوپیا کے افریقہ کے ساتھ خلط ملط
کر دیا ہے۔ حالانکہ توریت مقدس کی عبارت میں لفظ مدائن نے داخل ہو کر بالکل صاف کر دیا ہے۔ اور
نیز قدیم و جدید محققین نے بھی اقرار کر لیا ہے کہ اٹھوپیا سے افریقی ہرگز مراد نہیں ہو سکتا۔
شاہد تاریخ قدیم سے اس قوم و قبیلہ کے جو کچھ حال معلوم ہو سکے ہیں وہ یہ ہیں۔

بنی کوش کی حکومت اس حکومت کے صرف تین کاہن بادشاہوں کے نام معلوم ہیں۔ ”اوکوش“ کاہن غشبان
لوغل زانغیسی بن اوکوش۔ لوغل اوکلیسی۔ (۱) اوکوش کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ غشبان کا کاہن
اور سیاسی قوت سے زیادہ مذہبی قوت رکھتا تھا۔

(۲) لوغل زانغیسی نے باپ سے زیادہ سیاسی قوت حاصل کی۔ وہ کوش (کوشاں) اور غشبان دونوں کا بادشاہ
تھا۔ تقریباً چار ہزار ق۔ م میں۔ اس سے تیسرے شہرائیج یا آرک (عجب نہیں کہ لفظ ”عراق“ کی یہی اصل ہو)
کی بنیاد ڈالی جسکو اس نے ملک کا دار الحکومت قرار دیا۔

(۳) لوغل اوکلیسی اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اسکے عہد میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سومری طاقت
نے پرموکیا اور اس شہر کو بیرونی قوموں سے واپس لیا۔

محققین جدید کا مختاریہ ہے کہ امم سامیہ میں جو ہر اعتبار سے بعد طوفان، اولیٰ لامع ثابت ہوتے ہیں کوش
بھی داخل ہیں یہ سلسلہ عہدہ اور طویل ہے اور ہمارے موضوع سے ایسا ضروری تعلق ہی نہیں رکھتا۔ مگر ہاں

اتنا بتا دینا ضروری ہے جیسا کہ مغربی اور مشرقی محققین۔ دونوں کی تحقیقات سے اور بتا دیا گیا اور ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ قوم کوش قبیلہ لقیطان سے بالکل علیحدہ تھی۔ اور ان کے بود و باش کے مقامات بھی ان کے مقامات سکونت سے بالکل جدا تھے۔ وہ مفقود احوال اور مہاروم الذکر بھی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے اخبار و آثار کتب مقدسہ اور اخبار قدیمہ میں ابھی تک محفوظ اور زندہ ہیں۔

(۲) عیلام۔ انھیں کی طرف جہم اولیٰ منسوب ہیں۔ چونکہ یہ قوم بنی کوش کے مقابلہ میں کچھ نامور نہیں ہوئی اس لئے ان کے تفصیلی حالات بہت کم ملتے ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بنی کوش کے ساتھ رہتے تھے اور انھیں کے مقامات سکونت کے قریب بستے تھے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہوتے۔ (۳) لود۔ لود کے تین بیٹے ہوئے۔ طسم، علیق، اور عجمین یہ قبیلہ بھی بائسنائے علیق جن کا ذکر آگے آئیگا۔ بنو عیلام کے ایسا صاحب نام نہیں ہوا۔ اس لئے ان کے بھی تفصیلی حالات معلوم نہیں ہوئے۔ مگر ان کے آثار بھی خلیج فارس کے ساحلی مقامات میں پائے جاتے ہیں۔

(۴) عومس اور (۵) حول۔ ان دونوں قبائل کے حالات اس لئے یکجا لکھے گئے ہیں کہ تمام تاریخوں اور کتابوں میں ان کے حالات کی ترتیب ایک ساتھ کی گئی ہے۔ ہم اپنی طرف سے کوئی نوعیت پسند نہیں کرتے۔ ان دونوں قبائل کے مقامات سکونت بھی خلیج فارس کے ساحل اور اوس کے قریب جوار کے میدانوں میں آج تک پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مقام حول اور حول (موجودہ) حقیقتاً متحد الذات اور مساوی المعنی ہیں۔

عومس کے بیٹے عا و اولیٰ نے بہت بڑی شہرت حاصل کی اور رفتہ رفتہ اس کی اولاد ایک نامور اور مقتدر قوم ہو گئی اور تمام مشرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی۔ انھوں نے عالیشان مکان اور بڑی بڑی عمارتیں بنائیں اور قریب و جوار کی قوم و قبائل کو بھی محکوم کر لیا۔ یہ قوم اپنی قوت، امارت اور شان و شوکت کے اعتبار سے اس زمانہ کی دوسری قوموں پر سبقت لے گئی تھی۔

عا و اولیٰ یا سامیہ اولیٰ کی تاریخی حالات

تمام محققین و مؤرخین کا مسئلہ متفقہ ہے کہ قدیم امم سامیہ اور عا و مترادف لفظ ہیں۔ السنہ سامیہ میں زبان کے لحاظ سے عبرانی سب سے قدیم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدیم الفاظ کی اصلیت عبرانی سے زیادہ اوس میں محفوظ ہے۔ عا کے لغوی حیثیت سے عرب میں کوئی معنی نہیں ملتے۔

لفظ عا در عربی میں "عا" کی اصلیت موجود ہے (عا) کے معنی "بلند و شہور" کے ہیں۔ اور عجمین

کے باشندوں میں ذکر کیا ہے۔ تخمینہ کیلئے عہد اول کو عاد اولیٰ اور عہد ثانی کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔
 عاد کی مرکزی آبادی۔ عرب کے بہترین حصہ یعنی یمن و حضرموت میں از سوا حل خلیج فارس تا ہندوستان تھی
 دراصل حکومت کا مرکز ملک یمن تھا لیکن خلیج فارس کے کنارے کنارے وہ حکومت عراق تک وسیع
 تھی۔ جس سے نہایت آسانی سے وہ راہ معلوم ہو سکتی ہے۔ جدھر سے یہ قوم عرب سے عراق میں اور عراق
 سے دیگر ممالک میں پھیلی اور یہی جدید تحقیقات کے رو سے بھی اہم سامیہ کا راستہ سمجھا جاتا ہے۔
 عاد کا دور دراز ممالک میں جانا عربوں میں اس قدر مسلم تھا کہ وہ شہر کے ہاں تیشوں میں آگیا ہے۔
 زمانہ جاہلیت کا ایک شاعر مخزومین کے بعضی کتاب ہے۔

حقاً انتھی لمیاء الجوف ظاہرۃ
 سالہم تر قبہم عا د و الا سلام
 وہ وسط صحرا کے اہل آب پر آکر چڑھا
 یہ وہ زمانہ تھی وہ اس سے پہلے عاد اور ارم یہی نہیں پہلے
 عرب کا ملک ایک بے آب و گیاہ صحرا ہے۔ جہاں بڑے اور جو حملہ مند قوم قبائل کے لئے ترقی کا
 کوئی میدان نہیں ہے۔ تا چارہ پر جوش تو میں باہر نکل پڑتی ہیں۔ عرب کا جزیرہ نما جنوب و مغرب اور
 کسی قدر مشرق کی جانب پانی سے گھرا ہوا ہے۔ اسلئے آسان اور قدرتی راستہ اوسکے لئے بعض مشرقی اور
 اور جنوبی ممالک میں۔ یعنی بابل و شام و سینا۔ بابل سے ایران کا راستہ ہے۔
 شام سے بحر ابیض و بحر روم ہو کر یورپ اور افریقہ کی طرف بھی رخ کیا جاسکتا ہے۔ شام سے پہلے
 جب نہر سوئز موجود نہ تھی۔ بحر ابیض اور بحر احمر کے درمیان آبجکل کی طرح دریائی راستہ نہ تھا۔ نہ جزیرہ سینا
 اور مصر کے درمیان نہر سوئز تھی ایک نیلی سی خشک زمین تھی۔ جو شام۔ عرب اور جزیرہ نما سینا کو خشکی
 کی راہ سے مقرر سے ملائی تھی۔ ہندوستان کی قدیم حملہ آور قوموں کے لئے جس طرح وہ وہ خیمبر مشہور راستہ ہے
 اسی طرح مصر کے قدیم حملہ آوروں کیلئے یہی نیلی گلی ایک پامال راہ تھی۔

قوم عاد کے فتوحات اور مقبوضات بیرون عرب

(از سن ۴۴۴ تا سن ۱۹۰۰ ق م)

- (۱) عرب سامیہ یا عاد۔ بابل میں۔
- (۲) عرب سامیہ یا عاد۔ مصر میں۔
- (۳) عرب سامیہ یا عاد۔ دیگر ممالک میں۔

۱۰ مطبوعہ منصر

کسی مقدمہ کی صحت کے صرف تین جزو ہیں۔ مدعی کا دعویٰ۔ مدعا علیہ کا اقرار اور گواہوں کی شہادت اگر کسی مقدمہ کے تینوں اجزا ہم پونج جائیں تو مقدمہ کی صحت میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے عراق کے شہر بابل پر حکومت کی۔ اہل عراق قدیم اسکا اعتراف کرتے ہیں اور تحقیقات جدیدہ کی شہادت اسکی تصدیق کرتی ہے۔ پھر صحت دعویٰ میں کسکو شک ہو گا؟

اہل عرب کا دعویٰ علامہ ابن قتیبہ المتونی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

فمنہم العالیق ام تفرقوا فی البیلا ل و
منہم فراعنہ مصر العجا یرة

انھیں (عاد) میں عالیق ہیں۔ یہ متعدد تو ہیں ہیں جو ملکوں میں منتشر ہو گئی تھیں اور انھیں میں سے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں۔

موتوخ ابن خلدون کی تحقیق ہے جس کو اس نے اپنی تاریخ میں کسی جگہ دہرایا ہے۔

ان قوم عاد والہا لحدہ مملکوا العراق
یقال انہم انتقلوا الی جزیرۃ العرب مکن
بابل لما نزلہم فیہا بنو حام
نزلوہا (الحجاز) ایام خیر جمہم من العراق
اسام النماریۃ من بنی حام

عاد اور علاقہ عراق کے بادشاہ ہو گئے تھے۔
کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بابل سے جزیرۃ العرب میں سہولت چلے آئے جب بنو حام نے انکے ساتھ مزاحمت کی۔
یہ آگ عراق سے نکلنے کے زمانہ میں بنو حام کے بادشاہ تھے۔
بھاگ کر حجاز میں چلے آئے۔

اہل ایران کا بیان اہل ایران کا دعویٰ بیان ہے کہ عراق و بابل کی حکومت انھیں (عاد) کے ہاتھ میں تھی ان کا اعتراف ہے کہ حبشہ کے بعد بنو سام بن نوح کا مفاخر تھا۔ ضحاک تازی (عرب) نے لکھا۔

ایمین تدعیہ و تزعم انه من النفسھا وھو
ضحاک بن علوان۔ طبری ص ۲۰۲۔ جزین

ایمین ہی ایک مدعی ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ بادشاہ انھیں کے نوم کا تھا اور اسکا نام ضحاک ابن علوان تھا۔

و بلغنا ان الضحاک ھو نمرود و ان ابراھیم
ولد فی زمانہ و انہ صاحبہ الذی لہ حرقہ

ہیں یہ روایت پہنچی ہے کہ ضحاک ہی نمرود تھا حضرت ابراہیم اسی کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور یہی تھا جس نے اُنکے جلائے کا قصد کیا تھا۔

زردی اہل ایران کی تاریخ کا ترجمان ضحاک تازی (عرب) اور اس کی ہزار سالہ حکومت کا مفصل بیان شاہنامہ میں کرتا ہے۔

۱۔ کتاب الفارث ص ۱۰ مصر ۲۵۹ ج ۱ مصر ۲۵۹ کتاب البصر ص ۱۸ ج ۳ مصر

۲۔ کتاب البصر ص ۲ ج ۲ ص ۲۰۰ مصر

توراة کا بیان بنی اسرائیل کا قدیم خاندان عہد ابراہیمی سے اسی ملک کا باشندہ تھا اور نہایت قدیمی زمانہ سے (۲۵۰۰ ق م) اس کے تعلقات یہاں سے قائم ہیں۔ اس بنا پر اس باب میں انکی رائے بھی قابل وقعت ہوگی۔ توریت کی روایت ہے۔ سب سے پہلے بادشاہ کوش کا بیٹا عمرو د تھا۔ اصل عبارت یہ ہے۔

کوش حام کا بیٹا تھا۔ کوش کی اولاد سبا۔ حویلا۔ سبا تا۔ رعماہ۔ اور سبا تیکا۔ اور رعماہ کے بیٹے شبا اور دیدان۔ کوش نے عمرو کو پیدا کیا۔ اور اس کی حکومت کی ابتدا بابل اور ایرخ (عراق) میں ہوئی۔ (تکوین ۱۰ بیت ۱۰-۹-۸-۷-۶-۵-۴-۳-۲-۱)

یہ سمجھ لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ ابتدائی تقسیم اقوام حسب آراء موجودہ نکل نہیں۔ بلکہ جغرافی ہے۔ یہ تمام اقوام جن کا نام اولاد کوش سے ذکر ہوا ہے۔ وہ سب جنوبی سمت اور سواحل خلیج فارس کے باشندے تھے۔ یعنی عرب۔ یورپ میں تاریخ قدیم کا سب سے بڑا مورخ جرمن فاضل ڈنکر DUNKER ہے۔ وہ بابل کی تاریخ میں اس توریت کے فقرہ کی تفسیر یوں کرتا ہے۔ سفر تکوین۔ مثل مشاخرین یہود کے۔ کوش کے نام کے اندرون اقوام کو داخل کرتا ہے جو جنوبی سمت میں رہتے ہیں نولی۔ ٹوبی (اتھوپین) اور جنوبی عرب کے قبائل۔ یہاں پر سہماں فرزند ان کوش کو جنہوں نے بابل کی بنیاد ڈالی۔ جنوبی قبائل کے باشندے کہہ سکتے ہیں۔ جو تقریباً خلیج فارس پر مقیم تھے۔

اہل عراق کا بیان بابل کا ایک کلڈانی مورخ بروٹشوس نامی ہے۔ جو اصلاً بابلی اور نعل کے بعد کا ایک کاہن تھا۔ یہ حضرت مسیح سے شاید ۲۰۰ برس پہلے تھا۔ اس نے بابل کی قدیم تاریخ لکھی تھی۔ اصل کتاب تو ضائع ہو گئی۔ لیکن یہودی اور یونانی مصنفین نے اس کے حوالے سے بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ اور سداً اس کی بعینہ عبارت ہی لکھی ہے۔ انہیں منقول عبارتوں میں لوک بابل کا ایک نقشہ ہے مورخ موصوف کلڈانی بادشاہوں کے بعد عرب بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے۔ اور ان کی تعداد ۹ اور ان کی مدت حکومت ۲۲۵ برس قرار دیتا ہے۔ یہ نقشہ قابل تنقید ہے۔ لیکن قابل تعلیم نہیں۔ وہ نقشہ یہ ہے۔

سلسلہ	خاندان ملوک	تعداد	سال
۱	بادشاہ قبل طوفان نوحؑ	۱۰	۴۴۲۰۰۰
۲	بادشاہ بعد طوفان نوحؑ	۸۶	۳۴۰۰۰
۳	میڈیا کے غاصب بادشاہ	۸	۲۲۴
۴	بادشاہ	۱۱	۲۴۸
۵	کلدانی بادشاہ	۴۹	۲۵۸
۶	عرب بادشاہ	۹	۲۳۵

تحقیقات جدیدہ اہل عرب اور اہل بابل کے بیانات سے اس سے زیادہ کوئی اور علم حاصل نہیں ہوتا کہ کسی قدیم زمانہ میں عرب سامیہ کے ایک خاندان نے عراق پر حکومت کی۔ اس سے زیادہ حالات قدامت کی تاریخ میں مخفی ہیں۔

لیکن اگر کیا لوجی (ARCHAEOLOGY) علم القدامت کی اعانت اور حضرات بابل کی صراحت نے قدامت کے پردہ کو چاک کر دیا ہے۔ اب نئے صرست بابل کا تمدن زندہ ہو رہا ہے اور علم الآثار کے چراغ طلسمی میں اب نظر آ رہا ہے کہ بابل اور اسیریا کا ہر پتھر درحقیقت انکی تاریخ کا ایک صفحہ ہے۔

۱۵ ہر پتھر مذہب سے فرسودہ ہوتا ہے۔ تو ریت، بابل و اسیریا کے سلاطین اور شہروں کے نام سے پڑتے۔ نوع انسان کا افتراق بابل میں ہوا۔ رنگین باس۔ ان حضرات اور اسیریا بابل و بابل سے نکل کر فلسطین آئے تھے۔ یہودیوں کی تباہی اہل بابل کے ماتھے سے ہوئی۔ ان وجود سے ضروری تھا کہ یورپ کے علمائے آثار ان ممالک کی تنقیب و اکتشافات کی طرف توجہ کریں۔ اس کی ابتدا سوہس صدی سے ہوئی اور اب تک جاری ہے۔ سیکڑوں کتابت، خطوط، کتابیں، منقوشہ سنگ، مجسمات، اس کے عمارات کے نشانات، واقعات تاریخ کی منقوش یادگاریں زمین سے نکال گئیں۔ خط اور زبان کی مشکل حل کی گئی اور باقاعدہ ان اکتشافات و تحقیقات کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ تاکہ بابل و اسیریا کی عظیم الشان تاریخ مدون ہوئی۔

سیکڑوں علمائے مشرقیات نے ان تحقیقات میں اپنی زندگیاں وقف کیں۔ ان میں سے مشاہیر کے نام حسب ذیل ہیں۔

ہربرٹ (HERBERT) ۱۸۶۶ء سر جان جاردن (SIR JOHN JORDEN) ۱۸۶۶ء

کارنل ڈی براؤن (COLD. BROWN) ۱۸۶۶ء نیو بھر (NUBHAR) ۱۸۶۶ء جولیس موہل

جولیس موہل (JULIUS MOHIL) ۱۸۶۶ء جارج اسمتھ (GEORGE SMITH) ۱۸۶۶ء

قدیم بابل رائل فارس سے پہلے کے جو کتبائے دانشمندی ہیں۔ زبان کی حیثیت سے یہ دو قسم کے ہیں سامی اور غیر سامی۔ ان سے بابل کے قدیم باشندوں کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر کتبائے سلاطین کی تاریخیں ہیں اور جن پر سال مرقوم نہیں ہے۔ ان کے زمانہ کی تعیین قرآن سے کی گئی ہے۔ غیر سامی کتبائے دانشمندی قدیم ترین ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر سامی آبادی یہاں سامیوں سے پہلے آباد تھی۔ ان کی زبان سومری اور اکادی تھی۔ جس سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ وہ غیر سامی آبادی اکادی اور سومری تھی۔ جو تشابہ نام زبان کے لحاظ سے غالباً۔ تو رانی النسل ظاہر ہوتی ہے۔

ارض بابل کے اس عہد کے تمام کتبائے کو بہ ترتیب رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ... م ق م کی ابتدا میں قدیم سومری الفاظ کے بجائے ان میں سامی الفاظ کی آمیزش شروع ہوتی ہے اور یہ آمیزش داخلہ رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے۔ تا آنکہ نام خطہ اور خیالات بالکل سامی ہو جاتے ہیں۔ جس کا خاتمہ ایک اور توراتی النسل زبان عیلام پر ہوتا ہے۔ جس کا وطن خلیج فارس کا فارسی ساحل تھا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد ۲۵۰۰ ق م میں زبان بالکل سامی ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں ایک مرکب و متحد زبان کی صورت نظر آتی ہے۔

ان قدیم ترین حکومتوں کے بابل کے سلسلہ میں ہم نے دو جگہ عرب سامی خاندانوں کا ذکر کیا ہے۔ ۲۰۰۰ ق م اور ایک ۲۴۰۰ ق م دونوں علیحدہ علیحدہ بیان کے محتاج ہیں۔

چار ہزار ق م [اس خاندان کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سامی تھا۔ باہر سے آیا تھا۔ اور ابتداء نہایت وحشی تھا۔ یہ بیرونی۔ وحشی۔ سامی۔ کون تھے۔] عرب اس خاندان کے حالات کے متعلق جدید ترین تحقیق یہ ہے۔

تقریباً چار ہزار ق م کی ابتدا میں سومری لوگوں نے جو ایک اعلیٰ تمدن حاصل کر رہے تھے۔ اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۔ اور ہالوسے (HOLWAY) وغیرہم

اس وقت ہی ایک جرمن سوسائٹی مشغول کار رہے۔ اس کے حیرت انگیز نتائج۔ سال پیوستہ شائع ہو چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں عجیب بات یہ ہے کہ بابل و سیریا کی تحقیقات و اکتشافات میں دولت عثمانیہ اور بعض ترک۔ سلماں جگہ ہی پہلے اور خلیل بے کے نام بھی موجود ہیں۔

۱۔ زبان عیلام کو توراتی النسل خیال کرنا۔ صاحب ارض القرآن کے ایسے وسیع النظر محقق سے بہت تعجب انگیز چیزوں نے جو دنیا شجرہ اقوام ارض القرآن ص ۱۲۴ میں عیلام کو سام کا پسر اول لکھا ہے۔ بہر اُنھیں کو توراتی النسل کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ حالانکہ توراتی روم کو تعلق نسبی رکھتے ہیں اور وہ یافتہ کی اولاد میں ہو سکتے ہیں نہ سام کے سلسلہ میں۔ ۲۔ ملولیف عفی عنہ

(۲) مشرقی شریانی کر (۸۰۰ قبل مسیح) اسکا پورا نام ہے۔ لیکن کبھی صرف مشرقی ہی پایا گیا ہے لیکن زیادہ مشہور یہ شریانی اول یا سرجون اول کے نام سے ہے۔ شریانی اس خاندان کا گل سرسید ہے اور حکومت کا بابل کے بزرگ ترین بادشاہوں میں اسکا شمار ہے۔ اسکے جو کتبائے اس وقت تک ملے ہیں وہ مستحقاً اسکی عظمت و جلال کے بیان سے پر ہیں۔ اسنے ایک طرف سومریوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف فارس میں عیلامیوں کو مغلوب کر لیا۔

(۳) زام سن کبر (۵۰۰ ق م) بھی عظمت میں اپنے باپ سے کم نہیں۔ اسکا خطاب تھا: شاہ چار دانگ عالم۔ زام سن کر کی خاص مہم زمین، مغان پر حملہ ہے۔ مغان سے غالباً۔ جزیرہ سینا مغربی شمالی مراد ہے۔ اس کے قریب شہر مغان اب تک معلوم ہے۔

فتح ہونے کے علاوہ یہ بادشاہ بانی عمارات ہی ہے۔ پتور اور آغا میں سیکل تعمیر کرائے اور شہر بنوائیں۔ اسفار میں آفتاب دیوتا کا سیکل تیار کرایا۔
(۴) بن علی شریانی خاتم خاندان اور جمہول الحال ہے۔

اس فصل کے لکھتے وقت حسب ذیل کتابیں ہمارے پیش نظر تھیں۔ نینوے اور اوس کی یاد گاریں۔

NINEVAH AND ITS

REMAINS. BY A. H. LAYARD 1849 LONDON.

A MANUAL OF ANCIENT HISTORY BY G. RAUOLINSON

PROFESSOR OF HISTORY CAMBRIDGE.

DISCOVERIES IN THE RUINS OF NINEVAH AND BYBLONIA

BY A. H. LAYARD 1853

لیکن رائسن کی کتاب صرف تاریخ یونان دروم کے زیورات سے ماخوذ ہے۔ اور یارڈ کی کتاب کے معلومات جو گویا حیات ایل و نینوے کے نتائج ہیں تاہم اسکے معلومات پر اسے ہونچکے ہیں۔ راجر س (R. W. ROGERS) کی تاریخ بابل و آشور جو بالکل جدید تصنیف ہے اور جس کی بنا صرف تحقیقات تازہ پر ہے۔ اور جو تمام یورپ کے وائر الا تار اور کتب خانوں کے مطالعہ کے بعد لکھی گئی ہے۔ اس فصل کا ماخذ ہے (جلد اول کتاب اول۔ باب ۱۱ (۲) اور کتاب ۲۔ باب اول سے یہ تمام معلومات لکھی ہیں۔

تحقیقین جدید کی تحقیقات۔ اونکے ذرائع معلومات۔ خصوصاً اہول علم الاشار کے مطابق اکتشافات کے قیمتی قابل قدر اور مفید ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ مگر باوجود ان قیمت و عظمت کے ہی۔ انکے عمل کارناموں کے اکثر مقامات۔ محل شہات اور پر خدشات ہیں۔ جن کی صحت۔ اصلیت اور قطعیت پر شکل سے اعتبار کیا جائیگا۔ المولف عفی عنہ

۲۴۰۰ ق م | گزشتہ صفحات میں ڈھائی ہزار برس کا مرقع پیش کیا گیا جس میں بابل کے ایٹچ پر سومری عیلاتی اور سامی قوموں کا کبھی بصلح داشتی کبھی جنگ و جدال ظور ہوتا رہا۔ ۲۴۰۰ ق م میں ایک اور سامی قوم کا ظور ہوا جس نے تمام قوموں کا خاتمہ کر دیا۔ اور ایک متحد سامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس حکومت کی حقیقت قومیت ان الفاظ میں ایک امریکن مورخ راجرس ادا کرتا ہے۔

سومری تہذیب اب پیری کو پہنچ گئی تھی۔ موت کے جراثیم اب اوس میں پیدا ہو چکے تھے

دوسرے طرف سامی تمدن زندگی اور خوش سے لبریز تھا۔ سامی۔ رگستان عرب کی آزاد ہوا

سے باہر آئے تھے۔ وہ اپنی رگوں میں زندگی رکھتے تھے۔

اس خاندان کا شجرہ ملک جیسا کہ کتابت سے ظاہر ہوا ہے حسب ذیل ہیں۔

سلسلہ	نام بادشاہ	سن حکومت	مدت حکومت
۱	سمو۔ آبی	۲۴۵۴ - ۲۴۴۰ ق م	۱۵ برس
۲	سمو۔ لایلی	۲۴۳۹ - ۲۴۲۱ ق م	۱۸ برس
۳	نوابو	۲۴۰۴ - ۲۳۹۱ ق م	۱۳ برس
۴	آفل سینی	۲۳۹۰ - ۲۳۷۳ ق م	۱۰ برس
۵	سینی مینا	۲۳۷۲ - ۲۳۴۳ ق م	۳۰ برس
۶	حمور آبی	۲۳۴۲ - ۲۲۸۸ ق م	۵۵ برس
۷	سمو۔ ایلونا	۲۲۸۷ - ۲۲۳۵ ق م	۳۵ برس
۸	عمی۔ شوغ	۲۲۵۲ - ۲۲۲۸ ق م	۲۵ برس
۹	عمی سنانا	۲۲۲۶ - ۲۲۰۳ ق م	۲۵ برس
۱۰	عمی صادق	۲۲۰۲ - ۲۱۸۲ ق م	۲۱ برس
۱۱	سمو۔ سنانا	۲۱۸۱ - ۲۱۵۱ ق م	۳۰ برس

اس فہرست میں پہلا نام سمو آبی کا ہے۔ اس کی نسبت کوئی واقعہ نہیں معلوم۔ اس کا نام سلاطین کی فہرست میں ملتا ہے۔ اس کے بعد کے جانشینوں کی نسبت بھی ہم کو کوئی صحیح علم نہیں ہے۔ سمو لایلو

کے متعلق اتنا جانتے ہیں کہ اوس نے بابل میں چھ قلعے تعمیر کرائے تھے۔ تیسرا بادشاہ ذابو صرف ایک میل کے بانی کی حیثیت سے معلوم ہوا ہے۔ جو شہر کے دیوتا کے نام سے بنا تھا۔ اقل سن اور سن مہبط بھی محمول اس حال ہیں۔

اس خاندان کا مشہور و ممتاز بادشاہ حمورابی ہے جس کی نسبت ہماری اطلاعات کسی قدر زیادہ وسیع ہیں اسکا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ملک کو عیلامیوں سے پاک کر دیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمورابی سے پہلے ملک میں عیلامیوں کا زور باقی تھا۔ عجیب نہیں کہ حمورابی کے اسلاف کا عدم اہمیت و شہرت اسی علت کا معلول ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ حمورابی سے پہلے کے بادشاہوں کے ساتھ شاہی القاب نظر نہیں آتے۔

اب تک جو کتبیات اس خاندان کے ملے ہیں۔ وہ عموماً حورابی ہی کے ہیں جن سے اس بادشاہ کی عجیب و غریب عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

توریت میں سب سے پہلا جو سیاسی واقعہ مذکور ہے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں شمالی عرب میں عراق اور شام کے بادشاہوں کی باہمی جنگ ہے۔ اس موقع پر شغار (بابل) کے بادشاہ کا نام امرافیل یا امورافیل مذکور ہوا ہے۔ آلف اور ح کا اور تبا پ اور ت کا مبادلہ السنہ سامیہ میں بہت متداول ہے۔ اس لئے عجیب نہیں کہ امرافیل اصلاً امورانی ہو۔ اور امورانی۔ حمورابی کا عیرانی تلفظ ہو۔ ایل کا انعامہ (میعنی خدا) صرف عبری ناموں کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔ جیسے اسرائیل۔ خرقیل وغیرہ۔ امرافیل اور حمورابی کے اتحاد کی بڑی دلیل دونوں کا تقریباً اتحاد عصر اور اتحاد ملک ہی ہے۔ بہر حال اگر یہ قیاس صحیح ہے۔ تو حمورابی اور حضرت ابراہیم کا باہم ایک ہی زمانہ ہوگا۔

حمورابی کے ایک اور کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید یہ دنیا کا سب سے پہلا متن ہو۔ بابل کے ایک منار پر اوس کے قوانین کا خلاصہ درج ہے جو توراۃ کے احکام سے بہت مشابہ ہیں لیکن بدھ کشیدراً دیکھنی ہی بدھ کشیدراً اہل ضلال کہتے ہیں کہ توریت کے احکام ہیں سے ماخوذ ہیں۔ ارباب ہدشی کہتے ہیں کہ یہ احکام ابراہیم کی شریعت کے ہیں جن کو حمورابی نے سنا اور قبول کیا **فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰتٰنَا فِیْہِمْ** **اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّہِمْ**۔ جو اہل ایمان ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ حقیقتاً اونکے پروردگار کی طرف سے ہے۔ حمورابی کے بعد جو بادشاہ اس خاندان میں ہوئے وہ اسلاف کی عظمت کو قائم نہ رکھ سکے۔

۱۔ راجس۔ جلد اول ص ۳۹۱ ۲۔ تلوین باب ۱۲۔ ۳۔ حمورابی کے یہ قوانین انگریزی میں ایک رسالہ کی صورت میں چھپ گئے ہیں۔ اس باب کے تمام حوالہ راجس تاریخ بابل و اسیریا سے ماخوذ ہیں۔ المولف۔

عرب یا عرب عاد مصر

عراق کی طرح مصر میں بھی اس واقعہ کے تین اجزاء ہیں۔ روایت عرب۔ بیان اہل مصر اور تصدیق تحقیقات جدیدہ۔ بلکہ اس مقدمہ میں ایک چیز اور زیادہ ہے۔ یعنی اشارات اور است۔

روایت عرب علامہ ابن قتیبہ کی عبارت سے ہے۔

فمنہم العالیق اہم تفرقوا فی البلدان ومنہم ذرا عنہ مصر۔

انہیں میں سے عالیق ہیں۔ یہ متعدد قومیں ہیں جو ملک میں پھیل گئی ہیں۔ انہیں میں فراعین (شاہان) مصر ہیں۔

تواریخ یعقوبی لکھتا ہے۔

فلما ملکوا النساء طمع فیہم العالیق ملک الشام ففلاہم ملک العالیق وھو بنو عدن لولید بن دوسر و طمع السلا ففلاہم ان یحکوا علیہم واقام دھرا طویلا ثم ملک اخر من العالیق یقال لہ السریان ابن لولید وھو فرعون یوسف۔

مصریوں نے جب عورتوں کو بادشاہ بنایا۔ شام کی بادشاہ جو عالیق تھے۔ انہوں نے طمع کیا۔ عالیق کے بادشاہ بنے جس کا نام ولید ابن دوسر تھا۔ ملک کو بالکل کیا تھا۔ اہل مصر ان کی بادشاہی پر راضی ہو گئے۔ ایک زمانہ تک یہ بادشاہ زندہ رہا۔ پھر عالیق کا دوسرا بادشاہ ہوا جس کو لوگ ریان ابن ولید کہتے تھے۔ حضرت یوسف کا معاصر فرعون

تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۱۱ لندن

یہی ہے۔ تاریخ یعقوبی جلد اول ص ۲۱۱ لندن۔

جزئیات بیان اور نام کو صحیح نہ ہوں لیکن اصل واقعہ ثابت ہے اور کیا عجیب کہ یہ عربی نام اصلی ناموں کے ترجمہ ہوں۔ اس وقت ہم کا بیان اور تاریخوں میں بھی ہے۔

وقیل ان ذرا عنہ مصر کا لونا من العالیق وکان منہم فرعون ابراہیم۔

کہا گیا ہے کہ مصر کے فرعون عالیق میں سے تھے۔ انہیں میں حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف کے فرعون ہیں۔

تواریخ طبری کی روایت ہے۔

وامنہ ملک علی طارخا بن شان بن علوان وھو اول اذفر عنہ واذہ کان ملک مصرین قد صھا ابراہیم خلیل اللہ کان (ص ۲۰۶) یوسف۔

اوس نے مصر پر اپنے بھائی علوان بن شان کو بادشاہ بنایا۔ یہ مصر کا پہلا فرعون تھا۔ حضرت ابراہیم جب مصر گئے تو یہی فرعون تھا۔

اس معاصر کی تائید دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔ بیان آگے آگے گا۔

تواریخ ابن خلدون کی تحقیق ہے۔

اِنَّ بعض مملوٰٓئ القبط استنصر ملوکا لصلواتہ
لعهودہ..... فجاء معہ و صلات مصر

قبطا قدیم باشندگان مصر کے بعض سلاطین نے اپنے زمانہ
کے شاہ عالیوں سے مدد مانگی۔ وہ آیا اور اُسے مصر پر قبضہ کر لیا۔

اہل مصر کا بیان میسج سے دو ہزار برس پہلے ایک اجنبی قوم نے مصر پر قبضہ کیا۔ اس کا نام اہل مصر سوس (چرواہی)
اور ہیک سوس (چرواہے) بادشاہ (بتلاتے ہیں)۔ یہ چرواہے بادشاہ کون تھے؟ عربیہ جو اکثر شتربانی
سے جہان بینی تک پہنچے ہیں۔ اور اس وقت بھی ان کو یہی لقب دیا گیا۔ لیکن کیا کیا جاوے کہ چرواہا ہونا نہ
صرف عرب کا بلکہ تمام احم سامیہ کا قومی و ملکی پیشہ رہے اور اس کی تحریری شہادت آج سے دس ہزار برس
پیشتر کا ہمارے پاس موجود ہے تاکہ پیشوایان احم سامیہ بھی اس سے متاثر نہ ہوں۔

بہر حال۔ انہیں چرواہے بادشاہوں۔ یا عرب چرواہوں کی نسبت اہل مصر کا اعتراف ہے کہ
میسج سے دو ہزار برس پہلے مصر پر حکمران تھے۔ مصر کا قدیم مؤرخ اسکندر نے کیا مائیشوہ ہے جس نے میسج سے
۲۶۰ برس پیشتر یونانی میں مصر کی تاریخ لکھی تھی۔ اصل کتاب تو مفقود ہے، لیکن اس کی جتہ جس سے
عبارتیں بعد کے یونانی اللسان مصنفین کے یہاں منقول ہیں جن میں سے ایک یہودی مؤرخ یوسفوس
بھی ہے۔

یوسفوس نے ہیک سوس کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اور اس کا اقتباس یہ ہے۔
ہمارا ایک بادشاہ طیمائوس نامی تھا۔ اوس کے عہد میں یہ ہوا۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ کون کون سا
خدا ہم پر خفا تھا؟ ایک عجیب طریقے سے شریر اخلاقت لوگ اطراف مشرق سے چلے آئے۔ وہ اس
قدر بہادر تھے کہ ہمارے ملک میں گھس آئے۔ نہایت آسانی سے بزرگتر کر لیا۔ گو اُن سے ہماری ایک
قسمت آزما جنگ ہوئی۔ جب انہوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کر لیا۔ جنہوں نے اپنی طاقت سے
ہم پر حکومت کی تھی۔ تو ہمارے شہروں کو جلا دیا۔ ہمارے دیوتاؤں کے میٹکوں کو برباد کیا۔

آخر وہ حاکم بن بیٹھے۔ اور اپنا ایک بادشاہ بنایا جس کا نام سلاطین تھا۔ سلاطین نے مصر بال
اور مصر زمین دونوں سے خراج وصول کیا۔ اور تمام مقامات پر دسے متعین کئے خصوصاً مشرقی
حصوں کی حفاظت۔ اہل سیریا کے مقابلہ میں پیش بینی کے لئے بہت کرتے تھے۔ جو اس زمانہ میں قومی
ترین قوت تھی۔

سلاطین نے تیس برس حکومت کی۔ پھر ایک دوسرا بادشاہ ہوا۔ جس کا بیون نام تھا
یہ بیانیس برس زندہ رہا۔ بعد ازیں ۶۴ برس سات بیٹے کیے۔ اوفیس بادشاہ ہوا۔ پھر بیانیس
نے بیانیس برس اور ایک عینہ تک حکومت کی اور ان سب کے آخر میں اسی بادشاہ ہوا۔ ۱۴۹ برس

دو مہینے اس کی بادشاہی کا زمانہ ہے.....

اس تمام قوم کا نام ہیکسوس رکھا گیا تھا یعنی چرواہے بادشاہ۔ کیونکہ ہیکس کے معنی مقدس زبان (تورات) میں ”بادشاہ“ کے ہیں۔ اور سوس عام زبان میں چرواہے کو کہتے ہیں۔

اور ان لفظوں سے ملکر ہیکسوس بنا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ عرب تھے.....

پانچ سو گیارہ برس تک مصر پر قابض رہے (JOSEPHUS BOOK I SECT 14 VOL IV)

ان عرب حملہ آوروں کے نام و نسب کے متعلق ایک بات یہاں قابل ذکر ہے۔ روایات صحیحہ عرب میں فاتح مصر کا نام شداد ظاہر کیا گیا ہے۔ بائبل نے سلطا لکھا ہے۔ ”سے“ اور ”س“ جو سلاطین کے آخری اجزاء ہیں۔ مذکور نام کے آخر میں یونانی اور لاطینی زبانوں میں عموماً زیادہ کر دئے جاتے ہیں حقیقت میں شداد اور سلطا معنیاً ایک ہی لفظ ہیں۔ شداد کے معنی ”قوی“ اور جابر کے ہیں اور سلطا بھی سامی زبان میں ہی معنی رکھتا ہے جس سے عربی زبان میں ”سلطان“ ”سلطنہ“ اور ”مسلط“ نکلتے ہیں۔

ہیکس کو اگر تسم شیخ کا محرف نہ کہیں۔ جو امیر بدو کا خاص لقب ہے۔ تو اس کو خاص مصری لفظ تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ بائبل نے بتایا ہے۔ لیکن سوس کا لفظ خاص عربی ہے۔ سوس کے اصل معنی نگرانی اور انتظام کے ہیں اسی مناسبت سے چرواہے کو بھی ابتدائے سوس کہتے ہیں جس سے منتقل ہو کر گلہ بانی سے جہا نبانی کے لئے عربی میں یہ لفظ مستعمل ہوا۔ اسی مانع سے یہ لفظ اب عام طور سے اس معنی میں بولتے ہیں۔ سوس کے معنی اول یعنی چرواہے اور نگہبان کا اثر اب تک ہمارے ہاں ایک لفظ میں باقی ہے یعنی سوس (خادم و محافظ اسپ) عجب نہیں کہ عبرانی میں یہی لفظ ”سوس“ D: s گھوڑے کے لئے مستعمل ہوا ہو۔ تیسرے بادشاہ کا نام ابوقیس بھی عربی وضع کا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ابوقیس ہو یا ابوقیس۔ آخری نام اس میں ہے جس کو ہم عزیز کہتے ہیں۔ اور اب تک امرائے مصر کا لقب جانتے ہیں اور ایک عجیب کیا معتبر دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ”عزیز“ ہی کا لفظ پاتے ہیں۔

توریت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب پہلے بار ظہور ہوتا ہے تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ عراق سے مصر تک کی زمینوں میں سفر کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ وہ اپنی بیوی سارہ کو جو رشتہ کی بہن تھیں۔ اپنی بہن ظاہر کرتے ہیں۔

کیا صاحب ارض القرآن اور کسی مسلمان کو اب بھی مسئلہ تقیہ کی قدامت۔ اور جواز فی الشریعت کی نسبت کوئی

کلام باقی رہ جاتا ہے؟

فرعون مصر قرابت کی درخواست کرتا ہے۔ پھر جب واقعہ ظاہر ہوتا ہے تو خود اپنی بیٹی کو کنیزگی میں پیش کرتا ہے۔ کیا اس سے نسبى تعلق کی بونہیں آتی۔

ڈیڑھ سو برس کے بعد اتفاقاً حضرت یوسفؑ مصر تشریف لے جاتے ہیں اور باوجودیکہ ان کا عبرانی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور اہل مصر عبرانیوں کو ذلیل جانتے ہیں اور اون کے ساتھ کھانا عار سمجھتے ہیں۔ فرعون مصر یوسفؑ کی عزت کرتا ہے۔ اون کو اپنا نائب السلطنت مقرر کرتا ہے۔ یوسفؑ کے پذیرگار حضرت یعقوبؑ اور اون کے خاندان کے مصر آنے پر فرعون اور ارکان سلطنت خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اون کے مرنے سے نہایت رنجیدہ ہوتے ہیں۔ اور سبب عجب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنے خاندان کو تاکید کرتے ہیں کہ فرعون اگر بچے کہ تم کوں ہو؟ تو جواب دینا کہ ہم چرواہے ہیں اور چوپانی ہمارا پیشہ ہے۔ اور پھر تورات کا خود یہ عجیب تر بیان کہ مصری ہر چوپان سے نفرت رکھتے تھے۔ اور حقیقتاً سیاسی نفرت تھی۔ ان تمام آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چرواہے بادشاہوں کا وجود تاریخی ہے۔ اور حضرت یوسفؑ اور بنی اسرائیل کا قیام انھیں عرب سامیہ یا چرواہے بادشاہوں کے عہد میں ہوا۔ جیسا کہ مورخین عرب کا بھی بیان ہے۔ اور یہ بھی اوس سے واضح ہوتا ہے کہ ان عبرانی اور مصر کے خاص شاہی خاندان میں ضرور کوئی خاص قومی تعلق تھا جس کا اظہار کنایتہ حضرت یوسفؑ باوجود اس علم کے کہ مصری ہر چوپان سے نفرت رکھتے ہیں۔ ”چوپانی“ کے ذریعہ سے کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر ذکر چکا اہل مصر اس بدوی حکمران خاندان کو تحقیراً ”شاشو“ کہتے تھے۔

چند صدیوں کے بعد بنی اسرائیل کا مصر میں مبتلائے مصائب ہونا ہمارے نزدیک اوس کی

۱۷ کنیزگی سے کنیزی مستعداۃً زیادہ فصیح تر۔ مرزا دبیر مرحوم سے یہ انی کو برائے کنیزی طلب کیا۔ المولف عفی عنہ

۱۸ تورت تکوین باب ۲۱-۲۲۔

۱۹ تورات تکوین باب ۴۶-۴۷۔ ایضاً باب ۲۶-۲۷۔ یہ واقعہ کہ ماجہ فرعون کی بیٹی تھیں تورات میں نہیں ہے۔ مگر یہودی روایت میں موجود ہے۔ اور ان کا مصری ہونا تو تورت میں ہی مسلم ہے۔ ارض القرآن ص ۱۵۱-۱۵۲۔ ہم نے اس بحث کو ایک علیحدہ باب میں درج کیا ہے اور حضرت ماجہ کے خاص حالات میں اس کو اور بھی تفصیل سے لیا ہے۔ المولف عفی عنہ

۲۰ تورات تکوین باب ۴۱-۴۲-۴۳-۴۴۔ کیا مسر لقیہ کا وجود اور ان کے بوازی عمل کا ثبوت۔ اب ہی کتب قدیمہ اور سیرت و شریعت انبیاء سابقین سے تسلیم نہیں کیا جائیگا؟ المولف عفی عنہ

۲۱ تورت تکوین باب ۴۵-۴۶۔ ۱۱ ص تکوین باب ۲۶-۲۷۔

توجہ یہ ہے کہ جب اہل مصر یعنی بنی عام نے سابق حکمران خاندان یعنی بنو سام کو مصر سے نکال دیا۔ اور انکی حکومت کا مصر میں خاتمہ کروا دیا تو بنو اسرائیل جو بنو سام کی ایک شاخ تھے۔ اور بعد حکومت سابقہ مصر میں طاقتور ہو گئے تھے۔ ان کو سیاسی وجہ سے کمزور کر دیا گیا۔ اور تورات میں اس موقع پر حسبِ ایل عبارت ہو۔

لیکن اسرائیل کی اولاد بڑھ رہی تھی اور فراوان ہوئی۔ اور بہت زور پیدا کیا اور زمین ان سے معمور ہوئی۔ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ۔ جو یوسف کو نہ جانتا تھا پیدا ہوا اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ دیکھو بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں اور ہم ان کے ساتھ دشمنانہ تدبیر کریں۔ تا نہ ہوئے کہ جب وہ اور زیادہ ہوں اور جنگ پڑے تو ہمارے دشمنوں سے بچائیں اور ہم سے لڑیں اور ہم کو نکال دیں۔

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کا معاملہ بالکل سیاسی تھا۔ قرآن مجید سے ہی اسکی تائید ہوتی ہے۔ زخون حضرت موسیٰ اور ہارون کی نسبت کرتا ہے۔

اِنَّ هٰذَانِ لَکٰیۤمٰتٍ یُّبْدِیۡۤاۤیۡنَ اَنْتَ یٰۤخٰیۡرُۤیۡہُمَا ﴿۱﴾
یقیناً یہ دونوں (ہارون و موسیٰ) جادوگر ہیں جو چاہتے ہیں کہ تمکو ہمارے ملک سے نکال دیں۔

توریت کے اس فقرے کا کہ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہ جانتا تھا۔ ہم یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ تب ایک نئی بادشاہی قائم ہوئی۔ جو بنی اسرائیل کو جو سابق سامی حکومت کی ایک شاخ تھی نفرت سے دیکھتے تھے۔

ہمارے خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ عرب نے سامی حکومت مصر کی جو مدت قرار دی ہے۔ یہ تقریباً وہی ہے جو ابراہیم سے (جو ابتدائے حکومت کا زمانہ ہم فرض کرتے ہیں) حضرت موسیٰ سے پہلے تک (جو اختتام کا زمانہ ہے) تورات نے قرار دی ہے۔ یعنی تقریباً ۵۲۵ برس۔ کیونکہ بنی اسرائیل کی حکومت مصر کا زمانہ جو حضرت یوسف تک سے حضرت موسیٰ تک مستند ہے۔ تورات نے ۲۱۵ برس بتایا ہے۔ اس پر حضرت ابراہیم سے حضرت یوسف تک کا زمانہ اور اضافہ کیا جائے۔ تو ان چار پشتوں کے لئے سو برس فرض کیا جاسکتا ہے۔ مجموعہ ۵۴۰ ہوتا ہے۔ اور مانیٹو اس حکومت کا زمانہ ۵۱۱ بتلاتا ہے۔ چند سال جو تورات میں فاضل ہیں یہ وہ ہیں جو دوسری وطنی حکومت مصر میں قائم ہوئی۔ جبکہ چند سالہ مظالم سکھ بنی اسرائیل مصر سے نکل آئے۔

۱ سفر خروج باب اول ۶-۸-۹-۱۰-۱۱

۲ خروج ۱۲-۲۰

زیرین میں داخل ہو گئے۔ یہ نمفدا کی حکومت کے برباد کرنے اور ملک کے حصہ زیریں واقع
طول البلد ۳۰.۳۹ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔
یہ حملہ آور ہائیکس سوس یا چرواہے بادشاہ تھے۔ جو شام یا عرب کے صحرا انورد بدوی لوگ تھے
یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے :-
مصریوں کے دوسرے دشمن اس جانب میں شاشوش تھے۔ جو شاید ہیکس سوس ہیں اور
بظاہر عرب معلوم ہوتے ہیں۔

ایک جرمن فاضل پروگش ہینرچ (BURGSCHE HEINRICH) نے مصر کی تاریخ
صرف کتبائے آثار کی بنا پر لکھی ہے۔ تاریخ مذکور میں فاضل موصوفت کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ
ہائیکس سوس یقیناً سامی تھے۔ مصر کی زبان قدیم ہیں۔ ہائیکس۔ بادشاہ اور سوس چوپان اور اہل باد یہ
کو کہتے ہیں۔ اہل عرب کی اس روایت کو بھی اوس نے تائیداً نقل کر دیا ہے کہ شہزاد ابن عاد نے
مصر پر حملہ کیا تھا۔

برٹش میوزیم۔ لندن میں جو مجموعہات مصر (EGYPTIAN COLLECTION) ہیں۔ ۱۹۰۹ء
میں اون کا دلیل نامہ (GUIDE) لکھا گیا ہے۔ جو معلومات تازہ کا خلاصہ ہے۔ ہائیکس سوس
کے متعلق اوس میں حسب ذیل تحقیق ہے :-

یہ وہی خاندان حکومت کے زوال کے بعد نسبتاً فوراً ہی مصر زیرین (DELTA) اور
شمالی اطراف مصر پر متحد و سامی بدوی قبائل نے آہستہ آہستہ قبضہ کر لیا۔ جن کے سرداروں
کا نام بروایت ہوسیٹوس (ہیٹونی منسلک) ہائیکس سوس یا چرواہے بادشاہ تھے۔
لفظ ہائیکس سوس۔ دو مصری لفظوں سے ماخوذ ہے ”ہیکو“ اور ”شاشو“ یعنی شیخ یا حاکم قبائل
بادیہ و صحرا سے مشرق و شام وغیرہ۔

ڈبلو گنگ ٹوآسے (W. COOK TOY) ایک انگریز مورخ صاحب جو ایک چھوٹی سی
لیکن مستند تاریخ کے مصنف ہیں۔ قلع عربوں کی شجاعانہ قوت سے بہم ہو کر لکھتے ہیں۔
زمین عرب جہاں کے بادشاہین قبائل جو تاریخ کے قدیم ترین عہد سے گلہ بان اور غارتگر ہیں۔ اور
ایک ہمارے زمانہ تک بھی وہ ایسی ہی ہیں۔ ان مصر میں داخل ہونیوالی قوموں کی اس تہی جنوں
نہایت سختی سے قدیم مصریوں کو تباہ کیا۔ ان کا نام ہائیکس سوس تھا۔ یا چرواہے بادشاہ

اس عصر جدید میں سلطان مورخین میں علاقہ یا عرب سامیہ اور ہائیک سوس کے ایک ہونے کا خیال سب سے پہلے ایک مصری عالم علامہ بقاءہ یک طحاوی کو پیدا ہوا۔ جس کی ذات مصر کے دور انقلاب علمی کا پہلا نتیجہ اور معلومات مغربی و مشرقی کا پہلا اثر تھا۔ ان کی تاریخ مصر بنام انوار توفیق الجلیل ۱۲۸۵ھ میں پچاس برس سے زائد ہوئے۔ شائع ہو چکی ہے۔ اس میں اس موقع کی عبارت یہ ہے۔

و دولتہم نستقی دولة الحق مقصودا واشتہدا
بالتقاریر باسم الملوك الرعاية وفي كتب التوامیخ
الاسلامیہ يقال لهم العما لقة

ان کی سلطنت کا نام ہیک سوس کی سلطنت ہے۔
یہ بادشاہ چرواہے بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں
اسلامی تاریخوں میں ان کا نام عما لقة ہے۔

جمہور کی اس آواز متفق میں کہ ہائیک سوس سامی عرب تھے۔ کہی کہی ایک دہمی آواز یہ بھی سنائی دیتی ہے کہ وہ تورانی یا منگولین (MONGOLIAN) تھے۔ آج سے اسی برس پیشتر مسٹر روسی لینی R. ROSELINE نے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ اس مدعی کے پاس اس دعوے کی صرف ہی دلیل ہے کہ سوائس (Scios) جو ہیک سوس کا جزو ہے اور ایک تورانی قوم کے یونانی نام سیٹھنس (SCYTHENES) میں بعض حروف کی متغیر انگیز لفظی مشابہت اور مشابہت ہے۔ جو من عالم ہیرن جے اس کی تردید میں کہتا ہے۔

ہائیک سوس جو مصر کے ایک بڑے حصہ پر مصر کے سولہ اور شترہ خاندان حکومت میں قابض ہو گئے تھے۔ مسٹر روسی لینی کا اور میر اس پر اتفاق ہے کہ وہ بادینشین تھے۔ کیونکہ آثار میں جو ان کی تصویر دکھائی گئی ہے وہ دگنوں اور چو پاؤں کے جھنڈ کے ساتھ ہے۔ اس سے سب نے طبعی طور پر سمجھا ہے کہ وہ حدود مصر کے بدوسی قبائل تھے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ ان میں عرب قوم کو میں اپنے مخصوص خصوصیات میں لینی لڑائی جیسے پٹریے اور ٹکڑے رنگ میں پاتا ہوں اور یہ ایک ایسی برائے ہے جس کی قوت کھانا (خود ناقل روایت) یوسفوس نے دی ہے۔ مسٹر روسی لینی ان کو ستینیس فرض کرتے ہیں۔ ستینیس سے مقصود شاید ایسا ہی سطلی کے تورانی بدوسی قبائل ہیں۔ لیکن ان کے ذکر کردہ بیان سے علاوہ ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو یہ دکھائے کہ ان قبائل نے

اس قدر بعید زمانہ میں کوئی ہم بغیر من فتح اس قدر بعید فاصلہ کے۔ نئے اختیار کی ہو۔

۱۵ ص ۲۲۴ ص ۲ - انوار توفیق الجلیل فی اخبار مصر ص ۵۸ ۱۲۸۵ھ

جلد ۲ ص ۴۵۵ سوال نمبر ۱۶-۱۹

پچاس ساٹھ برس کے عرصہ میں اس دھیمی آواز میں اور بھی ضعف آ گیا ہے۔ آج سے دس بارہ برس پہلے ایک کتاب لکھی گئی تھی جس میں تسلیم کر لیا گیا تھا کہ ہر ایک سوس توڑا توڑا نہیں تھے۔ بلکہ سامی عرب ہی اس میں شامل تھے۔ اس کتاب کی عبارت یہ ہے۔

بعض اشخاص کی مشابہت شکل سے بغیر کسی تاریخی اور اثری دلیل کے قومیت کا فیصلہ عجیب ہے۔
اور اس لئے یہ آواز ہمیشہ بالکل غیر سموع رہی ہے۔ تازہ ترین خیال جو برٹش میوزیم انجینئرنگ کا
MUSEUM
MU BRITISH EGYPTION GUIDE
(دلیل نامہ آثار مصریہ) اور انسائیکلو پیڈیا
(ENCYCLOPEDIA) طبع یازدہم مضمون ایکبت (EGYPT) کو پڑھ کر متفقہ تسلیم شدہ نظر آتا ہے
ہو۔ کہ ایکبت سوسا متحدہ سماجی تھے۔

۵) آثار میں ان کے مجسمے کا عربی شکل و لباس میں ہونا۔

(۷) عرب مصر کے قدیم تعلقات۔

(۸) ہیک سوئس کے جو اوصاف بتلائے گئے ہیں انکا بعینہ عربوں میں موجود ہونا۔

(۹) تورات کے قرائن و اشارات۔

(۱۰) علمائے آثار کی تائید۔

(۱۱) مؤرخین یورپ کا علی الاکثر بیانات قدیمہ سے انکی عربیت کی تصدیق

ان تمام مباحث و مطارحات کے بعد ہم سب سے آخری قطعی اور فیصلہ کن شہادت خود اس قوم کی نقل کرتے ہیں جس نے شمشو کو اپنے ملک سے نکال کر اعتراف کیا ہے کہ وہ خود "شاشو" کو کیا سمجھتے تھے مصر کا قدیم بادشاہ ہمیں سویم اپنے ایک کتبہ میں اپنی ایک فتح کی نسبت لکھتا ہے۔

"میں نے سامعیر کی قوم کو جو شمشو کے قبائل میں ہیں برباد کر دیا"

لہذا قدما مصری ہیک سوئس۔ (جس کا مترب ہق قصو ص ہے) کی تحقیق میں اتنی کہ دکاوش صرف دو ایک مستشرقین اور جدید محققین کے غلط تفسیر پیدا کر دینے کی وجہ سے لاحق ہوئی۔ وہ مسئلہ زیر بحث کا ہر پہلو صاف ہو چکا تھا۔ مشروروسی لینی کے زائد از عقل اور غیر محققانہ تفکر نے اس میں محض خفیف سا شبہ اور بال پیدا کر دیا تھا جسکو نہ اس کے بعد مستشرقین نے قابل قبول سمجھا اور نہ زمانہ حال کے محققین نے۔ اسلئے اب اس بحث پر زائد قلم فرمائی کی ضرورت نہیں۔ لیکن اتنا لکھنا ضرورت سے زائد نہ ہو گا کہ مشروروسی لینی اور ان کے بعد و دوسرے پندہ خیالوں کو یہ شبہ کیوں واقع ہوا؟ صرف اسلئے کہ علم القدامت کے یورپین محققین کا یہ مسئلہ قرار پا چکا ہے کہ دنیا کی تمام اقوام و قبائل کا اول موطن و مسکن وسط ایشیا ہے۔ یہیں سے تمام اقوام عالم میں وہ پہلے ہیں۔ اسی خیالی کی بنا پر اس نے ہیک سوئس یا شمشو کو بھی تورانی النسل بتلایا ہے۔ مگر اس کی رائے کا فائدہ اسی سے ثابت ہے کہ ان کثیر التعداد قبوتوں کی موجودگی میں کہ ہیک سوئس اصل سامی الاصل ہیں۔ وہ ان کے خاندان تورانی بتلانے پر جرأت نہ کر سکا اور ان کو سامی اور تورانی نسلوں کا مجموعہ بتلا کر ایک غلطی کا نسل قوم قرار دیتا ہے۔ حالانکہ ایسا قیاس اس کی تاریخ قدیم سے بالکل عدم واقفیت بتلاتا ہے کیونکہ تاریخچی دنیا میں اس وقت تک قومی اختلاف کا زیادہ قیام نہیں ہوا تو قومی اختلاف انسانی کا زمانہ اس وقت ابھارے حال اگر ہم اس کے اس خیال اور اسکی اصل بنا کو تسلیم ہی کر لیں تو اسکو جانا چاہیے کہ تمام قدیم یورپین عرب کا یہ شفقہ دعویٰ ہے کہ انکا ملک اور وطن۔ جزیرہ نما ہے عرب سمیرا عالم کا قلب ہے یعنی وسط عالم میں واقع ہو پہلے زمانہ میں یورپین مؤرخین و محققین عربوں کے اس دعویٰ کو زانی ستافرت بجا سمجھتے اور نہتے تھے۔ مگر اب عربی محققین کے اس مسلک کا خود اقرار کرتے ہیں۔ مشروروسی۔ جی ہو کار تھ اپنی کتاب پیشتر میں ان ارمیا میں لکھتے ہیں کہ در عرب در حقیقت دنیا سے قدیم کے قلب میں واقع ہو۔ جلا ص ۴۷ جب عرب کا وسط ایشیا چونا شامیت ہو گیا تو پھر تورانیوں کی قدیم الاتواری کا مسئلہ اور دعویٰ عربوں کے مقابل تسلیم نہیں ہو سکتا ہے۔ قدامت کے اعتبار سے وہ خود ہی تھے جو اس زمانہ میں شمشو یا ہیک سوئس کہہ جاسکتے تھے۔ المولف عفی عنہ

ساعیر سے مقصود اہل ساعیر ہیں جو شمالی عرب میں ایک کوہستانی مقام ہے اور جہاں اودنی عربوں نے ایک حکومت قائم کی تھی۔ توراۃ میں کوہ ساعیر کا نہایت کثرت سے ذکر ہے۔

عرب سامیہ مختلف ممالک میں

(سیریا، شام، ایران، فنیقیہ، قزاقانہ، کریت، اور یونان میں)

عرب سامیہ اولیٰ رعاۃ اولیٰ (کان ممالک میں گذرنا یہاں کسی حکومت کی تھامیں۔ ایک تعجب انگیز واقعہ ہے لیکن غیر معقول نہیں ۱۲۰۰ ق م میں بابل کی جگہ اسی ملک میں اسیریا کی حکومت قائم ہوئی۔ ایران اوسوقت تک کوئی مستقل ملک نہیں تھا۔ اسیریا اور بابل کا ایک جزو تھا۔ فنیقی (فینیشین) شام، فلسطین کے ساحل بھرا بیٹھیں پر آباد تھے۔ توراۃ میں انکو آرامی کہا گیا ہے۔ یہ دنیا کی سب سے پہلی تاجر اور یورپ کا سفر کرنے والی قوم ہے اور یہی وہ قوم ہے جس نے قدیم یورپ میں تہذیب کی روشنی پیدا کی۔ اس نے ایک طرف افریقہ کی زمین شور میں کار بھیج تمدن کی تخم ریزی کی۔ اور دوسری طرف یورپ کے ہرستان (یونان) میں تہذیب و تمدن کی آگ روشن کی۔

ان مباحث پر تفصیلی بحث تو طول کلام ہے۔ مستند چند کتابوں کے حوالوں پر لکھا جاتا ہے۔ اسیریا۔ اسیریا کے متعلق کے متعلق سب سے آخری بحث میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سامی قوم تھی اور یہ معلوم ہے کہ وہ خلیج فارس کے سواحل عرب سے ٹھیک اسی راستہ سے بابل آئی تھی۔ جس راستہ سے اس سے پہلے دور میں عادیام سامیہ اولیٰ کا گذر ہو چکا تھا۔ اس بنا پر حقیقت میں اسیرین نسلاً عرب تھے۔ اور اسیریا کی آخری تاریخوں میں اسکے دلائل ہر جگہ ملیں گے۔

ایران۔ ایران کی قدیم تاریخوں میں مذکور ہے کہ جمشید کے بعد ضحاک تازی ایک عرب (خاندان ضحاک) بھجنا چاہتے (ہزار برس تک ان پر حملہ مستکی۔ ہمارے مورخین کہتے ہیں کہ ضحاک بن کے ایک بادشاہ کا نام تھا۔ لیکن تاریخ اور اثر اس زمانہ قدیم میں یمن کا براہ راست ایران پر حملہ اور حکومت کرنا معلوم نہیں اسکی صحیح توجہ یہ ہے کہ یمن کے سواحل خلیج عرب سے ہو کر اسیریا میں جو عرب خاندان حکمران تھا۔ وہ ایران پر حملہ آور ہوا اور ایک مدت تک اوسپر حکومت کی۔ ایران کا بابل و اسیریا کی حکومتی میں میڈیا کے عروج تک ۶۰۰ ق م تک رہنا ایک مسلم واقعہ سمجھا جاتا ہے۔

SCIENTIFIC REVIEW AMERICA OF 1914 VOL II

ROGERS'S HISTORY OF BIVLE VOL II (ASYRIA)

فردوسی ذکر ضحاک تازی۔

اسیریا کا دور وجود منسلق م اور زمانہ عروج منسلق م سے منسلق م تک ہے۔
 فنیقیہ، فنیقی، سواحلی، سحر، بیض پر آباد تھے۔ نائران کے دارالحکومت کا نام تھا۔ اورایشیا سے لیکر یورپ
 تک تجارت قدیم کے مالک تھے۔ عبرانی نام ان کا ارامی ہے۔ آثار کے روستے ہی یہ تصدیق ہوتی ہے
 کہ ان کی زبان۔ مذہب اور رسوم تمامتر سامی ہیں۔ اس بنا پر اہل فنیسیہ کے تمامتر کارنامے اہل عرب کی
 طرف راجع ہوتے ہیں۔

قرطاجنہ۔ جہاں اب تونس آباد ہے۔ انھیں فنیشن یا ارامی عربوں کی آبادی تھی جس کو اب عام طور
 سے کارتھیج (CARTHAGE) کہتے ہیں۔ ان ارامی عربوں نے یہاں ایک عظیم الشان حکومت
 کی بنیاد ڈالی جس سے رومہ الکبریٰ کی حکومت بھی لڑ گئی۔ ہنبال وغیرہ اسی خاک کے فرزند تھے۔
 یونان و کرٹ۔ یورپ کا سب سے پہلا تمدن ملک یونان ہے اور یونان کا تمام تمدن و علوم و
 خط فنیسیہ سے اخذ ہیں۔ اور یہیں سے اوس کی ترقی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے اس مسئلہ پر
 روشنی پڑ سکتی ہے کہ عربی اور یونانی میں کیوں لازم تمدن و اشیاء تجارت کے بہت سے نام
 مشترک ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ یہ مسئلہ ہے کہ عربوں کی براہ راست آبادی یورپ کے شہر
 یونان و کرٹ میں تھی۔ بلینی ایک یونانی جغرافیہ نویس اہل معین واقع بین کے متعلق لکھتا ہے کہ "معین کے
 لوگ اپنے کو مینوس شاہ کے خاندان سے بتاتے ہیں" ایک دوسرا یونانی مصنف اسٹرابو جزیرہ یوہیا (ملاکت
 یونانی کا ایک جزیرہ) کے قدیم باشندوں کی نسبت لکھتا ہے کہ یہاں کی آبادی ایک عرب "نوا آبادی تھی
 جو قید موس کے ساتھ یونان میں تھی

ہم ان فقرہوں کا احصال کرتے ہیں کہ عرب تاجر قدیم زمانے میں یونان تک پہنچ چکے تھے۔ اور
 وہاں اپنی کوئی تجارتی نوآبادی بھی قائم کر لی تھی۔

عرب البائدہ۔ اہم سامیہ عداوی کے آخری نتائج

(ان الله لا یغیر لھن حق لا یغیر ما بانفسھن)

مذکورہ بالا مباحث و مشاہد سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عداوی۔ اہم بن سام کی اولاد سے ہیں۔

۱۔ تاریخ طبری جلد ۱ ص ۹۸۔

۲۔ ان بیانات کے لئے دیکھو۔ سوال۔ لے انگ ص ۱۶۔

قرآن مجید ہی ان کے نبی حقیقت کی تصدیق کرتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِيمَ ذَاتِ الْإِغَادِ
الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ
(فجر)

تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے اُس عا د ا ر م کے ساتھ کیا کیا۔ جو بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے جن کی نظیر دُنیا میں نہیں پائی گئی۔

بعض حقیقت سے ناواقف اور تاریخی مشاہد سے نا آشنا مفسروں نے لفظ ارم کی اصلیت اور واقعیت سے ہٹ کر اس سے ایک عجیب و غریب تپاسی باغ مراد لیا ہے۔ شہ آد ابن عا د کو اس نمونہ باغ رضوانی کا بانی بتلایا ہے۔ اور اپنی طبیعت کے مذاق اور خیال کے انداز پر اس کی زیب و زینت حسن و آرائش کے متعلق غایب ارامستان اور بیرون اذبیان ساز و سامان ترتیب دئے ہیں۔ مگر حقیقتاً یہ اون بزرگوں کی عقیدہ مند غلط فہمی ہے۔ ابن خلدون نے اس موضوع پر ایک جداگانہ اور محققانہ بحث لکھی ہے۔ اسکی چند توجہات ثبوت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) ہم نے ابن خلدون سے (دعوئی کیا ہے کہ عا د ا ر م سامیہ کے ہم معنی یا تقریباً ہم معنی ہیں۔ نیز یہ کہ وہ ایک عظیم الشان حکمران قوم تھی۔ قرآن مجید میں اسکی تائید ان الفاظ میں آئی ہے۔

وَإِذْ كُنَّا إِذْ جَعَلْنَا خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ
(اعراف)

عا د کے لوگو! یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اوس نے قوم نوح کی تباہی کے بعد تمکو خلافت (حکومت) دی

یہ مسلم ہے کہ عرب اور اوس کے جواز و مضافات میں نوح کے بیٹے سام کی اولاد (اہم سامیہ) سکونت پذیر ہوئی تھی۔

(۲) عا د کی عظمت و جلالت اور سیاسی تفوق کے مفصل بیانات گذر چکے ہیں۔ ان کو دعویٰ تھا کہ مِثْلُ مِثْلِ قُوَّةِ عَمِّ سَجْدَہ (بڑا رتوت والا) روئے زمین پر آج کون ہے۔ ان کے پیغمبر (حضرت ہود) نے ان سے کہا کہ تیری قوت سب سے زیادہ ہے (سورہ ہود) عجب نہیں کہ خدا تم سے لیکر اپنی خلافت کسی دوسری قوم کو عطا کر دے۔

گذشتہ بیانات سے ان کی ثروت و دولت تو معلوم ہو چکی تھی۔ قرآن مجید کے موجودہ الفاظ سے ان کے مغرورانہ تمول و مقدرت کا اعتراف ظاہر ہے۔

(۳) عا د بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کی متعدد مقامات پر توثیق کی ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِيمَ ذَاتِ الْإِغَادِ
الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ

تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے اوس عا د ا ر م کے ساتھ کیا کیا۔ جو بڑی بڑی عمارتوں والا تھا جسکی نظیر دُنیا میں نہیں پائی گئی۔

ثابت ہونے لگا۔

تدبر قدرت ایسے وقت میں کیا کرتا ہے؟ ایسے عالم میں عادت الہیہ قدیم سے جن عملی صورت میں جلوہ آ رہی تھیں۔ وہ قرآن مجید کے ان الفاظ سے ثابت ہے۔ **مُسْنَةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ مَخْلُوعِينَ قَبْلَ رَكْنٍ لِحَدِّ لِسْنَةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا**۔ خدا کا قانون گذشتہ قوموں میں ہی یہی تھا۔ اور خدا کے قانون میں تبدیلی نہ پادگئے۔ وہ قانون خداوندی کیا ہے؟ پہلے ہدایت پھر سرکشانہ ناشنوائی کے بعد عقوبت

اخلاق الہیہ کے اصول کے مطابق ان کی ہدایت اور اصلاح حال کے لئے تدبر قدرت نے ان کی روحانی درستی و ترمیم کا ارادہ کیا اور انھیں کئے قوم و قبیلہ سے انکسار صلح اعظم پیدا کیا۔ اپنے اس قانون اخلاق کو الفاظ الہیہ یوں بیان کرتے ہیں **وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ مَعَهُ نَذْنَبُكَ سِرًّا كَلَامًا** اور ہم کسی قوم کو اس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتے ہیں جب تک ان میں پیغمبر نہ بھیج لیں۔

حجت الہی کی تذکرہ بالا منزل اول تمام ہو جانے کے بعد جب کسی قوم انسانی کی شامت اعمالی اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ وہ ان اخلاق الہیہ کی توفیر کی جگہ تحقیر کرنے لگتی ہے۔ اور اس معلم روحانی کی ایذا دہی پر تیار ہو جاتی ہے جو ان کی تعلیم تلقین اور تسکین کے لئے خاص کر مبعوث کیا جاتا ہے۔ تو ایسے وقت میں اس کی رحمت غضب سے بدل جاتی ہے۔ اس کی قوت جبروتی فنا و ہلاکت کی مختلف صورت میں ظاہر ہو کر ان کی بستیوں کو خاک سیاہ اور ان کی ہستیوں کو تباہ کر ڈالتی ہے اس وقت ان کی حالتوں کا یہ عالم خاص ہوتا ہے **كَأَنَّهُمْ يَخْلُكُنْ لَهُمْ حُبُّنَآ وَكَآفِرَآءُ** ان کے لئے دوزخ جانا یا بھگا کہ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ نہ جانے ماندن نہ پائے رفتن۔ نہ معین نہ مددگار نہ کوئی **لَهُمْ كَلْبٌ ذُكِرُوا** عداوتی کی بعینہ ہی کیفیت اور یہی عالم اس زمانہ میں ہو رہا تھا۔ راحم ازیلی اور شفیع حقیقی نے ان کفر شعاروں کی اصلاح کی غرض سے حضرت ہود کو منصب رسالت پر مبعوث فرمایا۔ اور کلمہ الہی کے اس داعی نے ان الفاظ میں حقیقت کی آواز ان کے کانوں تک پہنچائی۔

وَاللّٰی عَادُوا۟ مَنَاہُکُمْ مُّہُوۡدًا قَالِ لِقَوْمِیۡٓ اِذَا بَرَأۡتُم مِّنۡیَ اٰیٰتِیۡ سَآءَ مَا کُنْتُمْ عَلَیۡہِہٖۤ اٰتِیۡنَہٗ	قوم عاد میں انکے بھائی حضرت ہود مبعوث فرمائے گئے انہوں نے
مَنَاکُم مِّنۡ اِلٰہِ غَیۡرِہٖ	تمام قوم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ اچھیری قوم۔ خدا کو پوچھ
	اوسکے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں کیا تو ڈرتی نہیں۔

قوم عاد کا وہ کافر فرقہ جو شدت کفر و نفاق میں تھا عذاب آشد کفر و نفاق۔ رعب الباندہ کفر و نفاق میں شدید ترین قوم تھے) کا پورا مصداق تھا۔ اپنی لاناہت شغوت و غرور میں چور ہو کر اس داعی کلام الحق سے برسرِ منظر ہوا۔ اور اپنے گستاخانہ مکالمہ کی جواباً اس دریدہ دہنی اور شوخ چشمی سے ابتدا کی

قَالَ يَقُومُ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَلَيْسَ كَمَا سَلَتْ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ أَوْ تَجِدُونَهُ دَكْرَةً مِّنْ دُونِ سُلَيْمٍ مِّنْ لَّدُنْكُمْ فَادْعُوهُ إِذْ يَخْلَعُ خِلْعًا مِّنْ لَّدُنْهُ فَاصْبِرْ وَسِرَّاكُمْ فِي الْخَلْقِ بَعْضُهُ فَاذْكُرُوا الْآيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَفْقَهُونَ

اعزاز

منکرین نعمت الہی احسانات خداوندی کی یاد دہانی کا کیا جواب دے سکتے تھے۔ اوسکو تو گول کر گئے۔
مگر اپنی کافرانہ تقریر کو ایک نئی تعریف کے طریقہ سے شروع کیا۔

کافروں نے جواب دیا کہ کیا تو اسے ہمارے پاس آیا کر کہ ایک
ہم خدا کو پوچھیں اور میں کو ہمارے بزرگ پوچھتے تھے اذن کو
چھوڑ دیں جس خدا کا تم دعویٰ کرتے ہو اگر تم سچے ہو تو
لے آؤ۔

قَالَ اَلَمْ اَعْطَيْنَا الْغَنِيَّ الدَّهْرَ وَنُدَّيْنًا
لِيُعْبَدَ اَبَاؤُنَا فَاَيُّهَا الْعَبْدُ نَا اَيُّ كُنْتَ مِنَ الصَّافِيْنَ
اعراف

تو کہلا کر اُس پر غلامی ہی کے زور کو یقینی بنا دیا۔ جو
پیغمبر نے کہا۔ تمہارے پروردگار کا عذاب غصہ تم پر آگیا کہ
تم تجھے سے اُن چند ناموں کے لئے ہنگامے ہو جن کو تم
نے اور تمہارے بزرگوں نے خود رکھ لیا ہے۔ غلامی کا اشتہار
اوس کے لئے ویس نہیں آتا ہی۔ غلامی کا اشتہار
اور میں بھی تمہارے ساتھ اشتہار کرتا ہوں۔ اعراف ۱۰

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رُجُوبٌ وَغَضَبٌ
يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا
شَاءَا تَشَاءَانِ وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا
مِنَ الصَّالِفِينَ

اخلاق اور ایمان ہرگز نہیں نکلا کہ ایک سرکش قوم ہے ایک بار ان کی کفر شعاری کے ترک

اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو وراثت ہدایت کی
اور تیری طرف بلایا مگر میرے بھانسنے کا یہ اثر ہوا کہ میں نے
جتنا بلایا وہ اتنا ہی مجھ سے دور بھاگے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لِيُكْفِرُوا بِي فَلَمْ
يُزِدْهُمْ دُعَايَ اِلَّا فِرَارًا (نور)

اسی طرح رحمۃ اللہ علیہ علیہ وسلم کو ہدایت کی غرض سے حضرت یونسؑ کے قبیضہ غیظہ و طیش میں آجانے کا واقعہ ان الفاظ میں یاد دلایا جاتا ہے۔

ایک چھٹی برا بھلا پروہ روگوار کے حکم کے انتظار میں صبر کے ساتھ رہا۔
اور چھٹی واسے حضرت یونسؑ کی طرح نہ بچا کہ انہوں نے
مغلوبہ العقبہ ہو کر تلو پھارا۔

اذا دسى ريشه في شجره
فما شجرة الا شجرة

یہ دو زین شاملیں صبر و تحمل الہی کے کمال کو پورے طور سے بتلاتی ہیں۔ یعنی یہی مثال ہمارے موجودہ سلسلہ بیان میں کازین قوم عاد اور حضرت یونسؑ کی داستان و واقعات میں سمجھنا چاہیے۔
دو اثر مقامات پر قرآن کا سلسلہ بیان جناب ہودؑ اور ارون کے کافر قوم کے مکالمات کا ذکر کرنا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حجت الہی نے ایک مدت مدید تک ان گمراہوں کے سچا نہ کرنے اور

فہم سورہ ہود میں اس مقام پر ہے کہ جو لوگ اپنی قوم کے ان فاطمہ ہیں۔

إلى عاصم أخاهم هوذا القرآن من ربك
تبارك الذي لا يلهي عنه شيء

مَا لَكُمْ مِنَ الْإِلَهِ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِتْنَةٌ
لِقَوْمٍ لَا يُعْلَمُ عَلَيْهِمْ آجِلُ الْآلَاءِ الَّتِي
فَعَلْتُمْ بِنَفْسِكُمْ أَنْفِلْتُمْ تَقْسِرُونَ وَإِنِ
يَكُنْ مِنْكُمْ نَبِيٌّ لَيُصَدِّقَنَّ سِرِّي الْمَاءِ
مِنْكُمْ ثُمَّ تَوَلَّوْا إِلَيْهِ مُدْبِرِينَ لَئِنْ
مَدَدْنَا قُوَّةَ قَوْمٍ إِلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ يَلْقَوْا
فِتْنَةً

(ہود ۴۱) اے گمراہ میرے بھائیو! خدا کو پوجو۔ اس کے سوا
کوئی خدا نہیں ہے۔ دوسرے خداؤں کا نام تمہارا
صرف افتراء ہے۔ بھائیو! اس وعظ و نصیحت کا کوئی
معاوضہ میں تم سے نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو اس کے
معلق ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا۔ کیا تم نہیں سمجھتے ہو۔
بھائیو! خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ اسکی

طرف رجوع کرو۔ تو وہ آسمان سے تم پر پانی برسائے گا۔ اور تمہاری موجودہ قوت میں اور زور و قوت عطا فرمائے گا
گنہگاروں سے عذاب چراؤ۔

قَالُوا لَيْسَ بِهِ قُوَّةٌ وَمَا هُمْ بِبَشِيرِينَ وَمَا هُمْ
بِمُرْسِلِينَ إِنْ هُمْ إِلَّا قَوْمٌ لَّمْ يَلْقَوْا
فِتْنَةً

اس تنبیہ کی کہ خطاب کا اس یہود کی سے جواب دیا جاتا ہے۔
قوم کے لوگوں نے کہا۔ ہوؤ۔ تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہ لگا
میرے تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے بزرگوں کے خداؤں کو
چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تمہارا ایمان لانے والے
ہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض دیوتاؤں نے
مجھ کو پیدا کیا ہے۔

قَالَ إِنِّي أَنَا اللَّهُ وَأَشْهَدُ وَإِلَٰهِي بَرٌّ
يَا نَسْرُكَ بَيْنَ دُونِهِمْ قُلُوبُهُمْ فِي تَحْمِلِهَا
ثُمَّ كَمَا تَنْظُرُونَ إِنْ تَوَلَّيْتُ عَلَى اللَّهِ نَسْرِي
فَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآئِبَةٍ إِلَّا هُوَ أَخَذُهَا
بِنَاصِيَتِهَا إِنْ رَجَعْتَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
فَإِن تَوَلَّيْنَا فَقَدْ أَبَغْضْنَاكَ مَا أَرْضَيْتَ بِهِ
الْإِسْلَامَ وَاسْتَبَدَّ سَائِرُ قَوْمٍ مَا غَيْرُكُمْ وَلَا
تَقْرَبْنَهُ شَيْئًا إِنْ رَجَعْتَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صبر و تحمل کا سراپا لیو۔ خدا کا سچا پیغمبر ان شونخ چشموں کو نرمی سے خیر خواہانہ جواب دیتا ہے۔
ہوؤ۔ اے خدا کو کو اور تھرا تو ہوں اور تم بھی گواہ رہنا
جس کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو میں اس سے بالکل بی
ہوں۔ تم سب مکر میرے لئے سازش کرو۔ ہر مجھ کو ملت نزد
میں نے خدا پر ہر سہ کیا ہے۔ جو میرا اور تمہارا دونوں کا پروردگار
ہو۔ کوئی چٹھہ نہ لایا میں کی پریشانی نہ چٹھہ اس کے دھوکے
نہیں۔ میرا پروردگار صحیح راستہ پر ہے۔ تم اگر انکار کرو تو میں جو
پیغام لیکر تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ تم کو پہنچا چکا۔ خدا
تمہارے سوا کسی اور کو حکومت بخشنے کا تمہارا کچھ بھی نہیں
کے۔ میرا پروردگار میرے حق پر کا فیضان فرماتا ہے۔

(ہود ۲۰)

(ہود ۲۰ ع ۱۰)

وہ بے دین ضد ہی لا پرواہی سے کہتے ہیں۔
 قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا أَوْ هُوَ أَوْ لَا يَأْتِنَا
 إِنَّا هَذَا آلَ الْخُلُقِ الْأَخْيَرِ لَقَدْ جَاءَنَا بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكَ
 (الشعراء)

قوم نے جواب دیا کہ خواہ تم وعظ و نصیحت کرو یا نہ کرو۔ ہم
 ماننے والے نہیں ہیں۔ یہ اگلے زمانے کی عداوت ہے ہم
 پر کوئی عذاب نہیں آئیگا۔ (الشعراء)

اونکی کافرانہ ضد اور منکرانہ مہٹ کا بالآخر نتیجہ کیا ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فَلَمَّا دُكِّرُوا فَأَهْلَكْنَا هُمُ أُولَئِكَ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةٌ وَمُكَامَاتُ
 أَكْثَرِهِمْ مُّوَسِّعِينَ

ان لوگوں نے پیغمبر کو دھوکا دیا۔ تو ہم نے انکو برباد کر دیا۔ اس واقعہ
 میں عبرت کی نشانی ہے۔ یہ لوگ اکثر ایسا نڈر نہیں تھے۔

پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ آیات مذکورہ بالا میں قوم عاد کی بربادی کے تین سبب بتلائے گئے اور وہ ایسے
 ہیں جو عموماً تمام اقوام عالم کی تباہی کے ہمیشہ باعث ہوتے چلے آئے ہیں۔ وہ اسباب یہ ہیں۔ غرور
 قوت۔ ظلم و جور اور کفر و السخاؤ۔ ذیل کی تفصیل سے معلوم ہو جائیگا کہ اون کی تباہی سے پہلے یہ اسباب
 اون میں کثرت اور شدت سے موجود تھے اپنے پہلی مفاخرت یعنی غرور قوت کے اظہار میں وہ ہموڑ سے
 کہتے ہیں۔ ہمیں کس سے ڈرنا ہے۔

مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً

اجی! قوت و زور میں ہم سے کون بڑا ہے۔

حضرت ہود بتائے بغیر کی سمجھاتے ہیں کہ تمہاری قوت مسلم۔ تمہارا دعویٰ صحیح۔ لیکن اگر خدا کی اطاعت
 عقیدت اختیار کرو گے اور اُسکے بتائے ہوئے طریقہ پر چلو گے تو اس کے عمل میں۔
 يَزِدُّكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ۔
 خدا تمہاری قوتوں کو اور قوت عطا فرمائے گا۔

لیکن وہ بے سمجھی سے نہ سمجھے۔ نہ سمجھے۔ خدا اونکی بے سمجھی کی حقیقت دکھاتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ
 قُوَّةً

کیا وہ نہ سمجھے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ اون سے
 ہی زیادہ قوت والا ہے۔

غرور قوت کے شائبہ میں۔ تعداد افراد۔ تعداد اوج سے لیکر تعداد ادواب (موشی) تک پر انکو
 پورا غرور اور امانیت حاصل تھی حضرت ہود اون کی اس بیجا مفاخرت اور غرور و نخوت کے مشاہدہ پر
 ارشاد کرتے ہیں کہ ان دنیاوی نعمتوں کے حصول پر ظہار تشکر کرنا چاہیے نہ استغفار تکبیر۔ ارشاد ہوتا ہے۔
 وَالْقَوْلَ الذِّي آمَنَّا بِهِ مَا تَعْمَلُونَ بِالْإِنْعَامِ وَ
 مَنَاقِبِهِ وَبِحَبْلِ وَعَدِيقٍ۔
 اور خدا کا خیال کرو۔ جس نے تم کو وہ چیزیں عطا کیں جو
 تم خود جانتے ہو۔ موشی۔ اولاد۔ باغ اور چشے۔
 اور تمکو خلق میں وسعت عطا فرمائی۔

وَمَا كُنَّا فِي الْخَلْقِ لَبِطَةً

ظلم و جور کے متعلق تمام ملک میں اون کی شکایت پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ حکومت و جہان بینی کے لئے اتنا مفسر ہے۔ کہ اسکے مقابل میں کوئی عیب یا زیادتی مملکت کو اتنا جلد نقصان و تباہی نہیں پہونچا سکتی۔ اوس زمانہ میں ان کے مظالم اور مفسد کی کوئی حد باقی نہیں رہی تھی۔ حق ناحق دیگر اقوام و قبائل کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اور ان تمام عیوب پر نہ تکتے پھرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دنیا بھر میں ہم ہی ہم ہیں۔ انکی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

أَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِإِسْمِ اللَّهِ يُخْبِرُ الْخَبِيرَ
قَالُوا مِنْ أَسَدٍ قُوَّةٍ | لیکن عاد نے روئے زمین پر بلا استحقاق غرور کیا۔ اور کہا کہ ہم سے کون زور و قوت میں بڑا ہے۔

ان تمام قبائل اور معائب پرستزاد اون کا کفر و اسداد تھا جس کے ترک کر دینے کی نسبت ابتدا ہی سے علی التواتر و التماس اوس معلم روحانی نے اونکو موعظت فرمائی۔ اون کے چند خطبات و مواظبات حسب ذیل ہیں۔

يَقَوْمُ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ - (اعراف)
لَقَوْمٌ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ
إِنَّ أَنْتُمْ لَكَا مُفْتَرُونَ - هود
بھائیو خدا کو پوجو۔ اوس کے سوا کوئی خدا نہیں کیا پرہیزگار بننا نہیں چاہتے ہو۔
بھائیو۔ خدا کو پوجو۔ اوکے سوا کوئی خدا نہیں۔ دوسرے خدا کا نام تمہارا افتراء ہے۔

ان تمام فہمائش اور سب و نصائح کا جواب ایک ہی ملتا تھا۔ نہیں۔ وہ بھی اس جہالت کے انداز اور شامت کے الفاظ میں۔

قَالُوا لِهَودٍ مَا جِئْنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ - هود
کاذبوں۔ اے ہود تم تو میرے پاس کوئی حجت نہیں لائے صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔

اخلاق عظیم الہیہ اور الطاف عمیم قدس کے اصول و شان کے مطابق کافرین عاد کے ایسے انکار صاف پر ہی اوس منعم حقیقی نے احکام انتقام تو نہ جاری فرمائے بلکہ التواتر و مہلت کے اور اون کو ایام دئے اور جناب ہود کو ایک بار پھر اون سے محبت تمام کرنے کا حکم ہوا۔ اور اونہوں نے سمعاً و اطاعتاً کہہ کر ان سے بھجوں کو آخری بار ان الفاظ میں سمجھایا۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ
وَسَيُخْلِفَ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ إِنِّي أَخَافُ تَعْلِيَكُمْ
اگر آخر اضل کیا تو میں تمکو جو پیغام دیکر بھیجا گیا تھا پہونچا چکا خدا تمہارے سوا کسی اور کو حکومت دینگا۔

عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ۔ (احقاف و شعراء) | میں دیتا ہوں کہ تم پر عذاب سخت آئے۔

خدا کی نجات تو تمام ہو گئی مگر اون کی یہ سختی کی مدت نہ تمام ہوئی۔ اور وہ اپنی شامت اعمال سے اب بھی باز نہ آئے تو اس منتقم مطلق نے ان کی جگہ دوسری قوم کو منتخب فرمایا۔ اور اس ظالم اور مفسد قوم کو ان کے الاک و مقبوضات کے اندر اور باہر تباہ و برباد کر دیا۔ بیرونی علاقہ جات میں تو قومی ترغیم نے تلواروں سے مار گرایا اور ضمیر احقاف اور اس کے توابج مضافات میں ریح عقیم جہاں دینے والی ہوا اور جلتی ریگ کے طوفانوں نے مار کر دفن کر دیا۔

وَأَنْتَظِرُ أَوَّلِيَّكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ (انتظار وقت کرتے جاؤ اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر نواںوں میں ہیں) کی مدت تمام ہو گئی اس منتقم حقیقی کے انتقام کا دن آ گیا۔ بڑا غضب ہوا رحمت جلال میں کی نزول عذاب کی صورت کا مرقعہ الفاظ قرآنی نے یوں کہنی چاہے۔

جب انکو باد صرصر کا عذاب ایک بادل کی صورت میں جسکا ریح انکی وادیوں کی طرف تھا۔ نظر آیا۔ تو بولے یہ ہکو سیراب کرنے والا بادل ہے۔ نہیں بلکہ یہ وہ ہے جس کی اسے گنہگاروں کو جلد ہی تھی۔ یہ ہوا ہے جس میں درفناک عذاب (مزموج) ہے۔ جو اپنے خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے۔ پھر وہ ایسے نیست نابود کر دے گا کہ انکے گروئے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا۔

فَلَمَّا رَأَوْا غَائِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا غَائِضٌ مُمِطِرٌ نَّابِلٌ هُوَ مَا سَتَعْلَمُ بِهِ سِرِّيهِ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ تَذْمُرُ كُلُّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَكِنُهُمْ (احقاف)

باد عقیم یا ریح صرصر کی حقیقت اور اس کے ملک، ترجمان کئے گئے ہیں۔

لیکن عاد۔ وہ تو باد صرصر سے برباد کر دئے گئے۔ خدا نے سنا رات اور آٹھ دن تک اس پر جڑ کاٹنے والی ہوا کو مسلط کر دیا تم اس ہوا میں اس قوم کو اس طرح افتادہ دیکھتے ہو۔ جیسے وہ کسی کو کیلے درخت کی جڑ تھکے۔ کیا اب اون میں کا کوئی تمکو زندہ نظر آتا ہے۔

أَمَّا عَادُ فَاتَّبَعُوا إِبْرِيْمَ صَرَصٍ عَائِيَةً سَمَرًا هَا عَلَيْهِمْ وَ سَبْعَ لَيَالٍ وَ ثَمْنِيَةَ أَيَّامٍ مُّصَوِّمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صُرْخَى كَأَنَّهُمْ أَجْمَعُونَ خَاوِيَةً فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ (الحاقة)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے۔

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ السَّيْحَ الْعَقِيمَ مَا نَذِرُ مَنِ اسْمُ آتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا يَجْعَلُهُ كَالْهَاسِمِ۔

اور عاد (کے حالات) میں جبریں ہیں جب ہم نے ان پر عذاب بھیجا جو ایسی تھی کہ جس شے پر اسکا گذر ہو جاتا اسکو بوسیدہ ہڈی طرح کر چھوڑتی۔

احقاف وہ عظیم الشان ریگستان ہے جو سیکڑوں میل تک وسیع ہے اور اب اسکو الریح السخالی کہتے ہیں۔ یہی عاد اولی کا قدیم مسکن تھا اور آخر میں انکا مدفن ہی قرار پایا۔ نزول عذاب کا بھی یہی مقام ہے۔ صورت عذاب ہی الفاظ قرآنہ سے معلوم ہو چکی ہے۔ وہ مسلک ہوا۔ ایک ہفتہ رات دن برابر جلکر ہزاروں کیا لاکھوں کی شمع حیات کو گل کر گئی اور صبح کو ختم عذاب پر سوائے خاک کے ڈھیر و اور خالی گھروں کے تمام علاقہ میں کچھ ہی نہیں تھا۔ یہ ہولناک منظر الفاظ الہیہ میں یوں دکھلایا گیا ہے۔

فَاَصْبَحُوا بَرِحًا لَّامُسًا كُنْهَم (احقاف)
فَتَرَوْا الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَانَهُمْ اَعْيُنُ الْحَافِلِ خَالِيَةً
فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ (الحاقہ)

صبح کو سوائے سکانات افتادہ کے اور کچھ نظر نہ آیا۔
ابن ہوا میں یہ قوم اس طرح افتادہ تھی۔ جیسے کہو کیلے درخت کی جڑ ہو۔ کیا اون میں سے کوئی زندہ نظر آتا ہے۔

نزول عذاب کے وقت احقاف کی حدت ہوا کی جیسی شدت بڑھ گئی ہو۔ اور سکا اندازہ تو اسوقت امکان سے قطعاً محال ہے مگر ہاں اسوقت تک یہی جو بادِ سوم کی کیفیت ہوتی ہے وہ سٹریا لکریو۔ پورپین سیاح و محققین کے چشم دید بیان سے ذیل میں مندرج ہے۔

دوپہر تھی۔ جنوب کی طرف سے دفعتاً ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ ہوا کی تیزی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ میرے عصب رقیق نے اپنے چہرہ کو کپڑے سے لپیٹ لیا۔ اور اونٹوں کو مار مار کر تیز کرنے لگے۔ لیکن اونٹ بار بار بیٹھ جاتے کی کوشش کرتے تھے۔ میں ذوقیوں کے واقعہ دریافت کیا۔ لیکن نہایت گہرا رست کے ساتھ صرف یہ جواب ملا کہ اگر سامنے کے خیمہ میں پہنچ گئے تو جان بچ جائیگی۔ اس آنت میں ہوا اور زیادہ تند و تیز ہو گئی۔ گرمی کی یہ شدت ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے دوزخ اتر آیا ہے۔ بالآخر کوشش کر کے ہم خیمہ تک پہنچ گئے۔ وہاں ایک عورت مونہ لپیٹے اونڈھی پڑی تھی۔ ہمارے اونٹ ہوا کے رخ سے مونہ پھیر کر ناک کو ریت میں گاڑ کر مردے کی طرح پڑ گئے۔ ہم ہی خیمہ میں جا کر مونہ لپیٹ کر اونڈھے پڑ گئے۔ تاریکی اتنی شدید تھی کہ رات معلوم ہوتی تھی دس منٹ تک تقریباً وہی حالت رہی۔ پھر ہوا اور گرمی میں تخفیف ہوئی۔ جب ہم اٹھے تو ہمارے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

PALGNE ADVENTURES OF ARABIA

اس محقق سیاح کے چشم دید واقعات سے عذاب الہی کی اوس شدت عظیم کا اسوقت تک اثر خفیف باقی رہنا ثابت ہو گیا۔ سب سے پہلے سطح زمین پر اس قوم قدیم کا آباد ہونا اور قومیت کے مجموعی

صورت میں قائم ہونا۔ اور مختلف اقطار عالم پر مسلط ہو کر حکمرانی کرنا غرض اُن کے وجود۔ اُن کے عروج و افتدار اور زوال و ادبار کے سارے حالات پوری تفصیل و تشریح سے بیان ہو چکے اور اب عاد اولیٰ با اہم سلسلہ قدیم کے تمام احوال ختم کر کے ہم اپنے سلسلہ بیان میں جناب ہود علیہ السلام کے مختصر حالات درج کرتے ہیں۔

جناب ہود علیہ السلام کے مختصر حالات

جناب ہود علیہ السلام ساتویں پشت میں سام ابن نوحؑ سے اس طرح ملتے ہیں کہ ہود بن عبد اللہ بن غلوط بن عاد اولیٰ بن عوص بن ارم بن سام۔ (طبقات ابن سعد) قوریت میں آپ کا نام عبیر اور بعض جگہ عابر آیا ہے جو تمام عبرانی قوموں کے مورث اعلیٰ قرار دئے گئے ہیں۔ سفر تکوین باب ۱۱۲۔ آپ کی رسالت کے مختصر حالات یہ ہیں۔

عوص کے بیٹے عاد اولیٰ نے بہت بڑی شہرت حاصل کی اور رفتہ رفتہ اُس کی اولاد ایک نامی قوم ہو گئی۔ اور تمام مشرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی۔ انہوں نے عالیشان مکان اور بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں اور اُس پاس کی قوموں کو اپنا محکوم بنالیا۔

خداوند عالم نے اسی قوم کی ہدایت کے لئے حضرت ہودؑ کو مبعوث فرمایا کہ خدا سے برحق کی عبادت کی ترویج اور بت پرستی کا استیصال کریں۔ لیکن جب اُن لوگوں نے اُن کے احکام ہدایت سے سرتابی کی۔ تو خدا سے تعالیٰ کا قہر عوجش میں آیا اور تین برس کا مسلسل قحط اُن میں پڑا اور اس سے نتیجہ نکلا کہ وہ لوگ آگاہ ہو گئے کہ خدا کے پیغمبر کا حکم نہ ماننے کی یہ سزا ہے۔ اس پریشانی کی حالت میں حضرت ہودؑ پہر تشریف لائے اور بت پرستی ترک کرنے اور خدا سے واحد کی عبادت کرنے کی از سر نو تاکید فرمائی اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو خدا سے رحیم باران رحمت نازل کرے گا مگر وہ اپنی گمراہی پر ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر ایک سخت طوفانی آندہ بھی نازل فرمائی جو اُن کے غضب و عذاب کی نشانی تھی۔ آندہ ہی کا طوفان سات رات اور آٹھ دن تک تمام اُس ملک میں اس زور و شور سے جاری رہا کہ ہزار ہا آدمی ہلاک ہو گئے۔ اور تمام قوم کا باشندہ اُن چند اشخاص کے جنہوں نے حضرت ہودؑ کا کھانا مان لیا تھا۔ قریب قریب کل کا استیصال ہو گیا۔ اور جو لوگ بچے وہ آخر میں حضرت ہودؑ پر ایمان لائے اور یہی لوگ عاد ثانی کہلائے۔ یہ واقعہ آفرینش عالم کے ہشتادویں اور دواہم عیسائی سے ستر سال قبل واقع ہوا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت موت کے علامہ میں حضرت ہودؑ مقیم ہوئے۔ اور وہیں انتقال فرما گئے۔

اور مقام پہنچ میں مدفون ہوئے۔ جہاں ایک چوٹا سا قریہ قبر ہوؤ کے نام سے آباد ہے اور سالانہ زیارت کا مقام ہے۔

عدن کے پاس عاد ثانیہ کی ایک کتبہ ملا ہے۔ اس میں ہود علیہ السلام کی اتباع شریعت کا تذکرہ ہے۔ اس کے ایک سامی زبان کے شعر کا عربی ترجمہ یہ ہے۔

تَقْبَلُكُمْ كُنَّا مِنْ دِينٍ مُسَوِّدٍ شَرًّا لَيْسَ
وَلَا نَحْنُ مِنْ بَلَايَا دَارِ الْبُعْثِ وَالنَّشْثِ

وہ ہمارے لئے ہود کی شریعت قائم کرتے ہیں۔ اور ہم احکام الہی اور بعث و نشر پر ایمان لائے ہیں۔

اس کتبہ کی مرقومہ بالا عبارت نے جہاں عاد ثانیہ یا عاد صالحین کی اہل ایمان اور ارباب مومنین ہونے کی تصدیق کر دی وہاں یہ بھی ثابت کر دیا کہ شریعت اسلامی کے موجودہ اصول جن سے بعض مذاہب عالم کو اس وقت تک انکار ہے وہ حقیقت میں تمام شرائع قدیم کے حقیقی اصول و اصلی ارکان تھے۔ جدیدیں۔ عرب کے توہمی دفتر کا یہ قبیلہ گویا سدس ہے۔ اور ائمہ قدیمہ سامیہ میں اس کا چٹا نمبر ہے۔ مگر افسوس اس قوم کا حال بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ بھی صحرائین تھے۔ اون کی اولاد امتداد ایام کے بعد اور اقوام صحرائی مثال بالکل معدوم ہو گئی۔

قوم ثمود یا عاد ثانیہ

حضرت موسیٰ سے سوا اہل خلیج فارس کے طول میں عراق تک۔ عرب میں حجاز سے حد و سینا تک اس قوم و قبائل کے لوگ آباد تھے۔ اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ہود نے مع اپنے متبعین و صالحین عاد کے عذاب سے نجات پائی۔ یہ آیات عرب میں ہے کہ وہ عذاب سے پہلے عاد کی آبادی سے نکل کر حجاز میں چلے گئے تھے۔ ان میں لقمان نام ایک نیک بادشاہ ہوا۔ اس کی عمر کئی سو برس کی بیان کی گئی ہے اور یہ کچھ شبہ نہیں۔ تمام قدیم قوموں کی ابتدائی تاریخ اسی قسم کے طویل العمر بادشاہوں سے شروع ہوتی ہے۔ اب اس قسم کی روایات مذاق زمانہ کے مطابق یہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس شخص کے خاندان میں حکومت کئی سو برس تک رہی۔ اور حجازاً بجائے خاندان کے خود اس شخص کا نام قرار دیدیا گیا۔ اس بنا پر لقمان کی عمر سے خاندان کی عمر مراد لینی چاہیے۔

لقمان کون بزرگ تھے؟ روایات عرب میں اس نام کا ایک مشہور و معروف شخص ہے جسے اب عموماً حکیم لقمان کہتے ہیں ان کی طرف حکایات و تمثیلات حکیمانہ کثرت سے منسوب ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اس کے چند نصائح کا تذکرہ ہے جن میں سے ہم چند اپنے سلسلہ بیان میں آگے تحریر کر چکے۔

عرب قدیم کا مشہور شخص لقمان اور زمانہ موجودہ کا حکیم لقمان اصلاً ایک ہی ہیں۔ اس اتحاد کا نہایت قدیم ثبوت یہ ہے۔ مشہور مورخ ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ جس کی سیرت آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں قدیم ترین تصنیف ہے اور تصنیفات موجودہ کے اعتبار پر عرب قدیم کا سب سے پہلا مورخ ہے کتاب التیجان میں جو مخصوص عرب قدیم کی تاریخ میں ہے۔ روایت کرتا ہے۔

وہب (ایک مشہور راوی) نے کہا کہ شذاد ابن عاذ جب مکیا کو حکومت اوس کے بھائی لقمان ابن عاذ کو ملی۔ خدا نے عاذ کو وہ سب کچھ دے کر کہا تھا جو کسی دوسرے کو اس زمانہ میں نہیں دیا تھا۔ اوسکو جو اس سو آدمیوں کے برابر دے گئے تھے۔ اور اپنے معاشر میں سب سے زیادہ بلند مقام تھا۔ ابن وہب نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ لقمان ابن عاذ ایسا ملطاط ابن السکاس ابن دائل ابن حمیر نسب نامہ صحیح نہیں) بنی بلک کتاب تھا۔

(ارض القرآن ص ۱۸۱ ج اول)

قال وھب فلما مات شذاد ابن عاذ صار ملطاط ابن اخیه لقمان ابن عاذ وکان اعطى الله لقمان مائت لحد غیره من الناس فی زمانہ اعطاه مائتہ من اجل وکان ملطاط یقارب اهل زمانہ قال ابن وھب قال ابن عباس ان لقمان ابن عاذ ابن الملطاط ابن السکاس ابن دائل ابن حمیر بنی بلک غیر مل

بعض لوگ غلطی سے لقمان عاذ اور لقمان حکیم کو دو سمجھتے ہیں۔ بعض علماء سے یورپ۔ جنگو عرب کی خصوصیات کے نام سے خواہ مخواہ چسپیکس آتی ہے۔ وہ لقمان حکیم اور ایسا پ نام ایک یونانی حکیم کو ایک قرار دیتے ہیں۔ اس اتحاد کی دلیل پیش وہ کرتے ہیں وہ یہ کہ ان دونوں کی طروت جو حکایات و تمثیلات منسوب ہیں وہ تقریباً ایک ہی قسم کے ہیں۔ لیکن یہ ایک تعجب انگیز استدلال ہے کسی دو تصنیف کے مطالب کا اتحاد۔ ان کے مصنفین کی اتحاد شخصیت کو اگر تسلیم ہے۔ تو افسوس۔ ہے کہ اس جرم میں ہم کو سینکڑوں تاریخی اشخاص کے مٹ جانے کا افسوس ہو گا۔ اسکے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ قدیم عرب حکما سے یونان سے کب واقف تھے۔ عرب کے ایام جاہلیت کا ایک شاعر اسلمی ابن ربیعہ کہتا ہے۔

اھلک حلسا و بعدہ ی غدا ی بھم و ذاجدن ی و اھل جاش و مارب ی و یھی لقمان و التھون ترجمہ۔ عادت زمانہ نے طسم کو اور اسکے بعد قبیلہ ذاجدون۔ شاہین اور اہل جاش و مارب اور قبیلہ لقمان کو مٹا دیا۔

اس دوسرے شعر سے نہ صرف لقمان کا عرب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ ایک قبیلہ کا مالک۔ یمن کا باشندہ اور غفلت و شوکت میں سب کا مقابل۔ اور یہ تمام باتیں لقمان عاذ پر صادق آتی ہیں۔

عرب میں لقمان نہایت مشہور تھا۔ اور اس کا صحیفہ حکمت۔ خود عرب میں موجود تھا۔ اور لوگ اس کو پڑھتے تھے۔ ابن ہشام ذکر سوید و بیعت عقبہ میں تحریر کرتے ہیں۔
عا د کا ایک کتبہ جو ۱۸ھ میں لایا تھا۔ اس میں چند فقرے حسب ذیل ہیں۔
ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں، جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو منرا دینے والے ہیں اور ہود کی شریعت کے مطابق ہمارے واسطے پیدا ہوئے تھے۔ اور اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔

کیا ہم ان آخری الفاظ سے جو کاغذ پر نہیں بہر پر لکھے پائے گئے ہیں۔ نتیجہ نہیں نکال سکتے ہیں کہ صحیفہ لقمان (اچھے فیصلے) ایک کتاب میں لکھے ہوئے تھے۔
اس نیک دل بادشاہ کا جو حضرت ہود کی شریعت کا تتبع تھا۔ قرآن نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس

کی نیکی اور دانا کی کی شہادت دی ہے۔
لَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ اِذَا اشْكُرَ لِلّٰهِ وَمِنْ شُكْرِهَا
فَاَنَّمَا اشْكُرُ لِنَفْسِيْهِ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِ
وَ اِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَبْنٰى
لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ
وَوَعَيْنَا مَا لَا شَاسَانَ لِقَوْلِ اٰلِهٖ هَكَذَا اَمْرٌ
وَهُمْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِطْرٍ فِى عَامِيْنَ اَنْ
اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَى الْمَصْدِرِ اِنْ
مَجَاهِدًا لِّكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهِ عِلْمٌ ذٰلِكَ ظُلْمٌ مِّمَّا وَصَّيْنَاهُمَا فِى الدُّنْيَا
مَعْرِفًا وَاَتَيْنَا سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىٰ اُمِّ اِلٰهٍ
مَّرْجِعِكُمْ فَاَنْتُمْ كَمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِلٰنَ
تِلْكَ مَثَلٌ لِّمَنْ خَسِفَتْ فِتْنَتُهُ فِى
صِفَتِهِ اَوْ فِى السَّمَوَاتِ اَوْ فِى الْاَرْضِ يٰۤاٰتِ
يٰۤهٰ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ لِّبَنِيْ
اَرْثَمِ الْمَصْلُوْةِ دَامِ بِالْمَعْرِفَةِ وَاِنَّهٗ عَزِيزٌ

یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا
کہ فرزند من (میرے بیٹے) خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا۔
شرک بڑے ظلم کی بات ہے (خدا اکہتا ہے) ہم نے
انسان کو حکم دیا ہے۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں۔
اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا۔ کمزوری پر کمزوری
لاؤ (ٹھانی) دو برس کے اندر اس کا وہ چھڑا رہا۔
اسے انسان میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر گزار ہو۔
بازگشت میری طرف ہے۔ اگر والدین تجھ کو میرے شرک
پر مجبور کریں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ لیکن دنیا میں نیکی کے ساتھ
اون کے ساتھ رہنا۔ اور ان لوگوں کا پیرو نہ بننا۔ جو میری
طرف رجوع کرتے ہیں پر میری طرف بازگشت ہماری
ہے۔ تو تمکو بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اگر رائی کے
دانہ کے برابر ہی کوئی چیز ہوگی۔ اور وہ کسی چٹان کے
اندرا یا آسمان میں یا زمین میں ہوگی۔ تو وہ بھی خدا لے
آئیگا۔ خدا بیشک باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔

الْمُتَكَمِّرِينَ كَسْبَرُ عَلَى مَا أَمَّا بَكَ إِنَّ ذَلِكَ
مِنْ عَزَامِ الْكَاسِبِينَ وَلَا تَعْلُجْ خَصْمَكَ لِلنَّاسِ
فَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ
كَأَنَّ يَخْبَحُ الْخُفَّيَّاتِ فِئْتَالِ فَتُخَبِّرُ الْقَبِيلَ فِي مَشْيِهِ
وَإِنْ مَخْضُضٌ مِنْ صَدْرِكَ إِنَّ أَتَكَرَّكَ لَخُلُوتٍ
لَصَوَاتِ الْكُنْهِيَةِ

فرزندِ سن (میرے بیٹے) نماز پابندی سے پڑھا کر اور نیک باتوں
کی لوگوں کو ہدایت کیا کر۔ اور بڑی بات سے روکا کر اور خبر پر
جب کوئی مصیبت آئے تو اسپر صبر کیا کر یہ بڑی باتیں ہیں
غور سے نہنہ لوگوں سے نہ سپر آ کر اور نہ زمین میں اتر کر
پہل یقین رکھ کہ خدا مقرر اور فخر کو سپر نہیں کرتا۔ اور اپنی
جال میں میانہ روی اختیار کر۔ اپنی آواز کچھ نرم کر کہ بدترین
آواز گدہوں کی آواز ہے۔

قومِ ثمود کے تمدنی اور سیاسی حالات

نام و ثمود کے اعتبار سے قومِ ثمود قومِ عاد کی کامل اور لائقِ جاننشین ثابت ہوتی ہے۔ تاریخوں سے ان
کا پورا تقابل ثابت ہے۔ تحقیق کی ترازو میں۔ دونوں قوموں کی شہرت کے پلے برابر ہیں۔ اکثر بار یک ہیوں
نے ثمود کی سیاسی لیاقتوں میں کمی بتلائی ہے جو کسی قدر ثابت ہی ہے۔ مگر موازنہ کی دو بین نگاہیں
جب باہمی اوصاف و کمال کا موازنہ کرنے بیٹھتی ہیں تو عادی سے ثمود کے تمدنی کمالات کو مضاعف پاتی
ہیں اس لئے ثمود کی سیاسی کمی تمدنی اضافہ کمالات سے پوری ہو جاتی ہے۔ عاد کی حقیقی جاننشین ثمود کو
حاصل تھی۔ قرآن مجید ہی اس حقیقت کا شاہد ہے۔

وَإِذْ كُنَّا إِذْ جَعَلْنَا مِنْ بَعْدِ عَادٍ
ثَمُودَ إِذْ وَكَّرُوا كُفْرًا فَجَاءَهُمْ نَذْرٌ

جب ثمود ثمود کی لفظی تحقیق شاید عربی میں صحیح نہ مل سکے۔ شہد عربی میں آب قلیل کو کہتے ہیں لیکن اس
سے کوئی خاص مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ عبری میں ایک لفظ تامید ہیشا جس کے معنی "دائم" اور
خالد کے ہیں۔ عربی کی شہاد اور عبری کی ت ایک چیز ہے۔ عبری میں شہاد نہیں ہے۔ اس لئے وہ آئہ الفاظ
جو عربی میں شہاد سے ہیں۔ عبری میں شہاد سے ہیں۔ ان کے لئے ثمود کے معنی عام سامی زبان میں دہی ہو گئے
جو عربی میں خالد کے معنی ہیں۔ اور بہت سے قبائل عرب کے بھی نام ہیں

۱۵۰ اصل معاصر صاحبِ ارض القرآن نے ثمود کے متعلق لفظ عرب کی غیر مناسب ہونے کی وجہ سے نقدِ عیض فرمایا ہے۔
مگر اسکے عبری ہونے کے جو وجوہات تحریر کئے ہیں۔ وہ عربی سے زیادہ غیر مناسب اور دور از فہم ہیں۔ اس لئے کہ ثمود کے لغوی معنی
کوئی آہن کے ہیں۔ اور عرب کو پانی کے تعلقات و خصوصیات سے جو مناسبت ہے۔ وہ ہر شخص جانتا ہے۔ اگر ہر شخص
نیاس صحیح ہو سکتا ہے کہ اون کے وطن و سکن میں پانی بہت کباب تھا۔ اسی خصوصیت اور رعایت خاص سے یہاں کے رہنے

نمود کی سکونت قوم عاد۔ شرق و جنوب کے ساحلی مقامات و علاقہ جات میں۔ جو خلیج فارس سے لیکر حدود عراق تک پھیلے ہوئے ہیں آباد تھی۔ اور انہیں بطور حاکمانہ منصوبہ بندی تھی۔ قوم نمود۔ ان کے مقابل مغربی و شمالی علاقوں میں سکونت پذیر تھی۔ ان کے موطن و مسکن کو عموماً دادی القرطی بتلایا جاتا ہے۔ اس بنا پر کہ ان کی سکونت کے مقامات اور علاقہ میں مختلف اور متفرق قطعات میں واقع تھے۔ ان کے اقتادہ اور شمار آثار عہد اسلام میں بھی مشاہدہ کئے گئے تھے اور آج تک بھی جا بجا پیش نظر آتے ہیں۔ قرآن مجید نے دادی القرطی کو حضرت دادی کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

وَنُوحٍ الَّذِي جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ (نوحی) | نمود جو دادی (قرطی) میں پھر تراشا کرتے تھے۔

دار الحکومت نمود قوم نمود کا دار الحکومت آج بھی تھا۔ اور یہ تمام مغربی اور مشرقی مورخین و محققین کا تسلیم اور تصدیق ہے۔ یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ اب اس شہر کو عموماً۔ مدائن صالح کہتے ہیں۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قوم نمود۔ سیاسی قوت کے اعتبار سے۔ عاد کے مقابل نہیں پائی جاتی۔ اس لئے کہ ان کے سیاسی حالات تحقیق نہیں ہوتے۔ مگر ان کو ایک زبردست اور مقتدر قوم تو سب نے تسلیم کیا ہے۔ حقیقت یہ بتلائی ہے کہ قوم نمود۔ ایک خاموش۔ تنہائی پسند اور صلح جو لوگ تھے۔ حکومت و ادارت کے رشتاتی تھے اور نہ جریں۔ اصول فطرت کی بنیاد پر ان کا خیال سیاست کے عوض صنعت اور عہد کے خاص مشغلہ تجارت کی طرف زیادہ منطوف ہوا اور دنیا کے کارناموں میں جن کمالات کی جستجو ان کی یادوں کا ذکر آج تک باقی ہے۔ وہ ان کی صنعت و دستکاری ہے۔ جو ان کے اعلیٰ تمدن کی شاہد ہے۔ عمارت کے فن خاص میں۔ یہ قوم عاد سے بڑھی چڑھی ثابت ہوتی ہے۔ پتھروں کو خالی کرنے اور پہاڑوں کو اندر اندر کاٹ کر مکان بنانے اور ان کو مختلف قسم کے نقش و نگار سے سجانے میں ان کو کمال حاصل تھا۔ آج بھی بیشمار استاد و ایام کے بعد ان کی یہ باقی ماندہ صنعتیں بڑے بڑے صنایعان زمانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵۔ والو کو نمود کہتے تھے۔ بالعکس اسکے اگر اسکی عبری ترکیب مانی جائے۔ تو خالد۔ لفظ عبری کا ہم معنی ہوتا ہے جو ایسی کچھ مناسبت خاص عرب کے ساتھ نہیں رکھتا۔ اس سے کہیں زیادہ تو کمی عرب و اسے اعلیٰ معنی کو عرب کے ساتھ مناسبت خاص کا حق حاصل ہے۔ جیسا کہ شروع میں عرب کے محققین بتلاتے آئے ہیں۔ فاضل معاصر کو لفظ خالد کی کثیر الاستعمالی نے دہو کر اس ڈالا ہے۔ حالانکہ نمود کے زمانہ میں خالد کسی کا نام نہیں معلوم ہوتا۔ اس نام کی ایجاد تو بہت بعد کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے۔

المولف۔ محض عنہ

کو حیرت میں ڈالتی ہیں۔ اور مشکل سے تسلیم کرنا ہوتا ہے کہ اتنے قدیم زمانہ کے لوگ بھی ایسے نادر اور کمال صنعت پر قادر ہوتے تھے۔ ان کی پتھروں کی عمارتیں، سنگین مقابر، اور پہاڑ کی چوٹیوں پر کنوئیں ان کی بے انتہا صنعتوں کے ایسے آئینہ ہیں کہ وہ ملتے تو موجودہ زمانے والے ان کے ہاتھ چوم لیتے۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر فن عمارت کے کمال میں انکا ذکر کیا ہے۔

وَبَنَیْکُمْ فِی الْاَرْضِ مِثْلَ مَعْدِنٍ مِّنْ سُهَاقٍ لِّهَاقَا
قُتُوبِہَا وَتَخْتَلِفُ اِلَیْہَا لَیْلًا نَّیْوًا (اعراف)

(صالح نے کہا) کہ اے لوگو! خدا نے تمکو زمین میں جگہ دی۔ جسکے میدانوں میں تم قصر و محل اور پہاڑوں کو کھنگراتے ہو۔

سورہ شعرا میں ارشاد ہوا ہے۔

وَتَخْتَلِفُ اِلَیْہَا لَیْلًا نَّیْوًا (اعراف)

پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔

ان کے مالدار اور ذمی اقتدار ہونیکے متعلق اسی سورہ شعرا میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

اَمَّا کُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ بِالْاَعْمَامِ وَبَنَاتٍ وَّجَنَاتٍ
وَّعِیْنٍ

خدا نے تمہاری مولیٰ، اولاد، چشمے، اور باغوں سے مدد کی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے ان کو جانور، باغات، پانی کے چشمے اور آل اولاد سب کچھ فراط سے دے رکھا تھا۔ ان کے پاس خدا کے فضل سے وہ تمام چیزیں مہیا اور موجود تھیں جو دنیا میں معمول، خوشحال اور دولت مند قوموں کیلئے ضروری ہوتی ہیں۔

قوم شہود کے شہود اناریہ قوم شہود کے حالات کا سب سے بڑا اور قدیم اکٹھانی دفتر و کتبہ ہے۔ جو ۱۸۳۲ء میں برآمد ہوا ہے۔ یہ کتبہ قریب عدن جھن غراب کے مقام میں پایا گیا ہے۔ پائے والا ایک انگریزی افسر ولٹھ نامی "WELLSTED" ہے۔ یہ پہلا کتبہ ہے جو عرب کی زمین میں یورپ والوں کے ہاتھ آیا ہے۔ اس کا نام تھا کہ یورپ بھر میں ان کا قدیم عرب کے اکٹھان کی اولیت اور دنیا بھر کی جامعیت و قابلیت کے تعظیہی سہرے، ولٹھ کے سر بندھنے لگے۔ اور محققین یورپ عرب کے ملکی اخبار و اشار کی نسبت اپنے کمال و قابلیت کے خل مجاہدے لگے۔ حالانکہ ان سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے محققین عرب خود اس کتبہ کو پڑھ کر ترجمہ کر چکے تھے۔ اور اس کی کافی اطلاع ملک عرب کی تمامی اقطاع میں مشہور ہو چکی تھی۔ اگر زمانہ حال کے مستشرقین کو عرب کی قدیم تاریخ پر پورا علم حاصل ہوتا تو وہ اس کے متعلق اپنی اولیت کا دعویٰ ہی نہ کرتے۔ ہم نے قوم عاد کے اجمالی حال کے بعد وقت اد پر بتلادیا ہے کہ یہ کتبہ مارت معاویہ کے زمانہ میں تقریباً ۱۲۲۰ء میں پہلے پہل دریافت ہوا تھا۔ اس کے دو ترجمہ ترجمہ کے ساتھ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اصل کتبہ کی زبان اور خط، ہندی عربی ہے

جس کو غلط فہمی سے متاخرین نے حمیری بتلایا ہے۔ اور اب عموماً زبان اور خط دونوں حمیری کے جاتے ہیں۔ اصل کتبہ اور اسکا انگریزی ترجمہ۔ پہلے پہل ایشیا ٹینک سوسائٹی کے جنرل میں چھپا تھا۔ اب ہم ذیل میں اسکا عربی ترجمہ مع اردو ترجمہ کے قلمبند کرتے ہیں۔

غنیانا شہزادہ زانی علی صلی اللہ علیہ وسلم
بعید عن غیثی غیری ذی ضنک ولا اندس
لیفیض علینا البحر بالمدننا خراً
والنہار ہا بالماء مزرعة لجرے
..... خلل الخیل باسفات
..... بالقسب المجرع والتمسہ
والنصار صید البحر الخیل والقسا
وطلو النصار لکون من البحر البحر
ونزل فی الخزان المرقم تسارہ
وفی القرا حیاناً فی السهل الخضر
لیکنا ملوک بعد وین عن الخنا
شہید علی اهل النجینا نة والخذہ
لہم لسان دین ہود شہزادہ
ونوہ من بلا لایات والبعث والنشر
اذا ما عدو ملل ارضنا یرید منا
برزنا جہمنا بالمشقة السمر
نحما فی علی اولادنا و نساغنا
علی الشہداء لکنت المعلق والشہر
نقاسم من یغی علینا و لہتری
یا سیافنا حتی یولون بالکبر

ہم مدت تک اس وسیع قصر میں رہتے ہماری نالت
پنصیبی اور اوبار سے دور تھی۔ ہماری سہاروں میں
ایک پانی اُمنڈا تھا۔ سمندر میں رہتا ہوا ہمارے قلعہ
کے دیواروں سے غضبناک ہو کر فکریں مارتا تھا ہمارے چشے
خوش آئند آواز سے بہتے تھے بلند کجوروں کے اور جنک باغبان
خشک چوہار سے ہمارے دادیوں کے چوہاروں کی زمینوں
میں لگاتے تھے۔ اور خشک چاول بو تے تھے ہم ہجری کربلا
کا اور جوان غرگوشہ نکا شکار پخروں اور جانوں سے کرتے
تھے۔ اور چھلیوں کو

بہلا بہلا کر نکال لیتے تھے۔ اور ہم آہستہ آہستہ خراں خراں
زنگ زنگ کے شہمی کپڑے اور کاہی سبز مختلف لالہ ان جامے
پنکر چلا کرتے تھے۔

ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے تھے جو کینہ خیالات سے بہت دور
اور شریر و نکو مزاجینہ والے تھے۔

ہود (علیہ السلام) کی شریعت کے مطابق اپنے فیصلے ایک
کتاب میں لکھے جاتے تھے اور ہم معجزات کا یقین رکھتے تھے
قیامت کے روز اور قبر سے اٹھائے جانے پر ایمان رکھتے تھے
دشمن درہن گھس آئے اور وہ ہمارے ساتھ کچھ جگر آ کر تے
مگر ہم نے گھوڑوں کو پونی دوڑایا اور ہمارے کیم تخت اور نوکدار
بزرگوں کو کیر آگے بڑھے۔ ہمارے خاندان کے بہادر مرد اور
خوہن گھوڑوں پر لڑ رہے تھے جنکی گردنیں لمبی تھیں اور جو
چنگدار یکیت زنگ کے تھے۔

ہماری تلواریں بدستور دشمنوں کو زخم کر رہی تھیں اور چہرہ ہی تھیں یہاں تک کہ ان کے قلب پر حملہ کر کے انکو مفتوح اور بالکل ہست کر دیا جو بدترین نوع انسان میں تھے۔

ہم نے اس کتبہ قوم شہود کے تمام حالات کا دفتر اسی لئے بتلایا ہے کہ اسکی عبارت اور مضامین سے قوم شہود کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، قومی، مالی، سیاسی اور فوجی سبب ہی حالات تو پورے طور سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور صرف انھیں مندرجات سے ہر شخص شہود کی قومیت اور ان کی قدامت و قوت اور اخلاق معاشرت کا کافی طریقہ سے اندازہ کر سکتا ہے۔ ان مضامین کو پڑھ کر آسانی سے سمجھ لیا جائیگا کہ تمدنی اخلاق، قوت و اقتدار کے اعتبار سے قوم عاد کی لائق اور قابل جانشین اور قائم مقام عرب میں شہود ہی کی قوم تھی۔

قوم شہود کی ترقی کا خاتمہ حضرت موسیٰ کی بعثت سے پہلے ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کوئی تاریخ اسکا زمانہ معین نہیں کرتی۔ تو یہ بھی ان کے ذکر سے خالی ہے۔ اور اسکا خالی ہونا اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ نزول توریت سے پہلے یہ قوم برباد ہو چکی تھی مگر قرآن مجید نے ان کے زمانہ کو صاف لفظوں میں بتلادیا ہے۔ حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والا دیندار تابعین فرعون کو مخاطب کر کے تنبیہ اور ہدایتاً موعظت کرتا ہے۔

یَا قَوْمِ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِثْلَ کُلِّ غَافِلٍ مِّثْلِ
کَذٰبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ قَوْمِ
اِبرٰہِیْمَ وَّ هٰمٰنَ وَّ لُوطٍ کہ دوسری کافران قوم نوح قوم عاد اور قوم شہود کی طرح تمہاری عذاب آئے۔

ان ارشاد قرآنی اور الفاظ ربانی سے صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ قوم عاد کے بعد قوم شہود کا زمانہ تھا اور قوم شہود بعثت کلمہ اللہ سے پہلے اپنی بربادی اور تباہی تک پہنچ چکی تھی۔ حضرت موسیٰ کی نبوت کا زمانہ سن ۱۹۰۰ ق م کے معلوم ہوتا ہے۔ اس بنا پر قوم شہود کے عروج و زوال کو سن ۱۸۰۰ ق م اور منسلک قوم کے تقریباً درمیان میں سمجھنا چاہیئے۔

قوم شہود کی بربادی اس قوم کی بربادی کا باعث خدا کی ناراضی تھی۔ اور خدا کی ناراضی کا سبب عام طور سے انسانی کی بد اعمالی اور کفر و کراہی ہوا کرتی ہے۔ قوم شہود دنیا سے باہر تو بستی ہی نہیں تھی کہ انہیں اور دنیا کے اہم کے اشارہ کو دار نہ پیدا ہوتے۔ وہ عجیب و غریب رفتہ رفتہ ان میں بھی پیدا ہو گئے۔ اور یہ بھی اپنی دنیاوی عروج و اقتدار کے عالم میں خدا اور اس کے عطا کردہ نعمات لا تشاہی کو بھول گئے اور اس معبود حقیقی کو چھوڑ کر مختلف الاقسام غیر معبودوں کی پرستش کرنے لگے۔ اجرام فلکی کی عبادت شروع کر دی۔ قدرت الہی کے ذریعے آسمان کے ستاروں کو اپنا معبود قرار دینے لگے اور ان کے

ناموں پر مختلف ملکی مقامات میں ہیکلیں (معاہد) تیار کرنے لگے جن کی عمارات و انتظامات میں ملکات قوم کے بڑے بڑے مال ذخیرے منار کردئے گئے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی رسالت

اخلاق الہی نے اپنی قدیم عادت و دستور کے مطابق انھیں کی قوم و قبیلہ سے صالح نامی ایک نفس مقدس کو اون کی ہدایت و موعظت کے لئے منصب رسالت پر مبعوث فرمایا۔ محققین عرب حضرت صالح کا سلسلہ نسب یہ بتلاتے ہیں۔

صالح بن عبید بن اسف بن مکاشیج بن عبید بن جاد بن عمرو بن جاشرا بن

اسم ابن سام بن نوح علیہ السلام

علمائے یہود تو خصوصاً عرب کے تمام مشاہیر اور خصائص کو پہچانتے ہیں۔ اس لئے اون کی کتابوں میں نہ خود کا کوئی ذکر ہے نہ اون کے پیغمبر حضرت صالح کا۔ ظاہری طور پر اون کی عدم واقفیت کا وہ یہ حیلہ بھی کر سکتے ہیں کہ اون کے زمانہ سے قبل خود کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ اپنے تحریر حالات سے مجبور نہ ہو سکتے ہیں۔ مگر اولنکایہ عذر صرف حیلہ ہے۔ وہ تورات بابت تکوین کو غور سے پڑھیں تو انھیں معلوم ہو جائیگا کہ جب آفرینش عالم کے وقت سے سلسلہ بیان شروع کیا گیا ہے تو غریب صالح تو ہزار ہا سال پہلے آئے ہیں ہر کیوں نظر انداز کئے گئے۔ یہ یہودیوں کی فرد گدشت اون کے اوس خاص حسد و نفسانیت کو بتلاتی ہے۔ جو انکو خصوصیات عرب کے مخفی رکھنے میں حاصل تھیں۔ مگر بائبل میں تورات کتاب التکوین۔ آیت ۱۰ و ۲۴ میں لکھا ہے کہ آدم کے بھائی انخشد کے ایک بیٹے کا نام صالح ہے۔ جو تمام اولاد ابراہیم اور عرب یقطانی کا باپ ہے۔

نصرانی پادری جو بزرگان تورات کی تاریخی ہستی کے اثبات کے لئے کسی کوشش سے دریغ نہیں کرتے۔ روایات عرب اور قصص قرآن کا نام عام طور سے اون کی زبان میں افسانہ ہے۔ لیکن اگر خود اون کو ضرورت پڑے تو وہ تاریخ کی بلند ترین شہادت ہے۔ کہتے ہیں کہ صالح اور صالح ایک ہی شخص تھے۔

GOLD MINES P. 278

یہ قوم خود کی وجہ تسمیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ خود کی اولاد میں سے تھے۔ عرب میں اسکا قدیم سے دستور و رواج قائم ہے۔ جیسے قریش سے قریشی ہاشم سے ہاشمی۔ مولفہ عتی عنہ

بہر حال یہی نفس برگزیدہ قوم شود میں حجت الہی بنکر نمودار ہوا اور اون کی ہدایت کا ذمہ دار بنا
حضرت صالح نے اوس کا فرکیش قوم میں خدا کی دعوت شروع کی۔ بعضوں نے لبیک کہی اور اکثر
نے سختی سے انکار کیا اور اوسکو جھٹلایا۔ بالآخر اس معجز نما حجت خدا نے پہاڑ کے عین جوف سے
ایک ناقہ کو پیدا کر کے اون کفر پرستوں سے کہا کہ یہ اونٹنی آیت الہی ہے اور میں حجت الہی۔ اوسکو

۱۔ سرسید مرحوم اس واقعہ کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت صالح
ابن عبید ابن اسف بن اشج بن عبید بن جاد و بن شود کو مبعوث کیا۔ بعض لوگ اوپر ایمان لائے اور بہتوں نے
اون کا یقین نہیں کیا۔ ان لوگوں نے حضرت صالح سے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی بتا۔ حضرت صالح نے
جواب دیا کہ اے میری قوم یہ خدا کی اونٹنی ہے تمہارے لئے اوس کی نشانی ہے اوس کو چٹنا پھر بند و کہ خدا کی زمین
پر چرتی پھرے اور اوسکو اندازہ پہونچاؤ۔ مباد تمہارا اسکے عوض عذاب نازل ہو۔ اسی فہمائش کے سبب ان لوگوں نے
اونٹنی کو پھرتے دیا اور کچھ اندازہ پہونچائی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں قحط واقع ہوا۔ اور اوس خشک سالی میں پانی کا یہی
قحط ہو گیا۔ پانی کہیں نہیں ملتا تھا اور جہاں کہیں تھوڑا سا پانی ہوتا تھا تو اونٹنی اپنی خلقی طبیعت سے جو خدا نے
اونٹ میں پیدا کی ہے۔ پانی کو تلاش کر لیتی تھی اور پی لیتی تھی۔ یا خراب کر دیتی تھی اور لوگ اوسکو روک نہ سکتے
تھے۔ حضرت صالح نے کہا کہ ایک دن اونٹنی کو پانی پینے دیا کرو اور اس سے کوئی مزاحم نہ ہو۔ دوسرے دن تم لوگ
پانی پی لیا کرو۔ اور اونٹنی کو وہاں نہ جانے دیا کرو۔ قرآن مجید سے معلوم ہوا کہ عرصہ کے بعد مختلف فرقے کے سرداروں نے
جو اوس زمانہ کے کافروں کے فرقے تھے۔ حضرت صالح کے مار ڈالنے کا منصوبہ کیا۔ مگر جب وہ اپنے منصوبہ پر کامیاب نہ
ہوئے تو اونہوں نے غصہ میں آکر اوس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اسوقت حضرت صالح نے اون سے کہا کہ تین دن تک تم جین کر رہو۔
بعد اوسکے تم ہلاک ہو گے۔ خدا نے تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ جب ہمارے حکم کی تعمیل ہونے کو ہوئی تو ہم نے صالح اور
اون لوگوں کو جو اوپر ایمان لائے تھے۔ اپنے رحم و مہربانی کے تقاضہ سے۔ اوس رزق کی ذلت سے بچالیا۔ آفت جو اوپر آئی
تھی وہ یہ تھی کہ آسمان سے ایک خوفناک آواز آئی۔ جو غالباً رعد اور زلزلوں کی اور اس قسم کی آفت ارضی اور سماوی کی آواز
تھی۔ صبح کو وہ لوگ اپنے مکانوں میں مردہ اور سرنگوں پڑے ہوئے پائے گئے۔ گویا اون مکانوں میں رہتے ہی نہیں تھے۔
پھر کچھ آگے چلکر سید صاحب لکھتے ہیں۔ مفسرین اور مؤرخین کا بیان ہے کہ کفار نے حضرت صالح سے اون کی رسالت کے
ثبوت میں اس معجزے کی درخواست کی تھی کہ اگر اس پہاڑ ہی میں سے ایک اونٹنی پیدا ہو اور بجز پیدا ہونے کے ایک سرخ بالوں
والا بچہ جسے اردو بچہ اوسی وقت ہمارے سامنے بڑی اونٹنی کے برابر ہو کر چرتا پھرے اور ہم اوس اونٹنی کا دودھ پیں تب ہم ایمان
لا لیں گے۔ یہ روایت محض سرافتہ اور مصنوعی ہے۔ اس روایت کے موضوع کہنے سے اسوقت ہمارا یہ منشا نہیں رہتا کہ ہم اسکا

فراغت و اطمینان سے زمین پر چرنے دو چشموں کا پانی آزادی سے پینے دو۔ اور کی آب کی وجہ سے اگر اس کا روزانہ پانی پینا نہیں گوارا نہیں ہے تو یہ انتظام کر لو کہ ایک دن چشے سے یہ پانی پیئے اور ایک دن تم پیاکرو۔ اس معقول اور منصفانہ انتظام کے بعد بھی اگر اس اونٹنی کو کوئی آزار پہنچایا گیا تو پھر عذاب الہی کو آیا ہی سمجھ لو۔

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ معجزے سے انکار کریں اور اس پر بحث شروع کریں۔ بلکہ ہم اس وقت صرف سادی طرح اس روایت کو اسلئے موضوع کہتے ہیں کہ اس کی صحت پر کوئی سند نہیں ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ایسے عجیب واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ضرور ہوتا یا کسی مستند حدیث سے اس کا ثبوت پایا جاتا۔

چونکہ سید صاحب نے آخر میں منہ بکرو وقوع معجزات کے امکان سے انکار نہیں کیا ہے اس لئے ہم کو بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ مگر ادون کا یہ فرمانا کہ اس کی صحت اس لئے نہیں مانی جاتی کہ قرآن وحدیث سے اس کی سند نہیں ملتی۔ قابل اعتبار نہیں۔ اسلئے قرآن مجید میں اس اونٹنی کی نسبت صاف لفظوں میں بتلادیا گیا ہے۔ **هٰذِهِ نَاقَةُ آلِ لُحْمٍ** (یہ اونٹنی خدا کی تمہارے لئے نشانی ہے) (قالوا) **فَاْتِ بِآيَاتٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ** (یہ اونٹنی خدا کی تمہارے لئے نشانی ہے) (معجزہ) لاؤ۔ صانع نے کہا یہی اونٹنی ہے۔ اس عبارت قرآنی اور الفاظ الہی سے تو کافروں کا طلب معجزہ اور طلب معجزہ پر اونٹنی کا نمودار ہونا صاف صاف ثابت ہے۔ جو آپ کی مضموعی بتائی ہوئی روایت میں منقول ہے۔ پر جب اس کی تطبیق قرآن سے ہوتی ہے تو اس سے انکار کیسا اور اس کے غیر سند ہونے کا اظہار کیا معنی۔ باقی رہا کہ پھاڑ کے جوف سے پیدا ہوئی۔ بچہ لے ہوئے پیدا ہوئی۔ بچہ سرخ بالوں والا تھا بچہ اوسی وقت بڑا اونٹ تھا وغیرہ وغیرہ ایک ہی استبعاد کے قابل نہیں۔ جب معجزے کے امکان کا پہلے اقرار ہو چکا اصول الہیات کی پہلی چیز ہے معرفت۔ جب انسان خدا کی ایسی مستبعد وجود دوستی کا قایل ہو چکا اور اس کی ذات میں اتنے مستعبات عقلی اور محالات عادی اور ناممکنات فطری کو تسلیم کر چکا کہ وہ سامع ہے مگر اس کے کان نہیں اور کانوں سے سننے کی اس سے ضرورت ہی نہیں۔ ناظر ہے۔ مگر آنکھیں نہیں اور نہ آنکھوں سے دیکھنے کا وہ محتاج ہے وغیرہ وغیرہ تو گویا وہ اسکے تمام صفات سمیرت کے کامل ادراک سے سراپا عاجز ہو چکا ہے۔ جیہی تو اسکے مقابلہ میں اتنے ناممکنات کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ بدہیات۔ یقینات اور مشاہدات عینی جانتا ہے۔ تو یہ ایسی حالت میں یہ اگر آدم ٹھہرے پیدا کیا گیا۔ فرشتہ اور جن نور اور نار کی تنہا ترکیب عنصری سے مخلوق کئے گئے۔ اور ان کی ترکیب خلقت کے تسلیم کو لینے میں کوئی عذر نہیں کیا گیا تو پھاڑ یا پتھر سے اونٹ۔ اونٹنی یا اونٹنی کا بچہ پیدا ہونا جس سے کیا تعجب کیا جاتا ہو حالانکہ اس سے زیادہ مستبعد باتوں کی نسبت جنہیں بطور مقبولہ و مسلمہ خود تحریر فرمایا گیا ہے۔ کوئی تعریف نہیں فرمائی

قوم ثمود میں دو قسم کے لوگ تھے۔ مومن اور غیر مومن۔ مومنین کی جماعت نے۔ جو تہذیب کا دین سے بہت کم تھی۔ حضرت صالح کے ارشاد کی تصدیق کی اور تعمیل۔ مگر کثیر افراد گروہ کافریں نے سختی سے پھر انکار کیا اور ان میں نو آدمیوں کی شقیق القلب اور بے رحم جماعت نے یہ صلاح ٹھیکرائی کہ حضرت صالح اور ان کے متبعین پر شہجون مار کر خدا پرستوں کا خاتمہ کر دیں۔ اونٹنوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر مار ڈالا۔ خدا نے اپنے پیغمبر اور اس کے متبعین کو کافروں کی ایذا رسانیوں سے بال بال بچا لیا۔ اور اس کفر شعار قوم پر اپنے عذاب دردناک کو زلزلہ کی صورت میں اس شدت کے ساتھ نازل فرمایا کہ قوم ثمود میں سوائے متبعین صالح کے اور کسی کا وجود ہی باقی نہیں رہا۔ یہ واقعہ تقریباً ۹۷۰ سال قبل مسیح میں واقع ہوا۔ جس زمانہ میں شہر سدوم۔ گماریہ۔ اوہاب اور زمانن آسمانی آگ سے جلاوٹے گئے تھے۔

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ گئی مثل اسکے کہ ایک کڑک کی آواز اور زلزلہ کے آثار سے۔ قوم کی قوم قصبہ کے قصبہ کا فنا ہو جانا بتلایا جاتا ہے اور اس کو عذاب الہی کی حقیقی صورت کہی جاتی ہے۔ مگر سببیت و طبیعت کے موجود اصول کے مطابق عذاب الہی کے عوض کوہ آتش فشاں کا مادی اشتقاق یا عرب کے بادِ سموم کے معمولی اثر کیوں نہیں ارشاد فرمائے جاتے۔ عرب کا ملک ہی ہے۔ بادِ سموم کا چلنا ضرور۔ پہاڑ موجود ہی ہیں ان کے اندر مگنا بنے ہیں۔ پھر ایسے ممکنات عقلی اور عادی کے ہوتے ہوئے غضب الہی کے ایسے غیر شہادت کو قبول کر لینا موجودہ زمانہ کے عقلاء و محققین کی شان کے خلاف ہے۔ مگر ہم اسکے اقرار و تسلیم کی مجبوریوں کو بھی جانتے ہیں جو سید صاحب مرحوم کو لاحق ہوئیں۔ وہ اس کی قرآن میں موجودگی اور ذکر ہے تو ہم عرض کریں گے کہ اونٹنی کا معجزہ ہونا بھی تو قرآن میں قلمبند ہے۔ جس کو ہم دو متواتر مقامات سے پہلے دکھلا آئے ہیں۔ پھر فرمایا حقیقاً و یا دہلانی کی نظر سے تیسری آیت سے جو پہلی آیتوں سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے و کلاماً دیتے ہیں وہ آیت یہ ہے **مَنْ يَسْلُكِ السَّبِيلَ يَفْسُدْ لَهُ كَمَالُهُمْ**۔ ہمیں نے ان کے لئے اونٹنی کو معیار آزمائش بنا کر نازل کیا۔ خطاب تکبیر ہی کے ساتھ نزول ناطہ صالح کا باعث خدا تعالیٰ اپنی ذات خاص کو بتلاتا ہے۔ اور اس کی آفرینش کو ان کی آزمائش کی غرض خاص سے مخصوص فرماتا ہے تو اب ہی کیا ناطہ صالح کا بذریعہ معجزہ و بطلب معجزہ و بغرض امتحان کافریں پیدا ہونا۔ جیسا کہ الفاظ قرآنی سے ثابت ہے اور وہ اپنی کتابوں کی روایتوں میں ہی موجود ہے کیسے جانتے کہا جائیگا۔ باقی رہی صورت آفرینش ناطہ۔ چونکہ ان الفاظ کی تفسیر داخل قرآن نہیں۔ جن لفظوں یا حالتوں کے ساتھ روایتوں میں ہے۔ تو یہ بھی اس کی تغلیط و تکتیب کے لئے کافی نہیں کیونکہ قرآن مجید فقہانہ تذکرہ کی کتاب ہے اور نہ سیرت کی جس میں اخبار قدیمہ کے مفصل حالات سیرت و تاریخ کے اصول کے مطابق بیان

قرآن مجید کی خاص خصوصیت میں ان امور پر ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ وہ کتب سابقہ کا جس طرح مصدق ہے اسی طرح ان کے نظائر و واقعات کی کمی کا پورا کرنے والا اور تم بھی ہے۔ اور یہی جناب خاتم الانبیاء کی ختم رسالت ہونے کی قوی دلیل ہے۔ اس غرض سے قرآن مجید نے قوم ثمود کے حالات اور جناب صالح کے ارشاد و ہدایات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے کی کتب مقدسہ انکے ذہن سے بالکل خالی تھیں۔

مفصلہ ذیل اقتباسات قرآنی میں مذکورہ بالا حالات ملاحظہ ہوں۔

ثمود کے پاس ہم نے ان کے بہائی (مہم قوم) صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس لئے کہ ہم بھائیو خدا کو پوجو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے تمہارے پاس خدا کی دلیل چکی یہ اوستی تمہارے لئے خدا کی نشانی ہے اسکو خدا کی زمین میں چرتے دو۔ اس کو دق نہ کرو ورنہ ایک دن وہ تمہارے خدا کی تہہ آئے گا۔

وَإِنِّي ثَمُودُ أَخَا هُمْ صَلِّحًا قَالَ لَقَوْمٌ أَشْعَدُ
اللَّهُ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي قَدْ جَاءَكُمْ نَذِيرٌ
بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَافِثَةُ اللَّهِ كَلِمَةً
أَيُّهَا فَذَرُونِي هَاتَا كُلِّ فِي اسْمِ اللَّهِ قَوْلًا
تَسْمَعُونَ هَاتَا بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَذَرُونِي هَاتَا كُلِّ فِي اسْمِ اللَّهِ قَوْلًا

حضرت صالح نعمات الہی یاد دلانے کی موعظت فرماتے ہیں :-

اور یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اس نے عمو کے بعد تم کو خلافت و حکومت بخشی اور ملک میں تمکو حکمرانیت کی جس کے میدانوں میں تم محسوس تیار کرتے ہو اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔ خدا کی عنایتوں کو یاد کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے ہو۔

وَإِذْ كُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَمَرًا قَالَ لَقَوْمٌ أَشْعَدُ
اللَّهُ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي قَدْ جَاءَكُمْ نَذِيرٌ
بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَافِثَةُ اللَّهِ كَلِمَةً
أَيُّهَا فَذَرُونِي هَاتَا كُلِّ فِي اسْمِ اللَّهِ قَوْلًا
تَسْمَعُونَ هَاتَا بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَذَرُونِي هَاتَا كُلِّ فِي اسْمِ اللَّهِ قَوْلًا

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گزشتہ کے جائیں۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اہم سابقہ کے ایسے حالات پہلے تو عبرت و تنبیہ کی غرض سے ضمناً اور مختصراً بیان ہوئے ہیں۔ دوم کتب قدیمہ کی سکوت کی وجہ خاص سے۔ کیونکہ ان کی نحو و شئی کو قرآن مجید نے فراموش قرار دے کر ان کی کمی کا پورا اور ان کے نقص کو کامل کر دیا ہے ورنہ آج ان ہزار گواروں کے محاسن و خدمات اور تبلیغ رسالت کے واقعات سننے پرستی سے فنا ہو جاتے۔ دنیا کے فقیہین اور شایعین اخبار و آثار کی گردنوں پر قرآن کا یہ ایسا عظیم ترین احسان ہے کہ وہ اپنی احسان مندی کے سر اوٹھا نہیں سکتے۔ ایسی حالت میں قرآن مجید کو سیر و مذاکرہ کا تفصیلی دفتر خیال کرنا اس کی عظمت کا استغناء کرنا ہے۔ نعوذ باللہ۔ المولانا مفتی محمد

مومنین صالح کے ساتھ کافرین قوم کے مکالمات :-

قَالَ الْمَلِكُ عَرِّضْ لِي أَسْأَلُكَ بِرَأْسِ قَوْمٍ لِلَّذِينَ
أَسْتَعِظُ مِنْهُمْ أَنِّي أَسْأَلُكَ بِرَأْسِ قَوْمٍ
مِنْهُمْ قَالُوا إِنَّا نَبَا رَسُولٍ بِهِ مَوْتٌ

قوم کے مغرور سرداروں نے۔ اُن کمزوروں سے جو اُنکی قوم
میں مومن تھے پوچھا کہ تم سچ مچ یقین رکھتے ہو کہ صالح
اپنے خدا کی طرف سے پیغمبر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بیشک صالح
جو پیغام لکھ رہا ہے وہی ہمارا ایمان ہے۔

اوس ناشنوا قوم کی سیدھی اور سچی نے یہ نتیجہ پیدا کیا۔

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِينَ آمَنُوا
بِهِ كَافِرُونَ فَغَصَبُوا النَّافِقَةَ وَغَتَوَاعَنَ
أَكْثَرَهُمْ وَقَالُوا الصَّالِحُ غَتَابٌ بَعْدَنَا
إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَخُذْ لَهُمْ الْحَقَّ
وَقَا ضَعُفُوا فِي دَارِهِمْ جَبَشْتُمْ فَتَوَلَّوْهُمْ
فَقَالَ يَقُومُ لَقَدْ أَبْغَضْتُمْ رَسُولَ رَبِّي وَ
نَصَيْتُمْ لَكُمْ وَلَكُنْ لَا تَبُوءُونَ النَّاصِيَةَ

مغروروں نے کہا کہ تم جس پر ایمان لائے ہو یہ سبکو اوس سے
انکار ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اونٹنی کی کوٹھیں کاٹ ڈالیں
اور خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور صالح سے (تحریفاً) کہا کہ
اے صالح اگر تم واقعی پیغمبر ہو۔ تو جس عذاب آئینہ تم سے
وعدہ کرتے ہو وہ لے آؤ پس لرزلہ نے آکر اُن کو کھڑ کیا۔
اور وہ اپنی جگہ پر اوندھے رہ گئے۔ صالح نے اُن کی جانب
سے منہ پھیرا اور کہا بھائیو۔ میں اپنی خدا کی رسالت یقیناً تم
کو پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا لیکن تم اپنے خیر خواہوں
کو پسند ہی نہیں کرتے۔

(اعراف)

رسالت صالح اور اُن کی نرم وعظمت اور صاف اور ستم سے طریقہ ہدایت۔ ناشنوا قوم اور جہل و غافل

امت کی شامت اور تباہی و بربادی کی اخیر نوبت اجمالی طور پر یوں بیان فرمائی گئی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهِ إِذِ قَالَ لَهُمْ
أَخُوهُمْ لَا تَتَّبِعُوا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهَ سُبْحٰنَ
عَلَىٰ رَبِّكَ الْوَالِدُ الْعَزِيزُ الَّذِي لَا يَلْجَأُ
إِلَٰهٌ إِلَّا إِلَٰهُهُ فَذُكِّرُوا بِالْآيَاتِ فَأَخَذُوا
ثَمُودَ فَأَلْقَوْهُ فَأَصْبَحَ نَبَاتٍ خَاسِئًا
فَإِذَا هُوَ نَبَاتٌ خَاسِئٌ فَذُكِّرُوا بِالْآيَاتِ فَأَخَذُوا
ثَمُودَ فَأَلْقَوْهُ فَأَصْبَحَ نَبَاتٍ خَاسِئًا

خود نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ جب اُن کے بھائی صالح
نے کہا کہ کیا تم پر سزا نہیں جنتے۔ میں تمہارا رسول امیں ہوں
خدا سے ڈرو میری بات مانو اور میں تم سے اسکا کوئی معاوضہ
ہی نہیں چاہتا میرا معاوضہ یہ ہے کہ تم دیکھو کہ کیا جو
نصرت تم کو یہاں حاصل ہے اسی میں تم باطمینان تمام
چھوڑ دینے جاؤ گے۔ ان باغیوں۔ کہنتوں۔ اور جھوٹوں
اور ان پھاروں کے درختوں میں جن کے خوشے ہیں۔
اور پھاروں کو کھا کر تم بڑی بڑی عمارت بناتے ہو پس

مین عبرت کی نشانی ہے ، اور انہیں سے اکثر مومن نہ سمجھے اور خدا تو غالب اور جہم والا ہے ۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ شُعُوبٍ مِّنْهُم مَّا هُمْ صَالِحُونَ
عَبْدٌ مِّنْ دُونِي فَذَاذَاهُمْ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّخْتَصِمُونَ قَالُوا
يَوْمَ لَمْ تُسَمِعُوا بِآيَاتِنَا قَبْلَ الْخَسْفِ
لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ قَالُوا
أَطِيعُوا بَنِي وَهْبٍ مَّعَكَ قَالَ طَائِرُكُمْ
عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنتم قَوْمٌ مُّكْذِبُونَ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ
تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا
يَصْلَحُونَ قَالُوا اتَّقُوا اللَّهَ لَبِئْسَ أَهْلَهُ
تَمَّ لَقَوْلِهِمْ لَوْلَا مَا شَهِدْنَا أَنَا وَالضُّدُّ قَالُوا
وَمَكْرُهُمْ أَمْكَلُ وَمَكْرُنَا أَمْكَلُ وَهُمْ لَا يُشْعُرُونَ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْسِرِينَ إِنَّا دَمَرْنَا هُمْ
وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ فَبَلَكَ بَنُو لَهُمْ حَاوِيَةً بِمَا
ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ وَنَحْنُ نَسُوءُ
الَّذِينَ أَجْنَأُوا قُلُوبَهُمْ لِيَتَقَرُّوا (نمل)

انہوں نے مخفی تدبیر کی۔ خدا زبہی مخفی تدبیر کی۔ اور انہیں خبر نہیں
پس دیکھو انکی مخفی تدبیروں کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے اُنکو اور انکی
قوم سب کو برباد کر دیا یہ ہیں اُنکے گمراہ و مسکن جو انکی گنہگار ہی
کے باعث ویران پڑے ہیں۔ اسمیں جانتے والو کی لئے بڑی
عبرت ہے اور ایمان والو کو ہم نے اجازت دی کہ پرہیزگار تھے۔

قوم ثمود کی ضلالت شکاری پر عبرت و تنبیہ فرمائی جاتی ہے اور پیغمبر کے حق میں اون کی دریدہ دہنی کہانی جاتی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهِمْ فَقَالُوا اَبَشْرًا مِّثْلًا وَاجِدًا
تَتَّبِعُهُ اِنَّا اِنْدَا لَكُنْهِ ضَالٌّ وَّ سَعِيْدًا لِّقَوْمٍ
اَلَّذِي كَرِهَ عَلَيْهِ مِنْ بَنِي اٰدَمَ هُوَ كَذَّابٌ اَشْرًا
سَيَعْلَمُوْنَ عَدَاوَتِ الْكَذَّابِ اَكْبَرُ شَرًّا نَّهْتَرُكُوْا
الْمُنَافِقَةَ فَنَسَّاهُمْ فَاَمْرًا تَقْبَهُمْ وَاَنْتَظِرُ
نَبُوهُمْ اِنَّ الْمُنَافِقَ قَسِيْمٌ مِّنْهُمْ كُلُّ شَرِّبٍ
يُخْتَصِرُ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ كَلْبُفٍ
اَكَانَ عَذَابُ اِنِّ وَنَدَّرَا اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيِّفَةً
وَاَنْبَدَّةً فَاَكَاوَا كَهَيْئَةِ الْخَمِيْطِ (قصہ)

ثمود نے ہماری تنبیہوں کو جھٹلایا اور بولے کہ ہم میں سے ایک آدمی ہو
اوسکی ہم پیروی کرنے جائیں! اوسوقت ہم گمراہ اور غیبوں ہونے لگے
کیا ہم لوگوں میں سے وحی اُسی پرچن کر آتی ہے، نہیں وہ جو
اور مغرور ہے۔ ہم اونٹنی کو اُنکے لئے امتحان بنا کر بھیجتے ہیں۔
اُسے پیغمبر تو ہی تاکہ میں رہ۔ اور اونہیں خبردار کر دے کہ پانی
ان میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ہر ایک کا پانی الگ ہو جاتا ہے۔
اونہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا۔ اُسنے بکرا اور کونج کو کاٹا
پھر میرا عذاب اور میری دہلی گیس تھی۔ ہم نے اُنپر ایک چیخ بھیجی
جس کے اثر سے وہ پانی مال جھس کی طرح ہو کر رہ گئے۔

جناب ہوؤ کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے کہ کافروں کی یہ سخت قوم اپنے پیغمبر کے بار بار سمجھانے اور دلائل
حقہ کے جھٹلانے سے عاجز آ جاتی تھی تو استحقاق قرابت۔ ہم قومی اور ہم وطنی پیش کر کے اوس محبت الہی کو تبلیغ
رسالت سے باز رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ اسوقت ان کی شان ملتجیانہ اور عاجزانہ ہوتی ہے۔ نہ مغرورانہ
نہ سرکشانہ جناب صالح کے ساتھ ہی ایسے ہی معاملات پیش آئے۔ مفصلہ ذیل الفاظ قرآنی سے ہماری

بیانات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

وَالِی ثَمُودَ اَخَاهُمْ صَالِحٌ قَالَ یَقُوْمُ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ
مَا لَکُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرِہٖ هُوَ اَنْشَأَ لَکُمْ
اَلْاَرْضَ وَاسْتَغْنٰکُمْ فِیْہَا فَاسْتَغْفِرُوْہُمْ ثُمَّ
تَوَلَّوْا اِلَیْہِ اِنَّ سَاعِیَ قَرِیْبٍ یَّجْزِیْ قَالُوْا لَیْسَ
بِکُنْتَ فِیْہَا مِّنْ جَوَاقِلِ هٰذَا اَلْاَنْهٰثُ اِنَّ
لِّعَبْدٍ مَّا یُعْبَدُ اِلَّا وَاوْنَا وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا
تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ مُّرِیْبٍ

ثمود کے پاس ہم نے اونکے بھائی صالح کو بھیجا اُس نے کہا کہ
بھائیو! خدا کو پوجو اُسکے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے اُس
نے سکوزمین سے پیدا کیا اور زمین ہی پر تم کو آباد کیا۔ اُس
اپنے گناہوں کی مغفرت مانگو۔ پھر اُسکی طرف رجوع کرو۔ میرا
برد و کار سب کے قریب ہو اور سب کا قبول کرنے والا ہے۔
اونہوں نے کہا۔ صالح۔ ہم کو اس سے پہلے تمہاری ذات
سے بڑی توقع تھی۔ تم ہم کو اس چیز سے روکتے ہو جیسا کہ
ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے تم جس طرف ہمیں بلاتے ہو
اس میں تو ہم کو برا لگتا ہے۔

وہ خدا کا برحق پیغمبر کس متانت و استقلال سے اور کئی مکرانہ تحریضیں تعرض کا جواب دیتا ہے۔ اور عذاب الہی سے بچنے اور توبہ و انابت کر لینے کی عرض سے صرف اون کو تین دن کی مدت ملنے کا آخر حکم خداوند ہی سناتا ہے۔

قَالَ لِقَوْمِ اٰسَافِیْہُمْ اَنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِنْ رَبِّیْ دَانِیُّ مِنْہُ رَحْمَةً فَمَنْ یُّضِلْہِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنَّ عَصِیۃَہُ فَاَنْزِلْہُ وَتَہْنِیْ غَیْرَ تَحْسِیۃٍ لِّقَوْمٍ کٰذِبٍ ۝۱۰۱ ۝۱۰۲ اِنَّ اللّٰہَ لَکُمۡ اٰیۃٌ فَاَنْزِلْہَا اِنَّا نَزَّلْنٰہَا فِی اَنْفِیِ اللّٰہِ وَلَا تَمْسُوْہَا بِسُوۡءٍ فِیۡ سَافِیْہُمْ ۝۱۰۳ عَذَابٌ قَرِیۡبٌ یُّعَذِّبُہَا فِیۡمَا قَالَتْ تَمَتُّوۡا فِیْہِ ۝۱۰۴ دَآیِرَہُمْ ثَلَاثَۃٌ اَیَّامٍ ذٰلِکَ وَغَیْرُ مَکْذُوۡبٍ (ہود: ۵)

صالح نے کہا بھائیو! تم سمجھتے ہو۔ اگر خدا کی طرف سے میں بے شک پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت سے مجھ کو اسیس سے کچھ عنایت کیا ہے تو اگر میں اسکی پیغام رسانی میں اسکی نافرمانی کروں تو خدا سے بچانے میں میری کون مدد کرے گا۔ تم تو صرف میرے نقصان بڑھاؤ گے۔ اور ہاں اسے بھائیو! یہ خدا کی اونی تمہارے لئے نشانی ہے۔ اسکو زمین پر چرنے دو۔ اور اس کے ساتھ برائی نہ کرو۔ ورنہ خدا کا عذاب بہت جلد تم کو آئے گا۔ انہوں نے (جب) اسکی کوچ کاٹ ڈالی تو صالح نے کہا کہ اب اپنی گری میں تین دن او لطف اٹھاؤ۔ یہ جہنم کا وعدہ نہیں ہے۔

قوم ثمود کے یہ سخت کفار اس آخری تہذیب و تمدن پر بھی باز نہ آئے بالآخر قحط و سختی کو فیصلہ کرنا ہوا۔ کافرانہ ایک ایک کر کے تباہ کر دئے گئے۔ جناب صالح اور ان کے مومنین تابعین بال بال بچا لئے گئے۔ ذیل کے انتباہات قرآنی سے ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے۔

فَلَمَّا بَیَّنَا اٰمُرًا اَلَمْ یُجِیۡسَا صٰلِحًا وَّالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَا بَرۡہَمَیۃً مِّنۡہُمۡ مِّنۡ خَیۡرِہِیۡ یَّوۡمَئِذٍ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَلْقَوِیُّ الْغَنِیُّ وَ اَخَذَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا الصَّیۡكَةَ فَاصۡبٰوۡا فِیۡ دِآرِہُمۡ جٰثِمِیۡنَ ۝۱۰۵ سَاۡتَ اَلَمْ یَعۡنُوۡا اِنۡہَا لَا اٰتِیۡتُہُمۡ کَظَمۡنَہُمۡ لَہُمۡ ۝۱۰۶ اَلَا بُعۡدَ لِّلۡثَمُوۡدِ (ہود: ۶)

جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے صالح اور جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے انکو ذلت و خواری سے نجات بخشی۔ بیشک تیرا پروردگار زبردست اور غالب ہے۔ اور گنہگاروں کو پہنچانے آیا پس اپنے گری میں سینہ کے بل پڑے رہ گئے۔ گویا کہ کہی وہ ان گروں میں آباد ہی نہ تھے۔ ہاں ثمود نے اپنی پروردگار کو نہ مانا ہاں ثمود کے لئے ہلاکت ہو۔

یہی باقیات الصالحات۔ جو حضرت صالح پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ تباہی و بربادی سے بالکل محفوظ رہے وہی معمورہ عالم میں ثمود ثانیہ کے تخصیصی اور امتیازی لقب سے مشہور ہوئے۔

نمود ثانیہ کے تاریخی حالات

تاریخ کے کارناموں میں عاثرانیہ سے نمود ثانیہ زیادہ مشہور ہیں۔ یہ اسلئے کہ دیگر اقوام قدیمہ سے وہ قریب تر تھے اور زمانہ تہذیب و تمدن سے بھی اونکے زمانہ کو قربت تھی۔ اسی باعث سے انکا ذکر اسیر پارشام (اور روم کے اخبار و آثار دونوں میں پایا جاتا ہے۔

روم کی تاریخ میں۔ رومی مسیح سے کچھ یوں ہی پہلے عرب سنگستان پر جو مقام نمود سے متصل رہے اور اس وقت انباط اور اودوم اور اطراف کے ممتاز قبائل تھے۔ قابض تھے۔ (Bevan p 173)

سرجون یا شرخون ثانی نے فتح عرب کا جو کتبہ اپنی یادگار چھڑا ہے اور جس کو اس تاجدار شام نے اپنی فتح مند اور قوت سلطنت کا معیار قائم کیا ہے۔ اس میں محض منفاخرت کے اظہار سے قوم مفتوح کا بھی

نام لکھا ہے۔ اسی فہرست اقوام مغلوبہ میں۔ نمود کا نام بھی مندرج ہے (Forester vol II. p 125)

روم و یونان کے مورخین میں ڈائڈورس (Dydorios) (ششہ ق م) پلینی (Plany) (۶۹ء) اور پلینیوس (Plotomus) (۱۳۰ء) نے نمود کا ذکر کیا ہے۔ ڈائڈورس نے

نمود کا تلفظ تھمودینی (Thamudani) کیا ہے۔ اور پلینیوس نے تھموداٹ (Thamudite)

کیا ہے۔ اور ابھی تک تمام یورپین زبانوں میں اسی تلفظ کے ساتھ لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ ان غیر قوی مورخین نے جو ساکن اور سواطن نمود ثانیہ کے اپنی کتابوں میں بتلائے ہیں وہ بالکل وہی ہیں جو عرب کے قدیم مورخین نے اپنی ملکی روایات کے اسناد سے لکھے ہیں۔

ایک دوسرا یونانی مورخ اور دینیوس (Urdnus) نمود کے ذکر میں لکھتا ہے۔

رومیوں نے جب عرب شمالی پر قبضہ کیا تو نمود رومیوں کی فوج معاون میں داخل ہو گئے تھے قبضہ

جسٹینین (Justinian) کے عہد میں (۵۲۸ء - ۵۶۵ء) نمود بھی رومی افواج میں شامل تھے

ان کے لیے نیزے اور سواری کے اونٹنا مشہور تھے۔ (Gibbons vol I)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمود کے ملک کا اکثر حصہ چونکہ اہل مدین نے پہلے دبا لیا تھا اور باقی حصہ پر بعد کو انباط قابض ہو گئے تھے۔ اور رومی انباط کے خلاف عرب پر فوج کشی ارادہ رکھتے تھے اور اس ارادہ کو انہوں نے پورا ہی کیا اس تقریب سے عجب نہیں کہ انباط کی مخالفت میں نمود نے رومیوں کا ساتھ دیا ہو۔

تاہم تعجب ہو گا کہ نمود کا ذکر توراۃ میں نہیں۔ لیکن توراۃ کی تحریر میں جاننے کے بعد یہ تعجب نہ گے

ہو جائیگا۔ توراۃ کی تاریخ ہر عالم سے حضرت یعقوب (نہو ابراہیم) تک محدود ہے اس کے بعد ہجرت مصر کا واقعہ ہے۔ جو تقریباً سنہ ۱۸۰۰ ق م میں واقع ہوا ہوگا۔ اس زمانہ سے تا عہد موسیٰ جو تقریباً ۱۵۰۰ برس کا زمانہ ہے۔ جو توراۃ کی کامل خاموشی کا زمانہ ہے اور از روئے تاریخ ثمود کے عروج و زوال کا یہی زمانہ ہے۔ اسکے بعد توراۃ میں صرف اون غیر اقوام کا ذکر ہے جن سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات تھے۔ اور یہ رتبہ ثمود کی جگہ اب مدین کو حاصل تھا۔ جو ثمود اولیٰ کے جانشین تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۹۰۰ یا ۱۰۰۰ ق م میں اہل مدین جب بنی اسرائیل کے ہاتھ سے کلیئہ برباد ہو گئے۔ تو ثمود ثانیہ نے پھر ایک بٹھا لایا اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں شاہ اشور (سیریا) نے شمالی عرب پر حملہ کر کے ثمود سے سنہ ۱۸۰۰ ق م میں خراج وصول کیا تھا۔ اس کے بعد ظہور مسیح سے پہلے انباط نے ثمود کو فتح کر لیا۔ اسکے بعد جب رومیوں نے انباط پر حملہ کیا تو ثمود دشمنوں کے ساتھ ہو گئے۔ اور اسی خصوصیت سے تاریخ میں ثمود کا ذکر آیا۔

اسلام جب آیا تو ثمود کا نام و نشان ہی نہ تھا۔ یہاں قبائل جثلیہ۔ ذلی اور یہود اوس وقت آباد تھے عجب کیا کہ انباط نے خیانت و طغیانی کی سزا میں انکو برباد کر دیا ہو۔

طسم و جدیس عرب کے دو مشہور قبائل

یہ دونوں قبائل یامہ میں رہتے تھے یہ کبھی کی روایت ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ مورخ ابن خلدون نے انکو بحرین میں جگہ دی ہے صحیح یہ ہے کہ خلیج فارس پر یامہ۔ بحرین۔ اور عمان کے نام سے جو شہر آباد ہیں طسم و جدیس کی آبادی ان سب پر مشتمل تھی حقیقتاً قوم عاد کے یہ چوٹے چوٹے ٹکڑے تھے سیاسی قوت اولاً طسم کے ہاتھ میں تھی۔ ایک زمانہ کے بعد عموق نام ایک ظالم بادشاہ تخت نشین ہوا جس نے اپنے شرمناک قواعد سے۔ قبائل جدیس کو برہم کر دیا۔ بالآخر جدیس کی ایک خاتون عروس نے قبیلہ کو غیرت دلائی۔ یہ غیرت آگ بنکر اٹھی۔ طسم نے شاہین سے مدد مانگی۔ اوس نے جدیس کو شکست دیدی آخر قبائل کی باہمی نا اتفاقی نے ملک غمروں کے سپرد کر دیا۔ ابوالفدا طبری اور ابن ہشام دغانی وغیرہم یونانیوں نے قبائل عرب میں سے ایک کا نام جولستائی (Jolistai) لکھا ہے شاید

جمع ایباوت۔ لفظ وادی القرئی

اوس سے جدیس مراد ہو۔ طسم کا نام ہلاکت و بربادی کی عبرت کے لئے اس قدر مشہور ہو گیا ہے کہ عربی زبان میں طسم کے معنی ہلاکت و بربادی ہو گئے ہیں۔ عرب جاہلیت کا ایک شاعر سلمیٰ ابن ربیعہ کہتا ہے: اھلکون طسماً بعدہ ز غدی بہم وذا حدوتک و اھل جاش و مارب و وحی لقمان و التقت ترجمہ۔ حوادث زمانہ نے طسم کو۔ اور اسکے بعد ذرا حدوتک و اھل جاش و مارب کو اور تسبیہ لقمان کو ہلاک کیا۔

اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ طسم کا زمانہ سب اہل مارب اور عاد ثانیہ (روسی لقمان) سے مقدم تھا۔ تعجب ہے کہ اس تفصیل مدت اور تعین زمانہ کے بعد بھی مورخین عرب نے اوس بادشاہ کین کا زمانہ قایم کرنے میں غلطی کی ہے جو جدیس کے خلاف میں طسم کی ابداد کے لئے آیا تھا۔ مورخین عرب نے اس شاہ کین کا نام تیج حسان یا حشان (باختلاف روایت لکھا ہے۔ اور یقیناً غلط ہے۔ ایک طرف یہی ارباب روایت ان قبائل کو اتنا قدیم ٹھہراتے ہیں کہ ان کو ارم کی صرف بدو واسطہ اولاد قرار دیتے ہیں۔ یعنی تین یا چار ہزار ق۔ م۔ ان کا زمانہ بتلاتے ہیں اور یا اس قدر پیچھے کرتے ہیں کہ تباہ کین کا معاصر قرار دیتے ہیں جس کا زمانہ ۱۱۵ ق۔ م۔ سے اوپر نہیں جاتا۔ غالباً تیج کین سے عام شاہ کین مراد ہے۔

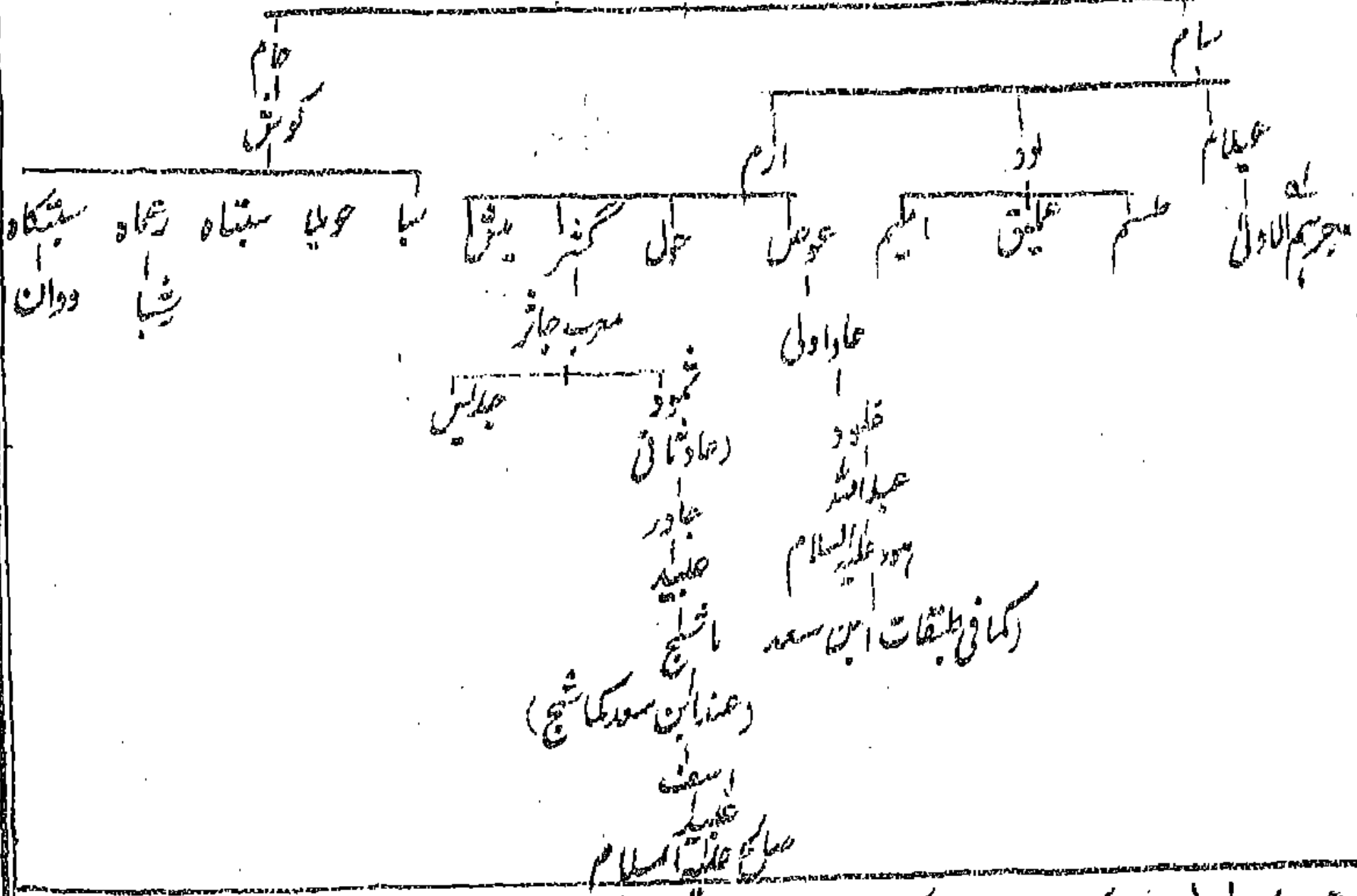
یہ نام کا قدیم نام جو اس ہے۔ لیکن زیادہ تر اپنے قصہ حکومت کے نام سے مشہور ہے جس کا نام ”قریہ“ اور ”حجر“ ہے قریہ اور حجر لفظ دو ہیں۔ لیکن معنی ایک ہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ہمدانی مینی۔ جو عرب کی قدیم زبانوں سے واقف تھا کہتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنی آبادی کے ہیں۔ قدیم عربی میں حجر لفظ تھا۔ بعد کی عربی زبان میں اس کے لئے قریہ کا لفظ استعمال ہوا جو حجر کا بعینہ ترجمہ ہے۔

یہ نام میں آثار قدیمہ کے نشان جن فرانسیسیان اسلام کے عہد تک باقی تھے۔ اور انھوں نے خود اون کو مشاہدہ کیا تھا۔ بخران اور بحرین کے درمیان ایک پہاڑی ہے۔ اس پر مشرق نام ایک قلعہ ہے جو طسم کی طرف منسوب ہے۔ ایک اور عمارت ایک ٹیلہ پر واقع ہے جس کا نام معنی۔ وہ بھی طسم ہی کی یادگار ہے۔ شہر بھی اسی قسم کی ایک عمارت ہے قریہ مینی سدوس۔ یہاں میں ایک مقام ہے۔ یہاں اوپر سے نیچے تک تراش کر پتھر کی ایک پورعی عمارت بنائی گئی ہے۔ ایک اور عمارت تیل حجر کے نام سے ہے۔ اس عمارت کا حصہ زیرین مربع شکل ہے۔ اور بلند می۔ ہاتھ کے قریب ہے۔ جعدہ نام ایک اور قلعہ یہاں بتائے۔ قدیم کی یادگار ہے۔ ان تمام عمارات و مقام کے نام عجیب الہ ان یا قوت میں موجود ہیں۔ خدا جانے ان آثار کا اب کس قدر حصہ باقی ہے۔ تاہم اگر یہ سب کل یا ان میں سے بعض بھی طسم و جدیس کے معنوعات ہوں تو ان قبائل کی عظمت و تمدن

کے دلائل نہایت واضح ہیں۔

ان مقامات پر یونانیوں یا رومیوں نے کبھی حملہ نہیں کیا۔ سکندر کے بعد جب عراق میں سکونی
 (سکوکس) خاندان قائم ہوا تو اس نے صرف ایک بار ششماہی مہم میں اہل قریہ پر تھوڑی سی فوج
 کے ساتھ حملہ کی جرأت کی تھی۔ قبائل قدیمہ پیامہ و مجسین کی بربادی کے بعد ایک مدت تک
 یہاں ویرانی رہی۔ تا انکہ اسماعیلی اور فوطانی عربوں نے اومہ پر فتح کیا۔ ربیعہ اسماعیلی کی ایک شاخ
 حنظلہ ابن اسد اور کھلمان فوطانی کی بعض اولاد نے بحرین پر اور بنو حنیفہ کے پیامہ پر قبضہ کیا۔ اسلام
 آیا۔ تو بحرین فارس کے قبضہ میں تھا۔ اور اون کی طرف سے ایک عرب خاندان نائب حکومت تھا اور
 اور پیامہ بدستور بنو حنیفہ کے قبضہ میں تھا۔ اول سے بر غیبت دعوت اسلام قبول کی۔ اور ثانی خلافت
 اولی کے زمانہ میں ایک جنگ عظیم کے بعد مطیع ہوا۔ ارض القسمران۔ ذکر طسم و جدیس ج ۱ ص ۲۰۶
 عرب البانکہ اور اون کے مختلف اور مشہور ترین قبائل و شعائر کے تمام و کمال حالات بیان
 کر کے ناظرین کے فرید اعلیٰان کے لئے ہم اون کے سلسلہ کا شجرہ نسب ذیل میں تیار کئے دیتے ہیں
 جس سے اون کے اصل و قرع قبائل و اقوام آسانی سے معلوم ہو جائے گی۔

نوح علیہ السلام



عرب العاربة (عرب متوطن)

عرب العاربه یا عرب متوطن. یقطان ابن عابر بن صالح بن افریخت بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس کے یہ صحیح ہے کہ عرب العاربه ہی عرب الیاءدہ سے علیحدہ اور غیر قوم نہیں ہیں۔ بلکہ عرب الیاءدہ کے اوس شجرہ میں جو ابی ابی اوپر قلمبند ہوا ہے۔ اوس میں سام کے تین بیٹے دکھلائے گئے ہیں۔ عیلام۔ کود اور آدم اور ہی گویا عرب الیاءدہ کے مورثا اعلیٰ ثابت ہوئے ہیں۔ ان میں تین بیٹوں کے ساتھ۔ سام کے چوتھے بیٹے۔ افریخت ہی قائم ہوئے ہیں جن سے عرب العاربه کا نسب نامہ ملتا ہے۔ اس بنا پر عرب الیاءدہ اور عرب العاربه اگرچہ فرعاً جدا سمجھے ہی جائیں تو اصلاً ایک ہی ہیں۔

یقطان۔ عبرانی لفظ ہے۔ عرب اسی کو قحطان کہتے ہیں۔ تورات مقدس کے تیسرے کتاب خمسہ میں یہ لفظ یقطان مرقوم ہے اور انجیل میں جو یقطان کے قلیل اضافہ کے ساتھ۔ مشتق۔ یوہانہ ۱: ۱۱

فارٹر Rev H. Forster نے نہایت مستحکم دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ ان تینوں نام قحطان یقطان اور یو یقطان سے ایک ہی شخص مراد ہے جس کو عرب قحطان کہتے ہیں۔ موسائی یقطان اور عیائی۔ یو یقطان۔

بعض مورخین کا یہ قول کہ عرب الیاء اور عرب العارہ دونوں قحطان کی نسل سے ہیں۔ اوسے طرح بعض سے قطعاً ہے جس طرح سیرت ابن ہشام میں بعض اہل یمن کا یہ دعویٰ کہ بنو قحطان ہی بنی اسمعیل میں داخل ہیں۔ مگر فارسی کے علماء دیوبند کا مشہور و معروف ترکہ ہر وہی اور سرزمین ہوا اس امر پر متفق ہیں کہ قحطان ہی کی اولاد تمام عرب میں پھیلی۔ اس لئے تمام عرب اسی شخص کی اولاد میں داخل ہیں۔ ہمارے نزدیک قحطان کے ساتھ حضرت اسمعیل کا نام لینا ہی ضرور ہے۔ ورنہ تحقیق میں نقص رہ جاتا ہے۔ ابن ہشام نے اس مقام پر دیوبند کے غور سے کام لیا ہے اور لکھ دیا ہے

بقیمہ بیکارست حاشیہ زیرین حدیث گذشتہ۔ زباً ام ساریہ اولی سے تھا۔ اور بعض اس کو قحطان کا نسل سے بتلاتے ہیں۔ عام مورخین نے دونوں خیالوں کو یکجا کر دیا ہے اور بتلایا ہے کہ جرہم دو تھے۔ جرہم اولی اور جرہم ثانیہ قحطان کا بیٹا اور حضرت اسمعیل کا چچو کا۔ اور رشتہ دار تھا۔ جرہم کا دوسرا بھائی لغرب بن قحطان مین کا مالک تھا اور جرہم بن قحطان کے حصہ میں عجاز کا ملک دیا گیا تھا۔ تاریخ یوسفی میں ہے کہ قحطان و لا جرہم بن عاصم بن اسد بن اسحاق بن قحطان بن عابر بن الیمق اس نے ظاہر ہے کہ جرہم قحطان کا بیٹا تھا بلکہ رابر کا بھائی تھا۔

فالعرب کلہا من قحطان و اسمعیل۔ تمام عرب قحطان اور اسماعیل سے ہیں۔
 قحطان کی جاے سکونت، توریت میں بیشاپ سے لیکر سنفار تک بتلائی گئی ہے۔ سنفار یا سنفار شرق
 میں ایک پہاڑی کا نام ہے۔ مٹربہ کہ ہروط کی تحقیق میں، بیشاپ اور منورہ۔ جو قحطانی قوم سببا کا خلیج
 عرب کے دہانے کے قریب ایک بندرگاہ ہے۔ ایک ہی مقام ہیں۔ اور سنفار سے بین کا وہ کوہستانی حصہ
 مراد ہے۔ جہاں جغرافیہ بطلیموسی کے شہر سنفار اور قوم صفار آباد تھی۔ ان حدود کے اعتبار سے قطعہ زمین
 رقبہ میں کل ڈیڑھ سو میل ہوتا ہے اس بنا پر فار مٹربہ صاحب کو تامل ہے کہ ایسے سنگ علاقہ میں قحطان کی
 کثیر التعداد اولاد کیسے آباد ہوئی ہوگی۔ اس لئے وہ خواہ مخواہ علاقہ نجد میں اور اسکے آس پاس واسلے
 اندرونی حصہ میں پھیل گئے ہوں گے۔ یہ حقیقتاً صرف قیاسی استدلال ہے۔ توریت میں ان کے مقام
 سکونت کا سمت بتلا دیا گیا ہے۔ ان کے موطن بوسکن کی اصلی حد اور خاص رقبہ نجد و کوہ دیا گیا ہے جس
 میں کسی قیاسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔

قحطان کے تیرہ بیٹے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ الموداد۔ شلف۔ حضراوت۔ یرج۔ پدورام
 اوزال۔ رطلہ۔ عویال۔ باسیل۔ شبا۔ اوفر۔ ویلاہ اور یویاب۔ انہیں سے ہر ایک کے حالات
 اور سکونت کے مقامات علیحدہ علیحدہ ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) الموداد۔ اس شخص کا خاندان یمن یا عرب المعبر میں اور اس خلع میں جو بحرین تک
 چلا گیا ہے۔ آباد ہوا۔ اور اس المودانی سے مطابقت رکھتا ہے جس کو بطلیموس نے یمن کی درمیانی
 قوم لکھا ہے۔

(۲) شلف۔ یہ شخص کوہ ذامس کے مغربی حصہ میں یا اوس وسیع میدان میں جو درمیان کاظم اور مدینہ
 کے مابین واقع ہے۔ آباد ہوا۔ یہ قوم بطلیموس کی بیان کی ہوئی سائنسی قوموں سے مطابقت رکھتی ہے
 عربوں میں یہ قوم بنی سالف مشہور ہے۔ جو عبرانی نام شلف کی عربی شکل ہے۔

(۳) حضراوت۔ اس قوم نے اپنی سکونت کے لئے دو زرخیز قطعات زمین کو جو خلیج
 فارس کے برابر برابر پھیلے ہوئے ہیں اختیار کیا تھا اور وہ آج تک حضرت اون کے اصلی نام سے
 یادگار ہیں۔ یہ لوگ رومیوں کے نزدیک اور یونانیوں کی کتابوں میں اپنی وسیع تجارت۔ فن جہاز رانی اور
 معرکہ آرا جرات و بہادری کے لئے مشہور تھے۔

(۴) یرج۔ اس شخص کا حال ہم سب سے آگے نہیں کہیں گے۔

(۵) پدورام۔ اسکی اولاد نے مشرقی حصہ ملک میں بنگہ لی اور وہیں آباد ہوئے قصبہ پدورج

(۷) وقلادہ - یہ قوم بھی چین میں آباد ہوئی۔ ذرا استغلامہ جو چین کی ایک قوم ہے اور جس کا ذکر مسٹر پوکاک (Mr Pococke) نے ہی کیا ہے۔ اسی کی اولاد میں ہے۔

(۸) عویال - اس کا نشان عرب میں نہیں پایا جاتا۔ مگر فارسٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ یہ قوم افریقہ کو ملی گئی۔

(۹) ایما سئل۔ بہت سے مختلف آثار جو مختلف اشخاص نے اس قوم کی سکونت کے متعلق بتلائے ہیں۔ وہ اسکے شاہد ہیں کہ یہ قوم بنی سالف کے مقام سکونت اور حجاز کے قرب و حوا میں متوطن تھی۔

(۱۰) شیبہ۔ اگرچہ یہ قبیلہ ہی جنوب کی طرف جا بسا اور میں سکونت پذیر ہوا۔ مگر یہ شاہد شیبہ نہیں ہے۔ جس نے یمن میں خاندان سبا کی سلطنت قائم کی۔ اکثر مورخین عرصہ دراز تک اس غلطی میں پڑے رہے۔ اور دونوں کو ایک ہی سمجھتے رہے۔ وہ دو سر اشباع عبد الشمس تھا۔ جس نے خاندان سبا کی سلطنت قائم کی اور شہر مارب اور شہر سبا کو بنایا جس کا ذکر آگے آئیگا۔

(۱۱) اوفریہ قوم عثمان میں جو سیاہ کے پورب ہے۔ آباد ہوئی۔ چنانچہ شہر اوفریہ میں ان کے نشانات آج تک پائے جاتے ہیں۔ (توریت کتاب الملوک باب ۹ درس ۲۵)

(۱۲) جو ہلا ۵۔ یہ شخص ٹھیکہ شمال میں شہر تارب کے آباد ہوا۔

(۱۳) پوپا پاپ۔ یہ بھی مارت کے جانب روانہ ہو کر اوسے نواح میں آباد ہوا۔ قوم چوبانی۔ جس کا بطلیموس نے ذکر کیا ہے اور جس کو ہنی جو بار کہتے ہیں۔ اوسے کی اولاد ہونی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

جرم کے تحقیق حالات

جزء - مرقومہ بالا پس آن قحطان کے ذکر غیر اسلامی مورخین کے تالیفات سے مستند کئے گئے ہیں
حقیقت میں عربی مورخین قحطان کے اتنے بیٹوں میں سے صرف دو بیٹوں کا ذکر کرتے ہیں یعرب اور
ہرم۔ ہرم کا چند مورخین کی رائے ہے کہ یعرب اور یرح سے ایک ہی شخص مراد ہے۔ اگرچہ یہ قاعدہ
ہے کہ عربی میں ہرم اور یرح کا تبا و لا ہو تا ہے۔ مگر تاہم ہرم کے متعلق مورخین کی راویا میں اختلاف
ہے کہ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ نہیں۔ لیکن بالآخر جمہور کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ یعرب اور ہرم دو نوا

رج کے بیٹے تھے۔ یورپین مورخین۔ جان اسٹرابور (JHON STRABO) اور مسٹر جارج سیمیل
GEORGE SALE مشہور مترجم قرآن ہی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن مورخ ابوالفدا اپنی تاریخ میں
ایک مقام پر یعرب اور جرہم کو دو مختلف اشخاص بیان کرتا ہے اور دوسرے مقام پر جہاں وہ مختلف
اقوام عرب کے متفرق شعبوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں جرہم کو تنہا تمام عرب کا مورث اعلیٰ بتلاتا ہے اس
سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ہی یعرب اور جرہم دو متفرق ناموں سے ایک ہی شخص مراد لیتا ہے اور حقیقتاً
یعرب کی بہت سی شاخیں بنی جرہم میں آکر لگاتی ہیں۔

بہر حال مشرقی مورخین نے اس مسئلہ کو بالکل غیر منفصل چھوڑ دیا ہے۔ مگر فارسی صاحب نے
بڑی قابلیت سے اسکو ثابت کیا ہے کہ جرہم اور یعرب ایک ہی شخص تھے۔ انھوں نے اپنے دعوے کے
ثبوت میں لکھ دیا ہے کہ مشہور مترجموں نے اس نام کو جرج لکھا ہے۔ سیٹھا جروم ST JEROM نے جیرا
اور حال کے عربوں نے جرج۔ شرح۔ شرح۔ اور زہران لکھا ہے۔ پھر بقاعدہ تاجی ان ناموں کی مطابقت بیان
کر کے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں :-

علی العموم جو شہادت کہ خود عرب بھی اپنے جرہم کو پسر فحطان کے ساتھ دیتے ہیں۔ اس کی
تفصیح و تصدیق کتاب بطلیموس میں غیر بدل قرآنی نام کے درج ہونے سے واقع ہوئی ہے اور
یہ ایک ایسی مثال ہے جس کا ہم کو بارہا حوالہ دینا پڑا یعنی بطلیموس کے اس فقرے کا۔ السید ولا جزا
چوری۔ جسکا ترجمہ ہے۔ جزیرہ بنی جرہم۔ جو حجاز کے کنارے سے دور ایک جزیرہ ہے۔

مرفوعہ بالا دلائل کی رو سے جرہم اور جرہم کی مطابقت تسلیم کر لینے میں ہمیں بھی کوئی کلام نہیں۔ چنانچہ
عرب لغاریہ کے شجرہ انساب میں ہم ان دونوں کو ایک ہی شخص قرار دیکر یعنی یرج۔ یا یعرب۔ جرہم یا جرہم
الکا شجرہ لکھیں گے حقیقت میں عرب لغاریہ کی تاریخ اس شخص کی اولاد اور ان کے اولاد و اعتقاد سے
پُر اور محلو ہے۔ کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ اسی شخص کی اولاد و ذریعات تھے جنہوں نے
مختلف قوم و قبائل میں منقسم ہو کر بڑے بڑے کار نمایاں کئے اور زبردست سلطنتیں اپنی اعلیٰ تدبیر اور ہوشیاری
نظام ملکی کی کامل میاقت اور پوری مہارت کے ثبوت میں قائم کیں۔ جنکو ہم بڑی تلاش و تحقیق سے
ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ مگر قبل اسکے کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان کو شروع کریں۔ ہم کو یہ بتلانا ضروری
ہے کہ انکی سلطنتوں کا صحیح زمانہ بتلانا مشکل ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ ان حالات کا استنباط
اکثر زبانی اور سینہ بسینہ اخذوں سے کیا جاتا ہے۔ جو غلطیوں سے خالی نہیں کئے جاسکتے۔ دوسرا وجہ
مورخین عرب کے اقوال ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ ان کا تمام سرمایہ توریث کے یونانی ترجمہ پر منحصر

ہے۔ یونانی ترجموں کی یہ حالت ہے کہ حسب اصل عبرانی عبارت، تورات سے ملائے جاتے ہیں۔ تو زمانہ کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ عیسائی مکون میں یونانی ترجمہ عبرانی ترجموں کو ہمیشہ ترجیح دیتا ہے اور عبرانی تورات کے زمانے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ہر چند کہ اسکے زمانے بھی شہروں سے خالی نہیں۔ تیسری وقت یہ آگئی ہے کہ مورخین عرب سے عبرانی اور یونانی دونوں ترجموں کی زمانہ کو ایسا غلط ملاحظہ کیا ہے۔ اور اسوجہ سے اس زمانہ کے تاریخی سلسلہ میں ایسی گنتی ڈال رہی ہے کہ واقعات کا سلحمانا دشوار ہو گیا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ ایک عجیب غریب افتادہ یہ کرتے ہیں کہ کسی واقعہ میں تو اپنی زبانی اور یادداشت کے مطابق اسکا زمانہ قائم کرتے ہیں۔ اور کسی میں شخص یونانی ترجموں کا دیا ہوا وقت بتلاتے ہیں کیا کوئی تجربہ کار محقق اور واقعہ کار مورخ کہہ سکتا ہے کہ ان تمام دشواریوں پر غالب آجانا اور ان تمام ادبجاءوں کو سلحمانا کوئی معمولی اور آسان کام ہے۔

ہم نے اپنے سلسلہ بیان میں ان وقتوں کے آسان کر نیکے لئے تین طریقے اختیار کئے ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ ہجرت واقعات کی تحقیق میں تورات کے عبرانی ترجمہ کو پیش پیش رکھا ہے۔ کیونکہ یہ تسلیم ہے کہ عربی فنون و علوم اور ان کے تمام اوصاف کے متعلق جب اخبار و آثار قدیمہ سے تعلق بمطابقت اور تلاش کی ضرورت آ پڑتی ہے تو پھر تمام ذی لیاقت اور صاحب جامعیت حضرات۔ عام اس سے کہ مغربی مولفین ہوں یا مشرقی مصنفین۔ اسی ترجمہ عبرانی کو آگے رکھتے ہیں۔ دوسرا طریقہ ہم نے قوم عرب العرب کے ہر واقعہ کو قوم بنی اسرائیل کے حالات سے مقابلہ کر نیکا اختیار کیا ہے اور اس طریقہ سے ہم کو واقعات عرب کا صحیح زمانہ قائم کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔ تیسرا طریقہ جو ہم نے آخر میں اختیار کیا ہے وہ اصل میں تو وہی دوسرا طریقہ ہے۔ مگر ہم نے اسکو زیادہ وسیع کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ واقعات عرب کو ہم نے دیگر ممالک اور اقوام کے اثنا واقعات سے بھی مقابلہ ہی کر لیا ہے جو قریب قریب ایک وقت میں واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر واقعہ عرب کا سال نہیں معلوم ہوتا۔ مگر اسکے ہم وقت واقعہ کا جو کسی غیر ملک اور قوم میں واقع ہوا ہے۔ صحیح زمانہ اونکی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ تو اس سے ہم کو عرب کے واقعہ کا صحیح سال وقوع معلوم ہو جاتا ہے۔

بہر حال۔ اتنا تمہیداً لکھ کر ہم اپنے سلسلہ بیان کو پہلے عربی ماخذوں کی نقل سے آغاز کرتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ غیر اسلامی مورخین کی تحقیق کا بھی اضافہ کرتے جاتے ہیں۔

فوطان پہلا شخص ہے جو میں میں آیا دہوا۔ اسکا نام فوطان بن عابر بن شامخ ہے۔ اور یہی فوطان ہے جس نے سر

اول من نزل الیمن فوطان بن عابر بن شامخ
وفوطان المذكور اول من سلاطین الیمن

والدین لتاج - (ابو الفدا)

پہلے یمن میں حکومت کی اور تاج شاہی پہنا۔
تاج شاہی کی ایجاد اسی وقت سے ہوئی محققین کے نزدیک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہی شخص فحطان
القطان فالح کا بھائی تھا۔ اسلئے فحطان کی تاریخ پیدائش سے بہت دور نہوگی۔ اس بنا پر فحطان کی تاریخ ولادت
قریب ۵۵۰ء دینوی یا حضرت مسیح سے دو ہزار دو سو برس قرار پاتی ہے۔ اس زمانہ میں نمرود سپر کوش ملک بابل
راشور کا بادشاہ تھا۔ اور حام ابن صہرہ ملک مصر کا۔ اس وقت یعنی ۵۵۰ء دینوی یا ۲۲ ق م میں
فحطان یمن کا بادشاہ ہوا۔

فحطان کے بعد یعرب یا جرہم اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ابو الفدا میں ہے۔
ثم مات فحطان وملك بعده ابنه يعرب ابن
فحطان مگر کیا تو اس کا بیٹا یعرب ابن فحطان بادشاہ ہوا۔

محققین کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ یعرب کے قبضہ میں یمن اور حجاز کے صوبے ہی آگئے تھے
اور یہی یعرب اس وقت بنی جرہم کے نام سے مشہور تھے۔ فارط صاحب اس امر کی تحقیق میں کہ جرہم پہلے
یمن میں آباد تھے۔ بہت سی معقول وجوہ پیش کی ہیں اور اس صوبے کے اکثر مقامات کو جرہم کے خاص نام سے
سوسوم ہونیکا ثبوت پہنچا یا ہے۔ انہیں سب سے مستند اور معتبر ثبوت یہ ہے کہ جرہم کی کنیت ابو الیمین قرار پاتی ہے۔
جرہم کے بعد جرہم کا بیٹا شعیب تخت پر بیٹھا۔ مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

ثم ملك بعده ابنه شعیب بن یعرب ثم ملك بعده ابنه
عبد الشمس بن شعیب بن سبا وهو الذي بنا السدا
یا ضی مارب۔
اے بعد شعیب بن یعرب جرہم (جرہم) بادشاہ ہوا۔ اور اسکے بعد اسکا
بیٹا عبد الشمس بادشاہ ہوا۔ یہی عبد الشمس سارا کہ مشہور ہے جس نے
سدا مارب بنوائی۔

سدا۔ یہی شخص یمن کے مشہور و قدیم سلطنت سبا۔ اور شہر مارب اور سند وغیرہ کا بانی ہے۔ مورخ
ابو الفدا آگے لکھتے ہیں۔

ولمات سبا ملك الیمین بعده ابنه حمیر ابن سبا
چونکہ حمیر قطان سے چوتھی پشت میں تھا اور ترج ہی فالح سے چوتھی ہی پشت میں تھا۔ اسلئے یہ توبہ نکالنے کے متمم مختار
ہے کہ حمیر کی ولادت ترج کی پیدائش سے کچھ دور نہیں ہوگی یعنی ۱۸۵۰ء دینوی یا ۱۲ ق م میں تقریباً اسکی ولادت ہوگی
اب دیکھو۔ ترج کے تین بیٹے تھے۔ ابراہم (ابو الیمین) نامی اور حاران حمیر کے ہی تین ہی بیٹے تھے۔ وائل، عوف
اور اکسا۔ اس بنا پر ترج اور حمیر کی اولادوں کا باہم ہم عصر خیال کرنا چاہیے۔ یعنی یہ ۱۹۲۸ء دینوی اور ۲۰۲۵
ق م میں وہ تھے۔ وائل کا بیٹا سکرت اور عوف کا بیٹا ثاران ہوا۔ اب اولیٰ اسی مدت پر تو ایک پشت کیواسلئے

عموماً دیکھی جاتی ہے تاکہ اس کے اور بعد ازاں تاریخ پیدائش کو طبن حاران پر غور کر کے رسلک اور فاران کی تاریخ ولادت قرار دیا جائے۔ جو ۱۸۷۵ء دینیوی اور ۱۲۱۲ھ ق م میں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے تیس برس قبل قرار پاتی ہے۔ وائل اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ اور عوف کسی جگہ تھماڑ اور نجد کے درمیان کے آباد ہوا۔
ابوالفدا اس سلسلہ بیان میں آگے لکھتے ہیں۔

ثم ملک بعدہ (یعنی حمیر) ابنہ وائل ابن حمیر	حمیر کے بعد اسکا بیٹا وائل۔ اس کے بعد اسکا بیٹا مسکد تخت نشین ہوا۔ پھر ملک یمن پر دویا بنش جس کا نام عامر ابن فاران ابن عوف ابن حمیر تھا۔ قابض ہو گیا۔
ثم ملک بعدہ ابنہ المسکد ثم وثب علی ملک الیمن ذوی یاش و هو عامر ابن یاش (فاران)	

یاش ابن یاش (فاران) ابن عوف ابن حمیر

اسم اور پر بتلا آئے ہیں کہ عوف تھماڑ اور نجد کے درمیان کی مقام پر آباد ہوا۔ یہ امر اس سے ثابت ہے کہ آج تک جبل عوف جو نجد کے پیچھے واقع ہے۔ عوف کے نام سے مشہور ہے۔ عوف کے نام سے مشہور رہی نہیں بلکہ ماخوذ و تخریج ہی سمجھنا چاہیے۔ قرینہ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ فاران ابن عوف ہی اپنے باپ کے پڑوس میں آباد ہوا۔ یعنی اس وادی غیر فوی زرع میں جہاں فی الحال مکہ معظمہ واقع ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ فاران کا اطلاق صرف اسی وسیع شمالی بیابان پر نہیں ہوتا ہے جو قحطانیوں تک چلا گیا ہے بلکہ ان پہاڑوں پر بھی ہوتا ہے جو انہیں واقع ہیں۔ بلکہ ان پہاڑوں ہی کی وجہ سے اس وسیع میدان کو فاران کا میدان کہتے ہیں۔ تمام مشرقی تاریخ اور وہ لوگ جو قدیم روایتوں کے معتقد ہیں۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ توریت مقدس میں بھی صاف صاف مذکور ہے کہ یہی نواح بنام فاران مشہور ہے۔

چونکہ اس مضمون سے ہماری کتاب کے تمام مدعائے تالیفی کا آغاز ہوتا ہے۔ اور گویا یہی مضمون ہمارے بیان کا سر عنوان ہے۔ اس لیے ہم فاران ابن عوف کا حال کی قدر تفصیل سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

تاریخ ابوالفدا ۱۸۸۱ء میں لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر چھپی ہے۔ اس کے مضمون میں لفظ فاران اس شکل میں (باران) چھپا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ بعض یہودی اپنی زبان میں قحط کو چپ کے ایسا تلفظ کرتے ہیں اور عرب جہاں قحط کو دیکھتے ہیں اسکو تب سے تلفظ کرتے ہیں۔ فاران کے سر پر بھی مصیبت گذری۔ تھا اسل میں قحط یہودیوں نے پڑا تھا اور یہودیوں سے جب عربوں نے پڑا تو اس قحط کو تب بنا دیا۔ عربی سے لاطینی ترجمہ جھپٹ کر قحط غلطی سے تب کا نقطہ چھوٹ گیا۔ اور فاران کی (باران) یہ شکل صورت ہو گئی۔

بہر حال مغربی اور مشرقی تمام مؤرخین کے اتفاق سے یہ امر ثابت ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تھا۔ باقی یہ ہے کہ عوف نے جس مقام پر سکونت اختیار کی تھی وہاں قدرت اور قدرت کی خصوصیت کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا

جو اس کی شہرت کا باعث ہوتا۔ مگر چونکہ اسکے مقابلہ میں فاران کے کوہستانوں اور اسکے گرد کے تمام میدانوں کو ظہور قدرت کی تجلی گاہ بننا تھا۔ اور اس سے تمام اقطاع عالم میں انوار وحدانیت اور اختیار و آثار روحانیت پھیلاتا تھا۔ اسلئے فاران کے کوہستان اور اسکے میدان عظمت و حرمت کے عرش اکمال تک ایسا پہنچے کہ اب فاران بن عوف کا کوئی نام ہی نہیں رہا تھا۔ اس تازہ تعلق اور نئی نسبت سے اسکو یہ برکت حاصل ہوئی کہ اب اسکا نام کروڑوں عقیدہ مندوں کی زبانوں کا وظیفہ ہے اور اسکی خاک اونکی دیدہ عقیدت اور چشم حقیقت کا سرمہ۔

اننا لکھ کر ہم پھر اپنے قدیم سلسلہ پر آجاتے ہیں۔ مؤرخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

ثم نهض من بني وائل النعمان ابن يعفر ابن سكك ابن
السكك ابن وائل ابن حمير واجتمع عليه
الناس وطلق عامر بن بارسان عن الملك وسمي
النعمان لئلا يكون له ملك لئلا يكون الملك

یعنی وائل سے ایک شخص نعمان ابن یعفر ابن سکک ابن
وائل ابن حمیر پیدا ہوا۔ اور اسپر تمام قوم نے اجماع کیا۔
اور عامر ابن باران کو ملک سے نکال کر نعمان کو تخت شاہی پر
بٹھایا اور اسوجہ سے اسکا لقب المعافر قرار پایا۔

ابو الفدا

المعافر۔ ابو الفدا

اس شخص کے زمانہ سلطنت میں مغربی اور مشرقی مؤرخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ جب سکک ابن وائل کے بعد اسکا بیٹا یعفر تخت نشین ہوا۔ تو اسکے چچا زاد بھائی عامر الملقب بہ ذور یا ش ابن فاران ابن عوف نے جو حجاز میں آباد ہوا تھا۔ یعفر کی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ اور اسکا ملک فتح کر لیا۔ لیکن یعفر کے بیٹے نعمان نے عامر کو اپنے ملک سے نکال دیا۔ اور اپنی سلطنت واپس لے لی۔ اس کار نمایاں کے جلد وہیں اسکا المعافر کا لقب دیا گیا۔ اس قاعدے کے مطابق جس کی رو سے اہم سابقہ کی تاریخ سے ولادت قایم کی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یعفر ابن سکک اور عامر ابن فاران اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ ولادت قریب قریب ایک ہی زمانہ میں واقع ہوئی۔ اور وہ ۲۸۰۰ دینوی تھی یا ۹۹۶ قبل مسیح۔ اب جو قدرتی قاعدہ پشتوں کے تعدد و تولد و تناسل کا ہے اسکے مطابق ہم نعمان کے زمانہ پیدائش کو دریافت کر سکتے ہیں جبکا وقوع ۵۳۸ دینوی یا ۹۹۶ قبل مسیح قرار پاتا ہے۔

اس پچھلے زمانہ کے پتیا لیس برس بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام اور سے جو قوم کالدی CHILDA سے تعلق تھا۔ ہاران کو جو عراق عرب میں واقع ہے۔ بلائے گئے تھے۔ اور یہ ایک ایسا زمانہ ہے جسکے متعلق جمیع واقعات سے ہمیں نتیجہ کی طرف رہنمائی کر سکتے ہیں کہ عامر اور نعمان کی جنگ اسی زمانہ میں ہوئی ہوگی۔ اسلئے یہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ یہی وقت تھا جب نعمان نے عامر کو نکال کر اپنے آبائی تخت کو حاصل کیا تھا یعنی ۳۸۰ دینوی یا ۹۹۱ قبل مسیح میں۔

اسکے آگے ابوالفدا کہتے ہیں۔

ثم صلیک بعدہ ابنہ اشعور بن المعافر المذکور ثم
مذکور بعدہ شداد بن عدا بن الماط ابن سبا و
اجتمع له الملك وغنا لبلدہ دات بلغ اقصى المغرب
وربى المداثن والمصانع والحق الاہل العظیم۔

نعمان کے بعد اسکا بیٹا اشعور بن المعافر نعمان تخت نشین ہوا
اسکے بعد شداد ابن عدا بن الماط ابن سبا تمام ملک پر مسلط
ہو گیا۔ اُسے اور ملکوں پر بھی چڑھائی کر دی اور انتہائے مغرب تک
کے تمام ممالک مفتوح کر لئے۔ شہر مدائن کو بسایا۔ اور اُسے بہت سے

آثار عظیم اپنے بعد یادگار چھوڑے۔

مورخین نے اس عاد کو بھی غلطی سے عاد اولی سمجھا اسکے واقعات کو ان کے حالات سے ایسا خلط ملط کر دیا
ہے کہ سطحی اور سرسری دیکھنے والوں کو تمیز کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ یہ شداد ابن عدا بن الماط ابن عابد الشمس الملقب برباکیر
کی اولاد میں ہے۔ چونکہ اس سے پہلے اس نام کے دو شخص اور گذر چکے ہیں۔ اس لئے محققین نے اس شداد کو
عاد ثالث کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ عربی نسب میں نے غلطی سے رباکیر اور شداد کے فیما بین صرف دو نام
لکھے ہیں۔ ایک عاد اور اطاقاط۔ حالانکہ باعتبار امتداد ایام اور فاصلہ نسب کم سے کم پانچ نام اور ہونے چاہئیں
ان عربی نسب میں کی غلطی اسوجہ سے ہے کہ ان کے تمام مضامین کا اصلی ماخذ عرب کے اشعار قدیم ہیں۔ اور شعرا
کا یہ ہمیشہ سے دستور چلا آتا ہے کہ وہ کسی قبیلہ یا قوم کے سلسلہ میں خاص کر انھیں لوگوں کے حالات و اوصاف قلمبند
کرتے ہیں جو کسی خاص صفت سے موصوف و مشہور ہوتے ہیں اور باقی لوگوں کو قابل ذکر نہیں سمجھ کر قلم انداز
کر دیتے ہیں۔ انکی فرد گزاشت کی وجہ شعرا سے قدیم کی یہی کہ نہ قلمی سمجھنی چاہیے۔

شداد نے کیسے وقت نہیں چھوڑا کہ وہ ہر مشکل بھیج مانا جاسکتا ہے۔ اتنا البتہ کہا جاسکتا ہے کہ نعمان کی تخت نشینی
سے چند سال بعد یا اسکی وفات سے تھوڑے ہی زمانہ میں۔ شام کے پانچ بادشاہوں نے آپس میں جنگ شروع
کر دی۔ توریت مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کا اثر عرب پر بھی پڑا تھا۔ چنانچہ توریت کے فارسی ترجمہ کی
عبارت ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

در سال چار و ہم کدر لایع۔ مرد ملوک کے کہ پھر ایش بودند۔ رقبایان را در شتر و قریب۔ و در زبان را در ام

وایمیاں را در شادہ قریا نام شکست و اند و نیز حوریاں را در کہ خودشان سعیر تا ایل پاران کہ در

نزدیک صحراست۔ ویر گشتہ بر علین شپاد کہ قادش است آمدند و تہامی مرز بوم عمالیقیاں و ہم اموریان

کہ در حصون تمارہ ساکن بودند شکست دادند۔ سفر تکوین باب ۱۲۔ ورس ۵۔ ۶۔ ۷۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ حملہ اور لوگ قادش کے شمال سے آئے ہونگے۔ کیونکہ سعیر کے پہاڑ اُس جگہ سے شمال میں

واقع ہیں اور یہی ظاہر ہے کہ قادش کے جنوب میں درجہ کاران میں چلے گئے جس سے آجنگ حجاز مراد لیا جاتا ہے

کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس بیان کے کہ حشر اور یاران سے قادیان کو لوٹ گئے کچھ ہی معنی نہ ہوتے۔ اگر یہ کہیں کہ یہ لوگ مغرب سے جانب گئے ہونگے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اس طرف صرف بنی علی تھی ہتے تھے جن سے کہ ان حملہ آوروں نے اپنی پہلی مہم سے قادیان کو واپس آنے کے بعد جنگ کی تھی۔

اس وقت اشع کی حکومت، اور عماری صوبہ میں تکبھیل گئی تھی۔ چونکہ یہ زمانہ اس کی حکومت کی ابتدا کا تھا۔ اس لئے خیال ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حملہ کو وہ بہت سے اس کی طاقت میں کبھتہ و ضعف آگیا ہو جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطنت میں اس ضعف و شکست کی کیا حالت میں بشراؤ نے جو ہمیشہ ایسے موقع کا منتظر رہا کرتا تھا۔ اشع پر حملہ کیا ہو۔ اور اس کو حکومت سے بیدخل کر دیا ہو۔ ان وجوہ کی بنا پر اس کا یقین ہوتا ہے کہ اشع ۲۰۹ھ وینوی یا ۱۹۱۳ء قبل مسیح میں تخت نشین ہوا تھا اور بشراؤ نے ۲۰۹ھ وینوی یا ۱۹۱۳ء ق م میں اس کی سلطنت کو چھین لیا تھا۔ اور یہ زمانہ اس عام قاعدے سے جو حکم اسباب میں پشتوں کے پیدا ہونے کیلئے قرار دیا گیا ہے۔ بالکل مطابق ہوتا ہے۔

اس کے آگے تو رخ ابوالفدا لگتے ہیں۔

اشع بعد از اخوہ لقمات ابن عمار شملہ	اس کے بعد اس کا بھائی لقمان ابن عمار بادشاہ ہوا اس کے بعد اس کا
بعد از اخوہ ذوشد، دابن عمار شملہ بعد از	بھائی ذوشد دابن عمار تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے بعد ذوشد و
ابنہ الحشر بن ذوشد و بیقالہ الحشر	کا بیٹا اس کا رشتہ بہہ الراکش تھا تخت پر بیٹھا۔

المراشہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ شد او کے بعد اس کے دونوں بھائی یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ ذوشد و کے بعد اس کا بیٹا الحشر بادشاہ ہوا۔ اس زمانہ تک اس کے بعد بھی بہت دنوں تک وہاں دو خود تار سلطنتیں قائم رہیں۔ ایک یمن میں دوسری خضر موت میں۔ بالآخر ایک دوسرا شخص جس کا نام بھی الحشر تھا اور لقب بھی الراکش تھا۔ تخت پر بیٹھا۔ اس شخص نے ان دونوں سلطنتوں کو اکٹرا کر ایک کر دیا۔ اس موقع پر ہی مورخین نے دونوں حارثوں کو اکٹھا کر دیا۔ اور حارث اول کی طرف حارث دوم کے متبع السلطنتین واسطہ واقعہ کو منسوب کر دیا۔ اس غلطی کا نتیجہ ہوا کہ ان دونوں حارثوں کے مابین جتنے نام تھے وہ بالکل معدوم اور نامعلوم ہو گئے۔ ان کی اس غلطی کا روشن ثبوت یہ ہے کہ جو زمانہ ان بادشاہوں کا گذرا ہے اور جو تعداد بادشاہوں کی بتلائی گئی ہے وہ امتداد زمانہ کے اعتبار سے بہت کم ہے۔ تاریخ حمزہ صفائی کی اس عبارت سے کہ بین الراکش والحشر خمسین و شش یا اربعین و اربعین کے درمیان پندرہ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ ہمارے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس محقق (حمزہ صفائی) کو یہی ادنیٰ پندرہ پشتوں میں سے کسی ایک کا بھی نام معلوم نہیں ہے۔ ہر حال اگر ہم بیان صدر پر اعتبار کریں

تو ہم کو یہ نتیجہ نکالنا ہوتا ہے کہ احارث ابن ذوشد و اور احارث الراش کے درمیان سات آٹھ بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے صفحہ فی الحارث الراش کے متعلق لکھتے ہیں۔

حارث۔ الراش کا اصل نام حارث ابن قیس ابن سیفی بن سبا الاصغر حمیر ہی ہے۔ اور یہ راش اول بار اہل یمن سے لڑا۔ اہل غنیمت حاصل کیا۔ اور تمام ارض یمن پر قبضہ کر لیا۔ اور قوم حمیر اسکے زمانہ میں بہت خوشحال ہو گئی۔ اس خصوصیت کے اسکا لقب راش (پانے والا) مقرر ہوا۔

الحارث الراش ہوا الحارث بن قیس بن سیفی بن سبا الاصغر حمیری و کان الراش اقل غنم منہم و اصابت لغنائم و ادخل الاضیالیمین فارأشت حمیر فی آیامہ و کان ہوا الذی راہتم قبذ لك سہی الراش

اس میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ یہی الراش یمن۔ اور حضرموت۔ دونوں سلطنتوں کے ایک کر سکا موجود ہوا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اسی شخص کو تبع الاولیٰ ہی کہتے ہیں۔ سلسلہ بیان میں مورخ ابوالفدا آگے بیان کرتے ہیں۔

الراش کے بعد اوسکا بیٹا صعبا بن الراش جسکا لقب ذوالقرنین تھا تخت نشین ہوا۔ ذوالقرنین کے بعد اوسکا بیٹا ابرہہ بادشاہ ہوا جسکا لقب ذوالمنار تھا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا افریقش تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد عمر ابن ابرہہ بادشاہ ہوا اسکا لقب ذوالادعار تھا اوسکے بعد اوسکا بیٹا شریل ابن عمر ابن غالب ابن القنات بن زید بن یعفر بن سکسک بن وائل بن حمیر بادشاہ ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا الہمد بن شریل بادشاہ ہوا۔ اوسکے بعد اسکی راکہ بلقیس بنت ہمدان ملکہ یمن ہوئی۔ اس ملکہ نے یمن میں بیس برس حکومت

ثم ملك بعده ابنه ذوالقرنین۔ الصعب ابن الراش ثم ملك بعده ابنه۔ ذوالمنار ابرہہ ابن ذوالقرنین ثم ملك افریقش ابرہہ ثم ملك بعده ذوالادعار عمر بن ذوالمنار ثم ملك بعده شریل بن عمر بن غالب بن القنات بن زید بن یعفر بن سکسک بن وائل بن حمیر ثم ملك بعده ابنه الہمد۔ الہمد بن شریل ثم ملك بعده بنته بلقیس بنت الہمد الہمد و لقیست فی ملک الیمین عشرين سنۃ و تزوجها سلیمان ابن داود۔ (ابوالفدا)

کر کے حضرت سلیمان ابن داود علیہ السلام کے ساتھ شادی کر لی۔

ہم حضرت سلیمان و بلقیس کے تفصیلی واقعات اور ملوک حمیر کے کمال تاریخی حالات۔ اپنے موجودہ سلسلہ بیان کے خاتمہ پر پوری تشریح سے درج کرینگے۔ ان حالات کی فوری تفصیل موجودہ سلسلہ بیان کے نظام میں ایک ناگوار بدترتیبی پیدا کر دیگی۔

خلاصہ بیان یہ ہے کہ الراش یا تبع اولیٰ کے بعد اوسکا بیٹا صعبا بن ذوالقرنین۔ اوسکے بعد ابرہہ بن بلقیس ذوالمنار اوسکے بعد افریقش۔ اوسکے بعد عمر بن بلقیس بن ذوالادعار۔ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ ذوالادعار کے

عہد میں بشر جبل نے اُس پر حملہ کر دیا۔ اور ہشمار خوزریوں کے بعد، ذوالاؤعار کو شکست دی اور اس کی سلطنت پر قابض ہو گیا۔ بشر جبل کے بعد اوسکا بیٹا الہمد باد جانشین ہوا۔ اس کے بعد ملکہ بلقیس تخت پر بیٹھی اور ہشیریس سلطنت کر کے اس ملکہ نے حضرت سلیمان ابن داؤد بادشاہ یہود سے شادی کر لی۔ اس ملکہ کی حکومت کا اختتام توریت مقدس سے متعلقہ دینی یا شہنشاہی م میں پایا جاتا ہے۔ اس کے نسلوں کے پیدا ہونے کے قاعدہ متعینہ کے مطابق احوال الرش اور صعب ذوالقرنین یا تو اٹھائیسویں صدی دینی کے آخر میں یا اونتیسویں صدی دینی کے آغاز میں گزرے ہونگے۔ یعنی حضرت مسیح سے تیرہ سو برس قبل ذوالقرنین کی شخصیت اور خصوصیت کے متعلق مورخ ابوالفدا کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

وقد نقل ابن سعید المغربی ان ابن عباس
یسئل عنہ عن ذوالقرنین الذی ذکرہ اللہ تعالیٰ
فی کتابہ الغزیز فقال ہو من حمیر وحمیر صعب
المذکور فی کتب ذوالقرنین المذکور فی الکتاب
الغزیز هو الصعب ابن الرش المذکور کہ سکندر

ابن سعید مغربی کا بیان ہے کہ جب حضرت ابن عباس سے
اوس ذوالقرنین کی نسبت پوچھا گیا جس کی نسبت قرآن مجید میں
ذکر کیا گیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ صعب حمیری تھا۔
اس دلیل سے ظاہر ہے کہ جس ذوالقرنین کا ذکر انجیل میں
ہے۔ وہ صعب ابن الرش ہے۔ نہ اسکندر رومی۔ ابوالفدا

تاریخ یمن کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشہور معروف سدیمین کی تعمیر کا کام اسی ذوالقرنین کی وقت

میں اختتام کو پہنچا۔ تاریخ یمن کی عبارت یہ ہے۔

وكان اول من اسس السد سبا الكبر واسمه
عامر فيل بن شمس بن شهاب بن يعرب بن
فطمان ثم بنو حمير بن سبا بعد موت ابيه
ثم التمه بعد ذلك ذوالقرنين الحميري وهو
الصعب ابن الرش وكان السد من جبل المأرب
الى الجبل الا بلى وها جيلان ملىقان على
الجبال الشافخة المعتد من يمين الشد وشماله
را العقود اللؤلؤية في اخيل دولة السورلية
(اليماني)

اس سد کی بنیاد کیر نے شروع کی تھی اوس کے بیٹے اور جانشین
حمیر نے اوسکو جاری رکھا اور ذوالقرنین نے اسے اختتام
تک پہنچا یا یہ سد۔ دو پہاڑوں کے درمیان میں تھی۔ ایک
کا نام آرب دوسرے کا بلیق۔ اور یہ دونوں پہاڑ دوسرے
پہاڑوں کے مقابلہ میں باعتبار رفعت کے زیادہ بلند ہیں
اور بہت دور تک۔ سد مذکور کے داہنے طرف سے بائیں
طرف پہیلہ ہوتے ہیں۔

سد مارب کے تفصیلی حالات بھی ہم سلاطین حمیر کے احوال کے ساتھ لکھیں گے۔ اس مقام پر ہم کو تاریخی سلسلہ
بیان کا قایم کرنا نہایت ضروری ہے۔ مگر ملحق سے آگے اس شاہی سلسلہ کے ذکر میں مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں

ثم ملک بعدہا ابن عمہا ناسر النعم بن شریح بن
ملک بعدہ شمر بن عیش بن ناسر النعم بن ملک بعدہ
ابنہ ابو مالک ابن شمر بن ملک بعدہ عمران ابن
عمران بن شمر بن ملک بعدہ اخره فرقیہا۔

بلقیس کے بعد اسکا چچا زاد بھائی ناسر النعم بن شریح بن شریح
نشین ہوا اسکے بعد اسکا بیٹا شمر بن عیش بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد
اسکا بیٹا ابو مالک ابن شمر بادشاہ ہوا۔ اسکی سلطنت میں عمران
ابن عمران بن شمر نے حمیر پر نئے سلطنت چھین لی۔ عمران کے بعد
اسکا بھائی فرقیہا بادشاہ ہوا۔

واقعہ یوں ہے کہ حکومت یمن شمر بن عیش کے زمانہ ہی سے اندرونی لڑائیوں کی بنا پر ضعیف ہوتی چلی آرہی
تھی۔ ابو مالک کی قوت میں اسکا ضعف واضح حال ہو چکا کہ قبیلہ ازہ کے سردار عمران ابن عمران نے
ایک خفیہ حملہ کے بعد تمام مملکت پر قبضہ کر لیا۔ اسی وقت سے حکومت یمن سلسلہ حمیر سے نکل کر بنی کھلمان میں
منتقل ہو گئی۔ عمران ابن عمران کے بعد اسکا بھائی فرقیہا حکمران ہوا یہ بالکل ضعیف اور ناقابل حکومت شخص تھا۔
اسکے وقت میں الاقرن ابن ابو مالک نے اپنی سلطنت ابائی کا دعویٰ کیا۔ اور فرقیہا سے لڑ کر اسکو شکست
پہونچائی اور سلطنت چھین لی۔ حکومت یمن چند روز کیلئے عارضی طور پر بنی کھلمان کے قبضہ میں رہی مگر سلسلہ حمیر ہی میں لوٹ آئی۔
اسکے آگے تاریخ ابوالفدا کا سلسلہ بیان یہ ہے۔

ملک الاقرن ابن ابو مالک بن ملک بعدہ ذوی جیش
بن الاقرن بن ملک بعدہ اخره تبع الکریم الاقرن
ثم ملک بعدہ ابنہ کلکیر بن تبع ثم ملک بعدہ
ابو کریم سعد وھو تبع او سبط قتل ثم ملک بعدہ
ابنہ حصان بن تبع ثم قتلہ اخوہ عم وابن تبع و ملک
نعمی ذوالاعواد ثم ملک بعدہ عبد کلال بن
ذوالاعواد ثم ملک بعدہ تبع بن حصان بن کلکیر
وھو تبع الکریم ثم ملک بعدہ ابن اختہ الحارث
ابن عم و قتلہ الحارث المذکور ثم ملک بعدہ فرید
ابن کلال ثم ملک بعدہ و کبعہ ابن فرید

اقرن بن ابو مالک کے بعد اسکا بیٹا ذوی جیش بن اقرن بادشاہ
ہوا اسکے بعد اسکا بھائی تبع الکریم بن ہوا۔ اسکے بعد
اسکا بیٹا کلکیر بن۔ اسکے بعد اسکا بیٹا ابو کریم سعد تبع او سبط
اسکے بعد اسکا بیٹا حصان اسکے بعد اسکا بھائی عمر ذوالاعواد
اسکے بعد اسکا بیٹا حصان اسکے بعد اسکا بیٹا عبد کلال
تبع بن ہوا۔ تبع ابن حصان ابن کلکیر بن بلقب تبع الکریم
نے عمر ذوالاعواد سے سلطنت چھین لی۔ تبع الکریم کے
بعد اسکا بھائی الحارث بن تبع بن ہوا۔ حارث نے مذہب
یہود اختیار کیا حارث کے بعد فرید ابن کلال اور فرید کے
بعد وکیعہ ابن فرید بادشاہ ہوا۔

تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حارث نے مذہب یہود اختیار کر لیا تھا۔ اور اسکی وجہ سے حارث کے بعد
و اسے بادشاہوں نے ہی مذہب یہود قبول کیا۔ یہ واقعہ اس طرح صحیح مانا جاسکتا ہے کہ سخت نصر فلسطین کو
فتح کر کے اور بیت المقدس کو مساکر کے حضرت دانیال اور اس کے دوستوں کو قید ہی بنا کر بابل لے گیا اسوقت کچھ

یہودی پیکر میں کی طرف بھاگ گئے۔ اس زمانہ میں حضرت دانیالؑ اور حضرت یرشیاؑ پیغمبر تھے۔ اس لئے یہ بات نہایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان مفرور یہودیوں کی وجہ سے الحارث نے خدا سے واحد کا اقرار کیا ہوگا۔ اور مذہب یہودی کو قبول کر لیا ہوگا۔ اور یہ امر واقعی ہے کہ الحارث اور وکیعہ اسی زمانہ میں حکمراں تھے اور یہ زمانہ ۳۴۰ء دنیوی یا ۳۳۰ء ق م۔ نسلوں کے پیدا ہونے کے فطرتی طریقہ حساب سے بالکل اعتبار کے قابل اور صحیح ثابت ہوتا ہے۔

اسکے آگے مونیخ ابوالفدا کا مفصلہ ذیل سلسلہ بیان قائم ہوتا ہے۔

شم ملک ابرہہ بن الصباح ثم ملک صہبان بن	اسکے بعد ابرہہ بن الصباح بادشاہ ہوا۔ پھر اسکے بعد صہبان بن
محبت ثم ملک حمیر بن تبع ثم ملک بعدہ ذونواس	محبت بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد عمر بن تبع۔ اسکے بعد ذونواس
ذکان من لایہود القاء فی اخدود مضطرم	بادشاہ ہوا یہ بادشاہ ان لوگوں کو جو مذہب یہودی اختیار کرنے
نارافضیل له صاحب الاخدود ثم ملک بعدہ	سے انکار کرتے تھے مشتعل آگ سے بری یہودی خند تو نہیں
ذو معدن و اخدود الملک الحمیر	ڈلوادیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے اسکو صاحب اخدود کے نام
	ملقب کیا۔ اسکے بعد ذو معدن بادشاہ ہوا اور یہ آخر شاہان حمیر تھا۔

مونیخ ابوالفدا نے وکیعہ کے بعد ان مذکورہ بالا چہ بادشاہوں کو بھی سلسلہ حمیری میں شمار کیا ہے مگر تحقیق سے ان بادشاہوں کا خاندانی سلسلہ صاف طور سے معلوم نہیں ہوتا۔ اور نہ انکی حکومتوں کا ٹھیکہ زمانہ دریافت ہوتا ہے مگر اس واقعہ کی صحت میں کوئی کلام نہیں کہ ذونواس ایک متعصب یہودی تھا۔ اور یہودیوں کے علاوہ۔ ہر غیر مذہب والوں کو آگ میں زندہ جلوا دیا کرتا تھا۔ اس بات کے خیال کرنے کیلئے ایک عمدہ وجہ یہ ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ ارتاز کسیرویا کیخسرو (Artaxer Xisro) نے چند یہودیوں کو جو مصر سے قید ہو کر آئے تھے۔ ہر فانیہ (از نذران) میں بھیجا تھا چونکہ یہ بادشاہ بھی یہودی تھا اس لئے انکی (ذونواس کی) سلطنت کو بھی کیخسرو کی حکمت سے سخت حد پہنچا تھا۔ اسکے بعد حبشیوں نے ضعیف ہاکر حمیری سلسلہ ملوک کو ہمیشہ کیلئے تمام کر دیا۔ یہ زمانہ ۳۶۵ء دنیوی یا ۳۵۴ء ق م تھا۔

ہم صاحب خدود (ذونواس) کا حال بھی سلاطین حمیر کے تفصیلی حالات کے سلسلہ میں اسکے خاص مقام پر لکھیں گے۔

۱۵۹ اس بادشاہ فارس کا زمانہ ۳۶۵ء ق م میں بتلایا گیا ہے۔ اور کتاب عزرا اور نحمیاہ حمیر میں اسکے حالات تفصیل سے موجود ہیں۔ یہ وہی بادشاہ ہے جسکے دربار میں نحمیاہ پیغمبر نے حاضر ہو کر یروشلم (بیت المقدس) کی مرمت اور آبادی کی پہلی اجازت حاصل کی تھی کیونکہ کیخسرو کے باپ نے یونان کو فتح کر کے بیت المقدس کو تباہ کر دیا تھا۔ کتاب نحمیاہ ص ۱۶۱ (عہد عتیق) شینس یونیورسٹی پریس ۱۵۹

حکومت سبا اور یمن کی دیگر سلطنتیں

سلاطین یمن میں جو اصلاً قحطانی (عرب العرب) تھے اور موطناً یمنی سلسلہ سلاطین سبا سے اہل یمن کا ذکر قدیم ہے۔ اہل یمن کا ذکر تحریری حیثیت سے اسفار یہود میں آٹھویں صدی قبل مسیح سے قلمبند ہوا ہے۔ اور پھر چھ سو برس بعد یونانی مصنف اراکسٹھنیس المتونی ۱۹۲ ق م نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

اہل عرب بھی اہل یمن سے ناواقف نہیں تھے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔ لفظ یمن کے معنی "منبع آب" اور "چشمہ" کے ہیں۔ عبری زبان میں یہ معیاں ہے۔ جو فی الحال معان سے تبدیل ہو کر شمال عرب میں ایک آبادی کا نام ہے یمن کے جوف میں ایک آبادی کا نام یمن ہے۔ اسکے حدود یہ ہیں مشرق میں حضرموت جنوب و مغرب میں سبا (موجودہ صنعاء) واقع تھا۔

یمنی اکلیل اور صنفہ جزیرۃ العرب میں لکھتا ہے۔

محافظ الیمن براقش و معین و دھابا اسفل جوف
المحجب مقابلتان فمعین بن مدینۃ نشان و بن
درب شرافتہ

یا قوت محمودی نے معجم میں بھی ان دونوں مقامات کا ذکر کیا ہے۔ لفظ یمن کے ذکر میں لکھتا ہے۔
معین اسم حصن بالیمن وقال الاندلسی معین
مدینۃ بالیمن تذکر فی براقش
براقش کے ذکر میں لکھتا ہے۔

قال الامام علی براقش و معین حصان بالیمن کان بعض
القبائل اصلاً یسلی بن فنی فی شمالین عامک و بنی
براقش و معین بفسالۃ ایدی صناع سلیمین قال
ولا تری سلیمین اثرا و دھابا قائلان۔

براقش اور معین یمن میں دو قلعے ہیں بعض شہان یمن نے
قصر سلیمین کی تعمیر کا حکم دیا تھا۔ وہ اسی برس میں بنکر تیار ہوا۔ اور
براقش اور معین کا ریکروں کے ہاتھ کے وہ دونوں تھے۔ لیکن
دیکھو کہ قصر سلیمین کا کہیں نشان نہیں۔ اور یہ دونوں (براقش اور معین)
اب تک قائم ہیں۔

عبارت متذکرہ بالا سے معلوم ہوا کہ شہان یمن کی یہ عمارتیں دوسری صدی ہجری تک موجود تھیں۔ انہیں براقش
کا ذکر تو آٹھویں صدی ہجری تک نہایت کثرت سے موجود ہے اور اُس وقت تک یہ ایک آباد شہر تھا۔
(تاریخ یمن العقود الا۔ توتہ)

عرب کے شعرا کے قدیم بھی اسکے ذکر کو نہیں بھولے۔ فروہ بن سیک کہتا ہے۔

احل بجاجہ جندی غلیف	معین الملک من باین ابینا
وہلکنا براقش دون اعلیٰ	والنم اسفوتی و بنی ابینا

علقہ کا شعر ہے :-

وقد اسوا براقش معین اسوا	ببلقہ و مہلسط انیق
وہلکوا من معین معین حلقوا	لغزہم لدی لہجہ لامیق

مالک ابن حریم الدلانی کا یہ شعر صرف ہمدانی نے لکھا ہے۔

وہلکوا براقش معین معین	باسفله مقابله عرادا
------------------------	---------------------

یا قوت حموی نے یہ دو شعر صرف نقل کئے ہیں۔ قال المجہدی :-

بہنادی من براقش او معین	فاہم فاقولوب بنا صلیع
تسائن بالفسر من براقش او	ہیادون او بالعم من العثم

ابو عکلم مرانی حمیری کہتا ہے :-

براقش معین معین عامرہا و ہن اسبابہ سرحد و نانا معجم ۲ ص ۸۰

ان اشعار سے اتنا معلوم ہوا کہ معین کی آبادی مقام جو فی میں واقع تھی۔ دوسری صدی ہجری تک اسکے آثار باقی تھے کسی زمانہ میں یہ قبائل دار الحکومت تھا۔ براقش اس سے ایک قریب آبادی کا نام تھا۔ ان بیانات کے اصل واقعات کے ساتھ یہ کاشفائے الہیہ تعجباً انکیز معلوم ہوتے ہیں کہ ان حضرات و عمارات کے بانی سلاطین حمیری کو بتلایا گیا ہے۔ حالانکہ اہل مدین حمیریوں سے قدیم ہیں اس غلط فہمی کو جو یہ ہے کہ مورخین عرب مدین کی قومیت کو جہانستہ تھے نہ تھیں۔ اور اگرچہ جو علم تھا وہ اس قدر کہ وہ معین و براقش کو دو اعلیٰ اور مستحکم ترین عمارات جانتے تھے اس لئے وہ انکے بنائوالوں کی حقیقت کو کیا بتلائے ہیں کی اصلی تاریخی واقعیت اتنا ہو کہ سلاطین حمیریہ کی قومیت شروع ہوئی اور اہل معین اسکے ساتھ کیا تھی سلسلہ حمیریہ کی ابتدا شروع ہو گئی۔ اس بنا پر عرب کے مورخین اور شعرا سے متقدمین نے شان حمیریہ کو ان عمارات کا بانی خیال کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب اگرچہ اہل معین کی قومیت اور اصلیت سے واقف نہ تھے۔ اور نہ انکے یہ جوتاکہ کو جہانستہ تھے۔ مگر یونانی۔ رومی۔ اور یہودی مؤلفین ہی جو انکے وجود سے واقف تھے۔ اور جنہوں نے انکے وجود کو بتلایا اور ثابت ہی کیا یہ ان کی اصلیت اور قومیت کو نہ بتلا سکے۔ مگر اس امر خاص کا تحقیق کنندہ ان کے مقامات سکونت کے نشان سے ان کی قومیت کو فوراً معلوم کر لیا۔ اہل معین کی سکونت کے مقامات

جرمن فاضل گھلا ذرا اور مالو سے لئے کئی ہزار کتبائے کے مطالعے سے اہل عقیدین کی تمام سیاسی مذہبی اور
تجارتی حالتوں کا سراغ لگایا۔ اور علما فوجائے عقیدین حضرات سے کتاب اور راسب و سیا کی حکومتوں کی تاریخ موقع
وقوع اسما سے ملو کہ رسوم مذہبی طرز تمدن پر کافی روشنی ڈالی۔ پھر ان تمام بیانات کے بعد یہ ثابت
کر دیا ہے کہ عین کی ان تمام حکومتوں میں قدیم و جدید عین کی حکومت ہے۔

اہل معصوم کے ساتھ سلطنت قائم کر نہیں سکتے۔ مگر یہ اختلاف چنداں قابل لحاظ نہیں۔ ہر من
مستحقین ۴۰۰ اقام سے ۱۰۰۰ اقام تک انکا عہد حکومت ہوتا ہے یہاں محققین فرانس اور انجمنہ یقینی طور
سے ۱۰۰۰ اقام سے انکا زمانہ شروع کرتے ہیں۔ مگر (Vo 1. P. 4.5 - Huart Tome)

مگر مولف پرنس کا طبع یا زہم نے اس اختلاف کو دور کر کے ان کے زانیہ حکومت کو صحیح طور پر تسلیم کر لیا ہے۔
دیل میں ان کی انگریزی عبارت کا ترجمہ قلمبند ہے۔

آخر زمانہ کے کتبائے کو چھوڑ کر۔ زمانہ قدیم کے کتبوں میں یا ہی کوئی سن یا تاریخ مذکور نہ ہوئے کیونکہ اسے اور نیز اسلئے کہ کتبائے کی تعداد کم ہے۔ علماء میں۔ زمانہ تاریخ عرب قدیم قبل از اسلام کی نسبت بہ نسبت اختلاف پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن تمام علماء کا اسی پر اتفاق ہے کہ ان کتبائے کی تاریخ ۱۰۰۰ ق م تک پہنچتی ہے بعض کا قول ہے کہ صرف ۱۶ ق م تک پہنچتی ہے۔ اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں کم از کم چار تمدن حکومتیں (۱) مصرین (۲) تبار (۳) قنایہ (۴) مصر موتہ قائم تھیں۔

مصنفین ان انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (Encyclopedia of Islam) مصنفین کا زمانہ

ظاہر اس سے بھی زیادہ قدیم قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

استفادہ قدیم کہ ۳۰ (تین ہزار) تمام میں ۱۰ قدیم بل کی گنت تھیں ایک ہفتا یعنی ۱۰۰ (چوبیس ہزار) نام معنوم اور
انوم ہے) کا ذکر کرتے ہیں جو معان یا مشرقی عرب کا بادشاہ تھا۔ اس نظر سے کی نسبت بہت کچھ کہاجا سکتا
ہے کہ معان عربی لفظ معین کا سہو عربی لفظ ہے۔ اور ایسی حدی سے (جسکی تاریخ نامعلوم ہے)
جنوبی عربی حکمران معین یا معینان کی بنیاد پڑی ہوگی۔ یہ لفظ اپنی ابتدا میں تمام جنوبی عرب کا کہیں
میں تھا۔ اور مشرق سے داخل ہے۔ ایسا خوش رہا ہے۔ لیلیا تھا۔ اور جس میں ایک اور جوہر (بالوق)

بھی شامل تھا۔ جسکی نسبت بیان ہے کہ وہ عرب سطلی اور عرب شمال و مغربی کا نام تھا۔

ان معلومات پر دو واقعات کا اور اضافہ کرنا چاہیئے۔ ہائیکسوس عرب جب سنہ ۱۵۵۰ ق م میں مصر پر قابض تھے تو ان حکمران قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام مین بتلاتے ہیں۔ جو معین کی نہایت صاف شکل ہے، نیز معین اور آشور کے کتبات باہم تعلقات واقعات کو ظاہر کرتے ہیں۔ آشور کے کتبات میں جبکا زمانہ سنہ ۱۲۰۰ ق م سے سنہ ۱۱۰۰ ق م تک ہے۔ معین کا ذکر موجود ہے۔ ان وجود سے جیسا کہ فریخ مورخ عرب۔ ہوارٹ (HUART) بتلاتا ہے۔ اس سے زیادہ نیچے نہیں اتر سکتے۔

بہر حال۔ یہ امر ہر طرح سے محقق ہو گیا کہ مین کے حکمران سلسلہ میں اہل معین سب سے زیادہ قدیم ہیں اور ہر قرینہ سے یہ ہی ثابت ہو چکا ہے کہ اہل معین کا سلسلہ خاندان حمیر سے پہلے تھا۔ اب ہم ذیل میں یونانی مورخین کے اقتباسات سے انکے سیاسی۔ تمدنی اور تجارتی حالات قلمبند کرتے ہیں۔ یونان کا قدیم مورخ ارستھینس (ERATOSTHENES) کی تاریخ وفات سنہ ۱۹۰ ق م میں ہے وہ قبائل مین کے ذکر میں لکھتا ہے۔

ملک عرب کے انتہائی اقصیٰ پر سمندر کے کنارے پر اہل معین (MINAIANS) رہتے ہیں جبکا خاص شہر قرن (KARNA) ہے۔ انکے بعد سب آتے ہیں جبکا پایہ تخت کارب ہے۔ آگے بڑھ کر بجانب مغرب خلیج عرب کے گوشہ پر اہل قناب آباد ہیں۔ جبکہ بادشاہ متع میں رہتے ہیں۔ آخر انہما مشرق میں اہل حضرموت ہیں۔ جبکا شہر مینا ہے۔ ان چاروں ممالک میں سے ہر ایک کی وسعت مصر زریں (LOWER EGYPT) سے زیادہ ہے۔

ان ممالک میں ایام گرمیاں بارش ہوتی ہے اور دیاں بستی ہیں جو میدانوں اور تالابوں میں گم ہو جاتی ہیں اسلئے زمین اس قدر زرخیز ہے کہ تخم زمی وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے۔ حضرموت سے ملک سب تک ۲۰ روز کا راستہ ہے۔ سوداگر معین سے عیدانہ (عقیقہ) جھک۔ باد میں جاتے ہیں۔ حضرموت۔ آفتاب۔ سب

اور معین کے شہر دو لقمہ ہیکلوں اور شاہی غارتوں سے آراستہ ہیں (Dunker's Ancient West vol p. 810-11)

مین کی قوموں میں معین سب سے زیادہ قدیم اور فروغ یافتہ تاجر معلوم ہوتے ہیں۔ ایک قدیم جغرافیہ نویس انکے حالمیں لکھتا ہے۔

معین ست بظہر اور فلسطین تک منکرجاتی رہتے۔ جہاں اہل قریہ اور اہل معین اور اس پاس کے تمام عرب

بالائی ملک سے خوشبودار چیزوں کے لئے اور تجارت لاتے ہیں۔ (GOLD MINES OF MEDIAIN P. 179)

پلینی کے بیان کے مطابق انکی زمین کی خاص پیداوار چوہا ہے اور انگوڑے لیکن ان کی دولت کا اصلی

سرچشمہ جانوروں کی تجارت تھی۔ (FOREOTER P. 224-26)

معین کے کھنڈر اب تک باقی ہیں۔ اون سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کے تمام قلعے اور شہر ایک دائرے کی صورت میں واقع تھے۔ معین خود ملک تبا کے قلعہ میں اوس شاہ راہ کے دست راست پر جو آریب کے شمالی جانب واقع تھا۔ روایات خوب ہیں معین کے ساتھ ساتھ براقش کا ذکر ہوتا ہے۔ براقش کا محل وقوع معین کے مغربی جنوبی جانب اور موجودہ شہر کے قریب جو کوہستانی سلسلہ ہے۔ اس کے مغربی جانب تھا۔ براقش کا قدیم نام شیل تھا۔ اہل معین کا تیسرا قلعہ یا شہر جو شاہ پریوٹانیوں کا بیان کردہ قرن یا قرنار ہو شمالی جوف کے وسط میں معین و براقش کے شمال میں تھا۔

اہل معین کے شمال آثار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف تجارتی حکومت نہیں تھی۔ بلکہ جنگ و فتح میں حصہ لیتی تھی۔ شمالی معین کا ایک گورنر اپنے آقا کے بخیر و عافیت میدان جنگ سے واپس آنے پر ایک یادگار لوح پر لکھتا ہے۔

استار (دیوتا) کے شکرانہ میں اوس کی حفاظت پر۔ فرمانروا کے جنوب اور فرمانروا کے شمال کی باہمی جنگ میں اور مدی (میڈیا) اور مصر کی لڑائی میں۔ اور اون کے بخیریت اپنے خاص شہر قرون واپس پہنچ جاتے ہیں۔ اس کتبہ کا نو سیدہ اپنے کو ابی یسوع شیخ شاہ معین کا ماتحت ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنا لقب قسار آشور اور بالائی ساحل بحر کا حاکم بتاتا ہے۔ قسار کا ذکر مصری کتبات میں بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصر و عرب کی سرحد پر جہاں اسبائیہ تھی۔ قسار کوئی سرحدی قلعہ تھا۔ معین کو ایک دوسرے کتبہ سے حکام معین کا شہر غزہ پر بھی حکومت کرنا معلوم ہوتا ہے۔ شہر غزہ شام و فلسطین کے پاس اب تک موجود ہے۔ ان بیانات سے معلوم ہوا کہ معین کی حکومت یمن سے شروع ہو کر شام و مصر اور آشور (اسیریا) تک پھیلی ہوئی تھی۔

خاندان معین میں کتنے بادشاہ گذرے اور ان کے کیا نام تھے؟ اس کا جواب نہ خود روایات عرب میں ہے اور نہ مورخین یونان کے بیانات میں۔ اس کے لئے دنیا کو صرف علامت آثار کا نمونہ ہونا چاہیے۔ انہوں نے معین کے تقریباً ۲۵ بادشاہوں کے نام دریافت کئے ہیں جن میں سے ۲۰ باہم ایک دوسرے کے رشتہ واپس ناموں کی فہرست حسب ذیل ہے۔

ایل صادق	ابی یفیع یا ثع	ابی یفیع یا توش	عموی یدیع نابط	خالی کریب
وقع ایل یا ثع	ابی یدیع یا ثع	ابی یفیع وقہ	ابی یفیع ربام	حسن یا ثع
ابی یفیع یا شر	وقع ایل ربام	وقع ایل صادق	ہوفا نکست	شیخ ایل ربام
حفہ ربام	حفہ صادق	ابی کریب یا ثع	ابی یدیع	شیخ کریب
	ابی یدیع	حفہ		

بنی نجیان کی حکومت

منہج عرب البادیہ کے رواۃ عرب بنی نجیان نام ایک قبیلہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بنی نجیان کی نسبت وہ صرف اس قدر جانتے ہیں کہ یہ جرہم کی ایک شاخ تھی۔ ابن خلدون نے بھی اس قدر لکھا ہے۔ آج کل شمالی عرب کے شہر العلماء میں چند کتبائے سبائی اور بعلی قوموں کے پہلو پہلو ملے ہیں جن سے نہ صرف بنی نجیان کا وجود ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شمالی عرب میں حدود شام میں اور خصوصاً الحلا کے اطراف میں آباد تھے۔ خطہ نجیان جنوبی عرب کے خطہ معینی اور سبائی سے مشابہ ہے۔ بلکہ انہیں سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۱۲۸) علماء آثار بنی نجیان کی قوت سیاسی کا زمانہ شمالی عرب میں معین و سبا کے انحطاط (سنہ ۵۲۵ ق م) کے ارتقاء (سنہ ۵۲۵ ق م) کے درمیان بتلاتے ہیں۔ بنی نجیان کا مسکن حکومت فارس و مصر کے درمیان واقع تھا۔ ہیروداٹس بیان کرتا ہے کہ یہ عرب ہر سال ہزاروں وزن تجارت شاہ فارس کو نذر دیتے ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۱۲۹) لیکن یہ نذر غلامی اور عہد ویت کی قیمت نہیں تھی۔ بلکہ دوستانہ ہدیہ تھا کیونکہ مورخ مذکور لکھتا ہے کہ ان عربوں کو (بنی نجیان کو) اب تک کوئی فتح نہ ہو سکی۔ (ہیروداٹس باب ۲ فقرہ ۸)

سنہ ۵۲۵ ق م میں قبیلہ نام شاہ فارس نے جب مصر پر حملہ کرنا چاہا تو صحرائے سینا کا بے آب و شواہر گداز میدان بغیر ان عربوں کی امانت کے قطع کرنا محال تھا۔ شاہ فارس نے ان عربوں کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ وہ اسکی مدد کریں اور اس رگستان میں اسکی فوج کیلئے پانی کا انتظام کریں۔ شاہ عرب نے امداد کا وعدہ کیا اور پھر اسے اونگلی پر مار کر خون نکلانا ہو چکا۔ وعدہ کی عربوں میں خاص نشانی تھی۔ پہر اوٹھوں کی کہانوں میں پانی بہہ کر اس خشک رگستان کو چشمہ پر آب بنا دیا۔

حصار موت یا حضرموت کی حکومت

عربی زبان میں "ضرم" نہیں ہے۔ اسکا تلفظ حضرموت یا حصارموت ہے۔ زیادت الف کیا گیا ہے۔ حضرموت شاہ ابن قحطان کی اولاد سے جس قلعہ عرب کو اپنا مسکن بنایا وہ حضرموت کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ حضرموت بحر عرب کے ساحل پرین کے مشرق میں واقع ہے۔

بنو حضرموت کی ایک مستقل حکومت تھی جسکا ذکر یونانیوں نے کیا ہے۔ سلطان مورخین ہی اس دور حکومت سے واقف تھے۔ عرب مورخین نے حضرموت کی کوئی تفصیل تاریخ نہیں بیان کی ہے۔ لیکن اسناد کو معلوم تھا کہ قبا کی طرح اس شاہان "ایرما" ہی متحدہ و متحدہ تھے۔ بادشاہ گزہ ہے۔ اسکا لقب عیال ہوتا

تھا۔ مورخین عرب کا بیان ہے کہ ان فیہم ملوک تغارب ملوک التبابعة فی علو الصیۃ و بناہۃ الذکر
شاہان حضرموت شہرت اور ناموری میں ملوک تبابعین کے ہم درجہ تھے۔ ابن خلدون نے تاریخ میں ان کے
بعض بادشاہوں کا ذکر کیا ہے۔ نثوان بن سعید حمیری نے بھی ان کا نام لیا ہے۔

وعیاہل من حضرموت من بنی اجماد ذی الاشبال والصباح والغری من جدات وابامرة وبنی
شعیب والاولی بنایع وبنی ایہسال والفہد منهم من کل حشہ السندی مدناہم
فرزندان حضرموت زیادہ تر انہیوں میں مارے گئے۔ برباد ہو گئے اور جو بچے اور بچوں نے اپنے آپ کو
قبیلہ کندہ میں منضم کر دیا۔ ابن خلدون کی عبارت ہے۔

قد ذهب اکثرهم واندسج باقیہم فی کندہ وہم
وافی اعدادہم ابن خلدون
اکثر لوگ فنا ہو گئے۔ جو بچے وہ قبیلہ کندہ میں غلو ط ہو گئے اور
ان کا شمار انہیں میں ہو گیا۔

بنی حضرموت چونکہ بحر عرب کے ساحل پر آباد تھے۔ جو تقریباً جنوبی ہندوستان کے سامنے ہے۔ اس لئے
ہندوستان کی بحری تجارت کے یہ عمدہ قدیم سے مالک تھے۔ ہندوستان کا تمام بیوپار انہیں کے توسط سے انجام
پایا تھا۔ جہاز رانی میں ان کے خاص دستگاہ حاصل تھی۔ اسلام کے بعد ان کی بر قوت اور زیادہ ہو کر چلی جہاز رانی ہندوستان
سماطراہ اور تمام سواحل ہند میں ان کی نوآبادیاں قائم ہیں۔ ذکر کی ریاست حیدر آباد کی فوجی طاقت میں اور
مرہٹوں کے زمانہ تک ان کے عنصر کا ایک جزو ثابت ہوتا رہا ہے ان سواحل و جزائر میں اشاعت اسلام کبھی دست
ہی انہیں حضرموتی عربوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہے۔

حضرموت اور خوش نصیب عربی قبائل میں ہے۔ جبکہ نام توراۃ میں مذکور ہے۔ لیکن انہیں اس وقت کہ
یہ خوش نصیبی نام کی حیثیت سے صرف ایک ہی بار نصیب ہوئی ہے۔ یعنی قحطان کے بیٹوں کے سلسلہ
میں حضرموت کا نام ہی توراۃ میں داخل ہے۔ لیکن حضرموت کے بندرگاہ قانہ یا قانع کا نام تجارت کی
مناسبت سے مذکور ہے۔ کتاب حزقیال ۲۵-۲۴ میں ہے۔ حاران۔ قانہ اور عدن سب کے تاجر اسیر یا
تیرہ بیوپاری تھے۔

یونان سے بھی اسی بحری تجارت اور ہندوستانی بیوپار کے تعلق سے ان کا ذکر کیا ہے۔ اراتو ستھینیس
ERATOSTHENES المتوفی ۱۹۶ ق م۔ بیان کرتا ہے کہ یونان کے آخر میں مشرق کی طرف

حضرموت (CHATHAMITES) ہے اسکے دار الحکومت کا نام سبائی SABBAITHA ہے۔
سبائی کا اصل تلفظ شہوہ۔ جو اب تک حضرموت میں ایک سبائی کا نام ہے۔ پھر ہی منصفیت اس کے حکمرانوں کا نام ہے۔
حضرموت زیادہ تر پختہ راستہ پیدا کرتا ہے۔ لیکن قسطنطنیہ کے میوے ہی وہاں وافر اور جہاز رانی کی کثرت ہو گئی ہے۔

حضرت سے سبا کا ملک ۴۰۰ ذر کی مسافت پر ہے۔ حضرت موت اور شہادتیت دو بلند شہر ہیں اور مذہبی اور شاہی عمارات سے آراستہ ہیں۔

پلینی (سنہ ۷۹ء) کہتا ہے۔ سبا کے ایک حصہ کا نام حضرت موت ہے جس کا خاص شہر شہادتیت (شہوہ) ہے۔ اس شہر میں ہیکل (معبد) ہیں۔ یہاں سے بخورات جمع کر کے سبا لائے جاتے ہیں اور اس وقت تک یہ خرید نہیں کئے جاسکتے اور نہ کوئی غیر ملکی ان کو لے جاسکتا ہے۔ ہیکل کا بہن۔ سبا تھا کہ وہ تان کیلے ایک عشر (دسواں حصہ) اونسے نکال نہیں پاتا (Dunkers Hist of Antiquity vol 1 pp 310, 311) ایک یونانی مورخ لکھتا ہے کہ حضرت موت میں بادشاہ وراثتاً نہیں ہوتا بلکہ شرفائے ملک کے گھر میں بادشاہ کے انتخاب کے بعد جو پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے وہی ولی عہد ہوتا ہے۔

حضرت موت کے آثار کی تحقیق بہت کم ہوئی ہے۔ سنہ ۱۹۱۳ء تک جو انسانی کھوپڑیاں آف اسلام جلد اول کے طبع کی تاریخ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موت کے پائے تخت شہوہ میں سیکڑوں کتابت ایسے موجود تھے جو پڑھے نہیں گئے تھے۔ تاہم جو آثار دریافت ہو چکے ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موت کا تعلق نہایت قدیم زمانہ سے معین کے ساتھ تھا۔ بلکہ حضرت موت کا خاندان معین کے ساتھ تعلقات نسبتی بھی رکھتا تھا۔ اور قانہ کا بندر گاہ اور ملک کا ایک ٹکڑا ایک حد تک اسکے ماتحت تھا۔ ایک طویل خاموشی

کے بعد حضرت موت کا نام سبا کی ماتحتی میں نظر آتا ہے۔ (Hist de la Arabie Tome vol P 49) سبا کا زمانہ سنہ ۹ یا سنہ ۱۰ ق م تک منوش ہے۔ اس دور میں ہی حضرت موت کی حکومت کا ذکر جنگ و صلح کے تعلق سے آتا ہے۔ شاہان سبا کے خطاب شاہی کیا تھا۔ شاہ حضرت موت کا لقب ہی نظر آتا ہے۔ سواحل یمن کے دوسری جانب ملک حبش ہے۔ اہل حبش بھی اہل یمن سامی عرب تھے۔ انہوں نے اپنی نو آبادی قدیم زمانہ میں اپنے وطن کے دوسرے مقابل جانب میں قائم کی تھی۔ اسی زمانہ میں رفتہ رفتہ وہ بھی سواحل حضرت موت پر واپس آ رہے تھے۔ تقریباً سنہ ۱۰۰۰ میں دبا آفر حضرت موت پر اونٹنوں نے استیلا

حاصل کر لیا۔ (Encyc Bri vol II P. 264)

حضرت موت کے بادشاہوں کے نام جو کتابت و نقوش میں پڑے گئے ہیں۔ انہیں سے ہم کو صرف دو معلوم ہیں۔ صدوق یاکل اور معدی کرپ۔ معدی کرپ۔ صدوق اہل کا پوتا تھا۔ اور معدی کے بادشاہ اپنی بیٹی یا لک کا بچا اور معدی

سنہ ۱۰۰۰ میں حجاز و نجد کے معاملہ سے فارغ ہو کر آنحضرت معلوم نے حضرت علیؓ سے ملاقات میں اور ابو موسیٰؓ کا شہری کو جو اصل میں یمنی تھے۔ دعوت اسلام کی غرض سے یمن پہنچا۔ ایک ہی سال

کے اندر تمام ملک سلمان تھا۔ اسی سال زیادہ این ولید بن زبجی یہاں حال مقرر ہو کر آئے۔ عہد اسلام میں حضرت موت کا آخری بادشاہ ہو لا وائل بن حجر تھا۔ حضرت موت کی زبان چھڑکی زبان سے نکلنے لگی تھی۔ شاہان عالم کے سلسلہ میں وائل کو عربی میں جو خط لکھا گیا تھا۔ وہ حضرت موتی الفاظ کی آمیزش کے ساتھ تھا۔ نامہ مذہبہ میں یہ تھا

الح صاحب ارض القرآن نے دعاۃ اسلام فی البین کی تفصیل بطور اجمال لکھ دی ہے۔ جو منہ سبتہ مقام کی وجہ سے کسی قدر پیچیدہ ہو سکتی ہے۔ مگر یہ نظریات جملہ عام اطلاع کے لئے اکثر اوقات غلط فہمی اور فسادات کثیرہ پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے اس احتمال کی کسی قدر تفصیل کو دینی واقفیت عامہ کی صحت کے لئے منہ سبتہ ضروری ہو۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خدمات دعوت اسلام فی البین کو ذکر کیا گیا ہے۔ وہ آپ کی عبارت معاذ ابن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کی مشارکت کیساتھ معلوم ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ کہ گویا یہ تینوں بزرگوار علما قرین میں ایک وقت بیک جا اور یکساں جماعت بھیجے گئے تھے۔ حالانکہ ایسا بیان واقعات کو صریح ظاہر ہے۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا تعین خاص میں علامہ ہمدان کی ہدایت کیلئے مستند (حجۃ الوداع) میں ہوا تھا۔ آپ کی ماتحتی میں ہر بزرگوار کی ایک جماعت الہبتہ ہمراہ تھی۔ اسی واقعہ کے متعلق بریدہ صحابی کے وہ غلط فہمی اور بدگمانی جو خالد بن ولید کی ذلت اور شتمناکی طبعی کا نمونہ تھی۔ اور جو بالآخر عتاب نبوی کا باعث ہوئی اور بریدہ عمر بھر اپنی اس نادانی پر پشیمان رہے۔ پیش آئے۔ یہ خدمات حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے صرف اعجاز بیانی اور حسن زبانی سے جس خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ عمل میں لائے گئے۔ اسکی تصدیق و توثیق کیلئے۔ ترجحات قدرت اور زبان رسالت کے کلمات۔ اسلام علی الدن اسلام علی الدن (مبراۃ اللہ) کافی ہیں۔ ایسے بعد دربار نبوت سے۔ انہیں خدمات کے جملہ دہیں و قصباتم علیہ السلام کا خطاب گرانمایہ عطا فرمایا گیا کہ لا ینفخی علی کا خطاب الحقیقی۔ واقعات کے خلاف قویہ بیان یوں ظاہر کرتا ہے۔ وہ اصل امر کی تفہیم میں باعث فساد اس طرح ہوتا ہے کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خصوصیات کا منافی ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے کہ آپ کے تمام اسلامی خدمات بلا مشارکت احد سے و بے مداخلت غیرہ تمام آثار معتبر اور اخبار مستند و خبر سے ثابت ہوتے ہیں۔ قبول اسلام سے لیکر دفن رسول معظم تک آپ کی خدمات کی شان بالکل تنہا ہے۔ کسی دعوت کسی سربراہ میں آپ کو کسی افسر اسلامی کی تبعیت یا مشارکت کی تکلیف نہیں لگتی۔ نزول سورہ قوبہ کے موقع پر احکام عشرہ کی تبلیغ کے لئے۔ بذریعہ وحی تاکید آمیز کیا جانا۔ اسکا کافی ثبوت ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ شکرین کر کے اسٹے بڑے کثیر مجموعہ میں اسلام کی تبلیغ دعوت اس سے بڑھ کر اور کون ہو سکتی ہے۔ یہ تو دعوت تبلیغی کی مثال ہونی و سرایا اور جنگی خدمات کی نسبت ذوالیشرہ سے یکاثر پیش اسامہ کے آخر واقعہ تک جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی تبعیت اور ماتحتی کسی سربراہ میں کسی تابع و مغاڑی کی کتابت نہیں ہوتی۔ آپ کو محاسن خدمات کی یہ قدرت صاف صاف ثابت کر رہی ہے کہ قدرت نے یہ خصوصیت آپ کی ذات میں خاص طور پر ودیعت فرمائی تھی۔ پھر ایسی تخصیص کو ضرورتاً یا غیر ضرورتاً مشارکت کے غیر واقع اور قیامی مداخلت کے ساتھ تفہیم کی صورت میں ظاہر کرنا نہ تھا اس تخصیص کی شریف خاص کی تحفیض کرنا ہے بلکہ اس ذات کی تحفیض و اوس میں تھکریض کرنا ہے جو نہ اطلاع کے لئے مفید ہو سکتی ہے اور نہ اہل تحقیق کو کوئی نفع پہنچا سکتی ہے۔ فافہم نہ ہو

المولف الاحقر سید اولاد حیات بلگرامی

من محمد رسول الله الى الاقبال العيا هله ولا طلع المشاييب... في البقرة
لا مقوت المباط ولا خالف النطوا لثيمة وفي السيوي الخمس ومن نراهم
يكبروا صدقوا سائنة واستنقوه عامنا ومن نراهم ثيب فضو جوة بلاضيا
كلا تيا..... في الدب

سبک کی حکومت

اہم خطانیہ کی سبب مشہور ترین شاخ سبک ہے۔ ایک طرف روایات عرب حکایات یونان اور آثار قدیمہ ہیں۔
دوسری طرف قرآن مجید توراہ زبور اور انجیل میں اسکی شہرت و رفعت کی داستانیں اور واقعات موجود ہیں۔
ناہم۔ توراہ میں سبک ایک جد قبیلہ کا حکم ہے۔ بروایت عرب اسکے جد قبیلہ کا نام عمر یا عبد الشمس اور لقب
سبک تھا محققین جدید بھی زیادہ تر اسکو لقب خیال کرتے ہیں۔ لغویین عرب کی رائے ہے کہ ”سبک“ مشتق
ہے جس کے معنی غلام بنانے کے ہیں۔ چونکہ عبد الشمس بہت بڑا فوج تھا۔ اور اسنے بہت سے لوگوں کو
گرفتار کر کے غلام بنایا اسلئے اسکا لقب سبک قرار پایا۔

تحقیق جدید یہ ہے کہ سبک اور سبک اس معنی سے ماخوذ ہے جسکا مفہوم تجارت ہے۔ کتبات میں عموماً
سبک کا لفظ تجارتی سفر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ عربی زبان میں یہ ایک ”شراب کی تجارت اور خرید و
فروخت اور اسکے لئے سفر“ کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ سبک چونکہ تاجر قوم تھی۔ اسلئے اس لقب سے مشہور
ہوئی ہے۔ (Encyclo Brita Vol 23 P 955)

سبک کی وجہ تسمیہ میں فاضل معاصر نے دو قول تحریر فرمائے ہیں۔ ایک لغویین عرب کا۔ دوسرا علمائے آثار یعنی مستشرقین یورپ
کا۔ عربی کے علمائے لغت کا جو قول اور عقار نقل فرمایا گیا ہے۔ وہ علمائے آثار یعنی مستشرقین یورپ کے بیانات اور قیاسات
زیادہ قریب الفہم اور آسان ہیں۔ مگر ہمارے فاضل معاصر نے مستشرقین یورپ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ ہمارے لائق محقق کو فیصلہ
سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے تھا کہ جانبین نے لفظ عربی کے مادی معنیوں سے کام لیا ہے۔ مگر عرب نے لفظ کے اصلی اور پہلے معنی سے
مطابقت کی ہے۔ اور ان کی مطابقت سبک کے مخزنہ واقعات سے بالکل متاسب رہتی ہے۔ انکے خلاف مستشرقین یورپ نے
اس لفظ کے معنی تجار اور درجہ دوم کے معنیوں سے کام لیا ہے جس کے مجاز ہی اور اصطلاحی معنی شراب کی تجارت اور انکی
ضرورت سفر کے عربی لغت سے ثابت ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ معنی بھرپور دم لغت عرب میں پائے جاتے ہیں تو تاہم واقعات
مستقل تعلق نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر سبک کو تجارت پیشہ سمجھ لیا جائے۔ تو شراب کی اصلی اور خاص تجارت کے مفہوم کہاں سے

زمانہ حکومت

سبا کا زمانہ عروج کب سے شروع ہوتا ہے؟ روایات عرب میں براہ راست اسکا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن تمام مورخین اور اہل نسب نے عبد الشمس سبا کو قحطان کا پوتا بتلایا ہے۔ یہ ان کی حکومت کا زمانہ ۲۸۴۲ برس بتلاتے ہیں۔ (مسعودی ج ۱ ص ۱۹۳ مصر)

اسکے بعد اسکا جانشین۔ اون کی تصریح کے مطابق تعمیر ہوتا ہے۔ بقاعدہ عام عبد شمس سے اگر عبد شمس کا خاندان مراد لیا جائے تو قحطان کی تیسری پشت سے۔ جو کم از کم ۲۵۰۰ ق م میں ہوگی۔ اس کا زمانہ شروع ہو کر ۲۸۰۰ برس کے بعد ۲۰۰۰ برس کے پس و پیش میں ختم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ سبا اور حضرت سلیمان (س ۹ ق م) کی معاشرت قرآن مجید، سفارہ یہود اور انجیل سے اس کے ایک ہزار برس کے بعد ہی ثابت ہے۔

سفارہ یہود میں سبا کا حکومت کی حیثیت سے ذکر ہے پہلے حضرت داؤد کی زبور (۲۷-۱۰) میں نظر آتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منسلق ق م سے پہلے عہد عروج شروع ہو چکا تھا۔ اسیر یا کے کتابت میں ششہ ق م میں اسکا (سبا کا) ایک بادشاہ اسیر یا کو خراج دیتا ہے اور یہ سبا کی ترقی کا آخر زمانہ ہے آخر میں ولادت مسیح کے پس و پیش یونانی تاریخوں میں بھی اسکا ذکر ہے۔ اس سے سبا کا آخری زمانہ ظاہر ہوتا ہے۔ کتابت سکیم اور حضرت داؤد کی زبور کے اسناد سے جس کی تدوین کا زمانہ دسویں صدی ق م کا وسط ہے۔ سبا کے عروج کا زمانہ منسلق ق م سے کسی حال میں کم نہیں قرار دیا جاسکتا۔

دائرہ یا رقبہ حکومت

سبا کا اعلیٰ مرکز حکومت جنوب عرب میں یمن کا مشرقی حصہ تھا۔ اسکا دارالحکومت شہر تاریا تھا لیکن رفتہ رفتہ اسکا دائرہ مغرب میں حضرت موت تک وسیع ہو گیا تھا اور چونکہ یہ ایک تاجروں کا مہم تھا اسلئے بہت سے بحری اور تجارتی راستوں پر بھی اسکو قبضہ کرنا پڑتا تھا۔ اسی سلسلہ میں شمالی عرب

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ پیدا کے جائیں گے۔ کتابت کی عبارت۔ واقعات کی صورت۔ تاریخ و سیر کی نقل و تحریر سے سبا اور اہل سبا کی تجارت، شراب کی ٹوکائی خصوصیت نہ مستشرقین یورپ ہی نے بتائی نہ آپس نے درج فرمائی تو پھر ایسی بات یہاں آپس کے اس دعویٰ بلکہ دلیل کو کیسے صحیح کہا جاسکتا ہے۔ اور اس بنا پر مستشرقین یورپ کی وجہ یہ صرف اسکی تباہی اور غلط فہمی سمجھی جائیگی۔ اور لغویین عرب کی بتلائی ہوئی آسان اور قریب الفہم وجہ تسمیہ کے مثلاً یہاں آپ کے مصطلحات غیر مرد جب کو چاک کندن و گاہ برار و دن سے زیادہ وقعت نہیں دی جائیگی۔ المولف۔ سید اولاد حیدر عفی عنہ

پرسا کی حکومت نظر آتی ہے اور افریقہ میں بھی اسکے آثار ملتے ہیں۔ حبشہ میں ازیہ کا ضلع سبا کے ماتحت تھا۔ اس ضلع پر معاویہ کے لقب سے ایک گورنر حکومت کرتا تھا۔ (Encyclo Brit vo 23 P. 955)

یمن سے براہ حجاز شام تک جو قدیم تجارتی راستہ تھا۔ یہ بھی سبا کے قبضہ میں اور وقت نظر آتا ہے اور اوسپر جاجان کی نوآبادیاں قائم معلوم ہوتی ہیں۔ غالباً ان مقامات پر سبا کا قبضہ واستیلا نویں یا آٹھویں صدی میں اہل معین کی مفتوحی کے بعد ہوا ہوگا۔ اسیریا کے بادشاہ سرجون کے ایک کتبہ میں جو ۷۵۰ ق م کا ہے شمالی عرب کے چند قبائل کا ذکر ہے۔ ان میں ایک کا نام شیمر سبا کی ہے یہ سرجون کو خراج دیتا ہے (Encyclo Brit) سرجون کا یمن تک جانا آثار سے ثابت نہیں۔ اسلئے لامحالہ خود سبا کا گزروہاں تک ہو ا ہوگا۔ اس واقعہ سے سبا کی حکومت کا قریب شمالی عرب میں عراق تک ثابت ہوتا ہے اور سبا کی حکومت کا ان اطراف میں بھی سراغ ملتا ہے۔ در سفر ایوب ۱۵۰۱ میں ہے کہ سبا نے اور اہل سیریا نے حضرت یوشیہ کے پیلام اور جانور لٹ لئے۔ پھر صیغہ ایوب ۱۹۰۴ میں ہے کہ سبا کے ساتھی تیار کے سواروں کا انتظار کرتے ہیں) پتھا شام کے پاس شمالی عرب میں ایک شہر ہے۔ اس آیت سے سبا اور شام کے تعلقات ظاہر ہوتے ہیں۔ دیگر سفار ہوو میں بھی سبا کا بکثرت ذکر موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک شام فلسطین اور مدائن کے آس پاس بھی انکی نوآبادیاں تھیں۔

سبا اور اسکی شاخوں میں امتیاز

تمام عرب مورخین نے حمیر کو سبا کا بلاواسطہ جانشین فرض کیا ہے اور ان تمام ملوک یمن کو جو اس سلسلہ میں آئے ہیں آخر تک گزرے ہیں ان کو حمیر بن سبا اور ملوک حمیر بن سبا سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر مستقلاً خاص سبا کے نام سے کسی زمانہ میں بھی اونکے اصول کے مطابق کوئی حکومت نہ ہوئی۔ لیکن یہ تصریح قرآن کے بالکل مخالف ہے۔ اوس نے حمیر کے بلاواسطہ حکومت سبا کا صاف اور صریح نام لیا ہے۔ در تمام عبرانی، یونانی اور اثری شہادات قرآن کے ساتھ ہیں۔ عبرانی صیغہ کازاز آخر ملتکہ نام ہے۔ حکومت یمن کا ہمیشہ سبا کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ یونانی مورخین نے سلسلہ قوم سے پہلے حمیر کا نام نہیں لیا ہے۔ آثار میں سلسلہ قوم کے بعد خاندان حمیر کا وجود نظر آتا ہے۔

مورخین عرب سلسلہ ایکسٹری غلطی یہ کہ حمیری بانی حکومت سے حمیر بن سبا تک جتنے آباء نسب تھے ان سب کو بادشاہ قرار دیکر وہ سب سے حمیری حکومت قائم کر دی۔ حالانکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک فرزند قبیلہ جو اتفاق سے ایک سلطنت کا بانی ہو جائے اوس سے پیکر یہ قبیلہ تک اوس کی سلطنت سلسلہ ہو۔ ابوالعباس السفاح عباسی حکومت کا بانی تھا لیکن اس خاندان کے پدر اول حضرت عباس اس سے

پانچ چہ پشت پہلے ہیں۔ اس بنا پر نسب عباسی کی ابتدا حضرت عباس سے پیش کیا جائے گی۔ لیکن ظاہر ہے کہ حکومت عباسی کی ابتدا حضرت عباس سے نہیں بلکہ السفاح سے کی جائے گی۔ اس طرح نسب حمیری کی ابتدا سبا بن حمیر سے ہوئی۔ لیکن حکومت حمیری اسکے سیکڑوں برس بعد قائم ہوئی۔ اور نسب خاندانی کے لحاظ سے صحیح طور پر اسکو حمیری کہا گیا۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ حمیر ابن سبا نے خود اسکی بنیاد بھی ڈالی۔ معاویہ اور اسکے جانشینوں کی حکومت کا نام اتویہ ہے۔ لیکن کیا اسکا مفہوم یہ ہے کہ خود اُمیہ اسکا بانی تھا۔

سبا کو چوڑا سبا کی متفرق شاخوں میں جو بادشاہ گذرے ہیں ان کے نام و قعدہ اور حالات کے بقدر زیادہ روشن ہیں۔ ان کی بنا پر ان کا زمانہ ۶ یا ۷ سو سے زیادہ نہیں۔ جیسا کہ تاریخ حمزہ اصفہانی کی تاریخ میں ایام ملوک آل غسان اور ملوک منازہ کے ازمنہ کے جمع کرنے اور حمیر کے زمانوں کی تبدیل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس زمانہ کی انتہائی حد معلوم ہے یعنی تقریباً ۱۰۰۰ عیسوی جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے۔ اس حساب سے انکا زمانہ تفریق ۱۰۰۰ ق م یا علی النعموم پہلی صدی ق م ہونا چاہیے اور یہ وہی زمانہ ہے جسکو گلاذ وغیرہ نے ابتدا سے حمیر اور انتہا سے سبا کے لئے ازروئے آثار مقرر کیا ہے۔ اس لئے اس زمانہ تفریق اور تفرع سے پہلے فرزند ابن سبا کا جو مشترک زمانہ تھا حکومت سبا سے وہی عہد مراد ہے۔

فرمانروایان سبا۔

حکومت سبا کا نام تحریری حیثیت سے سبب پہلے نشانہ ق م میں حضرت داؤد کے عہد میں نظر آتا ہے اس زمانہ بعد العہد میں ہی سبا کی دولت و عظمت ہمایہ بادشاہ کی نگاہ میں قابل رشک تھی جنہرے داؤد زبور میں کہتے ہیں۔

”اے اپنے بادشاہ کو اپنا فیصلہ عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو راستی قبا اور سبا کے بادشاہ اوس کو

نذیر دینگے اور سبا کا سونا اوسکو پیش کیا جائیگا“

بادشاہ داؤد کی دعا قبول ہوئی۔ اور بادشاہ کے بیٹے سلیمان کی بارگاہ میں سبا کے بادشاہ نے نفردی اور سبا کا سونا اسے پیش کیا۔ ۹۵۰ ق م میں جو تقریباً حضرت سلیمان کا عہد ہے ازروئے قرآن و توراۃ سبا پر ایک عورت حکمران تھی۔ روادۃ عرب اس عورت کا نام بلقیس بتاتے ہیں۔ لیکن بلقیس کا جو زمانہ وہ قرار دیتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے مفصل بحث آگے آئیگی۔

سرجون یا شرجون شاہ اسیریا کے عہد میں جس کا زمانہ ۷۰۰ ق م سے ۶۰۰ ق م ہے ملک سبا پر سیر نام بادشاہ تھا۔ سرجون نے اپنے ایک یا دو کاری کتبہ پر لکھا ہے کہ اوسکو نمود شمشیر ملکہ عرب (عربی) اور سرجون نے خراج دیار (Roger's Riot of Bible vol II 164) یہ متفق ہے جیسا کہ اوپر بیان

ہو چکا ہے کہ سرحدوں تک نہیں پہنچا۔ اسلئے یہ ظاہر ہے کہ خود سبا حدود اسیریا تک پہنچ گئے تھے۔ اسکی تائید سفر التوبہ سے ہی ہوتی ہے جس میں کلدان اسیریا اور سبا کو باہم متحدہ حدود شمالی عرب میں ظاہر کیا گیا ہے۔

شہر سبا کی متعدد بادشاہوں کے نام ہیں۔ انہیں میں سے ایک وہ شہر ہی ہے جس نے دار الحکومت عرب میں سترم کی بنیاد ڈالی۔

عرب مورخین نے چونکہ سبا اور حمیر میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ اسلئے سلسلہ حمیر سے الگ انہوں نے کسی بادشاہ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ حمیر کے انھوں نے دو کمرے کئے ہیں۔ بلوک حمیر اور سبا بعد حمیر بلوک وہ ہیں جو صرف ملک یمن میں حکمران تھے۔ سبا بعد وہ ہیں جنکے ماتحت یمن و حضرموت دونوں تھے۔ انکی تحقیق کی مطابقت سے سب سے پہلا تیج۔ حارث الرانش ہے۔ بلوک حمیر کی تعداد انکے ہاں بہت کم ہے۔ بلکہ بعضوں نے تو اس طبقہ کو بالکل حذف کر دیا ہے۔ وہ حمیر بن سبا کے بعد فوراً بلا واسطہ باہچند واسطہ حارث الرانش کا نام لیتے ہیں۔ حالانکہ حمیر اور الرانش کے درمیان کم از کم ہزار برس کا فاصلہ ہے جسکی رخنہ پری صرف شخصوں مورخین نے کی ہے۔ لیکن وہ باہم مستند مختلف ہیں کہ نتیجتاً ان سب کی جیسے اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے اعتباری کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو چند ناموں کے انہیں سے کوئی نام سبا کی اسما کے طرز کا نہیں ہے حالانکہ نامونکے اسلوب طرز کو قومیت کی تعیین میں بہت بڑا دخل ہے۔ بہر حال مثلاً چند نام مختلف روایات مستند سے یہ درمیانی نام پیش کیے جاتے ہیں۔

نمبر	نشوان ابن سعید حمیری	قلقشندی	ابوالقدا	ابن خلدون	مسعودی
۱	سبا	سبا	سبا	سبا	سبا
۲	حمیر	حمیر	حمیر	حمیر	حمیر
۳	المیسج	المیسج	وائل	وائل	کھلان
۴	ایمن	ایمن	الکسک	الکسک	ابو الکک
۵	زمیر	زمیر	یعفر	یعفر	عبار ابن غالب
۶	عرب	عرب	زوریاش	نعمان	حارث الرانش
۷	افوش	فہلن	نعمان	زوریاش	
۸	وائل	افوش	شیم	شیم	
۹	عباد شمس	وائل	شیم	حارث الرانش	
۱۰	زمیر القنوار	عباد شمس	نعمان		
۱۱	مرد قنیم	زوریاش	زوریاش		
۱۲	زوریاش	شیم	شیم		
۱۳	حمیر	حارث الرانش			
۱۴	المطاط				
۱۵	القلمین				
۱۶	سبہ				
۱۷	حارث الرانش				

غالباً اسی اختلاف کی وجہ سے حمزہ اصفہانی نے حمیر بن سبا اور حارثہ الرکشی کے درمیان کے نام چھوڑ دئے اور
مجملاً لکھتا ہے کہ حمیر بن سبا انتہائی غم کو پہنچ کر مر گیا اور اس کی نسل اس کے بعد وراثتاً حکومت کرتی رہی اور ان کے خاندان
سے نیکل کر مین کی مملکت دوسروں کو نہیں ملی یہاں تک کہ صدیاں گزر گئیں اور حکومت حارثہ الرکشی کے ہاتھ میں
آئی۔ یہ پہلا نتیجہ ہے۔ حارثہ سے پہلے حکومت مین اور حضرموت دو گروہوں پر تقسیم تھی۔ کل اہل مین ایک بادشاہ
پر مشفق نہ تھے۔ لیکن حارثہ الرکشی جب بادشاہ ہوا تو سب اس پر مشفق ہو گئے۔ اور اس کے تابع بنے۔ اس لئے نام
اس کا شیخ پڑا۔ حارثہ الرکشی اور حمیر بن سبا کے درمیان پندرہ پشتیں ہوئیں۔ حمزہ اصفہانی مملکت ص ۱۸۸۔

اس عبارت میں آخری فقرے کے علاوہ اور سب فقرے نہایت غماط اور قابل قبول باتیں ہیں۔ بلکہ حمیر بن سبا
کی ابتدا کم از کم سنہ ۱۱۵۰ ق م سے یعنی زمانہ داودؑ سے ہو تو تابع حمیر کے پہلے بلوک حمیر یا سبا کیلئے ۹۰۰ برس
رہتے ہیں۔ اگر ایک ایک بادشاہ کا اوسط زمانہ ۲۵ برس بھی فرض کیا جائے تو کم از کم اس عرصہ میں ۳۶ پشتیں
ہوں گی۔ اس لئے حمیر بن سبا کے معنی صرف یہ لینے چاہئیں کہ حمیر جو سبا کی اولاد اور اولاد میں تھا اور جو تقریباً
سنہ ۱۱۵۰ ق م میں دولت حمیریہ کا بانی ہوا۔ اس حمیر اور حارثہ الرکشی کے درمیان ۱۵ پشتیں ہونا ممکن ہے۔
بہر حال رواق عرب نے تابع حمیر سے پہلے کے جو نام بلوک حمیر کے نام سے بتائے ہیں وہ بہت کچھ
محتاج تصحیح و تنقید ہیں آثار و کتبات نے یونان و رومان کی مدد سے تاریخ مین کا جو حصہ روشن کیا ہے اس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت اشارہ قرآن کے مطابق حکومت مین کے دو مستقل دور۔ دو مستقل ناموں سے
ہیں۔ سبا اور حمیر سبا کی انتہا معلوم و متفق ہے کہ وہ سنہ ۱۱۵۰ ق م ہے (Encyclo Brit ۱۲ P. 254)
اور یہی سال حمیر کی ابتدا کا ہے۔ سبا کی ابتدا ہم نے ابوجہ سابقہ الذکر (سبا کا زمانہ) سنہ ۱۱۵۰ ق م سے شروع
کی ہے اس بنا پر حمیر سے پہلے حقیقی سبا کی تاریخ ۸۵۰ برس پر مشتمل ہوگی جس میں کم از کم ۵۰ یا ۴۵ بادشاہوں
کی پشتیں گذرنی چاہئیں۔

مکارب سبا

باعتبار کتبات دور سبا کے دو طبقہ نظر آتے ہیں۔ پہلے طبقہ میں شاہان سبا کا لقب مکارب سبا لکھا ہے
اس وقت ان کا مرکزی شہر یا قلعہ صرّاح تھا۔ مکارب دو لفظ مرکب معلوم ہوتا ہے۔ ”مکا“ اور ”رب“
”مکا“ کے معنی ”نڈھپا“ کے ہیں۔ اور ”رب“ کے معنی ”بڑے“ اور بادشاہ کے ہیں۔ اس لئے مکارب سبا کے معنی
”نڈھپا بادشاہ یا کاہن بادشاہ کے ہیں۔ الغرض مکارب سبا حکومت سبا کے ابتدائی کاہن بادشاہوں کا
لقب تھا۔ صرّاح جو ان کاہن بادشاہوں کا دار الحکومت تھا اس کے آثار اب تک مکارب اور صرّاح کے درمیان ہیں
باقی ہیں۔ صرّاح سے عرب بھی واقف تھے۔ عمر بن لہیان بن سعد بن خولان لکھتا ہے۔

ابونا الذی کانت بصیر احمد ارہ
ہمارا اباپ تھا جس کا مسکن صراج تھا
و فی جلی نعمان عز تمکنا
اور نعمان کے دو بہاؤ نہیں عزت ممکن ہوئی
علیہ جاہلیت کے زمانہ کا شاعر کہتا ہے۔

من یا من الحمد ثانی بعد
صراج اور مارب کے بادشاہ ہو چکے بعد
ابو علقم مرثی۔ قصورین کے ذکر میں لکھتا ہے۔
ملوک صراج و مارب
ابا کون سے عداوت کو محفوظ رکھتا ہے

براقش و معین لغن عامرھا
براقش اور معین کے آباد کر نوا لے ہم ہیں
و نحن ارباب صراج و مرقنا
اور ہم ہیں مالک (رب) صراج اور مرقنا کے

مکارب سبا کے نام

مکارب سبا کے جو نام کتبائے ذریعہ سے اس وقت تک دریافت ہوئے ہیں جو ذیل میں ہیں۔
آخر نام کے ہر ایک کو دوسرے سے نسب تعلق ہے۔ انکی تعداد اسے کہیں زیادہ ہوگی مگر افسوس ہے کہ
تاریخ و سیر کے علاوہ کتبائے کی پتروالی لکیریں بھی انکی یاد قایم نہ رکھ سکیں اور صورت و دیوار خاموش رہیں۔
انکا عروج سلطنت سنہ ۱۱۰۰ ق م میں سمجھنا چاہیے۔ مکارب سبا کے نام یہ ہیں۔ الفاظ کے فصل کیئے
نقطہ اصل سبا کی خط مشد رح کتبائے کے مطابق ہیں۔

- | | |
|---|-----------------------------------|
| ۱ | ذمر علی۔ مکارب۔ سبا |
| ۲ | کرب ایل۔ وتار۔ بن۔ ذمر علی |
| ۳ | سمی علی۔ نیوف۔ بن۔ ذمر علی |
| ۴ | شیخ امر بن۔ بن۔ سہمی علی۔ نیوف |
| ۵ | یلع ایل۔ فرج۔ بن۔ سہمی علی۔ نیوف |
| ۶ | شیخ امر۔ وتار۔ بن۔ سہمی علی۔ نیوف |
| ۷ | کرب ایل۔ بن۔ بن۔ شیخ امر۔ وتار |
| ۸ | یلع ایل۔ بن۔ بن۔ شیخ امر۔ وتار |

یہ فہرست ۱۱۰۰ ق م کے شائع کردہ اصل کتبائے سبا سے جو نجاہ حبشہ جرنل اشیاٹک

Journal Asiatique بابت ۱۸۵۴ء پیرس میں چھپے ہیں۔ التفاط کی گئی ہے اور اس کی تطبیق

(Hunt Tome vol 1 p 56) سے کر لی ہے۔

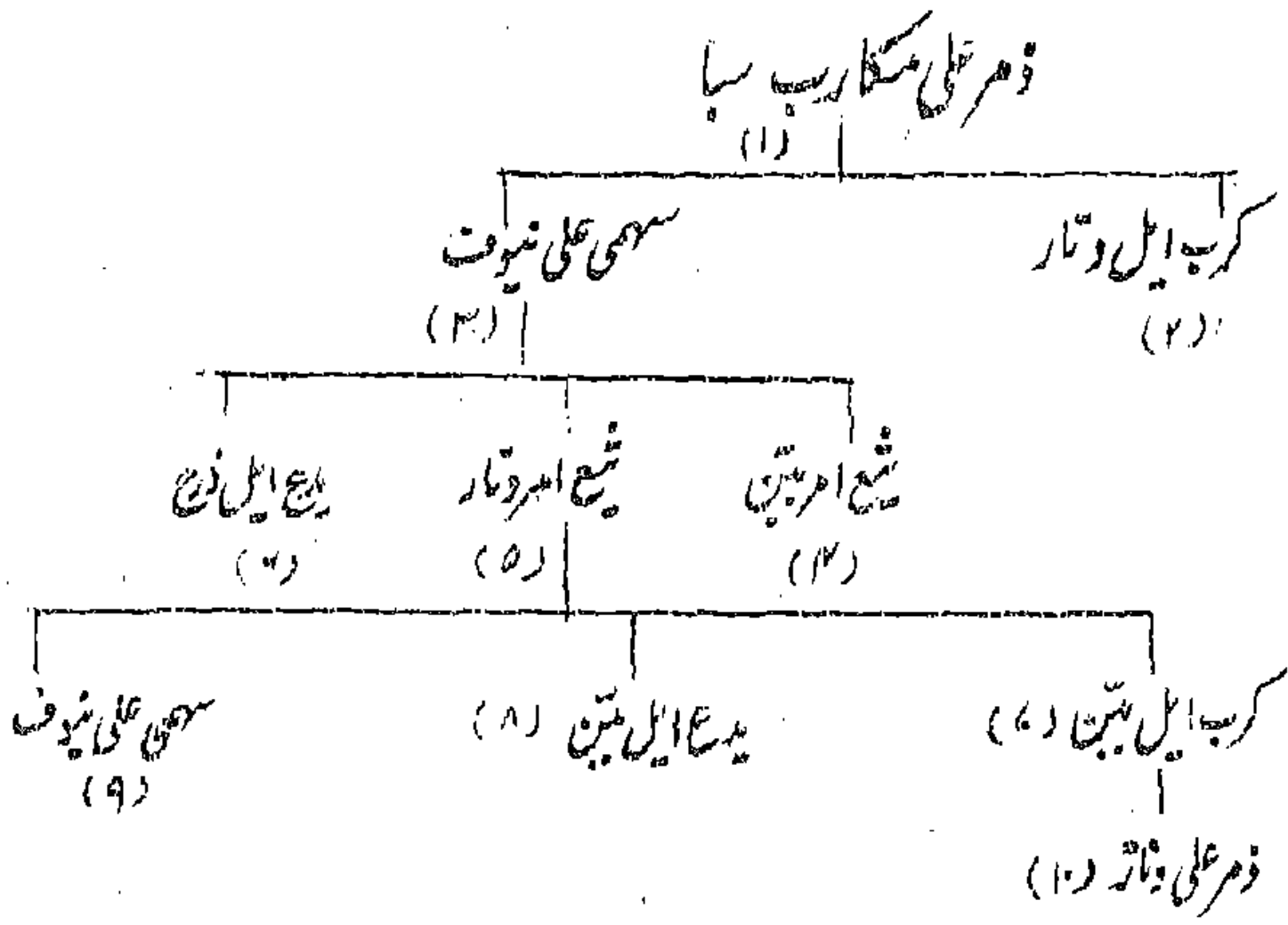
۹ سہمی علی بنیوف بن شیخ امر و تار

۱۰ ذمر علی و تار بن کرب ایل بن بیتن

۱۱ بیتن ایل ذلی - مکارب سب (یہی ایک جداگانہ نام معلوم ہوتا ہے)

آسانی سے سمجھ لینے کے لئے ہم خاندان مکارب مذکورہ بالا کا ایک شجرہ مرتب کر کے ذیل میں تحریر کئے دیتے ہیں۔

شجرہ خاندان مکارب



ملوک سب

شاہان سب کا زمانہ سنہ ۵۵۵ ق م تک نظر آتا ہے۔ اس عہد میں انکا لقب ملک سب منقوش ملتا ہے۔ انکا دار الحکومت شہر تار ب تھا۔ یہ شہر مین کے مشرق میں واقع تھا اور اسکا دوسرا نام شہر سب تھا۔ تار ب کے قصر شاہی کا نام سلجین تھا۔ سکون میں۔ دار الضرب بیت سلجین و حضرت سب منقوش ملتا ہے۔ تار ب تو مشہور مقام ہے۔ مگر سلجین بھی غیر معروف نہیں۔ عرب جاہلیت کا شاعر علقمہ لکھتا ہے۔

قصر سلجین قد عفا
سب الزمان الذی بریب

یہی شاعر دوسری جگہ کہتا ہے۔

سلجین مہاں بیت کان لم تعمر

اوسا تریین و کل شیء للبی

ابو علقمہ مرانی کہتا ہے۔

کھلان والدنا ع احببنا

وقصر سلجین علاہ و شیدہ

نصف ق م سے سلسلہ ق م تک ۲۲۵ برس ہوتے ہیں۔ جو تقریباً اٹھ عربی روایت کے مطابق ہے۔
 کہ سپانے ۲۸۴ برس حکومت کی۔ اس زمانہ مدید کے لئے ۷۱ ملوک سبا کے نام ہم کو ملے ہیں جو تقریباً
 مفروضہ مدت زمانہ کے برابر ہیں۔ اور وہ نام یہ ہیں۔

- | | |
|----------------|--------------------------------------|
| متحد خاندان ہے | (۱) سہی علی۔ ذرح۔ ملک سبا |
| | (۲) کرب ایل۔ بن سہی علی۔ ذرح ملک سبا |
| | (۳) کرب ایل۔ بن سہی علی۔ ذرح ملک سبا |
| | (۴) سہی علی بن ابی شریح۔ بن سہی علی |
| متحد خاندان ہے | (۵) شیخ۔ امر۔ ملک سبا |
| | (۶) کرب ایل۔ وقار۔ بن شیخ۔ امر |
| | (۷) یوحنا ایل۔ بن شیخ۔ امر |
| متحد خاندان ہے | (۸) وہب ایل۔ وقار۔ یوسف بن وہب ایل |
| | (۹) وہب ایل۔ یاسوز۔ ملک سبا |
| | (۱۰) کرب ایل۔ وقار۔ یوسف بن وہب ایل |
| | (۱۱) یومین۔ بن وہب ایل۔ ملک سبا |
| متحد خاندان ہے | (۱۲) ذمر۔ علی ذرح۔ ملک سبا |
| | (۱۳) نثاریب۔ یوسف۔ ملک سبا |

متفرق نام

(۱۴) تبروم۔ یوسفین۔ ملک سبا۔ (۱۵) کربیب۔ ملک سبا۔ وقار۔ ملک سبا۔ (۱۶) یارم۔ یومین۔ ملک سبا
 (۱۷) تبع شرجیل۔ ملک سبا (۱۸) فرع یسب۔ ملک سبا۔
 ان ناموں کے علاوہ کئی نام ہیں اور نام بھی پڑھتے گئے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ کوئی لقب نہیں
 نہیں ہے لیکن یہ ہے کہ امر آئے سپاہوں۔ فرع یسب کا نام سبب آخر اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ ایک کتبہ
 میں "الیشرح ملک سبا و ذوریدان"۔ بن فرع یسب ملک سبا "منقوش ہے۔ اس سے ثابت
 ہے کہ فرع یسب۔ ملک سبا کے لقب سے آخری شخص تھا اسکا بیٹا ملک سبا۔ و ذوریدان کے نام سے
 تیسرے طبقہ کا بانی ہے۔

سبا کی تقسیم و تنظیم

مملکت سبا کی حقیقت کی سمجھنے کیلئے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ مملکت میں کس اصول پر تقسیم تھی اور امر کی ترتیب و تنظیم کیونکر تھی۔ ایک قلعہ ہوتا تھا۔ قلعہ کے آس پاس گاؤں کی صورت میں مختلف چوٹی چوٹی آبادیاں ہوتی تھیں۔ انہیں کے مجموعہ کو محضر کہتے تھے۔ قلعہ دار گاؤں کا حاکم ہوتا تھا۔ اس کا لقب اس کے قلعہ کی انتساب اضافت سے ہوتا تھا مثلاً ذوالغمران۔ ذوالغمران اور ذوالجہینین۔ ذوالجہینین زبان میں کلمہ اضافت سے ہے جس کے معنی آقا کے ہوتے ہیں۔ اسی لئے حجازی عرب میں اس کے معنی صاحب اور مالک کے ہیں۔ اور بغیر اضافت سے مقبل نہیں ہوتا۔ اس ذوالجہینین کی جمع اذوار ہے۔ زبان میں میں جہنی قلعہ دار کے مستعمل ہوتا ہے۔

یہ قلعے یا محاذ ملکر ایک مملکت کے تابع ہوتے تھے جس کو صوبہ کا اسم معنی سمجھنا چاہیے۔ حکام مختلف کا لقب قبل تھا۔ اس کی جمع اقبال ہے۔ عام طور سے مشہور ہے کہ اقبال۔ بین کے بادشاہوں کو کہتے ہیں محضر اور مملکت کی تقسیم عہد اسلام میں بھی باقی رہ گئی تھی۔ دولت عباسیہ کے زمانے میں اس مملکت میں ۱۴ مملکتیں تھیں۔ یہ تمام اقبال ایک بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے جس کا نام باختلاف عہد مکارب سبا اور ملک سبا تھا۔

ان اذوار و اقبال اور ملک میں امن و اطمینان اور نظام کی زندگی بہت کم قائم رہتی تھی۔ تو ہی ضعیف کے ماتحت ہو جاتے تھے جو ”ذوالقبیل“ قوی ہو جاتا تھا رہی بادشاہ بن بیٹھا تھا جمہوراً بادشاہ کسی قلعہ میں سکونت کرتا تھا اس قلعہ کی طرف ہی سکونت القاب شاہی کا جزو ہوتی تھی۔ مثلاً ملک سبا قلعہ ریدان میں رہتا تھا اس کا لقب شاہی۔ ملک سبا ذوالریدان تھا۔

سبا کے تمدنی اور تجارتی حالات

حکومتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ مصلح پسندانہ اور فاسقانہ۔ بابل۔ اسیریا اور مصر کی حکومتیں فاتحانہ تھیں۔ ان کے آثار و کتبات فتوحات کی یادگاروں سے پھر ہیں۔ لیکن بین کی حکومت بالکل مصلح پسندانہ تھی۔ سبا کے جتنے کتبات دیکھے گئے ہیں۔ جن کی تعداد ۳۰ و ۴۰ سے کم نہ ہوگی وہ تمام تریا متقابر کی نوعیت ہیں۔ یا عمارتوں کے پتھر ہیں۔ یا دیوتاؤں کے سیکل ہیں۔ مذبح پرند زو شکو کے سپاس یا سہمہ ہیں۔

ہم نے پہلے بتلادیا ہے کہ سبا ایک تاجروں کا قوم تھی جس کی صحیح مثال موجودہ تاریخ و وقت میں حکومت برطانیہ ہے۔ عرب کے ملک میں کثرت سے سونے اور چاندی کی کانیں تھیں۔ اور اب بھی ہیں۔ یہودی نے صفحہ جزیرۃ العرب میں ص ۲۵۰ مطبوعہ لندن میں ان کانوں کا ایک ایک اسکے نام گنوا یا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ان تمام بیانات کو اپنے حیرانہ عرب قدیم میں جمع کیا ہے۔ خدیو مصر کے اشارے سے۔ برٹن نامی ایک انگریز۔ عرب کے شہر مدین میں معرف وہاں کے معذنیات کا یہ لگانے کو بھیجا گیا تھا۔ معذنیات

اور یمن کا ملک خوشبو دار چیزوں کی پیداوار کیلئے طبعی طور سے مخصوص ہے۔ اس زمانے میں تمام دنیا میں دیوتاؤں کی عام طور پر پرستش کی جاتی تھی۔ انکے لئے بڑے بڑے ہیکل بنائے جاتے تھے۔ ان ہیکلوں میں شب و روز خوشبو دار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں۔ اسلئے قدیم زمانہ میں ہر ملک سے ان کی بڑی مانگ تھی۔ عمان و بحرین میں موتیوں کے خزانے ہیں۔ اور یمن کے سوا اہل ہندوستان اور حبش کی پیداوار کی منڈی تھی۔ یہ تمام تجارتی اشیاء اس عہد میں سبا ہی کی وساطت سے بحر احمر کے راستے سے یا حجاز کی راہ سے شام، فینیشیا اور مصر کو جاتی تھیں۔ اور یہاں سے تمام یورپ میں پھیلتی تھیں۔

توراة سبا کی دولت و عظمت سے پر ہے۔ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کہتے ہیں۔ سبا اور شبا کے بادشاہ اسکاوندز دیں گے۔۔۔ شبا کا سونا اسکو پیش کیا جائیگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ملکہ سبا آتی ہے۔

وہ بہت فوج و ترکہ و اہل شام کے ساتھ یرشلم میں داخل ہوئی۔ بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں۔ بہت سا سونا اور بیش بہا جواہر لہے تھے۔۔۔۔۔ ملکہ نے ۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمان کو دئے ملکہ نے جیسی خوشبوئیں دیں ویسی پہرنے ملیں۔

توراة سفر آیام

اشعیاء بنی کی پیشین گوئی ہے۔

حبش اور سبا والوں کی تجارت جو شریف ہیں۔ تیرے پاس آوے گی۔ (۲۵-۱۲)

خرقیال بنی کہتے ہیں۔

جمہور آدمیوں کے ساتھ ساوا لے بیابان (عرب) سے آئے جنکے ہاتھوں میں گنگن ہیں اور سروں پر خوبصورت تاج (۲۳-۲۲) قبا اور ریماء تیرے تاجر ہیں وہ عمدہ خوشبو، جواہر اور سونا تیرے بازاروں میں بیچتے ہیں۔ حران۔ قانہ اور عدن (یہ تینوں یمن کے شہر ہیں) تیرے تاجر ہیں۔ سبا اور اثور اور کلما و تیرے تاجر ہیں۔

اشعیاء کی نبوت ہے۔

۱۔ ناقص معاصر ہم اس جگہ پر یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ابھی ابھی آپ نے ملک سبا اور علاقوں کے تمام اقسام کی تجارت کو نام نہام گنایا اور بتلایا ہے۔ مگر شراب کی خصوصیت کیا عام تجارت کا جو ٹوں ہی نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ سبا کے ساتھ اسکی خصوصیت کو اتنی اہمیت دی ہے کہ مشرقین یورپ کی گراؤ کن تعلید میں۔ سبا کی وجہ سے بتلائی ہے۔ قانہ و قدیر اولاد و حیر

اونٹوں کی قطاریں۔ (اسے یروشلم) تجہر چاہئیں گی۔ مدین اور حفاک اونٹنیاں تمام سبا سے سونا اور لوہا لائیں گی۔ (۶۰-۶۱)

یہ بیاہ بنی۔ بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہیں کہ خدا کہتا ہے جب تمہارے اعمال صحیح نہیں تو یہ کیوں میں سبا کا لوہا میرے پاس کیوں پیش کرتے ہو۔ (۶۰-۶۱)

چوتھی صدی ق م سے پہلے صدی ق م تک یونانی مصر کے حکمران تھے۔ ان کے عہد میں مصر کا دار الحکومت اسکندریہ تمام مشرقی اور مغربی تاجروں کا مرکز تھا۔ سبا اس عہد میں سب سے بڑی قوم تھی۔ اس بنا پر وہ دیگر قبائل عرب کی نسبت سبا سے زیادہ واقف تھے۔ اراتو سٹھنس (Aratosthenes) (۱۹۲ ق م) بیان کرتا ہے۔

عرب کے انتہائی حد پر۔ سمندر۔ (عرب ہند و عرب) کے پہلو میں۔۔۔۔۔۔ سبا کے لوگ ہیں۔ جن کا دار الحکومت ماربرا (Marbra) ہے یہ قطعہ ملک مصر زمین سے بڑا ہے۔ گرمیوں میں بارش ہوتی ہے۔ اور دریا جاری ہوتے ہیں۔ جو میدانوں اور تالابوں میں جا کر خشک ہو جاتے ہیں، اسی سبب زمین اس قدر سبز اور شاہد آب ہے کہ غفر زری وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے۔

حضرت سے سبا کے ملک تک ۴۰ روز کا راستہ ہے۔ اور معین سے سوداگر ۷ دن میں آید (عقبہ) میں پہنچتا ہے حضرت معین اور سبا کے ملک خوش و خرم ہیں۔ اور یہ کیوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔

یونانی مؤرخ اگا تھرشیڈس (Agarthercbides) (۱۹۲ ق م) جس کی تصنیف کا زمانہ دوسری صدی ق م ہے۔ بیان کرتا ہے۔

سبا عرب ابادان (Arabia Felix) میں رہتے ہیں۔ جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں زمین متصل بحر میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں نہایت بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اندرون ملک میں بخورات۔ دارچینی۔ چوڑے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں پھل پھیلا کرتی ہے درختوں کے اقسام کی کثرت تنوع کے سبب ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے جو خوشبو اٹھیں اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور کبھی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی۔ جو اشخاص اس زمین سے دور ساحل پر سے بھی گزرتے ہیں وہ بھی جب ساحل سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے غلطو ظاہوتے ہیں۔ ان مسالوں کو وہاں کاٹتے نہیں اور کاٹکر ان کا انبار نہیں لگاتے۔ لیکن چونکہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہیں۔ اسلئے جو شخص اس ساحل سے گزرتا ہے گویا آب حیات کا لطف اٹھاتا ہے۔ یہ تشبیہ ہی ادنیٰ قوت و لطافت کے لحاظ سے ناقص ہے۔

سبا میں حکومت دراصل منتقل ہوتی ہے۔ ایک بڑا شہر آرب ہے۔ جو ایک پہاڑ پر واقع ہے، اس پہاڑ کو جبل
البلق کہتے ہیں۔ بادشاہ اسی شہر میں رہتا ہے جو لوگوں میں فیصلہ دیتا ہے۔ لیکن کہیں کوئی اجازت نہیں
کہ وہ اپنا قصر چھوڑ کر نکل سکے، اگر وہ اسکے خلاف کرتا ہے تو حسب حکم مذہبی سنگسار کر دیا جاتا ہے۔
سیا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے بعد کے
سبب کسی نے اونکو فتح نہیں کیا۔ اسکے خصوصاً اونکے دارالحکومت میں سونے چاندی کے برتن ہیں۔
تخت اور پیشکامیں۔ جگہ ستون زرنگار اور نقری وطلائی نقش ونگار سے آراستہ ہیں۔ ایوان اور دروازے
زرد جو اہر سے نقش ہیں، اس قسم کی زینت پر نہایت ہنرمندی اور محنت کا صرف کرتے ہیں۔

مشہور ٹونج آرٹی میڈوروس (Artimidos) (منہ ق م) باشندہ شہر افسوس (Ephesus)
جو سبا کے عہد اخیر میں تھا لکھتا ہے۔

سبا کا بادشاہ اور اسکا ایوان آرب میں ہے۔ جو ایک پراشجار پہاڑ پر زمانہ خوشحالی (عیش و عشرت و سرور)
میں واقع ہے۔ یہودیوں کی کثرت کے سبب لوگ مسرت اور ناکارہ ہو گئے ہیں۔ خوشبودار درختوں کی جڑوں میں لپٹے پٹے
رہتے ہیں۔ چلائے کی لکڑی کہہ بدلے دار چنی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے۔
اور کچھ ملکی اور غیر ملکی مسالوں کی تجارت کرتے ہیں۔ یہاں کے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں۔
جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں (رقفہ) میں بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں۔ قریب و جوار کے قبائل سبا سے
تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور وہ اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام و
جزیرے تک پہنچتے ہیں۔

سبا کی عمارتیں

ہم نے پہلے بتا دیا ہے کہ سبا ایک صالح پسندانہ امن و مسرت کی حکومت تھی۔ یہی سبب ہے کہ اس نے اپنی
قوت کا زیادہ تر حصہ اسلام کے بجائے عمارتوں پر صرف کیا۔ یونانی مورخین کے بیان سے یہی ثابت ہوتا ہے۔
انہیں سے بعض عمارتیں عہد اسلام تک باقی تھیں۔ مسلمان مورخین نے خود دیکھا اور اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے
ہیں۔ یہودیوں نے اگلیل کا ایک باب صرف انہیں عمارتوں کیلئے مخصوص کیا ہے۔ سبا کے اہلک جو کتابت طے ہیں وہ
زیادہ تر انہیں عمارات شاہی کی یادگار ہی کو ہیں۔ یسوان ابن سعید حمیری نے قصیدہ حمیریہ میں تقریباً ۲۰ عمارات
شاہی کا ذکر کیا ہے۔ یورپین سیاح ہی ان عمارات کے کھنڈروں کے عجیب و غریب حالات بیان کرتے ہیں۔
یہ تمام بیانات ایچ قدیم کے مستند ترین ماخذ و لکرس ہٹری آف اینٹکوتی ج ۱ ص ۳۱۰ سے ۳۱۲ تک سے اخذ ہیں۔

Dunkers History of Antiquity Vol I PP 310. 311. 512.

نصر لیجین جو دیا مگاہ شاہی تھا اور کے نشان اب تک موجود ہیں۔

سد مارب یا بند عرم

اسی سلسلہ عبارت میں ایک چیز بند آب ہے جسکو عرب حجاز ”سد“ اور عربین ”عرم“ کہتے ہیں۔ عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں۔ صرف سلسلہ کوہستان ہے۔ پانی پہاڑوں سے بہ کر گیتاؤں میں خشک ہو جاتا ہے اور ضائع ہو جاتا ہے۔ زراعت کے مصروف میں نہیں آتا۔ سبائے مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند بنائے تھے کہ پانی رگہ جاسے اور بقدر ضرورت زراعت کے مصروف میں آئے۔ مملکت سبائیں اس قسم کے سینکڑوں بند تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور سد مارب تھا۔ جو خود دار الحکومت کے اندر واقع تھا۔

شہر مارب کے جنوب میں واسطے بانیں دو پہاڑ ہیں جنکا نام کوہ ابلقی ہے۔ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادی اذینہ ہے۔ پہاڑوں سے اور ادھر ادھر سے پانی جمع ہو کر وادی اذینہ میں ایک دریا جاری کر دیتا ہے۔ سبائے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً سنہ ۴۴۴ ق م میں سد مارب تعمیر کی تھی۔ یہ تقریباً ۵۰ فیٹ لمبی اور ۵۰ فیٹ چوڑی ایک دیوار ہے۔ اسکا اکثر حصہ نو آب اقدادہ ہے لیکن تاہم اسکی ایک تہلث دیوار اب بھی باقی ہے۔ ازناور (Arno) ایک یورپین سیاح لے لے اسکے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرینچ ایٹا ملک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے۔ اور اسکا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا ہے۔ اس دیوار پر چار کتبات ہیں وہ بھی پڑھے گئے ہیں۔

عام مسلمان مورخین چونکہ ہر قدیم عمارت کو بنائے سلیمانی کہنے کے عادی ہیں۔ اسلئے اس سد کا بانی وہ یقیناً مکرمین و حرم سلیمانی کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن سد مارب کے بقیہ حصہ پر کتبات ہیں اور ان میں بانیوں کے نام بھی خوش قسمتی سے باقی رہ گئے ہیں۔ انہیں سے (۱) شیخ ابراہیم ابن سہی علی نبوت مکارب سب (۲) نکوی علی نبوت بن نو مر علی مکارب سب (۳) کر بیل بن مین بن شیخ امر مکارب سب (۴) ڈمر علی درج ملک سب (۵) یسع ایل ڈمار کے نام پڑھے گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سد ایک زمانہ متحدین مختلف سلاطین میں کے عہد میں تعمیر ہوا ہے۔ اسکا پہلا بانی شیخ امر تھا جو آٹھویں صدی ق م میں تھا جس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں اور سے نیچے تک کی کھڑکیاں حسب ضرورت کھولی اور بند کی جاتی تھیں۔ سد کے دائیں بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ ڈاست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ اس سد کے حالات ہمارے ہندسریں پہنچو بیان کئے ہیں رتھامیر بطری اور بنوی) پیچیدہ آواز کے بیان سے اسکی تصدیق ہوتی ہے نقشہ مندرجہ آغاز کرتا ہے کے وسیع سے صورت حال اسی طرح ذہن نشین ہو جائیگی۔

قرآن مجید ان آیات میں انھیں باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْئَلِهِمْ آيَةً ۖ جَنَّاتٍ عَنْ
يَمِينٍ وَشِمَالٍ خُلاوَاتٍ يُزْجَىٰ فِي رِجْجِهِم مِّمَّا
لَهُمْ بَلَدَةٌ طَيِّبَةٌ ۚ وَرَبِّ غَفُورٍ
السَّاءِ

سبا کے لوگوں کے لئے خود ان کے گرمی قدرت خدا کی ایک عجیب
نشانی موجود تھی۔ وہ باغوں کا سلسلہ۔ داہنے بائیں۔ سبا کے لوگوں
اپنے پروردگار کی (دہی ہوئی) روزی کہا اور شکر کرو۔ شہر ہے
پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشنے والا۔

ہمارے پاس اس جنت زار کے قصے بروایت عرب واقعہ سے کئی سو سال بعد کے موجود ہیں لیکن خود ہمارے دشمنوں کے سفینوں میں اسکی معاصرانہ شہادتیں جو محفوظ ہیں انکو اکیلا بچھڑھ لیا جائے۔

ارسطو (Eratosthenes) جو ۱۹۴ قبل مسیح میں سبکا کا معاصر تھا۔ تحریر کرتا ہے۔

سبا کے لوگ وہ ہیں جنکا دار الحکومت شہر تاراب ہے..... قلعہ ملک مصر زریں سے بڑا ہے۔ یہاں گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دیا جاری ہوتے ہیں۔ ہومیدانوں اور تالابوں میں خشک ہو جاتے ہیں۔ اس سبب زمین اس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ سخن زنی و ماں سالمیں دوبار ہوتی ہے۔

آغاز تھیاریشیدس (Agartharchides) جو ۱۴۵۰ ق م میں سبا کے زمانہ و
عصر میں تھا بیان کرتا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

کیا ان بیانات کو دیکھ کر اور خصوصاً خطوط اکینچی ہوئی عبارتوں کو پڑھ کر ان مقامات کو جیسا کہ وحی الہی نے اپنے الفاظ امثالہ میں اشارہ فرمایا ہے، دنیا کی بہشت نہ کہیں گے۔

قرآن مجید ان کے آخر نتیجہ بتلاتا ہے۔ اور وہ وہی ہیں جو تمام دنیا کے اہل دولت و افتدار اقوام کو اپنی غفلت شعاری اور جفاکاری کی پاداش میں آخر کار پیش آتے ہیں۔ الفاظ قرآنی یہ ہیں۔

فَاعْرِضْهُمْ فَأَنْزِلْنَا عَلَيْهِمُ سَيْلَ الْعَذَابِ | | پھر انہوں نے سزا کی تو ہم نے ان پر بند (توڑ کر اسکا) سیلاب بھیجا۔

یہ سیلاب آیا۔ اور ہم اسپر ایمان رکھتے ہیں۔ اس عصر تاریخی میں جب ہر غیر معاصرانہ روایت قابل شک و شبہ ہے۔ خدا کے قرآن نے اپنے کلام معجز نظام کی صداقت کا نیا سامان پیدا کر دیا۔ یعنی اس بند کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں واقع سیلاب کے شرح حالات کا کتبہ جو ایک عیسائی فاتح مین کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے لکھا۔ یہ عیسائی فاتح ہی وہی شخص ہے جو اپنے ہاتھوں کے بل پر (ابراہیم) کعبہ مکرمہ کو ڈھانسنے نکلا تھا لیکن آج اسی دشمن کعبہ کا سنگی ہاتھ کعبہ مشرفہ کی کتاب مقدس کی تصدیق کیلئے بلند ہے۔

زمانہ ابراہیم کا ایک نہایت قدیم کتبہ ذیل کی عبارت میں اس بند عزم کے ٹوٹ جانے کی تصدیق کرتا ہے۔

اسی اثنا میں ماریہ کے بند (سید) کا دیوار حوض اور دروازوں کے ٹوٹنے کی خبر ماہ ذوالمدرج

۶۵۰ یعنی مطابق ۵۴۳ عیسوی میں آئی۔

اس سلسلہ کی آئندہ الفاظ قرآنی یہ ہیں۔

وَلَا تَنْفَعُكُمْ خِيَلُكُمْ فِي الْحَرْبِ فَذَرُوهُمْ حَتَّىٰ ذُاقُوا فُجُورَهُمْ ثُمَّ تُلَاقُوا فِي شَعْبٍ مُّنْتَهٍ سُدِّدُوا قُلُوبَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَمَّا كَفَرُوا فَوَقَّعَهُمُ اللَّهُ فِي أَهْلِ طَبَقٍ مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَخْلَفْنَا فِيهَا آلَ لُوطٍ فَقَرَّبَهُمْ (سبا)

اور ان اعلیٰ میوں کے باغوں کے بدلے معمولی پہلوں یعنی پہلو چاہے اور کچھ بری کے باغ دیئے گئے۔ یہ اون کے کفر کی سزا ہے۔ ہم ان کو ان نشت کر نیو ا لوں کو سزا دیتے ہیں (سبا)

قرآن مجید حبیب نازل ہو رہا تھا تو اس سزا کو جو ان دشمنوں کی شکل میں نمودار ہوئی تھی مین کا ہر باشندہ ہوشیار خود معائنہ کر رہا تھا۔ لیکن ۴۰۰ برس کے بعد بھی برائے العین ہر تباہ کو نظر آ رہی تھی ہمہ آئی المتوفی ۵۴۳ جس کی صداقت بیانی کے نہ صرف سیاحین یورپ بلکہ انٹرنیشنل (Archaeologists) بھی مستشرقین ہیں۔ وہ چوتھی صدی کے اوائل میں شہادت عینی پیش کرتا ہے کہ ان باغوں کی جگہ یہاں پہلو کے درخت اتنے ہیں کہ کہیں اور نہیں۔

ہم نے سبا کے دائرہ حکومت کے تحت میں لکھا ہے کہ مین کے علاوہ حبشہ اور شمالی عرب میں بھی سبا کی نوآبادیاں تھیں تو راقہ و اسفار میں متفرق خاندانوں کے نام بتائے گئے ہیں (۱) سبا بن یقطان (قحطان) باشندہ مین (۲) سبا بن ... بن ابراہیم براور زاوہ مدین باشندہ عرب شمال (۳) سبا بن کوش بن حام باشندہ حبش (۴) سبا بن ...

نولہویں کے اصول کی بنا پر کہ تورات کے قبائل واقوام کا تقسیم صرف جغرافیائی نسب تعلق ہے۔ ان تینوں متفرق النسب سبا کے معنی ہیں کہ سبا کے تین جغرافیائی مرکز یا آبادیاں تھیں۔ یمن حبشہ اور شمالی عرب میں یمن میں سبا کا وجود قیام تو محتاج بیان نہیں۔ روایات عرب تاریخ اقوام اور آثار قدیمہ میں ان سب کی شہادت قاطعہ موجود ہے دیگر اطراف ملک میں بھی انکا وجود اثر خفی نہیں ہے۔ شمال عرب میں بطرف شام و عراق تورات کے متعدد نفروں میں انکا نام وجود عارضی نہایت قدیم زمانہ سے مذکور ہے۔ اور انکا بار بار ذکر اور گزر چکا ہے (رویکو سبا کا دائرہ حکومت اور سبا کی دولت و عظمت) یونانی مورخین نے بھی ان اطراف میں انکا ہونا بیان کیا ہے۔ افسار سپدوس (سکالہ ق م) کہتا ہے کہ سب کے پہلے مغربی رجحان کا مسکن عراق و شام کے درمیان تھا (عرب سعید پر قابض ہوئے ہیں۔ ایک اور یونانی مورخ بیان کرتا ہے۔

یہاں سے اس شہر تک ایک سڑک جاتی ہے جسکا نام پٹرا (رقیم) ہے۔ جہاں اہل قریم۔ اہل مہین

اور درہ تمام عرب اسکے قریب رہتے ہیں۔ جو بالائی ملک (عرب) سے غزوات لاتے ہیں۔

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اسیر اسکے آثار میں بھی شیخ امربائی کا ساتویں صدی ق م میں اسیر یا سے مغلوب ہونا مذکور ہے معلوم ہے کہ اہل اسیر یا کبھی یمن نہیں آئے۔ اسلئے یہ بالکل واضح ہے کہ خود سبا ہی ان تک پہنچ گئے تھے جیسا کہ سفر الوبیٹ (۱-۱۵) و (۴-۱۹) سے بھی ثابت ہے۔

حبشہ میں اہل یمن کا وجود عہد قدیم سے تھا۔ حبشہ یمن کے مقابل سواحل پر واقع ہے یہ سواحل تاریخ کی ابتدا سے اس وقت تک یمنی اور حضرت موسیٰ عرب کی جولا لگا رہے ہیں۔ بعض کتابت سے معلوم ہوا ہے کہ سبا کا ایک گورنر معاقر کے لقب سے حبشہ میں رہتا تھا۔ خود حبش بھی اپنے کو سبا کی اولاد کہتے ہیں۔ ایک یونانی مورخ کی شہادت بھی۔ جو سبا کا معاقر تھا پہلے گزر چکی ہے کہ سبا سواحل حبشہ میں بھی تجارت کا مرکز رکھتے ہیں۔

ملکہ سبا (بلقیس)

توراة (تیمیم) انجیل اور قرآن میں سبا کی ایک شاہزادی کا ذکر ہے جو حضرت سلیمان کی بارگاہ میں آئی تھی یہ سبا کی شاہزادی نہ یاں توراة کس سبا کے خاندان سے تھی؟ یا زبان تاریخ سبا کس آبادی سے آئی تھی؟ توراة میں صرف سبا کی شاہزادی کا لفظ بلا تعین خاندان و حبشہ سے۔ ترکوم (ترجمہ توراة زبان عبرانی) میں ہے کہ اسکا مقام

۱۵ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۲۲۰

۱۶ تاریخ ملوک باب ۱۰ و ایام باب ۹

۱۷ گورڈ مائنس آف دین ص ۲۲۲

۱۸ حوالہ مذکور ص ۱۷۱

۱۹ انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ج ۲۲ ص ۹۵۵

جن قدیم تحریروں میں ملکہ سبا کا ذکر ہے انہیں سے صرف تین میں اجمت تعین ہے۔ یوسفوس، تروگم اور
انجیل۔ یوسفوس کا بیان کہ وہ مصر کی شہزادی تھی مطلقاً غلط ہے بقیہ بیانات میں کہ وہ مشرق و جنوب یا حبشہ کی
تھی ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں کہ یہ سبا کے مقامات تھے۔ تاہم اصل مرکز کے لحاظ سے وہ تین ہی کی گئی
جائیں گی۔ یعنی جنوب عرب کی۔ جیسا کہ انجیل کی شہادت اور روایات عرب کا تواتر ہے۔

اہل حبش جو ملک سیا کو حبشہ کی بتاتے ہیں اور اب تک حبشہ کا شاہی خاندان تفاخرًا اسے کو اسی ملک سیا کی اولاد
 یقین کرتا ہے۔ اوسکا نام ارشکی زبان میں ماکدہ ہے یمن کے عرب یہود میں اُسکا نام بلقیس مشہور تھا اور
 اسرائیلیات کے ذریعہ سے یہی نام مسلمان مؤرخین اور اہل تفسیر میں مقبول ہے لیکن لفظی دلالت کے لحاظ سے
 یہ عربی نہیں بلکہ یونانی الاصل نام معلوم ہوتا ہے بعض روایات میں بلقیس کو پرنسز اد کہا گیا ہے یعنی اسکی ماں
 (بلقنہ) ایک پری تھی لیکن یہ روایتیں بالکل لغو اور موضوع ہیں۔ بلقنہ کو ممکن ہے کہ یمن کی دیوی اللہ ہے
 کوئی مناسب نام ہو۔ اسید طرح اہل تاریخ کا ملک سیا بلقیس کو شہر شہر حاصل لکھنا ہی غلط ہے کیونکہ شہر حبل حمیر کے
 بادشاہ اور حضرت سلیمان سے ڈیڑ ہزار برس کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔

اس کا نام قرآن مجید میں دو بار آیا ہے۔ اول حضرت علیؓ کے قتل کے بعد جب کہ اس کا نام دو مرتبہ

بارئ عزم کے ذکر میں۔ پیل عزم کا ذکر اس۔ یہاں گزریا ہے۔ تاکہ یہاں کا قصہ سورج کی شکل میں یاد کرے۔

و تفقد الطیر فقال صالح لا اجد احد اهدا
اکان من الغائبین لا عذبته عذاباً بشداً او لا

۱۵. انجیل متی ۱۲-۴۴.

الرفعة: الشجيرة لوتيا ١١ - ١٢

۱۴۰۰ حیوانش انسا ئیکلیپیدیا - مضمونش

ایضاً۔ جلد اول ذکر سلیمان

ایضاً: اشیا نیکو دنیا افت اسلام جلد اول ص ۳۷۳

۵۴ چویش انسایکلو پیڈیا

ذَٰلِكَ أَوَّلَ مَا يَنفَعِي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ فَمَكَتْ غَيْرَ
تَعْبِيدٍ فَقَالَ أَحْطَظْتُ بِمَا لَمْ تَحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ
مِنْ سَبَائِلِ بَنِي إِثْرِينَ إِنِّي وَجَدْتُ أَمْرَهُ تَسْلَاهُمْ
وَأُوتَيْتُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ وَوَجَدَهَا
وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَ
نَرَيْنَا لَهُمْ الشَّيَاطِينَ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّاهُمْ عَنْ
السَّبِيلِ فَهُمْ يَحْتَدُونَ إِلَّا يُسَجِدُوا وَاللَّهُ الَّذِي
يُخْرِجُ الْحَبَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاعْلَمُ
مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِزُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ
أَذْهَبَ بِكِتَابِي هَذَا فَإِنَّهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَلَا عَنْهُمْ
فَانْظُرُوا إِذَا سُرُجٌ جُيُوتُ

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا إِنِّي إِلَهِي إِلَهٌ كَرِيمٌ
أَنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَأَنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
إِلَٰهًا تَعْلَمُونَ عَلَىٰ وَأَتُوْنِي مُسْلِمِينَ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْ
أَفْتَقِنِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَشَوِي
تَشْهَدُونَ قَالُوا لَنْ نَمْنُوكَ وَأَنْتَ قَوِيٌّ وَدُوْلُوْا بِكَ
شَدِيدٍ قَالُوا لَمَّا لَيْتُكَ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ
قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا
وَجَعَلُوا حِرَّةً أَهْلَهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ
وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنْظُرُوا بِمُرْءِيَةٍ
أَلَمْ تَسْأَلُوْنَهُ

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمْنُونَ بَيْتًا فَمَا أَنْتِ
وَاللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا أَنْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

کر ڈالو گھا۔ یا کوئی صاف دلیل لائے بلیمان توڑے دیڑھ سے کہ ہر
اگر گویا موانع وہ معلوم ہوا جو آپ کو نہیں سب سے ایک سچی خبر لکھ کر
ہوں میں ایک عورت کو دیکھا جو سب پر حکومت کرتی ہے۔ اسکو
ہر شے عنایت کی گئی ہے۔ اسکا ایک بڑا تخت ہے جس پر اسکو
اٹکی رعایا کو۔ خدا کو چور کر آفتاب کو سجہ کرتے پایا شیطان نے انکی
اعمال اور انکی نگاہ میں اچھے کر کے دکھائے ہیں جمع راستے سے انکو باز رکھا
ہے۔ وہ راہ نہیں پاتے کہ خدا کو سجدہ کریں جو آسمانوں سے اور زمینوں
سے چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکالتا ہے۔ اور جو تم چھپاتے ہو یا
ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہے۔ خدا ہے جسکے سوا کوئی خدا نہیں
وہی بڑے تخت کا مالک ہے۔

سیمان نے کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹا ہے میرا
یہ خط لیجا۔ اونکے پاس ڈال دے۔ پہراؤں سے الگ ہنگامہ دیکھ
کہ کیا جواب دیتے ہیں۔

ملکہ نے خط پکار کر دیباؤں کو کہا میرے نام نامہ مقدس آیا ہے۔ یہ نامہ
سیمان کی پاس آیا ہے۔ عبارت یہ ہے۔ مہربان اور رحم کرنے والے خدا کے
نام سے شروع کرتا ہوں۔ مجھے کشتی کرو اور سیمان ہو کہ میری پاس چلاؤ
ملکہ نے کہا اس سردار دیر اس معاملہ میں کسی تابکا فیصلہ کرنے والی نہیں ہوں
سرداروں نے کہا ہم زبردستی وقت والے ہیں۔ یوں فیصلہ آپ کے ہاتھ
میں ہے۔ دیکھیں کیا حکم دیتی ہیں۔

ملکہ نے کہا بادشاہ جب کہ آبادی میں داخل ہوتے ہیں اسکو دیران
کر ڈالتے ہیں اور وہ مکے معززین باشندہ و کمزور پس کر ڈالتے ہیں۔ اور
در برابر اس طرح کیا کرتے ہیں۔ میں اونکے پاس ہدیہ دیکر قاصد بھیجتی
ہوں۔ پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتا ہے۔

قاصد جب سیمان کے پاس پہنچا تو سیمان نے کہا کہ اس خیر مالہ
دولت سے تم میری مدد کرتے ہو۔ خدا نے تمکو جو کچھ دیکر کہا ہے وہ

تَفَرُّجُونَ اِیْرَ جَعَلْنَا بَنِيهِمْ بَشَرًا
لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلِیُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا اَذِلَّةً
وَهُمْ صَاغِرُونَ

وَقَالَ اِلَیْهَا السُّلُوْا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ یَعْرِضُهَا قَبْلَ اَنْ
یَاْتُوْا فِیْ سُلٰیْمٰیْنَ قَالَ عِصْرَتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اَتٰیكَ
بِهَ قَبْلِ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِیْكَ وَاِنِّیْ لِقَوِیُّ
عَلٰی سَیِّئِ اَمٰیْنٍ

وَقَالَ الَّذِیْ عِنْدَکَ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اَتٰیكَ بِهَ قَبْلَ
اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ حَرْفُکَ فَلَمَّا سَاوَاہُمَا فَتَمَثَّلَ لَّہُمَا
قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لَیْسَ لِّیْ عَرٰشٌ سِوَا سَکَرٍ
اَکْفَرُ مِنْ شَکْرِیْ فَارْتَمٰ اِشْکَرُ لِنَفْسِیْہِ وَمِنْ کَفَرٍ
فَاِنَّا رَبِّیْ عَنِیْ اٰرَہُم

قَالَ لَکُمُ الْہٰ اَعْرٰشُہَا تَہْتَدِیْ اَمْ تَکُوْنُ مِنَ
الَّذِیْنَ لَا یَتَشَدَّدُوْنَ فَلَمَّا حَبَّ اَعُوْثَ قَبْلَ اَکْہٰکُمَا
عَرٰشُکَ قَالَتْ کَانَہُ ہُوَ وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِہَا
وَلَمَّا مَسْلٰمِیْنَ وَصَدَّہَا مَا کَانَتَ تَقِیْدُ مِنْ دُوْنِ
اَللّٰہِ اِنَّہَا کَانَتَ قُوْمًا کٰفِرِیْنَ

قَبْلَ لَہَا اَدْخَلْنَا الْبَصَرَ لَہُمْ فَلَمَّا رَاَہُ مَحْصَبَہُ
بِجَہِہِ وَکَشَفَتْ عَنْ سَاقِیْہَا فَقَالَ اِنَّہُ صَحْحٌ
مُّرَّکٌ مِّنْ قَوٰمِیْرِ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ
وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلٰمِیْنَ اَللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ
(نمل)

اس سے بہتر ہے جو ناکہ اس نے دیا ہے۔ تم اپنے اس تحفہ پر
شادان ہو۔ سب کو واپس جا۔ ہم اب شکر لیکھ آئیگی کہ سب کا وہ مقابلہ
کر سکیگی اور ایک سب سے ذیل کر کے انکو نکال باہر کر سکیگی۔
سلیمان نے پہلے اپنے سرداروں کو کہا کون اس کا تخت میری اس اٹھا
لائیگا۔ ایک تو مند جن نے کہا میں اس سے پہلے کہ آپ دربار سے
اٹھیں۔ وہ تخت اٹھا لاتا ہوں میں اس تخت کے اٹھا لائیگی
قوت رکھتا ہوں اور امانت کے ساتھ لاؤنگا۔

جب کو خدا کتاب کا علم تھا اس نے کو ان کا گناہ پلٹنے سے پہلے میں
اٹھا لاتا ہوں سلیمان نے جب وہ تخت اپنے ساتھ رکھا دیکھا
کہ انہ یہ خدا کے فضل سے ہوا تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کر رہا ہوں
کہ شکر کری کر رہا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے کرتا
ہے۔ اور جو کوئی انکار کرے تو خدا اپنے پروردگار بزرگ سے۔

سلیمان نے حکم دیا کہ تخت کا روپ بدل دو۔ و در باد باقی ہو لینے
راہ بانویالوں میں سے ہوتی ہے۔ جب ملک آئی تو اس سے
کہا کہ تیرا کیا تخت اسی قسم کا ہے۔ جو ابد باگہ گویا وہ ہی ہے۔ اور
اس سے پہلے کہو علم دیا چکا تھا اور سلیمان کو چکے تھے۔ ملک کو غیر
خدا کی پرورش نے حق سے روک رکھا تھا۔ اور وہ کافر قوم سے تھی۔

ملکہ (بختیس) سے کہا گیا کہ محل کے اندر چل جب اس نے
محل کو دیکھا تو وہ سمجھی کہ باقی ہو برا ہے۔ تو اس نے اپنی دونوں
ہنڈیاں کھولیں۔ سلیمان نے کہا یہ پوشیدہ کما مکان ہے۔ ملکہ
نے کہا خدا یا! میں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی سلیمان کے ساتھ
میں بھی خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے۔ اطاعت گزار
ہوئی یعنی اسلام لائی۔ (سورۃ النمل)

ہوئی یعنی اسلام لائی۔ (سورۃ النمل)

ایسی ہی قصہ اسفار ہوں میں بھی مذکور ہے۔ گو تفصیل و اجمال میں کسی قدر اختلاف ہے جسے تبصرہ کے سفر آیا
اور سفر ملک میں یہ قصہ مذکور ہوا ہے اور یہ دونوں اسفار بیان واقعہ میں حرف حرف متفق ہیں۔

جب سلیمان کا شہر سبا کی ملکہ تک پہنچا تو مشکل سوالوں سے وہ اسے آزمائے آئی اور بڑی فوج اور شان و شوکت سے یہ دشلیم (بیت المقدس) میں داخل ہوئی۔ بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر لہرے تھے۔ وہ سلیمان کے پاس آکر ٹھہری اور جو کچھ اسکے دلیس تھا اسکی بابت اس سے گفتگو کی۔ سلیمان نے اسکے تمام سوالوں کا جواب دیا۔ سلیمان سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی جو جواب نہ دیتا سبا کی ملکہ نے جب سلیمان کی دانشمندی اور اسکے گہر کو چواٹس نے بتایا تھا اور اسکے دسترخوان کے کھانوں اور اسکی نشست و برخاست کے طور کو اور اسکی پوشاک کو اور اس کے ساتھیوں کو اور اس شیرہ کی وجہ سے وہ خداوند کے مسکن پر چڑھتا تھا (یہ لوگ کی آیتیں) سفر ایام میں اسکے بجائے یہ ہے۔ اور ان قربانیوں کو جو وہ خداوند کے مسکن پر چڑھایا کرتا تھا دیکھا تو اسکے ہوش اڑ گئے۔ اس نے پادشاہ سے کہا کہ میں نے تیرے کاموں کی نسبت اپنے ملک میں جو سنا تھا وہ تحقیق خیر ہی لیکن جب تک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا باور نہیں آتا تھا لیکن جو دیکھا اسکا آدم بھی نہیں سنا تھا۔

مبارک ہیں تیرے لوگ اور مبارک ہیں تیرے لوگ۔ جو ہمیشہ تیرے حضور دکھڑے رہتے ہیں اور تیری حکمت کی باتیں سنتے ہیں۔ خداوند تیرا مبارک ہو۔ جو تجھ سے راضی ہے اور جس نے تجھ کو اسرائیل کے تخت پر بٹھلایا۔ کیونکہ خداوند اسرائیل کو اپنا ملک پیارا کرتا ہے۔ اور تجھ کو اس نے پادشاہ بنایا کہ تو عدل و انصاف کرے۔

ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمان کو دئے۔ ملکہ نے جیسی خوشبوئیں پیش کیں ایسی ہر کبھی نہ ملیں۔ سلیمان نے سبا کی ملکہ کو جو کچھ اس نے مانگا اس سے زیادہ تحفہ دیا اور ملکہ اپنے ملازموں سمیت اپنے ملک کو پھر گئی۔

(سفر ایام باب ۹ و ۱۰ بلوک باب ۱۰)

ترگوم (روم براسترا) میں جو توراۃ اور تلمیح کا ارامی ترجمہ بلکہ ارامی زبان میں ان کی تفسیر ہے۔ یہ قصہ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ کو بعض نہایت لغوی باتوں کی بھی اس میں آمیزش ہے۔ ترگوم کی مندرجہ روایت کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

سلیمان عرق انگور سے جب شام میں آئے تھے تو تمام بادشاہوں کے سامنے اپنے غلاموں کو بٹھاتے تھے۔ اور اس وقت تمام زندہ مخلوق کو حکم دیتے تھے کہ اس کے سامنے ناچیں۔ ایک دن سلیمان نے دیکھا کہ ہڈ بڑ غائب ہے۔ سلیمان نے حکم دیا۔ کہ وہ حاضر کیا جائے۔ جب ہڈ بڑ آیا تو اس نے بیان کیا کہ تین صدیوں سے وہ ادھر ادھر گھوم رہا تھا اس لئے کہ کوئی ایسا ملک نہ تھا جہاں تک

حضور کے ماتحت نہیں ہے۔ آخر مشرق میں ایک ملک ملا جس پر سبا کی ملکہ حکومت کرتی ہے۔ اس ملک کی خاک سوئے سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے۔ وہاں چاندی کوڑے کی طرح ٹیکوں میں پڑی پھرتی ہے۔ درخت وہاں بادر خلقت سے ایسے ہی ہیں پانی وہاں جنت سے آتا ہے اور وہاں سے نکر اڑتے ہیں جن کو لوگ پینتے ہیں۔ اس ملک کے دار الحکومت کا نام قیٹور ہے۔

پھر پرندہ نے یہ راستہ دیا کہ وہ اڑ کر ہر اوس ملک کو جائیگا۔ اور وہاں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لائے گا۔ سلیمان نے یہ سنے پسند کی اور خط لکھ کر ہد کے بازو میں باندھ دیا گیا۔ ہد ہد شام کے وقت جب وہ آفتاب کی عبادت کے لئے جا رہی تھی پہونچا۔ یہ خط ملکہ کے حوالہ کیا۔ ملکہ نے خط پڑھ کر جس میں یہ دیکھی تھی کہ فوراً میری بارگاہ میں حاضر ہو ورنہ اوس کی فوج جو جانوروں پرندوں۔ روحوں اور رات کے دیوؤں کی ہے اس سے لڑنے کو آئیگی۔

ملکہ یہ خط پا کر بہت خوف زدہ ہوئی اور اوس نے بوڑھوں اور سرداروں کی مجلس میں مشورہ کیا لیکن یہ لوگ سلیمان سے بالکل واقف نہ تھے تاہم ملکہ نے اپنے جہازوں کو بیش قیمت لکڑیوں گراں بہا جواہرات اور موتیوں سے بار کر کے اور چھ ہزار ایک ہی ساعت کی پیدائش۔ ایک ہی قدر و قامت۔ ایک ہی شکل و صورت اور ایک ہی حریر شرخ کے لباس میں غلام اور نوڈیاں تحفہ بھیجیں۔ خط کے جواب میں لکھا کہ:-

اگرچہ قیٹور اور یروشلم کے درمیان عموماً سات برس کا راستہ ہے تاہم وہ تین برس میں پہونچیگی۔ ملکہ جب یروشلم پہونچی تو ایک شیشہ کے نعل میں اوس سے سلیمان نے ملاقات کی۔ ملکہ نے یہ سمجھ کر کہ بادشاہ پانی میں بیٹھا ہے۔ پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا۔ سلیمان نے مسکرا دیا اور یہ دیکھ کر کہ اُس کے پاؤں میں بال ہیں۔ بولے کہ شکل تو ایک عورت کی ہے لیکن بال مردوں کے ایسے ہیں۔ پاؤں کے بال مردوں کی زینت ہے۔ لیکن عورتوں کے لئے عیب۔ ملکہ سبا نے سلیمان سے بہت سی پسلیاں پوچھیں (تفصیل چھوڑ دی گئی ہے) سلیمان نے سب کے ٹھیک جواب دئے۔ (ترگوم۔ ترجمہ توراۃ و تلمیم)

اس عبارت کے جو فقرے گھیر دئے گئے ہیں وہ قرآن میں نہیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ قرآن جو گذشتہ کتابوں کی تصحیح و تمحیص کے لئے آیا ہے۔ یہ خدمت اوس لئے کس حد تک انجام دی۔ علاوہ ازیں ترگوم نے اس واقعہ کو جس طرز و عبارت میں ادا کیا ہے وہ بالکل ایک کلمہ پایہ انسان کے معمولی افسانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ برخلاف اسکے قرآن کا طرز ادا ایک شاہانہ پیغمبری۔ ایک تبلیغ و انش و حکمت اور ایک روحانی جبروت ہے۔

اقتدار کے اظہار پر مبنی ہے۔

قرآن کا بیان: ترگوں کی واضح غلطیوں سے کہ سبا کا ملک مشرق میں ہے۔ اس کا پایہ تخت قسطنطنیہ ہے۔ وہاں سونا اور چاندی کوڑے کی طرح پڑی رہتی ہے۔ دونوں ملکوں میں سات برس کی مسافت ہے۔ پاک صاف ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فصیح کی غرض و غایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ترگوں کی بنا پر ملکہ سبا کی طلب صرف شانہ و ملک گیر ہی کی ہوس پر مبنی ہے۔ لیکن قرآن کے لحاظ سے اس طلب کا مقصد دعوت الی اللہ منع شرک۔ قمع کفر اور اصلاح نفوس انسانی ہے۔

ایک اور بات قابل لحاظ ہے۔ ترگوں کے مطابق حضرت سلیمان سبا سے واقف نہ تھے۔ اور تعجب و حیرت زائی کا سبب سبا کی دولت و حشمت کا مبالغہ آمیز بیان تھا۔ لیکن وہی قرآنی نے اس حیرت و تعجب کا سبب اس طرح بیان کیا ہے۔

ہرگز نہ کہ میں سبا سے ایک تحقیق خبر لایا ہوں میں نے پایا کہ ایک عورت ابنہ بادشاہ ہو جس کو ہر چیز دی گئی ہے۔ اس کا ایک بڑا تختہ ہے۔ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو آفتاب کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ نہ خدا کو۔ شیطان اُن کے کاموں کو اُن کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ پہراؤ نکور راہ سے روک دیتا ہے۔ (نمل)

وَجِئْتَ مِنْ سَبَأٍ مِنْ يَتَّبِعِينَ آتِي وَجَدْتُ
أَمْرًا قَسِيًّا هُمْ عَلَى نَذِيرٍ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَ
لَهُمْ عَرْشٌ عَظِيمٌ وَجَدْتُهُمْ وَتَوَكَّلُوا بِهَا
يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَتَرَيْنَ لَهُمْ
الشَّيْطَانَ أَغْوَا لَهُمْ فَصَدَّ عَنْهُمُ السَّبِيلَ (نمل)

قرآن مجید کی مذکورہ بالا عبارت سے روشن ہو گیا کہ بخلاف ترگوں کے۔ سبا کی شہزادی کی طلبی اُس کے ملک پر فوج کشی یا اس کے تمول اور خوشحالی پر استعجاب جو کچھ تھا۔ وہ صرف ایک اسی غرض و مدعا کی بنا پر کہ کیا دنیا میں ایسے غافل اور بے بصیرت بندگان خدا بھی بستے ہیں جو باوجود اتنی کثیر اور کافی نعمات الہی کے بھی اُس کا شکر و نعمت نہیں کرتے بلکہ کفر و نعت کرتے ہیں کہ خالق کی جگہ آفتاب اور اس کے مخلوق کی پرستش کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے متعلق حضرت سلیمان نے جو طریقہ اختیار کیا وہ قطعی طور سے ارشاد و ہدایت اور تبلیغ رسالت کے تہما اصول پر مبنی تھا۔

اس واقعہ کے متعلق بعض شکوک کا ازالہ

ترگوں اور قرآن مجید دونوں میں قصہ کی ابتدا ہرگز سے ہوئی ہے۔ ہمارے ہاں تمام مفسرین نے اس ہرگز سے یہی مرغ معروف مراد لیا ہے۔ لیکن اس زمانہ کے بعض فطرت پرست کہتے ہیں کہ مرغ کا بون اور اُن کی بولی سے مفہوم کا سمجھنا خلاف عقل ہے۔ اس لئے ہر کسی انسان کا نام ہو گا۔ اور اس زمانہ میں عموماً یہ نام رکھا جاتا تھا کہ جو اس دعوے کی صداقت کے انکار نہیں کہ ہر آدمی کے نام ہوتے تھے۔ خود حضرت سلیمان کے عہد میں مدین کے شہزادے کا نام ہرگز تھا۔

(سلاطین) اور روایات عرب میں ملکہ سبا کے باپ یا بھائی کا نام بھی مذکور ہے۔ لیکن قرآن کے لفظ نفقہ الطیر (پرنڈوں کا جائزہ لیا) کا کیا جواب ہوگا۔ میری رائے میں اب جبکہ جانوروں کی عاقبت کا مسئلہ مسلم ہوتا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی بولیوں کی ایجاد طیار کی جا رہی ہے۔ تو ہندوؤں کے بولنے پر تعجب کیوں ہو۔ طیر کے معنی فوج کے لینا جیسا کہ مولوی چراغ علی نے لیا ہے۔ اسے طیر کے بے ثبوت ہے جس طرح سرسید کا سورۃ فیل کی تفسیر میں طیر سے فال بامرا دلینا۔ اور اگر پرنڈوں کا بولنا اب بھی کہہ سکتا ہے تو فرض کر لو نامہ بر کو ترونگی طرح ترویج یافتہ نامہ بر ہند ہونگا اور اسکے بولنے سے مقصود اس منہبون کا خطا اسکے پاس پہنچانا سمجھ لو۔ جیسا کہ خود اسی موقع پر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت سلیمان نے خطا دیکر اسکو ملکہ سبا کے پاس بھیجا۔ اس طرح پہلے ہی خط لے کر آیا ہوگا۔

(۱) دوسری چیز قابل انکشاف ملکہ سبا کا تخت ہے جسکی نسبت قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان نے اسکو اپنے دربار میں اٹھواٹھوایا اور اسیس کچھ دودل کر کے ملکہ سے پوچھا کہ تم تخت پہنچتی ہو؟ تمہارا ہے؟ روایات تفسیر میں ہے کہ تخت طلائع تھا اور جو اس سے مرعع ۲۰ دیوؤں کے اسٹافٹیم میں ملکہ سبا کے تخت کا مطلق ذکر نہیں بلکہ یہ مذکور ہے کہ ملکہ سبا حضرت سلیمان کی خدمت میں بہت سے جواہرات سونہ اور دیگر تحائف لائی جس سے حضرت سلیمان نے ایک ہاتھی دانت کا تخت مرصع و جواہر نگار بنوایا (۲۔ ابام باب ۹)

تاریخی شہادت سے یہ امر بھی ثابت ہے کہ سبا میں اس قسم کی صنعت کاری کا رواج عام تھا۔ اگلا تھرشیدوس ایک یونانی مؤرخ جو اسلام سے ۸۰۰ برس پیشتر اور سیا کا معاصر تھا شہادت دیتا ہے۔

سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت لایا جاتا ہے بعد کے سبب کسی نے

انکو فتح نہیں کیا ہے۔ اس لئے خصوصاً انکے پانچ تخت میں نقری اور طلائع خروٹ تخت اور دھلیز ہیں۔ جنکے

پائے زنگار اور نقری اور طلائع نقش و نگار سے آراستہ ہیں پیش گاہ اور دروازے۔ زرد جواہر سے نقش ہیں

اور اس قسم کی ریخت زینت پر وہ نہایت ہنرمندی اور محنت صرف کرتے ہیں۔

اس بیان تحریری سے ثابت ہوتا ہے کہ ملکیت سبا میں اس قسم کی چیزوں کا خاص طور سے اہتمام تھا لیکن ہے کہ اس بیان سے بارہ سو برس پہلے ملکہ سبا کا تخت بھی اسی قسم کا ہو۔

(۳) ایک سوال یہ ہے کہ یہ تخت کس غرض سے بنایا تھا اور حضرت سلیمان کے دربار میں کیوں لایا گیا تھا۔ عام جواب یہ ہے کہ یہ ملکہ کے پیچھے کا تخت شاہی تھا۔ جو میں میں حفاظت متفصل کمروں میں تھا۔ جہاں سے اظہار معجزہ کے لئے پل کے پل میں حضرت سلیمان نے اپنے ملک پر شکم ربیت المقدس میں اٹھاٹھوایا۔ ہر کو اس سے اختلاف ہے۔ ہمدانی رائے یہ ہے کہ ملکہ سبا نے تحفہ کے طور پر حضرت سلیمان کے لئے اپنے ملک کی صنعت کاری کی ایک

چیز طیار کر آئی تھی اور چونکہ یہ تحفہ تھا۔ ضرور ہے کہ ملکہ اپنے ساتھ شام میں لائی ہوگی تحفہ کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ قرآن نے سبا کی سفارت اولیٰ میں تحفہ کا ذکر کیا اور نبیؐ میں بھی سبا کا ذکر ہے۔

(۴) قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان کے ایک درباری نے جو کتاب سے واقف تھا عرض کی کہ میں نگاہ پلٹنے سے پہلے ملکہ کا تخت اوٹھالاتا ہوں۔ نگاہ پلٹنے سے پہلے تخت اوٹھالانے مقصود۔ جیسا کہ ہماری زبان میں سرعت اور جلدی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس طرح عربی زبان میں بھی قُلْ اِنْ يَرَوْكَ اِلَيْكَ طَرَفًا فَمِنْ حَيْثُ مَخْرَجُكَ يَخْلُوكَ۔ بعض تابعین اور مفسرین کبار نے بھی اس لفظ کے یہی معنی لئے ہیں اور یہ کہنا تو درحقیقت محاورات زبان سے نادانی کا ثبوت ہے کہ واقعاً اس سے نگاہ پلٹنے کے ساتھ کام کیا۔

(۵) اس قصہ کے متعلق چوتھی بحث یہ ہے کہ قرآن مجید کے ان الفاظ میں کہ وہ شخص کہ جسکے پاس کتاب کا علم تھا بولاکہ میں تخت کو نگاہ پلٹنے سے پہلے لاؤنگا۔ کتاب کے علم (عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ) سے کیا مراد ہے۔ عام مفسرین توراۃ مراد لیتے ہیں یا اسم اعظم۔ لیکن ظاہر ہے کہ توراۃ کے علم سے تخت کا جلد اور سرعت لے آنا کیا مناسبت رکھتا ہے۔ اسم اعظم کا تخیل ہی ایک جالانہ اور غیر ثابت الشرع تخیل ہے۔ اسلام کی رو سے یہ کوئی شے نہیں۔ البتہ یہودیوں میں یہ خیال اب تک موجود ہے۔

ایک مدعی علم کلام جدید نے کتاب سے جسٹر اور دفتر مراد لیا ہے یعنی بعض درباری حضرت سلیمان کے سرکاری دفتر اور جسٹر سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہ تخت کہاں رکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ابھی اوٹھالاتا ہوں لیکن اس عہد میں انیسویں صدی کی طرح باقاعدہ دفتر اور جسٹر کا دعویٰ ایک مضحکہ خیز امر ہے میری رائے یہ ہے کہ کتاب سے خط مراد ہے لفظ کتاب اسی قصہ میں اس سے پہلے دوبار اسی معنی میں قرآن مجید میں آچکا ہے۔ اِذْ هَبْ بِنُجْتَانِي هَذَا (میری یہ کتاب رخصت)۔ اِنَّهُ اَلْقَىٰ اَنۡبِيٰۤا كِتَابًا جَدِيۡمًا (میرے پاس ایک عظیم الشان کتاب آئی ہے)

اسکے علاوہ لفظ کتاب کا بمعنی خط عربی میں عام طور سے استعمال ہے بلکہ فصحا اسکے سوا خط کیلئے کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ میری تاویل کے مطابق آیت کا مقصود یہ ہے کہ درباریوں میں سے ملکہ سبا کی مضمون خط کا جسکو علم تھا کہ وہ بطور تحفہ اپنے ساتھ ایک تخت لائی ہے اس نے کہا کہ میں ابھی لاتا ہوں۔

(۶) قرآن مجید میں ہے کہ ملکہ حضرت سلیمان کے ہاتھ پر ایمان لائی اور پیغمبرانہ جاہ و جلال دیکھ کر بے اختیار بچار اٹھی اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ۔ لیکن بظاہر نبیؐ سے اسکی تائید نہیں ہوتی۔ لیکن نبیؐ میں ملکہ کے فقرے خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے۔ اور جس نے تجھے بنی اسرائیل کے تخت پر بٹھلایا۔ کیونکہ خداوند اسے اس کو ابد تک سپر کرتا ہے اور تجھ کو بادشاہ بنایا کہ عدل و انصاف کرے۔ کیا اس کے ایمان قلب کو نہیں ظاہر

کرتے مسیحی احباب تو قرآن کی تائید پر مجبور ہیں۔ کیونکہ انجیل کا یہ درس انکو یاد ہے۔
جنوب کی ملکہ فصیحہ کے دن اس نسل کے ساتھ کھڑی ہوگی اور ملامت کرگی کہ وہ زمین کے انتہائی
حصہ سے سلیمان کی حکومت سُننے آئی اور دیکھو کہ یہاں سلیمان سے بڑا ہے (مسیح) (متی ۲-۲۲)

فاضل معاصر نے اس قصہ کے متعلق چند شکوک اور اوٹکا ازالہ کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے اسکو ہم نے بنفہ و بحرہ
نقل کر دیا ہے۔ نقل کرنے کے بعد تنازعہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ فاضل محقق نے اس مضمون کی ترتیب میں جو طریقہ اختیار کیا ہے
وہ آپ کی خاص ایجاد نہیں بلکہ فی الحال یہی سیاق تحریر و تحقیق قرار پا چکا ہے۔ اور محققین جدید کی محبت نہ توجہ اس کی طرف مبذول
رہتی ہے کہ کتب سابقہ کے تمام احکام۔ اعمال اور قصص و حالات کو جس طریقہ سے ہو سکے قریب عقل اور ممکن الوقوع ثابت کریں۔
تو اذہ داخیل کے احکام کی مطابقت کہاں تک عقل سے ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔ اسکے لئے ہم جو ابدہ نہیں۔ مگر ہاں شریعت قرآن
اور اسکے احکام ممکنہ عقلی کے بالکل مطابق ہیں اور صرف ممکن العقل ہی نہیں بلکہ ضرورت زمانہ اور اصلاح تہذیب اخلاق
انسانی کیلئے ہی بید ضروری ہیں مگر ان امور کی تشریح و تفصیل کے لئے ارض القرآن کا موضوع و عنوان ہرگز موزوں نہ تھا۔
لایق محقق کو اس کی تحریر سے اسکا پہلے خیال کر لینا بہت ضروری تھا۔ اور پہلے اسکے ساتھ یہ غور کر لینا بھی ضروری تھا۔ کہ یا وجود کثر شریعت
اسلامی اصول عقلی کی نا بر تمام تر معنی ہے مگر تاہم اس نے حکم انی استلم بھماکا تعلیمات۔ قدرت کے حدود کو کسی حالت میں
نہ محدود کیا ہے اور نہ اسکی جبروت سے کسی وقت مقابلہ یا موازنہ کی جرأت کی ہے۔ بلکہ انسان کے تمام عقل و شعور اور توانائے ہر کہ
کو اسکی جبروت قدرت کا مطیع و منقاد ثابت کیا ہے۔ اس بنا پر ہر عقیدہ اور عقیدہ اسلامی کا یہ عقیدہ چاہیے کہ وہ قدرت کے
عجا کبات و نوادرات کی تلاش و فکر میں اپنے انسانی عقل سے زیادہ نہ پڑے۔ اور عقیدہ و تعقل کر چکا ہے۔ اسی پر ہر کہ سے جتنا
زیادہ عقل کرنا جائے گا۔ اتنا تامل پڑتا جائیگا۔ اور پران شہادت و شکوک کا سلسلہ تمام نہ ہوگا۔ ہر کہ کی تحقیق میں اسکے مطابق عقل
کرنے کی کوششیں تمام ہو چکی تھیں مگر اور زیادہ قریب عقل بنانے کی کوشش نے پہلی تاویل کو پھر شکوک کر دیا۔ کیونکہ ہر کہ کی
تعلیمیافتہ نامہ بری کے متعلق اور نہ حضرت سلیمان کے اول ہی بار مسیحی کی نسبت قرآن میں اشارتاً و کنایتاً کوئی بیان ہے۔ پھر یہ
آپ کی یہ تیسری تاویل ہی۔ جیسے آپ پہلے صاحبان قیاس کی لفظ طیر کی غلط فہمی دکھلا آئے ہیں۔ ایک غلط تخیل ٹھہرائی جائے گی
اسی طرح آپ کی تصریحات نمبر ۲ و ۳ یعنی تخت بلقیس اور اسکے ہر کہ کی ضرورت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب ممکنہ الوقوع
ہے مگر ہر آخر میں یہ لکھ دیا جاتا کہ گویا یہ تخت خود ملکہ تحفہ لے آئی تھی جیسا کہ غیر مذاہب اسلامیہ شواہد سے ظاہر فرمایا گیا ہے اور ترجمہ
کے لفظ تحفہ کی بنا پر اس کی تطبیق کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ مگر تطبیق سے پہلے الفاظ قرآن کو کافی طور سے سمجھ لینا چاہیے۔ جو
ملکہ کے عرش عظیم اور انی مرسئۃ الیہم ہیبتہ۔ اس کے ارسال تحفہ کو ضرور بتا رہے ہیں۔ مگر اس سے تخت کے تحفہ خاص کی
نذر گزارنے جانے کی کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی۔ جو یقینی طور پر صحیح مانی جائے۔ قبل ان یرئد الیک طرفہ کما کن تاویل

وَجِدْهُمْ أَوْ تَوَمَّلْهُمْ لَنَجِدَنَّ مِنْكُمْ قُتُلًا مُمْسِكًا وَلَكُمْ آيَاتُ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

میں نے سبکی شنرا دی کو اور اُسکی قوم کو خدا کو چور کر آفتاب کو
سجدہ کرتے ہوئے پایا۔

بقیم اس ذکر سے خاموش ہے۔ لیکن ترگوم سے تصدیق ہوتی ہے۔ ترگوم کا فقرہ یہ ہے کہ جبکہ ملکہ آفتاب کی عبادت کو جاری تھی۔ یونانی مؤرخ تھیوفراستینس (Theophrastus) نے اس کا نام

اور کلام نبوی - اولاد حیدر

جو اسلام سے تقریباً ۹۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاشرہ تھا۔ بخورات کے ذکر میں لکھتا ہے۔ یہ ملک سبا سے متعلق ہے۔ جو بخورات کی ملکیت کی بڑی حفاظت کرتے ہیں۔ ان بخورات کا ڈھیر آفتاب کی ہیکل میں جو اس قوم میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے لایا جاتا ہے۔ *Heron's Historical Researches vol ۳۵۱* روایات عرب سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ بانی قبیلہ سبا کا لقب عبدالشمس مشہور ہے (تاریخ حمزہ عثمانی ص ۱۰۷)۔ اسکا لکھنے (جسکے معنی پرستار آفتاب کے ہیں)۔

آلشائفات اثریہ نے اس مسئلہ کو اظہر من الشمس کر دیا ہے جسکی تفصیل ادیان میں آنگلی فجل یہ تو کہ سبا کے مشہور دیوتاؤں میں سے ایک شمس بھی تھا جس کی تمام جنوب عرب میں پرستش کی جاتی تھی۔ *Encyclopedia of Islam vol ۱۲۷۹* مسلمانوں نے ابتدائی صدیوں (دوسری یا تیسری صدی) میں یمن کی ایک عمارت کا کتبہ پڑھا تھا۔ جو جنوبی (حمیری) زبان میں تھا۔ اس میں عبارت منقوش تھی۔ بسم اللہ هذا ما بناہ شہر بصرہ لیسیتہ الشمس۔ شہر بصرہ نے سوچ دی کیلئے یہ بنایا۔ تاریخ عثمانی ص ۱۰۷ لکھتے۔

سبا کا تفرق و انتشار اور پھیلنے والی ادوار

جسے کہیں اور بیان کیا ہے کہ سبا کے مقبوضات تین حصوں میں تقسیم تھے۔ عیش یمن اور شمالی عرب ۵۰۰ ق م میں یہ پیشہ راہے پکھر گئے۔ ہمیشہ پر اکسومی خانان راہماہ الفیل (قبیلہ کریمیا شمالی عرب میں سمعیل عربوں نے ترویج کیا یمن میں حمیر (شاخ قبیلہ سبا) نے ظہور کیا۔ اور بقیہ قبائل تمام سرتر ہو گئے۔ اسی باعث یہ ہوا کہ چوتھی صدی ق م کے آخر میں یونانیوں نے اور پہلی صدی ق م میں رومیوں نے اسی اتصال شام و مصر پر قبضہ کر لیا۔ یہ عربوں کے بار بار حملوں سے ہمیشہ خوف زدہ رہتے تھے۔ عرب اس تجارت کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے تیس ق موں کو اسے ملک سبا سے گزرنے نہیں دیتے تھے۔ انباط اور حمیر کے واقعات پڑھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ صرف اسکے لیے کتنی خونریزیاں ہوئیں۔ اور یونانی اور رومی ان قبائل کے پہاڑوں اور رنگستانوں کو یا سانی طے ہی نہیں کر سکتے تھے۔ اسکے انہوں نے ہندوستان و افریقہ کی تجارت کو بڑی راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور شام مال کشیوں کے ذریعہ سے بحرا حمیر کی راہ مصر و شام کے سوا حل پراتر نہ لگے۔ اس طریق سفر نے سبا کی تجارت کو بالکل سرور و گرد کر دیا۔ اور اس نے یمن سے شام تک خاک اڑادی اور سبا کی تمام آبادیاں پریشان کر دیں۔ کیونکہ ان کے تھول اور خوشحالی تجارتی ہری کے بہت تھی۔ وہ فقو و ہو گئی اور موجود ہو گیا۔

رواۃ عرب اسکے تفرق و تخریب کا باعث بند عزم کے ٹوٹ جانیکو ہی بتاتے ہیں۔ کیونکہ اس سے انکی

زراعت کو سخت نقصان پہونچا۔ اور انکی اکثر بستیاں بگئیں۔ مگر اس سیلاب کا باعث اتنا وسیع نہیں ہو سکتا کہ تمام ملک یمن کو برباد کر دے اس لئے جو کچھ نقصان پہونچا یا ہو گا وہ شہر مارب اور اسکے آس پاس کے دیہات کو جہاں وہ آیا تھا اور اسکا اثر پہونچا تھا۔ قرآن مجید اندونوں کو جہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

لَقَدْ كُنَّا يَوْمَ تَجِىءُ فِي مَسْجِدِهِمْ اَيْتًا مُّجْتَمِعِينَ عَنْكَ
بِكَايَتٍ وَمِنْهَا لَشَوْأَلٌ لِّبَنِي اِسْرَءِيْلَ وَاسْتَشْرَكُوا
فِيْهَا وَاَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ وَاَقْرَبُوا عَلَیْهِمْ اَلْمِیْلَ
اَلْوَحْدَ وَبَدَّلْنَا هَمْزَ بَعْدَ نَسَمٍ فَمَا يَكُنْ لَّكَ دُوْلًا اَوْ لِيْ
وَاقِلٌ وَتَتَّبِعَنِ بِرَبِّكَ اَنْتَ لَكَ بِقُرْبَانِهِمْ اِسْتِثْنَاءٌ
تَكْفُرُ اَوْ تَهْتَلُ فَمِنْهَا كَلَامٌ كَثُوْرٌ مِّنْ بَيْنِنَا اِلَيْهِمْ
وَلَا يَكُنْ لَّكَ فِیْهَا اِلَٰهٌ اَوْ اَمْرٌ اَوْ قُوَّةٌ فَذَرْنَا
فِيْهَا السَّيْرَ سَبِيْرًا فِیْهَا لِيَالِيْ قَاۤیِمٌ اَمْنٌ
فَقَاۤیِمٌ اَمْرٌ بَاۤعِدٌ بَلَّیْتَ اَنْفُسَكَ لَنَا ذَلِكُمْ اَوْ اَنْفُسَهُمْ
فَجَعَلْنَا هُمْ اَمْحَادِيْثَ وَهَرَقْنَا هُمْ كُلَّ فَرْقٍ اِلَّا
فِیْ ذَلِكُمْ اَلْیَاتِ لِکُلِّ صَبَآرٍ مُّكْرَمٍ

(سورہ السبا)

پیشہ رسا کے لئے خود اپنے گریں نشانیاں تھیں۔ دوباغ دہنے اور باہیں۔ اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور اسکا شکر کرو۔ شہر مارب اور مارب کے گرد والا ملک۔ انہوں نے سترائی کی تو ہم نے ان پر غلہ ڈال دیا۔ اور سیلاب بھیجا اور انکے باغوں کے بجائے بیدرہ پہلوں۔ پہلو اور کچھ چہر سیر کے چھاڑ پیدا کر دئے۔ یہ انکی ناشکری کی جزا تھی اور ہم صرف ناشکروں ہی کو سزا دیتے ہیں ہم نے انکے ملک اور برکت والے آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور ان میں سفر کی منزلیں مقرر کر دی تھیں چلو ان آبادیوں کی منزلوں میں دن رات بیچو و خطر انہوں نے کہا کہ خدا نے ہمارا بڑا سفر بنایا یا اسے خدا ہمارا سفر کو دور کر دے۔ انہوں نے خود اپنی جان پر ظلم کیا۔ تو ہم نے انکو کہانی بنادیا اور پابہ پایہ کر دیا حقیقتاً انہیں عبرت کی نشانیاں ہیں۔

شکر گزار اور صابر بندوں کے لئے (السبا)

حمیر یا سبا کا طبقہ ثالثہ و رابعہ۔ قوم تبع و احباب الاعدود۔

۱۵ ا ق م - ۳۵

ملک یمن دو حصوں پر منقسم ہے۔ مغربی اور مشرقی قطعہ مشرقی جو اندرونی ملک سے ملتی ہے۔ حکمت سبا پر قطعہ مغربی جو ایک طرف بحر عرب اور دوسری طرف بحر احمر کو چھوتا ہے۔ حمیر کی مملکت ہے۔ اسی سے حمیر لیا جائیگا کہ بحری تجارتوں نے سبا کو ہٹا کر حمیر کو کس حد تک چمکایا ہو گا۔ یہی سبب ہے کہ یمن کی حکمرانی مشرقی سے مشرقی ہو کر مغرب کو چلی آئی اور حمیر جو مغربی قبیلہ تھا اسے قوت مزید حاصل کر لی۔ ناچار مشرقی قبائل زرقی سعاش کی تلاش میں کچھ مغرب کو آئے اور کچھ سپاہیں بحرین، حجاز، عراق اور شام کو چلی گئے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حمیر سبا سے کوئی اگر کب نہ تھے نہیں۔ صرف خاندان اور موقع حکمرانی کا فرق تھا۔ زبان نہ تھی۔ اور طریق تمدن تمام حمیریوں میں ایک ہیں۔ اس لئے خود حمیر کے کتبائے میں لایا جاتا ہے حمیر کے سبا کی مذکورہ مذکورین پوتان

سنہ ۱۱۴۱ء میں اور اہل حبشہ نے چوتھی صدی عیسوی کے اپنے کتبائے میں انکو حمیر کہا ہے۔

لفظ حمیر

علمائے انساب کہتے ہیں کہ حمیر سبک کے جانشین فرزند کا نام تھا۔ اسلئے سبکی تمام تاریخ میں وہ سبک کے ہر حکم حمیر بولتے ہیں لیکن انساب کو کتبائے سبک سے زیادہ پُرکٹے ہیں انہیں لفظ حمیر کہیں نہ کہا کی نہیں دیتا۔ خود حمیر اہلین اپنے آپکو ملک سبک زوریدان کہتے ہیں۔ ہاں اہل حبشہ کے بعض کتبائے میں حمیر اور فرزند حمیر کہیں دیتا ہے۔ لفظ حمیر حبشی اور حبشی میں شمر سے ملتی ہو گا جسکے معنی سرخ کے ہیں اور حمیر سے زیادہ گورے رنگ کے کہتے ہیں۔ اسکا مقابل اسود و عرب سیاہ و سپیدی کا جگہ الاسود و الاحمر بولتے ہیں۔ چونکہ عرب اہل حبشہ کو اسود اور سودان کہتے ہیں اسلئے مقابل میں حبشہ سے ملتی ہو گی اور اس کے آوی کہتے ہونگے۔ اب یہ بین کا حبشی فتح اپنے ایک کتبے میں لکھتا ہے کہ بادشاہ حبشی اور حمیر قونج لیکر آیا۔ وہ خود حارہ تھوہ میں اسلئے یعنی ہو سکتے ہیں کہ کالی اور گوری ملنہیں ہیں۔

ملک حمیر

تہجد میں معلوم ہو چکا ہے کہ حمیر غریبین میں جو عربیہ اور حبشہ کے مل جلے ہوئے تھے۔ اسوقت ان میں تفرقات پر دو راہیں تھیں۔ ایک راہ حبشہ کے قلعہ زوریدان کے قریب تھی۔ قلعہ زوریدان اسکا سکون تھا اور اس پر خطابہ ادا ہوتا تھا۔ دوسری راہ حبشہ کے قلعہ شہر ظفار کے قریب تھی۔ جو شہر صناعا کے قریب واقع ہے اور حیدر آباد کے قریب تھا۔ ابوعلکام مرانی اسی زوریدان کے ذکر میں لکھتا ہے۔

و فی ظفار دبت ابائنا غرقا

فی لویان قوم الاملاک رہا

ہمارے بزرگوں نے ظفار میں غرق ہو گئے تھے

نیز لویان میں اور قصر شاہی میں زوریدان تھا

سبکی تباہی کے بعد حمیر نے مار سبک نامہ اپنی حکومت کو دست دے دی اسوقت انکا لقب شاہی۔ ملک سبک زوریدان نظر آتا ہے ایک مدت کے بعد انکی القاب میں "شاہ حضرموت" کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر تمام یمن۔ نجد اور حجاز کی بادشاہی القاب میں نظر آتی ہے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ سطح تہجد کی حکومت کا وسیع ہوتا جاتا ہے۔ آخر ۱۲۵۰ء میں آخری حمیری بادشاہ ذوہد اس اسکوئی حبشیوں سے شکست کھاتا ہے اور بقیہ بادشاہیوں پر سبکی ملک اسلئے فتح میں چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایرانی آئندہ اور اس کے چند بیٹوں کے بعد حجاز کی گھاٹیوں سے خورشید اسلام یمن میں طلوع ہوتا ہے اور ایک دن میں تمام یمن اس زور سے منور ہو جاتا ہے۔

جہاں جہاں اس باب میں کتبائے سبک کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ فرخ بادشاہ سبک کے بننے والے قلعہ ہیں

و رابعہ زبان سبک سے لفظ ہیں۔ اربعہ القرآن ج ۱ ص ۲۶۸

کتابخانه

سب سے جمیر کے پچھلے کتبات میں ملے ہوئے ابجد کے نام سے ایک غیر معلوم تاریخ کے سین کے استعمال کیا گیا ہے۔
۳۸۵ ۵۷۳ ۵۸۲ ۶۲۰ ۶۵۶ ۶۵۸ ۶۶۹ مختلف کتبات کے سین ہیں۔ انہیں سے
۶۶۲۰ کے کتبہ میں حبش کے خلیفہ عین اور ذونواس کی موت کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ عرب روایات اور رومی بیانات کے
مطابق ۶۶۲۵ء کا ہے۔ اس بنا پر بالکل بدیہی ہے کہ ۶۶۲۵ء ۶۶۲۷ء جمیر کے مطابق ہے اور اس سے جمیر
کی ابتداء ۱۱۵۰ ق م قرار پائیگی۔ مگر دوسرے اور کتبات کی عبارت پڑھ کر اور لاکر پتہ چلتا ہے کہ سب سے جمیر کی تاریخ
پہلی صدی ق م کے اوسط سے شروع ہوتی ہے اور آخر شاہ جمیر ذونواس کی موت پر ۵۲۵ء میں حکومت جمیر ختم
ہو جاتی ہے۔ اس حساب سے جمیر کی کل مدت حکومت تقریباً ۵۵۰ برس قرار پائیگی۔

10/10/1944

حکومت جمہوری کے ۵۵ برس جمیر کی مسلسل تاریخ نہیں ہے پہلی صدی ق م سے تیسری صدی کے اوائل تک جمیر کا طبقہ اول یا سب کا طبقہ ثالث قرار دیا کرتا رہا۔ دوسرا طبقہ تیسری صدی کے اوائل سے ششمی ہوتا ہے۔ اور ابھی چہترہویں بادشاہ گزرے ہیں کہ اسیویں بھٹی چوتھی صدی کے اوسط میں گھس آئے ہیں چہتر سال کے بعد جمیر ان حبشیوں کو نکال کر پھر وطنی حکومت کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ یہ طبقہ ۵۲۵ء تک چلے آخری بار اہل حبش فاتحانہ داخل ہوئے ہیں۔ قاکیم رہتا ہے۔

سب سے جمیر کے ان دونوں طبقات میں فرق امتیازات ہیں۔ دور اول کے سلاطین کا لقب "ملک" یا "دور پیران" ہے۔ دوز ثانی میں پہلا طین ملک یا دور پیران و قمریہ ملک کا لقب اختیار کرتے ہیں۔ اور پھر سب کوئی نیا قطعہ ملک فتوحات میں شامل ہوتا ہے۔ تو لقب شہابی میں اُنہی اضافہ اور ہو جاتا ہے۔ ان القاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ دور اول میں جمیر کا رقبہ حکومت سرحد میں تک محدود تھا۔ دوز ثانی میں قمریہ تک وسیع ہو جاتا ہے۔ عرب دشمن کے بیان سے یہی ان طیناں کی تصدیق ہوتی ہے۔

فرزدان قحطان میں سے پہلے پہلے جو بادشاہ ہوا وہ حمیر بن سبا ہے یہ
آخر وقت تک بادشاہ رہا یہاں تک کہ بڑا ہو کر مر گیا۔ پھر حکومت
اسکی نسل میں رہا اسیا چارویں آدمی۔ اور ان کے پوتے سے نہیں نکلی تا آنکہ
چند صدیاں گزر گئیں۔ پھر ہمارے ابراہیم علیہ السلام بادشاہ ہوا

وَأَوَّلُ مَنْ مَلَكَ أَوَّلَ قَطَنانَ جَبَلِ بَنِي سَيْبَانَ
فَبَقِيَ مَلِكًا حَتَّى مَاتَ وَهُوَ أَوَّلُ مَلِكٍ وَلَدَ لَهُ مَلِكٌ
بَعْدَهُ فَلَمْ يَبْقَ لَهُمْ الْمُلْكُ حَتَّى اسْتَوْلَتْ قُرُونٌ وَ
مَلَكَ الْمُلْكُ إِلَى الْيَوْمِ وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ مَلَكَ

۵۴ انا میکویشا ائنه اسلام چ اص ۴۶

۱۵۰۰ تا ۱۶۰۰ سال پیش

۱۵ تاریخ غزوہ و صفائی ص ۸۱

الایمن قبل الرأش سلکان صلات بسبا و ملک بمحضرت موت فکان لا یجتمعون الیما نینون کلهم علیهم الی انت ملک الرأش فاجتمعوا علیہ وتبعوا فسمی تدبنا	جو شیخ کہلاوا۔ اس سے پہلے دو بادشاہ ہوتے تھے۔ ایک سب میں اور ایک حضرت موت میں۔ تمام یعنی ایک کی طاقت پرتفق نہیں ہوتے تھے لیکن جب یہ بادشاہ ہوا تو اسکی بادشاہی پر سب متفق ہو گئے۔ اور اسکی اطاعت کر لی۔ اسلئے اسکا لقب شیخ ہوا۔
---	---

شامان حمیر اور اوروں کے طبقات کی نسبت یہ شیخ جو کچھ کہلاوا اس سے معلوم ہوا کہ انہیں ایک سوئی (سبائی) حبش
کی ایک قلیل زمانہ حکومت کی خلیج ہی حائل ہے۔ عرب میں خن کو گواش سے واقفیت نہیں۔ لیکن انکی
فہرست سلاطین میں حبشی ترکیبوں کے نام داخل ہیں۔ اگرچہ مختلف صورتوں اور ترکیبوں کے نام ضرور ہیں۔ مگر
ماہم طبقہ ثانی کے بیچ میں یعنی حارث الرأش اور ناشر بنیم کے درمیان ناموں کے رنگ بڑھ چکا ہے
والو کو صاف حبشی یا کم از کم غیر عربی و حمیری رنگ۔ و اثر چند ناموں میں ضرور نظر آئے گا۔

بلا	د الف	کیفیت	بلا	نام	کیفیت (ب)
۱	حمیر	نام	۱	الایمیح	مصنوعی نام
۲	ایمن	صحیح لیکن نام کا صرف ایک جزو ہے	۲	ناشر بنیم	صحیح نام
۴	زہیر	مصنوعی	۳	شمر بن عیش	"
۵	عریب	"	۴	ابو مالک	"
۶	الغوث	"	۵	الاقرن بن ابی مالک	مشکوک
۷	وأل	ایک نشان ہی کا بنو اہل نام ملا ہے	۶	ذہشمان بن لاقرن	"
۸	عبد شمس	صحیح	۷	تہ بن الاقرن	"
۹	زہیر الصوار	مشکوک	۸	کلکرب بن تہ	صحیح
۱۰	ذو یقدم	"	۹	اسعد ابوکرب	"
۱۱	ذو الرأش	"	۱۰	حسان ابن شیخ	مشکوک
۱۲	عمرو	"	۱۱	عمرو بن شیخ	"
۱۳	المطاط	مصنوعی	۱۲	عبد کلال	صحیح
۱۴	القایم	"	۱۳	تہ بن حسان	مشکوک

۱۵	سہد	مصنوعی	۱۳	مرد ابن عبید	صحیح
۱۶	اسکارث الراش	صحیح نام	۱۴	ولید ابن مرشد	"
۱۷	ابریہ ذوالمنار	حبشی نام ابرہہ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے	۱۵	ابریہ ابن الصباح	حبشی
۱۸	ازرقش ابن ابرہہ	غیر عربی نام ازرقش کے معنی شاید پرتو جی ہوں	۱۶	صہبان ابن محرت	مشکوک
۱۹	العبد ذوالازعار	مشکوک	۱۷	حسان ابن عمرو	"
۲۰	بدادین شراجیل	ایک حبشی بادشاہ کا نام	۱۸	ذو شازر	صحیح
۲۱	بلقیس بنت ہداد	غیر عربی - شاید یونانی	۱۹	ذو جہن	"

اس طویل فہرست میں قائمہ الف طبقہ اول حمیر ہے لیکن اسکے تمام نام صحیح نہیں ہیں۔ قائمہ ب ایک مختصر حبشی دور ہے۔ یہ نام ہی غیر صحیح ہیں لیکن حبشیت کا ان میں شائبہ ضرور ہے۔ قائمہ ج طبقہ دوم حمیر ہے اور قرب زمانہ کے سبب اسکے اکثر نام صحیح اور محفوظ ہیں۔

طبقہ اول کے صحیح نام اور زمانے

شاہان حمیر کے صحیح نام وہ ہیں جو اب تک پتہ اور چاندی کے حرف نہیں ہیں کے ویرانوں اور سکون میں لکھے گئے ہیں اور جنکو بہتوں نے پڑھا ہے اور شغف جاکر پڑھ سکتا ہے۔ ہم نے اوپر بتایا ہے کہ طبقہ ثانی کے بعض کتبوں پر تاریخیں ہی ثبت ہیں۔ جنکا حل ہی ہو چکا ہے بعض سلاطین کے نام رومیوں کی سیاسی و تجارتی تعلق سے یونانی رومی تاریخوں میں محفوظ ہیں اور قیصر روم کی معاصرت سے انکی تاریخ معلوم ہے۔

اس رومی تعلق سے طبقہ اول حمیر میں سے جسکا لقب شاہی۔ ملک باذوریان ہے۔ دو بادشاہوں کی

تاریخ معلوم ہے۔ کرب ایل (Charibail) اور الیشرح (Eliseros) کتبہ میں الیشرح کھنڈ

اور ویشیل بن شاہان سبا وریان فرزندان فرخ نیرب شاد سبا رومی تاریخ میں ایک حملہ مین کا ذکر ہے۔ جو سنہ

قام الیشرح شاد آربا پر (سبا) کیا گیا تھا۔ الیشرح اس عہد میں دو (چچا) اور (بھتیجے) کا نام تھا۔ الیشرح کھنڈ

اور الیشرح کھنڈ

رومیوں میں بھی یہودیوں کی طرح سبا کی دولت و ثروت کی اس قدر شہرت ہو گئی تھی کہ رومن لٹریچر میں سبا

کی دولت ضرب المثل بن گئی۔ شعرا و ادب کی دولت کی تمثیل دیتے تھے رفتہ رفتہ طمع حرص نے کام و ذہن میں

لذت اور دست و پا میں حرکت پیدا کی سنہ ۱۱۱ ق م میں ایلئس گیلوس (Aelius Gallus) جو رومیوں

کی طرف سے مصر کا گورنر تھا قیصر اوغسطس (Augustus) کے حکم سے مین چرلہ کی طیارہ کی انباط

ربیع بن اسمعیل کی اولاد جو شمالی عرب میں ارنکے زیر اثر تھے اعانت کیلئے آمادہ کئے گئے۔ اور نظام ہر وہ بھی آمادہ نظر آئے۔ شاہ انباط کا وزیر سلس یا ثنائٹ۔ عرب کے بے نشان کوہ و بیابان میں رہبر بنا آخر صحر او کوستان حجاز طے کر کے یمن میں داخل ہوا۔ البیشر جواسوقت یہاں کا بادشاہ تھا حملہ کی تاب نہ لاسکا۔ اور قلعہ بند ہو گیا۔ مدنی کئی روز تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ لیکن پانی کی کمیابی سے خود حملہ آور فوج کے پاؤں اکڑ گئے اور بحر ان و حجاز ہو کر ۶ دن کے بعد بحال تباہ و زار مصر واپس آئی۔

یورومین سورخین اس مختصر اور عاجلانہ مہم کو بہت جی لگا کر بیان کرتے ہیں۔ کوئی فوج کے راستہ کا نشان بتاتا ہے کوئی محرف ناموں کی تصحیح کرتا ہے۔ کوئی اسکا جغرافیہ تیار کرتا ہے۔ کوئی اس مہم کی ناکامیابی کا سبب انباط کی خیانت ٹھراتا ہے۔ کوئی راستہ کی دشواری کا عذر تراشتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر اور ریونڈ فارستر اس کہانی کے مشہور قصہ گو ہیں۔ بہر حال رومیوں کی اس ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر انہوں نے اوہر آنکھ اٹھا کر یہی نہ دیکھا۔

اکسومی حبش اس بنا پر کہ حمیر تمام تر سبار قابض ہو گئے۔ اپنے جلتے تھے حبشی کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی سے انہوں نے یمن پر حملہ شروع کر دیا۔ اور حملہ مسلسل قائم رہا کہ یہی فاتح ہو کر آگے بڑھے کہ یہی مفتوح ہو کر پیچھے ہٹے۔ آخر حضرت موت پر موقع پا کر جنگے۔ شمر برعش نے جس کو عرب حارث الرش اور شمر برعش دو شخص سمجھتے ہیں) نے جنگ کی ہوگی اور ان سے یہ مقامات چھین لئے ہونگے۔ کیونکہ وہ یمن اور حضرت موت دونوں کا بادشاہ ہو اور اپنا لقب اسلئے اوستے متبع اختیار کیا جس کے معنی حبشی زبان میں سلطان کے ہیں۔ اور شاید اسی لئے قومی ہیر و کے لحاظ سے عرب اسکو زیادہ وقعت دیتے ہیں۔ شمر برعش کے بعد ایک مدت تک سچ کی کڑی نہیں ملتی جس سے قیاس ہوتا ہے کہ نالائق جانشین ہوں گے۔ اسی بنا پر اکسومیوں نے پھر دوبارہ حملہ کیا اور حمیر کو شکست دی۔ تقریباً ۳۷۷ء سے ۳۷۸ء تک یہ مدعی فرمانروا رہے۔ گو وطنی روایا بھی اپنی جگہ پر ماتحت کی حیثیت سے قائم رہے ۳۷۸ء میں ملک یکر بے نے انکو نکال کر یمن و حضرت موت پر دوبارہ حقیقی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت ۵۳۵ء تک قائم رہی۔ اکسومیوں نے دوبارہ حملہ کر کے انکو برباد کر دیا۔ گویا تیس برس قبل ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۳۷۷ء سے ۳۷۸ء تک جو اکسومی خاندان قائم کیا گیا ہے۔ اسکی صحت کی متعدد دلیلیں ہیں۔ اولاً تو یہ کہ اکسوم کے کتبہ میں اسکی تفصیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ شاہ اذنیہ اور اوسکے جانشین چونکہ ۳۷۸ء سے ۳۷۷ء تک

۵ فار فصل ایس گالوس کی عرب پر مہم ۲

۵ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مضمون سبادا تہیہ پایا و اکسوم۔

بادشاہ تھے۔ اپنے کو ملک اکسوم و حمیر و یدان و سبا و ذبیح کہتے ہیں۔ حمیری کتبات میں اس عہد کے نام بلقیب شاہی نہیں ملتے۔ عربی تاریخوں میں اس عہد کے سلاطین حمیر کے جو نام ماہین شمر عرش اور ملک یکرہ مذکور ہیں وہ حبشی الفاظ ہیں۔ خود عرب مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ شمر عرش کے بعد اس بنابر حمیر طبقہ دوم یعنی ملک سبا و یدان و حمیر موت کی ترتیب یہ ہے کہ اولاً حمیری بادشاہ ہیں پھر حبشی ہیں پھر سلسلہ حمیری ہے۔
طبقة ثانیہ یا تبا بعد

طبقة ثانیہ یعنی وہ سلاطین جن کا لقب ملک سبا و یدان و حمیر موت ہے۔ عرب انکو تبع کہتے ہیں اور اسکی جمع تبا یعنی لفظ تبع کی تحقیق
لفظ تبع لغویں عرب کے نزدیک تبع یا تبعیت سے مشتق ہے۔

حمیر کے بعد یمن کی حکومت حارث الرایش (عرش اکولی) یہی تبع اول ہے اس سے پہلے دو بادشاہ یمن میں ہوئے تھے۔ ایک سبائیں ایکہ فرموت میں تمام یمنی ایک بادشاہ تفریق نہیں تھے۔ جبکہ الرایش بادشاہ ہوا تو سبائیں کی بادشاہی تفریق ہو گئی اور اسکی تبعیت اختیار کی۔ اسلئے اسکا لقب تبع جمع ہوا۔

فصل المملک الی الحارث الرایش و هو تبع لاولی
فمن مملک الیمن قبل الرایش مملکات سبا و
مملک الحبش موت فکان کا یحییٰ مع الیسا یزید علیہم
اولی ان مملک الرایش فاجتہوا علیہ و تبعوا
شعبی تبعاً (رحمنہ و احدہما فی موت)

مملکوں سے کہتے ہیں لفظ عربی بمعنی تبع جمع ہو یعنی جبکی پیروی اور اطاعت کریں لیکن جدید تحقیق سے یہ لفظ حبشی

فاضل محقق کی لفظ تبع کے متعلق تنقید و تحقیق قابل تحسین تو ضرور ہے مگر پانہ کندن و کاہ بر آوردن کا مستعمل جرح ہے۔ لغویں عرب کی تنقید کے جو شوق و شوق ہیں۔ صریحاً غوی تمام دلائل جو اسکے غیر عربی ہونے کی تائید کرتے تھے بیان کر دیئے اور یہ نہ بیان فرمایا کہ میں قاعدہ نحو صرف سے آپسٹ لال کرتے ہیں۔ یعنی رکیع و شمد کا جمع ہونا اور اسکا بصورت واحد یا الف لام علامت اسم صفت عربی کا اس میں نہ پایا جاتا۔ دوسرا زمانہ میں تدوین ہو چکے تھے جس زمانہ کا یہ عربی لفظ ہے۔ یعنی زمانہ حمیر کا جو عہد ۱۰ سال قبل مسیح تھا اور انکا علم الف و صرف تو سنہ سچری کے قریب ۵۰۰ ق م ہے۔ پہلی علامات کا اس وقت میں نہ پایا جاتا کیونکہ باعث تغلط الفاظ و سکنا ہے۔ واحد اس وقت اکثر بجائے جمع مستعمل ہوتا ہو جیسا کہ اس وقت تک تاریخ ہے تو کیا اعتراض ہے۔ یا اس وقت تک الف لام اسم صفت پر نہ لگایا جاتا ہو تو کیا کلام ہے۔ بہر حال ان قرائن ممکن کے خلاف۔ زمان حبش کا لفظ بتایا گیا۔ معنی لکھ گئے۔ اس کے شواہد پوچھائے گئے۔ اور اسی کو اپنا مختار بلایا گیا مگر چشم زدن میں اس فیصلہ کی بھی خود ہی تردید کر دی گئی اور بالآخر اسکا زبان حمیری یا سبائی ہونے پر بالتمام اعتبار فرمایا گیا۔ اس تحقیقات و تنقیحات کو دیکھ کر تو شخص یہی کہے گا کہ اگر عربی نہیں عرب کی ہوا اور آپ ہی کی بارگاہ تحقیق سے۔ کیونکہ زبان حمیری ہوا زبان سبائی سبائی قدیم سامیہ کی شاخیں قرار دی گئی ہیں اور انہیں کی مابعدہ شاخوں میں عربی ہی داخل ہے جو جگہ پہلی اسم سامیہ و السہ سامیہ کے باب میں خود کہہ چکے ہیں اس بنا پر اگر عربی علماء و لغت اپنی ادبیہ تار و زار استقامت کا اعتبار سے حمیری یا سبائی کو اپنا بارگاہ تحقیق قرار دیں تو کیا غلط کہتے ہیں۔
اولاد حمیر

زبان کا ہے جسکے معنی قادر، جبار اور صاحب قوت کے ہیں۔ اسلام میں ٹھیک اسی معنی و زور میں لفظ سلطان قوت غلبہ رواج پایا ہے۔ اس لفظ کے غیر عربی ہونے کی تائید علاوہ اسکے کہ حبشی زبان میں یہ لفظ موجود ہے۔ یہ ہے کہ عربی میں اس وزن پر کوئی واحد اور معنی مفعول نہیں آیا۔ شکر و تجدد وغیرہ الفاظ ہیں تو وہ جمع ہیں۔ مبالغہ کا وزن ہے تو وہ معنی مفعول نہیں پیدا کرتا اور سب کے آخر اسکے غیر عربی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عجمی ناموں کی طرح اس پر الف لام نہیں آتا۔ اگر یہ عربی صفت کا صیغہ ہو تو مانع الف لام کیا ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہ صرف حبشی لفظ ہے۔ کتبائے کرام میں و سابقہ عہد میں یعنی کم از کم ہزار سال قبل مسیح میں لفظ تبع نظر آتا ہے ایک بادشاہ معین کا نام تبع کرب بن تبع ایل مذکور ہے۔ ایک سیالیا کتبہ میں تبع شمر جبل ملک سامنقوش دکھا ہے۔ دوسرے کتبہ میں تبع کرب بلالقب شہا ہی نظر سے گذرا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معنی میں یہ لفظ اصلاً سیالی و تیسری ہے۔

قرآن اور تبع

قرآن مجید نے قوم تبع کا دوبارہ ذکر کیا ہے۔ دونوں بار قوت و زور اور حیروت و عظمت کی طرف اس سے اشارہ کیا ہے۔ پہلی آیت میں صرف جبار قوموں میں ان کا نام بھی ہے۔ دوسری آیت میں قریش کی طرف روئے خطاب ہے کہ انکو اپنی کس قوت پر ناز ہے۔ تبع اور ان سے پہلے کی قومیں کیا ان سے زیادہ توانا اور زور مند نہ تھیں۔ ان کا کیا انجام ہوا۔

اس سے پہلے لوح کا قوم۔ اہل رس۔ ثمود۔ عاد۔ فرعون۔ بلوہ اور اہل ایکہ اور تبع کی قوم سے جھٹلایا۔	کذبت قبلہم قوم نوح و اصحاب الہیث و ثمود و عاد و فرعون امنوا لوط و اصحاب الکہک و قوم تبع اہم خیر ام قوم تبع والذین من قبلہم اهلکناہم انہم کانوا مجرمین
(۲) یہ قریش بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے گذریں	
ہے انکو برابر کیا کہ وہ مجرم تھیں۔	

تبع بعد از

عام مورخین اور اہل تہذیب میں عام مفسرین کہتے ہیں کہ صرف تبع بن تبع گذرے ہیں تبع اکبر تبع اوسط اور تبع اصغر۔ تبع اکبر کا نام امارت الرش ہے۔ تبع اوسط اسعد ابو کرب کا لقب تھا اور تبع اصغر تبع بن حسان تھا اسکے مقابلہ میں خود حمیری مصنفین کی روایت ہے کہ تاریخ یمن میں ستر تبع گذرے ہیں۔ شارح قصیدہ حمیریہ اور نشوان ابن سعید الحمیری مصنف شمس العلوم نے روایت کی علاوہ اشارے سے اسکی تائید پیش کی ہے لیکن اس سے مقصود شاید عام سلاطین یمن ہونگے کیونکہ لفظ تبع جیسا کہ پہلے لکھا ہے معین سیالیا اور حمیریہ درمیان نظر آتا ہے۔ انسا کیلویڈ یا برٹیکا بمصر عرب۔ ۱۵۵۰ء کے شائع کردہ کتابت۔

آتا ہے۔ ورنہ تنہا اس طبقہ میں تو یہ تعداد کھینچی شکل سے ہے جن عام خویشیوں نے صرف تین مخصوص تنبیح کا ذکر کیا ہے۔ شاید انہوں نے صرف مشہور ترین تنبیح کے نام پر کفایت کی ہے۔ تنبیح کے نام اور زمانے

تنبیح میں کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیے کہ روایت عرب ہی انہیں سے اکثر کے نام محفوظ ہیں اور کتابت بھی انکی تصدیق ہوتی ہے ہم نے (صاحب اہل القرآن) جو زمانہ ترتیب دیا ہے اس میں اکثر تنبیح کتابت میں تبقیم تنبیح وقیا سے ہے۔ اصل میں بن ساطین کے نقوش میں ہیں اور جو ان کے بعد کے کسی کارنامے کی تاریخ ہو وہ حسب ذیل ہیں

نام	زمانہ	نام	زمانہ
۱ یاسر بن عم	۶۲۶۰	۲ شمر بن عرش	۶۲۸۱
۳ ملک یکر ب یومین	۶۲۶۸	۴ شمر بن جلیعفر	۶۲۵۱
۵ عبد کلیل	۶۲۵۵	۶ شمر بن جلی	۶۲۸۰
۶ یزوف	۶۵۱۰	۸ ذونواس	۶۵۲۵

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عیسوی اور عجمی سہ سنہ میں ۱۱ برس کا فرق ہے۔ اگر ان میں پر جو عیسوی ہیں ۱۱ سال کا اضافہ کریں تو عجمی سن مکمل آئیگا مثلاً عبد کلیل کا سہ سنہ جدول یا میں ۶۴۵۸ سے اس بنا پر ۵۴۲۵ عجمی کا افسانہ ہے

رواۃ عرب تنبیح میں کی نسبت بڑے بڑے عظیم الشان فتوحات اور ملک گیری و کشور کشائی کے عجیب غریب واقعات بیان کرتے ہیں۔ ایک تنبیح پر عظیم افریقہ کا فتح ہے۔ شمر بن عرش کی تنبیح کشور کشا عرب سے ترکستان تک بلند ہو کر ایک کشور کو دیران کر دیتی ہے اور اس کا نام سمر کنہ پڑتا ہے۔ یعنی شمر نے اسکی بیخ و بنیا دکھو ڈالی۔ ایک تنبیح میں ملک اپنی تلوار کی کاٹ ڈالتا ہے۔ اور تنبیح میں اپنی بقیہ فوج چھوڑ دیتا ہے۔ جہاں اب تک عرب آباد ہیں۔ ذوالقرنین جس نے مغرب و مشرق کے ڈھونڈنے والے تھے اور جس کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے وہ ہیں کا ایک بادشاہ تھا۔ افریقہ کا بیان ایک حد تک صحیح ہے۔ اہل عرب نے مسلسل جنگ قائم نہ کی کبھی فتح تھی۔ کبھی مفتوح۔ ورنہ ترکستان و چین کی فوج کشی جسکی ابن خلدون نے بھی کچھ کم سنسی نہیں اور لائی ہے۔ صرف افریقہ کا کھیل ہے۔ (مستفاد) سمر کنہ کے پہلے جزیرہ شمر بن عرش کے پہلے جزیرہ تھا۔ اسلئے وہ سمر کنہ کا بانی یا مخرب قرار پایا۔ انہوں نے کند کو فارسی لفظ کنہ سے مشتق سمجھا حالانکہ قدیم ترکمانی زبان میں گن۔ شمر کو کشا ہے۔ سمر کنہ۔ و تا شکر۔ جو کہ یہ سب

لیکن زمانہ اسلام کے بعض عرب سیاحوں کے عینی مشاہدات سے لکھا گیا جواب ہے۔ ابن حوقل بغدادی کا بیان ہے کہ اس کے زمانہ دور دورہ قند تک شہر کے دروازے پر شہر جمش کا حمیری کہتے ہیں ایک اور شہر کی تختی پر کندہ موجود تھا۔ افسوس کہ سیاح موصوفہ ہی کے زمانہ قیام میں یہ نادار روزگار شہر یا آگ لگ گیا۔ جس نے سے جلا کر بے نشان ہو گیا۔ اصل میں یہ قدیم ترک خط (الفوری) ہو گا جو حمیری دیخی وغیرہ خطوط کے مشابہ ہے۔ شہرت عام کی بنا پر اسکو ہمارے سیاح نے حمیری سمجھ لیا۔

اسی طرح مؤرخ مسعودی کا بیان ہے کہ بہت میں تہذیب رہ گئی تھی۔ اور چنانچہ خود اس نے عربی لباس وضع
میں اشخاص پاس کیے۔ لیکن پچھلی صدی میں جب مسلمانوں کا تمدن تمام دنیا میں چارہا تھا اور عرب تاجر ہر کوہ و
بیابان میں گذر رہے تھے تب بہت عربی لباس وضع کے وجود سے تہذیب کی فتح ثابت پر استدلال مسعودی کے
فضل و کمال۔ سے کچھ دور ہے۔ اگر اس قسم کے انقلابات سیاسی حقیقتاً ظہور پذیر ہوتے تو اس عہد کی زندہ
قوس اس کے نوکر سے خاموش نہ رہتی۔

اسی طرح حکا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔ ایران کے کیانی خاندان میں ایک مشہور بادشاہ کیکاؤس گذرا ہے۔ اُسے
ایران سے ایک ہریاکور شاہِ خلیج فارس (جس کو کیکاؤس کے کشور مادوان پر فوج کشی کی بلکیں تھیں۔ کیکاؤس لکھائی اور گزنا میں لگیا۔
آخر رستم نے اگر کیکاؤس کو رہائی دلائی۔ کیکاؤس نے چھوٹا کر مادوان کی شہزادی سودا پر سے شادی کر لی۔ یہ
وہی سودا پر ہے جس کے کہ فریب سے گمبر اگر شہزادہ عجم سیاوش توران چلا گیا۔ اور وہاں مارا گیا اور اسی کے جوش غضب
انتقام میں صدیوں تک ایران و توران باہم معرکہ آرا رہے۔ شاہنامہ میں یہ پوری تفصیل میں موجود ہے۔ ثعلبی
نے اپنی تاریخ میں (عزرائیح الفرس) میں لکھا ہے کہ کشور مادوان اصل میں کشور میرات جمیر کہ فارسی جمیر ہے۔
سودا پر صحیح عربی نام سعد نامی کی تصحیف ہے۔

کیا جمہیر کے انسانی تاجی حیثیت کے حدود میں نہیں آسکتے؟ یا فاضل محقق صاحب اس القرآن نے انسانی جمہور
 کے عنوان سے مذکورہ بالا مضمون تحریر فرمایا ہے جس میں اویں تمام قدیم عربی روایات کو غلط نہایت کر کے لکھ کر جس شخص کی سرپرستہ اہلین
 حمیر یا رباعی کے متعلق ایک نامعلوم وقت کا ذکر تفسیر التفسیر میں ہے ان کی بابت اس وقت کے سفینوں اور پشت در پشت اونیکی یا ہجرت

تعالیٰ کے علاوہ تمام لغات فارسی میں ہمارا ان کے معنی یمن ہی کے ہیں۔ اس بنا پر ہمیں ان روایات کے قبول کرنے میں کوئی غور نہیں۔ بشرطیکہ یمن کا خاندان حمیر اور ایران کا خاندان کیان تاریخی معاصر ثابت ہو جائیں۔ اور نیز یہ سمجھنا چاہیے کہ حقیقتاً ایران کا کوئی بادشاہ ہو گا۔ کیونکہ اس کی طرف غلطی سے نسبت ہے۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیر پر مضمون گذشتہ۔ کے سینوں میں علی السلسل محفوفاً اور منقول چلی آتی ہیں۔ یہ تو ان روایات کے محفوظ رہنے پر اس قدر اطمینان ہے کہ ان روایات کو کتابی صورت میں نہ لکھنے کا علم نہیں جانتے تھے۔ اور اس قدر حقیقت سے بہرہ ور تھے کہ فاضل معاصر کو بھی انکار نہیں ہے۔ اب جب انہیں زیادہ علمی صلاحیت آئی اور وہ تمدن کتب صحائف کے قابل ہو گئے تو انہوں نے ان روایات کو اپنے علمی دفتراور قلمی ذخائر میں بھیج دیا۔ اور تمام قدیم عربی تاریخوں میں ماخوذ و مستنبط ہو گئے۔ جیسا کہ فاضل معاصر کو خود اقرار ہے۔ مگر چونکہ یہ قسمتی سے ان روایات پر موجودہ زمانہ کے مغربی محققین کو اطلاع نہ حاصل ہو سکی اور کیونکر ہو سکتی۔ قدیم یونان و روم نے ان عربی لوگوں سے کبھی کامیابی نہ حاصل کی۔ اور ان سے مغلوب نہ ہو سکے۔ جیسا کہ معتزلاً لائق تحقیق ہے۔ اسی کتاب میں اکثر مقامات پر اظہار و اقرار فرمایا ہے (ملاحظہ ہو ایضاً القرآن ج ۱ ص ۲۸۹-۲۹۰) سلفی لکھنے تو حاتم اؤن کی کتب قدیم میں نقل نہیں کئے گئے۔ ہمارے جدید یورپین سائنس دان عام اس سے کہہ رہے ہیں کہ تحقیقات تاریخی ہوں یا اسی سبب کشفیات اثری۔ وہ بغیر اپنی قدیم کتابوں میں دیکھ کر اسے ان روایات پر کیوں اعتبار کرنے لگے۔ سو بہر حال سے یہ نہ تو حاتم یورپین اخبار و آثار کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ لائق محقق چونکہ یورپین ادبیات اثری کے بالکل فریاد ہیں اس لئے وہ بھی ان روایات کو افسانہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصول تحقیق کی رو سے ان روایات کی محکم کے متعلق دونوں قسم کے ثبوت تاریخی اور اثری موجود ہیں اور ان کو آپ خود دیکھ رہے ہیں۔ مگر اعتبار نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی تردید و انکار کرتے ہیں۔ ابن حوقل بغدادی چلار ہمارے کہ سمرقند کے دروازے پر حمیری نو حاتم کا آہنی کتبہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور یہ بھی ہے۔ مگر سوائے اتفاق سے میرے قیام کے زمانہ ہی میں اس میں آگ لگ گئی اور وہ جل گیا۔ آپ اس کے اس بیان پر استہزاء کرتے ہیں اور اس کو ہندوستان طریقہ سے دور ٹھکا دیتے ہیں۔ اور حمیری خطوط کی نسبت اپنے قیاس سے کہتے ہیں کہ وہ ترکی کا قدیم ابجدی خط ہو گا۔ جو حمیری اور سیمی خطوط سے مشابہ تھا۔ آپ کے اس قیاس و انداز کے پاس کون عقل والا جا سکتا ہے۔ جو ابن حوقل بغدادی چوتھی صدی کے عربی الاصل مؤرخ اور جغرافیہ دان۔ اور مولوی سید سلیمان صاحب ندوی ہندوی جڑی تعلیم یافتہ دونوں کو جانتا ہے اور اس کا بارہمی تصدیق کر سکتا ہے کہ خط حمیری کی تیسرہ شناخت اور اس کی شکل و ساخت کا علم ابن حوقل رکھتا تھا۔ یا مولوی سید سلیمان صاحب ہجو یکمراور برس کے بعد اس کے مشاہدے کو اپنے قیاس سے غلط ٹھاننا چاہتے ہیں۔ یمن کی حیثیت بہتر سے مغربی شمالی ملک میں تھا۔ طرہ تو یہ ہے کہ اس نے تو اس کو دیکھ کر بھی حمیری اور ترکی میں تفریق و تمیز نہیں کی۔ مگر آپ نے مدت ہزار سال کے بعد شہر عینک دیکھا ہے۔ بیٹے پہچان لیا کہ وہ ترکی کا قدیم ابجدی خط ہے جو حمیری سے مشابہ ہے۔

تباہی کے تمدنی سیاسی اور مذہبی حالات

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تباہی سے پہلے سب کے تمام طبقے سارہ پرست تھے۔ سب بڑا دیوتا الہ کا شمس تھا۔ اور
”الہ“ حمیری چاند کو الہ کہتے تھے۔ سمجھنے کیلئے ہندوستان کے سوچ منسی اور چندر بنسی قبائل کا ہی ہے۔ بہر حال

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ اور پھر اس حالت میں کہ اہل تحریر ہی ہزار برس سے معدوم و مفقود ہو گئی۔ پھر کس چیز سے
آپ نے تمیز فرمایا۔ کوئی اوس کی نقل محفوظ ہو۔ اور آپ کی نظر سے گذری ہو۔ اور سکو بتلایے۔ ابن حوقل کے غلط پڑھنے اور مردمان کے
اصلی انوری ہوئے کسی قدیم و جدید موصوف نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہو۔ اسکا حوالہ دیکھئے۔ آپ تو کسی اصول و ثبوت سے اپنے
قباس کو صحیح ثابت تو کرتے ہی نہیں۔ پھر دنیا مانے تو کیسے۔ بخلاف اسکے ان واقعات کے تاریخی ثبوت عربی ماخذوں میں بہرے
پڑے ہیں۔ تاریخ سعودی۔ ابوالفدا۔ ثعالبی اور ابن حوقل وغیرہم اتنے ماخذوں کا نام تو خود آپ ہی جھٹکتے ہیں۔ محقق مغربی کی کتاب
تاریخ یمن۔ عقود اللہ لویہ اور ابوبہ ابن ہشام۔ طبری وغیرہم کے نام میری طرف بڑھا لیجئے۔ تاریخی ثبوت تو یہ ہیں۔ آخری شہود خود آپ کی
کتاب میں ابن حوقل اور سعودی کے اقوال و مشاہدے موجود ہیں۔ تو پھر آپ ان ردایات کو تاریخی توثیق اور اثری تصدیق سے باہر
لگا لکر کیسے انسان اور داستان سمجھیں گے اور اصول تحقیق سے علیحدہ ہو کر صرف یورپین محققین کے اقوال و معیار پر اعتبار کرینگے۔
اور ایشیائی مؤرخین اور عربی مؤلفین کو دروغگو اور ساقط الاعتبار سمجھ لیں گے۔ اور یہ سمجھنا ہی اپنے اصول کے خلاف ثابت ہو گا
کیونکہ اسی کتاب کے صفحہ ۳۳ جلد اول میں آپ نے علامہ نویری کی کتاب ساکب الالبصار سے یمن کے اوس قدیم کتبہ کو نقل کیا
ہے۔ جو معاویہ کے زمانہ (سنہ ۶۰) عبد الرحمن را بن خالد بن ولید) گورنر مہر کے ہاتھ لگا تھا اور اس نے اوسکا عربی ترجمہ
تیار کرایا تھا۔ جو تمام عربی تاریخوں میں آج تک منقول ہوتا چلا آتا ہے۔ کچھ آپ ہی نے اس عربی اھد پر اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ آپ
خود اسکی تصدیق فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تاریخ مذکور ساکب الالبصار اسوقت ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ فارستر صاحب نے
نویری کی کتاب سے اور بیٹے فارٹر کی کتاب سے اسکو نقل کیا ہے ارض القرآن ج ۱ ص ۳۳۔ انکے علاوہ۔ مورخ کلبی اور معجم البلدان یا قوتی کے اسناد سے
بھی جو کتبیات اسی صفحہ میں خود سندرج فرمائے گئے ہیں۔ اور ابن ہشام کے بیان کردہ اوس کتبہ کی نقل و ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے
جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا ثابت ہوا ہے۔ اب آپ ہی کے تلوٹن طبعی اور اختلاف رائے سے آپ کے مندرجہ بالا
مضامین تنقید کی تردید کامل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پہلے آپ نے ان تمام عربی اور ایشیائی ماخذوں پر اعتبار کر کے اپنی کتاب میں نقل
کیا ہے اور نہ آپ ہی نے نہیں بلکہ بقول آپ کے فارستر صاحب نے ہی علامہ نویری پر اعتبار کر کے نقل کیا ہے۔ پھر اس اصول اور
طریق تحقیق کی بنا پر۔ آپ کو ابن حوقل۔ سعودی۔ ثعالبی۔ ابن ہشام۔ یا قوت حموی۔ کلبی۔ ابوالفدا کو جو علم و فضل میں علامہ نویری
سے عظیم اور قدیم تر ہیں۔ اور جن کی نقل تالیفات سے آپ کی انزل القرآن بہرے پڑی ہے۔ انسانہ گو اور ناقابل الاعتبار بتلانی
کا کون حق حاصل ہے۔ اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ اتنے مقامات کثیرہ پر ایک مولف کی تصدیق کی جائے۔ پھر ایک دوسرے مقام

شارہ پرستی نے تو شکست کھائی گشتاروں کے سیکل اب بھی ویران نہ تھے۔ تاہم اسپٹمس۔ الملقہ اور عشار کے پہلو بہ پہلو۔ رحمان کا نام بھی آنے لگا۔ جو قبل اسلام یہود و نصاریٰ ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔ مورخ کلیبی کے زمانہ میں قبیلہ ذوالکلاغ کے ایک شخص نے یمن میں ایک تخت پایا جس پر ایک

یقیناً عبادت عایشہ زیریں ہفت گزشتہ - ۷۰ جاتی ہے کہ جناب امیر المؤمنین علی مرتضیٰ علیہ السلام ہزار سب ہی ذوالقرنین آیا ہے اسلئے کہ آپ نے ہی دو غریب کھائی تھیں۔ اول برزخندہ دوم برونہ شہادت میں اسی مقام پر جہاں خندق میں عید و دگی توار لگ چکی تھی۔ ملاحظہ مناجب احمد ابن حنبل۔ سند ابن ابی شیبہ۔ صحیح ترمذی۔ مستدرک حاکم۔ حلیہ الاولیاء۔ ابو نعیم اور تذکرہ خواص الامم سبط ابن جوزی۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی یہ مماثلت استدر عام ہے کہ اہل حدیث و تفسیر کے علاوہ علمائے لغت نے بھی اسکو نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو قاموس اللغات فیروز آبادی میں لفظ ذوالقرنین۔ دوسری وجہ سمیہ ہے کہ اس نے دونوں تک سلطنت کی اور دونوں طرف یعنی مشرق و مغرب پر حکومت پائی۔ عربی میں قرن کے معنی مدت اور مدت دونوں آتے ہیں اور یہ دونوں اوصاف اس تکملہ و زامور بادشاہ میں موجود تھے۔ قرن کی مدت تیس برس ہی بتلائی جاتی ہے اور سو برس ہی۔ بعض قول۔ اسکی دو قرن یعنی ساٹھ برسوں تک حکومت پائی جاتی ہے۔ اور بعض قول سے دو سو برسوں تک حکمراں رہا۔ جو بھی صحیح ہو۔ چونکہ دو قرنوں تک عربوں کے نزدیک اسکی حکومت ثابت ہے۔ اسلئے ذوالقرنین کے خاص القاب سے اسکو لقب کیا۔ یہ قاعدہ اور یہ رواج تو سلاطین میں اسوقت تک قائم ہے۔ تمام بادشاہوں کی رسم جولہ (Jublee) دن کے ہر پنجہ سالہ مدت حکومت پر بڑی عقیدت اور سرت کیا جاتی ہے۔ دوسرے معنی اسکے سمت ہیں۔ چونکہ اس نعمت بادشاہ نے بلا مغربہ میں یمن سے لیکر حدود شام تک کا قطار عالم کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور اسی طرح ہالک مشرق میں ترکستان و قمت تک اپنی فتوحاتی و سعادت بڑھائی۔ اس رعایت سے اس نامور فرزند کو ذوالقرنین کے خاص خطاب سے مخاطب کیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ تینوں توحیدیں ممکن الوقوع اور قریب العقل ہیں جو واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتی ہیں۔ خصوصاً۔ دونوں طرفوں دالی توحید تو بالکل فی الواقع ہے۔ کیونکہ اسکی تفسیر کا اشارہ جھوٹا سمت مشرق کی متعلق تو قرآن مجید میں ہی موجود ہے۔ گویا تاریخ و قرآن اسپر دونوں متفق ہیں۔ اور اسی سے زیادہ۔ ذوالقرنین یعنی ثابت ہوتا ہے نہ اسکندر رومی۔ جیسا کہ بہت جلد مفصل بیان ہوتا ہے۔ یہ حال اتنی کافی اور توار شہادوں کے مقابلہ میں آپ نے کیسے کہہ دیا کہ عربوں نے ذوالکلاغ اس بادشاہ کے لقب میں پا کر اس کو بھی ایک یعنی فرزند انرض کر لیا ہے درندہ شخص ایک دوسرا غیر یمنی شخص ہے۔ اب تو معلوم ہو گیا کہ آپ کی طرح عربی مورخین نے اسکا فرضی اور قیاسی نام نہیں رکھ لیا ہے۔ بلکہ ان کی وجہ تسمیہ اصلیت اور واقعیت کے جوہروں سے ہے۔ اتنا لکھ کر اب ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ذوالقرنین سے سکندر رومی مراد لیا۔ روایت اور مدت۔ غرض ہر اعتبار سے غلط ہے۔ علمائے تفسیر و حدیث کا یہ بیان کہ ذوالقرنین ایک نامور خدا شناس و عادل و راجع فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیانی زمانہ میں ہالک یمن۔ حضرت موسیٰ نے توحید سے لیکر مضافات شام تک حکمراں تھا۔ اسکے فتوحات استدر ہے کہ ترکستان اور تبت

مردہ کی لاش پڑی ہوئی تھی اسکے سامنے ایک زرین سپر تھی جس پر سرخ پاوت جڑا ہوا تھا۔ اوس پر عبارت لکھی تھی۔ (یہ عبارت حمیر ہی عبارت کا ترجمہ ہے۔) بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ حَمِیرَ اَنَا حَسَنُ بْنُ عَمْرِو بْنِ النَّفِیْلِ۔ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ بِرُوحِیْہِکَ اَخْدَعْتُ۔ میں عمرو نفیل کا بیٹا حسان ہوں۔ ابن ہشام نے جس کتبہ کا ذکر کیا ہے اوسکی عبارت بھی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ حَمِیرَ اَنَا حَمِیدُ بْنُ اَوْسِ خَدَّیْکَ اَمَّ بِرُوحِیْہِکَ اَخْدَعْتُ۔

بقیہ عبارت حاشیہ پائیں صفحہ گذشتہ۔ کے حدود تک ملے۔ (طبری ابوالفدا۔ حیات القلوب) تاریخوں کے مقابلہ سے ہی صحیح پایا جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس سلسلہ میں ملکہ با بقیس کا عہد حضرت سلیمان میں آتا تمام منقول ہے۔ اس ملکہ کی حکومت کا انتظام توریت مقدس سے منسلکہ دیوبی یا شہنشاہ قبل مسیح میں پایا جاتا ہے۔ صعب بن رائش اس ملکہ سے چریت اوپر ہے اس لئے نسلوں کے پیدا ہونے کے قاعدے سے الحارث الراکش اور صعب ذو القرنین یا تو اٹھائیسویں صدی دنیا کے آخر میں یا اونیسویں صدی کی ابتدا میں ہوں گے یعنی شہنشاہ قبل مسیح میں۔ ذو القرنین کے وجود اور ایام حکومت کا بزائد تاریخ اور مدت انساب۔ دونوں طریقوں سے ایسا صحیح تسلیم ہو چکا ہے کہ اب اس میں کسی کو کلام کی گنجائش نہیں۔ اب اس صورت میں کہ ذو القرنین کا زمانہ شہنشاہ ق م میں ثابت ہو چکا۔ اور تاریخ نے اسکے فتوحات کی وسعت کے اعتبار پر اسی کو وہ شخص مقرر کیا۔ مشاراۃ قرانی قرار دیا ہے۔ اور قرآن و دیگر کتب سکودہ نے بھی اسکی فتوحاتی وسعت کی طرف اسی زمانہ میں اشارہ کیا تو پھر آپ کا سکندرومی کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے ہو نو سو برس کے بعد شہنشاہ ق م میں پیدا ہوتا ہے۔

اسکے علاوہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ شخص با بقیس ملکہ سا اور حضرت سلیمان بادشاہ یہود سے دو سو برس قبل تھا۔ کیونکہ اسفار یہود سے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے بعد سلیمان ایک ہزار یا نو سو برس قبل ثابت ہوا ہے۔ تو اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ یہ شخص حضرت ابراہیم کے بعد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبل موجود تھا۔ بخلاف اسکے جب ہم سکندر رومی کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے گویا مذہب یہود کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ چنانچہ بیٹسین ہسٹارنگیل اور جو اگر لیفکل و کشری سکندر رومی کے حالات میں لکھا ہے۔

فتح فارس کے بعد اس نے۔ فیثا اور دمشق کو فتح کیا۔ اور علاقہ طبر کے محاصرہ میں اوسکو کامل سات مینے گذر گئے۔ جب کا انتقام فتح طبر کے بعد اس نے وہاں کی مفتوح رعایا کے ساتھ نہایت خونخواری اور سفاکی کے ساتھ کیا۔ یہاں سے وہ جزیرہ دلم (سیت المقدس) میں آیا اور ایک ضعیف سند کے مطابق اس نے یہاں کے افسر کاہن سے ملاقات کی جو اسوقت اپنی مذہبی پوشاک میں تھا۔ اس مقدس شکل و شمائل والے بزرگ کو دیکھ کر وہ ایک بارگی جبک گیا۔ اور شرط آداب و تعظیم سجا لاکر اس نے اس افسر کاہن سے کہا کہ میں نے مقدونہ میں آپ ہی کے ایسے بزرگ کو خواب میں دیکھا تھا اور

یہودیت اور نصرا نیت ان اطراف میں دو ہی مذہب اور صاحب الہام مذہب تھے۔ اور باہم پیدا نہیں
برابر کے حریف بھی تھے۔ گذشتہ ابواب میں معلوم ہو چکا ہے کہ رومیوں اور عجمیوں کے ساتھ سیاست جمہیر کو مستعد
یکانشی کش تھی۔ اس بنا پر ثبوت جمہیر۔ عیسائیت سے زیادہ یہودیت کو ترجیح دیتے تھے۔ عبادت کلیں

بقیہ عیارت حاشیہ پائیں صفحہ گذشتہ۔ انہوں نے مجھے میری فتوحات کی نسبت بشارت دی تھی۔ جسے میں بالترتیب حاصل کرتا
جاتا ہوں۔ تب اس افسر کاہن نے سکندر رومی کو حضرت دانیال کی ویشیں گوی سسائی جس میں بتایا گیا تھا کہ ایک یونانی فرمانروا
فارس کی عظیم و قدیم سلطنت کو مفتوح و مغلوب کرے گا۔ اس کے جلد میں سکندر نے وہاں کے کامیوں اور خادموں کو بڑے بڑے
انعام دئے اور وہاں سے مصر میں آیا اور اس کو فتح کیا *Beeton's Histor & Geographical Dictionary*

Volup 80

اس عبارت سے جہاں سکندر کا مذہب یہود کی طرف رجحان معلوم ہوا وہاں یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ جس بادشاہ بین کی طرف
ذوالقرنین کی نسبت مورخین عرب نے کی ہے وہ سکندر رومی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سکندر تو حضرت دانیال کے کچھ زمانہ بعد
اور حضرت عیسیٰ کے تقریباً چار سو سال قبل کا آدمی ہے۔ حضرت دانیال نجت نضر کے معاصر تھے اور نجت نضر حکومت فارس
کے عین عروج کے زمانہ کا شخص ہے۔ پھر کیسے وہ شخص ہو سکتا ہے جو حضرت موسیٰ سے کئی صدیاں پیشتر تھا۔ تو حضرت دانیال
کا کیا ذکر۔ اور پھر اگر ذوالقرنین ہی تھا تو بیت المقدس میں آنا اور کامیوں کی تعظیم کرنا۔ اور اپنا خواب دہرانا کیا معنی۔ کیونکہ
تاریخیں اور کتب انساب تو اس ذوالقرنین کا وہ زمانہ بتا رہی ہیں۔ جب نہ حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تھے نہ حضرت داؤد نہ
حضرت سلیمان۔ نہ بیت المقدس بنا تھا۔ نہ یہیکل سلیمان قائم ہوئی تھی۔ اس لئے ہمارے فاضل محقق کا ذوالقرنین سکندر
رومی کو بتانا۔ یورپین محققین اور مغربی متعصبین سے زیادہ ترجیح انگیز اور مضحکہ خیز ہے۔

ان حالات و اشکال کے علاوہ اب سیرت و تاریخ کی نظر سے اس مناسبت کی ناموزونیت ملاحظہ کی جائے۔ ذوالقرنین قرانی
کی نسبت اس کے وسیع فتوحات مغربی و شمالی کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ سکندر رومی کے مغربی و مشرقی فتوحات کو کتابوں میں
ذوالقرنین جمہیر کے فتوحات مغربی و شرقی سے ملاؤ تو معلوم ہو جائے گا کہ مشرق میں سکندر رومی کے فتوحات ہندوستان
اور ہندوستان میں بھی دریائے گنگا کے آگے نہیں بڑھے۔ یہاں سے وہ ارض باطل کی طرف واپس آگیا اور اسی اطراف
میں ایک مہلک بھاریں مبتلا ہو کر مر گیا۔ سکندر رومی کے فتوحات مشرقی ان حدود سے بڑھے ہوئے کسی کتاب میں نہیں
پائے جاتے۔ اس کے برعکس ذوالقرنین یعنی کے مشرقی فتوحات کی وسعت ترکستان و تبت تک اگرچہ صرف عربی مورخین ہی
کیوں نہ ہوں۔ کتابوں میں متواتر بیان جاتی ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ اہامی ہیں۔ مشرقی فتوحات کی وسعت کی طرف ذوالقرنین کی
معرفت کراتی ہے۔ تب اسی ایک خصوصیت کو باہم دونوں ذوالقرنین۔ یعنی ذوالقرنین یعنی اور ذوالقرنین رومی میں مقابلہ

کہے سوا اور سیکا عیسائی ہونا ثابت نہیں۔ عیسیٰ کی روایت عربی ہی عیسائی تھا (عزہ اصناف ص ۱۲) اور ایک کتبہ سے بھی اسکا عیسائی ہونا ثابت ہے۔ (Huarts Hist of Arab) بقیہ تمام تبایعہ کم تر سارہ پرست اور اکثر یہودی تھے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابوبکر بنی یہودیت قبول کی۔ مذہب

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ - کرنی ہے اسے اور یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ باعتبار فتوحات مشرقیہ کثرت فتوحات تاریخی ذرائع و اسناد سے کس ذوالقرنین کی نسبت پائی جاتی ہے۔ مرقمہ بالا مشاہد سے تو ذوالقرنین یعنی مشرق میں صاحب فتوحات کثیر و ثابت ہوتا ہے تو پھر اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو بنانا تو تحقیق اور تاریخ دونوں کو جھٹلانا ہے۔

یہ تو تاریخی دلائل تھے۔ جن کو ہم نے فاضل معاصر کے غلط قیاس کی تنقید و تردید میں پیش کیے۔ اب سیرت و اخلاق کے مشاہد بھی اس بحث خاص کی تائید میں ملاحظہ ہوں۔ عربی ماخذ ہمکو ذوالقرنین یعنی کی سیرت و اخلاق کی نسبت بتاتے ہیں کہ وہ خدا شناس۔ خدا ترس۔ عادل۔ رحیم اور علیا پرور بادشاہ تھا۔ مشرقی قومیں جو خدا شناس تھیں اور وہ یا جوج و ماجوج و ظالم لٹیری قوموں کے مل جل کر دوسم سے عاجز آگئیں تھیں۔ وہ بالآخر بارگاہ احدیت میں ان ظالموں کے ہتھ پڑے رہ گئے۔ بالآخر کیلے دست بدعام ہوئیں۔ ان کی دعائیں مقرون بارگاہ اجابت ہوئیں اور پروردگار عالم کی طرف سے ذوالقرنین یعنی کو انکی استدراود و تحفظ کا حکم ہوا۔ اس نے من احسن الوجوہ ان خدمات کو انجام دیا اور ان ظالم قوموں اور ان مظالم لوگوں کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی تاکہ وہ ظلم و قسط پر ان کی طرف دسترس نہ پا سکیں وہ دیوار اب تک قائم ہے اور گرٹ چائینز وال (Great Chinese Wall) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ذوالقرنین کی حسن سیرت اور ضرورت خدمت کا مختصر ذکر ہے۔ جو الفاظ قرآنی اور عبارات تفاسیر و معانی سے ماخوذ و منبسط ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا حسن خدمت و حسن سیرت ذوالقرنین (روحانی) میں بھی تھے یا نہیں۔ تاہم تو قطعی انکار کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ جب ہندوستان سے مشرق میں آگئے نہیں بڑا تو کچھ عربین سمجھا اور دیوار کجیا معلوم ہوا کہ یہ حسن خدمت اس کے نہیں تھے۔ اسکے خلاف عربی تاریخیں بتاتی ہیں کہ اس دیوار کا بنانے والا ذوالقرنین یعنی ہے۔ اور قرآن (ی) اس مشرقی دیوار کے تعمیر کنندہ کا نام ذوالقرنین بتلاتا ہے۔ جو تاریخی مشاہد کے اعتبار سے ممکنہ روحانی نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ذوالقرنین یعنی کہے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دنیا کے ہر ذریعہ تاریخی میں سوا ان دونوں کے کسی اور کی طرف ذوالقرنین کی نسبت نہیں بتلاتی جاتی اور نہ کسی تیسرے ذوالقرنین کا کہیں نام پایا جاتا ہے۔

حسن خدمت نے تو سکندر رومی کو ذوالقرنین قرآنی ہوئے۔ سے یوں محروم رکھا اب حسن سیرت دیکھنا ہے کیا تصفیہ کرتی ہے۔ ذوالقرنین یعنی کی سیرت و اخلاق کی نسبت ہم عربی مؤرخین کا قونی لکھتے آئے ہیں جس کے خدا ترس۔ عادل اور علیا پرور حکمران ہونے پر انکا مجموعی اتفاق ہے۔ اس بنا پر اصول مساواتی التقابل کی رو سے ذوالقرنین روحانی کے سیرت و اخلاق

شاہی نے عام رعایا میں بھی فروغ پایا اور اسی طرح عیسائیت اور یہودیت نے یمن میں مگر کھائی۔
رومیوں نے بحری راستوں کو سپا کر کے سب کے بازار سرور کر دئے تھے۔ اور تنہا اس سے تسکین نہوئی تو
سنگہ قیام میں یمن چلے آئے۔ اسکوئی حبشی جو پہلے رومیان مصر کے ہم خاک تھے اور اب ہم مذہب

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین معجزہ گذشتہ۔ اور اعمال و خواص ہی ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ اور قدرت الہی اور اسکے نظام شیت
کے لئے ہی ضرور تھا کہ وہ اہل و عیال کو متعین کرے۔ نہ کہ ظالم ہی کو مظلوموں پر مسلط کر دے۔
جو اون کی امداد و بھائی کیا کریں گے۔ اون کی جانوں پر اور ظلم ڈھائیں گے اور اون کو اپنی جفا و ستم کا نشانہ بنائیں گے۔ یہ فعل اور
یہ عادت اس عادل حقیقی کی عداوت سے قطعی محال ہے۔ اتنا لکھ کر ہم ذیل میں اوس یورپین مستشرق اور عیسائی محقق کے
قول سے ذیل میں سکندر رومی کی سیرت و اخلاق کی حالتوں پر کافی روشنی ڈالتے ہیں جس کے اقوال سے ہم اسکے فتوحات
کی تفصیل اور پرکھ آسکتے ہیں۔

سکندر رومی طبیعتاً نہایت سخت اور پڑے خصلت کا آدمی تھا۔ خونخواری اور اسکے مزاج میں انتہائی درجہ پر تھی
اوس کی شرب خوار ہی حد درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ اوس نے اپنے بہت بڑے ہی خواہ اور کارگذار
افسر سالار فوج پیرائینو نامی کو قتل کر دیا اور اس سے کچھ ہی قبل اوسکے بیٹے فلاطس نامی کو سخت اور
ناقابل برداشت سزا پہنچا چکا تھا۔ سمرقند کے نزدیک ایک یونانیوں کی آبادی تھی اور یہ لوگ کوئی
سہ برس سے بشغل تجارت وہاں آباد تھے۔ ان لوگوں نے ہر قسمی سے خراج شاہ فارس کو دے دیا
تھا۔ یہ معلوم کر کے سکندر نے ایک ایک کر کے اون اپنے تمام ہونٹوں کو قتل کر دیا اور اکیسار عالم نشہ میں

اپنے قلبی دوست ملائیس کے پہلو میں خنجر مار کر مار ڈالا۔

(Beelons Hist & Geog Dichonary

vol 1 p. 80. London)

اس عادات و خصلت کا آدمی کبھی خدا ترس۔ خدا شناس۔ عادل اور رعایا پر درگما جاسکتا ہے اور اوس شخص کے ساتھ ہر طرح سیرت
و اخلاق میں برابر گما جاسکتا ہے جس کو قدیم مورخین عرب نے اوصاف مذکورہ کے لئے خاص طور پر موصوفت بتلایا ہے۔ کیا کوئی موٹی عقل
والا جی کہہ سکیگا کہ وہ راحم حقیقی اور رحمان۔ افرینندہ انس و جان۔ اپنے بندوں کی ایک مظلوم اور قابل الرحم قوم پر اوس کی استبداد و استغفار
کے لئے ایک ایسے خوف اور مردم آزار داکم اختیار کیا کہ اوس کو مامور فرمایا گیا جس کی سفلی اور شقاوت کے اختیار و آثار آج تک دنیا کے کارناموں
میں ہرے پڑے ہیں۔ ان تمام مذکورہ بالا شواہد مقاصد اور قرآن کو ملاحظہ فرما کر کیا اب یہی ہمارے فاضل معاصر ذوالقرنین قرآنی
سکندر رومی کو تسلیم کریں گے؟ اون کے مزید اطمینان کے لئے۔ اب ہم تبرکاً ایک حدیث بھی لکھ دیتے ہیں جس سے ذوالقرنین قرآنی کا
صاحب این الاراش کا نہایت فصاحت کے ساتھ ظاہر ہے۔

بھی ہو گئے تھے۔ رومیوں کے اشیغال سے بار بار چھڑھا کر کرتے تھے جمیر ہی موقع سے چوکتے نہ تھے۔ جب موقع ملتا روحی تاجروں کو دریا میں لوٹ لیتے۔ شمال عرب میں ایران و روم باہم دست و گریباں تھے۔ اور یہی تھی تنہا کہ جمیر کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی۔ رومیوں کو اس سے وحشت ہوتی۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ۔

ابن سعید مغربی نقل کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے اس ذوالقرنین
انہی کے دریافت کیا گیا جس کا ذکر خدا نے اپنی کتاب عزیز میں
فرمایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا وہ سلسلہ میں ہے۔ یہ میں سے
وہ شخص تھا جس کا نام صعب مذکور ہے پس ذوالقرنین
سندرجہ کتاب عزیز (قرآن مجید) صعب ابن الراس ہے نہ
اسکندر رومی۔

وقد نقل ابن سعید المغربي ان ابن عباسؓ
عن ذی القرنین الذی ذکرہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ
القرآن فقال ہو من جمیر و ہوا انت و ابناکم
فیکون ذوالقرنین المذکور فی الکتاب العزیز
ہو الصعب بن الراس المذکور کلاہ سکندر
الرحمی (ابوالفدا)

نزل قرآن کے زمانہ ہی میں اس کلمہ کا تفسیر یہ ہو چکا ہے۔ جیسا کہ محقق و محدث ابن سعید مغربی کے بیان سے ظاہر ہوا۔ چہ اس
میں کہ وکاش اور تلاش و ششش محض بیکار ہے۔ ہم نے ہر طریق سے اس بات کے ہر پہلو پر تحقیق و تفتیش کی کافی روشنی ڈالی ہے
ہم کو کسی تریب سے ذوالقرنین قرآنی سکندر رومی کا ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اور یہ سیرا تنہا مختار نہیں بلکہ قریب قریب تمام اہل اسلام اس پر
متفق ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب اور حیرت تو اس پر ہے کہ فاضل معاصر نے کتاب سیرۃ النبیؐ میں اپنے استاد شمس العلماء مولانا شبلی
صاحب نعمانی کا مختار بھی ملاحظہ فرمایا۔ جو ان الفاظ میں تحریر ہے۔ ذوالقرنین جسے عوام سکندر کہتے ہیں اہل عرب کے نزدیک
اسی جمیری خاندان کا فرمانروا تھا۔ (ج ۱ ص ۸۱) یہ ظاہر ہے کہ شمس العلماء کی وفات کے بعد سیرۃ النبیؐ کے جامع آپ ہی ہیں
اور آپ ہی کے انتظام سے وہ اور اس کے مابعد کی جلد چپی ہے۔ تمام کتاب پر جا بجا حواشی اور غامض نظریات بھی آپ ہی کے
لکھے ہیں۔ باوجود ان قدرت و اختیار کے ہی ہمارے فاضل محقق نے کتاب میں اس غلط افہام کے متعلق کوئی حاشیہ چڑھانے یا
نظریہ لکھنے کے لئے جرات نہ کی۔ یا تو اسے حرم کا پاس ادب مانع ہوا۔ یا حقیقتاً یورپین شششش کی تقلید و تاسی کا شرف
اوسوقت تک حاصل نہ ہوا تھا۔ اس لئے قلم نہ اٹھ سکا۔ اب چونکہ یورپین اثریات کا پورا اثر ہو گیا اور اس شدت اور عقیدت
کے ساتھ کہ ان اخیار کے مقابلہ میں۔ مقامی۔ وطنی۔ قومی۔ اور مذہبی اخبار و آثار بالکل بے اعتبار سمجھے گئے تو اپنی ایک جہانگاہ
کتاب میں جس کے مضمون کو ان میں صحت سے نہ کوئی واسطہ تھا نہ سروکار۔ یورپین اثریات کے قیامی مندرجات نقصان کے
تمام اہل اسلام کو اسل واسطہ کی یہی صورت مل گئی۔ مگر حسب حقیقت سامنے آنی تو معلوم ہوا کہ ابن راہ کہ میری تبرکات است۔
یا جوج باجوج کی قدیم قومیں اگرچہ اس بحث میں مندرجہ بالا مضامین تنقید سے زیادہ کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر چونکہ اس قوم

رومیوں نے اس نزاع کو بصلح واشتی طے کرنا چاہا چھٹی صدی کے اوائل میں رومی قیصر جسطینین
Justinian (Sharp's Brit vol II PP 352, 353)
 متبع نے یمن کے دربار میں سفیر بھیجا جس نے نہایت ترقی و احتشام سے اپنی سطوت کا اظہار کیا خود ایک
 گاڑی پر سوار تھا جس میں ہاتھی جتے تھے۔ بدن پر ایک چادر تھی۔ جو سونے کی گھنڈیوں سے اٹکی

یقینہ عبارت حاشیہ زیر پر صفحہ گذشتہ۔ کا ذکر اس واقعہ کے متعلق داخل قرآن ہے۔ ایک تو اسکی تفصیل تفسیر کی
 ضرورت ہے۔ دوسرے اس سبب سے کہ مستشرقین یورپ کی اس غلط فہمی میں کہ ذوالقرنین سکندر رومی ہے۔ یا جوج ماجوج
 کے مشابہ اور متجانس نام ہی شامل ہیں۔ ہر گویا اس کی تحقیق و تفتیش کے لئے زیادہ وسعت اور وضاحت سے کام لینا ہوا۔
 یا جوج و ماجوج سے ایشیائی قومیں بمقابلہ یورپین قوموں کے زیادہ واقف ہیں اور ان میں اس قوم کے شعلق انواع و
 اقسام کے قصے کہانیاں مشہور ہیں۔ زمانہ دراز تک یورپ ان کے وجود ہی کا قائل نہ تھا۔ اور کیونکر ہوتا۔ اتنے دور و دراز
 ممالک کے تمام قوموں سے کافی اطلاع رکھنے کا کوئی ذریعہ اور تعلق ان کے لئے موجود ممکن نہیں تھا۔ وہ ایشیائے
 دور و دراز کے ان افسانوں کو گھر بیٹھے سنا کرتے تھے۔ اور ایشیا کی سادہ لوحی اور کوتاہ فہمی پر قہقہے لگاتے تھے۔ یورپین
 قوموں کے برخلاف۔ ایشیا کے لوگ۔ یا جوج و ماجوج کی قوموں کے ہمسائے تھے۔ ہم ملک تھے اور ہم وطن اس لئے
 وہ ان کے حالات سے زیادہ واقف تھے۔ مگر اس تو یورپین محققین ہی ان کے وجود کے کم سے کم ضرورتاً قائل ہو گئے۔
 اگرچہ ان کے مسکن اصلی کی نسبت وہ ابھی تک شکوک ہیں۔ مگر ٹینٹن لفظ گنگا گنگا گنگا Ganga & magog
 کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ اس قوم کے حالات عمدتاً عقیدت کے دو متفرق صحائف۔ الہام اور صحیفہ خرقہ میں پائے
 جاتے ہیں۔ اس قوم کا سلسلہ یافتہ ابن لوح سے ملتا ہے۔ یہاں تک تحقیق ہو چکا ہے کہ یا جوج قوم کا نام ہے اور ماجوج
 ان کے بادشاہ کا۔ ان میں دو بڑے بڑے قد اور پتھر کے قدیم خونخواروں کے جیسے رکھے ہیں۔ جن کو یا جوج و ماجوج
 کے بت بتائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ مناسبت بالکل بے ثبوت اور مضحکہ خیز ہے (Beeton's Hist Dic p 792)
 مگر ٹینٹن کے مذکورہ بالا بیان سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ یا جوج و ماجوج کی قدیم قوموں کا وجود دنیا میں
 ضرور تھا۔ اور یہ خیال سراسر غلط ہے۔ جیسا کہ اکثر عیسائی متعصب یولفین نے اہانت اسلام کی غرض سے مشہور کر رکھا ہے
 کہ قرآن مجید نے یا جوج و ماجوج محض مفروضی نام دے رکھے ہیں درہ اس نام کی کوئی قوم دنیا کے کسی حصہ میں نہیں معلوم
 ہوئی۔ دوسرے یہ امر معلوم ہو گیا کہ وہ ایک قدیم قوم ہی نہیں تھی۔ بلکہ ان کا نسب سلسلہ یافتہ ابن لوح سے ملتا ہے۔ عربوں
 کا ہی یہی قول ہے۔ قرآن۔ تکوین۔ باب آیت ۲ میں ہی ماجوج کو یافتہ کا بیٹا لکھا ہے۔ تیسری بات یہ بھی ثابت ہو گئی کہ
 قرآن مجید اور روایات عرب کے مطابق یہ قومیں بڑی ظالم اور خونخوار مردم آزار تسلیم کی گئی ہیں اور آج تک ان کے غتے اور

تھی۔ ایک ہاتھ میں ڈھال دو سسٹر میں دو نیزے تھے۔ بازوؤں میں پیش قیمت بازو بند تھے۔ ارد گرد مسلح درباری تھے جو فخریہ رجز کے اشارے پر بڑھتے تھے۔ اس شان و شوکت کے منظر میں سفیر نے قیصر کا خط اور اس کی طرف سے دیگر تحائف پیش کئے۔ خط کا مفہوم یہ تھا کہ ان اطراف میں ایرانی فروغ نپاتے پائیں۔ سفیر معمول و عہدہ و اسباب کے بعد واپس آیا۔ (SHARPE VOL. II P. 244)

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ کی نشہ۔ طوی و طویل نگین تصویریں لندن کے عجائب خانہ میں ان کی سنگلی اور شقاوت کو یاد دل رہی ہیں۔ اس بنا پر مہیا کہ قرآن مجید نے بتلایا اور مفسرین و مؤرخین عرب نے اس ظالم قوم کی نسبت سمجھایا۔ وہ اگرچہ یورپ والوں کی سمجھ میں ایک مدت تک نہ آیا۔ مگر اب وہ رفتہ رفتہ ان کے واقعات کو کامل طور سے سمجھ گئے اور اس پر یقین کرنے لگے۔

یا جوج و ماجوج کی مشابہت اقوام اور مذہب نام کی وجہ سے ایک شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ جس نے ذوالقرنین یعنی اور ذوالقرنین رومی کی اصلیت کو بہت کچھ مشتبہ کر دیا ہے۔ اگرچہ ایک سچے تحقیق کرنے والے کیلئے یہ بھی کوئی دشوار نہیں ہے مگر تلاش و محنت دشوار ہے۔ بہر حال ہم اس شبہ کی بڑی پوری تصدیق کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ یا جوج و ماجوج کا ذکر تورات میں تین مختلف مقامات پر آیا ہے۔ ایک کتاب تکوین میں جس کا حوالہ ہم ابھی اوپر دے چکے ہیں۔ دوسرے کتاب یرمیاہ میں تیسرے کتاب خرقیل میں ذوالقرنین رومی کے سونیدین کو۔ تورات کی ان دونوں مابعدہ والی کتابوں کے حوالوں نے اور شیعہ میں ڈال دیا ہے۔ وہ ان دونوں کتابوں والی ماجوج کو بھی دہی تکوین دے یا جوج سمجھے ہیں۔ چنانچہ باوجود اتنی بڑی تحقیقات کے مسٹر ٹینس کے ایسے فاضل نے بھی بلا فیصلہ و تمیز حوالہ کتاب تکوین کے ساتھ ایسے کتابوں والے حوالے بھی کیا نقل کر دئے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک تکوین والے ماجوج و ماجوج ہی دہی تھے جو بڑیاہ اور خرقیل کی کتابوں دے۔ ایسے کامل شخص سے ایسی ناقص تحقیق کس قدر تعجب انگیز ہے۔ ماجوج ابن یافث کا زمانہ کچھ اب یرمیاہ و خرقیل کا وقت تھا۔ دونوں زمانوں میں میرے نزدیک ڈھائی ہزار برسوں سے کم کا فاصلہ نہیں ہوگا۔ بہر حال۔ انھیں دونوں صحف انبیاء میں ان کے حالات دیکھ کر سکندر رومی کر ذوالقرنین کہنے والے لوگوں نے یہ رائے قائم کر لی کہ چونکہ یرمیاہ اور خرقیل کے زمانے سکندر رومی کے زمانے سے سو قریب اسلئے سکندر فریقوں کی تھیں اس قوم کے لوگوں کا ہی استیصال کیا۔ یا دیکھی یہ غلط فہمی ہے۔ کتاب یرمیاہ اور خرقیل میں جبکہ ذکر ہر قوم جوج ہو یا جوج نہیں جوج۔ تبرک ہی۔ یا جوج سچ لکھا۔ انکی عقاونکی خوبی کے سوا اور کیا بھی حوالہ دے۔ صحیفہ خرقیل میں قوم جوج کے مفصل حالات مندرج ہیں۔ (باب ۱۱۷) لکھا گیا ہے کہ ان حالات پر ہم نے قیامت ہوتا ہے کہ یہ قوم بخت نصر اور غارت بہت المقدس کا بعد شہرت پذیر ہوئی۔ اسکے قبل اسکا کہیں نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ انکا مسکن و موطن بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ یہ زمانہ طے ہوئے دادی اور کوستانی مقامات ثابت ہوئے ہیں۔ قوم جوج کے ساتھ تین متفرق قبیلہ اور طے جے ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ شاید وہ انکے خلیف۔ ہم عہد اور ہم اسل ہوں۔ چنانچہ کتاب خرقیل میں۔ خرقیل کا خدا فرماتا ہے۔ اسے آدم زاد۔ تو جوج

اصحاب الاحدود

قیصر کا یہ پیغام صلح تعصب کی آگ کو کچھ بھی سرد نہ کر سکا۔ اس وقت ذوالاس فرما نروا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے یہودیت کے پرچم پر تعصب کا یہ سبق شریعت کے یہودیوں سے لکھا تھا جس نے اسلام کو بھی کچھ کم و کثر نہیں دیا۔ رومی سو دگر تاجرانہ بین کے سوا اصل تک پہنچتے تھے۔ لیکن جہاں جہاں گزرتے تھے

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ کے مقابل جو مروج کی سرزمین کا ہے۔ اور روش اور ملک اور توہان کا سرور ہے اپنا مونہ کر اور اون کے خلاف نبوت کر۔ اور یہ کہہ کہ خداوند ہواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اس مروج۔ روش۔ ملک اور توہان کے سردار میں تیرا مخالف ہوں۔ (خرقل باب ۳۸ ایت ۱-۳) پہر باب ۳۹ ایت ۱۱ میں کہا جاتا ہے کہ اسی دن یہ ہو گا کہ میں وہاں اسرائیل میں مروج کو ایک گورستان دینگا۔ یعنی رہ گزروں کی وادی۔ جو کس قدر کے پورب میں۔ اس سے کہ گزروں کی راہ بند ہوگی اور وہ وہاں مروج اور اس کی جماعت کو کاڑھینگے اور اسے اس مروج کے دادی کہہ کہ پکاریں گے اور اس کا یہی نام رکھیں گے۔

ان عبارات سے موریان سکندر کا کوئی کام نہیں نکلا۔ بلکہ خلاف امید یا مروج قدیم سے اور ان سے نام۔ مقام۔ اور حالات و واقعات میں اختلاف کثیر ثابت ہو گیا۔ یا مروج قدیم کا نام بادخال۔ ہی۔ الف ہے۔ ان کا ترک۔ ہی۔ الف۔ صرف مروج لکھا ہے۔ ان کے بادشاہ کا نام مروج بتلایا گیا ہے۔ ان کے رہنے کا مقام مروج پایا جاتا ہے۔ وہ ملک مشرق اور منہاے مالک شرقیہ کے باشندے تھے۔ یہ منہاے مغرب شمال کے رہنے والے ثابت ہوتے ہیں۔

بیں تفاوت رہ از کجاست تا کجاست

وہ امم شرقیہ اولاد یا نشت ابن نوح کے ہمسایہ اور ہم دیار تھے۔ اور یہ بنی اسرائیل کے پڑوسی اور قبائل روشش۔ سک و غیرہ کے معین و حلیف۔ جن کے مسکن و موطن بیت المقدس اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ تھے اور ان سے ارض بابل اور رگستان نبیوالہ ترقیب اور ملے ہوئے تھے۔ وہ

عبداللہ بن عبدالمطلب نے ان کے معنی رذلت کے ہیں۔ عربی میں بھی اس کی یہی شکل و معنی ہے۔ یہودیوں نے ان کا حقارت کے سبب اون کے گورستان کو درنوح سے بنا بیٹھا دیا ہے۔ اولاد حیدر

اسباب سوداگری کے ساتھ عیسائیت کی سوغات بھی ساتھ ساتھ بانٹتے جاتے تھے۔ عیسائی راہب بھی مخصوص مقاصد کے ساتھ ملک میں دورہ کرتے تھے۔ پہلے انہوں نے عدن میں اور دوسری کوشش نے یمن میں جہاں پہلے شجر پرستی ہوتی تھی۔ عیسائیت نے برگ و بار پیدا کئے یورپ کے جو اب ہنگنڈے ہیں وہی پہلے بھی تھے۔ مذہبی اور سیاسی اغراض پر تجارت کا پردہ ہمیشہ ڈالا کئے ہیں۔ یہی پردہ اسوقت بھی ڈال

بقیہ عبارت حاشیہ زیر صفحہ گذشتہ - صحیفہ خزائن کے بیانات کے مطابق بنیت استیصال قوم بنی اسرائیل و غارت بیت المقدس فوج گراں لیکر چڑھ آئے تھے۔ اور اس ترک ادب خانہ خدا کے باعث معصوب و معقوب ہوئے۔ یہ قدیم قوم نہ کسی معبود الہی کو لٹیتی تھی اور نہ فوج لیکر کسی حکمران وقت یا بنی عصر پر چڑھ آتی تھی۔ ہاں وہ کاکش قوم قزاق تھی۔ اپنا جہر لیکر ہاٹوں پر سے دفعتاً اڑا آتی تھی۔ اور خدا کے اون نیک بندوں کو جن کا امن اور صلح پسندی لطیف شعار تھا۔ لٹیتی تھی۔ اونکو ستاتی تھی اور اونکے تمام مال و متاع کو لیجاتی تھی۔

اب ان تمام مرقومہ بالا اختلافات و اتفاقات کو دیکھ کر اور پڑھ کر بھی۔ کیا ہمارے فاضل معاصر یا اس خیال و رائے کا کوئی اور سلمان اب بھی ذوالقرنین قرآنی سے سکندر رومی کے مراد لئے جائے پر جرات کر سکے گا۔ میری ناقص رائے میں تو اسکو کی ایسا عقل سے محروم اور فہم سے مجبور نہ ہو گا کہ ایک ساعت کے لئے بھی ایسی غلط فہمی پر اعتبار و اصرار کرے میں مزید اطمینان کیلئے سٹر جارج سیل (Gorge Sale) مترجم قرآن کی عبارت حاشیہ کو ترجمہ کر کے ذیل میں لکھ دیتا ہوں جسکو انھوں نے اپنے ترجمہ میں روایات عرب پر پورا اعتبار کر کے اس قصہ کے متعلق لکھا ہے۔

ذوالقرنین یا دو سنگوں والا۔ عام طور سے مفسرین نے اس شخص سے سکندر اعظم مراد لیا ہے جسکو وہ اپنی زبان و محاورہ میں الاسکندر الرومی کہتے ہیں۔ جو فارس و یونان کا بادشاہ تھا۔ اسکی وجہ تسمیہ ذوالقرنین میں اختلاف کثیر ہے بعضوں کا قول ہے کہ یہ چونکہ شرق و غرب کا بادشاہ ہوا اسلئے ذوالقرنین کہلایا۔ یا (جیسا بعض کہتے ہیں) چونکہ اس نے منہائے مغرب اور منہائے مشرق تک فوج کشی کی۔ اسلئے ذوالقرنین کہا گیا۔ یا اسوجہ سے کہ اسکے تاج شاہی میں دو سنگوں کے نشان تھے۔ یا اسکے سر میں پیشانی کی دونوں جانب بالوں کی بناوٹ بالکل سنگوں سے مشابہ تھی۔ اور انھیں سب زیادہ قابل قبول یہ باعث بتلایا جاتا ہے کہ وہ صاحب جہات و شجاعت تھا۔ زمانہ حال کے محققین کی یہ رائے ہے کہ یہ ذوالقرنین اسوجہ سے کہلایا کہ اسکے سگوں میں اسکی شبیہ کے ساتھ دو سنگ بٹے ہوئے ہیں۔ اور یہ ویسے ہی ہیں جیسے جو پیٹر غموت کے سگوں میں ہیں۔ ایک وجہ وہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ حضرت دانیال نے اسکو (سکندر) مکر سے بے مشابہت دی تھی۔ مگر اون کی مشابہت میں صرف ایک سنگ والا اکرا پایا جس کا نام (دیکھو

رہتے تھے۔ ان تدابیر سے نجران میں عیسائیت کا مرکز قرار پا گیا تھا۔ یعنی رومیوں اور حبشیوں کی مذہبی و سیاسی امیدوں کا وہ مادی بنگیا تھا۔ چیمیری یہودی اسکودیکتے تھے اور وفور جوش سے بھرتے تھے۔ اتفاق وقت اشتعال طبع کیلئے ایک عجیب جیلہ پیدا ہو گیا۔ جو اب بھی نہایت کثیر الوقوع ہے۔ نجران میں ایک راہب عیسائی کا مکان تھا۔ ایک رطکا اوس راہ سے اکثر گذرتا تھا۔ راہب اوسکو راستہ میں ٹھہرا کر مذہبی

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ صیغہ دانیال باب ۵۔ آیت ۵۔ اوس بکرے کے دونوں آنکھوں کے بیچ ایک سیگہ تھا ان مفسرین کے علاوہ خاص اور بہتر طبقہ کے مفسرین و مولفین کی یہ رائے ہے کہ جس بادشاہ کی طرف اس آیت قرانی میں اشارہ ہے وہ سکندر یونانی نہیں بلکہ ایک دوسرا عظیم فرما روا سے کشور کا ہے۔ جسکا ہی نام اور لقب تھا۔ اور وہ فرما روا اسکندر رومی سے کہیں زیادہ قدیم اور پیشتر تھا۔ اور وہ جناب ابراہیمؑ کا ہمعصر تھا۔ اور کبوتر اول حکمران فارس کا بھی معاصر تھا۔ اور بعضوں نے اوسکو مین کا بادشاہ (اصعب ابن الزکریا) نامی تسلیم کیا ہے۔ اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ وہ خدا شناس بادشاہ تھا۔ مگر وہ نبیؐ تھا یا نہیں۔ یہ مسئلہ انہیں مشکوک ہے۔

یاجوج و ماجوج یا نٹ ابن نوح کی اولاد سے ظالم قوم تھی بعض محققین عرب کا مختار ہے کہ یاجوج و ماجوج کے ایک قبیلہ کا نام ہے اور ماجوج کی اولاد سے شہر گیلان (جیلان) کے باشندے ہیں جس کو قدیم مورخین روم نے بطلمیوس اور اسٹرابو نے گیلی (GELI) یا گیلیسی (GELIA) بتلایا ہے۔ ان کے طرز معاشرت یہ تھے کہ اس قوم کے پاس رہنے کے لئے نہ گھر تھے اور نہ پہننے کے لئے کپڑے۔ اون کے اطراف میں کسی مکان کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ وہ زمین میں جانوروں کی طرح ماند کودتے تھے اور اسی میں رہتے تھے۔ رکتہ رومی کے وقت میں ماند کود کر رہنے والی انسانی قوموں کا کہیں نام نشان بھی نہیں ملتا تھا (اور ان میں بھی صرف آفتاب کی تازت سے بچنے کی غرض سے چھپ رہے تھے۔ صاحب تفسیر صفاوی کے خیال میں یہ اگر زمانہ کے رہنے والے تھے۔ جو ملک حبش کے مغربی اور جنوبی سمت میں واقع ہے۔ میری رائے (جارج سیل) میں تراکولوداٹیس (Troglodytes) قسم و قوم کے لوگ تھے۔

ان کی آزار رسانی کی کہانی یہ ہے کہ یہ وحشی قوم دفعتاً اپنی ہمسایہ قوموں پر جہاں پا کر کرتی تھیں۔ اون کے یہ حملے موسم بہار میں مخصوص ہوا کرتے تھے۔ اور ان کی سبب پیداوار۔ مالی و متاع اوٹھا لیجا کر لے جاتے تھے بعضوں نے تو انہیں مرد خوار بھی یقین کیا ہے۔ صفاوی (جن دو پہاڑوں کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے اور جن کے درمیان

تعلیم کاروں کوئی نہ کوئی سبق دیا کرتا تھا جب عام لوگوں کو معلوم ہوا تو طبعاً برا فرد خستہ ہوئے اور ایک عظیم الشان نقشہ کے مواد فراہم ہو گئے۔

دونوں سنگر آگ بگولا ہو گیا۔ تھان پہنچا۔ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ شہر کا محاصرہ کر لیا گیا جب شہر فتح ہوا تو گڈھوں میں آگ دھکائی اور ایک ایک کر کے عیسائیوں کو کھڑے کھڑے جلایا جس سے یہودیت کے قبول سے انکار کیا۔ اوسکو نذر آتش کیا۔ قرآن میں اصحاب الاخذود کے نام سے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تقسیم جہا نشیہ چار ستار پرین جھنگ گڈ شہ۔ دیوار بنائی گئی تھی اور ذوالقرنین نے اس ترکیب سے یا جوج و یا جوج کے حالات کی راہروں کی تھی وہ ایشیا اور آذربائیجان کے درمیانی علاقہ میں واقع ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ شہر تہی ترکستان کے منتر سے حدود پر واقع ہیں۔ اس امر کے تصدیق کے لئے خلیفہ ولید ابن عبدالملک نے ایک عربیاج اور مصنفی کو اس دیوار شہر کی مشاہدہ کرنے اور اس کے مفصل حالات لکھنے کیلئے خاص کر مامور کیا تھا وہ ترکستان میں جا کر اوس کے پورے حالات لکھ لایا۔ اس سیاح کے حالات سفر ڈی ہرپوٹار D. Herodotus

کی کتاب میں اور مینٹ آرٹ Bible orient Art Gogioe میں مرقوم ہیں۔ ذوالقرنین نے جو حکم خدا پہنچا کر کیا۔ قرآن مجید نے اس ظالم قوم کی جزا و سزا کا اختیار ذوالقرنین کو عطا کر دیا تھا۔ خواہ وہ اون کو اون کی کفر شعار کی سسز میں تباہ و برباد کر دیتا۔ یا اون کو خدا کی راہ راست پر لانے کی کوشش اور ہدایت کرتا۔ یا جیسا بعضوں کی رائے ہے کہ خدا نے ذوالقرنین کے ہاتھوں میں اون کا انجام دے رکھا تھا۔ چاہے وہ انھیں تلواروں سے پارہ پارہ کر دے یا اون کو قید کر کے لوندی غلام بنا دے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ الہامی۔ پہلے مہینوں کے تو یہ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی باعث سے ذوالقرنین نے ایک معتدلانہ طریقہ اختیار کیا۔ ان لوگوں کو اس نے خدا کی شریعت کی طرف بلایا۔ چوائے وہ پیچھے رہے جنہوں نے نافرمانی کی سزا پائی اور قتل ہو گئے۔

سڈ ذوالقرنین کی نسبت مسٹر سل لکھتے ہیں تفسیر کا بیان ہے کہ یہ سڈ اس طرح بنائی گئی کہ اسکی بنیادیں اس قدر گہری گہری گئیں کہ پانی نکل آیا۔ سب اونہوں نے پتھر پتیل گلا گلا کر ان بنیادوں میں جوڑ دیے بنیادیں پہلے پہلے بڑے بڑے واسے جو سے کھڑے سکے اور اسکے درمیان پتھر کوئلے کی بڑی بڑی چٹانوں اور ٹکڑی کے ٹکڑے بٹے ٹکڑے اور بوٹوں کی جڑائی کر دی۔ پھر اوپر بہت زیادہ مقدار میں لوہے اور پتیل کا انبار لگا کر نیچے سے اچھیں آگ لگا دی۔ آگ کے شعلوں کی گرمی سے وہ تمام لوہا و پتیل گہری گہری کر دی۔ نیچے تک دیوار کی اونچائی میں جو دونوں پہاڑوں کی اونچائی کے برابر تھی پتیل گیا اور ٹکڑی کے بوٹوں اور پتھر کوئلوں کی جگہ سہا سہا کر جم گیا۔

قَتَلَ أَصْحَابُ الْكَافَرِ وَالنَّافِرَاتِ الْكَافِرَاتِ
عَلَيْهَا قَعُودٌ وَهُمْ عَلَى مَا يَفْسُلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ
شَهْرٌ مَا لَقُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ
الْغَنِيِّ الْكَافِرِ (بروج)

مارے جا رہے ہوں واسے کہ گڑھے بہر کتنی آگ تھیں۔ جب وہ
انپر بیٹھے تھے۔ اور (پچھے) مومنوں کے ساتھ جو ظلم کر رہے تھے
اور سرخرو گواہ تھے۔ ان مومنوں میں سے جو اس کے گواہ اور قصور نہ تھا
کہ وہ خدا سے محبت نہ کرے اور ایمان لائے تھے۔ (سورہ بروج)

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین ص ۱۲۱ و ۱۲۰ اس طرح تمام دیواریں لوہا اور پتیل گھل کر اور حکم دیوار کی دیوار ہو گئی اور
پتیل کا پھاڑ لگائی۔ بعضوں کا قول ہے کہ نہیں۔ پتیل پتھر کی پوری چیزائی کر دی گئی پھر اوپر سے لوہا اور پتیل گھل کر
تمام دیوار میں پلا دیا گیا۔ (بعضیوں کی) ترجمہ قرآن۔ سطر سیل۔ طبع اول۔ سورہ بروج ص ۱۱۵ و ۱۱۶

عبارت مذکورہ بالا جو حضرت روایات عرب سے ماخوذ و مستند ہے وہ ایک سو پور و پین تحقیق کے دست و قلم کی گواہی
ہوئی ہے۔ اور پور و پین تحقیق کے کچھ قلم برداشتہ اس کی نقل ہی نہیں کر دی ہے۔ بلکہ اس کے اکثر مضامین کا تحقیق
حال کے معیار پر چاہا ہے اور مطالعت کے حوالے ہی دے گئے ہیں۔ ذوالقرنین کی مسکنہ روئی کے ساتھ خصوصیت
اور اس کے متعلق حضرت وانیال والی کبر سے کی عبارت اور ایک سیکنگ اور دو سیکنگ والی مشہور تاشلیت و شہادت
کی پورے طور سے تفسیر و تردید کر دی ہے اس پور و پین مترجم کی مذکورہ بالا عبارت سے ذوالقرنین کی تفصیل
تفصیل اس کے روئی کے ساتھ بالکل غلط تادیل ثابت ہو گئی ہے جس کو ہمارے فی فضل دعا حضرت بلات تحقیق
تفیش حقیقت اپنا مختار قرار دیا ہے۔ اور ایسے مسلم الشہادت واقعہ کو محض افسانہ خیال کر لیا ہے۔ ہمارے
مذہب بالا مضامین تنقید نے پوری تفصیل سے ثابت کر دیا ہے کہ اس واقعہ کو جس طرح قرآن مجید اس کے
ذی علم مفسرین اور عرب کے قابل محققین و مورخین نے بتلایا ہے۔ وہ بالکل حقیقت اور واقعیت پر مشتمل ہے
اور اہم سابقہ اور مذکورہ ماضیہ کے احسن القصص میں داخل ہے۔ انتہائی درست و مستحکم ہے نہ خیالی افسانہ زمانہ
جدید کے متعصب مستشرقین پورے قدیم روئی اور یونانی مؤلفین کی افسانہ منشیہ اور غیر ماؤس تحقیق کے شہادت
اور مقلد اول تو اس کو لکھتے نہیں اور تیسرے ان پر غرضی اور غیر واقع قصص و حکایات بیان کرنے کا جڑا الزام
تاکم کرتے ہیں۔ اور اگر لکھتے ہیں تو خود غرضی اور تعصب مذہبی سے عرب کی قصص و حقیقت اور قوامیت کو
یونان و روم کی مفاخرت کا تمنا بناتے ہیں اور اپنی اس خود غرضانہ عالم فریبوں کی تحقیق جس پر
طبع کا تاج پہنا کر۔ روایات قدیمہ و صحیحہ عرب کو مٹاتے ہیں۔ ان کے انجیل۔ یہاں اور ہم مذہب چاہی
ان کو ان مفسرانہ اور مغربانہ شمار کی جتنی تائید نہ کریں وہ ان کے منہرجات انسانی کو الہامات ربانی نہ

قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ اُسے کُل لوگوں کو جلا دیا اور شہر کو بے نشان کر دیا۔ لیکن کتب و اخبار و تفسیر کی عام روایات میں مذکور ہے کہ تمام آبادی خاکستر ہو گئی لیکن یہ صحیح نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بخران میں عیسائی آبادی موجود تھی۔ وہاں دعاۃ اسلام بھیجے گئے ہیں۔ بخران سے دور اسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کیلئے

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ سمجھیں۔ ہم کو اس سے نہ بحث ہے نہ اعتراض ہے۔ افسوس ہے تو ان

اہل اسلام پر۔ جو باوجود دعویٰ بصیرت اور رابطہ عقیدت کے۔ نہایت آسانی سے مخالفین اسلام کے ان ظاہری اور نمائشی گمراہ کن تحقیقات پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اس عالم وارتنگی میں اپنے محدثین و مفسرین اور مورخین پر بسا اختہ کذب بیانی کا الزام و جرم لگاتے ہیں۔ ہمارے فاضل معاصرین تو اس بحث میں مستشرقین کی غلط آرائی کی تقلید و تاب میں اپنی ذہنی نشانی یہاں تک دکھائی ہے کہ سلسلہ حمیریہ سے صعب بن الراش الملقب بہ ذوالقرنین کا نام ہی نکال دیا۔ (ملاحظہ ہو فرست سلاطین سلسلہ حمیریہ مندرجہ اول القرآن جلد اول ص ۲۸۶) حالانکہ عربی کی کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے جس میں سلسلہ حمیریہ کی فرست ملک دی ہو۔ اور اُس میں ذوالقرنین کا نام نہ ہو۔ کیوں؟ صرف مستشرقین یورپ کی تقلید۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی تالیفات میں نہیں لکھا کہ یہ کیسے کہیں۔ مگر ہمارے فاضل محقق کو سکوت سے پہلے اسکی علت دریافت کر لینی تھی۔ کہ یورپین تالیفات میں عام طور سے اس واقعہ کے سقوط کا کیا باعث ہے اور وہ بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اوکے متقدمین و مؤلفین ردود یونان نے جن کے وہ ذکر کیا اور جو شہر ہیں۔ اس واقعہ کو نہیں لکھا ہے۔ پر رد کیونکر لکھیں۔ مگر ان کے برعکس آپ کے ہاں تو بتواتر تو اس قصہ کی تفصیل و تشریح موجود ہے۔ یہ آپ اسے کیونکر مرفوع القلم کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ نے مستشرقین یورپ کی تقلیدانہ اور موبدانہ ذہنی نشانی کے خاص عالم میں محو ہو کر اپنے مفسرین

علیہ ہمارے فاضل معاصر کا سارا غصہ و موزین عرب پر ہے اور مفسرین قرآن پر۔ جو ٹے ہیں تو وہ ناقابل اعتبار ہیں تو وہ چنانچہ صحابہ الاخود کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کیساتھ انکی ساری بستی ہی جلا دی گئی تھی۔ فاضل معاصر کو عتاب لگ گیا جس میں انکی غیر عبادت سے خطاب کیا گیا ہے وہ یہ کہ یہ صحیح نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بخران کی آبادی موجود تھی۔ دعاۃ اسلام وہاں بھیجے گئے ہیں۔ بخران سے دور اسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے آئے تھے۔ پر رد ایک فقرہ کے بعد خدا جانے ولیم کیا خیال آگیا تو لکھتے ہیں ممکن ہو کہ حبشیوں کی ہتھیار سال سلطنت میں پر رد بارہ آباد ہو اہو۔ انصاف کے لئے یہ کوئی طرز تحریر ہی اور سیاق تحقیقی ہے جو جہی آپ ہی فرماتے ہیں اور تعدیل ہی آپ ہی۔ اعتراض ہی ہو تا ہو پر تاویل ہی کی جاتی ہے۔ آپ تالیف تصنیف خصوصاً تحقیق و تنقیح کا کام کرنے اٹھتے ہیں تو پہلے شمع جو اس قبلیہ قلبیہ ترکین دماغ تو فرمالیں۔ یہاں تو بات بات میں۔ تلون۔ ذہول۔ دور اور تعدد فی الکلام آجاتا ہے۔ آپ کے اس طریقہ تنقید سے اسلامی مورخین و مفسرین کی تکذیب تو ہو سکے گی۔ بلکہ آپ ہی کی تصحیک لازم آئے گی۔ المولف اولاد حیدر

آئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق کے عہد میں۔ یہاں کے نصاریٰ سے دو گونہ صدقات وصول ہوئے ہیں۔ یا ممکن ہے کہ حبشی عیسائیوں کی مقتاد سالہ عہد میں پہرہ بارہ آیا ہو یا ہو۔

اس واقعہ کو عیسائیوں نے بھی یاد رکھا ہے۔ اسی عہد میں شام کے عیسائی اس قصہ کو قید تحریر میں لائے ہیں۔ ان کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے جس میں یقیناً بعض تاریخی غلطیاں بھی ہیں۔ جاڑے کے سبب سے اہل حبش اپنا نائبین میں بھیج سکے۔ ذوالواس نے حکومت غصب کر لی اور عیسائیوں کو مذہب کی خاطر بہت دکھ دیا۔ علاوہ ازیں نجران پر فوج حبشی اور خلافت وعدہ شہر قیضہ کر لینے کے بعد باایمان عیسائیوں کو آگ اور تلوار سے برباد کر دیا۔ (ISLAM (ENCYCLOPEDIA OF

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ محدثین اور مورخین کے تمام مکاشفات کو القفا کر دیا۔ اور فہرست سلاطین حمیر

کو جو عربی تاریخوں میں مرقوم ہے۔ ساقط الاعتبار اور بیکار سمجھ لیا۔ اور اس کی جگہ مستشرقین یورپ کی وہ تیار کردہ فہرست جو انہوں نے ادبیات اتر کے اصول پر تیار و مرتب کی ہے۔ اپنی کتاب میں جب کا نام مخصوص طور پر ارض القرآن رکھا گیا ہے۔ داخل کر دیا۔ حالانکہ ہر دیکھنے والا دیکھتے ہی فوراً حیرت میں پڑ جائیگا کہ ارض القرآن کو دار اکبر یورپ اور بلاد غیر اسلامیہ کے اثریات سے اثر پذیر اور دامنگیر ہونا کیا معنی۔ ہمارے فاضل معاصر کا فہرست سے صاحب بن الراش۔ ذوالقرنین یمنی کے نام کا اسقاط تمام اہل اسلام کی آنکھوں میں ایک شرمناک فروگزاشت بن کر نکلتا ہے۔ اور ایک مولف و محقق کی شان پر علی الاعلان استخفاف و اقصیت کا الزام لگتا ہے۔ زمانہ حال کے محققین مشاہدات کے عموماً طالب ہوتے ہیں اور ہر امر کی تحقیق میں تمثیلات، ظاہریہ کی متلاشی۔ اس واقعہ کے متعلق دیوار بنائے کے حالات دیکھ کر انہوں نے اسکندر رومی کے سراسمندیہ کا نو بودہ تمثیل و مشاہدہ سے گویا دونوں دلیلوں کو مار نظر رکھ کر۔ اس کے ذوالقرنین ہونے کے شبہ کو اور قوی کر لیا ہے۔ حالانکہ سلسلہ ملوک سبا میں جس میں بنی حمیر ایک برومند اور نہایت شاداب شاخ ثابت ہوتی ہے اور جس کا سرسید اصعب ابن الراش۔ ذوالقرنین یمنی ثابت ہوتا ہے۔ ایسی دیواروں کے بنائے کا قدیم لایام سے دستور اور قاعدہ جاری تھا۔ غالباً اس منہست تعبیر کے یہی موجب بھی ثابت ہوتے ہیں۔ ستر عزم اور مار سبا کے حالات خود فاضل معاصر نے نہایت تفصیل سے اسی کتاب میں ادبیات اور اثریات دونوں طریقوں کے ثبوت و شہود سے نقل فرمائے ہیں اس بنا پر پہلے ذوالقرنین یمنی پر تعبیر سد کی ذیل قایم ہوئے گی تب ذوالقرنین رومی پر اسکا اطلاق کیا جائے گا کیونکہ ذوالقرنین یمنی روایتاً اور درایتاً۔ دونوں طریقوں سے جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ذوالقرنین رومی سے قدیم تر ثابت ہوتا ہے۔

سب سے حبش

یا

اصحاب الفضل

دونوں اس جس کی طرف قرآن کے الہامی الفاظ نے بھی اشارہ کیا ہے اور جس کا مفصل احوال اوپر بیان ہو چکا ہے ایک متعصب یہودی تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ارتازر کینز اؤکس نے (Artaxerxius) چند یہودیوں کو قید کر کے شہر مرقانیہ (مازندران) میں بھیج دیا تھا۔ چونکہ دونوں اس یہودی تھا اسلئے اسکے عملات سے دونوں اس

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ مشاہدہ تمثیلی کی بحث تو تمام ہو چکی اب مشاہدہ واقعات کی طرف غور کیا جائے تو سید اسکندر کے قریب موجود زمانہ میں کسی قوم و قبائل کے باشندوں میں ان قدیم الایام کے طریقہ عبادت۔ تمدن و معاشرت کے کوئی اخبار و آثار۔ جن کے حالات و علامات ہمارے عربی مفسرین اور مؤرخین نے بتلائے ہیں۔ نہیں پاسکے جاتے۔ ان کے برخلاف۔ اس سبب مشرقیہ کے اس پار رہنے والی قوموں میں۔ جن کو موجودہ زمانہ کی زبان و محاورہ میں لائق کہتے ہیں قدامت کے تمام آثار و نشانات آج تک موجود ہیں۔ ان کے لباس۔ وضع و قماش۔ تمدن و معاشرت۔ مذہب۔ طریقہ عبادت۔ غرض تمام انداز اور طریقہ سے قدامت۔ سابقیت اور اصلیت چمکتی ہے۔ وہ ابھی تک نہایت صلیب پسند۔ آزادروش۔ اور بے آزار و غیر سرور کا قوم تسلیم کی جاتی ہے اور اسکے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی اسی قدیم شریعت اور طریقہ عبادت پر۔ خواہ وہ کیسا ہی بے اصل اور بطل طریقہ نہ ثابت ہوتا ہو آج تک اسی استحکام و استقلال سے قائم و برقرار پائے جاتے ہیں تو ان مشاہدات حاضرہ اور تمثیلات موجودہ کے مقابلہ میں بھی روایات عرب کے جوئے انسان کے جانے پر اصرار کیا جائیگا۔ اور کیا اب ہی ان قوموں کو ظالم قوموں کے پنجے سے چڑائیو الا اور ان کے گرد و نواح میں اس قدیم دیوار کا بنانیوالا۔ سکندر رومی کو بتلایا جائیگا جو مشرقی ممالک میں اور ان کے علاقوں میں کہاں تک۔ ہندوستان میں دریائے گھاگرا سے اپنے قدم آگے نہ بڑھا سکا۔ فافہم قندبر

ذوالقرنین کی داستان اور افسانہ کی حقیقت بیان اور واقعیت کی اصلی شان ثابت کر کے اب ہم فاضل معاصر کے دوسرے افسانوں کی حقیقت کا پورا انکشاف کرتے ہیں۔

فتح افریقہ۔ ہمارے لائق محقق کے طرز تحریر میں یہ ادا نہایت ہی قابل تعریف ثابت ہوتی ہے کہ جس پر جوشی اور سرگرمی

کی سلطنت کو بھی سخت صدمہ پہنچا۔ ایک تو دونوں اس کی ظالمانہ حرکت دوسرے اسکے زوال قوت عیسائی حبشی ملک کو مصر کو اوسپر غلبہ پا جانے کا پورا موقع دیدیا۔ حبشی چڑھ آئے۔ اور اس کو ملک سے نکال دیا۔ یہ واقعہ ۳۵۰ ق م میں واقع ہوا۔ اس زمانہ سے جناب ختمی مابین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت تک نو سو برس ہوتے ہیں اس درمیان میں افریقہ کی قوموں کی جو ارباط عہدہ کھلاتے تھے۔ اور نیز بعض عرب المستعربہ کی اور اریانیوں کی سلطنت رہی۔ ابوالفدا ابی سعید مغربی کی کتاب تاریخ بیت المقدس ان سلاطین کے متعلق لکھتا ہے۔

بقیہ حاشیہ زیر صنف گذشتہ۔ سے اعتراض و تردید کی شمشیر قلم علم کی جاتی ہے۔ اوسی تمکنت اور شان سے ایک دوسری نوری خیال ہو جانے پر سپر اندازی ہو کر دی جاتی ہے۔ یہ طریقہ تحریر جہاں تک خوش نما اور لائق تعریف نہ سمجھا جاسکے وہ دوسری بات ہے مگر اس سے آپ کے تلون اور ضعف مختار کے ہی کامل ثبوت و آثار ظاہر و آشکار ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اعتراض کرنے کو اعتراض تو کر دیتے ہیں۔ مگر اپنے اعتراض کا ضعف اور اصل واقعہ کی حقیقت آپ کے دلیس ضرور چھپی رہتی ہے۔ اور اسی طرز خاص سے آپ کے یہ تباہی پورا لجا تا ہے کہ حقیقت میں عربی روایات پر آپ کے یہ اعتراض خاص آپ کے پیدا اور وار کے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ مخالفین اسلام کے بتلائے اور ان کی کتابوں سے نقل فرمائے ہوئے ہیں اور حقیقت میں وہ صداقت و صحت سے مستقر خیالی ہیں کہ بالآخر آپ کو سپر انداز ہونا پڑتا ہے۔ تمثیل کے لئے ملاحظہ ہو کس شد و مد سے لکھا جاتا ہے۔ ایک مجمع بر اعظم افریقہ کا قانع ہے۔ پھر اسی میں ۲۹ میں کل پانچ سطروں کے بعد تحریر فرمایا جاتا ہے۔ افریقہ کا بیان ایک حد تک صحیح ہے۔ اب اپنی دونوں تحریر کردہ عبارتوں کو ملا یا جائے اور بتلایا جاوے۔ کہ جب ایک حد تک اسکی صحت کا علم آپ کو موجود تھا تو تاحی اعتراض کرنے کی ضرورت۔ اسی سے معلوم ہو گیا کہ وہ نقل کی بوجہ ہی تھی اور یہ عقل کا حکم جب آپ نے اسکی صحت کو خود تسلیم کر لیا۔ تو اب ہم کو اس کی تفصیل و تنقیح کی ضرورت باقی نہیں رہی فتح چین و ترکستان کے متعلق آپ کا مذاق یا ابن خلدون کی مہنسی ہی نوچے بے سبب ہے۔ کیوں ہمارے فاضل و محقق صاحب۔ ابن خلدون ایک عربی مؤرخ ہے اسکے قول پر اعتبار کرنا تو آپ کے موجودہ معیار تحقیق اور شعائرالیف کے بالکل منافی اور مخالف ہے۔ مگر بات یہ ہے آپ کے تلون کی ادا و تکا نہ کوئی شمار ہے نہ کوئی حد۔ جس وقت جبہ نگاہ لطف ہو گئی ہے وہی دلپسند ہو گیا اور وہی دلنشین بہر حال فتح ترکستان و چین پر آپ کے ابن خلدون صاحب مہنسی اوڑھتے ہیں اور آپ ہی اونکے ساتھ قحطے لگاتے ہیں۔ بہتر خدا آپ دونوں کو خوش رکھے۔ مگر قلیضہ کو اقلیہ و لیسکو اکثریہ پر ہی نظر ہے۔ ہاں۔ ابن خلدون سے زیادہ قدیم اور وسیع النظر عربی مؤرخ مسعودی صاحب اور ادن سے پیشتر ابن حوقل صاحب بغدادی کیا فرماتے ہیں اور ان فتوحات کے متعلق اپنے چشم دید واقعات و مشاہدات کیا بتلا گئے ہیں کیا وہ ایک ابن خلدون کے جو متاخرین مورخین میں ہے۔ قول اعداد سے ناقابل اعتماد ہو جائینگے۔ اور چونکہ وہ آپ کی غلط فہمیوں کے مؤید ہیں اسلئے آپ تنہا اونکے قول پر استدلال فرمائینگے۔ یہ آپ کا استدلال کہ انچوس نیگوم بیان عاوردہ است اصولاً استدلال نہیں کہنا سکتا۔ اور کوئی عقل والا اسکو ایک ساعت کے لئے بھی قبول نہ کرے گا۔ اب اس امر میں اپنی غلط فہمی کی تصویر کا دوسرا

ان الحبشة استولى اوعلى اليمن بعد ذى جند الحميري المذكور وكان اول من ملك اليمن من الحبشة ابن اظثم ملك بعد ابرص الاشرم صاحب الفضل الذي قصد مكة ثم ملك بعد ايكسوم ثم ملك بعده مسروق ابن ابرص وهو اخو من ملك اليمن الحميري وملكها سيف بن ذي يزن الحميري (البلد المند)	ذی جند حمیری کے بعد قوم حبشہ نے یمن پر قبضہ کر لیا جس شخص نے ملک یمن پر سب سے پہلے قبضہ کیا وہ ابراط تھا۔ اسکے بعد ابرص الاشرم جو صاحب الفضل مشہور ہے اور جس نے کعبہ کے انہدام کا قصد کیا تھا۔ بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد ایکسوم بادشاہ ہوا۔ ایکسوم کے بعد مسروق بادشاہ ہوا۔ اور ہی مسروق یمن میں حبشیوں کا آخری بادشاہ ہوا۔ پھر اسکے بعد یمن کی سلطنت خاندان حمیری کی طرف آئی۔ اور یمن بن ذی یزن الحمیری یمن کا بادشاہ ہوا۔
---	--

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ رُخ ملاحظہ فرمایا جائے۔ ذوالقرنین کی رومی کا بلاد مشرقیہ میں ہندوستان سے آگے
بڑھنا تو کسی تاریخ سے ثابت نہیں۔ پیر گریٹ چین وال (Great China Wall) کس نے بنائی۔ یورپین مورخین بھی اس
کو سکندر کی تعمیر نہیں بتلاتے۔ بلکہ او سکے ڈیڑ سو برس بعد کی عمارت منسوب کرتے ہیں۔ Beeton's Hist. & Geogr. Dict.
p. 454
مگر خلاف ان کے عرب کے قدیم و جدید مورخین و محققین یک زبان ہو کر برابر لکھتے اور بتلاتے آتے ہیں کہ یہ دیوار ذوالقرنین یعنی کی بنا کردہ ہو۔ جس کا ذکر
قرآن مجید میں آیا ہے اور جو حضرت مسیح سے ہزار بارہ سو برس پیشتر تھا۔ جس کو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم روادع عرب اور اون کی روایات کو
نافی اعتبار سمجھیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اون کی مخالفت پاری مشرقین یورپ کو اس زمانہ قدیم میں نہ اس فرمانروا سے یمن کے حالات کے معلوم
کر سکیں کہ ان کی ذریعہ تدارک اوس کی ملک گیری کے واقعات اور اس کی تعمیرات کا۔ پھر ایک سنجیدہ اور عقل سلیم رکھنے والا شخص کیسے اون کے اقوال کو
مورخین و محققین عرب کے شمار پر ترجیح دیکھتا ہے جو اس ملک کے قدیم رہنے والے۔ اوس فرمانروا کے ہم اصل او ہم نسل ہونے کا پورا حق
رکھتے تھے۔ ملک یمن کی دیوار عظیم الشان علی الاعلان آج تک زبان حال سے شہادت دے رہی ہے کہ عربی مورخین و محققین کے قول کے
مطابق ذوالقرنین یعنی احمد حبش لائش بلاد مشرقیہ کے ان انتہائی حد و تک آیا۔ اور اوس نے ظلمہ ترکستان چین و تبت کو مغلوب اور اون کے
ممالک کو مفتوح فرمایا۔ اور پھر اون کے آئندہ استغفار و اطمینان کے لیے یہ سدا فایم کر دی۔ ان مشاہد متواترہ اور شواہد مشکاکثرہ کے مقابلہ
میں۔ تنہا آپ یا ابن خلدون کا انکار کہی منسید کار اور قابل اعتبار نہ ہوگا۔

لفظ سمرقند کی توضیح۔ فاضل معاصر اس لفظ کے متعلق لکھتے ہیں۔ سمر عرش کی تیغ کشا عرب سے ترکستان تک بلند ہو کر ایک
شہر کو دیان کر دیتی ہے۔ اور اس کا نام سمر کند پڑتا ہے۔ یعنی شمر نے اوسکی بیچ و بنیاد کو دو ڈالی۔ صرف لفظ کا کھیل ہے۔ "کند" کو فارسی
لفظ (مصدر) کنن سے مشتق سمجھا۔ حالانکہ قدیم ترکستانی زبان میں "کند" شہر کو کہتے ہیں۔ سمر کند۔ "خوگند" ترکستان کا زبان
بڑا نام اسلام فارسی ہو گئی تھی۔ لیکن شمر عرش کے زمانہ میں تو فارسی نہ تھی۔ جو کند فارسی کندن سے مانو ہوتا۔

ہم کو رہ کے تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے اس فاضل کے ان نظریات کو کیا کہا جاوے۔ آیا یہ تنقید ہے یا نزاع لفظی۔ اگر اسی نزاع

مشرقی مورخین نے یہاں بھی ارباط اور ابرہہ کو دو جداگانہ شخص خیال کر کے لکھ دیا ہے کہ اتنے زمانے میں صرف دو ہی شخص بادشاہ ہوئے۔ حالانکہ ارباط و ابرہہ ان کے قوم و قبائل کے امتیازی القاب ہیں۔ اور ان بادشاہوں کے نام کے ساتھ امتیاز خاندانی کی ضرورت سے ضم کئے جاتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی محققین کا اتفاق ہے کہ سلاطین ابرہہ سے ایک بادشاہ کا نام اشترم تھا جو زیادہ تر صاحب الفیل کے نام سے لکھا جاتا ہے۔ اس نے کہ معطر سنہ ۶۵۸ء میں جرمانی کی تھی۔ یہ بہت سے ہاتھی اپنے ساتھ لایا تھا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کرادے۔ اسکے پوتے مشروق کو سیف بن ذی یزن حمیری نے سلطنت سے بیدخل کر دیا۔ اس کے بعد ابرہہ کا خاندان شاہی ختم ہو گیا۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ لفظی اور بات کی پکڑ کا نام محققانہ تنقید اور مورخانہ تنقیح ہے تو کچھ بحثی اور ہٹ دھرمی کس کو کہیں گے۔ استفراش۔ آپ کی تحقیق کا خاص مدعا تو ان تمام خارج از بحث خاصہ فرسائی سے وہی مستشرقین یورپ کی تقلید اور عربی مورخین و مفسرین کی تغلیط و تردید ہے مگر انہوں نے آپ کو اپنے اس غلط فہمانہ ارادے میں سرمو کامیابی حاصل ہوتی نظر نہیں آتی۔ ہمارے مندرجہ مضامین تنقید عربی مورخین کی صحت بیانات کو تمام دلائل و قرائن سے ثابت کرتے آئے ہیں اور آپ کے قیاسی اور خیالی مندرجات کو باطل۔ جیسا کہ اوپر کی عبارت سے ظاہر ہے۔ نہایت عبرت اور حسرت کا مقام ہے کہ اس لفظ کے متعلق ہی آپ کے انکار کی وہی صورت ہے۔ یہاں آتش در کاس بکند تھا یا حقیقت میں گند تھا جیسا آپ تجویز فرماتے ہیں۔ اس مرکزی اختلاف کے بحث کو ابھی توڑ ہی دیر کے لئے کر دیجئے۔ اصل لفظ سمرزنگاہ ڈالئے غور کیجئے۔ اور بتلایئے کہ اگر قول عرب کے مطابق یہ لفظ شمر نہیں ہے۔ تو پھر ترکی زبان میں یہ کون لفظ تھا اور اسکے کیا معنی تھے۔ قرینہ بتلادہا ہے کہ شمر کے ایسا یہی ترکستانی زبان میں کسی شخص خاص کا نام ضرور ہو گا جیسا کہ بہت سے آپ کا شمر گند مشہور کیا گیا ہے۔ مگر انہوں نے کہ آپ نے اسکی نسبت کچھ نہ لکھا۔ اسلئے ناواقفیکہ آپ شاید تاریخچی سے اس لفظ کے خاص ترکستانی ہونیکا کمال ثبوت نہ دیں گے۔ آپ کی اس ہندی کی چند ہی کو کوئی انہیں مان سکتا۔ بلکہ بخلاف آپ کے عربی مورخین کے بتلادے ہوئے سمرقند کو جو ان کے متواتر روایات سے ثابت ہے۔ نہایت آسانی سے قبول کر لیگا۔ اب گند اور گند کی بحث کی طرف آئیے بات یہ ہے کہ جب تک شمر اور سمر کا تصفیہ نہ فرمالیں گے۔ جیسا اوپر آپ سے مطالبہ کیا گیا ہے اور وقت تک گند اور گند کی تسبیح آپ کے مدعا کی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہم کہتے ہیں کہ عربوں کا بتلایا ہوا گند ٹھیک تھا۔ بعد میں ترکوں نے اسکو اپنی زبان کے تلفظ میں گند بنا لیا۔ آپ میرزا اس تعدیل کی کہ پھر تردید کر سکتے ہیں ہا حق ابرہہ انکم ان گندم صا دقین اگر آپ سچے ہیں تو کوئی دلیل لائیے۔ زبانی۔ قیاسی اور خیالی اندازوں کا نہ کوئی وزن و اعتبار ہو اسہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہمارے فاضل معاصر کا یہ کہنا کہ اس وقت تک فارسی ترکستان کی زبان ہوئی ہی نہیں تھی۔ یہ گند آیا تو کہاں سے۔ یہی صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ ہندوستان۔ ایران اور انگلستان تین مختلف ممالک ہیں۔ اور ان میں ہزاروں سال کا قیما بہین فاصلہ ہے۔ اونچے تمام امور۔ تمدن۔ تہذیب۔ معاشرت۔ قومیت وغیرہ متاثرہ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ مگر باوجود اتنی اختلاف کشیدہ

سیف ابن ذی یزن حمیری کو اپنی آبائی سلطنت کیسے ملی؟ واقعہ یہ ہے کہ ہمیشہ سے سیف بنی یزن کے ولیم اپنی خاندانی سلطنت واپس لینے کی غمیر متحمل اور مستعمل خوارش و تاشقی۔ اس ارادے سے وہ باوشو روم کے پاس گیا۔ اور اس سے انداد کا طالب ہوا۔ انتظار استمداد میں اس کے دس برس کامل صرف ہو گئے۔ اور کچھ کشود کا رہا۔ آخر یاس ہو کر کسرے نوشیروان کے دربار میں پہنچا۔ اور ملک کی درخواست کی۔ کسری نے اس کی استدعا منظور کی۔ ایک چراغ شکر تیار کر کے اس کے ہمراہ کر دیا۔ اسی شکر کی قوت سے سیف ابن ذی یزن نے اپنے حریف ابرہہ کو شکست دی۔ اور اس سے اپنا آبائی ملک خالی کرالیا۔ یمن کے مشہور و معروف خلیفہ سلطانی

بقیمہ عبارت حاشیہ زیر میں صفحہ گذشتہ کے ہی سنسکرت۔ فارسی اور انگریزی میں الفاظ پدر۔ مادر اور دختر کی قریب قریب ایک صورت ہے۔ یہ کیوں صرف اس لیے کہ عام اس سن ان ملک میں کہتے ہی اختلاف نہ ہو۔ مگر اصلیت فی النسل اور وحدت فی الاصل کے باعث ہیں جو نہایت قلت کے ساتھ ایک اون میں پاسے جاتے ہیں۔ اسی اصول منشا ہرہ کی بنا پر ہمارے فاضل محقق کیڑکستان میں اوں دونوں لفظ کاند کا استعمال یقین کر لینا چاہیے۔ اور سمجھ لینا چاہیے کہ باوجود اسکے کہ کڑکستان میں اس وقت فارسی زبان نہ مروج ہو۔ ایران زرکتان کی اصلیت زرت اور باہمی تعلقات کیا کم تھے۔ چوتھوں کو کسی فارسی لفظ کے بولنے یا استعمال کرنے سے روک سکتے۔ اس بنا پر قبول مؤرخین عرب سمرقند کے فارسی ترکیب کا لفظ تسلیم کر لینا نہایت صحیح اور پُر واقع ہوگا۔

ابن حوقل بغدادی کے شاہدہ کتبہ حمیر واقع دروازہ سمرقند کی نسبت آپ کی یہ کتاب یا آئینہ تعریض کہ لیکن انیس کے نتائج موصوفہ کے زندہ قیام ہی میں یہ مادہ روزگار شہر میں آگ لگ جانے سے جل کر بے نشان ہو گیا۔ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ آپ عربی تاریخ کو محض جوڑا اور اسکے مشاہدات کو اسکے دل کی گڑھی ہوتی بات سمجھ رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ایک مولفہ خصوصاً ایک مسلم مورخ و محقق کے لئے اور کون شرمناک طریقہ ہوگا جو ناگہان سے تو صاف لفظوں میں کہے۔ مگر کہنے سے پہلے باور رکھئے کہ اسی ارض القرآن کے کثیر التعداد مقامات پر اسی ابن حوقل کے حوالے سے دیکر اس کی راستہ بیانی اور صداقت زبانی کا آپ سب کو یقین دلانچکے ہیں۔ اب وہی ابن حوقل ہے اور وہی آپ ہیں۔ مگر چونکہ اس کا مختار مستشرقین یورپ کے خلاف پایا جاتا ہے تو اس ضرورت دیوری سے وہ بے اعتبار ہی ہو گیا اور ناظر المعیار ہی۔ یہی ایک مستشرقین لفظ اور محقق کا شاہکار تالیف کہا جائے گا۔ بہتر وہ خریبہ جو نا سہی۔ آپ سچے ہو کر اس کی تردید میں کسی دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ بھی دیکھی جائے۔ (۱) آپ کی دلیل یہ ہے کہ ابن حوقل نے حمیری خط کی کچھ غلطی کی۔ وہ قدیم ترکی کا انیوری خط ہوگا۔ جو حمیری اور شعی خط سے مشابہ ہے آپ کے تنقید ہی الفاظ یہ ہیں۔ قدیم ترکی کا انیوری خط ہوگا۔ ان الفاظ سے آپ کی دلیل کی خیالی اور احتمالی صورت قائم ہوتی ہے۔ یہ یقینی اور واقعی اور اصولی تنقید کے رو سے۔ دلائل تردید ہی کیلئے مشہور و یقینی اور قطعی ہوئی ہیں۔ اب آپ اپنے تصنف استدلال کو خود اپنے منہ کی نظر سے ملاحظہ فرمائیے کہ آپ ابن حوقل کے مشاہدات کو اپنے منہ سے باطل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بالکل محال ہے اور خلاف استدلال اسکے علاوہ یہ بیان ان مباحث کی تمہید و عنوان میں بیان کر چکا ہوں۔ آپ چودہ سو برسوں کے بعد انیوری خط اور حمیری خط کی

غزوان میں اپنی سکونت اختیار کی۔ اور مشرقی سلاطین کے اصول معاشرت کے مطابق عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا۔ اوس زمانہ کے شعراء کے عرب نے اسکی طبری تعریف کی ہے۔ ان کے اشعار بدخندہ ہیں۔ چونکہ اکثر تاریخی واقعات کا پتہ ملتا ہے۔ اسلئے ہم ذیل میں اون کی نقل کو ضروری سمجھتے ہیں۔

کھا نقصان الناس کہا کا بان ذی یزن	کسی شخص نے اپنے ابن ذی یزن کے ابن قصہ اور ادویہ والے نہیں کہا
اذ خیم البحر لہ عدا عھو کا	جس نے مخالف کے خیموں کا دوریا کے کتا ہے پر فو مصروف کر لیا۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ تیز و معرفت کے لئے قابل اعتماد تسلیم کیے جائیں گے یا ابن حوقل بغدادی جو کئی

تیسری صدی کا محقق ہے۔ اسرار سے ہی آپ کا ادعا بجا ہے اور سراسر مبالغہ ہے۔

تہمت کی فتح۔ اسپر ہی وہی خیالی اور قیاسی تعریف کی گئی ہے۔ اور ابن حوقل کے ایسے علم مسعودی صاحب تاریخ مروج العرب

کی خبر لگتی ہے۔ کیونکہ اوس نے ہی اپنی سیاحت کے زمانہ میں تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ نسبت میں عربی التسلل

والاصل آدمیوں کو دیکھا اور بالکل عرب کی حقیقی اور اصلی لباس و پوشاک میں انکو بالاسقلال واستمرار دیکھا شہ پائیہ آپ اس

محقق کے مشاہدات پر اپنے قیاس کا یہ حاشیہ پڑا ہے کہ تیسری اور چوتھی صدی میں عرب کی تجارت تمام اقطار عالم میں پورے

فروغ اور کامل عروج پر تھی۔ اسلئے مسعودی نے جن عربوں کو ثبت میں دیکھا وہ اپنے تجارتی اغراض سے وہاں کے تازہ وارد ہونے لگے

وہاں کے مستقل باشندے۔ فاضل معاصر کا موجودہ طریقہ استدلال عجیب طرح کا ہے۔ آپ ایکس محقق قدیم کے مشاہدات کو اپنے اختلافات

قیاسات سے باطل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کیسی ممکن ہے۔ اور کوئی اسے قبول کرے گا۔ آپ کی اس تعریف کا بھی وہی جواب ہے۔ جو ہم ابن حوقل کی

تکذیب کی نسبت اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر فاضل محقق کے نزدیک اطلینان کے لئے کسی قدر وضاحت و تفصیل سے پہر لکھ دیتے ہیں کہ علماء

مسعودی تین سو صدی کا عالم محقق متون۔ اور سیاح جو عربی التسلل تھا وہ ایکس ہند ہی نژاد مدعی علم و تحقیق ہے۔ جو اوسہ سے

ایک ہزار برس بعد پیدا ہوا ہے۔ اپنے ہونے اور ہجوم اور ہم نسب عربوں کی معرفت کو بدیہا برسر جان تھا۔ اونکے وہم و گمان کے

اور دیگر طریقہ کے معاشرت اونکے قیاسی اور فرضی بود و باش کی کامل تمیز رکھتا تھا۔ اگر وہ آپ ہی کے قول کے مطابق مشہور تجارت

کے سبب اون اطریش میں حالی فی الحال آئے ہوئے تھے۔ تو ہم نہیں سمجھتے کہ مسعودی کو اصل حال کے ساتھ ساتھ ساتھ انکے وہم و گمان کے

لئے کون سی ضروری لاشی تھی۔ ہر امر کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ اور ہر مقصد کا ایک خاص سبب۔ مگر یہاں مسعودی کے اس مقصد

واقفہ کے لئے نہ کوئی مدعا معلوم ہوتا ہے اور نہ سبب پایا جاتا ہے۔ اسوقت تو حمیری سلطنت کا نام و نشان ہی نہیں تھا جس سے

ہم سمجھ لیں کہ حاکم وقت کے اثر سے اوس نے اوس کے آبائی سلسلہ کے تحت حکومت کو استبداد اور حاکم کر کے دیا ہے۔ وہاں سبب

نہ کہی قابل سبب ہو اسے نہ لائق قبولیت۔ اسلئے تو قریب آج مسعودی کی کتابیں شہرہ آفاق ہوئے ہیں۔ ان کی طرف من و غایت توجہ

رہتا ہے کہ لیں۔ آپ کی تعریفیں محض بیکار ہیں۔

وَأَنِّي هَرَقْتُ وَفَدَ سَالَتَ لَهَا تَسْلَةً
فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ النَّصْرَ الَّذِي سَعَا
نَمْ أَنْتَهَى نَحْوَ كَسْرِي بَعْدَ عَشْرَةِ
مِنَ السَّنِينَ أَيْمَنَ النَّفْسَ وَالْمَلَا
صَتَى أَلَى بَنِي الْأَحْزَابِ بَقْدَ مَهْمٍ
تَخَالَهُمْ فَوْقَ الْمَنِّ الْأَرْضِ أَجْبَا
لِلَّهِ دَرْعٌ مِنْ نَفْعَةٍ صَبْرٍ
مَأْنٍ لَمْ يَتَّكِلْهُمْ فِي النَّاسِ أَسْأَلَا
بِغَضٍ مَلَزَنَهُ غَلَبَ أَسَاوِرُهُ
أَسَدٌ تَرْتَبُ فِي الْغِيظَاتِ أَشْبَا
فَا شَرِبَ لَهْدِي شَا عِلْيَا التَّابِعِ مَرْتَفَعَا
بِرَاسِ خُمَلَانٍ دَامَ مَنَافَتُ مَعْلَا

ہرقل بادشاہ روم سے اسکی دولت و قوت کی مدد مانگی مگر جو
مدد کہ اوس سے طلب کی تھی نہ پاسکا۔
اسی طرح دس برسوں کے بعد کسری نے اپنے جان مال سے
اوس کی مدد فرمائی۔

یہاں تک کہ تمام آزادی پسند قبائل اوسکے خیر مقدم بجالائے
اور ان کے لئے تمام زمین اور گہرائی مقام خالی کر آئے۔
خدا کی قسم ایسے صبر اور تحمل شجاع کی مثال اونہوں نے
اور لوگوں میں بہت کم پائی۔

تمام داودی اور میدان چمک گئے اور شہروں پر وہ شیریں
بچپن سے بچ شیریں طرح زربیت پائی تھی تمام شہروں پر غالب آگیا
تیرے سر پر تاج شاہی مبارک ہو۔ اور تھکوتیرا محل
شاہی ہو خدا ان میں بنا ہو۔ خوش آئند ہو اور سزاوار ہو۔

کیکاؤس اور سوداہ ملکین کے تعلقات، اس تعریف کی نسبت ہی ہم اپنے ہمید میضامین میں بالکل لکھ چکے ہیں، آپ نے
بڑے جوش و شوق سے اپنی تنقیدی مضامین کیکاؤس و سوداہ کی پوری داستان لکھنے کو تو لکھ ڈالی اور حتی الامکان اس کی غیر امکانی ثابت کرنے
کی بھی کوشش کی۔ مگر اسکے متعلق اس کثرت سے مشاہدہ تاریخی اور صحیح و صریح قرائن و قوچ موجود تھے کہ بالآخر آپ کو گہرا کر لکھنا ہی پڑا
کہ اس بن پر ہمیں ان روایات کے قبول میں کوئی عذر نہیں ہے بشرطیکہ ہمیں کاخاندان حمیرا و ایران کا خاندان کیانی تاریخاً معاصر ثابت ہو جائے۔ ورنہ
یہ سمجھنا چاہیے کہ حقیقتاً ایران کا کوئی اور بادشاہ ہوگا۔ کیکاؤس کی طرف غلطی سے نسبت ہے۔ آپ کی یہ تحریر بالکل تسلیمی ہے۔ بغرض محال کیکاؤس
و سوداہ جیسا آپ کہتے ہیں، دوسرا تاجدار فارس تھا، تاسوں کے فرق سے نفس واقف کو آپ کیونکر افسانہ کہہ سکتے ہیں۔

نہایت افسوس ہے کہ ان تمام واقعات کو اعتراضاً گویا اختصاراً آپ کے اوتار شفیق شمس علی رنعمانی نے سیرۃ النبی جلد اول میں
تخلیف فرمایا ہے۔ نطفہ یہ ہے کہ آپ ہی نے ان کی بعد اسے چھپوایا۔ اور جابجا و سپر جائیداد نظریہ لکھے۔ مگر افسوس کہ ان واقعات غیر معتبر
پر جن کو آپ محض افسانہ سمجھتے تھے، آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اور تمام دنیا کو غلط فہمی میں ڈالا۔ اگر اوتار پر قلم ارباد اوٹھانا سوراہا ادب تھا تو
کم سے کم نظریہ لکھ دینا ہوتا کہ دنیا حقیقت حال سے واقف ہو جاتی۔

المولف

سید اولاد حمید عرفی عنہ

سیف بن ذی یزن کی نامور زندگی کا خاتمہ اس کے دربار کے ایک حبشی مصاحب کے ہاتھوں ہو گیا جو اس کا ہمدم ہمنشین تھا۔ مورخ ابوالفدا کی تحقیق میں بھی اس کا خاتمہ ایسا ہی ہوا۔ مگر وہ اس کے قتل کو کسی شخص کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اس حبشی مصاحب کی قبیلہ کی عورت کے متعلق کرتے ہیں جس کو سیف نے اپنا مقرب اور مستعد بنا رکھا تھا۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے۔

وكان سيف بن ذي يزن المذكور قد اصابته بهيمة من ابلحاشان وبعدها من سخامة فاعخذوا وقتلوه
سيف بن ذی یزن مذکور نے ایک اونٹن سے اپنی جانب سے
مستحب کر کے اپنا مقرب بنایا تھا۔ انہیں لوگوں نے اس کے ساتھ
ایسی ہی کی اور اس کا قتل کر ڈالا۔ (ابوالفدا)

سیف بن ذی یزن کے بعد اس خاندان میں حکمرانی کے قابل کوئی شخص موجود نہ تھا۔ کسری نے اس موقع کو غنیمت جانتا کہ ایک عین پر قبضہ کر لیا۔ مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں۔

فانسل كسري عاملة الى اليمن واستقرت عمال كسري
على اليمن الى ان كان اخرهم باذان الذي كان عملي
سيف بن ذی یزن کے بعد اس خاندان میں حکمرانی کے قابل کوئی شخص موجود نہ تھا۔ کسری نے اس موقع کو غنیمت جانتا کہ ایک عین پر قبضہ کر لیا۔ مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں۔

ہم سلسلہ عمالان کسری کے مفصل حالات و واقعات اور ان کے مقام پر قلمبند کریں گے۔

عرب العرب یا بنی قحطان کے سلسلہ میں بدین بہار یا بنی قحطان اور یا بنی قحطان وغیرہم۔ فرقا فرقا بہر ایک کے حالات و واقعات ہم پوری تفصیل و تشریح سے لکھ چکے۔ یہ سلسلہ قحطان یا قحطان سے شروع ہو کر سیف بن ذی یزن پر برپا لکھتے ہیں۔ اسی سلسلہ خاندان میں عرب کے اوس زخیز اور سیز و شاداب حصہ ملک کی حکمرانی ہزاروں برس تک قائم رہی۔ جو اسی زمانہ میں اپنے تمدن و معاشرت اور تجارت کیلئے تمام انظار عالم میں خاص طور پر مشہور تھا۔ واقعات مندرجہ بالا یہ بھی بتلا رہے ہیں کہ حمیریوں کی حکمرانی حد و دمعین اور شاداب و عرب ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ ان کی کشتورستانی کے ہاتھ دو سرے ملک دور دراز تک پہنچ گئے تھے۔ اسی طرح ان کے تمدن کے اصول تجارت کے تجارت، تہذیب و معاشرت کے خاص بنیاد و عزت کے کمال۔ تہذیب و معاشرت کے دور و دوروں ملکوں میں مشہور ہو رہے تھے۔ اور ان سے غیر ملک کے مختلف اقوام مستفید ہو رہی تھیں۔ ان کا شمار ان کی نموداری انہیں کیلئے خاص نفع بخش نہیں تھی اور نہ اسی عارضی اور غیر مستقل تھی۔ جو ان کی جسمانی ہستیوں کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی۔ وہ اپنے لاتعداد و زمانہ کے بعد ہی آج تک یادگار رہے۔ اور زمانہ موجودہ کے ہستیوں کی کمال اور ترقی یافتہ قوموں کو اپنی قدامت و عظمت کے کمال و کمال و کمال حیرت اور تعجب میں ڈالتی رہے۔ بہر حال ان کا مشہور و مشہور پیر و فیروز نالہ کی (Nöldeke) سلاطین سیا و حمیر کے اعلیٰ تمدن کے ذکر میں آتا ہے۔

ولادت مسیح سے ہزار سال قبل۔ جنوبی اور غربی عرب۔ یعنی صوبہ یمن۔ جو سب سے پہلے ملک تھا اور جو اپنی
بارش کے باعث زراعت کے لئے نہایت موزوں تھا۔ تمدن کے اوس رتبہ تک پہنچا ہوا تھا کہ
اوس کے کثیر التعداد کتبیات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج تک ہمارے مدح و ستائش کے جذبات میں
تحرک ہوتی ہے اور اہل روم و یونان نے اس کو دولت مند عرب کا لقب جو دیا تھا وہ ہرگز بیجا نہ تھا
توریت مقدس میں متعدد عبارتیں ہیں جو سب کی عظمت و شوکت کی شہادت دیتی ہیں۔ چنانچہ ملکہ سبا
کا سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کا قصہ خاص طور پر قابل ذکر ہے (سلاطین۔ بیت ۱۰۰-۱۰۱) قوم خود
جن کی عمارات سے ڈاؤٹی اور پوشاک کی محنتوں نے ہیکو روشناس کر دیا ہے۔ نیز قوم ثابت نے جو خود
سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً انھیں سے حاصل کی ہے۔ کتابت کا فن جو
سبائیوں نے بہت ابتدائی زمانہ میں شمال کی جانب سے لیا تھا۔ اب اوسکو خود انہوں نے عرب کے اکثر
حصوں میں ہر طرح کے کاروبار میں چاہی کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک طرف دمشق۔ دوسری جانب ابی سینا

تک اسکو پہنچا دیا۔ (Nöldeke's Hist of the world R 5)

اسی سلسلہ ملک سبا میں۔ شہر عرش بڑا فراع تھا۔ مشرق میں اس نے چار لاکھ فوج جمع کر کے عراق و خراسان
پر قبضہ کر لیا۔ صفد جو بعد کو سمرقند کہلایا۔ اسی فاتح بادشاہ کے عہد میں مفتوح ہوا۔ ازلیس ابن ابرہہ اسی سلسلہ کی حبشی
فرع میں گذرا ہے جس نے مشرق میں بہت سی عربی قوموں کو لیجا کر ملک افریقہ میں بہت سی بستیاں بسائیں اور
اوس اطراف میں یہاں تک اوسکا اقتدار پڑا اور ان کا قیام ہوا کہ وہ ملک کا ملک اوس کے نام سے (افریقہ) مشہور ہوا۔
محققین یورپ کے ان اعترافات کے علاوہ۔ جو انہوں نے یمن کے قدیم تمدن کے تسلیم کرنے کی نسبت لکھے ہیں
اور جن کے ثبوت اُن کو یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات سے حاصل ہوئے ہیں۔ اسلامی مورخین اور عربی محققین کے
تصفیات و تالیفات ہی ان کے ذکر سے خالی نہیں ہیں۔ یا قوت تھموسی نے معجم میں یمن کے مشہور و معروف شہر صفد
قلیس کے خاص آثار عجیبہ کا بالتفصیل ذکر کیا ہے اگرچہ اُن کی تفصیل ترکیب مبالغہ سے خالی نہیں ہے۔
تاہم اسکے اجزائیں اصلیت کے عناصر موجود ہیں۔ علامہ محمد انی نے اکیلل میں تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے۔ صفد
الجزیرۃ العرب میں یہ عبارت لکھی ہے۔

یمن کے مشہور اور قدیم قصرواوان جنکا ذکر اہل عرب کے اشعار
و انثال میں لکھا ہے کثرت سے ہیں۔ اور ان کے متعلق اشعار عرب کا
ایک دفتر تیار و مرتب ہے کتاب اکیلل کے آٹھویں باب میں ہے
ان سب کو جمع کر دیا ہے۔

المشہور من ہما خدالین و قصورہا القدریۃ القویۃ
ذکر فیہا العرب فی الشعر و المثل.... کثیرہ النقی فیہا
من الشعریاب و اسع و قد جمع ذلک فی کتاب
الثامن من الکلیل۔

اس عبارت کے بعد مولف نے لکھا ہے کہ اس موقع پر صرف اونکے نام گنا دیتا ہوں اور وہ ہیں: ^۱عبداللہ بن علی بن ابی طالب، ^۲بلعم، ^۳ناعطا، ^۴صرواح، ^۵سکین، ^۶ظفار، ^۷سکر، ^۸ضمہر، ^۹شیام، ^{۱۰}غیمان، ^{۱۱}یلنبون، ^{۱۲}ریام، ^{۱۳}یراقش، ^{۱۴}معدین، ^{۱۵}روثان، ^{۱۶}ارباب، ^{۱۷}مہذر، ^{۱۸}مہشیدہ۔

عمران - اور بنجر۔

ان میں سے غمان اور ناعطا کا حال معجم البلدان میں بالتفصیل مذکور ہے اور اسکی لغت و عظمت کے متعلق ایسی باتیں نقل کی ہیں جن پر ایشیائی مبالغہ کا دھوکا ہوتا ہے۔ سکین کی نسبت لکھا ہے کہ شہر برس میں تعمیر ہوا ہے۔ شام کے حال میں لکھا ہے کہ ہمدانیہ حصون عجیبہ ہائیلہ۔ اس میں ان کے متعدد حیرت انگیز قلعے ہیں۔ قلعہ ناعطا عرب میں ابن سنیہ کے زمانہ تک موجود تھا۔ اوسکے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو برس کی تعمیر ہے۔ آجکل یورپ کے محققین نے ان مقامات پر پہنچ کر تحقیقات کی ہے اس سے بھی اونکے حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے۔ تھیاچر صاحب اپنی تحقیق سے لکھتے ہیں۔

جنوبی عربستان میں (مین) جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صدیوں پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن بڑھا تھا۔ قلعوں اور شہر بنائے گئے تھے۔ آثار اب تک موجود ہیں اور انکا ذکر متعدد سیاحوں نے کیا ہے۔۔۔۔۔

مین اور حضرموت میں یہ آثار کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اکثر پرکھتات ابھی تک موجود ہیں۔ صیفا کے قریب ایک قلعہ تھا جس کو قرظ وینی نے آثار البلاد میں دنیا کے عجائبات ہفتگانہ میں ایک قرار دیا ہے۔

Journal German oriental Society volo P. 2

تاریخ - جو قدیم سبائی دار الحکومت تھا۔ اسکے آثار قدیمہ کو آرتوہ، مالوے اور گلاذری نے دیکھا ہے۔ تارک کے مشہور آثار میں سے ایک بڑی خندق کے آثار ملتے ہیں۔ انکو دیکھ کر تمدن کے دوبارہ تعمیر شدہ غرض یاد آتے ہیں۔ انکی اہمیت اور سوقت ظاہر ہوتی جب گلاذری نے دو طویل المذکر کتبہ شائع کئے۔ جنہیں ان کے عیسوی قرن پنجم و ششم میں دوبارہ تعمیر ہوئی کا ذکر کیا ہے۔ مین میں بتھام حوران ایک اور خندق ہے جسکا طول تقریباً چار سو پچاس فیٹ اونچا ہے۔

سیرۃ النبی شبلی نعمانی

بند عرم یا سد تارک اسکے اثری حالات ارض القرآن کی عبارت سے بالتفصیل اوپر نقل کر دیئے گئے ہیں۔ اسکے متعلق تاریخی حالات مناسبت مقام اور دفع ابہام کی غرض سے حسب ذیل لکھے جاتے ہیں۔

اس بند کو عید الشمس الملعب بربانے بنا کر شروع کیا۔ اسکے بعد اسکی اولاد میں تعمیر نے اسکی عمارت کو خاتمہ تک پہنچایا۔ وقتاً فوقتاً سلسلہ حمیری کے اور بادشاہ بھی بقدر ضرورت اپنے اپنے وقت میں اس میں اضافہ کرتے گئے۔ حقیقت یہ ہے۔ یہ بند دو پہاڑوں کے درمیان جبکا نام ابوالفدا ہے تارک اور التلیق بتلایا ہے۔ اس غرض سے ایک مرتفع دیوار

اسی شکل میں بنایا گیا تھا جس سے چشموں اور تمام بارش کا پانی سمٹ کر ایک خاص مقام پر گرا رہتا ہے۔ اس بند کے ضروری مقام و موضع پر چھوٹے چھوٹے درجن بنے ہوئے تھے۔ اور انہیں روزوں سے اہل شہر اپنی روزانہ ضرورت اور سیرابی زراعت کے لئے پانی لیا کرتے تھے۔ اس بند کے بنانے میں اس وقت کے لوگوں نے اپنی طبعی اور شہابی کے کمال دکھلائے تھے۔ یہ بند شہر آب سب کے دونوں پہاڑوں کے درمیان اٹنا اونچا بنا ہوا تھا کہ اسکی رفعت اور شوکت اس کے ایک علیحدہ پہاڑ ہو گیا یقیناً ولایتی تھی۔ شہر اسکی ایسی استوار اور محکم تھی کہ اس کے ٹوٹنے کا کبھی گمان ہی نہ ہوتا تھا۔ اسکی دیوار اتنی چوڑی تھی کہ اکثر شہر کے لوگوں نے اس پر اپنے مکان بنائے تھے۔ اس کے عمق میں ہمیشہ چائیں گز اونچا پانی رہتا تھا۔ عرب میں پانی تمام دنیا کی نعمت اور دولت سے زیادہ عزیز سمجھا جاتا ہے۔ آج تک یہی اسکی قدر و قیمت کی وہی کیفیت ہے۔ اسی پانی کی قدر و عزت اور اسی کی بدولت اسکی خوشحالی۔ دولت و بڑی پر اس کے غرور و نخوت نے اس کے سلاطین کو خدا کی راہ سے پھیر دیا۔ اور آخر کار زوال و ادبار کی خندق میں گر دیا۔

فاسمہ بنو افسس بنو سہیل العہرم۔ انہوں نے میرے احکام سے انحراف کیا تو ہم نے انہیں کا بند توڑ کر ان پر سیلاب جاری کر دیا۔ قرآن مجید کے الفاظ الہامی اونکی تباہی و بربادی کی تصدیق کر رہے ہیں۔

سلاطین جمیر پانی کی ایسی کثرت سے نعمت غیر مترقبہ کو اپنے قبضہ اختیار میں پا کر خداوند عالم کی احسان مندی اور پاس گزاری کو قویٰ قبول گئے جس نے انکو پانی کے ایسے بیش قیمت دولت دہی۔ اور پرائیسے مستحکم بند بنائے اور اس دولت بیش بہا کو ہمیشہ جمع رکھنے اور اس کے ذریعے سے اپنی زراعت کو بڑھانے اور اپنے تمام علاقہ کو مستحکم و شاداب بنانے کی عقل و حکمت کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے پانی کے اس کثیر ذخیرہ کو ابدی اور لازوال دولت یقین کر لیا۔ اور اسکی وجہ سے اپنے ذاتی عظمت و اقتدار پر اعتبار کر کے ایسا کبر و افتخار کر لیا کہ گویا انکو اپنے ضرور و نخوت سے زمین پر پاؤں رکھنا دشوار ہو گیا۔ بدین قدرت نے ان مغرورین دنیا کو مٹوا دیا جس نے ان کو سرکشان زمانہ کے سر جب کو اسنے کی غرض سے یہ تدبیر نکالی کہ انکا جمع کردہ ذخیرہ آب میں جو اصل مافساد تھا۔ ایسا سیلاب پیدا کر دیا کہ ان کی قوم کی قوم قبیلہ کا قبیلہ۔ رات کو سوتا کا سوتا ہی رہ گیا۔ اور وہ بند ٹوٹ کر تمام شہر اور قریب بھوار کے علاقے بھرا لگ گیا۔

سلاطین جمیر کے مشہور سردار شاہی اور ان کے اعلیٰ نظام و تمدن و عظمت مولوی شہلی کی کوتاہ قلبی پر ایک نظر

اقتدار اور اخبار و آثار کی تفہیم میں یہ ہم نے مندرجہ بالا واقعات سفری اور شرقی محققین و مشہورین کے مختلف تصنیفات و تالیفات سے نقل کیا ہے۔ مگر افسوس کہ شہلی صاحب نے عرب الہامہ کے ایسا عرب آثار کے حالات کو ہی مرفوع القلم فرمایا۔ حالانکہ انھیں کے ہوالوں سے جو اوپر نقل کئے گئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور قائل اندر تھے۔ اور انکا تمدن۔ اوکا تدبیر۔ اونکی عظمت و رفعت اور اونکی

عظمت و شوکت سب کچھ قابل بیان تھی جبکہ جتہ از جتہ ذکر ہی کیا گیا ہے مگر ایسے اختصار کے ساتھ کہ آپ کا بیان صرف اونگلیوں کا اشارہ و شکر رہ گیا ہے۔ مولوی صاحب نے ان کے تفصیل و بیان حالات کو اپنے مدعا سے تالیفی کی ضرورت سے زیادہ سمجھ کر آگے سے ہٹا دیا ہے۔ مگر کسی ملک و قوم کی تاریخ کا سلسلہ اس وقت تک مکمل اور مسلسل نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک کہ اس کے تمام قدیم اخبار و اشارے اس کے موجودہ حالات و واقعات کا زنجیرہ نہ ملا دیا جائے مولوی شبلی صاحب نے عرب الیابادہ اور عرب الفاریہ کے حالات و واقعات کو قلم فرما کر اپنی کتاب کے ناظرین سے عظیم الشان اور مقدس انبیاء و سلاطین عرب کے حالات کو بالکل مخفی اور پوشیدہ رکھا ہے۔ عرب الیابادہ کے سلسلہ میں۔ قوم عاد کے حالات اون کے عروج و ادبار کے تاریخی واقعات۔ حضرت ہود کی بعثت۔ اون کی تبلیغ رسالت۔ قوم ثمود (عاد ثانیہ) کے واقعات اون کا تمدن اور اعلیٰ صنعت و حرمت۔ سنگتراشی کے کمال۔ جناب صالح کی رسالت۔ وغیرہ اشاہم اور عرب کے اس قدیم دھرم کے برکہ اس کی مقدس سرزمین پر چار پیغمبران الہی مبعوث فرمائے گئے۔ ایک تاریک پردہ ڈال دیا ہے۔ اسی طرح مکہ مقدس اور اس کی شاہی سطوت کے کارناموں کو خارج از بیان قرار دیکر خاک پاک عرب کی اس تقدیس و عظمت کو جو اسے فلسطین و بیت المقدس کے ساتھ مراتب جلال و اقتدار میں بھجھ مساوی حاصل تھی۔ چھپا دیا اور گھٹا دیا۔

کمال عبرت اور انتہائے حسرت تو یہ ہے کہ شمس العلماء نے نہانی ایک اسلامی فاضل اور محقق ہو کر عرب کے ان اخبار تقدیس اور آثار عظمت و کرم کو دیدہ و دانستہ قلم و ذرائع اور اگر کچھ قلمی رحمت اور رومی مصیبت اوٹھا کر لکھیں ہی تو ایسا مختصر کہ پیرے بود پسرے داشت بگم شد۔ بازیافت کا لطف آئے۔

آپ کے خلاف غیر اسلامی مولفین و مؤرخین جنکو عرب اور اہل عرب کے حالات و واقعات کے ساتھ اپنی ہمدردی اور دلچسپی اختیار کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ وہ اپنی دولت۔ اپنا دماغ اور اپنا وقت صرف کر کے اون کے تمام حالات و واقعات اور اخبار و اشارہ ہزاروں ایکڑ زمینیں کہو کہو ذکر باہر نکالیں اور اون کے صحیح نشانات۔ علامات اور مقامات بتائیں۔ اور طرہ یہ ہے کہ آپ ہی انھیں کی تحقیقات سے فائدہ اوٹھائیں اور جابجا اپنی کتاب میں انھیں سے حاشیہ و معنی چڑھائیں۔ مگر جب اپنے لئے اون کے لکھنے اور بیان کرنے کا وقت اور مقام آئے تو آپ اپنا قلم روک لیں اور کچھ نہ لکھیں۔

مولف کیلئے اپنے مدعا سے تالیفی پر زور دینی کی کوشش بہت سی ضروری فریادیں گزشتہ لکھا باعث ہوتی ہیں مولوی شبلی صاحب ہی اسکے الزام سے نہیں بچے۔ بلکہ ایک شرمناک مثال یہ پیش کرتے۔ عرب کی قدیم حکومتوں کے باب میں آپ لکھتے ہیں کہ سبائی دور جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے حضرت عیسیٰ سے سات سو برس قبل ہے۔ اسی سلطنت کا پای تخت تارسی تھا۔

جب ہم آپ کے اس بیان کو دوسرے محققین و مورخین کے بیانات سے ملاتے ہیں تو امتداد ایام کے حساب میں زمین آسمان کا فرق پاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مولف نے صرف مولر (Muller) کی روایت احادیث پر اعتبار کر لیا۔ حالانکہ مقدمہ کتاب میں تنقید و تحقیق روایات کی نسبت آسمان زمین کے قلابے ایک کر دئے گئے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے رجحانات تحقیق و توثیق و تصدیق و حقیقی آسمانی کا پہلو دا ہے۔ مگر بائیں جانب آپ کے ان ظاہری طعناں کے بعد سیاق و سباق پر نظر کی جاتی ہے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیان کو عمل سے اور عمل کو بیان سے کوئی سروکار نہیں۔ اسی تعیین زمانہ سیا کے متعلق مولر کے ہٹا ہٹا تو اغیار کر لیا گیا۔ مگر گلا ذری کے قول پر جسے مولر کے روایات سے قبل خود لکھ چکے ہیں، کوئی اعتنا نفرمانی۔ اور اس کے قول کو اس کا خاص خیال ٹھرایا۔ باوجودیکہ وہ سبائی حکومت کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے پندرہ سو برس قبل بتلنا چکا تھا۔ مگر آپ کو توجہ نہ تھی۔ جلد عرب استعرب رہنا سہا عیسیٰ کے حالات پر ہوش چکر اپنے مدعا سے تالیف کو آغاز کرنا منظور تھا اور بنو اسماعیل ہی کے حالات و واقعات کو۔ آپ عرب قدیم اور عرب اوسط تمام قوم و قبائل کے احوال کو قلم و دفرما کر عرب کی اصلی تاریخ سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر آپ نے گلا ذری کے بتلائے ہوئے زمانہ پر بھی اعتبار نہ کیا۔ چونکہ وہ آپ کے مدعا کے مطابق نہ تھا۔ اسلئے صرف ایک ہی شخص کے قول پر اعتماد کر لیا۔ اور اپنی کتاب میں لکھ دیا۔ کیا اسی نگاہ سرسری کا نام تحقیق ہے۔ اور یہی زرد و نویسی تنقید کا مل کہی جائے گی؟

ہم مولوی شبلی صاحب کی اس غلط فہمی کی اصلاح و تصحیح ان کے شفیق محسن ڈاکٹر سر سید احمد صاحب کی اس تحریر سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ جو زمانہ ملک سب کے متعلق خطبات احمدیہ میں درج ہے۔

اب چونکہ حمیر (ابن سبا جیسا کہ آگے بیان ہوتا ہے) بقیطان سے چوتھی پشت میں تھا۔ اور ترج ہی نافع سے چوتھی پشت میں تھا۔ اسلئے ہم اس نتیجہ نکالنے کے مجاز ہیں کہ حمیر کی ولادت ترج کی پیدائش سے بہت دور ہوگی یعنی مسلمان قبل از مسلمان۔ لاہور ص ۱۰، شبلی صاحب ہر کے قول کی بنا پر سات سو برس کا کل زمانہ حضرت عیسیٰ کے قبل بتلاتے ہیں۔ اور سر سید کی تحقیق میں جس کو انہوں نے کتب مقدسہ تورات۔ یونانی اور رومی تالیفات قدیمہ سے مستنبط و محقق کیا ہے۔ دو ہزار برس سے بھی اوپر کا زمانہ ثابت ہوتا ہے اس طرح اسکے آگے تحریر فرماتے ہیں۔ اسکے دور (حکومت سبائی) کے بعد حمیر کا زمانہ ہے حمیر نے تار ب پر قبضہ کر کے اسکو اپنا پائے تخت بنالیا۔ پھر اسکے نیچے یوں رقمطراز ہیں۔ تریباً ۵۰۰ م کے حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا، ایک نشہ دہندہ آپ کی تحقیق میں سبا اور حمیر دو جدا گانہ حکومتیں تھیں۔ اگر صرف ابو الفدا کی عربی یا اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی کو (باوجودیکہ اپنے مقدمہ کتاب میں تاریخ ابو الفدا عربی اور اسکے حالیہ لاطینی ترجمہ کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے) ملاحظہ کر لیا گیا ہوتا تو یہ مسئلہ اسی وقت صاف ہو گیا ہوتا۔ اور پھر اس اصر کے مان لینے میں کہ سبا کا بیٹا حمیر تھا۔ آپ کو کوئی کلام نہ تھا۔

ابو القدر کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

ثم ملك بعده ابنه عبد شمس بن لثيب وسمي سبا
وهو الذي بنا المسجد ما خرج ما رثي بني مدنية طرب
وعرفت مدنية سبا وخلف سبا المذكور عدة
اولاد منهم حمير وعكرمة بن واشع وعخيرهم
ولما مات سبا ملك اليه ابنه عبد الله بن حمير ابن
سبا بن لثيب

لثيب ابن قحطان کے مرثیے بعد اوسکا بیٹا عبد شمس جس کا
لقب سبا تھا۔ بادشاہ ہوا۔ اور یہ وہی بادشاہ ہے جس نے
ارض آرب میں سد تعمیر کرائی اور شہر آرب بسایا۔ اور شہر آرب
ہی اسی کے نام سے شہر سبا مشہور ہوا۔ سبا مذکور کی متعدد
اولادیں ہوئیں۔ جن میں حمیر۔ عکرمة بن واشع وغیرہ
شامل ہیں۔ جب سبا مرگیا تو اوسکا بیٹا حمیر ابن سبا بادشاہ
ہوا۔

اب اس عبارت کو پڑھ کر کوئی شخص سبا کی اور حمیری سلطنتوں کو کیسے دو جداگانہ حکومتیں قائم کر لیا۔ اور آپ کے
اس فقرے کے کہ حمیر نے سبا کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ کیا معنی لگا لگائے گا۔ جب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے
سبا باپ تھا اور حمیر بیٹا۔ یا بقول علمائے اثریات۔ سبا مورث خاندان تھا اور حمیر اوسکی اولاد و اعقاب۔ باپ یا
مورث مرگیا۔ اولاد یا اوسکے ورثہ نے اوسی وقت یا اوسکے بعد حکومت آبا کی پائی۔ تو ایسی حالت میں واقعہ
کی اصلیت کو یوں تبدیل کر کے بتلانا کہ حکومت سبا پر حمیر نے قبضہ کر لیا۔ تاریخ کے صحیح اور اصلی واقعہ پر صریح
غلطی اور سوری فہمی کا حاشیہ چڑھنا ہے۔

اگر ان حوالوں سے اس سلسلہ شاہی میں آپ کا مابعد کے واقعات سے مدعا ہے تو وہ بھی آپ کے افراد
زمانہ اور مدت کے اعتبار سے ہی کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپ لکھتے ہیں کہ قریباً ۱۵۰ قبل مسیح
میں حمیر نے سبا کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ آپ نے شاید غلطی سے آبرہہ کی حکومت پر سیف بن ذی یزن کا قبضہ کر لینا
جو واقعہ اصحاب الفیل سے ہی پیچھے واقع ہوا ہے تو مراد نہیں لیا ہے۔ مگر وہ تو ۶۵۵ء میں واقع ہوا ہے
اور آپ ۱۵۰ ق م بتلاتے ہیں۔ غالباً آپ کا مطلب اوس انتقال حکومت اور تبدیل سلطنت سے ہوگا۔
جو قبیلہ ازد کے لوگوں نے عارضی طور پر چند دنوں کیلئے حمیریوں سے لے لی تھی جیسا کہ ابو القدر نے لکھا ہے۔

ثم ملك بعده (البقيس) حمير ناشر النعم بن
شر حيل ثم ملك بعده شمر بن عيش بن ناشر النعم
ثم ملك بعده ابنه ابو مالك بن شمر ثم ملك
بعده عمران ابن عامر الاندلسي ثم ملك اخو
من يقيا ثم ملك الاقرن ابن ابي مالك
(ابو القدر)

بلکہ بقیس کے بعد اُسکے چچا زاد بہائی ناشر النعم بن شمر حیل بادشاہ ہوا اور
بعد شمر عیش ناشر النعم کا بیٹا حاکم ہوا۔ اُسکے بعد اُسکا بیٹا ابو مالک بن شمر
تخت پر بیٹھا اس بادشاہ کی سلطنت میں عمران ابن عامر ازدی نے۔
جو خاندان ازد سے تھا یمن پر حملہ کیا اور حمیر سے حکومت لے لی حمیر سے
سلطنت بنی کلمان میں چلی آئی عمران کے بعد اوسکا بیٹا من یقیہ
تخت نشین ہوا۔ اُسکے زمانہ میں قرن ابن ابو مالک نے اپنے باپ کی

سلطنت کا دعویٰ کیا۔ مزقیا سے لڑ کر اسکو شکست دی اور سلطنت چین لی اور اس طرح حکومت پر سلسلہ حمیر یہیں چلی آئی۔ خطبات
مع ترجمہ ابوالفدا۔ مطبوعہ لاہور ص ۸۰۔

اگر ان واقعات سے آپکا انقلاب سلطنت مجوزہ مراد ہے تو یہی ان واقعات و انقلابات کا زمانہ سنہ ۹ ق م
سے کسی حال میں کم ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ توراۃ کے روسے ملکہ بلقیس کا زمانہ سنہ ۱۰ ق م ثابت ہو چکا ہے۔ اگر
یہ ہی نہیں، اگر اس کے قبل الحارث الراشقی بن صلیفی بن سیا الاصفہ کے واقعات سے جس نے اپنے زمانہ حکومت
میں یمن و حضرموت دونوں سلطنتوں کو ملا لیا ہے۔ آپ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ تاہم آپ کا خیال صحیح نہیں ہو سکتا
کیونکہ یہ شخص چہرہ پشت قبل ملکہ بلقیس سے تھا۔ چنانچہ ابوالفدا میں مرقوم ہے۔

حارث الراشقی جو سبارا صفر کے سلسلہ سے تھا اور جو جمعہ اول کے
نام سے لقب ہے۔ اسکے بعد اسکا بیٹا صدیق الملقب ذوالقرنین
بادشاہ ہوا اسکے بعد اسکا بیٹا جس کا نام ابرہہ اور لقب
ذوالمنار بن ذوالقرنین تھا تخت نشین ہوا اس کے بعد اسکا بیٹا
جس کا نام افریقش تھا حکمران ہوا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا ذوالاوعا
جس کا نام عمر بن ذوالمنار تھا بادشاہ ہوا۔ عمر ذوالاوعا کی سلطنت
کے زمانہ میں شرجیل بن عمر بن غالب بن مثنان بن زید بن

شم ملک بعدہ ابنہ ذوالقرنین الملک
بن الراشقی شم ملک بعدہ ابنہ ذوالمنار
ابن ذی القرنین شم ملک بعدہ ابنہ افریقش
ابن ابرہہ شم ملک بعدہ ذوالاوعا
ذوالمنار شم ملک بعدہ شرجیل بن عمر بن غالب
بن المثنان بن زید بن یحضر الملک سکسک بن امل
بن حمیر

یعفر بن سکسک بن امل بن حمیر نے اوپر حکم کیا اور بے شمار غریزوں کے بعد عمر ذوالاوعا کو شکست دی اور اس کی سلطنت پر
قابض ہو گیا۔ شرجیل کے بعد اسکا بیٹا الملک بن ذوالقرنین بن ہوا اور اس کے بعد اس کی لڑکی بلقیس حکمران ہوئی۔ (ابوالفدا
مع عبارات مندرجہ خطبات سرید ۱۲)

اگر آپ نے الحارث والے واقعہ اجتماع الیاسین سے سبائی حکومت اور حمیری قبضہ مراد لیا ہے تو باعتبار اسد الایام
کے یہ واقعہ حضرت بلقیس سے چہرہ پشت قبل کا ثابت ہوتا ہے جب کا زمانہ وقوع سنہ ۱۱ ق م سے ہی آگے بڑھ جاتا
ہے۔ پہر آپکا سنہ ۱۱ ق م بتلانا کس زائچہ سے تخریج ہوا جائیگا۔ اور کونسا واقعہ تاریخی کا زمانہ عرب اور شاہنامہ حمیر
میں مراد لیا جائیگا۔

اسکو ہی جانے دیجئے۔ اگر آپ اس سے ذوالاوعا اور شرجیل والے واقعہ سمجھتے ہیں۔ تو ہمارے مندرجہ شجرہ حمیرہ
سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ حقیقتاً یہ دونوں شاخیں ایک ہی اصل سے پیوستہ ہیں۔ شرجیل کا سلسلہ بھی حمیر تک
ہوتا ہے اور ذوالاوعا کا سلسلہ نسب بھی حمیر ہی پر ختم ہوتا ہے۔ اسلئے ان دونوں خاندانوں کو دو جدا گانہ اور علیحدہ
خاندان سمجھنا حقیقت سے غفلت ہے۔ اسلئے آپکا یہ کہنا کہ حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اصلیت کے اعتبار سے

قابل اعتماد ہے اور نہ امتداد زمانہ کے حساب سے لائق اعتبار کیونکہ شرجیل مکہ بلقیس کا دارا تھا اسلئے یہ واقعہ بھی سنہ ۱۵۰ ق م میں واقع ہوا نہ ۱۵۰ ق م میں۔

سب سے آخر میں اگر مولوی شبلی صاحب سبائی حکومت پر حمیر لوہی کا قبضہ ہونے سے ذوالحجہ ۱۵۰ ق م کی شکست اور ذی حجنہ ۱۵۰ ق م کی فتح مراد لیتے ہیں جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں تو یہ بھی نہ واقعات کے اعتبار سے صحیح ہے اور نہ امتداد ایام کے شمار سے کیونکہ عموماً تحقیق سے یہ واقعہ ۱۵۰ ق م میں واقع ہوا تھا نہ ۱۵۰ ق م میں تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سلسلہ حمیری کا آخر غلبہ سیف بن ذی یزن کی وقت ہوا تھا مگر وہ قبائل حبشہ تک محدود تھا اور وہ ظہور اسلام سے قریب تھا اسلئے اُسپر بھی ۱۵۰ ق م میں وقوع پذیر ہونیکا گمان صحیح نہیں ہو سکتا اس بنا پر آپکا تحریر فرمانا کہ سبائی حکومت پر حمیر کا قبضہ ہو گیا اور ہر اسکے وقوع کو ۱۵۰ ق م میں بتلانا کسی طریقہ اور قرینہ سے تسلیم کر نیکے قابل نہیں ہے۔ اگر آپ اس عبارت تفسیر کی بجائے مناسبت تخصیص ہی کے سیرایہ میں اس طرح تحریر فرماتے کہ پھر سبائی دوسری شاخ جو حمیر کے نام سے مشہور ہے سبائی جگہ حکومت میں برقا بنی ہوئی تو صحیح بھی تھا اور فی الواقع تھی مگر تاہم ۱۵۰ ق م کا تعین مدت غلط کا غلط ہی رہتا۔ اوکی محنت و درست کیلئے تاریخوں سے وہی زمانہ قائم کرنا ہوتا جو اسکے وقوع پذیر ہونے کے لئے صحیح طور پر قلمبند کیا گیا ہے۔

حمیر کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں اونکی حکومت

مولوی شبلی صاحب کی تصحیح و ترمیم کے بعد ہم پھر اپنے سابق سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں عبداللہ بن حبیب بن مبارک کے دس بیٹے تھے اونکے نام یہ ہیں۔ نذج۔ کندہ۔ ازد۔ اشعر۔ حمیر۔ کسلان۔ نخم۔ جذام۔ عاتکہ۔ اور غسان۔ ان میں سے۔ نذج۔ کندہ۔ ازد۔ اشعر۔ حمیر اور کسلان۔ اسکے چھ بیٹوں نے نو علاقہ میں سکونت اختیار کی اور بقیر چار بیٹے نخم۔ جذام۔ عاتکہ اور غسان ملک شام میں نکل گئے۔ اور وہیں آباد ہوئے جسٹانی سلسلہ شاہی اسکے آخر بیٹے غسان ابن حمیر سے منسوب ہے۔ جنکا ذکر آئندہ اپنے مقام پر آئے گا۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ بندہ عمر کے ٹوٹ جانیکے بعد میں سے آٹھ بڑے قبیلے تیار ہو کر نکل گئے جنہیں سے ایک قبیلہ نے دریائے فرات کے کنارہ مقام حیرہ میں سکونت اختیار کی۔ کہا جاتا ہے کہ قبیلہ غسان ہی انہیں ایام شام جا کر آباد ہوا۔ اسی طرح تین قبیلے اور۔ جنکے سرور قبائل کے نام۔ بکر۔ مضر اور ربیعہ تھے۔ ایسے ہی پریشان ہو کر عراق کی طرف نکل گئے اور وہیں آباد ہو گئے اور انکے نام سے تین علاقے۔ دیار بکر۔ دیار مضر۔ اور دیار ربیعہ آج تک یادگار ہیں۔ (ابوالفدا۔ طبری اور ابن ہشام)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ بندہ عمر کے ٹوٹ جانے سے خاندان سبائی یا حمیر کو متفرق مقامات اور دور دراز علاقہ جات

میں جا جا کر آباد ہوئی مجبوری پیش آئی۔ چنانچہ ایک مقام حیرہ میں دوسرا علاقہ شام میں سکونت پذیر ہوا۔ رفتہ رفتہ ان دونوں سارا اصل اور حیرتی النسل نے اپنے اپنے اطراف سکونت میں اتنی ترقی کی اور ایسی قوت پکڑ لی کہ ان دونوں علاقوں پر اپنا پورا تسلط حاصل کر لیا۔ اور وہاں کی خنان حکومت اپنے قبضہ اختیار کر لی۔ اور مدت دریک تک علاقہ جات حیرہ اور شام میں بڑی نام و نمود سے سلطنت کرتے رہے۔

حیرتی لوک حیرہ

مؤرخ ابو الفدا کے حوالہ عبارت سے ہم لوک حیرہ کا سلسلہ اور ان کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

علاقہ حیرہ میں جس شخص نے سب سے پہلے حکمرانی کی وہ مالک ابن نعم تھا اور اسکے بعد اس کا بیٹا عمر ابن نعم اسکے بعد اس کا بھتیجا خذیمہ ابن مالک ابن نعم حکمران ہوا۔ اور اسکی ایک بیٹی تھی رایش نام۔ خذیمہ کے قتل ہو جانے کے بعد اس کا بھائی عمر ابن عدی ابن نصر ابن ربیعہ حکمران ہوا۔ جب وہ عمر کا بیٹا اس کا بھائی امر القیس تخت نشین ہوا۔ اسکو امر القیس البدر یعنی امر القیس اولیٰ ہی کہتے ہیں۔ امر القیس اولیٰ کے بعد اس کا بیٹا عمر ابن امر القیس بادشاہ ہوا عمر ابن امر القیس کے بعد اس ابن قلام الخلیفی بادشاہ ہوا۔ پھر آخر لوک عالیق تک ہوتے گئے۔ اسکے بعد سلطنت عمر ابن عدی ابن نصر ابن ربیعہ خنہین مذکورین کی طرف عود کر آئی۔ اور انہیں سے امر القیس نے جو عمر ابن امر القیس کی اولاد میں تھا۔ حکومت کی۔ یہ ہی جان لینا چاہیے کہ یہ امر القیس ثانی مشہور ہے۔ اور حرق اس کا لقب ہے۔ اور عقوبت بالشارکی ایجاز عرب میں اسی کے وقت سے ہے۔ اسکے بعد اس کا بیٹا النعمان اعور ابن امر القیس تھا۔ تخت نشین ہوا۔ تھوڑے دنوں کے بعد یہ تارکسا لینا ہو گیا اور ترک شاہی کو کے ملک سے چلا گیا اور اسکے بعد اس کا بیٹا المنذر ابن النعمان بادشاہ ہوا اور اسکے بعد اس کا بیٹا الاسود ابن المنذر حکمران ہوا اسکے بعد اس کا بھائی منذر ابن المنذر ابن النعمان الاسود بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد علقمہ الذیلی جو دونوں جانب سے بنی کھنہ بادشاہ

اول من ملک علی العرب یاخذ الملک صالح
ابن فہم ثم ملک بعده اخوه عمر بن فہم
ثم ملک بعده ابن اخیه خذیمہ ابن مالک
بن فہم وکان لہ اخت نسبی تراکشا قتل خذیمہ
ملک بعده ابن اخوتہ سلمہ بن عدی بن نصر
بن نصر بن ربیعہ ثم ملک وکان ملک بعده ابنہ
امر القیس وکان یقال لہ امر القیس البدر
اکثر الاول ثم ملک بعده امر القیس ابنہ عمر
ابن امر القیس ثم ملک بعده او بن قلام
الخلیقی ثم ملک اخو بن لہ یلقی ثم رجع الملک
الی عمر بن عدی ابن نصر بن ربیعہ الخنہین
المذکورین وکان منہم امر القیس من
والد عمر ابن امر القیس المذکور فی ہرقت
فہذا امر القیس الثانی بالحق کہانہ اول قضا
الشار ثم ملک بعده ابنہ النعمان اکثر
امر القیس ثم فزہد و منہم من الملک و ملک
بعده ابنہ المنذر بن النعمان ثم ملک بعده
ابنہ اکثر فہو بن المنذر بن النعمان
ثم ملک بعده اخو المنذر بن النعمان ابن

النفان آلا عور ثم ملك بعدة علقه لزو
(ذو ميل بطون من لحم) ثم ملك بعدة امر
القيس بن النعمان بن امر القيس ا لبحر
ثم ملك بعدة ابنه المنذر بن امر القيس
ملك قبيلة السعدي و طر كسرى القباد المنذر
المنذر بن عن ملك الحيرة و ملك مضر
الحمرث ابن عمر بن حجر الكندي ثم كسرى
كسرى نوشران من قباد المنذر كسرى الملك
و طر الحمرث و اعاد المنذر بن ماء السماء
الى ملك الحيرة (النفان)

ثم ملك بعد المنذر بن عمر مضر الحيرة ثم ملك
بعد ابنه ثم ملك بعد اخوة قابوس ثم
ملك بعد اخوة المنذر ثم ملك بعد ابنه
النفان بن منذر بن امر القيس بن ماء السماء و
كنية ابو قابوس و هو الذي تنحصر ثم انتقل
الى اياس ابن قبيصة الطائي ثم ملك بعدة
نزار بن باهان الحمرث ثم عاد الملك الى
الخميسين فملك بعد نزار بن المنذر بن النعمان
بن المنذر بن ماء السماء ممية العرب
المفرج و سافر ما لكا الى الحيرة الى ان قتل
لها خالد بن الوليد و استولى على الحيرة

ہوا۔ اس کے بعد امر القیس ابن النعمان ابن امر القیس
الحرق بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد اسکا بیٹا المنذر ابن امر القیس
حیرہ کا لقب دارا لیا تھا بادشاہ ہوا لیکن قباد کسری نے
منذر کو تخت سلطنت سے اتار کر اسکا رشتہ ابن عمر بن حجر الکندی
کو اوس کی جگہ پر حکمران منتخب کر دیا۔ لیکن قباد کسری
و نوشران نے اسکا رشتہ کو تخت حکمران پر نہ دیا اور
اوس کو اوتھا کر ملک المنذر ابن ماء السماء کو حاکم کر دیا۔
المنذر کے بعد اوسکا بیٹا عمر الملقب ب مضر و الحمرث و
تخت نشین ہو گیا۔

اوس کے بعد اوس کا بھائی قابوس بادشاہ ہوا قباد
کے بعد اوس کا بھائی منذر ابن منذر حکمران ہوا۔ اوس کے
بعد اوس کا بیٹا نفان ابن منذر ابن ماء السماء تخت
نشین ہوا۔ اسکی کنیت ابو قابوس تھی۔ اور اس نے حیرہ
نصاروی اختیار کیا۔ اسکے بعد سلطنت اياس ابن قبيصة
کی طرف منتقل ہو گئی۔ اياس کے بعد زون ابن امان الحمير
السنی بادشاہ ہوا۔ اسکے وقت میں سلطنت حیرہ عربین کی
طرف منتقل ہو گئی۔ اور اوس کے بعد منذر ابن النعمان ابن
منذر ابن ماء السماء تخت نشین ہوا۔ اہل عرب سب اس شخص
کا نام مشرور رکھتا تھا۔ اور یہ شخص اوس وقت تک موجود تھا
کہ حیرہ وقت کہ خالد بن ولید نے اسلام کے لئے اس سے
ملک خالی کر لیا۔

اب ہم اپنے اس سلسلہ شاہی کے اجمالی بیان کی جس کو ہم نے تاریخ الفدا کی عبارت سے نقل کیا
ہے خطبات احمدیہ سے۔ کمال تفصیل سے قبل قلمبند کرتے ہیں۔ یہ بیان مندرجہ بالا پر کافی روشنی ڈالتی ہے۔
عرب لغاریہ میں خاندان نبطان نے بڑی طاقت اور شہرت حاصل کی تھی۔ اور حیرہ حیرہ میں ایک عظیم الشان
سلطنت قائم کی تھی اسی خاندان کا پہلا بادشاہ مالک ابن فہم تھا۔ اوس کے بعد اوس کے بھائی حمر
کسری نے اس کے بعد حیرہ کا تخت لیا۔ اس کے بعد نزار

بن مالک تخت پر بیٹھا۔ یہ جبری گمراہ بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کو بہت قوی اور مستحکم کر لیا تھا۔ ایک طرف تو دریائے فرات اور دوسری طرف دو دوسری جانب وہ شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شام تک سلطنت بڑھانے میں اسکو عمالیق سے لڑنا پڑا۔ اوسنے ایک تخت اور وزیر لڑائی کے بعد اذکو شکست دی۔ اس بادشاہ کی بہن نے جب کانام رہائش تھا ایک شخص مسمیٰ عدی سے جو بنی نحم میں تھا شادی کر لی۔ خذیم کے بعد اوسکا بھانجا عمر ابن عدی تخت نشین ہوا اوسکے بعد اوسکا بیٹا امر القیس اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا عمر بادشاہ ہوا۔ مگر اوسکو اوس بن قلام حلیقی نے تخت سے اوتا رویا۔ اوسکے بعد ایک یا دو بادشاہ اس خاندان کے حکمران ہوئے جن کے نام معلوم نہیں، لیکن اسقدر محقق ہر کہ امر القیس ثانی ابن عمر نے بہت جلد اپنے بھائی کی کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس لے لیا۔ یہ اول شخص تھا جس نے انسانوں کو زندہ جلادینے کی وحشیانہ رسم جاری کی جس کے سبب سے اوس نے محرق کا لقب حاصل کیا تھا۔ اسکے بعد نعمان جانشین ہوا۔ مگر دنیا کے جنگجووں سے کہیدہ خاطر ہو کر تیس برس سلطنت کر کے ترک شاہی کی۔ اور عبادت الہی میں مشغول ہو گیا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا اسود تخت نشین ہوا جس کو لوگ نعمان سے چند لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اوسکے بعد اوسکے بھائی المنذر ثانی کو تخت و تاج ملا۔ اسکے بعد علقمہ ذمیلی اور اوسکے بعد امر القیس ثالث ابن نعمان نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ اوسکے بعد المنذر ثالث لقب بہ مارا السمار جانشین ہوا۔ مگر اسکو کبھی قباؤ نے سلطنت سے خارج کر کے انھارث کو جو قبیلہ کندہ سے تھا اور جس نے ایران کے بادشاہ کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ حاکم مقرر کیا، جب کسریٰ نوشیروان تخت پر بیٹھا تو اوس نے السمارث کو حکومت سے علیحدہ کر دیا اور المنذر ثالث کو بھی حکومت دیدی۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا قابوس اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر الرابع اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا نعمان ابو قابوس تخت پر بیٹھا۔ اسی نعمان نے مذہب عیسائی اختیار کر لیا تھا۔ اور خسرو پرویز کے زمانے میں ایک مشہور لڑائی میں جو ایرانیوں کے ساتھ ہوئی تھی مارا گیا۔ اسکے بعد یاس ابن قبیصہ الطائی اور اوس کے بعد زاویہ اور اوسکے بعد المنذر الخامس بن نعمان بن قابوس بادشاہ ہوا۔ اسی بادشاہ کو خالد ابن ولید سردار لشکر اسلام نے خلافت اول کے عہد میں شکست دیکر سلطنت کو چھین لیا خطبات ۸۴-۸۶

جس زمانہ میں یہ بادشاہ حکمران ہوئے اوسکا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانا اگر غیر ممکن نہیں تو مشکل بیشک ہے۔ مگر آخر بادشاہ ہو نہیں سکا۔ دو بادشاہوں کا زمانہ ٹھیک ٹھیک بدرجہ یقین معلوم ہے۔ اور اگر نسلوں کے ہونیکے معمولی قاعدے پر غور کیا جائے تو بعض اور بادشاہوں کے عہد سلطنت کے زمانہ بھی کافی طور سے تحقیق ہو سکتے ہیں عمر ابن المنذر مارا السمار کی حکومت کے آٹھویں سال میں جناب رسول خدا ﷺ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخر الزماں پیدا ہوئے۔ اسی نے یہ بادشاہ ۶۲ھ میں تخت نشین ہوا ہو گا۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے پہل وحی آیاس کی حکومت کے چھٹے عینے میں نازل ہوئی تھی۔ اسی نے آیاس ۶۱ھ میں تخت نشین

ہوا ہوگا۔ عمر کی تخت نشینی سے پہلے اوسیں بادشاہ ہو چکے تھے۔ اور اون کی سلطنتوں کے مجموعہ کا بطور معقول
پانچ سو برس خیال کیا جاسکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں کا پہلا بادشاہ مالک ابن فہم ولادت مسیح علیہ السلام کے
قریب قریب تخت پر بیٹھا ہو گا خطبات ص ۷۷ لاہور۔

حمیری ملوک غسان سلطین شام۔

آل غسان کے شاہی سلسلہ کی تفصیل میں مورخ ابوالفراخ تحریر کرتے ہیں۔

سب سے پہلے جس شخص نے سلسلہ غسان سے ملوک مت کی حقیقت

ابن عمر ابن ثعلبہ ابن عمر ابن نریقیہ تھا۔ اسکے بعد عمر ابن جفہ

بادشاہ ہوا جفہ کے مر جانے کے بعد اسکا بیٹا عمر ابن جفہ تخت نشین

ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا ثعلبہ ابن عمر۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا

اسکارث ابن ثعلبہ اوسکے بعد اوسکا بیٹا جبار ابن اسکارث

اوسکے بعد اوسکا بیٹا اسحرث اوسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر المذکور

بادشاہ ہوا۔ المنذر المذکور کے بعد اوسکا بھائی نعمان ابن اسحرث

اوسکے بعد اوسکا بھائی جبار ابن اسکارث اوسکے بعد اوسکا

بھائی عمر ابن اسکارث اوسکے بعد جفہ الاصغر تخت نشین ہوا۔

اوسکے بعد اوسکا بھائی نعمان الاصغر۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا

نعمان ابن عمر ابن منذر نعمان کے بعد جبار ابن نعمان بادشاہ

ہوا۔ جبار ابن نعمان کے بعد نعمان ابن ابیہم تخت نشین ہوا

اسکے بعد نعمان ابن اسحرث بادشاہ ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا

منذر ابن النعمان تخت نشین ہوا۔ اسکے بعد اسکا بھائی عمر ابن

نعمان اسکے بعد اسکا بھائی نعمان ابن اسحرث جس کی

کنیت ابوکریم تھی تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ

کا لقب قطام تھا۔ اسکے مر جانے کے بعد اوسکا بھائی منذر

ابن جبار تخت نشین ہوا۔ اوس کے بعد اوس کا بھائی

عمر ابن جبار بادشاہ ہوا۔ اوس کے بعد اوس کا بھائی

جبار ابن اسحرث ابن جبار تخت نشین ہوا۔ اوس کے بعد

اول من ملوک غسان جفہ بن عمر بن ثعلبہ بن عمر بن

نریقیہ ثم ملوک بعدہ ابنہ عمر بن جفہ

ثم ملوک بعدہ ابنہ ثعلبہ ابن عمر ثم ملوک ابنہ

بعدہ اسکارث ابن ثعلبہ ثم ملوک ابنہ جبار ابن

اسکارث ثم ملوک ابنہ اسحرث ثم ملوک بعدہ ابنہ

المنذر المذکور ثم ملوک المنذر المذکور المذکور

و ملوک بعدہ اخوة النعمان ابن اسحرث ثم ملوک

بعدہ اخوة جبار بن اسکارث ثم ملوک بعدہ اخوة

عمر بن اسکارث ثم ملوک جفہ الاصغر ثم ملوک

بعدہ اخوة النعمان الاصغر ثم ملوک نعمان بن عمر

ابن المنذر ثم ملوک بعدہ نعمان المذکور ابنہ جبار

النعمان ثم ملوک بعدہ النعمان بن ابیہم ثم ملوک

اخوة اسحرث ابن ابیہم ثم ملوک ابنہ النعمان

ابن اسحرث ثم ملوک ابنہ المنذر ابن النعمان

ثم ملوک اخوة عمر بن النعمان ثم ملوک اخوة جبار

ابن النعمان ثم ملوک ابنہ اسکارث ابن جبار ثم ملوک

ابنہ جبار ابن اسکارث ابن جبار ثم ملوک ابنہ المنذر

ابن اسحرث و کنیتہ ابوکریم و لقبہ قطام ثم

ملوک بعدہ ابیہم ابن جبار ثم ملوک بعدہ اخوة

المنذر ابن جبار ثم ملوک اخوة جبار ابن جبار

حبلۃ ثم ملک اخوهم حمز بن حبلۃ ثم ملک بعدہ
ابن اخیه حبلۃ ابن الحرث ابن حبلۃ ثم ملک
بعدہ حبلۃ ابن اکہ بہم بن حبلۃ وھو اخر
الملوک الفساق وھو الذی اسلم فی خلافة
عمر ثم عاد الی الروم وتنصر (ابو الفدا)
اس کے آگے مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

فلما ملک جرجس دد امورھم و ساسھم
سیاسة وانتزع من الخمیس ما کان
بایدھم من ارض بکر ابن وائل
و ملک بعد الحجاز المدکو بنہ عمر ابن جرجس
ملک بعدہ ابنہ الحرث ابن عمر

حبلۃ ابن الایہم ابن حبلۃ آخر بادشاہ آل عسان ہوا۔ اور
یہ وہی شخص ہے۔ جو خلافت عمر کے زمانہ میں اسلام لایا۔
پھر ملک روم میں بھاگ گیا۔ اور نصرانی ہو گیا۔
(ابو الفدا)

جب حیر بادشاہ ہوا تو اوسنے قوم کا نہایت خوب انتظام کیا اور انہیں
نہایت خوبی سے حکمرانی کی۔ اور شاہان خمیسین کے قبضہ میں علاقہ
بکر ابن وائل کے جس قدر حصہ چلا گیا تھا۔ وہ تمام وکمال اُنے
خالی کر لیا۔

جرجس کے بعد اوسکا بیٹا عمر اور اُسکے بعد حرث ابن عمر یکے بعد دیگرے
بادشاہ ہوئے۔

ملوک حجاز کا ضمنی تذکرہ (کُندہ)

حرث ابن عمر کے بعد شاہی سلسلہ میں مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

و ملک اخوہ راہی اخا یعرب (جرجس ابن جرجس)
ملک بعد جرجس ابنہ عبد یلیل بن جرجس ثم
ملک ابنہ جرجس ابن عبد یلیل ثم ابنہ
عبد المذک ابن جرجس ثم ابنہ ثعلبہ ابن
عبد المذک ثم ابنہ عبد المسیح بن ثعلبہ ثم ابنہ
مضاض ابن عبد المسیح ثم ابنہ عمر بن مضاض
ثم اخوہ الحرث بن مضاض ثم عمر ابن الحرث
ثم اخوہ بشر ابن الحرث ثم مضاض ابن عمر
ابن مضاض۔

اوس کے (حرث ابن عمر) بعد اوس کا بھائی رعیسی
یعرب (جرجس ابن جرجس) بادشاہ ہوا۔ اوس کے بعد اوس کا بیٹا
عبد یلیل حکمران ہوا۔ اوس کے بعد اوسکا بیٹا جرجس
بادشاہ ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا عبد المذک ابن اوسکے بعد اوسکا
بیٹا ثعلبہ ابن عبد المذک ابن حکمران ہوا۔ اوسکے بعد عبد المسیح
ابن ثعلبہ اوسکے بعد مضاض ابن عبد المسیح تخت نشین ہوا
اوسکے بعد عمر ابن مضاض اوسکے بعد اوسکا بھائی حرث ابن
مضاض۔ اوسکے بعد عمر ابن الحرث اوسکے بعد اوسکا بھائی
بشر ابن الحرث تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد مضاض ابن عمر
ابن مضاض حکمران ہوا۔ (ابو الفدا)

مورخ ابو الفدا اسی کے متعلق یہ یادداشت بھی لکھتے ہیں۔ من ملوک العرب زہیر ابن خباب بن

جیل و کان زھیر المذکور قد اجتمع بابرہۃ الاشتر صاحب الفیل۔ ملوک عرب میں سے ایک زہیر ابن خیاب بن خیل نامی تھا اور یہ زہیر ابرہہ الاشتر کے ساتھ واقعہ فیل میں شریک تھا۔

مرقومہ بالا آل غسان کی اجمالی فہرست کی تفصیلی حالت ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے۔
عرب العارہ بنے ایک و سلطنت صوبہ غسان میں قائم کی تھی۔ اس سلطنت کے حکمران عرب اشام کے نام سے مشہور تھے۔ اگر صحیح طور پر غور کیا جائے تو یہ حاکم قیصر روم کی طرف سے بطور عمال تھے۔ مگر لقب شاہی کے اختیار کرنے کی وجہ سے سلاطین عرب کے ذیل میں بیان ہوتے ہیں۔ چونکہ بعض امور ان لوگوں کو ایسے متعلق ہیں جن سے ہم کو بعض امور کی تحقیقات اور مباحث میں آسانی ہوگی۔ اسلئے انکی سلطنتوں کا ایک مختصر حال اس مقام پر لکھ دینا ضروری ہے۔

اس سلطنت کی بنا چار سو برس قبل ظہور اسلام کے ہوئی اور یہ زمانہ تین سو صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہے۔ جفہ ابن عمر پہلا شخص ہے جس نے اس خاندان میں لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ شخص آزدی کے ازہ فرع حمیر کی اولاد میں تھا۔ جو خاندان کھلان سے تھا۔ وہ عرب جو ان سے پہلے شام میں رہتے تھے۔ ضجاعہ کہلاتے تھے۔ ضجاعہ نے مدت دراز تک متحدہ ہی کے ساتھ اونکا مقابلہ کیا مگر بالآخر شکست اٹھائی اور اسکے بعد اوسکا بیٹا تخت نشین ہوا۔ اسی طرح ایک عرصہ تک اختیارات شاہی یکے بعد دیگرے۔ الحارث۔ جبکہ۔ الحارث۔ المنذر الاکبر کے ہاتھ میں رہے۔ اس اخیر بادشاہ کے بعد اوسکا بھائی نعمان بادشاہ ہوا۔ اوسکا بھائی جبکہ اسکا بھائی ابہم۔ اوسکے بعد اوسکا بھائی عمر تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد جفہ الا صفر ابن المنذر الاکبر کی باری آئی اور اسکے بعد نعمان الا صفر اور اوسکے بعد اوسکا بھتیجا نعمان ثالث ابن عمر بادشاہ ہوا اور اسکے بعد جبکہ ابن نعمان کے ہاتھ سلطنت لگی۔ یہ بادشاہ خاندان حمیرہ کے بادشاہ ماراسما کا ہمعصر تھا۔ وہ اس سے چند لڑائیاں ہی لڑا تھا۔ اوسکے بعد نعمان رابع ابن الایم اور اوسکے بعد الحارث الثانی اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا نعمان الخامس اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد عمر برادر المنذر اور حجر برادر عمر یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے۔ اسکے بعد حارث ابن حجر اور جبکہ ابن الحارث اور الحارث ابن جبکہ باری باری سے حکمران ہوئے۔ پھر نعمان ابو کرب ابن الحارث اور ابہم عم نعمان تخت پر بیٹھے۔ اور ابہم کے بعد اوسکے تین بھائی۔ المنذر۔ سراجیل اور عمر یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عمر کے بعد اوسکے بھائی جبکہ ابن الایم بن جبکہ کو سلطنت ملی۔ یہ بادشاہ حضرت عمر کی خلافت تک زندہ تھا۔ پہلے مسلمان ہوا۔ پھر روم کو بھاگ کر عیسائی ہو گیا۔ اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ تقریباً سن ۶۴۰ء میں ہو گیا۔

ملوک کندہ۔ عرب العارہ کی ایک اور چوٹی سی اور چیدہ رزہ سلطنت کی بنیاد آل کندہ نے جو خاندان

کہ سلطان سے تھا، قائم کی تھی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ حجاز بن عمر بن ابی اسد بن حنیس نے ملک حیرہ کے ایک حصہ کو دیا کہ ایک نئی سلطنت حاصل کر لی۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا عمر اوسکے بعد اوس کا آخرت تخت پر بیٹھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے کسریٰ قباد کا مذہب اختیار کر کے اوسکی اعانت سے سلطنت حیرہ کو دیا تھا۔ مگر جب نو شیرواں نے اوس سے المنذر کو سلطنت دلوادی تب تجارت دیا کہ سب کو چلا گیا۔ مگر اوس کے بعد اوسکے بیٹے چند روز تک چند مقامات پر حکومت کرتے رہے۔ جو بنی اسد پر حکم ارا تھے۔ سراجیل بکر ابن ابی اسد پر بعد ہی کہ بقیہ خاندان پر سلاطنت پر اور غریر حکم تھا۔ حیرہ کے بعد جو مارا گیا تھا۔ اوسکے بیٹے امر القیس نے از سر نو بنی اسد کو مطیع بنالیا۔ یہ امر القیس وہی بہت بڑا مشہور عرب کا شاعر ہے۔ جب منذر مارا گیا اور سر نو تخت حکومت پر بیٹھا تو امر القیس اوسکے خوف سے بھاگا۔ اور کہیں رو پوش ہو گیا ان سب بادشاہوں نے پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں حکومت کی تھی۔

ملوک حجاز۔ ایک اور سلطنت حجاز میں قائم ہوئی تھی جس زمانہ میں بنی اور حیرہ کی سلطنتیں اندرونی جنگوں سے ضعیف ہو گئیں تھیں۔ اسی زمانہ میں اولاد یعرب یا ہریم نے ایک نئی اور خود مختار سلطنت حجاز میں قائم کی تھی۔ اسی سلطنت کا اول بادشاہ بقول ابوالفدا ہریم تھا جس کا بیٹا یعرب بنی میں حکمرانی کرتا تھا۔ ابوالفدا نے ہریم کے ذیل نام لکھوئے ہیں۔ یاسیل۔ ہریم ابن یاسیل۔ عبد المدا ابن ہریم۔ ثعلبہ ابن عبد المدا۔ عبد المسیح ابن ثعلبہ۔ مضاض ابن عبد المسیح۔ عمر ابن مضاض۔ اسحرش برادر مضاض۔ عمر ابن اسحرش۔ مضاض ابن عمر ابن مضاض۔ اگر ابوالفدا کے نزدیک یہ بادشاہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام سے پیشتر گذرے ہیں۔ یا اوسکے بعد گذرے ہیں۔ کیونکہ عبد المسیح کے نام سے بلاریب ثابت ہوتا ہے کہ وہ عیسائی تھا۔ اور اسلئے کہ ان میں سے کسی کو وہ حضرت اسماعیل سے پیشتر گذرے ہوں یا اوسکے بعد گذرے ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سلطنتیں اوسوقت قائم ہوئیں جب حیرہ اور کندہ کی سلطنتیں زوال کی حالت میں پہنچ گئی تھیں۔ اور اس بنا پر کہ یہ یقین ہے کہ ان کا زمانہ پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں تھا۔ یہ بھی واضح رہے کہ عمر ابن لاجی اسلئے کہ اس کے آخر میں اسی سلطنت پر حکم ارا تھا۔ ابوالفدا کا بیان ہے کہ اسی شخص نے بت پرستی کو حجاز و عرب میں رواج دیا اور کہہ میں بت پرست ہوں (مقلد) کہ یہ کی جہت پر اور اسات و ناکلہ و اور مقاموں (مردہ) پر نصب کر دئے۔

مثل دیگر عرب العرب کے جو حجاز میں متوطن ہوئے اور وہیں کے بادشاہ ہوئے۔ نہ ہریم ابن خیاب نے ہی لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ بات اوسوقت کی ہے جبکہ ابراہیم الاشرم نے مکہ معظمہ پر حکم کیا تھا۔ کیونکہ یہ

بات مشہور ہے کہ زہیر بنی ابرہہ اشرم کے ساتھ اوس مہم میں شریک تھا۔
اب ہم اپنے تالیفی دستور العمل کے مطابق عربا لعربہ کے تمام حالات و واقعات بیان کر کے، ان کے
انساب و اعتقادات کا شجرہ قلمبند کرتے ہیں۔ مگر یہ شجرہ صرف انہیں لوگوں کا ہے جنکا حال پہنچنے اس کتاب میں
بیان کیا ہے اس شجرہ سے ان مطالب کے سمجھنے میں آسانی ہوگی جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ تمام عربا لعربہ
جنکا ہم نے مفصل احوال اوپر بیان کیا ہے، بنی جرہم سے علاقہ رکھتے ہیں، مگر وقتاً فوقتاً اپنے مورثوں کے متعدد
قبیلوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ ان قبیلوں سے جو زیادہ مشہور اور صاحب نام ہیں، اور جنکا ذکر اکثر کتابوں میں
آیا ہے، ہم ذیل میں انہیں کو لکھتے ہیں۔ ان قبیلوں کی تقسیم قائم کرنے میں، تاریخ البو القدا اور معارف ابن قتیبہ
سے استفادہ کیا گیا ہے۔

قبائل مشہورہ عربا لعربہ

- | | |
|-------------------------------------|--|
| (۱) لعرب یا جرہم سے۔ بنو جرہم | (۲) عبد الشمس بن شیب سے۔ بنو سبا۔ |
| (۳) حمیر ابن سبا سے بنو حمیر | (۴) کہلان ابن سبا سے بنو کہلان۔ |
| (۵) اشعر ابن سبا سے۔ اشعرى | (۶) انمار ابن سبا سے بنو انمار |
| (۷) عامر ابن سبا سے عامر | (۸) عدی ابن انمار ابن سبا سے بنو عدی |
| (۹) نخم۔ ابن عدی سے نخمی | (۱۰) جذام ابن عدی سے بنو جذام |
| (۱۱) عدس بن نخم سے بنو عدس | (۱۲) غنم بن نخم سے بنو غنم |
| (۱۳) بنو الدار بن ذی بن نخم سے داری | (۱۴) غطفان ابن حیرام ابن جذام سے بنو غطفان |

قبائل ذیل بنو غطفان کی نسل میں ہیں

- | |
|---|
| (۱۵) بنو فضلہ (۱۶) بنو اصف (۱۷) بنو الضبیب (۱۸) بنو ابدالہ (۱۹) بنو النفاثہ |
| (۲۰) بنو اذلیج (۲۱) بنو عاکرہ (۲۲) بنو شیرہ (۲۳) بنو غضرہ (۲۴) بنو عبد اللہ |
| (۲۵) بنو سلیم (۲۶) بنو جبالہ (۲۷) بنو غنم (۲۸) بنو القالہ (۲۹) بنو سعد |
| (۳۰) بنو ذائل۔ |

قبائل ذیل بنو سعد کی نسل میں ہیں

- | |
|--|
| (۳۱) بنو عوف (۳۲) بنو فہیرہ (۳۳) بنو صبحہ (۳۴) بنو الاحنس (۳۵) بنو حنی |
|--|

(۳۶) خثمی (۳۷) بنو حنظلہ (۳۸)

قبائل ذیل بنو انمار کی نسل میں ہیں

(۳۹) خثمی (۴۰) بجیلی (۴۱) قستری (۴۲) بنو انمس (۴۳) دشمان (۴۴) سبیلہ (۴۵) سلفی (۴۶) اسلمی (۴۷) آل ذی زین

قبائل ذیل قضاعہ کی نسل میں ہیں

(۴۸) بنو کلیب (۴۹) عدی ابن خباب سے بنو عدی (۵۰) بنو علیم (۵۱) بنو المہدیہ (۵۲) بنو رفیدہ (۵۳) بنو مصر (۵۴) بنو القین (۵۵) بنو سلیم (۵۶) بنو ثویخ (۵۷) بنو جرم (۵۸) راسبی (۵۹) بنو ہرار (۶۰) بنو علی (۶۱) بنو مہرہ (۶۲) بنو خذردہ (۶۳) بنو سعیدہ (۶۴) بنو ہذیم (۶۵) بنو حبشی (۶۶) خثی (۶۷) سلامانی (۶۸) بنو حوینہ (۶۹) بنو حنظلہ (۷۰) النابغہ

قبائل ذیل تالیعہ کی نسل میں ہیں

(۷۱) دوقلاع (۷۲) ذونواس (۷۳) ذواسج (۷۴) ذوجدن (۷۵) ذوراش (۷۶) ذونین (۷۷) ذوجرش (۷۸) بنو اشول ذوناس (۷۹) بنو ساسک (۸۰) بنو حوث (۸۱) بنو فاران (۸۲) طائی (۸۳) غوثی (۸۴)

قبائل ذیل طائی کی نسل میں ہیں

(۸۵) بنو ہنہان (۸۶) بنو ثعل (۸۷) بنو السبیس (۸۸) حاتمی (۸۹) بنو تمیم (۹۰) توزی (۹۱) کندہ (۹۲) سکونی (۹۳) اوسلی (۹۴) حمدانی (۹۵) سبیعی (۹۶) وداعہ (۹۷) ندج (۹۸) مرادی (۹۹) سعیدی (۱۰۰) بنو خالد (۱۰۱) حنفی (۱۰۲) جعفی (۱۰۳) جنبی (۱۰۴) حکمی (۱۰۵) عاندی (۱۰۶) حلی (۱۰۷) عریکی (۱۰۸) زبیدی (۱۰۹) جدیلی (۱۱۰) الغمی (۱۱۱) شخصی (۱۱۲) بنو النار (۱۱۳) خلانی (۱۱۴) بنو الحکاس (۱۱۵) بنو قنان (۱۱۶) ازدی (۱۱۷) مازنی یا عنانی (۱۱۸) دوسی (۱۱۹) ہنوی (۱۲۰) جضی (۱۲۱) آل عنقا (۱۲۲) آل شرق (۱۲۳) حبلی

(۱۲۴) سلمانی (۱۲۵) روس عدنی (۱۲۶) جذیمی (۱۲۷) جہاشیمی (۱۲۸) سلیمی (۱۲۹) بنو اہنہ
(۱۳۰) معینی (۱۳۱) بنو سجدہ (۱۳۲)

قبائل ذیل ازو کی نسل میں ہیں

(۱۳۳) الغطریف (۱۳۴) بنو نیکر (۱۳۵) بنو اسجدہ (۱۳۶) بنو لہب (۱۳۷) غامدی

قبائل ذیل عبد اللہ ازو کی نسل میں ہیں

(۱۳۸) قحائل (۱۳۹) بنو عیک (۱۴۰) بنو مارق (۱۴۱) بنو عوف (۱۴۲) بنو طاقیہ (۱۴۳) بنو ہاد
(۱۴۴) بنو زاعی (۱۴۵) قمیری (۱۴۶) بنو حیل (۱۴۷) بنو المصطلق (۱۴۸) بنو الکعب
(۱۴۹) بنو الملح (۱۵۰) بنو عدی (۱۵۱) بنو سعد (۱۵۲) اسلمی (۱۵۳) بنو بامہ
(۱۵۴) حشیمی (۱۵۵) خزرجی

قبائل ذیل خزرج کی نسل میں ہیں

(۱۵۶) حشیمی (۱۵۷) بنو زریہ (۱۵۸) اسلمی (۱۵۹) بنو بامہ (۱۶۰) بنو سالم (۱۶۱) بنو کلب
(۱۶۲) القرظی (۱۶۳) بنو النجار (۱۶۴) بنو ساعدہ (۱۶۵) یہی قبائل انصار ہیں۔

قبائل ذیل اوس کی نسل میں ہیں

(۱۶۶) اشہلی (۱۶۷) بنو ظفر (۱۶۸) بنو السمارہ (۱۶۹) اہل قبا (۱۷۰) جمہی
(۱۷۱) اجارہ (۱۷۲) بنو واقف (۱۷۳) اسلمی (۱۷۴) بنو حلمہ - یہی قبائل انصار مدینہ ہیں۔

عرب المستقرہ

عرب مستوطنت

عرب المستقرہ کا سلسلہ نسب تیج (تاریخ) ابن ثامر ابن سادہ ابن راعون ابن فایع ابن عبید ابن شام
ابن ارشد ابن سام ابن نوح علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اسلئے یہ خاندان بھی سلسلہ عرب لغاریہ سے عبید

(۱) اسماعیلی حضرت انجیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام بن تروح (زمانہ) کی اولاد (تبریت بسفر تکوین۔

(۲) ابراہیم بیانی قطو را حضرت ابراہیم علیہ السلام بن ترج کی اولاد۔ جو اون کی تیسری بی بی قطورہ کے بطن سے تھی۔ (سفر نکون باب ۱۱ درس ۲۸ و باب ۲۵ درس ۱)

(۳) اَدَوُحی۔ جیسے بنو عیسیٰ بھی کہتے ہیں۔ وہ اَدَوُم ابن حضرت اسحاق ابن حضرت ابراہیم علیہما السلام ابن تریح کی اولاد سے تھے۔ (سفر تکوین باب ۱ درس ۲۸ و باب ۲۱ درس ۳ و باب ۲۵ درس ۲۵)

۱۰۴۰ م یا عیسوا بن حضرت اسحاقؑ۔ فاضل معاصر صاحب ارض القرآن عیسو کے حالات میں رقمطراز ہیں :-

حضرت یعقوب اور عیسو دونوں گئے بھائی تھے۔ اور حضرت اسحاق کے بیٹے تھے۔ عیسو کو فرزند اول تھے۔ لیکن پہلوٹے ہونے کی برکت
حضرت یعقوب نے بظرافت اخیل حاصل کی۔ عیسو روٹھ کر اپنے عم محرم حضرت اسمعیل کے پاس چلے گئے اور ان کی صاحبزادی سے جبکا نام
کشمیر یا محلات تھو شادی کر لی۔ پھر اور بھی شادیاں کیں۔ جن سے متعدد اولادیں اور اولادوں کی اولادیں (جن میں عمالقہ اور عوض مشہور ہیں)
پیدا ہوئیں۔ اور ان سب کو لیکر کوہ شعیب (سرات) میں اپنا مسکن بنایا۔ جو ملک شام سے لیکر انتہائے چین تک پھیلا ہوا ہے۔ عیسو کا نام دوم
سرخ تھا۔ اسی لئے اس خاندان اور ملک کا نام دوم پڑ گیا۔ جدید تحقیق جو یقینی نہیں ہے۔ یہ ہے کہ دوم کا نام ملک کی زمین کے سرخ ہونے
کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ ارض القرآن ج ۲ ص ۲۲

۵ تکوین ۲۵-۲۶ ۷ تکوین ۲۸-۲۹ ۸ تکوین ۳۰-۳۱ ۹ تکوین ۳۲-۳۳ ۱۰ تکوین ۳۴-۳۵ ۱۱ تکوین ۳۶-۳۷ ۱۲ تکوین ۳۸-۳۹ ۱۳ تکوین ۴۰-۴۱ ۱۴ تکوین ۴۲-۴۳ ۱۵ تکوین ۴۴-۴۵ ۱۶ تکوین ۴۶-۴۷ ۱۷ تکوین ۴۸-۴۹ ۱۸ تکوین ۵۰-۵۱ ۱۹ تکوین ۵۲-۵۳ ۲۰ تکوین ۵۴-۵۵ ۲۱ تکوین ۵۶-۵۷ ۲۲ تکوین ۵۸-۵۹ ۲۳ تکوین ۶۰-۶۱ ۲۴ تکوین ۶۲-۶۳ ۲۵ تکوین ۶۴-۶۵ ۲۶ تکوین ۶۶-۶۷ ۲۷ تکوین ۶۸-۶۹ ۲۸ تکوین ۷۰-۷۱ ۲۹ تکوین ۷۲-۷۳ ۳۰ تکوین ۷۴-۷۵ ۳۱ تکوین ۷۶-۷۷ ۳۲ تکوین ۷۸-۷۹ ۳۳ تکوین ۸۰-۸۱ ۳۴ تکوین ۸۲-۸۳ ۳۵ تکوین ۸۴-۸۵ ۳۶ تکوین ۸۶-۸۷ ۳۷ تکوین ۸۸-۸۹ ۳۸ تکوین ۹۰-۹۱ ۳۹ تکوین ۹۲-۹۳ ۴۰ تکوین ۹۴-۹۵ ۴۱ تکوین ۹۶-۹۷ ۴۲ تکوین ۹۸-۹۹ ۴۳ تکوین ۱۰۰-۱۰۱ ۴۴ تکوین ۱۰۲-۱۰۳ ۴۵ تکوین ۱۰۴-۱۰۵ ۴۶ تکوین ۱۰۶-۱۰۷ ۴۷ تکوین ۱۰۸-۱۰۹ ۴۸ تکوین ۱۱۰-۱۱۱ ۴۹ تکوین ۱۱۲-۱۱۳ ۵۰ تکوین ۱۱۴-۱۱۵ ۵۱ تکوین ۱۱۶-۱۱۷ ۵۲ تکوین ۱۱۸-۱۱۹ ۵۳ تکوین ۱۲۰-۱۲۱ ۵۴ تکوین ۱۲۲-۱۲۳ ۵۵ تکوین ۱۲۴-۱۲۵ ۵۶ تکوین ۱۲۶-۱۲۷ ۵۷ تکوین ۱۲۸-۱۲۹ ۵۸ تکوین ۱۳۰-۱۳۱ ۵۹ تکوین ۱۳۲-۱۳۳ ۶۰ تکوین ۱۳۴-۱۳۵ ۶۱ تکوین ۱۳۶-۱۳۷ ۶۲ تکوین ۱۳۸-۱۳۹ ۶۳ تکوین ۱۴۰-۱۴۱ ۶۴ تکوین ۱۴۲-۱۴۳ ۶۵ تکوین ۱۴۴-۱۴۵ ۶۶ تکوین ۱۴۶-۱۴۷ ۶۷ تکوین ۱۴۸-۱۴۹ ۶۸ تکوین ۱۵۰-۱۵۱ ۶۹ تکوین ۱۵۲-۱۵۳ ۷۰ تکوین ۱۵۴-۱۵۵ ۷۱ تکوین ۱۵۶-۱۵۷ ۷۲ تکوین ۱۵۸-۱۵۹ ۷۳ تکوین ۱۶۰-۱۶۱ ۷۴ تکوین ۱۶۲-۱۶۳ ۷۵ تکوین ۱۶۴-۱۶۵ ۷۶ تکوین ۱۶۶-۱۶۷ ۷۷ تکوین ۱۶۸-۱۶۹ ۷۸ تکوین ۱۷۰-۱۷۱ ۷۹ تکوین ۱۷۲-۱۷۳ ۸۰ تکوین ۱۷۴-۱۷۵ ۸۱ تکوین ۱۷۶-۱۷۷ ۸۲ تکوین ۱۷۸-۱۷۹ ۸۳ تکوین ۱۸۰-۱۸۱ ۸۴ تکوین ۱۸۲-۱۸۳ ۸۵ تکوین ۱۸۴-۱۸۵ ۸۶ تکوین ۱۸۶-۱۸۷ ۸۷ تکوین ۱۸۸-۱۸۹ ۸۸ تکوین ۱۹۰-۱۹۱ ۸۹ تکوین ۱۹۲-۱۹۳ ۹۰ تکوین ۱۹۴-۱۹۵ ۹۱ تکوین ۱۹۶-۱۹۷ ۹۲ تکوین ۱۹۸-۱۹۹ ۹۳ تکوین ۲۰۰-۲۰۱ ۹۴ تکوین ۲۰۲-۲۰۳ ۹۵ تکوین ۲۰۴-۲۰۵ ۹۶ تکوین ۲۰۶-۲۰۷ ۹۷ تکوین ۲۰۸-۲۰۹ ۹۸ تکوین ۲۱۰-۲۱۱ ۹۹ تکوین ۲۱۲-۲۱۳ ۱۰۰ تکوین ۲۱۴-۲۱۵ ۱۰۱ تکوین ۲۱۶-۲۱۷ ۱۰۲ تکوین ۲۱۸-۲۱۹ ۱۰۳ تکوین ۲۲۰-۲۲۱ ۱۰۴ تکوین ۲۲۲-۲۲۳ ۱۰۵ تکوین ۲۲۴-۲۲۵ ۱۰۶ تکوین ۲۲۶-۲۲۷ ۱۰۷ تکوین ۲۲۸-۲۲۹ ۱۰۸ تکوین ۲۳۰-۲۳۱ ۱۰۹ تکوین ۲۳۲-۲۳۳ ۱۱۰ تکوین ۲۳۴-۲۳۵ ۱۱۱ تکوین ۲۳۶-۲۳۷ ۱۱۲ تکوین ۲۳۸-۲۳۹ ۱۱۳ تکوین ۲۴۰-۲۴۱ ۱۱۴ تکوین ۲۴۲-۲۴۳ ۱۱۵ تکوین ۲۴۴-۲۴۵ ۱۱۶ تکوین ۲۴۶-۲۴۷ ۱۱۷ تکوین ۲۴۸-۲۴۹ ۱۱۸ تکوین ۲۵۰-۲۵۱ ۱۱۹ تکوین ۲۵۲-۲۵۳ ۱۲۰ تکوین ۲۵۴-۲۵۵ ۱۲۱ تکوین ۲۵۶-۲۵۷ ۱۲۲ تکوین ۲۵۸-۲۵۹ ۱۲۳ تکوین ۲۶۰-۲۶۱ ۱۲۴ تکوین ۲۶۲-۲۶۳ ۱۲۵ تکوین ۲۶۴-۲۶۵ ۱۲۶ تکوین ۲۶۶-۲۶۷ ۱۲۷ تکوین ۲۶۸-۲۶۹ ۱۲۸ تکوین ۲۷۰-۲۷۱ ۱۲۹ تکوین ۲۷۲-۲۷۳ ۱۳۰ تکوین ۲۷۴-۲۷۵ ۱۳۱ تکوین ۲۷۶-۲۷۷ ۱۳۲ تکوین ۲۷۸-۲۷۹ ۱۳۳ تکوین ۲۸۰-۲۸۱ ۱۳۴ تکوین ۲۸۲-۲۸۳ ۱۳۵ تکوین ۲۸۴-۲۸۵ ۱۳۶ تکوین ۲۸۶-۲۸۷ ۱۳۷ تکوین ۲۸۸-۲۸۹ ۱۳۸ تکوین ۲۹۰-۲۹۱ ۱۳۹ تکوین ۲۹۲-۲۹۳ ۱۴۰ تکوین ۲۹۴-۲۹۵ ۱۴۱ تکوین ۲۹۶-۲۹۷ ۱۴۲ تکوین ۲۹۸-۲۹۹ ۱۴۳ تکوین ۳۰۰-۳۰۱ ۱۴۴ تکوین ۳۰۲-۳۰۳ ۱۴۵ تکوین ۳۰۴-۳۰۵ ۱۴۶ تکوین ۳۰۶-۳۰۷ ۱۴۷ تکوین ۳۰۸-۳۰۹ ۱۴۸ تکوین ۳۱۰-۳۱۱ ۱۴۹ تکوین ۳۱۲-۳۱۳ ۱۵۰ تکوین ۳۱۴-۳۱۵ ۱۵۱ تکوین ۳۱۶-۳۱۷ ۱۵۲ تکوین ۳۱۸-۳۱۹ ۱۵۳ تکوین ۳۲۰-۳۲۱ ۱۵۴ تکوین ۳۲۲-۳۲۳ ۱۵۵ تکوین ۳۲۴-۳۲۵ ۱۵۶ تکوین ۳۲۶-۳۲۷ ۱۵۷ تکوین ۳۲۸-۳۲۹ ۱۵۸ تکوین ۳۳۰-۳۳۱ ۱۵۹ تکوین ۳۳۲-۳۳۳ ۱۶۰ تکوین ۳۳۴-۳۳۵ ۱۶۱ تکوین ۳۳۶-۳۳۷ ۱۶۲ تکوین ۳۳۸-۳۳۹ ۱۶۳ تکوین ۳۴۰-۳۴۱ ۱۶۴ تکوین ۳۴۲-۳۴۳ ۱۶۵ تکوین ۳۴۴-۳۴۵ ۱۶۶ تکوین ۳۴۶-۳۴۷ ۱۶۷ تکوین ۳۴۸-۳۴۹ ۱۶۸ تکوین ۳۵۰-۳۵۱ ۱۶۹ تکوین ۳۵۲-۳۵۳ ۱۷۰ تکوین ۳۵۴-۳۵۵ ۱۷۱ تکوین ۳۵۶-۳۵۷ ۱۷۲ تکوین ۳۵۸-۳۵۹ ۱۷۳ تکوین ۳۶۰-۳۶۱ ۱۷۴ تکوین ۳۶۲-۳۶۳ ۱۷۵ تکوین ۳۶۴-۳۶۵ ۱۷۶ تکوین ۳۶۶-۳۶۷ ۱۷۷ تکوین ۳۶۸-۳۶۹ ۱۷۸ تکوین ۳۷۰-۳۷۱ ۱۷۹ تکوین ۳۷۲-۳۷۳ ۱۸۰ تکوین ۳۷۴-۳۷۵ ۱۸۱ تکوین ۳۷۶-۳۷۷ ۱۸۲ تکوین ۳۷۸-۳۷۹ ۱۸۳ تکوین ۳۸۰-۳۸۱ ۱۸۴ تکوین ۳۸۲-۳۸۳ ۱۸۵ تکوین ۳۸۴-۳۸۵ ۱۸۶ تکوین ۳۸۶-۳۸۷ ۱۸۷ تکوین ۳۸۸-۳۸۹ ۱۸۸ تکوین ۳۹۰-۳۹۱ ۱۸۹ تکوین ۳۹۲-۳۹۳ ۱۹۰ تکوین ۳۹۴-۳۹

طیاریات و طبایع دانیله در علم کلیه ۱۲۴ ص ۲۹۰

کس جیل سے اسحاق نے عیسو سے پہلو ٹٹے ہوئی عظمت حاصل کی تو راتہ میں اس کے تعلق یہ قصہ قلمبند ہو۔
 یعقوب نے لپسی پکائی۔ اور عیسو جنگل سے آیا اور وہ ماندہ ہو گیا تھا۔ عیسو نے یعقوب سے کہا کہ اس لال لال میں سے کچھ مجھے کھانے کو
 دے۔ کیونکہ میں ماندہ ہو گیا ہوں۔ اس نے اس کا نام اووم ہوا۔ تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی اپنے پہلو ٹٹے ہوئی کا حق میرے ہاتھ پہنچا عیسو

(۴) نا حوری یا بنی ناعور۔ اولاد ناعور برادر حضرت ابراہیم علیہ السلام ابن تاریخ (ترج) سفر نکون باب ۲۸، ۲۹
(۵) ہارانی یا بنی ہاران۔ یعنی موآب و عمان بن تود بن ہاران ابن ترج کی اولاد۔ اس قوم کے لوگ کہی موآبی کہی
یوآبی اور کہی عمانی کہے جاتے تھے۔ مگر ہارانی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مشرق شاخیں اپنے اصل
ہاران پر جا کر جو ان دونوں کا مورثا اعلیٰ اس ہے۔ ایک ہو جاتی ہیں۔ سفر نکون باب ۱۱ اور ۲۸-۲۹ و باب ۱۹ اور ۳۰

بقیہ عبارت حاشیہ زیر میں ہے کہ رشتہ۔ نے کہا کہ دیکھیں تو مر رہا ہوں۔ سو پہلو مایہ زہنا کس کام آئیگا۔ تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی
مجھ پاس قسم کیا۔ اوس نے اوس پاس قسم کھائی۔ اور اوس نے اپنے پہلو سے ہونیکا حق یعقوب سے کہنا چاہا۔ تب یعقوب نے عیسو کو
روٹی اور سوسر کی دال دی۔ اوس نے کہا یا اور یا اور اٹھ کر چلا گیا۔ اس طرح عیسو نے اپنے پہلو سے ہونیکا حق ناچیز جاننا نہ توں ایسا آیت
ایسی ہی یعقوب سے لے لیسو کے حصہ کی آسمانی پرکھ پڑی لی۔ جب اسحاق پڑا ہوا اور اوس کی آنکھیں دھند لاکیں ایسی کہ
وہ دیکھ نہیں سکتا تھا تو اوس نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کو بلایا اور کہا کہ اے بیٹے۔ اوس نے کہا کہ دیکھ میں حاضر ہوں۔ تب اوس نے کہا کہ دیکھ
میں پڑا ہوا اور میں اپنے مرنیکا دن نہیں جانتا۔ سو اب میں تجھ سے منت کرتا ہوں کہ اپنا ہتھیار اپنا ترکش اور اپنی کمان سے اوجھل کر جا اور
میرے لئے شکار لے آ اور میرے لئے لذیذ کھانا چیا کہ میں چاہتا ہوں تیار کر۔ اور میرے لئے لاکھ لاکھ تانہ میں جی سے مرنے کے
آگے تجھ برکت بخشوں اور جب اسحق اپنے بیٹے عیسو سے باتیں کرتا تھا تب رقبہ (زوجہ اسحاق) نے سنا۔ اور عیسو جھگڑا کہ شکار مارے
اور لائے۔ نکون باب ۱-۱۰-۵۔

تب رقبہ نے اپنے بیٹے یعقوب سے حکام ہو کر کہا کہ دیکھ میں نے تیرے باپ کی باتیں سنی کہ تیرے بھائی عیسو سے حکام ہو کر کہا کہ میرے
لئے شکار لا۔ اور میرے واسطے لذیذ خوراک تیار کر تاکہ میں کھاؤں اور اپنے مرنے سے پیشتر خداوند کے آگے تجھ برکت بخشوں۔ سو اب میرے بیٹے
اوس حکم کے موافق جو میں تجھ دیتی ہوں میری بات کو مان۔ اب گلہ میں جا کر دال سے بکری کے دو اچھے اچھے بچے میرے پاس لا اور میرا
تیرے باپ کے لئے اداں سے لذیذ کھانا چیا وہ چاہتا ہے کہ کچھ کھاؤں گی اور تو اوس سے اپنا باپ کے پاس لا کر کہہ کہ وہ کھائے اور اپنے
مرنے سے پیشتر تجھ برکت بخشے۔ تب یعقوب نے اپنی ماں رقبہ سے کہا کہ دیکھ میرے بھائی عیسو کے ہاتھ پر بال چہا اور میرا دن صاف
ہے۔ شاید میرا باپ مجھے چھوئے اور میں اوس پاس دغا باز ساٹھروں اور برکت نہیں بلکہ لعنت اپنے اوپر لاؤں۔ اوسکی ماں نے اوس سے
کہا کہ تیری لعنت مجھ پر ہو اسے میرے بیٹے۔ تو عرفت میری بات مان اور ہائے اوتھیں میرے لئے لا۔ تب وہ گیا اور اوتھیں اپنی ماں پاس
لایا۔ اور اوسکی ماں نے لذیذ کھانا جیسا کہ اوسکا باپ چاہتا تھا کھا دیا اور رقبہ نے اپنے بیٹے عیسو کی نفیس پوشاکیں جو گھر میں اوس پاس
تھیں لیں اور اپنے چوٹے بیٹے یعقوب کو پہنائیں اور کیری کے بچہ کی کمال اوس کے ہاتھوں اور اوس کی گرہن پر جہاں بالی نہ تھے لپیٹی
اور وہ لذیذ کھانے اور روٹی جو اوس نے تیار کی تھی اپنے بیٹے یعقوب کے ہاتھ میں دئی۔ سفر نکون باب ۱۰-۱-۱۰

تب اوس نے اپنے باپ کے پاس آکر کہا کہ اے میرے باپ۔ وہ بلا دیکھ میں ہاں ہاں۔ تو کون جانتا ہے میرے بیٹے یا یعقوب اپنے

اب ہم ان مندرجہ بالا اقوام عرب المستعربہ میں سے ہر ایک قوم کے تفصیلی حالات و واقعات ذیل میں علیحدہ علیحدہ قلمبند کرتے ہیں۔ مگر قبل اسکے کہ ہم ان حالات کو آغاز کریں۔ یہ کہو یہ بتلادینا ہی ضروری ہے کہ ہمارے سلسلہ بیان میں وہ ترتیب جو ہم نے اور قائم کی ہے۔ باقی نہیں رہ سکتی۔ اسلئے کہ ہماری تالیفی ضرورت ہنگو اس ترتیب کے قائم رکھنے سے مانع ہے۔ اس مجبوری کی وجہ سے خلافت ترتیب مقتدرہ بالا۔ ہم سلسلہ اسماعیلی سے پہلے۔ بنی قنورہ کے حالات لکھتے ہیں۔ جو ہمارے سلسلہ ترتیب میں نمبر (۲) ہے۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ باب سے بولا کہ میں ہوں عیسو تیرا پہلو تھا۔ جیسا تو نے مجھ سے کہا میں نے دیا ہی کیا۔ اٹھ بیٹھے اور میرے شکار میں سے کچھ کھائے تاکہ توجی سے مجھے برکت بخشنے۔ تب اسحاق نے اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ کیونکر ہوا ہے کہ تو نے ایسا جلد پایا ہے اسے میرے بیٹے۔ وہ بولا اسلئے کہ خداوند تیرا خدا میرے آگے لایا۔ تب اسحاق نے یعقوب کو کہا کہ اسے میرے بیٹے نزدیک آ کہ میں تجھے چوؤں کہ تو میرا ہی بیٹا عیسو ہے کہ نہیں۔ اور یعقوب اپنے باپ اسحاق کے پاس گیا اور اس نے اسے چوکے کہا کہ آواز تو یعقوب کی ہے پر تمہارے عیسو کے ہیں اور اس نے اسے نہ پہچانا اسلئے کہ اس کے ہاتھوں پر اس کے بھائی عیسو کے ہاتھوں کی طرح بال تھے۔ سو اس نے اسے برکت دی اور کہا کہ تو میرا ہی بیٹا عیسو ہے؟ وہ بولا کہ میں وہی ہوں۔ تب اس نے کہا کہ تو میرے پاس لا کہ میں اپنے بیٹے کے شکار سے کچھ کھاؤں۔ تاکہ جی سے تجھے برکت دوں۔ سو وہ اس پاس لایا اور اس نے کہا یا۔ اور وہ اس کے لئے لے لایا اور اس نے پی۔ پھر اس کے باپ اسحاق نے کہا کہ اے بیٹے اب نزدیک آ اور مجھے چوم۔ وہ نزدیک گیا اور اسے چوما۔ تب اس نے اُسکے لباس کی پاس پائی۔ اور اسے برکت دی اور کہا کہ دیکھ میرے بیٹے کی پرچ اس کیت کی ریح کی مانند ہے جس میں خداوند نے برکت بخشی ہے۔ خدا آسمان کی اوس اور زمین کی چھٹائی اور اناج اور گنے کی زیادتی تجھے بخشے۔ تو میں تیری خدمت کریں گروہ تیرے آگے جھکیں تو اپنے بھائیوں کا خداوند ہو۔ اور تیری ماں کے بیٹے تیرے آگے خم ہوں۔ ہر ایک جو تجھے لعنت کرے ملعون ہو۔ مگر وہ جو تیرے لئے برکت چاہے مبارک ہو۔ تکوین باب ۱۸-۱۹۔

اور یوں ہوا کہ جو اسحاق یعقوب کو برکت دے چکا اور یعقوب اپنے باپ اسحاق کے حضور سے باہر چلا ویسے ہی اس کا بھائی عیسو اپنے شکار سے پہرا۔ اس نے بھی لذیذ کھانا پکا یا تھا اور اسے اپنے باپ پاس لایا۔ اور اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ اٹھئے اور اپنے بیٹے کا شکار کھائیے کہ آپ جی سے مجھے برکت دیں۔ اس کے باپ اسحاق نے اس سے پوچھا تو کون ہے۔ وہ بولا کہ میں عیسو ہوں تیرا پہلو ٹا بیٹا ہوں۔ تب اسحاق بشت کاٹا اور بولا کہ وہ کون تھا اور کہاں ہے جو شکار کر کے میرے پاس لایا اور میں نے تیرے آنے سے آگے سب میں سے کہا یا اور اسے برکت دی۔ ہاں وہ مبارک ہوگا۔ عیسو اپنے باپ کی باتیں سنتے ہوئے شدت سے چلا چلا کر اور سچوٹ بچوٹ کر دیا اور اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ مجھے بھی برکت دیجئے۔ وہ بولا کہ تیرا بھائی دعا سے آیا اور تیری برکت لیگیا۔ تب اس نے کہا کہ کیا اس کا نام یعقوب ٹھیک نہیں ہے کہ اس نے دوبار مجھ سے اڑنگا مارا۔ اس نے میرے پہلو سے ہونیکا حق لے لیا اور اب دیکھو اس نے میری برکت لے لی۔

بنو قنطرہ

یا

اہل مدین

حضرت شعیب علیہ السلام کی امت و انکی تبلیغ رسالت

قَالِي مَذِينِ اَنْجَاهُمْ شُعَيْبًا
سَلَّمَ قَمِ تَاَسْتَلِمُ قَمِ

اس اصول کا کہی بار بکرار ذکر گزر چکا ہے کہ سامی قومیں عموماً اپنی آبادی اور قومیت کو اپنے بزرگان نسل کے نام

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ پھر اس نے کہا کیا تو نے میرے لئے کوئی برکت نہیں رکھ چوڑی۔ اسحاق نے عیسو کو جواب دیا اور کہا دیکھ میں نے اسے تیرا خداوند کیا اور اس کے سب بھائی کو اس کی چاکری میں دیا اور ناج اور سہ اوتے بخشی۔ اب اسے میرے بیٹے میں میرے لئے کیا کروں۔ تب عیسو نے کہا کہ اسے باپ کیا آپ کے پاس ایک ہی برکت ہے؟ اسے میرے باپ۔ مجھے بھی برکت دیجئے اور عیسو چلا چلا کر دیا۔ تب اس کے باپ اسحاق نے جواب دیا اور اس سے کہا کہ دیکھ زمین کی چٹائی ہے اور اوپر کے آسمان کی آویس سے تیرا قیام ہوگا اور تو اپنی تلوار سے زندگانی بسر کرے گا۔ اور اپنے بھائی کی خدمت کرے گا۔ اور یوں ہوگا کہ جب تو زرد میں پڑے گا تو اس کا جوا اپنی گردن پر سے توڑ کر پھینک دیگا۔ سفر تکوین باب ۲۷ درس ۸ تا ۱۴

متذکرہ بالا عبارت توراۃ سے وہ لطائف الحیل جسکے ذریعہ سے بقول صاحب ارض القرآن نے یعقوب نے عیسو المدعو آدم سے اس کے فرزند اول ہونے کے حقوق حاصل کئے اور اس حق کے ساتھ آسمانی برکت بھی لے لی۔ پورے طور سے ظاہر ہو گئے۔ ظاہر میں نگاہوں میں اگرچہ یہ طویل طویل تفصیل ضرورت سے زیادہ معلوم ہوگی۔ مگر حقیقت میں اور درعائن اس حضرات میری غرض و مدعا اور انکی ضرورتوں کو سمجھتے ہیں۔ جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

اول یہ واقعہ صاف صاف اس امتیاز اور افتراق کو بتلوا رہا ہے جو کتب قدیمہ سماویہ اور قرآن مجید کی عبارت اور مطالب معانی میں پایا جاتا ہے۔ جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خلفاء اور کتب الہیہ کے قرآن مجید نے انبیاء و مرسلین کے طبقہ اعلیٰ کی معاشرت۔ اور انکا اعلیٰ اخلاق اور کیا تمدن کس شان اور عظمت سے دکھایا ہے۔ یہی باعث ہے کہ قرآن مجید نے کتب قدیمہ و سماویہ کے ان لغویات و حشویات کو جو نہ کہی الفاظ الہامی کہلائے کی حیثیت رکھتے ہیں اور نہ انداز و ہی ربانی ہونے کی عظمت۔ معارض اخلاق انبیاء سے کرام کیا مخالف عادات و عوام ظاہر ہوتے ہیں۔ اپنے صفحات میں جگہ ندھی اور ادنیٰ ذکر تفصیل کو قطعاً راقط کر دیا۔ اور یہی قرآن مجید کی خصوصیت۔ اس کے خالص کلام الہی

سے موسوم کرتی ہیں۔

مدین جتنے حالات اس فصل میں بیان ہوئے ہیں۔ اپنے بانی و موسس خاندان مدین بن ابراہیم راز لطف قیظہ (علیہ السلام) کی طرف منسوب ہیں۔ مدین نے اپنی آبادی اپنے ہی نام سے اپنے بھائی اسماعیل کے پہلو میں قائم کی۔ اہل مدین یہ ملک نولاً خلیج عقبہ (عیلانہ) کے ساحل پر دہانہ خلیج سے ساحل بحر احمر و ارض نمود و حجاز تک جہاں نمود و جہیم اور عرب اسماعیلی آباد تھے۔ واقع تھا۔

یہ تفسیر حاشیہ زیرین ہفت گزشتہ سہ سونے کی ندرت ہے کہ ان میں اُن بے جوڑ اور بے لگاؤ انسانوں اور داستانوں کی برقی نہیں ہے جو حکام الہی کی تقدیس کو انسانی تدبیر و تدبیر سے ناپاک کرتی ہو۔ تورات مقدس کے الفاظ و آیات کو پڑھ کر کہی کوئی عقل والا کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک مقدس پیغمبر اور ایک بعد ایک ہونے والے متبرک پیغمبر کے اخلاق ہیں۔ دیا نیست ہیں اور احوار۔ فاعتمدوا اولی الابصار۔

دوسرے یہ کہ مخالفین اسلام عام اس سے کہ یہود ہوں یا نصاریٰ۔ اپنی عالم فریبی۔ خود غرضی۔ اور تعصب مذہبی سے حضرت امیرؐ اور ان کی اولاد کو حضرت سارہ اور ان کی اولاد کے مقابلہ میں ہمیشہ حقیر اور ذلیل سمجھتے اور سمجھاتے آئے اور باعتبار حسب نسب کے بنو ہاجرہ کو بنو سارہ سے۔ شرافت و نجابت اور قدر و مرتبت میں گرائے آئے اور اپنے زعم باطل میں کہیں آل اسماعیل کو اولاد اسحاق کے ساتھ اسحاق و یونس کے قابل نہ سمجھے۔ اب وہ ان واقعات تورات کو جو ان کے خاص انخاص روایات معتبرہ میں عبرت و عبرت کی نگاہوں سے دیکھیں اور سمجھیں کہ ان کی منویانہ عالم فریبی اور تعصب مذہبی کے برخلاف آل اسماعیل اور بنو اسحاق میں نورانی کیسا توفیق اور پیوند تمہاری ہی روایات و اعتقادات سے صاف صاف منافات ثابت ہو رہا ہے۔ اسماعیل کی صاحبزادی سے اسحاق کا صاحبزادہ پیدا ہوا ہے۔ بھائی بھائی کے بیٹے ہیں تو جد فی الامل اور توحید فی النسل کی حقیقی اور اصلی شان ظاہر ہوتی ہے۔ اور صاحبزادہ اور حقوق تراست کی اداکاریوں کا پورا اعلان کیا جاتا ہے۔ جو منجانباً اخلاق اور معاشرت کے اصول پر فرض کئے گئے ہیں۔ اور جن کی تعلیم و تلقین کا اپنی خاص مشاغل کے ساتھ تمام انبیاء و مرسلین کو حکم تکید ہی تفویض فرمایا گیا ہے۔ جس ناپاک خیال کو ہم اپنے مسدود عداوت کی وجہ سے بنو ہاجرہ کی کسر شان گئے لئے ایک بے ادبانہ اور محض منویانہ طریقہ سے پھیلانا چاہتے ہو۔ اسکا تو تمہاری انار دایات میں کہیں نام و نشان اور دسم رنگان بھی نہیں ہے۔ سارہ اور ہاجرہ کی اولاد و ذریعات میں اس واقعہ سے تو کسی قسم کا کوئی اختلاف جو تمہارا خاص دشمنی اور حسد و حسد ثابت ہو تا ہے۔ ذرہ بہرہ ہی پایا نہیں جاتا پہرے تفریق اور اختلاف اور اس کی منویانہ تشویر و اشتعال سوا سے تمہاری شرار و نفسی تعصب مذہبی اور عداوت تبلیغی نہیں یقین کیا گئی تو اور کیا۔ باقی رہا یہ امر کہ تورات میں حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ کی لونڈی بتلایا ہے۔ یہ بھی محض بہتان ہے اور کن رب انرا کا طوفان مشکلی کامل تر وید تمہارے ہی روایات سے جناب ہاجرہ کے خاص حالات میں بالتفصیل قلمبند ہے۔

المولف الاحقر

سید اولاد حبیب عرفی عہد

تاریخ مدین۔ چونکہ ارض مدین حضرت موسیٰ کا دارالہجرت ہے اور اہل مدین و بنی اسرائیل میں ہمیشہ تعلقات جنگ و صلح جاری رہے ہیں۔ اسلئے توراۃ میں مدین کے ذکر نہایت کثرت سے آئے ہیں۔ ہم انہیں کا اقتباس کریں گے اسکا سبب یہ ہے کہ یونان دروم کے عہد میں اسپرنتجا قابض تھے جنہوں نے مدین کو چور کر قسیم اور حجر کو آباد و مشہور کیا تھا۔

ہم مدین کا آغاز سنہ ۱۱۱۱ ق م سے فرض کرتے ہیں۔ کیونکہ پرم مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ سنہ ۱۱۱۱ یا سنہ ۱۱۱۱ ق م ہے۔ ایک خاندان کو قوم کی حیثیت پیدا کرنے کی کم از کم سو دو سو برس کی مدت ضرور ہونی چاہیگی اسلئے مدین توراۃ میں سب سے پہلے عہد یعقوب میں (سنہ ۱۱۱۱ ق م) سوداگروں کے بھیس میں نظر آئے ہیں۔ حضرت یوسف کو جو کاروان تجارت کنعان سے مصر لے گیا تھا۔ وہ یہی اہل مدین اور اسماعیلی عرب تھے۔ (تکوین ۲۷-۲۸-۲۹-۳۰-۳۱)

اسلئے قرآن مجید کی اس آیت میں۔

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَسْرَبُوا وَاسْتَرْهَقُوا فَادَّىٰ ذُلُوهُ
قَالَ يَبْنَؤُنِي هَذَا غُلَامٌ فَاسْتَرْهَقَهُ يَصْنَعُهُ
اللَّهُ عَلَيْهِمْ بَيْتًا لَّغَمُوكُنَّ وَشَرُّكُمْ بَنِينَ فَجَبَسَ
دِجْلَهُمْ مَعْدُودَةً وَكَانُوا فِيهَا مِنَ الْكَاهِنِينَ

ارتنے میں ایک کارواں آیا جس نے اپنے پانی والے کو بیجا
اوس نے اپنا ڈول نکالا تو چٹایا اسے خوش نصیبی! یہ ایک
لڑکا ہے۔ کارواں والوں نے ایک سہرا یہ کی چیز سمجھ کر یوسف
کو غنمی رکھا اور خدا اب ان کے کاموں سے آگاہ تھا (مصر پرچکر)
اون لوگوں نے معمولی قیمت پر (یوسف کو) چند درم میں بیچ ڈالا۔
کیونکہ وہ یوسف کی قدر نہیں جانتے تھے۔ (یوسف)

کارواں سے انہیں اہل مدین کو مراد لینا چاہیئے اور سلطان منسیر نے بھی ایسا ہی سمجھا ہے۔

ومعالم التنزيل تفسير سورة يوسف

یہ تجارت کی تاریخ کا سب سے پہلا صنفہ۔ اور اسماعیلی اور مدیانی عربوں کی تجارت کا سب سے پہلا قافلہ
اور مصر میں انکے تاجرانہ سفر کی منزل اولین نظر آتی ہے۔ مسیح سے دو ہزار برس پہلے قدامت پرست عرب کے
اس مدیانی اور اسماعیلی قافلہ کا سامان تجارت وہی تھا جو عربوں کی تجارت کا ہمیشہ سامان رہا ہے جو قبو و ذخیرہ
بلساں، صنوبر اور لبنان۔ (تکوین ۳۷-۳۸)

اس واقعہ کے چار سو برس بعد تک مدین کی تاریخ پر خاموشی چھا جاتی ہے۔ سبب یہ ہے کہ مدین کی سوانح نگار
بنی اسرائیل ہیں اور یہ زمانہ بنی اسرائیل کے قیام مصر کا ہے۔ ہم برس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور
ہوا۔ اور دعوت حق اور حبیب قومی کے جرم میں اونکو مصر سے ہجرت کرنی پڑی۔ تو اونکا لہجہ بھی اسی قافلہ کی سنہدین

تھی۔ جو اون کی قوم کو چار سو برس پہلے مصر پہنچا گئی تھی۔ یعنی مدین۔ خروج باب آیت ۱۸۔
 مدین کی قوم عموماً اوس وقت میں کاروبار میں نظر آتی ہے۔ وہ وہی ہے جو تمام سائی قوموں کا پیشہ تھا اور جو
 حضرت موسیٰ کو مصر کی تمدن زندگی میں میسر نہ آتا۔ جو تمام کے تعلیم اشرافیت پر کھینچ کر ضرورت تھا کہ وہ چاہتا ہے
 پہلے کلمہ بانی کا سبق لے۔ اس لئے تفسیر کے الہی نے موسیٰ کو مصر کے تمدن دار سے عرب سے لے کر کلمہ اور
 سادہ ملک میں بھیجا یا۔ جہاں شرف و سامنے ایک ایک اپنے آبائی عادات و اخلاق کو مسترد کر نہیں کیا تھا۔
 راہ قبول یا شرف و یا حب یا شہید۔ تاہم مدین کے قبائل ایک منظم زندگی رکھتے تھے۔ شہر میں مذہبی رسوم
 آداب کی تعلیم اور ان کی تعلیم کے لئے کتب خانہ (مذہبی حدود دار) ہوتے تھے۔ اور اکثر حالات میں یہی کام میں شہر
 کے قانونی حاکم ہی قرار پاتے تھے۔ حضرت موسیٰ کے عہد میں جو کام میں تھا۔ اوس کا نام توراۃ میں کہیں راہ قبول
 کہیں شرف و یا حب یا شہید ذکر ہے۔ لیکن اکثر مسلمان مصر میں کے نزدیک شہیدیت ہے۔ جو قلماء حب و یا حب سے
 بہت قریب ہے۔ حضرت موسیٰ حب مصر سے تشریف لائے تھے شہر مدین میں آئے تو انھیں حب و یا حب یا شہید کے
 یہاں اعلان ہوئے اور ان کے ان بکریاں چرائی گئیں۔ خدمت قبول کی اور ان کے عہد میں حضرت شہیدیت نے اپنی
 ایک بنی حضرت موسیٰ کی زوجیت میں دی۔

قرآن مجید میں مدین کا ذکر دو جگہ ہے۔ اول حضرت شہیدیت اور دوم حضرت موسیٰ کے تعلق سے
 حضرت موسیٰ کے تعلق کے حسب ذیل آیتیں ہیں۔

اہل مدین میں چند سال رہا۔ پھر اسے موسیٰ نے ایک اعزاز پر آیا۔
 (سورہ طہ)

جب موسیٰ (مصر سے) مدین کی طرف چلا۔ اٹھنے کے کھانا میرا
 پروردگار مجھے یاد دلا رہا ہے۔ دیکھا ہے کہ وہاں اوسے اور یہاں اوسے کہ کونوں پر
 ہو چکا اور اس میں کونوں کو کونوں کو پانی پلاتے ہوئے پایا۔ (سورہ قصص)
 (۱) اہل مدین میں میری تقسیم تھی۔ انہوں نے ان کی آیتوں کو پڑھتے
 ہوئے کھینچ کر لے لئے۔ (سورہ قصص)

(۱) فَلَمَّا بَلَغَ مِائَتَهُ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَمَّ جَسَدُ نَحْلٍ قَدِيرٍ
 لَمَّا بَلَغَ مِائَتَهُ (طہ)

(۲) وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلَقَّاهُ مَدْيَنَ تِلْكَ عَشْرٌ سَفِيَّاتٍ
 يَهْدِيْنَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَمَّا وَرَدْنَا مَدْيَنَ وَوَجَدْنَاهَا
 عَالِيَةً فُجُورًا (۱) (القصص)
 (۳) وَمَا كُنَّا نَبْغِيْ فِيْ أَهْلِ مَدْيَنَ تِلْكَ عَشْرٌ سَفِيَّاتٍ
 يَهْدِيْنَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (۲) (القصص)

حضرت موسیٰ نے اسرائیل کو لیکر حب مصر سے ہار دے رہے ہیں اس کے تو مدین کے کام میں لے لیا استقبالی کیا۔
 بنی اسرائیل غلامی کے عہد میں تھے۔ نظام و تربیت سے ان کا تہذیب و تہذیب کی طرح شہید روز پیغمبر کو

[illegible]

اس زمانہ کے تقریباً دیر ۱۷۵۰ء سو برس بعد شہر ہرین کے چار اور بادشاہوں کا توراۃ میں ذکر آیا ہے۔ زاماج و مہمان

عور سیا اور زیب۔ ایک وقت میں چند بادشاہوں کا وجود اس بادشاہ کی دلیل ہے کہ ملک شہر قباہل یا ریاستوں

پر مشتمل تھا۔

دیر پردہ کے فریب ہو آہیہ آباد تھا۔ مذہب کے اعتبار سے اہل حدیث اور اہل دواہیہ دونوں قوموں کی بہترین حالت
 تھی۔ لیکن اسکے چار ایشیہ میں امر اہل کو پیدا کر کے تھیں یہاں وہ ایک ایک کر کے پیدا ہو چکے تھے۔ یہ قوموں کی ترسٹن اور اویس کے
 قریبی جڑ پڑنا۔ انکا مذہب تھا۔ تمام قوموں کا سرور عیسیٰ مہور نامی دیوتا تھا۔ اخلاق و حالت ان کے مذہب کے مشرق
 خاندان کی کہ کیا ان کے مذہب کا بدترین نمونہ تھیں۔ ہر دو نکاحیہ حال تھا کہ ظلم و ستم کی انکی زندگی کا معمولی پیشہ تھا۔

٥ سفر العدد ٢٥ و ٢٦ و ٢٧ سفر القضاة ١ - ٤ ٥ سفر العدد ٢٥ - ١ - ٦ -

بنی اسرائیل مصر سے ہجرت کر موآب میں خیمہ زن تھے۔ ان بدکاروں نے بنی اسرائیل کیلئے سازشوں کا دام پھیلانا شروع کیا عورتوں نے جو انان بنی اسرائیل کو جو اصل میں اس فوج کے سپاہی تھے اپنے قابو میں کر لیا۔ سردار سے باغی بنا دیا۔ بتوں کے سامنے الٹا سر جھکا دیا۔ بعل فغور کے لئے ان سے قربانیاں کروائیں۔ مردوں نے اس پاس کی قوموں سے ساز باز کی کہ بنی اسرائیل کو غنیمت دنا ہو کر دیں۔ بنی عمان کے ملک سے وہاں کے پیغمبر بلعام (بلعم باعور) کو بلوایا کہ وہ اسرائیل کے لئے بد دعا کرے اس وقت

خدا نے موسیٰ سے کلام کیا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لئے اہل مدین سے انتقام لے اور اس وقت تو اپنی قوم میں

مجمع ہوگا۔ (سفر العدد ۱۰-۳۱)

ان حالات کی بنا پر بنی اسرائیل کو پھر اپنے قابو میں لانے کیلئے اور مدین کی گھنگار آبادی کی سزا دہی کیلئے ضروری ہوا کہ حسب حکم الہی مدین اور معاذین مدین سے جہاد کیا جاوے۔ موآب۔ حبشوں اور مدین کی تسفقتوت کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ نے دو ہزار آدمی بھیجے۔ دشمن اپنی کثرت اور سامان کے باوجود کامیاب نہ ہوئے مدین کے پانچ سردار: عومی۔ رقیم۔ صور۔ حور اور رلیع مارے گئے۔ تمام مرد۔ بچے اور عورتیں قتل ہوئیں۔ لوٹ لیا قید ہوئیں۔ اور انکا سامان غنیمت میں ہاتھ آیا۔

قوم مدین کی اس تباہی کے بعد شہر مدین ہم اسماعیلی عربوں کے ہاتھ میں پاتے ہیں۔ اور اب اسکے بعد جن اہل مدین کا توراۃ میں ذکر ہے وہ یہی اسماعیلی ہیں۔ قوم مدین کی تباہی کے تقریباً ۵۰ برس بعد عمالیق اور دیگر عرب قبائل اسماعیلی مدین کی سرکردگی میں بنی اسرائیل پر حملہ آور ہوئے۔ ہر سال جب غلہ پکنے کے قریب ہوتا آندھی کی طرح بنی اسرائیل کے ملک میں آتے اور غلہ گائے بیل اور گدھے جو کچھ پاتے سب لوٹ لیتے فرزدان اسماعیل آبادی چھوڑ کر ہاروں اور غاروں میں روپوش ہو جاتے۔

آخر جب جن نامی ایک سردار اون میں پیدا ہوا جس نے بنی اسرائیل کی قوت کو مجتمع کیا اور صرف نہیں سو منتخب آدمیوں کو لیکر اوس نے اہل مدین پر جنون مارا۔ رات کی تاریکی میں دوست دشمن کی تمیز نہ ہوئی۔ ایک لاکھ بیس ہزار اہل مدین خود اپنی اور دشمنوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ عوریاں اور ذیبت۔ مدین کے دو بادشاہ قید ہوئے۔ جنکو نہایت ذلت سے قتل کیا گیا۔ اور دو بادشاہ زاباح اور صلتاح پندرہ ہزار آدمیوں کے ساتھ بھاگ کر نیکلے اور انکو پناہ نہ مل سکی۔

حویاب یا شعیبؑ - اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ کے خسر کا نام توراۃ میں شرو اور حویاب مذکور ہے۔ توراۃ

سفر العدد ۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱

کے شروع عبرانی میں لکھا ہوتا ہے کہ تیسروں کے دس نام تھے۔ دس نام ہوں یا نہوں۔ دو نام تو خود توراہ میں ہیں۔ ایک جرمن فاضل (HEINRICH EWALD) لکھتا ہے۔

اصلی نام جو باب تھا اور تیسرا ایک اعزازی لقب تھا جس کے لغوی معنی کامل کے ہیں جس

طرح یہودیوں کے اس کا تین اور مسلمانوں کے اس امام کا لفظاً۔ تاریخ بنی اسرائیل۔ ترجمہ

انگریزی ج ۱ ص ۲۵۰ حاشیہ مصنفہ ابو الہدیٰ

دوسری جگہ لکھتا ہے۔

جو باب کا نام قرآن میں اور عجمی مسلمانوں میں شعیب ہے۔ یہ نام جو باب کی تصحیف ہے۔

حضرت شعیب اور قرآن مجید۔ مدین اور حضرت شعیبؑ کا باہمی ذکر قرآن مجید کے تین سورتوں میں آیا ہے۔ اعراف ہو اور عنکبوت۔ اور وہ حسب ذیل ہے۔

اور مدین کے پاس اون کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا شعیبؑ نے کہا کہ اے بھائیو۔ خدا کو پوجو۔ اسکے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ خدا کی جانب سے گوہری آپکی۔ پیانہ اور ترازو پوری کر دو اور لوگوں کو اون کا حق کم نہ کرو۔ اور اصلاح کے بعد ملک میں فساد نہ ڈالو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور ہر اسے پر دھمکاتے کو نہ بیٹھا کرو اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو موت نہ دو اور سیدھی راہ کو پیڑھی نہ کرو۔ یاد کرو۔ جب تم قتلو گے۔ تو خدا نے تمکو پڑایا اور لغو رد کیسے کہ مسلمانوں کا انجام کیا ہوا۔ تم میں کچھ لوگ۔ یہ جو پیغام دیکر میں بھیجا گیا ہے۔ اور میرا ایمان لا چکے ہیں اور ایمان نہیں لائے۔ تو اس وقت تک صبر کرو کہ خدا تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ بہتر فیصلہ کرے والا ہے۔

سرداران قوم میں جو مغرور تھے۔ اسے کہ شعیبؑ ہم تمکو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے۔ وہ تمکو اپنی آبادی سے باہر نکالی دیں گے۔ یا تمہارے آبائی مذہب کو پر قبول کر لیں گے۔ شعیبؑ نے کہا کیا ہم نہ چاہیں تب ہی۔ اگر تمہارے مذہب

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَخَذُوا الْحَقَّ مِنَ اللَّهِ لِيُقِيمُوا الصِّدْقَ
اللَّهُ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَاتٌ مِنْ
رَبِّكُمْ فَأَوْفُوا بِالْكَيْلِ وَالْمِيزَانِ وَلَا تَتَّبِعُوا النَّاسَ
أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا فِي الْأَرْضِ بِحِسَابَ
الْهَوَىٰ فَيَذَلُّكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ أَلَّا تَكُونُوا مِنْ الْمَنُوعِينَ وَلَا
تَقْدِرُوا عَلَىٰ صِرَاطٍ تُؤْمِنُونَ وَلَا تَتَّبِعُوا
بِئْسَ لِلَّهِ شَرًّا مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَتَّبِعُوا سِوَاهُ
أَذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا قَلْبًا وَأَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ وَإِنَّا كَانَتْ لَأُفَّةٌ مِمَّنْ كَفَرُوا
بِالَّذِي أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا
حَتَّىٰ يُفْضِلَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُمْ خَيْرًا لِّلْمُتَّقِينَ
قَالَ الْمَلَأُ مِنَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُنْصِقَ
لِشُعَيْبٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مِنْ قَوْمِنَا وَلَوْ كَرِهُوا
فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَاهِنِينَ فَقَدْ افْتَرَيْنَا
عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنَّ عِدَّةَ نَافِي مِّنْكُمْ لَبَعْدٌ إِذْ فَعَلْنَا
اللَّهُ سُنْهًا وَمَا تَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُوذَ فِيهَا مِنَّا

اِنْ يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلٰى اللّٰهِ
تَوَكَّلْنَا رَبُّنَا اَفَرُبَّمَا يَفْتِنُنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ
خَيْرُ الْفَاتِحِينَ

وَقَالَ الْمَلٰٓئِكَةُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنْ اَتٰكُمْ
شُعَيْبًا اَنْتُمْ اِذْ اَنْتُمْ كٰفِرُوْنَ فَاَخَذْتُمْهُمُ الرَّحْفَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ خٰثِمِيْنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا
اَسَاكِنَ لَمْ يَخُنُوْا فِيْهَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا اَسَاكِنَ

فَنَقَلَ عَنْهُمْ وَ قَالَ لِقَوْمِ اَبْلَغْتُمْ مِ مَّسَلَّتْ سَبِي
وَصَنَعْتُمْ لَكُمْ فَاَكَيْفَ اَسْتَوِي قَوْمِ كَا فِرِيْنَ
(۱ عراف)

کو جس سے ہم کو خدا نے نجات دی۔ ہم پر قبول کر لیں تو ہم خدا
پر افترا باز نہ ہوتے ہیں۔ خدا کی مشیت بغیر سبکو ہر تہارے مذہب
میں جانا سزاوار نہیں۔ ہمارا پروردگار اپنے علم سے ہر شے
کو محیط ہے۔ ہم نے اوس پر ہر دسہ کیا ہے۔ ہمارا پروردگار۔
ہمارے اور ہماری قوم کے لوگوں کے درمیان سچائی کے ساتھ
فیصلہ کر دے اور تو بہتر فیصلہ کر دے۔

کفر پیشہ سرداروں نے لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ اگر شعیب
کی تم نے پیروی کی تو تم گمراہے میں رہو گے پس کچھ ہٹنے
آکر اونکو بکڑ لیا۔ پھر تو وہ اپنی جگہ پر پڑے کے پڑے رہ گئے۔
شعیب کے جھٹلانے والے گویا کہ ان گہروں میں کبھی آبادی
نہوئے تھے۔ اور وہی گمراہے میں رہے۔

شعیب اونکو اسی حال میں چھوڑ کر ہٹا اور پولا اسے میرے
بھائیو! میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا چکا۔ اور اپنی

خیر خواہی کا فرض بھی ادا کر چکا۔ اب کیونکر کفر پیشہ قوم کی تباہی کا غم کھاؤں۔

اس سے زیادہ تفصیل سورہ ہود میں ہے :-

وَالَّذِيْنَ يَنْتَظِرُ اَخْلَافَهُمْ شُعَيْبًا قَالَ لِقَوْمِ الْعَبَدِ وَاللّٰهِ
مَا اَكْبَرُ مِنْ اِلٰهِ غَيْرِكُمْ اَلَا تَقْصُرُوْنَ الْمِيْزَانَ
اِنِّيْ اَمْلِكُمْ مِّنْ غَيْرِيْ وَاِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّجْزِئٍ
وَلِقَوْمٍ اَوْفُوا الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَتَّبِعُوا
النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا فِي الْكَرْبِ مَفْسِدِيْنَ
بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْمِنِيْنَ وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ
بِعَظِيْمٍ

مذہب کی سمت ہم نے اون کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اُس نے کہا بھائیو
خدا کو پوجو۔ اوسکے سوا کوئی لائق پرستش نہیں۔ پیانا اور ترازو کم نکر دو
میں تم کو بھلائی کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ اور ایک گیر لینے والے دن
کے عذاب کو تجربہ کرتا ہوں۔ بھائیو! پیانا اور ترازو انصاف کے
ساتھ پوری رکھو۔ لوگوں کا حق کم نہ کرو۔ اور ملک میں فساد نہ پھیلاؤ
پرو۔ اگر ایمان والے ہو تو خدا نے جو باقی چھوڑا ہے وہی تمہارے
لیے بہتر ہے۔ اور میں تم کو کوئی نگرانی نہیں مقرر ہوا۔

اس مصلح اور خیر خواہ قوم کو مغرور اور ناشنوا قوم کے لوگ جو ابدیتے ہیں۔

لوگوں نے جو ابدیتے۔ شعیب کی تمہاری یہ نماز تمکو کہتی ہے کہ ہمارے
اسلاف جب کو ہم پوجتے تھے اوسکو چھوڑ دیں۔ یا ہم اپنے مال میں جو

قَالُوا الشُّعَيْبُ اَتَمَلُّوْا اَنْتَ اَنْ تَنْزِلَ مَا لِيْ بِمُجْدِ اٰبَاؤِكُمْ
اَوْ اَنْ تَفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَآءُ اِنَّكَ لَآَنْتَ الْخَلِيْمُ

الرَّشِيدُ -

نبی الشریعہ گرامان قوم کو پھر تکرار سمجھاتا ہے۔

قَالَ لِقَوْمٍ سَأَلْتُمْ إِيَّائِي كُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَ
 سَأَلْتُمْنِي مِنْهُ شَيْءًا مَحْصَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَهْذِلَكُمْ
 إِلَى مَا أَنْهَيْتُكُمْ عَنْهُ إِنَّ أُمُورَ بِلَالِكُمْ لَا يَصْلَاهُ مَا
 اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ
 أَنُبِئُ وَلِقَوْمٍ كَالْخَوَافِئِ شِقَاقِي أَنْ لِيَصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا
 أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ وَمَا قَوْمَ لُوطٍ مِثْلُكُمْ
 بَعِيدٌ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ اتَّوُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي
 رَحِيمٌ وَدُودٌ

چاہیہ وہ نہ کریں۔ تم ہی پر ہے عقلیہ اور نیک ہو۔

شعیبؑ نے کہا کہ۔ ہائیو۔ اگر میں اپنے پردہ گار کی بتائی ہوں
 دلیل پر قائم رہوں اور جو کچھ اوس نے حلال روزی سے ہی
 ہے۔ اوس پر قائم رہوں تو تمہاری کیا ہے۔ میں نہیں چاہتا
 کہ تمہاری مخالفت کر کے دو کروں۔ جس سے تمہیں روکتا ہوں
 میں تو اپنی طاقت پر تمہاری اصلاح چاہتا ہوں مجھ کو توفیق خدا
 ہی۔ کچھ نہ دے رہے۔ اوس پر ہر روز۔ اور اوس کی جانب
 رجوع ہوتا ہوں۔ ہائیو۔ صرف میری دشمنی اسکا باعث نہ
 کہ جس طرح نوح اور ہود کی قوموں پر عذاب ہونچا۔ تم پر ہی
 ہونچے۔ تو مکی قوم تم سے دور نہیں۔ اپنے پردہ گار کی مغفرت

چاہو۔ اوس کے سامنے تو بہ کرو۔ خدا رحمت اور محبت والا ہے۔

کافران قوم اس ولسوزانہ موعظت کا یوں مغرورانہ جواب دیتے ہیں۔

قَالُوا الشَّعِيبُ مَا لَفَقَهُ أَكْثَرَ مَا يَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ
 فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ
 عَلَيْنَا بِشَيْءٍ

وہ بڑے شعیبؑ سے ہم تمہاری بہت سی باتیں نہیں سمجھتے اور ہم اپنے
 میں تمکو کمزور پاتے ہیں۔ اگر تمہارے خاندان کا لحاظ نہ تو ہم
 تمکو بگاڑ کر چھینک دیتے اور کچھ تم ہم پر غالب ہی نہیں۔

زبان رسالت نہایت متانت سے انکشاف معرفت کرتی ہے۔

قَالَ لِقَوْمٍ اسْرَطِي اعْرِضْ عَلَيَّ مِنَ اللَّهِ وَاتَّخِذْ حُجْرَةً
 وَأَعْلَمُ طَغْرًا إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ وَلَقَدْ
 أَعْلَمُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ سَقُوفَ تَهْلِكُونَ مِنْ
 بَابِهِ عَذَابٌ جَزِيءٌ وَهُوَ كَذِبٌ وَأَرْقَبُوا إِلَيَّ
 مَعَكُمْ مَرْقَبٌ

شعیبؑ نے جواب دیا۔ ہائیو کیا میرا خاندان۔ خدا سے زیادہ
 تمہارے نزدیک کا کھانا قابل ہے۔ جو تم نے اوسکو پس پشت
 ڈال دیا۔ میرا پردہ گار تمہارے ہر کام سے واقف ہی۔ ہائیو۔
 تم اپنے مقام پر کام کیے جاؤ۔ میں ہی اپنا کام کرتا ہوں عین قریب
 معلوم ہو جائیگا کہ یسوا کرتا عذاب کس پر آئے گا۔ اور کون جھوٹا ہے
 انتظار کرو میں ہی منتظر ہوں۔

آخر ان بدکاروں کا نتیجہ یہ ہوا۔

وَمَا جَاءَهُمْ مِنَ الْجَبِينَا شُعَيْبًا وَالدَّيْنِ امْنُوا هَذَا

جب ہمارا حکم آگیا ہم نے شعیبؑ کو اور اوس کے ساتھ ایمان لانے

بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَاتَّخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَصِيَّةَ فَاصْبِرُوا
فِي دِيَارِهِمْ لَعَلَّكُمْ يَخْشَوْنَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ
لَمَّا بَدَأْنَا أَفْجَادَ الْمُنَادِي (سورہ ہود)
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَهْلًا لَهُمْ شَعْبًا فَقَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ
فَمَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ إِلَّا جِزْيًا يُخَالِفُونَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ
فَكَذَّبُوا فَاصْتَدْنَا لَهُمُ السَّاعَةَ فَاصْبِرُوا فِي دَارِهِمْ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (عنکبوت)

والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور جو ظالم تھے ان کو پیچھے رہنے
کا گھبراہٹ اور وہ اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے گویا کہ وہ کہی ان
میں رہتے نہیں۔ خود کہ ہر گز مدین کیلئے ہی ہلاکت ہوئی۔ (سورہ ہود)
مدین کے پاس پہنچے شعیبؑ کہ بیجا۔ اوس نے کہا کہ بھائیو، خدا کو
پہچان لو اور روز آخرت کی توقع رکھو۔ اور زمین میں نسا کرتے نہ
پرو۔ انہوں نے ہٹلایا تو کلبا پھٹنے لگا۔ اور وہ اپنے اپنے
گھروں میں پڑے رہ گئے۔ (عنکبوت)

ان آیتوں میں مدین کے جن حالات کی طرف تلخیص و اشارت ہے۔ چونکہ مدین کی تاریخ ہمارے مفسرین
کے پیش نظر نہ تھی اسلئے انہیں بہت عقارے ناکشودہ رہ گئے۔ سب سے اول یہ کہ وہ اہل مدین یعنی اسرائیل
کے یا اسی واقعہ کے بجز واقعہ قرابت حضرت موسیٰؑ و شعیبؑ علیہما السلام کے واقف ہیں اس بنا پر ان آیات کی
تفسیر میں ان واقعات کا کوئی رد و تعلق نہ ہر نہیں کرتے۔ حالانکہ ہماری راست میں یہ آیتیں تمام تر انہیں واقعات
سے متعلق ہیں۔ پہلی آیت یہ ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَهْلًا لَهُمْ شَعْبًا فَقَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ
فَمَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ إِلَّا جِزْيًا يُخَالِفُونَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ اول یہ کہ یہاں مدین سے قوم مدین مراد ہے نا ثبانی یہ کہ شعیب مدین کے خاندان
سے ہے۔

فَمَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ إِلَّا جِزْيًا يُخَالِفُونَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔

یعنی اے اللہ کے مالک ہیں! (پہلے عقارے) (اعراف و ہود) اے قوم خدا کی پرستش کرو۔ اس کے سوا تیر کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔
اور معلوم ہو چکا ہے کہ وہ فعل فغور وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ اس کے بعد یہ ہے۔

ناب اور تولی پوری پوری کر کو۔ اور لوگوں کو ان کی چیز کم نہ د
(اعراف) پیانہ اور ترازو کم نہ کرو۔ میں تم کا اچھی حالت میں رکھتا
ہوں اور دیتا ہوں کہ گھیر لینے والے دن کا عذاب تم پر نہ آئے
لوگو! پیانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک رکھو۔
(سورہ ہود)

وَالَّذِينَ ظَلَمُوا فَاصْبِرُوا لِحُكْمِ رَبِّكُمْ وَلَا تُخْضِعُوا لِمَا يَكْفُرُ بِالْإِسْلَامِ
وَالَّذِينَ ظَلَمُوا فَاصْبِرُوا لِحُكْمِ رَبِّكُمْ وَلَا تُخْضِعُوا لِمَا يَكْفُرُ بِالْإِسْلَامِ
وَالَّذِينَ ظَلَمُوا فَاصْبِرُوا لِحُكْمِ رَبِّكُمْ وَلَا تُخْضِعُوا لِمَا يَكْفُرُ بِالْإِسْلَامِ
وَالَّذِينَ ظَلَمُوا فَاصْبِرُوا لِحُكْمِ رَبِّكُمْ وَلَا تُخْضِعُوا لِمَا يَكْفُرُ بِالْإِسْلَامِ
(سورہ ہود)

انہیں انصاف سے دیکھو کہ مدین ایک ماجر قوم تھی۔ اور غالباً دنیا کی تاریخ میں اس پیشہ کی سب سے
پہلی قوم بننا ہر جوتی ہے اس بنا پر اوس میں یہ مذموم صفت ہوگی۔ جو حالات کے لحاظ سے بالکل مناسب
ہے اسرائیل بہت سے سرد و درخت ہیں اس لئے تو ان کے ساتھ رسد کا سامان نہ تھا۔ قریب و چار کی قوموں

یہ یقیناً خریداری تھی۔ یا جس پر پانی پیتے تھے۔ شاید دین کے اس وصف تجارت کا بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے بھی تعلق ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان آیات سے مراد صرف خرید و فروخت کی کمی و بیشی بلکہ سود، بٹہ اور دیگر عداوت تجارتی مشورہ مراد ہیں۔ جن کے ذریعہ سے تاجر و صاحب معاملہ لوگوں کو اوکھے حق جائز۔ ہمیشہ کم راہیت دیتے ہیں اسی بنا پر حضرت شعیبؑ کی قوم کا جواب یہ ہے۔

اَوَاَنْ نَفْعَلْ فِیْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ (ہر وہ کہ جس سے ہم اپنے مال میں جو چاہیں کریں تمہاری ناز روکتی ہے۔ اس راہ سے کہ تاکیدی و تائیدی مفسرین کی بعض روایات سے بھی ہوتی ہے۔

وقبل انہما ہم عن قطع الدنانیر والدرماہم وشرہم
۱ نہ محمد علیہم السلام فقالوا اوان نفعل فی اموالنا
ما نشاء
مفسرین کے موافق کام نہ کریں۔ (تفسیر معالم التنزیل بغوی)

تجربہ طبری (ابن جریر) تاریخ میں لکھتے ہیں :-
عن شریک ابن اسلم فی قولہ عنہ جعل اصلوا تارک
تارک ان تارک ما یعبد اباؤنا اوان نفعل فی اموالنا
ما نشاء قال کان عما ینہا ہم عنہ حد فالدراہم
او قال قطع الدراہم

عن شریک ابن اسلم فی قولہ عنہ جعل اصلوا تارک
تارک ان تارک ما یعبد اباؤنا اوان نفعل فی اموالنا
ما نشاء قال کان عما ینہا ہم عنہ حد فالدراہم
او قال قطع الدراہم

وَلَا تَقْسِدُوا فِی الْاَنْفُسِ بَعْدَ مَا جَاءَکُمْ بِهَا ذَلِکُمْ خَافِیَ لَکُمْ
این کلمہ جو عربی ہے
وَلَا تَقْسِدُوا فِی الْاَنْفُسِ بَعْدَ مَا جَاءَکُمْ بِهَا ذَلِکُمْ خَافِیَ لَکُمْ
(اعراف)

تمہارا نفس نہ بگاڑو اس کے بعد کہ تمہارا دین تمہارے پاس آیا ہے۔ یہ تمہارے لئے ہے۔
اس سے متنبہ ہو لیکن صالح و امان بنی اسرائیل کے ساتھ مخالفت و ساز و ستارہ اور ساز و ستارہ ہی ہے۔ اس لئے

وَلَا تَقْنَطُوا فِي أَعْيُنِ الْمُفْسِدِينَ بِقِيَّتِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (ہود)

ملک میں فساد نہ پھیلانے پر۔ خدا نے جو باقی رکھا ہے وہی تمہارے
لئے بہتر ہے۔ اگر تم ایماندار ہو۔ (ہود)

بقیہ کا مطلب ہمارے مفسرین یہ بیان فرماتے ہیں کہ حرام کے بعد جو حلال چیزیں باقی رہ گئی ہیں وہی تمہارے
لئے کافی ہیں حرام کی کیوں طلب کرتے ہو۔ لیکن اس حالت میں اول آیت کو آخر آیت سے کیا تعلق رہ گیا۔ ملک
میں فساد نہ کرو کہ باقی حلال چیزیں کافی ہیں۔ ملک میں فساد اور حلال چیزوں پر قناعت۔ دونوں بے ربط باتیں
ہو جاتی ہیں۔

ہمارے نزدیک مدین کی تاریخ کو پیش نظر رکھنے سے مطلب نہایت واضح ہو جاتا ہے۔ مدین چاہتے تھے کہ
بنی اسرائیل نے مصر سے آکر جو ملک کا حصہ لے لیا ہے وہیں سے اے بنی اسرائیل حضرت شعیب فرماتے ہیں کہ فساد
سے فائدہ نہیں۔ خدا نے جو کچھ باقی رکھا ہے اسی پر قناعت کرو۔ اہل مدین اسکے جواب میں کہتے ہیں۔

قَالُوا يٰ شُعَيْبُ أَصَلَاؤُكَ تَمُرُّكَ أَنْ تَتْرَكَ مَا يَصْلُحُ
أَبَاؤُنَا وَفَكَفُّوا عَنْ قَوْلِهِمْ إِنَّ لَنَا لَأَنْتَ لَكُنْ
أَكْبَرُ لِمَا نَسْتَأْذِنُكَ مِنْ شَيْءٍ (ہود)

کیا اے شعیب تمہاری یہ نماز کہتی ہے کہ اسلاف کے طریقہ پیش
کو ہم چھوڑ دیں۔ یا ہم اپنے مال میں جو چاہیں وہ کرنا چھوڑ دیں تم
بھی بڑے عقلمند (یا بڑا بار) اور نیک ہو۔ (سورہ ہود)

اس جنگ کی غرض صرف دو تھیں ایک یہ کہ اپنے دیوتا بعل زور کی امانت کا انتقام لینا تھا۔ اسرائیل کے
خدا کا مقابلہ کرنا تھا اور دوسرے یہ کہ جن طریقہ ممنوعہ کے ذریعہ سے ہی ہو۔ بنی اسرائیل سے ملک و دولت کی
واپسی کر لی جائے۔ اہل مدین کہتے ہیں کہ کیا ہم ان دونوں چیزوں سے باز آجائیں۔ اور طاعت کرتے ہیں کہ تم بھی
بڑے نیک اور عقلمند ہو یا یہ کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے ملک و قوم کی مذہبی و مالی بربادی پر شکوہ خاصہ اور ملال نہیں
آتا تم حقیقت میں بڑے بڑا بار اور نیک آدمی ہو۔ حضرت شعیب جو ایمان فرماتے ہیں۔

قَالَ يٰ قَوْمِ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الْمُنْذِرِينَ
مِنْكُمْ بَرِّقًا فَاصْبِرْ وَمَا صِدْقُكُمْ إِلَّا مَخَالِطٌ
إِنْ هُمْ إِلَّا عَنِ الْهَىٰ عَصَا
أَسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

بھائیو۔ بناؤ تو اگر میں اپنے رب کی دی ہوئی روشنی پر رہوں اور جو
حلال روزی اس نے دے رکھی ہے اسی پر قانع رہوں۔ میں
نہیں چاہتا کہ تم سے مخالفت کر کے میں دو کروں میں سے ٹکڑے
روکتا ہوں۔ میں تو تاحد اسکان صرف اصلاح چاہتا ہوں

اور اس کی توفیق خدا کا وسیلہ ہے۔ (ہود)

اصلاح سے مقصود اصلاح روحانی ہی ہو۔ لیکن مدین و بنی اسرائیل کے مابین اصلاح کی کوشش
کی طرف زیادہ مبالغہ ہے۔

لیکن باہمہ ارشاد و راستہ مفسدین اپنے فساد و تباہ کاری سے باز نہ آئے حضرت موسیٰ کے حکم کے مطابق

۱۵-۱۶-۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱) قومِ ہند کی زندگی کی یہ آخری تاریخ تھی۔

صورتِ عذاب الہی اور بدین کی بربادی و تباہی کی تفصیل یہ ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّحْمَةُ فَاصْبَوْا فِيْ رَاۤىرِهِمْ عَشْرَمِائِيْنَ
 اُنْكَوْا كَيْفِيْ بِنَاۤىا پَسُوۡد اِسْتِۡلَزُوۡنَ مِيۡا پَرِۡسُوۡد ۱۰ گز

(۱۰۴۱)

وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْئَةَ فَصَبُّوا فِي رِءُوسِهِمْ

جنہوں نے ظلم کیا اور انکو صبح لے آیا پس اس پر قیام کیا کہ وہیں پرے سے لے آئے

(29)

فَاخْذُ لَهُمُ الرِّخْفَةَ فَاصْبِرْ فِي دَارِهِمْ جُنَّةً

(مکتبہ)

(تفصیلات)

سنگی اور مرغ سے مطلق عذاب ہر اور

أَلَا بُعِدَ الْإِسْلَامُ مِنْكُمْ كَمَا بُعِدَتْ تَعْمُودُ (ههـ)

شود که اندکی خصوصاً است که هر یک از این مقام برده آزاد است.

فَقَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَقَالَ لِيُحْيِي ۝

لَا يَخْشَى الْكُفْرَ وَكَانَ عَلِيمًا ذَكِيًّا

پھر کس طرح میں کا فوٹو پر غم کروں (اعتراف)

وَمَا يَتَّبِعُ إِلَّا مَرَاتِلَهُمْ فَاجْلَدُوا الَّذِينَ يَلْتَمِزُونَ فِي ثَمَرِهِمْ عَثَرًا ۚ وَقَدْ جُعِلَ عَلَيْهِمْ فِي الْقُرْآنِ مِثَالًا ۚ

(24)

ایمان الہی ہے اپنی زندگی میں یہی رہے (موت)

منظر شامی کے ساتھ کون سی تصویر - حضرت ابو بکر اسلمی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما - اس کی کاپی فرمائی جائے گی۔

لو کہ یہ ملک کہیں جہنم (مردود) اگر تمہارا خاندان نہ ہو تا تو تم کو کچھ سنگسار کر دیتے۔ حضرت شمس الدین نے کہا اے شاہ!

[illegible]

۱۱/۱۲/۱۳۸۵

اس واقعہ میں قرآن اور توراہ کی مطابقت۔ مذکورہ بالا سطروں میں ان دو باتوں کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

شعبہ اور ان کا خاندان اہل مدینہ سے جدا ہو گیا۔ انہوں نے نجات پائی۔

حضرت مولیٰ نے ہمیں اس دینی جنگ کے لیے بہت سب کچھ دیا۔ کیسے اس طرح کا ارادہ کیا اور حضرت

کے ساتھ) اوس موقع کی گفتگو ہے۔

موسیٰ نے جواب بن راعول مدیانی اپنے خسر سے کہا کہ ہم یہاں سے اوس مقام کو کوچ کر سنے واسطے ہیں جو خداوند ہمکو دینے والا ہے۔ ہمارے ساتھ اوتار ہم تمہارے ساتھ بھلائی کریں۔ کیونکہ خداوند نے اسے اس کے لیے نیکو کا وعدہ کیا ہے۔ جواب نے دیا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا بلکہ اپنے گناہ و مولد کو واپس جاؤں گا۔ موسیٰ نے کہا کہ ہمکو نہ چوڑ جاؤ۔ تم سے التجا کرتا ہوں۔ کیونکہ جیسا تم جانتے ہو کس دیر میں ہم خیمہ زن ہیں۔ تم ہمارے لئے بچائے آئیں گے کہ ہو۔ (اعداد ۱۰-۲۰)

دوسری جگہ ہے۔

موسیٰ کے سسر قہن کے بیٹے بنی ہودا کے ساتھ تریخیل سے چلے اور ہودا کے ساتھ جو تین کا تھا اویس کے حصہ کے ساتھ میدان میں سکونت کی۔ (رقعہ ۱-۱۶)

مدینہ کی جنگ سے ایک با ب پہلے مذکور ہے۔

جانب قہن اپنے دو سسر قہن بنی ہودا کے ساتھ۔ موسیٰ کے سسر جواب کے بیٹے تھے۔ پہلے ہی علیحدہ ہو گیا۔ اوس نے اپنا خیمہ اوس وادی میں کھڑا کیا جس کا نام قہنیم ہے۔ قہن کے پاس (رقعہ ۱۱-۱۲) تاملو دیابل میں ہے۔

نیرہ (شعیب) نے اوسکی مخالفت کی اور حبیب اوسکی نصیحت رد کر دی گئی تو اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور چل دیا۔ اس کے اوسکی اولاد سندھ و ہند کی رگن مقرر ہوئی۔

یہودیوں میں جس نے پہلی صدی عیسوی میں تاریخ یہود لکھی ہے۔ کہتا ہے۔

اور انہوں نے موسیٰ کے خسر نیرہ مدیانی کے خاندان کو بھی زمین دی۔ جس نے اپنا ملک چھوڑ دیا تھا اور ہجرا میں ان لوگوں کے ساتھ ہجرا۔ (قدامت الیہود کتاب ۵ باب ۲)

قوم مدینہ کی تباہی عام جس کی قرآن نے خبر دی ہے۔ تو راۃ سے اسکا ثبوت متعدد دھور پر ہم پہنچ سکتے ہیں اور یہ کہ قوم مدینہ کی تباہی کے موقع کے تو راۃ میں حسب ذیل الفاظ ہیں۔

بنی اسرائیل نے مدین سے جنگ کی اور اونپر غالب آئے اور تمام مردوں کو بچوں کو اور عورتوں کو قتل کیا۔

(اعداد ۲۱-۲۵-۱۸)

ثانیاً یہ کہ اسکے بعد مدین کی تباہی عبرانی مصنفین میں ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے۔ زیور داوڈ میں ہے۔

یہودیوں کی اعلیٰ مذہبی عدالت۔ جن کا رئیس کاہن اعلیٰ ہوتا تھا۔ اور اس کے علاوہ اور سسر مہر ہوتے تھے۔

برٹن گوڈ ہائینس آف مدین ۱۸۸۷

باشندگان (شہر) مدینہ اسماعیلیہ اہل مواب۔ ہجری۔ حمون اور عمالقہ۔۔۔۔۔ خدایان کو (قوم) مدین

کی طرح کہتے ہیں۔ (زبور ۸۳-۶)

اشعیاء نبی کہتے ہیں:-

خدا سے افواج اُسپر ایک کوڑا بھیجے گا۔ مدین کی مار کی طرح۔ عوریب کی چٹان پر۔ (۱۰-۲۶)

شہر مدین کی پچھلی تاریخ۔ لیکن با اینہم شہر مدین کا وجود باقی تھا۔ جس کا نشان تاریخی زمانہ اسلام تک ملتا ہے۔ حضرت داؤد جن کا زمانہ تقریباً سنہ ۱۱۰۰ ق م ہے زبور ۸۳-۶ میں باشندگان مدین کا ذکر کرتے ہیں جعفرت سلیمان کے عہد میں ایک ادومی شہزادہ ہداد بھاگ کر مدین سے آیا تھا (سلاطین اول ۱۸۰-۱۸۱) اشعیاء نبی جو تقریباً سنہ ۷۰۰ ق م میں تھے۔ مدین کی اونٹنیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جو یرشلیم میں تجارت کا مال لائیں گی (۶۰-۶۱) جتوں نبی ایک پرجہال پیغمبر کی آمد کی خبر سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ زمین مدین کی کھال میں ریشہ پڑ جائے گا۔ (۳-۶)

یونانی اور رومی مصنفین نے مدین کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس مقام کا نام وہ نباطیا (NABATIA) بتاتے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ اس عہد میں اس ملک میں نبط آباد تھے (FORESTERS GEOG 323) اور یہ امر بالکل ہماری تفسیری (تجویز) کے مطابق ہے جسے حضرت اسماعیلؑ کی ایک اولاد کا نام نبط تھا۔ اور توراہ کے حوالہ سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قوم مدین کی تباہی کے بعد اسماعیلی عرب مدین کے مالک تھے۔ بطلمیوس نے البتہ عرب کے ایک مقام کا نام مودایانہ (MODAYANA) لکھا ہے جسے بعض لوگ مدین سمجھتے ہیں (BORTONS GOLD MINES 179)

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے عموماً مدین کا ذکر کیا ہے۔ ابو الفدا نے جغرافیہ میں لکھا ہے کہ یہاں قدیم آثار پائے جاتے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے اپنے ترکی جغرافیہ جہاں نام میں بیان کیا ہے کہ یہاں جو آثار و عمارتیں ہیں انہیں کتبات ہیں جن پر بادشاہوں کے نام مرقوم ہیں۔

کشفین یورپ میں سے متعدد اشخاص نے خاص مدین کے آثار کا مشاہدہ کیا ہے جن میں ایک شخص (BORTON) برٹن خاص طور قابل ذکر ہے جس نے ایک بار کہ منظر و پریندہ منورہ تک سفر کیا اور دوسرے بار یومصر اسماعیل پاشا کے حکم سے ۱۸۸۶ء میں سوئے کی کان کی تلاش میں مدین تک گیا۔ یہاں سے کتبہ بھی ملے جن پر خط منقوش ہے۔ رومیوں کے عہد میں یہاں کے باشندوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ مسلمان شہر ار کے اقوال سے بھی اسکی تفسیر ملتی ہوئی ہے کثیر کتبہ ہیں۔

۱۱۱۱ دیکھو معجم البلدان ۱۱۱۱

سہبائے مدینۃ الدین عہدہم
یسکون من بعدنا اب قعوس

سہبائے مدین کوبراؤں کے لئے
والعصم فی شرف الجبال لقادس

ودان

یا

اصحاب الایکہ

قرآنچیزیں عربیہ کی ایک قوم کا اصحاب الایکہ کے نام سے ذکر ہے۔ ایکہ کے معنی جنگل کے ہیں۔ اس قوم کے پیغمبر ہی حضرت شعیبؑ تھے۔ جبکہ ذکر دین میں گزر چکا ہے۔ اس اتحاد سے بعض مفسرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی چیز ہیں۔ اولیٰ قیاس ہے کہ ملک مدین کے پاس جنگل تھا۔ جہاں دین کی قوم کو بھی قیام کرتی تھی اس لئے اولیٰ اصحاب الایکہ یعنی جنگل والوں کے نام سے خطاب کیا گیا۔ معالم التنزیل لغوی سورہ جہر شعرا ق۔ ص)

مسلمان جغرافیہ نویس ان اطراف میں کسی جنگل کے ذکر سے خاموش ہیں۔ ادان کی رائے ہے کہ شہر ثوکب جو مدین کے مقابل مدین سے ۶ میلہ پر واقع ہے اسی کا نام ایکہ تھا اور خود اہل ثوکب کو بھی اعتراف ہے کہ اسکا پہلا نام ایکہ ہے۔ (معجم البلدان - ایکہ)

قرآن کی رو سے صاف ظاہر ہے کہ مدین اور ایکہ دو چیزیں ہیں۔ کیونکہ ان دونوں قوموں کا حضرت شعیبؑ سے سوال و جواب، طرز خطاب اور پھر آخری بادی اور طرز بادی بالکل مختلف ہے۔ اس بنا پر کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ عربین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ سب سے بڑی اشتباہ کی صورت یہ ہے کہ عام مخلوقات کے لحاظ سے ان اطراف میں جنگل کا نشان نہیں۔ ورنہ اہل تفسیر و روایت و اہل جغرافیہ اسکا ذکر کرتے۔ اس دشوار گزار راہ کے طے کرنے پر طریقے ہیں۔

اولیٰ ظاہر ہے کہ مدین اور ایکہ میں کوئی شدید تعلق تھا۔ اور انکارانہ بھی یا ہم ایک تھا جس کی بنا پر دونوں آبادوں کے لئے ایک ہی پیغمبر کی بعثت ہوئی۔ نیز قرآن نے دونوں کے اخلاق کا نقشہ ہی ایک ہی کھینچا ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدین جو حضرت ابراہیمؑ کی بی بی قطورہ کے بطن سے نکلا۔ اس کے لئے بھی یہی اور بھی تھے۔

اور ان بھائیوں کی اولاد میں تھیں۔ توراۃ میں انکا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

ابراہیم نے توراۃ نام ایک دوسری بیوی کی۔ بوزمران۔ یقشان۔ مدآن۔ مدیان۔ یثوبق اور
شموع کو بنی۔ یقشان۔ بنی شبا اور ودان کو پیدا کیا اور بنو ودان۔ اشوریم۔ لوطو شمع اور لادیم تھے۔ مدیان
کے بیٹے۔ عاکا۔ عوفیر۔ حنوخ۔ ابی داسع اور دعائے۔ یہی لوگ بنی توراۃ ہیں۔ ابراہیم نے جو کچھ دیکھا
وہ اسحاق کو دیا۔ اور انکے نذرانوں کو بھی کچھ دیا اور انکو اپنے بیٹے اسحاق سے الگ کر دیا۔ اور ابراہیم

اسوقت پوربکمیطرہ پورب کے ملک میں تھا۔ (یعنی عرب) سفر خروج باب ۲۵

توراۃ نے توراۃ کی متعدد اولاد و اولاد میں سے صرف دو کی تفصیل کی ہے۔ بنو مدین اور بنو ودان۔
بنو مدین کے متعلق بہ تحقیق معلوم ہے کہ بحر احمر پر خلیج عقبہ کے سامنے شہر مدین میں آباد تھے۔ اسلئے تسلیم کرنا
چاہیئے کہ بنو ودان بھی انھیں سواحل پر مدین کے قریب آباد ہونگے۔ توراۃ سے یہی اسکی تصدیق ہوتی ہے
کہ وہ انہیں اطراف میں آباد تھے۔

یتما۔ ودان۔ بوض۔ جو سر کے بال منڈاتے ہیں۔ اور تمام عرب کے بادشاہ۔ (ارسیہ ۲۵-۲۳)

یتما شمالی عرب میں حجاز سے شام کے راستہ پر واقع ہے۔ اسی کے قریب ودان کو ہونا چاہیئے۔ یثوبق سے
سواحل بحر احمر کے کنارہ کنارہ حجاز و مدین سے گذر کر خلیج عقبہ کے کنارہ کنارہ وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی۔ ایک نہایت
قدیم و مشہور تجارتی مرکز واقع ہے۔ جو قدیم زمانہ میں ہندوستان میں اور مصر و شام کے کاروانوں کا تہا راستہ تھا
اس راستہ کا ذکر تمام قدیم سفیرانیوں میں موجود ہے۔ وادی القریٰ شہر کا مسکن۔ مدین قوم شعیب کی آبادی
سردوم قوم لوط کا مقام اور یثوبق یتما اور ریم ریمانی پٹرا) اسی مرکز پر اپنی حجاز و شام واقع ہیں۔ توراۃ
کے اعتبار سے روان ہی ایس تھا۔ اور قرآن کہتا ہے کہ اصحاب لاکہ بھی اسی مرکز پر ہیں۔ قوم لوط جو سردوم
میں آباد تھی اویس کے ذکر کے بعد ارشاد ہے۔

وَأَن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَنَظَّالِينَ فَانظُرْنَا مِنْهُمْ
وَأَنَّهُمْ كَذَّابُونَ عَصِينَ

یہ وہی راستہ ہے جس کا ذکر پہلے کیا۔ اور یہی کو تاریخ قدیم میں نہایت اہمیت حاصل ہے۔ اس بیان سے
قرآن مجید اور توراۃ مقدس دونوں کی رو سے ودان یا اصحاب لاکہ کا مسکن متعین ہو گیا۔

اصحاب لاکہ جنگل والے ضرور تھے۔ قرآن نے انکو اصحاب لاکہ جنگل والے کہہ کر کہا کیا انکا وطن جنگل
میں تھا؟ ہاں جنگل میں تھا۔ اور آٹھ سو برس کے بعد بھی جنگل میں

تھا۔ انشعابہ بنی بنو خزاعہ (نصرت) کے خروج سے تمام اقوام کو متنبہ کرتے ہیں۔ اسماضن میں عرب

کی طرف خطاب ہے۔

عرب پر بار (منصبت) ہے جبکہ جنگل میں ودان والوں کی راہ میں تم شام بسر کرو اسے یقین کے باشندو! پس اس سے پانی لیکر لو۔ اور شکست کھانے والوں کے لئے روٹی لیکر نکلو (۲۱-۱۳)

مسیح سے منسوب اور اسلام سے سات سو برس پہلے ہی یہاں جنگل موجود تھا۔ ایک یونانی جغرافیہ نویس مدینہ اور خلیج عقبہ کے آس پاس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اس جگہ سے متصل وہ جگہ ہے جس کو لوگ نسا کہتے ہیں یا نافۃ البحر کہ یہ جانوروں کے پاسے جاتے ہیں۔ یہ نسا قریب ایک راس (راس محمد خلیج عقبہ) کے واقع ہے جو بغایت پرازا شہار ہے۔ یہیں سے ایک سید ہی سترک (شاید شمال کو) اس شہر کو جاتی ہے جس کا نام پٹرا (رقیم) ہے۔ اور فلسطین کو جاتی (شام) سے جہاں اہل قریم (سیامہ و بحرین) معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں اور بالائی ملک سے تجارت اور کما گیا ہے کہ خوشبودار چیزوں کے بندل لاتے ہیں۔ برٹن گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۶۹-۱۸۰

اٹھاسی باب میں دو سری جگہ لکھتا ہے:-

خلیج عیدانہ (عقبہ) کے پیچھے چاروں طرف پہلی عرب رہتے ہیں۔ (ارضہ مدین یہ ہے) پتھیا نوس (بنو تمین) کا ملک ہے جو وسیع اور مستطیل ہے اور سیراہ اور عینق ہے۔ وہاں نباتات و اشجار کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ جو تا بقدر آدم ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے جنگلی اونٹ۔ ہرنوں کے گلے۔ بارہ سینگے رہتے ہیں اور نیز موشی اور بھڑکے کے گلے لیکن ان مواہب قیمت کیا تھ شیر اور میٹروں کا وجود بھی ہے۔ جن سے یہاں کے باشندوں کی خوش قسمتی مبدل بہ برکتی ہے۔

جس تمین کا اس جنگل کے پاس ذکر ہے بعینہ اسی کا جغرافیہ یونانی میں بھی ہے۔ اس سے بڑھ کر تو یقین یہ ہے کہ اصحاب لاکیکہ (جنگل والوں) کے ملک کا ایک مشہور واضح شاہراہ (امام مبین) پر ہونا قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ بعینہ ہی بیان ایک جغرافیہ میں بھی ہے:-

اس جگہ سے متصل وہ جگہ ہے جس کو لوگ نسا کہتے ہیں..... یہ ایک راس کے قریب ہے۔ جو نہایت پرازا شہار ہے۔ یہیں سے ایک سید ہی سترک (رقیم اور فلسطین) کو جاتی ہے۔

یہ جغرافیہ نزول قرآن سے سات سو برس پہلے لکھا گیا ہے۔ کیا اس سے ہی زیادہ قرآن کی صداقت کی کوئی دلیل مطلوب ہے۔ قرآن مجید میں اصحاب لاکیکہ کا ذکر چار سورتوں میں ہے۔ فقیر شہر اور جس سے سب مفصل ذکر شعرا میں ہے۔

کَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لَهُمُ الْمُرْسَلُونَ كَذَبُوا بَيْنَهُمْ ذِكْرًا مِنْ رَبِّهِمْ فَكَذَّبُوا بِآيَاتِهِمْ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ

أَلَا تَتَّقُونَ إِنِّي كُنْتُ رَسُولَ اللَّهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَ
 أَطِيعُوا مَا أُمِرْتُ بِهِمْ مِنْ أَجْلِ اللَّهِ عَلَى
 اللَّهِ سَبُّ الْعَالَمِينَ أَوْفُوا بِالْعَهْدِ وَالْعَهْدُ بَيْنَ
 تَكُونُوا مِنَ الْمُتَّقِينَ وَاتَّقُوا بِالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُسْتَقِيمِ
 وَلَا تَتَّبِعُوا النَّاسَ فِي شَيْءٍ مِنْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا
 أَهْلَ مِثْلِهِمْ سَفِيلِينَ وَاللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
 أُولَئِكَ أَهْلُ الْوَلِيَّةِ

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ الْمُسَوِّدُ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ
 مِثْلُنَا وَإِنَّ لَظُنْكَ بَيْنَ الْكَذِبِ بَيْنَ فَاسْقِطٍ عَلَيْنَا
 كَيْفَ نَسْمَعُ أَيْتَ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ
 قَالَ سَتَجِدُنِي أَعْلَمُ لِمَا تَعْمَلُونَ فَاذْكُرُوا مَا خَلَقْتُمْ
 عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمِمَّا كَانَ
 أَكْثَرَهُمْ مُمِيتًا

کہہ دیتے ہیں تم نے؟ میں تمہارا پیغمبر امین ہوں۔ خدا سے
 ڈرو اور میری بات مانو اور میں تم سے اس کی اجرت
 نہیں مانگتا۔ میری اجرت صرف خدا سے پروردگار عالم
 پر ہے، ناپ اور تولی پوری کرو۔ اور ٹوٹا دینے والوں نہیں
 سے نہ ہو۔ اور ٹھیک تر ازو سے تولو لوگوں کے حق کو کم نہ
 کیا کرو۔ اور زمین (ملاک) میں فساد پیدا کرو اور اس سے
 ڈرو جس نے اور پہلی قوموں کو پیدا کیا۔

اونھوں (صحابہ الایکہ) نے کہا کہ تم پر خدا ذکر دیا گیا ہے
 تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو۔ ہم تمکو جوڑنا سمجھتے ہیں۔ اگر سچے
 ہو۔ تو آسمان سے ہم پر بادل کا ایک ٹکڑا تو گر ا دو۔
 شعیب نے کہا کہ میرا پروردگار تمہارے اعمال سے خوب
 واقف ہے لوگوں نے اوسکو جھٹلایا۔ پس سایہ کے دن عذاب
 اونکو آیا۔ بیشک وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا۔ اسی
 عہد کی نشانی ہے۔ ان لوگوں میں سے اکثر مومن نہ تھے۔

وہاں ہی مدین کی طرح ایک تاجر قوم تھی۔ خرقیاں نبی پر و شلم کو خطاب کر کے کہتے ہیں صحیفہ خرقیاں (۲۱-۲۰-۱۹)
 وہاں تیرے تاجر ہیں۔ بیٹھنے کے فرش لاتے ہیں۔ اور عرب اور تمام روستا کے قیدار تیرے

تاجر ہیں۔ بھیر۔ بکری۔

مدین کے موقع پر خدا نے فرمایا والی مدین آتھا ہم شعیب (۲۱-۲۰-۱۹) ہم نے مدین کی طرف اونکے بھائی شعیب
 کو بھیجا اور یہاں فرمایا اذ قال لہم شعیب (اون سے شعیب نے کہا) اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت شعیب
 مدین کے خاندان سے تھے۔ دوسرے بھائی وہاں کے خاندان سے نہ تھے۔

ہمارے لائق محقق صاحب ارض القرآن نے وہاں (صحابہ الایکہ) کے متعلق وہ تمام باتیں ثبوت
 تحقیق تک پہنچا دی ہیں جو قرآن مجید میں ان کی نسبت مرقوم ہیں۔ مگر آغاز واقعہ میں جو آیت مرعبارت ہے
 اسی کی کوئی تشریح نہیں فرمائی۔ لکھتے ہیں (۲۱-۲۰-۱۹) کہ ان کے پیغمبروں کی تکذیب کی
 ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شعیب سے پہلے ہی چند انبیاء و مرسلین نے اس قوم پر تبلیغ رسالت کی تھی۔ مگر یہ
 شنو انہ ہوئے۔ بخلاف مدین کے کہ ان کی نسبت تکذیب انبیاء کی تصریح نہیں فرمائی گئی ہے۔ اس بنا پر

مدین سے ودان زیادہ گنہگار قوم ثابت ہوئی ہے۔

بنو سارہ

یا

بنو ادم

آدم جس قطعہ ملک میں آباد ہوئے تھے۔ یونانی اب تک اوسکو ایڈومیا (Adomia) کہتے ہیں۔ بحر مہیت (مغربی) اور خلیج عقبہ (عربستان) کے بیچ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں بحر مہیت اور فلسطین جنوب میں شمالی خلیج عقبہ و مدین مغرب جزیرہ نما سے سینا۔ مشرق میں ارض مواب اور جوف عرب شمال ہے۔ ملک میں کوہ سحیر یا کوہ سترۃ طولا شمال سے جنوب تک وسیع ہے۔ اسی لئے توراۃ میں ادم کا مقام سحیر بتلایا گیا ہے۔

بنو ادم یا بنو اعلیسو - اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت یعقوب اور ادم یا عیسو دونوں کے بھائی تھے حضرت اسحاق کے بیٹے ربیعہ کے بطن سے۔ یہ دونوں تو ام پیدا ہوئے تھے۔ چونکہ عیسو یعقوب سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے ہی اولاد اکبر قرار دئے گئے۔ ان کے حالات کے مفصل تفصیل سے ہم پہلے حاشیہ میں لکھ چکے ہیں اور مناسبت مقام کے اعتبار سے بار دیگر حسب ضرورت توراۃ کی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

اور جب اوس کے ربیعہ (جینے کے دن پورے ہوئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ اوس کے پیٹ میں تو ام ہے اور پلا لال رنگ گویا بالکل شہم کا لباس ہو نکلا اور انھوں نے اس کا نام عیسو رکھا اوس کے بعد اوس کا بھائی نکلا اور اوس کا ہاتھ عیسو کی اڑھی سے لگا ہوا تھا اور اوس کا نام یعقوب رکھا گیا۔ جب ربیعہ سے یہ پیدا ہوئے تو اوس وقت اسحاق ساٹھ برس کا تھا۔ یہ لڑکے بڑھے۔ اور عیسو شکار میں بہرہ جوڑ گیل کارہینے والا تھا اور یعقوب نیک مرد خیموں کا رہنے والا تھا۔ اور اسحاق عیسو کو پیار کرتا تھا۔ کیونکہ وہ اوس سے شکار کا گوشت کھاتا تھا۔ اور ربیعہ یعقوب کو چاہتی تھی۔

تکوین باب ۲۷ آیت ۲۷-۲۸

پھر باب ۲۷ آیت ۲۷ و ۲۸ میں لکھا ہے۔

عیسو نے چالیس برس کے سن میں۔ بیری جی کی بیٹی یہودس اور لیون جی کی بیٹی بشاس سے بیاہ کیا اور وہ اسحاق اور ربیعہ کے لئے جان کی تلخی سے باعث ہو گیا۔

مشکرہ بالا والربین کی ناراضی اوس پر یعقوب و رقبہ کی خلاف تدبیریں اودم یا عیسو کے ترک وطن کی باعث ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ توراۃ یکوین باب ۲۸ آیت ۹ میں مرقوم ہے۔

پس جب عیسو نے دیکھا کہ اسحاق نے یعقوب کو برکت دی اور اوسے و فدان ارم میں بھیجا تاکہ وہاں سے اپنے لئے جو رو کر لائے اور کہ اوس نے اوسے برکت دیتے ہی تاکید کر دی تھی کہ تم کنعانیوں کی بیٹیوں میں سے جو درست کیجو۔ اور کہ یعقوب اپنے ماں باپ کی ذراں برداری کر کہ فدان ارم کو چلا گیا اور عیسو نے یہ ہی دیکھا کہ کنعان کی لڑکیاں میرے باپ اسحاق کی نظر میں منظور نہیں۔ تب عیسو اسامخیل کے پاس گیا اور محامد کو جو اسمعیل ابن ابراہیم کی بیٹی اور نسبت رنجا کی بہن تھی لی اور اوسے اپنی اور بیٹیوں میں شامل کیا۔

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسو نے غیر قبیلہ میں اپنی شادی کر لینے کی غلطی کو۔ جو ان مفسد کا اصلی باعث ہوئی تھی۔ اب قطعی طور سے سمجھ لیا اور حضرت اسماعیل کی صاحبزادی سے شادی کر کے اسکی تلافی کر لی۔ مگر جیسا کہ توراۃ باب ۲۸ آیت ۱۴۔ ۱۵ میں مرقوم ہے۔ عیسو نے اپنی ماں رقبہ اور بھائی یعقوب سے سو فرما بھی واقع ہو جانیکے سبب کنعان میں رہنا پسند نہیں کیا۔ اسلئے حضرت اسماعیل کے مقام سکونت کے قریب۔ جیسا کہ توراۃ اور تمام تاریخوں سے ظاہر ہے کہ وہ سعیر یا سترۃ میں اپنے بال بچوں سمیت قیام کیا۔

بیس برسوں کے بعد بھائی بھائی ملتے ہیں عیسو یہاں رہ گئے۔ رقبہ نے عیسو کی مخالفت سے

کنعانی عورت سے بیاہ کر لے اور وہ عورت بھی غیر قبیلہ اور جنس دیگر ہونے کے باعث میرے لئے تکلیف دہ ثابت ہو۔ یعقوب کو یہ صلاح دی کہ تو اپنے ماموں لائبن کے پاس فدان ارم میں چلا جا اور وہیں اوس وقت تک مقیم رہ جتنا کہ عیسو کا غم و غصہ کم ہو جائے اور اسی درمیان میں تو اپنے ماموں لائبن کی بیٹیوں میں سے کسی کے ساتھ بیاہ کر لے۔ رقبہ نے اسحاق سے یہ صلاح کہہ دی اور اوس سے ہی یعقوب کو اجازت دلوا دی۔ یعقوب اپنی ماں کی صلاح کے مطابق ماموں کے پاس چلے گئے۔ اور بیس برس تک انھیں کیسا تھک رہے اور انکی لڑکی سے شادی کر لی۔ بیس برس کے بعد خدا نے یعقوب کو پھر کنعان واپس آنیکا حکم فرمایا۔ یہ وہاں سے چلتے وقت سوچتے کہ راستہ میں کوہ سعیر پر تھے اور وہ بھائی کا مسکن ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ جیسے ناراض ہیں۔ ایسا نہ کہ سابق مخالفت کا مجھے مفاد و فائدہ لیں اور میرے تمام فائدہ اور مال و متاع کو لوٹا لیں۔ یہ سوچکر یعقوب نے راستہ سے کچھ فائدہ بطور سفارت بھائی کا آئینہ لے لینے کیلئے انکی خدمت میں بھیج دیا۔

اب یہ پورا واقعہ تو راقی کی اصلی عبارت میں حسب مفصلہ ذیل ملاحظہ ہو۔

اور یعقوب نے کہا کہ اسے میرے باپ ابراہیم کے خدا اور میرے باپ اسحاق کے خدا۔ اسے خداوند۔
تو نے بٹھے کر آیا کہ تو اپنی سرزمین اور اپنی زاد بوم میں پہنچا۔ اور میں تیرا بھلا کروں گا۔ اور میں تو ان سب
رحمتوں اور اس ساری وفاداری کے ساتھ جو تو نے اپنے بندے سے کی ہے کسی کے لائق نہیں کہ
میں اپنی لاشی لے۔ اس پر دس (صاعست) کے پار گیا۔ اور اب دو غول بنا ہوں۔ میں تیری منت
کرتا ہوں کہ مجھے میرے بھائی عیسو کے ہاتھ سے بچا لے کہ میں اس سے ڈرتا ہوں۔ ایسا نہ کہ وہ آگے
مجھے اور میرے لڑکوں کو اون کی ماؤں سمیت ہلاک کرے۔ تو نے تو کہا کہ میں تجھ سے اچھا سلوک کروں گا
اور تیری نسل کو دریا کی ریت کے مانند کروں گا۔ جو اکثریت سے ہرگز گننے کے قابل نہیں ہے، نہ کوئی بابا
از آیت ۹-۱۲۔

اور وہ اس رات وہیں رہا۔ اور جو اس کے ہاتھ لگا۔ اپنے بھائی عیسو کے ہریہ کے واسطے لیا۔ دوسو
بکرے یا بکریاں بکرے۔ دوسو بھیریاں ہیں مینڈھے۔ اور تیس اونٹیاں دودھ والی بچوں سمیت۔ چالیس
گائیں۔ دس ہیں۔ میں کہہ گیا اور دس گے۔ اور اس نے انہیں اپنے نوکر دس کے ہاتھ میں
ہر غول کو جدا جدا سونپا۔ اور اپنے نوکر دس کو کہا کہ میرے آگے (پہاڑے) پار اتر دو غول کو غول سے
جدا رکھو۔ اور بچے کو اس نے یوں کہا کہ جب میرا بھائی عیسو تجھ سے ملے اور تجھ سے پوچھے کہ تو کہا ہے
اور کہاں جاتا ہے اور یہ جو تیرے آگے ہیں کس کیے ہیں۔ کہو تیرے نوکر یعقوب کے ہیں۔ اس نے یہ اپنے
خداوند یعقوب کے لئے ہریہ بچا ہے۔ اور دیکھو وہ آپ ہی ہمارے پیچھے ہے۔ اور اس نے دوسرے اور
تیسرے کو اور ان سب کو ہر غول کے پیچھے ہو جاتے تھے۔ یہ کہہ کے حکم کیا کہ جب تم عیسو کو اپنا اسی طور سے
کہو۔ اور علاوہ اسکے کہ کہو کہ دیکھ تیرا بھائی یعقوب ہمارے پیچھے آتا ہے کہ اس نے کہا کہ میں اس ہریہ
جو آگے جاتا ہے اس سے صلہ کروں گا۔ تب میں اون کا ہونٹہ دیکھوں گا۔ شاید کہ وہ مجھے قبول کرے
چنانچہ وہ ہریہ لے۔ اور اسکے آگے پار ہو گئے۔ پر وہ آپ اس رات شکر میں رہا۔ اور وہ اسی رات کو اٹھا
اور اپنی دوجور دس اور دس بیٹیوں اور گیارہ بیٹوں کو لیکے بیچوں کے گھاٹ سے پار اتر۔ اور انکو لیکے
منہ پھر آیا۔ اور اپنا سب کچھ پار بھیجا۔ از آیت ۱۳ تا ۱۹

یعقوب نے اپنی آنکھیں اوٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھا ہے کہ عیسو اور اس کے ساتھ چار سو آدمی آتے
ہیں۔ تب اس نے لیاہ اور راصل کہ اور دس بیٹیوں کو اور ان کے لڑکوں کو سب سے آگے رکھا
اور لیاہ اور اس کے لڑکوں کو پیچھے۔ اور راصل اور اس کے بیٹے یوسف کو سب سے پیچھے۔ اور وہ آپ

اون کے آگے چلا اور اپنے بھائی پاس پہنچتے پہنچتے سات بار زمین پر جھکا اور عیسو اوس کے ملنے کو دوڑا اور اوسے نگلے لگایا۔ اور اوس کی گردن سے لپٹا اور اوسکو چومے۔ اور وہ دونوں روئے پہر اوس نے (عیسو نے) آنکھیں اوٹھائیں اور عورتوں اور لڑکوں کو دیکھا اور کہا کہ یہ تیرے ساتھ کون ہیں وہ (یعقوب) بولا لڑکے جو خدا نے اپنی عنایت سے تیرے نوکر کو دئے ہیں۔ تب سہیلیاں اور اون کے لڑکے نزدیک آئے۔ اور اپنے کو جھکایا۔ پہر ایسا اپنے لڑکوں سمیت سامنے آئی اور جیکی۔ آخر کو یوسف اور راحل سامنے آئے اور ادھوں نے آپ کو جھکایا اور اوس نے کہا کہ اس بڑے غول سے جو تجھے ملا تیرا کیا ارادہ ہے۔ وہ بولا کہ اپنے خداوند کی نظر سے مورد لطف ہونا۔ تب عیسو بولا مجھ پاس بہت ہے۔ بھائی میرے جو تیرا ہے اپنے ہی لئے رکھئے۔ یعقوب نے کہا سو نہیں۔ اگر میں تیری نظر میں منظور ہوں۔ تو میرا یہ میرے ہاتھ سے قبول فرمائے۔ کیونکہ میں نے تو تیرا منہ دیکھا جیسا کہ خدا کا منہ دیکھتے ہیں اور تو مجھ سے راضی ہوا۔ میری برکت کو جو تیرے حضور لائی گئی قبول کیجئے کہ خدا نے مجھ پر شفقت کی ہے اور میرے پاس سب کچھ ہے۔ عرض اوس نے اُسے کہا کہ تاکہ تنگ نہ کیا کہ اوس نے لے لیا۔ اور اوس نے کہا کہ وہ کوچ کریں اور چلیں اور میں تیرے آگے چلوں گا۔ اوس (یعقوب) نے کہا کہ میرا خداوند جانتا ہے کہ لڑکے نازک ہیں اور بیٹے بکریاں اور گائیں دودھ پلانے والیاں میرے پاس ہیں اور اگر دن بہرہ ہائیکے جائیں تو سارے گھلے مر جائیں گے۔ سو میرے خداوند اپنے نوکر سے پیشتر روانہ ہو جائیے۔ اور میں آہستہ آہستہ جیسا کہ مواشی آگے چلے گی اور لڑکے سہ سکیں گے چلوں گا۔ یہاں تک کہ سعیر میں اپنے خداوند پاس آ پہنچوں۔ تب عیسو نے کہا کہ مرضی ہو تو میں کئی ایک ان لوگوں میں سے جو اب میرے ساتھ ہیں۔ تیرے ساتھ چھوڑ دو وہ بولا کہ کیا ضرور ہے؟ کاش کہ میں اپنے خداوند کی نظر میں صرف تمنا منظور ہوتا۔ تب عیسو اوسی

دن اپنی راہ لیکر سعیر کو پہر گیا۔ سفر تکوین باب ۳۳ - از آیت ۱-۱۶

اس عبارت تورات سے حضرت یعقوبؑ کے اس خوف و دہشت کا پورا حال معلوم ہو گیا جو عیسو اپنے بڑے بھائی کی طرف سے۔ اونکے دلیں گزشتہ سورہ راجی کی بنا پر جاگزیں تھی۔ مگر خلاف امید یعقوبؑ کی یہ سوخیانی اونکا حسن ظن ہی ثابت ہوا۔ اور عیسو اونکے ساتھ ویسا ہی پیش آیا۔ جو ایک سنگے بھائی کے غلو میں محبت کا متقاضی تھا۔ اور اس میں ہی کلام نہیں کہ یعقوبؑ نے ہی اس خاص موقع پر عیسو کے ساتھ اوسی آداب تکرم کے محاسن کے اظہار کیے جو ایک چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی کے ساتھ لازم اور مناسب ہوتے ہیں۔ اور حقیقت تو یوں ہے کہ باوجودیکہ آپس میں ایک کو دوسرے کے ساتھ شکایت ضرور تھی۔ مگر حب اسلیت اور قلبی

تعلقات کے عالم فیما بین پیش نظر آگئے۔ تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اُن اُن اُن ایک دوسری حالت ہی بدل گئی۔ عیسو جس کے خوف سے یعقوب تھمر تھمر کا پتہ نہ تھمر۔ یعقوب کے گلے سے لپٹا ہوا اُن اُن اُن رہا۔ اور یعقوب اس کے قدم پر اپنا فرق ادب جھکائے ہوئے شدت سے گریختے ہوئے تھم رہا تھا۔ اس غیر رنگ حال کا کیا باعث بن گیا تھا سوا اس کے اس مقلد بالقلوب والاحوال کی قدرت کا کمال۔ **قَالَ اللَّهُ قَادِرٌ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ خَالٍ**

عیسو اور یعقوب کے باہمی حالات و واقعات اس تفصیل سے لکھ کر میرا خاص مدعا یہ تھا کہ ان کو تہمین اور فائدہ نصیر علمائے یہود و نصاریٰ کی اس مغویانہ عالم فریبی کی پوری قلعی کھلی جائے۔ جو بنی اسرائیل و بنی اسحاق کے مابین افتراق فیسی کے باعث سے دائمی منافرت اور قطعی بے تعلقی پیدا تھی۔ یہودی اور عیسائی متعصبین اپنے عہد نامہ قدیم میں ان واقعات الہامی کو پرکھ کر عبرت اور غیرت کا سبق لیں۔ اور آئندہ سے ان مغویانہ اور عالم فریبی کو مستشوں پر جرات نہ کریں۔

ادوم کی حکومت - چند صدیوں کے بعد یہ خاندان بطور خاص ایک کثیر التعداد قوم بن گیا جس نے ۱۶۰۰ ق م سے پہلے ایک عظیم الشان حکومت قائم کی۔ اسی عہد میں بنی اسرائیل حسب مصر سے آئے تو ادوم کی حکومت تعمیر میں قائم تھی (سفر عدد ۲۰-۱۶) ساؤل (مخلوشت) جو بنی اسرائیل کے پہلے بادشاہ تھے اور جن کا زمانہ تسمیہ ق م سے پہلے ۱۰۰۰ ق م میں متعدد بادشاہ یا شیخ گزر چکے تھے۔ (تکوین ۳۶-۳۱)

توریت میں ادوم کی مستقل آبادیوں کے نام مذکور ہیں۔ دھما، بے یسیر، تیمان، عویش، مشریتا، رجوت اور فاکو (تکوین ۳۶-۳۱) ادوم کے دارالحکومت کا نام بعد کو قیمری میں سلاخ ہے۔ اسکو یونانی پیرا کہتے ہیں۔ ان دونوں کے معنی پتھر کے ہیں۔ لیکن عرب اسکو قیمر کہتے ہیں۔ اہل عرب یہ بیان شہر تھا۔ دین کے بعد ادوم نے اپنے پتھر بن کر لیا۔ سلاطین ادوم کے نام یہ ہیں۔ جو شاید پہلے زمانہ کے ہیں اور غیر مرتب ہیں۔ لیکن توراۃ میں انکو پتھر بن و تسلسل ایک کے مرتب کیا ہے۔ وہ سرسے کو بادشاہ ظاہر کیا ہے۔ (تکوین ۳۶-۳۱)

تعداد	نام	مقام
۱	بالع ابن باعور	دھما
۲	یو باب بن زارح	بصری
۳	حوشام	تیمان
۴	ہاوین ہار	عویش
۵	سما	مشریتا
۶	شاؤل	رجوت
۷	بعل حشام بن حکیم	۔
۸	ہار	قاسو

ادوم کی تاریخ ادوم کی سب سے پہلی تاریخ یہ ہے کہ ہرادشاہ ادوم نے، باشندگان مدین سے جنگ کی اور انکو شکست دی۔ تیرہویں صدی ق م میں بنیامین اور عیسویں سو م، فراخنے مصر نے روم پر حملہ کیا مصری کتبہ میں اس ملک کا نام ادوم بتایا گیا ہے اور ادوم کو شام کا ایک حصہ سمجھا گیا ہے۔ (ریڈنگ کاغذ ص ۴۹۴ و ج ۱ ص ۲۹۱)

ساول شاہ اول اسرائیل نے جنگو قرآن مجید نے رعایت جالوت، طاوت کہا ہے۔ سب سے پہلے ادوم پر حملہ کیا۔ (سوال ۱۲-۱۷) حضرت داؤد شاہ ثانی اسرائیل نے ادوم کو فتح کر کے ملک اسرائیل میں شامل کر لیا (سوال ۸-۱۲) ہراد اووم کا شاہزادہ بھاگ کر مدین آیا۔ اور یہاں سے مصر چلا گیا (سلاطین ۱۱-۱۴) حضرت داؤد کے مرتبے بعد وہ اپنے ملک کو واپس آیا (سلاطین ۱۱-۲۲) اس کے بعد تختہ سلطین بنی اسرائیل کے عہد میں بنو ادوم نے پرزور بغاوتیں کیں۔ (سلاطین ۲۰-۲۲) انوشیاہ شاہ یہودیہ نے بنو اسرائیل کے ساحلی میدان میں ادوم پر ایک بڑیبردست حملہ کیا۔ دس ہزار آدمی مارے گئے۔ ادومیوں کے پانچ تختہ سلاح (شیر) پر شاہ یہودیہ نے قبضہ کر لیا۔ اور اس کا نام بدلتی اسرائیل رکھا۔ (سلاطین ۱۲-۱۴)

اس کے بعد اسیریا کا دور شروع ہوتا ہے۔ تغلات پلاسر رابع شاہ اسیریا کے عہد سلطنت ق م میں اسیریا کے کتبات میں ادومی حکومت کا بحیثیت خراج گزار ریاست کے ذکر ہے۔ اس وقت اس کے بادشاہ کا نام کوزماک تھا۔ ساتویں صدی ق م میں جو بادشاہ تھا اس کا نام کوزگیری تھا ساتویں صدی ق م کے وسط میں مواب اور ادوم دونوں قبائل بادیہ کے نشانہ تھے۔ آخری تاریخ یہ ہے کہ موخذر نصیر (نخستہ نصیر) شاہ اسیریا کے مقابلہ میں بغاوت کی (ریڈنگ ۲۶-۳) اور ناکام رہے۔ تختہ نصیر نے دیگر اقوام کے ساتھ اون کو بھی پامال کر ڈالا۔

چھٹی صدی ق م میں اسیریا (شام) میڈیا (فارس) کے ہاتھ سے تباہ ہوا۔ اسی عہد میں موخذر نصیر نے اسیریا کے عربوں نے اسیریا کو تباہ کیا۔ تاریخ میں قبط ہے۔ اور ادومی مجبور ہو کر یہودیت کے پار چلے گئے۔ یہی سبب ہے کہ یوسیفوس اور بطلمیوس اور نیز تالمود میں ادومیا اوسی قلعہ کا نام بتایا گیا ہے۔

یو یا سپ یا الیو یا علیہ السلام ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ادوم کی ایک نسل کا نام عوٹن تھا۔ حضرت یو یا سپ علیہ السلام جب قرآن مجید اور انفار یہود دونوں میں ذکر کر رہے اور ان کے نام سے یہ فرقہ تورا کا ایک جزو ہے۔ اسی عوٹن ادوم کی نسل سے تھے (سفر الیو یا) سفر الیو یا عیسیٰ میں ان کا نام اویب ہے۔ لیکن عرب انکو الیو یا کہتے ہیں ادوم کے شیوخ یا سلاطین کی جو فہرست اس میں پہلی نقل کی گئی ہے۔ اوس کا تیسرا نام یو یا سپ ہے۔ قدیم و جدید مسلم و غیر مسلم دونوں کی تصانیف میں اس کا

نتیجہ یہ ہے کہ یو یاب۔ اوب اور ایوب ایک ہی نام ہیں اور یہ اختلاف محض تغیر لہجہ کا نتیجہ ہے۔ ایک قدیم فارسی کتاب جس کی اصل زبان عبری عربی ہے۔ جو آدم کی زبان ہونی چاہیے (کیونکہ آدم عبری تھے اور وسط ملک میں آیا تھے) اس کتاب کا ایک جرمن فاضل میخائیل (MIEHAILI) نے لاطینی میں ترجمہ کیا ہے اسکا عنوان یہ ہے (Colloquia) عاشی برائے گنہگار کدہ یوری مینس لائبریری (ج ۵ ص ۲۲۰) لیکن اس کتاب کا ایک قدیم عربی ترجمہ بھی ہے جس میں حسب ذیل عبارت ہے۔ قواعد عربی کے رو سے جا بجا غلط ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی غیر عرب نے اسکا ترجمہ کیا ہے۔

وکان ایوب ساکناً فی ارض فی النعم ادم وعرباً و من قبل اسمہ یو یاب۔
 وایوب کان ابن نارا بن بنی علیس وھو کان المساکین من ابراھیم و الملوك الذی ملکوا فی ادم الذی ملک ملک علی ملک الارض من قبل بالی بن باعوا واسم مدینتہ دنا با ومن بعدہ یو یاب ہذا الذی یسوی ایوب۔

ایوب۔ عوض کی سرزمین میں۔ آدم کی سرحد پر رہتے تھے تو اعراب تھے۔ اور پہلے یو یاب نام تھا۔ ایوب زارا کے بیٹے اور خاندان عبد سے تھے اور حضرت ابراہیم سے چھٹی پشت میں تھے۔ اور جو سلاطین پہلے آدم پر حکمراں ہوئے تھے وہ بالی بن باعور تھے۔ اور ان کے پایہ تخت کا نام دنا با تھا۔ انکے بعد یو یاب بادشاہ ہوئے۔ جو ایوب ہیں۔

ریونڈ فارشر نے اس بحث پر کئی صفحہ سیاہ کئے ہیں کہ ایوب عرب تھے۔ اور نسل آدم سے تھے۔ یہاں تک تو صحیح ہے۔ مگر وہ ثابت کرتے ہیں کہ ایوب کا شہر دنا با تھا۔ اور یہ غلطی اسلئے ہوئی کہ عربی عبارت مذکورہ میں واسم مدینتہ دنا با۔ میں مدینتہ کی ضمیر یو یاب کی طرف راجع کی ہے۔ حالانکہ اولاً تو یہ صریح غلط ہے جسکو ہر عربی و اس سمجھ سکتا ہے ثانیاً یہ خود توراۃ کے مخالف ہے۔ (تکوین ۲۲-۲۶)

ایک دوسرے یورپین فاضل (CAIMET) نے ثابت کیا ہے کہ یو یاب اور ایوب ایک ہی شخص ہیں مسٹر گبن (GIBBON) عرب و اسلام کی فصل میں جو اوکی تاریخ کا چالیسواں باب ہے۔ قرآن مجید پر ایک غیر واقفانہ نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اوس عرب مبشر (قرآن یا محمد صلعم) کے خیالات خدا کے متعلق گوا علی و لطیف ہیں۔ تاہم اسکا بلند سے بلند خیالی سفر ایوب کے پر جلال سادگی کے مقابلہ میں کم ہے جو عہد قدیم میں اسی ملک ساور اسی زبان میں لکھی گئی ہے۔

ہمارے ہاں تفسیروں میں جو روایات اسرائیلیہ ہیں وہ بھی اسی کی تصدیق کرتی ہیں کہ یو یاب اور ایوب ایک شخص ہیں۔

سكان ايوب رجل من الرقيم (ادوم) وهو ايوب
بن اموص (خطاء) بن نراسح بن دوم (ادوم) بن
عيص (عيسو) بن اسحاق بن ابراهيم وكانت له
ابنيه من ارض الشام كلهم سهلها وجبلها و
سكان له فيها من اصناف المال كله من البقر وال
ابل والغنم والمخيل والحمير

ایوب روم کا آدمی تھا۔ ایوب بن اموص (خطاء) بن نراسح
بن عیص (عیسو) بن اسحاق بن ابراہیم
اسکے قبضہ میں شام کے تمام میدان اور کوہستان تھے۔ اور
ان میں ہر قسم کی دولت تھی۔ یعنی گائے۔ بیل۔ اونٹ۔ بھڑ
بکری۔ گھوڑے اور گدھے وغیرہ۔

ان تمام روایات میں ایک عجیب تصحیف لفظی ہے۔ ادوم کی جگہ روم بیان کیا گیا ہے۔ ادوم چونکہ غیر معروف
اور روم مشہور لفظ تھا اور تشابہ خط و لفظ بھی ہے اس سبب سے نادری یا نسخ (نویسندہ) نے ادوم کی جگہ روم
لکھ دیا۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ سلسلہ نسب میں ایوب اور نراسح کے درمیان اموص کے نام کی زیادت ہے۔
مورخ ابن واضح یعقوبی۔ المتوفی سنہ ۲۸۸ھ کا بیان زیادہ صحیح ہے۔ بلکہ شام کے ذکر میں لکھا ہے۔ یو باب ہوا ایوب
بن نراسح الصدیق۔ یو باب ہی ایوب بن نراسح الصدیق ہیں۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ حضرت ایوب ایک ادومی عرب تھے۔ خود سفر ایوب سے ثابت ہے۔ عوض کی زمین میں ایک
مرد صالح۔ راستگو خدا سے ڈرنیوالا اور بدی سے دور تھا۔ (۱۰۱)

عوض توراۃ میں دو آدمیوں کا نام ہے۔ ایک تو نہایت قدیم عوض بن ارم بن سام بن نوح (تکوین ۱۰-۱۲)
دوسرا عوض بن ویسان بن عیسو بن اسحاق بن ابراہیم (تکوین ۲۶-۲۹) باتفاق اہل کتاب اس سے عوض
ثانی مراد ہے۔ عوض کی بنی ادومی عرب ہونے پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سفر ایوب میں جو سکین رفتاے
ایوب کے بتائے ہیں وہ تین۔ نعمتان اور شوخان میں (۱۱-۱۲) اول کے متعلق تو اچھی طرح معلوم ہے
کہ وہ ملکات ادوم کا ایک مشہور شہر تھا۔ (تکوین ۳۶-۳۵) اس سے پہلے حضرت ایوب کی تعریف میں ہے
اسلئے وہ تمام فرزندان مشرق میں سب سے زیادہ بڑا تھا۔ (ایوب ۱-۳) یہ امر اس کتاب میں بتواتر ثابت ہو چکا ہے
کہ یہودیوں کی اصطلاح میں مشرق سے ہمیشہ ارض عرب مراد ہے۔

حضرت ایوب امیر یا شیخ قوم تھے۔ حضرت ایوب بادشاہ یا شیخ قبیلہ تھے۔ خود سفر ایوب سے ثابت ہے۔
اسے وہ جیسا کہ میں گذشتہ مہینوں میں تھا۔ اون دنوں میں جبکہ خدا میری حفاظت کرتا تھا جبکہ اسکا
چارغ میرے سر پر تھا اور میں تاریکی میں اوس کی روشنی پر چلتا تھا۔ میں اپنی نوجوانی کے دنوں میں
جبکہ اوس وقت تک خدا کا راز میرے مسکن میں تھا۔ جبکہ قادر مطلق خدا میرے ساتھ تھا اور میرے پیچھے
میرے قریب تھے۔

جب میں اپنے پاؤں کہن سے دھوتا تھا اور جب چٹان میرے لئے تیل کے چشمے بہاتی تھی۔
جب میں شہر کے دروازے پر جاتا تھا۔ جب بازار میں اپنی نشست طیار کرتا۔ نوجوان مجھ کو دیکھ کر
ٹل جاتے۔ اور بڑھتے میرے لئے گھرے ہو جاتے بڑے بڑے لوگ مجھ سے بات کرنے میں
جھجکتے اور ہاتھ سے اپنا مونہ بند کر لیتے۔ اور زبان تالو میں لگا لیتے۔

کیونکہ جس کے کان نے مجھ کو سنا۔ میری تعریف کی اور جس آنکھ نے مجھ کو دیکھا میری گواہی دی
کیونکہ جس مسکین نے ہی فریاد کی اور جو بھی بے یار و مددگار و یتیم تھا۔ میں نے ادن کی مدد کی۔
اور ہر قریب مرگ کی دعا مجھ کو ملی اور ہر بیوہ کے دکھ و غم کو گانا مجھ سے نصیب ہوا۔
راستی میری پوشاک تھی۔ جو مجھ کو پہنائی گئی۔ میرا فیصلہ خلعت اور تاج ہوتا تھا۔ میں اندھوں
کی آنکھ تھما۔ لنگڑوں کا پاؤں۔ اور غریبوں کا باپ تھا۔ اور وہ دلیل جس کو میں نہیں جانتا تھا لیکن
میں جن کی تلاش میں تھا۔ میں نے بیان کی اور شہریروں کے دانت توڑ دیئے۔ اور اونٹ کے دانتوں
کے پیچ سے غضب کی چیز چینی۔

میری عظمت مجھ میں تازہ تھی اور میری امان میرے ہاتھ میں نئی کی گئی تھی۔ میری بات کو لوگوں
نے سنا اور خاموشی سے میری نصیحت کا انتظار کرنے لگے۔ میری گفتگو کے بعد پردہ کچھ نہ بولے
میرے الفاظ کے قطرے اوپر ٹپکتے تھے اور وہ انکا ایسا انتظار کرتے تھے جیسا بارش کا۔ اور وہ انکے
لئے اس طرح مونہ کھولتے تھے جیسے بھلی مینہ کے لئے۔

میں ان پر ہنسنا لیکن انہوں نے یقین نہ کیا۔ اور نہ میرے چہرے کی چمک زمین پر گر گئی۔ میں نے
انکے لئے راستہ چن دیا اور میں سردار بن کر بیٹھا۔ اور اس طرح رہا جس طرح بادشاہ اپنی فوج میں او
اس آدمی کی طرح جو غمزدوں کو تسلی دیتا ہے۔ (ماخوذ از سفر ایوب باب ۲۹)

حضرت ایوب کا زمانہ اور وطن۔ جب ہم ثابت کر چکے کہ ایوب اور یوباب ایک ہی شخص ہیں تو ہم کو
حضرت ایوب کے مکان و مسکن کے تعلق زیادہ کاوش کی حاجت

نہیں رہی۔ یوباب کا مسکن تورات میں مذکور ہے کہ وہ بصری تھا۔ جو اب تک شمال عرب میں فلسطین کے قریب
ایک مشہور شہر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر شام میں وہاں قیام کیا تھا۔ وہی شہر حضرت ایوب کے قریب
قیام کا تھا۔ بصری قدیم زمانہ میں ایک تجارتی شہر تھا۔ تورات میں اس کا ذکر متعدد مقامات میں آیا ہے شعیبا
بٹی پو خذر نصر (بصری نصر) کی خبر دیتے ہیں۔ خداوند کی تلوار خون آلود ہے۔ خداوند نے بصری میں قربانی کی اور
ادوم کے ملک میں قتل عام (۲۴-۶) پر لکھتے ہیں۔ وہ رنگے کپڑے کے ساتھ بصری سے اور ادوم سے آ رہا ہے (۶-۶۲)

اس آیت میں بُصْرے سے کسی آنیوالی کی بشارت ہے مسکن ایوب کا ہر مہر چکا ہے۔ زمانہ کے متعلق ہی فیصلہ اسلئے آسان ہے کہ کلدان (ایوب ۱-۱۶) اور سب (ایوب ۱۰-۱۵) کا اسمیں ذکر معاشرت ہے، سب کا عروج سنہ ق م میں ہوا ہے اور کلدانیوں کا اختتام سنہ ق م میں۔ ان دونوں کا مشترک عہد سنہ ق م سے سنہ ق م تک ہے۔ اس لئے ان دونوں زمانوں کے حدود میں کہیں حضرت ایوب کا عہد قرار دینا چاہیے۔

ہمارے فاضل معاصر صاحب ارض القرآن اگر تعین زمانہ ایوب میں تھوڑی اور تحقیق فرماتے تو قیاسی تعین زمانہ کی جگہ ان کو زمانہ اصلی کا پورا پورا پتہ چل جاتا۔ وہ اس طرح سے کہ حضرت ایوب کی بی بی جن کے ذکر کیطرت قرآن مجید میں اشارہ ہے۔ وہ بالظاہر مورخین و سابیہ عرب یوسف ابن یعقوب کی پوتی تھیں اور ان کا نام رحمہ تھا۔ (حیات القلوب مجلسی جلد اول) توراۃ سے حضرت یعقوب کا زمانہ تقریباً سنہ ق م ہے تو قاعدہ استدلال کی رو سے یہ خاتون رحمہ نامی حضرت یعقوب سے سو برس بعد ہوں گی جو سنہ ق م ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے ہی زمانہ حضرت ایوب کی رسالت کا اصلی قرار دیا جائیگا۔

حضرت ایوب کا قصہ۔ قرآن مجید میں حضرت ایوب کا ذکر ہے لیکن چند محفل اشارات کے سوا کوئی تفصیل نہیں ہے۔ مفسرین نے جو تفصیل نقل کی ہے وہ وہب ابن منیہ اور دیگر اسرائیلی مسلمانوں سے جو قرن اول میں موجود تھے منقول ہے اور اسرائیلی روایت بتغیر و اضافہ قلیل تا متر سفر ایوب سے ماخوذ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت ایوب ایک مالدار کثیر الاولاد صاحب عزت اور تندرست آدمی تھے۔ خدا کی رضا کے ہمیشہ طالب اور مصیبت کے وقت صابر تھے۔ مسکین و فقرا کی اعانت یتیموں اور یتیموں کی امداد اور مظلوموں کی فریاد رسی آپ کی عادت تھی۔ آخر خدا نے آپ کو ابتلا میں ڈالا۔ اور بروایت سفر ایوب (توراۃ) شیطان کو ان کی جان و مال پر استیلا دیا گیا۔ دولت جو ان دنوں اوسط بھٹیر بکری اور گدھوں سے عبارت تھی کلدانی لوگوں کے لئے غلاموں کے دستہ پر سبائی قابض ہو گئے۔ اولاد میں ایک چوت کے نیچے و بکرہ گئیں لیکن ان مصائب میں بھی کلمہ شکر و رضا کے سوا زبان مبارک سے کچھ نہ نکلا۔ آخر تندرستی بھی زائل ہو گئی۔ اور تمام بدن فاسد ہو گیا عزیز و اقارب نے کنارہ کشی کی۔ ایک بیوی رفیق حال تھی۔ اس نے بھی بالآخر صلاح دہی کہ غیر خدا کے سامنے جسکو اور خدا کو برا کہو۔ اس حالت کی خبر حضرت کے بھین دوستوں کو ہوئی اور یہ تینوں حضرات حضرت ایوب کی تعزیت کو آئے۔ پورا صحیفہ حضرت ایوب اور ان تینوں مومنین صادقین کے باہم مشاطرے و مسکالے

ماں تعجب ہے کہ ہمارے فاضل معاصر کو اس وقت تک تعزیت اور ہمدردی کا فرق بالاعتبار نہیں معلوم۔ تعزیت موتہ و تعلق ہے اور عبادت مرلین

پر شامل ہے۔ یہ تمام مناظرہ لطیف تشبیہات میں نہایت اعلیٰ فلسفیانہ اور شاعرانہ جذبات روحانی سے پُر ہے جبکہ حاصل یہ ہے کہ ان مومنین ثلماثہ کا دعویٰ ہے کہ انسان پر کوئی مصیبت بغیر گناہ کے نہیں آتی۔ اس لئے جو مبتلا سے مصیبت ہے وہ گنہگار ہے اور اسکو اعتراف و توبہ کرنا چاہیے۔ حضرت ایوب فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی معصیت نہیں کی ہے جسکی خدا کی طرف سے یہ جزا ہے بلکہ یہ عالم قضا و قدر ہے۔ جسکے لئے کوئی سبب درکار نہیں۔ خدا کے اسرار و مصالح لاخود وہیں اور اذن کی معرفت سے انسان عاجز ہے۔ آخر وحی الہی نے فیصلہ کیا کہ ایوب کو توحیٰ پر ہے تاہم بندہ کو کسی حال میں اعتراف و ندامت میں قصور نہ کرنا چاہیے۔ یہ سنتے ہی حضرت ایوب نے زبان کی اور تندرست ہو گئے۔ تمام اعزازات و آثار بھی جمع ہو گئے۔ خدا نے از سر نو دوسری دو چند دولت اور اولاد عطا کی۔

قرآن مجید اور حضرت ایوب
قرآن مجید میں حضرت ایوب کا نام چار سورتوں میں آیا ہے۔ نسا، النعام، انبیاء اور ص۔ نسا اور النعام میں صرف نام ہے۔ وعلیٰ ایوب (نسا) وایوب وعلیٰ یوسف (النعام) سورہ انبیاء اور سورہ ص میں کسی قدر تفصیل سے ذکر ہے۔

وَ اذْکُرْ عَبْدَنَا اَيُّوبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ اِنِّیْ مُسْمِنٌ
بِنَصَبٍ وَّ عَذَابٍ مُّزِیٍّ بِرُجُلٍ مُّغْتَسِلٍ
وَّ شَرَابٍ رَّوْهِنَا لَهٗ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَعَهُمْ
رَحْمَةً وَّ سَآءَ الَّذِیْ کَانَ لَیْلًا یَّوْمَ یَدْعٰی
خُفَّیْنَا فَاُصْرِبْ بِهٖ وَ لَا تَحْشُرْ اِنَّا وَجَدْنَاهَا مُرَّا
اِلَیْکَ الْعَبْدُ اٰتٰی (ص)

ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو۔ جب اوس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو شیطان نے تکلیف اور عذاب کے ساتھ چھوایا ہے (اے ایوب) اپنا پاؤں مار۔ یہ غسل کرنے کی ٹہنڈی جگہ ہے اور پینے کا پانی ہے اور ہم نے اوسکو اوسکے اہل و عیال دئے اور اونہیں کے برابر اپنی رحمت سے اور عقلمندوں کی یادگاری کے لئے۔ (ایوب) اپنے ہاتھ میں تینکے کا ٹٹھالو۔ اور

اوس سے ارد اور اپنی قسم نہ توڑو۔ ہننے ایوب کو صابر پایا۔ اچھا بندہ توبہ کرنے والا ہے۔ (ص)
اس موقع پر شیطان سے کیا مراد ہے۔ یہ صاف ہونا چاہیے۔ سورہ انبیاء کی آیت کریمہ نے اسکی تفصیل کے ساتھ صفائی کر دی ہے۔

وَ اَيُّوبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ اِنِّیْ مُسْمِنٌ
اِنَّہُمْ اِلٰہٌ سَیِّئٌ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَکَفَّیْنَا مَا بَیْہِم مِّنْ
خُفْرٍ وَّ اَلٰیئَہٗ اَھْلَہٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِزِّ
وَ ذِکْرِیْ لِلْعٰبِدِیْنَ (انبیاء)

اور ایوب کو جب اوس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو بیماری نے چھوایا۔ اور تو مہربانوں میں سے سب سے بڑا مہربان ہے ہم نے اوسکی دعا قبول کی اور اوسکی بیماری کو دور کی اور اوسکو اوس کے اہل و عیال دئے اور اونہیں کے برابر اونکے ساتھ۔ اور اپنی رحمت سے عبادت گزاروں کی یادگاری کیلئے۔

ان آیات مبارکہ کے متعلق تین امور قابل ذکر و بحث ہیں۔ اول۔ **خُذْ بِذُنُوبِكَ ضُحًى فَاصْرَبْ يَوْمَكَ**۔
 گھٹن۔ اپنے آپ میں جاڑو اور اس سے مارواؤ قسم نہ توڑو۔ اس آیت میں اسکا ذکر نہیں کسکو مارو؟ اہل تفسیر
 بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب کی بیوی نے جب خدا کی شان میں گستاخی کی تو اونہوں نے غضبناک ہو کر قسم
 کھائی تھی کہ اگر اچھا ہو گیا تو تمکو سو لکڑی ماروں گا۔ بیوی صادق الایمان نہی اور یہ بغزش ایک دوسرے شیطانی
 تھا۔ اس لئے معاف کیا گیا۔

سفر ایوب میں اس گستاخی اور کلمہ کفر کا ذکر ہے (سفر ایوب ۲-۹) لیکن اس سزا کی نوعیت کا بیان کیا
 ہے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ خدا کے ایک وصال ہند سے اپنے اقرار سے کلمات کفر میں کریتا ہے کیوں نہ جائے
 اور کیوں نہ سزا دیں؟ نقص کی تکمیل قرآن نے کر دی جو دنیا میں صرف تکمیل ہی کیلئے آیا ہے۔

دوم **وَمِنْ كُفْرِي بِرُحْلِكَ هَذَا مُغْتَسِلٌ بَارِئٌ تَشَكُّبٌ**۔ اپنے پاؤں سے مارو۔ یہ نہانے کی ٹنڈی جگہ ہے
 اور پینے کا پانی ہے؟ سفر ایوب میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ایوب کس طرح اور کس علاج سے محتاج بنا ہوا ہے۔
 قرآن بتاتا ہے کہ خدا نے انکو ایک چشمہ کا نشان بتایا جس میں نہانے اور اوسکے پانی پینے سے (انکی) بیماری
 جاتی رہی۔ یہ طریقہ علاج بالکل مطابق فطرت سے طبعی چشمہ جو طبعیات ارضی یا ہیاڑوں سے بعض اجزاء
 کیمیاوی کے مخزن سے گذر کر آتے ہیں جنہوں خواص رکھتے ہیں اور دنیا کے اکثر ناکارہ واکاف میں اس
 ہی خدا نے اپنا یہ چشمہ فیض جاری کر رکھا ہے جس سے اوس کی ہزاروں مخلوق ہر موسم میں مستفید ہوتی ہے۔
 حضرت ایوب کے حالات ہماری فاضل محقق عبد الرحمن القران نے نہایت تفصیل و تحقیق سے کام لیا ہے وہ بہت ہی قابل قدر
 ہے گرامر نیمہ زوج حضرت ایوب اور نوعیت محنت متعلق کسی قدر انکشاف کی ضرورت باقی رہ گئی جو حسب ذیل ہے۔

فاضل معاصر نے زوج حضرت ایوب کی نسبت یادہ غور و غوض سے کام لیا بلکہ سفر ایوب اور شراہین ایوب کے مرویات و اقوال
 باعتبار اذالیہ ہمارے معتقادات شکل سے پیغمبر کی ایسی زوجہ کو جو بالفسر النفس خازنہ برالہ اور وودمان نہایت علی الصحت ثابت
 ہو چکی ہو کافر یا مشرک تسلیم کرنا حالانکہ اسے چکر اپنے ہی اسکے صادق الایمان بیوی ہونیکا اثر کر لیا ہے۔ مگر افسوس کہ اسکی کفر و شرک
 کی تعلیم تحریک کے اعتراف کے بعد آپ کے موجودہ اعتراف اختلاف کے اس کے کو جمع میں بالخصوص کے مشکلات و حالات میں ڈال دیا ہے۔
 اور اسکی وجہ یہ کہ توراہ اور شراہین توراہ کے اقوال و خطا کے مقابل میں اسلامی مفسرین نے کتب میں طرف توجہ و انتہا نہیں فرمائی گئی۔
 مجموعہ توراہ و ان اقسام کے اقوال و خطا کثیر کی کیا ہے اور حقیقت میں تو انہیں جیسا آپ خود اکثر مقامات پر ظاہر و

تعجب ہے کہ خلقی چشمہ کی جگہ طبعی کہا گیا ہے۔ حالانکہ طبعی روح کے متعلق ہے غیر ذی روح کیلئے اسکا استعمال شاذ و نادر ہے لہذا قرآن
 اسے خلقت کے لفظ سے کام لیتے ہیں جو ذی روح اور غیر ذی روح دونوں میں مشترک ہے اور استعمال اسکا جگہ ہے۔
 اولاد پر

ثابت کرتے آئے ہیں۔ انھیں قصص باطلہ کی تصحیح و توضیح کے لئے ضرورتاً نازل فرمایا گیا ہے۔ قرآن نے شتمنا و کٹنا ہی جیسا آپ لکھ چکے ہیں ذکر نہ فرمایا۔ پھر قرآن کے موجودہ سکوت کے مقابلہ میں روایات تورات پر اعتبار کر لینا۔ اسلامی اصول عقاید کے صریح منافی ہے۔ بہر حال جس طرح ہمارے فاضل معاصر نے حضرت ابوب کے حالات و واقعات کو اسلامی مفسرین کے بیانات سے ملا کر کہا ہے اسی طرح مسئلہ زیر بحث کی صورت حال کو بھی اویس کے اقوال و مختار کے ساتھ ملا حفظ فرمالینا ضروری تھا بحقیقت حال اور اصلی واقعہ کا مشاہدہ ہو جاتا۔ اسلامی مفسرین نے اس کے متعلق جو لکھا ہے وہ یہ ہے۔

حضرت رحمہ زوجہ جناب ابوب ایام ابتدائیں حضرت ابوب کے تمام اہل و عیال کے تباہ و برباد ہو جائیکے بعد خدا نے سچا نہ تعالیٰ نے آپ کی صرف ایک بی بی کو جس کا نام رحمہ تھا۔

اور جو بقول نسبائیں حضرت یوسف کی پوتی تھیں۔ بچا کر لیا تھا۔ جو آخر وقت ابتلا تک اپنے شوہر کی رفیقہ حال اور شریک مصیبت تھیں۔ امتحان و ابتلا میں عیوں عیوں ترقی ہوتی رہی دیکھ لیجئے ان کی وفا اور حسن رفاقت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ شہلول الاعضا ہو گئے۔ جسم مبارک سے جس و حرکت کی قوت ہی زائل کر دی گئی۔ تمام قوم نے ان کے فقہ احوال سے روگردانی اختیار کی یہ قوت کا دستیاب ہونا بھی دشوار ہو گیا۔ فاسقے پر فاسقہ ہونے لگے۔ ایک بار اسی حالت میں اس بزرگزدہ اہی کو بے آب و دانہ میں شبانہ روز کوٹ گئے۔ جناب رحمہ نے ہر چند غصہ و تلاش کی ایک دانہ نہ ملا۔ وہ خاتون معطر اسپر ہی اپنی کوشش و سعی سے باز نہ آئی۔ چوتھے دن کسی دوسرے قرینہ میں قوت کی تلاش کر نکلی۔ اس دن کسی کے ہاں عروسی تھی۔ وہاں کے لئے فیات کے کثیر سامان تھے۔ انواع و اقسام کے طعام تیار تھے۔ یہ غریب مسرت آلود نگاہوں سے الوان نعمت کے خوانوں کی طرف دیکھنے لگی۔ صاحب خانہ کی بی بی کی نظر ان کی ضرورت کو پہچان گئی وہ رحمتی اور نیک مزاجی۔ انہیں اندر بلایا۔ استفادہ حال کیا۔ غریب نے اپنی تمام مصیبت کہہ سنائی۔ باتوں باتوں میں اس عورت نے ان کے سر کے بالوں کو حد سے زیادہ بار کیا۔ بلطف اور طویل پایا۔ اتفاق سے اس کی لڑکی کے جس کی شادی کی جا رہی تھی۔ نہایت کم اور چوٹے بال تھے اور سیدہ بد نما معلوم ہوتے تھے۔ ان کے بالوں کی لطافت کو دیکھ کر اس نے یہ سوچا کہ کسی طرح ان کے بال مجھے مل جائیں تو میں ان بالوں کو اپنی لڑکی کے بالوں سے ملا کر گوندوں کہ اس کا عیب چھپ جائے۔ یہ سوچا کہ اس نے اس خاتون سے کہہ دیا کہ ہاں۔ میں ایک شرط پر نہیں اور تمہارے ہونے کے شوہر کو کھانا دینے کے لئے راضی ہوں۔ اگر تم ہاں لو۔ یہ غریبہ زود بولی۔ جو تم کو مجھے منظور ہے۔ کسی طرح میرے گرنہ شکم شوہر نہیں کو جو اپنے آزار و کلفت کی وجہ سے قریب المگر گم ہو رہا ہے۔ قوت تو پہنچے اور خبر کو اس کے زندہ رہ جائے

کی امید تو بندھ جائے۔ وہ عورت بولی کہ تم مجھے اپنے سر کے بال کاٹ لینے دو کہ مجھے اپنی نو عروس لڑکی کے لئے درکار ہیں۔ کیونکہ اوسکے سر میں بہت چوٹے اور کم بال ہیں۔ میں ابھی ابھی تمہیں اور تمہارے شوہر کے لئے نفیس اور اعلیٰ کمانے دیتی ہوں۔ یہ مصیبت زدہ بی بی پہلے تو کچھ خاموش رہی مگر پھر یقین کر کے کہ حن و عینت اور اویس کے تمام لوازم و مراتب اوس شوہر کی خدمت و راحت اور صحت پر ہزار بار شمار ہیں۔ جس کی مسرت و آرام کے لئے یہ تمام اسباب فراہم کئے گئے ہیں جس کی بقا کے ساتھ میری بقا وابستہ ہے۔ اور جس کی فنا کے ساتھ میری فنا۔ یہ سوچ کر اوس آفت رسیدہ نے فوراً اپنا سر جھکا دیا۔ اوس عورت نے مقررہ حق سے اس کے گیسو اسے مبارک تراش لئے۔ اور اوس طعام لذیذ سے دو حصے اٹھا کر انہیں دیدے یہ نہایت خوش ہو کر اپنے مقام کو واپس آئیں اور اپنے مقدس ناتواں اور نیم جاں شوہر کے آگے دسترخوان بچھا کر وہ کھانے چن لئے۔ چونکہ بے حسی اور زوال قوت کا پورا عالم تھا۔ یہاں تک کہ خود ہاتھ سے کھانے کی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ اس لئے کمانا چن دینے کے بعد وہ وفادار بی بی کھانا کھلانے بیٹھی۔ حضرت ایوبؑ کو بھی رسول رزق پر اور کبھی ایسی رفیق حال اور شریک مصیبت زوجہ کے ملنے پر پروردگار عالم کا شکر و شکر پر شکر کہ رہے تھے کہ یہ ایک سر کے ہونے کو نہ چادر سے اوس عقیقہ کے کترے ہوئے بال دکھائی دئے ایسے کامل اور عظیم المثال صابر کو جس تک حرمت ناموس کی ایسی غیرت آئی کہ کھانا نہ ہر لوگ یا سب پونچھا تو مطیع و فرمانبردار بی بی نے صورت واقعہ بیان کر دی۔ اگرچہ اس واقعہ سے اوس پارسا بی بی کی انتہائی محبوبی ظاہر ہوتی تھی مگر تاہم جناب ایوبؑ کی غیرت ناموس اس روح فرسا صدمہ کی متحمل نہ ہوئی۔ بی بی پر خفا ہوئے اور عتاب بگیر لہجہ میں فرمایا کہ اس وقت تو بیماری سے مجبور ہوں مگر صحت پانے پر سو تا زبانی کی سزا تمہیں صرف اس تقصیر کے لئے دوں گا۔ کہ تم نے میری اجازت کے بغیر ایک غیر جنس عورت کے سامنے اپنا سر عیا کیا۔ یہ تو بی بی سے خطاب ہوا۔ اس کے بعد پھر یہ سوچ کر کہ یہ تمام آفتیں اس موزی بیماری کے باعث ہیں۔ بارگاہ الہی میں ان مضطربانہ الفاظ کے ساتھ مستعدی ہوئے۔ سرب انی و تنفی العسر و

انت ام رحم المرحین۔ حیات القلوب جلد اول

واقعہ حقیقی تو یہ ہے جو مرویات اسلامی سے ماخوذ ہے اور قریب قریب تمام کتب تفسیر میں مذکور اس کی صورت وقوع سے خاندان رسالت کے انداز اور برگزیدگان الہی کے محاسن و اوصاف پورے طور سے ظاہر ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل سے نہ اوس خاتون معطر کی کفر شکاری معلوم ہوتی ہے اور نہ بت پرستی بلکہ اس میں تو اوس پاکدامن خاتون کی شوہر کے ساتھ کمال خلوص و محبت اور تقصیر و اطاعت کے اظہار ہوتے

ہیں۔ اسکے کسی لفظ یا کسی حرف سے یہ نہیں پایا جاتا جیسا کہ توراۃ کا بیان ہے کہ اس عقیقہ نے لغو و بالکلیہ اپنے شوہر عالی مقدار کو جس کی رسالت کی یہ تصدیق کر چکی تھیں اور ایک معتد بہ مدت تک خدمت میں رہ کر ان کی تبلیغ رسالت اور تلقین و تعلیم ہدایت کے اصلی مدعا کو کما حقہ سمجھ چکی تھیں۔ کفر و شرک کے طریقے باطل اختیار کرنے کی ترغیب و تحریص کی تھی۔ یہ وہی لغویات و حشویات ہیں جو ذاتیات انسانی اور اخلاقی نفسانی کی بدولت کتب قدیمہ سماویہ کے الہامات ربانی اور ارشادات روحانی میں مخلوط ہو کر اوس کی صحت و صداقت پر بدنام و شبہ لگاتے ہیں اور اوتھے منزل من اللہ ہو نہیں سکتے و شبہ پیدا کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں قرآن مجید انھیں کی صحت و ترمیم کے لئے بارگاہ الہی سے ﴿فَإِنَّمَا أَصْغَرُ وَفُيْعَ مَا كَذَرَ﴾ کا عام اعلان فرماتا ہوا نازل کیا گیا ہے۔ توراۃ میں شان رسالت کی عظمت نہ کوئی چیز قرار دیکھی ہے اور نہ خاندان نبوت کی حرمت قابلِ سزا و پاس۔ یعقوب کی دونوں بیبیاں۔ لاجن کی بیبیاں۔ رخصت ہو نیکی وقت اپنے گھر سے سونے کے بت چرا لاتی ہیں۔ اور ان کی پرستش کیا کرتی ہیں۔ اسپر بھی پیمبر زان کی بی بی اور آیندہ انبیاء و مرسلین کی ماں ہی یا عذر و تامل بنی رہتی ہیں۔ توراۃ کے ہی احکام مطہرہ ہیں اور ہی اصحاب شافحہ۔ سفر تکوین۔ باب ۳۱۔ آیت ۳۹۔ ۴۵۔ لطف تو یہ ہے کہ ان ثابت چرانے والیوں میں خاص کر راحیل زوہر یعقوب کا نام لکھا ہوا ہے اور یہ راحیل حضرت یوسف الصدیق کی ماں تسلیم کی جاتی ہیں۔ لغو و بالکلیہ انہی انہی انہی۔ ہر حال۔ اصل واقعہ یہ ہے جو لکھا گیا۔ اس سے نہ اوس پیغمبر رحتی پر کوئی الزام آتا ہے اور نہ اوس کی صداقت الایمان بی بی پر۔ چونکہ مقتضائے بشریت اوس محترم سے ترک اولی کا صدور واقع ہو گیا تھا کہ ملاؤن شوہر انھوں نے اپنا سرعریاں کر دیا تھا۔ حضرت ابوب کو ہتک و ناموس کی بڑی غیرت آئی اور اضطراب کے اسی عالم میں آپ نے قسم کھائی کہ صحت یابی کے بعد میں تمہارے شرع جاری کروں گا۔ چونکہ اس مخدہ عظمیٰ کا مدعا خلوص حقیقی پر مبنی تھا۔ اس لئے عادل حقیقی نے اس کے اجراء سے منرا و تنبیہ میں وہ طریقہ معتد بہ اختیار کیا کہ نیک حکم صادر فرمایا کہ اوس پیغمبر رحتی کی قسم ہی پوری ہو گئی اور ان کی زوہر محترمہ کو کوئی تکالیف بھی نہ پہونچی سُبْحَانَكَ اَعْظَمُ شَأْنًا

دوم۔ نوعیت صحت سے متعلق فاضل معاصر نے بڑی کاوش سے حسب تصریح قرآن ترکیب فسل کو اصول فطرت کے مطابق ثابت کیا ہے۔ اور طبی مشاہدات عملیہ اور خواص و اثرات کیمیائہ سے اسکی تصدیق و توثیق ہم پہونچائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی تحقیق قابلِ تعریف ضرور ہے مگر حقیقت میں نگاہوں کے سامنے قدرت کے بدیہات ایسے یقینی ثابت ہو چکے ہیں کہ اب ان کے اثبات و انکار میں زیادہ تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں۔ ہمارے قابلِ محقق کا طریقہ اثبات بالکلیہ خواص عرض سے لگتی آگیا ہے نہ مفاد و جوہر ہے

١٢٠

حضرت اسماعیل علیہ السلام

اصحابِ لیس۔ اصحابِ کچھ۔ اصحابِ الیمہ۔ انصار اور قریش

باجرہ۔ اصل میں عبرانی لفظ۔ لغتاً ہے جس کے معنی بیگانے اور اجنبی کے ہیں۔ اصل میں انکا وطن مستقر تھا
 حضرت ابراہیم اور سارہ جب مصر گئے تو فرعون نے دیگر انعام و اکرام کے ساتھ یہ لڑکی (باجرہ) بھی اونکے ساتھ
 کر دی۔ انہیں باجرہ سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔ اور حضرت اسماعیل کی نسل سے۔ اصحاب اڑس
 اصحاب الجحر۔ اصحاب لاکھ انصار اور قریش عرب کے ممتاز اور سربراہ نامزد قوم و قبائل پیدا ہوئے۔ سارہ کے بطن سے
 اسحاق پیدا ہوئے جن سے بنی اسرائیل کی نسل قائم ہوئی۔

شمس العلماء نے اٹھانی تے سیرۃ النبی میں اور ان کے شاگرد رشید مولانا سلیمان صاحب ندوی نے فیاض القرآن میں بنو ہاجرہ کے حالات کا آغاز حضرت اسماعیل کی تفصیل واقعات سے کیا ہے اور جناب ابراہیم کے تصریح احوال کی طرف غالباً اسوجہ سے توجہ نہیں فرمائی ہے کہ عرب میں ان کا قیام ثابت نہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ حضرت ابراہیم کے تعلقات مذہبی ہوں یا قومی، ملک عرب سے اسنے وابستہ اور پیوستہ ہیں کہ انکی تفصیل و تشریح کے بغیر جناب ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیل اور ان کے مابعد کی اولاد کے حالات و واقعات مبہم اور محمل رہ جائے ہیں۔ لائق مصنفین کو جناب ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کے واقعات ہجرت، تعمیر کعبہ اور دیگر واقعات کی تحریر کے وقت حضرت ابراہیم کے جسے جسے حالات بیان کرنے کی بالآخر ضرورت واقع ہوئی ہے۔

بقدر امکان دریافت کئے گئے ہیں۔ بتلا رہے ہیں کہ اس زمانہ میں علاقہ بابل کے تمام اقوام و قبائل انواع و اقسام کے اہتمام و اودام پرستی میں مبتلا تھے۔ خدا پرستی اور اوہ کی ذات واحد کی وجود کا کوئی خیال اون میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے نفوس کو اپنے تمام مال و متاع کے ساتھ بتوں کا مطیع و منقاد سمجھتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو رب العباد۔ بت پرستی کے ساتھ ساتھ پرستی اور شخص پرستی بھی اون کے اجزائے ایمان میں داخل تھی۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت ابراہیم کی ولادت بھی خاص طور پر کثمتہ قدرت ثابت ہوئی ہے۔ ولادت با سعادت کے متعلق اس زمانہ کے کاہنوں اور نجومیوں کا غرور و کبر کرنا۔ اور غرور کا امتناع ولادت کے متعلق تمام انسانی اور امکا کی کوششیں صرف کرنا اور ناکامیاب رہنا عرب کی تمام چوٹی بڑی تاریخوں میں بالتفصیل مندرج ہیں۔ ہم اون کو باعث طوالت اور زیادہ ضرورت سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں اور آپ کے حالات کو ایام طفولیت کے واقعات و حالات سے آغاز کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدا شناسی اور معرفت کے ابتدائی حالات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ جس فکر جس تلاش اور جس تحقیق سے اس خاصہ خدا نے۔ خدا کا وجود۔ اس کی معرفت اور اوہ کی ذات کی خاص وحدت حاصل فرمائی۔ وہ افریش عالم کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک اپنی آپ مثال ثابت ہوتی ہے۔ اخبار و اسفار قدیمہ کے جائزے والے جانتے ہیں کہ حقیقتاً حضرت ابراہیم کو اپنے زمانہ میں اس کی بڑی ضرورت لاحق ہوئی تھی۔ کیونکہ حضرت نوح کی رسالت کے بعد۔ انبیاء اولی العزم کی مقدس فہرست میں کاہنیت قدرت نے آپ ہی کا اسم گرامی لکھا تھا۔ حضرت نوح کی رسالت باوجود اتنی طوالت کے وجود خدا اور اوہ کی وحدانیت کی تعلیم میں مشکل سے کامیاب ہوئی۔ ہزار سالہ تعلیم و سرائف کے بعد مومنین اور خدا کے معتقدین کی تعداد انہی نفوس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ حضرت نوح کے بعد ان مومنین خالصین کی جماعت قوم کافرین پر اپنی تعلیم کا کوئی اثر نہ ہونے لگا۔ اور کوئی نہ ہونے لگا۔ جب حضرت نوح کے ذاتی پسند و نصائح خود اپنے اہل و عیال پر اپنی تعلیم کا اثر نہ ڈال سکے تو ان غریب مومنین کے ارشاد و ہدایت کو کون سناتا ہے۔ جو حقیقتاً خدا کی طرف سے درجہ نبوت یا نبوت رسالت پر فائز بھی نہیں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نوح کی وفات سے پہلے ابراہیم کی ولادت تک کے درمیانی زمانہ میں دنیا پر کفر و فسق کی گھٹا ٹوپ پائیر کی جھاگئی۔ خدا کی وحدانیت کیسی۔ اور اس کے وجود اور اس کی معرفت کا خیال ہی نہایت قسماً ہو گیا تھا۔ اسی عام تاریکی اور عالمگیر ظلمت کے زمانہ میں نظام شمسیت نے سواد عالم کے مختلف حصوں میں اپنی وحدانیت کا نور اور اپنی معرفت کی عالمتاب اشعاعیں اپنے ایک خالص اور کامل پسند و نصائح کے ذریعہ سے پھیلانیں اور دور دور کے پہونچائیں۔ جو اپنی ذاتی تلاش اپنی تنہا فکر اور اپنے خالص قلبی فکر سے اس کی کامل

معرفت حاصل کر چکا تھا لیکال لہ ابراہیم اوسکو ابراہیم (علیہ السلام) کہتے تھے۔

حضرت ابراہیم کی تحقیق معرفت اور تحصیل علوم الہیات کے حالات پر اطلاع رکھنے والے حضرات آپ کے استغراق فی المعرفة اور اوس ریاضت و مشقت کے واقعات کو پورے طور سے جانتے ہیں۔ جو اس راہ عرفان کے مجاہد اور کامل موجد کو اپنے معبود حقیقی اور اُس کے وجود و وحدت کی تلاش میں برسوں پیش آیا کرتے ہیں۔ اور اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ نفرت انبیاء کے اصول معارف کے مطابق حضرت ابراہیم کی مقدس طبیعت طفولیت کے وقت سے خاموش غلوت پسند۔ تارک العالَم اور غور و فکر میں ہمیشہ ڈوبے رہنے کی غور واقع ہوئی تھی حضرت ابراہیم کا خاندان ہمیشہ سے معزز تھا اور مقرب شاہی۔ پاپ (تاریخ) خزانہ شاہی کے کلید بردار تھے۔ اور نمرود کے دربار شاہی میں بڑے صاحب اقتدار (مواہب لدنیہ۔ حیات القلوب) آذر چھا تھے۔ بہت بڑے دستکار اور شاہی بت تراش۔ بدستہی سے انکی صنعت و دستکاری بت تراشی اور صنم سازی ہی تک محدود تھی۔ اور کیونکر توتی اسلئے کہ اوس زمانہ میں ہی ایک صنعت بہت بڑی صنعت تھی اور اسکی تمام دنیا میں عالمگیر ضرورت تھی۔ اور نے اپنے اس کام کیلئے اپنے مکان کا ایک حصہ خاص طور پر علیحدہ کر لیا تھا جس میں بیٹھ کر وہ انواع و اقسام کی مورتیں اور مصنوعی خداؤں کی مختلف الاوضاع صورتیں بنایا کرتے تھے۔

قدرت کے عجیب و غریب نظام نے اپنے خالص موجد اور کامل مصدق کو اسی گھر میں پیدا کیا۔ جہاں و تراشے عقاید فاسد کے مطابق ہزاروں خدا بناتے تھے یہ معمول کے مطابق ضرور تھا کہ اس بچہ کی طبیعت ہی اپنے گھروالوں کے اصول عقاید پر نشو و نما پائی۔ مگر نہیں۔ یہاں تو نظام مشیت کو۔ یعنی کلام اللہ باضداد دھا را شیا عالم کی معرفت علی الاکثر اُن کی ضد سے حاصل ہوتی ہے) کے اصول مسلمہ کے مطابق بت تراشی کی اس صنعت گاہ کو اپنی بیکانی اور وحدانیت کی جلوہ گاہ بنانا تھا اور دنیا کو اپنی جبروت قدرت کا ثبوت دکھانا تھا۔ اسلئے اس نے اپنے اس موجد اور بت شکن پیغمبر کو خاص کر اسی گھر میں پیدا کیا جہاں بت اور بت پرستی کے اوزار بنا کر آئے تھے

تمہید آئینا لکھ کر ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور بتلچکا گیا ہے کہ آغاز طفولیت سے خاموشی استغراق اور محویت کی حضرت ابراہیم کو عادت تھی۔ اسی طرح آغاز عمر سے ان پتھروں کے ٹکڑوں سے نفرت جس کی وجہ سے صرف قدرت اور ولایت مشیت کے کچھ اور نہیں بتلائی جاسکتی۔ اور اسی کی بنا پر جیسا کہ عرب کی تمام قدیم و جدید اخبار و آثار بتلاتے ہیں حضرت ابراہیم اپنے چچا کی اس صنعت و دستکاری کو ذلت خواری کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے اور جب کبھی موقع اور وقت پاتے تھے۔ تو اپنے چچا کے اس ریاض مشقت اور صنعت کو خراب کر دیا کرتے تھے۔ اور ہر توکی بنی بنائی صورتوں کو کسی کی آنکھ کسی کی ناک کسی کے کان توڑ کر بگاڑ دیا کرتے تھے۔

حقیقت شناس حضرات عام و خاص طبیعتوں کی تفریق و تخصیص کے مسئلہ کو نہیں سے سمجھ جاتیں۔ معمول کے مطابق عام بچے اور اون کی طبیعتیں فطرتاً جہتاً کھلونوں اور مورتوں کی شایق اور گرویدہ ہوتی ہیں۔ اوس سے ہر شخص بخوبی واقف ہے مگر غلط اس کے یہ سمجھنا کہ اورتاقتا نہیں بلکہ عہد اور استعداد۔ ایت کھلونوں اور مورتوں کو توڑ دیتا ہے۔ گویا اوس کی طبیعت کو عام بچوں کی فطرت کے بالکل برعکس۔ ان اشیاء سے کوئی دلچسپی اور شغف ہی نہیں ہے۔ بلکہ اون کی جگہ خاص نفرت ہے اور کراہیت۔ اس سے ہر تمیز اور محقق شخص نتیجہ نکال لیتا کہ خاصان الہی کی طبیعتیں ہی خاص ہوتی ہیں اور عام کی عام۔

آؤ نے پہلے اسکا کوئی خیال نہیں کیا۔ مگر دو ایک دن کے بعد انھیں حقیقت حال معلوم ہو گئی کہ یہ ابراہیم کے ہاتھوں کی مہمانی سے محبت کے تقاضے نے زیادہ زبرد تو بچ کی اجازت نہیں دی۔ مگر اپنی اجنبی طاعتیاء کر کے اس کی مجبوری البتہ ہو گئی کہ باہر جانے کی وقت دروازہ بند کر دیتے تھے۔ مگر اسپر بھی جب کبھی عجلت میں باہر جاتے وقت دروازہ بند کرنا بھول جاتے تھے تو یہ بچ جس کی گھٹی میں وہ فطرت سے بہت تسکینی کے اثر اور رعیت فرماتے تھے۔ اور تمام بتوں کو سارا در بیکار کر دیتا تھا۔ آؤ دیکھتے تھے کچھ اپنی محبت۔ کچھ بھائی کی حرمت اور کچھ اس بچ کی رعایت کی وجہ سے خاموش رہ جاتا کرتے تھے۔ اور بچہ کی ان حرکتوں کو اون کی طفولیت کا تقاضا سمجھا کرتے تھے۔

مختار سے دنوں کے بعد جب حضرت ابراہیم بن رشد و تمیز تک پہنچے تو آؤ نے۔ خدا کی شان۔ اس حقیقت پر تسکین سے بہت فروشی کی خدمت لینی چاہی۔ آؤ اپنی شامت اعلیٰ سے اس کا رو پار کا پرستار ہو پا کر تھے۔ تھے نفیس صفتوں اور تحفہ و شکاریوں واسطے بہت تو اس پر پہنچنے کے لئے لیجا پا کرتے تھے۔ اور معمولی بتوں کی فروخت کیلئے انھیں بہت یاد کرتے تھے۔ شربت کی قدیم تاریخوں میں اس وقت کے بعض واقعات حضرت ابراہیم کے ذکر میں آج تک محفوظ پائے جاتے ہیں اور وہ اس طرح مذکور مشہور ہیں کہ حضرت ابراہیم ان بتوں کے پاؤں میں ریشیاں باز کردار و نگور میں پر تھے لیجا پا کرتے تھے اور فراتے جاتے تھے ایشائروں و شائروں کا ہنرمند و کمالیہ۔ کیا کوئی ایسی چیزوں کو مول لیتا جو نفع پہنچا سکتی ہیں نہ ضرر کہ ہی ان سنگین جسموں کو گھسیٹ کر دریا یا چشمہ کے قریب لاتے تھے اور زمین پر رکھ کر اون سے

سکھتے تھے۔ ایشائروں کا نیکو کام اگر تم میں قدر نہ ہو تو پانی پی لو۔ رونہ الا حباب باسا دوا بہتار و ضہ الدنفا
ج ۲ باناد حافہ دیوزی و حیات اللہ و طبیعتی ج اول

ان واقعات پر اکثر بزرگوار معمولی اخبار مقامی روایت اور اکثر انسانی و داستان کا حکم لگا کر ان باتوں کو توجہ

اورا اعتبار کے قابل نہیں سمجھتے۔ حالانکہ وہ اگر ذرا سی غور و خوض سے کام لیں تو ان کی اصلیت کا ان کے قلوب پر پورا انکشاف ہو جائے۔ قدرت نے اس موحداہی کی طبیعت میں جیسا کہ ہم اوپر لکھ گئے ہیں بیت پرستی کو نفرت۔ معرفت و خدا شناسی سے خاص دلچسپی پیدا کر دی تھی فطرت انسانی کے اصول ارتقا کے مطابق جیسے جیسے ان کے سن و سال میں ترقی ہوتی گئی۔ یہ جو ہر ہی ویسے ویسے قوت پر طرے گئے اور بڑھتے گئے۔ انکی طغولیت کا زمانہ رشد و تمیز کے حدود تک آپہنچا تھا۔ اور اس خاصہ خدا کی محقق اور مثلاًشی طبیعت اپنے مدعا سے تحقیق کو ہر پہلو اور ہر طریقہ سے اپنی خاص فکر و تلاش کے ساتھ آپ سمجھنا چاہتی تھی۔ اس ضرورت و امتحان کی بنا پر کہہ ہی ان پہنچنے کے لا وجود اور ہر مقدار نگہوں کو جن میں ہر قسم کی قوت و قدرت مشہور کی جاتی تھی۔ اس ذلت و حقارت سے زمین پر گھسیٹ گھسیٹ کر آزمایا جاتا تھا کہ اگر واقعی وہ پہنچنے کے مجسمے کسی قوت یا قدرت کے پیکر ہیں تو اپنی اہانت کرنیوالوں سے اونچے کر دست و گریباں ہونگے۔ یا بدلہ لیں گے یا کم سے کم اونکھیں کوئی جسمانی یا روحانی آزار پہنچائیں گے، اور کہی اونکے قواسے روحانی کی جگہ اون کے مصنوعی اعضائے جسمانی کے احساس اور اون میں اون کے وجود اور عملی قوت و امکان کا امتحان لیا جاتا تھا کہ پانی کے کنارہ لاکر رکھے جاتے تھے اور آزمایا جاتا تھا کہ اونکے ظاہری لب و دہاں میں اگر اتنی قوت و امکان ہو تو وہ پانی پیکر دکھلا دیں۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے یہ تمام افعال و احوال آپ کے اسی امتحان اور قلبی طہینان کی غرض خاص پر مبنی تھے۔ جو آپ کی تحصیل معرفت کا دیا چہ ثابت ہوتے ہیں اور جنکا ذکر قرآن مجید کے ستواتر مقامات میں مذکور ہے اور جو آپ کی حیات ستودہ آیات میں آپ کی تحصیل معرفت و تحقیق توحید کے اصلی اور حقیقی معیار قائم ہوتے ہیں ہم انکو علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مقام پر اپنے سلسلہ بیان میں پوری تفصیل کے ساتھ بہت جلد بیان کریں گے جب آپ کے ان ابتدائی حالات و واقعات کا پورا خلاصہ آپ کے ان اصلی اور حقیقی معیار سے ملحق ہے جنکا ذکر قرآن مجید میں داخل ہے۔ تو باوجود اسکے کہ ان کے محالات عقلی یا عادی ہوتے پر بھی کوئی وجہ یا دلیل قائم نہیں کی جاسکتی تو پھر انکو معمولی اخبار مقامی روایات اور افسانہ و داستان ٹھہرا کر با عقلی کا انکار اور ناحق کا اصرار ہے۔

اپنے گھر کی گلہ بانی قوم کے خداؤں کے ساتھ حضرت ابراہیم کے یہ اہانت خیر حرکات عام شکایت کے باعث ہوئے تو لوگوں نے آذر کو حضرت ابراہیم کی تنبیہ و تادیب کی طرف توجہ دلائی۔ آذر نے ابراہیم سے یہ خدمت یعنی موقوف کردی اور اس ترکیب سے عام شکایت کا دروازہ بند کر دیا۔ مگر آذر نے یہ ٹوک دیا اور گویا باہر کی توہین اصرام سے ابراہیم کو روک دیا۔ مگر اس سے گھر کے اندر

جوان بنوں کی ذات و خرابی ابراہیم کے ہاتھوں سے آئے گئے دن ہوا کرتی تھی اور اسکی اصلاح کیسے ہو سکتی تھی۔ آذر نے بالآخر یہ تجویز پھرائی کہ انکو گھر کی دُنیاں چرانے کی خدمت سپرد کر دی اور تاریخ نے یہ دیکھ کر کہ ابراہیم کا سن ان اقسام کے خانگی کاموں کے قابل ہو گیا ہے۔ اس تجویز سے اتفاق کر لیا۔ اور حضرت ابراہیم کو گھر کی دُنیاں سپرد کر دیں۔ اسوقت سے گویا اس ساعی میدانِ عرفاں اور راعی قوم انسان نے تحصیل معرفت الہیہ اور تحقیق وجود لا متناہیہ میں اپنی عملی کوششوں کا پورا موقع پایا۔

چونکہ یہ خدمت خاص انبیاء و مرسلین کی سیرت کا جزو قدیم ثابت ہوتی ہے اسلئے حضرت ابراہیم کے ایسے پیغمبر اول الغریم کی رسالت کا بھی اسکو دیا چہ تسلیم کرنا ہوگا۔ حضرت ابراہیم نے نہایت مسرت سے اس خدمت کو قبول کر لیا۔ گھر کی دُنیاؤں کے گلہ کو لیکر آبادی سے دور پہاڑ کے دامن اور صحرا کے کھلے میدانوں میں لگائے۔ یہ مقامات گھر سے زیادہ آپ کی دلچسپی، دلچسپی اور روحانی زحمت کے باعث ہوئی، کیونکہ آپکی خلوت پسند طبیعت کو خدائے سبحانہ تعالیٰ کے وجود اور اسکی وحدت و قدرت کے متعلق پورے اطمینان و فراغت سے غور و خوض کرنے کیلئے اس سے بہتر کوئی دوسرا مقام اور موقع نہیں مل سکتا تھا۔ ان حالات و واقعات پر غور کرنے سے ان مشغلہ خاص میں آپ کا یہ روزانہ دستور العمل معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم سویرے سے دُنیاؤں کو دامن کوہِ بلطن وادی میں لاکر چرنے کیلئے چوڑ دیتے تھے، اور خود کسی غار میں بیٹھ کر یا کسی پتھر کی چٹان سے لگ کر یا اس صحرا سے ناپیدا کنارے کسی گوشہ میں جا کر معبود حقیقی کے وجود اور اسکی وحدت کے مسئلہ میں دن دن پھر سوچتے، سمجھتے اور غور کرتے رہتے۔ وہ میدان ہوتا تھا اور پستلاشی عرفاں۔ اکثر اوقات پہاڑوں اور اون کی گھاٹیوں میں اس معرفت الہی کے شیراز کو اپنی فکر و تلاش میں پورے پورے دن گزر جاتے تھے۔ اور محویت کے اسی وجدانی عالم میں اس سرکش عرفاں کو اپنے سرو پا کی مطلق خبر نہیں رہتی تھی۔ سر مبارک زاوئے فکر پر چمکا رہتا تھا جتنی آنکھیں تصور اور اغراق کے عالم خاص میں کبھی کھلی کبھی چھپی تھیں۔ تحقیق وجود اور تصدیق توحید کے مسئلہ پیش نظر تھے۔ فطرت انسانی اور جذبات روحانی کے معارضے اور مجاہدے سامنے تھے۔ یہ تہما اور نشان میدانِ وحشت و صحرا کا وسیع رنگیناں پہاڑوں کے دامن، گھاٹیوں کے گوشہ عاقبت، غاروں کی خلوت کے قدرتی منظر اس مجاہدنی سبیل اللہ کی دلچسپیوں کیلئے کافی تھے۔ یہ وہی سامان تھے اور اسباب، جسکو ربیل لاربا بہ ازلی نے انکی تعلیم و ہدایت کی تھی۔ اطمینان اور تحقیق و امتحان کی غرض سے خاص طور پر فراہم فرما دیئے تھے۔ دُنیاؤں کو اپنے اذوقہ اور چارے کی تلاش تھی اور ابراہیم کو نور معرفت کے نظارے کی۔

دن بہر اسی عالم کو کیفیت میں اس شیعہ حقیقت کو گزرتا تھا۔ راستہ ہوتی تھی تو دنیوں کو گھبراتے تھے۔ مگر گھر آئے پر ہی دن بہر کی محویت۔ اور اسکی کیفیت اور اسکے جذبات آنگوں کے سامنے۔ شیعہ نہیں تھے۔ خواہ نگاہ استراحت ہی اسی تلاش و سعی کی جو لا نگاہ پنجائی تھی اور تمام راستہ شیعہ حقیقت کی جستجو اور خیال میں کٹ جاتی تھی۔

جناب ابراہیم کے ایمان طغولیت اسی مشق و ریاضت میں تمام ہو گئے۔ اور اب شباب کا زمانہ شروع ہو گیا جیسے جیسے سن میں ترقی ہوتی تھی اور توانائی بڑھتی تھی۔ ویسے ویسے احساس و ادراک عرفانی قوی اور مستحکم ہوتے جاتے تھے اور اصول و قواعد مطابقی انکی کیفیت اور اہمیت میں یوں گہرا اثر ہوتی جاتی تھی جنہیں ان قدرت اور درجہ ان شیعہ نے ان قدرتی مناظر اور ان کے سامانوں کو انکی تعلیم و ہدایت تحقیق و تصدیق میں پوری کامیابی کیلئے ارجحیت اور ضرورت ہی قرار دے لیا تھا اور یہ پورا فریاد و پشیمانی ہی آپ کی فطرت صانع اور طبع مقدس کے مطابق اور بالکل موافق ثابت ہوئی تھی۔ اسلئے اس خدا کے شیعہ الہی اور اسکی یکتائی کے عاشق صادق کو ان ویران مقامات اور انسان خراپت کے مقابلہ میں گھر کی راستہ پسند تھی اور شہر و احوال کی معاشرت و مشیت پر ہر گز اور سے شیعہ شیعہ ہو چکا۔ شب کو گھر میں واپس آئیے گا محمول ہی ترک کر دیا گیا۔ اور گھر میں کسی کسی دن تک آپ کی صورت پر کسی کی نظر ہی نہیں پڑتی تھی۔ جوان ہو ہی چکے تھے ہر قسم کی تمیز و تفریق کا سمجھ آ ہی چکی تھی۔ اسلئے گھر والوں کو آپ کے آنے یا نہ آنے پر کسی خاص اضطراب اندیشہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جب تک سن کم تھا۔ تلاش و تحقیق کی مشق و ریاضت ہی کم تھی اور علمان قدرت ہی سن کے اعتبار سے اس شعلہ الہی پر تحصیل معرفت کا زیادہ بار ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ جیوں جیوں سن بڑھتا گیا مشق و ریاضت بھی بڑھتی گئی۔ سن شباب پر پہنچ گئے تو تحصیل معرفت ہی حدود تکمیل تک پہنچ گئی۔ خدا کی یکتائی اور اسکی فنا سائی کے پیچیدہ اور اہم ترین مسائل پر غور و خوض کی ضرورت ہوئی۔ ان کے روح و خواہش ایسے نہیں تھے۔ جو غفلت و غیبت یا ایک شبانہ روز کی تلاش و تحقیق میں حل ہو جاتے ان کے لئے بہت زیادہ اور وسیع وقت و کار رکھا اور بڑے غور کی ضرورت تھی اور گھر ہی فکر و خوض کی حاجت۔ چونکہ اس جوان صاحب کے تمام قواسم کے درجہ ان معلومات و محسوسات کیلئے کمال طور پر موزوں اور ملایم ہو چکے تھے اور تعلیم و ادبی جذبات روحانی کے ذریعوں سے پختہ کر کے تائید ہو چکا۔ لئے کیلئے ہر دم معین و مددگار تھی۔ اسلئے حضرت ابراہیم نے گھر کا ہر سانس ترک کر کے زیادہ تر پہاڑوں اور صحراؤں میں رہنا اختیار کیا۔ دنیوں کا چرنا اور گلابانی ان کے لئے نظام قدرت کا ایک ظاہری حیلہ تھی جو آخر میں تحصیل معرفت اور تطویر نفس و رسالت کا اصلی وسیلہ ثابت ہوئی۔

شاہد معرفت کی پہلی جلوہ آرائی - حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سین مبارک پچیس برس کا ہو چکا ہو ایک بار اسی محویت اور وجدانی کیفیت کے خاص عالم میں مسائل معرفت میں غور فرما رہے ہیں کبھی دن ہو چکے ہیں کہ گھر کی صورت نہیں دیکھی ہے۔ غور و نوش بالکل فراموش۔ نہ سونیکا خیال نہ آرام لینے کا ہوش بقاء روح کی ضرورت سے جنگل کے پھلوں اور پتوں کے پانی پر سیر ہوتی ہے جس جگہ بیٹھے ہیں وہیں بیٹھے ہیں جس مقام پر غور فکر میں وہیں کے ہو رہے ہیں۔ ایسا عظیم المثال استقلال ہے اور استحکام۔ اسی قومی محویت ہے اور استغراق کہ دنیا کی کوئی خواہش کوئی تعلق اسے جنبش اور لغزش میں نہیں لاسکتا۔ محویت کے اسی عالم میں کسی دن گزر چکے ہیں اور آج کا دن ہی بلا تصفیہ تمام ہو رہا ہے آفتاب غروب ہو رہا ہے آسمان کے بیٹھارے اس کھلے میدان اور صاف و شفاف رگستان میں اپنی روشنی پھیلاتے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ مگر معرفت الہی کے اس شیدائی کو اپنی محویت میں کسی کی بھی خبر نہیں۔ وہ رانوں کے فکر پر سر غور ہو چکا ہے جہاں بیٹھا ہے وہاں بیٹھا ہے۔ یہاں تک کہ رات کا حصہ زیادہ آگیا۔ مگر اس کی محویت میں کمی نہ آئی۔ خدا خدا کر کے اس متلاشی نور معرفت کی آنکھیں تھوڑی دیر کیلئے اوپر اوٹھیں اور معلمان قدرت اور منتظان مشیت کو اس سرشتہ معرفت کی ہدایت کا نہایت آسان اور سہل ذریعہ مل گیا۔ نظر اٹھاتے ہی خدا کے اس عاشق صادق نے ایک اختر تاباں اور کوکب درخشاں کو نہایت آہستہ سے آسمان پر چکپتا دیکھا اور شاہد معرفت کی جلوہ نمایوں کی محویت اور کمال اشتیاق میں اس کی ضیائے ثنائی کو انوار حقیقت کی جلوہ آرائی سمجھا اور بسیا خشکی کے غیر متحمل عالم میں ہکا دکا بقی لپکار اٹھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کی چمک دمک مدہم پڑ گئی۔ اور اس متلاشی حقیقت کو اپنی بسیا خشکی کی مبادرت کا فوراً خیال آگیا۔ اور زوال و انقلاب کو وجود ازلی اور نورابدی کے منافی و مناقض پا کر اس وقت اپنی مبادرت ہی یاد آئی اور فوراً آتی لائی کہ لا اُحْبِبُ الْفُلَانِ کہ اس جوہر فلکی کی بے حقیقتی کا اظہار اور وجود حقیقت کے غیر تغیر اولیت اور بدیت کا اقرار فرمایا۔

اس تدبیر سے ممتحنان قدرت نے اول بار اپنے وجود و معرفت کے اس شمس کی اس حیرت انگیز حرارت سے آزمائش کی اور اس کو کامل پایا۔ ان سامانوں کو دیکھ کر اصول عرفاں اور وجود زوال کا یہ متلاشی اور متحقق اپنے اس کلیہ سے کہ زوال پذیر وجود ازلی اور ابدی نہیں ہو سکتا اپنا قلبی اطمینان فرما کر ہر اپنی اسی حالت محویت میں مجھ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر نظر اٹھاتا ہے تو باہتساب کو اپنے پورے کمال کے ساتھ چاروں طرف روشنی پھیلاتا ہوا پاتا ہے اور اس کی صاف و شفاف روشنی کے مقابلہ میں چوٹے چوٹے تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی بالکل مدہم نظر آتی ہے یہ سامان اور اس کے سامان دیکھ کر اس مبتلا سے شوق معرفت کے دل پر

پھر وہی کیفیت طاری اور لبِ زبان پر ہذا سچی کی پہر وہی عبارت جاری ہوتی ہے۔ چشمِ زدن میں ماہتاب بھی اپنے شرف کی مندریں ملے کر کے آہستہ آہستہ اپنی روشنی میں کمی پیدا کرنے لگا۔ یہ تغیرِ پذیر حالت دیکھ کر ہر انکے دلیں معبودِ حقیقی کی معرفت جوشِ زن ہوئی اور اب کی بار اس محققِ عرفان نے اصولِ محبت کی جگہ درگاہِ رب العزت میں اپنی ہدایت کی مسکتِ ان الفاظ میں فرمائی کہ یٰٰہْدِنِی سَبِیْلَکَ الْکَوْنِ مِیْنِ الْکَوْنِ الصَّالِحِیْنَ اگر میرا پروردگار مجھ کو راہِ ہدایت نہ دکھلائے گا تو (میں میں ہی تو) نہ مگر اہوں کی قوم میں ہو جاؤں۔ بارگاہِ الہی میں یہ استغاثہ پیش فرما کر آپ نے پہراپنا اطمینان قلب فرمایا اسی واقعہ سے انسان اپنے تمام کمالات عقلی کی بساطِ وحیثیت کا اندازہ کر لے۔ عام اس سے کہ اوس کی عقل کے جوہر اوس کی فکر و تلاش کے کمال۔ تری کے انتہائی درجہ تک نہ پہنچے ہوں مگر تاہم وہ قادرِ مطلق کی غیر مری تائید و توفیق کا ہر حال میں محتاج بنا رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساہا سال کی تحقیق اور شبانہ روز کی فکر و تلاش۔ قدرت کے امتحان کے وقت لغزِ شہاے بشری سے آمیز ہو جاتی تھی۔ مگر آپ کی فطرتِ صاۃ خدا کی توفیق و تائید انکی فوراً اصلاح کر دیتی تھی جسکا اعتراف و اقرار اوس پیغمبرِ برحق کی زبانی ابھی ابھی اوپر لکھا جا چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بشریت کو اپنی تلاشِ حقیقت میں خطو کر کے ہوئے دیکھ کر آخر میں ضلالت و گمراہی سے محفوظ رہنے کیلئے خدا سے بکتنا سے دعا کی اور سوا کے اسکے اپنی ہدایت اور تحصیلِ معرفت کا کوئی دوسرا وسیلہ اور ذریعہ نہیں پایا۔ یہ بھی اوس خاصہ بانی کی کامل الایمانی ہے اور کمالِ خداوانی۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس امتحانِ ثانی کے وقت بھی پوری کامرانی حاصل ہوئی۔ ماہتاب پر وجودِ رب الارباب کا کچھ پوہیں سا دھوکا ہو گیا تھا وہ بھی آپ کے اوس قلبی اضطراب اور فوری جذبات کے باعث سے تھا جو حصولِ معرفت کے لانتہا اشتیاق و تمنا کی شدت میں آپ کے قلبِ نورانی پر مستولی ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ ماہتاب بھی غروب ہو گیا اور یہ عالم ہی آپ کے دل سے رائل ہو گیا۔ فضا کے عالم میں ماہتاب کے ڈوب جانیکے بعد چاروں طرف تاریکی پھیل گئی۔ تاروں کی دھیمی روشنی اسکی کوئی اصلاح نہ کر سکی۔ خدا کا وہ سچا متلاشی اور اسکے وجود کا حقیقی جو یا انقلابات و تغیرات کے منظر۔ یحییٰ جہ الظلمت من النور و یخرجہ النور الی الضلالت کے گوناگوں عالم دکھتا رہا۔ سمجھتا اور اُنپر نہایت تحقیق سے غور کرتا رہا اس محویت۔ خاموشی اور خود فراموشی کے عالم میں اتنا عرصہ ہو گیا کہ رات کا باقی حصہ تمام ہو کر صبح کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ تاروں کی رہی سہی روشنی اور بھی دہی پڑنے لگی۔ نسیمِ محرکی سبک خیز مروجہ جنبانی شروع ہو گئی۔ درختوں پر جانور بونے لگے۔ صبح کا سپید پھل چلا اور رفتہ رفتہ تمام دنیا روشن ہو گئی۔ اسی عالم میں معرفتِ الہی

کایہ شب زندہ دار ہی اپنی محویت سے بیدار ہوا۔ سر اوٹھایا تو آفتاب عالم تاب کو سامنے پایا بشریت کا قیاس فطرت انسانی کا وسواس آگے آیا۔ اور اس حد سے زیادہ روشن اور سب سے بڑے اور عظیم الشان جرم فلکی کی اہمیت و عظمت پر قیاس کر کے اس کی زبان سے ہذا سچا ہذا اکبر کافرا نکلا۔ مگر دوپہر ہوتے ہی اسکی تیزی بھی مدہم پڑ گئی۔ وہ حرارت، تمازت اور وہ آب و تاب بالکل جاتی رہی۔ اس محقق ربانی کو پھر اپنی تحقیق کی خامی اور حصول معرفت میں اپنی ناکامی کا پورا یقین ہو گیا۔ او ایسا یقین کامل کہ دل سے وسواس و قیاس کے تمام خطرات جاتے رہے۔ آنکھوں کے سامنے سے مجاز کے حجاب اٹھ گئے۔ شاہ حقیقت کے نور نے اپنا جلوہ دکھلایا۔ معرفت کی تحقیق کامل ہو گئی۔ اور خدا کے وجود وحدت کی تصدیق حاصل۔ چونکہ اس شیفہ حقیقت کو اجرام فلکی کے عارضی اور مجازی انوار بار بار دہرے میں ڈالتے تھے۔ اور مہتروں کے اہنام کے ساتھ ہی ساتھ ملک و قوم میں اجرام فلکی کی پرستش بھی بڑے زوروں سے جاری تھی۔ اسلئے خداے واحد کے اس اصلی مصدق نے اپنی تصدیق و تحقیق کے کامل ہوجانیکے بعد اپنے بیجا قیاس کی تردید و تنسیخ میں جو پہلا کلمہ اپنی زبان سے نکالا۔ وہ حقیقت میں گمراہان قوم ہی کیطرت خطاب اصلی تھا جو ان اوہام و قیاسات کے اعتبار پر ان اجرام کو اپنا معبود سمجھ کر پوج رہے تھے۔ جو کلمہ تمام قوم کی تعرض میں ارشاد ہوا تھا وہ یہ ہے۔ یَقُولُ اِنِّیْ بِرَبِّیْ فِیْمَا تُشْرِکُوْنَ۔ اے قوم کے لوگ! تم لوگ جو شرک کے کام کر رہے ہو۔ میں اوس سے بالکل برہی الذمہ ہوں۔ اگرچہ حضرت ابراہیم کی فطرت صاف قوم کے ان ناپاک اعمال و افعال سے ہمیشہ سے متنفر تھی۔ مگر جیسا کہ ابھی ابھی مذکورہ بالا صورت واقعہ معلوم ہو چکا ہے کہ قوم و ملک کے اس گمراہانہ اور مشرکانہ رسم و رواج نے آپکے عین تحقیق معرفت کے موقع پر بار بار حائل ہو کر اشتباہ و شکوک پیدا کرنا چاہا تھا۔ مگر آپ کی فطرت نہ کوئی معمولی فطرت تھی اور نہ آپکی طبیعت کوئی عامیہ طبیعت۔ صانع عالم نے عالم وجود ہی سے آپ کی طبع مقدسہ کو فطرت صاف کے اصول و اجزاء سے مصنوع و مرتب فرمایا تھا اور آپ کی طبیعت میں تقدیس۔ نیز یہ اتقا اور اصطفاء کے تمام بیش بہا جوہر برخلقت کے وقت ہی سے ودیعت فرما دیے تھے۔ اس بنا پر بشریت کے اس ناگزیر اور عارضی اشتباہ اور قاصر عن الانفصال احوال و مواقع پر تائید ربانی اور توفیق یزدانی نے مختصر سے امتحان اور تہوڑی سی آزمائش کے بعد اپنے اس برگزیدہ بارگاہ کی پوری رہنمائی کر دی۔ اور پھر چشم زدن میں اوسکے کمال تحقیق اور غایت تصدیق میں ایسا ابدی استقلال و استحکام عنایت فرمایا کہ اوس کامل المعرفت نے بارگاہ ربانیت میں اوسکی عظمت و جلال کا اعتراف اور اپنی عیو دیت کا اقرار ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ الذِّیْ فُطِّرْتُ لَہٗمَّ اَتِّیْ اَلْاَشْرَافِ حَنِیْفًا وَاَنَا مِنَ الْمُسْرِکِیْنَ۔ ترجمہ۔ میں نے تو ایک ہی کاہنہ

اپنا رخ اوس ذات پاک کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان و زمین کو بنایا ہے۔ اور میں تو مشرکوں میں سے (کبھی) نہیں ہوں۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معرفت اور خدا شناسی کے واقعات دنیا کے کارنامے میں اپنی آپ مثال ہیں۔ یہی وہ واقعات ہیں جن سے ہمارے مذکورہ بالا دعویٰ کا ثبوت کامل ملتا ہے۔ اس خدا رسیدہ بزرگ نے اپنے پروردگار کی بیکٹائی اور اسکی بارگاہ تک اپنی رسائی پانے میں بار بار امتحان و آزمائش کی مصیبتیں اٹھائیں۔ بشریت و روحانیت کے تمام دشوار گزار مراحل و مسالک طے فرمائے۔ عقل سلیم اور نفس غیر متقیم کے روزانہ مجاہدات و مطالبات فیصل فرمائے قلب کے نورانی اقتباسات اور روحانی جذبات کو انسانی وساوس و قیاسات سے کبھی مغلوب نہ ہونے دیا۔ اشتباہ و اوہام کی تیرگی کو اپنے دل میں انوار حقیقت کے پاس آنے کی اجازت نہیں دی۔ طبیعت کے معمولات و انداز کو برابر و کافرت صالحہ کی ہدایت و ارشاد کو ہمیشہ اپنا نصب العین بنایا۔ وجود الہی کی تصدیق کی اور اسکی وحدت کی تحقیق معیہ و حقیقی کی تلاش و جستجو اپنی حیات و وجود کا اصلی مدعا سمجھا۔ آغاز طہولیت سے لیکر شباب کا پورا زمانہ اگیا۔ مگر اتنی مدت میں ایک لمحہ کیلئے بھی یہ تلاش و خیال کبھی اپنے قلب نورانی سے نہیں نکلا۔ بالآخر سبیل معارف کے اس مجاہد کی روزانہ کوشش اور کرد و کاوش نے اسکو ایسا کامل عارف باللہ اور حقیقت آگاہ بنایا جس نے تمام اقطار میں اپنے فیضان ہدایت اور انوار ارشاد سے معرفت الہی کی روشنی پہنچائی۔ ایسا قدسی نفس بے تقاضیت کا متلاشی۔ وحدانیت کا ہویا۔ جو ابتداء امتحان کے ہر موقع پر کامیاب و کامراں رہ کر اپنی صادق الایمانی اور کامل الاعتقاد ہی ثابت کر چکا ہو۔ کیونکہ اپنی آپ مثال اور اپنی آپ نظیر نہیں تسلیم کیا جائیگا۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کے واقعات حیات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ کی عمر کا تمام زمانہ ارض بابل سے ہجرت فرمانے اور شام و مصر و کنعان میں قیام رکھنے کی مدت تک خصوصاً تحقیق عرفان اور تصدیق ایمان کے معارض امتحان میں صرف ہو گیا ہے جس کو ہم اپنے سلسلہ بیان میں آگے اپنے اپنے مقام پر پوری تفصیل سے بیان کرینگے۔

مرقومہ بالا حالات و واقعات معرفت ابراہیمی کے وہ کاشفات و مشاہدات ہیں جو قرآن مجید میں داخل ہیں۔ اسلامی مفسرین نے اسی ضمن میں آپ کے کمال معرفت کی ایک دوسری مثال قلمبند فرمائی ہے جسکو ہم ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

انوار حقیقت کی دوسری جلد نہانی۔ جناب ابراہیم علیہ السلام حضرت بارئ تعالیٰ کی تلاش معرفت میں مجو تھے۔ اور تحقیق وجود و وحدانیت میں سراپا غرق۔ اسی

محبت اور استغراق کے عالم میں دن بھر گزر گیا۔ رات ہو گئی اور وہ بھی اسی غور و غوض کی کیفیت میں
 تمام ہونے کی قریب پہنچ گئی۔ بتلاشی عرفان کو اس میدان میں نہ دن کی خبر تھی نہ رات کی۔ اسی عالم
 میں صبح ہو گئی۔ سپید پھیل چلا۔ مرغان سحر کی خوش آئند آوازیں آنے لگیں۔ دفعتاً کسی خوش آہنگ
 طیر صحرائی نے عجیب پر اثر اور دلکش آواز میں یوں نغمہ سرائی شروع کی **سُبْحُوْهُمۡ قَدُّوْهُمۡ سَبَّ**
اَلْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوحُ۔ تسبیح و تقدیس کے قابل وہی پروردگار ہے جو ملائکہ اور تمام ذی روح اشیا کا پیدا کرنے والا ہے۔
 معرفت الہی کے اس گوش بر آواز مثلاًشی نے۔ جیوں ہی اس نغمہ سرائی کو اپنے کانوں سے سنا
 فوراً اپنے مقام سے اٹھا اور اس آواز کے پیچھے ہو گیا۔ مگر وہ ایسے نا آشنا کی آواز نہ تھی جو صرف اپنی
 خوش نما آواز سناتا تھا۔ اور اپنے حسن و جمال کا جلوہ نہ دکھاتا تھا۔ جو اس مشتاق جمال کا اصلی مدعا تھا
 اور حقیقی تمنا۔ بظاہر وہ طائر بھی ایسا شاعر نکلا کہ قدم قدم پر اپنی آواز تو سناتا تھا مگر صورت نہ دکھاتا
 تھا۔ ابھی تھوڑے فاصلہ پر اس کی آواز سنائی دی اور یہ اس کی آواز پر وہیں جا پہنچا تو وہاں کچھ
 بھی نہ تھا۔ غرض اسی طرح جہر جہر وہ آواز آتی گئی۔ یہ اوپر اوپر پہنچتے گئے۔ یہاں تک کہ اپنی
 اس سعی و تلاش میں اپنے مقام سے بہت دور نکل آئے۔ اب اچھی خاصی صبح ہو گئی اور تمام روشنی
 پھیل گئی۔ تو وہ معجز نما نغمہ سرا میدان سے نکل کر ایک قریب کے پہاڑ پر بولتا ہوا معلوم ہوا۔ بتلاشی
 حقیقت اتنی رحمت اور کھرا کہ یہی تحقیق حال کی کوشش سے نہ تھکا اور فوراً اس پہاڑ کی چوٹی پر
 آیا۔ اوپر پہاڑ پر پہنچے اور ہر اس نغمہ آرا سے قدرت نے اپنے پہاڑ کے دوسری طرف والے دامن
 میں اپنے خوش آہنگ نغمے **سُبْحُوْهُمۡ قَدُّوْهُمۡ سَبَّ اَلْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوحُ** سنائے۔ آواز سننے ہی
 یہ بتلاشی حقیقت وہاں آیا۔ قدرت کی آزمائش و مشیت کا امتحان ختم ہو گیا۔ معتمدان الہی نے اس کی
 حقیقی کوشش کے کمال و انتہا کا اندازہ کر کے اپنا اطمینان کلی کر لیا۔ تو نظام ہدایت کے اسرار کا
 اس کی حقیقت میں آنکھوں کے سامنے پورے طور سے انکشاف کر دیا۔ اور حقیقت کے اس مثلاًشی
 نے دیکھ لیا کہ وہ ہوش ربا اور معجز نما آواز دینے والا نہ کوئی ایسا عجیب و غریب جانور ہے۔ جو اپنی قدرت
 میں عتفا ہو۔ یا قدر و قیمت میں ہما۔ بلکہ جنگل کا ایک معمولی سیاہ سیل ہے۔ جو اس خوش آوازی سے
 خدا کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔

یہ دیکھ کر جناب ابراہیم نے اس کی لا وجودی اور بے مقداری کا یقین تو کر لیا تاہم اس کی خوش آوازی
 دل سے نہ بھولی جا سکا اور سکھ پکڑ لیں۔ مگر ان کے اس ارادے سے پہلے ہی وہ یہ کہتا ہوا اور گویا کہ اسے
 حقیقت کے مثلاًشی۔ اس سے زیادہ میرے پیچھے نہ پڑے میں خدا کا فرشتہ اور اس کی مشیت کا فرستادہ تھا۔

جو تیری ہدایت اور امتحان و اطمینان کی خاص کیفیت سے بھیجی گیا تھا۔ حیات القلوب جلد اول
سیرت انبیا علیہم السلام کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ایسے ہی آسان اور معمولی طریقوں اور
ذریعوں سے انبیا و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کو معرفت ربانی کی تعلیم و ہدایت کی جاتی ہے۔
اور انھیں ترکیبوں اور تدریسوں اور اثبات وجود مصداق توحید اور اذکار تسبیح و تحمید باری تعالیٰ کے
اسرار کا انکشاف کیا جاتا ہے۔ یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ تعلیم معرفت کے ساتھ ہی ساتھ خدا سے
سجائے تعالیٰ اپنے اس برگزیدہ بندے کو اپنی عبادت کے آداب اور طریقے بھی بتلا دئے تھے۔ جو
حقیقت میں حصول معرفت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔

ان واقعات میں ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحصیل معرفت اور تحقیق وحدانیت کی حقیقت
پوری تفصیل سے بیان کر چکے۔ یہ قدر میں پیغمبر قدرت کے امتحانوں اور مشیت کی آزمائشوں میں ایسا
کامل اثر کہ صحتان قدرت نے اس عارف اور کامل المعارف بزرگ کو اِذَا بُشِّرَ اِبْرٰهٖمُ بِرَبِّہٖ
بِخَبْرًا اٰتٰتًا فَاتَّخَذَ مِنْہَا غَرَسًا اِبْرٰهٖمُ کُوْنًا نَّشَاطِیْنًا میں آزمایا اور اس نے اسکو پورا کیا۔ کے ایسے صاف اور
روشن الفاظ میں تکمیل کی سند اور اپنی جبارت کے لئلا میں اِمْسَاکًا اور میں نے تجھ کو لوگوں کا پیشوا بنایا
کی زمین عبارت میں قاطعیت کا تمغا عطا فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان شاہدات حقیقت اور تکملہ معرفت کے بعد منصب رسالت پر فائز
فرمائے گئے۔ اور منصب حقیقی کی ان لازوال نعمتوں سے مالا مال ہو کر گھر واپس آئے۔ اسوقت آپ کا
سین تیس اور چالیس برس کے درمیان تھا تبلیغ رسالت نے اصول الہیہ کے مطابق آپ نے اپنی
دعوت کا اعلان اور تعلیم و ہدایت کا اظہار اپنے ہی خاندان اور گروہ والوں سے شروع کیا۔ اسلامی مورخین
تحقیقین کی تحقیق میں آپ نے اپنی ماں کی ہدایت سے اپنی دعوت کی ابتدا فرمائی۔

صحرا سے واپس آکر اور یار گاہ و رب العزت سے رسالت کا منصب
آؤر کی بی بی سے احتجاج پا کر حضرت ابراہیم نے دو تین دن محض خاموشی اور سکوت میں کاٹے
یہ اس جلیل القدر منصب کی حیرت انگیز تاثیر ہے جو خالص خشیت اللہ سے تعبیر کی جاتی ہے سیرت انبیا و مرسلین
پر نظر رکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ آپ کا یہ سکوت یہ خاموشی آپ کی تنہا ذات نام محدود و موقوف نہیں تھی
بلکہ آپ سے ماقبل اور مابعد جتنے خاصان الہی اس عہدہ جلیلہ پر مامور ہوئے ہیں۔ تفویض رسالت کے

وقت اُن کی ایسی ہی حالت ہوئی ہے۔ آپ کی یہ خاموشی طبیعت کی کسی کدورت یا ناسازی کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ بلکہ اس سے ترک تعلق۔ گہروالوں کی صحبت اور اُن کے اطوار و کردار سے قطعی ناراضی اور بے سروکاری ثابت ہوتی ہے۔ قلبی تعلقات کی وجہ سے آپ کے اس سکوت اور سہم دم کی خاموشی سے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ۔ آپ کی (مجازی) ماں (جو حقیقتاً آپ کے چچا آذر کی بی بی تھیں) متاثر ہوئیں۔ آپ کے پاس آئیں اور پوچھنے لگیں چپ کیوں ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دینے اور وجہ خاموشی بتلانے سے پہلے استفسار فرمایا کہ آپ پہلے مجھے یہ بتا دیں کہ میرا پروردگار کون ہے۔ جواب ملا تمہارا باپ (یعنی آذر) پوچھا گیا کہ باپ کا پروردگار کون ہے۔ جواب دیا گیا غرود۔ استفسار کیا گیا کہ غرود کا پروردگار کون ہے۔ اب تو آذر کی بی بی کی تحقیق انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ کیونکہ اُس کے علم عقیدت میں غرود کے بعد ہر کسی میں عظمت تھی اور نہ قدرت ہو پروردگار ہونے کی حیثیت رکھتا ہو۔ ابراہیم سے قوم کے مسلمہ معبود غرود کی نسبت یہ معتز ضامنہ اور گستاخانہ استفسار سن کر آذر کی بی بی جھٹلا اٹھی۔ اور اس سے صرف یہ کہکر چپ رہو۔ کیا بکھے ہو کہکر چلی آئی۔

آذر جو اس وقت تمام خاندان کے افسر تھے اور ابراہیم کے مربی۔ اور تمام گہریار کے مالک مختار اتفاق سے وہ بھی چلے آئے۔ اپنی بی بی سے ابراہیم کے استبدادی خیالات معلوم کر کے نہایت طیش میں آئے اور اسی وقت ابراہیم سے مستفسر حالات ہوئے ابراہیم نے ان کے ساتھ ہی وہی مستفسر شروع کئے۔ یہ بھی اپنے گہراہ عقیدے کے جوابات کو آخر سلسلہ تک پوچھا کہ اسی طرح عاجز آگئے۔ اور سخت ناراض ہو کر ان کے پاس سے اٹھ گئے۔ روضۃ الاحباب جلد اول باسناد مواہب لدنیہ وغیرہ

ان مستفسرات کا حال قرآن مجید میں داخل نہیں ہے۔ مگر اسلام کے قدیم و جدید مفسرین و محدثین ان کا ذکر اپنی کتابوں میں لکھتے آئے ہیں۔ اس لئے زمانہ جدید کے محققین کی اصطلاح خاص میں یہ مرویات عرب مقامی روایات کہی جائیں گی۔ مگر با اینہم ان کے وقوع میں مشکلات یا محالات کا کوئی سبب اور قرینہ نہیں پایا جائیگا۔ ہم نے اسی کی بنا پر حضرت ابراہیمؑ کی اس ابتدائی احتجاج سے اپنے سلسلہ کلام کو آغاز کیا ہے اور مناسبت مقام اور سلسلہ کلام میں باہمی ربط و تسلسل قائم رکھنے کی ضرورت ان کی نقل کو ضروری سمجھا ہے۔

تبلیغ رسالت کا پہلا فرض منصبی معرفت الہی کی عبت
اُس کے وجود اور وحدت کی تصدیق کرتا ہے اور
اُس کا آغاز قرینت اور خصوصیت کی وجہ سے اپنے

حضرت محمد مصطفیٰ اور جناب ابراہیمؑ کے

ابتدائی تبلیغ رسالت میں مساوت

گہروالوں سے کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے تبلیغ رسالت میں ہی اصول و طریقہ قائم رکھا اور اپنے گہر اور خاندان والوں کی تعلیم و ہدایت شروع کر دی۔ گہر کے بزرگوں اور سرپرستوں سے جس طرح اسکی ابتدا کی گئی اوس کی صورت اور تبادلی گئی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغ رسالت کی یہ تہید ہی مثالیت اور مطابقت غور و لحاظ کے قابل ہے۔ سلسلہ ابراہیمی کے اشرف المرسلین اور خاتم النبیین نے اسی تقلید و تاسنی میں نزول آیا **وَ اَنْذَرْتَهُمْ نَارًا لَّعَنَّا قَوْمًا لَّهِمْ كُفْرًا** کے موقع پر اسی طرح اپنے بچے ابولہب کی زجر و توبیخ اور گمراہی نہ طعن و تشنیع سنی تھی جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آغاز تبلیغ میں اپنے چچا آذر کے کلمات حقارت آمیز سنے۔ آذر ہی ابولہب کی طرح مخالفت رسالت اور منکر نبوت بنا رہا۔ اور اس گمراہی انکار کا سلسلہ برقرار قائم رہا۔ آذر کے ساتھ جس احتجاج کا ذکر ہم نے اوپر قلمبند کیا ہے۔ وہ محض ابتدائی تھا۔ اس احتجاج پر آذر نے اوسوقت صرف اتنا خیال کر کے ٹال دیا کہ کسی خاص وجہ سے ابراہیمؑ کے جو انانہ خیالات میں ایک قسم کی غیر متوقع تحریک اور جوش پیدا ہو گیا ہے۔ جو رفتہ رفتہ سن کی طوالت اور قومی اور خاندانی معاشرت کے اثر سے زائل ہو جائیگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہی اس پر زیادہ اصرار کو ضروری نہ سمجھا اور خاموش ہو رہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ سکوت عارضی تھا۔ آپ کو بہت پرستی سے فطرتاً جتنی نفرت تھی اتنی ہی آذر کو عقیدت اور رعبت اجتماع ضدین ناممکن تھا۔ اس بنا پر جب کہی باہم گفتگو کا موقع آ جاتا تھا تو یہ سکوت جاتا رہتا تھا اور احتجاج کا وہی سلسلہ پھر شروع ہو جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ آذر کو بہت پرستی سے روکتے اور اس ناپاک عقیدے اور طریقے سے منع فرماتے تھے آذر اپنی جہالت اور ضلالت کی جھلک میں آپ کے مدعاے اصلی کو تفصیل سے کان لگا کر نہ سنتا تھا آذر نہ سمجھتا تھا۔ ابولہب کی طرح ہمیشہ جھلٹا ہوا اور اول قول کہتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اسلئے نہ حضرت ابراہیمؑ کو اطمینان سے آذر کو اپنے اصول و ہدایت کے بتلانے کا کافی موقع ملتا تھا۔ اور نہ وہ کہی کھنڈے دل سے آپ کے ارشاد کو سنتا تھا اور نہ سمجھتا تھا۔

اتفاق سے آذر ایک دن ابراہیمؑ کے پاس آیا۔ اوس وقت اوسکا مزاج کسب قدر اعتدال پر تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اوس کے رخ سے اعتدال و اطمینان کے آثار ہویدا و آشکار یا کر گفتگو شروع کی۔ یہ مکالمہ پوری تفصیل سے قرآن مجید میں مرقوم ہے۔

وَ اِذْ كُنَّا فِي الْكَلْبِ اَبْرَاهِيمَ اِنَّكَ تَكَانَ صِدِّيقًا
اَنْبِيَا اِذْ قَالَ لَا يَسِيءُ يَا اَبَتِ اَلَمْ تَقْبُلْهُمَا لَمَّا كَانَا يَتَمَتَّعَانِ
(اور اسے پیغمبر قرآن میں ابراہیمؑ کا ذکر بھی (لوگوں سے) بیان کر دیا کہ وہ ہی بڑے ہی سچے (ہند) اور نبی تھے جب

وَلَا يَنْصَرِفُكَ يَنْعِي عَنْكَ شَيْئًا يَا أَبَتِ ابْنِي قَدْ جَاءَنِي
مِنْ الْغُلَامِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاَتَّبِعْنِي اِهْدِكَ صِرَاطًا
سَوِيًّا يَا أَبَتِ لَا تَقْبَلْ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ
كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا يَا أَبَتِ ابْنِي اِنْ اَخَافُ اَنْ يَمْسَكَكَ
عَذَابُ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا

اونہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان آپ کیوں ان
(بٹوں) کی پوجا کرتے ہیں۔ جو نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ کچھ دیکھتے ہیں۔
اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتے ہیں۔ ابا جان مجھ کو (خدا کی طرف سے)
ایسے معلومات حاصل ہو گئے ہیں جو آپ کو نہیں حاصل ہوئے تو اب
آپ میرے پیچھے ہو لیجئے۔ تو میں آپ کو سیدہ راستہ بتا دوں گا

ابا جان۔ شیطان رکے کہے میں اگر بٹوں کو نہ پوجے کیونکہ شیطان (خدا سے) باغی ہے۔ ابا جان۔ مجھ کو اس بات سے
ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ (خدا سے) رحمان کی طرف سے آپ پر کوئی عذاب آئے اور آپ شیطان کے ساتھی بنیں۔

آذر اپنی شامت اعمال سے حضرت ابراہیم کے اس خیر خواہانہ مواضع کا ان کا فرانہ انداز میں

جواب دیتا ہے۔

قَالَ اَسَا غِبَّ اَنْتَ عَنْ اِلٰهِي يَا اِبْرٰهِيْمُ لَعْنُ
اَلَمْ تَنْتَسِبْ لَكَ جَهَنَّمَ وَاجْهَرْنِي بِمِلَّةِ

ابراہیم کے باپ نے کہا کہ ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پورا ہوا
ہے اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آئیگا تو میں ضرور تجھے سنگسار
کر دوں گا اور اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے سامنے سے دور ہو جا۔

جناب ابراہیم کمال معرفت کے اثر سے پر حلال ہو کر جواب دیتے ہیں۔

قَالَ سَلَوْتُكُمْ عَلٰیكَ سَلًا سَلَفَظَرَّكَ رَبِّي اِنَّ
كَانَ بِيْ حَقِيْقًا وَاَعِزُّكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰی اَنْ اَكُوْنَ مِنْ عٰوِدٍ رَّجِعًا
سَوِيًّا مِّمَّنْ سَكَوْا ۝۳

ابراہیم نے کہا (اچانق) میرا سلام ہے۔ (اسپر ہی) میں اپنے پروردگار
سے آپ کی مغفرت کی دعا کروں گا۔ (کیونکہ) وہ مجھ پر درجہ برہان ہے
اور میں نے تم (بت پرستوں) کو اور تمہارے اُن (بتوں کو) جکھو تم
خدا کے سوا (حاجت پڑے پر) پکارتے ہو۔ (سبکو) چوڑا اور اپنے

پروردگار کو پکاروں گا امید ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگنے میں بے نصیب نہ لوں گا۔

مندرجہ بالا عبارت قرآنی سے احتجاج ابراہیم کی پوری کیفیت معلوم ہوئی۔ اور یہ بات بھی بخوبی ظاہر
ہو گئی کہ اس داعی توحید نے آذر سے ابکی بار معرفت اور خدا شناسی کے دلائل، کفر، شرک اور بت پرستی
کے نقائص زاید تفصیل سے بیان کئے تھے اور امید کی تھی کہ آذر ان کے سمجھنے میں غصہ و جہالت کی جگہ
عقل و فراست سے کام لے گا۔ اور دونوں طریقوں کے نیکی پر غور کرے گا۔ مگر آذر بھلا سخت کافر خدا کا منکر
اور بتوں کا عاشق۔ ابکی بار بھی پیغمبرِ حق کی دعوت اور موعظت سے اثر پذیر نہ ہوا۔ اور اپنی ضدالت و جہالت
کے طیش میں آکر اٹھ گیا۔ اور جناب ابراہیم کے ان اخلاق کریمانہ کی بھی کوئی قدر نہ کی جو باوجود اتنی
عصبيت کے آپ نے اس کی مغفرت کیلئے وعدوں کی صورت میں ظاہر فرمائے تھے۔ اور جن سے اُس کے

قوم مشرکین و کافرین سے احتیاج

ربما۔ قرآن مجید میں ان احتجاج و مکالمات کا متوازن مقامات پر ذکر آیا ہے۔ جن سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قصص
ابراہیم نے آذر کے ساتھ اوس کی ہدایت کے لئے ایسے احتجاج متوازن قیام فرمائے۔ پہلے تبلیغ رسالت کے
اصول کے مطابق اوس کو۔ پھر اوس کے بعد ساری قوم کو خدا سے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اور قرینہ
ہی ہی بتلاد رہا ہے کہ آذر نے اپنی غایت درجہ کی ضلالت کی وجہ سے پہلے آپ پر ساری قوم کے علماء و
اکابر کے ذریعہ اس داعی کلمہ اللہ کی تعلیم و ہدایت کے امتناع میں کمر ہانہ کوششیں ضرور کی ہونگی
اکابران قوم تہذیبیت میں سخت سے سخت کافران قوم تھے۔ ان سے احتجاج کیونہیں جس اعلیٰ پیمانہ پر
حتمی۔ اخلاقی اور تمدنی دلائل سے انکی تعلیم و ہدایت فرمائی گئی اور خدا پرستی کی سیدھی اور سچی راہ بتلائی
گئی۔ وہ قرآن مجید کے سورہ النعام کو سہ ہیں دیکھئے۔

[illegible]

(اے پیغمبر) ابراہیم کی قوم کے لوگ! اور تم سے (اس پاسبان پر) آگے
جنگ کر لے۔ تو ابراہیم نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کی (وعدہ فرماتے ہو)
بارے میں جنگ کر رہے ہو۔ حالانکہ وہ تو مجھ کو (اپنی) توحید کا (سیدم) راستہ
دکھاتا ہے۔ چکا ہے۔ بہن (سچوں) کو تم اور تمہارا شریک (مناستہ) تو میں
کچھ (اور) سے ڈرتا نہیں (نہ مجھ کو وہ کچھ (قدسان) پہنچا نہیں سگے)
مگر (میرا) پروردگار ہی (مجھ کو کچھ (قدسان) پہنچانا چاہتا ہے) تو
اوس کی مرضی۔ میرا پروردگار تو اپنے علم کی روش سے سب چیزوں
پر حاوی ہے۔ کیا تم (اس پاسبان کا) خیال نہیں کرتے۔ اور جن
چیزوں کو تم شریک خدائی بتلاتے ہو۔ میں اوس سے کیوں ڈرتا
ہوں۔ جبکہ تم اس بات سے (مطلق) نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے
ساتھ ایسی چیزوں کو شریک خدائی بنایا ہے (جو) اللہ کے

سند خدا نے تمہارے لئے نہیں اتاری تو ہم دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق امن کا (و اطمینان سے رہنے کا) حق دار ہے۔ اگر تم لوگ عقل رکھتے ہو (تو تم ہی آپ سب کو جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں نا انصافی نہ کی) کی تائید نہیں کی۔ یہی لوگ ہیں جو امن و اطمینان خاطر کے مستحق ہیں اور یہی لوگ راہ راست پر ہیں۔ یہ ہماری سچی ہوئی دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اونکے قائل معقول کرنے کیلئے بتلائی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں رتبہ بلند کرتے ہیں۔ اسے پیغمبر تمہارا خدا بیشک بڑا حکمت والا سب کچھ جانتا ہے۔

یہ تھے جناب ابراہیم کے کمال معرفت۔ یہ تھی آپ کی خدا شناسی۔ یہ تھے آپ کے اقرباء و اقارب اور آپ کے پیغمبر کے اعتراف اس کے اظہار و اقرار میں کسی فانی ہستی میٹ جائیو اسے وجود کے ظاہری تعلق کا جزو یا ٹکڑا۔ کوئی لگاؤ نہیں پایا جاتا۔ نہ کسی کی دولت و ثروت۔ قوت و سلطنت کا خوف و خیال کیا جاتا ہے اور نہ کسی قزاحت مشد اور خاص اہل و عیال سے ترک تعلق کے جانے پر کوئی بچ و مال فرمایا جاتا ہے۔ صاف صاف الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تعلقات گو بطور ظاہر کیسے ہی گہرے اور ضروری ہوں مگر خدا سے واحد کی معرفت اور اوس کے تقرب و توسل کے آگے انکا نہ کوئی وجود ہے اور نہ ہستی۔ دنیا کے فنا ہو جانے والے وجود چاہے کتنے عا حسب ثروت و قوت نہ ہو جائیں مگر قادر مطلق کی وحدانیت پر سچے ایمان والے کو کیسے ہی خفیف الجحۃ اور ضعیف الاعضاء ہوں۔ اون سے ایک لمحہ کیلئے بھی خوف نہ اور مرعوب نہیں ہوتے۔ صرف اس لئے کہ خدا سے قادر کی قوت کے مقابل میں وہ انکی قوت و طاقت کو خس بہر بھی نہیں سمجھتے۔ خدا کو ایک جاننے والا بتھا اوس کے مطیع رہ کر نہایت اطمینان و آزادی سے رہتا ہے اور صرف ایک اوس کی رضا و خوشنودی کی فکر رکھتا ہے۔ سیکڑوں اور ہزاروں خدا جاننے والے ہمیشہ رز و بدل، ترجیح و تفضیل کی غیر مطمئن اور غیر مستقل حالتوں میں مبتلا رہتے ہیں اور ان کی اپنے کثیر التعداد و مبعودوں کے راضی و خوشنود رہنے میں گرفتار رہتے ہیں۔ اس لئے ان کی زندگی کے ایام نہ امن و آرام کے ایام ہو سکتے ہیں اور نہ ان کا زمانہ اطمینان و آزادی کا زمانہ۔ مگر اہل قوم آپ کے اس احتجاج و ارشاد کا کوئی جواب نہ دیکھ اور حقیقت میں عاجز اور قائل ہو کر دل ہی دل میں حضرت ابراہیم کی عقل سلیم اور آپ کے خدا و اوڈھن و ذکا کی تعریفیں کرتے ہوئے آپ کی خدمت سے واپس آ گئے۔

اب لوگ و قوم میں حضرت ابراہیم کے عقائد اور ارشاد و ہدایت کے پھر چیم ہوتے گئے۔ اور ہر شخص ان کے سلسلے سے جو قوم کے مذہب و تعلیم کا سب سے بڑا حامی، اور اوس کے خاص گہرے جہاں ملک و قوم کے عزت و خدا بنا کرتے تھے۔ ایسے جنما لہب مذہب و تعلیم کا پیدا ہونا بہت بڑی تعجب کی بات سمجھتا

تھا اور سخت نفرت سے دیکھتا تھا۔ انہیں حالات کے ساتھ یہ بات بھی تمام قوم کے لوگوں کو متیقن ہو گئی کہ حضرت ابراہیم باوجود اپنی بزرگان قوم کی نہایت کے ہی اپنے عقائد کو نہ چھوڑیں گے۔ جیسا ان لوگوں کے منہ پر بڑے استقلال و استحکام سے وہ کہہ چکے ہیں۔ ان تمام واقعات کی بنا پر جناب ابراہیم کی دعوت اور تبلیغ رسالت کی نسبت قوم کافرن کا استعجاب ہی نہیں بڑھتا تھا بلکہ اضطراب ہی اور ہر شخص ان امور کے نتیجہ کا بھینسی سے انتظار کر رہا تھا۔

خلیل اللہ کے وعظ و ارشاد اور کافرن پیغمبر برحق کی کوئی حالت ہو۔ خدمت رسالت کی انجام دہی سے باز نہیں رہ سکتا۔ کس بشنود یا شنود او گشتگو۔

قوم سے بار دیگر احتجاج میکند کا عالم ہوتا ہے حقیقت میں کافرن قوم و ملک کے پاس آپ کی دعوت کی تصدیق و تسلیم کے سوا کذب و تردید کا کوئی معقول طریقہ نہیں تھا۔ صرف نفسانیت، خوف سلطنت اور جہالت ان کو حصول ایمان کی سعادت سے روکتی تھی۔ حضرت ابراہیم کسی وقت ان کی دعوت سے نہ رُسکے اور ہمیشہ نہایت آنا دانا اور دلیرانہ طور پر ان کے عقائد فاسد کی تکذیب و تردید اور اصول توحید کی ترویج و تائید فرماتے رہے۔ ان واقعات کے متعلق آپ کے احتجاج و ارشاد۔ سوا عطا و خطبات۔ زیادہ مطول مفصل۔ اور مدلل ہوئے تھے۔ قرآن مجید کے سورہ شعرا کی مفصلہ ذیل عبارت سے اسکی پوری حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔

وَ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِنَا اَبْرَہِیْمَ اِذْ قَالَ کَیْسِیہٗ قَ قُوْصِیْہٖ مَا تَعْبُدُوْنَ اَنَا قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنٰثَنَا فَنَنْظِلْ لَہُمْ اَنْعَامَ الْکٰفِرِیْنَ قَالَ ہٰہٰہٰ لَسْمِعُوْا لَکُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ اَوْ یَفْعَلُوْا لَکُمْ اَوْ یَضْرِبُوْا قُلُوْبَیْ وَ یَجْعَلُوْا اَبَاسًا کَذٰلَکَ یَفْعَلُوْنَ قَالَ اَفَرٰ اَنْتُمْ مِّنْکُمْ مَّنْ عٰبَدُوْنَ اَنْتُمْ وَاٰبَآءُکُمْ کَالْقَدْحُوْنَ فَاَلْہُمْ عُدُوْا اِلٰی الْاَمْرِ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقْنِیْ ذَہُوْ یٰہٰدِیْنَ وَاَلَّذِیْ وَہَمُوْا بِطَعْنِیْ وَاَلَّذِیْ نَسِیْتِیْ وَاِذَا مَرَضْتُ دَبَّوْا عَلَیَّ فَاَیْنَ وَاَلَّذِیْ یُسْقِیْنِیْ لَمَّ یَحْمِیْنِیْ وَاَلَّذِیْ اَطْعَمَ اَنْ یَفْضُلِیْ سَلٰطِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ وَہٰکَ بٰی سَکْمًا وَاَبْعٰنِیْ مِنْ

اے پیغمبر ان لوگوں کو ابراہیم کا حال پڑھ کر سناؤ کہ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کو پوجتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور انہیں کی سیو کرتے ہیں (ابراہیم نے) پوچھا کہ (ہہلا) جب تم انکو پکارتے ہو تو یہ تمہاری سنتیں ہیں۔ یا تم کو فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ مگر ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا (ابراہیم) بولے کہ کچھ خبر ہی ہے جن چیزوں کو تم اور تمہارے اگلے باپ پوجتے آئے۔ یہ تو میرے دشمن ہیں۔ ان (میرا سچا دوست تو) پروردگار عالم ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا پر وہی (دنیا و دین کی مشکلات میں) میری رہنمائی کرتا ہے۔ اور جو مجھ کو کھاتا اور جو مجھ کو (پانی) پلاتا ہے

کو پوچھتے تھے (اب) وہ کہاں ہیں کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا تمہاری طرف سے کچھ انتقام لے سکتے ہیں۔ پھر وہ (میں کو) اور گمراہ لوگ (جو ان کی پشت پر کرتے تھے) اور شیطان کے لشکر سب کے سب اوندھے منہ دو فرخ میں داخل ہو گئے۔

اور گمراہ اور اوندھے منہ والے (آپس میں) جھگڑنے لگیں گے اور جھگڑنے کے وقت (گمراہ لوگ اپنے پیروں سے آپس میں) کہنا شروع کر دیں ہیں کہ ہم تم پر ہر روز کا عالم کیے رہے تھے۔ اور ہم کو تو بس (ان دو سر سے) گتہ نگاہوں سے

گمراہ کیا۔ تو (اب) نہ ہمارے کوئی سفارش کرنے والا ہے اور نہ کوئی دوست ہے۔ کاش شکوہ دیتا میں (پھر لوگوں کو) جانا ہو کہ ایمان والوں میں (شامل ہو کر) رہیں۔ بیشک ایمان ہم کے اس قصہ میں (بھی) ایک بہت بڑا اجر ہے۔ اور ایمان

کی امت میں اکثر ایمان لائے ہوئے ہی نہیں تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے ایسے مکمل اور مفصل ارشاد ہیں جو ہر ایک عالم ایجاد میں احکام و فرمان الہی کی تعلیم و ہدایت کی گئی اور اسی قدر عالم معاد میں بھی جو کچھ متقین شریعت خداوندی کی عبادت کی مثال کی جڑ اور مشیر ہیں و شکرین کو ان کی پدا عمل کی جیسی کہ پھر اور مقبولیت اور ثنائی ہوگی۔ اور پھر اور مقبولیت اور ثنائی کی ہدایت و انفعالی اور ان کی زبان حال سے جو کچھ کہہ سکتا ہو ایک ایک کر کے تمام عالم النور کو اور مقبولیت

سیرت انبیا علیہم السلام پر کافی نظر رکھنے والے حضرات ان تمام ارشادات کو اشرف الانبیا خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ علیہ والہ التحیۃ والثناء کے مواعظ و خطبات سے آئینہ و چکر ملائیگی تو دونوں کے مقاصد و مطالب کا ایک ہی مرکز اور مرجع پائیں گے۔

اسی مضمون کے مواظف و ارشاد ابراہیمی سورہ عنکبوت میں بھی مذکور ہیں۔

(اے پیغمبر ابراہیمؑ کے حالات (ان لوگوں سے) بیان کر جب انہوں نے اپنی قوم (کے لوگوں سے) کہا کہ خدا کی عبادت کرو۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (مگر تم تو خدا کے سوا ایسے بتوں کی پرستش کرتے ہو۔ اور جھوٹی جہوٹی باتیں (دلیے) بناتے ہو۔ خدا کے سوا تم جن (معبودوں) کی پرستش کرتے ہو تمہیں رذری دیتے گا ذرا اختیار نہیں رکھتے تو رذری خدا ہی سے مانگو اور اسی کی عبادت (ہی) کرو۔ اور اُو کی نعمتوں کا شکر بھی بجا لاؤ۔ (کیونکہ) تمکو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے اگر تم مجھکو جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے ہی انہیں (اپنے پیغمبروں کو) جہنم لپکی ہیں اور رسول کے ذمے تو (حکم خدا کا صاف) پہنچا دینا ہے اور بس کیا لوگوں نے (اس بات پر) نظر نہیں کیا کہ خدا کس طرح مخلوق کا اول بار پیدا کر کے پھر اسی طرح کس مخلوقات کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے۔ جو اللہ کے نزدیک سب سی بات ہے۔ (اور ہم نے ابراہیمؑ سے یہ بھی) ارشاد کیا کہ ان لوگوں کو سمجھاؤ کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا نے کس طرح

[illegible]

برادل بار (مخلوق کو) پیدا کیا پھر اسی طرح وہی (اللہ) لوگوں کو قیامت کے دن (آخری اٹھانا بھی اٹھائے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسے چاہے غائب دے۔ اور چاہے ظاہر کرے اور تم سب اسی کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ اور تم تو نہ زمین میں (چمکے) خدا کو ہر اسکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور نہ خدا کے سوا تمہارا کوئی کار ساز ہے اور نہ مددگار۔ اور جو لوگ خدا کی آیتوں کو اور (قیامت کے دن) اوسکے حضور میں حاضر ہونے کو نہیں مانتے۔ یہی لوگ ہماری رحمت سے یالوس ہو بیٹھے ہیں اور یہی لوگ ہیں جنکو آخرت میں (عذاب دردناک دھونا) ہے۔

جناب پر اسم علیہ السلام کا خطیبہ یا کمال قدرت کا تفصیلی دفتر ہے۔ آپ نے ان مسائل الہیہ کے متعلق ایسے قومی اور محکم دلائل اونکے سامنے پیش کئے کہ وہ آپ کی عقل سلیم اور دلائل و براہین مستقیم کو منکر حیران ہو گئے۔ اس احتجاج کے ابتدائی حصہ میں تو انکو اونکے زمانہ حیات میں حصول عرفان اور قبول ایمان کی نسبت دعوت فرمائی گئی تھی۔ اسکے منافع اور مصالح انکو دکھائے اور بتلائے گئے تھے۔ مگر اسکے آخری حصہ میں عالم معاد اور آخرت کے متعلق خدا پرستی، خدا شناسی اور دنیا سے با ایمان اٹھنے کے تمام راحت و آرام کو بیان فرمایا گیا اور سمجھایا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ مشرکین و اہل الہی اور مشرکین قدرت لا متناہی کی آخرت میں سزا و عقوبت اور ہلاکت و تباہی بھی ثابت کر دی گئی۔ مگر حقیقت میں پتھر پونچنے والوں کے دل پتھر ہو گئے تھے۔ آنکھیں پتھر اگئی تھیں۔ قلب سیاہ اور عقل زائل اور اسی طرح تمام قوائے مدرکہ غائب ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں اُن کی ضلالت، جہالت اور تشادات کے پاس سوائے اسکے اور جواب باہی کیا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آئندہ عبارت سے ظاہر ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ
أَوْ حَرِّقُوهُ

قوم کے پاس۔ انکی باتوں کا اسکے سوال اور کوئی جواب ہی نہیں تھا کہ آپس میں لگے کہ اسکی مار ڈالو یا جلا ڈالو۔

اُنکی یہ تشادات قلبی اور بدیروی بہت جلد سلسلہ بیان سے آئندہ معلوم ہوگی۔

قوم مشرکین کی عظیم ترین عید کے دن
خلیل اللہ کی بت شکنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزہ احتجاج نے قوم مشرکین کے تمام افراد کو غیر متحمل اضطراب میں ڈال رکھا تھا دعوت ابراہیمی کا تذکرہ زبان زد خاص و عام ہو ہی رہا تھا رفتہ رفتہ نمرود کے دربار سلطانی میں بھی جا پہنچا۔ اس لئے آذر سے کئی بار اسکے متعلق استفسار بھی کیا تھا۔ مگر جہاں تک اسکے متعلق اوسکو اطلاع پہنچی تھی وہ ایسی دہشتناک اور خوف کا باعث نہیں تھی۔ اسی

عید کا دن ہوا۔ ہر خاص و عام۔ چہرے ہلکے۔ اپنے دستور اور رواج کے مطابق اپنی قومی عید منانے کیلئے
جمع ہوئے۔ آدرا اور اسکے احباب خاص۔ اکابر و عہدہ داروں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے کے لئے
معرض کی۔ آپ نے پہلے اٹھ کھڑے اور اونکی ستارہ پرستی پر تعریف کیا۔ آسمان کے ستاروں کی عیادت کی۔ دیکھ کر انکی تعریف
کی۔ کہ یہ ناساز ہوں۔ کہہ کر اپنی جمہوری ظاہر کی اور ان لوگوں کو ٹال دیا چاہا کہ مگر وہ آپ کے انکار پر جواب دے کہ
خواہ تو وہ اصرار کرنے لگے۔ تو آپ نے نہ مانگا۔ اور تمام مجمع کو مخاطب کر کے کہ جس میں چاہا اور بھی
احتیاج واسطہ شاد و کا دہری سلسلہ ایٹھا لگایا۔ قرآن مجید میں ہے۔

[illegible][illegible]

میں اس کا گواہ ہوں اور اہستہ سے یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم تمہارے پیچھے کچھ نہیں ہے اور کچھ پیچھے نہیں ہے میں تم لوگوں کے ساتھ آیا ہوں
میاں کر دے گا۔

[illegible]

و کما یجاء به فی بعض النسخه

اسی گفتگو کے بعد وہ عید منانے کے مقام مقررہ پہنچ گئے۔ زیادہ رات گئے تاکہ تمام لوگ عید گاہ کی سیر و تماشہ میں مصروف رہے۔ حضرت ابراہیم وقت کے منتظر تھے۔ موقع پا کر اپنی اوس علی تدبیر کی تعمیل کیلئے اٹھ گئے۔ جبکہ اشارہ عبارت قرآنی میں موجود ہے۔ اور ہم نے جس خطوط کا مینج دئے ہیں۔ اوتھے شہر تو آدمیوں سے بالکل خالی ہو چکا تھا اور رات گئے کا سناٹا تھا۔ اور سیدھے قوم کے اوس بڑے مندر پر جا پہنچے جس میں اونکے قابل التعظیم اور عظیم الشان بت نصب تھے۔ وہ مقام ہی سنسان اور بالکل مہو کا میدان ہو رہا تھا۔ نہ کوئی محافظ تھا نہ دربان۔ ابراہیم نے مندر کے اندر جا کر چوٹے چوٹے بتوں کو توڑ دیا اور سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ اور چپکے سے اپنے گھر چلے آئے۔ عید کی صبح کو جب لوگ پوچھا کرنے آئے تو حقیقت معلوم ہوئی ابراہیم تو سب کی نظروں میں چڑھے ہی تھے تمام لوگوں نے بالاتفاق انہیں کو بت شکن ٹھہرایا کیونکہ اس مجاہد راہ خدا کے سوا۔ اس صفائی کے ساتھ کوئی یہ خدمت کر سکتا تھا۔ سورۃ انبیاء میں یہ واقعہ ان الفاظ الہامی کے ساتھ مذکور ہے۔

فَجَاءَهُمْ جَدًّا إِذَا كَانُوا لَهُمْ لَعْنًا لَّهُمُ إِلَيْهِ
تَرْجِعُونَ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ
مِنَ الظَّالِمِينَ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ
لَهُ إِبْرَاهِيمُ قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَى آعِينَ النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ قَالُوا إِنَّكَ أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا
بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا
فَسَأَلُوهُمْ أَنِ كَذَّبُوا بِغُفْرَانِ فَمَنْ يَمْلِكُ
أَنْفُسَهُمْ فَعَالُوا أَلَكُمُ الْغُلُوبُ ثُمَّ كَفَّسُوا
عَلَى رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا هَؤُلَاءِ يَفْعَلُونَ
قَالَ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ
شَيْئًا وَلَا يَضُرُّهُمْ أَفَبِكُمْ لَنَا تَعْبُدُونَ مِن
دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

سورۃ الانبیاء

ابراہیم نے بتوں کو (توڑ پھوڑ) ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ مگر اونکے بڑے بت کو اس غرض سے (رہنہ دیا) کہ اوسکی طرف رجوع کریں (جب لوگوں کو بتوں کے توڑے جانیکا حال معلوم ہوا) تو انہوں نے کہا (اے) ہمارے معبودوں کے ساتھ گستاخی کس نے کی۔ اسے شک نہیں کہ اُس نے بڑا ظلم کیا۔ (بعض) بولے کہ وہ نوجوان (آدمی) جس کو ابراہیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسکو ہم نے برائی کی ساتھ (ان بتوں کا) تذکرہ کرتے سنا ہے (لوگوں نے) کہا تو اوس کو (سب) آدمیوں کے سامنے لاؤ تاکہ (جو کچھ وہ جواب دے) لوگ اس پر گواہ رہیں (غرض ابراہیم بلائے گئے) لوگوں نے (اون سے) پوچھا کہ ابراہیم کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (حرکت) تو نے کی ہے۔ (ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ (بت) جو ان (سب میں) بڑا ہے۔ اسی نے یہ حرکت کی (ہوگی) اور اگر یہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ دوں کہ پھر وہ کیا پڑتی ہیں جی میں سوچے اور آپس میں کھنکھائے کہ بلاشبہ ہم ہی برسرِ ناجی ہیں۔ پھر

اپنے سروں کے بل اوندھے (اُسی گراہی میں) ڈھکیں دئے گئے (اور ابراہیم سے بولے تو یہ بولے) کہ تم کو تو یہ معلوم ہی نہیں کہ یہ بت

بولائیں کرتے (ابراہیم نے) کہا کیا تم خدا کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہو کہ وہ تم کو کوئی فائدہ پہنچائیں اور نہ (کسی ہم کا) نقصان پہنچائیں۔ تم اپنے تم پر اور ان چیزوں پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو۔ تو کیا تم اتنی بات ہی نہیں سمجھتے۔

مشرکین کے اتنے بڑے اور بھرپور مجمع میں حضرت ابراہیم کی بت شکنی کے اہم ترین واقعات پر ایسا دلیرانہ احتجاج اور استقلال مجاہدہ۔ آپ کے اوس دعوے کا کمال ثبوت ہے جو ان سے پہلے آپ نے اپنی قوم کے آگے کیا تھا کہ خداے واحد کی راہ میں۔ نہ میں تم سے ڈریں والا ہوں اور نہ تمہارے ان بتوں کو خیال میں لائے والا۔ حقیقتاً آپ کا یہ ارشاد و احتجاج ایسا قوی اور کمال تھا کہ قوم مشرکین کے تمام لوگ آپ کے مستفسرہ کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور شرطِ مذمت سے معقول اور لا جواب ہو کر سرسبز انو ہو گئے مگر حبّ المشغی اٹھی و ابھڑ۔ (کسی شے کی محبت اندر کر دیتی ہے) اتنے سمجھنے اور شرم اٹھانے کے بعد بھی بتوں کی محبت اور بت پرستی کی عقیدت ان کے دلوں سے نہ گئی بلکہ پہلے سے ہی زیادہ ہو کر حضرت ابراہیم کی سزا و عقوبت کرنے پر اونکو اور تاکید کرنے لگی اور آپس کی شورت سے یہ امر وہیں طے پا گیا جیسا کہ قرآن مجید میں مرقوم ہے۔ قَالُوا اخْرِجُوْهُ كَمَا بَرَّاهُمْ كَمَا بَرَّاهُمْ كَمَا بَرَّاهُمْ كَمَا بَرَّاهُمْ۔

نمرد کے دربار شاہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طلبی

اس کے بعد۔ نمرد کے دربار شاہی میں۔ حضرت ابراہیم کے ان معاملات و حرکات کی اطلاع ہوئی اور ان کی بت شکنی کی خاص شکایتوں کے ساتھ یہ استغاثہ بھی پیش کیا گیا کہ ابراہیم ایک ایسے خدا کی دعوت کیطرت تمام قوم کے لوگوں کو بلاتے ہیں جس کو وہ اپنا اور سائر مخلوق اور نمرد کا بھی خالق و معبود بتلاتے ہیں۔ نمرد بتوں کی توہین کا واقعہ سن کر جلد یا تو تھا ہی۔ اب اپنی خدائی میں ہی ثبات لگانے کا حال سن کر اور چپک اٹھا۔ حضرت ابراہیم کو بلا بھیجا۔ یہاں کیا غدر تھا۔ بلا خوف و ہراس فوراً چلے آئے۔ فیما بین یہ مکالمات شروع ہوئے۔

نمرد سے احتجاج۔ نمرد نے سب سے پہلے خدا کے صفات دریافت کئے۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا۔ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ میرا خدا مارتا ہی ہے اور جلتا ہی ہے۔ نمرد بولا یہ تو میں روز کیا کرتا ہوں تم ابھی ابھی دیکھ لو۔ یہ کہہ کر اوس نے شاہی قید خانہ سے دو قیدی بلوائے ایک کو تیغ بیداد کے حوالے کر دیا اور ایک کو آزاد۔ ابراہیم سے مخاطب ہو کر بولا۔ لو دیکھ لو ایک مار ڈالا گیا اور ایک زندہ کر دیا گیا۔ ابراہیم نے فوراً تردید میں ارشاد کیا اِنَّكَ اَسْمٰیْتُنَا اَمْحٰی وَاَنْتَ اَكْبَرُ اَمْحٰی اَمْحٰی۔ ارے تو نے تو زندہ کو زندہ چھوڑا۔ مردہ کو تھوڑا ہی زندہ کیا۔ علاوہ بریں۔ میرے پروردگار کی یہ قدرت ہے کہ وہ ہمیشہ آفتاب کو پورے سے مٹلوے کرتا ہے۔ اگر تجھ میں کوئی قوت ہے تو اس کو مٹھ کر دیکھ۔

آتش نمودی اور خلیل معبودی نمود کو۔ یہ دلائل شکر کا ٹھکانہ بن گیا۔ وہ مجسمت بن گیا۔ خدا سے قادر و توانا اوسکے عاجزانہ اور مجبورانہ سکوت کے عالم کو صرف تین لفظوں میں دکھاتا ہے۔ **فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ**۔ اسی غصہ۔ جھلاہٹ اور اپنی ندامت و خجالت کی بولہلاہٹ میں۔ خدا کے اس خاص معترف اور مقدس موجد کی سزا و عقوبت کی نسبت حاضرین و بار سے مشورہ کرنے لگا۔ سب نے یک زبان ہو کر ان الفاظ میں صلاح دی۔ **خَرَجُوا وَالْمَصْرَفُ إِلَيْهِمْ أَنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ** اگر تم کو کچھ کرنا ہے تو ابراہیم کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ نمود نے بھی اسی تجویز کو پسند کیا۔

اسلامی مورخوں نے اس خدا رسیدہ اور برگزیدہ پیغمبر کے زندہ آگ میں جلا دئے جانے کے بڑے بڑے سامان لکھے ہیں۔ جنکا بیان خواہ مخواہ کی طوالت ہے۔ ان نسب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم آگ کے بہت بڑے الاؤ میں زندہ ڈال دئے گئے۔ مگر اوس حافظ حقیقی کے کرم و انضال نے آپ کو ان شعلہ سے سوزندہ سے بال بال بچا لیا۔ اور اوس آتشکدہ نمودی کو گھلار ابراہیمی بنا دیا۔ اسکی نسبت قرآن مجید میں یہ اشارت و تلخیص ہے۔ **فَلَمَّا بَلَغْنَا لَكُمْ فِي بَرَدًا أَوْ سَلَامًا عَلَىٰ آبَائِهِمْ وَأَسْرَدًا إِلَيْهِمْ كَيْدًا أَفْجَعَلْنَا لَهُمُ الْكَاخِيسَ رِيًّا**۔ ہم نے (آگ کو) حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم کے من میں رشک اور سلامتی (کا موجب) بن جا اور انکو کسی طرح کی ایذا نہ پہنچے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جن لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی تو ہم نے انہیں کو ناکام کیا۔

پھر اس واقعہ کو سورہ عنکبوت میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَوْسَرُ قَوْلًا
فَأَنبَحُهُ اللَّهُ مِنَ النَّاسِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
يُؤْمِنُونَ۔ عنکبوت

(ابراہیم کی) قوم کے پاس اسکے سوالوں کی باتوں کا جواب ہی نہیں تھا کہ یا تو اسکو مار ڈالو یا آگ میں جلا ڈالو چنانچہ لوگوں نے انکو آگ میں ڈال دیا مگر خدا نے انکو آگ سے نجات دی۔ بیشک اس واقعہ میں ہی ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (قدرت خدا کی بہترین نشانیاں ہیں۔)

معرفت الہی میں حضرت ابراہیم کا کمال استقلال۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابتداء امتحان کے اس منتہائی درجہ میں ہی کمال اترے۔ آپ کے اس امتحان کے متعلق اسلام کے معتبر مفسرین اور متذکرین نے بہت سے واقعات لکھے ہیں جنکے لفظ لفظ اور حرف حرف سے آپ کے کمال عرفان۔ ثبات ایمان قلبی استقلال اور روحانی اطمینان کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ یہ روایات بتلاتی ہیں کہ آگ میں ڈال دئے جانے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام امتحان انکے پاس آئے اور دریافت کیا۔ **هَلْ لَّكَ مِنِّي مَخَافَةٌ**۔ آپ کو میری کوئی ضرورت ہے۔ کمال استقلال و آزادی سے جواب ملا۔ **إِنَّمَا إِلَهُي فَلا**۔ خاص تم سے تو کوئی مہاجرت و ضرورت نہیں۔ جبریل علیہ السلام

عرب کے بہت بڑے معقولی منسیر ابو منصور تیار نے ارٹنے اور اضافہ کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے کہ جبریل کے اس مستفسرہ کا کہ آپ اسی سے طلب حاجت کیوں نہیں کرتے جبکہ آپ اپنی ضرورتوں کا پورا کرنے والا سمجھتے ہیں۔ اوس تو حقیقی نے یوں جواب دیا کہ وفا و رضا کے خلاف ہو گا۔ شاید اوسکو میرا جانا ہی دنیا منظور ہو۔ پھر حضرت جبریل کے تمام مکالمہ کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ لَمَّا قَالَ جِبْرِيلُ هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ قَالَ اَيُّرَأَيْتُمْ لَيْسَ مِنَ النَّفْسِ دَعْوَى وَلَا مِنْ شَيْءٍ شَكْوَى وَلَا مِنْ لِسَانٍ لَوْحِي وَلَا اَطْلَبُ سِوَى الْكُلُوْبِ۔ جبریل نے جب جناب ابراہیم سے پوچھا آپ کو کوئی حاجت ہے تو فرمایا نہ مجھکو نفس سے کوئی حاجت ہے نہ غمزدہ سے شکایت اور نہ آگ کی حرارت سے سوزندہ سے ملال۔ سو اسے خدا کے میرا کسی سے کوئی سوال نہیں۔

خطاب خلیل اللہی سے سر فرما رہے تھے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام آتشِ مہرِ وحی کے ایسے قیامت ناک وقت میں بھی خدا سے واحد کی معرفت اور اسکی شہرِ طہمت و اخلاص پر ایسے مستقل ثابت ہوئے کہ تمہانِ قدرت ہی انکے اندازِ استقلال پر ناز کرنے لگے۔ انکی صداقتِ مقبولیت کے درجہ پر اور انکا ایمان اجابتِ الہی کے مراتبِ اعلیٰ پر فائز فرمایا گیا اور فَالْتَقَدِّرُ نَاکَ اَبْرٰہِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ہم نے ابراہیم کو اپنا خلیل (سچا دوست) بنایا۔ کا گراںمایہ خطاب دربارِ مہرِ وحی سے عنایت فرمایا گیا۔ ریاست کے منصب کے ساتھ خلعت (منشیہ خلوت) کے مراتبِ سکاہی انہما فیہ ہوا۔

سیرۃ النبیؐ بخطبات احمدیہ۔ اراض القرآن، عصر جدید کے محققین نے اپنی اپنی تالیفات میں حضرت
ابراہیمؑ کے تعلق آگ میں جلانے جانیکے واقعات کا کوئی ذکر و تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اور عموماً آپ کے واقعات
کو ہجرت کے وقت سے آغاز کرتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ خاص حضرت ابراہیمؑ کے ابتدائی حالات کو مرفوع
افتعل فرمایا ہے۔ یا یہ ہی ہو سکتا ہے کہ توراۃ میں واقعہ احراق کا چونکہ ذکر موجود نہیں ہے۔ اسلئے صرف اسلامی
مرویات پر جبکہ یہ حضرات مقامی روایات کا خطاب دیتے ہیں۔ اعتبار نہیں کیا گیا۔ توراۃ سفر نکوین میں بھی
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کی ابتدا ہجرت ہی کے زمانہ سے تقریباً ابتدا کی گئی ہے۔ اس سے
قبل اس کے حالات کچھ ہی نہیں بتلائے گئے۔ (ملاحظہ ہو۔ توراۃ نکوین۔ حالات ابراہیم۔) قرآن مجید کا یہ اثر اراہسان
ہے جس کی منت گزاری سے دنیا اور اہل دنیا سبکدوش نہیں ہو سکتے حقیقتاً اگر قرآن اس عظیم الشان

پیغمبر کے تحصیل عرفان تکمیل الایمان اور عظیم المثال استحکام و استقلال کو اس تفصیل و تشریح سے بیان نہ کرتا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ اوصاف و محامد صفحہ روزگار سے کب کے مٹ گئے ہوتے۔ قرآن چونکہ تمام کتب قدیمہ کا مستحکم اور مصحح ہے۔ اس بنا پر اس نے جہاں کتب قدیمہ میں انسانی حیثیات و لغویات کے استقاط سے کام لیا ہے۔ وہاں فرد گزاشت و ذہولات کے موقعوں پر صحیح اور اصلی حالات کی اطلاع و اعلان کے اضافات بھی کر دیے ہیں۔ اور مصحح اور مستحکم ہونیکے اعتبار سے اس کے فرائض مخصوصہ میں یہ امور داخل تھے۔

واقعہ اوراق سے بعد کے حالات ان تمام مصائب کو برداشت کر کے یہ مجاہد فی سبیل اللہ ارشاد و ہدایت کے ان خدمات کو پہلے سے ہی زیادہ سرگرمی اور استعدادی حضرت لوط کا ایمان لانا۔

قدرت کو منکرین معرفت الہی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے۔ اور آپ کے دلائل و براہین کو مشرکین اکیبار نہیں کہی بار آپ کی زبان صداقت و حجاب سے سن چکے تھے۔ مگر پھر بھی وہ اپنی کفر شعاری اور بت پرستی سے باز نہ آئے۔ مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ حضرت ابراہیم ہی اون کی تعلیم و ہدایت سے نہ رکنے۔ اور اب تو پہلے سے ہی زیادہ آزادانہ اور دلیرانہ طریقہ سے اون کے عقاید فاسد کی تکذیب و تردید فرماتے رہے اور اصول توحید کی تعلیم و ترویج کرتے رہے قرآن مجید میں مرقوم ہے۔

قَالَ اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَتِفَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْمَكِيلَةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم لِبَعْضٍ وَمَا وَكُمُ النَّاسُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ فَامِنْ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى سَابِئٍ إِنَّهُ هُوَ لَهْدِيدٌ الْتَحِيمُ

(ابراہیم نے قوم سے) کہا کہ تم جو خدا کے سوا بتوں کو مانتے ہو۔ (تو) صرف دنیا کی باہم دوستی و محبت کی وجہ سے (مانتے ہو) پھر بت کے دن تمہارا یہ حال ہونا ہے کہ تم میں سے ایک کو ایک اور سے کھینچ کر لے گا۔ اور ایک کو ایک لے گا۔ اور روز آخر میں تم سب کا ٹھکانا ہوگا اور ان بتوں میں سے کوئی بھی تمہارے مددگار نہیں ہوگی۔ اس پر صرف ایک (حضرت) لوط ایمان لائے۔ (ابراہیم)

نے) کہا کہ میں تو دیس چوڑ کر اپنے پروردگار کی طرف (جہاں کہیں اوسکو منظور ہو) نکل جاؤں گا بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ فَا مِّنْ لَهُ لُوطٌ حضرت لوط کے ایمان لانے کی خبر دے رہے ہیں۔ مگر عرب کے مورخین و محققین کے نزدیک حضرت سارہ جو رشتہ میں جناب ابراہیم کی چچا زاد بہن ہوتی تھیں آپ پر ایمان لائیں۔ ہم سابق الایمانی کے اختلاف پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ سلسلہ واقعات کے بیان و تفصیل کو زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ عربی مورخین اور اسلامی مفسرین نے جناب سارہ کے ایمان لانے اور عقائد پر

میں آنیکے واقعات یوں بیان کئے ہیں۔

حضرت سارہ کا شرف زوجیت اور جب حضرت ابراہیمؑ آتش نمرودی سے صحیح و سلامت بچ کر قبول ایمان کی نعمت سے مشرف ہونا گھر میں تشریف لائے تو سب پہلے آپ کی عظمت اور صداقت کا اثر حضرت سارہ بنت ہارآن کے قلب پر جاگزیں ہوا۔ اور پہلے اسے حکام و استغلام کیا تھا کہ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے اوس وقت اسکا اظہار و اقرار ہی کر دیا۔ اوس وقت حاضر خدمت ہوئیں اور کہنے لگیں۔ اے ابن عم۔ میں اسی وقت سے تیرے خدا پر ایمان لائی جس نے ایسی آتش سوزندہ کے نقصان و ہلاکت سے تمکو بال بال بچا لیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بطریق امتحان و فرید اطمینان جواب دیا کہ سارہ۔ تم ایسا کہتے ہوئے ذرا نہیں ڈرتی۔ اگر گمراہ لے سن لینگے۔ تو تمہیں باہمی ڈالیں گے۔ سارہ نے فوراً جواب دیا کہ جس خدا نے تمہیں بچا یا وہ میری جان ہی بچا لینگا۔ پھر تمکو کس کا خوف ہو گا۔

جناب سارا کی ہی صداقت اور حین عقیدت حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ انکی مزاحمت اور دائمی رفاقت کا باعث ہوئی جناب سارا کا حضرت ابراہیمؑ کی چچا زاد اور بنا بر بعض روایات عمہ زاد بن تھیں۔ اور سن رشد تک پہنچ چکی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کا سن ہی تیس برس سے زیادہ ہو چکا تھا۔ اسلئے باہمی سن کی مساوت اور حقوق قرابت کے اعتبار سے ہی باہمی مزاحمت و مناقحت کا پورا وقت و موقع حاصل تھا اس بنا پر جناب ابراہیمؑ نے اُسے عقد کر لیا۔

حضرت لوط اور سارہ کے ایمان لانے سے حضرت ابراہیمؑ کے امور میں نوعی اطمینان اور قوت مل چلی۔ مگر مشرکین کی نفسانیت اور عداوت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ اگرچہ تبلیغ رسالت کے ابتدائی اصول کے مطابق حضرت لوط و سارا کے ایمان لانے کی حقیقت بالکل مخفی رکھی گئی۔ اور ایسی کہ باہر والے تو کیا گمراہ لے بھی مشکل۔ اس پر علم و اطلاع پا سکے۔ مگر تاہم ابراہیمؑ کی دعوت ایمان اور رسالت کے اعلان کی اتنا سعی سامان نہ کیا کرنا۔ جیسا گمراہوں نے اپنا فرض قرار دے لیا تھا۔ ویسا ہی باہر والوں نے۔ سب نے ملکر بڑی بڑی کوششیں کیں اور اسکی اتنا سعی تدبیروں میں اپنی عملی طریقوں سے کوئی طریقہ ہی اوٹھا نہیں رکھا۔ مگر کچھ ہی مفید کار نہ ہوا۔ جناب ابراہیمؑ تبلیغ رسالت میں ویسی ہی متعہ و سرگرم رہتے۔

تمام قوم کافرین نے اپنی کوششوں میں ناکام یا سبکہ کر اس بنی معصوم کے ارض بابل سے ہجرت۔

خون ناحی کر نیکا معصم ارادہ کر لیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت لوط کے ذریعہ سے مخالفین کے ان مظالم و ارادوں کی خبر لگے گئی۔ اور حقیقتاً مشرکین کی مخالفانہ کارروائیوں کے معلوم ہونے اور

روضۃ الاحبابہ بانام و اسباب الدنیمہ تاریخ کمال ابن اثیر اور حیات الشاہد علیہ السلام

اپنی جان کو محفوظ رکھنے کا کوئی دوسرا ذریعہ اس وقت آپ کے لئے سخت دشوار تھا۔ مگر نظام قدرت کا مددائے
 مشیت یہی ہے اور اس کے احکام تدبیر کی۔ قدرت انہیں اس وقت سے ظاہر ہوتی ہے۔ کسی کو طوفان فتنائے باز
 کا گمان ہی نہیں تھا۔ اور وہی اسکے اصلی ذریعہ اطلاع ثابت ہوئے۔ نظام قدرت نے حضرت کو طوفان کو رقبہ
 ایمان میں لاکر اس داعی ایمان کی رفاقت و حفاظت کے پورے سامان اور کافی اطمینان فراہم کر دئے۔
 حضرت کو طوفان کی یہی خدمت تھی۔ کہ قوم مشرکین کے معاندانہ ارادوں کی خبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنچا کر تہمت
 حضرت ابراہیم نے یہ خبر ماکر اسکے ہر پہلو پر غور فرمایا۔ مگر سو اسے ہجرت اور ترک وطن کے حفاظت جان
 کا کوئی دوسرا طریقہ نظر نہیں آیا۔ تو حضرت کو طوفان کو مخاطب کر کے اپنے اس ارادہ کا جو حقیقت میں حکم الہی
 کا عین اشارہ تھا۔ ان الفاظ میں اظہار فرمایا۔ **إِنِّي مَخْلُوعٌ بِمَا كُنْتُ أَتِيكُمْ فِيهِ مِنَ الْغَيْبِ** میں تو
 اپنے پروردگار کی طرف سے ہجرت کرنا والا ہوں۔ اور وہ سب سے زبردست اور حکمت والا ہے۔

اس برحق نبی اللہ کا قصہ ہجرت مکر حضرت کو طوفان نے فوراً لکھا کسی اور ایسا ہی سارہ نے ہی رفاقت
 کے لئے اپنا قصہ مصمم ظاہر فرمایا۔ اور ان دونوں بزرگواروں کی رفاقت معلوم کر کے جناب ابراہیم کو پورا
 اطمینان ہو گیا۔

ہجرت ابراہیم کی اس شخصیت صلعم کی
 ہجرت سے خاص ممانعت تھی
 دعوت ابراہیم کے ان ابتدائی واقعات کو حضرت
 خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ رسالت کے
 آغاز حالات سے جس وقت مقابل کیا جاتا ہے تو ان

دونوں داعیان شریعت الہی کے واقعات میں ایک خاص مشابہت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ تہوڑے
 سے غور کرنے کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی دعوت اور تبلیغ رسالت کا
 آغاز اپنے گھر والوں سے شروع کیا۔ پہلے حضرت سارہ (آپ کی زوجہ) پر حضرت کو طوفان (آپ پر ایمان لائے
 بالکل اسی طرح جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تبلیغ رسالت کو بھی اپنے اہل بیت کی
 تعلیم و ہدایت سے آغاز کیا۔ سب سے پہلے جناب صدیق اکبر علیہ السلام کی خدمت میں خدیجہ سلام اللہ علیہا آپ کی رسالت
 پر ایمان لائیں اور آپ کے بعد آپ کے ابن عم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام جیسا کہ ہمارے سلسلہ بیان
 میں آئندہ پوری تفصیل و تحقیق سے معلوم ہو جائیگا۔

یہاں سے شہر حاران کی طرف
 ہجرت اور قیام
 ان واقعات سے ظاہر ہوا کہ عادت الہی ہمیشہ سے ایسی ہی
 جاری رہی ہے کہ انبیاء و مرسلین کی تعلیم و ہدایت پہلے ان کے
 عزیز و اقارب سے آغاز ہوتی ہے اس لئے کہ قرابت و محبت کی بنا پر

ان کی تصدیق زیادہ اعتبار و اعتماد کے قابل سمجھی جاتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کو مشرکین قوم کے ہاتھوں سے اپنی جان جانے کی جب کوئی امید نہیں دیکھی تو ایک دن حضرت لوطؑ سے جیسا کہ قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے اپنے ہجرت فرمانے کا قصد ظاہر فرمایا۔ اور جیسا کہ معتبر تاریخوں سے ثابت ہے۔ کچھ رات رہے حضرت لوطؑ اور سارہ کو ہمراہ لیکر شہر حاران کی طرف تشریف لینگے۔ یہاں پہنچکر حضرت ابراہیمؑ نے ایک معتبر زمانہ تک دجمعی سے اپنی تبلیغ رسالت اور ترتیب معیشت کے ضرورتیں انجام دیں۔ اور انہیں ہی کلام نہیں جیسا کہ واقعات بتلا رہے ہیں آپ کو آپ کے تمام امور میں بہت کچھ کامیابی ہوئی۔

کنعان میں قیام۔ تھوڑے زمانہ کے بعد یہاں کی حالت پہلے سے دگرگوں اور اہل زمانہ کی طبیعت بھی ناموزوں دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے شہر حاران کی اقامت ترک فرمائی اور وہاں سے اٹھ کر کنعان میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہاں ہی نہایت دجمعی اور پوری کامیابی کے ساتھ آپ کی رسالت کے امور انجام پاتے رہے۔ مگر ایک سال کنعان اور اسکے قرب وجوار میں ایسا فحط عظیم پڑا کہ آپ کو بالآخر مجبور ہو کر کنعان سے اپنے اہل و عیال کے ہمراہ نکاح مصر کی طرف چلا جانا پڑا۔

مصر کی طرف روانگی اور فرعون کے ساتھ معاملات

جناب ابراہیمؑ نے دیگر دیار و اصمار کی اقامت اختیار کرنے کی جگہ مصر کو خاص طور پر کیوں اختیار فرمایا۔ اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ فرعون مصر جو اسوقت مصر پر حکمران تھا وہ آپ کا ہم قبیلہ اور ایک وقت میں یہ وطن تھا۔ اسلئے قحط سالی میں اسکی اسناد و اعانت کی زیادہ امید تھی۔ اس قرابت و یکجہتی کے مفصل حالات حضرت ہاجرہ کے احوال میں بہت جلد معلوم ہونگے۔

مصر پہنچکر حضرت ابراہیمؑ کو اس مسافرت اور غربت کے عالم میں ایک سخت مصیبت سے سامنا ہوا۔ فرعون مصر کو حضرت ابراہیمؑ کی آمد کے ساتھ حضرت سارا کی خوش جمالی کی بھی پوری کیفیت معلوم ہوئی۔ اسنے مشتاق ہو کر حضرت ابراہیمؑ کو بلا بھیجا۔ جب یہ فرعون کے دربار شاہی میں۔ مع حضرت سارہ کے پہنچے تو اس نے سارہ کے حسن و جمال کو اس سے بھی زیادہ تعریف کے قابل پایا۔ جیسا کہ وہ سن چکا تھا۔ بادشاہ مصر نے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا کہ یہ عظیم تمہاری کون ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی حفاظت جان اور سارہ کے حفظان آبرو کی مصالحتوں پر غور فرما کر ارشاد کیا کہ یہ میری بہن ہیں۔

۱۔ کیا وجود نقیہ کی قدانت اور شرائع و مذاہب قدیم میں اس کے جائز العمل ہونے کی نسبت کسی عقل سلیم نے کبھی دالے کو اب بھی کوئی حارر کلام باقی نہ رہا ہے گا۔ المؤلف

یہ تو ظاہر ہے کہ عقدازدواج سے پہلے وہ آپ کی عمر زاد بہن تھیں۔ کیونکہ آپ کے باپ تاریخ (ترج) کی ایک بہن اپنے قبیلہ میں جس سے بیاہی گئی تھیں اور ان کا نام بھی ہاران تھا۔ اور حضرت لوط کے باپ جو حضرت ابراہیم کے بھائی ہوتے تھے۔ اور ان کا نام بھی ہاران تھا۔ اس بنا پر حضرت ابراہیم نے اپنی حفاظت جان اور سارہ کی حفظان آبرو کے خیال سے اون کی زوجیت کی موجودہ حیثیت کا کتمان اور اوس کی جگہ اپنی سابق قرابت کا اظہار و اعلان فرمایا۔ جو ایسی ناگزیر حالتوں میں خدا کی طرف سے تمام شریعتوں میں منظور اور مباح ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ توراۃ میں اس واقعہ کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جب ابراہیم مصر کے نزدیک پہونچا۔ تو اوس نے اپنی جو روسری (سارہ) سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں بڑی خوبصورت عورت ہے۔ اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ انکی جوڑ ہے۔ سو مجھ کو مار ڈالیں گے اور تجھے جتیار کہیں گے۔ تو کہیو کہ میں اوسکی بہن ہوں۔ تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو۔ اور میری جان تیرے وسیلے سے سلامت رہے۔ (تکوین باب ۱۲ آیت

(۱۰-۱۳)

حضرت ابراہیم کے خیال کے مطابق فرعون مصر کے دل میں سارا کی طرف سے نفسانیت و فساد کے آثار پیدا ہوئے۔ مگر کرمہ قدرت نے ہر بار اوسکے ارادہ بد کے موقع پر اوسکی کافی تنبیہ فرمائی۔ اور بالآخر وہ اپنے نام نہنچا کردار سے سخت پشیمان و نامد ہوا۔ اور پھر ان دونوں بزرگواروں کی ذاتی غفلت و غلطیوں کا قائل ہو کر اون کو اپنے ملک سے بڑے اکرام و انعام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ خصوصاً جناب سارہ کیساتھ اپنی عقیدتمندی کے اظہار میں اپنی لڑکی ہاجرہ نامی کو اون کی خدمت کی غرض سے ہمراہ کر دیا۔ توراۃ میں ان واقعات کے متعلق یہ عبارت مرقوم ہے۔

جب ابراہیم مصر میں پہونچا مصریوں نے اوس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ اور فرعون کے امیروں نے بھی اوسکو دیکھا اور فرعون کے حضور میں اوسکی تعریف کی اور اس عورت کو فرعون کے گھر میں لینگے اور اوس نے اوسکے سبب ابراہیم پر احسان کیا کہ اوسکو بہتر بکری اور گائے بیل اور گدھو غلام اور لونڈی اور گدھیاں اور اونٹن ملے۔ پھر خداوند نے فرعون اور اوسکے خاندان کو ابراہیم کی جوڑ و سارہ کے سبب بڑی ماری۔ تب فرعون نے ابراہیم کو بلارکھا کہ تو نے یہ مجھے کیا کہا۔ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ میری جوڑ ہے۔ تو نے کیوں کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ یہاں تک کہ میں نے اوسکو اپنی جوڑ بنانے کیلئے لیا دیکھ یہ تیری جوڑ و حاضر ہے۔ اوسکو لے اور چلا جا۔

(تکوین باب ۱۲ آیت از ۱۴ تا ۲۰)

توراة اور اسلامی تفاسیر قرآن فرعون کے ارادہ بد کرنے اور اس کے بدلہ میں بار بار عقوبت اٹھانے پر متفق اللفظ ہیں اور حقیقتاً قدرت الہی کے یہی تصرفات ہیں اور اس کی جبروت قدرت قادریتا کے یہی واقعات حضرت سارہ کے ساتھ فرعون کے کیا قصور تھے اور کیا ارادے اور شتم زدن میں اور بد ارادوں کی جگہ کیسی عقیدتیں ہو گئی اور کتنی ارادت۔ اب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مطیع اور فرمانبردار غلام کے متعلق ایسے ارادوں کا وہم و گمان بھی سخت افترا ہے اور جس طرح بہتان جس عقیدت مند نے اس خاتون مقدس کے ساتھ اتنی بڑی عقیدت مندانہ نیا ضیوں کے سلوک کیا ہے۔ کثیر التعداد مال و جنس۔ اسباب و اثاثہ کے علاوہ اپنی پیاری لڑکی تک خدمت کی غرض سے ہمراہ کر دی ہو۔ وہ کہی ایسی بجا حیرات اور ناپسندیدہ حرکت کے اقدام کا مرکب تسلیم کیا جاسکتا ہے ایک تو حضرت ابراہیم کی قرابت۔ دوسرے حضرت سارہ کی عظمت اور تیسرے جناب ابراہیم کی قلبی محبت کے سبب۔ تیسرے فرعون مصر نے اس غریب زارہ نبی اللہ کے تمام اسباب معاشرت کیا اس چھوٹے سے قبیلہ و خاندان کے تمام آئندہ سامان معیشت کافی طور پر درست و فراہم کر کے عربی توریثہ کی مفصل ذیل حیات نامہ خط ہو

وہ صمد ابرام من معص ہون و جسدہ و کل مالک و لوط معہ الی القبلۃ

و ابراہیم عظیم محل بالما شیک و الفضلۃ و الذہب۔ حضرت ابراہیم آپ اور اپنی بی بی

اور تمام اموال کے ساتھ مع حضرت لوط کے اپنے قبیلہ (شمال) کی طرف روانہ ہوئے۔ اوسوقت ابراہیم کے

ساتھ بہت سا اسباب اور سکیم و طلا تھا۔ (تکوین باب ۱۲۔ آیت ۵ و ۶)

قیام جبرون۔ جناب ابراہیم نے قحط کی شدت کی وجہ سے جب اپنے اہل و عیال کی گزران کی صورت کنعان قریب فلسطین نہیں دیکھی تو مصر کا سفر اختیار فرمایا تھا۔ مگر خدا سے سبب الاسباب نے ان کی خوش حالی اور معیشت کے خاطر خواہ اسباب بلکہ اس سے الرضا عیش فراہم فرما دیے اور آپ کا یہاں ہر گز کنعان کے علاقہ میں رہنے کے۔ اور تمام جبرون میں بود و باش اختیار کی۔ اور پھر اپنی تمام مقدس حیات کا زمانہ یہیں صرف فرمایا۔ چنانچہ آج تک یہ مقام خلیل مشہور ہے۔ مقام جبرون کی سکونت کے وقت سے آپ کی حالت بہت کچھ قابل اطمینان ہو گئی تھی۔

آپ نے سیرۃ انبیاء و مرسلین کے مطابق اپنی دولت کو تبلیغ رسالت۔ رفاہ عام۔ اکرام ضیف اور عام عطا و انبیا کے نیکی کاموں میں صرف فرمایا شروع کیا۔ قریب و جوار کے ملکستان میں متعدد کنوئیں کھدوائے جنہیں سے سیرت بہت مشہور ہے اور قادیان اور اشہر کے بیابان میں مسازین کے آرام اٹھانے اور چھل کھانے کی غرض سے ایک باغ بھی لگادیا۔

سفر تکوین باب ۲۱ درس ۴ اور ۳۰ و ایضاً باب ۲۱ درس ۳۳

علاقہ حاران میں حضرت لوط کی رسالت
رفاہ عام کے اعلیٰ خدمات کے علاوہ آپ کی مہمان نوازی

اسدِ جبر بھی ہوئی تھی کہ باوجود اتنے کثیر امتدادِ ایم کے

بھی، خوانِ خلیل کا نام آج تک زبانِ زدِ خاص و عام ہے تبلیغِ رسالت کے خدمات بھی خاطرِ خواہ کامیابی اور ترقی کے ساتھ جاری تھے۔ گرد و نواح کے لوگ آپ کی تشریف آوری کو حصولِ سعادت اور نزولِ برکت کا باعث سمجھنے لگے۔ اور آپ کے ارشاد و ہدایت سے مستفیض ہو کر خدا سے واحد کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کے قائل ہو کر دینِ حنیف ابراہیمی میں داخل ہونے لگے۔ تبلیغِ رسالت کا شہرہ اور عام اخلاق و ایشارہ کے آثار و اختیارات چاروں طرف پھیل گئے۔ علاقہ حاران کے لوگ بھی مدت سے متلاشیِ ایمان تھے۔ اور وہ یہاں سے کسی قدر مسافت پر واقع تھا۔ اسلئے حضرت لوط کو آپ نے وہاں کے لوگوں کی تعلیم و ہدایت کی غرض سے بھیجا۔ اور وہ ایک نبی متبع کی صورت و شان میں وہاں تشریف لے گئے حضرت لوط کی کوئی علیحدہ یا خاص شریعت نہیں سمجھنی چاہیے بلکہ وہی شریعت ابراہیمی تھی جس کی تعلیم و تلقین کثیر درجہ سے آپ اور اس علاقہ میں بھیجے گئے تھے۔

مزاجِ حضرت باجبرہ اور
حضرت ابراہیم کا سن اس وقت نہشتِ بریں کا پہنچا تھا۔ مگر اس وقت

تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ خدا کے فضل و کرم سے گھر میں سب

ولادت حضرت اسمعیل
کچھ تھا۔ ہر طرح کی مقدرت ہر طرح کی آسودگی اور فراخ البالی حاصل

تھی۔ ایک اولاد نہ ہونے سے سارا گھر بے چراغ تھا۔ اور آنکھوں میں دنیا تار کیب تھی فطرتِ انسانی کے اصول پر بے اولاد ہی کا اثر حضرت ابراہیم سے زیادہ جناب سارہ کے دل پر مقبول تھا۔ اور یہ دونوں بزرگوار معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں اس حصولِ نعمت کے لئے ہمیشہ دستِ برد ہمارا کرتے تھے۔ اور شبِ روز اس دعا کیلئے متمنی۔

حقیقت میں مشیتِ الہی کو آپ کی دعا کی اجابت تو ضرور منظور تھی۔ مگر اسکے حصول کے ذریعہ کی نسبت جناب

سارہ کے مقابلہ میں حضرت ہاجرہ کو اولیت اور تقدیم کا امتیاز و اعزاز عنایت فرمانا منظور تھا۔ اسکی تفصیلی کیفیت

یہ ہے سن کے اعتبار سے حضرت ابراہیم ہی ضعیف ہو چکے تھے اور جناب سارہ بھی سن رسیدہ۔ اس بنا پر دونوں

حضرات کو حصولِ اولاد کی طرف سے گویا یو سی ہو چلی تھی۔ اصولِ فطرت کے مطابق سارہ کی یو سی ابراہیم

کی نامیدی سے کہیں زیادہ بڑھ ہی ہوئی تھی۔ اسلئے سارہ نے اپنی طرف سے بالکل قطع امید فرما کر اپنے شوہر

عالی قدر کے لئے نام و نشان رہ جاسنے پر کمال حسرت و افسوس کا اظہار فرمایا۔ اور ایسے برگزیدہ اور خدا رسیدہ بزرگ

کی قطع نسل ہو جانے کے حسرتناک واقعہ کو ناقابلِ برداشت خیال کر کے اس کے مقدس نام و نشان کی بقا و قیام

کے سامان اپنے امکان کے مطابق فراہم کرنا ضروری سمجھا۔ حالانکہ اصولِ فطرت کے مطابق انسانی تولید میں ایسا

خیال اور اعتدال کی بہت کم مثال ملتی ہے۔ بخلاف اسکے ہم حضرت سارہ کے دلیں اسکی ابتدا اور وجود کو خدا کے الہام اور نظام قدرت کے انوار و کاشفات یقین کرتے ہیں۔ کیونکہ بغیر ان خیالات و جذبات کے نسل براہیمی کے اوس سرایہ ناز اور صاحب عز از سلسلہ کی نہ ابتدا قائم ہو سکتی تھی۔ اور نہ بقا جس سلسلہ مقدسہ اور شجرہ مبارکہ سے مشیت الہی کو جریہ نبوت کا خاتم اور سلسلہ رسالت کا متمم پیدا کرنا تھا۔

چاہے کتب قدیمہ میں اس کی خبر نہ ہو۔ چاہے اہل تاریخ و سیر کی اسپر نظر نہ ہو۔ چاہے دور از قیاس ہو اور خارج از عقل چاہے یہ جنبہ داری کسی جائے۔ یا موافق کی عقیدہ مندانہ قلم کاری۔ مگر ہم پوچھیں گے اور لکھ کر پوچھیں گے کہ جناب سارہ کو بمقابلہ حضرت ہاجرہ عطا سے اولاد میں شرف اولیت اور اعزاز سبقت نہ تفویض فرماتا۔ مشیت کی کس خاص مصلحت اور علت پر مبنی تھا۔ باطن کا ہم کو علم نہیں۔ مگر ظاہر حقیقت اسکی یہی ہے اور ضروری ہے کہ حضرت ہاجرہ کے سلسلہ مقدس سے مشیت الہی کو۔ رید الانبیاء ختم المرسلین اور خاتم النبیین سلام اللہ علیہ والہ المعصومین کا وجود عالم موجود میں لانا مقصود تھا جبکہ مقابل اور مثال حضرت سارہ کے اترنے بڑے کثیر التعداد سلسلہ انبیاء میں ایک ہی نہیں تھا۔ اس فضیلت اور شرف مراتب کے اعتبار سے۔ حضرت داہیا لعطایانے اولیت اور سبقت کا شرف مخصوصہ جناب ہاجرہ کو عنایت فرمایا ہذا افضل اللہ یوتیہ من یشاء

مشیت نے یہ سامان اور قدرت نے یہ اسباب پہلے سے مرتب کر لئے تو جناب سارہ نے اپنے کمال مایوسی کے عالم میں ایک دن حضرت ابراہیم سے آپ کی بے اولادی کے متعلق کمال افسوس ظاہر کیا۔ اپنی ظاہری اور نسوانی قابلیتوں کے موجودہ عذر پیش کر کے اپنی ذات خاص کو حصول اولاد کا ذریعہ ہوتا دشوار کیا قریب المحال ٹھہرایا جناب ابراہیم کو پہلے تو اون کی خاص مجبوریوں کے اظہار پر اور پھر اپنے آئندہ لا وارثی پر بہت ہی افسوس آیا۔ مگر سارہ نے یہ نہ کہہ کر اون کے حزن و ملال کو رفع کر دیا کہ آپ میرے بے نام و نشان رہنے کا کوئی افسوس نفرا میں صرف اپنی بقائے نسل کی فکر کریں۔ اور وہ بالکل آپ کے امکان میں ہے اور نہایت آسان۔ ہاجرہ موجود ہیں اور ان کو اپنی زوجیت کا شرف بخشیں۔ انضال ایزدی کے منتظر رہیں۔ شاید وہ آپ کے لئے ہاجرہ ہی کو حصول اولاد کا ذریعہ قرار دے۔

اب اس واقعہ کو توراۃ کی مفصلہ ذیل عبارت سے مقابلہ کر لیا ہی نہایت ضروری ہے۔

سارا ابراہیم کی جو رد کوئی لڑکانہ جنی اور اوس کی ایک مصری لڑکی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ اور سارا نے ابراہیم سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے جتنے سے باز رکھا۔ اب میری لڑکی کے پاس جائے۔ شاید

اس سے میرا گھر آباد ہو۔ اور ابراہیم نے سارا کی بات مان لی۔ (تکوین باب ۱۶ آیت ۱-۲)

حضرت ابراہیم نے سارا کی تجویز پسند کی اور ہاجرہ کو شرف زوجیت عطا فرمایا۔ مشیت الہی کے اسباب در

ہو چکے تھے اور قدرت لامتناہی کے سامان مرتب اور تیار تھے۔ جناب ہاجرہ حاملہ ہوئیں۔ خدا کی قدرت اور رحمت نے۔ ابوالعرب عراق الشری، ذبیح السداؤل حضرت اسمعیل ابن خلیل اللہ کا وجود و وجود قائم کر دیا۔

ولادت اسمعیل کے متعلق آسمانی بشارتیں یوں تو جناب ابراہیم ہمیشہ نعمت اولاد سے اپنی محرومی اور ناکامیابی کا خیال کر کے خدائے سبحانہ

تعالیٰ کی بارگاہ میں عطاے اولاد اور بقائے نسل و نام کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور خداوند عالم ہی آپ سے عطاے اولاد کے وعدے فرما کر آپ کی خاطر خواہ تسکین و تشفی فرمایا کرتا تھا جس کو ہم بہت جلد حضرت اسمعیل کے خاص حالات میں تفصیل سے بیان کرینگے۔ اس مقام پر ہم صرف انہیں بشارتوں کو ذیل میں لکھتے ہیں جو خدائے سبحانہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اسمعیل اور ان کی اولاد کے متعلق پہنچائی تھیں۔ فطرت انسانی کا خاص تقاضہ ہے کہ حصول شے کی امید ہو جائے پر انسان پر اس شے مطلوبہ کی

بہتری۔ سلامتی اور بقا کا متمنی ہوتا ہے۔

برایں امید ہائے شاخ و در شاخ کر مہاے تو مارا کر دگستاخ

انہیں موقعوں کے لئے کہا گیا ہے۔ اس بنا پر حضرت ابراہیم نے ہاجرہ کو حاملہ پاکر پروردگار عالم سے صاحب محل کی سلامتی اور طول عمر کی پروردگار عالم سے دعا تو ضرور مانگی۔ اب چاہئے اسے فطرت انسانی کا نتیجہ کہا جائے یا درود فرزند کی کا تقاضہ۔ خدائے سبحانہ الدعوات نے حضرت اسمعیل کی ولادت کی نوید دی جن الفاظ میں ابراہیم کے ان مستفسرات کا جواب آیا۔ وہ عربی توراۃ میں اس طرح مرقوم ہیں۔

قد سمعت دعائک اسمعیل وھانا بآسمکتہ وانشرتہ وفضلتہ
کثیرا یولد اثنی عشر خلیفۃ وابعولہ جمیعہ کبیرا۔ میں نے تیرے دعا سمعیل کے
حق میں قبول کی۔ میں نے اسے برکت دی۔ اور اسے بار آور کیا اور اسے بہت کچھ فضیلت
دی۔ اس سے بارہ خلیفہ (آئم) پیدا ہوں گے اور میں اس کو پڑھی قوم کروں گا۔ (پیدائش کتاب
اول باب، آیت ۲۰)

اسی طرح حضرت ہاجرہ کو بھی بشارت عطا فرمائی گئی۔ تورات کتاب پیدائش میں مرقوم ہے:

خدا کے فرشتہ نے اسے (ہاجرہ کو) میدان میں پانی کے ایک چشمہ کے پاس جو صحران کی راہ پر ہے۔
پایا۔ اور اس نے کہا اے ہاجرہ تو کہاں سے آئی اور کہہ رہی ہے؟ وہ بولی کہ میں اپنی بی بی
سارا کے سامنے سے بھاگ آئی ہوں۔ پر خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو اپنی بی بی کے

کیا وجود امانت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے ثبوت قدامت میں اب بھی کسی قدیم سند کی ضرورت ہو المولف

پاس چلی جا اور ادنیٰ تابع رہ پھر خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنتی نہ جائے گی اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی۔ اوسکا نام اسمعیل رکھنا خداوند نے تیرا دکھ مٹن لیا۔ (تکوین باب ۱۲ آیت ۷-۱۱)

ان بشارتوں کا خداوند ہی اور نبی ہی ایزدی سے حضرت اسمعیل کی ذاتی عظمت اور نیز آپ کی اولاد طاہرین کی قدر و منزلت پر ایک طور سے ظاہر ہو گئی۔ اور اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں رہا کہ اس بشارت سے حضرت ہاجرہ کی تقدیس و تحریم پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ نظامِ مشیت کے انتظام اپنے وقت مقررہ پر کمالی ہوئے اور حضرت اسمعیل علیہ السلام رونق افروز چمنستانِ عالم ہوئے۔ ایسی دعاؤں اور تمنائوں والے فرزند کی تولید سے حضرت ابراہیم کو کیسی روحی مسرت اور قلبی فرحت حاصل ہوئی ہوگی۔ اوسکا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ سمجھنے کیلئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ خانہ ابراہیمی میں مدتِ مدید کی تاریکی کے بعد یہ پہلا چراغ تھا۔ جو خدا کے انوارِ رحمت سے روشن ہوا اور اتنے زمانہ دراز کی ویرانی کے بعد اس کو ہر گھٹیا کے وجود سے خانہ خلیل اللہ کی آبادی اور رونق قایم ہوئی۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ حضرت سارہ کی جناب ہاجرہ کی طرف توجہ اور سارہ اور ہاجرہ میں مشاجرتِ شفقتِ اصولِ فطرتِ نسوانی کے بالکل خلاف تھی۔ مگر قدرت کو اپنا کام نہکانا تھا اور مشیت کو اپنی ضرورت پوری کرنی تھی۔ اوس نے ایک خاص وقت تک سارہ کے دل میں ہاجرہ کی طرف سے خیالِ مخالفت نہ پیدا ہونے دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابراہیم سے سفارش و فرمائش کر کے خود ہاجرہ کو اون کی زوجیت کا شرف دلویا۔ جب اس شرفِ خاص سے مشرف ہو کر حاملہ ہو چکیں تو سارہ کے دل میں فطرتِ نسوانی کے اثرِ خطور کرنے لگے اور ہاجرہ کی طرف سے چپیں بھین رہنے لگیں۔ یہاں تک ایک بار غصہ میں آکر ہاجرہ کو گھر سے باہر نکال دیا۔ اوریت کی مفصلہ ذیل عبارت میں اس واقعہ کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

جب اوس نے (ہاجرہ نے) جانا کہ میں حاملہ ہوئی تو اپنی بی بی (سارہ) کو حقیر جانا۔ تب سارہ نے ابراہیم سے کہا کہ نا انصافی جو مجھ پر ہوئی تیرے ذمہ ہے۔ میں نے اپنی لونڈی تجھے دی۔ اور اب جو اوس نے اپنے آپ کو حاملہ پایا تو میں اوسکی نظروں میں حقیر ہو گئی۔ میرا اور تیرا انصاف خدا کرے۔ ابراہیم نے سارہ سے کہا کہ تیری لونڈی تیرے ہاتھ میں ہے تو تیری نگاہ میں اچھا ہو۔ سو اوسکے ساتھ کر۔ تب سارا نے ہاجرہ پر سختی کی اور وہ اوسکے سامنے سے بھاگ گئی۔ اوسکے آگے ہاجرہ پر فرشتہ رحمت کا نازل ہوتا۔ اور ولادت

اسمعیل کی بشارت۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوئی۔ پہونچائی جانا مذکور ہے۔ (تکوین باب ۱۲ آیت ۲۲-۲۴)

توریت کی مرقومہ بالا عبارت نے پوری حقیقت کھول دی۔ ایسے موقعوں پر فطرتِ نسوانی کے ایسے ہی اثر اور توہمات پیدا ہوتے ہیں۔ بات میں بات اور شاخ میں شاخ نکالی جاتی ہے۔ ہاجرہ کے حقیر جاننے کا مسئلہ بھی

انہیں تو بہات کا اثر خاص سمجھا جائیگا۔ غرض قصور ڈھونڈ کے پیدا کئے جفا کے لئے حضرت ابراہیم اس مشابرت کا کوئی تصفیہ نہ کر سکے۔ اور حقیقتاً ایسے اوقات میں مرد فیصلہ کن رائے ظاہر کرنے اور ایک طرف حکم لگانے سے بالکل مجبور رہ جاتا ہے۔ اصول معاشرت اور تامل کے یہ روزانہ مشاہدہ ہیں۔

حضرت سارہ کے اختلاف کی بنیاد تو اسی وقت سے پڑی۔ فرشتہ رحمت کی بشارت اور حکم خداوندی کی ہدایت کے مطابق جناب ہاجرہ پہر گھر میں واپس آئیں۔ حضرت اسمعیل پیدا ہوئے۔ بڑے ناز و نعم سے پرورش پاتے رہے۔ تیرہ برس کے سن میں باپ نے بڑی کشادہ دل سے بیٹے کا خطنہ کیا۔ تکوین باب ۱۷ آیت ۲۳۔ یہاں تک کہ اسمعیل سولہ برس کے ہو گئے۔ قدرت الہی نے اسی سال اپنی معجز نائی کی قدرت دکھا کر حضرت سارہ کے بطن سے جناب اسحاق کو پیدا کیا۔ اسحاق کی ولادت ہی سے سارہ کے دل میں ہاجرہ کی مخالفت قوت پکڑنے لگی۔ اور یوں یوں اُس میں نمایاں ترقی ہو گئی۔ اور آخر کار ہاجرہ کے ساتھ سخت نفرت اور حقارت قائم کر دینے کی باعث ہوئی۔ اس مشابرت اور مخالفت کا اصلی سبب وہی ہے جو تورات کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو وہ ابراہیم سے جنتی تھی۔ ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اوس نے ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور اوسکے بیٹے کو نکال دے۔ کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ وارث نہیں ہوگا۔ پر اپنے بیٹے (اسمعیل) کی خاطر یہ بات ابراہیم کی نظر میں نہایت بری معلوم ہوئی۔ (تکوین باب ۲۱ آیت ۹-۱۱)

موقوفہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ سارا کو ابراہیم و اسحاق کی باہمی مساوت نہایت ناگوار گذری۔ اس خیال مساوت کے بعد اون کو آگے چلکر اسمعیل کے حقوق وراثت کے اندیشے بھی پیدا ہوئے۔ اور غایت مال اندیشی سے انہوں نے اسمعیل کا گھر میں رہنا اپنے لڑکے اسحاق کی خوشحالی اور فارغ البالی کے لئے سخت مفسر اور نقصان دہ ٹھرایا۔ اور اس بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جناب ہاجرہ اور اسمعیل کے اخراج کا بکیم حکم دیدیا۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ خاندان نبوت کا ہر شخص معصوم ہو۔ اور نفسانیت۔ حسد۔ رشک اور دیگر خیر نیات طبع انسانی سے پاک و صاف ہو۔ اسی اصول کی بنا پر سارہ کی فحاشی کو سمجھنا چاہیے۔ وہ اپنے بیٹے اور ہاجرہ کے بیٹے کے درمیان عدالت اور مساوت کے سلوک قائم نہ کر سکیں۔ ایسے سخت اور تکلیف دہ حکم صادر فرمانیکے وقت اگر سارا کے دل میں اسمعیل کا درد نہیں آیا تھا تو اون کی ماں۔ ہاجرہ کی رفاقت۔ خدمت اور ہر قسم کی راحت رسانیوں پر تو ضرور لحاظ کرنا چاہتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس ہو چکا تھا۔ مزاج بدل گیا تھا۔ حالت دیگر گوں ہو گئی تھی۔ جس طرح ہاجرہ پر پہلے شفقت و مہربانی کی نظر تھی۔ اسی طرح اب اون سے عداوت

ہے اور تفرقہ پہلے سارہ نے بقائے نسل ابراہیمی کی تمنا میں پھر کر خود ہاجرہ کو شرف زوجیت دلوایا اور انکو اپنے برابر کی بیوی بنوایا تھا اور اب اسحاق کی پیدائش کے بعد تغیر مزاج اور تلون طبع نے وہ رنگ دکھلایا کہ اب ایک دم کے لئے ہی ان ماں بیٹوں کی صورتیں گہریں دیکھنا نہیں چاہتیں۔

حضرت سارہ کی ایک وقت میں اتنی توجہ اور مہربانی اور پردہ و سرے وقت ایسی ناتوجہی اور نامہربانی گو کسی سبب ظاہری پر مبنی بتلائی جائے مگر سبب حقیقی کے متلاشی تو ان امور کو تصرفات قدرت کے مخفی راز یقین کرینگے۔ ضرورت کے اعتبار سے مشیت نے ان مخالف انداز طبیعت سے اپنے مدعا پورا کرنے کے نظام درست کر لئے۔ توجہ اور مہربانی سے سلسلہ اسماعیلی کا وجود قائم کر دیا۔ اور پھر ناتوجہی اور بے مروتی سے بنو اسماعیل کی اقطاع عالم میں وسیع آبادی پھیلانے کی ترکیب نکال کر اس سلسلہ عالی کو امت عظیم قرار دینے کی بشارت پوری کر دی۔

حضرت ابراہیم کو سارہ کی یہ بیجا فرمائش نہایت ناگوار گزری۔ مگر انکے حزن و ملال کی تسکین و تشفی فوراً بارگاہ قدرت سے کر دی گئی۔ اور باتفاق مجبور دار النظام مشیت سے حضرت ابراہیم کو سارہ کے کہنے پر عمل کرنے کا حکم ہوا۔ ہم اسکو تورات کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

خدا نے ابراہیم سے کہا کہ وہ بات اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں برسی نہ معلوم ہو۔ ہر ایک بات کے حق میں۔ جو سارہ نے تجھ سے کہی اور اسکی آواز پر کان رکھ۔ کیونکہ تیری نسل اسحاق سے کھلائے گی اور اس لونڈی کے بیٹے سے ہی میں ایک قوم پیدا کروں گا۔ اس لئے کہ وہ بھی تیری نسل ہے۔ (تکوین باب ۲۱ آیت ۱۲-۱۳)

اب اس حکم الہی کی رو سے حضرت ابراہیم مجبور ہو گئے اور سارا کی فرمائش پورا کرنے پر مامور۔ اس فرمان ازیدی کی تعمیل فرمائی۔ ہم اس کی کیفیت بھی تورات ہی کی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

حضرت اسماعیل اور ہاجرہ کی مقام جبرون
علاقہ فاران (حجاز) کی طرف ہجرت

حضرت ابراہیم صبح سویرے اٹھے۔ روٹی اور پانی کا مشکیزہ لیکر ہاجرہ کو دیا اور انکے کاندھے پر رکھ دیا اور لڑکے کو بھی اونہیں دیکر روانہ کیا۔ وہ شخصیت ہو کر ہر سبع میں حیران و سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ بوٹے یا مشکیزہ میں جتنا پانی تھا سب چک گیا۔ ہاجرہ نے لڑکے کو ایک درخت کی جڑ کے نیچے لٹا دیا اور خود ایک تیر کے فاصلہ پر اس کے سامنے جا بیٹھیں۔ اس غرض سے کہ اپنے بیٹے کا (پاس کی شدت سے) مرنا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ اس کے سامنے بیٹھ کر ہاجرہ ڈارٹیں مار مار کر روئے لگیں۔ خدا نے اون کے بیٹے کی آواز

سن لی اور خدا کے فرشتے نے ہجرہ کو آواز دی اور اس سے کہا کہ اسے ہجرہ - ہجرہ کیا واقعہ گذرا ہے۔ تو خوف نکر کہ خدا تعالیٰ نے تیرے بچہ کی وہیں آواز سن لی ہے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔ تو اٹھ۔ اور اپنے لٹکے کو اٹھالے۔ اور اپنی گود میں لے لو کیونکہ ہم اسکو ایک امت عظیم کرنیوالے ہیں۔ اور خدا نے ہجرہ کی آنکھوں کو کھول دیا اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور اسکی طرف چلی۔ وہاں پہونچ کر اپنا مشکیزہ بھر لیا اور اپنے پیٹے کو پلایا اور خدا اسکے لٹکے کے ساتھ (ہمیشہ) رہا۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہو گیا اور بیابان میں ساکن ہوا اور بہت بڑا تیر انداز ہوا۔ اور بیابان فارس میں آباد ہوا۔ اور اس کی ماں نے ایک مصری لڑکی سے اسکی شادی کر دی۔ (تکوین باب ۹ آیت ۲۱)

توریت کی عبارت کو ہم نقل کر چکے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کی نسبت حضرت ابراہیم کی زبانی صرف یہ فقرہ مذکور ہے۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ اَلْحَمْدُ مِمَّنْ ذَرَعْتَ لَهَا بَنِيَّاهُ وَغَيْرَ ذٰلِكَ مِنْ مَّوَالِيٍّ عِنْدَ بَيْتِ الْاَلْحَمْدِ۔ پروردگار! بیشاپنی اولاد کو تیرے خانہ مقدس کے پاس ایک ناقابل زراعت بیابان میں ساکن کیا ہے۔

قرآن کی مرقومہ بالا عبارت سے صرف ہجرہ اور اسمعیل کی جائے سکونت معلوم ہوتی ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل کا انکشاف نہیں ہوتا۔ لیکن مفسرین و محدثین نے اسکی پوری تفسیر کر دی اور عربی کی قدیم و جدید تاریخوں نے کمال شرح و بسط کے ساتھ اسکو نقل کیا ہے۔ ہم ذیل میں تاریخ ابن اثیر موابہ لڈنیہ - روضۃ الاعتیاب۔ اور تفسیر کشاف کے خلاصہ ترجمہ سے اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھکے۔ ہجرہ اور اسمعیل کو ساتھ لیا۔ اور اس زمین پر آئے جہاں اسے حرم کہتے ہیں۔ اسوقت اس قطعہ زمین پر نہ عمارت نہ زراعت نہ پانی اور نہ کسی قسم کی آبادی تھی۔ کیونکہ حضرت سارہ کی ایک فرمائش بجا یہ ہی تھی کہ ان ماں بیٹوں کو ایسی جگہ لیجا نا چاہیے اور نہنا چوڑو دینا چاہیے کہ جہاں نہ پانی ہو نہ آبادی۔ اور چونکہ خدا اسکی طرف سے سارا کی مطابقت اور دعویٰ کے لئے آپنا مہر پہونچکے تھے۔ اسلئے حضرت ابراہیم اُنکو اس مرتفع مقام پر لگئے جہاں خانہ کعبہ کی موجودہ عمارت قائم ہے اور وہاں لیجا کر اُنکو چھوڑ دیا۔ اور ایک تھیلی میں خُرم اور ایک مشک میں پانی ہجرہ اور اسمعیل کی ضرورت کے لئے پہونچ دیا اور خود وہاں سے چلے آئے اور پھر انکی طرف کوئی التفات نہ فرمایا۔ ہجرہ و بیکر ابراہیم کے پیچھے چلے اور کہنے لگیں کہ تم مجھے کو اور میرے پیچھے کو اس بیابان میں جہاں نہ کوئی رفیق نظر آتا ہے اور نہ ضرورت کی کوئی چیز چھوڑ کر کہاں چلے جاؤ گے۔ مگر ابراہیم ان کے معروضہ اور استدعا کو کوئی جواب نہیں دیتے تھے اور نہ دیکھتے تھے پھر انکی طرف دیکھتے تھے۔ ان کلمات یاوسانہ کو ہجرہ نے کئی بار کہا۔ مگر حضرت ابراہیم نے انکی بار بار بھی نہ اسکا جواب دیا اور نہ انکی طرف پھر کر دیکھا۔ آخر کار ہجرہ نے پوچھا کہ کیا خدا نے تمکو ایسا ہی حکم دیا۔ ابراہیم نے

جواب دیا۔ ہاں۔ اب حضرت ہاجرہ سمجھ گئیں کہ ہاجرہ پر ایم بڑھ رہی ہے۔ خدا کا حکم ایسا ہی ہے۔ یہ معلوم کر کے ہاجرہ نے
 رہنا سے الہی پر صبر کر لیا۔ اور یقین کر لیا کہ خدا ہرگز کسی طرح تباہ و برباد نہ کرے گا۔ یقین کر کے حضرت ابراہیم کے
 تعاقب سے واپس آئیں اور اس شہر سے اور پانی کو اپنی اور اپنے صاحبزادے کی ضرورتوں میں صرف
 فرماتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ شہر اور پانی بالکل تمام ہو گیا اور اب دونوں حضرات پر بھوک اور پیاس کا سخت
 غلبہ ہوا۔ حضرت اسماعیل بدایا بہر گز زمین پر ترپٹنے لگے۔ ماں سے یہ عالم نہ دیکھا گیا۔ وہاں سے اٹھیں اور
 کوہ صفا کی طرف روانہ ہوئیں۔ تھوڑی دیر تک وہاں کھڑی رہیں۔ پہاڑ سے اس وادی کے چاروں طرف دیکھتی
 رہیں کہ شاید کوئی فریادیں دے۔ مگر کسی کو نہ پایا۔ پھر کوہ صفا سے اتریں۔ چار زمین پر کھینچتی ہوئی جلدی
 جلدی دامن وادی کو طے کرتی ہوئیں کوہ مرو پر تشریف لائیں۔ تھوڑی دیر تک ٹھہریں کسی کو نہ پایا۔ چاروں
 طرف دیکھا۔ کوئی نظر نہ آیا۔ اسی طرح سات بار آپ نے سعی کی۔ یہ دستور اس وقت سے لیکر اس وقت تک
 حاجیوں میں قائم ہے۔ حضرت ہاجرہ ہر بار حضرت اسماعیل کے پاس آکر اذیت کا حال دیکھ جاتی تھیں۔ آخر بار
 جب بیٹے کے پاس آئیں تو اس کو قریب ہلاکت پایا۔ یوں ہوا کہ گریں و ٹالیں پھر کوہ مرو پر چڑھ گئیں تو ایک
 آواز اب کی بار ان کے کان میں آئی۔ اس آواز سے ہاجرہ نے خطاب کر کے کہا کہ میں نے تیری آواز تو سن
 لی۔ اگر تو حقیقت میں میرا فریادیں ہے تو میری فریاد کو ہی پہنچ اور میری خبر ہی لے۔ حالانکہ وہ آواز خدا
 کے فرشتہ جبریل کی آواز تھی۔ اور وہ اس وقت حضرت اسماعیل کے پاس کھڑے تھے۔ ہاجرہ کی ندا سن کر
 خدا کے فرشتے نے پوچھا کہ تو کون ہے جو مجھے پکارتی ہے ہاجرہ نے جواب دیا۔ میں ہوں ہاجرہ۔ ابراہیم کی
 بی بی اور ان کے بیٹے اسماعیل کی ماں۔ فرشتہ جبریل نے پوچھا کہ ابراہیم نے اس بیابان میں تم لوگوں کو کس پر
 چھوڑا ہے۔ ہاجرہ نے کہا کہ خدا ہے سچا تعالیٰ پر۔ جبریل نے کہا بس وہی تمہارے لئے کافی ہے جس پر
 چھوڑا ہے۔ یہ کہہ کر جبریل نے اپنے پاؤں سے یاروں سے اس زمین پر ضرب لگائی۔ وہاں سے پانی کا
 چشمہ جاری ہوا۔ اتنے میں ہاجرہ اسماعیل کے پاس چلی آئیں تو پانی کا ایک اوٹا ہوا چشمہ نظر آیا۔ ہاجرہ خود
 ہی سیراب ہوئیں اور اسماعیل کو بھی سیراب کیا۔ پھر یہ خیال کر کے کہ یہ پانی ہی چپک نہ جائے اس وجہ سے اس
 کے کناروں کو ہاتھ کر اوسکو ایک حوض کی شکل میں بنادینا چاہا۔ کہ پانی اس میں جمع رہ کرے اور پانی کی
 مشک آسانی سے بہتی جائے۔ جبریل نے ہاجرہ کی تسکین کی۔ اور کہا کہ پانی کی کمی کا ذرا خیال نہ کرو اور
 نہ ڈرو کہ اس وادی کے رہنے والے پیاسے رہیں گے۔ کیونکہ وہ چشمہ ہے جس سے خدا ہے سچا تعالیٰ اپنی
 نعمانوں کو ہمیشہ سیراب فرمایا کرتا تھا۔ ابن اثیر مطبوعہ مصر جلد اول۔ روئے الاحباب باسناد موہب لدنیہ ابن حجر عسقلانی
 جلد اول ص ۵۵ لکھتو۔ حیات القلوب مجلسی جلد اول۔

حقیقت کی تلاش کرنے والے اصلیت کے ڈھونڈھنے والے مرقوم بالا عبارتوں پر غور کر کے خود نتیجہ نکال لیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ اس واقعہ کے متعلق توراۃ میں جو کچھ تحریر ہے۔ تھوڑے ہی اختلاف کے ساتھ وہی عربی تاریخ و حدیث کی کتابوں میں بھی مرقوم ہے۔ ہاجرہ اور اسمعیلؑ کی ہجرت پر سارا کا اصرار حضرت ابراہیمؑ کا بیحد حزن و ملال۔ سارہ کی فریادیں پوری کر دئے جانے کیلئے خدا کا مصلحتاً نہ حکم حضرت اسمعیلؑ کی ازدیاد و اولاد۔ اور امت عظیم ہونے کی بشارت اور ان کے بابرکت ہونے کی نوید۔ جلا وطنی میں ماں بیٹوں پر تنگی کی سخت مصیبت۔ بیٹے پر قریب المرگ ہو جانے کی حالت۔ ماں کا لانا نہتا افہطر اردافہطر اب ماں کی جستجوئے آب۔ خدا کے فرشتے کی نذر سے غیب۔ ہاجرہ کے اضطراب میں اُسکے تشفی بخش خطاب و کلمات۔ خدا کا ہمیشہ اسمعیلؑ کی امداد پر تیار رہنے کی بشارت۔ پھر ہاجرہ کو چشمہ آب دکھانا۔ ہاجرہ کا اوس پانی سے بیٹے کو سیراب کرنا۔ اور پھر خدا کا اوسکے بیٹے کیساتھ ہمیشہ رہنا وغیرہ وغیرہ بالاتفاق درج ہے۔

اختلاف ہے تو دو امور میں۔ اول یہ کہ توراۃ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے صرف ان ماں بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔ نہ اُنکے ساتھ گئے اور نہ پھر ان کی کوئی فکر و تلاش کی۔ وہ مصیبت کے ارے پرتے پھرتے بیرسبع سے دشت فاران میں آپ پہنچ گئے۔

دوسرے یہ کہ قرآن مجید سے حضرت ابراہیمؑ کا مع ہاجرہ اسمعیلؑ بیکار چلا آنا معلوم ہوتا ہے۔ تو ریت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ماں بیٹے بیرسبع میں آئے وہاں سے فاران میں۔ اور فاران کی اصلیت و ماہیت میں بہت اختلاف ہے۔

اول اختلاف کی نسبت ہم پوری تفصیل سے انکشاف حقیقت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ اور اسمعیلؑ کو اپنے ہمراہ سرسید مرحوم خطبات احمدیہ میں بھی توراۃ کی عبارت واقعہ پر اعتبار کرتے ہیں۔ انیسویں ہے کہ وہ ایسے لاکر بیابان فاران (حجاز) میں پہنچا گئے۔ صاف لفظوں میں اس واقعہ کو تحریر فرماتے ہیں جسکو کوئی مسلمان پسند نہیں کر سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہ اور اسمعیلؑ کو اپنے گھر سے نکال دیا۔

اس انداز تحریر اور الفاظ بیان سے جو متعصبین یہودی کی خاص اخص ثقلید اور حاسب بن نصاریٰ کی صاف صاف تائید ہے۔ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے ایسے عظیم الشان عظیم الاخلاق والا حسن پیغمبر اور ابوالانبیاء والمرسلین کے مکارم اخلاق اور محاسن عدل و انصاف کے پاک و صاف دامن پر۔ نا انصافی بے مروتی اور بد خلقی کے بد نما اور نازیبا و جھپٹے پڑ جاتے ہیں۔ اور نیز ان واقعات سے حضرت ہاجرہ اور جناب اسمعیلؑ کی کسر شان۔ استخفاف حقوق اور اقتصار غفلت و تقدیس ثابت ہوتی ہے۔ جن کی قدر و منزلت کو

سید صاحب اپنے اکثر مباحث میں قوی دلائل سے یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں انھیں کے اخبار و اسناد سے ایک بار نہیں کہی با ثبات کر آئے ہیں۔

تورۃ کا یہ بیان اور سید صاحب کا اوسیر حیرت انگیز اعتبار و اقرار کہ حضرت ابراہیم نے اپنی بی بی ہاجرہ اور اپنے نوجوان بیٹے اسمعیل کو محض یکہ و تنہا گھر سے نکال دیا۔ تو لا اور فعلاً خلاف عقل۔ خلاف قیاس اور خلاف واقع معلوم ہوتا ہے۔ ایک معمولی درجے والے آدمی سے ایسے بد اخلاقانہ افعال کا سرزد ہونا جب اوسکی حد و وجہ کی شکایت و ملامت کا باعث ٹھہرایا جاتا ہے۔ تو ایک ایسے برگزیدہ بزرگوار سے جو منجانب اللہ صاحب شریعت ہو اور بندگان خدا کو تہذیب و اخلاق، تمدن و معاشرت کی تربیت و تعلیم کے لئے مبعوث کیا گیا ہو۔ ایسے افعال ذمہ اور اطوار قبیحہ کا عمل میں لایا جانا ہرگز صحیح نہیں مانا جاسکتا۔ کیا جناب ابراہیم کی عدالت۔ آپ کی شریعت۔ آپ کا اخلاق۔ آپ کی مروت اور عام انسانی ہمدردی۔ جو عموماً ہر فرد بشر کی طبیعت میں قدرت کی طرف سے ودیعت فرمائی گئی ہے۔ اسی کی مقتضی تھی کہ اپنے واجب المنفقہ اہل و عیال کو بلا وجہ۔ بے سبب۔ صرف ایک دوسری بی بی کے کہنے سے۔ اس ذلت اور حقارت۔ اس بلا اور مصیبت کے ساتھ گھر سے باہر نکال دیا جاوے۔ پھر بی بی بھی وہ غنیفہ جس کی اطاعت جس خدمت اور رفاقت۔ بیس برس کے زمانہ دراز تک ہر قسم کا آرام ہر طرح کی راحت پہنچا چکی ہو۔ اور سفر و حضر کے تمام مصائب و نوائب میں شریک و رفیق رہ چکی ہو۔ فرزند بھی وہ فرزند صالح جس کی غفلت اور بزرگی توریت مقدس کی بشارت سے ایک جگہ نہیں کہی جگہ ثابت ہو چکی ہو۔ خود جناب ابراہیم کو وہ فرزند صالح ایک عظیم امت کا مورث اور حضرت ہاجرہ کو بارہ خلفائے ارض کا باپ اور جلال علی تسلیم کیا گیا ہو۔ کیا کوئی محض محدود اور ادنیٰ عقل رکھنے والا شخص ہی ایک ساعت کے لئے اسکو مان سکتا ہے کہ یہ دونوں بزرگوار حضرت ہاجرہ اور جناب اسمعیل حقیقتاً دنیا میں ایسے لادجو۔ بیکار اور محض بے سود ہستیاں سمجھ کر گھر سے نکال یا ہر کر دئے گئے۔ سید صاحب کے اس بیجا اقرار و اعتراف پر جو اسلامی اخبار و آثار کے بالکل خلاف ہے۔ وقت تحریر سے لیکر آج تک برابر تعریف و تنقید ہوتی چلی آئی ہے۔ صاحب ارض القرآن نے بھی اگرچہ یہ بحث اُنکے موضوع تالیف سے بالکل علیحدہ تھی (جناب ہاجرہ و اسماعیل کے ضمنی تذکرے میں اپنی غیرت اسلامی اور حمایت دینی سے اسکی تنقید و تردید نہر مادی ہے ذیل میں اُن کی عبارت ملاحظہ ہو۔

تورۃ میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ابراہیم ہی ساتھ آئے تھے۔ لیکن کون شقی ہو گا جو اپنے عزیز بچہ کو جس کی پالائش کی اوس نے خود و عاکل ہو جس کی زندگی کیلئے اوس نے خدا سے دعا مانگی ہو۔ اوسکو تنہا بے آب گیاہ

مقام میں ہمیشہ کیلئے جاتے دے۔

صحیح بخاری میں جو روایات اسلام میں صحیح تر ہے۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ ابراہیم اور ادمی
بیوی (سارہ) کے درمیان جو واقع ہوا۔ اوسکے بعد ابراہیم۔ اسماعیل اور اسماعیل کی ماں کو لیکر نکلے ساتھ
پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔ اُم اسماعیل پانی مشکیزہ سے پیتی تھیں۔ اور اوس سے دودھ بچے کے لئے ہوتا رہتا
یہاں تک کہ ابراہیم کہہ پونچے۔ اور ایک جاڑی کے نیچے اوسکو رکھ دیا۔ پھر ابراہیم اپنے گھر واپس آئے لگے
اُم اسماعیل اونکے پیچھے پیچھے کہہ رہی کہ ایک مقام (تک آئیں۔ اُم اسماعیل نے پکار کر کہا۔ ابراہیم
تم مجھے اس وادی میں جہاں نہ کوئی آدمی ہے اور نہ کوئی چیز ہے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ (اختلاف روایات)
کیا تم خدا کے حکم سے مجھے یہاں چھوڑتے ہو۔ ابراہیم نے کہا ہاں۔ اُم اسماعیل نے کہا۔ تو پھر خدا ہم کو ضائع
نہ کرے گا۔ ارض القرآن ج ۱ ص ۵۱

ہم نہیں سمجھتے کہ عربی تفسیر حدیث اور تاریخ کی کتابیں اور اذان کی مقامی اور آبائی روایتیں۔ جو عہد ابراہیم
اور دور اسماعیلی سے اہل عرب میں سلسلہ بسلسلہ اور سینہ بسینہ چلی آتی ہیں اور جن کے لئے وہ تمام قوموں میں خاص
ممتاز سمجھے گئے ہیں اور خود سید صاحب مرحوم جن کی حقیقت اور صداقت پر اپنے خطبات کے اکثر مقامات پر صراحت
فرما چکے ہیں۔ صرف توراۃ کے مخالف ہونے کی تہما جرم میں کیسے ساقط الا اعتبار سمجھی جائیں گی اور پھر اس شدت
کے ساتھ کہ اوسکی روست اگر چہ مقدس رسول کی تقدیس و تزیین مسکرم و مساکب میں تعرض و تنقیص صریح لازم
ہی آتی ہو۔ مگر تاہم انھیں کی صحت کو ترجیح دی جائے گی۔ حالانکہ واقعہ۔ واقعہ کی صورت اور واقعہ کی عبارت
صاف صاف بتلا رہی ہے کہ ایسی سنگدلی۔ بیدردمی۔ اور شقاوت نہ کہی اخلاق الہی کی شان کہی جاسکتی ہو
اور نہ محاسن خلیل اللہی کے شایاں ہو سکتی ہے۔ اسلئے نہ یہ الفاظ وحی و الہام کہے جاسکتے ہیں اور نہ کسی رسول
اور خاصہ خدا کے کلام سمجھے جاسکتے ہیں۔ بلکہ تمام اسباب و قرائن صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت
اسماعیل اور اون کی ماں کی حقارت اور ذلت ثابت کرنے کے لئے۔ ابراہیم کے ساتھ جانے یا پونچانے والی
عبارت اور اوسکے تمام مضامین۔ جیسا کہ اسلامی اور عربی اخبار و آثار میں اسوقت تک محفوظ و محفوظ ہیں۔ نفسی
کے بندوں نے خدا کی اس کتاب سے نکال دئے۔

ابراہیم اور اوسکی کافی نفسہا۔ صحیح الاسناد ہونا۔ اسکا یہودی اور عیسائی تو دعویٰ کر ہی نہیں سکتے قصیر الماطلح
مسلمان کہا شک اسکو ثابت کرنے کی کوشش کرئیگی۔ اسی مسئلہ میں ایک مثال اطمینان کے لئے کافی ہے۔
توراۃ کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل اسوقت بچے تھے۔ اور دودھ پیتے تھے۔ اور اوسی توراۃ سے

یہ روایات یہود کے نقل کا نتیجہ ہے۔ اسکی اکثر مثالیں اسلامی کتب تاریخ و حدیث میں ملتی ہیں۔ المؤلف

معلوم ہوتا ہے کہ ولادت اسحاق کے وقت انکا وودھ چھوٹ چکا تھا۔ باپ ختنہ ہی کر چکا تھا اور توراۃ میں ختنہ کئے جانے کے وقت اسماعیل کا سن تیرہ برس کا قطعی طور پر بتلایا گیا ہے۔ اور یہ تمام واقعات اخراج ہاجرہ اور ولادت اسحاق کے قبل کے ہیں۔ ولادت اسحاق کے تین برس بعد واقعہ اخراج ہاجرہ پیش آنا لکھا گیا ہے تو اس بنا پر اسماعیل کا سن ترک وطن کے وقت سو گاہ اور سترہ برس کے درمیان میں ثابت ہوتا ہے۔ اسی سے توراۃ کے اختلاف بیانات کی حقیقت کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے کہ ایک ہی واقعہ اور ایک ہی مسئلہ کی نسبت اوس میں دو متضاد و مختلف مضامین پے در پے مندرج ہیں۔ ایک سے صاحب واقعہ کی شیرخوارگی اور عالم گوارگی معلوم ہوتا ہے اور دوسرے سے اوس کے نوجوان اور صاحب ریش و بروت ہونے کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ بندوں کی کتاب جب ایسے مخالف اور مناقص کے باعث قابل اعتبار نہیں سمجھی جاتی۔ تو پھر خدا کی کتاب ایسے اختلاف و تضاد کو پہلو میں لیکر کیسے صحیح الاسناد اور واجب الاعتقاد تسلیم کیجائے گی ایسے بین ثبوت اور صحیح مثالوں کے علاوہ۔ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کی ذلت و حقارت کے متعلق جیسے جیسے نازیبا اور سجا الفاظ عبارات توراۃ میں مستعمل اور مرقوم ہیں وہ علی الاعلان بتلا رہے ہیں کہ یہ اوس ہے۔ عادل اور غیر متبدل خدا سے برحق کے الفاظ و کلمات ہرگز نہیں ہو سکتے۔ جو اس بی بی کے اور اپنا فرشتہ رحمت نازل فرما کر اوس کی تسکین و نشانی۔ اوس کے بچہ کی نوید ولادت۔ اوس کے مورث امت عظیم ہونے کی بشارت۔ اوس کے اور اس کے بچے کے ساتھ ہمیشہ رہنے کا وعدہ فرما چکا ہو۔ اور جو مرقومہ بالا عبارات بشارت میں متواتر طور پر اس بی بی اور اوس کے لڑکے کی عظمت و تقدس کا مقرر ہو چکا ہو۔ تو اس بنا پر یہ کہو پور الیقین ہے اور نہنا یقین ہی نہیں ہمارا مسلم اعتقاد ہے کہ توراۃ کے یہ تمام الفاظ مخالف اور مضامین مناقص جن سے اخلاق خلیل الہی کی کسیر عصمت و منزلت ہاجرہ کی تو ہیں اور عظمت و اقتدار اسماعیل کی تنقیص ظاہر ہوتی ہے ہرگز ملفوظات ربانی نہیں ہیں۔ بلکہ بالکل موضوعات انسانی۔ جب توراۃ میں ایسے اختلاف و تضاد کے مواد کا ذخیرہ موجود ہو۔ اور جس کو خود یہودی اور عیسائی اعترافاً لواقعہ صحیح مانتے ہوں۔ تو پھر ان موضوعات و مصنوعات پر ایک مسلمان محقق کا اعتبار کر لینا اور اوس کو اپنا مختار قرار دے لینا کس قدر شرمناک اور عبرت شیر ہے۔

ہم کو حضرت اسماعیل کے بن مبارک کی نسبت علیحدہ بحث کرنی مقصود ہے۔ اسلئے کہ مرویات اسلامی اور خصوصاً بخاری شریف میں شیرخوارگی کا اظہار کیا گیا ہے جس پر حفظ و اتقارم کے خیال سے ہم اوپر نوٹ (نظریہ) دے آئے ہیں۔ ہم مسئلہ زیر بحث کو تمام کے اپنے آئندہ سلسلہ بیان میں اس مسئلہ کو بار دیگر بہت جلد صاف کرتے ہیں۔

دشت فاران سے ارض حجاز اور حوالی کہ مراد ہے۔ اب ہکودوسرے امر کی طرف رجوع علی التحقیق کرنا ہے اور وہ دشت فاران کی اصلیت، حقیقت اور اس کے موقع و مقام کا انکشاف ہے۔

اہل عرب کے تمام مرویات قدیم اور اسلام کے تمام تالیفات و تصنیفات میں اس مسئلہ کے متعلق بالافاق اتفاق اکثور مرقوم و مذکور ہے کہ جناب ابراہیم علی نبیہا وآلہ و علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ اور اپنے فرزند ارجمند جناب اسمعیل کو حکم الہی کے مطابق مکہ معظمہ سے لے ہوئے اوس بیابان میں جو دشت فاران کے نام سے آج تک تمام کتب قدیم میں مرقوم ہے پہنچا گئے۔

قرآن مجید میں نہ فاران ہے نہ پاران۔ اوس میں مقام سکونت کی نسبت صرف یہ لکھا ہے **وَاِذْ نَزَّلْنَاهُ بِرَبِّهِ عِندَ بَيْتِكَ الْحَرَامِ**۔ (اپنے خانہ محترمہ کے پاس۔ ناقابل زراعت صحرا میں) لکھا ہے جس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابراہیم نے ان لوگوں کو اوس ناقابل زراعت صحرا میں پہنچا دیا تھا جو مکہ سے ملا ہوا تھا۔ اس لئے ناوقتیکہ یہ ناقابل زراعت صحرا حقیقت میں دشت فاران نہ ثابت کر لیا جائے۔ قرآن مجید کی عبارت تورات کی بشارت سے مطابق نہیں ہوتی۔ (سفر تکوین باب ۱۲ آیت ۱۴)

سفر تکوین باب ۲۱ درس ۶ میں فاران کی جگہ اہل فاران لکھا ہے۔ اون دونوں سے لیکن ایک ہی مقام مراد ہے۔ اور جغرافیہ قدیم و حال کے مطابق اس سے وہی کوہستانی سلسلہ مراد ہے۔ جو صفاء، مروہ، بوقبیس وغیرہ مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ اور کہہ کے ارد گرد واقع ہیں۔ تورات کے باب ۲۱ آیت ۶ میں، فاران کے پہلے لفظ آیل آیا ہے۔ جس کے معنی عبرانی زبان میں خدا کے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہور قدرت کا کوئی واقعہ اس سے متعلق ہے یا متعلق ہونے والا ہے۔ اسوجہ سے یہ پہاڑ خدائی پہاڑ کے نام سے خاص طور پر موسوم ہوئے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس عبرانی لفظ آیل کا عربی تالیفات میں بھی کہیں نشان ملتا ہے یا نہیں جب ہم اسکی نسبت تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ کے گرد و نواح میں جتنے پہاڑ ہیں وہ آج تک آلال مشہور ہیں۔ اور آلال صاف صاف لفظ آیل کی جمع ہے۔ جو اہل عرب نے اپنی زبان کے قاعدے کے مطابق بنالی ہے۔ اب یہ مسئلہ زیر بحث بالکل صاف ہو گیا کہ اہل فاران۔ مصدقہ تورات۔ متفقہاً اوس کوہستانی سلسلہ کا نام ہے جو مکہ کے آس پاس واقع ہیں۔ اور جن میں صفاء، مروہ، بوقبیس، ثور، حرا وغیرہ۔ قدیم شعائر اللہ داخل ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی برگزیدہ بارگاہ الہی کے حالات و واقعات سے خاص طور پر تعلق رکھتا ہے۔

براہو یہودیوں اور عیسائیوں کے تعصب و نفسانیت کا۔ جو ایسے واضح اور روشن ثبوتوں کے مقابلہ اور موجودگی میں بھی محض اسلام کی مخالفت کی بنا پر وادی فاران اور وادی مکہ کی مطابقت میں خواہ مخواہ غلط

تاویل کر رہے ہیں اور سراپا مہل اور بے اصل ولیس پیش کرتے ہیں۔ اسلئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے ان متعصبانہ اور گمراہانہ قیاسات اور غلط تاویلات کی تردید و تنقید ہی انہیں کے معتبر اسناد و اشہاد سے پیش کر کے ان کا اور ساری دنیا کا اطمینان کر دیں۔

اس میں شک نہیں کہ دشت فاران کو حجاز اور قریب گمراہ ثابت ہونے دینے کی ابتدائی کوششیں یودیوں کے حصہ و تعصب کا ضمیمہ ہیں۔ لیکن انہوں نے اس کے موقع کو کوہ سینا اور فلسطین تک محدود کر رکھا ہے۔ عیسائی ان سے ہی تیز اور شرارت انگیز نکلے۔ انہوں نے سسرین حجاز اور حوالیہ کہ میں دشت فاران کے واقعہ ہونے کے متعلق اپنی مسلسل کوششوں سے آسمان وزمین کے قلابے ایک کر دئے ہیں۔ اور اس قدر دور از قیاس۔ گمراہانہ اور خود غرضانہ تاویلوں سے۔ اس کے اصلی موقع قائم کرنے میں کثرت اقوال اور تعدد آراء کے انبار لگا دئے ہیں جن سے دشت فاران جغرافیہ عالم میں عیناً عرب بن گیا ہے۔ کہیں صحیح نشان ہی نہیں تھا۔ مگر ہم ان تمام مراحل و منازل کو مفصلہ ذیل بحث میں طے کر دیتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ عبرانی لفظ مدبرہ عربی لفظ وادی ہے۔ اور قرآنی لفظ بغیر ذی ذرع متحد المعنی اور مساوی المفہوم ہیں۔ یہاں تک یہودی۔ عیسائی اور مسلم سب متفق ہیں اور ان تینوں مختلف الفاظ سے ایک ہی معنی مراد لیتے ہیں۔ مگر خاص کر یہودیوں اور عیسائیوں کو جو کلام ہے وہ یہ کہ اس وادی بمشرہ کا اصلی موقع قریب گمراہانہ نہیں ہے۔ بلکہ جبل سینا اور اسکے قریب و حوالیہ سے لیکر ارض بابل اور فلسطین تک۔ جو جناب ابراہیم اور ان کی قوم و قبیلہ کا قدیم اور اصلی موطن و مسکن ثابت ہوتا ہے۔ دشت فاران میں شامل ہے۔ ان کے اس اعتراض کی بنا پر تین امور کی مفصلہ ذیل تنقیح و تحقیق نہایت ضروری ہے۔

اول۔ یہ کہ حضرت ابراہیم نے ہجرہ اور اسماعیل کو کہاں چھوڑا۔
دوم۔ یہ کہ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل نے اس صحرائے غیر آباد کے کس مخصوص مقام پر سکونت اختیار کی۔
سوم۔ یہ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل نے جہاں پہلے ٹھہرے تھے وہیں سکونت اختیار کی یا وہاں سے اٹھ کر کسی اور جگہ آباد ہو گئے۔

نتیجہ اول کے متعلق ہم اسلام سے قبل یا بعد عرب کی مشہور و معروف روایتوں کو جو اس امر کو ثابت کرتی ہیں اس باعث سے عمداً مرفوع القلم کرتے ہیں کہ مخالف قوم و مذہب کے مقابل ایک متنازع فیہ مسئلہ میں اپنے بیان سے اپنے دعویٰ کی تصدیق اتنی قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ جتنی طرف مقابل کی تردید اور سبکے اقوال و تحریر سے۔ چونکہ اس مسئلہ خاص میں یہودیوں اور عیسائیوں نے ابتدا ہی سے محض اسلام کی مخالفت اور حضرت اسماعیل کی خاص کسر شان و منزلت کی بنا پر یہودیوں کی تاویل پیدا کر دی ہے۔

اس لئے اونہیں کی کتابوں سے صحرائے فاران کا حقیقت میں نکتہ کے اس باس واقع ہونا ثابت کرنا چاہیے۔
توریت میں ہے۔

اسماعیل بن ہار اور یابان میں سکونت پذیر ہوا۔ (سفر تکوین باب ۲۱ آیت ۲۵) پھر دوسری جگہ تحریر ہے کہ

اس نے یعنی اسماعیل نے دشت فاران میں سکونت اختیار کی (سفر تکوین باب ۲۱ آیت ۲۱)

اب یہ تحقیق طلب ہے کہ کیا یابان فاران جہاں جناب اسماعیل سکونت پذیر ہوئے کون سا مقام ہے۔
مشرقی جغرافیہ والوں نے تین مقامات کو بنام فاران تحریر کیا ہے۔ اول وہ مقام اور اسکے گرد و نواح کے
پہاڑ جہاں اب شہر کہ واقع ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ مقام صحرائے بے گپاہ تھا۔ دوم وہ پہاڑ اور گادوں
جو مشرقی حصہ مصر یا عرب الہجر میں واقع ہے۔ سوم ایک ضلع ہے۔ جو شہر قند کے نواح میں واقع ہے۔
مشرقی جغرافیہ نویسوں کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

فارسان المذكور فی التوراة فی قولہ صبا ع اللہ
من سبنا عوا شرفنا من سبنا عیر و سبنا ع
من فارسان فسا عیر جبال فلسطین و دھو انزالہ
الانجیل علی عیسیٰ و فارسان مسئلۃ ای جبالہا
علی ما تشہد بہ التوراة و استلواہ بہا منها
انزالہ القرأت علی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم و فارسان
قریبۃ من نواحی اسفند من عمال ہمد قند و
قیل فارسان و الطور کورستان من کورستان قریبۃ
(مراد صلاہ اطلاع علی الاسماء الکلامیۃ و

المبایع و معجم البلدان یا قوت جموی)

پہر یا قوت جموی اپنی دوسری کتاب میں لکھتا ہے۔

فارسان ثلثۃ موضع۔ فارسان اسم جبال مسئلۃ و
قیل لہا اسم جبال انجیلانہ و لہا ذکر فی التوراة
لنحی فی اسلام نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الامیر ابو نصر
ابن ماکوہ ابو بکر نصر بن القاسم ابن القضاۃ
القضاۃ الفارسی الاسکندر بنی سمعت ان

فاران تین مقامات کے نام ہیں۔ کہ کہ پہاڑوں کا (فاران) نام
ہے اور بعض کہتے ہیں علاقہ حجاز کے تمام پہاڑوں کا نام فاران ہو
ان کا ذکر توریت میں موجود ہے۔ اور ان سے ہمارے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کی نبوت کا اعلان ہوا ہے۔ امیر ابو نصر ابن ماکوہ
کا بیان ہے کہ ابو بکر نصر ابن القاسم ابن القضاۃ الفارسی

الفارانی الاسکندری کی نسبت اسی خیال فاران سے ہے جس سے حجاز مراد ہے اور ابو عبد اللہ القضاہی اپنی کتاب خطط مصر میں لکھتے ہیں کہ فاران اور طور مصر مغربی کے دو مشہور شہر ہیں۔ اور فاران مصر قدیم کے ایک قریہ کا ہی نام ہے۔

(کتاب المشترك)

ذلك نسبة الى جبال فاران وهي الجبال في بلاد فارس قال ابو عبد الله القضاہی فی کتاب خطط مصر فاران والطور کورتان من کور مصر القبلية و فاران من قرای سمقند (کتاب المشترك)

ہم نے عربی جغرافیہ نویسوں کے اقوال صرف اس غرض سے یہاں لکھ دیے ہیں کہ محققین کو معلوم ہو جائے کہ اسلامی مورخین و مؤلفین نے بمقابلہ یہودی اور عیسائی مستشرقین کے پوری صفائی اور خوش نیتی سے۔ جبال مکہ و حجاز کے علاوہ۔ اون تمام مقامات کو ہی لکھ دیا ہے اور بتلایا ہے۔ جو فاران کے نام سے مشہور ہیں۔ اگر اُن کی تحقیق اور تحریر یہی ہو دیوں اور عیسائیوں کی طرح خود غرضی اور تعصب پر مبنی ہوتی تو وہ فاران کی تصدیق و تطبیق میں صرف جبال مکہ و حجاز کو بتلاتے اور دوسرے مقامات کی تصریح و تفصیل سے سکوت اختیار کرتے۔ مگر نفسانیت اور خود غرضی سے بالکل علیحدہ ہو کر اونہوں نے اپنی تالیفات میں تمام مقامات کا ذکر کر دیا۔ کیونکہ اون کے ذکر کر دینے سے اُن کے مدعا میں کسی طرح کا خلل نہیں ہوتا تھا۔ اسلئے کہ فاران کے اسی ایک مقام اور اسی ایک خاص نام میں خدا کے سچانہ تعالیٰ کی عظمت و تقدیس و ولایت ہے۔ جس کی نسبت توراہ میں بشارت آئی ہے اور اس تقدیس و برکت کا اصلی مرکز وہی مقام اور وہی نام قرار پایگا۔ جہاں سے نور ہدایت جلوہ آراے عالم ہوا۔

چونکہ تمام شہود و ثبوت اس پر جمع ہو چکے ہیں کہ اس موعودہ طور قدرت کی جلوہ گاہ جبال مکہ اور حجاز میں نہ دیگر مقامات اسلئے یہودیوں کی کوشش ہے۔ اور عیسائیوں کو کاوش ہے کہ کسی نہ کسی طرح اصلی مقام کی حقیقت چھپا دی جائے۔ مگر اُنہیں کسے اعتراف و اقرار متواتر و متکاثر کے مقابلہ میں اون کی یہ عالم فریبی کار گر نہ ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ اون کی ان گرام نہ مغالطہ وہی ہے ہمارے دعووں میں کسی طرح نقصان نہیں پہنچ سکتا ہے۔ وہ اقطاع عالم میں ایک نہیں ہزار مقام فاران کے نام سے بتلایا کریں تو اس سے کیا اصلی فاران کی عظمت و تقدیس میں اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی فاران پر منحصر نہیں طر کے ایک نام سے دنیا میں سات مختلف مقامات مشہور ہیں۔ یا تو تجمعی مشترک میں لکھتے ہیں۔

طرسات مقامات کو لکھتے ہیں۔ یعنی طر کے نام کا اطلاق ان پہاڑوں چٹانوں اور شہروں پر ہوتا ہے۔ اور وہ شہر اون تمام چوٹے چوٹیوں پر ہی جاری ہیں جو مغربی مصر میں واقع ہیں

الطوس سابعۃ صواعق و الطور ایضا علم الجبل بعینہ عند کورۃ قشتل علی عدۃ قری بارض مصر من جهة القبلیۃ بنہما

(۱) وہ وادی یا راستہ جو بحرِ قزح کے کنارے کنارے جاتا ہے
(۲) جو مغرب سے عین شمس کو جاتا ہے (۳) جو بلین مغیرہ کو جاتا
ہے (۴) جو بیابانِ فاران کو جاتا ہے (۵) جو فاران کے اوس
سنگلاخ مقامات سے قریب ہے جس کے مغرب میں نریخ اور
مشرق میں دیور واقع ہے (۶) و (۷) اون دو پہاڑوں کے
نام ہیں جو بل الطور کے سلسلہ میں ایک کی طرف واقع ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہاں مقامات طور کے تھنا نام سے مشہور ہونا ثابت ہو گیا۔ مگر اصلی طور وہی طور ہے جہاں سے اوزار قدرت کا طور ہوا۔ اور وہی ایک آبجنگ مشہور ہے۔ اور اسکے آگے دوسرے مقامات کی شہرت کوئی عظمت اور وقعت نہیں رکھتی۔ بالکل ایسی ہی فالان کی بھی حقیقت سمجھ لینی چاہیے۔

اب ہم یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال و اسناد سے۔ یہاں فاران کا صحرا اسے مکہ اور علاقہ حجاز پہنچا
ثابت کرتے ہیں۔ اسلام کی مخالفت ہو۔ یا نبی اسحاق کے مقابلہ میں بنی اسماعیل کی اُطہارت و ذلت کی ضرورت
ہو۔ انہیں دو مفسدانہ اور خود غرضانہ ضروریوں کی وجہ سے۔ یہودیوں سے زیادہ عیسائیوں نے فاران
کے اصلی موقع اور موضوع کی تحقیق و تحقیق میں جو عالم قریب اور گمراہ کن اقوال کیجئے ہیں اور ان کے شہرت و
تصدیق میں جو دہمی اور قیاسی دلائل پیش کئے ہیں۔ وہ عملاً تین جہد اگانہ صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔
اول صورت یہ ہے کہ عیسائی مؤرخین و محققین صحرا اسے فاران اور اس قطبہ زمین کو ٹھہراتے ہیں۔ جو سیرج کی شمال
حد سے ایک کھروار سینٹا نکس چلا گیا ہے۔ ان کے حدود و دیوں قائم کرتے ہیں شمال میں کشغان۔ جنوب میں کوہ سینٹا
مغرب میں مصر۔ اور مشرق میں کوہ سیرج

اس کے متعلق جدید تحقیق اور مزید اطلاع یہ ہے کہ اس قطعو زمین میں پھر اس کے استور و شیشہ پر سب سے
 باوہ ایتام، بیابان سین، ارضی زمین اور رگستان عیدام رگیا سارے جہان کو ہی داخل کرتے ہیں۔ ان تمام
 طوار سے مطلب صرف اتنا ہے کہ کسی طرح فاران جزیرہ نما سے عربیہ کے اوس حصہ کی طرف نہ جائے
 جائے جو حجاز، یمن، اور کہہ کے ناموں سے مشہور ہے۔ جہاں سے شیوع اسلام اور طور بانی اسلام علیہ السلام

کی بشارتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قادیان جہاں حضرت ابراہیم نے ایک کنواں موسوم بہ بئر سبع کو دیکھا وہ اور فاران ایک ہی مقام ہے۔

تیسری صورت یہ نکالی گئی ہے اور فاران اس مقام کا نام رکھا گیا ہے۔ جو کہ سینا کے مغربی ڈھلوان کی طرف واقع ہے۔ یہی تین صورتیں جنکی آیت میں فاران کی تکمیلی حقیقت کو یہودیوں سے زیادہ عیسائیوں نے چھپانا چاہا ہے۔ اول صورت کے مٹانے کی نسبت جس میں موضع فاران کا غلط نقشہ یوں دکھایا گیا ہے کہ اس میں دشت آشور اور سینا وغیرہ کو داخل کر دیا گیا ہے۔ توراۃ ہی کی چند آیتیں فل میں لکھی جاتی ہیں۔ جن سے ان غلط بیانیوں کی ساری قلعی اوڑھ جاتی ہے۔ توراۃ سفر الاعداد باب ۱ آیت ۱۲ میں مرقوم ہے۔

(۱) بنی اسرائیل نے بیابان سینا سے کوچ کیا اور بیابان فاران میں قیام کیا۔ اس عبارت توراۃ سے تو بیابان سینا اور بیابان فاران دو جدا جدا بیابان ثابت ہوتے ہیں۔ پہر بیابان سینا میں بیابان فاران کا داخل کرنا یا بیابان فاران میں بیابان سینا کا شامل ہونا کیسے تسلیم کیا جائیگا۔ یا بیابان سینا اور فاران کیسے ایک ہی جگہ سمجھا جائیگا۔

توریت کی دوسری آیت سفر نمون باب ۱۲ آیت ۵ و ۶ میں مرقوم ہے۔

(۲) کہ راعمر مرگیا اور وہ بادشاہ جو اس کے ساتھ آئے تھے۔ (اونکو) اور رفائیوں کو۔ عتارات قریم میں۔ اور زوزیوں کو نام میں اور انھیں کو سوئی قریم میں اور حوریوں کو اور ان کے کو خیم میں۔ ایل فاران تک جو بیابان کے کنارے پر ہے مارا۔ اور وہ پہر کہ (واپس آکر) عین مصافات یعنی قادیان میں آئے۔

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک بیابان فاران کو ایک علیحدہ مقام نہ تسلیم کیا جاسکے گا۔ اس آیت کے معنی بالکل مہمل رہ جائیں گے۔ اسی عبارت سے یہ ہی صاف ہو گیا کہ قادیان اور فاران ایک مقام نہیں ہو سکتے کیونکہ اس آیت کا یہ فقرہ کہ دشمنوں کو ایل فاران تک مارا۔ اور واپس ہو کر قادیان میں آئے صاف ثابت کر رہا ہے۔ فاران جدا مقام ہے اور قادیان علیحدہ۔ پہر اسکے ایک مقام ہونیکا دعویٰ بالکل لغو اور مہمل ہے۔ اسی عبارت توراۃ سے عیسائیوں کی دوسری صورت بھی بگڑ گئی۔

توراۃ کی تیسری آیت سفر اعداد باب ۱۳ آیت ۱۔ ۲ میں مرقوم ہے۔

(۳) پہر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے کہا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں۔ جاؤ موسیٰ کریں۔ ایک ایک مرد اس کے اپنی فرقہ میں سے جو اس میں سردار ہے۔ بیچید سے

چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے مطابق دشت فاران سے اونکو بھیجا۔

اس آیت سے بھی وہی مطلب نکلتا ہے اور تا وقتیکہ دشت فاران ایک مقام جداگانہ نہ تسلیم کر لیا جائے۔
اس آیت کے کوئی معنی نہیں نکلتے۔

توراة کی چوتھی آیت۔ سفر اعداد باب ۳ آیت ۲۶ میں درج ہے۔

(۴) اور پہرے موسیٰ اور ہرون اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے پاس دشت فاران سے قانس میں آئے

اور اونہیں اور ساری جماعت کو آکے خبر دی اور اس سرزمین کا میوہ اونہیں دکھایا۔

اس آیت سے بھی فاران اور قانس دو علیحدہ مقامات ثابت ہوئے۔

توراة کی پانچویں آیت۔ سفر استثنا باب ۳ آیت ۲ میں مرقوم ہے۔

(۵) اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس لئے کہا کہ خداوند

سینا سے آیا۔ اور سعیر سے اونپر طلوع ہوا۔ اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ ہزار ہزار درختوں کے ساتھ

وہ وارد ہوا۔ اور اسکے دست راست پر ایک آتشیں شریعت تھی۔

اس سے بھی سینا، سعیر اور فاران تینوں علیحدہ علیحدہ مقامات ثابت ہوئے۔

توراة کی چھٹی آیت۔ کتاب حقیق بنی باب ۳ آیت ۲ میں ہے۔

(۶) خدا یتان سے اور وہ جو قدوس ہے۔ کہہ فاران سے آیا۔ اونکی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔ اونکی حمد سے

زمین مہمور ہو گئی۔

اس آیت سے بھی فاران ایک علیحدہ اور خاص مقام ثابت ہوا۔

توراة کی ساتویں آیت کتاب اول ملک باب ۱۱ آیت ۱۸ میں مذکور ہے۔

(۷) پہرہ میان سے نکل کے فاران میں آئے۔ اور فاران سے لوگ ساتھ لیکے شاہ مصر فرعون کے پاس گئے۔

اس سے بھی فاران ایک علیحدہ مقام ثابت ہوا۔ اور خاص کر وہ مقام جہاں سے مصر جانیکا راستہ نکلتا ہے

اور یہ سوائے مجاز کے اور کس کس قطعہ زمین کو خصوصیت حاصل نہیں ہے جو مصر کے عین مجاز میں واقع ہے۔

توراة کی مرقومہ بالا آیتیں صاف صاف بتا رہی ہیں کہ بیابان فاران ایک علیحدہ قطعہ زمین کا نام ہے

جسکا شمول کسی دوسرے قطعہ زمین سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر اس میں نفسانیت و خود غرضی کے علاوہ۔

اصلیت اور حقیقت کا ذرا ہی اثر ہوتا تو۔ توراة کے مقدس ابواب و آیات میں فاران کی تفریق و تخصیص کی جگہ

اسکی تعظیم کا ضرور ذکر ہوتا۔ نہیں معلوم کہ یہودی اور عیسائی اپنے ان تاویلات کی بنا میں کون سی سند پیش

کرتے ہیں اور اپنی کس کتاب کا اسکا اصلی ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اسلئے یہ امر قطعی طور پر ثابت کر دیا گیا کہ صحرا

فاران کی تفریق و تخصیص دوسرے مقامات کے ساتھ صرف اس غرض و مدعا سے خلط ملط کر دی گئی ہے کہ اصلی موقع اور رسالت محمدیہ کا تحقیقی مطالعہ۔ اشتغال و اشتراک کی ناپاک خاک سے غبار آلود ہو جائے اور بشارت ربانی کے انوار ہدایت دنیا کی ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہو جائیں۔

عیسائیوں کے اعتراض کے پہلی صورت تو یوں ظاہر ہوئی کہ ان کے اس قیاسی اور وہمی تحقیق کی تکذیب ان کے حمد عتیق کے مستندہ بالا متواتر عبارتوں سے پورے طور سے کر دی۔ اب دوسری صورت کے متعلق عرض کیا جاتا ہے کہ قادیان اور فاران ایک ہی مقام ہے۔ اسکی تردید اگرچہ مرقومہ بالا ایک آیت سے کر دی گئی ہے مگر بار دیگر مزید اطمینان کے خیال سے پہر قیادہ کی دوسری آیت سے مندرج کی جاتی ہے۔ سفر تکوین باب ۱۴ آیت ۶ میں مرقوم ہے۔

حوران کو بھی نکست دی جو کہ سعیر میں ایل فاران تک پہنچے ہوئے تھے۔ اور وہاں سے لاکر چشمہ شیطا پر جو قادیان سے آئے۔

اس عبارت نے ثابت کر دیا کہ فاران اور قادیان ایک مقام نہیں ہو سکتے۔ بلکہ صحیح طور پر شیطا اور قادیان ایک مقام ہیں۔

یہ صورت بھی بگڑ گئی۔ اب تیسری صورت کا نقشہ یہ ہے اور اس میں یہ رنگ بھر گیا ہے کہ فاران کو سینا کے اوس نشیب کا نام ہے جو اوس کے مغرب کی طرف واقع ہے۔ اس رنگ آمیزی میں ربوہ و مدینہ طیارہ Rev. Mr. Forester بہت دوسرے ہوئے ہیں۔

خود غرضی ایک سخت بلا ہے۔ اور تعصب قہر خدا۔ ایسا فاضل محقق اور کمالی مؤرخ صرف مذہبی تائید و تقبیل کی خود غرضی سے ایسی ہیجا اور نازیبا تاویلیں کرے۔ سخت تعجب اور حیرت کا مقام ہے۔ اس کے مان لینے میں کوئی کلام نہیں کہ وہ سینا کے مغربی نشیب میں ایک مقام ہے جو فاران کے نام سے مشہور ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ آیا یہ فاران وہی بیابان ہے جہاں تورات مقدس کی بشارت کے مطابق حضرت اسمعیل اپنی ران کے ساتھ نشیم ہوئے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ وہ مقام نہیں ہے۔ تب تو تسلیم کر لیا ہو گا کہ یہ فاران وہ فاران نہیں ہے جو تورات کے مطابق حضرت اسمعیل کا دارالقامت تھا۔

مفسر فارسی خواہ مخواہ کا اعتراف ہے کہ یہی مقام فاران حضرت اسمعیل کی فرودگاہ ہے۔ اسے اس وقت کے پتہ میں وہ تورات کی یہ آیت پیش کر رہے ہیں جو سفر تکوین باب ۲۵ آیت ۱۸ میں مندرج ہے۔

وہ لوگ در بدر اور اسمعیل (اسے ابراہیم) کو لیا۔ سے شوز کہ کہ مہر کے آئینہ سامنے ہے۔ شیم ہوئے اور

اوسکا بھگن اپنے ہاتھوں کے ساکن کے پاس واقع ہوا۔

یہ پورے صاحب اسکے یہ معنی لگاتے ہیں کہ خدا کے وعدہ کی اسی آیت بشارت میں ایسا ہو گئی۔ جبکہ
اسما عیسیٰ کی آبادی شور سے جو یلاہ تک امتداد ہے عرب میں۔ یعنی سرحد مصر سے لیکر دہانہ فرات تک
پھیل گئی۔ فارسی صاحب کی ساری کوشش تو یہ ہے کہ بنو اسماعیل چاہتے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے
ثابت ہو جائیں۔ کوئی اعتراض نہیں۔ مگر علاقہ حجاز اور حوالیہ میں۔ جو اصل فاران ہے۔ وہاں تک
پہنچنے پائیں۔ اور کسی طرح یہ امر ثابت ہوئے پائیں کہ بنو اسماعیل کا اصلی موطن و مسکن بیان فاران
واقع حجاز تھا۔ کیونکہ اس امر کے ثابت ہوتے ہی۔ جناب ختمی مرتبت علیہ وآلہ الثناء و التحیۃ کے ظہور رسالت
کی مندرجہ بالا بشارت ثابت ہو جائے گی۔

مگر افسوس فارسی صاحب کی یہ کوشش ہی بیکار گئی۔ فارسی صاحب سب کچھ کر لیں گے۔ مگر عرب
کے جغرافیہ کو اور اسکے نقشہ کو کیسے ٹا دیں گے۔ صاحب موصوف نے جو یلاہ کو دہانہ فرات پر قرار دیا ہے۔
یہ صریح غلطی ہے۔ جو یلاہ جو اس شہر کا خاص بانی ہے۔ اور جب کا ذکر توراۃ۔ سفر تکوین باب ۱۱ آیت
۲۹ میں مذکور ہے۔ نواح مین میں واقع ہے۔ اور اوسکا موقع نقشہ عرب میں شمالی عرض بلد ۷۱۔ درجہ اور
۳۴ دقیقہ ہے۔ شرقی طول بلد ۴۲ درجہ ۴۴ دقیقہ ہے۔ اسکی تصدیق عرب کے اوس نقشہ سے ہوتی ہے
جو عرب کے جغرافیہ کے مطابق بنایا گیا ہے اور اگر صاحب (Walker) کے نقشہ نگار سے چھوٹا
کر کے بنایا گیا ہے۔

اسکو ہی جانے دیجئے۔ فارسی صاحب نے جو دوسری غلطی کی ہے۔ غلطی کیوں کی بلکہ مغالطہ دہی کی
ہے (وہ یہ ہے کہ شہر کو عرب الججر کے مشرب میں قرار دیا ہے۔ ایکہ نقشہ دوشنبہ۔ اصل عبری توراۃ میں
صرف دو نام آئے ہیں۔ شہر اور اشور (بزیادۃ الف) ان دونوں ناموں میں۔ شہر سے شام اور اشور سے
اسیریا۔ بالفاظ تمہور مراد ہے۔

اب اس تصریح موقع مندرجہ توراۃ سے صاف طور پر واضح ہو گیا کہ بنی اسماعیل نے اوسی وسیع
قلم زمین پر سکونت اختیار کی جو شمالی حدود میں ہے۔ لیکر جنوبی سرحد شام تک منتهی ہوتا ہے۔ یہی جگہ اب
حجاز کے نام سے مشہور و معروف ہے اور یہی مقام فاران بشیرہ سے پوری اور صحیح مطابقت رکھتا ہے۔
اور یہی خطہ زمین تھیکہ مصر کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص وہاں سے اسیریا کی طرف جاوے
تو وہ معلوم کرے گا کہ مصر کے ساتھ جو قلم زمین ہے۔ وہی علاقہ حجاز ہے اور اگر کہ عالم کے نقشہ میں مصر
سے اسیریا تک ایک تھرا کشیدہ دیا جائے تو وہ تھیکہ علاقہ حجاز کے ساتھ ملے پڑے گا۔

اب ہمارے اس بیان و ثبوت کو فارسی صاحب توراۃ کی مندرجہ بالا عبارت سے جھکودہ اپنے

استدلال کے ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ تیرے جانے کے بعد وہ اشور میں جو مصر کے مقابل میں ہے۔ ساکن ہوئے۔
 بلالیں تو اون کو قطعی طور پر ثابت ہو جائیگا کہ اس وقت سے لیکر اس وقت تک مصر کے محاذ میں سوائے حجاز
 کے اور کوئی زمین کا دوسرا ٹکڑا نہیں پایا جاتا ہے اور توراۃ میں بنو اسماعیل کا یہی اصلی مرکز و مسکن بتلایا
 گیا ہے اور عبارت توراۃ کے مطابق مصر کے برابر یعنی آسنے سامنے واقع ہے۔

فارٹر صاحب خواہ مخواہ اسکو اصل موقع سے اٹھا کر دہانہ فرات پر لئے جاتے ہیں اور ساری دنیا
 کو ایک کھلی اور صاف بات کے سمجھنے میں ایسے پیچ کے مغالطے دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے غلط استدلال
 کے ثبوت میں ایک دوسرا حوالہ بھی دیا ہے۔ مگر افسوس کہ وہ بھی ان کے مفید مطلب نہیں۔ وہ کتاب
 اول تاریخ ایام باب ۵۔ آیت کی عبارت پیش کرتے ہیں۔

یورپ کی طرف۔ اوس بیابان کے مدخل تک کہ کنارہ نهر فرات پر سے (بنو اسماعیل) ساکن ہوئے۔

کیونکہ زمین گلداد میں اون کے گلوں کی فراوانی ہوتی تھی۔ اور شاد کے زمانہ میں اون لوگوں نے

اگر لوگوں پر دعویٰ کیا کہ وہ لوگ ان کے قبضہ میں آگئے۔ اور اوس قرب و نواح کے چاروں طرف کی زمین

میں جو گلداد سے متعلق ہے۔ وہ آباد ہو گئے۔

فارٹر صاحب اسکی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ کہ گلداد جو نواح دریاے فرات اور خلیج فارس میں
 واقع ہے۔ حضرت اسماعیل کی ابتدائی سکونت سے مطابق ہوتی ہے۔ ایک عرصہ کے بعد یہیں سے
 حضرت اسماعیل کی اولاد تمام اقطاع عرب میں پھیل گئی۔ مگر حقیقتاً توراۃ کی ان آیتوں سے ہی فارٹر
 صاحب کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ کیونکہ اس عبارت سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بنو اسماعیل یا
 بنو ہجرہ نے خلیج فارس پر شکست کھائی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ
 شکست حضرت اسماعیل سے آٹھ سو برس بعد ہوئی۔ تو ان آیتوں سے وہ بات۔ جیسا کہ فارٹر صاحب نے
 دعویٰ کیا تھا۔ کہاں ثابت ہوئی کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں پہلے پہلے خود اسماعیل اور انکی ماں تشریف لاکر سکونت
 پذیر ہوئی تھیں۔ واقعہ تو آٹھ سو برس قبل کا ہے اور ثبوت دیا جاتا ہے آٹھ سو برس بعد کا۔ فارٹر صاحب
 کا یہ طریقہ استدلال عجوبہ روزگار ہے حضرت اسماعیل کے بعد البتہ ہم کو بھی اقرار ہے کہ بنو اسماعیل دریاے
 فرات اور خلیج فارس پر کیا۔ تمام عرب میں دور دور تک پھیل گئے تھے۔ چنانچہ اسلامی اور عربی محققین اس پر
 متفق اور اوسکے معترف ہیں۔ معارف ابن قتیبہ کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

ولما اکثر لد اسماعیل ضاقت علیہم مملکۃ

جب حضرت اسماعیل کی اولاد بہت کثرت سے ہو گئی۔ اور مملکت میں ان کے

رہنے کی جگہ گنتاؤں میں رہی۔ تو وہ مختلف شہروں میں جا کر بس گئے۔

فان تشرع فی البلاد کلہا مملکت بلداکلا

اللہ علی اہلہ و ہم نفوا العالمین۔

(معارفہ ابن قتیبہ)

اور جس شہر میں وہ گئے خداوند عالم نے اونکو وہاں کے باشندوں پر
غلبہ عنایت فرمایا۔ اور انہوں نے قوم عیال کو نکال دیا۔ (سعد بن قتیبہ)

علامہ ارزقی ہی تاریخ کہ میں ایسے ہی لکھتے ہیں۔

بنو اسمعیل۔ ساکنان مکہ۔ مکہ کی تنگی کی وجہ سے مجبور ہو کر مختلف
شہروں میں تلاش معاش بلکہ آباد ہو گئے۔

ابن بنی اسمعیل من ساکنی مکة ضاقت مکة فتفصلوا
البلد و لا تقسموا المعاش۔

عرب کے تمام مورخین و محققین برابر تسلیم کرتے آئے ہیں کہ بنو اسمعیل امتداد ایاہم کے بعد شہر مکہ میں
اپنی رہائش کی گنجائش نہ پا کر تمام اقطاع عرب میں اپنی سکونت اور کسب معیشت کی ضرورت سے نکل نکلیں
آباد ہو گئے۔ مگر فارس صاحب کے ایسا کوئی مشرقی یا مغربی مؤرخ و محقق نہیں لکھتا کہ یہ خاص حضرت
اسماعیل ہی تھے۔ اور اون کی ماں۔ جنہوں نے ابتدا ہی سے حجاز اور حوالی مکہ کے علاوہ کسی دوسرے قطعہ
زمین میں اپنی سکونت اختیار کی۔ مگر فارس صاحب کا ایسا لکھنا اور لکھ کر بتلانا اون کی اسی خود غرضی نفسانیت اور
تعصب پر مبنی ہے جسکو ہم مسئلہ زیر بحث کی ابتدا میں لکھ آئے ہیں۔

اتنا لکھ کر ہم کو اس بحث کے متعلق ابھی کچھ اور اضافہ کرنا منظور ہے اور وہ اضافہ یہ ہے کہ فارس
صاحب کے اس غلط دعویٰ کی تردید انھیں کے ہم طریق اور ہم مذہب مولفین و محققین کے تحریر و
اقوال سے کر دی جائے۔ اون شہادتوں کے علاوہ۔ جو بیان فاران کے حوالی مکہ اور علاقہ حجاز میں واقع
ہونے کے ثبوت میں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ہم کو اٹرلی ریویو ۱۸۶۹ء کا ایک آرٹیکل (An article
on Quarterly Review of 1869) جو حقیقت اسلام پر لکھا گیا ہے۔ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔
جس سے مسئلہ زیر بحث پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ واضح رہے کہ ایڈیٹر کو اٹرلی ریویو ایک زبردست عیسائی عالم
ہے اور زبان یہود کا کامل ماہر۔ وہ کو اٹرلی ریویو حقیقت اسلام کے صفحہ ۲۹۹ میں رقمطراز ہے۔

سائیفیر (CYPHUR) نے ان خاص آیتوں کی جن میں۔ سینا۔ سعیر اور فاران کی بشارت مذکور

ہے۔ اس طرح تشریح کی ہے۔ کہ خدا سینا سے نکلا۔ (یعنی عبرانی زبان میں شرع دی گئی جس سے

توریت مراد ہے۔) اور سعیر سے چمکا (یعنی یونانی زبان میں بھی شرع دی گئی جس سے انجیل مراد ہے)

اور فاران کے چارٹ سے ظاہر ہوا۔ (یعنی عربی میں بھی شرع دی گئی جس سے قرآن مجید مراد ہے)

اس عیسائی عالم کے قول سے ثابت ہو گیا کہ قرآن کی منزل اور فاران ایک جگہ ہے۔ ساری دنیا جانتی ہی
کہ قرآن مکہ میں نازل ہوا۔ پہلے فاران مکہ سے یا مکہ فاران سے کیسے جدا ہو سکتا ہے۔ چند سطروں کے بعد پیرا پیٹر
موصوف لکھتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سیدنا اور سعید اکثر سچے اسرائیل اور عیسیٰ مستعمل ہوتے ہیں اور فاران

توصاف صاف و سب کے لئے استعمال ہوا ہے۔

ان اسناد و اشہاد کو دیکھ کر ہر انصاف پسند عیسائی بھی کہہ دینگا کہ یہ یورپ و فارس و مصر صاحب ایسی صاف
صاف اور کھلی کھلی تطبیق و توشیح کو حق نامہ حق تعصب کی خاک نفسانیت کی گرد و آلودگی چھپانا چاہتے ہیں۔ اور
خواہ مخواہ فاران کو انچھ مان کر کہی مقرر کیا ہے اور کہی ارض بابل اور فلسطین تک پہنچاتے ہیں۔
اس سے صاف اور روشن تصدیق تو راہ سامری کے ترجمہ سے ملتی ہے۔ تو راہ سامری کا عربی ترجمہ۔
آرکیون صاحب نے ۱۸۵۱ء میں بمقام گلاونی نیا ورم چھپوایا ہے جس میں بذیل ذکر نبی اسماعیل یہ عبارت
مرقوم ہے۔

وہسکن (اسماعیل) بریۃ فامرات (البحران) | حضرت اسماعیل صحراے فاران (الحجاز) میں ساکن ہوئے اور
انھوں نے ایک مصری خاتون سے اونکی شادی کر دی۔

ہم اس بحث کے خاتمہ میں ناظرین کو یہ سچے فریاد اظہار کر کے کہہ دیتے ہیں کہ اس بحث
کے آغاز سے پہلے ہر شخص کو یہ چھپایا چاہیے کہ عربیہ حجاز کہہ گئے۔ یہ جتنے الفاظ و اسرار ہیں۔ اور وقت
تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ لفظ عربیہ دوویں صدی ق م میں پیدا ہوا۔ حجاز کا لفظ اس سے ہی
زیادہ بعد کا موضوع ہے۔ کہ کا نام دوسری صدی عیسوی میں لاطینیوں کے ہاں سب سے پہلے مسکار باکی
شکل میں نظر آتا ہے۔ اس کے تو راہ نے اس مقام کا نام اولاً صرف بدبار یعنی ”بادیہ“ بتایا ہے۔ اور
قرآن نے اسی کو غیری ذی زرع (بدبختی کی زمین) کہا۔ کیونکہ اس کے سوا اور سکا اور سوخت کوئی دوسرا نام نہ
تھا۔ اور بدبار کے بعد لفظ بادیہ۔ صحرا اور وادی غیر ذی زرع اس ملک کا نام پڑ گیا۔ لفظ عرب کے
میں ہی بادیہ اور صحرا کے ہیں۔ اس کے بدبار۔ بادیہ اور وادی غیر ذی زرع اور عرب۔ ہم معنی لفظ ہیں
اس کے تو راہ کا یہ کہنا کہ اسماعیل نے بادیہ میں سکونت کی۔ اس کے بالکل یہ معنی ہیں کہ اس نے عرب میں
سکونت اختیار کی۔

حضرت اسماعیل کے وطن کے لئے کہ اکثر احباب معاصر فرماتے ہیں کہ اس مضمون کو حضرت
اسماعیل کے خاص حالات میں لکھنا مناسب تھا۔ ایک
وقت مشرق پر اس کے چھپے تھے۔
جس کی ایفادات و تصنیفات ہمارے پیش نظر ہیں اور ان میں حضرت اسماعیل کی سجدت عمر کو بھی خود حضرت ابراہیم
کے حالات کی تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ ہم یہی سلسلہ بیان کی غلجہ کی کہ خوف سے انھیں

کے طریقہ کو اختیار کیا۔

تہیہ آئنا لکھ کر ہم اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کی تائید اور اسکے وعدے کی تائید کے مطابق حضرت ہاجرہ اور اسمعیلؑ کو مکہ میں چھوڑ کر واپس گئے۔ خدا نے سبب الاسباب سے انکی ریشہ و آسائش کے سامان فراہم کر دیے۔ اس واقعہ سے حضرت ابراہیمؑ کے توکل، رضا اور مطیع خدا ہونے کے کامل ثبوت ملتے ہیں۔ ورنہ اہل و عیال کی جدائی اور خصوصاً ایسے ویران اور بے آب و گیاہ ریگستان اور خوفناک کوہستان کی تنہائی۔ جہاں وہ خود ہی ان بزرگواروں کو پہنچا گئے تھے اور انکی مصیبت و غربت خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے جاتے تھے۔ مگر افس نہ کرتے تھے۔ کیوں؟ صرف اسلئے کہ خدا کا حکم تھا۔ اسکی رضا تھی۔ آپ کے یہ محسن اعمال معارف کے کمال کے معیار ثبوت ہیں۔ اور طبقہ انسان میں عام و خاص کا امتیاز قائم کرتے ہیں۔

جناب اسماعیلؑ کا اسوقت کیا سن تھا۔ مغربی و شرقی مورخین و محققین نے اس امر میں ہی اختلاف کیا ہے۔ مگر تحقیق اور تلاش نے اسکو ہی صاف کر دیا۔ اور حدود و ثبوت کا یہ پتہ چکا کر دیا۔ دیکھئے کہ حقیقتاً حضرت اسمعیلؑ کا سن مبارک اسوقت مشرہ برس کا ہو چکا تھا۔ کیونکہ تورات کی عبارتوں سے بظاہر ظہور ہوتا ہے۔ مگر ہر اسی تورات کی عبارتوں کے حقیقی معنیوں سے حضرت اسمعیلؑ جو ان ہفتہ سالہ ثابت ہوتے ہیں تفصیل حسب ذیل ہے۔

توراة کا بیان ہے کہ ہاجرہ اسمعیلؑ کو سارہ نے غلیلہ و کردیہ کا اسوقت تکم و یا تھا۔ جب اسحاقؑ کا دودھ چھٹ چکا تھا۔ (تکوین باب ۲۱ آیت ۱۰) اور ہر اسی تورت میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسماعیلؑ سے بارہ تیرہ برس بعد اسحاق پیدا ہوا۔ (تکوین پیدائش اسحاق) ہر اسی تورت میں لکھا ہے کہ اسماعیلؑ کا ختم تیرہ برس کے سن میں کیا گیا ہے۔ اسوقت تک اسماعیلؑ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ (تکوین باب ۲۵ آیت ۲) ان تمام مرقومات تورات کو جمع کر کے صحیح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ترک وطن کرنے کے وقت حضرت اسمعیلؑ کا سن پندرہ برس سے کم اور مشرہ برس سے زیادہ نہیں تھا۔ کیونکہ ایک تو یوں ہی حضرت اسمعیلؑ حضرت اسحاق سے تیرہ برس سیرنا میں ٹہرے ثابت ہوئے ہیں ہر یہ واقعہ اسحقؑ کے ایام رضا و عت کے ختم ہو جانے کے بعد بتلایا جاتا ہے۔ تو کم سے کم دو برس یا یہی کہ لے جاویں۔ تو اس حساب سے حضرت اسمعیلؑ جو ان پانزدہ سالہ پاسے جاتے ہیں۔ اس بنا پر تورات کی کم سنی اور شیرخوارگی کی طرح ایک تحقیق کے لئے قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔

یہودیوں اور عیسائیوں کو قدیم قدیم حضرت اسماعیلؑ کے حالات و واقعات میں دشواری پیدا کر کے

کی عادت پڑ گئی ہے۔ اون کی صغریٰ اور نہایت صغریٰ ثابت کرنے پر مٹے جاتے ہیں۔ بفرض محال اگر اون کی صغریٰ ثابت ہی ہو جائے تب بھی اون کی عظمت و تقدیس میں کوئی فرق نہ آئیگا۔ تیرہ برس کے نہیں۔ تیرہ مہینہ ہی کے ہوتے تو کیا۔ تاہم وہ بنی الشدر ہی تھے۔ اور ابن بنی الشدر۔ تیرہ مہینہ کا بچہ تو اچھا خاصا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے اعتقاد میں تو گھر میں بھر بھلے کا پیدا ہوا بچہ۔ جو خدا کی طرف سے رسول بنکر آیا تھا۔ اپنے گوارہ سے تمام قوم و قبیلہ کے عمائد و اکابر کے آگے معرفت الہی اور قدرت لائتا ہی کے دریا بہا رہا تھا۔

(اسپرچ) بول اڑھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُسے جھکو کتاب (انجیل) عنایت کی۔ اور جھکو پیغمبر بنایا۔ اور کہیں ہی رہوں جھکو بابرکت کیا اور جھکو حکم دیا کہ میں جہتک زندہ ہوں نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دوں۔ اور نیز مجھ کو میری ماں کا خدمت گزار بنایا اور جھکو سخت گیر اور بد راہ نہیں بنایا۔

قَالَ رَبِّي عَبْدُ اللَّهِ ابْنِي الْكِتَابَ وَاجْعَلْنِي نَبِيًّا
وَاجْعَلْنِي مُبَارَكًا مَّا كُنْتُ وَأَوْصِنِي الصَّلَاةَ
وَالزَّكَاةَ مَا دُمْتُ حَيًّا وَبَرَّ أَبَا الدُّنْيَا وَلَمْ
يَجْعَلْنِي حَبْرًا وَلَا شَقِيًّا

پہر مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی نص صریح کی موجودگی پر کسی بنی الشدر کی صغریٰ کو اس کی ہم قدری اور ناقابلیتی کی دلیل بتلانا محض سبکار اور غیر مفید ہے۔ مخالفین پہلے اسلام کے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں دیکھ لیں اور سمجھ لیں اور ثابت کر لیں تب اسلامی کتابوں میں اس کی فکر و تلاش کریں۔
توراة کے اس آیت فقہ سے کہ ”بچہ کو اسے (ماں کو) دیکر“ یہ اتنا طو بار اٹھایا گیا ہے جس سے بظاہر سمجھا گیا ہے کہ اگر اسماعیلؑ اس وقت بچہ نہیں تھے۔ تو ہاجرہ کی گود میں کیوں دئے گئے۔ سترہ برس کے بچہ کو ماں کی گود میں دئے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم واقعات سے تو پیچھے بحث کریں گے۔ ابھی ہم ظاہری اور قیاسی پیرایہ سے اون کی تردید و تنقید استدلال کرتے ہیں۔

پہلے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ سترہ برس یا اس سے کم و بیش سن و سال کے بچہ کا ماں کی گود میں دیا جانا تو خلاف قیاس بتلایا جاتا ہے۔ مگر آگے چلکر۔ اسی سلسلہ کی تسری پشت میں۔ پندرہ برس کا بچہ حضرت یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق جب دنیاں چرانے کیلئے جنگل میں بھیجے جاتے ہیں تو اون کی محافظت کے لئے۔ اون کی کم سنائی کے خیال سے گیارہ بھائیوں کی پوری جمعیت ساتھ کر دی جاتی ہے۔ اور پندرہ برس کے بعد جب تیس برس کا ہوتا ہے۔ تو دشوار سے دشوار اور اہم سے اہم رویا کی صحیح اور سچی تعبیریں بتلاتا ہے۔ اور خدا کی طرف سے یا ایہذا یٰصِدِّیق کا خطاب پاتا ہے۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عزیرؑ مصر میں جاتا ہے۔ یہ سبحان ما اعظم شانہ

حضرت اسمعیل کی کمسنی تو توراۃ کے اس فقرے سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اس کتاب مقدسہ کے مندرجات پر ذرا بھی توجہ نہ فرمائی گئی۔ ریویزنڈ فارسٹر کے ایسا مخالف اسلام محقق ہی اس مسئلہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہم کلام اور ہم زبان ہے وہ اس مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں۔

کہ حضرت اسمعیل کی ٹھیک ٹھیک عمر یوں آسانی معلوم ہو سکتی ہے کہ تیرہ برس کے سن میں انکا ختم ہوا تھا۔ اسحاق اوسوقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اوسکے اگلے سال پیدا ہوئے ہیں اور ہاجرہ اور اونکے بیٹے کے بیابان بھیجے جانے سے پیشتر۔ اسحاق کا دودھ چھوٹ چکا تھا۔ فارسٹر

جغرافیہ عرب ص ۱۷۶

اس حساب سے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں حضرت اسمعیل کچھ کم سترہ برس کی عمر کے ثابت ہو گئے۔

فارسٹر صاحب کے علاوہ توراۃ و انجیل کے بہت بڑے مشہور و معروف عالم جے۔ پی۔ کوک J. Peacock اور ریویزنڈ ملر Rex Muller صاف صاف لکھتے ہیں۔

حضرت اسمعیل کی عمر اوسوقت سترہ برس کی تھی۔ اسلئے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہاجرہ نے اونھیں کانڈھر پر لیا ہو۔

ان دونوں یورپین محققین کا شمار سے توراۃ کی عبارت ہی ساقط از اعتبار ثابت ہوتی ہے۔ جو یہ بتلاتی ہے کہ ہاجرہ نے انکو اپنے کانڈھے پر لیا۔ اور جیسے یہودیوں اور عیسائیوں نے یہ ہوائی قلعہ باندھے ہیں۔ انہیں دونوں سابق الذکر محققین کے ایسا ایک دوسرا یورپین محقق و محقق۔ اس عبارت کو داخل توراۃ ہی نہ سمجھ کر اپنے اسے کالیوں اظہار کرتا ہے۔

کہ اس جملہ کو (کنڈھے پر رکھ دیا) خطوط ہلالی کے اندر رکھ دینا چاہیے۔ جیسا کہ شپ کڈر اور

ایٹک ہاوس (BISHOP KIDDER. STEAKHOUSE) اور بابل نے کہا ہے جس

سے اشارہ ہوتا ہے کہ یہ الفاظ تورات میں نہیں ہیں۔ (تو یہ آیت مشتبہ نہوتی خطبات احمدیہ)

کیا اب ہی یہودیوں اور عیسائیوں کو اس فقرہ توراۃ کے تلبیس و تلبیس کا یقین نہ آئیگا۔ کیا ایٹک ہاوس اس جملہ کو موضوعات انسانی کی جگہ ملفوظات ربانی سمجھیں گے۔ ایک اور منصف مزاج محقق۔ یورپ کے قابل محقق۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں۔

حضرت اسمعیل کو اوسوقت بچہ کہلاتے تھے۔ مگر سولہ یا سترہ برس سے کم کے ہونگے اور اسلئے وہ اپنی

ماں کی مدد کے قابل ہونگے۔ جس طرح کہ اونہوں نے بعد کو کی (خطبات)

مندرجہ بالا مشہور و ثبوت لکھ کر ہم نے کافی طور پر عیسائیوں کے غلط معنی لگانے اور غلط واقعہ دکھانے

کی کامل تردید و تکذیب اور انہیں کے مختار و اقرار سے تحریر کر دی اور ثابت کر دیا کہ باپ کے مکہ میں پہنچانے کے وقت حضرت اسمعیل کا سن سترہ برس کا ہو چکا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم کو ہاجرہ کی طرف سے ایک گونہ یہ اطمینان تو ضرور ہو گیا تھا کہ ضرورت اور تکلیف کے وقت ماں کے ساتھ جو ان اور سن تیسرے کو پہنچا ہوا لڑکا۔ اوس کی غایت اور اعانت کو موجود ہے۔ میری اس رائے کی تائید یوروپین محقق کی اوس مختار سے کامل طور پر ہو جاتی ہے۔ جسکو ہم نے ابھی ابھی اوپر نقل کیا ہے اور جو اس امر کا مقرر ہو اور معترف کہ گو حضرت اسمعیل بچہ کہلاتے ہوں۔ مگر وہ سولہ یا سترہ برس کے ہونگے۔ اسلئے اپنی ماں کی مدد کرنے کے قابل ہوں گے۔

اسی کے ضمن میں ہم اعتراضات کو واقع۔ یہ بیان کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلامی مورخین و محدثین نے بھی حضرت اسمعیل کی طفولیت کا اظہار کیا ہے۔ اور صحیح بخاری تک میں انکی کمسنی کی حدیثیں مختلف طریقوں سے آئی ہیں۔ ان اسلامی تاریخوں میں طفولیت کا اظہار پاکر عیسائیوں کو اپنے دعوے میں تازہ قوت مل گئی ہے۔ مگر ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسلامی مولفین و مصنفین نے خصوصاً اخبار قدیمہ اور حالات قبل از اسلام کے بیان و نقل میں زیادہ تر یہود و نصاریٰ کے مرویات و منقولات سے کام لیا ہے۔ اس لئے اسلامی مورخین کے بیانات کے ماخذ اصلی یہودی و نصاریٰ کے تالیفات ثابت ہونگے۔ اور صورت واقعہ پر اسے صبا میں ہم آوردہ نست کا مضمون صادق آئیگا۔

اب رہی یہ بات کہ صحیح بخاری میں ایسا ہی مذکور ہے۔ تو یہ کوئی استدلال کا طریقہ نہیں ہے۔ اول تو یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اور امام بخاری صاحب کا جو تاریخ میں پایہ ہے وہ اس قابل نہیں ہے جو انکو مورخین کے سب سے آخر والی صف میں ہی کھڑے ہونیکے قابل بنائے۔ اسلئے تمام مورخین و محققین کے آگے بخاری صاحب کا لکھنا کوئی اعتبار نہیں رکھنا۔ سرسید مرحوم نے خطبات احمدیہ میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے۔ صحیح بخاری کی ان تمام حدیثوں کو انکے مختلف طریقوں کے ساتھ جمع کیا ہے اور جمع کرنے کے بعد انپر جو تنقید انہ رائے قائم کی ہے وہ بلفظہ ذیل میں نقل ہے۔

مذکورہ بالا روایتوں سے ظاہر ہے کہ وہ مستند نہیں ہیں یعنی حضرت ابن عباس نے اسکو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا۔ نہیں معلوم کہ ابن عباس نے کس سے سنا اور کس بنیاد پر انہوں نے اسکو بیان کیا۔ بخاری کا ادب اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ ابن عباس نے اسکو سعید ابن جبیر سے

۱۰ نہایت حیرت ہے اور سخت تعجب کہ صحت صحیح بخاری کا کیسا غلط خیال تمام مسلمانوں میں عالمگیر ہو رہا ہے۔ اور مرحوم سید صاحب

منار اور سعید ابن جبیر نے اور لوگوں سے جن سے بخاری تک یہ روایت پہنچی۔ مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ابن عباس نے اس روایت کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا۔ (خطبات

احمدیہ ۹۹-۱۰۳) مطبوعہ لاہور

ہم نے اس بحث میں سرسید ہی کی تحقیق پر بس نہیں کی ہے۔ بلکہ عربی کے قدیم ماخذوں میں بھی اسکی تلاش کی ہے تو ہم کو ثابت ہوا ہے کہ عربی مورخین نے صخر سنی وال روایتوں کو لکھ کر اون روایتوں کو بھی لکھ دیا ہے جس سے حضرت اسماعیل کا سن بلوغیت کے قریب پہنچا ہوا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۴ مطبوعہ جرمن ہے۔ ہم اس مقصد میں دو روایتیں حسب ذیل لکھتے ہیں۔ جسے ہمارے بیان کا پورا ثبوت ہو جائیگا۔

اسماعیل بن عبد اللہ بن ابی اوس المدنی نے اپنے باپ سے اوس نے ابی الحار وود المربع ابن فریع سے اوس نے عقبہ بن بشر سے روایت کی ہے کہ بشر نے کہا کہ میں نے محمد ابن علی (امام محمد باقر) سے پہنچا کہ سب سے پہلے کس شخص نے زبان عربی میں کلام کیا۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ اسماعیل ابن ابراہیم اور وہ تیرہ برس کے تھے

اخبرنا اسماعیل بن عبد اللہ ابن ابی اوس المدنی حدیثی ابی عن ابی الحار وود المربع بن فریع عن عقبہ ابن بشر انہ سأل محمد ابن علی من اول تکلم بالنبیۃ قال اسماعیل ابن ابراہیم وهو ثلاث عشرة

اس روایت سے ترک وطن اور غرم کر کے وقت حضرت اسماعیل کا سن تیرہ برس کا ثابت ہوتا ہے۔ طبقات ابن سعد کی دوسری روایت

موسیٰ ابن داؤد عبد اللہ ابن الطحیہ سے اور وہی ابن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہی کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ میری تحقیق یہ ہے کہ حضرت اسماعیل نبی علیہ السلام کا ختنہ تیرہ برس کے سن میں کیا گیا تھا۔

اخبرنا موسیٰ بن داؤد اخبرنا عبد اللہ ابن الطحیہ عن ابی عبد اللہ قال بلغنی ان اسماعیل النبی صلعم اخستن وهو ابن ثلاث عشرة سنه۔

یہ روایت بالکل توریت والی روایت کے مطابق ہے۔ جب ختنہ کے وقت انکی عمر تیرہ برس کی باتفاق

بقیہ عبارت حاشیہ زیر پر صفحہ گذشتہ۔ یہی باوجود اس کے کہ اس کی ۳۴ حدیثوں کو صحت کے درجہ سے اونا کر مرسل کے زینہ تک لارہے ہیں اور اسکے صحیح و مرفوع ہونے کی جگہ اون کے مراسیل ہونے پر اعتماد رکھتے ہیں لیکن پھر بھی ایسی مشتبہ اور شکوک الصحت کتاب اور اسکے مصنف کو ادب کے قابل سمجھتے ہیں۔

المولف سید اولاد حیدر عفی عنہ

جمہور ثابت اور اسحاق کے ولادت سے ایک سال کا واقعہ ہے۔ اور ہجرت وطن۔ ولادت اسحاق سے دو یا تین برس بعد واقع ہوئی تو پہر آب و رو مکہ کے وقت شہرہ بنش کے سن کی تسلیم میں کس کو کلام ہو سکتا ہے طفولیت۔ کمسنی اور شیر خوارگی کا عالم یہاں کیسا لغو اور کتنا محل ثابت ہوتا ہے۔

فاضل معاصر صاحب ارض القرآن حضرت اسماعیل کی شیر خوارگی کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہوئے۔

بخاری کی کتاب الرؤیا اور کتاب الانبیاء میں جو حدیث اسماعیل کی شیر خوارگی کے متعلق ہے وہ مرفوع نہیں

ہے۔ یعنی اسکا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچتا بجز چند خاص معنی فقروں کے

اسلئے وہ حضرت ابن عباس کے اسرائیلات میں سے ہے۔ ارض القرآن ج ۲ ص ۲۹

مکہ میں قریب زفرم آباد ہونا اور قبیلہ جرہم کو بھی سکونت کی اجازت۔ اس بحث کو تمام کر کے ہم اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب ابراہیم حضرت ہاجرہ اور جناب اسماعیل کو راضی برضائے الہی چھوڑ کر مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور کرمہ قدرت نے ان دونوں نفوس مقدسہ کے آرام و آسائش کے سامان ہی اپنی خاص رحمت سے مہیا فرمادئے جیسا کہ سابق سلسلہ بیان سے ثابت ہو چکا۔ صاحب ارض القرآن بخاری۔ کتاب الانبیاء اسکے آگے لکھتے ہیں۔

انفاقا جرہم کے کچھ آدمیوں کا ادھر گذر ہوا۔ پرندوں کو منڈلاتے دیکھ کر بولے کہ پانی یہاں ہے۔ ایک آدمی کو تحقیق کے لئے بھیجا۔ تو بانی پایا۔ آکر خبر کی۔ وہ لوگ بھی آئے۔ اور ام اسمعیل سے یہاں رہنے کی اجازت چاہی۔ ام اسمعیل نے کہا رہو لیکن پانی میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ام اسماعیل کو یہ بات پسند آئی۔ اسلئے کہ وہ آبادی اور معیت چاہتی تھیں۔ وہ لوگ بھی رہنے لگے۔ (لکا جب جو ان ہوا۔ اور اون سے عربی سکھی۔ جب جو ان ہوا۔ تو اون لوگوں (جرہم) کو بہت پسند آیا۔ بالغ ہوئے پر اپنی ایک لڑکی اس سے بیاہ دی۔

ہم بخاری کی محل اور مختصر بیان واقعہ کو مواہب لدنیہ اور ابن اثیر کے مفصل روایات سے حسب ذیل قلمبند کرتے ہیں۔

بنی جرہم کا قبیلہ۔ جو عرب العاربہ کے سلسلہ میں بہت مشہور و معروف ہے۔ اس طرف آگیا۔ ان لوگوں کے لئے پانی سے بڑھ کر نہ کوئی دولت عزیز تھی اور نہ دنیا کی کوئی نعمت۔ ان لوگوں نے چشمہ زفرم کے صاف اور ستھرے پانی کو خصوصاً ایک حوض کی صورت میں جمع کیا ہوا دیکھا تو اپنی عجز و سرت میں فوراً اسکی طرف دوڑ پڑے۔ یہاں آکر اون کی نظر ایک حوض مقدسہ (حضرت ہاجرہ) پر پڑی۔ وہ اس حوض کے پاس ایک چوڑے

سے خیمہ کے درپڑ بھی ہوئی تھیں وہ خیمہ بالکل اوس حوض پر آب سے متصل کھڑا ہوا تھا حقیقت یہ ہے کہ اوس چشمہ کو چاروں طرف سے حضرت ہاجرہ نے گھیر دیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ایں کے متعلق صحیح بخاری میں عبد اللہ ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اگر اُمّ اسمعیل اوسکو چاروں طرف سے گھیر دیتی تو وہ چشمہ ہمیشہ کھلا ہوا ہوتا رہتا حضرت ہاجرہ اوسوقت دیر خیمہ پر بیٹھی ہوئی حضرت اسمعیل کا انتظار کر رہی تھیں اور وہ ٹسکار کے لئے باہر گئے ہوئے تھے بنی جرہم تھے تو جاہل۔ اور جرہم پر کیا منحصر ہے عموماً تمام عرب کا عرب اوسوقت تک جاہل تھا۔ مگر پانی کیلئے اوسکی ندرت۔ کمیابی اور قدر و عزت کی وجہ سے۔ اون میں زمانہ دراز سے یہ مذہبانہ دستور چلا آتا تھا کہ بغیر اوسکے مالک یا متصرف بالا اختیار کے پونچھ یا اجازت حاصل کئے وہ کسی غیر کے پانی کو صرف نہیں کر سکتے تھے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ پانی پر بے اذن و اجازت کے متصرف ہو جانے سے اکثر قوم قبیلوں میں ایسی ایسی خوزیریاں واقع ہو چکی تھیں جن سے قوم کی قوم قبیلے کے قبیلے تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اسی احتیاط اور حفظ و اتمام کی بنا پر آج تک عرب میں کسی چشمہ حوض تالاب یا کنوئیں کو جو کسی شخص کی ملکیت خاص ہو۔ کوئی غیر شخص۔ قوم یا قبیلہ۔ بغیر اوس کی اذن و اجازت کے استعمال نہیں کر سکتا۔ اسی لئے بنی جرہم نے حضرت ہاجرہ سے اوس حوض کے پانی لینے کی اجازت انکی خلیل الرحمن کی کی مہمان نوازی بی بی نے بغیر کسی اعتراض و غماض کے اہلاً و سہلاً کہہ کر پہلے اونکو بلایا اور پھر ھدیّا نکھم فرما کر اونکو اس چشمہ قدرت و رحمت کا پانی پلایا۔

ریگستان عرب کے پیاسوں کو جہاں پانی مل گیا۔ وہیں گئے ہو رہے۔ یہ لوگ پانی پیکر اپنے مقام سکون کو لوٹے تو اوس چشمہ کی کیفیت اپنی قوم و قبیلہ کے لوگوں سے کہی۔ چونکہ اونکے وطن و سکون میں پانی کا ہمیشہ قحط شدید رہا کرتا تھا۔ اسلئے وہ تمام لوگ اپنے مقام سکونت کو چھوڑ کر حضرت ہاجرہ اور اسمعیل کے اذن و اجازت سے یہیں آباد ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں برابر آکر جناب ابراہیمؑ نے اپنے اہل و عیال کو کہہ دیا کہ جو بچا کر خدا کے حوالہ کر دیا تھا۔ مگر انکے ساتھ دائمی مفارقت نہیں اختیار کی تھی۔ جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے سمجھا ہے۔ اور محض گمراہانہ اور مغویانہ طریقہ سے ساری دنیا کو سمجھانا چاہا ہے وہ کون بے درد ہو گا۔ جو اس شقاوت اور برحمی کے طریقہ کو ایک نبی اللہ برحق کا جزو اخلاق سمجھ سکے۔ یہودیوں کو اور اون کی تقلید میں عیسائیوں کو تو ہجرہ اور اسماعیل سے قلبی عداوت ہے۔ اور اون کی ذلت و حقارت کو وہ اپنا نصب العین قرار

دے چکے ہیں۔ عرب کے تمام اخبار و آثار قدیمہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت ابراہیم ایک بار نہیں تین بار مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔ بال بچوں کو دیکھا بھالا۔ پونچھا بتلایا اور چلے گئے۔ اول بار آپ اوس وقت تشریف لائے جب حضرت اسمعیل کی شادی ہو چکی تھی۔ مگر آپ نے اس توصل و پیوند کو ناپسند فرمایا اور اسکے قطع فرمان کا حکم دینگے۔ دوسری بار آئے تو حضرت اسمعیل کی نئی شادی اور توصل کو مستحسن اور مبارک بتلایا۔ تیسری بار آئے تو خانہ کعبہ کی تعمیر مناسکات حج کی تعلیم و تشریح اور دیگر ارکان ارشاد و ہدایات کی تلقین فرمائی۔ ابن سعد کی روایت میں اسکا اجمالاً یوں ذکر ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں تین بار تشریف لائے اور آخر نوبت میں آپ نے لوگوں کو اداسے حج کے لئے دعوت کی۔

(طبقات)

اخیر ابراہیم صلعم الی مکہ ثلاث مرات
ودعا الناس الی الحج فی آخرھن

طبقات

اس روایت سے کوئی تفصیل نہیں معلوم ہوئی۔ سوائے اس کے کہ حضرت ابراہیم تین بار مکہ میں آئے اور آخر بار آپ نے حج کیلئے لوگوں کو بلایا۔ اگرچہ تیسری بار تشریف لانے کی ایک گونہ وجہ و کیفیت معلوم ہی ہوئی تو اس سے قبل دو بار تشریف لانے کی حقیقت کچھ ہی نہیں معلوم ہوئی۔ اسلئے پہلے دو بار کی تصریح و تشریح ضروری ہے۔ ہم اول اور دوم بار آپ کے تشریف لانے کی کیفیت صحیح بخاری اور تاریخ طبری جلد اول سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

پہر انیس کے قریب میں اسمعیل کی شادی کر دی۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ جب جناب ابراہیم آئے تو پونچھا کہ اسمعیل کہاں ہیں اون کو بی بی نے جواب دیا کہ وہ شکار کو گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ جب وہ آئیں تو اون سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کے کبواڑ بدل ڈالیں۔ جب اسمعیل آئے تو اونکی بی بی نے اون سے یہ واقعہ دہرایا۔ حضرت اسمعیل نے کہا کہ وہ (کبواڑ) تمہیں ہو، تم اسی وقت میرے گھر سے اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ پھر جب جناب ابراہیم (دوسرے بار) تشریف لائے تو پھر اسمعیل کو پونچھا کہ وہ کہاں ہیں۔ اون کی (موجودہ) بی بی نے جواب دیا شکار کو گئے ہیں۔ اتنا کہہ کر اوس خاتون نے عرض کی کہ آپ گھر میں تشریف لائیں تو ہم آپ کو کھانا میں پلائیں۔ ابراہیم

فتم (اسمعیل) امرۃ فہیم قال ثم یراکہ ابراہیم فقال لا ھلہ انی مطلع ترکمتی قال فجماع فسلم فقال این اسمعیل فقالت امراتہ ذھب بصید قال قوی لہ اذ جماع غیر عتبتہ بیتک فلما جماع اخبرتہ فقال انت ذلک فاذھبی الی اھلک قال ثم آنہ یراکہ ابراہیم فقال لا ھلہ انی مطلع ترکمتی فجماع فقال این اسمعیل فقالت امراتہ ذھب بصید فقالت لا تنزل فتطعم وتشرب فقال وما طعامکم وما شرابکم فقالت اللہم طعامنا وشرابنا للہاء قال اللہم بارک لھم فی طعامھم وشرابھم قال فقال

ابوالقاسم بركة بدعوة ابراہیم

نے پوچھا تمہارے پاس کھانے پینے کو کیا ہے۔ اسمعیل کی بی بی نے کہا کہ کھانے کو گوشت ہے اور پینے کو پانی یہ سنکر حضرت ابراہیم

نے فرمایا کہ خدا تمہارے کھانے پینے میں برکت عطا فرمائے ابن عباس کا قول ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے اونکے لئے عام دعا مانگی تھی۔

حضرت اسمعیل کی جہمی اور مصری بی بی ہونے کی تحقیق
مندرجہ بالا عبارت سے حضرت ابراہیم کا دوبارہ نکاح سے مکہ معظمہ اپنے اہل و عیال کے تفصیل احوال کی غرض سے تشریف لانا۔ اور حضرت اسمعیل کا اپنے پدر بزرگوار

کی ہدایت کے مطابق پہلی بی بی کو طلاق دینا اور ایک دوسری بی بی سے نکاح کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ دونوں بیبیاں جہم کی لڑکیاں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ توراۃ کی روایت کے خلاف ہے۔ اوس میں انکی بی بی کا مصری ہونا صاف صاف لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ عربی مؤرخین نے اپنے مدعا سے زائد سمجھ کر اس مسئلہ میں زیادہ تحقیق و تفتیش نہ کی ہو۔ اور سرسید مرحوم نے توراۃ والی روایت کی تائید میں جو اپنا مختار قایم کیا اور جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ صحیح ہو۔

ہم کو اس بات کے یقین کر لینے کا پوری وجہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں۔ جو پہلی بی بی کا جہم سے ہونا بیان کیا گیا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ پہلی بی بی ایک مصری عورت تھی۔ اور یہی وجہ ہوگی کہ اس عورت سے نکاح کرنا حضرت ابراہیم نے ناپسند کیا ہوگا۔ یہ ہی قرین قیاس ہے کہ ابتدا میں جہم نے اپنی قوم کی لڑکی حضرت اسمعیل کے نکاح میں دینے سے انکار کیا ہو۔ کیونکہ وہ اسمعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہونگے۔ مگر ہر ایک معتد بہ زمانہ تک باہم سکونت پذیر ہونے سے یہ خیال جاتا رہا ہو۔ اس لئے یقین ہوتا ہے کہ ان کی دوسری بی بی جہم کی قوم سے ضرور تھیں۔

ہم کو اس بحث کے متعلق زیادہ تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہمارے مدعاے تالیف کو۔ حضرت اسمعیل کی اسی بی بی کے حالات سے تعلق ہے جس سے سلسلہ بنو اسمعیل کی ابتدا ہوئی اور وہ بالاتفاق انھیں بی بی سے شروع ہوا جو قبیلہ جہم سے تھیں۔ اور جنکا نام محمد ابن اسحاق نے سیرت ابن ہشام میں۔ رعلہ بنت مضاہ بن عمر الجہمی بتلایا ہے۔ اور کلبی نے رعلہ بنت شحب ابن یعرب لکھا ہے۔ ان دونوں روایتوں میں اس خاتون معظمہ کا نام ایک ہے۔ فرق ہے تو سلسلہ نسب میں۔ اور وہ بھی عند تحقیق مستند الاصل ثابت ہوتا ہے۔ اسی تحقیق کی تفصیل میں یہ بھی دریافت کر لینا ضروری ہے کہ غیر جہم بھی کوئی عورت اسمعیل کے عقد میں جس کو توراۃ نے مصری لکھا ہے۔ آئی تھی یا نہیں۔ اگر

آئی تھی۔ تو عرب کی قدیم روایتوں میں اسکا کہیں ذکر ہے یا نہیں یہم اسکے متعلق طبقات ابن سعد کی مرقومہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں:-

قال الکلبی وكانت اسماعیل امرأة من العالیق
ابنته صیدى قبل الجرحمیه وهى التى كان
جاءها ابراهيم فحفنه فى القول ففار قها
اسماعيل ولم تلده شیئاً

کلبی کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل کی ایک بی بی قوم عالیق سے تھیں
صیدی کی لڑکی۔ اور یہ وہی تھیں۔ جسکے جد ابراہیم نے
اسماعیل کو حکم دیا تھا اور اسماعیل نے جد ابراہیم سے اس عورت
سے اسماعیل کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اس روایت سے اسماعیل کی ایک بی بی کا غیر جڑیہ ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔ مگر وہ عالیق سے تھیں
تو راقہ کی تصریح کے مطابق زین مصر سے تھیں۔ تو راقہ کے مفسرین و مترجمین کو غالباً عالیق کے لفظ و نام
نے شبہ میں ڈال دیا ہے اور وہ عالیق سے قوم عالیق ساکن مصر سمجھے ہیں اور اس بنا پر اس عورت کو مصری کہتے
ہیں۔ مگر یہ صریح غلط فہمی ہے۔ یہ عالتہ مصر کی قوم سے نہیں بلکہ عالیق کہ کے قبیلہ کی لڑکی تھی۔ کلبی نے
اسکا سلسلہ اپنی پہلی روایت میں اس طرح لکھا ہے:- دعلہ بنت اشعث ابن یعرب۔ یہ شخص شجیب ملک
بین کا بادشاہ تھا۔ اور وہاں کے مشہور و معروف بادشاہ سارا کیر کا۔ مورث اعلیٰ۔ اسی کے سلسلہ میں ایک
قبیلہ عالیق کے نام سے مشہور تھا۔ جو جڑیہ کے بعد مکہ میں آباد ہوا۔ ابن ہشام و ابو الفدا اور ابن اثیر
یثعرب کی ماہیت معلوم ہوئی اب یعرب کی اصلیت یہ ہے کہ یعرب وہی شخص ہے جسکا دوسرا نام
جڑیہ ہے۔ امور بالاکو اکثر مقامات پر سرسید مرحوم نے خطبات میں تجویز کیا ہے۔ اولیٰ کی مندرجہ عبارت
تصدیق حسب ذیل ہیں:-

مغربی اور مشرقی مورخین کی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ یعرب اور جڑیہ سے ایک ہی شخص مراد ہے۔ اور

اولاد یعرب کی بہت سی شاخیں بنی جڑیہ میں داخل ہیں۔ خطبات احمدیہ ص ۷۷ مطبوعہ لاہور۔

دوسرے مقام پر تحریر ہے:-

عرب العربیہ کی وہ قومیں ہیں جن کی نسل قحطان اور قحطان سے چلی ہے اور تمام قبائل عرب اسی نسل میں داخل

ہیں۔ حمیر ہی انہیں کا ایک قبیلہ ہے۔ اور بنی حمیر ہی میں ایک قبیلہ عالیق کے نام سے مشہور تھا۔ جو مکہ میں بتا

تھا۔ خطبات ص ۲۱ مطبوعہ لاہور۔

ان استاد و اشہاد سے۔ عرب کی قدیم تاریخوں کا یہ لکھنا کہ ان کی دونوں بیبیاں جڑیہ تھیں بمعنی بے اصل
اور دھوئی بے دلیل نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ کلبی نے زوجہ اولیٰ اسماعیل کو عالیقی بتلایا ہے۔ وہ بھی تو
اصلاً جڑیہ ثابت ہوئی ہے تو راقہ کے مصری عورت ہونے پر اگر زیادہ اصرار کیا جاوے گا تو ہم اس کو بھی

عربی الاصل ثابت کرنے پر تیار ہیں۔ صاحب ارض القرآن اس مسئلہ کے تحقیق میں عبارت ذیل تحریر فرماتے ہیں
حضرت اسماعیل کی بی بی کا جڑ بھی یا مصری ہونا کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ اس عہد میں یہی عرب
مصر کے حکمران قبائل تھے۔ اس بنا پر وہ عورت جڑ بھی ہی ہو سکتی ہے۔ اور مصری ہی۔ ارض القرآن
ج ۲ ص ۵۲۔

ہم کو صاحب ارض القرآن کی رائے سے پورا اتفاق ہے اور سرسید مرحوم کے فحشاء سے بالکل اختلاف
جنہوں نے زوجہ اول حضرت اسماعیل کے کسی نوع سے جوڑ دیا ہے۔ حالانکہ ہم انھیں اس کے
اقرار و اعتراف سے ثابت کر آئے ہیں کہ وہ عورت عام اس سے کہ مصری ہو یا عمالیتی۔ عربی الاصل
اور جڑ بھی انسل ضروری مانا جاسکتی۔ یہ صرف سید صاحب کا ضرورت سے زیادہ مرویات تو راۃ پر اعتماد و
اعتقاد رکھنے کا نتیجہ ہے۔ جو ان کی تالیفات و تصنیفات کے اکثر مقامات سے ہویدا و آشکار ہے۔
تعمیر خانہ کعبہ مشرقہ دو بار جناب ابراہیم علیہ السلام کی مکہ میں تشریف لانے کے متعلق ہم
تفصیل سے حالات و واقعات لکھ چکے تیسرے بار تشریف فرما ہونے

کی ضرورت یہ ہے۔

ابکی بار آپ کی تشریف آوری کے واقعات بتا رہے ہیں کہ پہلے دو بار تو آپ اپنے روحی تعلقات اور
قلبی جذبات کے زیر اثر ہو کر اپنے اہل و عیال کے نفقہ احوال کی غرض و ضرورت سے تشریف لانے گئے تھے
مگر اب کی بار کہ معجزہ میں آپ کا نزول اجملی خدا سے لایزال کے ایک واجب التعمیل حکم کی سجاوٹی کے
باعث سے تھا۔ اور اس حکم الہی کی تعمیل سے عبادت و اطاعت خداوندی کی تعلیم و ترویج تمام قطع
عالم میں قائم کرنی تھی۔ اور حقیقت میں اس حکم الہی کی تعمیل آپ کی حیات ستودہ آیات کا وہ واقعہ ہے۔
جس سے آپ کے کمال معرفت۔ خلوص لشہر اور متابعت خداوندی کے بیشمال جوہر ثابت ہوئے ہیں۔ ہم اس واقعہ
کی تفصیل ہیں۔ صحیح بخاری کی مندرجہ بالا روایت کے باقی حصہ کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

فلما صعد ابراہیم یسجد کہ جب پر حضرت ابراہیم آئے اور اسمعیل
کو تلاش کیا۔ تو جناب اسماعیل کو پشت اعزہ پر جہاں آب زمزم ہی
بنائے زمزم کی مروت کرتے ہوئے پایا۔ حضرت ابراہیم نے اسمعیل
سے کہا کہ میرے خدا نے مجھ کو حکم کیا ہے کہ میں اس کے لئے گھر بنادوں
حضرت اسمعیل نے کہا کہ آپ حکم خدا کی تعمیل و اطاعت کیجیے۔
حضرت ابراہیم نے فرمایا اوس نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کام میں تم

ثم انہ یزکک ابراہیم فقال لا ھیلہ فی سطلہ
ترکتی فوجاء فوافق اسماعیل من و لم عنہم
یصلی بنا عولہ فقال یا اسماعیل ان سابل
امر فی ان ابی لہ بیتا قال اطع ربک قال
امر فی ان تبنی علیہ قال اذ افضل او انا قال
فقام اسماعیل ابراہیم یسجد و اسماعیل یسجد و لہ

الْحِجَارَةُ وَلَيَقُولَنَّ سَرَبْنَا تَقْبَلُ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ قَالَ سَتَقْبَلُ الْبَيْتَ وَخَدَعْتُ السَّيِّئَةَ عَنْ نَقْلِ الْحِجَارَةِ فَنَقَامُ عَلَى حِجَارِ الْمَقَامِ فَيُجَاوِبُنَا لَهُ الْحِجَارَةُ وَيَقُولَنَّ سَرَبْنَا تَقْبَلُ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

(حجاری کتاب کا لفظی معنی)

میری مدد کرو۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت اسمعیل نے دیا ہی کیا جیسا اونکے پدر بزرگوار نے ارشاد کیا۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دونوں باپ بیٹے اوس وقت اٹھ اٹھ کر ہو گئے۔ حضرت ابراہیم اگر بناتے تھے اور جیسا اسمعیل پر ڈھونڈھو کر دیتے جاتے تھے اور دونوں بزرگوار فرماتے جاتے تھے۔ پروردگار تو ہم دونوں کی ان خدمات کو قبول فرما کیونکہ تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ یہاں تک

کہ بنیادیں اتنی اونچی ہو گئیں کہ ابراہیم کمر سے ہو کر پتھر پر کھڑے ہو کر جس کو آج تک مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ دیوار پر پتھر رکھنے لگے اور اسمعیل اونکو اوٹھا اوٹھا کر پتھر دینے لگے۔ دونوں بزرگوار (کام کرتے جاتے تھے) اور کہتے جاتے تھے۔ پروردگار تو ہم دونوں کے ان خدمات کو قبول فرما۔ کیونکہ تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسلامی مؤرخین نے انواع و اقسام کے طریقوں سے بنائے گئے متعلق روایات کو مکرر اپنے غلوؤں و عقیدت کا اظہار کیا ہے مگر ہم اونکو اپنے مدعا کے تابع بنی سے زاید اور غیر ضروری تکبر قلم انداز کرتے ہیں۔ اور ذیل میں خانہ کعبہ کی اوس سادگی اور بلا تکلف عمارت کو جو ان دونوں بزرگواران الہی نے اپنے مقصد میں اور مبارک ہاتھوں سے بنائی تھی اور اونکو جس شکل و حیثیت میں اوس وقت قائم کیا تھا علامہ ارزقی کی اصلی عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

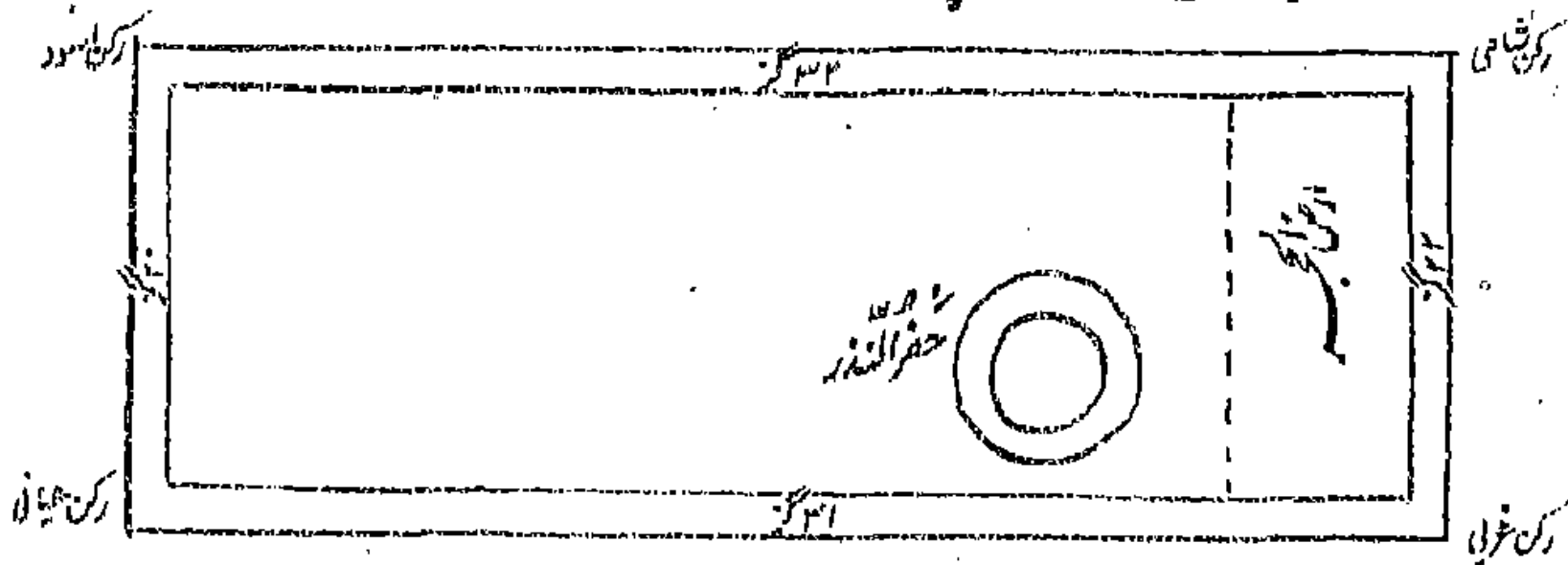
خانہ کعبہ بننا شروع ہو گیا۔ اونچائی اوس کی گز تھی۔ اور چوڑائی (ایک طرف کی) ۲۲ گز کی۔ رکن اسود سے لیکر رکن شامی تک اور پرقام حجر سے ملا ہوا چھتہ۔ اور چوڑائی دو سو سی طرف کی۔ رکن شامی سے رکن غربی تک ۲۲ گز ہے اور اس سے بھی چھوٹا ہوا ہے اور چوڑائی پشت کی رکن غربی سے رکن عیانی تک ۲۲ گز اور دوسری طرف رکن عیانی سے لیکر رکن الاسود تک ۲۰ گز تھی۔

(کتاب اخبار مکہ علامہ ارزقی ص ۳۱)

بَنَا الْبَيْتَ وَجَعَلَ طَوْلَهُ فِي السَّمَاءِ تِسْعَةً اَذْوَاعًا وَخَمْسِينَ فِي الْاَرْضِ ثَمَّ اَشْنَيْنِ فِي الْاَشْنَيْنِ ذِمْرًا عَنِ الرُّكْنِ الْاَسْوَدِ اِلَى الرُّكْنِ الشَّامِيِّ الَّذِي عِنْدَ الْبُحَيْرَةِ وَجَعَلَ مِثْلَ مَا بَيْنَ الرُّكْنِ الشَّامِيِّ اِلَى رُكْنِ الْيَمَانِيِّ الَّذِي فِيهِ الْبُحَيْرَةُ ثَمَّ اَشْنَيْنِ ذِمْرًا عَنِ الرُّكْنِ الْغَرْبِيِّ اِلَى رُكْنِ الْيَمَانِيِّ اَمَّا وَفِي ثَمْنَيْنِ ذِمْرًا عَنِ رُكْنِ الْيَمَانِيِّ اِلَى رُكْنِ الْاَسْوَدِ اِلَى الرُّكْنِ الْغَرْبِيِّ ثَمَّ اَشْنَيْنِ ذِمْرًا عَنِ

(کتاباخبار مکہ ارزقی ص ۳۱)

منہ رجہ و نل نقشہ جو مرقومہ بالا پیمائش کے حساب سے مطابق کر کے تیار کیا گیا ہے۔ خانہ کعبہ کی عمارت



حرم محترم کی عمارت میں اتنی ہی تھی جس کی نہ قیمت پائی گئی تھی۔ اور نہ اس میں چوکھٹ بازو، کوارٹر اور کھدی وغیرہ کی شہرت ضروری سمجھی گئی۔ خدا ہے واحد کا یہ پاک و صاف گھر انشا درجہ کی سادگی کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ جبکہ معمار خلیل اللہ تھا۔ اور مزدور ذبیح اللہ۔ خانہ کعبہ کے اندر ایک مذکر گاہ کھودوایا گیا تھا جس میں نذر نیاز اور دوسرے چڑا دے کی چیزیں رکھ دی جاتی تھیں۔ اسی گاہ پر کعبہ کے چوکھٹہ عمارت۔ باوجود اسکے کہ چوکھٹہ ضرورتی۔ مگر سادہ کے اصول سے اسکے چاروں ضلع برابر نہیں تھے۔ اس لئے مربع نہیں کہلا سکتی تھی۔ مربع کی جگہ کعبہ کہی گئی اور کعبہ کی وجہ سے یہی ہوئی۔

ارکان ج کی تعلیم اعلان
 جب یہ عبارت قریب تیار ہی تھی تو جیسا کہ تاریخ ازنی میں لکھا
 حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا: (تاریخ ازنی) حضرت
 اکرم علیہ السلام یوسفؑ کے اہل بیت سے کہ میں اوسے اس غرض سے نصیب
 کردوں کہ وہیں سے توگ کہ بہ کا حوالہ ضرور کریں۔ (انتخاب مکہ ص ۴۹)

مقدس شجر الاسود کی یہی تاریخی حقیقت قائم رہوں۔ اس کے علاوہ ایسی ہی روایتیں شجر الاسود کے متعلق
اسلامی کتب و ثقافت میں مشہور ہیں، وہ اعتقاد آگے ہی بھیج اور قوی ہوں مگر تاریخی حقیقت کے اعتبار
سے قابل الیگزیشن ہو سکتی ہیں۔

جب خانہ خدا کی بنیاد رکھی تو مصداق قدرت سے اہل اللہ کو یہ حکم صادر ہوا۔

وَدَلَّهِمْ بِذُنُوبِهِمُ الْمُظْلِمِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالْمُسْلِمِينَ
السُّجُودَ وَأَذِينَ فِي النَّاسِ بِالْإِسْلَامِ يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ
عَلَى كُلِّ ضَرَأٍ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خانہ کعبہ کے سامنے یا قریب پہنچ جائیں۔ دستور قائم ہو گیا۔ اسی کو تلبیہ کہتے ہیں حضرت ابراہیمؑ نے اعلان حج کے یوں انتظام کیا کہ مقام ابراہیمؑ پر (اور بنا بعض روایات کوہ عرفات پر چڑھ کر) کھڑے ہو کر تمام لوگوں کو خانہ کعبہ کے طواف کیلئے بلایا۔ سب پہلے جس قوم وقبیلہ کے لوگوں نے آپؑ کی دعوت کو قبول فرمایا وہ بنی جرہم تھے طبقاً ابن سعد میں ہے۔ **فَاُولَئِكَ مِنْ اَجَابَةِ دَعْوَتِهِمْ**۔ انکی قبول دعوت کے بعد قوم عمالیق ایمان لائی۔ **قَبِلَ الْعَمَلِیْقُ دَعْوَةَ اِبْرٰہِیْمَ**۔ ان کے بعد قوم عمالیق اسلام لائی۔ انکے اسلام لانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ان تمام قوم وقبیلہ کے لوگوں کو جو حوالی مکہ میں آباد تھے۔ دین ابراہیمؑ کی تلقین اور مناسکات حج اور طواف بیت الاحرام وغیرہ کی کامل تعلیم فرمائی۔ یہ دین حنیف کی ابتدائی تعلیم تھی اور اس کی تعلیم کے حالات و واقعات جو اوپر قلمبند کئے گئے۔ اسی ضمن میں ہم کو یہ بھی لکھ دینا بہت ضروری ہے کہ یہ عباد و تگاہ الہی بہت جلد دریا نگاہ قرار پا گئی۔ پھر اس اعتبار اور استمرار کے ساتھ کہ اس وقت سے لیکر آج تک اور آج سے ابد آباد تک نسل ابراہیمؑ کے ایشیاء و انداز اور اور دین حنیف کا سچا معیار قائم ہو گئی۔

اپنے پہلوئے اور سب سے پیٹے

قرآن مجید میں اس واقعہ کی کیفیت یوں مذکور ہے۔

اسمعیلؑ کی راہ خدا میں قربانی

قَالَ اِنِّیْ ذَا هَبْ اِلٰی سَرِّیْ سَیِّدَیْنِ سَرِّیْ هَبْ لِّیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ فَبَشَّرْنَاهُ بِحَبْلٍ مُّطَمِّنٍ فَبَقِيَ مَعَهُ السَّعِیْ قَالَ یٰنَبِیُّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْاَلْمَنَامِ اِنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا تَوَیَّ قَالَ یَا اَبَتِیْ اَفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَا الَّذِیْنَ وَاَدْنٰهُ اَنْ یَّابْرٰهٖمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءُیَا اِنَّا اَنْزَلْنٰكَ فِیْ الْغُرٰی الْحُسَیْنِ اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْاَبْسَدُ الْاَلْبَیْنِ وَفَدَّیْنٰهُ بِذَبْحٍ عَظِیْمٍ

(ابراہیمؑ) نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی راہ چلوں گا کہ وہ مجھ کو ہدایت فرمائے پروردگار مجھ کو ایک نیکو کار فرزند عطا فرما تو ہم نے اس کو ایک سمندر لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ لڑکا اس کے ساتھ چلنے پھرنے (کام کرنے) لگا۔ تو ابراہیمؑ نے اس سے کہا۔ اے میری بیٹی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تیری اس معاملہ میں کیا راستہ ہے۔ اس لڑکے نے جواب دیا۔ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے (بلکہ تامل) آپ اس کی تعمیل کیجئے۔ انتشار اللہ آپ مجھے صابر ہی پائیں گے۔ پھر جب دونوں (باپ بیٹے) تعمیل حکم پر

آمادہ ہوئے اور باپ نے (حلال کرنے کے لئے) بیٹے کو ماتھے کے بل پھاڑا تو لڑکے کو اس کی فرمانبرداری نہایت ہی پسند آئی (ہم نے ابراہیمؑ سے پکار کر کہا اے ابراہیمؑ اپنے خواب کو خوب سوچ کر دکھایا۔ اب ہم تم کو بڑے بڑے مرتبہ دینگے اور ہم نیک بند و نیکو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک یہ کہلی آزمائش تھی اور ہم نے عظیم قربانی کو اسمعیلؑ کا فدیہ بنایا۔

تفسیر بیضاوی اور ربیع الاربار زعفرانی سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ روایات و قصہ جبریلؑ حضرت ابراہیمؑ کو دکھایا گیا وہ دسی اکھ کی آنکھوں میں تاریخ تھی۔ اسی لئے آنکھوں کی آنکھ کو مصطلحات فقہیہ غلطیوں میں یوم الترویہ کہتے ہیں

چوریشہ سے مشتق ہے۔ نویں ذی الحجہ کی رات کو مقام عرفات میں ہر ایسی ہی خواب دکھایا گیا۔ اور اسی دن آپ نے حضرت اسمعیل سے اپنے خواب کو دہرایا۔ اکثر علماء کی رائے میں نویں تاریخ کو احکام عملیات میں یوم کفر کے جاننے کی یہی وجہ سمیہ ہوئی۔ اوس رات کو ہی جناب ابراہیم خاٹا سنا سکات عرفات بجالائے اور قوم و قبائل کے تمام لوگوں کو خدا سے واحد کی معرفت۔ اوسکی عبادت کے طریقہ۔ اوس خانہ مقدس کے آداب و راسخات حج بجالانے کی مشغولیت کے سبب سے اس امر علیل کی تعمیل نہ فرما سکے۔ دسویں کی رات کو سونے تو ہر وہی خواب دکھایا۔ اب تو خدا کے اس خالص شہدائی کی عقیدت ایسی جوش میں آئی کہ اپنے پہلوٹے اور بڑی منت والے بیٹے کو قربان گاہ منی میں لیجا کر چھری کے نیچے رکھ ہی تو دیا۔ اور آفرینش عالم کے وقت سے لیکر اس وقت تک خدا کے نام پر خدا کی راہ میں ایک ایسی نذر۔ ایسی قربانی اور ایسے ایشیائے نفسی کی تعمیل کا پورا قصد کر لیا جس کی مثال ہر دنیا کے کارنامہ میں قائم ہو سکی۔ حضرت ابراہیم کے صبر و رضا کے کمال اور راہ رضا کے الہی میں آپکی استقامت اور استقلال کا اس سے پہلے کئی بار امتحان ہو چکا تھا اور ہر موقع پر آماجگاہ مصیبت میں یہ خاصہ الہی کامل اور کامیاب ثابت ہو چکا ہے۔ اسکی معرفت اور حسن اطاعت کا یہ آخری امتحان تھا اور آزمائش و ابتلا کا سخت ترین معرکہ۔ اور نتیجتاً ایسا قیامت خیز عالم اور غیر ناک ظلم تھا کہ آخر امتحان قدرت ہی اسکے مشاہدے اور نظارے کی تاب نہ لاسکے۔ اور قربان گاہ منی سے چلا آئے اور اٹھے اِنِّیْ اَبْرٰہِیْمٌ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْمِیْ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَآلَہُی الْبَاقِیَۃُ الْمُبِیْنِ وَذَرٰنِسَاۃً بَیِّنَہُمْ عَظِیْمَہُمْ۔ اے ابراہیم بیشک تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اور ہم نیک بندوں کو ایسا ہی بلا دیا کرتے ہیں۔ بیشک یہ سچی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمعیل کا فدیہ بنایا۔

تبلیغ رسالت کے متعلق ایسے پراثر مقتدر اور مافوق البشر خدمات انجام دیے کہ حضرت ابراہیم نے نظام مشیت اور احکام قدرت کے تمام مقاصد پورے کر دیے۔

مکہ معظمہ سے مراجعت اور حیاپ تعمیر کیلئے کہہ وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن مبارک سوہشت ہوتا تھا۔ حضرت اسمعیل کا سن اسی وقت میں برس کا ہوا تھا۔ جاتا ہے۔ تعمیر کعبہ تعلیم شریعت۔ اعلان و تلقین مراسم حج اور دیگر امور تبلیغ رسالت کو انجام تک پہنچا کر حضرت ابراہیم نے مکہ سے شام کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور وہاں پہنچ کر تھوڑے دنوں کے بعد داعی اجل کو لبیک کہی اور دفعتاً انتقال فرمایا۔ آپ کی وفات کے متعلق اکابرین محدثین اسلامی تفصیلی واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک بار حسب العادت حضرت ابراہیم نے بہت آدمیوں کی دعوت کی جب حمانہ کی کثیر الشہاد جاعت

ایسا مشاہدہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں طول عمر کی کیفیت سے سخت نفرت پیدا ہوئی۔ اور آپ نے فوراً پارتھوپیاء الدعوۃ میں شیوخیست اور کھوہیست کے ان گئی گزری حالتوں اور مہبتوں سے محفوظ رکھ جانے کی دعا مانگی۔ چونکہ وہی رقت آپ کی اصل سوغوہ کا تھا۔ اس لئے اوپر آپ کی دعا کیلئے حکم اجاڑ دیا۔

اور فرمایا: *ثُمَّ دَرَجَاتٍ سَخِلَ لِلَّهِ مَا كَانَ مَجْزُوٰهٖ*

ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات و سقوط و آیات کے متعلق جتنے تمام واقعات و حالات بیان کر دیئے۔ پڑھنے والے اور این پر غور کرنے والے آسانی کے ساتھ یہ نکال لیں گے کہ اس اصلی اور حقیقی موعود اور وہی حقیقت کے نوچرہ جسے جس طرح اور عقیدت کا وعدہ اپنے معبود حقیقی کے ساتھ ان الفاظ میں کیا تھا کہ اِنَّكَ تَسْلُوْنِي وَتَقِيْلُاى وَتَقِيْلُاى وَتَقِيْلُاى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ كَاَشْرَافٍ لَّكَ وَبِذِلَّةٍ اَعِيْذُ وَاِنَّا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ میری تازہ میرے تمام تمنا سکتا ۔ میری حیات اور میری موت ۔ در سب کچھ پر بالکل خدا کے واسطے ہے ۔ جو دو عالم کا پروردگار ہے ۔ اور جس کا کوئی شریک نہیں ۔ وہ ان امور کے لئے جتنے حکم دے چکا ہے اور میں (بیشک ان امور کے) تسلیم کرنے والوں میں ہوں ۔ لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً اور آواز آواز جیسا کہ مستدربہ بالادوات و اقوال سے ثابت ہو چکا ۔ اور قدر شناسان قدرت سے یہی وَاٰتِیَهِمُ الدِّیْنَ وَفِیْہِ الْفَاظُ مَعْدُوْلَانِ نازل فرما کر آپ کے محاسن و عبادت کی ایجاباً اعتراف کا اظہار کر دیا ۔

سب سے پہلے دین ابراہیمؑ اسلام کے
اسلام کی قدس اور اصلیت قرآن مجید کی اس عبارت
تاکم سے عموماً معلوم ہوا کرتے ہیں
سے ظاہر ہوتی ہے۔

وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ الَّذِينَ إِذَا أُتُوا بِالْحَسَنَاتِ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي أُوتِيتُنِي مِن قَبْلُ ۚ وَالَّذِينَ إِذَا أُتُوا بِالْبَاسِ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي كُنْتُم بِمِثْلِهِ مُسْتَضْعِفِينَ ۚ

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد وآله الطيبين الطاهرين أجمعين

نازل فرما گئے۔ وہ سب ملت ابراہیمی کے متبع سمجھے جائیں گے اور دائرہ اسلام میں آئے اور لوگ کہلائے گئے
سچی کہلائیں گے۔ پھر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اسکی خصوصیت کیسی؟

اصلیت کے اعتبار سے تو یہودی، نصاریٰ اور مسلم سب کے سب ملت ابراہیمی کی شاخیں اور شعبے تو ہیں
کسی جائیں گی مگر اتباع و عقیدت اور عملی اطاعت و مطابقت کے اصول و جہت ان اعم مختلفہ کے ہر قسم
عبادت اور اخلاقی، تمدنی اور قومی مسوومات و دستورات پر نظر ڈالی جائے گی اور تحقیق سے کام لیا جائیگا۔
تو ان تمام مختلف فرقوں میں سوائے ایک اسلام کے ہر کوئی دوسرا فرقہ نہیں پایا جائیگا جس کے مذہبی
قومی، تمدنی اور اخلاقی طریقوں میں شریعت ابراہیمی کا کوئی جزو یا شعبہ پایا جاتا ہو۔

اسلام کو ملت ابراہیمی کے ساتھ جو خصوصیت ہے وہ اس بنا پر ہے کہ شریعت اسلامی میں اس
وقت تک شریعت ابراہیمی کے احکام انکے کلیات و اجبات و مستحبات میں داخل ہیں اور ان کو
آج تک ہر مسلمان اسی عظمت و تقدیس اور احترام و اکرام کے ساتھ ادا کرتا ہے جس طرح خلیل اللہ
نے تعلیم فرمائے تھے۔ یہی تحریم کعبہ، مناسکات حج، ختنہ، دھو و حجامت، غسل، جنابت، عقد نکاح
وغیرہ وغیرہ۔

شریعت ابراہیمی اور دین حنیف، خلیل اللہ کے تلاشی دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی کو اور
تہا اسلام ہی کو ایک ایسا مذہب پائیں گے جس میں شریعت ابراہیمی کے آثار و احکام اب تک قائم ہیں اور
وہی ایک اتباع کا تہادعوئی کر سکتا ہے۔

شمس العلما مولوی شبلی صاحب کے غلط شمس العلما مولوی شبلی صاحب لغمانی۔ اسکی توجہ میں
کہ شریعت محمدی کا نام اسلام اور اسکی عقیدتیں کا
نام مسلمان کیوں مشہور ہوا رقمطراز ہیں:-

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے۔ یعنی جب
قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بلا عذر گرائیں جو کادیں۔ یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا اور پھر
حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کا یہی شعار مذہبی قرار پایا۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم نے اپنے

پیروں ملت کا نام مسلم رکھا۔ (سیرۃ النبی ص ۱۰۶)

یہ آپ کی ذہانت کا ایک نکتہ ہے اور جو دت طبع کا نمونہ۔ مولوی شبلی نے بہت ماہر کے واقعہ سے
اسکی وجہ تسمیہ قائم کی ہے اور آید فوج میں الفاظ فلان اسلم کو اسکا اصل ماخذ و مرجع بتلایا ہے۔ جو
حیات ابراہیمی کا آخر واقعہ ہے۔ شمس العلما صاحب کی کوثر نظری ہے۔ اگر قرآن مجید میں اس مسئلہ کی

تحقیق میں دیگر آیات و واقعات پر حقائق طریقہ سے غور فرمایا گیا ہو تو شمس العلماء صاحب کو معلوم ہو جاتا کہ اس واقعہ سے پہلے حضرت ابراہیم کے ممبر و رضا کا کارنامہ دار النظام قدرت میں پیش ہو کر قبولیت و اجابت الہی کا اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ قرآن مجید کے سورہ بقرہ کی مفسرہ ذیل آیت سے اسکی حقیقت کا پورا انکشاف ہوتا ہے۔

اِذْ قَالَ رَبِّيْهِ اٰتِنِيْ اِسْلٰمًا ۖ قَالَ اٰتٰىكَ اِسْلٰمًا ۚ لَمَّا بَلَغَ اَلْحُلُمَ
جب اوس (ابراہیم) سے خدا نے کہا کہ ہمارا فرمانبردار ہی کرو تو
اوستے کہا کہ میں پروردگار دو عالم کا فرمانبردار ہوا۔

اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ معرفت اور تصدیق الہی جس طریقہ اور جن الفاظ سے حضرت ابراہیم نے کی اوس کا نام اوس وقت سے اسلام رکھا گیا۔ خدا نے سبحانہ تعالیٰ نے اپنی معرفت و تصدیق کا حکم ہی ابراہیم کو اوس لفظ کے ساتھ دیا اور ابراہیم نے اوسکی تعمیل ہی انہیں الفاظ میں کی۔ پھر ایسے نقص صریح کی موجودگی میں ہم اسلام کا مبتدا اسی آیت کو ضرور قرار دیں گے اور سورہ حج کے آیت مِلَّةَ اِبْرٰہِیْمَ اَنۡزَلَ ہِیْمَ اَنۡزَلَہُمُ الْاِسْلٰمَ مِّنۡ قَبْلِ دَعَاۤءِ حَقِیْقَتِ پورے طور سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے کہ آیہ اول میں اسلام کی اولیت قد است اور ابتداء اسکی وجہ و سبب کے ساتھ بتلائی گئی ہے۔ پھر آیہ دوم میں بتلائی گئی ہے اور ان کے طریقہ کا نام اسلام رکھے جانے اور ان کو مسلمان کہے جانے کی یہی خاص وجہ تسمیہ بتلائی گئی ہے کہ ببقابلہ دیگر مذاہب کے۔ چونکہ پیروان شریعت محمدیہ کو طریقہ ابراہیمی کے صحیح اور حقیقی اتباع کا شرف حاصل ہے۔ اس بنا پر ان کی شریعت اور ان کا نام بھی وہی رکھا گیا جو پہلے سے ان کے مورث اعلیٰ کے طریقہ کا نام رکھا گیا تھا۔

اسلام کی حقیقت تو اتنی قدیم ثابت ہوتی ہے مگر شمس العلماء صاحب اسلام ابراہیمی میں تاخیر کا نقص پیدا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی تجویز سے اپنی شریعت کا نام اسلام رکھا اور اپنے پیروان ملت کا نام مسلمان رکھا۔ ان مجید کی شہادت خبر دیتی ہے کہ خدا سبحانہ تعالیٰ نے اس مبارک نام سے آپ کو اور آپ کے پیروان و متبعان ملت کو یاد و مخاطب فرمایا ہے ذیل کا آیت دانی ہر ایہ اسکے ثبوت کو کافی ہے۔

مَّا کَانَ اِبْرٰہِیْمَ یَہُوۡدَیًّا وَّ لٰکِنۡ سَمَیًّا ۚ لَّکِنۡ سَمَیًّا
ابراہیم (حقیقتاً) نہ یہود تھے نہ نصاریٰ۔ بلکہ وہ تو خالص مسلمان تھے۔

مشہور بالا نصوص قرآن کے رو سے مولوی شبلی صاحب کے یہ دونوں قیاس اور تجاویز (ا) کہ حضرت

ابراہیم و اسماعیل کے الفاظ اسلمنا کہنے کے باعث سے۔ اور پھر (۲) شمار تسلیم و رضا پر قائم و مستقل رہنے کی وجہ سے۔ ابراہیم کے پیرو اور متبع مسلم کہلائے سبب اصل ثابت ہوئیں۔ اور ثابت ہو گیا کہ حقیقت میں خداوند عالم نے سب سے پہلے آپ کو مسلم اور آپ کے تبعین کو مسلمین کے مبارک نام سے موسوم کیا۔

شریعت اسلامی میں ملتِ ابراہیمی کے مراسم اسوقت تک محفوظ و موجود ہیں ہم اور بیان کر آئے ہیں کہ دنیا کے موجودہ مذاہب میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو باوجود اس کے کہ سب سے آخر میں آیا۔ لیکن اس کے تمام مذہبی۔ اخلاقی قومی اور تمدنی احکام میں ابھی تک شریعت خلیل اللہ کی اتباع اسی خلوص عقیدت کیساتھ کی جاتی ہے جس طرح حضرت ابراہیم اسکے انجام دہی اور تعمیلی کے اصول تعلیم فرما گئے اور اسکے نصاب بتلا گئے۔

تو علامہ واجبات ساج اور اداسے قربانی کو اب صرف اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ مخصوص و محدود رہے ہیں۔ ہم ذیل میں آپ کے احکام اور اسلام کے فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو شریعت اسلامی میں اسوقت تک اگر واجبات کا حکم نہیں رکھتے تو استحباب کی اہمیت تو ضرور رکھتے ہیں۔

حجاست بنواتا (۲) مونچوں کے لب کھٹانا (۳) مونچہ دھونے کے وقت مسواک کرنا (۴) کہانے کے بعد دانتوں میں خمال کرنا۔ (۵) زیر بغل اور زیر ناف کے بالوں کو مونڈنا۔ (۶) خمد کرنا۔ (۷) ناخن ترشوانا اور (۸) غسل جنابت کرنا۔ آجکات اسلام کے سبب اور تعلیمات یومیہ میں داخل ہیں اور آخر طہارت کا حکم (غسل جنابت) تو جو سب کی اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ جس کے بغیر کوئی مسلمان نماز ہی نہیں پڑھ سکتا۔

ان مرقومہ بالا احکام ابراہیمی میں با ششائے چند ایسے احکام ہیں کہ صرف اہل اسلام ہی اون پر عمل پیرا نہیں ہیں بلکہ دنیا کے تمام قوم و ملت کے لوگ۔ اگر اہل اسلام کی طرح مذہبی نقطہ خیال سے نہیں تو اخلاق۔ تہذیب اور حفظانِ صحت کے لحاظ سے ان کو ضروری سمجھ کر ان پر عمل ہیں۔

حضرت ابراہیم تمدنِ اخلاق اور تہذیب حضرت ابراہیم علیہ السلام دینِ حنیف اور شریعت اسلامی ہی کے صرف موجد اور معلم نہیں ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ تاریخوں سے طیقہ انسانی میں تمدنِ اخلاق اور

تہذیب کے ابتدائی اصول قائم کرنے والے اور ان کے طریقے بتلانے والے ہی آپ ہی پائے جاتے ہیں مراسمِ اخلاق اور آئینِ معاشرت سب سے پہلے آپ ہی نے جاری فرمائے۔ اور تمام دنیا کی قوموں میں۔ مہمانی۔ ضیافت۔ ذمہ داری۔ قربی۔ ہمسایہ اور دیگر مستحقین کی دعوت کے نیکو ترین اور فیاضانہ مراسم کی آپ سے ہی ایجاد ہوئی

اکرام ضیف اور ضیافت کے احکام و آداب آپ ہی نے بتلائے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے اپنے مال سے زکوٰۃ کی رقم نکالی۔ اور خدا۔ خدا کے رسول اور رسول کے ذوی القربی کے حقوق۔ ہمسایہ۔ فقرا اور مساکین کے استحقاق اور ان کے مراتب نصاب قائم فرمائے۔

سب سے پہلے راہ خدا میں ہجرت اختیار فرمائی۔ قوم علیل مصر سے جہاد فی سبیل اللہ کیا۔ اور ترتیب فوج و تعین منصب تو آپ ہی کے اولیات میں داخل ہے۔ لباس میں پیراہن اور تربند کی ایجاد ہی آپ ہی سے ہوئی اور عبادت الہی کی حالت میں ستر پوشی کے آداب نہایت شدت سے واجب قرار دیئے۔ توحید خالص کی تعلیم آپ ہی سے شروع ہوئی اور انہیں انسانی بدعنوانیوں سے ایسی خراب و برباد ہو گئی کہ آخر اسلام اسی نام اور انہیں احکام کے ساتھ توحید خالص کی تجدید و احیا کیلئے نازل فرمایا گیا۔ جس سے ملت ابراہیمی کی تصدیق و توثیق قرآن مجید کے اس آیت سے کامل طور پر ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُرِغِبْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ كَاتِبَتْ لَهُ نَفْسَهُ خَيْرًا
وَلَقَدْ أَصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّا فِي الْآخِرَةِ
مِنْ الصَّالِحِينَ

اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقہ سے انحراف کرے مگر وہی جس کی عقل ماری گئی ہو۔ اور بیشک ہم نے انکو دنیا میں ہی انتخاب کر لیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکو کار بندوں کے زمرے میں ہوں گے۔

ان تمام احکام پر غور و تعمق کی نظر ڈالنے سے ہر شخص کو عہد ابراہیمی میں عرب کا بنیظیر تمدن۔

آسانی معلوم ہو جائے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وقت میں تہذیب و تمدن الہی کی تعلیم نہیں فرمائی بلکہ اقوام عالم کے مختلف قوم و قبائل میں اخلاق تہذیب اور معاشرت کے اصول قائم کئے اور آداب و طریقے بتلائے۔ عہد ابراہیمی کے تاریخی حالات اخبار و آثار عرب سے جہاں تک معلوم ہوئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت اہل عرب تمدن کے اعتبار سے دوسری قوموں سے کہیں آگے بڑھے ہوئے تھے۔ کیونکہ عرب کی تاریخ میں ان کی ترقی اور فروغ تمدن کا زمانہ خاندان سبا اور سلاطین حمیر کے عہد میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور تاریخ عالم کے مطالعہ سے سلسلہ آل سبا اور بنو حمیر کا زمانہ عہد ابراہیم سے قریب اور متصل پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مرحوم سر سید نے ان دونوں سلسلوں کے معاصرین کی مطابقت اور اس کی تفصیل پوری وضاحت کے ساتھ خطبات احمدیہ میں کی ہے۔ جسکی نقل ذیل میں مندرج کی جاتی ہے۔

جرہم کے بعد اس کا بیٹا شیب ابن یرب تحت پر بیٹا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبد الشمس ملقب بہ مبارکیر تحت نشین ہوا۔ یہی شہزادہ سلطنت مبارک کا بانی ہوا۔ اور اسی نے شہر سبا اور ماریب

برائے اوسکے بعد اوسکے بیٹے حمیر نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

اب چونکہ حمیر لقیطان سے چوتھی پشت میں تھا۔ اور ترج (تاریخ) پورا براہیم (بہی قانع سے چوتھی
پشت میں تھے) سلیم نیچو لگانے کے مجاز ہیں کہ حمیر کی اولاد ترج کی پیدائش سے زیادہ
دور نہیں ہوگی یعنی ۱۸۸۸ء دینیوی یا ۱۲۶۶ ق م میں اوس کی ولادت ہوئی ہوگی۔ ترج کے تین بیٹے
تھے۔ (ناحور کور اور ہاران (پدر لوط) اور حمیر کے ہی تین بیٹے تھے۔ وائل۔ عوف اور اسک
اسلئے ترج اور حمیر کی اولاد کو ہم عصر مانتا چاہیے۔ یعنی کہ وہ ۱۹۱۸ء دینیوی یا ۱۲۵۶ ق م میں
تھے۔ وائل کا بیٹا سکک اور عوف کا بیٹا فاران ہوا۔ اب اول اوس مدت پر جو ایک پشت کے
واسطے عموماً قرار دی گئی ہے لحاظ کر کے اور بعد ازاں تاریخ پیدائش لوط پسر ہاران پر غور کر کے سکک
اور فاران کی ولادت کی تاریخ قرار دینی چاہیے جو ۱۸۶۶ء دینیوی یا ۱۲۶۶ ق م یا تیس برس قبل

ولادت حضرت ابراہیمؑ قرار پائی ہے۔ خطبات مطبوعہ لاہور ص ۱۷۱

اس مقام پر یہ بتلادینا بھی نہایت ضروری ہے کہ ہی فاران ابن عوف وہ شخص ہے جو تین سے علاقہ
حجاز میں آیا اور اسکے گرد و نواح میں بادہ گردانی حکومت قائم کر لی۔ اور اصل فاران اور بیابان فاران جو قدیم
آسمانی کتابوں میں مرقوم ہیں اور جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بشارت نبوت اور تبلیغ
رسالت کے خاص مقامات بتلائے گئے ہیں۔ وہ اسی شخص خاص کی طرف منسوب ہیں اور اسی کے
نام سے موسوم ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہو گیا کہ بنی حمیر کی سلطنت اور جناب ابراہیمؑ کی تبلیغ رسالت کا زمانہ بالکل
قریب تھا بلکہ دونوں کو ایک ہی کہنا چاہیے۔ بنی حمیر کی عہد سلطنت میں عرب کی تمدنی حالت دنیا کے اور
ملکوں سے بڑھی چڑھی ہوئی تھی۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے کسی تاریخ نویس کو انکار نہیں ہو سکتا۔
اس بنا پر عرب میں رسالت ابراہیمؑ کی تبلیغ کے وقت عموماً اور عرب کے علاقہ میں میں اوس وقت خصوصاً
ملک کی تمدنی حالت پوری ترقی پر تھی شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی بھی اسکی تصریح کرتے ہیں۔ ویل میں
اونکی تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ انسو بیان
مرنساوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ
میں اوج کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ کیونکہ اصول ارتقا کے رو سے کوئی قوم بحضرت کی حالت
سے دفعتاً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔

یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔ تاریخ سے بھی استفادہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حقیقیہ مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔ یورپ کے حقیقیں آثار قدیمہ جنہوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پڑائے کتبوں کا پڑا ہے وہ یمن کی قدیم تہذیب تمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔ ریمین کے شہر قلعوں اور دیگر آثار تمدن و امارت کا ذکر ہے۔ جن کو ہم تفصیل سے اس کتاب میں اوپر لکھ آئے ہیں۔

ان تفصیل کے بعد تحریر ہے۔

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے۔ باوجود اسکے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے۔ ان کے لئے عربی زبان میں خاص الفاظ نہیں ملتے۔ بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہیں۔ سگہ کے لئے ایک لفظ ہی نہیں درہم اور دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ درہم ہے۔ اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈرام ہو گیا۔ چراغ ایک معمولی چیز ہے۔ تاہم اسکے لئے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ چراغ کو سراج کر لیا۔ ہر ایک مصنوعی لفظ بنایا۔ مصباح یعنی ایک آدھ جس سے صبح بنائی جاتی ہے۔ کوزہ کیلئے کوئی لفظ نہیں۔ کوزہ کو گوز کر لیا۔ لوتے کو ابرق کہتے ہیں۔ جو آبریز کا معرب ہے۔ تسبیح فارسی لفظ تھا۔ اسی کو عربی میں طست کر لیا ہے۔ پیالہ کو کاس کہتے ہیں۔ یہ وہی کاسہ فارسی لفظ ہے کہ عربی میں قوطی کہتے ہیں۔ یہ بھی فارسی ہے۔ باجانہ کو سر وال کہتے ہیں جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ جببہ ایسے ایسے چوٹے چوٹے اشیاء کے لئے لفظ نہ تھے۔ تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لگو کہاں سے لفظ آئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانہ میں جو ترقی کی تھی اس پاس کے محالک کے تہذیب تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی۔ ایسے جو مقامات ان محالک سے دور تھے۔ ان ہی اصلی حالت پر تھے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ تک عیش و عشرت کے سامان بہت کم تھے۔ مسئلہ حجاب کی شان نزول میں بخاری وغیرہ میں منقول ہے کہ اس زمانہ تک گہروں میں بجاغزو نہ تھی۔ ستوراۃ رفع حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں۔ تہذیبی باب الفقر میں ہے کہ اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں۔ بھوسہ کو کچھ نکس کر اڑاتے تھے۔ بخاری کی ایک حدیث ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو گہروں میں چراغ نہ جلتے تھے۔ ابو داؤد میں ایک صحابی کی روایت ہے کہ میں آنحضرتؐ صلعم کی صحبت میں تھا۔ لیکن میں نے آپؐ سے حشرات الارض کا حرام ہونا نہیں سنا۔ اگرچہ اس حدیث کی شرح میں

محدثین لکھتے ہیں کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ نہیں لازم آتا کہ واقع میں آنحضرت ﷺ نے حشرات الارض کی حرمت نہیں بیان کی لیکن اس سے اس قدر ضرورت ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے۔ تاریخ اور ادب کی کتابوں میں ہے کہ عرب کھنکھورہ، گوسے، گرگٹ۔ سہی اور جانوروں کا چمڑا کھاتے تھے۔ سیرۃ النبی جلد اول ارض ۵۰ تا ص ۸۶

ملکی زبان میں الفاظ خاص کی کمی ملک و قوم میں عدم تمدن کی دلیل نہیں ہو سکتی

مولوی شبلی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا کہ تین اور دیگر اقطاع عرب جو حدود شام و ایران سے قریب واقع ہیں۔ تہذیب تمدن میں پورا کمال حاصل کر چکے تھے۔ اور باقیہ زمانہ کے اگلی تہذیب و کمال کے لیے ایام۔ عہد و اہمیت بالکل ملے ہوئے تھے۔ جیسا کہ تاریخی اسناد سے اور لگتا ہے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب کی اس معترفانہ تقریر سے کہ ”عرب کے وہ مقامات بھی جو ایران و شام سے متصل تھے تہذیب و تمدن سے خالی نہیں تھے“ میرے مدعا کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جناب ابراہیم کی سکونت کا صدر مقام زیادہ تر ملک شام اور علاقہ فلسطین پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر یہاں دعویٰ کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں کم سے کم عرب کے ان جمعوں میں جو علاقہ شام سے قریب تھے۔ تمدن اور تہذیب بڑھتی رہی تھی۔ جو ملک و قوم کے اخبار و آثار کے علاوہ حضرت ابراہیم کے احکام و ارشاد سے بھی پیدا و

آشکار ہے۔

باقی رہا شبلی صاحب کا عرب کے قدیم تمدن و تہذیب کو خاص مقامات تک محدود کر دینا۔ اور چننے والوں کو خاص نمونے کی وجہ سے عربی زبان کی تشکی اور کوتاہی کو تمام عرب کے غیر تمدن قوم ہونیکا باعث تسلیم کیا کہ وہ اپنی اس جگہ کے نتیجہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”جب ایسی چوٹی چوٹی چیزوں کے لیے لفظ نہ تھے۔ تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کیلئے کہاں سے لفظ آتے۔ ہمارے نزدیک ذرا بھی قابل توجہ نہیں۔“

شبلی صاحب کا یہ قیاس اون کی تاریخی واقفیت کی کمی پر مبنی ہے۔ دنیا کے تمدن۔ تہذیب اور ترقی کی تاریخیں بتا رہی ہیں کہ اقطاع عالم میں تہذیب و تمدن کی ابتدا پہلے ایک خاص مقام سے شروع ہوئی ہے اور رفتہ رفتہ ملک و قوم کے ہر حصہ اور طبقہ میں پھیل جاتی ہے۔ اس بنا پر یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ شام و ایران سے ملے ہوئے عرب کے حصہ۔ یا مکن اور اسکے حوالی و مسافات جس طرح اوس زمانہ میں اپنی تہذیب و تمدن میں مشہور تھے۔ ویسے عرب کے اور حصے نہیں۔ مگر یہ حصے ہی مسلم ہے کہ انھیں تمدن اور تہذیب تلافی کے لیے اثر آچکے تھے۔ جبکہ باعث آدورفت اور کاروبار کے باہر تعلقات ثابت ہوئے ہیں۔ اور اس وجہ سے ایک

اُن میں ہی تہذیب و تمدن ضرور موجود تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ہی۔ فرزدان اسماعیل کے وقت میں فتوحات و ملک داری کے ابواب کھل گئے۔ اور مضامین و قیادہ انہی اسماعیل کی نموداریوں نے تمام عرب میں سلسلہ ابراہیمی اور نسل اسماعیل کی تہذیب و تمدن کے کمال کا ڈنکا بجا دیا۔ جیسا کہ بہت جلد ہمارے آئندہ سلسلہ بیان سے ظاہر ہو گا۔ اس بنا پر ششجلی صاحب کی اس تجویز و قیاس سے کہ عرب میں چند مقامات کے علاوہ کہیں اور تمدن و تہذیب کا نام ہی نہیں تھا۔ تاریخ ملکی و قومی سے اون کی بے خبری اور عدم واقفیت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح اون کا قیاس کہ زبان عرب میں چند الفاظ خاص نہیں اس لئے اون کے ملک میں نہ تمدن تھا نہ تہذیب۔ دور از قیاس سمجھا جائیگا۔

اگر تھوڑی دیر تک ششجلی صاحب کے اس قیاس اور سن فلن کو ہم مان ہی لیں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ الفاظ عرب کے اون مقامات میں ہی تو مستعمل نہیں تھے۔ جہاں آپ کے اقرار و اعتراف کے مطابق تہذیب و تمدن پورے کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ یعنی قریب شام و ایران رہنے والے عرب بھی تو چراغ کو سراج وغیرہ بولتے تھے۔ تو اس بنا پر آپ کہ اون کے تمدن و تہذیب سے ہی انکار کرنا پڑیگا۔ کیونکہ اس عبارت تصانیفی نے کہ ”عرب ایسی چوٹی چوٹی چیزوں کے لئے لفظ نہ تھے۔ تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کیلئے کہاں سے لفظ آئے“ آپ کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ الفاظ تمدن رکھنے پر کسی ملک و قوم کے حصول تمدن کے اصول قائم ہوتے ہیں۔ اور جب یہی اصول آپ کے مسئلہ میں۔ تو دور دور والے عربوں کو تو ابھی دور نہ کہئے۔ آپ کے تسلیم کردہ تمدن عرب شام و یمن ہی اس اصول سے بالکل غیر تہذیب اور غیر تمدن ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی چراغ کو سراج۔ کاسہ کو کاسہ۔ شلواری کو سروال وغیرہ اٹھا سکتے تھے۔ اور اگر آپ کی تحقیق میں اون کی زبان میں ان کے لئے دوسرے الفاظ تھے تو تاریخ و لغت کی کتابوں سے حوالہ دیجئے۔

علامہ فیروز آبادی کی قاموس اللغات۔ عربی کی تمام کتب لغت میں نہایت مشہور و معروف ہے۔ اس کے صفحہ ۳۴۹ (مطبوعہ کلکتہ) میں لکھا ہے ”السرّامہ“ (معروف) والشمس وعلم۔ اس کے لغوی معنی آفتاب کے ہوتے۔ لفظ معروف ہے۔ اور اسم علم ہے۔ شمس العلماء صاحب اب خود بتلائیں کہ آپ کا یہ قیاس کس قدر مضحکہ انگیز ہے۔ عربی لغت سے تو اسکے اصل زبان کا لفظ معروف جس کو ہر شخص بلاتامل و تکلف جانتا ہی ہوتا۔ اور اصول قواعد کے رو سے اسم علم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر آپ خواہ مخواہ اسے فارسی کے لفظ چراغ کا معرب بتلاتے ہیں۔ شاید قاموس میں لفظ سراج کے آگے م لکھا ہوا دیکھ کر تو اس کے معرب ہونیکا وہم آپ کو پیدا نہیں ہوا ہے۔ اس کی اصلاح کیلئے قاموس کا مقدمہ پڑھا جاوے اور دیکھ لیا جاوے کہ حرف (م) معروف کی علامت قرار دی گئی ہے یا لفظ معرب کی۔ فاضل فیروز آبادی مقدمہ قاموس کے صفحہ ۳ میں

(مطبوعہ کلکتہ) ان علامات حرفیہ کی تفصیل و توضیح کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

وما سوتی ذلک فاقیدہ بصراہم الکلام
غیر مقتنع بتوشیحہ القلام مکلفیا بکتابہ
مع دة جرم من قوی موضع و بلدة و قرية
والجزم و معروف فتیختی

اس کے اسوا میں نے تصریح کلام کو پیش نظر رکھ کر قلمی
تحریر کی ضرورت پر قیامت کر کے اپنے اقوال میں حروف و
د۔ د۔ ج۔ اور میم کی صرف اشارہ در کتابت پر کفایت کی ہے
(اس لئے ج سے) موقع (و سے) بلدہ (و سے) قریہ
(ج سے) جمع اور (میم سے) معروف میرا قول میں مراد مخصوص ہے

افسوس ہے کہ شمس العلماء کے ایسا مشہور عالم اور محقق ایسے لفظ معروف کی حقیقت سے ہی واقف نہ ہو۔
اور اب ولغت کی کتابوں کے خلاف اپنے وہم و قیاس سے کام لے۔

ہم کہتے ہیں کہ الفاظ کی کسی زیادتی کو کسی ملک و قوم میں تمدن و تہذیب کے ہونے یا نہ ہونے سے واسطہ
نہیں ہے۔ لٹریچر اور کمال زبانہ کی تاریخ اور تمام اخبار و آثار ادبیات بتلاہے ہیں کہ زبان کی ترقی و درستی
وسعت اور ترکیب کے مختلف ذریعے ہوتے ہیں۔ انہیں ذریعوں میں سے کسی زبان خاص کا غلبہ و استیلا
پاجانا ہی ایک بہت بڑا قومی سبب ہوتا ہے اور یہی وجہ اس غالب زبان کو مغلوب زبانوں میں داخل
ہو جانے کی بھی ہوتی ہے۔ انکے علاوہ دو مختلف ملک و قوم کے ساتھ تعلقات کاروبار اور سلسلہ آمد و
رفت ہی اسکا باعث ہوتا ہے۔ ان تمام ذریعوں کو تاریخی واقعات کے علاوہ روزمرہ کے مشاہدات بھی
ثابت کر رہے ہیں۔ مثال کے لئے دیکھا جاوے۔ ممالک مشرقیہ میں زبان سنسکرت تمام زبانوں پر غالب تھی۔ اس
کے بولنے والے (ایرین) دور و دراز ملکوں میں اپنے فتوحات۔ کاروبار اور آمد و رفت کے مختلف ذرائع رکھتے
تھے۔ اسی وجہ سے یہ زبان قریب قریب تمام اقطاع عالم کی زبانوں میں بل جل گئی تھی۔ یہاں تک یورپین
زبانوں میں بھی غلط طوطی ہو گئی۔ اور ایسی کہ آج تک لاطن۔ گریک اور جرمن زبانوں میں اس کے صد ہا الفاظ
زبان زد خاص و عام ہیں اور اپنی مادہ غیر مادہ۔ اصل اور مصنوعی ترکیبوں اور تلفظ کی مختلف صورتوں میں
بولے جاتے ہیں اور جن کے لئے آج تک علماء نے یورپ نے اپنی زبان میں مترادف الفاظ موضوع نہیں کئے
ہیں۔ تو کیا اس باعث سے ادنیٰ مشہور و معروف تہذیب و تمدن سے ہی انکار کیا جائیگا۔

اسی طرح آج کل یورپین زبانیں تمام دنیا کی زبانوں میں داخل ہیں اور قریب قریب دنیا کے تمام ملکوں
میں بولی جاتی ہیں۔ یہ کیوں ہے۔ اسوجہ سے کہ اول تو یورپ والوں کو فی زمانہ بمقابلہ دیگر ممالک و اقوام کے
ملک داری میں غلبہ حاصل ہے دوم انکو دنیا کی تمام قوم و ملک کے ساتھ کاروبار اور آمد و رفت کے ذریعہ
سے پورا تعلق حاصل ہے۔ یہی دو اصلی اور قوی ذریعہ ہیں جن کے سبب سے یورپین زبانیں دوسری

زبانوں میں مل جل گئی ہیں۔ اس وجہ سے دوسری زبانوں کی سنگی اور ناقابلیت کے معنی لگانا بالکل محل ہی پر زبان عربی پر خاص کر مولوی شہلی کا یہ الزام لگانا تو اور ہی لغو ہے۔ جو اپنی کتاب کے آغاز میں تسمیہ عرب کے متعلق زبان عرب کی خوبیوں کو بجا بل اور السنہ متداولہ کے تسلیم فرما چکے ہیں۔ ہم تو پوری دیر کے لئے مولوی صاحب کے کسی الفاظ والے استدلال قیاسی کو مان ہی لیں تو پھر ہم عرض کریں گے کہ زمانہ موجودہ میں تو فی الحال عرب اور اہل عرب کی تہذیب۔ ان کا تمدن۔ قدیم زمانہ سے کہیں زیادہ ہے اور فروغ یافتہ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ٹیلیگراف۔ پوسٹ اور کالسکہ وغیرہ وغیرہ غیر زبانوں کے الفاظ کیلئے آج تک اپنی زبان کے خاص الفاظ نہ پیدا کئے گئے۔ بلکہ تیلیگراف۔ پوسٹ۔ اور کالسکہ محض تھوڑے سے تغیر کے ساتھ۔ ویسی ہی الفاظ قایم رکھے گئے۔ دو ہزار برس پہلے عرب میں تہذیب و تمدن نہیں تھا۔ الفاظ کی بھی کمی تھی۔ ابو خدا کے فضل سے کسی کی بھی کمی نہیں۔ پھر الفاظ کی کمی کیوں ہے۔ کیا مولوی صاحب سلطان حسین کے شاہ حجاز تسلیم کر لئے جانے کے واقعات کے بعد بھی عرب اور اہل عرب کو غیر تہذیب و غیر متدین قوم کہنے کی جرأت کرینگے۔

عرب سے قطع نظر فرما کر ترکی کی طرف جونی الحال اسلامی دارالمعارف قیاس کیا جاتا ہے۔ توجہ کی جائے۔ تو عرب سے زیادہ یہاں کی ملکی زبان میں یورپ کی مختلف زبانیں۔ جرمنی۔ فرینچ۔ انگریزی۔ یونانی۔ بلقانی اور رومانی مخلوط پائی جاتی ہیں۔ ایک شہوت کیلئے ہمیں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ شہلی صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں جو ملک عرب کا نقشہ لکھ کر لگایا ہے۔ وہ حکومت عثمانیہ کے دفتر نظامیہ ہے۔ غالباً سفر قسطنطنیہ کے دوران میں مولف کو ملا ہے۔ اور یہیں تمام مقامات کے ناموں کے وہی تلفظ ہیں جو یورپ میں زبانوں سے اونکے لئے لکھے ہیں۔ بلکہ اکثر مقامات کے قدیم نام جو سابق میں مشہور تھے۔ ان کی جگہ بھی اب وہی نام جو یورپ والوں نے رکھ لئے ہیں مندرج کئے گئے ہیں۔

ترکی سے ایران میں آئیے۔ توہاں آتش و کاس۔ اللہ اللہ کہی اسکے عروج و افتدار کا وہ زمانہ تھا کہ عراق۔ ماوراء النہر۔ اور وسط ایشیا سے لیکر کابل و ہندوستان تک اور ہندوستان سے لیکر جزائر بحر ہند۔ جاوا اور بنجالا تک۔ فارسی ہی فارسی تھی اور آج اسکے زوال و ادبار کی یہ عیرتساک صورت ہو رہی ہے کہ دیگر ممالک کا کیا ذکر۔ خاص ایران اور تمام علاقہ فارس کی زبان میں نصف سے زیادہ ترکی اور روسی الفاظ داخل ہو گئے ہیں۔

سہیلی صاحب۔ ترکی اور ایران میں غیر زبانوں کے مخلوط ہو جانے کو اسب بھی اونکے تمدن اور تہذیب کی کمی پر محض فرمائش ہے۔ یہ ان زبانوں کی کمی نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی کہہ نہی۔

کعبہ معظمہ بالتحقیق بیت العتیق ہے
اسلام کی کوئی ادا نہ یہودیوں کو پسند ہے نہ عیسائیوں کو
یہودیوں کو تو اون کی کمزوری اور زمانہ کی پامالی گلوگیر
ہو رہی ہے۔ مگر عیسائیوں کا عروج ہے اور اقتدار۔ وہ کیوں چپ رہیں۔ قرآن مجید کے کعبہ کو بیت العتیق
بتلایا ہے۔ دونوں اعتبار سے کہ اس میں جس نے پناہ لی وہ مومن و محفوظ ہو گیا اور نیز اسوجہ سے کہ خدا
کا سب سے پہلا گھر دنیا میں یہی بنایا گیا۔ اَوَّلُ بَيْتٍ وَضَعْنَاهُ لِلنَّاسِ لِيَذُكَّرَ عَلَيْهَا فَلْيَاكْفُرُوا جَنَّتِ دُونِهَا عِبَادُ
خدا کرنے کیلئے مگر مبارکہ میں بنایا گیا

حالانکہ نزول قرآن سے پہلے کی رومی اور یونانی تالیفات و تصنیفات اسکی قدامت کی تصدیق کر چکی
ہیں اور اون کی تصدیقی عبارتوں کو ایک بار نہیں ہزار بار یہ حضرات برآۃ العین مشاہدہ ہی فرچکے ہیں۔ مگر
تاہم اس مغویانہ اور متعصبانہ کوششوں میں کہ اس کی قدامت کسی طرح بیت المقدس سے زیادہ قدیم
نہ ثابت ہونے پائے۔ وہ طرح طرح کی بے اصل تاویلیں اور لغو دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں۔ صاحب
ارض القرآن۔ مسٹر ڈوزی (Mr. Dozy) کے ایسے فاضل مستشرق اور محقق جو جرمن پروفیسر
میں جامع علوم و فنون مانا جاتا ہے۔ ایک عجیب و غریب اور مضحکہ انگیز اسے۔ جو اس نے کعبہ کے
مستقل تحریر کی ہے۔ نقل فرما کر نہایت متانت اور تجیدگی سے اسکی غلط فہمی کی ترمیم و تصحیح فرمائے ہیں
اونکی عبارت حسب ذیل ہے۔

مسٹر ڈوزی جو عربی کا بہت بڑا عالم جرمنی میں گذرا ہے اس نے کہ میں بنی اسرائیل کے عنوان
سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ بنی اسرائیل شام سے بھاگ کر حجاز کے شہر
میں آکر آباد ہو گئے تھے اور کعبہ انہیں کا بنایا ہوا معبد ہے۔ جس کو اونہوں نے پہلے (بعل)
دینا کے نام سے جس کو وہ اکثر گمراہی کے زمانہ میں پوجا کرتے تھے۔ تعمیر کیا تھا۔

عربوں میں اسی دیوتا کا نام ہبل مشہور تھا۔ اور جو محمد کے زمانہ تک خانہ کعبہ میں نصب تھا۔
پروفیسر ڈوزی کی تاریخ مسلمانان اسپین کا مقدمہ ترجمہ انگریزی

صاحب ارض القرآن کی رائے۔

پروفیسر صوف کے اس نظریہ سے جو جرمنی کے اکثر یہودی علماء میں براہِ خشکی پیدا ہو گئی ہے
لیکن ہم مسلمانوں کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس رائے میں صرف جزئی ترمیم چاہتے ہیں۔ کہ میں بنی اسرائیل
نہیں۔ بلکہ اسرائیل کے عمرا و جہاں بنی اسرائیل آکر آباد ہوئے تھے۔ اس گمراہ اسرائیل نے نہیں
بلکہ اون کے دادا ابراہیم سے تعمیر کیا تھا وہ ہبل کے نام سے نہیں بلکہ خدا سے عربوں کے نام سے

بنایا گیا تھا۔ ارض القرآن جلد دوم ص ۲۰۰

افسوس ہے کہ پروفیسر ڈورمی کے پیچھے علمی کی یہ شہرت اور اون کی تاریخی واقفیت کی یہ حقیقت کہ آج تک پروفیسر صاحب کو مکہ اور مدینہ کافرق و امتیاز ہی معلوم نہیں۔ عدم واقفیت کی یہ صورت ہے کہ پروفیسر صاحب اتنا نہیں جانتے کہ گرنیٹ کان بیت المقدس حملات سخت نصر سے عاجز آکر شریاب (مدینہ میں) پناہ گزیں ہوئے تھے یا کہ میں اقامت گزیں نہیں معلوم کہ پروفیسر صاحب کی دنیا سے یہ نرالی ترکیب کی تحقیق کہ کعبہ اونہیں کا بنایا ہوا معبد ہے۔ کس تاریخ سے ماخوذ ہے۔ اگر سچے ہوتے تو پروفیسر صاحب اپنی تحقیق کی سند پیش کرتے۔ مگر اونہوں نے کوئی سند پیش نہیں کی اسلئے یہ اون کی ایک متعصبانہ اور محض گمراہانہ تحریر ہے جس پر نہ کوئی توجہ کی جاسکتی ہے اور نہ اوس کا کوئی اثر ہو سکتا ہے۔ مسلمان تو محمد اللہ اس سے کسی طرح متنبہ ہو ہی نہیں سکتے۔ پروفیسر صاحب کے خلاف امید۔ یہود ان جرمین ہی جیسا کہ صاحب ارض القرآن کا بیان ہے۔ ان کی اس انوکھی تحقیق سے جو خفا ہو کر انکی مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے اپنی دانست میں تو کی اون کی خیر خواہی۔ مگر وہ۔ افسوس۔ اولٹ کر بد خواہی ثابت ہو گئی۔ پروفیسر صاحب سمجھ لیں کہ یہ جو ٹپوٹ لٹنے کا نتیجہ ہے۔

ایسی ہی سر ولیم میور صاحب کو ہی اولٹی سوچی تھی۔ سر سید مرحوم نے اونکی ہی اصلاح کر دی خطبات احمدیہ کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

ملکی اور مذہبی روایتوں کے سوا غیر مذہب مورخوں کی تحقیقات سے ہی کعبہ کا نہایت قدیم زمانہ سے موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مسٹر گین (MR. Gibbon) جیسا کہ وہ نہایت مشہور مورخ ہے ویسا ہی نہایت بڑا عالم اور فلسفی ہے۔ اوس نے اپنی تاریخ میں کعبہ کے ذکر میں بیان کیا ہے کعبہ کی صحیح قدامت سسٹنہ عیسوی سے پہلے کی ہے۔ ساحل بحر احمر کے ذکر میں ڈیوڈ روس (DIEDRAUS) یونانی تاریخ نے تھیموٹسٹا (ٹھوڈ) اور سیمین (ضیا بین) کے بیان میں ایک مشہور و معروف معبد (یعنی کعبہ) کا ذکر کیا ہے جس کے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام اہل عرب تعظیم کرتے تھے۔ (قدامہ الہدی) اگر ڈیوڈ روس کے زمانہ میں (یہ یونانی مورخ بہت قدیم ہے) کعبہ ایک مشہور و معروف معبد تھا جس کے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام عرب تعظیم کرتے تھے۔ تو ہیکو اس کی اصلیت کو حقیقت ایک نہایت ہی قدیم زمانہ (ابراہیم کے زمانہ) سے منسوب کرنا چاہیے۔

سر ولیم میور صاحب (SIR W. MUIR) اس پر ایک معترضانہ تقریر لکھتے ہیں کہ جو کچھ ڈیوڈ روس نے لکھا ہے۔ اوس سے عربیہ کی اس روایت کی شہادت پر کہ کعبہ اور اسکے تمام مراسم

کی ابتدا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے ہے۔ کیونکہ قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب کی یہ روایت مسلمانوں کی بنائی ہوئی نہ تھی۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بہت پہلے اہل مکہ کی عام رائے تھی۔ ورنہ قرآن میں بطور ایک حقیقت مسئلہ کے اسکا ذکر نہ ہوتا اور نہ بعض مقامات کے نام جو تمام کعبہ کے گرد و نواح میں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے متعلق کئے جاتے جیسا کہ وہ متعلق کئے گئے ہیں (میوس لائف آف محمد) مگر ہم (مولف خطبات احمدیہ) سمجھتے ہیں کہ سر ولیم میور نے بلاشبہ یہاں غلطی کی ہے۔ جو کچھ ڈاؤنٹورس نے لکھا ہے اس سے عرب کی اس قدیم روایت کی صحت کا ثبوت ہوتا ہے اس بات سے کہ مذہب اسلام سے پیشتر اہل عرب تسلیم کرتے تھے کہ کعبہ کو اور ان تمام مراسم کو جو کعبہ سے علاقہ رکھتے ہیں۔ ابراہیمؑ سے تعلق ہے۔ اس کی صحت اور اصلیت نہایت مضبوطی سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ اہل عرب نے اور بنی جرہم اور عرب کی تمام مختلف قوموں نے اسکو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے منسوب کیا تھا۔ عرب ایک بت پرست قوم تھی۔ اور ابراہیمؑ بت شکنی میں ایک مشہور شخص تھے۔ اسلئے ضرور تھا کہ تمام عرب کی قومیں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے نفرت کرتیں اور کبھی اپنے معبود کو ابراہیمؑ یا اسماعیلؑ سے منسوب نہ کرتیں۔ باوجود اس مفاہرت اور منافرت کے تمام عرب کی قوموں کا اس بات کو تسلیم کر لینا کہ کعبہ اور اس کے تمام مراسم کو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے تعلق ہے۔ علانیہ اسکی صحت اصلیت کی دلیل ہے نہ اس کے برخلاف۔ جیسا کہ سر ولیم میور نے تصور کیا ہے۔ اس روایت کا اسلام کے زمانہ سے پیشتر بطور حقیقت مسئلہ کے تسلیم ہوتا چلا آنا۔ ہمارے لئے دلیل ہے نہ ہمارے مخالف کیلئے خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص (۵۰۶)

حضرت اسماعیلؑ ذبیح الشان حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ

جناب اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پہلے بچے تھے۔ اور اولاد اکبر تھے۔ بڑی دعاؤں اور تمنائوں والے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ ایک مدت مدید تک حضرت سارہ کے بطن سے آبپا کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس محرومی سے دونوں بزرگوار از حد ملول رہتے تھے۔ اور اس نعمت کے حصول کیلئے ہمیشہ بارگاہ رب العزت میں دست دعا رہتے تھے۔ چونکہ ظہور حکم قدرت اور صدور امور شیت کیلئے خاص وقت مقرر ہوتے ہیں اسلئے ان حضرات کی اجابت دعا اور حصول تمنائیں تاخیر تھی۔ اسی عالم میں سارا کو حصول اولاد کی طرف سے ایسی مایوسی ہو گئی کہ آخر کار انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے کمال محبت و الفت کے تقاضے سے۔ جناب ہاجرہ کے ساتھ مزاجبت فرمائے کی اجازت دیدی۔ انہیں کوئی کلام نہیں کہ سارا کی یہ اجازت۔ خلاف فطرت نسوانی بہت بڑا اشارہ تھی۔ اجازت دینے کے وقت سارا کا ابراہیمؑ سے یہ کہنا شاید

جُھ سے نہیں۔ انہیں (ہجرہ) سے خدا نے بجاۃ تعالیٰ تمہاری نسل کو جاری اور قائم فرمائی۔ اپنی طرف سے کمال یا یوسی اور حضرت ابراہیم کی طرف سے ان کے مفرد درجہ کے اخلاص و محبت ثابت کرتا ہے۔ حضرت ہجرہ شرف مزاجت پر فائز ہوئیں اور حضرت اسمعیل ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت اسمعیل نام رکھا گیا

اسماعیل کی وجہ تسمیہ کے متعلق عربی مورخین اور عجمی تمام مستشرقین یورپ متفق اسماعیل کی وجہ تسمیہ ہیں کہ اسمعیل ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ توراۃ - سفر تکوین - بیت ۱۸ میں ہے۔

اسحاق خدا کے وعدے اور عہد کا منظر ہے اور اسماعیل ابراہیم کی دعا کا۔ یعنی باپ کی دعا سے پیدا ہوئے۔ اس بنا پر اسمعیل نام ہوا۔ جو دو لفظوں سے مرکب ہے۔ سمع اور ایل سے۔ سمع کے معنی سننے کے ہیں۔ اور ایل کے معنی خدا کے ہیں۔ یعنی ابراہیم کی دعا خدا نے سن لی

اسماعیل کے متعلق توراۃ کی متواتر بیانات ہیں

توریت کتاب اول از آیت ۲۰ تا ۲۵ میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کی عظمت و تقدیس کی نسبت مفصلہ ذیل بیانات مندرج ہیں۔

خدا نے ابراہیم سے کہا کہ اسمعیل کے بارے میں۔ میں نے تیری دعا سن لی۔ ہاں میں نے اسے برکت دی اور اسے بار آور کیا اور اسے بہت کچھ نصیحت دی۔ اس سے بارہ سردار (امام) پیدا ہونگے اور میں اس کو ایک بڑی قوم کروں گا۔

مندرجہ بالا توراۃ کی عبارت والفاظ الہامی سے۔ جناب اسمعیل کی ولادت بشارت الہی کے متعلق ہونا۔ پورے طور سے ثابت ہو گیا۔ اور آپ کا پاکیزہ وجود۔ پاکیزہ خلقت کی عظمت اور قدر و منزلت کا حقیقی ظاہر ہو گئی۔ اور پھر ایسے صحیح اسناد اور قوی شہادت کے طریقے سے کہ عرب کے مورخین کا کوئی قول یا اون کی کوئی قومی روایت اس کے متعلق نہیں لکھی گئی ہے۔ جو کچھ ہے وہ توراۃ کے مقدس الفاظ و عبارت سے۔ ہم اسی سلسلہ میں توراۃ سے ایک دوسری بشارت بھی نقل کرتے ہیں۔ کتاب اول (تکوین) آیت ۱۲ - ۱۴ میں ہے۔

ابراہیم سے خدا نے کہا کہ تیری نظروں میں بڑا نامعلوم ہو۔ اس (لڑکے) اور اس لونڈی کی وجہ سے۔ جو کچھ تجھے سارا کہتی ہے اس کی بات مان لے۔ کیونکہ اسحاق سے تیری نسل اٹھائے گی۔ اور اس لونڈی کے لڑکے کو بھی۔ میں ایک قوم کروں گا کیونکہ وہ بھی تیری نسل ہے۔

اسحاق کی اسماعیل پر ترجیح کا غلط مسئلہ یہود تو یہود۔ عیسائی بھی اونکے دیکھا دیکھی اور کچھ اپنی حسد و نفرت اور مخالفت اسلام کے باعث سے بھی ایسی صفات اور روشن

بشارتوں کی موجودگی میں بھی کہتے ہیں کہ خدا نے اسماعیل سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اوسکی اولاد میں بارہ سردار ہونگے چنانچہ حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے جو بہتر لہ بارہ بادشاہوں یا بارہ سرداروں کے تھے۔ پیدا ہوئے۔ اور جس برکت دینے کا وعدہ اسماعیل سے کیا گیا تھا وہ دنیاوی برکت تھی۔ روحانی برکت نہیں مراد تھی۔ مگر یہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں۔

ہر ایک منصف مزاج ان آیتوں کو پڑھ کر معلوم کر لے گا کہ ان میں جدا جدا تین لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ میں نے اسکو برکت دی دوم یہ کہ میں نے اوسے بار آور کیا اور بہت کچھ فضیلت دی۔ سوم یہ کہ میں اوسکو بڑی قوم کرونگا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان آیتوں میں جدا جدا تین لفظوں اور فقروں کے ایک ہی معنی ہیں؟ یعنی اولاد کا زیادہ ہونا۔ اب مساوت کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

حضرت اسحاق جب بے شمع پر ہوئے تھے ہیں تو خواب میں خدا اونسے فرماتا ہے۔

اے اسحاق۔ میں تیرے باپ کا خدا ہوں۔ تو مت ڈر۔ میں تیرے ساتھ ہوں۔ میں تجھکو برکت دوں گا

اور اپنے بندے ابراہیم کے سبب سے تیری نسل کو بہت کرونگا۔ توراۃ تکوین ۲۰-۲۱۔

جس مضمون کا وعدہ حضرت اسماعیل سے کیا گیا اور جو لفظ برکت کا اسماعیل کے وعدے میں استعمال کیا گیا۔ اوسی مضمون کا وعدہ اسحاق سے بھی کیا گیا اور وہی لفظ برکت کا اسحاق کے وعدے میں بھی کیا گیا۔ پھر یہ کہنا کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اسماعیل سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ دنیاوی تھا اور اسحاق سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ روحانی تھا۔

اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کیا وعدہ کیا تھا۔ توراۃ میں ہے۔

جب ابراہیم کنعان میں پہونچے تو خدا نے اونسے کہا کہ یہ زمین جو تو دیکھتا ہے۔ میں تیری اولاد کو دوں گا

(تکوین باب ۱۲ آیت ۷)

پھر جب حضرت لوط حضرت ابراہیم سے جدا ہوئے تو پھر خدا نے ابراہیم سے کہا کہ:-

اے ابراہیم آنکھیں کھول اور چاروں طرف دیکھ کہ یہ زمین جو تو دیکھتا ہے تیری اولاد کو دوں گا اور تیری

اولاد کو زمین کی ریت کے مانند کروں گا۔ جو کوئی ریت کو گن سکے تو تیری اولاد کو بھی گن سکے گا۔

(تکوین باب ۱۵ آیت ۵)

پھر خدا نے ایک بار ابراہیم سے کہا:-

خدا نے ابراہیم سے پختہ وعدہ کیا کہ تیری اولاد اتنی ہوگی جتنے آسمان کے تارے۔ جبکہ کوئی گن نہیں سکتا

(تکوین باب ۱۳-۱۴-۱۵-۲۰)

پھر خدا نے ابراہیم سے ارشاد کیا :-

خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا کہ یہ زمین مصر کے دریا سے فرات کے دریا تک تیری اولاد کو دوں گا۔

(تکوین باب ۱۵)

جب ابراہیم ننانوے برس کے ہو گئے۔ تو خدا نے اون سے کہا :-

مجھ میں اور تجھ میں وعدہ ہوتا ہے کہ میں تجھ کو زیادہ سے زیادہ کروں گا۔ تو بہت سی قوموں کا باپ ہوگا۔ تجھ

سے قومیں پیدا ہونگی۔ تجھ سے بادشاہ نکلیں گے۔ اور تیری اولاد سے ہی ہمیشہ کا عہد ہوگا۔ اور کنعان

کی زمین تو تجھے وراثت دانی میں دوں گا۔ (تکوین باب ۱۷ آیت ۱-۲-۳-۴-۵-۶-۷-۸)

یہ تو وہ وعدے تھے۔ جو خدا نے ابراہیم سے کئے تھے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا نے اسحاق و یعقوب سے کیا کیا وعدے کئے تھے۔

معراج یعقوب کے ذکر میں توراۃ کا بیان ہے :-

جب یعقوب بصر شمع سے حاران کی طرف روانہ ہوئے تو ایک مقام پر پہنچے جہاں رکھ کر سو گئے۔ خواب میں

دیکھتے ہیں کہ ایک سیڑھی آسمان تک لگی ہوئی ہے اور خدا کے فرشتے اوپر چڑھتے اور اتارتے ہیں۔ اُس (سیڑھی)

پر خدا نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں تیرے باپ ابراہیم و اسحاق کا خدا ہوں۔ یہ زمین جس پر تو سوتا ہے تجھ کو

اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ تیری اولاد زمین کی ریت کے برابر ہوگی۔ اور چاروں طرف پھیلے گی۔ (تکوین

باب ۲۸ آیت ۱۲-۱۳-۱۴)

زبور داودی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا نے ابراہیم سے جو وعدہ اور عہد کیا تھا وہی بعد کو بھی قائم

رہا اور وہ صرف کنعان کی زمین دینے کا وعدہ تھا۔ چنانچہ زبور میں خدا کا کلام اس طرح لکھا ہے :-

جو عہد میں نے ابراہیم سے کیا اور اسحاق سے اوسکی قسم کھائی اور یعقوب کے ساتھ بمنزلہ قانون مقرر

کیا اور اسرائیل سے عہد دائمی کیا اور کہا کہ زمین کنعان تجھے دیتا ہوں۔ تاکہ تیری میراث کا حصہ ہو

(زبور آیات ۱-۵-۹-۱۰-۱۱)

اب دیکھنا چاہیے کہ اسی وعدہ کا پورا کرنا خدا نے بتلایا تھا۔ اسکی نسبت توراۃ میں لکھا ہے :-

جب حضرت موسیٰ متوآب کے جنگل میں۔ بیٹھ رہا تو چڑھے۔ جو برہمنوں کے سامنے ہے۔ تو خدا نے

موسیٰ سے کہا کہ یہ زمین ہے جس کی نسبت میں نے بتسمیہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب سے وعدہ

کیا تھا کہ تمہاری اولاد کو دو دنگا پس یہ زمین میں تجھے آنکھوں سے دکھلا دیتا ہوں۔ مگر تو وہاں نہیں جاتے گا۔ (کتاب پنجم باب ۲۲)

الغرض۔ یہ تمام وعدہ جو خدا نے ابراہیم۔ اسحاق۔ اور یعقوب سے کئے تھے۔ ہم نے منتخب کر کے ہر منصف مزاج پڑھنے والے کے سامنے رکھ دئے ہیں۔ اب اسکے بعد ہم دو سوال کرتے ہیں۔
اول یہ کہ جو وعدے خدا نے ابراہیم کی اولاد کے لئے کئے ہیں۔ وہ وعدے اسماعیل اور اسحاق دونوں کے حق میں کیوں نہیں سمجھے جائیں گے۔ حالانکہ خود خدا نے ہی کہا ہے کہ اسماعیل ہی ابراہیم کی اولاد سے ہے۔ جیسا کہ تکوین باب ۱۱ میں مذکور ہے۔ اور بہت بڑی دلیل مشترک ہونے کی یہ ہے کہ بشارات کے تمام الفاظ عموماً اولاد کا لفظ خاص بتلاتے ہیں جس سے اسحاق و اسماعیل بدرجہ اولیٰ اور تمام اولاد ابراہیمی برتبہ آخریٰ مشترک اور مثل سمجھی جائے گی۔ ان بشارتوں سے خاص اولاد اسحاق بتلانے والوں کو لازم ہے کہ اپنی اس تخصیص کے لئے وہ مرقومہ بلا عبارات تورات میں پہلے خاص اسحاق یا آل اسحاق کا نام لکھا ہوا ثابت کریں۔ بغیر اسکے وہ ہرگز تخصیص ثابت نہیں کر سکیں گے ہمیشہ اس سے تعمیم ہی مراد ہوگی جو عین مدعا ہے الہام ہے۔

دوم یہ کہ جو وعدہ خدا نے اسحاق و یعقوب سے کیا تھا۔ یعنی ملک کنعان کا دنیا اور اولاد کا زیادہ کرنا۔ ان میں وہ کیا ایسی چیز ہے جس سے یہ روحانی قسم کا وعدہ سمجھا جاتا ہے۔ اور جو وعدہ اسماعیل کی نسبت کیا گیا ہے اس میں کس چیز کی کمی ہے جس سے وہ دنیاوی سمجھا جاوے۔

جو لوگ انصاف سے ان باتوں پر نظر کرتے ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ خدا نے اسحاق سے بھی برکت کا وعدہ کیا۔ ان کی اولاد میں انبیاء پیدا ہوئے۔ ملک فتح کئے۔ کنعان ہی فتح کیا۔ اسی طرح اسماعیل کی اولاد میں بھی جیسا کہ خدا نے ان سے ہی برکت کا وعدہ کیا تھا۔ پہلے شعیبؑ پہر اوٹ اور سب سے آخر میں آخر الزما (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیدا ہوئے تمام دنیا اوس کی برکت سے بہرگئی۔ اسماعیل کی اولاد نے ہی ملک فتح کئے۔ کنعان کو جو غیر خدا پرستوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ پھر فتح کیا اور پھر ابراہیمؑ کی نسل میں اوس ورثہ کو ملے آئے۔ اور جب تک خدا کی مرضی ہے وہ ابراہیمؑ کا ورثہ اوتھے حصہ میں رہے گا۔ اگرچہ بچا ہے اصلی صرف خدا ہی کی ذات کو ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ

یہ بحث ہم نے مرحوم ڈاکٹر سرسید کی خطبات احمدیہ سے نقل کی ہے۔ سرسید کے اس مختارے مجھے وہ ہیں تاکہ اتفاق ہے جہاں تک لایق مصنف نے حضرت اسحاق و اسماعیل کی روحانی عظمت و اقتدار اور ذاتی شرف و امتیاز میں باہمی مساوت ثابت کی ہے اور مخالفین اسلام کی اون ناویلاست اور توہمات باطلہ کی

تردید فرمائی ہے۔ جو اپنے تعصب مذہبی اور نفسانیت ذاتی کی بنا پر خواہ مخواہ حضرت اسحاق کو جناب اسماعیل پر ترجیح دے جانے کیلئے مٹے جاتے ہیں۔ ہاں مجھ کو سید صاحب کے موجودہ مختار میں ان مطالب مقاصد سے ہرگز اتفاق نہیں ہو سکتا۔ جبکہ انہوں نے اپنی تحقیق کی کمی محققین یورپ کی بیجا تقلید اور بے ضرورت عقیدت کیوجہ سے تحریر فرمائے ہیں۔ جن کی تنقید و تصحیح بہت جلد ہمارے سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگی۔

مرحوم سید صاحب مخالفین اسلام کو اتنا بتلانا ضرور ہو فرما گئے ہیں کہ شواہد مرقومہ بالا کچھ احکام ربانی اور الہام یزدانی ہونے کا تنہا شرف نہیں رکھتے۔ بلکہ اس وقت سے لیکر اس وقت تک تاریخی واقعات میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ فی الحال اولاد اسحاق و اسماعیل سے کرہ زمین کا کوئی حصہ اور کوئی گوشہ خالی نہیں بتلایا جاسکتا۔ اور ان کی لاتعداد کثرت اولاد میں شمار کر کے کوئی نہیں بتلا سکتا کہ اسحاق کی اولاد زیادہ ہے یا اسماعیل کی۔ تو پھر اسماعیل کی اولاد اسحاق کی اولاد کے مقابلہ میں کیسے کم سمجھی جائے گی۔ اور پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اسحاق کے ساتھ جو وعدہ برکت تھا وہ روحانی تھا اور جو اسماعیل کے ساتھ تھا وہ دنیاوی تھا۔

توراة کی مذکورہ بالا بشاراتیں جو حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادوں کے متعلق ابواب و اسفار کے آیات میں متواتر مرقوم ہیں۔ صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ باعتبار ذاتی اقتدار و عظمت اور افتخار منزلت۔ اسحاق و اسماعیل دونوں حضرات مساوی فی الہد جات ہیں۔ اور ایسے کہ ایک چنے کی دو داں۔

حضرت اسماعیل کی پرورش یہاں تک ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں کہ حضرت اسماعیل جناب ابراہیم کی خاص دعا سے پیدا ہوئے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اور بالکل اصول فطرت کے مطابق کہ جس باب کے ہاں ایسا اراٹوں والا بچہ ہو گا وہ اونکو کتنا عزیز ہو گا۔ اور پھر وہ کچھ ہی کیا۔ جس کی عظمت اور فضیلت کی خبر بشارت خداوندی پہلے سے دے چکی ہو جس کی مقدس نسل سے بارہ سردار

رامام پیدا ہونے والے ہوں۔ جس کی مبارک صلب سے عظیم ترین قوم وجود میں آئی والی ہو جس کی نود اولاد ارض اللہ کی وارث ہونے والی ہو۔ اور اقوام و ممالک مختلفہ پر حکمرانی کرنے والی ہو اور جانبانی۔ جس کے اعقاب و اخلاف سے مشائیر اور اکابر علماء و فضلاء۔ صلحا اور عقلا وجود پذیر ہونے والے ہوں اور ان سب کے علاوہ۔ اسی کی مقدس نسل اوسی کی مطہر صلب سے۔ رسالت کا خضر آخر۔ نبوت کا مسمم۔ اور دعوت الہی کا خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طور پذیر ہو نہی والا ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کے برحق رسول تھے اور سچے پیغمبر وہ اسماعیل اور ان کے اعقاب اخلاف کے متعلق منجانب اللہ بشارت پا چکے تھے۔ ان تمام امور سے واقف ہو کر حضرت ابراہیمؑ کے دل میں ایسے ذلیل

اور عالی منزلت صاحبزادے کی کسی اور کتنی محبت ہوگی۔ اس کے بیان و اندازہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت اسماعیل سترہ برس تک اپنے والد بزرگوار کے دامن عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ اور اپنی والدہ گرامی قدر کے آغوش مبارک میں آرام و آسائش این کی خاطر داری اور ناز برداری کچھ ابراہیم و ہاجرہ ہی تک موقوف نہیں تھیں بلکہ ولادت اسحاق کے پہلے حضرت سارہ کے اشفاق و توجہ ہی ایسی ہی تھی۔ مگر شفقت کو اسماعیل سے بڑے بڑے کام لیتے تھے۔ اور اس کے نامزد و نظام کو ان کے ذریعے سے اس قطعہ زمین کی آبادی منظور تھی۔ جہاں انسانی بود و باش کا تصور ہی گویا اوسوقت محالات و ناممکنات سے تھا اس ضرورت سے۔ خدا نے مقادیر لعلوب نے حضرت سارا کے دل میں ولادت اسحاق کے بعد ہی اسماعیل کی طرف سے محبت کی جگہ نفرت پیدا کر دی۔ اور ان کے خصائص ذاتی کو اوسوقت بالکل معمولی طبیعت کے انداز و پیمانہ پر معطوف فرما دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا کہ حضرت ابراہیم کے حالات میں اور قبلین ہو چکا ہے کہ بالآخر حضرت ابراہیم نے سارا کے اصرار پر اصرار اور خدا کے ارشاد و استرخا کے مطابق اسماعیل اور ان کی ماں کو بادل گراں اور با چشم گریاں شہر کنعان سے مکہ معظمہ پہنچا دیا۔ مگر کس حال میں ہجر و طلال کے ایسے نامزد و اور غیر متحمل عالم میں کہ کسی طرح اپنی محترم بیاں اور مفتاح فرزند کی مفارقت کا صدمہ برداشت کے قابل نہیں تھا مگر رضاً بقضاء و تسلیم لا مرہ کے اصول مسلمہ پر قائم رہ کر ان کی جانگزا مفارقت پر صبر کر لیا تھا چنانچہ آپ کے اس صبر و شکیبائی کی تصدیق تورات نے ان الفاظ میں فرمائی۔

سارہ کی یہ فرمائش۔ بی بی اور بچہ کی خاطر سے ابراہیم کو سخت ناگوار معلوم ہوئی اور خدا نے اسی وقت

یہ کہہ کر ابراہیم کی تسکین و تسلی فرمائی کہ سارا کا کہنا شکوہ بی بی اور بچہ کی خاطر سے ناگوار ہونا چاہیے۔

ذبیح اسماعیل کا واقعہ مکہ میں سکونت فرما ہونیکے وقت سے لیکر واقعہ قربانی تک کے سارے واقعات پوری تفصیل سے جناب ابراہیم کے حالات میں اور درج ہو چکے ہیں۔ ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ قربانی کا واقعہ جناب ابراہیم و اسماعیل کے زمانہ کا عظیم الشان واقعہ ہے اور ان دونوں حضرات کے کمال معارف اور انتہائے صبر و رضا کا عظیم الشان نظیر کا زمانہ جس کی تفصیل بھی تنہیداً عہد ابراہیمی میں اور بیان ہو چکی ہے مگر اس کے متعلق ایک تحقیق متقیق طلب ہے اور وہ میرے لئے نہایت ضروری ہے۔

قربانی کا مسئلہ قدیم سے اسلام اور غیر اسلامی مذاہب میں مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ یہود اور ان کی کورانہ تقلید اور مغویانہ تائید میں عیسائی اسحاق کو ذبیح قرار دیتے ہیں۔ اور اسلامی مورخین علی الاکثر اسماعیل کو مخالفین اسلام کو ذبیح کے متعلق اسماعیل کا شتمنا و کنایتا نام ہی نہیں لیتے۔ مگر اسلامی مورخین و محدثین

میں اسکی نسبت دو فرقے ہو گئے ہیں۔ ایک اسحاق کو ذبیح اللہ تسلیم کرتا ہے دوسرا اسماعیل کو۔ ان باہمانہ اختلاف سے غیر اسلامی مورخین کے غلط استدلال میں قوت آگئی ہے۔

اسی وجہ سے ڈاکٹر سر سید احمد خاں حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ لکھتے ہی نہیں بلکہ ضرورت سے زاید معسر سید صاحب کے اس مختار پر جہاں تک نظر ڈالی گئی ہے اور غور کیا گیا ہے جس کو انہوں نے اپنے غلط اصرار کے تقاضے سے خطبات احمدیہ کے متواتر مقامات پر زیب قلم فرمایا ہے۔ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اوکی اس رائے کی بنیاد اسلامی مورخین و مفسرین کے مختلف روایات پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام تر تورات کی عبارات اور یہود و نصاریٰ کی تحقیقات اور کثیر فیصلحات پر قائم ہے۔ اور چونکہ سید صاحب کا استدلال ہمیشہ سے کتب قدیمہ اور غیر اسلامی مورخین و محققین کا اخبار و آثار سے مستنبط و تخریج ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ سے انہیں کے اقوال و اسناد کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ اسلئے انہوں نے واقعہ قربانی میں بھی حضرت اسحاق ہی کو ذبیح اللہ تسلیم کر لیا۔

سید صاحب کی اس غلط فہمی کی بنیاد صحیحہ اصلاح و ترمیم کریں گے۔ ابھی ہم غیر اسلامی اقوام کے اس دعویٰ کی کہ اسحاق ہی ذبیح اللہ حقیقی تھے تردید و تنقید پیش کرتے ہیں۔ اس بحث پر مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی میں جو حقائق رائے قائم کر رہے ہیں۔ اس سے ہم کو پورا اتفاق ہے اور ہم اسی کی نقل کو اپنے اداسے بارے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ ان کی عبارت منقول عنہ یہ ہے۔

توراة اگرچہ یہودیوں کی عدم احتیاط۔ اغراض ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے ذبیح کون ہے سترہا پاسخ ہو گئی ہے اور خصوصاً حضرت خاتم کے متعلق اُنہیں جو تصریحات و تلمیحات تھیں یہود کے دست تصرف نے اونکو بالکل برباد کر دیا ہے۔ تاہم حقائق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہیں توراة میں جو تصریحاً حضرت اسحاق کا ذبیح ہونا لکھا ہے۔ لیکن مطالعے کلام میں اس بات کے قطعی دلائل موجود ہیں۔ کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ امور ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱) شریعت سابقہ کے روئے قربانی صرف اسی جانور یا آدمی کی ہو سکتی تھی جو پہلوٹا بچہ ہو۔ اسی بنا پر یسوع نے جن بیٹے ہوں کی قربانی کی تھی وہ سب پہلوٹے بچے تھے۔ خدا نے حضرت موسیٰ سے۔ جہاں لادویوں کے متعلق احکام ارشاد فرمایا ہے۔ وہاں فرمایا ہے۔

کائنات کی کل بکسرفی۔ یعنی اسرائیل و ملاناس و البھائم کیونکہ بنی اسرائیل میں۔ آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ۔ میرے لئے ہے۔

(توراة کتاب الاعادہ۔ آیت ۶ و ۷)

(۲) پہلوٹے بچہ کی نفسیات کسی حالت میں زائل نہیں ہو سکتی۔ توراة میں ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں

ایک مرغوب ہو اور ایک غیر مرغوب۔ توفیقیت اسی اولاد کو ہوگی جو پہلوی ہو۔ گودہ غیر مرغوب سے ہو۔ فائدہ

اول قدمیہ ولہ حق البکوریۃ (سفر تثنیہ، صحاح باب ۲۱، آیت ۱۵-۱۶)

(۳) جو اولاد خدا کو نذر کر دیتی تھی اسکو باپ کا ترکہ نہیں ملتا تھا۔ توراۃ میں ہے۔

فی ذالک الوقت افترنا للرب سبطاً لاوی لیکملوا
تالوت عهد الرب ولکی یقفوا امام الرب لیختار صوة
وبارکوا باسمه الہی هذا لایعزلکم عن ذلک لم
یکن للذوی قسم ولا نصب مع اخوتکم للرب
هو نصیبہ

تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لیے مخصوص کر لیا کہ خدا کے عہد
کا ثابت اوٹھائے۔ اور تاکہ خدا کے آگے کھڑا ہو تاکہ وہ خدا کی
خدمت کریں۔ اور اس کے نام سے آج تک برکت لیں۔ یہی وجہ
ہے کہ لاویوں کو اپنے بھائیوں کے ساتھ اور ترکہ نہیں ملا کیونکہ
انکا حصہ خدا ہے (توراۃ تثنیہ، صحاح باب ۲۱)

(۴) جو شخص خدا کے نذر کیا جاتا تھا وہ سر کے بال چھڑ دیتا تھا اور عہد کے پاس جاکر منڈاتا تھا جب طرح
آج حج میں احرام کو لےنے کے وقت بال منڈاتے ہیں۔ توراۃ میں ہے۔

فہا انک تمکلین ولدین ابناؤ کا یادل موسیٰ
راسہ لان الصبیون کیون ذیر اللہ۔
(توراۃ قضاۃ، صحاح باب ۱۳)

اب تو حاملہ ہوگی۔ اور بچہ جنمے گی۔ اور اسی کے سر پر استرانہ
پھیرا جائے گا۔ کیونکہ یہ بچہ خدا کے لئے نذر کیا جائیگا۔

(۵) جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا۔ اس کے لئے، خدا کے سامنے کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ توراۃ سفر
عد ۱۶-۱۷-۲۰۔ سفر کنون ۱۶۔ سفر تثنیہ ۸-۱۰)

(۶) حضرت ابراہیم کو بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تھا۔ اس میں قید تھی کہ وہ بیٹا قربانی کیا جاوے۔ جو اکلوتا ہو اور
محبوب ہو۔ (توراۃ کنون، صحاح ۲۲، آیت ۲)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو۔ لیکن پہلے یہ تیلادینا ضرور ہے کہ حضرت ابراہیم کی شریعت میں قربانی کرنا اور خدا
پر چڑھنا۔ ایک بات تھی۔ یعنی دونوں کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بچہ کو فلاں
معبد میں قربانی چڑھا دو تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ اس معبد کی خدمت اور مجاورت کیلئے گھر سے الگ کر دیا
جائے۔ لیکن یہ لفظ جب جانوروں کیلئے استعمال کیا جاتا تھا تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے۔ توراۃ
میں خدا کی زبان سے مذکور ہے کہ لاوی بنی اسرائیل من الناس والیہا شتم۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں آدمی اور
جانور کا ہر پانچواں بچہ میرے لئے ہے۔

اسی اصحاح میں تصریح کیے ساتھ مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ تم بنی اسرائیل میں سے بنی
لاویوں کو لو اور انکو خدا کے سامنے پیش کرو کہ خدا کیلئے خاص کر لئے جائیں اور یہ لوگ دو گایوں کے سر پر ہاتھ

رکھ دیں جو قربانی کی جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹے کی جو قربانی کا حکم ہوا تھا۔ اس سے ہی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کیلئے نذر چڑھا دیں۔ حضرت ابراہیم نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا اور اسلئے اسکی بعینہ تعینیل کرنی چاہی لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا۔ اس بنا پر حضرت ابراہیم نے بیٹے کو خانہ خدا کی خدمت کیلئے خاص کر دیا اور جو شرطیں قربانی کی تھیں قائم رکھیں۔

بیان مذکورہ بالا کو ذہن نشین کرنے کے بعد۔ دلائل ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

(۱) حضرت اسحاق کی ولادت حضرت اسماعیل کے بعد ہی اس بنا پر حضرت اسحاق اکلوتے بیٹے نہیں۔ اور چونکہ قربانی کے لئے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے۔ اسلئے حضرت اسحاق کی قربانی کا حکم نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) حضرت اسحاق کو حضرت ابراہیم نے اپنا تمام ترکہ دیا بخلاف اسکے حضرت اسماعیل کو اور انکی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دیکر خست کیا۔ یہ اس بات کی دلیل کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہیں چڑھایا تھا۔

(۳) حضرت اسماعیل کے خاندان میں مدت تک یہ رسم قائم رہی کہ لوگ سر کے بال نہیں منڈاتے تھے حج میں احرام کے زمانہ تک سر نہیں منڈاتے۔ یہ اسی سنت اسماعیلی کی یادگار ہے۔

(۴) جو الفاظ قربانی اور نذر چڑھانے کیلئے نعت ابراہیمی میں استعمال کئے جاتے تھے۔ وہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کے لئے استعمال کئے نہ حضرت اسحاق کیلئے۔ توراۃ میں ہے کہ جب خدا نے ابراہیم کو اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیم نے کہا۔

لَبَّيْكَ اِسْمَاعِيْلُ يَعْشُرُ اِسْمَاكَ
|| کاش اسماعیل تیرے سامنے زندہ رہتا۔

توراۃ میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) اسی معنوں میں ہوا ہے۔

(۵) حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم کے محبوب ترین اولاد تھے۔ توراۃ جو تمام تر حضرت اسحاق کی یکطرفہ داستان ہے اس میں حضرت اسحق اور حضرت اسماعیل کے جو امتیاز ہی خصائص بیان کئے ہیں یہ ہیں کہ حضرت اسحاق خدا کے وعدہ اور عہد کا منظر ہیں۔ اور حضرت اسماعیل دعوت ابراہیم میں۔ یعنی حضرت ابراہیم کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے۔ اس بنا پر خدا نے انکا نام اسماعیل رکھا۔ کیونکہ اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ جمع اور ایل سے۔ جمع کے معنی سننے کے اور ایل کے معنی خدا کے ہیں۔ یعنی خدا نے ابراہیم کی دعا سن لی۔ توراۃ میں ہے کہ خدا نے ابراہیم سے کہا کہ اسماعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی۔ حضرت ابراہیم کو جب خدا نے حضرت اسحاق کی خوشخبری دی تو اس موقع پر ہی حضرت اسماعیل کو

یا دیکھا۔ شرف چونکہ ابراہیم کو قربانی کا حکم ہوا تھا۔ اس میں فیدہ تھی کہ محبوب ترین بیٹا ہوا اسلئے اسماعیل ہی ذبیح ہو سکتے ہیں نہ حضرت اسحاق۔

(۶) حضرت اسحاق کی جب خدا نے بشارت دی تو ساتھ یہ بھی بشارت دی کہ میں اسکی نسل سے ابدی عہد باندھوں گا۔ توراۃ میں ہے۔

پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ میرے لئے ایک بیٹا جنے گی اور تو اسکا نام اسحاق رکھے گا۔ اور

میں ابدی عہد اسکی نسل سے قائم کروں گا۔ (توراۃ تکوین باب ۱۸ آیت ۱۸)

اس اجمال کی تفسیر یہ ہے کہ توراۃ میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اور فرشتے نے ندا دی کہ ہاتھ کو روک لو۔ تو فرشتے نے یہ الفاظ کہے۔

خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا۔ میں تجھ کو برکت دوں گا۔ اور

تیری نسل کو آسمان کی ستاروں اور ماضی بکر کی ریتی کی طرح پیدا دوں گا۔ (تکوین باب ۲۲)

اب غور کرو۔ کہ خدا نے جب حضرت اسحاق کی بشارت ہی کے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ میں اسکی نسل قائم رکھوں گا۔ تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ جب وقت تک حضرت اسحاق کی اولاد نہیں پیدا ہوئی تھی۔ اون کی قربانی کا حکم ہوتا۔ لیکن حضرت اسماعیل کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام ٹھوس تعلیق ہو جاتے ہیں حضرت اسماعیل اکبر اولاد تھے۔ محبوب تر تھے۔ قربانی کے وقت بالغ یا قریب بلوغ تھے۔ قربانی سے پہلے انکی کثرت نسل کی بشارت نہیں دی گئی۔ توراۃ میں تصریح ہے کہ چونکہ ابراہیم نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا۔ اسلئے اس بیٹے کے کثرت نسل کا وعدہ کیا گیا۔ یعنی یہ کثرت نسل اسی قربانی کے صلہ میں تھی۔ اسلئے ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ حضرت اسحاق کی تکثیر نسل کا وعدہ تو اون کی ولادت ہی کی وقت ہو چکا تھا۔ جو کسی انعام و صلہ کے معاوضہ میں نہ تھا۔

(۷) مقام قربانی کی معطلی نہ تھی۔ جب قربانی اسماعیل کے واقع ہی سے انکار ہے تو پھر اس کے موقع اور موضع سے ہی انکار مخالفین اسماعیل کے لئے ضروری تھا۔ اسلئے توراۃ میں قربانی کا وہ جو موقع بتلایا گیا ہے وہ ہر یا ہے۔ یہودی کہتے ہیں یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت سلیمان کا ہیکل تھا۔ عیسائی کہتے ہیں۔ اوس جگہ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی۔

لیکن یورپ ہی کے محققوں نے ان دونوں دعوؤں کی تغلیط کی ہے۔ سرائانی SIRSTANLEY

۱۸-۱۶ تکوین باب ۱۵ تکوین باب ۱۸

۱۵ یسلم حضرت اسحاق کی اولاد حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئی۔ (تکوین باب ۲۵-آیت ۱۱)

کہتے ہیں :-

حضرت ابراہیم صبح کے وقت اپنے خیمہ سے نکل کر اس مقام پر گئے جہاں خدا نے انکو حکم دیا تھا۔ لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہیں ہے جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے۔ نہ عیسائیوں کے خیال کے موافق۔ قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہے۔ یہ قیاس تو یہودیوں کے قیاس سے ہی زیادہ بعید ہے۔ اور اس سے ہی زیادہ البعد۔ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ جبل عرفات ہے۔ غالباً یہ مقام جریزیم کے پہاڑ پر ہے اور وہی قربانی گاہ ہے۔

اول تو یہ غلط ہے۔ مسلمان عرفات کو نہیں بلکہ منیٰ کو قربانی گاہ سمجھتے ہیں۔ خیمہ مرقومہ بالا عبارت سے اتنا وثابست ہوا کہ موریا کے یقین میں یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوے غلط ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ مسلمانوں کا دعویٰ بھی غلط ہے۔ اسکی تحقیق آگے آتی ہے۔

موریا کی تعمیر میں جو اختلاف پیدا ہوا اس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا۔ یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہے یا وصفی معنی رکھتا ہے۔ بہت سے مترجموں نے اسکو ایک مشتق لفظ سمجھا ہے اور اسلئے اسکا ترجمہ توراۃ کے بعض نسخوں میں بلوطات عالیہ اور بعض میں زمین بلند اور بعض میں مقام الرویا کیا ہے۔ لیکن زیادہ صاحب الرائے لوگوں نے اس کو مقام کا نام سمجھا اور اسی لئے لفظ کا ترجمہ نہیں کیا۔ بلکہ بحال خود رہنے دیا۔ لیکن امتداد زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی یعنی موریا کا مورہ ہو گیا۔ خصوصاً اسوجہ سے کہ عبرانی زبان میں دونوں لفظوں کا اطلاق قریب قریب ہے۔

مورہ کی نسبت توراۃ میں تصریح ہے کہ عرب میں واقع ہے۔ توراۃ میں ہے :-

وكان جيش المسديانين شاميا هم عند تل موصیٰ | اور مدیانیوں کی فوج۔ شمال کی جانب۔ مورہ کی پہاڑی پر وادی میں فی الحادی۔ (قضاۃ۔ باب ۲ آیت ۲) | اسی (مدیان عرب میں واقع ہے)

تمام قرآین اور واقعات کو پیش نظر رکھا جاوے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ لفظ مورہ نہیں بلکہ مردہ ہے۔ جو مکہ معظمہ کی پہاڑی ہے اور جہاں اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

عرب کی روایات۔ قرآن مجید کی تصریح۔ احادیث کی تفسیریں۔ تمام چیزیں اس قیاس سے مستند مطابقت میں جاتی ہیں کہ اس قسم کا تطابقی بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہیں تفصیل اسکی یہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مورہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ قربانی گاہ یہ ہے۔ اور مکہ کی تمام

طہرین عرب کی سرزمین ہے اور عرب کو اکثر مدینوں ہی کہتے ہیں۔ اور مدین کی زمین تمام کے جنوب۔ یہ من کے شمال تک ہے اور یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں جو طور سے تھے۔ ضمیمہ بائبل صفحہ ۱۱۴۔

پاڑیاں اور گھاٹیاں قربان گاہ ہیں۔ (موطائے امام مالک)

آنحضرت صلعم کے زمانہ میں مردہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تاہم
آنحضرت صلعم نے مردہ ہی کو قربان گاہ اصلی فرمایا۔ یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیم نے یہیں حضرت اسماعیل
کی قربانی کرنی چاہی تھی۔

قرآن مجید میں ہے۔

ثم هجلاها الى البيت العتيق
هديا بالغة الكعبة

پھر قربانی کے جانوروں کی جگہ کعبہ ہے
قربانی جو کہ کعبہ میں پہنچے۔

مردہ بالکل کعبہ کے مقابل اور اس کے قریب ہے۔ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہی
مندی نہیں۔ لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود کو اتنی تک وسعت دیدی گئی۔

یہودی حضرت اسحاق کی اولاد ہیں اس لئے اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے تو ان کی کوئی
قربانی کی یادگار یادگار ان کے ہاں موجود ہوتی۔ بخلاف اسکے حضرت اسماعیل کے خاندانہ بلکہ تمام مسلمانوں میں
جو حضرت اسماعیل کی روحانی اولاد ہیں۔ قربانی کی تمام رسمیں آج تک موجود ہیں۔

اولاد اسماعیل میں قربانی کی تمام یادگاریں موجود ہیں۔ اور حج جو ایک بڑا فریضہ اسلام ہے۔ تمام قرآنی
قربانی کی یادگار ہے۔ چنانچہ اسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا اسے ابراہیم حضرت ابراہیم نے
کہا (لبیک) میں حاضر ہوں (تکون بائ) حج میں مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے جاتے ہیں یہ وہی ابراہیم
الفاظ ہیں جسکا ترجمہ وہی ہے۔ میں حاضر ہوں۔

(۲) شریعت ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھتے تھے۔ یا خدا کے لئے نذر دیتے تھے۔ وہ
بار بار معبد یا قربانی گاہ کے پھیرے کرتا تھا۔

حج میں صفوں مردہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں یہ اسی کی یادگار ہے۔

(۳) نذر کے فرائض میں ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہیں کترواتے تھے۔ حج میں اسی ہی دستور ہے
جب احرام اتارتے ہیں۔ تب بال نہیں کترواتے یا منڈاتے ہیں۔ خود قرآن مجید میں ہے۔

سروں کے بال منڈائے ہوئے یا کترائے ہوئے۔

مُحَقِّقِينَ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ

(۴) حج کا ایک ضروری رکن قربانی ہے۔ یہ وہی حضرت اسماعیل کی قربانی کی یادگار ہے۔ اسی بنا پر قربانی
میں فرمایا ہے۔

قَدْ يَسَاءَ بَدِيعٌ عَظِيمٌ
حضرت اسماعیل کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی قربانی قائم کی
یہ تو دلائلِ تورات کی تصریحات و کنایات کی بنا پر تھے۔ قرآن مجید کی رو سے قطعاً حضرت اسماعیل کا
ذبیح ہونا ثابت ہے۔ اگرچہ بہت سے مفسروں نے غلطی سے یہودیوں ہی کی روایت کی تائید کی ہے۔
قرآن مجید میں قربانی کا واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ مَدْيَنَ سَعِدَ بَيْنَ يَدَيْهِ سَعِيدٌ
اور حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤنگا
وہ مجھ کو راہِ راست دکھائے گا۔ خدا یا مجھ کو اولاد دے کہ جو
نیک چلن ہو۔ تو ہم نے اوس کو ایک بھیدار لڑکے کی خوشخبری
دی۔ پر جب وہ لڑکا اوس کے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیم نے کہا

کہ بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ تیری کیا رائے ہے۔

آیات بالا میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے اولاد کیلئے وعاد مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہی لڑکا قربانی
کیلئے پیش کیا گیا۔

توراة سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوا وہ حضرت اسماعیل ہیں اور اسی
لئے اُن کا نام اسماعیل رکھا گیا کہ خدا نے اُس کے بارے میں حضرت ابراہیم کی درخواست سنی۔ اسی بنا پر
اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسماعیل ہیں۔ اسحاق نہیں۔

قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاق کی ولادت کا ذکر ہے۔ اس سے قطعاً ثابت
ہوتا ہے کہ جس کا ذکر اوپر ہوا وہ حضرت اسحاق نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت اسماعیل ہیں۔

مسلمانوں کا نام جو مسلم رکھا گیا۔ یہ وہ نام ہے جو حضرت ابراہیم نے ایجاد کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے۔
مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ الَّذِي تَكْتُمُونَ كَلِمَاتِهِ
تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی ہے پہلے تمہارا نام مسلمان
رکھا تھا

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو قربانی کرنا چاہا اور
اون سے کہا کہ خدا کا یہ حکم ہوا ہے۔ تمہاری کی رائے ہے۔ تو حضرت اسماعیل نے نہایت استقلال کے
ساتھ گروں چڑھا دی کہ یہ سب عارضی ہے۔ اس موقع پر خدا نے اُن کا لفظ استعمال کیا کہ جو اسلام سے ان خود ہی
اور اسکے معنی تسلیم اور حوالہ کر دینے کے ہیں۔

فَلَمَّا اسْتَمْلَا
پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیا۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے۔ یعنی جب قربانی کا حکم

ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بے غدر گردنیں جھکا دیں۔ یہ وصف مقبول بارگاہ الہی ہوا۔ اور پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کا یہی شعار نہ رہی قرار پایا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے پیروان ملت کا نام مسلم رکھا۔ قربانی۔ ایثار اور اسلام درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہیں۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت اسماعیل ہی نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا تھا۔ اگر حضرت اسحاق قربانی ہوتے۔ تو یہ لقب انکی اولاد یا انکی امت کو ملتا۔

قربانی کی حقیقت اس مسئلہ کی حقیقت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب اس پر غور کیا جاوے کہ حضرت ابراہیم کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے اصل مقصود کیا تھا۔ قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنے معبودوں پر اپنی اولاد کو جھینٹ چڑھا کر کرتی تھیں۔ یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی۔ مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسماعیل کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا لیکن یہ سخت غلطی ہے۔

اکابر و فقیہ نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں۔ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ عینی اور تمثیلی۔ عینی میں بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے۔ تمثیلی میں تشبیہ اور تشبیہ کے پیرایہ میں کسی مطلب کو ادا کرتا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھایا گیا تھا اس سے یہ مراد تھی کہ بیٹے کو گھبراہٹ کی خدمت کیلئے نذر چڑھا دیں۔ یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں بلکہ گھبراہٹ کی خدمت کیلئے وقفہ کر دیتے جائیں۔ توراۃ میں جا بجا قربانی کا لفظ ان معنوں میں آیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی۔ مگر یہ خیال اجتہاد میں غلطی تھی جو انبیاء سے ہو سکتی ہے۔ مگر یہ غلطی قائم نہیں رہتی۔ بلکہ خدا اس پر متنبہ کر دیتا ہے۔ اس بنا پر گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس فعل سے روک دئے گئے۔ لیکن خدا نے ان کی حسن نیت کی قدر کی اور فرمایا:-

ذَرْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْکَلِمَۃَ مِنْ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ ۙ اِنَّکَ اَنْتَ الْکَذَّابُ ۝۱۰
تو نے خواب کو سچا کر دکھلایا۔ ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔
بہر حال یہاں اس تفصیل سے یہ مقصود ہے کہ قربانی سے مقصود خدمت گھبراہٹ کیلئے نذر چڑھانا تھا۔ نذر چڑھانا ہے۔

اسے مولوی خلیل صاحب کا یہ قیاس اور ذاتی مختار ہے۔ ہم اسکی تحقیق و تنقید حضرت ابراہیم کے خاص حالات میں نہیں کر سکتے ہیں اور تا بہت کر آئے ہیں کہ اس واقعہ سے کہیں پہلے حضرت ابراہیم کے لئے اسلام کا لفظ قرآن میں آچکا ہے۔ اس لئے قربانی کا واقعہ اسکا باعث تسمیہ نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا نام خدا نے رکھا جو نہ حضرت ابراہیم سے تھا۔ لہذا یہ ممکن تھا کہ خطاب منسوب ہے جس کی علی الاکثر مثالیں ادب و قواعد کی منہ اولہ کتب موجود ہیں۔
المولانا غفرلہ

کے لئے شریعت سابقہ میں جو لفظ مستعمل تھا وہ خدا کے سامنے "تھا۔" توراۃ میں یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظوں میں تھی۔ لَیْسَ اِنْ مِیْلَیْغِیْشَ اِیْمَا مِیْلَیْغِیْشَ۔ کاٹھ اسماعیل تیرے سامنے زندگیا کرتا۔

اسی خواہش کے مطابق ان کو خواب کے تمثیل پر ایسی حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کریں۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم کو خواب میں حضرت اسحق کی قربانی کا نہیں بلکہ حضرت اسماعیل کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ (سیرۃ النبی جلد اول از صفحہ ۹ تا صفحہ ۱۰، مطبوعہ کانپور)

اس حدیث کی تنقید جس کو سر سید نے فریج مرقومہ بالادلائل وبراہین کو بڑی تحقیق و تفتیش سے حضرت اسماعیل کے ذبیحہ اللہ حقیقی ہونے سے حضرت اسماعیل میں لکھا ہے۔

کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ جن کو دیکھ کر اور پڑھ کر ہر شخص باسانی سمجھ لے گا کہ واقعہ قربانی حقیقت میں حضرت اسماعیل سے متعلق ہے اور جناب اسحق سے اس کو کوئی سروکار نہیں۔ یہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں کی نفسانیت اور تعصب ہے۔ جو خواہ مخواہ واقعہ قربانی اور اس کے حقیقی موعودہ اور اصلی مقام قربانی کو طرح طرح کی عالم فریب تاویلوں سے خلط ملط کر کے بدل رہے ہیں۔ شخص خاص کی شخصیت موقع کی اصلیت۔ سب کی ادھر سے ادھر کر رہے ہیں۔ ان مقامات کے ایسے نام و نشان بتاتے

ہیں جو نہ قدیم جغرافیہ میں پائے جاتے ہیں اور نہ حال کے جغرافیہ میں۔ سر اسٹانلی (Sir Stanley) کی راہ جو اصلی قربان گاہ کے متعلق مولوی شبلی نے نقل فرمائی ہے۔ وہ میرے بیان کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔

سر سید مرحوم بر شیخ۔ کوہ فاران وغیرہ کی نسبت۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے متعدد اور مختلف اقوال لکھ کر انکے اغوا اور عالم فریبی کے طوار لکھ چکے ہیں۔ جس کو ہم اوپر انہیں کی تحریر سے نقل کر چکے ہیں۔ تعجب

ہے کہ باوجود اتنی تردید و تنقید کے بھی سید صاحب کبھی کبھی ان کی تصدیق و تائید فرما ہی دیتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسئلہ قربانی سید صاحب کے موضوع تالیف میں نہیں تھا۔ تو یہ بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ سید صاحب

نے تو خطبات میں ان تمام مسائل کا خاص طور پر انکشاف فرمایا ہے۔ جو اسلام اور غیر مذاہب میں متنازع فیہ تھے۔ قربانی کا مسئلہ اعظم ترین واقعہ ہے۔ جو بارگاہ رب العزت میں حضرت اسماعیل کی قربت منصوصہ اور

عظمت منصوصہ ثابت کرتا ہے۔ اور یہی وہ واقعہ ہے جو ضبط ابراہیمی۔ اور صبر اسماعیلی کی عظیم النظیر یادگار قائم کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ مقدس باپ اگر التاب لام اللہ تھا تو اس کا مبارک فرزند الراضی لمراضات اللہ

پر ایسے عظیم ترین واقعہ کو۔ جس کی غلط تفہیم قرآن سے ثابت ہے۔ سید صاحب کے ایسا اسلام کا شفیق محقق

بغیر تحقیق کے چوڑے نہیں۔ سید صاحب نے اسکی تحقیق ہی فرمائی۔ مگر سبب اتفاق سے اس مسئلہ خاص میں اون کی توجہ اور خیالات زیادہ تر اہل کتاب رہو و نصاریٰ کی تقلید و تائید کی طرف منعطف ہو گئے۔ اور آپ نے مخالفین کی اس عالم فریبی اور اغوا میں پکڑ کر وہی طریقہ اختیار کیا جو آپ سے پہلے اکثر اسلامی محدثین و مورخین اختیار کر چکے تھے۔ سید صاحب نے حقیقتاً کوئی نئی بات نہیں کی۔ بلکہ وہی جو قبل میں اکثر علماء کر چکے ہیں۔ سید صاحب سے جو فرو گذاشت ہوئی وہ یہی اور اتنی ہی ہے کہ آپ نے اپنے دستور و عادت کے خلاف اپنے محققانہ سعی و کوشش سے اس مسئلہ خاص میں کام نہیں لیا۔ صرف نقل ہی پر اکتفا فرمائی۔ اگر ذرا سے تعمق اور غور سے کام لیا جاتا تو کتب قدیمہ کے انہیں اسفار و اخبار سے جسے وہ حضرت ابراہیم، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کے متعلق خطبات میں قلمبند کر چکے ہیں۔ اصل حقیقت کا انکشاف ہو جاتا۔ اور اصل واقعہ کی حقیقی صورت صاف صاف جلوہ گر ہو جاتی۔ مخالفین اسلام کے علاوہ۔ محدثین و مورخین اسلام کے مختلف آراء اور مختارات سے اسکی تحقیق و تفتیش فرمائی جاتی تو ثابت ہو جاتا کہ حقیقت کیا ہے۔ مگر سید صاحب کے مختار پر اس مسئلہ خاص میں جہاں تک غور کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے ذبیح اسماعیل کی نسبت مسلمانوں کے استدلال اگر پوری تفصیل سے نہیں تو بالاجمال ضرور لکھ دیے ہیں۔ مگر نہ اون کے اقوال کی تصدیق کی اور نہ اون کے مختار کی تائید بلکہ ان سے قطع نظر کی۔ وہی کتب قدیمہ کی تقلید اور ذبیح اسحاق کے مؤیدین و محدثین اور مورخین کی تائید کو اپنا مختار قرار دیا ہے۔ سید صاحب کے خلاف مولوی شبلی نے اس مسئلہ میں کسی قدر زیادہ تحقیق سے کام لیا ہے۔ چونکہ روئے سخن اون کا زیادہ تر مخالفین اسلام سے ہے۔ متبعین اسلام سے اس بنا پر اونہوں نے کتب سابقہ کے اونہیں اخبار و آثار سے حضرت اسماعیل کا ذبیح اللہ ہونا ثابت کیا ہے۔ جن میں سے اکثر کو سید صاحب خطبات میں لکھ چکے ہیں اور اسمیں کوئی کلام نہیں کہ وہ مخالفین اسلام کے لغویانہ اور لغویانہ دلائل کی قطع و برید اور تردید کیلئے کافی ہیں۔

اگر مخالفین کی کتابیں صحیح۔ اونہیں روایات سچے اور اوکی بشارتیں برحق ہیں تو پھر اسماعیل کی ذبیح اللہ تسلیم کرنے میں مسلمانوں سے زیادہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سرگرم اور پر جوش ہونا چاہیے۔ اور اگر حقیقت میں اونکو واقعہ کی صحت سے نہیں۔ بلکہ انصاف پسندی اور حق نفی سے انکار ہے اور حسد و تعصب اور اسلاف کی کورانہ تقلید پر اصرار ہے تو پھر نہ آج اس مسئلہ میں اون کی تشفی ممکن ہے اور نہ پھر قیامت تک اون کا اطمینان ہو سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک مخالفین اسلام کی غلط فہمیوں کی اصلاح مولوی شبلی صاحب کے مندرجہ بالا استدلال

سے پورے طور پر ہو گئی۔ ہم کو اُس میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اسلامی مورخین و محدثین کے باہمی اختلاف و انحراف کی تفصیلی کیفیت اور حقیقت حال و کمالات میں ہمارے لئے لازمی ہے۔ اسکے میں ان حضرات کے مختلف مختار اسلئے واقعہ کی پوری کیفیت ذیل میں قلمبند کرتا ہوں۔

افسوس ہے کہ سید صاحب کے ایسا شبلی صاحب نے بھی اسلام کے اتنے بڑے اعظم ترین مسئلہ کو اپنے طریقہ استدلال میں صرف اشارے اور کنایہ سے بتلایا ہے۔ اور اسکے متعلق خصوصاً علمائے اسلام میں اختلاف انحراف واقع ہوئے کی کوئی تفصیلی وجہ و کیفیت نہیں بتلائی۔ حالانکہ مولوی صاحب کا یہ فرض تھا کہ جس طرح مخالفین اسلام کے مختار کی تردید و تنقید اور انہیں کے اخبار و اسفار سے کر دی گئی تھی۔ اُسی طرح علمائے اسلام کے اختلاف پر بھی تنقید نہ نظر ڈال کر اس مسئلہ کی حقیقت کے انکشاف فرما دیا جاتا۔ اس سے عام اہل اسلام کو اطلاع و واقفیت حاصل ہونے کے علاوہ مخالفین اسلام کے معترضانہ استدلال میں بھی آئندہ کوئی تائید ہی قوت نہ پیدا ہوتی۔ مگر بائیمہ یہ ہم ضرور کہیں گے کہ سید صاحب نے زیادہ شبلی صاحب کے مسلمانوں کے اظہار و دعویٰ اور استقرار حقوق کی طرف اپنی توجہ منحطف فرمائی ہے اور اس مسئلہ میں اپنا وہی مختار قائم کیا ہے جس پر اسلام کے تمام طریقوں کے علمائے اسلام اور محدثین کرام کا اتفاق عام ہو چکا ہے۔ مگر موجودہ زمانہ کی متلاشی طبیعت صرف اس لکھ دینے کو کافی نہیں سمجھتی۔ بلکہ اس کی پوری تفصیل اور تحقیق کا کافی طور سے معلوم کرنا اور انکا اصلی مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے طالبان تحقیق کی خاطر خواہ تفسیر و اظہار کے لئے اس واقعہ کی تفصیل ارباب تحقیق کا فرض منصبی قرار پا جاتی ہے۔

چہنہ جہاں تک ان دونوں محققین کے اقوال و مختار کو اس بارے میں دیکھا ہے۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اسلامی علماء و محدثین کے مختلف اقوال و ارشاد کو اس مسئلہ کے متعلق دیکھا ضرور ہے۔ بخلاف سید صاحب کے جسکی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس بحث کے اصل موضوع کو اپنے علماء و محدثین کی تالیفات میں دیکھا بھی نہیں۔ اور اگر دیکھا بھی ہے تو کتب قدیمہ کی تائیدی روایتوں کو۔ اور اپنی رائے میں انہیں کو ترجیح دیکر خاکسار انہیں علماء کی تقلید اختیار فرمائی ہے جو آپ کے چھال تھے۔ یہ موقع تقلیدی تحقیق کا نہیں تھا بلکہ تنقیدی تفتیش کا۔ سید صاحب نے اپنے استدلال میں پہلے ذریعہ اسماعیل کو اسلام کا مخالف مسئلہ بتلایا ہے اور اس کے شریعت میں علامہ مسعودی کا یہ قول دکر دیا ہے۔

مسئلہ ذریعہ میں لوگوں کو اختلاف ہے بعض کی رائے ہے کہ ذریعہ اسماعیل میں اور بعض کہتے ہیں کہ اسحاق پس اگر واقعہ ذریعہ منی میں واقع ہوا ہے تو ذریعہ اسماعیل میں کہیونکہ اسحاق کا حجاز میں

قد تنازع الناس فی الذی یمنہم من ذہب الی
انہ الذی یمنہم من مائۃ الی ۲۰۰
فان کانت الکلامہ وقع بطنی فانی یمنہم من ذہب الی ۱۰۰

ایسا ثابت نہیں ہے۔ اور اگر واقعہ ذبح شام میں واقع ہوا ہے تو ذبح اسحاق ہیں۔ کیونکہ حضرت اسمعیل کا (حجاز میں اگر) پہر شام میں جانا ثابت نہیں۔

۱۔ استحقاق لم یدخل حجازا نکات اکامہ بالذبح وقع بالشام فالذبح ۲۔ سیماق لائن ۱۔ اسمعیل لم یدخل الشام بعد ان دخل منہ (موقع الذبح سعودی)

مستودعی کے اس بیان سے یہ مسئلہ اختلافی تو ضرور ثابت ہوتا ہے۔ اور اس سب کو اقرار ہے مگر میرے نزدیک تو مستودعی کا یہ بیان سید صاحب کی رائے سے زیادہ خلی صاحب کے مختار کا مؤید ہے۔ کیونکہ علامہ مستودعی صاف صاف کہتے ہیں کہ اگر واقعہ قربانی مقام منی علاقہ حجاز میں واقع ہوا ہے تو حضرت اسمعیل کے ذبح ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ابھی ابھی موریا کے اصلی مقام قربانی ہونے کی تحقیق میں پورے طور سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ وہ مقام مروہ ہے جو حوالی مکہ میں واقع ہے اور جس کو جناب رسلہ صاحب علی الشہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اصلی قربانگاہ بتلایا ہے۔ تو پھر مستودعی ہی کے شرط پر حضرت اسمعیل ذبح اصلی ثابت ہو گئے۔

افسوس ہے کہ سید صاحب نے موریاہ کی تحقیق کو اٹھایا ابھی اور اس کی نسبت مسلمانوں کے دعوے بھی لکھ دئے مگر چونکہ موریاہ کا استقرار مقام سید صاحب کے مختار و مدعا کے خلاف ثابت ہوتا تھا اس لئے آپ نے اپنی تحقیق کو محض ناقص چھوڑ کر اس بحث خاص کو گولو کی حالت میں چھوڑ دیا۔ سید صاحب کی ناقص فیہ کئی عبارت یہ ہے۔

یہ اختلاف توریت مقدس کی اوس آیت کے سہم اور غیر مصرح ہونے کی وجہ سے ہے جس میں اوس مقام کا ذکر ہے۔ جہاں مذکورہ بالا قربانی کا عمل میں آنا تجویز ہوا تھا۔ وہ آیت یہ ہے۔ توراۃ ترجمہ فارسی۔

خدا نے ابراہیم کا امتحان کیا اور اون سے کہا اے ابراہیم۔ اوس نے کہا میں حاضر ہوں۔ خدا نے کہا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو کہ اسحاق ہے اور تو اس کو دوست رکھتا ہے۔ اپنے ساتھ لے۔ اور زمین موریاہ میں جا۔

خدا ابراہیم کا امتحان کر دیا اور گفت اے ابراہیم دوئے گفت اینک حاضرم و خداوند گفت کہ حال سپرنگانہ خود اسحاق را کہ دوست میداری بگیر و در زمین موریاہ برو۔ (عربی ترجمہ میں بجائے موریاہ کے ارض الرقیہ لکھا ہے اور ترجمہ سامری عربی میں ارض المختارۃ والمرشدہ لکھا ہے)

اور اسکو ان کے پہاڑوں میں سے جو میں تجھے بتلاتا ہوں قربانی کر اور چلا۔ (تکوین باب ۲۲)

و در اینجا اور از کوہاے کہ بتومی گویم از براے قربانی و سوختن تقرب نما۔

بعض مسلمانوں نے اس گناہ جگہ کو بیت المقدس اور اوس کے پہاڑ بتلائے ہیں۔ اور بعض نے مکہ معظمہ کے پہاڑ قرار دیا ہے۔ وہ اپنی رائے کی تائید میں بیان کرتے ہیں کہ لفظ عبری ترجمہ جس کے معنی جبال کے

میں شنیہ اور جمع دونوں جمعوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے وہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے مکہ معظمہ کے مشہور دو پہاڑوں صفا اور مروہ میں سے ایک ہوا ہے۔

تعبیب ہے کہ سید صاحب کے ایسا تحقیقی اس مقام کو احتجاج گناہ سمجھئے۔ حالانکہ اسکا تعین اسلامی مورخین کے علاوہ خود کتب توراۃ میں مرقوم ہے جس کے وثوق پر آپ نے اپنی رائے قائم کی ہے۔ توراۃ فضائے باریتہ میں صاف طور سے لکھا ہے۔

وکان حبیبی المذی یا ذین شہادۃم مختلف موصیہ فی الرادہی

اس کے علاوہ ہمارے سید صاحب تو خود مدین کو عرب میں کیا خاص حجاز میں تسلیم کر چکے ہیں بخدایات اصحابہ مطبوعہ لاہور صفحہ ۶۲۱ میں تحریر ہے۔

کتاب اولیٰ سلطین باب ۱۱ آیت ۸ میں مرقوم ہے۔ ہمد اور اوس کے ہمراہیوں کے مقرر میں جانے کے حال میں کہا ہے کہ وہ مدین سے نکلے اور فاران میں آئے اور وہاں سے اومی ساتھ لیکر مصر کو گئے۔ مدین اور شہر ہے جس کو عرب میں مدین کہتے ہیں۔ اور ساحل بحر قلم بن جو حجاز کے جانب ہے۔

تو کہ سے شنیہ چہ نزل جانیب جنوب واقع ہے یہ شہر اومی فاران میں واقع تھا جو ٹھیکہ حجاز ہے۔

خطبات ص ۶۲۲

مندرجہ بالا مشواہد توراۃ سے یہ ثابت ہو گیا کہ جیل موریہ۔ قریا۔ یا موریہ جو حقیقی قریا نگاہ بتلایا گیا ہے وہ مدین سے قریب تھا اور مدین ٹھیکہ حجاز میں واقع تھا جسکا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔ تو اسباب اس سے مستوحی والی شرط کہ اگر حجاز قریا نگاہ ثابت ہو جائے تو اساعیل فرج اللہ حقیقی تسلیم کے جاویں گے۔ پوری ہو گئی۔ کیونکہ حضرت اسماعیل کا وہاں مع اپنی والدہ اور اسیدہ اپنی اولاد و اعتقاد کے ساتھ ہمیشہ کیلئے آباد ہوا جو کہ مسلمہ ہے بخلاف اس کے حضرت اسحاق کا حجاز کیا عرب کے کسی قطع زمین پر تشریف لانا کہیں سے ثابت نہیں ہے۔

پہراؤ نکال دینا کیسے صحیح مانا جائیگا جب انہوں نے اصلی فرج میں باوام احیاء قدم نہ رکھا اور کہی اوسکی صورت بھی نہیں دیکھی۔

حضرت اسحاق کا عرب میں آنا کسی اسلامی مؤرخ نے لکھا ہے اور کسی یہودی یا عیسائی محقق نے۔ بلکہ حضرت اسماعیل کا ہجرت کے بعد عرب سے شام میں تشریف لیا ہوا تو خود سید صاحب کے اعترافات سے یہ خطبات احمدیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت اسماعیل ہمیشہ اور متوازن اپنے والد سے ملاقات کرتے رہے۔ اور حضرت ابراہیم ہی اکثر ان کے پاس

آئے جاتے تھے۔ انجام کار سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ حضرت اسماعیل بن عمر اسوقت نو آہنی برس

کی تھی۔ بروقت وفات حضرت ابراہیم اپنے والد کے پاس موجود تھے۔ خطبات ص ۴۰

پھر حاشیہ زیرین صفحہ میں لکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو حضرت اسحاق کے چھٹے بچے کے بعد گھر سے نکال دیا تھا۔ اس وقت

۱۱۱۱

۱۱۱۱

۲۵

سید صاحب کی اس عبارت سے تو حضرت اسماعیل کا متواتر شام میں جانا ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر مسعودی کے اس مختار کو وہ کیوں تسلیم کرتے ہیں۔ جو کہتا ہے کہ ہجرت کے بعد سے اسماعیل کا شام میں جانا ثابت نہیں۔ ذبیح کے مسئلہ میں آپ نے اسی مسعودی کے قول کو۔ جو ذبح اسحاق کی نسبت اس نے لکھا ہے۔

صحیح مانا ہے۔ اور وہی آپ ہی کی تحقیق اور تحریر سے منقول تاریخ الانساب و قصیر الاطلاع اور ناقابل اعتبار ثابت ہوتا ہے

سید صاحب کے مرقوم بالا عبارت تو راجح ہے ایک سے اور بات پڑے فائدہ کی معلوم ہوئی اور وہ یہ ہے کہ

توراة کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں بھائیوں (اسحاق و اسماعیل) میں خلوص و اتحاد کے باہم مراسم جاری تھے اور ایسے کہ جانشین کے مساوات سے غفلت الیغی کے اختلاف و انتشار کا کوئی اثر اور نشان

نہیں معلوم ہوتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں میں خلوص و اتحاد کے تمام مراسم ہمیشہ قائم

تھے۔ یہ تو بعد کی نسلوں کے حسد و نفرت سے بے باہمی اختلاف و منافرت کے نقشہ جو اس کے ہیں۔ اور غفلت

اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کے باطن سے یہودیوں اور عیسائیوں کے نفرت و بغض کا گہرا اثر ہے۔

یہاں کہہ دوں کہ اس مسئلہ میں ہر کتاب سے جو بحث کی گئی ہے اس سے

مسعودی کی اصل حاشیہ کی

مواہب لدنیہ سے اور تمام محدثوں اور ان کے طریقوں کے استقام و اہتمام کو ذیل میں تلخیص و خلاصہ لکھتے

ہیں۔ جو حضرت اسحاق کو ذبیح بتلاتے ہیں۔

۱) الدائر قطعی عن ابن مسعود وابن عمر و ابیہ

والبراء عن ابن عباس و قتیہ البزار و ابن فضالہ

ضعفہ الجھور

۲) پرا سکورناہ الیہا من طریق ابن عباس و قال عجم علی شرطہا

۳) ابن کثیر نے ابن مسعود اور ابن مردودہ اور بزار سے عبد اللہ بن عباس

کے طریق سے روایت کی ہے۔ اسکے راویوں میں مبارک ابن

فنا ایک مسعودی جو بکھوڑا ہوا ہے نہ ہیضہ کیا۔

حاکم نے اسکو عباس کے طریقہ سے کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ موجودہ (اور قبل) مبارک ابن فضالہ کے طریق (دو نوں طریق) سے صحیح ہے۔

رسم (۴) قال مسعود ذہبی صحیح

مسعودی نے بھی اسی طریق سے کہا ہے اور صحیح کہا ہے۔

(۴) مرفوع ابن سعد و یحییٰ عن ابی ہریرہ

ابن مردودہ نے اسکو ابو ہریرہ سے بیان کیا ہے۔

لیکن ابن کثیر الشافعی ان تینوں طریقوں کی تنقید و تردید فرماتے ہوئے بتلاتے ہیں۔ فیہ الجہل ابن دینار مرفوع و شیعہ مستکبر۔ اسکے رواۃ میں حسن ابن دینار مسترک ہے (اس سے حدیث نہیں لی جاتی) اور اسکا شیخ منکر اس حدیث اسکی حدیث سے سب کا انکار ہے۔

(۵) مرفوع ابن ابی ہاشم مرفوعاً شام مرفوعاً

ابن ابی ہاشم نے پہلے اسکو بطریق مرفوع کہا۔ پھر اسکو فضالہ ابن مبارک سے روایت بطریق موقوف کردی اور اس طرح کس کو متشبہ کہا جائے اور کسکو صحیح۔

فضالہ بن مبارک موقوفاً و ہواشبہ و اصل

ان تمام حدیثوں کو جمع کر کے علامہ زرقانی رقمطراز ہیں:-

و تعقبہ السیوطی بان مبارکاً قد رفعہ مرفوعاً خیرہ المبرار عنہ مرفوعاً و لاہ شواہد عندہ و عند الدالی عن العباس مرفوعاً فی حدیث بلفظ و اما یسحق بذل نفسہ للذہبی و الطبرانی و ابن ابی ہاشم عن ابی ہریرہ بسند ضعیف و الطبرانی ایضاً بسند ضعیف عن ابن مسعود اسناد صحیح موقوف

اسکی تعقیب سیوطی نے کی ہے کہ مبارک سے یہ طریق مرفوع مروی ہے اور پرانی ہی اسکو بطریق مرفوع روایت کی ہے اور ایسے شواہد اس کے پاس ہیں اور دلیلی نے اسکو بطریق عباس سے اس لفظ کے ساتھ کہا ہے کہ اسحق نے اپنے نفس کو واسطے درج کے دیا لا۔ اور ابن حاکم نے بھی ابو ہریرہ سے اسکو بطریق مرفوع کہا ہے لیکن بروایت ضعیف کہا ہے اور امام طبرانی نے بھی اسکو بسند

ضعیف ابن مسعود سے کہا ہے اور معجم کبیر میں اسی مضمون کو آخر میں ابی الاحوص سے کہا ہے۔ اسکے اسناد صحیح ہیں مگر موقوف۔ زرقانی ص ۱۱۱ نے فرج اسحاق کی حدیثوں اور ان کے طریقوں کو جمع کر دیا۔ اور زرقانی کی زبانی اسکی تنقیدی کیفیت بھی دکھلا دی جن سے ظاہر ہو گیا کہ ان حدیثوں کا کوئی طریق بھی۔ خدشہ۔ شبہ۔ یا قسم سے خالی نہیں۔ اسلئے یہ حدیثیں صداقت کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔

اب انکے خلاف جو حدیثیں ذیح اسماعیل کی نسبت مقبول ہیں انکی حیثیت بھی ملاحظہ ہو۔

(۱) روی علی ما عند الزمخشری فی الکشاف فی سورۃ الصافات اسناد لا یصح اسمعیل انتہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال ابی ان یجھلین

زمخشری نے اپنے اسناد سے اسکو اپنی تفسیر کشاف میں بذیل سورہ الصافات حضرت اسمعیل کے ذیح اللہ ہونیکے ثبوت میں اسناد لا کہا ہو کر فرمایا اسحضرت صلعم نے کہ میں دو ذبیحوں کا بٹیا ہوں۔

(۲) وعندنا لکلم فی المستدرک ابن جریر
ابن مردويه واللعلي في تفاسيرهم عن معاوية
ابن ابي سفيان قال كنا عند رسول الله صلى الله
عليه واله وسلم فأتاه اعرابي فقال يا رسول الله
خلفت البلاد يا بسة والمساخر يا بسا وخلفت
المال عابسا هلك النبال وضاع المال فهدى علي
عوم فأتاه الله عليا يا بن النجاشي قال معاوية
فتبسم رسول الله صلعم ولم يتكلم عليه

مستدرک میں حاکم نے اور ابن جریر اور ابن مردويه اور ثعلبی نے
اپنی تفاسیر میں معاویہ ابن ابوسفیان سے منقول کیا ہے کہ ہم ایک
خدمت رسول صلعم میں بیٹھے تھے کہ ایک مرد اعرابی آیا اور
عرض کی کہ عام طور سے تمام شہروں میں قحط پڑا ہے۔ پانی بالکل
کم ہو گیا ہے اور لوگوں کی آمدنی موقوف ہو گئی۔ جائداد برباد
اور اہل و عیال خاک سیاہ ہو رہے ہیں آپ ہمارے اس مال
سے امداد فرمائیں جو خدا نے آپ کو عطا فرمایا ہے اسے دو
ذبیحوں کیے مبارک قرزند۔ یہ سنکر آپ متبسم ہو سکے۔ اور
آپ نے اسے اس کے اس خطاب کا انکار نہیں کیا۔

زرقانی مرقومہ بالا محدثین کی زبانی لکھتے ہیں۔ فافاد انه اسمعيل۔ اس میں صریح افادہ حضرت اسماعیل علیہ السلام
کی طرف کیا گیا ہے۔ وهذا احتجاج بہ معاویہ علی من قال انه یسحق اور اسی سے معاویہ نے ان لوگوں پر اپنا
استحاج قائم کیا ہے جو اسحاق کو ذبیح لکھتے ہیں۔

(۳) وعندنا لکلم عن الحسن بن علی بن فضال
معهویه فتناظرنا مع اسمعيل واسحاق فقال
بعضهم اسمعيل الذبیح وقال بعضهم بل اسحاق
فقال معویه سقطتم علی الخبیر و ذکرنا الحدیث
جیداً یعنی بالذبیحین عبد الله واسمعيل ابن
ابراهيم كما قاله جماعة من الصحابة وناقلین
ومعجمه جماعة وقال ابو حاتم انه الصحيح و
البیضاوی انه الاظهر

مستدرک میں امام حاکم نے اسرار کو حنا بن علی سے اسناد سے یوں لکھا
ہے کہ ہم معویہ کی مجلس میں حاضر تھے کہ حضرت اسماعیل اسحاق
کا ذکر پیش آیا۔ بعض لوگ اسمعيل کو ذبیح اللہ لکھتے تھے اور
بعض اسحاق کو معاویہ نے کہا تم لوگوں کو ابھی خبر نہیں ہو سکی جو
اور پر پوری حدیث بیان کی اور کہا ذبیحین سے مراد عبد الله
واسمعيل ہیں۔ زرقانی لکھتے ہیں یہ وہ قول ہے جسکو صحابہ اور
تابعین کی ایک جماعت جماعت نے نقل کیا ہے اور اسی کو ایک
جماعت علما نے ترجیح دی ہے۔ ابو حاتم نے اسکو صحیح بتلایا ہے
اور بیضاوی نے اظہر قول شمار کیا ہے۔

علامہ ابن القیم نے مسئلہ زیر بحث پر مفصل اور مستحکم طریقہ سے بحث کی ہے۔ ان کی پوری تفصیل کو موجب
تطویل سمجھ کر ہم قلم انداز کر رہے ہیں۔ مگر اس کے ضروری مقامات کا خلاصہ مندرجہ میں پیش کرتے ہیں۔
ابو امر حضرت اسماعیل کے ذبیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں
روایتیں ہیں کہ وہ ذبیح کا واقعہ بیشک مکہ میں واقع ہوا کیونکہ
و ما بدل علی ان ذبیح اسمعيل انه لا یب ان
الذبیح کان بمكة و لذالك جعلت القرابين

یوم النحر كما جعل السعي بين الصفا والمروة ورمي
الجمرات بها تذکیرا لسانہ اسمعیل وابیہ وامہ
واقامہ لذلک اللہ تعالیٰ معلوم ان اسمعیل وامہ
ہا الذان کان بجملة ذون اسماف

وہی تمام مراسم قربانی مثل روزِ نحر اور سعی با بین مروہ اور صفا
اور رمی الجمرات۔ صرف اس غرض خاص سے ادا کی جاتی ہیں کہ
حضرت اسمعیل اور اودن کی مادر گرامی قدر کی شان و منزلت ان
کی شہرت اور ذکر و عبادت خدایں ان کا استقلال و استقامت

ظاہر اور ثابت ہو۔ اور یہ شخص کو معلوم ہے کہ حضرت اسمعیل اور اودن کی ماں گمہ میں رہتی تھیں نہ آسمان۔

پہر اسکے آگے ان کا سلسلہ احتجاج یہ ہے۔

ولو کان الذالح بالشام كما بزعم اهل الکتاب من
تلقى عندهم لكانت القرابين والنحر بالشام لاجل
ہو آ کر تے۔ نہ کہ کہ میں۔

اگر واقعہ ذبح شام میں ہوتا جیسا کہ اہل کتاب کا زعم ہے تو اونسے
جو اسے طلب ہوگا کہ مراسم قربانی و نحر وغیرہ آج تک شام میں

پہر سلسلہ استدلال یہ ہے۔

فان الله سمي الذبح حليماً (في القران) لانہ لا يحلم
بمن مسلم نفسه الذبح طاعة لربه ولما ذكر
البحق سماه عليهما۔

خدا نے (قرآن میں) ذبح اللہ کو حلم کے نام سے موسوم کیا ہو اس
بنا پر کہ اوس نے پورے اعتراف و امتیاز سے محض طاعتاً للہ اپنی
جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا تسلیم کر لیا اور جہاں حضرت آسمان

کا ذکر کیا ہے وہاں ان کو صرف جاننے والے کی صفت سے موصوف بتلایا ہے۔

پہر اسی طریقہ کلام میں رقمطراز ہیں۔

وان الله تعالى اجزى العادة البشرية ان يكره ان
احب الى الوالدین ممن بعده وابراہیم لما سأل
ربه الولد وذهب له تعلقت شعبه من قلبه
محبتہ واللہ تعالیٰ قد اخذہ من قلبہ واطمأننہ
من محبت یقتضی تو حید المحبوب بالمحبة وان کا
یشارک فیہا فلما اخذ الولد شعبه من قلب
الوالد جاءت غیرہ الخلة تنزعها من قلب
الخنیل فامی بذلح المحبوب فلما قدم علی ذبحہ
وكانت بیحۃ اللہ عندہ اعظم من محبة الولد فخلعت
الخلة من عند من شواحب المشا کرکتہ فلم یبق

اور نیز اس طور سے ہی کہ خدا تعالیٰ نے ہمیشہ سے عادت انسانی ایسی
ہی جاری فرمائی ہے کہ والدین اپنی اولاد کو بہت بڑے دوسری اولاد
کے زیادہ چاہتے ہیں حضرت ابراہیم نے جب خدا سے عطا
اولاد کی دعا فرمائی فطرت انسانی کے اعتبار سے اونسے قلب میں
اس بچہ کی محبت ہو گئی۔ مگر خدا نے ابراہیم کو مرتبہ خلعت عنایت فرمایا
تھا اور اپنا خلیل گردانا تھا اور مراتب خلعت کے معنی یہ ہیں کہ محبوب
کی محبت کے ساتھ پر غیر کی محبت کا کوئی لوث نہ رکھا جائے تو
جب آپ کے دل میں لاسکے کی محبت پیدا ہو گئی تو گویا محبت کی
وحدت میں شرکت ہو گئی۔ اس بنا پر نظام قدرت نے امتحان حضرت
ابراہیم کو اپنے محبوب کے ذبح کا حکم دیا۔ لیکن جب آپ اس امر

فی الذبح مصلیٰ اذکانت المصلیۃ انما هی الغرم
و تو طین النفس وقد حصل المقصود و فسیح الکلام
و قدی الذبح و صدق الخلیل المصیبا۔

کے لئے پورے مادہ اور تیار ہو گئے۔ تو ثابت ہو گیا کہ خدائے تعالیٰ
کی محبت آپ کے دلیں آپ کے اس فرزند کی محبت سے کہیں
زیادہ بڑھ ہی ہوئی تھی۔ اسی وقت آپ کی خلعت کا ہی۔ محبت غیر

کی خلش مشارکت سے تصفیہ کامل ہو گیا اور اس واقعہ ذبح میں آپ کے ارادہ دل کا امتحان۔ استقلال اور اطمینان نفس کی آزمائش مقصود
تھی۔ اور وہ مقصود حاصل ہو گیا تو وہ امر امتحان آزمائش ہی نسخہ قرار دیا گیا اور اس ذبح کے لئے صدقہ اور بدلہ قبول کر لیا گیا۔ اور حضرت
ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہی سچا دکھلا دیا گیا۔

امام ابن القیس نے مندرجہ دلائل عقلی اور نقلی سے مسئلہ ذبح کو بالکل صاف کر دیا اور ذبح اسماعیل کی حقیقت
اور اصلیت ان مشاہدہ بیات سے ثابت کر دیا ہے جس کے مان لینے میں نہ پر کسی اہل اسلام کو عذر ہو سکتا ہے
نہ کسی اہل کتاب کے فرقہ کو عذر و اعتراض۔ یہ بالکل صحیح اور پر واقع ہے کہ اگر جناب اسحق ذبیح اعلیٰ ہوتے۔ اور یہ
واقعہ ملک شام یا بیت المقدس میں طور پذیر ہوا ہوتا۔ تو ضرور تھا کہ اسحق کی اولاد اور اون کے قوم و ملک کے
لوگوں میں اون کے اتنے بڑے عظیم ترین ایشیا نفس کی یادگار۔ اگر پورے طور سے نہیں تو توڑی بہت تو آج تک
ضرور قائم رہتی۔ مگر اسکے خلاف۔ اون کی اولاد۔ اون کی قوم اور اون کے ملک و وطن میں تو کہیں اون کی اتنی بڑی ہنرمندانہ
یادگار کا آج کوئی نام و نشان ہی نہیں بدلتا۔ اور سوائے اسکے کہ اون کی مقدس کتابوں میں حضرت اسحاق کی اس بفروشی
کا ذکر لکھا ہے۔ ان لوگوں میں کہیں اسکا ذکر و مذکور ہی نہیں ہے اور شاید ان میں سے فیصد ہی ننانوے ایسے کلیں گے
جو اس واقعہ سے واقف ہی نہیں ہونگے بخلاف بنی اسحق کے نسل اسماعیل کا سچے ہزاروں برس کی مدت مدید
گزر جانے کے بعد ہی آج تک اس واقعہ کو ایسی صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے گویا کہ وہ قربانی
کے منظر قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔ اور اسی وجہ سے سلسلہ اسماعیلی میں وہ تمام مراسم جو اس واقعہ
عظیمہ کے متعلق حضرت ابراہیم۔ اون کی زوجہ مطہرہ۔ حضرت ہاجرہ اور ان کے خلف الصالح جناب اسماعیل نے خاص شہرہ
معظمہ۔ حرم بیت المقدس اور اسکے متصل مقامات مختلف میں ادا فرمائے تھے۔ آج تک ہر سال بلاناغہ اوی طریقہ سے
بجالاتے جاتے ہیں اور اون کی تعمیل میں اتنی احتیاط برتی جاتی ہے اور اتنی پابندی پیش نظر رکھی جاتی ہے کہ کسی طریقہ
او اسے مناسکات میں سرموز فرق نہ آنے پاوے اور اسے مراسم کا کوئی شعبہ نہ چھوٹ جائے۔

نسل اسماعیل میں اس وقت سے لیکر اس وقت تک یہ شب و روز کے واقعات اور شاہد اس امر کے تسلیم کر لینے اور مان
لئے جائیکے لئے پورے طور سے کافی ہیں کہ اگر حضرت ذبیح اسماعیل نہ ہوتے تو پھر اہل عرب کو یا اون کے تمام
قوموں کو جو اون کی نسل سے ہونی کا شرف رکھتی ہیں۔ ان مراسم اسماعیلی کو آج تک اس پر جو شبی۔ احتیاط اور اتنی پابندی
سے قائم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مگر نہیں۔ یہ اون کے نمایاں شرف کا سبب اور اون کے فخر و مباہلت کا

[illegible]

مدعا فی این تذکرہ این یحییٰ نے لکھا ہے کہ عمر ابن عبد العزیز نے
 ایک عالم یہودی سے جو حال میں مشرف باسلام ہوا تھا دریافت
 کیا کہ حضرت ابراہیم کے دونوں بیٹوں میں سے کون تھا جسکے
 لئے ذبح کا حکم خدا پر دیا تھا۔ اوس نے کہا کہ اسے امیر المؤمنین
 یہود اسکو قبولی جانتے تھے کہ وہ آپ کے صاحبزادے حضرت
 اسمعیل تھے۔ لیکن انہوں نے قوم عرب کے ساتھ حسد کیا کہ
 تمہارے چچا اعلیٰ کے ساتھ وہ افضل و مہر استیہ نہ مذکور مشہور
 ہوں جو خدا سے چنانہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمائے تھے۔
 اس بنا پر انہوں نے انکار کیا۔ اور اپنے ترجمہ میں ذبیح ابراہیم

المعاني بن زكريا بن يحيى بن حميد الحافظ العلامة المفسر الثقة النهراني الجبري كان على

سید حبیب الرحمن بیگز، مفتی محمد سعید، مفتی محمد شہزاد، مفتی محمد معانی بن زکریا بن سہیل بن حمید، حافظہ عالم مصنف اور ثقہ تھے نہروائی مکتبہ اور

پیر یزدانی، دود علمای مجرب و کرامت پرست، از کتب و قیاسات ۱۳۰۹ هجری قمری و وقوع ۱۳۰۹ هجری قمری، زرقانی، حیدرآبادی، ص ۱۲۰

بعد الكسر والالطف بعد الشدة وقائه كانت
عاقبة صبرها جبر وانها على البعد والوحدة
والفوقية والتسليم الذبح الولد الى الت اليه
من جعل آثارها ومواحي اقدارها مناسك
لعبادك المؤمنين ومتعبداً لهم الى يوم
الدين وهذا منة الله تعالى فيمن يريد رفعة
من خلقه بعد استضعافه وذله والاسرار
وصبره وطلبه المقضاء بالرضا فضلاً منه
قال الله تعالى وتدين ان من على الذين استضعفوا
في الارض والجمع لهم المنة

کو قرار دیا۔ اسلئے کہ وہ انکے جبار علی تھے اس واقعہ میں خلعت و خلیوص
خلیل قابل ملاحظہ ہے اور ایک سرخیل لایق مشاہدہ اور وہ یہ ہے
کہ اس واقعہ سے خدا کے سبحانہ تعالیٰ کا مدعا یہ تھا کہ وہ اپنی قدرت
کا مظہر ہے ضعیف و ناتوانی کے بعد اس سے قوت و توانائی اور رنج و
تکلیف کے بعد آرام و اطمینان کے مناظر دنیا کو دکھائے۔ اور حقیقتاً
حضرت ہاجرہؑ اور انکے فرزند ارجمند جناب اسمعیل کے صبر و تحمل
کا یہی صلہ تھا اور یہی اجر ان تمام تکالیف و مصائب کا جو ترکہ
وطن اختیار کرتے تھے۔ حصول کیسی و ناداری کی مختلف صورتوں
میں ان پر نگواروں کو پیش آئیں اور ان پر ان حضرات نے صبر
کامل فرمایا اور آخر میں انکے اس صبر و تحمل کا درجہ تباریع کر دیا

گیا کہ ان کے مراسم و مناسک تمام مومنین کے لئے عبادت و طاعت الہی کے خاص معیار قرار دئے گئے۔ اور سب سے کوئی کلام
 نہیں کہ عادت الہی بھی ایسی ہی جاری ہوئی تھی۔ کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو ان کے ضعف و انکسار تکلیف و وقت کے بعد رفعت
 راحت اور اطمینان عطا فرماتا ہے۔ اور ان کے صبر و سکوت کا یوں اجر و ثواب فرماتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ **ثُمَّ يَرْفَعُ آتِىَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ** کی عبارت
 ظاہر ہے۔ (المحفل بشرح زرقانی جلد اول مطبعہ حیدرآباد دکن از صفحہ ۱۱۴ تا صفحہ ۱۲۱)

بہر حال حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہوتے کے ثبوت نہیں آئے مگر اگر مشاہدہ یا رنگی ٹھیکہ میں و موزون نہیں کے مختلف نمائندہ و اشراو سے مندرج کر دئے ہیں کہ پھر کسی تصدیق و توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ مگر اسکے ضمن میں یہ حکموا ہی اتنا لکھ دینا اور باقی رہنے کہ صورت و واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت حال وہی ہے جو اس میں نو مسلم عالم پر ہونے عمر ابن عبد العزیز کے دربار میں بیان کی ہے۔ ہمارے سید صاحب خود بھی خطبات کے اکثر مقامات پر یہودیوں اور عیسائیوں کی ایسی تحریفات و تبلیغات کو دکھلا چکے ہیں چنانچہ خطبات میں پہلے ہی حقیقت مرقع بیان فاران اور مقام سکونت حضرت اسماعیل علیہ السلام اور نیز تحقیق بشارت ہمارے نبوت آسمانی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کی تورات و انجیل کی اصل عبارتوں اور ترجموں میں ایک نہیں کثیر التعداد تحریفات اور غلط معانی جس سے بشارت نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک سے کم اسکے اصل مقاصد و مطالب مشتبہ اور مہم جو ہیں۔ مثلاً چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں یہی تعجب ہے کہ باوجود اس قدر غلطیوں کے بھی سید صاحب مرحوم نے اس مسئلہ خاص کے متعلق انہیں یہودیوں اور عیسائیوں کی تصدیق و توثیق فرمائی اور انہیں فرمائیں گے کہ ان کے ان خود غرضانہ اور سخوئے تحریفات کا کوئی خیال نہ کیا۔

ان دلائل سے قطع نظر کہ اگر سید صاحب نے اہل عرب کے۔ اسوقت سے لیکر اسوقت تک کے صرف ان شعار و اخبار کی طرف اعتنا فرمائی ہوئی۔ جو بیچ اسمعیل کے متعلق۔ اتنی کثرت۔ شہرت۔ قدامت اور عقیدت کے ساتھ انہیں اور ان کی نسل اور سلسلوں میں۔ جو عرب کے ماسوا اور تمام اقطاع عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تو ہم کو یقین ہے کہ ہر سید صاحب کو حضرت اسمعیل کے ذبیح اللہ حقیقی ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

لطف تو یہ ہے کہ مروجہ سید صاحب نے مناسکات حج وغیرہ کی نسبت۔ ان کے ارشاد ابراہیمی اور انار اسمعیلی ہونیکا پورا اعتراف فرمایا ہے۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں کے انکار کی تردید میں۔ انکی قدامت۔ شہرت اور کثرت ہی کی بنا پر استدلال کیا گیا ہے۔ مگر ان تمام مناسکات کے شعار ابراہیمی اور انار اسمعیلی مان لینے کے بعد بھی صرف اسکے ایک شعبہ۔ یعنی واقعہ قربانی کے متعلق۔ اسکا تعلق حضرت اسماعیل سے تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ہمارے نزدیک سید صاحب کا یہ طریق استدلال بالکل ضعیف ہے۔ آپ نے جب اصول شریعت شہرت اور قدامت سے تمام واقعات میں استدلال فرمایا ہے اسی اصول و طریقہ کو تمام بحث میں جاری و قایم رکھنا آپ کے لئے ضروری اور لازمی تھا۔ نہ یہ کہ بعض حلقہ بحث میں تو ایک اصول سے بحث کی جائے اور دوسرے حلقہ میں اور جزو مسئلہ میں وہی اصول ناقص اور غیر معتبر سمجھے جاویں۔ یہی دور ہے جو علماء نے منطق علم کلام میں سخت معیوب بتلاتے ہیں۔ ہم ذیل میں سید صاحب کے ان تغیرات فی المختارات کی مثال لکھ کر دکھلا دیتے ہیں۔ جسے دیکھ کر او پڑھ کر شخص سمجھ لے گا کہ سید صاحب نے عرب کے قدیم شعار اور رسم و رواج تک کو کس یقین۔ وثوق اور اعتبار کے الفاظ سے یا فرمایا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کے سکوت یا انکار کے مقابلہ میں انکو کیا معتبر اور کتنا مستند تسلیم کیا ہے۔

جو ملکی روایتیں عرب کی مختلف قوموں کی تقسیم کے باب میں ہیں وہ نہایت معتبر ہیں۔ کیونکہ عرب اپنے رسوم آبائی اور اوضاع و آوار کے بدرجہ غایت پابند تھے۔ اور انکو کبھی ترک کرنا یا تبدیل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے نسب نامہ کو یاد رکھنا قریب قریب اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ہر ایک قوم نہیں بلکہ ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا جدا جدا نام رکھتا تھا۔ اور اس ذریعہ سے ہر شخص اپنی قوم و قبیلہ کو خوب جانتا تھا۔ اور اپنے حسب و نسب پر بے انتہا فخر کرتا تھا۔ خطبات مظلوع لاہور ص ۳۵۔

پھر اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

ملک عرب کی ملکی روایتیں نہایت عمدہ اور صحیح ذریعہ ملک عرب کے حالات دریافت کرنے کی ہیں اور ان کے رسوم کا علم مسند و جہ ذیل امور سے ہوتا ہے۔ (۱) بعض اوقات جب کسی سے قوم کی رائے میں کوئی جرم

سرزد ہوتا تھا۔ تو اوسکی پاداش میں اوسکی ساری قوم کے لوگوں کو جہانہ دنیا ہوتا تھا۔ میدان جنگ میں کوئی جنگ اور بدون اسکے کہ حریف سے اپنا حسب نسب باواز بلند نہ دریافت کر لے۔ تنہا لڑائی میں مصروف نہیں ہو سکتا تھا۔ (۲) کسی عام مہم میں ہر شخص اپنی ہی قوم کے سردار یا رئیس کے جھنڈے کے نیچے قیام کرتا تھا۔ عرب میں جہانہ کا رسم نہایت قدیم ہے اور آج تک اَلْبُتَّةُ عَلٰی الْعَاقِلِ کی اصطلاح خاص سے مشہور و معروف ہے۔ خطبات ص ۳۷

پھر اسی سلسلہ میں رقمطراز ہیں۔

حضرت اسماعیل کی عمر جبکہ اون کے باپ نے اونکو گھر سے نکال دیا تھا۔ توریت کے مطابق سولہ کی تھی اور یہ عمر ایسی تھی جو روایتیں اونہوں نے اپنے والد سے سنی تھیں اونکے سمجھنے اور تیز کرنے اور یاد رکھنے کے قابل تھیں۔ اسکے سوا وہ ہمیشہ اور متواتر اپنے والد سے ملاقات کرتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم ہی اکثر اونکے پاس آتے جاتے تھے۔ انجام کار سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ حضرت اسماعیل جن کی عمر اسوقت نو اسی برس کی تھی۔ برکت و فائز حضرت ابراہیم اپنے والد کے۔ اون کے پاس موجود تھے۔ یہ سب باتیں ہر ذی فہم اور غیر متعصب شخص کے ذہن نشین کرنے کو کافی ہونگی کہ یہ تمام روایتیں جو مختلف عرب میں اسقدر شائع ہیں۔ لوگوں کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل سے پہونچی ہیں۔ اور یہ امور ایسے بدیہی اور ذہن نشین ہونے کے لائق ہیں کہ اگر ہر کوئی شخص یہ سمجھ سکے کہ اہل عرب کو یہ روایتیں یہودیوں کی وساطت سے پہونچی ہیں تو اوسکو نہ کہچہ کم تعجب نہ ہوگا۔ خطبات ص ۳۹

پھر آئندہ صفحہ میں مرقوم ہے :-

عرب کے قدیم رہنے والوں نے اپنی جلی عادت سے اپنی اصل روایتوں میں بھی کوئی روایت اضافہ نہیں کی تھی اور تمام غیر قوموں سے وہ بالکل علیحدہ رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضرت اسماعیل اور انکو ہمراہی وہاں آکے آباد ہوئے۔ تو قدیمی عرب اون کو لفظ حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل لقب مستعرب سے اونکو ملقب کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل اور خصوصاً اہل عرب سے بنی اسمعیل کو ہمیشہ دو مختلف قومیں سمجھتے تھے۔ اور قدیم عرب نے اپنی روایتوں کا ان سے مبادلہ نہیں کیا اور اسی لئے بنی اسرائیل کے پاس عرب کی قوموں اور عرب کے انبیاء کی نسبت زبانی خواہ تحریری کوئی روایت نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات فرمائی کہ جمیع انبیائے بنی اسرائیل برحق تھے اور ان پر ایمان لانا چاہیے۔ اسوقت سے بنی اسرائیل اور ان کے نبیوں کی روایتیں اور قصے عرب کی روایتوں اور قصوں میں مخلوط ہو گئیں۔ بنی اسرائیل کے ہاں عرب کی کچھ روایتیں

نہیں تھیں اسلئے عرب کی روایتیں بچاؤ ہمیشہ برقرار رہیں۔ (خطبات ص ۲۰)

بہر دوسرے مقام مندرجہ ذیل عبارت قلمبند ہے:-

کسی راوی نے یہودیوں کی روایتیں بیان کیں اور سننے والے نے غلطی سے اسے حدیث سمجھ لیا اور اسی ذریعہ سے یہودیوں کی روایات کا اختلاف مسلمانوں کے ہاں منتقل ہو گیا۔ اگلے نبیوں اور بزرگوں کے قیسے جن سے ہمارے ہاں کی تاریخیں اور تفسیریں سایہ ہیں سب انہیں درلیوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ خطبات ص ۲۵

پھر آگے تحریر فرمایا جاتا ہے:-

مخالفین اسلام نے جو اس زمانہ میں زیادہ تر یہودی اور شرکین تھے۔ ان لوگوں نے بہت سی باتیں سچ اور جوڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت شہور کر رکھی تھیں اور وہ عرب میں پھیل گئی تھیں۔ رفتہ رفتہ بطور روایت کے بیان ہونے لگیں۔ اور لوگوں نے غلطی سے انکو حدیثوں میں شمار کر لیا۔ (خطبات ص ۲۵)

عبارت توراۃ اور انجیل کی غلطیوں کے اعتراف میں تحریر ہے:-

یہودیوں اور عیسائیوں نے تورات کی عبارت اور الفاظ میں غلط طور سے تعمیر کئے اور اس سبب سے وہ غلطیاں ہوئیں کہ خود تورت کے قدیم نسخوں میں جو کو دیس کہلاتے تھے اور قلمی تھے متعدد وجود سے غلطیاں رہ گئی تھیں اور پھر جن لوگوں نے مقابلہ کر کے انکو صحیح کیا ان کی تصحیح بھی غلطیوں سے خالی نہ تھی۔ اور سب سے بڑا سبب ان غلطیوں کا یہ ہوا کہ وہ تاریخی واقعات جو انسانوں نے بغرض تسلسل مطلب حضرت موسیٰ کے کلام کے ساتھ جدا لکھے تھے۔ اور جن میں بلا شک بہت سی غلطیاں تھیں۔ انکو بھی یہودیوں اور عیسائیوں نے مقدس تحریر سمجھا تھا پس اگر اسلام نہ ہوتا تو ان پیغمبروں اور نبیوں اور خدا سے پاک کے بندوں یعنی حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور ان کے بیٹوں، اور حضرت آسمان حضرت یحییٰ اور حضرت یحییٰ کے پوتوں اور بیٹوں اور ہارون، اور داؤد و سلیمان کے دنیا میں اسی مٹی غراب رہتی۔ جیسے ایک بدکار آدمی کی خراب ہوئی ہے۔ تمام دنیا کی نظروں میں ویسے ہی حقیر ہو سکتا۔ جیسے کہ ایسے جرموں کے مجرم حقیر ہوتے ہیں۔ جبکہ دائم الجہنم کے کالے پانی بجھتے ہیں۔ یا انکو ان کے گناہوں کی سزا کیلئے انکو سولی پر چڑھا دیتے ہیں۔ صرف یہ اسلام ہی کا احسان ہے۔ جس نے

ان تمام بزرگوں کی بزرگی اس حد تک دنیا میں پھیلانی جسکے وہ حق تھے۔ (خطبات ص ۲۶)

تشریح کی مرقومہ بالا تصدیقات سے اہل عرب کی روایات کا دلالت اور اعتماد کا حقیقہ ثابت ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انکی معلومات کا تسلسل اور سلسلہ اس انتظام احتیاطی کے ساتھ مختصر و مفید بیان اور شمار میں انکا محفوظ رکھنا کہ ان کی اصلیت اور حقیقت میں کوئی خود غرضانہ اضافہ نہ ہو۔ کافی تفصیل کے ساتھ معلوم

ہو گیا۔ باوجود ان تحقیقات اور اعتراضات خاص کے ہی اس سلسلہ میں نہیں معلوم سید صاحب نے اہل عرب کی روایات کو پھر کس وجہ سے ناقابل اعتبار سمجھا اور ان کے بیان پر کوئی توجہ نہ فرمائی۔ بخلاف ان کے یہودیوں اور عیسائیوں کی مغویانہ روایات کو ائمہ و محدثین کہہ کر تسلیم کر لیا۔ جن کے لغویات اور مہملات کو خصوصاً انبیاء علیہم السلام کی پاک سیرتوں کے متعلق اس نادور و شور سے اپنے تنقیدانہ مضامین تحقیق میں ابھی خود تحریر فرما چکے ہیں۔ اسکا باعث جیسا کہ ہم اس بحث کے آغاز میں اوپر لکھ چکے ہیں سوائے اسکے کچھ اور نہیں معلوم ہوتا کہ سید صاحب نے اہل کتاب کے اتفاق اور مفسرین و محدثین کے اختلاف کی بنا پر اپنی رائے قائم کی ہے۔ جنہیں سے ہم دونوں شعبوں کی تردید و تنقید پورے طور سے اوپر مندرج کر چکے ہیں۔

اول تو ہم نے توراۃ کی اصلی عبارات سے جو ثبوت مستنبط کئے ہیں وہی کافی طور سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح الثبات کرتے ہیں۔ گو ان پر اخوا اور عالم فریبی کے خلاف ضرور چڑھائے گئے ہیں۔ مگر جب تحقیق کا متلاشی اُن قرآن کو واقعات اور اصلی حالات سے ملائیکہ کا توراۃ کی بشارتیں اور ان کے تمام قرآن حضرت اسماعیل کے ساتھ منطبق پائیکہ کا یہ جناب سمجھی کے ساتھ۔

دوسرے اہل اصول کے مطابق جو سید صاحب نے علم تفسیر حدیث۔ سیر تاریخ وغیرہ وغیرہ کی تحقیق و تنقید کے متعلق اپنے خطبات میں بڑے بڑے علمائے مشہورین کے اقوال سے نقل فرمائے ہیں۔ اتفاق اہل کتاب کے مسئلہ خاص کی حیثیت انھیں علماء کے مختار سے خود سمجھ لیں کہ تمام علماء محدثین کا مسئلہ ہے کہ اتفاق اہل کتاب الیس لہ اعتبار۔ اتفاق اہل کتاب قابل اعتبار نہیں۔ (زرغانی جلد اول)

اب سید صاحب مرحوم۔ ایسے پکے مسلمان ہو کر اس اتفاق پر اعتبار فرمائیں تو اسکو او کی تحقیقات کی خامی اور حقیقت امری سے ناکامی کے سوا اور کیا کہا جاوے۔ اتفاق اہل کتاب کی تو کیفیت تھی۔ علماء اسلام کے اختلاف کا باعث ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں جس شبہ میں سید صاحب پڑ گئے ہیں۔ اسی مغالطہ میں وہ حضرت بھی گرفتار ہو چکے ہیں۔ ان کے تمام روایات کی تنقید پوری تفصیل کیاتھ اور قلمبند ہو چکی ہے اور ان کی روایات کی بخارا حیرتضییع ہی لکھ چکی گئی ہے۔ اور مرحوم سید صاحب ہی اسکے اصلی باعث کو سمجھ چکے ہیں۔ اور لکھ چکے ہیں کہ شیوع اسلام سے قبل یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال کا تو مرویات عرب میں کہیں نام و نشان ہی نہیں تھا ہاں ظہور اسلام کے بعد جب سے بالی علیہ السلام نے انبیاء سابقین علیہم السلام کی تصدیق فرمائی اسوقت سے یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال اسلام میں نقل ہونے لگے۔

اسی ضمن میں حضرت اہل حق کی قربانی کا معشوعی واقعہ بھی حضرت اسماعیل کے صحیح اور اصلی واقعہ قربانی کیساتھ خلط ملط ہو گیا اور نقل کر نیوالے نے کسی تحقیق اور عدم واقفیت کی وجہ سے اسکو یہی حدیث بدل دی سمجھ لیا اور اپنی

قرآنی کی حقیقت میں مولوی شبلی صاحب
کی سخی اور قیاسی تاویل

مولوی قبل صاحب (چار ہزار برس کے بعد تقریباً) اس واقعہ قربانی کو خدا کا امر تشریفی قرار دیتے ہیں اور اپنے موجود
مختار کو قربانی کی حقیقت کے خاص عنوان سے مفصلہ ذیل عبارت میں ظاہر فرماتے ہیں۔

اس مسئلہ کی حقیقت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب اسپر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیم کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے اصلی مقصود کیا تھا قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنی اولاد کو اپنے معبود پر بھینٹ چڑھایا کرتی تھیں۔ یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا۔ لیکن سخت غلطی ہے۔

اکابر عصفیہ نے لکھا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں دو قسم کے ہوتے ہیں۔ عینی اور تشبیلی۔ عینی میں بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے تشبیلی میں تشبیہ اور تشبیل کے پیرایہ میں کسی مطلب کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھلایا گیا

اوس سے مراد یہ تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لئے نذر چڑھا دیں۔ یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں۔ کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دئے جائیں۔ تو راۃ میں جا بجا قرآنی کالفاظ انہیں معنیوں

میں آیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اوسکی تعبیل کرنی چاہی۔ گو یہ خیال اجتہاد ہی غلطی تھی۔ جو انبیاء سے ہو سکتی ہے (گو یہ غلطی قایم نہیں رہتی بلکہ خدا سپرد و منحصر مقبہ کر دیتا ہے) اس بنا پر کہ حضرت ابراہیمؑ اس فعل سے روک دئے گئے۔ لیکن خدا نے اُن کے حسن نیت کی قدر کی، اور فرمایا کہ قد صدقت الرؤیا ان کذلک اللہ انجسہا الحسنین۔ تو نے اپنے خواب

حضرت انسوس چھ کرشمہ العلماء مولوی شبلی صاحب کو۔ باوجود اتنی استعداد و جامعیت کے جو انکی نسبت مشہور کی جاتی ہے۔ قدرت نبوت اور
ذات اجتہاد کا فرق مایہ لاطیار ایسی کثرت معلوم نہیں۔ وہ اصول اسلامیہ اور معتقدات ایمانیہ کے بالکل خلاف نبی کو محمد سمجھتے ہیں۔ تب ہی تو حضرت
براہیم کے اس حسن تعبیل کو معمولی علمائے کثیر طرح خطائے اجتہادی سے تعبیر فرماتے ہیں اور اتنا نہیں جانتے ہیں کہ نبی کے ذریعہ معلومات بالکل وحشی طریقہ سے
دلتے ہیں۔ اور محمد کے وسیلہ اطلاع تعلیم و تدبیر کے کیسے طریقہ سے۔ فافہم فہم۔ المولف عفی عنہ

کو سچا کر دکھلایا۔ ہم اسی طرح نیکو کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔
 ہر حال یہاں اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ قرآنی سے مقصود خدمت کعبہ کیلئے نذر چڑھانا تھا۔ نذر چڑھانے
 کے لئے شریعت سابقہ میں جو لفظ مستعمل ہوئے تھے، خدا کے سامنے تھے تو راقہ میں یہ محاورہ نہایت کثرت
 سے آیا ہے حضرت ابراہیم نے حضرت اسمعیل کے حق میں خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظوں میں تھی۔
 لیت اسمعیل لیتیش اما صلت۔ کاش اسماعیل تیرے سامنے زندگی کرتا۔ اسی خواہش کے
 مطابق او کو خواہش تمثیل کے پیرایہ میں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو قرآنی کریں۔

(سیرۃ النبی ص ۱۰۶، ۱۰۷ جلد اول)

یہ ہے ہمارے مولوی شبلی صاحب کی طبع آزمائی اور نو ایجاد تاویل۔ جو ان کے اوں مورخانہ مختار و معیار
 سے بالکل خلاف ثابت ہوتی ہے جس کو انہوں نے اصول تاریخ و سیرۃ نویسی کی نسبت اپنے دیباچہ کتاب
 میں نہایت شد و تذ اور بڑی حد و کد سے قائم فرمایا ہے۔ اور یہ التزام و انتظام صرف زبانی وعودوں میں ظاہر
 طور پر اپنی کتاب میں قائم رکھے جائیگا اقرار فرمایا ہے کہ کوئی واقعہ تاریخی جب تک کسی حدیث سے نہ ملایا جائے
 اور حدیث ہی کون۔ صحیح و مرفوع اور وہ صحیح و مرفوع ہی کون۔ وہ جو کتب صحاح میں وارد ہو کتب صحاح میں
 کون کتاب صحیحین شریفین اور صحیحین شریفین میں ہی کون۔ صحیح بخاری (مطلب سعدی نہیں بود) میں ہو۔ تب
 تک وہ واقعہ اسلامی تاریخ میں درج کئے جائیگے قابل نہیں ہو سکتا۔

مگر جہاں تک آپ کے اس شرط و اقرار پر غور کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی کیاس کہانی اور نئے کے بعد
 ہی شبلی صاحب نے اپنے اسناد و اشہاد کیلئے کوئی حدود و قیود قائم نہیں رکھے۔ بلکہ اپنے اسلاف کی تقلید میں جہاں
 سے اور جس کسی سے ہی آپ کو اپنے مطلب کی بات ملگئی۔ آپ کے لئے بس وہی وحی آسمانی ہو گئی۔ پھر اس وقت
 صحیح بخاری سے تحقیق کی ضرورت رہی اور نہ صحیح مسلم سے تصدیق و تطبیق کی حاجت پیشال کے لئے اکابر و فقیہ
 کی بلا سند اور غیر مقتدا قول کو خاکسرا کیلئے بیحد و حد کا اصل لیا حصول قرار دنیا کافی ہے۔ ہوا و سوت سے
 بیکرا سوت تک تمام فرقہ و اسلامی میں سے کسی فرقہ اور مذہب کے عالم اور محدث نے کہیں بھی نقل نہیں کیا ہے
 اور جو بالکل معانی و مطالب قرآنی کے مخالف اور ارشاد و اقوال رسول صلعم کے معارض ثابت ہو رہے۔

تعجب ہے کہ فاضل محقق نے کہاں تو اپنی تحقیق و تفتیش کے لئے دلائل و اکتفاء کو مقدمہ کتاب میں استقدر تنگ
 محدود کر دیا تھا کہ وہ اپنے ماخذوں میں سوائے چند قدیم عربی تاریخوں اور جدیدہ جدیدہ کتب صحاح کے اور کسی
 اسلامی تاریخ، حدیث اور سیر کی کتابوں سے استنباط و استخراج کو یا حرام فرما دیا ہے۔ کہاں اپنی اتنی بڑی اعلیٰ اور
 بیکرا تحقیق میں۔ ادھر ادھر کے بے نام و نشان اسناد کی بہرہ گیری نے لگے کہ ان کا شمار صحیح، موثق اور حسن وغیرہ

میں کہاں تک ہو گا۔ مرسل۔ غریب۔ ضعاف اور احادیث میں بھی داخل نہیں ہو سکتے۔
یہ بھی کوئی سند ہے کہ ”اکابر صوفیہ کا قول ہے“ استغفر اللہ یہ اوس پائے کے شخص کی سند ہے جو تمام مستندین
کے مقابلہ میں اپنی تحقیق و تلاش کو سب سے زیادہ معتبر و مستند بتلاتا ہے۔ اور جو اپنے مقدمہ کتاب میں اپنی ظاہری
شوکت الفاظ سے اور صرف قربانی سخن آرائیوں سے کسی تاریخ واقعہ کو تا وقتیکہ احادیث مستدرجہ صحیحین سے منطبق
نہ کرے۔ قابل اندراج نہیں سمجھتا۔ بیس تفاوت رہ از کجاست تا کجا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

بہر حال مولوی شبلی کو اپنے اختیار کردہ طریقہ استخراج و استنباط کے بدلے وقت اپنے اصل مدعا حقیقت
کو اگر نصوص الہی اور منشور حضرت رسالت پناہی سے منطبق کر لینے کی توفیق نہیں ہوئی تھی۔ تو کم سے کم اذکون علماء
محدثین اکابر مفسرین اور عمائد مورخین ہی کے اقوال و آراء سے مل لینا تو ضرور تھا۔ اور اگر کسی تفسیر مستدرجہ صحیحین اور
صحیح میں دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی تو اپنے مدعا کی تلاش صرف صحیح بخاری ہی میں کر لی گئی ہوتی۔ کیونکہ آپ
کی تمام کائنات تحقیقات و معلومات تو اوس کتاب پر ختم ہے۔ مگر نہیں معلوم۔ مولوی صاحب کو اکابر صوفیہ کے
اس بلا سند قول پر کیا فوق البشری جوش عقیدت آگیا کہ اوس تلامذہ خیر عالم و جد میں۔ قرآن۔ حدیث اور اصح الکتاب
بعد کتاب المبارک ہی بالکل نیا بنیاد ہو گئی۔

علمائے کرام اسلام میں فریقین کے تمام متقدمین مفسرین۔ محدثین اور مورخین سے لیکر متاخرین تک کی
کثیر التعداد۔ قوی الاسناد و تالیفات و تصنیفات اس وقت میرے پیش نظر ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہم ان میں سے
کسی ایک کو بھی مولوی شبلی کا ہم خیال نہیں پاتے کسی مفسر محدث اور مورخ نے اس وقت سے لیکر اس وقت
تک قربانی کے واقعہ میں عینی اور تمثیلی کی دو جدا جدا شاخیں نہیں نکالیں۔ اور اس نئی برقی جھلک الہی کے
مصدق پر۔ اصل مطالب و مقاصد وحی کے سمجھنے میں غلطی کا الزام نہیں لگایا۔ اور نہ اپنے کسی عقلی نقلی بیان
میں کسی ضعیف سے ضعیف اور احادیث سے احادیث طریقہ روایت سے بھی اشارت و کنایہ ذکر نہیں فرمایا۔

توحید انبیا علیہم السلام کا مسئلہ مولوی صاحب کے ہاں کا ایک اختلافی مسئلہ ضرور ہے۔ مگر قاضی عیاض
اور امام فخر الدین رازی اسکو بہت کچھ صاف بھی کر چکے ہیں۔ اس اختلاف اور اشیاء بین النفی والایجاب کی
رو سے۔ اگر شبلی صاحب حضرت ابراہیم کے خطا کرنے کے قائل ہیں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور مجھے ان
کے خاص عقاید میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ مگر جو کچھ کلام ہے اور جو کچھ افسوس ہے وہ مولوی
شبلی صاحب کی اسلامی عقاید سے عدم واقفیت پر جو آشوب انگ انبیا اور محمد کا بھی فرق نہیں جانتے ہم انکی
یاد دہانی کے لئے۔ انہیں اس کتاب الکلام سے صرف دو شہادتیں جو صفات نبوت کی تحقیق میں لکھی گئی ہیں
ذیل میں نقل کئے ویتے ہیں۔ علم الکلام حصہ دوم میں شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ امام غزالی نے حیار العلوم

کے شروع میں ایک ضمنی بحث میں لکھا ہے۔
 وَكَيْفَ يَتَكَلَّمُ بِتَفَاوُتِ الْفَضَائِلِ وَكَيْفَ يَتَكَلَّمُ بِتَفَاوُتِ
 النَّاسِ فِي فَهْمِ الْعُلُومِ وَلَمَّا أَفْتَحُوا مَسَارِجَ
 بَلَدِهِمْ لِيَفْهَمُوا بِالتَّفْهِيمِ أَكْبَرَ الْأَقْدَامِ تَعْبِيرًا طَوِيلًا
 مِنَ الْمُعْلَمِ وَالْأَقْدَامِ لِيَفْهَمُوا بِأَكْبَرِ الْأَقْدَامِ تَعْبِيرًا
 وَالْأَقْدَامِ لِيَفْهَمُوا بِأَكْبَرِ الْأَقْدَامِ تَعْبِيرًا
 وَكَوْنَهُمْ تَعْبِيرًا نَاسِيًا نُوْحِي عَلَى نُوْحِي ذَاكَ
 مَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ أَذْ بَعْضِهِمْ لَكُمْ
 فِي بَوَاطِنِهِمْ أَمُورٌ غَائِبَةٌ مِنْ بَعْضِهِمْ لَعَلَّكُمْ
 تَعْلَمُونَ وَكَذَلِكَ يُكَلِّمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَشَاءُ وَيُخَوِّفُ
 سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ اللَّهُ يَكَلِّمُ مَنْ يَشَاءُ
 قَالَ إِنَّ مَرْءًا مِّنَ الْقَدَمِينَ نَفَثَ فِي مَرْءٍ

فطرت کی تفاوت کا کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔ یہ تفاوت نہ ہوتی
 تو علوم کے سمجھنے میں اختلاف مراتب کیوں ہوتا، اور یہ بات
 کیوں ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کون ہوتے ہیں جو اوتا و کے
 سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہی ہیں تو مشکل سے
 سمجھتے ہیں۔ اور بعض ایسے ذہین ہوتے ہیں کہ ذرا سے اشارہ
 میں سمجھ جاتے ہیں اور بعض ایسے کامل ہوتے ہیں کہ خود ادنیٰ
 طبیعت سے حقائق امور پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ
 نے کہا ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
 انبیاء علیہم السلام کا یہی حال ہے۔ ان کے دل میں دقیق باتیں
 خود بخود بغیر سکھانے اور سننے کے روشن اور ظاہر ہو جاتی ہیں
 اور اسی کو الہام کہتے ہیں اور اسی کو انصرفت علی اللہ علیہ السلام
 وسلم نے اس طرح تعبیر فرمایا ہے کہ روح القدس نے میری

روح میں پھونکا۔ علم الکلام ص ۱۰۰

امام غزالی کے قول کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ محدث ابن خرم نے نبوت کی حقیقت بیان کی ہے کہ بغیر
 تعلم و تعلیم کے علم حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

فَصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ فِي أَهْلِ مَكَّةَ وَهِيَ بَعْثَةٌ قَوْمٌ قَدْ
 خَصَّصَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى بِالْفَضِيلَةِ وَالْعِلَّةِ وَالْإِنْبَاءِ
 شَاءَ ذَلِكَ فَعَلِمَهُمُ اللَّهُ الْعِلْمَ بِدُونِ تَعْلِيمٍ وَكَأَنَّ
 تَنْقِيلَ فِي مَرَاتِبِهِمْ وَكَأَنَّ تَعْلِيمَ لَهُ وَهِيَ هَذِهِ الْأَنْبَاءُ
 مَا تَبَيَّنَ أَهْلُ مَكَّةَ نَافِيًا لِقَوْلِهِمْ

یہ بات ثابت ہوئی کہ نبوت ممکن ہے اور نبوت کے معنی یہ ہیں
 کہ خدا ایک گروہ کو ایسا بھجواتا ہے اور ان کو فضیلت کے
 ساتھ خود کو دینا ہے۔ کسی علت کی وجہ سے بلکہ صرف اپنی
 مرضی کی وجہ سے خدا ان کو علم سکھاتا ہے بغیر سکھانے کے اور بغیر
 درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور بغیر طلب سکھانے اور یہ اسی طرح کی بات ہے

جس طرح ہم لوگ خواب میں کچھ دیکھتے ہیں اور صحیح نکل آتا ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں محدث ابن خرم کا بقیہ قول لکھا ہے۔

فَوَجَّهَتْ بِالْخُصَّةِ وَتَعْلِيمُ الْأَنْبَاءِ كَالْبَيِّنَاتِ وَالْإِبْرَاهِيمِ
 فَالَّذِينَ تَعْلَمُهُمُ اللَّهُ تَعَالَى بِدُونِ تَعْلِيمٍ وَكَأَنَّ

انبیاء ضروری طور پر ایک یا ایک سے زیادہ اس قسم کے لوگ
 پائے جاتے ہیں جن کو خدا اپنے علم و وسایع ابتداء بغیر کسی مدد کے

خود اپنی وحی سے لکھا ہے اور یہی نبوت کی صفت ہے۔

علم الکلام ص ۱۰۲

لَكِنَّ يَوْجِي حَقَّقَهُ عِنْدَهُ وَهَذِهِ الصِّفَةُ
الْنبوة -

کیا شبلی صاحب کسی مجتہد کو ان اوصاف مخصوصہ اور کمالات مشہورہ کے ساتھ موصوف ہونا قیامت تک ثابت کر سکتے ہیں۔ لا واللہ۔

انسوس ہے کہ ابھی تک شبلی صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی ان فرد گزشتوں کو اصطلاح شرعیہ میں کیا کہتے ہیں۔ اور معمولی علما و مجتہدین کی عام غلطیوں کا کیا نام ہے۔ یہاں تک تو فریقین کا مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام مجتہد نہیں۔ کیونکہ ان پر بلا فضل و واسطہ وحی الہی اترتی ہے۔ اور ان کے تمام معلومات احکام و ارشاد، افعال و اقوال، تعلیم و وحی کے مطابق ہوتے ہیں۔ وہ سوائے روحانی اور آسمانی بشارتوں کے کسی انسانی ذریعہ و واسطہ کے شیع اور محتاج نہیں ہوتے۔ ان کے معلومات وہی ہوتے ہیں۔ نہ کسی مجتہد و نبی اور ان کے بعد لگاتار ان تمام جائز اخطا انسانی ذریعوں اور بے شمار طریقوں کے نقل و اتباع کا متبع اور تقلد ہے۔ جس نے اپنے معلومات کو غیر منقید اور غیر محفوظ اخطا ذرائع و وسائل سے حاصل کیا ہے۔ اگر شبلی صاحب کے ایسے انبیاء کو مجتہد تسلیم کر لیا جائے۔ تو تمام دنیا کے علما و مجتہدین کو گھر بیٹھے نبوت مل جائے اور پھر نبی اور مجتہد کا فرق بابہ الالباب و شوار و محال ہو جائے۔

انسوس ہے کہ مناسبت مقام ہکو۔ مناصب نبوت۔ مدارج رسالت اور درجہ اجتہاد کے باہمی امتیاز و اختلاف اور ان کی حقیقت و ماہیت جداگانہ کی تفصیلی کیفیت درج کرنے کی فی الحال اجازت نہیں دیتی۔ ورنہ ہم مولوی صاحب کو حقیقت حال کا پورا انکشاف اور شہادہ کر دیتے۔

قبل اسکے کہ ہم شبلی صاحب کی اس غلط تاویل پر تنقید و تردید کا قلم اٹھائیں ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مولوی صاحب کے ایسے جدید محقق کے ایسی عامیانہ غلط فہمی کا اصلی سبب دریافت کر لیں۔ ہم آپ کی اس غلط تاویل کی جب پوری عبارت پڑھتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کی اس غلط فہمی کا باعث بھی وہی اہل کتاب کی کورانہ تقلید اور علمائے تصوف کے ظنیات کی بے موقع تائید ہے۔

جب اہل کتاب کے متعلق تبدیلی واقعات اور تغیر حالات کی وجہ تحقیق کی جاتی ہے تو پورے طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ نسبت المقدس پر چڑھانے۔ یا اس کی خدمتوں کے لئے وقت کر دینے جانے کے رسم و رواج یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں جاری تھے۔ اور ان کے انہیں اصول مشہورہ سے مقرر۔ مجرود اور حضور کے جداگانہ طبقے اور فرقے قائم ہوئے۔ اور ان کے چکر انہیں کی بنا پر۔ اسباب نبوت بشریت عیسوی میں جزو نہ رہی قرار پائی۔ اس لئے یہودیوں اور عیسائیوں نے اس قربانی کو چھوٹا اور نہیں معنیوں میں سمجھا

اور دنیا کو سمجھایا۔ اور خصوصاً اپنے تعصب و نفسانیت کی وجہ سے خاکھرا لیس غلط تاویل کے لئے وہ مجبور ہوئے کیونکہ حضرت اسحاق کے متعلق کسی طرح واقعہ فرج ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ اصل واقعہ قربانی کو اُنہی کے کوئی واسطہ تھا اور نہ اُس کے متعلق یسعی طوف اور رمی الحجرات وغیرہ کے مناسکات کو اُن سے کوئی تعلق تھا۔ یہ دیکھ کر یہودیوں اور عیسائیوں نے کہ اصل واقعہ کو جوڑا یا کلاپتا۔ حضرت اسحاق سے کوئی مناسبت یا مطالبہ نہیں ہے۔ اصل واقعہ کی عملی صورت سے انکار کر دیا اور اُس کو ایک دوسری صورت خاص میں بدل دیا۔ مگر دروغ و غلو کا حافظہ نباشد۔ اس غلط تفسیری واقعہ کے وقت اس کا خیال ہی نہیں رہا کہ قربانی کی یہ صورت تو حضرت ابراہیم سے ڈیڑھ ہزار برس بعد حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان زمانہ کی ایجاد ہے۔ اس سے قبل تو توراۃ میں ہی کہیں اس کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ پھر ایک ایسی صورت حال کو حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل اور حضرت اسحاق کے زمانہ کی طرف منسوب کرنا ہوا ہے تعصب اور جہالت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

حقیقت حال سے ناواقفکاروں اور تعصب و نفسانیت کے قلمکاروں نے۔ فرج و قربانی کی اصلی اور عملی صورت کو۔ اُتار اور اُتار کی صورت و شکل میں تبدیل کر دیا۔ جو بقابلہ فرج۔ عام فہم اور بالکل قریب الامکان تھی۔ حسن اتفاق سے اہل تصوف نے بھی اپنی ظاہری ترک تعلق کی پرچندوں میں شجرہ اور رہبانیت کے طریقوں کو اختیار کیا۔ اور کائناتِ حبابانیتہ فی الکائنات کی تاکید پر کوئی اعتناء قربانی نہ خدا کے حکم و ہدایت پر کوئی توجہ کی۔ اور نہ رسول کی خاص سیرت پر کوئی نظر۔

نبی صاحب نے اہل کتاب اور اہل تصوف کے اس غلط استدلالی انخیال سے یہ دھوکا کھایا ہے۔ ورنہ اگر مولوی نبی کو رانہ تقلید چھوڑ کر آزادانہ تحقیق سے کام لیتے تو وہ فوراً سمجھ جاتے کہ حریت یا خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دئے جانے کی خدمت اور عملی صورت نفس الہی اور حکم رسالت پر ہی سے مستبط و مستخرج ہوتی اور جو حکم رکھتی تو آپ کا نبی برحق۔ جو مذہب ابراہیمی کا مروج اور شریعت اسماعیلی کا اصلی مجدد تھا۔ اور جس نے اسلام کو ملکہ ابراہیم ہوا لائی۔ مگر مسلم المسلمین (اسلام) تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب ہے۔ اسی نے تمہارا نام سلطان رکھا کی بشارت پہنچا کر شریعت ابراہیمی اور اسلام کو اپنی اصل ایک ہی بتلایا تھا۔ تو اُس کے لئے ضرور تھا کہ اُس نے اپنے شہد رسالت میں جس طرح شریعت ابراہیمی کے اور ارکان۔ قربانی مناسکات۔ حج اور دیگر اخلاقی اور مذہبی مراسم و عقائد کو از سر نو زندہ کر کے اسلامی شریعت میں داخل فرمایا تھا۔ اسی طرح شہد رسالت کے لئے وقت اولاد و اولاد کے لئے ہی تعلیم فرمادیا اور اپنے اقوال و ارشاد میں جناب ابراہیم کی اس غلطی اور سورفہی (معاذ اللہ) کو اشارہ کرتا دیکھا کرتا کرتا

واقعہ ذبح کی حقیقت الامری کا (نبی صاحب کی طرح) پورا انکشاف کر دیا۔ مگر لغو بالشر رسول سے بھی اتنی رہ ہی گئی جس کو نبی صاحب اور ان کے اکابر جو فقیہ نے خیر پوری کر دی۔ مگر ہم کہتے ہیں رسول سے کیا معاواۃ اللہ عنہ سے ہی رہ گئی۔ کہ اس نے (لغو بالشر) یہ سمجھ کر بھی کہ ہمارا محدو و عقل والا رسول۔ علم الہیہ کے اقسام و اعصاف اور ان کے اختلاف کی تمیز و معرفت نہیں رکھتا تاہم اس کو مدعا سے حقیقت اور نشا سے قدرت سے مطلع اور آگاہ نہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کا شیعہ اپنی غلط فہمی اور لاعلمی سے اپنے بڑے خلاف فطرت انسانی۔ قتل اولاد کی شقاوت و جہمی پر جرات کر بیٹھا۔ تب اس وقت خدا کو رسول کی فروگزاشت کے ساتھ اپنی خاموشی اور عدم اظہار علیہ کی خیال آیا۔ اور اس کو قتل عہد کے ارتکاب سے روک دیا۔ مگر وہ کہہ بیٹھا جیسے کہ یہ وقت ہی خدا کا اصل حقیقت کے انکشاف فرمادینے کا خیال نہ آیا۔ ارشاد ہوا تو یہ قد صدقت اللہ یا کذا اللہ فجر فی الحسنین۔ تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا اور ہم شکوہ کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اس سے ہی خواب عینی اور تمثیلی کی حقیقت بتائی جائیگی کوئی کیفیت ظاہر نہیں ہوتی۔

خدا کا فرض تھا کہ اس قیامت خیز منظر کے وقت یا بعد اپنے رسول کو بچا دیتا اور بتلادیتا اور رسول پر واجب تھا کہ اپنے نذر چڑھائے ہوئے بیٹے کو اس وقت سے کیا اسی وقت سے خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دیتا اور اس مقدس چار دیواری کے اندر لاکر بیٹھلا دیتا اور ہر اس کو سوا سے خدمت کعبہ کے اور کشتی میں مصروف نہ ہونے دیتا جیسا کہ مولوی شبلی نے بمطابقت احکام توراۃ۔ نذر یا قربانی چڑھانے ہوئے کو گونگے اجنبی و قوا عد بٹلائے ہیں۔

مذہب بالہ واقعات و حالات میں سے ایک واقعہ ہی حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل کے احوال معاشرہ کے متعلق اہل عرب کے کسی اخبار و آثار میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اور کسی محدث یا مورخ نے اشارہ کیا تھا ہی ان لغو باتوں و اہل سنت کا۔ جو نبی صاحب کی جدت و جودت کا تازہ نمونہ ہے۔ ذکر نہیں کیا ہے اگر واقعہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ مولوی شبلی نے اکابر جو فقیہ کے کا پوسا بدکا شفا سے اقتباس فرمایا ہے تو ہر حضرت اسماعیل کے طرز معاشرہ ہی ایسا ہی معلوم ہوتے جیسے قوم بنی اسرائیل میں۔ مگر بنی اسرائیل کے طرز زندگی معلوم ہوتا ہے۔

بچاؤ لیا جسے حضرت اسماعیل کے حالات پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ۔ استغفر اللہ نہ عزت تھے نہ شہر۔ ایک چوڑو و زبانی واسطے تھے۔ چنانچہ ان کی پہلی شادی تو پروا میت توراۃ بخود حضرت ابراہیم نے کر دی تھی۔ دوسری بی بی حضرت ابراہیم کے حکم و ایستہ کی تھی۔ چنانچہ ہم اسکا پورا واقعہ صحیح

بخاری کی عبارت سے اوپر لکھ چکے ہیں۔ اور خلاصہ ترجمہ اسکا بقدر ضرورت پھر ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔

جب حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کی غیبت میں تشریف لائے اور انکی پہلی بی بی کے اکرام ضیف اور دیگر خوش اخلاقیوں میں کمی پائی۔ تو ان کی بی بی سے فرما گئے کہ عیب اسماعیل لشکار سے واپس آئیں تو ان سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کے کواڑ بدل دالو حضرت اسماعیل کی واپسی پر ان کی بی بی نے حقیقت حال ان سے بیان کر دی حضرت اسماعیل نے ان سے کہا کہ کواڑ کی تبدیلی کا حکم نہیں رہتا بلکہ تمہاری تبدیلی کا فرمان ہے اس وقت ان کو چہرہ کر دیا۔ اور نبی جہنم سے ایک معقل کو اپنے عقد ازدواج میں لائے۔

انہیں بی بی سے آپ کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ جیسے کہ توراۃ میں ان کی یہی تعداد اون کے ناموں کے ساتھ درج ہے۔ اس کے علاوہ توراۃ میں خدا تو حضرت ابراہیم کو پہلے ہی سے آپ کے کثیر الاولاد اور پھر ان کے امت عظیم ہونے کی بشارت دیکھا تھا پھر آپ کا تحریر ہونا۔ جو ذکر دکان خانہ مقدس کے شہر ابراہیم ایک ضروری اور واجب التعمیل شرط تھی حضرت اسماعیل پر کیسے منطبق کیجائے گی۔ آپ کا طریق معاشرت جو ان بیت المقدس کی عادت و سیرت کے بالکل خلاف ثابت ہوتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت تک جو درجہ کی شرط اسکے لئے خاص نہیں ہوئی تھی اور یہ بعد میں لازمی قرار پائی جیسے نبی اور مریم علیہما السلام کے لئے۔ تو ہم اسکو بھی توڑی دے گئے۔ لے کر یہ دیکھائیں گے کہ جیسا کہ شبلی صاحب خود تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مراد یہ ہے کہ بیٹے کو کہیے کی خدمت کے لئے نذر چڑھاویں یعنی وہ کسی اور مشغل میں مصروف نہ ہوں بلکہ کہیے کی خدمت کیلئے وقف کر دیئے جائیں۔ حضرت اسماعیل نے اسکی بھی تو مطلق تعمیل نہیں کی اور نہ کہی ان قیود پر اعتنا فرمایا۔ واقعات تو یہ بتلا رہے ہیں کہ وہ کہیے اور کہیے کی تمام خدمات کو چھوڑ کر۔ دن دن ہر بار ہر شکار کھیل کر تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے دو قوی بابر تشریف لائے کے وقت آپ صبح سے شکار کو گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ الفاظ مذکور کے بعد یہ ہے۔ تو اب مولوی شبلی کی یہ مشرکہ مشرکہ و قید کہ وہ کسی اور مشغل میں مصروف نہ ہوں حضرت اسماعیل کی نسبت کہاں ثابت ہوتی ہے۔ شبلی صاحب جیسا کہ قیاسی القیاسات کے خلاف حضرت اسماعیل تو ان حالات میں درجہ بخاری تشریف سے شکار کر کے کاروان استسکان کے ایسے معمولی کاروبار اور امور لعب میں روزانہ مصروف و مشغول پائے جاتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے۔ یہ کیسے خلف و ہم کہیے اور انکی خدمت کی کسی خدمت کے بعد تھی۔ ان سے زیادہ تعجب تو حضرت ابراہیم کے انتقال و تسال پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے قرآن شدہ اور وقت کردہ کہیے کو ایک بار نہیں کہی بارہ خدمت کہیے کو چھوڑ کر شکار کے ایسے امور و لعب میں مصروف و مشغول شکر اور پا کر ہی۔ ان کے منع کرنے اور باز رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اور ان کے

ایسے صریح خلاف معاہدہ و شرائط احوال و افعال سے منکر تشبیہ ہی قرآنی تویہ کہ تمہاری یہ بی بی اچھی نہیں دوسری بدل ڈالو۔

حضرت اسماعیل کے مشاغل صید و شکار میں مصروفیت۔ آپ کے طرز معاشرت کے ساتھ ایسی مخصوص اور قدیم ہے کہ توراۃ میں ہی اسکی تصریح موجود ہے چنانچہ حضرت اسماعیل کے حالات میں یہ عبارت مسطور ہے۔
خدا اوس رط کے اسماعیل کے ساتھ تھا۔ وہ بڑا ہوا اور بیان میں آبا و مقیم ہوا اور (بہت بڑا) تیر انداز

ہوا۔ سفر گون باب ۲۱۔ آیت ۹ لغایت ۲۱

اسکے علاوہ حضرت اسماعیل کا ایک زمانہ و راز تک۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح دنیاں چرانا تمام تاریخوں سے ثابت ہے۔ یہ مشاغل ہی شرائط انداز اور قواعد احرار کے سر اسر مخالف ہیں۔

الغرض حضرت اسماعیل کے حالات زندگی پر غور کرتے سے۔ آپ کے طرز معاشرت ہی بالکل انبیاء و مرسلین کی عادت و سیرت سے مطابق اور موافق پائے جاتے ہیں۔ اور انہیں کسی قسم کا کوئی اختلاف اور کوئی نوعیت سرسوی پائی نہیں جاتی۔ عبادت الہی تبلیغ رسالت۔ ہدایت امت کے روزانہ اشغال کے ساتھ فکر معاش ہی ہے۔ اور خبر گیری اہل و عیال ہی۔ اور یہ امور ہی انسانی فرائض میں دیگر واجبات کی طرح داخل ہیں۔ ان تمام فرائض منصبی کے ساتھ ہمارے کعبہ کے وقت سے کعبہ کی خدمات مثل طواف۔ سعی ہادی اور رماۃ وغیرہ وغیرہ جس کی تعلیم حضرت ابراہیم خود آپ کو دے چکے تھے۔ آپ سے متعلق تھیں۔ مگر یہ تمام خدمات ایام حج کے ساتھ مخصوص تھیں کسی روزانہ خدمت کعبہ کا آپ سے متعلق ہونا جس سے انداز احرار کے انداز مترشح ہوں۔ اور اوس خدمت مخصوصہ کو آپ کا روزانہ بجالانا۔ نہ کسی اسلامی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اور نہ توراۃ سے ثابت۔ نہ اسکی تخصیص کسی محدث اور مؤرخ کی تصنیفات و تالیفات میں پائی جاتی ہیں اور نہ کسی اکابر صوفیہ اور نہ کسی شیخ الطائفہ کے ملفوظات سے۔ اسی حالت میں شبلی صاحب کے اس بے نام و نشان اور مفقود الاسناد قیاس و اقتباس کا کیسے اعتبار ہو سکتا ہے۔

مولوی شبلی کی یہ تاویل صریح مخالف قرآن اور معارض حدیث ثابت ہوتی ہے۔ خدا تو اپنے خاص لفظوں میں **وَاللَّيْلِ بِئِنَّ** کہہ کر خاص ذبح کی صورت قائم کرے اور ہر اس سارے واقعہ کو **إِنَّ كُھُوْلِبَلَا ع** **الْمُسْلِمِينَ**۔ ظاہر ترین امتحان قرار دے۔ اور آپ اور آپ کے بزرگ صوفیہ ایسی تصریح کامل اور تشبیہ عینی کو تشبہ کی صورت قرار دیکر ناقص کر دیں اور (نفوذ بالشر) اسکو رسول کی اجتہادی غلطی و غچول فرمائیں۔

شمس العلماء نے افسوس ہے کہ عبارت قرآنی کو نظر انداز فرما کر الفاظ توراۃ کو اپنے استدلال کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ (توراۃ میں جابجا قرآن کا لفظ انہیں معنیوں میں آیا ہے۔ سیرۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے اس دعویٰ کا ثبوت قرآن مجید کی عبارت سے نہیں دے سکتے تھے جب یہ صورت ہے تو تعجب ہے کہ آپ کیسے قرآن کو تمام کتب سابقہ کا نسخہ مانکر منسوخ شدہ کتاب اور اسکی عبارت کو اس کے نسخہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تفسیل مفسول کے محالات کے قائل نہیں ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت بڑے اسلامی عالم تھے۔ اور عالم ہی کون نہیں تھا۔ مشہور و معروف محقق بڑے پایہ کے مؤرخ مگر اس بحث خاص میں تو آپ کے عقاید ایسے فاسد اور قرآن و حدیث کے مخالفت پائے جاتے ہیں کہ شاید کوئی جاہل سے جاہل اور بے پرہیز لکھا مسلمان ہی ایسے عقاید نہ رکھتا ہوگا۔ اور قرآن کی عبارت و بشارت کے مقابلہ میں تورات و انجیل کی منسوخ شدہ عبارت تو نگاہی ترجیح نہ دیتا ہوگا۔

بہر حال اتنا لکھ کر ہم قرآن مجید کی اس آیت کو جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مطلب تکمیل کے لیے کفر صحت خاص سے قطع و برید کر کے لکھا ہے۔ ذیل میں لکھتے ہیں۔

رحب ابراہیم کو بادشاہت پرست کے خوف سے باپ نے گھر سے نکال دیا تو ابراہیم نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی راہ میں کسی طرف کو چلا جاؤنگا۔ وہ مجھے (کسی اچھی ہی ٹھکانے لگا دے گا۔ اور ابراہیم نے یہی دعا مانگی) اسے میرے پروردگار

قَالَ اِنِّي ذَا هَبٍ اِلٰى رَبِّي سَيَهْدِي رَبِّي هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَنَبِّئْنَاهُ بِمَا نَعْلَمُ فَلَمَّا بَلَغَ اَلْسُنُ قَالَ يٰبَنِيَّ اِنِّي اَرٰى فِى الْمَنَامِ اِنِّي اَذْكُرُكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَرٰى

بھوکو (نیک روحوں میں سے ایک نیک روح بطور فرزند) عطا فرمایا تو ہم نے اسکو بر دبار (طے) کے (راستہ) سے پیدا ہونے کی بشارت دی۔ پھر جب لڑکا جوان ہوا۔ اور اس کے (ابراہیم کے) ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا کہ خواب میں یہ دیکھتا ہوں کہ (جیسے) میں تمکو ذبح کر رہا ہوں پس تم رہی تو اپنی جگہ (سوچو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ (ترجمہ مطابق ترجمہ شمس العلماء حافظانہ) چونکہ مولوی صاحب اپنی خود غرضانہ ضرورت سے اس آیت کے پس تک لکھنے پر مجبور تھے۔ اس لئے یہیں تک لکھ کر وہ گئے مگر ہم ذیل میں یہ پورا آیه کریمہ نقل کر کے حقیقت حال اور صورت واقعہ کا پورا انکشاف کر دیتے ہیں۔

رحب ابراہیم کو بادشاہت پرست کی خاطر سے باپ نے گھر سے نکال دیا تو ابراہیم نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی راہ میں کسی طرف کو چلا جاؤں گا۔ وہ مجھے (کسی اچھی ہی ٹھکانے لگا دے گا۔ اور ابراہیم نے یہی دعا مانگی) اسے میرے پروردگار بھوکو (نیک روحوں میں ایک نیک روح بطور فرزند) عطا فرمایا تو ہم نے اسکو ایک بر دبار (طے) کے (راستہ) سے پیدا ہونے کی

قَالَ اِنِّي ذَا هَبٍ اِلٰى رَبِّي سَيَهْدِي رَبِّي هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَنَبِّئْنَاهُ بِمَا نَعْلَمُ فَلَمَّا بَلَغَ اَلْسُنُ قَالَ يٰبَنِيَّ اِنِّي اَرٰى فِى الْمَنَامِ اِنِّي اَذْكُرُكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمِرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَكَلَهُ لِلْجَبِيْنِ وَنَادٰىهُ اَنْ يٰ

ابراهيم قد صدقت امر يا انا كذا اليك
 ابراهيم ان هذا امر الميراث
 فليست يا ابراهيم

آپ کو جو حکم ہوا ہے (بات اول) اسکی تعمیل کیجیے۔ انشاء اللہ آپ مجھ کو بھی صابر رہی) پاس گئے۔ پھر حسبِ دونوں باب بیٹے
تعمیل حکم پر آمادہ ہونے اور باپ نے (حلالیہ کیلئے) بیٹے کو ماتھے کے بل چھڑا تو دیکھو اون کی فرمانبرداری نہایت ہی
پختہ آئی) اور ہم نے ابراہیم سے بچا کر کہا کہ ابراہیم تمہیں اپنے خواب کو سچا کر دکھلایا۔ (اب ہم تم کو بڑے بڑے مراتب دیا گئے)
اور نیک بندہ کو ہم ایسا ہی بدادیں گے۔ بیشک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بڑی قربانی کو اسماعیل کا فدیہ بنا یا اور ابراہیم
کے بعد) آئے والی امتوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔ (المصافات، ترجمہ شمس العلماء) لفظ تذر احمداً ص ۱۹ (۱۹)
اس میں ابراہیم پر غور کر سکتے ہیں۔ پہلے کچھ لکھا تھا یہ ہے کہ شبلی صاحب نے لفظ ذبح کے معنی، غدر، مذبح، کھنڈ
کے لفظوں سے نکالے گئے۔ پہلا غدر ہے اور آپ کو۔ لفظ ذبح کے یہی صحیح معنی، اصلی مراد اور حقیقی
مراد ہے۔ دیکھ لیں پراسرار تفسیر کمال ہے کہ (غزوہ بائبل) آپ کے نزدیک جناب ابراہیم ہی اسکی حقیقت ہے
کو نہ تمہیں کہ اور آپ مجھ سے کہے۔ تو اس میں بنا پر شبلی صاحب کے نزدیک کسی کو ذبح کر دینا، اور کسی کو کھنڈ کی
غدر مت، تھا جس کیلئے غلو کر دینا، گویا ایک راستہ ہوتی ہے۔ میں تھوڑے روز اسکی جستجو کیا۔ کہاں کسی
کا ذبح کیا جاتا۔ کسی کی جیاد لی جاتی۔ گو وہ خدا ہی ہے۔ نام پر کیوں نہ کسی کی زندگی کو ہوش کیلئے تمام کر دینا، اور
کہاں ایک شخص کا ایک غدر مت تھا جس کے لئے جن جنوں اور مشغروں کو جو شخص اپنے غلو سے پہنچا اور بالکل
آزاد انداز میں رہا۔

شکل صاحب کی روح نہ شر ہے۔ وہ کون ایسا لا عقل انسان ہو گا جو اپنے دوستوں سے مل کر دیکھو کہ
تساوی اور بڑے ہو گا۔ وہ کون قاتل عقل ہو گا جو اپنے دوستوں سے مل کر دیکھو کہ
کون ایسا ہو گا جو اپنے دوستوں سے مل کر دیکھو کہ

[illegible]

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

کیلئے نذر یا وقف کر رہا ہوں۔ دوسری جگہ یہ معنی ہوئے کہ ہم نے بڑے وقف کو اسماعیل کا فدیہ بنایا۔ اور پھر آگے حکیم خدا کے ذبح عظیم اور مولوی صاحب کے وقف عظیم والے مبتدا کی خیر آخر فقرہ آیت ذکر گستاخ علیہ فی کلّ کلمۃ خیرین سے یہ نکلی کہ ہننے انیوالی امتوں میں۔ اسکا ذکر خیر باقی چھوڑا۔

اب نتیجہ سے نبلی صاحب خود سمجھ لیں کہ آنے والی امتوں یا قوموں میں اس واقعہ کی یاد اور اس ایشیا کریمہ کا احیا۔ آج تک ذبح کی عینی صورت میں کیا جاتا ہے۔ یا وقف و نذر خدمت کعبہ کے نبلی پیرایہ میں۔ کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ کبھی اس نے تو تم حج میں جہانواران قربانی کو ذبح کرنے کی جگہ اپنی اولاد و احفاد میں سے کسی کو خدمت کعبہ کے لئے وقف کر کے اپنے مناسکات حج کو تمام کر دیا ہے۔ یا کوئی اسلامی عالم یا فقیہ۔ یا اگر خود نبلی صاحب بقید حیات ہوتے تو سن حیث الفقیر و العالم کسی مرد مسلم کو قربانی کے عوض اپنی اولاد کو خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دینے کا فتویٰ دے سکتے تھے۔

اب مرقوم بالا آپ کریم میں جو ذبح اسماعیل کی تفصیل ہے اور جس کو ہم نے ترجمہ کے ساتھ اوپر لکھ دیا ہے۔ نبلی صاحب کے کہیں ان مطالب نو ایجا و اور مقاصد طبعیہ او کا نام و نشان تک نہ پایا جاتا ہے۔ اور اس کے کسی لفظ اور کسی حرف سے نبلی صاحب کے بتلائے ہوئے معنی منطبق ہوتے ہیں۔ بلکہ بجا بجا اُن کے بتلائے ہوئے معنی کے۔ اس آیت وافی ہدایہ کے الفاظ اوصاف صاف بتلا رہے ہیں کہ ثواب میں جناب ابراہیم کو حضرت اسماعیل کے ذبح ہی کا خاص حکم دیا گیا تھا۔ اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے خدایا خازن خدا کیلئے وقف یا تعین کئے جائیگا۔

ہم توڑ ہی دیر کے لئے نبلی صاحب کے اس قیاس کو مان لیتے ہیں کہ اس یہ کریم میں جو ذبح کا لفظ ہے وہ ابراہیم کی زبانی ہے۔ اور حضرت ابراہیم (رعوف و بائد) غلطی سے اسکو ذبح کی اصلی صورت سمجھ گئے اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنے ہا جنراوے حضرت اسماعیل کے ساتھ وہ تمام امور عمل میں لائے جو ایک ذابح ذبیحہ کے ساتھ عمل میں لاتا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ تعجب سے تعجب ہے کہ ابراہیم سے زیادہ تو ابراہیم کا خدا ہے درو نکلا۔ جو باوجود اس علم مطلق کے کہ ابراہیم انسان ہے۔ انسان کی سمجھ کتنی اپنی غلط فہمی سے میرے حکم کے مدعاے اصلی کے خلاف۔ ذبح و زند کی ایسی بیداری کر رہا ہے۔ مگر وہ خدا جو ارحم الراحمین ہے۔ خیر السفاظین ہے۔ جس کے اوصاف راحم الشیخ الکلبیہ بتلائے جاتے ہیں اور رازق الطفل الصغیر وہ ان تمام خونی منظروں کو آنکھ سے دیکھتا ہے۔ مگر تاہم نہ اسکو اس کی غلطی پر ٹوکتا ہے اور نہ اس کے ذبح کنندہ ہاتھ کو روکتا ہے۔

بہر حال۔ بغرض محال۔ رعوف و بائد اگر یہ تسلیم ہوا کر لیا جاوے کہ نہ ابراہیم اسکی حقیقت کو سمجھے اور

نہ ابراہیم کا خدا اور نہ اسماعیل کے سچا و سچے کو اس وقت مصلحت سمجھا تو پھر اس خدا نے اس واقعہ کی تفصیل فرمانے کے بعد صورت واقعہ کو آیت **هَذَا الْهُوَ الْمُبِينُ** رکھ دیا (ہوئے امتحان) سے کیوں تعبیر فرمائی۔ یہ تو حضرت ابراہیم کے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ خدا سے سچا نہ کے خاص الہامی الفاظ و کلمات ہیں۔ جب شبلی صاحب کے قیاس کے مطابق یہ واقعہ صرف وقف اولاد کا معاملہ تھا تو آیت **هَذَا الْهُوَ** کی تاکید اور البتہ البین کی تخصیص تعریف سے اسکی اہمیت اور عظمت کیوں بڑھائی گئی۔ ان الفاظ قرآنی نے ہمکو صاف صاف بتا دیا کہ یہ واقعہ ذبح وقف اولاد کے معانی و مقاصد میں ہرگز نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو کبھی بتا کر کے لفظ سے تعبیر نہ فرمایا جاتا۔ کیونکہ معمولی سے معمول عقل والا شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ بیٹے کا ذبح کرنا باپ کیلئے بداد و مصیبت کلماتے گا یا اس کے بیٹے کا کسی معبود کی خدمت کیلئے علیحدہ کر دیا جانا اس کے لئے اندوہ و آفت کلماتے گا۔ اگر بتا کے معنی باعتبار ظاہر بداد و مصیبت کے نہ لے جاویں اور چھپا کر حافض صاحب کے ترجمہ میں ہے۔ آزمائش و امتحان ہے کے معنی سمجھ جاویں تب بھی تو بیٹے کے قتل پر بہت کرنا بداد ہے بے بین ہی کلماتے گا۔ یا اسکو خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دینا یا نذر چڑھا دینا اعظم ترین امتحان بتلایا جائیگا۔ وہ کون ایسا سادہ لوح اور کورہی عقل والا مسلمان ہوگا۔ جو قرآن مجید کے ایسے واضح الفاظ انی اذبحھا اور دفدینا ہذا بذبح عظیم کے مقابلہ میں حلال کرے۔ اور ذبح کئے جائیکے صریح اور صحیح معنیوں کو چھوڑ کر آپ کے بتائے ہوئے وقف خدمت کے مطلب لکھائے گا جو نہ قرآن کے الفاظ آیات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ نہ کسی حدیث کی عبارت اور نہ اہل عرب کی کسی مقامی روایت سے ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی حالتیں اسکا جواب شبلی صاحب کے ذمہ ہے۔ وہ بتائیں کہ آپ کے اس غلط معنی پر اصل ترکیب اور بجا اور زیبا تاویل کو کون مانے اور کیسے مانے۔

آپ کو یا آپ کے اکابر صوفیہ کو ایسی غلط تاویل کرتے وقت یہ بھی خیال نہ آیا کہ اسکے معارض قرآن اور مخالف حدیث ہونیکر علامہ کسی جاہل سی جاہل عرب سے ہی تو آج تک آپ کی تعلیم کی مطابق قرآنی کی تحصیل نہیں کی یا آپ تو پڑھے پائے کے مورخ شمار ہوتے ہیں۔ اور اعلیٰ درجہ کے محقق۔ آپ تو خود اپنی اس غلط فہمی کی اصلاح حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کے واقعہ کو دیکھ کر اور پڑھ کر کر سکتے تھے۔ جو معمولی سے معمولی اسلامی تاریخوں میں عام طور سے درج ہے۔ کہنے۔ اگر آپ کی تحقیق کے مطابق حقیقت میں۔ واقعہ ایسا ہی تھا تو بنیاب عبدالمطلب کو اپنے ایسے محبوب ترین اور حامل نور سید المرسلین فرزند کو۔ اپنے جدِ نذر کو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاسی و تمثیل میں ذبح فرمائے۔ اور آپ کے تمام اعزہ و اقارب خصوصاً حضرت ابیطالب کو جو عید الفطر کے پر اور عینی تھے۔ آپ کے منع کرنے اور باز رکھنے اور بالآخر فدیہ کی ترغیب اندازی وغیرہ کی کوشش فرمانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ معلوم کہ باعتبار قدامت اور خصوصیت کے حضرت

عبدالطلب اور سائر قوم قریش اور دیگر اقوام عرب کو اس موقع کی صحت کا زیادہ علم تھا یا مولوی شبلی کو یا ان کے شیوخ صوفیہ کو۔ وہ کون حقیقت سے ایسا نا آشنا ہو سکا۔ جو اس زمانہ کے بزرگواروں کو۔ جو قرن اولیٰ سے کچھ ہی پہلے تھے۔ علم و اطلاع پر مولوی شبلی کی اس جدت اور اختراع کو ترجیح دینگے۔

بہر حال ہمارے موجودہ استدلال عقلی اور نقلی سے شبلی صاحب کی طباعی کی حقیقت کا پورا انکشاف ہو گیا۔ انکو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی یہ تاویل بالکل غلط ہے۔ یہ معنی بالکل مغل اور بیکار ہیں۔ صحیح وہی ہے جو قرآن نے اپنے ظاہر اور صاف الفاظ میں بتلایا ہے اور اسی کی مطابقت میں بالکل اسی طرح اس کے سچے اور برحق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اس کے بعد تمام علماء اسلام نے کہو بتلایا ہے شبلی صاحب کے اگر دیدہ بصیرت والا اور گوش حقیقت شنوا ہوتے تو وہ آپ دیکھ لیتے اور سمجھ لیتے کہ علمائے اسلام نے باوجود اس کے کہ حضرت اسحاق اور اسماعیل علیہما السلام کے ذبیح الشہد ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ کسی نے اسحاق کو اور کسی نے اسماعیل کو ذبیح الشہد بتلایا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بتلایا آئے ہیں۔ مگر ذبیح کی صورت میں کسی نے آپ کی طرح تمثیلی اور عینی کی تفریق و تخصیص نہیں قائم کی۔ پھر شبلی صاحب کے اس نزاعی اور لابی ترکیب والی معنی و مطلب کو کون سمجھ سکتا ہے۔

اس کے بعد ہم مولوی صاحب کو دکھانے ہیں کہ وقت خدمت بیت اللہ کے ذکر سے آپ کا زمانہ محمد ہی خالی نہیں ہے۔ بیت المقدس کی خدمت کے لئے اولاد کا نذر کر دیا جانا۔ جو ظہور اسلام سے پہلے شریعت موسیٰ کے زمانہ میں رائج تھا۔ سورہ آل عمران رکوع ۱۱ میں موجود ہے۔ اگر تھوڑی سی زحمت گوارا کر کے اس کے الفاظ و معانی پر غور فرمایا گیا ہوتا تو شبلی صاحب کی تشفی ہو گئی ہوتی۔ مگر انھوں نے اس کی توفیق ہی نہیں ہوئی۔ جناب مریم علیہا السلام کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے۔

اذ قالت امرأت عمران انی نذرت ذکریٰ | | ایک وقت تھا کہ عمران کی بی بی نے (خدا کی خدمت میں عرض
بطنی محررہ افتتہ بئسے | | کہ اسے پروردگار میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کو میں

دنیا کے تمام کام کاج سے آزاد کر کے تیرے نذر کرتی ہوں۔ تو میری طرف سے یہ نذر قبول فرما۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اس واقعہ نذر اولاد کے ذکر میں جو الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ وہی واقعہ قربانی اسماعیل میں بھی آئے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ شبلی صاحب کے اعتقاد میں تو دونوں واقعہ کے متعلق مطالب ایک ہیں۔ تو اس اصول سے قرآن مجید کے الفاظ۔ دونوں واقعات کے متعلق مستعمل المعنی یا کم سے کم قریب المعنی ہوئے چاہیے۔ مگر جب ہم دونوں واقعات کی آیات کے الفاظ پر غور کرتے ہیں۔ تو دونوں آیتوں کے الفاظ میں آسمان زمین کا فرق پاتے۔ واقعہ قربانی کے متعلق ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ

لفظ ذبیحہ دو جہد اگانہ مقامات پر آیا ہے۔ اور مذبح کی توصیف تعریف من الصابرین بتلائی گئی ہے۔ اور واقعہ تذراؤ لا دیں۔ تذکرہ لفظ مستقل ہوا ہے۔ اور اس تذکرہ اولاد کی محسوس بتلائی گئی ہے۔ کوئی سے موتی سجود لے سلمان ہی دونوں کے فرق کو فوراً سمجھ کر کہہ دینگے کہ ذبیحہ کے معنی حلال کرنے اور تذکرہ کے معنی ہدیہ کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب کے ترجمہ سے ہی یہی معنی نکلتے ہیں۔ اسی طرح مذبح کی تعریف جان کے ایسی بیش بہا چیز دینے پر صبر کرنا ہے اور تذکرہ اس کا تذکرہ اور موتی کی تعریف ہے کہ وہ دنیا کے تمام تعلقات سے آزاد اور محض بے سرو کار ہو کر خدا کی خدمت میں پیش ہو جائے۔ چنانچہ فرصت ہو گئی۔ حلال اور ذبیحہ ہونے والا صابر کہلایا۔ اور وقت نذر کیا ہوا شخص آزاد و حقیقت معلوم ہو گئی کہ صبر کرنے والا ذبیحہ کر دیا گیا یا کر دیا جائے والا تھا۔ مگر کسی طرح سے بچ گیا۔ اور وقت شدہ شخص دنیاوی تعلقات سے آزاد اور بے سرو کار رہ گیا۔ اب شبلی صاحب کی تاویل کے خلاف۔ ان دونوں واقعات میں قرآن مجید کے الفاظ سے اتنا ثابت ہوتا ہے یا اختلاف۔ پھر کیسے کوئی سلمان آپ کی غلط تاویل پر ایمان لائے گا۔

ہاں مولوی شبلی صاحب یہی تحقیق کے کامل اور خوبی کے بہت بڑے فاضل۔ ان الفاظ قرآنی کے ظاہری معانی کے علاوہ۔ شاید اسکے لغوی اور بادی معنیوں میں کوئی باریک اور رکیک معنی ایسے ہوں جن سے آپ نے اپنی نو ایجاد تاویل کو استخراج کیا ہے اور جو آج تک عام اہل اسلام کی موتی نظر اور عقل میں نہ آئے ہوں۔ اس بنا پر ہمیں ضرور ہے کہ ہم عربی کی لغت سے ہی ان الفاظ کے باہمی اختلاف کو پورے طور سے دکھلا دیں کہ آئندہ پھر کسی کو شبلی صاحب کی اس تاویل کے غلط ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔

تاموس میں بذیل لفظ ذبیحہ تحریر ہے۔ ذَبَحَ يَذْبَحُ ذَبْحًا شَقًّا وَفَتْحًا وَفَتْحًا وَفَتْحًا
ذَبْحٌ بَرُوزٌ شَقٌّ ذَبْحًا يَذْبَحُ ذَبْحًا يَذْبَحُ ذَبْحًا يَذْبَحُ ذَبْحًا يَذْبَحُ ذَبْحًا
کرنے بھارتنا یا پھٹنا۔ حلال کرنا۔ اور خون بھانا۔ پس پھر اسکے فاضل فیروز آبادی کہتے ہیں۔

ذبیحہ الذبح سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ
حدیث وارد ہو رہی ہے کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں۔ اس لئے
کہ حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبد اللہ اپنے فرزند کو
ذبح کرنے کی نذر کر لی تھی اور پھر ان کے عوض میں سواونٹ

الذبیح الذبح اسمعیل علیہ السلام
وفی الحدیث انما بنی الذبیحین کان عبدالمطلب
لنفسه ذبیحاً عبدالمطلب لئلا یفقد الذبیحین
من اکابرہ۔

دئے تجھ۔ تاموس مطبوعہ کلکتہ ص ۴۴

اب النذر کی تحقیق لفظی و لغوی حسب ذیل ہے :-

النذیرہ - ما یعطیہ - وہ چیز جو کسی کو عطا کی جاوے۔ والولد الذی یجعلہ ابویہ قیما او خادما للکلیہ
فکر اوانشی - اور وہ بچ جسے اس کے باپ نے کسی معبد میں ہمیشہ کے لئے قیام کرنے یا اس کی خدمت کرنے کیلئے مقرر کر دیا ہو یا
اس سے کہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ قاموس ص ۲۹۶۔

اب الاحرار کی لغوی تحقیق یہ ہے :-

الحر بالضم - خلاص العبد - خیار کل شیء - الفرس العتیق - غلام کا متعہ ہے۔ اس کے معنی نیک
ترین اشیا۔ اور اسب آزاد کے ہیں۔ قاموس - ۲۹۶۔

ہم نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں ان تینوں لفظوں کے علیحدہ علیحدہ معنی لکھ دیئے ہیں۔ جو آیات قرآنی
متعلقہ واقعہ قربانی حضرت اسمعیل اور نذر جناب مریم میں اپنے اپنے مقام پر آئے ہیں۔ اب ان مختلف اور
جدگاہ معنیوں کے الفاظ کو پڑھ کر ہر شخص آسانی سے سمجھ جائیگا کہ واقعہ قربانی اسمعیل میں ذبح کا خاص لفظ
آیا ہے اور وہ واقعہ نذر جناب مریم میں نہیں آیا ہے۔ اسی طرح واقعہ نذر حضرت مریم میں نذر کا خاص لفظ
متعلیٰ ہوا ہے اور وہ واقعہ جناب اسمعیل میں نہیں لایا گیا۔ اس بنا پر ہر شخص بلا کسی تحریک کے خود سمجھ
لیگا کہ ذبح کے معنی نذر کے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ذبح کے معنی سوا سے حلال کرنے یا خون بہانے کے اور
دوسرے نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح نذر کے معنی کسی لڑکے یا لڑکی کو کسی معبد کیلئے مقرر کر کے علیحدہ کر دینے
اور دیگر مشاغل و تعلقات سے آزاد کر دینے کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے۔

جب یہ دونوں الفاظ آپس میں ایسے متضاد و مخالف اور متضاد ثابت ہوتے ہیں تب شمس العلماء نے لغائی
کا ذبح کے معنی کو نذر کے مطلب میں بتانا اور نذر کے مقصد کو ذبح کے معنی میں سمجھنا۔ انکی خاص منطقی
مذکورہ اور انکی کابرونیہ کی ہرج کا۔ بوسی سمجھی جائے گی۔ اگر حقیقتاً یہ دونوں الفاظ متحد المعنی ہوتے تو ضرور
تھا کہ واقعہ اسمعیل کے متعلق قرآن مجید میں انی اذبحک کی جگہ انی اندرک اور فدینا بذر عظیم
کی جگہ فدینا بذر عظیم نازل فرمایا جاتا۔ اور اسی طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انا
ابن الذبیحین کی عوض انا ابن المنذر بن ارشاد فرمایا ہوتا۔ اور علی ہذا القیاس۔ اہل لغت نے بھی
ذبح کے معنی۔ ذبح کئے جانے کے عوض۔ لڑکے کو خدمت معبد کے لئے وقف کر دیا جانا لکھا ہوتا۔ غرض کہ
شمس العلماء صاحب کی جدید تعلیم کے مطابق سلف سے خلف تک کے ادب تفسیر۔ حدیث۔ تاریخ لغت و غیر
تمام علوم و فنون کے دفتر کے دفتر الٹ دئے جائیں غلط کر دئے جائیں اور مٹا دئے جائیں تب کہیں آپکی
اس لطیف تاویل کا لطیفہ سمجھیں آوے۔

بہر حال ہم نے اپنی مندرجہ بالا طویل اور بالتفصیل بحث میں شہادت کی اصل غلط تاویل کی کامل تردید و تنقید کر دی ہے۔ جس کو انہوں نے بلا سند اور بلا نام و نشان۔ اپنے چند کابرہ صوفیہ کے غیر متقید اقوال پر بغیر درست صرف اپنی حدیث طبع کا ثبوت بنا کر اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ اور واقعہ قربانی کی اصل مدعا کو ایک ایسے غلط اور موضوع منشاء کے ساتھ تبدیل کرنا چاہا تھا۔ جو قرآن کا مخالف۔ حدیث کا معارض اور تمام روایت و دراستہ کے واقعات کے خلاف اور صریح متضاد تھا۔ ہم نے عمداً اس بحث میں طوالت کا ذرا ہی خوف و خیال نہیں کیا۔ اور اس کے تمام جزئیات کو عقل اور نقل کے دونوں طریقہ سے استدلال سے بحث و تردید اور متواتر اسناد و اشہاد کے ساتھ اس شخص خاص سے بیان کر دیا ہے کہ آئندہ ہر کسی اہل اسلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعہ ذبح کو اسی طرح جس طرح قرآن مجید کے الہامی الفاظ میں حضرت ابراہیم کی قربانی۔ اور واقعہ صومری پر آپ نے مندرجہ ہے۔ وقوع پذیر ہونے کے متعلق کوئی عذر و کلام اور شکوک و اہام باقی نہ رہیں۔

امنا لکھ کر ہم پر مولوی صاحب کے اس مخالفہ تنازعہ پر اپنی خلاف رائے دینے بغیر نہیں رہ سکتے جو آپ نے اپنے اس مختار تحقیق اور معیار تالیف کے خلاف اختیار فرمایا ہے جس کو آپ نہایت سختی اور احتیاط کے ساتھ اپنی کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرما چکے ہیں جبکہ منہاجہ ہے کہ آپ تمام تاریخی واقعات کے اسناد کو اسی طرح مرفوع مصدق اور صحیح اور ان کے تمام رواۃ کو تمام مستر معبر اور ثقاہ ہونا مشروط فرماتے ہیں جس طریق و اصول پر تفسیر حدیث اور فقہ و کلام کی تدوین کی جاتی ہے۔ کہاں تو آپ کی یہ احتیاط۔ یہ تاکید و تنقید اور کہاں یہ بے احتیاطی اور آزادی کہ مسئلہ زیر بحث میں بلا سند اقوال سے استدلال کیا جاتا ہے۔ نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے اور نقل قول کا نام و نشان بتلایا جاتا ہے کہ اس کی حیثیت معلوم ہو سکے۔

اس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دیباچہ کی عبارت میں آپ نے اپنی تائیدی تحقیق اور ظاہری احتیاط کا جو کچھ طریق اور لام قاف یا نہ ہے وہ غریب مسلمانوں کو موعوبہ بتانے کی غرض خاص سے ہے۔ ورنہ اس میں اصلیت اور حقیقت کا کوئی شائبہ نام کو بھی موجود نہیں ہے۔

فدنیاء ہذا بذبح عظیم کا حقیقی مقصود اب ہم شہادت کی اصل غلط تاویل کے واقعہ ذبح اسماعیل کے متعلق تو دور از عقل اور خارج از قیاس تاویلات و معانی کا انبار لگا دیا۔ اور ان معانی کے بتلانے اور سمجھانے میں بڑی کوشش اور کدو کاوش

۱۲

ترک کر کے فی الاخرین کا اصلی مقصود سے کام لیا۔ مگر کہی آپ کو وغدینا ہذا بذبح عظیم کے اصل مطالب و مقاصد کی تحقیق اور اس کے اصلی

مفہوم قائم کرنے۔ بتلانے اور بھانسنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اسکی طرف نہ کہیں آپ کا خیال گیا اور نہ آپکی نگاہ متغیر رہی۔ حقیقتاً نبی صاحب اور ان کے اصناف سے ایسے صاف اور پانصاف تحقیق و تحقیق کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ایسی محققانہ اور منصفانہ تاویل و معانی تو انکے اور ان کے اصناف کے عقائد میں گویا مصیبت ہے۔ اسی تعصب اور خود غرضی کی بنا پر سواد اعظم کے مفسرین، محدثین اور مورخین کا اسکے سچے صحیح اور برواقع معانی و مطالب بتلانے کے لئے نہ توفیق کا قدم اٹھا اور نہ تحقیق و تفصیل کا قلم کیونکہ ایسی تفسیر و تفصیل سے اس ذات مقدس کے خصائص اور فضائل و مناقب کا اظہار ہوتا تھا۔ جو ابتدا ہی سے آپ کی عقیدت و معرفت کے دفتر میں مرفوع القلم ہو چکا تھا۔ واعظین اور ذاکرین پر اسکا ذکر کرنا اور سامعین پر اسکے ذکر کو مستحرام کر دیا گیا تھا۔ جب نبی صاحب کی شریعت کے احکام اور حکومت کے نظام، دونوں متفقہ قوتوں سے اسکے استخفاف و استیصال پر ابتدا ہی سے آمادہ اور مکر رہے ہوں۔ تو انکشاف حقیقت کی امید آپ سے کیا ہو سکتی ہے۔

مولوی شبلی صاحب اس آیدانی ہدایہ کی اصلی معنی بتلائیں اور حقیقی مفہوم سمجھائیں۔ خیال ہی خیال۔ مگر ہم اوکو اور اوکے خیال حضرات کو بتلائے اور سمجھائے۔ دیتے ہیں کہ واقعیت اور حقیقت کسی شے کی نہ کسی شے کے چپا ہے۔ چپ ہو سکتی اور نہ مٹا سکتی ہے۔ اصلیت پر چاہے کتنی دھڑکے کتنے سخت پردے نہ ڈالے جائیں مگر حقیقت چمک جاتی ہے اور صداقت صاف جھلک جاتی ہے۔

مفسرین اہلبیت علیہم السلام نے۔ وفادانہ و بے تحاشہ کے صحیح معنی اور اصلی مفہوم عام اہل اسلام کو ایک بار نہیں ہزار بار بتلایا اور سمجھایا۔ مگر سواد اعظم اسلام نے اپنے عقائد و موضوعی اور مقاصد و موضوعی کے مخالف پار میں حقیقت نمائی پر کوئی توجہ اور اعتناء نہ فرمایا۔ اور کیونکہ اعتناء فرماتے یہ مفسرین اہلبیت کا ان کی نگاہوں میں کوئی اقتدار ہی باقی نہیں رہا تھا۔ تو ان کے ارشاد و ہدایات اور اخبار و آثار کا کیا اعتبار کیا جاسکتا تھا۔ او سو وقت سے لیکر اس وقت تک سواد اعظم میں ان حضرات کے کوا اعتبار اور غیر اعتنا دی کی وہی صورت قائم ہے۔

مگر باہیمہ۔ باوجودیکہ ذیج عظیم کے اصلی مفہوم و مقصود سے سواد اعظم کی عدم واقفیت اور حق فراموشی کا وہی عالم ہے مگر ہر ہی اس واقعہ الہامی کی حقیقت اور اس سچی قرآنی کی روحانیت

حرام علی الیہ اعظمت ذکرمقتل الحسنیٰ انورہ العالمین امام غزالی۔

کا اطمینان نہیں ہوا ہے۔ وہ اب ایک مافوق البشری طریقہ سے امتحان لینا چاہتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارمان اور تمناؤں والے۔ نوجوان بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے اپنے صبر و استقلال اور معرفت کے کمال کا امتحان دے۔ یہ وہ طریقہ امتحان ہے جو صبر و تحمل انسانی کے حدود امکان سے بالکل باہر ہے۔ اس عظیم النظیر قیامت کے نظیر سے دنیا کے تمام کارنامے خالی ہیں۔

باپ کون ہے؟ وہی بزرگ مقدس جس نے اسی بیٹے کو عطا فرمائے جانے اور پیدا ہونے کی آرزو تمنا میں مدت تک دن دن بہر رات رات بہر وعائیں مانگی ہیں۔ خدا کی بارگاہ میں برابر اسحاق زاری کی ہے۔ یہاں تک کہ اسی حسرت و تمنا میں جوانی ختم ہو گئی ہے۔ شباب جاتا رہا ہے۔ بڑھاپا آچلا ہے۔ خدا خدا کر کے۔ خدا نے اب سنی ہے اور والدین کو یہ نعمت غیر مترقبہ عنایت فرمائی ہے۔ ماں باپ نے پڑے ناز و نعم سے پالا ہے۔ اور اب وہ کامل جوان ہو گیا ہے۔

باپ کو بیٹا ہی کیا ملا ہے؟ الولد لاشکاکاً بیٹہ کا کامل مصداق۔ اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں۔ مقدس باپ کی تقدیس و عظمت کا نمونہ جنات و برکات اور جملہ صفات پدری کا تیار مجسمہ جس کی قدر و منزلت کی نسبت مصدر قدرت سے ولادت ہی کے وقت نوید بشارت آچکی ہے۔ اور خطیب مشیت ان الفاظ کے ساتھ کیا خطاب فرما چکا ہے کہ خدا اس بچے کے ساتھ ہے۔ یہ آیت عظیمہ کا مورت اور بارہ سرداروں (اماموں) کا حیدر اعلیٰ ہے اسکو برکت دی گئی ہے۔ راسخار تولد سے ان بشارتوں کے حوالہ اور نقل ہو چکے ہیں۔

ایسے برگزیدہ بیٹے کو اس کا عاشق اور گرویدہ باپ اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے والا ہے کیوں؟ کس لئے؟ اس لئے کہ وہ رویاے صادق کے ذریعہ سے۔ جو دینی رہائی اور اہام یزدانی کا ایک جزو خاص ہے اس مافوق البشری کے اقدام و ارتکاب پر مامور ہو چکا ہے۔ اس غرض خاص سے کہ وہ امتحان گاہ دنیا میں اپنی صبر و استقامت کا امتحان دے اور آماجگاہ عالم میں اپنے تصنیف قلب۔ استقلال دل و تسلیم رضا کے کمال دکھلا کر ثابت کر دے کہ باوجود اسکے کہ جس فرزند کو اس نے اتنی آرزو و تمنا سے پایا ہے اور ایسی محنت۔ ریاض اور الفت و محبت سے پالا ہے۔ مگر تاہم رضائے الہی اور اطاعت ایزدی کے مقابلہ میں وہ ایک معمولی جانور سے بھی زیادہ عزیز نہیں۔ باوجود اسکے کہ اس کی صورت ہمیشہ آنکھوں میں اسکی یاد ہمیشہ دل میں اس کی خبر گیری۔ دلچسپی اور راحت رسانی کے تمام سامان نگاہوں میں رہا کرتے ہیں۔ مگر جب قدرت کا حکم مشیت کا فرمان۔ اس سے مفاہقت اور عیدانی اختیار کر نیکی لئے صادر ہوتا ہے۔ تو اس سے ایسی بے تعلقی اور بے سروکاری ثابت کی جاتی ہے کہ گویا باپ بیٹوں میں گویا کوئی

علاقہ اور واسطہ ہی نہیں تھا۔

صاحب موابہب لدنیہ نے اس مضمون کو پوری تفصیل سے لکھا ہے ہم انکی اصل عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

و ابراہیم لما سأل ربہ الولد و وہب
لہ تعلقت شعبۃ من قلبہ بحببہ واللہ تعالیٰ
قد اتخذہ خلیفۃ و الخلفۃ من نصب لیقتضی
توحید المحبوب بالحبۃ و انکلا یشارک فیہا
فلما اخذ الولد شعبۃ من قلب الولد جاءت
من غیرہ الخلفۃ تلتزمها من قلب الخلیل فامر
بذلہ المحبوب فلما قدم علی ذلجہ و کانت محبۃ
اللہ عنده اعظم من محبۃ الولد خلصت
الخلفۃ حیث نشأ من شوا یشارک لک فلم
یبق فی الذلجہ مصلیۃ اذ کانت المصلیۃ انما
ھی العزم و توطن النفس و قد حصل المقصود

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول فرزند کی دعا فرمائی اور
خدا نے انکو فرزند (اسماعیل) عطا فرمایا تو حضرت ابراہیم کے
ایک گوشہ دل میں محبت فرزند ہی جاگزیں ہوئی۔ اور اس سے
قبل ایزد سبحانہ تعالیٰ آپ کو مرتبہ غلت پر فائز فرما چکا تھا اور غلت
وہ منصب عالی ہے جو محبوب کی محبت بالکل خالص اور بلا مشا
رکت کے جانیکا مقتضی ہوتا ہے اور حقیقتاً اوسکا اصلی مدعا اور
غایت منشا ہی ہوتا ہے کہ محبوب کی محبت بلا شریک سیم قائم
رکھی جاوے۔ مگر حبیب ابراہیم کو اسماعیل سا بیٹا مل گیا تو آپ کا
ایک گوشہ دل بیٹے کی محبت سے پُر اور طو ہو گیا اور گویا خلف
اصول غلت باپ کے دل کا وہ گوشہ خدا کے سوا دوسرے کا
ہو گیا لہذا غلت کی صفت قلب ابراہیم میں مشترک ہو گئی۔

اسلئے خدا نے آپ کو ذبیح محبوب کا حکم دیا اور حبیب آپ، اسلئے اقدام پر کامل طور سے تیار ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ آپ کے دل میں خدا
کی محبت بیٹے کی محبت سے زیادہ ہے۔ اس سبب آپ کی غلت اوسی وقت شاخہ شریک سے پاک و صاف ہو گئی۔ اب کوئی
مصلحت ترانی کی باقی نہیں رہی۔ اور اگر کوئی مصلحت الہیہ تھی تو وہ جناب ابراہیم کے استقلال قلب اور اطمینان نفس کا مستح
تھا اور یہی حاصل مقصود تھا۔

مندرجہ بالا عبارت بتلا رہی ہے کہ ذبیح اسماعیل کا عظیم الشان اور عظیم الشان واقعہ ایک طرف تو اسرار و
حکمت ربانی کا مظہر تھا اور دوسری طرف صبر و استقلال انسانی کا منظر۔ خدا سے بچا نہ تعالیٰ امر ذبیح کا (امتحاناً)
آمر ہے اور پیغمبر حاضر راہیم (ذبیح تھا اور پیغمبر لاحق (اسماعیل) مذبح۔ مقام ذبیح یا مذبح پیشگاہ بیت اللہ
ہے یہ واقعہ اپنے قدرتی عظمت و اقتدار اور نیز اپنے نامورین کی ذات اور صفاتی قدر و منزلت کے اعتبار
سے جب ایسا مہتمم بالشان ثابت ہوتا ہے تو اسکا وہ قدرتی خاص جو منجانب اللہ اسوقت سے لیکر اسوقت
تک اور اسوقت سے لیکر ابداً باہم تمام متبعین شریعت ابراہیمہ اور سارا امت اسلامیہ میں قائم فرمایا گیا
ہے۔ وہ اصول فدیہ اور قواعد اخلاق کے مطابق اپنے بدل منہ سے من حیث الوجہ اول تو بہتر ہو نہیں
سکتا۔

برابر مساوی اور ہمپایہ تو ضرور ہونا چاہیے۔ کیونکہ ارشاد الہی کے بتلائے ہوئے نصاب قدیم و جدید کے علاوہ وزمرہ کے اخلاقی مراسم ہمکو بتلا رہے ہیں کہ اقوام انسان میں جب ارسال ہدیہ یا اداسے فدیہ کیلئے۔
 مِنْ أَفْضَلِ شَيْءٍ مَا يُعْطِيهِ أَوْ يَبْدُوهُ كِي خالص بشرط پائی جاتی ہے اور شخص بقدر امکان اسکی پیروی کرتا
 ہے اور سالانہ تعمیل۔ تو ذات جناب باری عز اسمہ جس کی استغفار کا کمال اِنَّ اللّٰهَ غَفِيْرٌ رَّحِيْمٌ
 الْفَقْرَ اَعْر۔ خدا کی ذات غنی اور قابل تلاش ہے۔ اور تم لوگ (بندے) غریب فقیر میں سے ظاہر و ثابت ہے۔ اپنے
 بندہ بمقدار کے بدلہ دینے اور اس کے فدیہ عطا کرنے میں کتنی لا انتہا فیاضی اور بخشش سے کام لیتا
 اور اس بدلہ یا فدیہ دینے میں اپنے مہلک منہ سے احسن ہونے یا اس کے ساتھ مساوی اور برابر ہونے کی
 کیسی احتیاط قائم رکھی ہوگی۔ کیونکہ عام فطرت انسانی اسکی تعمیل پر اس غنمی اور احتیاط کے ساتھ عمل پیرا
 ثابت ہوتی ہے۔ تو عادت الہی جو تمام مخلوق کی عادات و عملیات کی معلم ہے۔ کیونکہ اسکی عامل اور آمر
 نہ بھی جاوے گی۔ یہ مشاہد اور قراین بتلا رہے ہیں کہ آبی وانی ہدایہ وَقَدْ بَنَّا بَيْنَ يَدَيْهِ عَظِيْمًا مِّنْ ذُرِّيَّتِهِ
 عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ یہ معمولی دنگیوں یا اور قسم کے حیوانوں اور لاکھوں قسم کے
 جانوروں کی قربانی نہیں ہے۔ جو اس واقعہ عظیم کی یادگار یا اس وقت سے لیکر اس وقت تک ہر سال خدا کے
 نام پر کی جاتی ہے مگر حقیقت میں آنکھیں۔ معرفت آگیں قلوب خوب جانتے اور پہچانتے ہیں کہ ایک نبی اللہ
 کے کیا مراتب ہیں۔ اور ایک جانور یا بیشمار جانوروں کی جانور کا اس کے مقابلہ میں کیا وجود ہو سکتا ہے۔ خدا
 کی بارگاہ میں نبی اللہ کے ایک قطرہ خون کی کیا قدر و عظمت ہے۔ اور ایک جانور یا بیشمار جانوروں کے
 دریاے خون کی کیا ہستی ہے اور کیا مقدار۔

حقیقت میں جن لوگوں نے ذبیح عظیم سے سالانہ قربانی کی قربانی مراولی ہے۔ وہ حقیقتاً انبیاء و مرسلین
 سلام اللہ علیہم اجمعین کے خون مسطر کی قدر و قیمت سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور اگر واقف ہیں اور اپنی
 کسی خود غرضی سے اسکے اظہار میں تغافل و تاہل اختیار کرتے ہیں تو حقیقتاً ایسے لوگ ان مقدسین مرسلین
 کی تحقیر و ذلت اور استحقاق مراتب و مدارج کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تحقیق کی زیادہ نظر ڈالی جائے تو
 اس خیال اور عقیدے والے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

عبداللہ ابن عمر صحابی کی مجلس کا مندرجہ ذیل تفسیر جس کو صحیحین کے اسناد سے لکھتے ہیں۔ اسکی
 حقیقت کا پورا انکشاف کرتا ہے۔ اور اس خون مسطر کی عظمت کا کمال اعتراف۔ صحیح بخاری بابا المناقب
 احسن و احسن میں مرقوم ہے۔

حدیثنا محمد بن یسار قال حدثنا شعبہ عن | عبداللہ ابن عمر عن کسی عراق کے رہنے والے نے حالت

محمد ابن ابی یعقوب سمعت ابن ابی نعم قال
سمعت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما
قال شعیبہ احمسہ فی قتل الذباب فقال اهل
العراق یسئلون عن قتل الذباب وقد قتلوا ابن
بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

احرام میں مچر کے مار ڈالنے کا مسئلہ دریافت کیا۔ عبد اللہ عمر
نے کہا اہل عراق قتل ذباب کا مسئلہ تو مجھ سے دریافت کرتے
ہیں درحالیکہ انہیں لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے
کو قتل کر ڈالا۔

(خلاصہ ترجمہ)

اس واقعہ اور مستفسرہ سے اگر اور کچھ نہیں تو اتنا ضرور معلوم ہوا کہ اس خونِ مطہر کی نسبت عظمت اور
حرمت کا خیال قرن اولیٰ ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ کیا ہی زبانی اور ظاہری نہ ہو۔ کیونکہ دنیاوی ضرورتیں
اور تعلقات اور تحصیل مال و دولت اور فکر و تلاش معاش کی کشمکش کچھ ایسی مجبوریوں۔ پاؤں کی بٹریاں
اور زبان کی قفل بنجائی تھیں کہ آدمی کا اپنے ایک خیال اور اعتقاد پر قائم رہنا سخت دشوار تھا۔ یہی بزرگ
(عبد اللہ عمر) جو حسینؑ (روحی لا الفدا) کے خونِ مطہر کو اس عظمت و حرمت کا مستحق قرار دیتے ہیں
وہی ذاتِ شریفہ ان کے قاتل یزید کو خلیفہ برحق تسلیم کرتے ہیں اور مدینہ کے مسلمانوں میں سب سے
پہلے اسکی بیعت فرماتے ہیں۔ اور جو اسکی بیعت سے انکار کرتا ہے اس پر بغاوت۔ غدراور شق عصا
امت کا حکم لگاتے ہیں۔ (طبری۔ ابن اثیر)

وہ حکم ہی حضرت عبد اللہ ابن عمر کا تھا۔ اور اب یہ زمان ہی آپ ہی کا ثابت ہوتا ہے۔ تو اب
مبہین اور عام گروہِ مسلمین ان دونوں مخالفت اور معارض میں سے کس حکم کو اختیار کریں۔ بنیواؤ تو جو
بہر حال جب آغاز ہی سے متقدمین صحابہ اور تابعین کی۔ ان معاملات میں۔ یہ مذہبِ حاکم
پائی جاتی ہو۔ تو ان کی زبان و قلم سے اہلبیتِ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اصل معارف و مشارف
کی حقیقت نویسی کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ اور ان کے متعلق اصل واقعات کیسے معلوم ہو سکتے ہیں۔
اتنا لکھ کر ہم ہر اپنے سابقہ سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔ ہم اپنی بحث میں اوپر لکھ آئے ہیں کہ ایک
جانور کیا بیشمار جانور۔ عام اس سے کہ وہ زمین سے لائے جاسکیں۔ یا آسمان سے۔ ان کی پرورش و پرورش
عالم میں ہوئی ہو۔ یا گلابستانِ ارم میں کسی صحیح دماغ اور سلیم عقل والے کے نزدیک۔ ایک سہنی زاویہ سے کہ
ہمسرا اور برابر نہیں ہو سکتے۔ اس بنا پر ضرور ہوا کہ حضرت استغیث کا قدیم اور بدل موعود ہی ایسا ہی
عظیم المرتبہ ہو جو اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے آپکا ہمپا یہ۔ ہمسرا اور ہم نشان ثابت ہو تا ہو۔
جب ہمارے استدلال کے تمام عقلی اور نقلی دلائل اور اسباب و قرائن۔ اور ان سبب کے ساتھ اس
واقعہ عظیم کی صورت حال یہی۔ قدیم اور بدل میں باہمی مساوت اور مثالیت کو ضروری اور لازمی قرار

دینی چہ تو اس پر ہم لپٹے ہیں کہ تاریخ و سیر کے بلا استیسا یہ سیر کرنا ہے اور ہر سر و آفتاب کو تحقیق و تحقیق
کی نظر سے پڑھنے والے۔ ہر جہت سے دیکھا دیکھا کہ اس واقعہ عظیم الشان کے بعد خاندان ابراہیمی اور دو دہائی اسماعیلی
میں وہ کون ایسی قربانی خدا کے نام۔ خدا کی راہ اور خالص امر حق کے اظہار و استقامت کے لئے عمل میں
لائی گئی ہے۔

اسکی تلاش و جستجو میں مثلاً شیخ یحییٰ بن اسماعیل کے کم سے کم دو ہزار برس تک کے تاریخی واقعات و سیرت
پڑھیں۔ اور اس مدت میں ایک واقعہ بھی اسکی مثال میں نہیں ملے گا۔ مگر اس میں اس سلسلہ عالمی میں حضرت
عبداللطیف کے محمد ابراہیم میں آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا ایک واقعہ ملے گا۔ اور اس میں
کوئی کلام نہیں کہ حضرت عبداللہ کی قربانی کے معاملہ کو فدیہ اسماعیلی ہونیکا پورا حق حاصل تھا۔ کیونکہ بدلت
اور بدلت میں باہمی مساوت ہی موجود تھی۔ مگر جیسا کہ تمام اسلامی مفسرین۔ محدثین اور مؤرخین کا متفق علیہ
بیان ہے۔ اس قربانی میں اس صاحبزادے کا فدیہ اور بدل کا حکم آگیا کہ جناب عبداللہ
کی ذات بابرکات سے جناب ختم المرسلین علیہ السلام کا فدیہ و بدل کا حکم آگیا کہ جناب عبداللہ
حضرت عبداللطیف کے لئے جناب عبداللہ کے بدلے میں سو اونٹوں کا فدیہ دیا

واقعات کی پہلی حقیقت جانتے والے خوب جانتے ہیں کہ جناب اسماعیل کے واقعہ قربانی میں فدیہ
اور بدل واقع ہوئے کی جو مساوت تھی وہی مساوت اور ضرورت حضرت عبداللہ کے واقعہ فدیہ میں بھی
لاحتی ہوئی۔ اور دیرینہ قدرت کو۔ دونوں معاملات میں جتنا لیسہ ہوئے کی وجہ سے ایک ہی طرح کا فیصلہ
دینا پڑا۔

بہر حال ہمارے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ واقعہ فدیہ حضرت عبداللہ جو حضرت اسماعیل کے
واقعہ فدیہ کی تنہا مثال تھا۔ وہ بھی فدیہ اور بدل واقع ہو چاہیے ناقص اور ناکمال ثابت ہو گیا۔ کیونکہ فدیہ
میں جو التزام فدیہ اسماعیل کی تشریف میں آئے ہیں وہ ذرا زیادہ اسماعیل کی تفصیل میں آئے ہیں۔
ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اسماعیل کا فدیہ فدیہ اسماعیل کی ضرورت میں دینا چاہیے۔ چونکہ حضرت عبداللہ کے واقعہ
میں ہی ذبح واقع نہیں ہوا۔ اس لئے وہ بھی فدیہ اسماعیل ہونیکا ضرورت حاصل نہیں کر سکا۔

اب تاریخ و سیر کے ماہرین اور محققین بتلا دیکھا کہ ہر اس مبارک اور شرف اسماعیلی میں کوئی ناقص
کوئی فرد واحد سوا اسے ذبح کر لیا نہیں۔ مثلاً عبداللہ اور جناب آل علیہ السلام کے سیرت و سیرت
واقعات کے فدیہ اسماعیل ہونے کی مفاخرت اور عظمت کے لئے اسحق اور دوسرے بھائیوں کے فدیہ کی ذبح
عظیم کے خاص دونوں الفاظ۔ جو فدیہ اسماعیل کے تشریف میں بطور فدیہ آئے وہ ہر ایک اور فدیہ سے

واقعہ عظیمہ کر بلا کے ساتھ پورے پورے منطبق ہو جاتے ہیں۔ اور ذبح اور عظیم دونوں صفات مذکورہ کی اصلی اور حقیقی شکل و صورت پوری تفصیل و تکمیل کے ساتھ اس ایک واقعہ میں قائم ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس واقعہ کے بعد آج تک کسی دوسرے واقعہ کا ایسا عظیم اور شاید نہیسیں واقعہ ہونا ثابت کر رہے کہ سوا اسے اس ایک واقعہ کے کوئی دوسرا واقعہ ذبح عظیم کا نہ مقابل ہو اسے اور نہ مثال۔ اور نہ سوا اسے اس کے الفاظ ربانی سے نہ کوئی دوسرا متناظر ہو سکتا ہے اور نہ مراد۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم ناظرین کتاب کو بتا دیں کہ شبلی صاحب کی طرح میرا یہ بیان میری خاص طلبی نہیں رہتا ہے بلکہ یہ ششم و شہید پرستم کہ حدیث خواہ گروہم۔ بلکہ اس کی محنت اور حقیقت کی سند میں ایک ایسے محقق اور قابل نقادین کا قول و مختار پیش کر دیں جو فی الحال سوا ادا عظم میں شریعت اور حقیقت۔ دونوں طریقوں کی جامعیت اور اعلیٰیت کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں دے سکتا۔ نواب خاں یار شاہ احمد حسین صاحب زین پرانیوں مولف تاریخ احمدی وغیرہ وغیرہ۔ اپنے رسالہ البلاء المبین میں رقمطراز ہیں۔

حضرت اسماعیل کی قربانی کا واقعہ تو سب کو معلوم ہے جس کی نسبت خداوند عالم فرماتا ہے اِنَّ هٰذَا لَكُمُ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَّيْنَاهُ بِذِيٍّ عَظِيمٍ۔ ان ہذا ہوا البلاء المبین کے معنی تو صاف ہیں کہ فی الواقع یہ ایک روشن امتحان ہے۔ لیکن دنیاہ مذبح عظیم کا مطلب سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کس ذبح عظیم یعنی قربانی بزرگ کے بدلے حضرت اسماعیل کو بچا لیا۔ فی الحقیقت وہ ذبح عظیم جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے وہی تھا جو عاشور محرم کو کر بلا کے میدان قیامت میں بروز جمعہ بوقت عصر واقع ہوا۔ اور ابراہیم کے فرزند کی تمام قربانی کو علی کے بخت جگر حسین نے کمال کر دیا۔ تھوڑا غور کرنے سے ہمیں آ جا سکتا ہے کہ ذبح گوشتندگی یہ حقیقت نہیں تھی کہ حضرت اسماعیل کے مقابلہ میں ذبح عظیم کے الفاظ سے تعبیر کیا جائے۔ اخبار صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم نے جب حسب نذرانہ حکم باری عزاسمہ حضرت اسماعیل کو قربانی کرنا چاہا اور بورہ ہو جب ارشاد باری اس عمل سے باز رکھے گئے۔ تو آپ کو حزن و ملال کے ساتھ یہ خیال پیدا ہوا کہ جس قربانی کے لئے کئی بار شدید تاکید کے ساتھ مامور کئے گئے۔ اوس سے کیوں باز رکھے گئے پس حق سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنَّ هٰذَا لَكُمُ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَّيْنَاهُ بِذِيٍّ عَظِيمٍ یعنی واقعی یہ بہت ہی سخت امتحان ہے اور ہم نے اسماعیل کو ایک بڑی قربانی سے بچا لیا حضرت ابراہیم نے بڑی قربانی کو دریا کیا۔ تو ارشاد ہوا کہ تیرا فرزند حامل نور ختم المرسلین ہے اسوجہ سے ہم نے تیرا امتحان لیکر اسماعیل کو بچا لیا۔ پھر حق سبحانہ تعالیٰ نے خلیل اللہ کی نظروں سے رفع حجاب فرمایا کہ آپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اذن کی آل با صفا کا ربہ جلیلہ مشاہدہ فرمائیں۔ جب آپ نے یہ منظر عالی منزلت ملاحظہ فرمایا۔ تو بہت ہی محفوظ

ہوئے اور حسین ابن علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو دیکھ کر فرمایا یہ کون ہیں۔ جواب آیا کہ یہ اسمعیل کے فرزند و نعت جگر یعنی دختر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا حسین ہے۔ اسے ابراہیم اپنی ذریت کو دوست رکھتا ہے یا محمد کو۔ اپنے فرزند اسمعیل کو دوست رکھتا ہے یا محمد کے فرزند حسین کو۔ ابراہیم نے عرض کی کہ خداوند اس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات سے اور امام حسین علیہ السلام کو حضرت اسمعیل کی ذات سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا اسماعیل کا فدیہ عظیم ہی ہے۔ اشیائے اُمت اس کو مع اس کے اطفال خرد سال کے تین دن کا بھوکا پیاسا، غربت اور سبکی کی حالت میں نہایت ظلم و ستم کے ساتھ شہید کر گئے جس کو دیکھ کر شیرو حجر، آسمان وزمین اور وحش و طیور روئیں گے۔ جب جناب خلیل اللہ نے یہ واقعہ سنا، شدت قلق سے آپ پر عالم گریہ طاری ہوا۔ اور سرشک غم دیدہ اسے مبارک سے جاری ہوئے۔ خطاب آیا۔ اے ابراہیم! حسین پر روتا اوسی ثواب کے برابر ہے۔ جو اسماعیل کی قربانی سے حاصل ہے۔ مناجات الطاہرین قزوینی۔ روضۃ الشہداء امام حسین و اعدا کاشفی صاحب تفسیر حسینی۔ حبیب السیر معارج النبوة ملا معین ہروی۔

بات یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم حضرت اسمعیل کو گھر سے لے چلے اور حضرت ابراہیم نے پٹری اور اس نے لینے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک گوسفند قربانی کرنا ہے پس حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک گوسفند قربانی بھیج کر اپنے برگزیدہ نبی کے قول کو پورا کر دیا۔

اس منبر حبیب کو تو دیکھو کہ باوجود صد ہا زخموں کے جناب سید الشہداء وحی لہ الفدا کی روح مبارک نے صبر و طہر سے اس وقت تک مفارقت نہیں کی جب تک کہ آپ کے گلوے تشنہ پر خنجر جفا پر کر لفظ ذبیح کا معہد اق نہ ہو لیا۔ اور اسی لفظ ذبیح کی رعایت تھی کہ آپ کے قاتل ہی اسلام کے مدعی تھے کیونکہ ذبیح کے لئے لگہ کو ہونے کی شرط ہے گو وہ زبانی ہی کیوں نہ ہو۔ اور چونکہ شہادت کبریٰ کی تعمیل ہی منظور الہی تھی۔ لہذا وہی اشرار و ملاعین جو برائے نام اسلام کا دم ہر اتنی بھولے کیف یھدی اللہ قوماً کفروا بعد ایماہم و شہدوا انت الرسولی و خدا سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد پھر کفر اختیار کیا اور رسول پر شہادت دینے کے بعد پھر کفر ہو گئے ان کو خدا کیسے ہدایت فرما سکتا ہے

کفارنا ہنیار سے بدتر اور نابکار ہو گئے لہذا قال اللہ تعالیٰ انت الذین کفروا بعد ایماہم ثم انزلوا کفرا لہم فقبل تو بہہم و اولئک هم الظالمون۔ جیسا کہ خدا سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کے بعد پھر کفر اختیار کیا تو انہوں نے اور زیادہ کفر کیا۔ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں اور وہی لوگ ظالم ہیں پس گو یا قدرت نے ذبیح اور شہادت کے دونوں پہلوؤں کو ایک ہی واقعہ سے ثابت

کر دیتا ہے۔

(۳) حضرت اسماعیلؑ کے نازک گئے چہرہ پر پیرنے والا ہاتھ ہی تھوڑی دیر کیلئے اگر چہ قاتل ہی کا ہاتھ کھلانے کا۔ مگر پھر ہی حقیقتاً اسی باپ کا وہی ہاتھ تھا۔ جو اس سے قبل شفقت اور رحمت کے غیر متحمل تقاضوں سے اسماعیلؑ کے سر اور پشت پر بشار بار بار پھر چکا تھا۔ مگر حسینؑ اور اونکے جوان۔ کسین اور شیرخوار بچوں پر اون غور غور۔ ظالم و بیرحم قاتلوں کی تلواریں اور خنجر پھیر دئے گئے۔ اور اون ہاتھوں نے پیرے۔ جن کے قلب اوجہ اور پتھر سے ہی زیادہ سخت تھے اور اون سے رحم و مروت اور رعایت کی امید کرنا قطعی محال تھا۔ مگر حضرت کے جوان بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا اور شکر کا سہجہ اونہیں کرتے ہوئے دیکھا۔ حسینؑ نے بالآخر ان فوق البشری مصائب پر کیا کیا صبر کیا اور اپنے جوان صالح کے مارے جانے اور فائز شہادت ہونے پر خدا کا شکر کیا۔

(۴) ان کے علاوہ۔ غربت۔ مسافرت کا عالم پیش اور قیامت کی گرمی کا موسم۔ بکیر یوں کوسوں کا سفر۔ دن دن بھر کی دھوپ۔ رات رات بھر کی شبنم۔ ہر منزل پر کیا۔ ہر قدم پر قتل و غارت کی وحشت۔ بال بچوں کا ساتھ پانی کی کمی۔ غلہ کا کال۔ پیر داغ کر بلا سکے بعد پانچ دن بعد آب و دانہ کی قطعی بندش۔ چوبیس بھر کی پیاس۔ مجبور اور شکستہ پاؤں اور بچوں کی بیباکی اور بیہ قرار سی۔ اور ہر روز غاشیہ صبح سے عصر تک اٹھارہ عزیز اور خوشہ رفقہ کا سامنے قتل کیا جانا۔ وہ قیامت تاک منتظر تھا۔ جن میں سے ایک شبہ ہی حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے پیش نظر نہیں تھا۔ مگر حسینؑ اپنے کمال استقلال سے ایک ایک کر کے ان تمام مصیبتوں کو اپنی تنہا جان پر کھیل گئے۔ یہ غویں واقعات ہر قرینہ اور ہر طریقہ سے حسینؑ کے واقعہ ذبیحہ کو اسماعیلؑ کے واقعہ ذبیحہ سے عظیم ترین ثابت کرتے ہیں۔ یہ وہ مقامات تھے جن میں ایک ہی نہ ابراہیمؑ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور نہ اسماعیلؑ کی جان پر گزرے۔ اسی بنا پر وہی الہی نے اس کو مخصوص طور پر ایسا عظیم سے تعبیر کیا۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرے امر پر بھی غور کرتا چاہیے۔ آخر فقرہ آیا مبارکہ جس پر واقعہ ذبیحہ اسماعیلؑ کی بشارت تمام ہوتی ہے۔ یہ ہے۔ وَتَرْكُنَا ثَلَاثَةً فِي الْأَخْيَارِ۔ جس کے ظاہر معنی یہ ہوتے ہیں۔ اپنے ایک ذکر آئندہ نسلوں میں یادگار چھوڑا۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جس واقعہ کے ہمیشہ ذکر کا قیام رکھے جانے کی بشارت دی جاتی ہے وہ ذبیحہ اسماعیلؑ کے ذکر سے منطبق ہوتی ہے یا ذکر شہادت سے ہے۔ جب ہم اس بشارت کی عملی صورت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ذبیحہ اسماعیلؑ کے متعلق تمام دنیا کے مسلمان اس کے اسکے قربانی والے دن۔ سال میں ایک مرتبہ (دسویں ذی الحجہ) قربانی کر دیتا۔ اور نہ کہیں آپ کا کوئی ذکر

کرتا ہے اور آپ کے واقعات و علامات کا تذکرہ میرے خیال میں اکثر کو تو اب تک اصل واقعات کی خبر بھی نہیں بخلائی اس کے ذکر حسین۔ آپ کے ابتدا و امتحان کے حالات و واقعات۔ باوجود اسکے کہ وقت وقوع سے اس کے موقوف کر سکی بشمار تدریس۔ چھاپنے اور مٹانے کی لاکھ لاکھ ترکیبیں لگیں۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں پر یہ منحصر ہے۔ غیر اقوام و ملت کے تب و زبان پر کالی شرح و بسط کے ساتھ آج تک جاری ہیں۔ اور اسکے ذکر کیلئے ایام مخصوصہ اور وقت مقررہ کی بھی کوئی تخصیص اور شرط ضروری نہیں تھی۔ یہ وہ ذکر ہے جو ہر وقت تازہ ہے اور ہمیشہ جاری مسلمانوں کے اور کئی کئی گروہوں کے علاوہ جو اس ذکر کے اسباب کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ اسلام کے تمام فرقے اور شعبے ہی اسکے ذکر و افکار سے غافل نہیں ہیں۔ بلکہ اسکی حقیقت اور اصلیت کے خارجی اور ظاہری اثر سے متاثر ہو کر غیر اقوام و ملت کی کثیر التعداد جماعت اسکے ذکر و احیاء سے خاص ہمدردی اور دلچسپی رکھتی ہے۔ اور اکثر اسکو اراستہ و عقیدت میں داخل کر لیتی ہیں۔ الغرض جہاں تک حقیقت اور غور سے کام لیا جائے اور ذرا مشاہدات سے دیکھا جائے۔ یہ امر یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ فریج اسماعیل کے ذکر سے شہادت حسین کا ذکر کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ تو فریج عظیم و ترکناہ علیہ فی الاخرین کا اصلی مدعا اور حقیقی نشار ذکر حسین سے پورا ہوتا ہے نہ ذکر اسماعیل سے۔ تو پھر اس بشارت کے مطابق۔ ایک ایسا راستہ بڑے ذکر مشہور کے ہوتا ہے جو صحت کا تمام اقطاع عالم اور ہر قوم و ملت میں ہمیشہ آج تک دائر اور شائع ہے۔ کیونکہ عقل سلیم اس واقعہ کے ذکر کو عظیم تسلیم کرے گی۔ جو باعتبار ذکر و شہادت اسکے نہایت مشہور ہے اور نہ اس کا شہرت سے ذکر۔

اگر زانی ذکر سے یہاں مقصود نہیں ہے۔ بلکہ تحریر و نقل اور اشفاط بین الفریقین مراد ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ جتنے کثیر التعداد و قدر کے دفتر اور بڑے بڑے کارخانے مقتل حسین کے ذکر و تفصیل میں دیر اور دنیا کے پیش نکاح ہیں ان کے مقابلہ میں جتنے شہر تیار ہیں ہی حضرت اسماعیل کے شرح و ذکر و واقعات میں نہیں پائی جاتیں۔ یہ روز مرہ کے مشاہدات ہیں اور امور مسلمہ ہیں۔ جب کسی فرد و بشر کو اسکا ر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تحریر اور تقریر ہی دونوں طریقوں سے اس بشارت ایزدی کے اس ذکر و موعود کا اصلی مقصود واقعہ ہی کا ذکر ثابت ہوتا ہے۔

عبارت قرآنی کی ترکیب بھی بتا رہی ہے کہ علیہ کی ضمیر واحد غائب قاعدہ قرینہ و اتصال کے مطابق فریج عظیم کی طرف راجع بھی ہوا ہے۔ کیونکہ واقعات فریج اسماعیل کی ضرورت صرف اور موقع مناسب کے ہوتے ہوئے۔ اسکو ضمیر مفصل سمجھنا دلیل مہل ہے۔

قدیاء بنیج عظیم کی بشارت قرآنی کا جو حقیقی مفہوم مقصود تھا۔ وہ عقلی اور نقلی دلائل و قراین سے پورے

طور ثابت کرو یا گیا۔ اب نصوص الہیہ کے بعد احادیث و اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کی اہمیت اور عظمت کی شان و کیمتی چاہیے۔ اس امر کی تلاش و تحقیق میں ہم کو صحاح، سانیہ اور سنن میں غرض تمام اقسام کتب حدیث سے۔ اتنی کثیر التعداد اور صحیح الاسناد حدیثیں ملتی ہیں۔ جن سے تنہا یہ ہی نہیں معلوم ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتل حسینؑ کی خبر اپنی زبان صد اوقات ترجمان سے تمام اہل اسلام کو پہنچائی۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی خبر کو منجانب اللہ ایک بار نہیں کہی بار ایک ملک مقرب کے ذریعہ سے نہیں بلکہ مختلف فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا گیا ہے اگر ان تمام حدیثوں کی تفصیل کیسی صرف نقل اجمالی کا قصد کریں تو پھر یہ جزو تالیف ہمارا مقتل کی ایک تیار اور کامل جلد ہو جائے گی۔ جو ہمارے موضوع تالیف سے زائد ہے۔ اس لئے ہم شریعت کے مقتدا بطریق کے ہونا مرحوم صاحبزادہ حسن میاں صاحب پھلواری کی کتاب۔ شہادت حسینؑ مطبوعہ لاہور سے۔ صرف اون کیوں کے نام جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ عظیم کی پیشین گوئیوں کو منجانب اللہ ہوتا بیان کیا ہے۔ اور انہیں بزرگوں کے ساتھ ان مفسرین محدثین مؤرخین اور ان کی کتابوں کے نام ہی ذیل میں درج کئے دیتے ہیں۔ جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی اپنی تالیفات میں قلمبند فرمایا ہے۔

حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ (خود) حضرت امام حسینؑ حضرت عبداللہ

ابن عباسؑ حضرت انسؑ ابو الدرداءؑ اور زید ابن ارقمؑ

حضرت عائشہؑ حضرت ام سلمہؑ اور حضرت زینب بنت جحشؑ

حضرت ام الفضلؑ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؑ اسماء بنت عقیسؑ اور سلمیٰ

نے اس کی پیشین گوئی کی روایت کی ہے۔

ہر طبقہ کے علما و محدثین اس کو اپنی کتابوں میں مستند کرتے آئے ہیں۔

امام احمد ابن حنبلؑ ابن ابی شیبہؑ عبد اللہ ابن حمید کشتیؑ ابو داؤدؑ ترمذیؑ ابن

طبریؑ حاکمؑ عبد الرزاقؑ ابو نعیمؑ ابو نعیمؑ ابن عساکرؑ طبرانیؑ خطیبؑ بغدادیؑ

اور بیہقی وغیرہم۔

اور پھر ان سے اسکا ترجمہ شیعہ و علمائے محققین نقل کرتے آئے ہیں۔

ابن تیمیہؑ ابن قیمؑ نوویؑ ابن صلاحؑ نسکیؑ ابن سبکیؑ قاضی عیاضؑ

بعضاویؑ غزالیؑ ابن سبکیؑ قرطبیؑ ذہبیؑ مزنیؑ ابن اثیرؑ ابن حجر عسقلانیؑ

ابن حجر کیؑ عینیؑ سخاویؑ سہودیؑ شمرانیؑ جمال الدین سیوطیؑ شیخ علی شمس

صحاح پر کیا رہیں

افہامت مؤرخین میں

خوانین صحابہ

مفسرین محدثین مؤرخین

مؤرخین علما و محدثین

شیخ عبدالحق - شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز -
 علمائے اہلسنن اکابر محدثین و علمائے اہلسنی مثل ابو عمر - قرطبی - ابن حزم - حمیدی - ابن عربی مالکی
 ابن عربی طہونی - ابن عبد البر - اور مقررین وغیرہم ہی واقعہ شہادت کو اپنی کتاب میں درج کر چکے ہیں
 شہادت حسین مطبوعہ امرتسر صفحہ ۴۰۔

جب اتنے صحابہ کبار اور اتنے کثیر القعداء محدثین مفسرین اور مؤرخین کی جماعت اس واقعہ کی اہمیت
 ہونے کی تصدیق و توثیق میں ہم کلام و ہم زبان ہے تب خود غرضی بقلب اسلامت وغیرہ کو تھوڑی دیر
 علیحدہ رکھ کر اس واقعہ عظیم کی نسبت و فدیہ بذبح عظیم کے سچے مفہوم اور اصلی مقصود تسلیم کرنے میں
 کسی مسلمان کو کیا غدر ہو سکتا ہے۔ اور کیا کلام۔

ہم اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔ مگر اسکے ساتھ ہی اسکے کسی پہلو کو ناتمام اور غیر مفصل بھی
 چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ اب ہم اسی کے ضمن میں شبلی صاحب کی اس غلط تاویل کو جو انہوں نے حقیقت
 قربانی کی تفصیل میں پیش کیا اور عینی کی اصلیت کہنے کی غرض سے قلمبند فرمائی ہے یاد دلالتے ہیں اور
 بتلاتے ہیں کہ مولوی صاحب کو اس خیالی تاویل کی جگہ - فرج اسماعیل کے تذکرہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام
 کی صحیح اور قریبی تمثیل یاد آئی ہوئی۔ مگر افسوس جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ایک زمانہ سے یہ حضرات اور
 ان کے واقعات مصالیح ملکی کی مخالفت ہونے کے باعث مرفوع القلم ہو چکے ہیں۔ اور بالکل زیاناً۔ ان
 کے کوئی محاسن محامد اور مشارف نہ قابل ذکر ہیں نہ لائق غور و فکر منقولات، معقولات، قرائن، قیاسات۔
 اسناد و اشاد و صحیح سے اقتباسات ان کے فضائل و مناقب میں دکھائے جائیں۔ بالکل موضوعات اور
 جہولات ٹھہرائے جائینگے۔ پر ایسی نفسانیت کے تیر و تار عالم میں ہر کوئی شبلی صاحب یا ان کے پیروں کی
 حضرات سے اس واقعہ کی عظمت اور حرمت کی کیا امید ہو سکتی ہے جس کا سنا گناہ اور ذکر کرنا معصیت ہے
 ہمارے مقربہ بالا استدلال نے اس مسئلہ کو کامل طور سے ثابت کر دیا کہ ذبح عظیم سے موجودہ ہم قربانی
 جانوران نہ عقلاً مراد ہو سکتی ہے نہ نقلاً۔ اسی طرح ترکناہ علیہ فی الآخرین سے ذکر واقعہ اسماعیل مقصود
 نہیں ہے بلکہ ذکر شہادت حسین اور لفظ فدیہ اور ذبح عظیم کا اصلی اور حقیقی مفہوم سوائے قتل حسین کے کوئی
 اور دوسرا واقعہ نہیں ہو سکتا۔

ہم اپنے موجودہ استدلال کے ایک دوسرے پہلو پر نظر کرتے ہیں کہ جناب اسماعیل
 کے حالات و واقعات میں شبلی صاحب اور فرج اسماعیل ہر دو نے تو یہ تسلیم کیا ہے
 کے توالیہ اور اشاد پیش کیے ہیں۔ اول ابن اسناد و اشاد سے اس واقعہ کی

قائم ثابت کرنا ہے اور دوسرے یہ کہ مخالفین کو اپنے شاہد دیکھ کر غمگین کر دینا چاہیے۔ یہی کتابوں میں کہتا ہوں۔ دونوں حضرات کی توجہ یہاں ہے اور بالکل مناسب۔ مگر اس کے ساتھ اسی عرض ضروری ہے کہ ان اسناد و اشہاد کے تمام کلیات و جزئیات سے استفادہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یا حضرت ائمہ میں سدر جاست سے قلم اٹھانا چاہیے۔ یہی ہے آپ حضرات کے طلب کیلئے ہوں۔

سید صاحب اور ثعلبی صاحب۔ دونوں صاحبوں نے تورات کے کتاب اول یا سید کا آیہ ۲۰ سے حضرت اسماعیل کے متعلق یہ عبارت لکھی ہے۔

اے ابراہیم میں نے تیری دعا اسماعیل کے حق میں قبول کی ہاں میں نے اسے برکت دی اور اسے عطا کیا اور اسے برکت کو فیصلہ دی۔ اوس سے بارہ آدم سردار پیدا ہوں گے اور میں اوس کو بڑھا قوم بناؤں گا۔

دونوں حضرات نے بارہ آدم یا سردار کے مفہوم کو یا اعتبار نظام اوت کے بارہ بیٹوں کی تعداد سے منسلک کر دیا ہے حالانکہ یہ حضرات اگر ذرا ہی حقیقت کی نگاہوں سے اس مسئلہ کو دیکھتے تو انکو خود معلوم ہو جاتا کہ بین النہاد و مخصوصہ خداوند عالم نے حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ اولیٰ میں سے ایک ہی نہ اس وقت اس نام و لقب سے مشہور ہوا۔ اور نہ اس وقت تک کوئی اس نام و لقب سے منسلک کیا جاتا ہے۔ اور نہ خود تورات میں ان کے نام پیشوا یا سردار امت ہونے کی کہیں تصریح ہے یا انکی نسبت ان القاب و ادا سے کا ذکر نہ کر رہے۔ اور نہ ان میں سے کسی کے متعلق اوت کے کوئی احکام، اقوال یا اشہاد کہیں پائے جاسکتے ہیں۔ پھر کیسے کوئی عقل سلیم کہہ کر ان کو گویا کو خطا سے القاب صدر جاست اور اس کے متعلق معنیوں میں تسلیم کر لے گا۔ سید صاحب اولاد اسماعیل کی بشارت کے متعلق لکھتے ہیں۔

جو لوگ ہمارے مخالف و بدو و نصاریٰ ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے اسماعیل سے وعدہ کیا تھا کہ اوت کی

اولاد میں بارہ سردار ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے جو بہتر نہ بارہ بادشاہوں نے

سرداروں کے تھے پیدا ہوئے۔ اور جس برکت دینے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ دنیاوی ہی نہ روحانی۔

اس بحث کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

جس مضمون کا وعدہ کہ حضرت اسماعیل سے کیا گیا تھا اور جو لفظ برکت کا حضرت اسماعیل کے وعدہ کے

کے متعلق استعمال ہوا۔ اسی مضمون کا وعدہ حضرت اسحاق سے بھی کیا گیا اور وہی لفظ برکت کا استعمال کے

وعدہ میں بھی لایا گیا۔ پھر یہ کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اسماعیل سے جو وعدہ تھا وہ تو دنیاوی تھا

اور اسحاق سے تھا وہ روحانی تھا۔ خطبات مہملہ مد لاہور ص ۵۵

سید صاحب نے اپنے استدلال میں صرف لفظ برکت پر زور فرمائی ہے اور اسی پر اپنی تمام استدلالی قوت صرف فرمادی ہے صرف اتنا کیا ہے کہ اولاد اسماعیل میں برکت روحانی کا عطا ہونا تسلیم کر لیا ہے۔ یہیں پر سید صاحب کو اپنا حذفت استدلال یہی سمجھ لینا لازم تھا۔ کیونکہ آٹھ عشر جن لوگوں کی نسبت آپ روحانی برکت سے مستفیض ہونا یقین کر لیتے ہیں۔ ان کے حالات و واقعات سے ان کے صفات روحانی ثابت نہیں کرتے۔ وہ دعویٰ جیسا کہ ثبوت نہ ہو جو وہ دھکیل رہے اور سیکار اولاد اسماعیل میں صفات روحانی نہ ہونے کی وجہ سے تو راق کو یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اسماعیل سے محض دنیاوی وعدہ تھا۔ وہ اس طرح پورا ہوا کہ ان کے بیٹے اقوام و قبائل کے رئیس و سردار ہوئے۔ ریاست اور سرداری دنیاوی نام و نمود ہیں انکو روحانی عظمت و اقتدار سے واسطہ نہیں۔ اس لئے اسماعیل کے ساتھ دنیاوی برکت کا وعدہ ہونا صحیح ثابت ہوتا ہے اور روحانی وعدہ ہونا غلط۔

بارہ امام یا سردار کے متعلق سید صاحب نے کوئی تحقیق نہیں کی ہے۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اسکی نسبت آپ سے متعلقیت کے قول کو صحیح سمجھ لیا ہے تو اس بنا پر گویا امام اور بادشاہ ایک ہی چیز ہے۔ شیعہ صاحب کے منکوت کا یہی عالم ہے۔ اور کہہ کر تو ان دونوں صاحبوں کے اصول غلط ہیں۔ بہر حال امام اور بادشاہ کو ایک شے سمجھنا غلط ہے اور مخالف قرآن جناب ابراہیم کو کسی مسلم یا غیر مسلم جھوٹی اور مزخ شے بادشاہ نہیں مانا۔ مگر قرآن انکو وہ جھوٹا لکھ لیتا ہے جس طرح کہ آدھوں کا امام پیشوا بنا یا امام بنانا ہے۔ سید صاحب نے جو اصول کے مطابق امام ہونے کی رعایت سے ماننا چاہا کہ وہ بادشاہ وقت ہی ہے۔ جو دایما اور درایتا دونوں طریقوں سے مخالف ہے۔ اگر اولاد ابراہیم کو مرسلین کیلئے عاوت الہی کا یہی دستور اور قاعدہ خاص مان لیا جائے تو پھر رسول اور نبی کے صاحبزادے کو حکمران زمانہ اور سلطان وقت ماننا بہت کرنا ہوگا۔

حقیقت یہ تو ایسا ہے کہ امام کو ان کے معنیوں میں تسلیم کرنا عقل کی خوبی ہے جو اہل کتاب کو پہلے اور اہل اسلام کو پچھلے۔ آخر کام سلطنت کی فرض خاص ہے۔ ضروری معلوم ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ اسی نے امر الہی کا نقش و عیب اُنہیں پیدا کر دیا اور اس طرح کاسبت اور اسبت عیب بنی اسرائیل میں سلطانین بنی اسرائیل کو واجب الامتثال اور واجب الاتباع سمجھنے لگے۔ اسی طرح اسلام میں بھی علما و محدثین سلطانین اور فرمانروایان سلطنت کو امام و مہتر و سلطان سمجھنے لگے۔

خبر اسے پہچان لے لے۔ بنی اسرائیل میں جسیرت ابراہیم کی نسبت لفظ امام کا استعمال فرمایا ہے۔ وہ روحانی پیشوا اور مہتر اسکے ہیں اور انہیں معنیوں کے ساتھ آراہ میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ کیونکہ ابھی ابھی سید صاحب نے

استحقاق و اسماعیل کی مساوات فی المذاریع کی بحث میں دعائے برکت کو روحانی ہونے و دونوں کے حق میں برابری
مساوی ثابت کرانے ہیں۔ پہر جہاں روحانی معنی کی جگہ دنیاوی مراتب کیسے مراو لئے جاویں گے۔

بہر حال فقط امام کی حقیقت و کمال اگر ہم اسکی اہمیت اور عظمت پر غور کریں تو یہاں تک کہ منصب امامت علیہ السلام
تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے منصب اپنی اولاد و ورثہ کے لئے اسکی عطا کیے جانے کی دعا خداوند عالم سے کی تو
مشطوریہ بشرط ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت و صفات یہ تھیں کہ وہ میری اولاد نہ کیا وہ امام نہ ہوں گی (اور خدا تعالیٰ
کی اجابت مشروطہ تھی کہ میں ہی لا یشاء فیہ) مگر میں ان میں غلاموں کے ساتھ اپنا وعدہ پورا نہ کروں گا۔
قرآن مجید میں پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جس کو ہم نے شخص باستانی سمجھ لیا کہ ذریعہ ابراہیمؑ میں
عموماً ہر فرد بشر خدا کے آئینے منصب امامت کے قابل نہیں۔ مگر وہی جو بارگاہ احادیث میں اسکا اہل ثابست ہوتا
ہو۔ وہی الفاظ ہم توراۃ میں بھی پائے ہیں۔ تو یہاں بھی اسکی معنیوں میں وہی شخصیں کیوں نہیں قائم کی
جائی اور تقسیم کو خواہ مخواہ کیوں داخل کیا جاتا ہے۔

سندرجہ بالا عنوان بیان سے ثابت ہو گیا کہ سلسلہ ابراہیمی میں منصب امامت کو عام کر دینا اور
تمام انبیا علیہ السلام کو اسکا اہل قرار دیدینا مخالف قرآن ہے اور جو امر مخالف قرآن ہے اسکو کوئی مسلمان
تسلیم نہیں کر سکتا۔ جب سلسلہ اسماعیلی میں آپ کے بارے میں ان کی امامت ثابت نہیں ہوتی۔ تو ہر ایک آپ کی
اولاد و عقباب میں ان ذوات عالمیہ اور نفوس قدسیہ کا شراشہ لگانا ضروری ہو گیا لہذا اشارت
سندرجہ توراۃ و قرآن کے کوئی زمانہ خاص اس کے لئے مقرر نہیں کیا ہے جس کی برت مقررہ اور زمانہ مخصوص
کے اندر ہم اپنی تلاش و تحقیق کو محدود کر سکیں۔ جب ہم اسکی تحقیق کر لیں تو ہر ایک کو صاف معلوم ہو جاتا
ہے کہ جس طرح سلسلہ اسماعیلی میں دو ہزار میں سے بعد ہر ایک منصب امامت و نبوت کے متعلق توراۃ کی اون
مستفاد و اثرات آسمانی اشارتوں اور روحانی برکتوں کے کمالی ثبوت اور صحیح نشان بنائے ہم المرسلین علیہم السلام کی
ذات قدسی صفا میں ہیں۔ اسی طرح اولاد اسماعیلی میں ان بارہ امام کی ہر ایک تعداد حضرات اسماء
اثنا عشر علیہم السلام علیہم السلام پر تمام ہو جاتی ہے۔ جو حکم خدا اور ارشاد رسول کے مطابق پیشوا یا ان
تھے اور حاکم یا ان کے نائب تھے۔

ہر ایک میں مقام پر شاہدیت کے اعتبار سے یہی ثابت ہوتا ہے ضروری ہے کہ توراۃ میں جس طرح
جناب اسماعیلؑ کے پیشوں کی نسبت بارہ امام ہونے کی اشارت دی گئی ہے اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے
زمانہ میں حضرت ہارونؑ کے پیشوں کی نسبت بھی توراۃ و قرآن کی ایسی ہی اشارت مرقوم ہے۔ قرآن مجید کے
الفاظ اشارت دہیں۔ تو ان کے بعد ہم انکی تفصیل کرنا چاہتے ہیں۔ بارہ پیشوا (ان کے)

ان حضرات کے حالات پر ہی غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان بارہ بزرگواروں سے کوئی بھی دنیاوی فائدہ و یا حکمرانی وقت نہیں مانگنا گیا۔ سب کے سب خدا کی طرف سے روحانی پیشوا سے امت بتائے گئے ہیں اور امت سے شریعت اب حضرات ائمہ اثنا عشر سے انکی کامل عبادت ہی ملاحظہ ہو۔

حدیث منزلت یا علی انت منی بہ منزلۃ ہمارے من موصی اکا بنی بعدی را سے علی نیز جیسے تمہاری منزلت ایسی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ کے ساتھ۔ اگرچہ میرے بعد کوئی بنی نہیں ہے۔ کی ایسی معتبر اور مستند حدیث سے اسلام کا فرقہ فرقہ اور کچھ فرقہ واقف ہے۔ چنانچہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو اپنا منال اور حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت ہارون کا منال بنایا اور فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ کے صاحبزادے بھی حضرت ہارون کے صاحبزادوں کے ہمرتبہ اور ہم شان ہوں۔ اس منال سے اور منشا بہت کا بھی جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی زبان صداقت و حیات سے اعلانات فرمائے گئے ہیں۔ مناقب امام احمد بن حنبل سفن ابی داؤد۔ صحیح ترمذی۔ سنن دارقطنی۔ سنن امام بیہقی۔ سید رکاب امام حاکم۔ ذخائر عقیلی طبری مجموعہ طبرانی اور تاریخ ابن عساکر میں مرقوم ہے۔

علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب امام حسن پیدا ہوئے تو میں نے اونکا نام عرب رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا میرے بیٹے کو تجھے دکھاؤ تم نے میرے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے میں نے عرب کی عرب۔ ارشاد فرمایا اسکا نام حسن ہے۔ پر جب امام حسین پیدا ہوئے۔ تو میں نے انکا نام بھی عرب رکھا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور مجھ سے فرمایا میرے بیٹے کو دکھاؤ۔ تم نے اسکا کیا نام رکھا ہے۔ میں نے کہا عرب۔

قال علی علیہ السلام لما ولد الحسن بن ابی طالب
عرباً فاجاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابنی
ما سئمتہ سوا قال عرباً قال وہو حسن قلنا ولدا
الحسن بن سہیبہ صلی اللہ علیہ وسلم با فحماً رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال ابنی ما سئمتہ سوا قلنا صلی اللہ
فقال هو حسین وقال انما سئمتہم بنی لد
ہارون شہد و شہبیر

آپ نے کہا اسکا نام حسین ہے۔ میں نے اندونوں کے نام ہارون کے بیٹوں کے نام پر رکھے ہیں۔

اب ان ناموں کی نسبت ہم تجویر رسالت پناہی صلعم کو عین تجویر الہی پناہی ہیں۔ فقہا کی اختلاف ہمیں علامہ ضیائی ایک طویل حدیث کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

پس جبرئیل آئے اور کہا اسے صلعم (پروہ کار آپ کا آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ علی تمہارے نزدیک ایسا ہے جیسے ہارون موسیٰ کے نزدیک ہے۔ لیکن ہارون تمہارے بنی نہیں ہے۔ آپ اپنے بیٹے کا نام ہارون کے بیٹوں کے نام پر رکھیں

فجبرئیل علیہ السلام فقال یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم انک سر با شایقہ
السلام یقال لک علی منک بمنزلت ہارون
من موصی اکا بنی بعدی لک تسمی ابنک ہذا
باسم و لد ہارون فقال ما کان اسم ولد ہارون

یا جبریل فقال شبر فقال ات لسانی عربی فقال
سمہ الحسنی۔

انکا نام سن رکھیں۔

اس روایت کو مستدرک شرف النبوة اور مناقبات السادات میں بھی لکھا ہے۔
طبقات ابن سعد میں اسکی تصدیق و توثیق یوں مرقوم ہے۔

عن عمران بن سلیمان قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم الحسن والحسین
اسمان من اسماء الجنة ما سمیتا لہرب
بہما فی الجاہلیۃ

عمران ابن سلیمان سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم نے فرمایا کہ حسن اور حسین (علیہما السلام) دو اسم
ہیں اسمائے جنت سے۔ کہی عرب نے یہ نام ایام جاہلیت
میں نہیں رکھے تھے۔

آخر توثیق بھی ملاحظہ کر لی جائے جس میں سبط کا لفظ جو اسباط موسیٰ کے ساتھ مخصوص ہے بعینہ موجود
ہے۔ امام ابو حاتم ایک طولانی حدیث کے خاتمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی لکھتے ہیں۔
وقال حسین منی وانا من الحسنین احب اللہ
من احب حسینا وحسین سبط من اللہ سباط
سے ایک سبط ہے۔

میری دانست میں کیا کسی کی عقل میں ہی۔ توراۃ کے مندرجہ الفاظ بارہ امام یا سردار بارہ نقبائے اسباط
کی مشابہت اور مشاکلت کے ثبوت اس سے زیادہ مناسب بمطابق اور معتبر اور کیا ہو سکتے ہیں ہم انہیں کو
اپنے ثبوت مدعا کیلئے حد سے زیادہ کافی سمجھتے ہیں۔

مندرجہ بالا آئینہ کریمہ و بعثنا ہم اثنا عشر نقیبا کے استدلال کرنے سے جو میرا خاص مدعا تھا وہ یہی کہ
باوجود ایسے صریح اشہاد و اثبات فضائل و مدارج اہلبیت علیہم السلام کے جو صاف صاف قرآن مجید کی الہامی
عبارتوں میں موجود ہیں کسی صاحب کی نظر توجہ اس کی نقل و تحریر کی طرف معطوف نہیں ہوتی۔ اور ہوتی ہی
ہے تو شبلی صاحب کی طرح۔ اسی تاویل کی طرف جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایسے اولی الغرم ہوں
اور معصوم پیغمبر غلط فہمی اور خطا را جہتا دہی کے نقص و الزام وارد ہوتے ہیں۔

افسوس ہے کہ سید صاحب نے خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور میں صفحہ ۶۰۰ سے لیکر ۶۰۵ تک میں جناب
موسیٰ اور جناب ختمی مرتبت علیہ السلام کے فیما بین مختلف دلیلوں اور طریقوں سے کامل مشاکلت اور مشابہت
ثابت کی ہے۔ مگر اون تمام دلائل میں نہ کہیں آیت مذکورہ بالا و بعثنا ہم اثنا عشر نقیبا سے استدلال کیا

ہے۔ اور نہ حدیث رسول اور خاص ارشاد پیغمبر حدیث مندرجہ کی عبارت سے اون دونوں صاحبان شریعت اور مبلغان رسالت کی باہمی مساوت اور مماثلت دکھائی ہے۔ ان حضرات کی عدم توحید اور فروگزاشت کے ثبوت میں ایک ہی مثال بہت کافی ہے۔

اگر سید صاحب اسوجہ سے قرآن و حدیث کے استنباط کو مخالفین اسلام کے مقابلہ میں ناقص سمجھتے ہیں۔ کہ ان کے مخالف عیسائی جو ان کے خاص مخاطب ہیں وہ اسکو نہیں تسلیم کریں گے، تو ہم عرض کرتے ہیں کہ وہ لوگ آپ کے پیش کردہ قیاسی اور زبانی دلائل کو کب ماننے لگے۔ ہاں اگر آپ نے اپنے ثبوت استدلال میں انھیں کے اقرار و اقوال سے کام لیا ہوتا تو البتہ انکو عذر و کلام کی گنجائش نہوتی۔ اور حبیب ایسا نہیں اور صرف زبانی الفاظ سے کام لیا گیا ہے۔ تو کس کام کا۔ اس سے تو نقل عبارات کلام الہیہ اور احادیث صحیحہ کا قدیم طریقہ استدلال بدرجہا مستحسن تھا جس سے مخالفین اسلام چاہے فائدہ اٹھاتے یا نہ اٹھاتے لیکن عام سلطان تو آپ کی تحقیق سے پورے طور پر مستفیض ہو جاتے مگر نہیں سید صاحب کا قلم اسوجہ سے تو تھوڑا ہی رکا ہے۔ بلکہ ان کے سکوت بیان اور سقوط اسخبر کا اصلی باعث وہی ہے جسکو ہم اس بحث کے آغاز ہی میں اوپر لکھ آئے ہیں۔

پر ہم کہتے ہیں کہ غریب سید صاحب یا بچارے شبلی صاحب کا کیا وجود اور کیا ہستی ہے۔ جو ان فروگزاشتوں اور استخفافات استحقاق کی شکایتوں کا اونپر الزام لگایا جاوے جب ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین ہی کے قدیم ایام سے ان واقعات کے استیصال و استخفاف کی اسوقت تک مسلسل کوشش جاری ہے۔

بہر حال ہم ان مستحقین کے مراتب و مدارج جنکا استخفاف و استیصال منظور ہے۔ ذیل میں امام ترمذی شیخ الاسلام قسطنطنیہ کے اوس مختار اور تحقیقی معیار سے تلمیذ کرتے ہیں جو انہوں نے ائمہ اثنا عشر کی خاص تنقیح اور تخصیص کی بحث میں حدیث بعدی اثنا عشر خلیفہ کے متعلق لکھی ہے۔

قال بعض المحققين ان الاحادیث الدالة على كون بعدة صلى الله عليه وآله وسلم اثنا عشر قد اشتهرت من طرق كثيرة فليشرح المتأمنات وتعريف الكون والمكان اعلم ان مراد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من حدیثه هذا الاثنية اثنا عشر من اهل بيته	بعض محققین کا قول ہے کہ یہ حدیث اسکی دلیل ہے کہ بعد انحضرت صلعم آپ کے بارہ خلفاء ہیں پس طریقہ کثیرہ اور ہر زمانہ اور وقت و مقام کی تشریح و بیان سے یہ مشہور ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد بارہ خلفاء ہی ائمہ اثنا عشر ہیں جو آپ کے اہل بیت اور عترت طاہرہ ہی ہیں کیونکہ ان سے آپ کے صحابہ جو آپ کے بعد خلیفہ ہوئے
---	---

وعترته اذ لا يمكن ان يحمله على الخلفاء بعد
من اصحابه عن اثنا عشر ولا يمكن ان يحمله
الحديث على الملوك الاموية لزيادة ثهم على اثنا
عشر وفضلهم الفاضل لاسم ابن عبد العزيز
لكنهم غير بني هاشم لان النبي صلى الله عليه
واله عن جابر اخفا صوته صلى الله عليه واله
وسلم في هذه القول يرجع هذه الآية لا انهم
لا يحسنون خلافة بني هاشم ولكن لا يمكن
ان يحمله على الملوك العباسية لزيادة ثهم على العدد
المذكور لقلة رعائهم الآية قل لا اسئلكم اجرا
الا في المودة القربى وحديث الكساف بد من
ان يحمله هذا الحديث على الائمة الاثنا عشر
من اهل بيته وعترته صلى الله عليه واله
وسلم لانهم كانوا اعلم من انهم واجلهم وادعهم
واقارهم واعلاهم نسباً وفضلهم محسباً و
اكرمهم عند الله وكان علومهم عن ابا ثهم
تفضلوا لجدهم صلى الله عليه واله وسلم بالوراثة
واللدنية كذا عرفت منهم اهل العلم والتحقيق واهل
الكشف والتوفيق ويؤيد هذا المعنى اي ان مراد
النبي صلى الله عليه واله وسلم الائمة الاثنا عشر
عشر من اهل بيته وشهداء ويرجح حديث
التقليد والا حاديت المتكثرة المذكور في هذا
الكتاب وغيرها.

مراد نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ ان کی تعداد بارہ سے کم تھی۔
اس حدیث کا ملوک امویہ پر ہی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اول تو
ان کی تعداد بارہ سے زیادہ تھی دوسرے مظالم و فواحش ان کے
ان کے لئے مانع تھے جن میں سے عمر ابن عبد العزیز مستثنیٰ ہیں۔
ان سے مراد بنی ہاشم ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ فرمایا
آنحضرت صلعم اور سب ان میں سے بنی ہاشم ہیں۔ مگر عبد الملک
نے جاری ہے جو روایت کی ہے اوسیں ہے کہ آپ اللہ اس موقع
پر اپنی صدا کو روک لیا جس سے معلوم ہوا کہ اس امر کے لئے تمام
بنی ہاشم ہی مراد نہیں تھے۔ ہر لوگ عباسیہ ہی اس سے مراد
نہیں ہو سکتے۔ اول اس سبب سے کہ ان کی تعداد بارہ سے
زیادہ ہے دوسرے یہ کہ انہوں نے ایمودت۔ قل لا اسئلكم
اجرا الا فی المودة القربى اور حدیث کساکے حقوق کی رعایت
نہیں کی پس اسب جو اسکے کوئی اور چارہ نہیں ہے کہ اس حدیث
سے ائمہ اثنا عشر مراد لئے جاویں۔ جو آپ کے اہلبیت اور عترت
ظاہرین سے تھے۔ اور یہی حضرات اپنے اپنے زمانہ کے سب سے
زیادہ صاحب علم۔ صاحب ورع۔ اور صاحب تقویٰ تھے اور
تمام اہل زمانہ سے باعتبار نسب کے عالی نسب اور باعتبار حسب کے
افضل تھے۔ اور سب لوگوں سے زیادہ خدا کے لگے صاحب عزت
واکرام تھے۔ ان کے علوم ان کے آبا سے ظاہرین کے ذریعہ سے
بطریقہ متصل ان کے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
حاصل تھے اور وراثت اور لہتہ دونوں طریقہ حصول علم ان کو
حصول تھے انہیں صفات و کمالات سے اہل علم و تحقیق
نے ان حضرات کی معرفت پائی ہے۔ اور اہل کشف و توفیق نے

انہیں صفات ان کی بیجا ناسی اور اس معنی کی۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد ائمہ اثنا عشر کی اپنے اہلبیت میں سے تھی۔ تاہم تصدیق
اور ترجیح حدیث نقلین اور کثیر التعداد حدیثوں سے جو اس کتاب اور نیز دوسری کتابوں میں مذکور ہیں پوری طور سے ہوتی ہے۔ (بیان المودۃ فی القرآن)

ایام سلیمان التمدد ذی عظمیٰ عظمیٰ

اب اس فاضل محقق اور کامل محدث کے شمار سے تو ائمہ اثنا عشر کی امامت و خلافت کی حقیقت پورے طور سے معلوم ہوگئی۔ باوجود کہ حقیقت پر اتنا پردہ ڈالا گیا۔ اصلیت اور واقعیت اتنی چھپائی گئی۔ مگر ہر ہی اسکی حقیقی اہمیت رکھنے والوں کے نام۔ جنکو قرآن و توراۃ نے۔ امام نقیب اور اسباط کے الفاظ و القاب مبارک سے خطاب فرمایا ہے مستلشیان حقیقت اور محققان معرفت کے لب و زبان پر آہی گئے۔

بہر حال بہم ذبح اسماعیل کے متعلق اپنے مرقومہ بالا سلسلہ بیان میں۔ فدنیہ بذر عظیم و تنکناہ علیہ فی الاخرین کے حقیقی مقصود اور اصل مفہوم کو ہر طریقہ اور ہر ذریعہ سے ثابت کر چکے۔ اب ہم اپنے موجودہ استدلال میں۔ اس سے کسی اور زائد اضافہ کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور اس مجتہد کے خاتمہ پر اپنے ذمی استعداد اور صاحب سواد معاصر نواب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب ٹیس کی وہ تحریر نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے ذبح حسین کو ذبح اسماعیل کا مکمل نقشہ سے قدرت اور انبیاء و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کی خاص سیرت بتلایا ہے۔ عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ خداوند عالم نے اپنی مکرم مخلوق میں جس کو جیسا رتبہ عالی عطا فرمایا اسی قدر اس کو انتظامی تکلیف کا مورد بھی بنایا۔ چنانچہ انبیاء کے عالیشان اور بانیان ادیان نے اپنی بیگانوں کے ہاتھوں سے جو مصلحتیں اٹھائیں انکا احصاء تاریخی دنیا کے سیر کرنے والے مشکل سے کر سکتے ہیں۔ ابوالبشر حضرت آدم علی نبینا وآلہ و علیہ السلام کی خلقت اور بعثت سے ہدایت اور دین الہی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک طرف سے آدم انسانی نسلوں کے موجب ہو کر ہمارے لئے قانون الہی لائے دوسری جانب سے ستارہ بلاؤں امتحان طالع ہوا۔ گویا مذہب اور آزمائش دونوں ایکسا ہی روز جلوہ افروز عالم ہوئے۔ ضروری تھا کہ بانیان دین الہی اور رہبران ہدایت حق معرض امتحان و آزمائش میں لائے جائیں۔ کیونکہ سونا اگر چاگ میں جلنے سے پہلے ہی سونا ہے مگر آگ میں پڑنے سے وہ ثابت کر دیتا ہے کہ میں آزمائش میں گہرا ہوں اور کامل ہوں۔ خوش بود اگر محکما تجربہ آید بمیان آزمائش یہ رئے شود آگ دروغش باشد۔ گو ہمارے ناقص اور کمزور خیالات اس ابتداء و آزمائش کو غیر مدوح معینوں سے تعبیر کریں لیکن بھائی اخلاق کی بنا پر اس قسم کی آزمائش افضال خداوندی اور برکات لائنا ہی ثابت ہوتی ہے۔ حضرت آدم کے بعد حضرت نوح۔ حضرت ہود۔ حضرت صالح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت اسماعیل۔ حضرت اسحاق۔ حضرت یعقوب۔ حضرت یوسف۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت یونس۔ حضرت یحییٰ۔ حضرت عیسیٰ۔ حضرت جبرائیل وغیرہم صلوات اللہ علی نبینا وآلہ و علیہم اجمعین کو مخالفین کے ہاتھوں جو ناقابل برداشت آزمائشیں اور ٹھانی پڑی ہیں وہ قطعی طور پر ثابت کر رہی ہیں کہ مردان خدا کو

خدا کی راہ میں کس کس قسم کے دشمنوں سے مجاہدہ اور مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ خود ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت امت کی بدولت جن جن مصائب کے سامنے ہوئے اون کی شرح و تفصیل کی حاجت نہیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل انبیاء و مرسلین کے سردار اور حبیب شرایع کے مقیم تھے لہذا ضرور تھا کہ اون کا امتحان اور بلا بھی اون کے مرتبہ اعلیٰ کے مطابق ہو۔ چنانچہ وہ ان کے پیارے فرزند کے ساتھ مخصوص ہوا۔ جس کے ماتم کے لئے قصر عالم عراخانہ خلاصین و قادار بن گیا اگرچہ وجہ شہادت فی الامل ابتداء رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک انتہائی شعبہ تھا لیکن اس کی قرعہ اندازی حسین ابن علی علیہما السلام روحی فدا ہما کے نام گرامی پر ہوئی۔ یوں تو جس طرح حضرت نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخالفین کی بدولت تکلیفیں جملینی ہوئیں۔ اسی طرح ان کے خاندان عظیم الشان کا ہر ایک رکن رکن شیطین امت کے ہاتھوں ہتلا سے مصیبت و آلام رہا۔ لیکن درحقیقت ایک تخصیصی آزمائش اور کامل ابتداء کا مرتبہ خاص اگل عبا کی ذات بابرکات پر ختم ہو گیا۔ علامہ اجل شاہ عبد الغفر زیدلوی نے اپنی کتاب شہادتین میں واقعہ شہادت کی جو تفسیر زیب قلم فرمائی ہے اس کا خلاصہ مضمون یہ ہے۔

جتنے کمالات خدا جدا اکل انبیاء میں تھے وہ سب ذات سرور کائنات میں مجتمع ہو گئے۔ فقط ایک کمال شہادت باقی رہ گیا تھا جس کے حاصل ہونے کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفس شہید ہو جاتے تو شوکت اسلام ٹوٹ جاتی اور عوام کے نزدیک دین میں خلل پڑتا۔ پس حکمت الہی نے چاہا کہ عظیم الشان منصب اور کمال ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اون کے اہلبیت میں سے ایسے عزیز و قریب تر کے ذریعے پہنچے جو بمنزلہ فرزند حقیقی کے ہوتا کہ اس کا یہ شک شہادت جناب رسول خدا کی ذات میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ عنایت ایزدی نے حسین علیہما السلام کو اون کے نانا کا نائب اور قائم مقام بنایا اور دونوں کو دو آئینے پر تو کمال محمدی اور خسارے جمال مصطفوی کے ٹھہرا کر ان دونوں صاحبزادوں کے توسط سے یہ کمال ہی ذات آنحضرت معلوم ہوا داخل کر دیا۔

فی الحقیقت جناب شاہ صاحب کی تحقیق اور یہ ندرت ذکاوت اون کے اتباع کے لئے سرمایہ فہر و ناز ہو سکتی ہے۔ لیکن اس قدر افسوس ضرور ہے کہ شاہ صاحب نے حسین ابن علی کی قائم مقامی اور نیابت مصطفوی کو فقط اون کے قتل ہی تک محدود و مخصوص کر دیا بمصدق قول شاعر۔ از صحن کعبہ تاب سرا بم ازاں سن دیسقف خانہ تابشیر تا ازاں تو۔ مؤلف

وہ صاحب رسالہ البلاء المبین (کہتا ہے کہ کربلا کا معرکہ شہادت معنوی طور پر وہ عظیم المرتبہ امانت تھی جس کو قدرت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے حضرت اسماعیل کے خاندان میں سپرد کیا تھا اور سلسلہ ہجری میں عاشورہ کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام نے نہایت ہی استقلال اور ثابت قدمی سے ادا کر دیا۔ یہ وہی ودیعت تھی جو خاندان اسماعیل میں علی آتی تھی اور جس کے ادا کرنے اور بار اٹھانے کا کوئی متحمل نہیں ہو سکتا تھا بالآخر اس کے سچے امین نے نہایت خوشی سے تسلیم و رضا کے ساتھ ذیج عظیم کی پیشین گوئی پوری کر دی اور بی بی ہاجرہ کی مبارک نسل کا وعدہ بی بی فاطمہ کی مقدس نسل نے کامل طور سے وفا کر دیا۔ یعنی دہم محرم کو حسین ابن علی علیہ السلام نے اوس وعدہ کی تکمیل کر کے اپنے دادا اسماعیل ابن ابراہیم علیہما السلام کی سبکدوش کر دیا۔ یمنیوں احادیث متواترہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہادت حسین علیہ السلام کا مکرر پہنچنا ثابت کر رہا ہے کہ خداوند عالم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے مطلع کرنا یوں بے معنی نہیں تھا۔ بلکہ یہ وہی وعدہ تھا جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علی نبینا والہ علیہما السلام سے لیا گیا تھا اور گویا یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ جس قربانی کی بنا حضرت اسماعیل سے ہوئی۔ خاندان مصطفویٰ اور دودمان مرتضویٰ کے چشم و چراغ جناب امام حسین علیہ السلام کی ذات پر ختم اور کامل ہو گئی۔ دیکھو اگر امام حسین علیہ السلام چاہتے تو فقط بزرگدھنوں سے بیعت کر کے اپنی اور اپنے اہلبیت کی نگاہ خلاصی کر لیتے۔ امام حسین علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے وہ منجوس سماں اور نامبارک منظر پیش نظر تھا جس میں وہ بے خانہاں ہو کر جام شہادت پینے لگے وہ بخوبی جانتے تھے کہ اون کے بعد ان کے اہلبیت اور ذریت کے ساتھ ظلم و ستم میں دشمنان دین کوئی کمی نہیں کریں گے۔ بچوں کی آہ و زاری۔ عورتوں کی بے قراری۔ ایسا مقام۔ جہاں بجز ذات باری نہ کوئی مونس و معین۔ نہ مہدم و ناصر اپنی جا عت قلیل اور اشتیاق کی کثرت۔ آفتاب کی تمازت۔ بانی کا مطلق بند ہونا۔ یہ سب باتیں کیا اس امر کے لئے کافی نہیں تھیں کہ ایک انسان کا دل ہلکا کرے اور اس کو امور مخالف طبع کے قبول کرنے پر آمادہ کریں کیا کوئی آدمی اپنی بشری ہستی میں ایسی سختیوں اور بلاؤں کا متحمل ہو کر اپنی و جہدانی صداقت اور ایسانی قوت پر قائم رہ سکتا ہے۔ مگر ہاں فاطمہ زہراؑ کے فرزند حسینؑ نے یہ ساری مصیبت اور مصوبت اپنے سر لے لی اور آنکھوں کے سامنے ننھے ننھے بچے اور عزیز قتل ہو گئے۔ جس دریا سے چرند و پرند سیراب ہوتے تھے۔ وہ اوس سے محروم رکے گئے تھے۔ دھوپ کی تکلیف اٹھائی۔ بھوک پیاس کے صدمے اٹھائے۔ خیمہ جلائے گئے۔ خود جسم پر بے شمار زخم کھائے۔ لیکن ودیعت اسماعیلی کے ضامن

اور امانت ابراہیمی کے میں نے ۵۰ برس تسلیم غم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ دم مارنا کیسا یہ ہی تو زبان سے نہ نکلا کہ خدا یا اس بلا سے مجھے نجات دے یا یہ آزمائش مجھ سے ٹال دے۔ مگر باوجود ہزار مسائب کے ذرا بھی بے قرار نہ ہوا۔ اور تمام شب اس بار کے اٹھنا لینے اور امتحان میں پورا اترنے کی دعاؤں میں مشغول رہا۔ واقعی امام حسین علیہ السلام کیوں بے قرار ہوتے۔ وہ ایسے نہ تھے کہ اپنے دوا کی امانت کو ادا نہ کرتے اور اپنے نانا کی امت کی کشتی نجات کو گرداب ضلالت میں ڈوبنے دیتے۔ بلکہ انہوں نے اس جوش کو پورا کر دیا۔ جو حضرت ابراہیم کے دل میں پیدا ہوا تھا اور اس طوفان سے بچا دیا۔ جس میں امت محمدیہ غرق ہو چکی تھی۔

(از رسالہ البلاء المبین)

عرب میں اسماعیل کی تبلیغ رسالت کی ضرورت

زیچ اسماعیل کے عظیم الشان واقع کو اسکی تمام تفصیلی خبریات اور کھلیا کے ساتھ بیان کر کے ہم اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں اور جناب اسماعیل علیہ السلام کے بقیہ حالات کو قلمبند کرتے ہیں۔ جناب اسماعیل کے طرز معاشرت اور آپ کے مقدس حالات کے متعلق جہاں تک کتب معتبرہ سے تفحص کیا گیا ہے۔ یہ پایا جاتا ہے کہ آپ اپنے تمام اوصاف و کمال میں اپنے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمونہ تھے۔ خلق و غزوت، محبت و شفقت، اکرام و ضیف، لطف و مدارا کے صفات سے خاص طور پر مزین و مہرور تھے اور مشہور و نزدیک و دور اور یہ تمام امور اسی سے ثابت ہیں کہ قبیلہ جرہم اور علاقہ یمنی کے تمام قبائل عشائر جو ایک زمانہ دراز سے خانہ بدوشی اور پریشان حالی میں ادھر ادھر زندگی بسر کر رہے تھے، آپ کے اخلاق و اشفاق کے گرویدہ اور زیر احسان ہو کر ہمیشہ کے لئے مکہ میں آکر اس طرح بس گئے کہ پھر اپنے اصل موطن و مسکن کی طرف رخ بھی نہ کیا اور اسمیں ہی کوئی کلام نہیں کہ قبیلہ جرہم کی وجہ سے حضرت اسماعیل کو بھی اپنی ضروریات میں بہت سی آسانیاں اور سہولیت حاصل ہوئیں۔ جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

جناب اسماعیل ہی حضرت ابراہیم ہی کے زمانہ حیات سے تبلیغ رسالت کے درجہ پر فائز تھے۔ مگر حضرت لوط کی طرح تار و زلفات حضرت ابراہیم اپنے پدر بزرگوار کی شریعت کے شعبہ خاص کو قوم عرب کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جہاں حضرت صالح کے بعد سے سلسلہ ہدایت و ارشاد اور ذریعہ تعلیم و تلقین معرفت الہی کو یا مسدود و مفقود ہو چکا تھا۔ اور نظام مشیت کو ان بادیہ نشین قوموں کو بھی اپنی معرفت و ہدایت کے فیوض پہنچانے منظور تھے۔ اور نہایت ضرور اسلئے کہ یہی ذلیل اور حقیر ترین قوم

ایک زمانہ میں بہت بڑی کامل المعرفت اور عظیم الشان قوم ہونے والی تھی۔ اور تمام اہم سابقہ کے مقابلہ میں خیر الامۃ اور امت مرحومہ کے خاص خطاب و القاب پائیے۔

جناب اسماعیل علیہ السلام وہ پہلے مقدس بزرگوار ثابت ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اہم قوموں کے بعد از سر نو عرب کے نیم وحشی قوموں کی تعلیم و ہدایت کا ذمہ اٹھایا۔ اور انکو دینی۔ قومی اور اخلاقی۔ آداب و تمدن بتلائے۔

اوس وقت عرب کے اوس وقت جاہل عرب کی قوموں کے کیا عقاید تھے۔ شکل سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر جو کچھ ہی جتنہ جتنے حالات۔ قدیم کتبات۔ علمائے اثربیات کی جدید تحقیقات اور اکتشافات یا ایام عرب کے قدیم اشعار سے پائے

جاتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی آوارہ اور سرسبز اقبوس کسی خاص عقیدہ کی پابند نہیں تھیں۔ جس طرح ان کے جدا جدا قبیلے اور قومیں تھیں اسی طرح ان کے مرسومات اور عقائد بھی جدا جدا تھے۔ مدینہ۔ وادی القریٰ اور علاقہ یتما کے قرب و جوار کی باویشین عربوں کا کوئی خاص مذہب تحقیق نہیں ہوتا۔ صحرائی اور کوہستانی عرب اوہام پرست تھے۔ یمن کی قومیں اکثر سارہ پرست تھیں اور باقی بت پرست۔ طور اسلام نکس اوہام پرستیوں کے اثر باقی تھے۔ غزوہ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ کے متعلق مورخین و محققین اسلام نے جہاں اور مختلف اقوال لکھے ہیں۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اس مقام پر قبا نامی ایک بہت بڑا قدیم درخت نہایت مشہور و معروف تھا جس کو اہل عرب پوجتے تھے اوس سے دعائیں مانگتے تھے۔ اور اوس پر خرچہ کرتے پڑھاتے تھے۔ زرقانی جلد دوم ص ۹۵

حضرت اسماعیل علیہ السلام انہیں نیم وحشی عربوں اور صحرائی قوموں میں۔ خدا کا وجود۔ اوس کی وحدت محض۔ اور اوس کی عبادت کی تعلیم و ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ اور خدا سے بجا نہ نعالی نے تبلیغ رسالت کی انجام دہی میں ان کے مساعی جمیلہ کو کامیاب فرمایا۔ اور اوس کے ثبوت میں تھوڑے ہی دنوں کے بعد عرب کے ان صحرائی قوم و قبائل کا خدا کے وجود۔ اوس کی وحدت اور قدرت کا قائل ہو کر ایام حج میں اوس کے مقدس گھر کے قریب جمع ہونا۔ خاتمہ کعبہ کو بہت اہم اور اپنا معبود سمجھنا اور حضرت اسماعیل کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق۔ اوس کی عظمت۔ حرمت اور آداب کے اظہار میں مناسکات حج کا ہر سال بجا لانا۔ صاف صاف بتلائے ہوئے کہ تعلیم و ہدایت اسماعیل کے فیضان نے۔ ان کے پھر یلے دلوں میں خدا کے وجود۔ عظمت اور معبودیت کے اثر قائم کر دئے تھے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ رسالت میں۔ حضرت لوط۔ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحق علیہم السلام

ایک شریعت ابراہیمی کے قطع بیلغہ اور داعی ثابت ہوتے ہیں اور دیگر انبیاء و مسلمین کی آنے والی شریعتوں میں اسکی بہت کم مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اسی سے شریعت ابراہیمی کی عظمت اور اسکی تبلیغی دائرہ کی وسعت ثابت ہوتی ہے اور کیونکر نہ ہوتی۔ ارض شام اور بابل سے لیکر مصر اور مالک عمالین تک ایک طرف اور ہر عراق عرب سے لیکر حجاز و یمن تک کے تمام قطعات ملک میں انکی دعوت کے اعلان بلند تھے۔ ان ملکوں کے تمام قبائل و عشائر آپ کی نبوت کو تسلیم کر چکے تھے۔

حضرت لوط، حضرت اسماعیل و اسحاق سے پہلے علاقہ حاران میں شریعت ابراہیمی پھیلا رہے تھے۔ حضرت اسحاق و فلسطین اور مالک مصر سے ملے ہوئے مقامات میں رسالت ابراہیمی کی تبلیغی خدمات انجام کر رہے تھے اور حضرت اسماعیل ملک عرب اور علاقہ یمن میں پاسپہ کی طرف سے تعلیم و ہدایت پر مامور تھے۔

طبرہ معاشرت | یہاں تک کہ پچھنے ہوئے اور ہدایت کے متعلق حضرت اسماعیل کے حالات ظہور تھے۔ اسباب آپ کے طرز معاشرت اور دیگر حالات کی نسبت جہاں تک تفصیل کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دور کے وقت سے آپ کی حیثیت کا ابتدائی حصہ ثباتی اور گوسفند رانی میں صرف ہوا ہے۔ اسی کے ضمن میں ہمیں تمکار کے مشاغل بھی داخل ہیں اور یہ خاصہ ہے جمیع انبیاء و مرسلین کی مبارک سیرتوں کے متعلق اس اکثریت پائی جاتی ہے کہ اکثر تحقیقین، فقیہین اور مؤرخین اسکو حصول نبوت اور رسالت کا مقدمہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور عمداً سیرت انبیاء علیہم السلام پر ظاہری نظر ڈالنے سے ان مقدمہ میں نظام کے دائرے میں کوئی فرد واحد اس خدمت اور مشغلہ سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔

اکثر تحقیقین نے اس کے متعلق یہ مختار قائم کیا ہے کہ اس خدمت میں ان بزرگواروں کو مریدانوں، برگشتہ لوگوں اور کوہستانوں ہیں۔ استفراق فی وجود اللہ کی نسبت، جاہلیت اور قدرت الوہیہ کے علم و حکمت کے نشا ہر قرار ہے۔ کا ہمیشہ اور انسان ذریعہ حاصل ہوا کرتا ہے، جو ہر نبی اور رسول کی سیرت کا جزو ضروری ہے اور بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آغاز حالات میں پوری تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

جناب اسماعیل علیہ السلام کے اس زمانے اور معرفت الہی کی مشق و ریاضت کے متعلق ایک قدیم روایت اس زمانے کے بہت پرے عابد متراض کی زبانی اسلام کی اکثر تاریخوں میں مذکور ہے۔ اس کو ہم حیات القلوب جلد اول کی اصل عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ایک روز جناب ابراہیم علیہ السلام گہرے باہر سفر پر تھے اور مختلف شہروں میں مخلوقات خدا کے مشاہدات سے عبیرت حاصل کرنے کیلئے سیر فرما رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک صحرا

روز سے حضرت ابراہیم علیہ السلام رفت بیرون دور شہر نامی گشت کہ از مخلوقات خدا عبیرت گیرد۔ پس بگذشت بہر بابا۔ ناگاہ دید شخصے را کہ استوار است

دنہاں بیگہ دارو۔ و صدائش باسمان بلند شدہ است و
جاہائش از مو است پس ابراہیم نزد او ایستاد و از نماز
او تعجب کرد پس نشست تا او از فارغ بشود و چون
بسیار طول انجامید اورا بدست خود حرکت داد و گفت
من بسوئے تو حاجت دارم سبک کن نماز خویش را
پس او سبک کرد نماز را و با ابراہیم نشست پس
ابراہیم از او پرسید کہ بر آئے کہ نماز مسکیر دی گفت
بر آئے خداے ابراہیم۔ ابراہیم گفت خداے ابراہیم
کیست گفت آنکہ خلق کردہ است ترا و مرا ابراہیم
گفت طریق تو مرا خوش آمدہ و من دوست میدارم
کہ با تو برادر می کنم از بر آئے خدا پس بگو منزل تو کجاست
کہ ہر گاہ بخوام ترا ملاقات کنم زیارت نمایم تو انہم
کرد گفت تو با سخا نمی توانی آمد۔ زیرا کہ در میان دریا
است کہ از انجا عبور نمیتوان کرد۔ ابراہیم گفت تو
چگونہ میروی گفت من بروئے آب میروم
ابراہیم گفت شاید آنکس کہ آب را بر آئے تو مستحضر
کردہ است بر آئے من نیز مستحضر گردانہ بر خیز برویم
و امشب با تو در یک اطاق باشیم پس چون آب
رسیدند اندر بسم اللہ گفت و بروئے آب روانہ
شد ابراہیم نیز بسم اللہ گفت و بروئے آب روانہ
شد پس آن مرد تعجب کرد۔ چون بمنزل رسیدند
ابراہیم گفت تعقیبش تو از کجاست گفت پیوہ ابن
درخت را جمع میکنم و در تمام سال باں معاشر میکنم
ابراہیم گفت کہ درام روز عظیم تراست از ہمہ روز ہا
عاید گفت روزی کہ خدا جزا و ہر خلایق را بر کردہ

میں پہنچے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔
اوسکی نماز پڑھنے کی آواز گویا آسمان تک جاتی تھی۔ وہ
بالوں کے کپڑے جسم پر پہنے ہوئے تھا ابراہیم اوسکے پاس کھڑی
ہو کر اوسکی نماز پر تعجب کرنے لگے اور پھر بیٹھ کر اوسکے نماز سے
فارغ ہونیکا انتظار کرنے لگے۔ مگر جب زیادہ دیر ہو گئی تو آپ
نے ہاتھ بڑھا کر اوسکے جسم کو حرکت دی اور ارشاد کیا کہ نماز کو
کم کرو جبہ کو تم سے کچھ حاجت ہے۔ اوس نے اپنی نماز کو کم
کر دیا اور ختم کر کے ابراہیم کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ابراہیم نے پوچھا کہ
نہنے کس کی نماز پڑھی ہے۔ اوس نے کہا کہ ابراہیم کے خدا کی
ابراہیم نے پوچھا ابراہیم کا خدا کون ہے۔ کہا وہی ہے جس نے
مجھ کو اور تجھ کو پیدا کیا ہے۔ یہ سن کر ابراہیم نے کہا کہ تیرا طریقہ بچہ
بہت پسند آیا۔ میری خواہش ہے کہ راہ خدا میں بیس تیرے
ساتھ اخوت (بھائی چارہ) اختیار کروں۔ اب بتاؤ تمہارا گھر
کہاں ہے۔ کہ میں جب چاہوں وہاں آکر تم سے ملاقات
کروں۔ اوس نے جواب دیا تم وہاں نہیں آ سکتے۔ کیونکہ دریا
میں دریا ہے۔ جسے تم عبور نہیں کر سکتے۔ ابراہیم نے پوچھا تم
کیسے جاتے ہو۔ جواب دیا کہ میں تو پانی چلے جا ہوں۔ ابراہیم نے
کہا کہ جس نے پانی کو تمہارے اختیار میں کر دیا ہے وہی پانی
کو میرے اختیار میں بھی کر دے گا۔ یہ کہہ کر ابراہیم نے کہا کہ
اوٹھو اور آج کی رات ہم تم ایک جگہ ساتھ رہیں۔ اسکے بعد
وہ اٹھ کر چلے جب دریا پر آئے تو اوس مرد عابد نے بسم اللہ
کہی اور پانی پر چلا گیا۔ ابراہیم نے بھی بسم اللہ کہی اور اوسی طرح
پانی پر چلے گئے۔ اوس مرد عابد نے تعجب کیا جب کہ میں پوچھ
گئے تو ابراہیم نے پوچھا کہ تم یہاں کھاتے پیتے کیا ہو۔ اوس نے
کہا میں ساٹنے والے درخت کے میوے۔ اسکے میووں کو

ایشان۔ ابراہیمؑ گفت: بیا دست بردار و ابراہیمؑ و دعا کنیم کہ خدا مارا از شر آں روز نگھدارد بایں را۔ و در روایت دیگر آمده کہ ابراہیمؑ گفت کہ دعا کن تا من آمین گویم تا من دعا میکنم و تو آمین بگو۔ عابد گفت از برائے چه دعا میکنم ابراہیمؑ گفت از برائے آفرینش گناہان مومنان عابد گفت نہ ابراہیمؑ برسد چرا عابد گفت از برائے اینکه سه سال است کہ دعا میکنم و هنوز مستجاب نشده است و دیگر شرم میکنم کہ از خدا حاجت بطریق آں ہم مستجاب نشود ابراہیمؑ گفت خدا ہر گاہ بندہ را دوست میدارد و دعایش را حبس نمیگرداند کہ از او مناجات کند و سوال کند و از او طلب کند و چون بندہ را دشمن میدارد و دعایش را زود مستجاب میکند کہ باز صدایش بسمع قدرت نماید و درویش چنان یا س می افکند کہ دعائی کند پس ابراہیمؑ پرسید کہ چه مطلب است کہ در این مدت از خدا طلبیدہ عابد گفت روزے در آن جائز میکردم ناگاہ طفلے در نہایت حسن و جمال گذشت کہ نور از جنبش ساطع بود و کاکلے از قفا انداختہ بود و گاو سے چند می چرانیدہ گویا روغن انہا بر مالبدہ بودند و گوشت چند نیز ہمراہ داشت در نہایت فرہی و خوش آئندگی مرا از انچه دیدم بسیار خوش آمد و گفتم اے کوک زباز کہیت این گاو و گوشت را گفت از من است گفتم تو کیستی گفت من اسماعیل پسر ابراہیم خلیل اللہ ہستم پس دعا کردم و از خدا سوال کردم کہ خلیل خود را بمن نماید پس ابراہیمؑ گفت منم ابراہیم خلیل اللہ و آں پسر

ایکبار جمع کر لیتا ہوں اور انھیں کو سال بہر کہا یا کرتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ تمام روزوں سے عظیم ترکون روزے اونے جواب دیا کہ وہ دن سب دنوں سے عظیم تر ہے جس دن خدا سب بندوں کو جزا و سزا سے اعمال کیلئے طلب فرماوے۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ آؤ ہم تم ملکر تمام مومنین گناہگاراں کے لئے اس روز کے عذاب سے محفوظ رکھے جائے گی دعا مانگیں اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ ابراہیمؑ نے کہا کہ میں دعا کروں اور تم آمین کہو یا تم دعا کرو میں آمین کہوں۔ عابد نے پوچھا کیا دعا کرو ابراہیمؑ نے کہا کہ عاصیان مومنین کے لئے۔ عابد نے کہا نہیں میں دعا کروں گا۔ ابراہیمؑ نے کہا کیوں۔ عابد نے کہا اسلئے کہ تین برس ہو گئے ہیں نے خدا سے ایک امر کے لئے دعا مانگی تھی او وہ ابھی تک قبول نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے مجھے خدا سے اب دعا مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کہیں یہی مستجاب نفرمائی جائے ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ خدا نے عالم جس بندے کو دوست رکھتا ہے اوسکی دعا کو اسلئے تاخیر اجابت میں رکھتا ہے کہ وہ بار بار دعا کرے اور خدا بار بار اپنے دوست کی صدا کو سنے اور جس کو دشمن رکھتا ہے اوسکی دعا کو جلد مستجاب کر دیتا ہے کہ اوس کی بد آواز کو بہر نہ سنے۔ یا نہیں تو۔ اوسکے دل میں ایسی مایوسی پیدا کر دیتا ہے کہ وہ طلب دعا کرتا ہی نہیں۔ پھر ابراہیمؑ علیہ السلام نے پوچھا تو نے کس مطلب کے لئے خدا سے دعا مانگی تھی۔ عابد بولا حال یہ ہے کہ ایک دن میں اسی جا اپنی ناز پڑھتا تھا کہ اتنے میں نہایت قبول صورت اور وجہ ایک لڑکا نما پاں ہوا جس کی پیشانی سے نور ہو رہا تھا شکار تھا اور ایک کاکل بھی اوسکے پیچھے پڑی تھی اور چند کائیں چراتا تھا۔ زبہی سے گاؤں کا یہ عالم تھا جیسے کہ اوسکے بدن پر روغن مل دیا ہے۔ اوسکے ساتھ چند بھیریاں بھی تھیں اور

اسماعیل است عابد گفت احمدا اللہ رب العالمین کہ
و عاصی او متجاہد نہیں ابن شمس ہر دو دستہ و
رو سے ابراہیم را پوشید دوست در گردن او در آورد
گفت احمال و عاکل تا آئین برو عاصی تو گویم پس عا
کہ و ابراہیم مومنین و مومنات را از او روز تاج تیاست
تا آنکہ گناہاں ایشان را بہ ہر زودار ایشان را ہی
بشود عابد امین گفت برو عاصی ابراہیم تا ہم آن عابد
مارہ ابن او پس بود و عمرش شش صد و شصست
سال بود

ہی نہایت خوش اور بجاں تھیں۔ میں نے اوس سے پوچھا کہ یہ
گائیں اور بیڑیاں کس کی ہیں۔ اوس نے جواب دیا میری ہیں
میں نے پوچھا تم کو کون؟ وہ بولا میں اسماعیل پسر ابراہیم خلیل اللہ
ہوں۔ یہ سنکر میں نے اوس وقت خدا کی درگاہ میں دعا کی کہ پروردگار
تو اپنے خلیل کی زیارت مجھے کرے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابراہیم نے
ارشاد فرمایا کہ میں نبی خلیل اللہ ابراہیم ہوں۔ اور وہ میرا فرزند
اسماعیل تھا۔ یہ سنکر عابد بولا۔ احمدا اللہ رب العالمین کہ میری عا
متجاہد ہوئی۔ یہ کہہ کر وہ اپنی جنگہ سے اٹھا اور حضرت ابراہیم
کے دستہ و جمیع کے بوسہ لئے اور ہر اپنے ہاتھ اون کی
گردن میں ڈال کر عرض کی کہ اب آپ و عافرا میں ہیں آئین

کہوں گا۔ ایک بعد حضرت ابراہیم نے تمام مومنین و مومنات کی امرزش گناہان کے لئے اوس وقت سے لیکر تیاست تک کے دن
کے لئے دعا مانگی اور اون سے راہی و خوشنود رہنے کی مسلت فرمائی۔ وہ عابد آپ کی دعا پر برابر آئین کہتا رہا۔ اوس عابد کا نام
مارہ ابن او پس تھا اور عمر اوس کی چھ سو ساٹھ برس کی تھی۔

(حیات القلوب جلد اول ص ۱۱۲)

واقعہ مذکورہ بالا سے حضرت ابراہیم کی عظمت کے ساتھ جناب اسمعیل کی عابد مرتبتہ و ذہنوں کی گلہ بانی
جو قول ثلثی صاحب حقہ میں جہان بانی کا دیباچہ ہے۔ ثابت ہو گئی۔ اور یہ وہ منصب رب روحانی ہے جو انبیاء
موسلین کے طبقہ کرام میں ہر ہر بزرگوار کو عطا فرمایا گیا ہے۔ اس بنا پر یہ امر کمال طور سے متحقق ہو گیا کہ نزول مکہ معظمہ
کے وقت سے آپکا ابتدائی زمانہ پہلے معرفت الہی کے اسی مقدمہ سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ روایت مذکورہ بالا
میں مارہ ابن او پس نے بکمال خفہ صیت حضرت ابراہیم سے اس خدمت کا ذکر کیا ہے اور جناب ابراہیم نے
ہی اوسکو بغایت رضا و پسندیدگی تسلیم فرمایا۔

اسی مشغلت کے بعد صیاد و شکار کا شغل بھی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے اوپر نقل ہو چکا کہ تب
قدیمہ کے اخبار و اسفار سے ہی جس کے حوالہ و اعتبار پر مغربی تحقیقات کے زیر اثر آئے ہوئے حضرت اسوۃ
بمضرت لبیک کہنے کو تیار بیٹھے ہیں حضرت اسمعیل کے این مشاغل کا پورا پتا ملتا ہے۔ اور توراۃ کے نسخوں
میں متواتر مقامات پر آپ کی تیر اندازی اور آپ کا ایک مشہور تیر انداز ہوتا مذکور ہے۔ اسلامی محققین کا بھی
یہی مختار ہے۔ کیونکہ یہ فنون اور ادن کی مشق شجاعت و دلیری کا شہید خاص ہے اور یہ دونوں اوصاف چرچاے

تو بت اور پھر رسالت کے لئے ضروری ہیں۔
 معاشرت کے متعلق ظاہر ہوتا ہے کہ قبیلہ بنی جرہم نے آپ کو کافی مدد و پونجائی اور حقیقتاً ہی لوگ
 آپ کی معاشرت کی دوستی اور تہنیت کے باعث ہو سکے۔ اور کیونکر نہ ہوئے چاہے اسماعیل نے بھی
 توانو کو خط آپ کی خدمت میں پہنچا دیا جس کے لئے وہ تمام دشت و بیابان میں پریشان و حیران
 تھے۔ اسی عالم پریشانی میں جناب اسماعیل اور ان کی مادر گرامی قدر کا اپنے اوس قدرتی چشمہ پر مشعر
 ہونے کی بدلا عذر اچھا رست و پرہیزا۔ چو خدائے دہر سے دعا ہے کہ اُنھیں غصہ و عداوت پر قابو نہ آئے اور
 اُن کے قیام کرنے اور ہمیشہ رہنے کیلئے ہاتھ مل راضی ہو جائے۔ وہ احساسات، تخیل و ہمت کے
 لئے کبھی بھولنے والے نہیں تھے۔ اس بنا پر ان لوگوں نے اپنے اپنے فیصلے اور مہربان حال کشمکش کی
 نصرت و حمایت کا اپنا فرض سمجھ لیا۔ حیات القلوب کی مفصلہ ذیل عبارت سے اس کی پوری حقیقت
 معلوم ہوتی ہے۔

حضرت ہاجرہ نے بنی جرہم کو اجازت دی۔ وہ قریب ان کے آباد
 ہو گئے اور اپنے غیور قبیلہ کے لوگوں کے اور رہتے رہتے حضرت
 اسماعیل کے ساتھ ان کو اُن کی تیسری بار تہنیت حضرت
 ابراہیم پر آئے تو اُنھوں نے ان کی تہنیت اور آبادی دیکھ کر بہت
 خوش ہوئے۔ حضرت اسماعیل نے انھیں لوگوں میں نشو و نما
 پائی۔ اور ان میں سے ہر ایک شخص نے ایک ایک قبیلہ بنی
 کوئی۔ یہاں تک کہ ہر ایک قبیلہ ہو گیا اور وہی باعش معاشرت و
 نرید معاشرہ ہوا۔ (ص ۱۲۹ ج ۱)

ہاجرہ پر ہم نے اس شخص سے سخت کہ نزدیکی ایشیا
 فرود آمد و شہر سے خود روند و ہاجرہ و اسماعیل با
 ایشیا اُن کے رفت و در تہنیت ہوم کہ ابراہیم بدیدن
 ایشیا آد و کثرت ہوم و آبادانی و در دور ایشیا
 و بدشتا پس اسماعیل نشو و نما کرد و در قبیلہ جرہم و ہر
 ایک از ایشیا کہ کتبہ کو شد با اسماعیل بنشیند تا آنکہ
 کتبہ بسیار شد و بالانقشہ بنسکرد

بنی جرہم میں شادی نہ کردہ بالا اسناد سے حضرت اسماعیل کی دوستی اور تہنیت میں بنی جرہم کا پوری
 ہمدردی و تہنیت ظاہر ہو گیا۔ آگے چل کر ان کے غیبت اخلاص و تہنیت کے اختتام میں بنی جرہم کی ہمدردی
 حضرت اسماعیل نے قبیلہ جرہم کے رئیس مضامین ابن عمر انجری کی لڑکی ربابہ نامی سے عقد کر لیا۔ مگر ان کا یہ دوسرا
 عقد تھا جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ ابن سعد بطریقاً میں اس کا نام لایا ہے۔
 کتبہ کے اسناد سے ثابت ہے۔

اسمعیل کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل کی لڑکی قوم غلامی سے تھیں
 حیدر کی لڑکی اور یہ ان کی بہن تھیں لڑکی سے پہلے تھیں۔ یہ دوسری

و کانت کا نام اسمعیل امر حۃ من علیق ابنتہ
 صید ہی قبیل ابجرہم تھیں وہی ان کی کان چاواھا

ابراہیم فجفتہ فی القول فصار قہا ۱۲ سہیل
 لم تلدا لہ شیئا
 اس سے اسمعیل کی کوئی اولاد نہیں ہوئی (طبقات ج ۱ ص ۲۵)

صحیح بخاری اور طبقات کی عبارتوں سے حضرت اسمعیل کی دو بیویوں کا ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔ مگر بخاری سے دونوں بیویوں کا چہرہ نہیں ہونا ظاہر ہوتا ہے اور یہ خلاف مشہور و مجہور ہے۔ طبقات کی عبارت اور لکھ چکی گئی ہے۔ کلیں کا قول نقل ہو چکا ہے تمام متفقین و مورخین اسلام کا قریب قریب یہی مختار ہے۔ توراۃ کی عبارت سے بھی۔ جو سرسید و خطبات احمدیہ میں نقل فرمائی ہے اور جس کو ہم حضرت ہاجرہ کی ہجرت کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ حضرت اسمعیل کا پہلے ایک مصری لڑکی سے شادی کرنا ثابت ہوتا ہے۔

سید صاحب نے بلا تامل اسی کو صحیح تسلیم کر لیا ہے اور اپنی ذاتی رائے و قیاس کی اصابت پر اعتبار کر کے اسی کو اسناد لائے پیش کیا ہے۔ جب آپ کے استدلال پر نظر ڈالی جاتی ہے تو سوائے توراۃ کی تقلید کے کوئی اہمیت نہیں پائی جاتی توراۃ کا فارسی ترجمہ جو نقل کیا گیا ہے۔ اُنہیں مصری عورت کا لفظ ضرور ہے مگر نقل کے ساتھ سید صاحب کو عقل سے بھی تحقیق کر لینا ضرور تھا کہ وہ مصری عورت اوسوقت حجاز میں اور خاص کر مکہ میں آئی کہاں سے؟ کیونکہ کوئی تاریخ اور کوئی سیر اوسوقت حجاز اور مصر میں آمد و رفت جاری رہنے کا پتا نہیں بتلا تیں۔ اور کیونکہ بتلا سکتی ہیں حجاز تو ذریت ابراہیمی کی تشریف آوری کے وقت ایسا غیر آباد اور ویران بیابان ثابت ہوتا ہے۔ جہاں انسانی آبادی کا ممکن ہونا ہی قریب الحمال ہے۔ اس بنا پر ایک محقق مشکل سے اس عورت کا مصری ہونا تسلیم کر سکتا ہے۔ اس لئے کلیں کا وہ قول جو طبقات ابن سعد کے حوالے سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ زیادہ تر اعتبار کے لائق ہے۔ کیونکہ وہ امۃ من عالمی قوم عالمی کی ایک عورت کہتے ہیں اور یہ تاریخی شاہد سے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ تمام تاریخوں کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ سب سے پہلے مکہ کی آبادی بنی جرہم سے ہوئی۔ اور اوس کے بعد قبیلہ عالق کے لوگ یمن سے آکر آباد ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ سے حضرت اسمعیل کی شادی جو اپنے زمانہ میں کی اور جو توراۃ میں بھی مذکور ہے۔ وہ اسی عالمی یمن کی لڑکی تھی جس کے باپ کا نام کلیں نے صیدی بتلایا ہے۔

اب اس مقام پر سید صاحب کا تیسرا ہی صحت تاریخی سے قریب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ خطبات میں^{۱۳} میں تحریر کرتے ہیں۔

یہ بھی قرین قیاس ہے کہ بنی جرہم نے ابتدا میں اپنی قوم کی بیٹی کو حضرت اسمعیل کے نکاح میں دینے سے تامل کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ حضرت اسمعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہوں گے۔ مگر باہم

سکونت پذیر ہونے سے وہ خیال جاتا رہا ہوگا اور اسی سے یقین ہوتا ہے کہ انکی دوسری بیانی جہنم کی قوم سے تھیں۔“

اب مصری کی جگہ سید صاحب اگر عمالیتی لکھ دیں اور تسلیم کر لیں تو پھر اون کے اوپر جمع محققین و محدثین اسلامی کے اقوال و مختار میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ شاید سید صاحب کو اس میں تامل ہو۔ تو ہم بتا دیں ہیں کہ مترجمان توراۃ کو ترجمہ کرتے وقت ضرور سہو ہوا ہے۔ وہ عمالیتی سے عمالقتہ مصر سمجھے ہیں اور اسی لئے اونہوں نے اس عورت کی قومیت کے اظہار کی جگہ صرف اس کی سکونت بتلا دی ہے۔ اور قومیت کی حقیقت نہیں بیان کی۔ حقیقت یہ ہے کہ عمالقتہ کہہ میں سے ایک عورت تھی اور یہ عمالقتہ ہی وہی تھے جو یمن سے آکر جہنم کے بعد کہہ میں آباد ہو گئے تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اگر اس تحقیق پر ہی اطمینان ہو اور یہ تعریف پیش کی جائے کہ عمالقتہ یمن ہی عمالقتہ مصری کی ایک شاخ ہے۔ اگرچہ یہ بھی شہوت طلب ہے۔ مگر ہم اونکے بتلانے کو تیار ہیں کہ مصر کی تمام قومیں ہی آخر میں اہم سامیہ کی ذریات اور عقاب و اخلاف ثابت ہوتی ہیں جو اصلاً اور نسلاً خاص الخاص عرب تھے۔ جیسا کہ اہم سامیہ کے ذکر میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔

فاضل معاصر صاحب ارض القرآن نے اسکی بحث میں جو اپنا مختار قائم کیا ہے۔ ہم کو اس سے پورا اتفاق ہے اور ذیل میں ہم اسکو نقل کر دیتے ہیں۔

حضرت اسماعیل کی بی بی کا جہمی یا مصری ہونا کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ اس امر میں یہی عرب مصر کے حکمران قبائل تھے۔ اس بنا پر وہ عورت جہمی ہی ہو سکتی ہے اور مصری ہی۔ نیز مسلمانوں (بخاری) اور یہودیوں (تالمود) کی روایت میں مذکور ہے کہ اسماعیل نے دو بیویاں کی تھیں بلکن ہے کہ ایک مصری ہو اور ایک جہمی۔ ارض القرآن ص ۵۲

وفات اسماعیلؑ۔ حضرت اسماعیل کے تمام حالات قریب قریب اپنے مندرجہ بالا سلسلہ بیان میں قلمبند ہو چکے آخر میں ہم کو اتنا بتلانا ہی ضروری ہے کہ آپ نے اپنی مقدس حیات کا زمانہ تبلیغ رسالت کی خدمات اور اس کی انجام دہی میں صرف فرمایا۔ آپ کی تبلیغ و دعوت کا دائرہ علاقہ حجاز سے اٹھکر ممالک یمن و حضرموت تک پہنچا ہوا تھا۔ اس بنا پر ظاہر ہوتا ہے کہ یمن اور اس کے سرحدی اقوام و قبائل میں ہی شریعت ابراہیمی اور دعوت اسماعیلی جاری ہو چکی تھی اور جناب اسماعیل جس طرح حجاز اور اس کے حوالی و اطراف کی بننے والی قوموں کی ہدایت کیواسطے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح یمن اور حضرموت کے رہنے والوں کی تعلیم و تلقین پر ہی مخلصانہ مشغول تھے۔

جناب اسماعیل نے ایک سو بیس برس کی عمر میں بمقام نیک انتقال فرمایا اور اپنی والدہ ماجدہ جناب ہاجرہ کے پہلو میں بمقام حجر مدفون ہوئے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

توفی اسماعیل بعد اربعہ فدفنوا بعمل الحجر | حضرت اسماعیل نے اپنے پیر بزرگوار کے بعد انتقال فرمایا اور اپنی ان کے پاس مقام حجر میں مدفون ہوئے (طبقات ص ۲۵)

اُم اسماعیل حضرت ہاجرہ

ہم اپنے سلسلہ بیان میں پہلے اسکے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد و احفاد کا ذکر آغاز کریں جناب ہاجرہ کے حالات کا بیان کرو دنیا نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ جناب اسماعیل کے چار ان خاتون مطہرہ کی عظمت ہی متعصب یہودیوں اور عیسائیوں نے توہین و تحقیر کے غلو و افغانت بیان کر کے ساری دنیا کو گمراہ کر دیا اور عبرتی زبان میں حضرت ہاجرہ کا نام بے وقار کیا۔ اور عربی میں آج بے وقار اسماعیل کا نام ہے۔ طبقات ص ۱۲۰ مگر آگے چلکر بالتدریج پہلے آج سے ہاجرہ ہوا۔ پھر ہاجرہ سے ہاجرہ ہو گیا۔ ہاجرہ ہونے کی اصل وجہ شام سے ہجرت فرمانے کی رعایت خاص ہے۔ اسلامی تاریخ میں ہاجرہ کی ابتدائی حالات میں بالکل خاموش ہیں اور کچھ نہیں بتاتے۔ اس لیے لامحالہ یہودیوں و نصاریٰ کی کتب قدیمہ سے آپ کے آغاز احوال کا تفحص و تحقیق ضروری ہوا مگر او کی حالت معلوم ہے۔ وہ شروع ہی سے انکی توہین و تحقیر چلی اور کھائے پیئے میں شگ آبدست آبد کیسے حقیقت کے چوہا۔ اہل بیت کی مندرستی اور حق کے طالب اپنی شیک غیبی کی کوششوں میں ہمیشہ کامیاب ہوتے تھے اور ضرور کامیاب ہوتے تھے۔ یہی ہم نے جناب ہاجرہ کے متعلق سب سے مضامین پر صاف و قدیم و جدید تحقیق کی غلغلہ دیکھی۔ مگر ان تمام عقلی اور نقلی مباحث و بیان میں وہ بحث جسکو سرسید مرحوم نے مولوی غلامی رسول صاحب خیر اکو کی استنادات سے اپنے خطبات میں ۱۹۲۲ میں تحریر فرمائی ہے اور جس کو انھوں نے الباعث فی صریحہ الیہا ہاجرہ کے عنوان سے مندرج فرمایا ہے۔ یہ سب زیادہ تفصیل اور مکمل سمجھتے ہیں۔ ذیل میں اسی کے اقتباسات کی بقدر ضرورت نقل کر رہے ہیں۔

حضرت ہاجرہ کے ابتدائی حالات سفر الیشیاء میں جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے لکھا ہے کہ شہر بابل دارالسلطنت شرو میں۔ ہمارے تاریخ نویس آؤ اور اہل ایم اور اسکے تمام خاندان کے لوگ رشتے تھے۔ ایک شخص نہایت ہنسنا۔ ذکا الطبع حکیم فطین جو اکثر عظیم مذاہب و مذاہب میں کمال رکھتا تھا۔ رہتا تھا اور اسکا نام زینون تھا۔ مگر وہ بہت سفلس۔ مختار اور غلو کا حال تھا۔ شکر رتی اور سختی سے وطن میں رہنا نامناسب سمجھ کر اس نے ملک مصر کی راہ لی۔ سب وارن ہو چکا اور اسکی بیعت و دانشمندی

باشندگان مصر پر ظاہر ہو گئی۔ تو بادشاہ مصر نے اسکو براہ قدر دانی اعیان سلطنت میں داخل کر لیا۔ رفتہ رفتہ وہ ہاکل
سار و بار شاہی پر حاوی ہو گیا۔ بالآخر وہاں کا بادشاہ ہو گیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس کا لقب فرعون ہوا۔ اسی فرعون
کے زمانہ بادشاہی میں بوجہ قحط سالی جناب ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے مع اہلیت کے مصر میں تشریف لگے۔ قیون
اور ہانغان دونوں عبری لفظ ہیں۔ اور اس سے استدلال ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں عبرانی یعنی بنی حمیر تھے اور کیا
عجب ہے کہ اسی قبیلہ کے ہوں جس قبیلہ کے حضرت ابراہیم ہوں اور ظاہراً اس خیال سے کہ بادشاہ مصر ان کا
ہم وطن یا ہم قبیلہ ہے اس قحط و مصیبت میں حضرت ابراہیم نے مصر میں جائیداد کا خیال و قصد کیا ہو جیسا کہ ہر
ایک انسان کو ایسے موقع پر اس قسم کا خیال ہو سکتا ہے۔ غرض جب حضرت ابراہیم مصر میں پہنچے اور انہوں نے
حضرت سارہ کا اپنی بی بی ہونا ظاہر کیا۔ بلکہ بن ہونی کا جو رشتہ تھا وہ ظاہر کیا تو فرعون نے حضرت سارہ سے
شادی کرنی چاہی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت کچھ دیکر حضرت سارہ کو بقصد شادی کے اپنے گھر لے گیا
اس واقعہ سے بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ فرعون بادشاہ مصر کو بسبب ہونے ہمتوم کے زیادہ تر حضرت سارہ
سے شادی کرنے کی رغبت ہوئی تھی۔ غرض کہ ابھی شادی نہ ہونے پائی تھی کہ مختلف قسم کے ہمدات فرعون پر واقع
ہوئے اور ان کے سبب سے فرعون نے حضرت سارہ کے حال کی زیادہ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت
ابراہیم کی بی بی ہیں اسی وقت فرعون نے انکو حضرت ابراہیم کے پاس بھیج دیا اور ہاجرہ اپنی بیٹی کو بھی انکے
سپر دے کر دیا۔

یہودیوں کے ایک قدیم اور معتبر تاریخ سے۔ ہاجرہ کا جبکا اصلی نام ہانغان تھا۔ رقیوں نامی۔ بادشاہ مصر
کی بیٹی ہونا ثابت ہو گیا۔ یہیں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اس گمراہانہ اور مغویانہ
نقل و تحریر کی اصلیت۔ جو وہ جناب ہاجرہ کی جہول النسبی کی نسبت تمام دنیا میں پھیلائے ہوئے ہیں۔ کہاں
تک اعتبار کے قابل ہے۔ ہم اسی کے ایسے اون کے اور اعترافات آئندہ سلسلہ بیان میں نقل کرتے ہیں۔
لیکن ان واقعات کے بیان سے پہلے خطبات احماریہ کی مندرجہ بالا عبارت کے تعلق ہم چند مشتبہ
امور کا فیصلہ کر لینا مناسب سمجھتے ہیں جو اسلامی شریعت اور انبیاء و مرسلین کی پاک سیرت کے خلاف ثابت
ہوتے ہیں۔

ناموس رسول کی توہین واجب الاحرام رسول پر الزام
مردہ بالا عبارت میں دو امور مشتبہ اور تنقیح و تنقید طلب ہیں۔ اول یہ کہ
فرعون حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت کچھ دے لیکر حضرت سارہ کو بقصد
شادی اپنے گھر لے گیا۔ دوم یہ کہ ہنوز شادی نہ ہونے پاکی تھی کہ فرعون پر
مختلف اقسام کے ہمدات واقع ہوئے اگر یہ اس یہودی مورخ کا قول ہے اور مختار تو یہ کیا۔ اس سے اور بڑا بکر

اتهام وہ حضرت ابراہیم پر لگائے یہیں نہ کوئی تعجب ہو گا اور نہ شکایت۔ کیونکہ اس کے علم و عقیدہ میں نبوت کی مقدار اور رسالت کی شان جس انداز پر پائی جاتی ہے وہ ظاہر ہے۔ مخالفین اسلام کی جگہ اگر یہ سرسید کا قول ہے یا مولوی عنایت رسول صاحب چڑیا کوئی کا مختار۔ تو نہایت شرم اور افسوس کے قابل ہے۔ اور میرے خیال میں مخالفین اسلام کی تقلید و تائید میں ہی افراط و تفریط اختیار کرنے کا یہی نتیجہ ہے۔ اگر ان کی تقلید و تائید کے خیال کے ساتھ ہی کم سے کم ان کو اپنے اخبار و آثار سے مقابل کر لیا گیا ہوتا تاہم حقیقت حال کا بہت کچھ آشکار ہو گیا ہوتا۔ مگر یا تو اپنے اخبار و آثار سے بالکل لاعلمی یا اون کی طرف سے کمال ناتواپی کے باعث سے ایسے غلط اور فطرت انسانی اور اصول اخلاقی کے بالکل خلاف واقعات کی نقل و تحریر پر جرات کنگی اسلامی تائیدوں میں اس واقعہ کو اگرچہ مختلف طریقوں سے لکھا ہے مگر بالآخر مفہوم و مقصود سب کا ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرعون مصر کی زبردستیوں سے جان و آبرو کے بچنے کی کوئی دوسری صورت نہیں دیکھی تو اپنی ذاتی عظمت اور جناب سارہ کی عصمت کو حافظ حقیقی کی امانت و حفاظت میں دیکر سارہ کو فرعون کے پاس بھیجا اور خود نماز میں مشغول ہو کر حفظ ناموس کی دعائیں مانگنے لگے طسقات ابن سعد کے الفاظ یہ ہیں۔

ثم ابراهيم وبساره الجبار من الجبارين فامض
الجبارين فامض رسول الله ابراهيم فقال من هذا
مضت قال امضى فلما خرج من عند الجبارين دخل
على ساره فقال لها انا هذا الجبار سارہ
عنك فامضت اناك اختي وانت اخوتي في
دين الله فان مضت فامضت اناك اخوتي
فامض رسول الله الجبارين

جب ابراہیم اور سارہ کا ایک بادشاہ جبار کے ملک میں گزر ہوا۔
تو اس کو ان لوگوں کے ان کی خبر لگ گئی۔ اس نے حضرت
ابراہیم کو بلا بھیجا اور اون سے حضرت سارہ کی نسبت پوچھا کہ
یہ تمہاری کون ہیں حضرت ابراہیم نے کہا میری بہن ہے جب
حضرت ابراہیم بادشاہ کے پاس سے لوگوں سارہ کے پاس آئے
تو اون سے کہا کہ اس نے مجھ سے تمہاری نسبت پوچھا تو میں نے
اس سے کہا کہ وہ میری بہن ہیں اور ظاہر ہے کہ دینی اعتبار سے

تم میری بہن ہو۔ اگر تم سے اس کے متعلق وہ پوچھے تو تم ہی کہہ دینا کہ میں ان کی بہن ہوں۔ یہ لکھ سارہ کو اس کے ہاں بھیجا۔

بانت انتی انتی۔ اس میں یہ تھوڑا سا مال لیکر حضرت ابراہیم کے راضی ہو جانے کا حال مرقوم ہے نہ بہت سا
مال لیکر اور نہ اس روایت کے کسی ایک لفظ سے ہی حضرت ابراہیم کی اس لین دین کی خبر ظاہر ہوتی ہے۔
اس سے عیاں ظاہر ہے کہ مخالفین اسلام کے اخبار و آثار کے نقل کرتے وقت اپنی کتابوں میں ان واقعات
کے ملاحظہ کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی اور کیونکر ہو سکتی تھی اس لئے کہ تحقیقات جدیدہ اور یورپین محققین کی تائید

کیا اب ہی اس شعار و مختار ابراہیمی سے جو تفسیر کی قدامت اور صحت ثابت نہیں سمجھی جائے گی۔ (المولف عقی غنہ)

میں اسلامی محققین و مورخین کی تمام رائیں اور مختار بیکار اور بالکل ساقط الاعتبار ہیں۔ مگر آخر میں اس بدعنوانی اور مطلق العنانی کا نتیجہ کیا ہوا۔ وہ یہ کہ ایسے عظیم المرتب اور جلیل الشان رسول کے آداب اخلاق پر ناموس فروشی کا بدشاہ و مقبہ لگ گیا۔ اور آپ حضرات کے باخیرت ہاتھ اور حیا دار قلم نے آنکھ بند کر کے بلا تامل یہ فقرہ لکھ دیا کہ فرعون حضرت ابراہیم کو بہت کچھ دیکر حضرت سارا کو لقبہ شادی اپنے گھر لگیا۔ خطبات مطبوع لاہور ص ۱۶۴

حضرت ابراہیم تو بڑی عظمت اور منزلت کے بزرگ تھے۔ یہ مسئلہ تو ایسا عام ہے اور یہ واقعہ ایسا معمول کہ ایک دنیاطبقہ اور حیثیت کا آدمی۔ ایک منٹ کے لئے ہی اس سنگ و عار کو اختیار نہ کرے گا۔ افسوس اپنے مقدس پیغمبر پر ایسا شرمناک اتہام لگانے سے پہلے آپ نے اس داؤد ستد کے معاملہ کی حقیقت اپنے انجاء و آثار سے معلوم کر لی ہوتی تو آپ کو ثابت ہو جاتا کہ حضرت ابراہیم کی خدمت میں فرعون نے جو کچھ مال و متاع پیش کیا تھا و جبروت قدرت کی اون جلوہ آرائیوں کے بعد تھا۔ جو اس کے مقبہ کرنے کی غرض خاص سے مشاہدہ کرانی گئیں تھیں۔ اور جو خدمات بقول سید صاحب فرعون پر گزرے تھے۔ وہ اس کی بیاد بی کی سزا تھی۔ اور اس کے مدعائے قدرت امتناع حرکت اور اطلاع معصیت تھا۔ اس طور قدرت کے قبل حضرت ابراہیم کے ساتھ کوئی داؤد ستد کے معاملات پیش نہیں ہوئے تھے جس کو خود سید صاحب اپنی آئینہ و عمارت میں اعترافاً لکھ آئے ہیں۔ اور ہم بھی اس کو پوری وضاحت سے آئینہ بیان کرینگے۔

عقل سلیم کہہ کر کوئی کیسے اس بیان کو صحیح مان سکتا ہے کہ رفیع و بالشد فرعون مصر نے حضرت ابراہیم کو کچھ یا بہت کچھ دیکر حضرت سارا سے اپنا عقد کر لینے پر رضی کر لیا۔ یا حضرت ابراہیم فرعون مصر سے بھڑایا بہت مال لیکر اپنی بی بی سارا کا عقد اس سے کر دئے جانے پر رضامند ہو گئے۔ (استغفر اللہ) کیا اسلام نہ رسالت کے اخلاق۔ انبیاء و مرسلین کی معاشرت اور ان کی حیا و غیرت کے یہی طریقہ اور و تیرے قائم کئے ہیں۔ پھر خود بالشد من و الکس۔ جب یہ بغویات اور شہوات ان ذوات مستطہین و مطہرین کی عادات کے بالکل مخالف ہوتے جاتے ہیں۔ تو افسوس اور عبرت کا مقام ہے کہ ایک مسلمان کے قلم سے یہ الفاظ کیسے نکلے۔ یا کم سے کم اس کی نقل کرتے وقت وہ مخالفت کے ایسے صریح اتہام کی تردید و تنقیہ سے کیوں رککا اور خاموش رہ گیا۔

اب اسکی حقیقت حال اسلامی مرد و بیست میں ملاحظہ ہو۔ لطائف ابن سعد میں تحریر ہے۔

جب سارا راہ مصر کے دربار سے لوٹا کہ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں تو یہ ناز پڑھ رہے تھے اور خدا سے (خفا ناموس) کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ سارا نے فرمایا۔ ابراہیم تم کو شہادت ہو کہ خدا نے اس

فرجعت الی ابراہیم صلح و هو یصلی و یدعو اللہ
فقال البشر فقد کف اللہ یدنا لکننا لالفاجر و الفاسد
منی ہاجر۔

کافر فاجر کے ہاتھ سے میری کفایت کی اور میری خدمت کیلئے ہاجر کو دیا۔

اب اس عبارت کو پڑھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم اگر اس دفعہ قدرت سے پہلے سارا کے معاملات میں بہت سامان لیکر (نقل کفر کفر نباشد) فرعون سے ان کا عقد کر دئے جاتے پر راضی ہو گئے تھے۔ تو پھر ان کو اضطراب و اضطراب کی جگہ پورا اطمینان ہونا چاہتا تھا۔ نماز پڑھنے اور دعائیں مانگنے کی ضرورت کیا تھی۔ رضا کا سودا تھا۔ زبردستی تو تھی ہی نہیں۔ حضرت ابراہیم کا نماز پڑھنا اور دعا مانگنا بتلا رہا ہے کہ آپ کو اپنے حفظ ناموس کا خیال کیسا دل سے لگتا تھا کہ حفظ حرمت کی وجہ کوئی صورت نہیں دیکھی تو فطرت انسانی کا جیسا ہمیشہ دستور ہوتا ہے آپ نے بھی اس بادشاہ جابر کی زبردستیوں کے مقابلہ میں اس حافظ حقیقی کی بارگاہ میں اپنے استغاثہ ناموس کی استدعا پیش کی اور اس کی حمایت و کفایت کے مستعدی ہوئے۔

اسی طرح جناب سارا کا صحیح و سلامت اور با عصمت و عفت اس ظالم کے دربار سے واپس آکر حضرت ابراہیم کو اس امر کی خاص بشارت پہنچا کہ خدا نے ان کو اس کافر کے ظلم سے بچا لیا۔ ثابت کر رہا ہے کہ یہ معاملات (نہوؤ بالشد) جانبین کی رضامندی پر مبنی نہیں تھے۔ بلکہ بخلاف اسکے غایت مجبوری۔ نہایت معذوری اور زہمتا بکسی وجہ سے ایسی حالتوں میں جب آبرو و جان کے حفظان و مال کی نہ کوئی امید باقی تھی نہ کوئی عنوان تب حضرت ابراہیم نے خدا کی حمایت پر قناعت و توکل فرما کر حضرت سارہ کو بادشاہ مصر کے پاس بھیجا تھا لیکن باوجود اسکے کہ خدا کی تائید اور اس کی حمایت و حفظان پر پورا یقین و اطمینان تھا۔ مگر تاہم دلی انتشار اور قلبی اضطراب کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی جیاد غیرت کے غیر متحمل جبار بائیکا کو نہ سنبھال سکے۔ بالآخر نماز پڑھ کر حفظ حرمت کی دعا مانگنے لگے جیسا کہ ہم اس بحث کے آغاز میں لکھ آئے ہیں۔ پھر ایسا مقدس معصوم جو اس وقت ایک مستغنی مظلوم کی تھی نشان میں ایسے صریح ظلم و جور کا استغاثہ خدا کی درگاہ میں پیش کرے اور اس عادل حقیقی کی عدالت سے کچھ شوائی نہ ہو۔ کیا معنی۔ اس مظلوم کے استغاثہ پر استجاب کا فوری حکم ہوا۔ اور پھر حیرت قدرت کو عملی طور پر جو مظاہر و آثار دکھانے تھے وہ دکھائے اور وہ اتنی مدت مدید گزر جانے کے بعد بھی آجتا کہ دنیا کے تمام کارناموں میں نہ کوئی عفو و غلطی ہے۔ جل جلالہ و جل شانہ۔

حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب معجزات کے قائل نہیں۔ معجزے کا جہاں نام آگیا۔ آپ کی روح شرمناکی۔ وہ انبیاء و مرسلین کے معجزات یا خوارق عادات کو خلاف معمول تصرفات سمجھ کر محالات میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک دنیویار مسلمان اور قائل قرآن کہی انبیاء و مرسلین سے صد در معجزات کا انکار کرتے ہی نہیں کر سکتا۔ وہ معجزات اور عام تصرفات کے حدود و فاصل کو خوب پہچانتا ہے اور محالات اصلی یا ناموسی اور غیر ممکنات عادی اور نبوی کی فرق و اقسام کو خوب جانتا ہے۔ چونکہ ہم نے اس معجزے کے متعلق بحث کرنا منظور نہیں ہے۔ اس لئے اس سے بالکل قطع نظر کر کے ہم اپنے اصلی بیان مدعا کی طرف آجاتے ہیں۔

سید صاحب ان آثار قدرت کو مختلف قسم کے صدمات لکھ کر مخفی کرتے ہیں۔ آپ کی اس ترکیب سے خدا کی تمام قدرتوں کے قائل۔ رسول کی عظمت اور اس کے مجیب کد عورت ہونے پر ایمان رکھنے والوں کی تشفی اور اطمینان کیا ہوگا۔ ہزار ہا قسم و انواع کے شکوک۔ اشتباہ اور اوہام دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ہم اسلام کی معتبر اور مستند اسناد سے ان صدمات کی تفسیر و تفصیل قلمبند کر دیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس یہودی تاریخ سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔ اس کی عبارت میں کہیں اس کی تفصیل نہیں ہے۔ مگر قرآن مجید میں کہ اصل عبارت میں ان معجزات الہیہ اور کرامات قدسیہ کا ضرور ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ص ۶۶ میں توریت مقدس کے عربی ترجمہ میں یہ عبارت لکھی گئی کہ لما نزلنا بالآیۃ الٰہیۃ بدسارۃ۔ خود اس کا ترجمہ کرتے ہیں ”زرعون نے“ جب دیکھا کرامات جو بوجہ سارا واقع ہوئی“ اس میں معلوم کہ سید صاحب کا قلم اعتقاد اور وقت کہاں تھا جو کرامات کا لفظ ہی اس تصریح کے ساتھ کہ بوجہ حضرت سارا واقع ہوا۔ بے دیکھے بھالے اور بے سمجھے بوجھ لکھ گیا۔ یہی معجزہ ہے اور یہی کرامت۔ اب تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی ان آیات و کرامات کا ذکر تورات کی عبارت میں ضرور داخل تھا۔ مگر آپ حضرات نے اپنی خاص مجبوری کی وجہ سے نہیں لکھا۔

بہر حال جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں ان معجزات الہیہ کا پوری تفصیل ہے تو ذکر موجود ہے تو ہم مخالفین کے ماخذوں سے اس کے لئے خوش چینی کیوں کریں۔ اس کی مفصل کیفیت طیقات ابن سعد کی عبارت سے

مسب ذیل ہے۔

فلما ارسل الیہا انجیلا دخلت علیہ دعوت
اللہ یمکنہ عنہا قال الیوب فضیلت بید کا و
اخذ اخذۃ شدیدۃ فعاہدھا لئن فخلی
عنہ لایقر بہا فدعت اللہ فخلی عنہ ثم ہم
بہا الثانیۃ فاعخذ اخذۃ ہی اشدۃ من
الاولی فعاہدھا ایضا لئن فخلی عنہ لایقر
بہا فدعت اللہ فخلی عنہ ثم ہم بہا اللہ
فاخذ اخذۃ و فخلی اشدۃ من الاولیین فعاہد
ھا لئن فخلی عنہ لایقر بہا فدعت اللہ تعالی
فخلی عنہ فقال الذی ادخلھا منہا منہا
فانزلت اخذۃ علی شایطان اولہم یدخل علی انسانا

سارہ کو جب اوس بادشاہ جابر نے بلا بھیجا اور عیب یہ اوس کے پاس
پہنچیں تو آپ نے خدا سے سحانہ تعالیٰ سے اپنی حفاظت و حمایت
کی دعا مانگی۔ الیوب راوی حدیث کا بیان ہے کہ اوس بادشاہ جابر
نے ہاتھ بڑھا کر آپ کو کچڑنا چاہا تو قدرت خدا سے اوس کا ہاتھ
شل ہو گیا یہ دیکھ کر اوس نے سارا سے عہد کیا کہ اگر اوس کا ہاتھ
کھل جائیگا تو وہ پر آپ کے ساتھ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ سارا نے
”دعا کی۔ ہاتھ کھل گیا پھر اوس نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تو
ایک بار پچھلے سے یہی زیادہ ہاتھ شل ہو گیا۔ پھر اوس نے دیکھا ہی
آپ کے ساتھ اقرار کیا کہ اگر اوس کا ہاتھ کھل جائیگا تو وہ آپ کے
ساتھ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ حضرت سارا نے پھر دعا فرمائی۔ ہاتھ
کھل گیا۔ آپ پھر تیسری بار پھر اوس نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا

واحد مہا جہا جہا طبقات ابن سعد جلد
اولی صفحہ ۲۳

اور پھر تیسری بار اوسکا ہاتھ سابق دفعات سے کہیں زیادہ تھل
اور بیکار ہو گیا۔ تو پھر اس نے آپ سے اقرار کیا کہ اگر اوسکا
ہاتھ کھینچا گئے گا تو پھر وہ ایسی حرکت اور قصہ نہ کرے گا۔ حضرت سارہ

نے پھر دعا کی۔ اوسکا ہاتھ ٹھل گیا۔ تو اس نے اوس شخص سے جو آپ کو لے آیا تھا بلکہ کہہ کہ انکو ہمارے پاس سے لیجاؤ کہ تو نے بھیر تو
شیطان کو داخل کر دیا ہے نہ انسان کو۔ پھر سارا کی خدمت کیلئے ہاجرہ کو ساتھ کر دیا۔

یہی وہ قدرت کے آیات اور جبروت مشیت کے تصرفات ہیں جنہوں نے اپنے اظہار و اختیار سے خدا کے جلیل
القدر پیغمبر کے دامن ناموس پر وہیہ نہ آنے دیا اور انکی حرمت کو بال بال بچا لیا۔ حقیقتاً یہ ایسے نازک موقع ہیں جو
انسان کو اوسکی بے انتہا وجہ کی تنگی اور بے بسی کے خاص عالم میں پیش آجاتے ہیں اور جن سے وہ بغیر خدا کی تائید و
توفیق کے سیطرہ بچ نہیں سکتا۔

آیات الہی تو ملاحظہ فرمائے گئے۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ اخلاق الہییت جو اصلاً اور حقیقتاً اخلاق الہیہ کے
خاص پر تو ثابت ہوتے ہیں۔ ضرورت پیش نظر رکھئے چاہئیں۔ صاف ظاہر ہے کہ انبیاء و اہلبیت نبوت علیہم السلام
کے ساتھ یہ اخلاق کریمانہ مخصوص کئے گئے ہیں کہ وہ ذوات مقدسہ باوجود متواتر ظلم و جور کے اظہار و وقوع کے
بھی ظالم کی دعا اور قاتل کی بھی خواہی اور طلب آمرزش سے باز نہیں آتے جس کی ابتداء آل ابراہیم سے ہوتی ہے
اور انتہا آل محمد پر ثابت ہوتی ہے۔ اللھم صل وسلم علی محمد وآل محمد کما صلیت وبارکت علی ابراہیم
وعلی آل ابراہیم انک انت حمید مجید۔ ر خدا بارود و بیچ محمد آل محمد جیسا کہ تو نے درود اور برکت بھیجی ابراہیم اور
آل ابراہیم کیونکہ تو ہی قابل تائش ہے اور بزرگ برتر

مرفوعہ بالا دونوں شجاعت کو پورے طور سے رفع کر کے ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ پر کنیزی کا غلط الزام
سفر البشار کی عبارت۔ حضرت ابراہیم اور حضرت سارا کی سرگذشت
جو اوپر لکھی گئی ہے اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ حقیقتاً جناب

ہاجرہ۔ رقیون نامی بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ بادشاہ مصر حضرت سارہ کی وجہ سے ان اسرار الہیہ اور اعجاز قدسیہ کو
ایک بار نہیں کسی بادشاہدہ کے اپنے دل میں ان کی عظمت و جلالت کی طرف سے ایسا مرعوب اور متاثر ہوا کہ اس
اپنی اراک کو انکی خدمت کیلئے دیدیا۔

اسی خدمت کے نفاذ کے قیامت و عادی سلسلہ اسماعیل کے مخالفین کو جناب ہاجرہ کے بھول النسب مشہور
کرنے پر تنہا تیار نہیں کر دیا۔ بلکہ ان مقدسہ کو عام فساد اور بھول لڑائی قرار دینے پر قوی اور مطلق العنان بنادیا۔
مخالفین کو اپنے تعصب اور نفسانیت سے سلسلہ ابراہیمی میں جتنی حضرت اسحاق کی مدح سرائی مقصود تھی اپنی

ہی حضرت اسمعیل کی تحقیر ذلت اور سوائی جیسا کہ ابھی ابھی واقعہ ذبیح میں حضرت اسحاق اور حضرت اسمعیل کی باہمی مماثلت اور مساوت کی بحث میں ان کے متعصبانہ اقوال و مختار لکھے گئے ہیں۔

اس بنا پر پہلے یہودیوں نے پہر عیسائیوں نے حضرت ہاجرہ پر کنیز اور حضرت اسمعیل کو کنیز زادہ مشہور کر دیا حالانکہ یہودیوں ہی کے اقرار و اظہار سے رقیوں کا عبری سلسلہ سے ہونا اور ہاجرہ کا اسکی لڑکی ہونا ثابت ہوتا ہے مگر تاہم وہ اپنی بے ادبانہ تحریر اور گستاخانہ تحریک سے باز نہیں آتے اور اپنے کذب و افتراء سے توبہ نہیں کرتے۔ ہیکو اعتراف ہے کہ اسلامی کتابوں میں ہی جناب ہاجرہ کی نسبت خدمت کا لفظ آیا ہے اور اسی روایت میں جس کو ہم نے طبقات ابن سعد سے نقل کیا ہے و اخذ منہا ہے چہرہ کا فقرہ موجود ہے۔ اس فقرہ کا مفہوم جب استفہام استعجالیہ کے معنیوں میں لیا جاوے گا تو ظاہر ہو جائیگا کہ حضرت سارہ کس بنیشت سے کمال استغنیٰ کی حالت میں حضرت ابراہیم کو خبر دیتی ہیں کہ ہاجرہ لڑکی ایسی عالمگیر تہ اپنی بیٹی (میری خدمت کیلئے دی۔

خدمت کے لئے دیا جانا۔ یا خدمت گزار۔ یا محض خادمہ ہونا نہ اسوقت عیب کی بات تھی اور نہ اسوقت ہے اسلئے اسلام کی معتبر کتابوں میں خادمہ کا لفظ پایا جاتا نہ انکی کنیز ہونے پر دلیل ہو سکتا ہے اور نہ اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اہل اسلام ہی ان کی عام کنیز اور معمولی لونڈی ہونے کے ویسے ہی قائل ہیں جیسے یہودی اور عیسائی۔ اسلامی کتابوں میں جہاں جہاں آپ کی نسبت خدمت یا خادمہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اونے صرف خدمت میں رہنا۔ آداب و ترتیب حاصل کرنا مراد ہے۔ اور صرف اتباع مقصود ہے۔ مشرقی تہذیب معاشرہ اسوقت سے لیکر اسوقت تک اسی اصول پر قائم ہے کہ گھر کا بڑا بوڑھا مرد۔ گھر کے اور مردوں کے لئے واجب الاتباع ہوتا ہے۔ وہ مخدوم ہوتا ہے اور سب اس کے زیر فرمان اور محکوم۔ اسی طرح گھر میں بڑی بوڑھی عورت واجب الاتباع ہوتی ہے اور سب ہو بیٹیاں اس کے زیر حکم رہتی ہیں۔ صحیح بخاری میں خود آنحضرت صلم سے مروی ہے۔

واجبہا ہاجرہ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے ہاجرہ سارہ کی مطیع تھیں اور خدمت گزار۔

اگر قیوں نے جیسا کہ یہودی اور عیسائی قائل ہیں۔ اپنی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی ہاجرہ نامی کو سارہ کی خدمت اور انکا کام کاج کرنے کیلئے ساتھ کر دیا تھا تو پھر ہاجرہ کے ساتھ اتنا مال حال۔ لاؤ لشکر اور سوار پیادے دیکر اسکو اپنے گھر سے رخصت کر نیکی کیا ضرورت تھی۔ تمہاری اسی معتبر تاریخ۔ سفر ایشیاء میں اس قصہ کے سلسلہ میں تحریر ہے۔

بعد اسکے جب حضرت ابراہیم مع ہاجرہ فرعون کی بیٹی کے۔ وہاں سے چلے تو فرعون ان کے ساتھ پیادہ مانور کرنے کے بحفاظت تمام پہنچا دیں۔ چنانچہ یہ لوگ مع احوال و انتقال اور لونڈی غلام وغیرہ کے۔

جواباً شاہ مصر نے انکو دئے تھے اپنے ملک میں جہاں اونہوں نے سکونت اختیار کی تھی بخیر غوی ہو چکے
اب مخالفین اسلام سے سوال ہے کہ تمہاری تحریر اور اقوال سے جب یہ سامان ظاہر ہوتے ہیں تو تمہیں بتلا دو کہ یہ
گھر کی اونڈی دینے کی شان ہوتی ہے یا گھر کی لڑکی دینے کے سامان۔ اس سوال کے جواب میں منکو کہنا پڑیگا کہ یہ
تو گھر سے لڑکی کے رخصت کئے جانیکے سامان ہیں۔ پھر دیکھو تو تمہارا کیا کسی اور کا اس عالی مرتبت خاتون کو معمولی لونڈی
سمجھنا ترکاؤ تب نہیں معصیت نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ ان تمام مشاہدہ قرآن کو پیش نظر رکھ کر اس مسئلہ کے متعلق سرسید
نے جو اس کے قایم کی ہے وہ ضرور اسنے کے قابل ہے ہم ذیل میں اسکو نقل کئے دیتے ہیں۔

فرعون نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو سارہ کے ساتھ کر دیا۔ ظاہر اسکے کئی سبب معلوم ہوتے ہیں ابراہیم اور سارا
کی نیکی اور بزرگی۔ اور انکا اور فرعون و ہاجرہ کا ہمتا ہونا۔ اس باعث سے بڑی رغبت ہوئی ہوگی کہ فرعون
اپنی بیٹی کو ان کی تعلیم اور تربیت اور صحبت میں سپرد کرے۔ کیونکہ مصری اور اس کی قوم اور اسکے قبیلے
سے نہیں تھے۔ علاوہ اسکے اس زمانہ میں اور اس خاندان میں ہم کفر ہونیکا بہت خیال تھا۔ مصر میں
دقیقون۔ فرعون مصر کے خاندان کا کوئی شخص نہیں تھا اور یہ بہت بڑی رغبت اس بات کی تھی کہ ہاجرہ
سارہ کے سپرد کر دیکجائے تاکہ ان کی تربیت میں رہے اور کہیں کہیں اسکی شادی کر دی جائے
رخصت کے وقت فرعون نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو سمجھایا کہ تیرا سناؤن کے ساتھ تیرے لئے میری
پاس رہنے سے بہتر ہے۔ اس سبب نے سے ہی ظاہر ہے کہ کس خیال سے فرعون نے اپنی بیٹی انکے

سپر دکی تھی خطبات احمدیہ ص ۱۹۵

ہم سید صاحب کی مرقومہ بالا عبارت میں اتنا اضافہ کرنا سبب سمجھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم و سارہ کے
ساتھ خیالی چھوٹی اور ہم قومی کے علاوہ فرعون کو ان بزرگوں کی روحانی عظمت و اقتدار کا بھی تو براۃ العین
مشاہدہ ہو چکا تھا اسلئے ایسے باخدا اور نیکیو کا ہم قوم و قبیلہ حضرت کی ہمراہی میں اپنی لڑکی کو تعلیم و تربیت پانے
اور اس معاشرت سے کہنے اور ان کی صحبتوں سے فائدہ اٹھانے کی غرض خاص سے دیا۔ اسی سفر الیشیا میں ہی
یہودی مورخ تھویری دور آگے چل کر اپنے سلسلہ بیان میں لکھتا ہے جس کا عربی ترجمہ یہ ہے۔

(ہاجرہ) یہ فرعون کی بیٹی تھی۔ فرعون نے جب وہ کرامات
دیکھیں جو سارا کی وجہ سے واقع ہوئیں۔ تو فرعون نے کہا کہ میری
بیٹی کا میں گھر میں (ابراہیم کے گھر میں) خادمہ مقرر نہاں۔ اس
بہتر ہے کہ وہ لڑکھ میں لگاؤ اور سیدہ بکھر رہے۔

ہی کانت بنت فرعون لما راى اکلها ياتى انا
انظر بعينى الى ما اكلت من اكلها ياتى انا
معاذ الله في بيتي ذالک ان لا يكون من بيتي
یہودیا (عربی ترجمہ سفر الیشیا)

ابن سعد میں یہود و نصاریٰ کی جہالت و نفسانیت کا کیا ہوا ہے کہ وہ مصر کے عظیم حضرت ہاجرہ

کو فرعون مصر کی بیٹی ہو نیکیا قرار ہی کرتے ہیں اور پھر اقرار کے بعد انکار ہی۔ سرسید مرحوم خطبات میں لکھتے ہیں۔
 ۱۸۵ء میں بمقام کلکتہ اسی بات کا مباحثہ ہوا تھا۔ اور اکثر یہودیوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت
 ہاجرہ لونڈی نہیں تھیں۔ بلکہ بادشاہ مصر کی لڑکی تھیں۔

سرسید اس چشم دید منظرہ کی حقیقت لکھ کر ایک معقول طریقہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ خاص توراۃ کے الفاظ
 سے ہی ہاجرہ کا لونڈی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ انکی عبارت یہ ہے۔

توریت مقدس سے ہی ہاجرہ کا لونڈی ہونا ثابت نہیں۔ نہایت
 لفظ امتہ کی زبان عبری تحقیق و تفسیر

صاف اور روشنی بات یہ ہے کہ اس وقت کے حالات پر حسب ہم
 غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لونڈی غلام دو طرح کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جو بشری سے
 یعنی بیع کے لئے جاتے تھے دوسرے وہ جو غنیمت سے حاصل ہوتے تھے یعنی وہ لڑائی میں اسیر ہو کر آتے تھے
 پہلی قسم کی لونڈی غلاموں کو جو خریدے جاتے تھے۔ ضعیف کہتے تھے اور دوسری قسم کے لونڈی غلام جو لڑائی
 میں اسیر ہو کر آتے تھے وہ شعیبوش کہلاتے تھے۔ یعنی غنیمت جنگ سے کہلاتے تھے۔ انکی اولاد ہی لونڈی غلام کہلاتی
 تھی اور یسید یا بیت۔ یعنی ولید یا لبت۔ خانہ زاد۔ مگر حضرت ہاجرہ ان باتوں سے پاک تھیں۔ پھر وہ
 کیونکر لونڈی ہو سکتی تھیں۔ اور کون لونڈی کہتا تھا جس بہتان سے خطبات میں ۱۶۶

مندرجہ بالا عبارت میں اتنا اضافہ ضرور ہے کہ اگر یہودی اور عیسائی حضرت ہاجرہ کی لونڈی بتاتے ہیں
 سچتے ہیں تو انکا فرض ہے کہ پہلے وہ ہاجرہ کو مشرک بالادوںوں اقسام میں سے کسی ایک قسم کی کنیز ہونا ثابت
 کر لیں توراۃ اور اسکے بعد کی تمام کتابوں میں سے کسی ایک کتاب سے یہی یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ فرعون مصر
 نے جناب ہاجرہ کی خریداری کی تھی۔ یا بطور غنیمت وہ بذریعہ جنگ لائی گئیں تھیں۔ جب ایسا نہیں ہے تو ان
 لوگوں کا ایسا بیان سراپا افترا ہے اور سرسید بہتان۔

اب اس بحث کے متعلق یہ امر شیعہ طلب ہے کہ یہودی اور ان کی تقلید میں عیسائی حضرت ہاجرہ کو
 کیوں لونڈی کہتے ہیں؟ اول تو اس کا سبب ہے پڑا اور قوی سبب یہی ہے جیسا کہ آغاز بیان میں بیان ہو چکا ہے
 کہ یہودی حضرت ابراہیم کے سلسلہ میں۔ سوائے حضرت اسحاق کے حضرت اسمعیل کی تعظیم و حرمت نہیں کرتے
 ان کی تعظیم و حرمت کرنے ہی تک استغنا کی جاتی تو ہر کسی کی عبادت کی مجبوری نہیں تھی۔ مگر حسد و نفسانیت
 کی بنا پر حضرت اسمعیل کی تحقیر و ذلت شروع کر دی گئی اور پھر ایسا کہ وضد کے ساتھ کہ خود تو خود دوسروں کو
 ہی اپنے اس افترا اور غوا میں شریک اور رفیق بنایا گیا۔ عیسائی باوجود اسکے کہ عقاید میں یہودیوں سے بالکل
 مختلف ہیں مگر قسمی سے اس مسئلہ میں انکے ہمزبان ہیں اور ہمدستان۔ ایک سبب قوی تو یہ ہے جو متر کیا

اون کی نفسانیت اور تعصب پر مبنی ہے۔

دوسرا سبب عبارت تورات کے خواہ مخواہ غلط معنی سمجھنے اور سمجھانے سے پیدا ہو گیا ہے۔ متبعین یہود نے الفاظ الہامی کے غلط معنی لگا کر مغویانہ خیالات پہلے خود پیدا کیے اور پھر اور لوگوں میں یہ فکر المذہب عقاید پھیلائے عبارت تورات کی سند و شہادت پر جو غلط استدلال قائم کیا گیا ہے۔ وہ بالکل ترجمہ تورات میں تحریر نہیں ہے جس کو ہم سرید کی اصل عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

حضرت سارا اڈھیر ہو گئی تھیں اور اونکی اولاد نہ ہوتی تھی اسلئے اونہوں نے حضرت ہاجرہ کو زور دیا کہ اسے اپنی (حضرت ابراہیم کو) اجازت دیدی کہ شاید اونہیں سے کوئی اولاد پیدا ہو چنانچہ ہاجرہ سے اسماعیل پیدا ہوئے۔ اسکے چند روز بعد حضرت سارا بھی حاملہ ہوئیں اور حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ حضرت سارا اس وقت تک کہیں گئیں کہ حضرت اسماعیل اون سے عمر میں بڑے تھے۔ دونوں میں ایک دن کچھ ٹکڑا ہو گئی۔ جیسا کہ دو بچوں میں ہوا کرتی ہے۔ حضرت سارا کو یہ بات بُری معلوم ہوئی اور اس نے اپنی جھگڑے میں حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لوٹدی اور اسکے لڑکے کو نکال دو۔

اس مقام پر جو حضرت سارا نے حضرت ہاجرہ کو لوٹدی کہا تو اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ وہ حقیقت میں لوٹدی تھیں۔ بلکہ جس طرح عورتیں لڑائی اور غصہ میں خصوصاً جب اون دونوں عورتوں بلکہ سوتلوں (سوتلوں) میں کچھ پڑکر رہتی ہیں تو ایک دوسرے کو شک اور حقارت کے کلمات کہہ اٹھتی ہیں اسی طرح حبیب سارا نے یہ لفظ استعمال کیا۔ یعنی لوٹدی کا حضرت ہاجرہ کی نسبت کہا۔ اس سے یہی طرح ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ حقیقت میں لوٹدی تھیں۔ مگر یہودیوں کو اور جو لوگ یہودی کی پیردی کرتے ہیں۔ (یعنی عیسائیوں کو) اونکو ایک موقع ہاجرہ کو لوٹدی کہنے کا مل گیا۔ حضرت سارا کی اس بات سے حضرت ابراہیم بہت ناراض ہوئے مگر خدا نے ان کی تسلی کی اور کہا کہ اس لوٹدی اور کچھ کیڑت سے رنج مت کرو۔

اونکو نکال دو۔ میں اس لوٹدی کے کچھ سے ایک قوم پیدا کروں گا۔ اس مقام پر جو خدا نے لوٹدی کہا وہ بعیدہ سارہ کے قول کی نقل ہے۔ یعنی سارہ نے جس کو حقارت سے لوٹدی اور لوٹدی کا کچھ کہا ہے اُن سے میں ایک قوم پیدا کروں گا۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی لالچ آدمی کو کہے کہ یہ مال لالچ کیا کام کرتا ہے۔ پس اس دوسرے شخص کا بھی اوسکو مال لالچ کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ حقیقت وہ شخص مال لالچ ہے اور جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ہاجرہ بیٹی رقیون بادشاہ مصر کی تھیں بلکہ ہم قوم و ہوطن ابراہیم کی تھیں اور جو دجہہ رقیبت (کنیزی) کے اوس زمانہ میں تھیں اون سے ہی حضرت ہاجرہ برہنہ تھیں تو صرف الہی الفاظ سے جو لڑائی اور جھگڑا ہے اور غصہ میں بولے گئے ہیں کسی طرح اونکا لوٹدی ہونا

مراد نہیں ہو سکتا خطبات میں ۱۰۰۔

سید صاحب کے اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سارا نے ائمہ کا لفظ پنج و غصہ کی خاص اور غیر متحمل حالتوں میں استعمال کیا ہے اور تورات میں بالکل اسی کی نقل سے کام لیا گیا ہے۔ اور یہ واقعات اور باب عقل و نقل کے روزمرہ مشاہدات اور بدہیات میں داخل ہیں اور مشاہدات و بدہیات کے یکوڑنگا نہیں۔ اب لفظ ائمہ کی خاص حقیقت سید صاحب توراۃ کے مفصلہ ذیل اسناد سے پیش کرتے ہیں۔

لفظ ائمہ مجازاً محاورے میں زوجہ پر ہی بولا جاتا ہے۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ دختر کا باپ بروقت شادی دختر بعض دختر کے پسر کے باپ سے کچھ روپیہ لے لیا کرتا تھا تب بیٹی دیتا تھا جیسا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی بعض قوموں میں دستور ہے اور اس دستور کو بیٹی کا بیچنا کہتے تھے مگر وہ لونڈی نہ ہوتی تھی بلکہ زوجہ شرعی ہوتی تھی اور حقوق زوجہ کے اوسکو بالکل حاصل ہوتے تھے۔ ایسی زوجہ پر ہی لونڈی کا مجازاً اطلاق ہوا ہے۔ چنانچہ تورات مقدس کی دوسری کتاب باب ۲۱ آیت ۷ میں لکھا ہے۔

خدا نے کہا اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کو بیچے ائمہ ہونیکے لئے تو وہ لونڈیوں کی طرح نکل جائیگی اگرچہ وہ اپنے مالک میں ناپسند ہو جس سے اوس نے زنا نہیں کیا تو فدیہ دیکر بوجہ ناپسند ہونے کے تاہم کسی اجنبی قوم کے ہاتھ بیچ نہیں سکتا۔ اور اگر پسر کی خلوت میں دیدیا ہو تو لڑکیوں کی طرح برتاؤ ہو سکتا۔ اور اگر اسکے اوپر دوسری کر لی تو حقوق زوجیت یعنی کھانا پیرا اور خلوت کم نہ کرے گا۔ اور اگر بیٹیوں امر اس کے ساتھ نہ کرے گا ویس تو بلا تردد وہ چھوٹ جائیگی۔

چونکہ ان آیتوں سے مسائل فقہیہ متبعا ہوتے ہیں اسلئے علماء یہود نے اس میں بہت غور کیا ہے۔ کلی مباحثہ لکھنا طویل ہے۔ مگر جس قدر کہ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے مختصر لکھا جاتا ہے۔

ان تینوں آیتوں میں لفظ ائمہ سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی۔ اول تو انہیں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لونڈی سے زوجہ شرعی مراد ہے۔ دوسری یہ کہ یہ آیتیں بنی اسرائیل کی شان میں ہیں۔ جیسا کہ سابق عبارت ولالت کرتا ہے اور بموجب توراۃ کے لونڈیوں کی طرح۔ سے بنی اسرائیل کی بیع و شری جائز نہیں۔ چنانچہ اسکی تفصیل تورات مقدس کی تیسری کتاب باب ۲۵ اور دوسری کتاب باب ۲۲ آیت ۱۰ میں مندرج ہے۔

بنی اسرائیل چوری کے جرم میں یا دشمن کے قید میں سے چڑا لینے کے لئے خریدے جاسکتے تھے اور صرف سات چریں لیا کر کے بیچو غلام کو خدمت کرنا تھے حضرت یوسفؑ کے بھائی ہی چوری کی حالت میں بیچا غلام بن گئے تھے مگر وہ غلام نہیں بنوا کرتے تھے کہ ان میں جو احکام ہیں وہ غیر بنی اسرائیل کے لئے ہی ہیں تو یہی آیت کے معنی درست نہ ہوں گے۔

کیونکہ غیر بنی اسرائیل لوڈی اور غلام بچا سویں برس از خود آزاد ہو جاتے تھے اور آیت میں حکم ہے وہ آزاد نہوں گے۔ اس مقام پر تفسیر رشی کی عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے مطلب مذکور ثابت ہوتا ہے
اوسکا عربی ترجمہ یہ ہے۔

ان قہت یعین بعدہا لانی لغلو تہا ما ہوا الذی لم یزفہا ولو کان لہ التیزفہا
دیتظلی بھسا للتزویم و شمن دست مرابھا ہو شمن نکاحھا و فی الا لایۃ تنایۃ
باہر لکنکاح و بانسکاح البیوتہ منہم الخیر علیہا

اگر بڑی ہے اوس کی نگاہوں میں یعنی خاوند کی نگاہوں میں (تفسیر) کہ اسے رغبت نہ ہوئی اوسکے ساتھ خلوت
کی (توریت) جس نے زفاف نہ کیا (تفسیر) کہ اوسکو مناسب تھا اوس سے زفاف۔ اوسکے ساتھ خلوت کرنا۔
جو روکنے کیلئے اور قیمت اوس خرید کی قیمت ہے۔ اوسکی شادی کی اور یہاں کنا یہ ہے کہ آیت میں حکم شادی کا ہے
اور کنا یہ ہے کہ وہ دوسری سے شادی کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

اس موقع پر اس بات کا بھی خیال کہ جس طرح ایسی بی بی پر جس کی بابت بغرض شادی روپیہ دیا گیا
ہو مجازاً لوڈی کا اطلاق ہو اوسی طرح ایسی بی بی پر بھی جو بطور ڈولہ کے آئی ہو مجازاً لوڈی کا
اطلاق ہوا ہے۔ جیسا کہ ابی غاکل حضرت داؤد کی بی بی پر لوڈی اور خادمہ درتوں کا اطلاق ہوا
ہے۔ جسکا ذکر عنقریب آتا ہے اور جو کہ یہ امر حضرت ہاجرہ کے حال سے بھی نہایت مناسب تھا
اسلئے مجازاً ان کی نسبت بھی آئے یعنی لوڈی بولنا گیا۔ مگر جبکہ رقیئت کسی طرح ثابت نہیں ہے
تو اس لفظ سے حقیقی لوڈی ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ ان مقاموں میں بھی
بی بی مراد ہے مگر ستر ہے۔ تو یہ کہنا بھی صحیح نہ رہا۔ اسلئے کہ جب بنی اسرائیل کی لڑکیاں لوڈی ہو بھی
نہیں سکتی تھیں تو ستر کیونکر ہو سکتی تھیں۔

اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جن مقاموں کا بیان کیا گیا ہے وہاں قرینہ ہے جس سے لوڈی مراد نہیں ہو سکتی
مگر جہاں حضرت ہاجرہ کی نسبت آئے کا اطلاق ہوا ہے وہاں کیا قرینہ ہے جس سے حقیقی یعنی چھوڑ کر حجازی
معنی لئے جاوے۔ تو اس شبہ کے رفع کرنے کو ناظرین کو ذرا توجہ کیا تعلیف دیکھائی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بلکہ اوسکے بعد بھی یہ دستور تھا کہ لوڈی میراث نہیں پاتی
تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے آیا اور راحیل یعقوب علیہ السلام کی بیویوں نے اوان سے کہا کہ کیا اب
ہمارے لئے اپنے باپ کے گھر میں کچھ عورتیں میراث نہیں ہے۔ کیا ہم اجنبیہ نہیں شمار کی گئیں۔ کیونکہ بیچ
ڈالا ہو اور قیمت بھی کما گیا۔ (بیچائش باب ۱۵)

اور لونڈی کی اولاد جو دو مسکرتے ہو وہ بھی لونڈی غلام ہوتی تھی۔ اونکے لئے بھی میراث نہ تھی چنانچہ یہ حکم موسیٰ کو بھی دیا گیا اور لونڈی کی اولاد جو مالک سے ہو وہ بی بی کی اولاد کے ساتھ میراث نہیں پاتی تھی جو کچھ اونکو باپ اپنی زندگی میں دیدے دہی اون کو ملتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قطور کی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دے لیکر آگست کر دیا جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۱۵ میں مندرج ہے۔

جبکہ قاعدہ سے یہ معلوم ہو گیا تو اب اس مطلب کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ جب سارا نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور بچہ کو نکال دو تو اسکی وجہ یہ بیان کی کہ میراث نہ پاوے لونڈی بچہ میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ۔

اس صاف ظاہر ہے کہ سارا کو اندیشہ ہی نہ تھا کہ اسمعیل اسحاق کے ساتھ میراث پاویں گے نہ اگر باجرہ لونڈی ہوگی۔ یا اسمعیل لونڈی بچہ ہوتے۔ تو میراث پانے کا خیال نہ کیا کرتا ہو تا بلکہ اسوقت کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ زوجہ مطلقہ میراث نہیں پاتی تھی اور جس لڑکے کو عاق یعنی ساقط المیراث کر دیا جاتا تھا وہ بھی میراث سے محروم ہو جاتا تھا۔ اسمعیل کے حضرت سارا نے حضرت ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ باجرہ اور اس کے لڑکے کو نکال دو۔ یعنی ایک کو طلاق دو اور دوسرے کو عاق بنا دو۔ لونڈی مستحق میراث نہ رہیں۔

یہی قرینہ ہے کہ ان آیتوں میں ائمہ کا لفظ جو صفت فعل واقع ہوا ہے اس سے اس کے مجاز ہی معنی مراد ہیں اور تحقیق نہیں ہو سکتے۔ علامہ ائمہ کے اور بھی قوی قرینے ہیں۔ جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

اس مقام ائمہ کے سوا حضرت باجرہ کی نسبت توراۃ میں ائمہ (لونڈی) کا لفظ اور کہیں نہیں آیا ہے۔ بلکہ شفعہ کا لفظ آیا ہے اور شفعہ کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں۔ انقبوس ہیرونی نے جس نے توراۃ کا ترجمہ کالڈی زبان کیا ہے شفعہ کا ترجمہ ائمہ ہے یعنی ائمہ (عربی) کے ہیں۔ لکن وہ باجرہ اور اس کے بیٹے اسمعیل کے توراۃ کے اور ترجموں میں بھی جو اور زبانوں میں کہے ہیں۔ اس لفظ کا لونڈی ترجمہ کر دیا ہے۔ حالانکہ لونڈی کو عبری زبان میں ائمہ کہتے ہیں جو عربی لفظ ائمہ کا مرادف ہے۔ اور شفعہ کے معنی خواہ کے ہیں۔ ہم لغت عربیہ کے لئے سمویل باب ۱۹ آیت ۱۱ نقل کرتے ہیں اسی سے شفعہ کا فرق ظاہر ہو جائیگا کہ کتاب سموئل کا عربی ترجمہ ہے۔

لفظ عبری شفعہ کی تحقیق

وقالت نعم انا امته له مخادمة تغسل حرجل عبید سیدہا۔ اور کہا۔ میں اسکی لونڈی
خادمہ ہے۔ اپنے سردار کے خادموں کے پاؤں دھونے کیلئے۔

یہ قول ابی عائیل حضرت داؤد علیہ السلام کا ہے جبکہ حضرت داؤد کے ان آئیں تمہیں شفقت کے اصلی معنی
جیسا کہ اہل لغت کہتے ہیں۔ قبیلہ کی عورت کے ہیں۔ اور مادہ اس لفظ کا اور مشتاقہ کا جسکے معنی قبیلہ کے
ہیں ایک ہی ہے۔ لیکن عرفہ میں اسکے معنی خادمہ کے ہیں۔ پھر اس سے لونڈی سمجھنا یا تعصبت یا غلطی سے
تیسرا مقام جہاں سے ان کی لونڈی ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت پہلی سے
لیکہ آیت تک جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور ابراہیم نے پھر عورت کی جس کا نام قطورہ تھا۔ اور اس سے زمران
یشتان۔ بدان۔ یشتاق۔ شودہ پیدا ہوئے۔ یشتاق کے شبا اور ودان پیدا ہوئے۔ ودان کی اولاد
اشوریم۔ بلوشیم۔ لاسیم۔ بدان کی اولاد۔ عیفا۔ عیفر۔ حنوخ۔ الی و ع اور الداعا۔ یہ سب قطورہ اور دیا براہیم
نے جو کچھ ان کے پاس تھا۔ اسحاق کو۔ اور سترہ کی اولاد کو ابراہیم نے اپنی حیات میں کچھ دیکر اسحاق کے پاس
سے نکال دیا پورب طرف شرقی عرب میں

یہاں چوٹی آیت میں واقع ہے۔ لینی یشتاق۔ لاسیم۔ بلوشیم۔ جس سے استدلال کرتے ہیں۔ یشتاق یا
بلوشیم۔ جسے کلاسی زبان میں یشتاق یا بلوشیم کہتے ہیں بالکلیہ یشتاق کہتے ہیں۔ اسکے معنی بے شبہ سترہ
میں۔ اور اس کی جمع موافق قاعدے کے یشتاقیم آتی ہے۔ ربی سلیمان ابن اسحاق کہتا ہے۔ اس کے
معنی یہ ہیں کہ جس کے لئے کتبہ صداق یعنی کاہن نامہ ہوا۔ اس سے ناشیم کہتے ہیں۔ اور جس کیلئے کاہن نامہ ہوا
اس سے یشتاقیم کہتے ہیں۔

بہر نوع یہ امر ثابت ہو کہ یشتاق سترہ ہے۔ استدلال یہ ہے کہ آیت میں یشتاقیم بلفظ جمع ہے اور اس سے
مراد باجرہ اور قطورہ ہیں۔ کیونکہ سارا کے سوا یہی دو بیویاں حضرت ابراہیم کی ثابت ہیں اسلئے یہ سترہ ہونگی
یہ شبہ فقط یشتاقیم کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ حال یہ ہے کہ عبری میں یشتاقیم سے اوریم سے آتی ہے۔ لہذا
جمع یشتاقیم ہونا چاہیئے۔ لیکن توریت میں اس مقام پر یشتاقیم بدون سے واقع ہوا ہے۔ یشتاقیم نہیں ہو۔
اس لفظ پر مفسرین نے بحث کی ہے۔ بعض نے اسکو جمع مانا ہے اور سے کہہ نونے کی یہ توجیہ کی ہے
کہ ابراہیم کی ایک ہی سترہ تھی۔ اسلئے سے کو گرا دیا۔ ”شئی“ مقصود لکھا گیا ہے۔ کیونکہ ایک ہی سترہ تھی۔
ساتھ ہی اسکے مفسرین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ دو سترہ باجرہ تھیں اور وہی قطورہ تھیں۔ یعنی باجرہ اور
قطورہ ایک ہی نام ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی جیسے بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی طرح اکثر مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ سترہ ابراہیم ایک ہی تھی۔ لہذا یشتاقیم سے جمع مقصود۔

نہیں اور نہ بصورت جمع ہے۔ تو اسی وجہ سے اوتفلوس نے جو قدیم مترجم ہے۔ اس لفظ کے ترجمہ میں لکھنا لفظ واحد اختیار کیا ہے۔ اس حالت میں اس سے استدلال کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہر حجت جمعیت تھی۔ اور وہ غیر مسلم ہے۔

حضرت ہاجرہ اور قطورہ کو ایک قرار دینا غلط اور محل تاویل ہے

باقی رہی یہ بات کہ وہ سترہ جس کی شان میں یہ آیت وارد ہے وہی ہاجرہ ہیں۔ اس بیان سے کہ ہاجرہ ہی کا نام قطورہ ہے۔ دعویٰ بے دلیل ہے۔ سیاق کلام سے

ظاہر ہے کہ اس باب میں صرف قطورہ اور انکی اولاد کا ذکر ہے اور آیت انہیں کو سترہ بتلاتی ہے۔ علاوہ اسکے سفر التواریخ اول باب کی ۳۲ آیت میں جہاں اس کے نسب نامے لکھے ہیں اور جو اہل کتاب میں بڑی معتبر ہے لکھا ہے۔ ترجمہ۔ اور بنی قطورہ سترہ ابراہیم فلاں اور فلاں یہ وہی شخص ہیں جنہیں پیدائش کے باب ۲۵ میں قطورہ کی اولاد گنایا ہے اور فلسطین کی پورب سکونت کی اجازت دی ہے۔ ان سے قطورہ کا سترہ ہونا بخوبی ثابت ہے۔ اور اسی مقام پر ۳۴ آیت میں لکھا ہے یہی سب قطورہ کی اولاد ہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قطورہ ہاجرہ نہیں تھیں ورنہ اسماعیل بھی انہیں میں شمار ہوتے۔ بلکہ اسی باب کی ۲۶ آیت میں لکھا ہے اور گنایا ہے۔ ابراہیم کے بیٹے اسحاق اور اسماعیل۔ اس وقت یہ دستور تھا یعنی اکثر یہ عاوردہ کہ بیان نسب میں سترہ کی اولاد کو ان کی طرف نسبت کرتے تھے۔ اور بنی کی اولاد کو باپ کی طرف۔ اسلئے نسب نامہ اسماعیل کو ابراہیم کی طرف منسوب کیا اور قطورہ کی اولاد کی نسبت ابراہیم کی طرف نہیں کی بلکہ قطورہ کی طرف

علاوہ اسکے ہاجرہ کی اولاد پاران میں بسی اور قطورہ کی اولاد فلسطین کے پورب۔ جیسا کہ تورات میں واقع ہوا ہے۔ باوجود ان سب بتائیں اور تفسیر کے دونوں کو (ہاجرہ اور قطورہ) ایک کہنا بناوٹ ہے۔ علاوہ اسکے ابراہیم نے ہاجرہ کو طلاق دی تھی۔ اور آئندہ کو زن مطلقہ سے نکاح جائز نہیں چنانچہ موسیٰ کی شریعت میں یہ حکم منصوص ہے تو اگر یہی حکم شریعت ابراہیم میں بھی تھا۔ جیسا کہ یہود دعویٰ کرتے ہیں تو یہ کہنا کہ قطورہ اور ہاجرہ ایک ہیں۔ بالکل خلاف ہے۔ اور اگر ابراہیم کے وقت یہ شریعت بھی رہی تو خلاف دستور انبیاء کے ہے۔ سوائے بنی آخر الزماں علیہ السلام کے زن مطلقہ سے نکاح کرنا ثابت نہیں ہے۔

اب ہم رجوع کرتے ہیں پیغمبر کے لفظ اور اس آیت کے معنی کی طرف۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ لفظ جمع ہے۔ جیسا اب نسخہ موجودہ مطبوعہ لندن اور اسٹراڈم وغیرہ میں دیکھا گیا ہے۔ انہیں

سے اور ہم کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ جو خلاف بیان مفسرین کے پایا جاتا ہے تو یہی مدعا استدلال کا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ جہاں پہلی پیشی یہ جمع اسم منسوب کی ہو۔ جیسا کہ جمع اسم منسوب کی اس وزن پر تعدد ثابت ہے پہلی پیشی کے معنی سریر زادے کے ہیں۔ یعنی آیت کے یہ ہیں کہ ابراہیم نے سریر زادوں کو لکھ دیا۔ دیگر وہاں سے غصت کرویا۔ اور ان کو فلسطین کے پورے حصے کی اجازت دی۔ لیکن ان میں اسمعیل آئے تو نہ تھے۔ بلکہ اسی باب کی نویں آیت میں لکھا ہے کہ دفن کیا ابراہیم کو اسمعیل اور اسحاق اور ان کے لڑکوں نے غرض توریت اور اوس کی تفسیر دیکھنے والوں پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ حضرت باجرہ کا نوٹ نہی ہونا کتب مقدسہ سے کسی طرح ثابت نہیں۔

(مخلص از خطبات احمدیہ از صفحہ ۳۶۱-۳۶۰)

اس طول و طویل استدلال میں یہودیوں اور عیسائیوں کے جملہ اشکال و احتمال کا بال بال غور و فکر کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مرقوم سریرید اور ان کے شیخ مولوی عثمانیت رسول صا حب نے جہاں جہاں ایک ہی شخصیت اور شریف النسل اور آزاد خاؤن ثابت کر دیے ہیں۔ پھر اس لطیف حکمے ساتھ کہ ان کے استدلال کے تمام شاؤ و شہاد و معجزات نہیں ہی کتب مقدسہ سے مستنبط و استخراج فرما گئے ہیں۔ بہت بڑی عالمانہ تحقیق سے کام لیا ہے۔ جس کے لئے تمام اہل اسلام کو ان کا ممنون ہونا چاہیے۔

مرقومہ بالا بحث کرویا کہ اور پہلے شخص یہودیوں اور عیسائیوں کے یہی تعصب اور لانا انہما انسانییت کی پوری حقیقت معلوم کر لیا۔ اپنے اس ایک فکرانہ خیال کے سچے سچے کہ حضرت اسحاق پر حضرت اسمعیل کو ترجیح نہ دی جائے کہ ان میں برابر ہے۔ اور ایک بات میں کہ ان میں اختلاف نہیں اور ایک شاخ میں کہ ان میں شک و شبہ نہ کیا ہے۔ پہلے تو جناب باجرہ کے کہنے ہوئے ہیں ان میں جوئی کا زور لگا ہوا ہے۔ لیکن جب انہیں ان کے کہناوں سے اس معجزہ کا شاہد ہوا ہو تو ثابت ہو گیا۔ تو ان کو اور قطورہ کو جو حقیقتاً حضرت ابراہیم کی سریرہ تھیں۔ ایک ہی ہجو رہے۔ ان سے جہاں کو ایسے مہل اور سراپا غلط استدلال پیش کرتے تھے۔ استدلال ہی خیال نہ رہا کہ ان کا موجودہ استدلال تو کتب مقدسہ اور ان کی ان تمام عبارتوں کو پامال کر ڈالنا ہے جن میں باجرہ اور قطورہ کے واقعات علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ باجرہ کی اولاد اور ان کا موطن و مسکن علیحدہ بتلایا گیا ہے۔ اور قطورہ اور ان کی اولاد کے مسکن و اماکن جدا جدا کئے گئے ہیں۔ ایسا ان جیسے پیروں سے کوئی پوشیدہ کہ تمہارا خدا تمہارے خدا کی کتاب جن پر تم ایمان لائے ہو۔ وہ تو باجرہ اور قطورہ کو دو علیحدہ عورتیں اور دونوں کی اولادوں کو دو جدا گانہ قومیں اور پرانے دونوں کے مقام سکونت دو مختلف اور مشرق مقامات میں بھیج اور صاف طور سے بتلادہی ہے۔ مگر تم ہو کہ اپنی خود غرضی اور نفسانیت میں گرفتار ہو کر دونوں کو ایک سمجھتے ہو اور سمجھاتے ہو۔ اب تمہیں کہو کہ تمہارے خدا اور اوس کی صحیح اور صحیح بشارتوں کے مقابلہ

میں تمہارے ان لغویات کو ایک منٹ کیلئے بھی کوئی ماسٹہ گا نہیں کہہ رہی ہیں۔

جبکہ اس سے بھی ان کا مطلب نہ نکلا تو خیاب ہاجرہ کو زین مطلقہ اور حضرت اسمعیلؑ کو سپر عاق شدہ رنحوہ
باشہ ٹھہرایا گیا اور انہیں کی کتب مقدسہ کے مندرجہ واقعات بتلائیے ہیں کہ یہ زین مطلقہ حضرت ابراہیمؑ کی آنکھوں میں
ایسی وقیعہ اور قابل قدر تھی۔ اور یہ عاق کردہ فرزند ان کو اپنا پیارا بھائی کہہ کر اس افتراق کے آغاز وقت سے
لیکر وقت وفات تک سال بہ سال ایک بار نہیں کہی بارہ اون کے دیکھنے کو شام سے حجاز میں تشریف لے جایا کرتے
تھے۔ اور کافی طور سے ان کا تعلق حال فرمایا کرتے تھے۔ ابراہیمؑ کے وہی طلاق دادہ اور عاق کردہ اہل و عیال ہیں۔
جن کی ولایت اور راحت و آرام کے لئے بنی جرہم اور بنی شاملیق قبیلہ کے یمن کو وہاں آباد ہونے کی اجازت دی
یہ ابراہیمؑ کے وہی بزرگ دادہ اور خدا رسیدہ اہل و عیال ہیں جن پر تورات مقدس کی متعدد اور تواتر بشارتوں سے
خدا اور خدا کے فرشتوں کا پراۃ العین ظاہر ہونا اور ان کو ان کے موجودہ اضطراب و اضطراب میں تسکین و تسکینی دینا
ثابت ہے۔ اور پران کی ہجرت اور ترک وطن کے واقعات کے بعد بھی ان بزرگواروں کے لئے مختلف اور
متعدد بشارت اور وصایا سے ابراہیمؑ کی انہیں کی کتب مقبرہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ ان اسناد و شواہد کے مقابلہ
میں جو مخالفین کے خاص معقرقات ہیں۔ کوئی چوٹی سی چوٹی عقل والا آدمی یہی کہہ ہی نہیں کہہ سکتا کہ ابراہیمؑ
کو کسی تشریف۔ مرد آدمی کی گھر سے نکالی ہوئی ذریت یا طلاق دی ہوئی عورت قرار دینگے۔

حقیقتاً اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ کی ان حضرات سے ترک تعلق فرمانیکے بعد اپنے تعلقات بڑھاتے
اور ان سے اپنے جھلنے کیلئے علاقہ شام سے ملک حجاز میں بار بار آتے جاتے۔ اور اگر بغرض محال۔ خدا کے حکم سے نہیں
محض سارے کے اصرار ہی سے۔ اسے شرعی مخالفت اور دائمی عداوت اختیار فرمائی گئی تھی تو پھر خلافت مرفی خدا
اور بلا غما سے سارہ۔ ان کے پاس آپ کا جانا اور پروردیکہ بھال آنا کس غرض سے تھا، اگر حکم خدا سے مخالفت
کی گئی تھی۔ اور پروردیکہ مخالفت جاری رکھی تھی تو معاذ اللہ آپ کا فیصل حکم خدا کے صریح خلاف تھا۔ اور اگر صرف
سارہ ہی کے اصرار سے تھا عہدہ شرعیہ طلاق دیکھی تھی تاہم بعد طلاق اجراء کے رسم و راہ اور بقائے تعلقات
قطع منوع و معیوب تھا۔ ان عیوب نقائص کے لئے عام انسان قابل الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اتنا

بڑا اولی العزم پیغمبر

ان تمام دلائل و قرائن کو پیش نگاہ رکھ کر آسانی سمجھ لیا جائیگا کہ حضرت ہاجرہ اور جناب اسمعیلؑ کے
قطع تعلق کئے جانے کی نسبت یہودیوں اور عیسائیوں نے عام گمراہی اور عالم فریبی کے جو جھوٹے بانڈھے ہیں
وہ بالکل اونٹن کے تعصب اور نفسانیت پر مبنی ہیں۔ انہوں نے صاف صاف حقائق میں حضرت ابراہیمؑ پر اتنا
لگا یا ہے جس کا کوئی وجود اور کوئی اثر ان کی کتب مقدسہ سے خود ثابت نہیں ہوتا۔

حقیقت حال وہی ہے۔ جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ ولادت اسماعیل کے بعد ہی ہے۔ ہاجرہ کے ساتھ سارہ کو شکسہ و حسد پیدا ہوا۔ پھر چند دنوں کے بعد حضرت اسحاق کے ولادت سے لے کر ان کے خیال کو اور قوی کر دیا اور وہ یہ تھا کہ معمولی عورتوں کے انداز میں ان کی طبیعت نے یہ بجا اصرار پیدا کیا کہ اسحاق کے ساتھ اسماعیل وراثت میں شریکیت نہ ہونے پاوے۔ اس خیال نے اصرار کے ساتھ قوت پکڑ لی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم کے ساتھ سخت تاکیدوں میں اسکا اظہار کیا گیا۔ خداوند عالم نے ہی رفع فساد کی مصالحت خاص سے حضرت ابراہیم کو سارہ کی ہٹ رکھ لے جانیکا حکم فرمایا۔ ورنہ حقیقتاً حضرت ابراہیم کی زندگی تلخ ہو جاتی۔ ان تمام مصالح پر نظر فرما کر جیسا کہ آج تک ایسے موقعوں پر ایسی ہی انتظام مفید ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ سے علیحدہ کر دیا گیا اور ہاجرہ کو حکم الہی کے مطابق مع ان کے فرزند اسماعیل کے اس مقدس مقام پر بچھا دیا گیا۔ جو بارگاہ مشیت ہے۔ ان حضرات کی عظمت و جلالت اور تقدیس و تعظیم کا مرکز قرار پانچکا تھا۔

لفظ سارا سین Saracene یہودیوں کی تقلید میں عیسائی متعصبین نے ہی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کی صرف انہیں و تحقیر کے قصد و خیال سے ان کی اولاد و نسل کو سارا قہنہ کے حقیر نام سے موسوم کیا ہے۔

اسکی عصبیت اور نفسانیت کی یہ کیفیت ہے کہ زمانہ موجودہ کی کمال تاریخی تحقیقات اور کمالی اطلاعات حاصل ہو جائیں پر بھی انکو اپنی اس غلط بیانی پر یقین نہیں آتا۔ چنانچہ یورپین قہنہ اہل عرب کو جو بالکل صحیح طور پر آل اسماعیل و نیکو شرف رکھتے ہیں۔ سارقین کہتی ہیں متعصبین یہود و نصاریٰ کا عصبیت کے تمام اقوام و قبائل کو اس نام سے موسوم و مشہور کرنا ان کی کھلی کھلی عالم فریبی ہے اور معاملہ وہی ہم اس لفظ کی تنقیدانہ تحقیق ذیل میں قلمبند کر رہے ہیں۔

اس مغویانہ اور متعصبانہ تسمیہ کی ابتدا اقویٰ تائید سے ہوئی جنہوں نے پہلے پہل چند عرب کے خاص قبائل کو اس نام سے موسوم و مشہور کیا۔ پھر غاصب تعصب نفسانیت کی وجہ سے یہودی و عیسائی جزیرہ نام سے عرب کے تمام باشندوں کو عام طور سے اسی نام سے پکارنے لگے۔ اس غلط تسمیہ کی اصلاح اور تنقید تو اتنی ہے۔ اسکا کثرت اور وسعت اثرات کا سبب تو صرف حسد و عداوت معلوم ہوتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ یہ یورپین ماسٹر کو کاک Revd Mr Pecole جو گندہ ضد ہی کے بہت بڑے عیسائی پیشوا۔ اسی لفظ کو کتب قدیمہ کے مشہور عالم اقوام و قبائل عالم کے بہت سے تفسیق اور مستند مورخ ہیں۔ اپنی کتاب میں موسومہ تاریخ عرب میں لفظ سارا سین کی خاص تحقیق کے ساتھ تلخ تحریر کرتے ہیں۔

اس مضمون پر ہمارے مضمون نے اس وقت تک جو کچھ شائع کیا ہے ان میں ہم کسی جگہ اس امر کی قایل

اطمینان دلیل نہیں پاتے کہ وہ لوگ جو پہلے عرب کہلاتے تھے۔ آخر میں سارا سینس کیوں موسوم ہو سکے۔
 جن لوگوں نے اس نام کو سرسج سے مشتق سمجھا ہے۔ اون کی کامل تردید کر دی گئی ہے اب عموماً یہ گمان
 ہوتا ہے کہ یہ نام صرقا (چوری) سے نکلا ہے جس سے ایک وحشی اور ٹھیری قوم صریح مراد ہے۔ مگر یہ نام
 اونکو کہاں سے ملا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ نام خود انھیں (عرب) کے ہاں سے شروع نہیں
 ہوا ہوگا۔ بلکہ کسی اور قوم کی زبان سے یہ لفظ لیا گیا ہے۔ کیونکہ عرب ایسے نام کو جو موجب رسوائی اور
 ذلت کا ہے اپنے لئے کیوں گوارا کرتے۔ اب محققین کو یہ تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا اون لوگوں کے نام
 جو عام طور پر اور علاقہ قرطانی اور رزنی کے لئے مشہور ہیں۔ لفظ صرق سے مشتق کرنا جائز ہوگا یا نہیں۔
 جس کے معنی خفیہ چوری کر نیکے ہیں۔

اب اگر کوئی سراسینس کی تحقیق میں میری تہنیت کرنا چاہے تو اسکو اپنی آنکھیں مشرقین کی جانب
 کھولنی چاہئیں۔ کسواسطے کہ سارا سینس اور سراسینس نامے کی آواز میں شرقی اور اسکے جمیع شرقیوں اور
 شرقیوں کی نسبت کیا فرق ہوگا۔ جس کے معنی اہل شرق یعنی باشندگان مشرق کے ہیں جس طرح کہ سابق
 میں عربوں کو خصوصاً یہودی خیال کرتے تھے کیونکہ اوس زمین کا شرقی حصہ حسب قول طائیہ لوگوں
 عرب سے محدود ہے۔ اسی طرح توریت مقدس (سفر تگومینا باب ۱۱) میں یہ طائے کی اولاد کو جو عرب
 سے مشرق میں بیان کرتے ہیں یعنی ساحل کے اوس حصہ پر جو بابلین بشارم اور سفار کے مشرق میں ایک
 پہاڑ ہے۔ واقع ہے۔ اگر اسٹوڈیاس۔ قابل اعتبار ہو من مکتہ الی تہیئہ سدینتہ الیہ الی الشری
 یعنی کہ سے وہاں تک کہ تم اوس مشرقی پہاڑ کے شہر تک آؤ۔ جیسا کہ مسودہ کوڈیکس میں مرقوم ہے۔

الی سدینتہ الشری یعنی مشرقی شہر تک (جس سے میری دانست میں مدینہ منورہ مراد ہے)
 سیرسیرم (جو جانب شرق واقع ہے حضرت سلیمان کی عقل تمام اہل شرق کی عقل سے بڑھکر
 خیال کی گئی ہے۔ یعنی حسب بیان اوس یہودی کے۔ گو وہ کوئی یہو جس نے مختلف ملک کا عربی میں
 ترجمہ کیا ہے) سراسین یا عربی کی عقل ہے۔ اسی طرح یہ سیاہ بی (باب ۲۹) میں اسراہیل بنی قیدار
 کو اہل الشرق کہتے ہیں۔ علامہ گروگوشیش بیان کرتا ہے کہ عیسا یاں سابق کی یہ رائے تھی کہ وہ عموماً
 جو حسب بیان متی جواری (باب ۲) پرستش کو آئے تھے۔ ملک عرب سے آئے تھے۔ اور اسکا خود

بھی عقیدہ تھا۔ نائوس (فولیس میں) لکھتا ہے کہ میں نے اپنی سفارت کی خدمت جو بکا نسب
 بنی عشوقیہ بنی حمیر اور سارا سینس اور دیگر اقوام پرستش کنندہ کے تھے تفصیل کر دی۔ اسلئے سارا سینس
 کا اور شرقی اقوام کے زمرے میں شامل ہونا صرف اسلئے ہے تاکہ وہ مشرق میں آباد تھے۔

مجد الدین فیروز آبادی صنفی الدین اور دیگر لوگوں کا بیان ہے کہ مشرق کے چند اور مقامات سے بھی بایں وجہ کہ وہ مشرق کے اور حصوں میں واقع تھے۔ بنام المشرقہ یا المشرقیہ موسوم تھے اور یہ بھی ان کا بیان ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ ان مقامات کے باشندے اہل المشرق کہلاتے ہیں۔ اسی ہی دلیلوں سے اور ان لوگوں کو بھی جو ایسے ملک میں بستے ہوں کہ بلحاظ اور ملکوں کے المشرق یعنی پورب کہلاتا ہو۔ اوس نام سے ملقب کیوں نہیں کرنا چاہیے۔ ورنہ وہ اپنے اور ان لوگوں کے درمیان جو اپنی بولی میں اپنے آپ کو مغربی یا شرقی (بحریرہ مورہی تانیہ) کہتے ہیں کس طرح پوری تیز کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے۔ جیسے کہ باشندہ اسے ملک مغرب المغاریہ کہلاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو عرب میں مقولین ہیں۔ المشرقۃ یا سارا سینس کہے جاسکتے ہیں۔ اور یہ نام ان کے عادات و اوضاع کے لحاظ سے نہیں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح تم اوس مشہور و معروف حکیم ابو علی سینا کی اوس نامی کتاب کا نام۔ سارا سینک فلاسفی یعنی الفلسفۃ المشرقیہ۔ کچھ اوسکی جہالت کی وجہ سے نہیں کہتے ہو۔ بلکہ اوس کے مشرقی ہونے کی وجہ سے۔ یہی بات کہ عربی حرف "شین" کا یونانی کے مانند تلفظ ہوا ہے۔ اس سے کوئی دشواری نہیں ہوتی کیونکہ وہ (یونانی) عبرانی حروف کا بھی اسی طرح تلفظ کرتے ہیں۔

ماخوذ از خطبات احمدیہ از صفحہ ۱۶۱-۱۶۲

تعصب کا مقتضایہ ہے کہ حقیقت چھپائی جاوے۔ جس اور نفسانیت کا مدعا ہے کہ اصلیت پر پردہ ڈالا جائے یا کم سے کم واقفیت پر غلط بیانی کے حاشیہ پر پا کر اصلی مضامین کو تبدیل کر دیا جاوے۔ اس انگریزی محقق کی تحریر سے کامل طور پر متعصبین یہود و نصاریٰ کی مغربیہ قلمساریوں کی قلعی کھل گئی۔ اور ثابت ہو گیا کہ ان خود غرض حاسد اور کفر پرورد قسے کو اپنی نفسانیت اور خود غرضی کے مقابلہ میں۔ استغناء حق۔ تحریف تبدیل بقول و معانی اور غلط بیانی کی بد اخلاقیوں سے نہ کوئی غیر متاثر ہو اور نہ کوئی شرم۔ ایک محض معمولی لفظ کے اصل معانی اور مدعا میں تو جس قدر نفسانیت سے ارتعاش مفاہیم پیدا کیے گئے۔ اور گمراہ فطرت کے تقاضے سے تمام دنیا کے لوگ سخت مغالطہ میں ڈال دیے گئے۔ تو پھر کتب الہیہ سے اہم ترین ذخائر و ذخائر کے اصلی ترجموں اور ان کے دقیق مسائل کی تشریح و تحقیق میں ان سے راستبازی یا صداقت شکاری کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

ہم اپنے سلسلہ بیان میں جناب ابراہیم جناب اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہم السلام کے حالات تفصیل کے ساتھ قلم بند کر چکے۔ حضرت ہاجرہ نے مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا اور مقام حجر میں جو خانہ کعبہ سے ملحق ہے مدفون ہوئیں۔ اسی ضمن میں مناسبت مقام کی ضرورت ہم کو

تلاش کے متعلق محققین اسلام کے
اعترافات کی تردید مع دیگر حالات

انتقال فرمایا اور مقام حجر میں جو خانہ کعبہ سے ملحق ہے مدفون ہوئیں۔ اسی ضمن میں مناسبت مقام کی ضرورت ہم کو

شہر کعبہ اور عمارت کعبہ کی قدامت اور اس معبد مقدس کی اولیت کے مسئلہ کی انکشاف حقیقت کی طرف توجہ دلاتی ہے اور ہم اسکو اپنے تالیف کے موضوع کا جزو ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ مخالفین اسلام نے اسکی قدامت کے مسئلہ پر بھی اعتراضات وارد کئے گئے ہیں۔

تعمیر کعبہ کے حالات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہم جناب ابراہیم کے حالات میں لکھ آئے ہیں۔ اس لئے اس کے متعلق ہم کو اعادہ اور اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اسکی قدامت کے مسئلہ کو ہم نے وہاں طوالت اور اصل مدعا سے بیان سے دور جا پڑنے کے خوف سے بیان نہیں کیا۔ مگر اب چونکہ ان تمام مقدس حضرات کے حالات کو ہم تمام کر رہے ہیں جو اس بناء ربانی کے اصلی بانی ہوئے۔ اس ضرورت سے اس کے متعلق تمام حالات و واقعات کو بھی تمام کر دینا ہمارے لئے ضروری ہے۔

قرآن مجید میں کعبہ معظمہ کی قدامت کے متعلق یہ عبارت مندرج ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَنَیْ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْنَ بِبَسَّکَ مُبَارَکًا
هَدٰی لِّلْقِبْلَیْنِ | اویسوں کی عبادت اور دعوای کی ہدایت کی طرف سے۔ پہلا گروہ
دنیا میں بنایا گیا وہ شہر کعبہ میں ہے۔

علمائے اسلام اس کی قدامت کو حضرت آدم کے وقت سے بتلاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ اسکی پہلی عمارت حضرت آدم کے عہد میں تیار ہوئی تھی۔ مگر اسناد ایام کی وجہ سے وہ گزر کر بالکل منہدم ہو گئی۔ تعمیر ابراہیم اوس مقدس عمارت کی تعمیر ثانی ہے۔

اویسیوں ہمدی کے اسلامی جدید محقق اور مؤرخ مغربی تحقیق و تعلیم کے منقذ اور مؤید۔ اس بیان کو دوران قیاس سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی خوش عقیدگی کا محض اضافہ ٹہراتے ہیں۔

میری خیالیں ہیں ط آدم کے لئے اور متفقہ واقعہ ہے تو دنیا میں کسی قوم کی کسی فرقہ کو کیا کسی نبی آدم کو بھی انکا نہ ہو گا۔ پہلا اگر دنیا میں حضرت آدم آئے۔ اور وہ دنیا کی ہدایت و نظم کے لئے من جانب اللہ آسمان سے زمین پر بھیجے گئے اور انھوں نے خدا کی عبادت کے لئے ایک گھر بنایا۔ اور وہ گھر ایک مدت گزر کر ایسا منہدم اور برباد نا بود ہو گیا کہ ایک زمانہ دراز تک کسی کو اس کے نشان و آثار کا کوئی علم باقی نہیں رہا۔ پہلا ایک عرصہ بعد کے بعد انھیں کی مبارک نسل میں ایک نبی برحق نے خداوند عالم کے حکم سے اوس معبد اعظم اور یادگار آدم کی بار ثانی تعمیر کی۔ تو یہ تمام واقعات۔ انسابات و قیاسات اور محالات و ناممکنات کیسے سمجھ جائیں گے۔

محالات و ناممکنات کیسے۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ امور تو روز مرہ کے حالات اور آئے گئے دن کے معاملات ہیں۔ جو شخص کے شانہ روز کے مشاہدات میں داخل نہیں ہوا۔ تمام شہروں و قصبوں اور دیہاتوں میں عموماً یہ دستور قائم ہے چلا آتا ہے کہ پرانی عمارتوں کے افتادہ قطعہ زمین۔ کئی پشتوں تک۔ خاندانوں کی مالی کمزوریوں اور دیگر

مجبوریوں کی وجہ سے ایسے ویران اور غیر آباد حالتوں میں پڑے رہتے ہیں کہ دیکھنے والے مشکل سے وہاں کسی مکان یا عمارت کا قیاس کر سکتے ہیں۔ پہر ایک عرصہ کے بعد اسی مقام پر ایک خوش نما عمارت اور مجلس ایتیار ہو جاتی ہو تو کیا حقیقت میں وہاں موجودہ عمارت سے قبل کسی مکان کا وجود بیان کیا جانا محال اور ناممکن تسلیم کیا جاوے گا۔ ہم کو انہیں مشاہدات روزمرہ کے اصول متداولہ پر عمارت مکہ مشرفہ کو حضرت آدم کے وقت بنایا جانا تسلیم کرنے میں ذرا ہی تاثر نہ ہو گا۔ ہم اس سے زیادہ اس بحث کے متعلق لکھنا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم کو اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں خانہ کعبہ کے متعلق اس سے زیادہ تفصیلی حالات و واقعات قلمبند کرنے میں اور مخالفین اسلام کے ان اعتراضات کی تنقید و تردید کرنا ہے جو خواہ مخواہ اسکی قدامت اور عظمت سے انکار کرتے ہیں۔ ہم کو ان کے اعتراضات کی کوئی شکایت نہیں۔ تعجب ہے اور حیرت ہے تو انکے اقرار کرنے اور پھر مکر جانے پر اور بانہمہ۔ تمام دنیا سے اپنی کامل اور سچی تحقیق کا دعویٰ ہی۔ اس تحقیق کی یہ حالت کہ ابھی ایک امر کی تحقیق کی اور ابھی آپ ہی اس کی تردید پر طیار ہو بیٹھے۔

بہر حال علماء اسلام حضرت آدم اور حضرت ابراہیم کے وقت سے اسکی قدامت بتلاتے ہیں۔ آخر الذکر زمانہ پر جمہور کا اتفاق ہے۔ یہود و نصاریٰ کو اسکی قدامت و عظمت سے انکار ہے۔ عظمت و حرمت سے انکا انکار تو ہمارے لئے قابل شکایت ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ اہل اسلام کی طرح انکا معبد نہیں۔ پر وہ اسکی حرمت و عظمت کیلئے مجبور نہیں کئے جا سکتے۔ باقی رہا اسکی قدامت سے انکار تو یہ انکا صریح تعصب ہے۔

ہم کو یہی سمجھ کر اپنا اطمینان کر لینا چاہیے کہ اسلام کے معتقدات اور محرمات میں سے وہ کون سی ایسی چیز ہے جن کے ساتھ یہ مخالف اسلام فرقے اپنی حد درجہ کی نفرت اور توہین و حقارت کا اظہار نہیں کرتے۔ پہر کعبہ معظہ کی نسبت ان کا انکار یا کسی بے ادبی کا اظہار ہمارے لئے کیوں تعجب خیز ہو گا۔ مخالفین اسلام اسکو آدم کی عمارت کہاں تک تسلیم کریں گے اسکو عمارت ابراہیمی ہی تسلیم کرنا گوارا نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی اتنی قدیم عبارت نہیں۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ البنی میں مارکوپوس (Marcolioth) جبرین مشرق کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم البنا قرار دیا ہے لیکن صحیح روایات سے پتا چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی۔ مولوی شبلی صاحب اس قول کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مرکوپوس نے اسکے ثبوت میں احصایہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ہم کو اسکے صحت سے انکار نہیں ہے۔ احصایہ میں جو تصریح ہے وہ یہ ہے کہ مکہ میں سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی وہ سعید یا سعد بن عمر نے تعمیر کی

۴۵۵

لیکن مارگبولوس کو یہ معلوم نہیں کہ مورخین عرب نے جا بجا یہ ہی تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا اس پاس عمارت بنانے کو کعبہ کی بجائے اولیٰ سمجھتے تھے۔ اسلئے عمارتیں نہیں بنوائیں۔ بلکہ خیموں اور شامیانوں میں رہتے تھے۔ اور اسی طرح ہمیشہ سے خیموں کا ایک وسیع شہر تھا۔

سیرۃ النبی ص ۱۱۱

شبلی صاحب سے مجھ کو پورا اتفاق ہے۔ صاحب اصحابہ کا لکھنا بھی صحیح ہے۔ مگر مارگبولوس کو نہ اسلام کی مذہبی تہذیب اور نہ اس کے دینی آداب کی کوئی اطلاع ہے اور نہ وہ اس کے تعظیم شعائر اللہ کی اہمیت سے واقف ہے۔ اسلئے اصحابہ کی تحریر بطور ظاہر اپنے مدعا کے مطابق پاکر اس نے آنکھ بند کر کے نقل کر دی۔ نہ وہ واقعہ کی اصلیت تک پہنچ سکا اور نہ صاحب اصحابہ کے مدعا کے حقیقت کو سمجھ سکا۔

مخالفین کا یہ اعتراض اور دعویٰ کہ شہر مکہ اور عمارت کعبہ کی قدامت کا دعویٰ مسلمانوں کا خاص دعویٰ ہے قدیم اخبار و اسفار سے اسکا سراغ نہیں ملتا۔ انکا انکار بعد الا اعتراف ہے۔ باوجود اتنی کامل اور وسیع تحقیق کے بھی محققین یورپ کے واقعات سے اتنی کوتاہ نظری اور بے خبری پر سخت تعجب ہوتا ہے اور بڑی حیرت آتی ہے۔ لیکن اس پر بھی ہم کہنے کو تیار ہیں کہ نہ وہ کوتاہ نظر ہیں اور نہ لاعلم و بے خبر۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے علماء و متقدمین کی تحریر اور اون کی تقلید کی قدیم لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ اور تقلید اسلاف کے اسی غلط اور کورانہ طریقے نے اون کی چشم حقیقت کو کوتاہ کر دیا ہے۔

ان کا پہلا اعتراض کہ کعبہ کی قدامت کا مسئلہ مسلمانوں کی خاص ایجاد ہے کبھی صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمہاری ہی کتب مقدسہ اور اخبار و اسفار قدیمہ سے اسکا وجود پورے طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اہل اسلام اس معبد الہی کی اولیت اور صداقت کے اس بنا پر مدعی ہیں کہ قرآن مجید میں حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

اول بیت وضع للناس للکتاب مبارک وہی | یہ پہلا گھر ہے جو آدمیوں کے لئے عبادت خدا اور ہدایت عالمین
للعلین۔ | کی غرض سے مکہ مبارکہ میں بنایا گیا۔

اب یہ تحقیق کرنا ہے کہ شہر مکہ (مکہ) کا وجود قرآن کے سوا اور دیگر کتب قدیمہ میں بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کتب قدیمہ پر ایمان رکھنے والوں کو اس شہر مبارک کی قدامت کا ضرورتاً ہونا پڑیگا۔ اور قرآن مجید کی یہ عبارت اون کی کتابوں کی بشارت سے بالکل مطابق ہو جائے گی۔ اس مدعا کی تحقیق اور اس دعویٰ کی تصدیق میں ہم مولوی شبلی کی سیرۃ النبی سے ذیل کے ثبوت نقل کرتے ہیں۔

کتاب زبور باب ۴۴ آیت ۴ میں ہے کہ۔ وہ جگہ کے دادی میں گزرتے ہوئے۔ اسے ایک کنواں

بتاتے۔ برکتوں سے مورتہ کو ڈھک لیتے۔ قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔
اس عبارت میں جو کہ لفظ آیا ہے وہی کہ لفظ ہے۔ لیکن اگر اس لفظ کو اسم علم کے بجائے اسم
مشق قرار دیں تو اس کے معنی رونے کے ہونگے۔ اور یہ وہی لفظ عربی بکار ہے جس کے معنی رونے کے ہیں
جو کہ یہود و نصاریٰ ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے واسطے رہتے آئے اس لئے ان کے شریکین نے عبارت
مذکورہ میں (خا جسکر) کے ترجمہ و تکرار دیے ہیں۔ لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت میں وادی
بجائے کیا معنی ہوں گے؟

زبور کی عبارت مذکورہ میں اوپر کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی شہید میں حضرت داؤد کے مکہ معظمہ
اور مروجہ اور قربانگاہ اجمعی کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے۔ حضرت داؤد خدا کے کتر ہیں
اسے فوجوں کے خدا تیرے مسکن کس قدر شیریں ہیں۔ میرا نفس خدا کے گہر کا شوق بلکہ عاشق ہے۔ اچھا
تیری قربانگاہ۔ میرے مالک اور خدا ہیں۔ مبارک ہو ان لوگوں کو جو تیرے گہر میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ اور تیری
تسبیح پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد مکہ والی آیتیں ہیں۔ اب غور کرو حضرت داؤد میں مقام کے پورے شوق کا شوق
ظاہر کرتے ہیں وہ اس مقام پر صادق آسکتا ہے۔ جس میں ذیل کی باتیں پائی جاتی ہوں۔

(۱) قربانگاہ ہو (۲) حضرت داؤد کے وطن سے دور ہو کہ وہاں تک سفر کر کے جائیں (۳) وادی
کی کہلاتا ہو۔ (۴) وہاں مقام مورتہ ہی ہو۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر تو قطعاً یقین ہو جائے گا۔
کہ ”یکہ“ (وہی کہ معظمہ اور ”مورتہ“ وہی ”مروجہ“ ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہو جائیگا کہ
یہ وہی کس طرح الفاظ کو بدل کر دیتے ہیں پھر قوت الکلم عنق متنا فی صومہ۔ ڈاکٹر ہسٹنگس

(DeHustings) نے ڈکشنری آف دی بائبل (Dictionary of the Bible)

میں وادی بکار پوچھا کہ (Article) لکھا ہے اور کا خلاصہ یہ ہے۔

اس لفظ سے اگر واقعی وادی مراد ہے تو وہ حسب ذیل ہو سکتی ہے۔

(۱) ایکسا وادی ہے جس سے ہو کر زاکرین بیت المقدس جاتے ہیں۔

(۲) وادی انور ہے۔ جو نیشور کا باب ۶۔ آیات ۲۲-۲۶ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۳) وادی رقاؤں ہے۔ جو ساموئل دوم۔ باب ۵۔ آیات ۱۸-۲۲ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۴) کوہ سینا کی ایک وادی ہے۔

(۵) بیت المقدس تک جو کاروانی راستہ شمال سے آتا ہے۔ اس راستہ کی آخری منزل ہے۔

(Reynon) کی کتاب جیائے عیسیٰ باب ۴

لیکن عجیب بات ہے۔ ڈاکٹر ہسٹنگس کو اتنے احتمالات کثیرہ میں کہیں کہ معطلہ کا پتا نہیں لگتا۔
مصرع۔ ہاں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجا ست۔

حیرت پر حیرت تو یہ ہے کہ جن جن وادیوں کے نام لئے ہیں اون میں ایک کو بھی بگا کے لفظ سے کسی
قسم کی مناسبت نہیں۔ یہاں تک کہ ایک حرف بھی مشترک نہیں بخلاف اسکے بگا اور بگہ بالکل
ایک لفظ ہیں۔ فرق اسی قدر ہے کہ جس قدر ایک ہی لفظ کے تلفظ میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

جارید انسائیکلو پیڈیا (NEW ENCYCLOPIDCA) میں محمد علی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
عنوان سے جو مضمون ہے وہ مرگولیوس کا لکھا ہے۔ اس میں کیا معطلہ کی نسبت تحریر ہے۔

قدیم تاریخوں میں اس شہر کا نام نہیں ملتا۔ بجز اسکے کہ زبور (۸۴-۶) میں وادی بگہ کا لفظ
مذکور ہے۔

لیکن مارگولیوس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

پروفیسر ڈوزی (PROFESSOR DOZIE) جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی داں
عالم ہے۔ لکھتا ہے کہ

بگہ وہی مقام ہے جس کو یونانی جغرافیہ داں مارکروب کہتے ہیں۔

لیکن کارلائل صاحب نے اپنی کتاب ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ (CARALAYALS
HEROES AND HEROES WORSHIP) میں لکھا ہے کہ

رومن مورخ سیمپلس نے کعبہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ دنیا کے تمام معبدوں سے قدیم اور
اشرف ہے۔ اور یہ ولادت مسیح سے چار سو برس پہلے کا ذکر ہے اگر کعبہ حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے وجود
تھا تو مکہ ہی قریباً اسی زمانہ کا ہو گا۔ کیونکہ جہاں کہیں کوئی مشہور معبد ہوتا ہے اسی کے آس پاس
ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گاؤں آباد ہو جاتا ہے۔ (ملخص از سیرۃ النبی ص ۱۱۲-۱۱۰)

اس عیسائی محقق (کارلائل) نے تو صاف صاف لفظوں میں کعبہ مشرفہ کی قدامت اور شرافت
بالتصریح والتبرجج کا اظہار و اقرار کر دیا۔ اگرچہ اس سے پہلے پروفیسر ڈوزی اور کسٹھیدر مارگولیوس نے
بھی اسکا اقرار کیا تھا۔ وہ زبان دیگر ان کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسلئے اسکو قطعی اور واقعی نہیں کہہ سکتے تھے۔

کارلائل نے سائیکس کے ایسے قدیم مورخ کے مختارہ تحقیق سے یہود و نصاریٰ کے اس قدیم استخفاف حقیقت کا
پورا انکشاف کر دیا۔ اور بتلادیا کہ منشرفین یورپ کا یہ استخفاف اور انکار بعد الاغتراف کس قدر منصفانہ اور شرفدار کی
سقطت کعبہ اور غلاف کعبہ اس مضمون کی نسبت ہم اس سے زیادہ تفصیل کو مناسب نہیں سمجھتے اور

کعبہ پیش رفت کے دوسرے حالات و واقعات کی تصریح و بیان کو آغاز کرتے ہیں ہم اس معبد مقدس اور عظیم شرف کے تعمیر میں جو نے کے تمام و کمال حالات اور پرکھ آئے ہیں۔ اور ان کے یہاں احادیث یا اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔
مورخین و محدثین اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے سعد ابن ابی وقاص حیرانی۔ بادشاہ مین نے عمارت کعبہ پر غلاف چڑھایا اور قصبی ابن کلاب سے اسکو مسقف اور محفوظ کر دیا۔ قدیم محققین و محدثین کے علاوہ حال کے مورخین کا بھی یہی مختار ہے۔ لیکن علماء سے اہل بیت علیہم السلام کے اختیار سے ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ کی عمارت حضرت اسماعیل ہی کے زمانہ میں مسقف ہو گئی تھی اور اس پر غلاف بھی چڑھایا گیا تھا۔ اور جس عقیدہ مند اور اخلاص شعار خاتون معظمہ نے تعظیم شعائر اللہ کی یہ اول اول رسم اپنی اہل کی اور پوشش کعبہ مذکور کی وہ جناب اسماعیل کی زوہرہ تھیں۔ حیات القلوب کی منہ سے وہی عمارت سے اس کے پورے حالات متحقق ہوتے ہیں۔
ان زہرا عاتقہ با اسماعیل گفتند کہ آیا ہر ایک دور

دو پردہ ہر روز نیم کیے از این جانب و یکے از آن جانب گفتند چنانکہ دو پردہ ساختند کہ طول آن دو از وہ ذراع بود و در ہر او نیکو شد پس آن زہرا خوش آمد آن پردہ ہر روز گفتند آیا ہر ایک کعبہ عیاں ہر یکم کہ چہ کعبہ را ہر روز شام کہ این سنگہا بر نہا است اسماعیل گفتند چنانکہ پس ہر عورت متوجہ کار شد و شام فرستاد و دریا قندیلہ خود را ہر یک جو ہم کہ کہ آنہا را ہر ایک از پسند و از آن ہر ایک سنست و در میان زمان ہر سید کہ از ایک سنگہا در و یکا بندہ دریں باب پس ہر عورت میگردید و ہر یک از قبیلہ و خویشاں خود سے طلبید و از ہر طرفی کہ فارغ می شد می آویختند۔ پس چون ہر یکم حج رسید ہر یک نام کہ جامہ اش تمام نشدہ بود۔ با اسماعیل گفتند چہ کنیم اینچنانہا را کہ جامہ اش تمام نشدہ است پس ہر ایک آن حالت از ہر یک خواجہ نامہ ترتیب داد و ہر یک بیاوختند عرب بیاوختند و ہر یک چہ کہ پیشتر چنانہا نئی آمدند و ہر یک چہ شادمانہ کہ دیکہ ایشان را خوش آمد پس گفتند

زوہرہ حضرت اسماعیل نے کہا کہ کعبہ کے دروازے کے دونوں جانب ہم دو پردہ لٹکا دیں۔ اسماعیل نے کہا ہاں لٹکا دیں چاہیں۔ دو پردہ ہر روز گرجے بنائے گئے اور لٹکائے گئے۔ زوہرہ اسماعیل کو یہ آدیشی پردے بہت خوش نما معلوم ہوئے۔ تو ہر اسماعیل سے پوچھا کہ اگر آپ کہیں تو پردے تیار کعبہ کے لئے ہم ایک کپڑا یا پوشش بنکر طلب کر دیں کہ یہ پتھر جو بدنام معلوم ہوتے ہیں۔ چھپ جائیں۔ حضرت اسماعیل نے اجازت دیدی۔ وہ خاتون اسی وقت سے اپنی حالت تمام اسکی طرف متوجہ ہوئیں اور بہت سا اون لیکر اپنے قبیلہ میں بھیج دیا کہ اسکو کاش کر جلد پہن دیں اسی وقت سے غلاف کعبہ کے لئے عورتوں میں اون کا۔ بننے کا رواج ہوا۔ اس کام میں انہی معظمہ نے بہت جلدی کی اور آپ اور اپنے عزیز و اقارب سے اس میں مدد لی۔ اور جس سمت کا غلاف یا پوشش تیار ہو جاتی تھی وہ اس سمت کی دیوار پر چڑھا جاتی تھی۔ ہر طرف کا غلاف تیار ہو کر چڑھ گیا۔ صرف ایک طرف کار نہ گیا۔ اور حج کا موسم آ گیا۔ تب انہوں نے اسماعیل سے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے۔ ایک طرف کی پوشش تیار

سفر اور نیست کہ برائے عمارت کنندہ این خانہ ہدیہ
 بیادیم پس ازاں روز ہدیہ برائے خانہ کعبہ مقرر شد
 پس ہر قبیلہ از قبیلہا سے ہدیہ ہدیہ برائے خانہ کعبہ
 آوردند از زر و چیز ہائے دیگر تا آنکہ مال بسیار جمع شد
 پس آن لیف خرمارا برداشتند و خانہ کعبہ را تمام کردند
 و در دور کعبہ آویختند و کعبہ مستطین را ساختند و استخسار
 ستونہا گذاشتند و مانند این ستونہا کہ می بینید از چوب
 سقف آزار چوب ہا و چوبید ہا را بستند و در گلی بزرگ مالید
 پس چوں سال دیگر عرب آمدند و دخل کعبہ شدند
 دیدند کہ عمارت کعبہ زیادہ شدہ است گفتند سزاوار
 است کہ برائے عمارت کنندہ ہدیہ ہا زیادہ کنیم پس
 سال آیندہ ہدیہ بسیار آوردند و اسمعیل دانست کہ
 آن ہدیہ را چہ کند پس حق تعالی بآدوسی نمود کہ بش
 اینہا را و طعام کن جا جیایا را

(حیات النکوب ملا محمد علی سیہلہ اول ۱۳۱۱ لکھنؤ)

نہیں اور حج کے دن آگئے۔ اس نیکے خرمے کی چال سے اس
 طرف کی پوشش مرتب کر دی جاسکے چنانچہ ایسا ہی ہوا اس
 سال ہر برس سے زیادہ عرب حج کعبہ بجا لانے کی غرض سے
 آئے اور پوشش کعبہ کی دیگر کہ بہت خوش ہوئے۔ آپس
 میں ملکر کتبہ لگے کہ اسکے بنانیا اسے کعبہ ہم لوگوں کو ہدیہ
 لائے جاسکیں اسی زمانہ سے خانہ کعبہ سے واسطہ ہدیہ لائے
 کا دستور قائم ہوا۔ یہ ہدیہ نقد و جنس سب اقسام کے ہوتے
 تھے۔ یہاں تک کہ بہت سال اس رقم میں جمع ہو گیا۔ وہ
 لیف خرمارا کا خلاف اوتار دیا گیا اور پوشش کعبہ کوئی کراچی
 کی مرتب کر دی گئی۔ اس وقت تک کعبہ کی چیت نہیں تھی
 استخسار سے ستون کھڑے کیے اور پھر خیمہ اور کٹیاں رکھیں
 اور اسی پر ٹی ڈال دی۔ آئندہ سال ہر سال ہر سال آگئے اور
 خانہ کعبہ اس داخل ہوئے تو کیا عمارت میں نمایاں اضافہ
 ہوا۔ ہر سال ہر سال ملکر کتبہ لگے کہ ہم لوگوں کو اس عمارت سے
 تعمیر کنندہ کعبہ سے پہلے سے ہی زیادہ ہدیہ لائے جاسکیں
 دوسرے سال وہ لوگ بہت زیادہ ہدیہ لائے (بھٹیڑ شہ) لائی

حضرت اسمعیل نہیں جانتے تھے کہ انھیں کیا کیا کیا جائے۔ نہ اور نہ عالم سے انکو ہدیہ دینی حکم دیا کہ اس سب کو ذبح کر کے حاجوں
 کی فیاض کر دو۔ (بھی رفادہ ہے)

مسند خرمارا عمارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل کی زوجہ بظہر سے آگے کی استغناء و استغناء
 سے پوشش کعبہ ایجاد کی اور اسکے نذر کیے جانے کی ابتداء فرمائی۔ اسی طرح بنا سب اسمعیل نے خانہ کعبہ کی عمارت
 کو اپنے دوست ہا کے ساتھ اپنے ہی وقت میں مستطین فرما دیا ہے۔ اس بنا پر جیسا کہ اقوال و ارشاد انہما ہرین
 سلام اللہ علیہم جمع ہیں۔ مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل اللہ را واللہ شرفا کی یہ ضرورتیں اسی وقت پوری ہو چکی ہیں
 اور اس کی اولیت اور ایجاد ہی۔ اس وقت سے موجودہ طریقہ اسلام سے آغاز ہوتی تھی۔ اور کسی دوسرے
 لوگوں سے۔ بالکل نکل اور قریب العقل ہے کہ قصہ میں اسے اپنے وقت میں بار دیگر اسکی حیثیت بنوائی ہو اور اس طرح
 سعد بن قیس مصری نے اسکے بعد خواب دیکھا ہو اور اس کی تعمیل میں پھر کعبہ نذر چڑھایا ہو۔

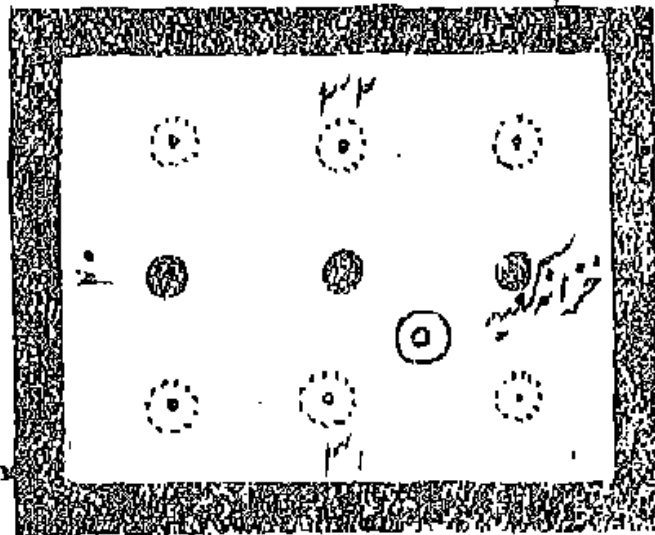
اب یہ دیکھنا ہے کہ اگر سعد ابن تیمیج کا زمانہ حضرت اسمعیل سے قبل تھا تو البتہ سعد کے اول غلاف پڑ جانے والا واقعہ بالینہ میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ اور اگر بعد ہے تو قریبہ غالب یہ ہے کہ سعد نے حضرت اسمعیل کے بعد یہ خدمت ادا کی ہو۔

سلسلہ سلاطین حمیریہ کی تفصیل جو ہم نے تاریخ ابو الفدا اور دیگر عربی ماخذوں سے آغاز کتاب میں لکھی ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد ابن تیمیج کا زمانہ حضرت اسمعیل سے بہت پیچھے ہے۔ حضرت اسمعیل کی یاد تو ملک بلقیس سے بھی کئی پشتوں بعد کا آدمی سلسلہ حمیری میں ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت ابراہیم واسمعیل علیہما السلام سبارا کیر عبد الشمس اول کے زمانہ کے بزرگوار ہیں۔ جو تمام قبائل و ملک کنین کا جد القبیلہ اور سلاطین حمیری کا مورث اعلیٰ پایا جاتا ہے اس اعتبار و شمار سے حضرت اسمعیل کے متعلق اس خدمت کی شہادت موجود ہوتے ہوئے اس کی ایجاد اور اولیت کو کثیر التعداد پشتوں کے بعد ایک محض غیر تعلق اور بیواسطہ شخص کیساتھ منسوب کرنا سیاق تحقیق اور معیار تصدیق کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح عمارت کعبہ کے مسقف کئے جانے کے واقعات کو بھی سمجھنا چاہیئے ممکن ہے کہ حضرت اسمعیل کے بعد قصی ابن کلاب نے اسکی بار دیگر مرمت بنوائی ہو اور کامل مرمت کرائی ہو۔ اسی طرح مرقومہ بالا روایت سے نذر و ہدی کے مراسم کی اولیت بھی حضرت اسمعیل ہی زمانہ سے معلوم ہوتی ہے۔ سید نے کعبہ کے حال میں اتنا تسلیم کیا ہے کہ تعمیر ہی کے وقت سے کچھ نذر و نیاز کعبہ پر چڑھانے جانے کی خدمت شروع ہو گئی تھی۔ ان کی عبارت یہ ہے۔

اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں کہودا تھا۔ جسکو خزانہ کعبہ کہتے تھے اور جو کچھ نذر و نیاز کعبہ میں آتی تھی وہ اسی میں رکھ دیتے تھے۔ تاکہ چوری سے محفوظ رہے۔

سید صاحب پر موقوف نہیں۔ نذر و ہادی اور طعام حجاج کعبہ کے خدمات کی ایجاد ابراہیمی ہونے چاہیو کا اتفاق ہے اور ویسا ہی مشہور رجہ بالا روایت اہل بیت سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ جو کچھ اختلاف ہو وہ حضرت اسمعیل کی وقت میں خاتمہ کعبہ کے مسقف کئے جانے اور اس پر غلاف و پشت پوش چڑھانے جانیکی ایجاد و اولیت کی نسبت سرسید نے غلات کعبہ کے ذکر میں ایک نظری نقشہ بنا کر عمارت ابراہیمی اور موجودہ عمارت کے فرق مایہ لالتیاز کو اپنی مندرجہ ذیل عبارت میں کیساتھ دکھایا ہے۔ ہم نقشہ اور عبارت کو مجنبہ و بلفظ نقل کرتے ہیں۔



نوٹ۔ خطوط سیاہ کے تمام علامات عبارت ابراہیمی ہیں اور نقطہ دار نشانات اضافات قریش اور موجودہ ہیئت عبارت کو بتلاتے ہیں۔
 بائیں طرف جو حصہ نقطوں سے گہرا ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم کے وقت میں وہ بھی کعبہ میں داخل تھا۔ قریش نے تعمیر کے وقت اس قدر چوڑا دیا تھا
 کعبہ کے اندر جو نقطہ دار نشان ہیں وہ اون ستونوں کے ہیں جو قریش نے بنائے تھے۔ وہ اب نہیں ہیں بعض اسکے عبداللہ ابن زبیر نے تین ستون
 بنائے ہیں جن کے سیاہ نشان بچے ہیں۔

سید صاحب کی عبارت ملاحظہ کعبہ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے یہ ہے۔

تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دیواریں ہی دیواریں تھیں۔ چست نہیں تھی اور
 دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا اور اوٹیں نکو اور چڑھے تھے اور نہ گنڈی لگی تھی۔ اور بلاشبہ اس
 زمانہ کی حالت ایسی ہی تھی کہ اس سے زیادہ تعمیر مکان میں گو وہ خدا ہی کا گھر بنا یا گیا ہو کچھ نہیں

ہو سکتا تھا۔ خطبات ۵۱۹

بہر حال سید صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ تعمیر ابراہیمی اور تعمیر قریش کے درمیان جس سے تمام تعمیر قسطنطینی ابن کلام
 مراد ہے اور کوئی دوسری تعمیر نہیں ہوئی۔ سید صاحب پر غور نہیں۔ اکثر اسلامی مورخین کو یہی شبہ ہوا ہے۔ حالانکہ
 ان دونوں تعمیرات کے درمیان دو اور تعمیروں کا ذکر اکثر تاریخوں میں موجود ہے۔ یہ طعن یہ ہے کہ سید صاحب نے
 خود ان دونوں تعمیروں کا ذکر علامہ عبدالرزاق کی تاریخ مکہ سے لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ایک فرانسیسی مورخ نے اپنی کتاب متعلق احوال مکہ میں حضرت علیؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ پہلے

بنی جرہم نے اور ان کے بعد علایق (عالمیق ثانی) نے کعبہ کی تعمیر کی خطبات ۵۲۲

مرحوم سید صاحب کی عادت تھی خواہ نحو اور وین ماخذوں کے حوالہ دینے کی۔ حالانکہ بنی جرہم اور علایق
 دونوں کی تعمیرات کا ذکر عام طور سے عربی کی تمام تاریخوں میں موجود ہے۔ اور خود آپ بھی نے تاریخ مکہ کے حوالہ
 سے خطبات میں درج فرمایا ہے۔ دونوں تعمیرات کے متعلق آپ کی ملاحظہ عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت اسمعیلؑ اور اس کے موافق رہے جب ان کا
 انتقال ہوا تو بنی جرہم کو اس میں داخلت ہوئی۔ کیونکہ وہ ان کے
 قریبی رشتہ دار تھے اور بنی اسمعیل کے غیر خواہ و محافض تھے۔
 مضاف ابن عمر جرہمی جو نانا اسمعیل کے بیٹوں کے تھے۔ انہوں نے
 اپنے ہاتھ میں سبب اختیار کر لے بنی جرہم کے اختیار کے
 زمانہ میں پہاڑی نالہ آیا اور کعبہ میں پانی چڑھ گیا اور کعبہ
 ڈھ گیا۔ جس کو بنی جرہم نے انہیں بنیادوں پر جو ابراہیم

قالوا تو سفع اسمعیل و دفن فی الجحش
 کانت امہ قد دفنت فی الجحش ایضا و ترک ولد
 اسمعیل من رملہ ابنہ مضاف لما ولد اسمعیل
 و کلفہم کلہم بنوا ابدتہ فلم یزل امر جرہم
 یعظم بسکۃ و یستفعل حتی ولوا البیت و کانوا
 اولادہ الامم کام جمکۃ فجاء یسبل فدخل البیت
 فانہدم فاعادہ جرہم علی بناء ابراہیم و کان

طوله فی السماء تسعة اذسع ران کتاب
(خطبات مسکتہ صفحہ ۴۸)

نے بنائی تھیں اور اسی صورت پر بنایا۔ اسکی بلندی زمین
سے نو ذرعہ تھی۔ (کتاب بخاری ص ۴۸)

(منقول از خطبات احمدیہ ص ۵۲۱)

سید صاحب تاریخ مکہ مندرجہ بالا اقتباس کو لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ۔ ہم کو کسی تاریخ سے اس تعمیر کا زمانہ نہیں معلوم
ہوا اور اسی سبب سے ہم کوئی زمانہ اسکی تعمیر کا قرار نہیں دے سکتے۔

سید صاحب کے ایسے کامل محقق سے ایسا عاجزانہ عذر کتنا تعجب انگیز ہے۔ اسکے ایسے لاعلم الا یام
اور غیر معلوم الوقت واقعات کے صحیح ایام وقوع تو اسی خطبات میں آپ نے مختلف قرائن و دلائل عقلیہ سے
معلوم کر کے لکھ دیے ہیں اور حقیقتاً وہ قابل قبول ہی ثابت ہوتے ہیں مگر اس ایک واقعہ کی نسبت جبکا زمانہ وقوع
قریب قریب بالکل معلوم ہے۔ آپ اپنا عجز اور مجبوری ظاہر فرماتے ہیں۔ علامہ ازرقی اصل عبارت میں تو فی اسمعیل
لکھ کر اور آپ اسکے ترجمہ میں کہ حضرت اسمعیل کے بعد۔ تحریر فرما کر اسکے وقوع کا زمانہ گویا بتا چکے اور قائم فرما
چکے۔ یوں سمجھ لیا جاوے کہ اس عبارت مذکورہ بالا سے۔ تعمیر جبریم کا زمانہ بعد وفات اسمعیل ظاہر ہوتا ہے۔
آپ ہی کی تحریر سے اسکے سن وقوع کا یہی اندازہ ہم بتا دیتے ہیں۔ خطبات ص ۵۴ میں تحریر فرماتے ہیں
کہ اسمعیل ^{۲۹۲} (دینی مطابق سن ۱۹۱ قبل مسیح) کے پیدا ہوئے۔ پھر خطبات ص ۴۰ میں لکھتے ہیں کہ حضرت
ابراہیم کا ایک سو پچیس برس کی عمر میں انتقال ہوا تھا۔ اور حضرت اسمعیل اور حضرت اسحاق دونوں نے ملکر کعبہ
کے غار میں دفن کیا تھا (توریت سفر تکوین باب ۲۵ آیت ۹) اسلئے حضرت اسمعیل کی عمر اسوقت نو اسی برس کی
تھی۔ اب اسی سے حساب لگایا جاوے۔ اسماعیل کی عمر بالاتفاق ایک سو تیس برس کی بتلائی جاتی ہے۔ تو
اسی حساب سے سن وفات ^{۱۹۱} قبل مسیح ہوتا ہے۔ اسی کے بعد سے مکہ میں عہد جبریمی شروع ہوتا ہے۔
تقریباً غالب ہے کہ سو اویس صدی اور ستر ہویں صدی کے زمانہ میں تعمیر جبریمی عمل میں لائی گئی۔ یہ تو بالکل کھٹا
ہوا اور صاف حساب ہے۔ پھر سید صاحب اسکے علم و تعین زمانہ سے اپنی مجبوری اور عجز کیوں ظاہر فرماتے ہیں۔
یہ تو تعمیر جبریمی کی نسبت سید صاحب کے اقتباسات سے تعمیر عالیقی کے متعلق آپ کے حسب ذیل
سکشافات ہیں:۔

عرب العارہ کی وہ قومیں ہیں جن کی نسل یقطان یا قحطان سے چلی ہے۔ اور تمام قبائل عرب اسی
نسل میں ہیں تعمیر جبریمی انہیں کا ایک قبیلہ ہے اور بنی حمیر میں بھی ایک قبیلہ عالیق کے نام سے تھا جو
مکہ میں رہتا تھا اس پچھلی قوم نے بنی جبریم پر غلبہ پالیا تھا۔ اور کعبہ کی تعمیر ہو گئی تھی۔ اس زمانہ میں اس قوم
عالیق نے کعبہ کو پہر بنایا۔ جو غالباً پہاڑوں کے نالے چڑھ آئیے۔ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔

بعض مورخوں نے ان دونوں قوموں میں تمیز نہیں کی اور عرب اس بارہ میں جو قوم عاملیتی تھی اسکی نسبت تعمیر کعبہ کو خیال کیا اور چونکہ وہ قوم بنی جرہم سے پہلے تھی اسلئے لکھ دیا کہ عاملیتی نے قبل بنی جرہم کے تعمیر کعبہ کی تھی۔ حالانکہ اس زمانہ میں نہ ابراہیم تھے نہ کعبہ تھا۔
ایکے بعد سید صاحب عاملیتی ثانی کی تعمیر کا واقعہ ایک فرانسیسی مؤرخ کی کتاب سے حضرت علی کی زبان لگا کر لکھا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اپنا یہ مختار قایم فرماتے ہیں۔

عاملیتی ثانی کی تعمیر کا زمانہ ہی نہیں معلوم ہو سکتا۔ لیکن استقدر معلوم ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی سے ایک صدی پیشتر وہ لوگ کہ پرتابض ہو گئے تھے اسلئے کہ جذبہ بادشاہ دوم خاندان جرہ کی ایک نہایت سخت لڑائی عاملیتی سے ہوئی تھی جس میں عاملیتی نے شکست فاش کھائی تھی اور یہ واقعہ سنہ عیسوی سے تھینا سو برس پیشتر ہوا تھا۔

بہر حال ہم کو تعمیر عاملیتی سے کوئی بحث نہیں ہے۔ ہم کو تو تعمیر جرہم سے علاقہ ہے اور وہی ہمارا موضوع بحث ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح غلاف کعبہ کے متعلق اسکی ایجاد و اولیت کا شبہ سعد ابن تنج حمیری کی طرف ہوا ہے۔ حالانکہ روایت مندرجہ بالا اور دیگر قرائن و دلائل قویہ سے اس کی اولیت حضرت اسماعیل کی زوجہ مطھرہ کی نسبت ثابت کی گئی۔ جو جرہم ہی الاصل تھیں۔ اسی طرح ہمارے قدیم مورخین کو سقف کعبہ کی اولیت کی اصل حقیقت نہیں معلوم ہو سکی اور انھوں نے قصصی بن کلاب کو جو بقول سرسید جناب ختمی مرتبت علیہ السلام والتمیۃ سر کل دو سو برس پہلے تھے کعبہ کا پہلے پہل سقف اور دیگر مراسم و مناسک حج وغیرہ کا مقرر کرنا و ابتلا یا ہے۔ حالانکہ وہی حضرات۔ باشتنا سے سقف کعبہ۔ نذر۔ ہدیٰ اور فادہ وغیرہ خدمات کعبہ کو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے زمانہ کے مرسوم و دستور لکھتے اور بتلاتے آتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر دکھلا آئے ہیں۔ اس بنا پر یہ کہنا اور تسلیم کر لینا کتنا قریب العقل بلکہ صحیح ہو جائیگا کہ اس واقعہ میں ہی اصل حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے متقدمین نے سقف اسماعیلی کے جزوی حالات تعمیر جرہم کے واقعات کلی کے ساتھ ضم کر کے دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے۔ اور یہ ہی ممکن ہے کہ سقف کعبہ پر کیا منحصر ہے پوری عمارت کعبہ سیلاب آب کے باعث سے جرہمیوں کے عہد میں گر گئی ہو۔ جیسا کہ تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے۔ بنی جرہم نے پہراں سر نو اسکو مع سقف کے اٹھایا ہو۔

سید صاحب کا یہ بیان کہ چار دیواری کے اندر ایک گڈ ہا اس غرض سے کہو و اتھا اور او میں نذر کعبہ کے رقوم اس لحاظ سے رکھے جاتے تھے کہ چوری سے محفوظ رہیں۔ صاف صاف اس عمارت کے سقف کرنے کی ضرورت کو بتا رہا ہے۔ ورنہ شخص چار دیواری کٹری کر کے۔ مالی رقوم کو اگرچہ ایک گڈ سے ہی میں کیوں نہ ہو۔

چوڑ دینا اور پیراؤں کے چوری سے محفوظ رہنے کا خیال بھی ساتھ ساتھ رکھنا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اور نہ کوئی عقل والا اسے قبول کر سکتا ہے۔ یہ قرینہ بتا رہا ہے کہ وہ عمارت اوسی وقت یا اسکے بہت بہت قریب زمانہ میں چیت پاٹ کر محفوظ کر دی گئی ہوگی۔

ابا رہ سید صاحب کا یہ عذر کہ اس وقت کا موجودہ تمدن ایسا ہی تھا جیسا کہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں دیواریں دیواریں تھیں۔ چیت نہیں تھی۔ دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا۔ اس میں کوڑا پڑھتے تھے نہ کنڈمی لگی تھی۔ اور بلاشبہ اوس زمانہ کی حالت ہی ایسی تھی کہ اس سے زیادہ تعمیر مکان میں۔ گو وہ خدا ہی کیلئے گہر بنا یا گیا ہو۔ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ بالکل خلاف واقع ہے۔ اس وقت عرب کا تمدن یقینی اس سے کہیں زیادہ تھا۔ ہم اس وقت کے تمدن کو پوری تفصیل سے سید صاحب کے معصوم ہمنوا شبلی صاحب کے اسی اعتراض کے متعلق اور لکھ آئے ہیں جس سے پوری طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمعیل کے زمانہ میں خصوصاً حجاز کے اہل عرب کا تمدن۔ اگرچہ چین کے تمدن کے برابر نہیں تھا تاہم وہ اتنا پیچھے اور خراب حالت میں ہی نہیں تھا۔ جیسا کہ ان حضرات نے صرف اپنے قیاس کی بنا پر خیال کر لیا ہے۔ حالانکہ یورپین محققین جو انکی تحقیقات کے سرانہ تازہ ہیں۔ ان کے خلاف اس وقت میں عربوں کے تمدن قوم ہونے کا اعتراف ظاہر کرتے ہیں (دیکھو تمدن عرب)

ان دلائل و قرائن کے علاوہ اگر زمانہ کے اعتبار سے بھی اسکی اولیت پر غور کیا جاوے تاہم یہ واقعہ صحیح اور پر واقع مانا جاتا ہے۔ تمام تاریخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم کا سن سو برس کا تھا۔ تیسرا نے حضرت ابراہیم کا سن وفات کے وقت ایک سو چھتر برس کا بتلایا ہے۔ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت اسماعیل کی عمر وہ تیس برس کی بتلاتے ہیں وفات ابراہیم کے وقت اذکاسن (۸۹) نو اسی برس کا لکھتے ہیں اور مجموعہ عمر آپ کی بالاتفاق ایک سو پچاس برس کی بتلائی جاتی ہے۔ (طبیقات ابن سعد۔ طبری۔ ابن اثیر) اس حساب سے حضرت اسمعیل اپنے والد ماجد کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے۔ اس بنا پر شخص باسانی سمجھ لے گا کہ اگرچہ حضرت ابراہیم کے وقت میں عمارت کعبہ مسقف نہیں ہوئی تھی تو جناب اسمعیل کے شخصیت سالہ مدت میں جیسا کہ روایت مندرجہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ اسکو مسقف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور آپ نے اپنے زمانہ میں عمارت کی موجودہ ضرورت کو کامل فرمادیا۔

یہ تمام واقعات۔ یہ تمام قرائن اور یہ تمام دلائل۔ جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ مرقومہ بالا روایت کی کامل تصدیق و توثیق کرتے ہیں اور صاف صاف بتلاتے ہیں کہ حضرت اسمعیل کے زمانہ میں کعبہ کا مسقف کر دیا جانا کبھی خلاف واقع اور بلا سند نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب اس روایت کی دیگر خدمات کعبہ کی تفصیل قدیم اور جدید

محققین اسی زمانہ کی ایجاد تسلیم کر رہے ہیں۔

اب رہا یہ شبہ اور اسکا جواب کہ قدیم محدثین و مؤرخین عرب نے اس روایت کو کیوں نظر انداز کیا۔ تو اسکا نہایت واضح اور صاف صاف باعث اصلی یہی ہے کہ اس روایت کے رد و اذکار اس کے تمام مآخذوں پر شریعت ہی سے اہل اسلام نے نہ اعتبار رکھا اور نہ کوئی علامہ اور نہ سرکار۔ حالانکہ اصل البیت ساسی مافی البیت۔

(مگر والے اپنے گھر کی اندرونی حالت جانتے ہیں) کے مسئلہ کی بنا پر ان مقدسین سے زیادہ ان امور کا جاننے والا تمام ملک عرب میں اور کون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سلسلہ آبرہہ بھی اور خانوادہ اسماعیلی میں۔ یہی وہ نقوش پر گزیدہ ہیں جن پر اسوقت سے لیکر اسوقت تک اہل البیت کا الہامی اور روحانی خطاب اپنے حقیقی معنیوں کے ساتھ صادق اور مطابق آتا ہے جس طرح پہلے پہلے یہ خطاب خاص کر آل آبرہہ کے لئے الہام خداوندی اور احکام

ایزدی کے مطابق مستعمل ہوا تھا اور اسی باہمی مشابہت و مماثلت کے ثبوت میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اہل اسلام کو تعلیم درود کی ترکیب میں یہ کلمات تلقین فرمائے تھے۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَكْتَ وَسَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَآلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ یٰ حَمِیْدٌ عَزِیْزٌ

خانہ کعبہ زاد اللہ شرفہا کے متعلق مندرجہ بالا خدمات کے علاوہ ایک مہتمم بالشان اور عظیم المرتبہ خدمت اس معبد مقدسہ اور غنیہ مطہرہ کی تولیت تھی۔ اور جبکہ جلیل القدر

عہدہ دار گرانمایہ منصب جناب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آبرہہ اور ان کے بعد بقاعدہ نوریت حضرت اسماعیل کو تفویض فرمایا گیا۔ اور چونکہ اس معبد شرفہ کو خدا نے بیت (اول بیت وضع للناس) کے نام سے موسوم کیا ہے اسی رعایت سے اسکے محافظین اور متوالین کو اصل البیت کے القاب مخصوص اور خطاب مخصوص سے مخاطب فرمایا۔ اور اسوقت سے لیکر اسوقت تک ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں ان حضرات کی تحجیم و عظمت اور تعظیم تسلیم کی گئی۔ اور یہ وہی وعدہ الہی ہے اور ثبات جلیل اللہ بنو نسل حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کے متعلق خداوند عالم نے ان حضرات کی ہجرت فرمانے کے وقت حضرت آبرہہ سے کیا تھا۔ اور جو متواتر مقامات پر کتب قدیمہ اور تفسیر تراجمہ میں موجود ہے۔

تولیت کعبہ کا مسئلہ بہت بڑا قدیم اور عظیم مسئلہ ہے۔ جو نہ تنها مذہب اسلام میں عظمت و احترام سے دیکھا جاتا ہے بلکہ تمام ادیان و مذاہب قدیمہ میں اسکی تحجیم و تعظیم کا ہمیشہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ تولیت کے جلیل القدر منصب کی تفویض ہی تجویز انسانی کے متعلق نہیں ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ قطعی طور پر تجویز و تدبیر مشیت ربانی پر منحصر ہے۔ جن لوگوں کو مذاہب سابقہ کے اخبار و آثار کے مطالعہ کی توفیق ہوئی ہے وہ مسئلہ تولیت کی اہمیت اور اس کی اصلی حقیقت سے خوب واقف ہیں۔

مشاہد تاریخی اور کتب سماویہ کے منواثر اخبار و آثار صاف صاف بتلا رہے ہیں۔ کہ کعبہ شرفہ اور اسکے بعد کے اور عقبات
مطہرہ کی تولیت اور خدمت کا عہدہ جلیلہ اہم سابقہ میں بڑی عظمت و حرمت سے دیکھا جاتا تھا۔ اور ہر زمانے اور ہر
امت میں اسکا تعین اور تقرر منجانب اللہ ہوتا تھا۔

تولیت کعبہ کی خاص عظمت کی تفصیل سے توڑی دیر کے لئے قطع نظر کر کے ہم اسکے بعد والے مہمبہ اعظم
بیت المقدس اور اسکی تولیت کے احترام و اکرام کو بیان کرتے ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ بیت المقدس کی بنیاد
کعبہ براہمی سے تقریباً دو ہزار برس بعد حضرت داؤد کے زمانہ نبوت و امارت میں قائم ہوئی۔ اور تکمیل تعمیرات کے
وہی و دارش حضرت سلیمان علیہ السلام حکومت و رسالت میں کی گئی۔ اور پھر اسوقت سے لیکر تخت نصر کی غارتگری کے
وقت تک ہمیشہ اور برابر ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کے بعد تولیت بیت المقدس کے گرا نمایاں منصب پر متمنا ہوتا چلا
آیا۔ اور وہی اسکا محافظ بھی تھا۔ اور وہی اسکا ملازم و خادم بھی۔ اسفار توراتہ کے مطالعہ سے حضرت عیسیٰ تک
یہ سلسلہ مسلسل اور مکمل ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ولادت حضرت مسیح کے زمانے میں حضرت داؤد کی تولیت تھی۔
و کفلاہذا ذکر یا شاہد ہے یہ ایسے واقعات مسلم ہیں اور تاریخی مشاہدات محکم اور مشہور ہیں کہ ان کی تصدیق
توثیق کے لئے ہر کوئی ثبوت یا شہود پیش کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس زمانہ میں خانوادہ نبوت و
رسالت میں ایک ایسا ستودہ صفات بزرگ اس منصب علی کیلئے منجانب خدا انتخاب کیا جاتا تھا جو اوصاف
رسالت و نبوت سے بھی آراستہ و پیراستہ ہو کر آتا تھا۔ دستور الہی صاف صاف بتلا رہا ہے کہ یہ منصب اور خدمت
بھی جزو رسالت و امامت قرار پاتی ہے اور اسکے لئے مشیت ایزدی اور انھیں چیدہ افراد اور برگزیدہ اشخاص کو
منتخب کرتی ہے۔ جو اسکے نزدیک اس جلیل القدر اور متم بالشان خدمت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

بیت المقدس کی تولیت کی عظمت و شان کو بیان کر کے ہم جناب موسیٰ ابن عمران اور ان کے وقت کے
معبود قبیلۃ الزمان۔ اس کی تولیت اور خدمت کے خاص احترام و اہتمام کو اپنے سلسلہ بیان میں قلمبند کرتے
ہیں۔

جن لوگوں نے تورات کے کتابی اعمال کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔ وہ قبیلۃ الزمان کی حقیقت سے خوب
واقف ہوں گے۔ قبیلۃ الزمان حضرت موسیٰ کی اس عبادت گاہ اور زبان گاہ کا نام ہے جو آپ نے دوران سفر میں
عبادت الہی بجالانے کیلئے بنا فرمائی تھی۔ یہ اصل میں ایک خیمہ تھا۔ وسیع اور تمام قوم کے خیموں سے بڑھتا
یہ ہمیشہ سفر میں ساتھ رہتا تھا۔ اور منزل پر جہاں تمام قوم کے خیمے ڈیرے کھڑے کئے جاتے تھے وہاں خیمہ مقدس
ایک اچھی اور پاک و پاکیزہ جگہ پر نصب کیا جاتا تھا۔ اس میں شریعت موسوی کی تمام اشیاء اور سامان
عبادت بڑے سلیقے اور قرینے سے رکھے جاتے تھے اور اسکی زیب و زینت اور حسن و آرائش بھی بڑی عقیدت

اور ادب سے کیجاتی تھی۔ اس میں سونے اور چاندی کی متعدد شمعیں۔ طلائی اور نقرئی بڑے بڑے کاسے اور طرح طرح کے خوشبودار اور دیگر قیمتی اور بیش بہا ظروف اپنے اپنے مقامات مقررہ پر سجے ہوئے تھے بنی اسرائیل کے تمام اقوام و قبائل ہیں اگر خدا کی عبادت اور اس کے مراسم بجالایا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت موسیٰ کو قوم عہد اللہ اور قبیلین سے زمانہ دراز تک جنگ کرنی پڑی اور اس ضرورت سے سالہا سال سفر میں رہنا ہوا۔ اس لئے اس عبادت گاہ کی بنیاد قائم کی گئی اور ایک خیمہ مراسم عبادت بجالانے کی غرض سے علیحدہ کر دیا گیا اور اس کا نام قبۃ الزمان رکھا گیا۔ اس معبد کی خدمت اور تولیت کیلئے اولاد ہارون مخصوص کر دی گئی۔ عبادت نذر اور قربانی کے تمام مراسم و ارکان کی بجا آوری اور انجام دہی خاص طور پر انہیں حضرات سے متعلق کر دی گئی۔ اور اون کی اس تخصیص میں کسی طریقہ یا ذریعہ سے کسی شائبہ تعلیم کی کوئی مداخلت جائز نہیں رکھی گئی۔ (سفر اخبار باب ۱۱) قبۃ الزمان کے سب یا اکثر سامان عبادت اور صندوق الواح وغیرہ یہی چیزیں تھیں جو اولاد ہارون اور دیگر بنی لادویوں سے حاصل کر کے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے بیت المقدس کے معبد میں سابق ترتیب اور ترکیب کے مطابق رکھیں تھیں۔

ہم نے معبد ابراہیمی کے بعد معبدوں کی تولیت اور ان کی خصوصیت کو یہاں اسوجہ سے لکھ دیا ہے کہ اس جلیل القدر منصب کا تعین انتخاب قدرت پر منحصر ہونا پہلے ہی سے یقین کر لیا جاوے۔ نہ جناب ابراہیم کی محبت اولاد پر جب کائنات ذیل کے آیہ قرانی سے پوری طور پر ملتا ہے۔

و اذ ابلیٰ ابراہیم مرتبہ بکلمات فاتمھن	جب ابراہیم کو اونکے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور
قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن	اون میں اونکو پورا پایا تو خدا نے فرمایا کہ تم تنہو لوگوں کا امام
ذریعتی قال کا ینال عہدی الظالمین۔	بنائو انہیں۔ عرض کی۔ اور میری اولاد میں سے ہر ارشاد ہوا

(ہاں مگر ہمارے واسطے) اقرار میں وہ داخل نہیں جو برسرناحق ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ عوام الناس کو چھوڑ کر سلسلہ ابراہیمی کے خواص میں ہی علی الاکثر ایسے حضرات ہیں جن میں تولیت اور دیگر خدمت معبد الہی کی۔ جو اصل امامت کے ذریعہ ہیں۔ صلاحیت اور قابلیت نہیں ہو اور اسی لئے خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کی اس دعا کو بطور تعلیم تنجیب نہیں فرمایا اور اس میں تخصیص کی ترمیم کر دی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب عام حضرات میں پیشوائی امت اور منصب امامت کی صلاحیت موجود نہ ہوگی تو وہ عبادت الہی اور دیگر امور و مناسبات کی تعلیم و تلقین کیسے پوری کر سکیں گے۔ انہیں شک نہیں کہ حضرت ابراہیم نے اس منصب کو اپنی اولاد کے ساتھ محدود و مخصوص کرنا چاہا تھا۔ اور یہ اصول فطرت کے بالکل مطابق ہے۔ مگر مشیت نے اس تخصیص کو بھی اون کے عام سلسلہ میں عام کر دینا مصلحت کے خلاف

اسلام نے ہی اس منصب پر انما یہ کے حفظان و مراتب کا شروع سے نفاذ رکھا۔ بلکہ اگر زیادہ تحقیق و غور
کیا جائے تو اسکی قدر و منزلت میں بشریعت سابقہ سے زیادہ اضافہ کیا۔ اگرچہ ان پر گزیدہ اور پسندیدہ حضرات
کے ناموں میں اپنی طرف سے کوئی نوعیت اور تبدیلی نہیں کی گئی اور اہلبیت کے مبارک و مقدس القاب
جیسا کہ زمانہ پراگھی میں مخاطب کیے جاتے تھے۔ اوسے القاب خطاب ہی سے اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام
نے ہی ان حضرات کو لقب اور خطاب فرمایا۔ اور کتب قدیمہ کے اصول و بشارت کے مطابق۔ امام و احکام قرآنی
نے ہی ان مقدسین کے فضائل و مراتب سے تمام اہل اسلام اور کافرانہ نام کو واقف و مطلع فرمایا۔ انکی نسبت
تعلیم و ارشاد ابراہیمی کو از سر نو زندہ کر دیا۔ انھیں احکام ربانی کی تعمیل و اجرا میں بانی اسلام علیہ السلام نے یہاں
تک اصرار فرمایا کہ اتنا برگزیدگان الہی کے ساتھ محبت و دوست رکھنے کو اپنی تبلیغ رسالت کا اجر و معاوضہ قرار فرمایا
قل کلامہم علیہم اجر اکمل الودۃ فی القربی | میرا تم سے بہتر تبلیغ رسالت کچھ نہیں مانگتا۔ بجز اسکے کہ تم میری قربانی کے
ساتھ مجھ پر کرم کرو۔

اللهم صلّ وبارك على محمد و آل محمد كما صليت وباركت على ابراهيم و آل ابراهيم انك تهدينا صراطك المستقيم
انہیں دشمن ہوتا رہی ہے پورے طور پر ثابت ہو گیا کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بطرح عمدہ
باید امامت آپ کے اہلبیت کے ساتھ مخصوص و منحوس تھا۔ اسی طرح امامت کے متعلق تمام جزوی اور کلی
فرائض بھی انہیں مخصوص تھے۔ مخصوص تعلق رکھتے تھے۔ اور نہ صرف امامت کے متعلق جیسا کہ ہم اوپر اپنے سلسلہ
سائنس ثابت کر آئے ہیں اولیت کعبہ کبھی دست ہی اسی جلیل القدر عمدہ کا جزو ضروری تھی۔ مگر جناب رسالت صلی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے اہلبیت طاہرین سے جہاں تمام اختیارات و حقوق منسخر کر کے لے گئے
اور تحفیس کے ساتھ یہ حقوق اور منصب بھی ضبط ہو گئے اور تخت سلطنت کے پایہ کے نیچے دبا دے گئے۔

حجر الاسود - اسلامی کتابوں میں صحاح و سنن سے تاریخ و سیر تک کی تمام مشہور و معروف کتابوں میں اس حجر مقدس کی قدامت و عظمت کی نسبت انواع و اقسام کے روایات قلمبند ہیں۔ جو شاہد تاریخی میں اگر نہ داخل ہو سکیں تو عقاید اسلامی میں شامل ہونے کے تو ضرور قابل ہیں۔

مرویات اسلامی اور روایات عرب عموماً اس پتھر کا حضرت آدم کے ساتھ نزول من اللہ ہونا بتلاتے ہیں۔ جدید محققین موندھ آتے ہیں اور اسکو متقدمین کی قدامت پرستی ٹھراتے ہیں۔ مگر مسٹر برٹن (Mr. BURTON) اپنے مشاہدات میں اتنا ضرور بتلاتے ہیں کہ اس پتھر کے اجزا معمولی حجریت سے مشابہ نہیں ہیں بلکہ اس میں شہاب ثاقب کے ایسے اجزائے ترکیبی پاؤں جاتے ہیں۔ جنس گولڈ ٹائن آف مدنا سنر (BURTON'S GOLD MINES) اب جدید محققین خود تصدیق فرماتے ہیں کہ شہاب ثاقب یا دیگر اجرام فلکی کا حرکت ثقلی کے ذریعہ سے آسمان سے زمین پر نازل ہونا ثابت ہے کہ نہیں۔

تاریخی حیثیت سے اس مقدس پتھر کی عظمت و حرمت یا شک ثابت ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت اسی پتھر کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم نے اسادہ ہو کر کعبہ کی اونچی دیواروں کا کام پورا فرمایا تھا۔ اور اختتام تعمیر کے بعد پہلے مبارک ہاتھ سے اسکو دیوار کعبہ میں نصب فرمادیا۔ اہل اسلام آج تک اسکے استیلام کو ارکان حج میں داخل سمجھتے ہیں۔ اور اسکا یہ احترام حقیقتاً اس شعر کا پورا مصداق معلوم ہوتا ہے ۵

جمال منشین در من اثر کرد

وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

خانہ کعبہ زاد اللہ شرفا کے تمام تعلقات کو کافی اور کامل تفصیل سے بیان کر کے ہم اپنے آئندہ سلسلہ بیان میں حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے حالات اور انکی سکونت کے مختلف مقامات کو بیان کرتے ہیں۔

حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے

حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے اور انکے نام یہ ہیں۔
 ۱۔ نیاوت۔ ۲۔ قیدار۔ ۳۔ اوکبیل۔ ۴۔ بیٹام۔ ۵۔ شماع۔ ۶۔ دوماہ۔ ۷۔ مسار۔ ۸۔ پٹما۔ ۹۔ بطور۔ ۱۰۔ یافیش۔ ۱۱۔ قیدماہ۔ ۱۲۔ حدر۔

ان میں سب سے بڑے بیٹے بنایوط اور ان سے چھوٹے قیدار تھے۔ اور یہی دونوں آئندہ تاریخ عرب میں سب سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ تمام بھائی باپ کے زمانہ میں اور ایک عرصہ بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے اور چچا زاد بھائی کے بیٹوں یعنی فرزندان مدین کے ساتھ ملکر مہین و حجاز سے شام و مصر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے اور دیگر عرب تاجروں کی طرح خوشہوار چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔ (تکوین باب ۲۷ آیت ۲۷)

نوشہ کی چیزیں مین سے حجاز کی راہ سے مصر و شام کو جاتی تھیں۔ شام اور مین کے بیچ میں درمیانی منزل شہر کہ تھا۔ اسلئے بنو اسمعیل تجارت میں بہت جلد فروغ حاصل کر کے ہوں گے۔ بنو اسرائیل اسماعیلیوں کو کہی اسماعیلی اور کہی ان کی نسبت سے ہجری کہتے ہیں۔ اور توراۃ میں انہیں ناموں سے انکا ذکر ہے۔ بنو اسماعیل کا توراۃ میں سب سے پہلے حضرات ابراہیم کے پوتے یعقوب کے زمانے میں (تقریباً سنہ ۱۵۰۰ ق م) تجارت کی حیثیت سے نام آیا ہے۔ حضرت یعقوب کے بیٹے حضرت یوسف کو بھائیوں نے ایک کنوئیں میں ڈال دیا تھا اتفاقاً ایک کارواں کا گزر ہوا جس نے یوسف کو کنوئیں سے نکالا۔ اور مصر میں ایک امیر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ یہ کارواں اسمعیلی اور مدیانی تھے۔ تاریخ میں تجارت کا یہ سب سے پہلا قافلہ نظر آتا ہے۔ (تکوین باب ۳۷)

حضرت موسیٰ کے عہد میں (تقریباً سنہ ۱۵۰۰ ق م) بنی اسماعیل تمام حجاز میں امین (حویلہ) سے شام (شور) تک پھیل گئے تھے۔ (تکوین باب ۱۸ آیت ۱۸) حضرت موسیٰ کے بعد قضاۃ بنی اسرائیل کے زمانے میں (تقریباً سنہ ۱۵۰۰ ق م) وہ عمالین و مدین کے پہلو بہ پہلو سامانہ جوہر کے ساتھ بنی اسمعیل پر چاہ مارنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سات برس کامل تک متصل بنی اسرائیل اسماعیلیوں کے پنجہ میں گرفتار رہے۔ سال میں جب فصل تیار ہوتی۔ اسماعیلی برق و باد کی طرح آتے اور سب کاٹ کر لے جاتے۔ آٹھویں برس بنی اسرائیل میں جاعون نامی ایک پہلوان پیدا ہوا اوس نے اسماعیلیوں کو شکست فاش پہونچائی۔ (قضاۃ ۶-۷-۸)

اس زمانہ میں بنی اسمعیل کا نہایت دو لختہ قوموں میں شمار تھا۔ کانوں میں مرد سونے کے زیور پہنتے تھے۔ اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلابے ڈالتے تھے۔ اس جنگ میں بنی اسرائیل کو جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس میں صرف کان کے زیوروں کے سونے کا وزن شتر و سویشہ مال تھا۔ (قضاۃ باب ۲۷ آیت ۲۷)

شاؤل (طاووت) کے عہد میں (غالباً سنہ ۱۵۰۰ ق م) بنو اسمعیل حجاز سے نکل کر بادیہ شام اور بادیہ عراق میں پھیل گئے تھے۔ عموماً موخرین عرب کا بیان ہے کہ کہ اور حجاز میں جب اسماعیل کی اولاد بہت زیادہ ہو گئی تو نجد و حدود عراق وغیرہ ممالک میں پھیل گئی (معارف ابن قتیبہ و سیرت ابن ہشام) اس کی تائید روایات یہود سے بھی ہوتی ہے اسی زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک ٹکڑا بھی نہر فرات کے قریب بادیہ عراق میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ آخر بنو ہاجرہ سے سامنا ہو گیا۔ بنی اسرائیل نے لڑ کر بنو ہاجرہ کو نکال دیا۔ اور اون کے خیموں میں جا کر خود آباد ہو گئے (ایام باب ۱۰ آیت ۱۰)

اس واقعہ کے چالیس برس بعد بنو اسمعیل و بنو ہاجرہ شمالی عرب و حدود شام کے قبائل سے متحد ہو کر حضرت داؤد کے عہد میں (غالباً سنہ ۱۵۰۰ ق م) بنی اسرائیل پر حملہ کی تیاریاں اور مشورے کر رہے ہیں (زبور باب ۸۳ آیت ۵ و ۶) سنہ ۱۵۰۰ ق م میں حلب و اور حدود شام میں جنگ آنا اسرائیلی دوبارہ بنو ہاجرہ سے برسر مقابلہ ہوتے

ہیں اور اونکو شکست دیتے ہیں۔ مال غنیمت میں اونکو پچاس ہزار اونٹ، ڈھائی لاکھ بھینٹروں ہزار گدھے اور ایک لاکھ قیدی ہاتھ آئے۔ (۲-ایام باب آیت ۲۰-۲۱) اسکے بعد سنہ ۱۱ ق م میں وہ زمانہ آتا ہے جب بنو خذر نادر رنجت نصر) آمد ہی کی طرح اسیر با سے اوٹھتا ہے اور تمام شام و عرب کی خاک اور ادیتا ہے۔ اور پر ہمیشہ کے لئے بنو اسرائیل اور آل اسماعیل کی فحاشانہ حوصلہ مند یوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ بنو اسماعیل کی اجتماعی تاریخ تھی۔ اب تفرق و انتشار کے بعد ہر ایک کی اولاد اور نسل کی تاریخ کے متعلق ہم کو کچھ معلوم ہے علیحدہ علیحدہ بہ ترتیب اہمیت و امتیاز لکھتے ہیں۔

(مختص از کتاب رض القرآن جلد دوم ص ۵۷-۵۸)

(۱) پیام ابن اسماعیل
انکے اور اونکے خاندان کے متعلق کوئی حالات نہیں معلوم ہونے۔ محققین یورپ ہی تلاش و فکر سے تھک گئے۔ ریورنڈ سٹرفارڈسٹر (Rev. Mr. Forestor) لکھتے ہیں۔ اس اسماعیلی شخص کے نام و نسل کے آثار نہ بہت اسکے اور بابائیوں کے کمتر اور بالکل ضعیف ہیں۔ پورا نام نہ قدیم جغرافیہ عرب میں ملتا ہے اور نہ جدید جغرافیہ میں۔ (فار سٹر جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۷۸)

(۲) ادبائیل ابن اسماعیل
عرب مورخین کو اسکے متعلق کوئی واقفیت نہیں۔ توراۃ میں اسکا کہیں ذکر نہیں ہے۔ فار سٹر کا بیان ہے کہ یہودی مورخ یوسفوس نے لکھا ہے کہ یہ اسماعیلی آبادیوں۔ یعنی (نیل و فرات) کے درمیان یہ خاندان آباد تھا۔ (جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۲۷)

(۳) مشٹماع ابن اسماعیل
عبرانی اسکوشماع لکھتے ہیں۔ یونانی ترجمہ توریت میں مسما لکھتا ہے یوسفوس نے مسماؤں لکھا ہے اور بطلمیوس نے مسمائیں قرار دیا ہے۔ عرب اسکی اولاد کو بنی مسما کہتے ہیں۔ اور یہ امر محقق ہے کہ یہ قبیلہ نجد کے قریب آباد تھا۔ (فار سٹر جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۲۸۵)

(۴) مسما ابن اسماعیل
یونانی اور عرب جغرافیہ نویسوں کی شہادت کی بنا پر حدود عراق میں اس خاندان کے آثار نظر آتے ہیں۔ یعنی (رومن مورخ) نے مسیا (Misaie) اور بطلمیوس نے میانی (Masani) کے نام سے ان اطراف میں بعض قبائل کا ذکر کیا ہے۔ (فار سٹر ج ۱ ص ۲۸۵)

عرب جغرافیہ نویسوں میں سے ذکر یاقزونی۔ مشان نام ایک مختصر آبادی کا ہیں پتہ دیتا ہے۔ (انارالبدان قزوینی) یاقوت حموی اسی مقام پر واسط و بصرہ کے مابین۔ میان نام ایک شہر کا ذکر کرتا ہے۔ یہودی اس شہر کا نہایت احترام کرتے ہیں اور اس کو حضرت عزرائیم کا مدفن قرار دیتے ہیں۔ عہد اسلام میں بھی زیادہ تر یہاں یہودیوں کی آبادی تھی۔ (معجم البلدان ج ۸ ص ۲۲۴ مصر) سفر ایام نے جن بنو ہاجرہ کا بادیرہ عراق میں ذکر کیا ہے شاید وہ

یہی خاندان ہو۔ (۲ آیام باب آیت ۱۲)

مسا سے متعلق سید صاحب خطبات میں تحریر کرتے ہیں کہ مسٹر فارسٹر نے غلطی سے ان کی سکونت عرب کے حصہ البحر میں بتلائی ہے۔ حالانکہ حقیقتاً یہ اور ان کی اولاد علاقہ مین میں جا کر آباد ہوئی اور مین کا مشہور و معروف مقام موسا انہیں کے آثار قدیمہ کا یادگار ہے۔ لیکن اسانید متذکرہ بالا کے دوسرے تو مسٹر فارسٹر صاحب نے نہیں غلطی کی ہے۔ بلکہ سید صاحب کو خود وہو کا ہو گیا ہے۔

(۵) حدیر یا حدوا بن اسماعیل
سفر تکوین میں اسکا ملا۔ حدیر اور سفر ایام میں حد ہے۔ حد کے آثار عرب میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں۔ جتنا کہ پاس حد نام ایک پہاڑی ہے۔
نجد میں بھی ایک قطعہ زمین کا نام حد ہے (معجم البلدان ج ۳ ص ۲۲۲) جو ہری عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ حدیر بتلاتا ہے۔ نیو بھر (NIEUBUHR) اونیسویں صدی کا ایک یورپین سیاح عرب۔ شہر حدیرہ واقع مین کو ہی اسی حد سے متعلق سمجھتا ہے لیکن مشرقی نگاہ میں حد اور حدیرہ میں نہایت عظیم فرق ہے۔ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ عربی مورخ۔ زبیری اور مسٹر فارسٹر دونوں اس قول پر متفق ہیں کہ شہر حدیرہ آج تک اونھیں کی یادگار ہے۔ (خطبات احمدیہ)

(۶) لیطور بن اسماعیل
لیطور سادل کے زمانے میں (سنہ ۱۵۰ ق م) حد و شام کے صوبہ حوران میں نظر آتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی جماعت سے برسر پیکار ہوتے ہیں اور شکست کھاتے ہیں۔ سفر ایام باب آیت ۱۲ لیکن یونانی جغرافیہ نویس اسٹرابو (سنہ ۱۰ ق م) تک اونکی یاد قائم رہتی ہو۔ وہ لکھتا ہے۔
و تمام ملکہ بولیان اور بھرے کے درمیان نظر آتا ہے عربوں سے اور لیطوریوں سے آباد تھا
(فارسٹر ج ۱ ص ۲۱۰)

یونانی میں لیطور جو لیٹور ہو گیا ہے۔ اس بنا پر بکھارڈ (BURKHARD) ایک یورپین سیاح شام کے شہر حدیر کو اسی خطور سے نسبت دیتا ہے (فارسٹر ج ۱ ص ۲۱۰) یہ شہر مشرقی جغرافیہ نویسوں سے بھی غفی نہیں۔ (معجم البلدان ج ۳ ص ۲۲۲) لیکن اگر حدیر ہی کو لیطور کا مسکن قرار دینا ہے تو یہی نام ہمہکو حجاز میں مدینہ منورہ سے چند میل کی مسافت پر نظر آتا ہے لیکن ایک عام فہم مشرقی ہی جانتا ہے کہ لیطور کی شکل کسی صورت میں حدور نہیں ہو سکتی۔

(۷) یافیش بن اسماعیل
سفر ایام ثانی باب ۵ آیت ۱۲ سے ثابت ہوتا ہے کہ لیطور کے ساتھ یہ خاندان بھی حوران ہی میں آباد تھا اور بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک تھا۔

(۸) دوہان بن اسماعیل
اس خاندان کا مسکن اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔ دوہانہ الجندل شمالی عرب

ہیں مدینہ و شام کے درمیان ایک مشہور مقام ہے عرب جغرافیہ نویسوں نے تصریح کی ہے کہ دومۃ الجندل اسی دوتا کیطرف منسوب ہے۔ پچھلے زمانہ میں یہاں نصاریٰ آباد تھے۔ (معجم ۳۴ ص ۱۰۴)

(۹) پیٹھار ابن اسماعیل بنی کے زمانہ میں اس خاندان کے انتساب سے ایک قدیم آبادی ہے ایوب علیہ السلام میں پیٹھار کے سواروں کا ذکر ہے۔ اشعیاہؑ نے بھی (سنتہ قم میں) سرزمین پیٹھار کا نام لیا ہے (۱۲۷-۱۲۸) زمانہ اسلام میں یہاں یہود آباد تھے۔

(۱۰) قیدیہ ابن اسماعیل فارسی صاحب نے قیدیہ کو کاظمہ (واقعہ خلیج فارس) کا مرادف سمجھا ہے اور اس لئے اسکو خلیج فارس پر جگہ دیتے ہیں کاظمہ قیدیہ انگریزی لب لہجہ میں "کیڈ" مانا جاتا ہے لیکن ہر مشرقی لب لہجہ کا وائفکار اس پر ہنس دے گا کہ قیدیہ اور کاظمہ ایک چیز ہے۔ قرآن مجید میں ایک قیدیہ کا نام اصحاب الرس مذکور ہے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ قیدیہ ہی کا نام اصحاب الرس تھا۔ ہمارے اس مفسرین اصحاب الرس کی تفسیر میں نہایت مشکوک الراء ہیں۔ امام طبری نے ارباب روایت کی تین راہیں نقل کی ہیں۔

(۱) اس کنوئیں کو کہتے ہیں۔ ایک امت نے اپنے پیغمبر کو کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔ اس لئے اسکو اصحاب الرس

کہتے ہیں۔

(۲) اس ملک اذربائیجان کے پار ایک آبادی کا نام ہے (شاید روس سے مقصد ہو)

(۳) اس غار کو کہتے ہیں اور اس سے مراد اصحاب لاخود ہیں۔

لیکن مورخ سعودی بلا تزلزل اسے لکھتے ہیں۔

اصحاب الرس کا انو اس ولد اسماعیل و قوم قبیلۃ
یقال ہما قدامان و اکاخری یا سین و
قبیل دسویلی و ذلک بالہون (مفسر الذہبی)
اصحاب الرس بنو اسماعیل تھے۔ اور انکے دو قبیلے تھے۔ ایک
قدان کہلاتا تھا اور دوسرا سین بعضوں نے اسکو عویل بھی
کہا ہے۔ اور یہ سن میں تھے۔

قیدیہ قیدیہ کی گڑھی ہوئی صورت ہے۔ اصحاب الرس کا اسکے علاوہ کوئی اور حال نہیں معلوم۔ قرآن مجید نے دو مقام پر اصحاب الرس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کوئی حال بیان نہیں کیا۔ صرف گنہگار قوموں کی فہرست میں ان کا نام آیا ہے۔

عاد۔ ثمود اور اصحاب الرس کو

انویلے نوح کی قوم۔ اصحاب الرس اور ثمود نے جھٹلایا

وَ عَادَ وَ ثَمُودَ وَ اصْحَابَ الرَّسِّ وَ رِفْقَانَ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمَ نُوحٍ وَ اصْحَابَ لُوطٍ وَ ثَمُودَ

اصحاب کس کا بنوا اسمعیل ہونا ثابت ہو گیا اور اسی کے ساتھ انکا امت مذہب ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ ان اسناد
اشہاد سے ہمارے اوس استدلال کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے جس کو ہم ابھی ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
حالات میں آپ کی اوس دعا کے متعلق کر کے آئے ہیں کہ انکی تمام اولاد و ذریاست میں امامت اور پیشوائی امت
کا منصب تفویض فرمایا جاوے جس کے جواب میں خداوند عالم نے **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** ارشاد
فرما کر اہل ناپاک اور ظالم کی تفریق و تخصیص میں ظاہر فرمادی۔ اور حضرت ابراہیم پر حقیقت حال کا صاف نشان
انکشاف فرمایا گیا کہ آپ کی دعا آپکی اولاد و ذریاست میں دو امت عادیہ کیلئے مستجاب کی جاتی ہے۔ غیر غلامین
اور غلامین کے لئے نہیں۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ اگر اس منصب عظیم میں انھیں کامیاب کیا تو کیا ہو تا۔ تو اصحاب کس
جو بلاشبہ و کلام ذریاست و اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے قوم غلامین اور گرد و کاربین میں نہ شمار کئے جاتے۔
(۱۱) **ثَبَا بُوَطَا يَمْضِيَا نَابِتَا بَنِي اِسْمَاعِيْلَ عَمِ** (اصحاب کس)

بنایو طاکو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں۔ انکی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسمعیل کے
بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصے میں آئی (اخبار الدول ابو حنیفہ و نیوری و حیات القلوب ملا علی سی) اس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ بنایو طاسے حجاز ہی میں قیام کیا لیکن بعض حوالوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرزند نبا یوط
عراق میں موجود تھے لیکن اصل یہ ہے کہ بدو بابت زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشانہ پھیلے
ہوئے ہوں گے۔

تخریری حیثیت سے بنایو طاکا نام ساتویں صدی ق م میں نظر آتا ہے۔ خرنیاں بنی ہاشم کی کرتے
ہیں کہ بنایو طاک بھٹیڑیں نذر لی جائیں گی۔ (۶۰-۷۰) اشور بنیال۔ اسیر یا شاہ جس کا بھی تقریباً ہی
زمانہ ہے اپنے مقتولین کی فہرست میں بنایوطی قوم کا نام لیتا ہے۔ یوسینوس یہودی۔ جو پہلی صدی مسیحی میں
تھا لکھتا ہے۔

ملک جو احمر (حجاز) سے نهرزات (عراق) تک اسمعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضہ میں ہے جن کے
سب سے اسکا نام ملک نباطینہ پڑ گیا ہے۔ (حوالہ آتا ہے)

اسی زمانہ میں جب رومی شام پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو بنی عربوں سے اون کی بڑ بھٹیڑ ہوتی ہے اور شام و
عرب کے حدود پر اون کی ایک عظیم الشان حکومت نظر آتی ہے۔ اہل عرب بھی ان خطیوں سے واقف تھے۔
اسی لفظ بنطاک کی جمع عربی میں انباط ہے۔

مورخین عرب فرزند نبا یوط یا انباط سے واقف نہیں ہیں۔ وہ صرف انباط
انباط اور روایات عرب کے نام اور ان کے مسکن تھے۔ البتہ واقف ہیں انکا نام بھی بنطاک اور

کبھی آرامی بتلاتے ہیں اور انکا مسکن شام و عراق ظاہر کرتے ہیں ابن خلدون نے لکھا ہے۔
 واول مملکت العرب بالشام فیما عنہما لہما لہما | ہما تنسک ہما معلوم ہر عرب کی پہلی حکومت شام میں عاتقہ کی
 شہم لبخی اسم بن سام و لیث بن بلال بن نین | اسی۔ پہلے بن سام کی۔ جو اربانی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں
 اس عبارت کے ساتھ حمزہ اصغریٰ کی عبارت ذیل ضمیمہ کرو۔

الکلامیون بنط الشام والاکلامیون بنط العراق | اربانی شام کے بنطیوں کا نام ہے اور اربانی عراق کے بنطیوں کا
 انباط نے چونکہ ایک تمدن و غیر بدوی زندگی اختیار کر لی تھی اسلئے عربوں کے محاورہ ہیں۔
 اما البنط فکل من لم یکن راسخا و جندا عند | بنط عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے۔ جو چر یا باہا یا سیاہ
 العرب من سألہ عن الکلامیون بنط الشام (۲۳) | نہ ہو۔

اہل عرب عموماً بنط کو اصلاً و توماً غیر عرب سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک عرب و عجم جس طرح دو متقابل
 نام ہیں اسی طرح بنطی و عربی کو بھی باہم متقابل سمجھتے ہیں۔ اسکا سبب صرف معاشرت۔ طرز زندگی اور زبان
 کا اختلاف ہے۔ ورنہ حقیقت بنط بھی اسماعیلی عرب ہیں۔ لیکن چونکہ انھوں نے عموماً حدود و معر ب اور حدود
 عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن اختیار کیا اسلئے وہ اپنا نسب نامہ محفوظ نہ رکھ سکے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔
 تعلوا النسب وکذا تکتون بنط السواد اذا نزل | نسب نامہ کہو۔ عراق کے بنط کی طرح نہ بنجاؤ۔ کہ جب ان میں
 احمد ہم عن اصلہ قال من نسی ذلک ارضہ الفید | کسی سے پوچھا جائے کہ تم کس خاندان کے ہو تو جواب
 دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں۔ (ج ۳ ص ۳۶)

ہمارے مورخین کے معلومات انبار کے متعلق صرف اسی قدر ہیں۔ لیکن انباط کی خود معاصر قوموں نے
 انکے حالات کو سیاسی تعلقات کی بنا پر بہت کچھ مخفی کر رکھا ہے اور اسے انکشافات اثر یہ لئے ہیں ان معلومات
 میں کسی قدر اضافہ کر دیا ہے۔

انباط اور نیا پوٹ اور نابیت کا مترادف سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ انباط جن کی تاریخ کا مفصل تذکرہ
 یونانی اور مورخین نے کیا ہے اور نیا پوٹ یا پسر اسماعیل جنکا تو راء
 میں ذکر ہے اور نابیت بن اسماعیل جن سے عربوں کو ہم نسب ہی کا دعویٰ ہے کیا حقیقت ان مختلف الفاظ سے
 ایک ہی مفہوم مراد ہے ہمارا جواب اثبات میں ہے۔ اہل عرب انباط کو عربوں سے الگ الگ بیرونی قوم
 سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ایک رت تک کہ تباعد اور تفرق کا نتیجہ ہے۔ جن یونانی اور رومی مورخین نے
 انباط کا ذکر کیا ہے انہوں نے حقیقتاً ان کو عرب کہا ہے۔ سب سے بڑی مشہور شراوت یہودی مورخ یوسفوس
 کی ہے۔ جو انباط کا معاصر اور نسل و وطن کے اعتبار سے ہی ان کے قریب تھا۔ اسلئے یقین ہے کہ ان کے متعلق

اوس کی شہادت پایہ اعتبار سے ساقط ہوگی وہ تبصریح تمام لکھتا ہے کہ انباط اسماعیلی عرب از نسل نبی پوط ہیں (۱۰۱) آتا ہے (تو بخ طبری ہی کہتے ہیں۔

ومن نابت وقیدنا من قبل اللہ العرب۔ قوم عرب کو نابت اور قیدار کی نسل سے خدا نے پہلایا (۱۰۲)

یا قوت حموی نے (لفظ عرب کے تحت میں) ایک نئی بات لکھی ہے کہ عرب ہر اوس قوم کو کہتا ہے جسے جو گلابان اور سپاہی نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں اسکا مفہوم یہ ہے کہ جو غیر بدوی زندگی بسر کرتی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نبی نے عراق کے آثار سے تمدن زندگی اختیار کر لی تھی اسلئے بادینہ نشینان عرب نے ہر غیر بدوی قوم کو نبط کا مراد سمجھ لیا۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اوزن کا نسب نامہ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہم کوشی (رواق عراق) کے نبط ہیں اور یہ بالانفاق معلوم ہے کہ وہ اسماعیلی قریشی (ہاشمی) عرب تھے۔ اس سے ثابت ہوگا کہ نبط اسماعیلی عرب ہیں جو عراق تک پہنچے تھے۔

نابت کی بقیہ اولادیں خود اندرون ملک میں ہی تھیں۔ اور متعدد وجود سے ہماری یہ رائے ہے کہ عرب شمالی کی وہ اکثر قومیں جو غامدی سے قحطانی کہلاتی ہیں وہ دراصل نبطی ہیں منجملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس و خزرج کے متعلق تو تبصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نابتی ہیں تفصیل آتی ہے۔

انباط ایک مدت تک دیگر قبائل عرب کی طرح بجا حمر سے لیکر کجرات تک مستقل دادیوں میں بدویانہ زندگی کے ساتھ آوارہ پھرتے رہے۔ اس بدویت کا زمانہ

سنہ ۲۰۰ ق م (عہد اسماعیل) سے سنہ ۱۰۰ ق م تک قرار پاتا ہے۔ تو راۃ نے نبی پوط کا فرزند ان اسماعیل کے ضمن میں سنہ ۱۰۰ ق م میں پہلی بار نام لیا ہے۔ اور آخر آخر قبائل نبتی نے جو کم و بیش سنہ ۱۰۰ ق م میں تھے۔ نبی پوط کا ذکر کیا ہے کہ نبط (نبی پوط) کی بھٹی میں نذر لی جائیں گی (۴۰-۴۱)

کتابت میں نبط کا نام اشور یا نبیل۔ شاہ اسیر یا اسکے کتبہ میں تقریباً اسی عہد یعنی سنہ ۱۰۰ ق م میں نظر آتا ہے وہ اپنے منقوشہ میں کی فرست میں نامان۔ شاہ نبط کا ذکر کرتا ہے (تاریخ بابل راجس امریکانی جلد دوم صفحہ ۲۶) غزنیہ کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبط اوس وقت جو پانی یعنی بدوی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن یہ اسیری کتبہ ایک نبطی حکومت کی اس عہد میں خبر دیتا ہے۔ لیکن یہ ہے کہ بادشاہ مقصود ایک نبطی بدوی شیخ ہو۔ حال نبطی کی تاریخ از روسے تاریخ یونانی و کتابت نبطی سے سنہ ۱۰۰ ق م سے پہلے روشن نظر نہیں آتی۔ آخری تاریخ سنہ ۱۰۰ ق م ہے جبکہ رومی حکومت انکوائپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔

انباط کا رقبہ و حکومت۔ انباط کی حکومت کے حدود اولاً وہ قطع ملک تھا جس کو یونانی عرب

نگستان (ARABIA PATERIA) کہتے ہیں اور عمرانی ادوم اور سعیر (سراقہ) یعنی خلیج عقبہ سے بحر سیتہ تک ڈائیڈورس (Diedorius) (منہ ق م) بیان کرتا ہے کہ انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں اسٹرابو (STRABO) (س ۲۴) ایک ضمنی تذکرہ میں لکھتا ہے کہ اہل ادوم انباط ہیں (گولڈ اینس آف دین ص ۲۵) لیکن ادوم سے آگے بڑھ کر اب وہ عرب آبادان پر ہی قابض ہو گئے تھے مہمف مذکور لکھتا ہے کہ اہل ادوم و سبائی جو شام کے اوپر واقع ہیں جنہوں نے عرب آبادان (ARABIA FLEX) پر قبضہ کیا ہے۔ پوسیفوس جو پہلی صدی مسیح میں تھا بیان کرتا ہے کہ اس عہد میں وہ عربستان رگستان (ARABIA DESERT) تک پھیل گئے تھے۔ اس کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

ملک سوا حمر سے نہ فرات تک اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضہ میں تھا جن کے سبب سے اسکا نام ملک نبطینہ (NABATINA) پڑ گیا ہے۔ اس کی سرحد (مغرب میں) مصر اور عرب نگستان (PETRIA) سے ملگنی ہے اور بہت سے بیابانوں اور بن و فرار زمینوں کو شامل ہے جو مشرق کی طرف خلیج فارس تک منتهی ہوتی ہے۔ عموماً اس ملک کے باشندوں کا تباوٹا (NEBAJATH) عرب ہے (انٹی کویٹھی ج ۱ ص ۱۲)

ان شہادتوں سے ظاہر ہو گا کہ انباط کا ملک مغرب میں سوا حمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا اور اسکے درمیان تمام ممالک یعنی عرب نگستان و عرب رگستان و بعض قطعہ عرب آبادان پر قابض تھے۔ لیکن اس طویل و عریض ملک میں انباط کی اصل آبادی خلیج عقبہ (ایلہ) کی اطراف میں تھی۔ ڈائیڈورس کا بیان ہے

اگر گزرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) (LAINAITIES GULF) میں داخل ہو گے جس کے دو پروان عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ نبطا (NABATAISI) کہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف سوا حمر کے بڑے حصہ پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں کیونکہ زمین آباد و زراعت سرسبز ہے۔ (گولڈ اینس آف دین ص ۱۸۲)

تخصیص کے ساتھ ملک انباط کے دس شہروں کے نام دیئے گئے ہیں (انٹی کویٹھی ص ۱۲) یا بیلہ بند (۴) میں مذکور ہے۔ لیکن یونانی تلفظ نے عربی رنگ و روغن اور ان کے چہروں سے بالکل آڑاویا ہے وہ شہر یہ ہیں۔ مسیدا یہ۔ بنالو۔ لبیس۔ تیرا۔ اغالہ۔ اٹوان۔ حوزہ۔ اورون۔ کرسیہ۔ رودہ۔ لوتہ۔ عروہ۔ ان کے علاوہ قیم (طیرا) اور حجر مشہور شہر تھے۔ انباط کا دار الحکومت۔ انباط کا ملک جن دو پر مشتمل تھا وہ حقیقت میں تین قدیم ممالک کا مجموعہ تھا ملک شوا (واوی القری) جس کا دار الحکومت حجر تھا۔ ملک دین جس کا پایتخت خاص شہر دین تھا۔ اور ملک ادوم جس کی حکومت کا مرکز شہر قیم تھا (طیرا) انباط کا پایتخت۔

پہلے شہزادہ ہمارے (پٹر) جہاں اب تک اونکے آثار باقی ہیں لیکن پہلی صدی ق م میں جب رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کیا تو رفتہ رفتہ وہ پٹر (رقیم) پر ہی قابض ہو گئے۔ اسٹرابو (۲۴) بیان کرتا ہے کہ اب (۶۲۲) انباط اور شامی دونوں رومیوں کی رعایا ہیں۔ دگر ٹائیسن آف مدین ص ۱۸۲) اس مفتوحی سے مقصود پٹر اپنی قسیم کی مفتوحی ہے۔ ورنہ نفس حکومت تو سب سے پہلے تک باقی تھی پٹر (رقیم) سے پہلے انباط نے اب ہجر کو اپنا مرکز قرار دیا تھا۔ جو ملک شام میں واقع تھا اسی لئے قرآن میں انکو اسی طرح سے یاد کیا ہے (تفصیل آگے آتی ہے)

ہجر میں صوبہ ملک میں واقع ہے۔ عربوں کے ہاں اسکا نام وادی القریٰ ہے۔ اس کے لغوی معنی آبادیوں کی وادی ہے جس سے شاہان ہوتا ہے کہ یہ میدان عہد قدیم میں نہایت کثرت سے آباد تھا۔ اس کی تصدیق اب معاصر مورخین کی روایتوں سے ہی ہوتی ہے۔ ایسی ڈائریز اور بیان گذر چکا ہے جو کہتا ہے کہ حدود ایلیہ پر انباط کی بہت سی آبادیاں ہیں۔ اور وہ نہایت کثرت سے آباد ہیں۔ اسٹرابو ہی انباط کی نہایت گنجائش آبادی کا ذکر کرتا ہے۔ (کتاب مذکور ص ۱۸۲)

شاہان انباط انشوری کتبہ کی شہادت کے بنا پر گو شاہان نبط کا ابتدائی سلسلہ مستند ق م سے شروع ہوتا ہے۔ جبکہ ناتان۔ شاہ انباط۔ بادشاہ اسیریا۔ انشور بانی پال کی خدمت میں نذر پیش کرتا ہے (تاریخ بابل راجس ج ۲ ص ۲۷) لیکن یونانی تاریخ اور موجودہ نبطی آثار اور سکے سلسلہ ق م سے پہلے کسی نبطی بادشاہ کا ذکر نہیں کرتے۔ اس کے اسباب ہی واضح ہیں یونانیوں کو اس سے پہلے انباط سے سروکار نہ تھا۔ اور نہ خود انباط اس سے پہلے تمدن زندگی بسر کرتے تھے۔

بہر حال تاریخ و آثار نے اب تک جو انکشاف حال کیا ہے اسکی اعانت سے اب تک دو (DASSAU) نام ایک فریچ مستشرق نے ان بادشاہوں کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی ہے (فریچ انشیا تک سوسائٹی جنرل سکن ۱۹۰۸) یہ فہرست سلسلہ ق م سے شروع ہو کر ۱۰۷ء میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں ایک نام مالک اول کا اضافہ ہم خود پوسیفوس کے حوالہ سے کرتے ہیں (قدامت یہود کتاب ۱۲ باب ۵ بند)

نمبر	نام بادشاہ	سال حکومت
۱	حارثہ اول	۱۶۹ ق م
۲	زید بابل	۱۶۶ ق م
۳	مالک اول	۱۶۵ ق م
۴	حارثہ ثانی	۱۶۴ ق م

مالک چہارم ۱۰۷ء

۵	عبادۃ اول	سلسلہ ۹۰ قم
۶	ریال اول بن عبادۃ اول	سلسلہ ۸۹ قم
۷	حارث ثالث بن ریال	سلسلہ ۸۸ قم
۸	عبادۃ ثانی بن حارث ثالث	سلسلہ ۸۷ قم
۹	مالک دوم بن عبادۃ ثانی	سلسلہ ۸۶ قم
۱۰	عبادۃ ثالث بن مالک دوم	سلسلہ ۸۵ قم
۱۱	حارث رابع بن مالک دوم	سلسلہ ۸۴ قم
۱۲	خلدو (خالدہ) زوجہ حارث	
۱۳	شقیلہ زوجہ حارث	
۱۴	مالک سوم بن حارث	سلسلہ ۸۳ قم
۱۵	شقیلہ زوجہ مالک	
۱۶	ریال ثانی بن مالک ثانی	سلسلہ ۸۲ قم
۱۷	بجیلہ زوجہ ریال	

انبیاء کے تمدنی حالات۔ ہر شاہنشاہ کی ابتدائی زندگی عام قبائل عرب کی سادہ اور غیر مہنوع زندگی تھی۔ جن کی دولت کا تہا خزانہ وراثتی تھی (غریب ۶۰-۷۰) لیکن جیب مغربی قوموں نے انہیں اپنے تمدن و شاہنشاہی کے بل پر کھینچ دینی چاہی تو ان کو یہی مجبوراً تمدن بننا پڑا۔ یوں یونان میں سکڑاؤ اور رستم (سلسلہ ۸۲) نے انبیا کے آداب معیشت و تمدن کو سب سے بہتر بنایا کیا۔

وہ یعنی انبیا کھلی ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ناقابل سکونت ہوا میں رہتے ہیں، ان کے ملک میں نہ کوئی دریا ہے اور نہ چشمہ۔ جس سے حملہ آور دشمن فائدہ اٹھا سکیں۔ ان کا قومی آئین یہ ہے کہ وہ نہ غلہ کی زراعت کریں اور نہ درخت لگاویں نہ شراب پیئیں اور نہ گہر بنائیں۔ جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے اس کو موت دی جاتی ہے۔

بعض لوگ انبیا کے گوشت پر بسر کرتے ہیں اور بعض بھیر اور بکری کے گوشت پر۔ جو میں بہت سے قبائل رہتے ہیں لیکن دولت میں انبیا سب سے زیادہ ہیں اور اپنے ہمساہوں کا اوٹکارا میاں حاصل

ہے گوکہ اون کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اون کا ملک پانی سے بالکل خالی ہے۔ اپنے لئے پہاڑوں میں بڑے بڑے حوض کوہ دریا بناتے ہیں جس کا پانی باہر سے تنگ اور اندر چوڑا ہوتا ہے اور اون کی لمبائی ۵۰ فہیٹ تقریباً ہوتی ہے۔ ان حوضوں میں بارش کا پانی جمع کر کے اون کو چھپا دیتے ہیں اور اون پر کوئی نشانی بنا دیتے ہیں جب برف کرنا چاہتے ہیں تو اپنے جانوروں کو تین روز کا پانی پلاتے ہیں۔ انباط گشت۔ دودھ اور بعض جنگلی سبزی کھاتے ہیں۔ جنگلی شہد (من) بھی اون کو ملتا ہے جس کو پانی میں گھول کر پیتے ہیں۔ ان میں عرب کے غیر ملکی قبائل بھی شامل ہیں جنہیں سے بعض شامیوں کے ساتھ گھر میں رہنے کے علاوہ اور تمام عادات میں مثل ہیں۔ (فارٹر جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۲۶۶)

یہی مصنف پھر لکھتا ہے۔

اُسکے بڑے کرم خلیج ایلانہ (عقبہ) میں داخل ہو گئے۔ جو اون عربوں کے بہت سے گاؤں سے محدود ہے۔ جن کو لوگ نیاطینہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف ساحلی مقامات کے بڑے شہر پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیلے ہیں کیونکہ یہ زمین آباد اور نہایت ثناء و آب و ہوا ہے۔

زمانہ سابق میں اپنے قوانین انصاف کے مطابق اپنے گلوں اور جانوروں پر ملین رکھ کر زندگی بسر کرتے تھے لیکن جب اسکندریہ و مصر کے یونانی بادشاہوں نے خلیج کو تجارت کے لئے جازرانی کے قابل بنایا تو ان نیاطیوں نے شکستہ ہماڑوں کے ملاحوں کو جمع کیا اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر بحری ڈاکہ زنی کرنے لگے۔ آخر کار اون پر حملہ کیا گیا اور اون کے استحقاق کے مطابق اون کو سزا دی گئی (گولڈ مائنس ص ۱۸۳)

اسٹرابو (سکسٹھ) جو ڈائیدورس کی طرح انباط کا معاشرہ تھا۔ ان کے متعلق دیکھیں واقعات بیان کرتا

ہے۔

شہر پراثریم) جو متحدہ قوانین رکھتا ہے۔ اس پر شاہی خاندان ہیں۔ ہمیشہ ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے۔ وزیر ہمیشہ اس بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ اسے اس کو بھائی اکثر پیکارتے ہیں انباط کفایت شمار از ذخیرہ ملکیت کے شائق ہیں۔ جماعت اور سپر پرانہ کرتی ہے جو اپنی دولت ضائع کرتے ہیں اور جو اپنی دولت بڑھاتا ہے اس کو انعام دیتی ہے۔ انباط کے پاس غلام کم ہیں۔ اکثر اون کی خدمت اون کے متعلقین کرتے ہیں یا ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں۔ یا ہر شخص اپنا نوکر آپ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ بادشاہوں تک جاری ہے۔ جو جمہور کی رضا مندی کے استعدا رزومند ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی خدمت کرتے ہیں۔ بادشاہ کو انتظام ملکی کے متعلق بیانات، لوگوں کو دینے ہوتے

ہیں اور وہ اکثر اپنے بادشاہ کے ذاتی حالات و عادات بھی دریافت کرتے رہتے ہیں۔
 لوگ غیر سرکاری سمجھوتوں میں تیرہ تیرہ آدمی ملکر کہتے ہیں بادشاہ بھی لوگوں کو بڑی بڑی دعوتیں دیتا
 رہے اور شاہی عمارتوں میں جشن و عورت بپا کرتا ہے۔ ہمانوں کی ہر جماعت میں دو مفتی رہتے ہیں۔ ہر
 ہمان کو گیارہ جام سے زیادہ شراب پینی ہوتی ہے۔ یہ جام سونے کے ہوتے ہیں۔ جبے یاکڑتہ ہننا یہ
 لوگ نہیں جانتے۔ کمر میں تہ بند لپیٹے ہیں پاؤں میں کھڑوں پہنتے ہیں۔ مکانات عالیشان اور نگین
 ہیں۔ آبادیوں میں شہر نہا ہیں نہیں ہوتیں۔ مکس کا پڑا حصہ سرسبز ہے۔ تاہم وہاں زمینوں نہیں۔
 (جانوروں کی پیداوار کا بیان ہے)

گوڑے نہیں ہوتے۔ اون کے بجائے اونٹ معصوف میں لائے جاتے ہیں۔ بعض اشیائے تجارتی کی
 درآمد ہی یہاں ہے اور بعض چیزیں خود ملک میں ہوتی ہیں۔ جیسے سونا چاندی اور بہت سے
 خوشبو مسالے۔ لیکن لوہا، تانبا، ارغوانی کپڑے۔ زعفرانی۔ عود۔ قسط۔ سنگتراشی۔ نقاشی اور
 تصویروں کی چیزیں مجسمے ملک میں نہیں پائے جاتے۔ انباط مردوں کی لاش کھاد کے لئے بہتر سمجھتے
 ہیں۔ اسی لئے وہ بادشاہوں تک کی لاشوں کو ہی زمین میں دفن کرتے ہیں۔ مذہباً یہ سیائی و بتونا
 آفتاب کی پوجا کرتے ہیں اس دیوتا کا ہیکل یا قربانگاہ مکانات کی چھتوں پر بناتے ہیں اور ادھر شہر آ
 چڑھاتے ہیں اور اندر روز بخور جلاتے ہیں۔ (گولڈ امینس ص ۲۷۸)

سیاسی حالات
 انباط ہیکوسب سے پہلے ششہ ق م میں سیاسی میدان میں نظر آتے ہیں۔ اسیر یا اور بنی قید
 (برادران انباط) کے درمیان اس عہد میں جنگ برپا ہوتی ہے۔ بنی قید اس کا شیخ شکست
 کھا کر انباط کی چوٹی سی ریاست میں پناہ لیتا ہے۔ پھر انباط اور بنی قید کی متحدہ فوج اسیر یا کے مقابلہ میں آتی ہے
 لیکن سو قسمت سے نمان شاہ انباط گرفتار ہو جاتا ہے (راجر سن تاریخ بابل جلد ۲ صفحہ ۲۷۷)
 بابل کے بعد ایران و یونان کی قوت و دنیا کی تاریخ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ انباط جہاں آباد تھے یہ وہ
 مقامات تھے جو اہل فارس اور یونانی کی دائمی جنگ کے طبعی راستے تھے۔ اس بنا پر دونوں انیشیلی عربوں
 کی دوستی اور ہمدردی کے طالب تھے جنکی اعانت کے بغیر ان خشک و بے آب رگستانوں کا طے کرنا ناممکن تھا
 سکندر سے پہلے جو چوتھی صدی ق م کے اواسط میں تھا۔ عموماً اہل فارس کا پاد یونانیوں سے ہمار ہی تھا
 اس بنا پر شمالی عرب (جو اس عہد بنی لیمان میں تھے) میدان جنگ میں اہل فارس کے دوش بدش تھے۔
 سکندر ق م میں سکندر نے ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ اور عراق سے لیکر مصر و شام تک اس کے
 فتوحات کا جو لاٹنگاہ بنگیاہ ہندوستان سے واپس آکر عرب کی فتح کا عزم تھا کہ وہ خود موت کے ہاتھ مفتوح تھا

اسکندر کے بعد ممالک مفتوحہ سکندر کے مختلف سرداروں میں منقسم ہو گئے۔ بطلمیوس نے مصر و شام پر قبضہ کیا۔ انٹی
 گوٹس نے ایشیائے کوچک لیا۔ سلوکوس (سلطنت) نے بابل و فارس و ترکستان پر استیلاء حاصل کیا۔ یہ تینوں بادشاہیں
 بیچ میں حدود عرب پر آگئی تھیں۔ انٹی گوٹس ایک بہادر تباہندہ حوصلہ۔ اس سے اپنی قسمت پر قناعت نہ ہو سکی۔
 سید سے زرخیز اور قریب ز شام کا ملک تھا اس نے شام پر حملہ کرنا چاہا لیکن درمیان میں نبطی حاکم تھے۔ او کو
 اپنا شریک بنانا ضرور تھا لیکن وہ بطلمیوس کے طرفدار پہلے ہی بن چکے تھے۔ نتیجہ جنگ و محاربت تک پہنچ گیا۔
 انٹی گوٹس نے سلطنتی م میں اپنا ایک سردار آتھیناوس (ATHENAEUS) کی سرکردگی میں ایک مهم
 روانہ کی جس نے گوبیہ خیمہ میں رقیم (ڈیرا) کو برباد کیا لیکن اس کا ایک سپاہی ہی دشمنوں کے ماتھے سے چکڑا پس
 نہ آیا۔ ناچار انٹی گوٹس نے اپنے بیٹے ڈیمیٹریوس (DEMMITRIUS) کی زیر قیادت ایک دوسری جماعت
 روانہ کی جسے سردساری نبطی عرب میدان میں مقابلہ کر کے اور قلعہ بند ہو گئے۔ یونانیوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔
 اس قید سے تنگ آکر ایک دن ایک نبطی عرب نے ڈیمیٹریوس کو ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

اے بادشاہ ڈیمیٹریوس تم کس غرض سے اور کس کے حکم سے مجھ سے لڑتے ہو۔ ہم صحرا میں رہتے ہیں
 جہاں پانی ہے نہ غلہ ہے نہ شراب ہے اور نہ ضرورت کی کوئی چیز ہے۔ ہر فن ہم نے اپنی آزادی کی
 خاطر اس صحرا کی سکونت اختیار کی ہے اور تمام آسائش کی چیزیں دوسروں کے لئے چھوڑ دی ہیں
 اور ہم نے اس حیوانی زندگی پر قناعت کی ہے۔ تمہیں ہم نے ستایا نہیں۔ تم ہمیں کیوں ستاتے ہو۔
 خدا تم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ ہمارے مخالف قبول کرو۔ اور واپس جاؤ۔ اور آج سے ہمیں اپنا
 دوست سمجھو۔ ورنہ یاور کہو کہ تم اس طرح یہاں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتے۔ تنکو پانی اور دوسری چیزوں کی
 ضرورت ہوگی۔ اور تم کو اپنے طرز زندگی کے بدلے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر تم نے قلعہ پر قبضہ ہی
 پایا تو تڑپتی لاشوں اور چنڈ غمزہ قیدیوں کے سوا جو کبھی دوسروں کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے
 ہم کچھ نہیں پاؤ گے۔

ڈیمیٹریوس اس گفتگو سے بے حد متاثر ہوا اور صلح قبول کر لی۔ اس اچانک حملہ نے ان نبطی عربوں کو ایک منتظم
 سیاسی جمعیّت کے قیام میں بدل دیا۔ چنانچہ اس انقلاب سے اس بدوی قوم کو وہ اہمیت بخشی
 کہ یونان، مصر اور روم کی سرانجام دہان اس کی گردنیں بھی اس کے آگے کبھی کبھی جھک جاتی تھیں۔ آگے
 کے واقعات سے سمجھیں گے کہ یونان، روم اور یہود کی تاریخ کے بعد بھی چند فقرے پڑھ لینے چاہئیں۔

انٹی گوٹس کی حوصلہ شکنی کی اس شکست سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا اس نے رفتہ رفتہ بطلمیوس سے
 شام سلوکوس سے بابل و عراق (عراق) کو چھین لیا۔ ناچار سلوکوس اور بطلمیوس دونوں نے متحدہ طاقت سے

سنہ ۶۶۱ ق م میں انٹی گوٹس کی مملکت مقبوضہ کے حصے بن کر کے آپس میں بانٹ لئے۔ اس تقسیم کی رو سے شام سلوکیوں کو اور مصر و قبرص بطلمیوں کو ملا۔ مورخین عرب خاندان سلوکیوں کو سلوٹیمین اور خانوادہ بطلمیوں کو بطلیمس یا بطلامہ (جمع بطلمیوں) کہتے ہیں۔ سلوٹیمین اور بطلامہ نے ان حکام کو ایک پر ایک بادشاہت تک حکومت کی۔ شام میں بنی اسرائیل کی پہلی حکومت کو شاہان بابل نے برباد کر دیا۔ بابل پر فارس کی حکومت نے جب غلبہ حاصل کیا تو ان کو سنہ ۵۳۹ ق م میں پہر آزادی نصیب ہوئی اور فارس کے زیر اقتدار بنی اسرائیل کے ایک خاندان یہود نے جن سے یہود کی بنیاد پڑتی ہے۔ ایک نیم آزاد حکومت پر قایم کی۔ لیکن سلطنت ق م میں سکندر نے اسکا بھی خاتمہ کر دیا اسکے بعد مملکت یہودید (بیت المقدس) بطلمیوں، انٹی گوٹس اور آخر سلوٹیمین کی ماتحت ہو کر فنا ہو گئی۔ دوسری صدی ق م میں جب یونانیوں کی پیرسپال قوتیں نوجوان رومی خون سے ہر جگہ شکست کھا کر اوسکے لئے جگہ خالی کر رہی تھیں۔ یہودید کی ابدی الموت زندگی نے آخری بار بدن کو جنبش دی اور نکابین کے نام رومیوں کے تل پر شکست ق م میں ایک حکومت یہودید میں قائم ہوئی۔

مسیحین اولاً مذہبی کاہن کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن آخر بادشاہ بن بیٹھے حصول سلطنت کیلئے ہمیشہ اس خاندان کے ارکان باہم نبرد آزار رہے۔ رومی آہستہ آہستہ ان کی آزادی سلب کرتے جاتے تھے۔ پہلے یہودید سے اودم میں حکومت منتقل کر دی اور اسکے بعد پاپسی رومی نے سنہ ۶۷ء میں ہمیشہ کیلئے اس تماشہ گاہ پر پردہ ڈال دیا۔

یہ تاریخ تمام تر نبطی عربوں سے گونا گوں تعلق رکھتی ہے۔ ملک یہودید نہایت سے ہم سرحد تھا۔ دونوں صوبوں میں تقریباً ایک ہی قسم کے سیاسی حالات رونما ہوتے تھے۔ سلوٹیمین خاندان ابھی صرف سو برس شام حکومت کرنے پایا تھا کہ سنہ ۶۳ ق م میں یہود اسکاہی۔ بان خاندان یہود نے بغاوت شعل کی۔ یہود خود عرب گئے۔ اور نبطی عربوں سے شرکت و اعانت کی درخواست کی کہ ہم لوگ متحدہ طاقت سے ان بیرونی قوموں کو نکال دیں اور قدامت الیہود (کتاب ۱۲ باب ۸ فقرہ ۳) سلوٹیمین نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی ان عربوں کے خلاف ہتھ بڑھایا (فقرہ ۳) اوسوقت غالباً حارث اول۔ انباط کا بادشاہ تھا۔ جبکا زمانہ سنہ ۶۹ ق م ہے۔ زیدیاہ نبطی کے عہد میں سکندر سلوٹیمین اور ڈیمیٹریوس سلوٹیمین کے درمیان دعویٰ تخت کی بنا پر نزاع عت پیدا ہوئی۔ ڈیمیٹریوس کے طرفدار نہایت تھے اور یہود سکندر کے حامی تھے۔ سکندر نے شکست فاش کھائی اوسوقت عرب کی آزادی میں کے سوا اسکو کوئی مامن نظر نہ آیا۔ لیکن حقیقت اوسکی روح اوسوقت حقیقی مامن کی تلاش میں نکلی تھی۔ زیدیاہ بابل نے سکندر کا سر کاٹ کر بطلمیوں کے پاس بھیج دیا۔ قدامت الیہود (کتاب ۱۲ باب ۸ فقرہ ۳)

زید بابل کے بعد مالک اول تخت نشین ہوا۔ سکندر سلوٹی کا بیٹا انطیاخوس اسی معرکہ میں انبیط کے
ہاں قید ہو کر پرورش پا رہا تھا۔ یونانیوں نے جو سکندر کے طرفدار تھے، مالک سے درخواست کی کہ انطیاخوس
کو باپ کی جگہ حکومت کے لئے آزاد کر دیا جائے۔ شاید اصرار کے بعد مالک نے یہ درخواست قبول
کی (قدامت ج ۲-۱۳-۵-۱)

یونانیوں کی اس کشمکش نے یہود و انبیط میں منازعت پیدا کر دی۔ یانائانی مسکابی رئیس یہود۔
جس کی قوت یونانیوں کے ضعف سے نشوونما پا رہی تھی، اس نے اچانک انبیط پر حملہ کیا اور ان کو
نقصان پہونچایا۔ (قدامت ج ۲-۱۳-۵-۱)

حارث دوم کے زمانہ میں یونانیوں نے غزوة کے یہودیوں پر حملہ کیا۔ حارث اس وقت انبیط کی قوت
کا مالک تھا۔ اپنے عہد کا ممتاز بادشاہ تھا، اس نے یونانیوں سے اعانت کا وعدہ کیا۔ لیکن اس سے
پہلے کہ عربوں کی کمک پہونچے یونانی خود خانگی منازعات میں مبتلا ہو گئے۔ (قدامت ج ۳-۱۳-۱۳-۳)
حارث دوم کے بعد عبادہ اول مملکت انبیط پر تخت نشین ہوا۔ اسکے عہد میں سکندر مسکابی جو یہودیہ کا
ایک مجنوں رئیس تھا۔ انبیط پر حملہ آور ہوا۔ اور گو وہ جنگ میں انبیطیوں کے ہاتھ سے بمشکل جانبر ہو سکا۔
تاہم صوبہ مواب اور جلعاد کے ۱۲ شہراؤں سے چھین لیا گیا۔ (۱۳-۱۳-۵ اور ۱۳-۱-۱۳) لیکن یہود
اس فتح سے خوش نہ ہوئے اور انہوں نے سکندر کو مجبور کیا کہ وہ مواب اور جلعاد کے علاقے عربوں کو
واپس کر دے کہ وہ دشمنوں کے شریک نہ بن سکیں۔ (۱۳-۱۳-۲)

حارث سوم (۱۳-۱۳-۱۳) حکومت انبیط کا سلطان اعظم تھا۔ انطیاخوس، ڈیانیسیوس
سلوٹی اس وقت ملک عرب پر حملہ آور تھا۔ حارث کی فوج خالص عرب شجاعت کے ساتھ یونانیوں کے
مقابل تھی۔ پہلے حملہ میں وہ ہتھیار ہو رہی تھی کہ دفعتاً حارث دس ہزار سواروں کے ساتھ میدان جنگ میں نمودار
ہوا۔ انطیاخوس بہادری سے لڑتا رہا۔ اور عین اس وقت میں جبکہ جلعاد فتح اسکے سامنے تھا۔ لڑائی میں کام آبا
اوسکے مرنے کے ساتھ فوج کے پاؤں اوکھڑ گئے۔ حارث کیلئے اب یہاں سے دمشق تک جو سلوٹین کا پایتخت
تھا کوئی روک نہ تھی۔ اور خود بلعیوس و سلوٹی خاندان باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ خود اہل دمشق کی دعوت
پر حارث دمشق پہونچا اور سکندر اعظم کے جانشینوں (سلوکیوس) کا تخت اوسکے پاؤں کے نیچے ہٹا دیا۔ (۱۳-۱۳-۱۳)
پہلی صدی ق م کے اواسط میں اسکندر مسکابی کے دو بیٹوں میں تخت یہودیہ کیلئے منازعت ہوئی ایک
نے بھاگ کر حارث کے دامن میں پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ تخت نشین کر دیا گیا تو جن بارہ قبیلہ شہروں پر اسکا
باب قابض ہو گیا تھا واپس کر دیا جائے۔ (قدامت ج ۲-۱۳-۱۳) حارث پچاس ہزار سپاہ کے ساتھ قہیم

(ٹیرا) سے نکلا۔ یہودیوں نے میدان میں شکست کھائی۔ اور یہود تسلیم میں قلعہ بند ہو گئے۔ یروشلم کا محاصرہ کئے ہوئے حارث پڑا تھا کہ نوشاب رومیوں کی فوج سامنے سے نمودار ہوئی جس نے ۲۰۰ ٹالنٹ (۲۵ لاکھ روپیہ) پر یہودیوں سے جنگ خرید لی۔ ناچار حارث کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ (بحوالہ سابق باب فقرہ ۱-۲) اور اسی کے سپہ سالار سکاردوس (SACARIEUS) نے پہلی صدی ق م کے واسطے میں بار بار قسیم (ٹیرا) پر حملہ کیا۔ لیکن راستہ کی دشواری ہرگز ہرگز کیلئے قلعہ ثابت ہوا کی۔ ناچار سکاردوس نے ادھر ادھر شہروں کو جلا دیا اور برباد کرنا شروع کر دیا۔ آخر ۲۰۰ ٹالنٹ یعنی تقریباً ۲۰ لاکھ روپے ایک اودمی سردار انٹی ٹیر کی دلالی سے اپنے وحشیانہ اعمال کی قیمت لیکر واپس گیا۔

یہ واپسی رومیوں کی تحصیل میں عظیم الشان فتح تھی اس کی یادگار میں ایک سکہ جاری کیا گیا جس میں دکھایا گیا کہ حارث سرنگوں ہے۔ ایک تھک میں اونٹ کی ہمار اور دوسرے میں ایک خوشبودار درخت کی ٹہنی (جو ملک عرب سے شاید عبارت ہے) لئے کھڑا ہے۔ سکاردوس کے بعد گینیوس (GABINIEUS) اوسکی جگہ پر آیا۔ اوس نے یہودیہ رومیوں کی خیر خواہی کے معاوضہ میں انٹی ٹیر اودمی کے ہوالہ کیا اور خود فتح ابطال کے ارادہ سے نکلا اور کہتے ہیں کہ غالب آیا (ربطیکہ طبعی یازدہم ج ۲۲ ص ۲۰۵) عبادہ ثانی کے عہد کا کوئی واقعہ نہیں معلوم ہوا۔

مالک ثانی (سلسلہ تاسعہ ق م) کا زمانہ بعض حیرت انگیز واقعات کا سلسلہ ہے۔ انٹونی ٹیر ٹیر چکا تھا۔ اوس کے بجائے ہیرود۔ یہودیہ کا رئیس تھا۔ روم میں سیرز اعظم (قیصر) کے قتل کا معاملہ درپیش تھا اور انٹونی اپنے حریف (قاتلین قیصر) پر غالب آ رہا تھا۔ مصر میں خاندان بطلمیوسی کی آخری شہزادی کلیوپٹرا تخت نشین تھی۔ ہیرود رومیوں کی تحصیل دیکر رومیوں سے بادشاہ یہود کا لقب خریدنا چاہتا تھا اور اسی ضرورت سے مالک کے پاس جانا چاہتا کہ اوس سے کچھ رقم بطور قرض یا دوستانہ حاصل کرے۔ لیکن مالک نے ملاقات سے انکار کر دیا کہ فارس کی ہمسایہ حکومت اسکو پسند نہیں کرتی۔ ہیرود رنجیدہ ہو کر روم واپس گیا۔ (قد ۱۲ ص ۱۲۱) لیکن عرب جن کی ضرورت ہر قدم پر ہمسایہ حکومتوں کو ہوتی ہے ان سے کب تک اعتراض ہو سکتا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد ایک فوج کشی میں پانی کیلئے بنی عربوں کی اعانت کی حاجت محسوس ہوئی روم سے چکر انٹونی اب مصر و شام کا فرمانروا تھا۔ عرب کو میدان میں مفتوح نہیں ہوئے تھے تاہم رومیوں کی سیاسی فوقیت کو تسلیم کرتے تھے۔ انٹونی سب کچھ جو اسکا تھا کلہوٹیر آؤ نذر کر چکا تھا۔ وہی ان مالک سے خراج وصول کرتی تھی۔ یہودیہ اسکے لئے تیار تھا۔ لیکن عرب نبیا اسکی محکومی کے لئے تیار نہیں تھے۔ شاہ یہود کے توسط سے بعد ہی مالک خراج دینے پر آمادہ ہوا۔ آخر الامر یہود نے رومیوں کی محبت اور کلہوٹیر کی نازی برداری میں

عربوں پر حملہ شروع کیا۔ بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں طرفین سے ہزاروں آدمی کام آئے اور یہودی تاریخ
یسیفوس کے مطابق اکثر عربوں کو شکست ہوتی رہی (قدامت ۱۵ باب ۲۰-۲۱)

عبادۃ ثانیہ (۱۱۱ء) میں (۱۱۱ء) کو ایک سست طبع اور ناکارہ تھا لیکن اوسکا وزیر ثنایت ہوشیار اور
چالاک تھا۔ یونانی تلفظ میں اوسکا نام سائلیوس (SYLLEUS) تھا (اصل شاید سائل یا سائل ہی
سائلیوس ہمیشہ اپنی دانشمندانہ سازشوں سے یہودیوں اور رومیوں کو زندہ دیتا رہا۔ (قدامت ۱۶ باب
۱۱، ۱۲، ۱۳) سست قیام میں یہودیوں کو بے فتح غریبوں کے خواب دیکھ رہے تھے۔ خوشی کے سبب آبِ حیرا میں
جس طرح ان کی ہمت کو شکست دیکر واپس پھرا لیا۔ وہ اب تک ہر رومی اور یورپین مورخ کے قلم کے لئے
سرمایہ غم و اندام ہے۔ واقعہ کی تفصیل "حیرا" کے ذکر میں اس سے پہلے گذر چکی ہے۔

حارثہ (۱۱۱ء) (۱۱۱ء) حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا معاشر تھا۔ اوسکا
پہلا نام ایس تھا۔ حارثہ کی وفات کے بعد ثنایت یہودیوں کا بادشاہ ہوا تو اپنے لئے شاہی نام حارثہ اختیار کیا۔
ہیرودہ، شاہ یہودیہ حارثہ کا داماد تھا۔ یہ شخص نہایت بدکار اور ستم دوست تھا۔ اپنے بھائی کے مرنے پر
اپنی بیوی سے جو اسکی علاتی بھتیجی ہی ہوتی تھی۔ شادی کر لی۔ حضرت یحییٰ کی اندلیوں پتہ دے عفت کے پیچھے
اثر سے قتل ہوا۔ حیرا کے قتل کے بعد ان کی بیوی ہیرودہ سے بھتیجی بن گئی تھی۔ ہیرودہ اوسکی قدر کا پتہ جاتا
تھا۔ حضرت یحییٰ نے ہیرودہ کو اس شادی پر بلا مستعد کی۔ خون آشام بادشاہ سے غیبا نہ ہو سکا۔ حضرت یحییٰ کا سر
کاٹ کر منگر ابا ہیرودہ کی بیٹی بی بی ہیرودیا اپنے باپ کے پاس چلی گئی۔ حیرا کا بادشاہ۔ حارثہ اپنی اس غاندانی
امانت پر غصہ سے تپا تپا ہوا گیا۔ فوراً یہودیہ پر فوج کشی کی تیاری کر دی اور اسانہ در دشواری سے حملہ آور ہوا کہ ہیرودہ
تائب نہ آ سکا۔ اور قتل ہر گز نہ ہوا۔ یہودی مہم جو تھے کہ یحییٰ کے قتل کا پاداش
عمل تھا (قدامت ۱۸-۱۵) حارثہ سید بادشہ قریب ہوا گیا۔ پولوس (سینٹ پال) (ST PAUL)

موجودہ عیسائیت کا بانی اسی حارثہ کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر قید ہوا تھا۔ آخری دوری لڑکا کر اسیکے سہارے
قید خانہ سے نکل کر بھاگا۔ (نام پال پیام قریشیوں ۱۲ و ۱۳) رومی ہیرودہ کی مدد کے لئے آئے لیکن اتفاقاً اسی
اٹنا ہیں (سینٹ پال) میں فوجیہ سرگیا۔ حارثہ کئی برسوں تک دمشق پر قابض رہا۔

حارثہ کے بعد دولت انباط رومی اقتدار کے پردے میں بالکل چھپ چکی۔ گویا حارثہ کا وجود اس چراغ
کا آخری سہارا تھا۔

انباط کے لئے ان کے اہلکار ہیرودہ کے قتل کے بعد خالی جگہ کو بہرے کیلئے نکل آئے
جن میں زیادہ مشہور آل غسان ہیں جو انباط کے ہم نام ہیں۔

تقریباً ۵۳ برس کے بعد حبیب اسلام آیا تب ہی انباط دنیا سے معدوم نہ تھے۔ ملک شام میں ان کا پیشہ غلہ و روغن فروشی رہ گیا تھا (زرقانی ج ۱ ص ۱۱۱) غزوہ تبوک (۱) اور کے شہر تدمر، معان، بصری وغیرہ ال عسکان کے ہاتھ میں۔ اور چھڑتیار، خیبر وغیرہ بنیویوں کے گہر اور قلعے تھے۔ ان سب پر یہود قابض تھے بنیویوں کی یقین آبادی قوی حیثیت رکھ کر یہودیوں، یونانیوں اور رومیوں میں اس طرح گہل مل گئی تھی کہ وہ اسلام میں ان اطراف میں حبیب عرب پہلے تو کوئی ایک دوسرے کو پہچان نہ سکتا۔ عربوں نے ہمیشہ انکو ایک اجنبی قوم سمجھا اور یہ خود ہی اپنے کو بنیوی کہتے تھے۔ انھیں میں سے حسان بن علی ہے۔ جو ہشام ابن عبد الملک کا درباری تھا (ابن خلکان تذکرہ خالد القسری)

اس عظیم الشان قوم کا عروج و زوال، حیات و موت، زندگی و فنا ہم قوم عرب کیلئے اصحاب کج کے قدر سبق آموز ہو سکتی ہے۔ تعجب ہوتا اگر قرآن مجید اس عبرتناک تاریخ سے خالی ہو تا۔

تم نے اوپر پڑھا ہے کہ انباط کے مرکز حکومت دو تھے۔ ریم (رطرا) متصل شام اور جھرا (اجرا) اندرون عرب قرآن مجید نے انکو اسی قریب تر شہر کے مالک کہہ کر بکا رہا ہے۔

اہل جہر نے بغیر انکو جہل یا یعنی گزشتہ اور معاصر مغیروں کی ہدایت قبول کیں (ہم نے انکو اپنی نشانیاں دیں۔ اوت سے مشہور کیا۔ یہ ہارڈ انکو کاٹ کر گہر بناتے تھے جنہیں امن و آرام کے ساتھ رکھتے تھے۔ انکو غلاب نے صبح ہوتے ہی لے لیا پھر انکے کانٹا سونے لے انکو کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔

وَلَقَدْ كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِمْ جَبَلًا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ وَالْأَنْبَاءَ
وَلَقَدْ كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِمْ جَبَلًا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ وَالْأَنْبَاءَ
وَلَقَدْ كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِمْ جَبَلًا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ وَالْأَنْبَاءَ
وَلَقَدْ كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِمْ جَبَلًا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ وَالْأَنْبَاءَ
وَلَقَدْ كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِمْ جَبَلًا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ وَالْأَنْبَاءَ
وَلَقَدْ كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِمْ جَبَلًا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ وَالْأَنْبَاءَ
وَلَقَدْ كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِمْ جَبَلًا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ وَالْأَنْبَاءَ
وَلَقَدْ كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِمْ جَبَلًا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ وَالْأَنْبَاءَ
وَلَقَدْ كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِمْ جَبَلًا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ وَالْأَنْبَاءَ
وَلَقَدْ كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِمْ جَبَلًا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ وَالْأَنْبَاءَ

شام شام میں نے اٹھا لیا کج سے نمود مراد لیا ہے اس میں شک نہیں کہ نمود کا دار الحکومت ہی یہی شہر تھا۔ لیکن قرآن مجید کا نام طرز ادا ہوتا ہے کہ اصحاب کج سے نمود کے علاوہ انکے بعد کی آبادی مراد ہے۔ قرآن مجید نے نمود کا نام جگہ ذکر کیا ہے۔ لیکن ہر جگہ انکا نام لیا ہے۔ اس اجمال کے ساتھ یعنی ”ہجروا لے“ کہہ کر کہیں نہیں بیان کیا ہے۔

ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ نمود کی تفسیر و سنگتراشی کا قرآن میں جہاں ذکر ہے وہاں مقام کا نام ہی بتا دیا ہے۔ یعنی وادی القریٰ ف نمود الذین یجاءون القصر بالیاد، نمود جنہوں نے وادی القریٰ میں پتھر تراشے اور یہاں ہجروا لے کے کہہ ان کی تعمیر و سنگتراشی کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اشارہ یہ ہے کہ ان کی سنگتراشی ہمارے پتھر میں واقع تھیں انکے نشان اور آثار اب تک موجود ہیں۔ ان پر جو کچھ مشقوش میں انھیں بانی اپنا نام بٹھایا ہے جس کو ہر طوطی زبان کا عالم ہر وقت پڑھ کر تصدیق کر سکتا ہے۔ اس سے یہ بات

یہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اصحاب کج انہیں انبیا کا لقب تھا۔ صحیح بخاری اور احادیث دیگر کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو تشریف لے جاتے ہوئے مقام حیر سے گزرے تھے۔ اس موقع پر بھی اکثر روایتوں میں ثمود کا نام نہیں۔ یہ فقرہ مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
لَا أَنْ تَكُونُوا بَالِغِينَ أَنْ يُضَيِّكُم مِثْلَ مَا
أَصَابَهُمْ

ان اپنی جانوں پر آپ ظلم کرنے والوں کے گروں میں روتے ہوئے چلو ایسا نہ ہو کہ جو مصیبت انہیں آئی تم پر بھی آئے۔

یہ روایت امام بخاری نے باب غزوہ تبوک۔ تفسیر سورہ حجر اور ثمود کے ذکر میں درج کی ہے۔ اس میں ثمود کا مطلق نام نہیں۔ ایک روایت میں بھی حدیث بزاید الفضا اس طرح مروی ہے۔ ان الناس مع رسول الله تذلوا اضنا ثمود الجحی۔ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حجر ثمود کا ہی ملک تھا۔ اور اس سے ہم کو انکار نہیں۔

ادھر معلوم ہو چکا ہے کہ کم از کم سنہ ۶۱۰ ق م ۶۱۷ء تک انبیا ان مقامات پر قابض تھے۔ اڈا پیدورس اور پلینی کی شہادتوں کو باہم پیش نظر رکھو۔ ڈائیڈورس (سنہ ۶۱۰ ق م) کہتا ہے۔
اور گذر رہے ہوئے تم خلیج ایلہ (عقبہ) میں داخل ہو گئے جس کے حدود پر اون عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں۔ جنکو لوگ نبط کہتے ہیں۔ یہ نہ صرف سواحل کے بڑے حصہ ملک پر بلکہ اندرون ملک میں بھی وہ در تک پہنچ گئے ہیں۔ (دیکھو فصل "انبیا کا رقبہ حکومت")

مورخ پلینی (سنہ ۶۱۰ء) اسی خلیج ایلہ کے ذکر میں کہتا ہے۔
خلیج کے اندرون گوشے میں جاں ایلیائی لوگ بستے ہیں۔ جن کے سبب سے اس خلیج کا نام ایلہ ہوا
یہ تحقیق بالکل غلط ہے۔ بلکہ واقعہ برعکس ہے یعنی سکونت خلیج ایلہ کی خصوصیت سے انکو اپلی کہتے ہیں اور جو اگر (حجر) اپنے شاہی شہر میں بھی رہتے ہیں۔ (طلائے مدین۔ یعنی گورڈامینس آف مدین ص ۳۱۲)

قرآن مجید نے انکی شکی عمارتوں کا ذکر کیا ہے گو ادن کے آثار اب تک حجر۔ تیمار اور عمار وغیرہ میں موجود ہیں لیکن انبیا کی معاشرہ تاریخ بھی اسکے ذکر سے خالی نہیں۔ اس پر اب لکھتا ہے۔

انکے مکانات عالیشان اور پتھر کے ہوتے ہیں۔ (معاذن طلائے مدین ص ۲۲۸)

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے ان عمارتوں کو تیسری چوتھی صدی میں دیکھا تھا۔ اسطوری بیان کرتا ہے۔

ایک قریبہ صغیرۃ قلیل المسکان وھون
مجرادہ القری سے ایک دن کی راہ پر ہاروں کی بیچ میں

فادی القری علی یوم بین جبال و بھا کانت
منارہل شہود و مائت المساکن مثل بیوتنا فی
اصنعاف الجبال ریا قوت۔ الحجی
ایک کم آباد گاؤں ہے۔ یہیں شہود کے گھر تھے ہم نے اپنے
گھروں کے برابر ان گھروں کو پہاڑوں کے سلسلوں میں دیکھا
ہے۔ (ریا قوت الحجی)

تجربیں اب تک یہ عمارتیں موجود ہیں۔ ان میں اکثر مقبرے ہیں۔ جو پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں
ان عمارتوں پر قطعی خط اور راقمی زبان میں مذہبی کتبے لکھے ہیں۔ ان میں انباط کے بتوں کے نام بھی ہیں۔
جنہیں قیس۔ ذوالشترئی۔ منشاہ مشہور دیتا ہیں۔ موجودہ عمارت میں۔ ایک عمارت قصر الغبت کے نام
سے آج تک مشہور ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مضمون عرب)

۲ قیدار ابن اسمعیل

میلۃ اہلسلم ایسا کہیں

قیدار حضرت اسمعیل کا دوسرا بیٹا تھا۔ شہرت اور اعزاز میں اپنے تمام بھائیوں سے ممتاز تھا۔ لفظ
قیدار کے بھری میں معنی۔ سیاہی اور غم کے ہیں۔ عربی میں بھی لفظ ”قیدار“ ”کہ ورت“ ”موجود ہے۔ شاید
حضرت اسمعیل نے یہ نام باپ سے جدا کی اور صحرا نوردی کے غم کی یادگار میں رکھا ہو۔ قیدار پر بنائے دوایا
نوراء و عرب حجاز میں آباد ہوا تھا۔ فارس صاحب جن کی موافقانہ شہادت نہایت مشکل سے پیش آسکتی
ہے لکھتے ہیں۔

اشعیان بنی نے قیدار کے جس ملک کا اقرار ذکر کیا ہے۔ اسکو ہر شخص جو جغرافیہ عرب کے واقعات سے فوراً گہر دیکھا
کہ وہ عرب کے جنوب حجاز کا صحیح نقشہ ہے۔ جس میں کہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔ عربوں کی قومی
روایت بھی تاریخی رتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ جب ایک طرف اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ جب دوسری طرف اس کی تصدیق
ہوتی ہے۔ قیدار کا اسی حصہ ایک میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کی تصدیق ہوتی ہے۔
اور پختہ کیے بیان سے ملتی ہے۔ جو قیدار کی (قیداری) قوم کی اسی قوم میں موجودگی کی غیر مشتبہ شہادت
دیتے ہیں۔ (فارس جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۲۴۸ (مختصاً))

قیدار کی اہمیت اور عظمت کیلئے یہ دلائل کافی ہیں کہ اس کا نام نوراء کے ساتھ ہے۔ اس پر اس کے گھرانے
میں اور یونان کے جغرافیات میں ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اس سے بھی عظیم الشان عزت اس کو یہ حاصل ہے
کہ وہ نور الہی جو آدم واپرا تھیم کو دے دیتا ہوا تھا۔ وہ اسماعیل کے بیٹے قیدار کی پشت سے جلوہ افروز ہوا
ہوا۔ یعنی پیغمبر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسل قیدار کی شاخ عدنان سے پیدا ہوئے۔

ایک قوم ہونے کی حیثیت سے قیدار کا نام سب سے پہلے سن ۱۲۵۰ ق م میں حضرت داؤد کی زبور میں نظر آتا ہے بنو قیدار اس زمانہ میں خیموں میں رہتے تھے۔ حضرت داؤد شاہی سے پہلے بہت دنوں تک بنی قیدار کے خیموں میں رہے تھے (زبور ۱۲۰-۵)

سن ۱۲۵۰ ق م میں حضرت سلیمان ہی اپنی غزل میں قیدار کے خیموں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کالے رنگ کے ہوتے ہیں اور میں قیدار کے خیموں کی طرح سیاہ ہوں۔ یہ سیاہ خیمہ کالے گٹلوں کے ہوتے تھے۔ جو اتنا بک بدوی عربوں کے لئے صحرا میں قصر و کاٹنا نہ ہیں۔ خود کہ ان حضرت صلح سے چند پشت پیشتر صرف خیموں کا شہر تھا۔ کوئی شہر یا مٹی کی عمارت موجود نہ تھی۔

تقریبی حیثیت سے دو سو برس کے بعد پر قیدار کا نام اسیریا کے کتبات میں ملتا ہے۔ ملک عرب کا نام ان کتبات میں عربی ہے۔ اول زبیدی اور تسمی دو شاہزادوں کا ذکر ہے۔ زبیدی کی اصل شاید زبار اور تسمی کی حقیقت شمسہ ہو۔ ذیل کی عبارت میں ہم ان کتبات کا اقتباس ایک نہایت معتبر کتاب سے کرتے ہیں :-

ملکہ زبیدی زبار تغلات پلاسرسیم۔ شاہ اسیریا سن ۱۲۵۰ ق م ۱۲۵۰ ق م کی معاہدہ کی تغلات پلاسرسیم۔ ملکہ زبیدی سلطانیہ عربی کو صرف مفتوحین اور باجگذاروں کی فہرست میں داخل کرتا ہے (دھ ۱۲۱) اسکے بعد زبیدی ملکہ عربی کا دوبارہ ذکر آتا ہے۔ زبیدی نے سن ۱۲۵۰ ق م میں خراج ادا کیا تھا اس کے بعد سے پھر عربیہ سے خراج وصول نہیں ہوا۔ اس کا سبب کیا ہے؟ زبیدی کے ملکہ تسمی (شمسہ) تخت نشین تھی۔ شمسہ نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اور اسیریا سپاہ کو ناکام کیا واپس کر دیا۔ ناچار وہ لڑنے پر مجبور ہو گئی۔ اسیریا غالب آئے اور شمسہ کے ملک کے اڈے اور پس بولے لگے۔ ایک اسیریا سردار تحصیل خراج کے لئے مقتول ہوا۔ اس کا وارث ہوا کہ مسیحیاں سپاہ اسیریا کو نذرین پیش کیا۔ (دھ ۱۲۰-۱۲۱) سن ۱۲۵۰ ق م میں۔ سرحد بنانی شاہ اسیریا نے شمال عرب پر فوج کشی کی۔ خیفہ ایک قبیلہ تھا جس نے سربانی کی تھی۔ محمود عبادی (عبادی) اور مرینی۔ خیفہ کے طرندار تھے۔ خیفہ انتہائی شمال میں موجود شہر مدینہ کے شمال اور بقیہ قبائل کے طرف سے نیچے آبار تھے۔ بیشتر سپاہ اور شمسہ ملکہ عرب نے۔ جبکہ ملک انتہائی شمال میں واقع ہوا تھا۔ نذرین پیش کیا گئیں۔ (دھ ۱۲۰)

انٹرنیشنل شاہ اسیریا کے عہد حکومت (سن ۱۲۵۰ ق م) میں یوہنا بن ہزائیل عربی کا بادشاہ تھا اور شاہ اسیریا (سن ۱۲۵۰ ق م) نے اپنے عہد حکومت میں عرب اور دم۔ بیروہ بیت عموں خزانہ۔ مودعہ سعیر داخل کر لئے تھے۔ اور ان مقامات کے حدود پر عربوں کی چکیاں مقرر کیں۔

کتابت مذکورہ کے بیانات سے یہ صاف صاف نہیں واضح ہوتا کہ یہ بھی جسمی رشتہ خاندان بنی قیدار سے تھیں یا نہیں۔ لیکن آخری فقرہ سے قیاس غالب یہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان قیدار ہی تھا ان کتابت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نابہ اور قیدار کی اولادیں اوسوقت الگ الگ ہو گئی تھیں اور شمالی عرب کے مختلف گوشوں میں ان کی متفرق ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔

اشیائی۔ جو تقریباً اسی زمانہ میں تھے یعنی آٹھویں صدی ق م میں وہ بیان کرتے ہیں کہ قسیرا ایک شاندار اور بہادر قوم ہے (۲۱-۱۶) گلاؤں میں ان کی بہت سی آبادیاں ہیں (۲۶-۱۱) بھیڑ بکری ان کی اونکی دولت ہے اسی کی وہ تجارت کرتے ہیں۔ (۴۰-۶۰)

قتیدار کے مشفق دوستوں سے یہ سچا ہے کہ یہ ایک سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔
 کی تمام شاخیں شجرہ انساب میں اسی عدنان تک منتهی ہوتی ہیں۔ چوتھی صدی ق م میں یوحنا بن زبیر (نصف
 ۱۵۱۱ ق م) جس کو عربیہ بن نصر کہتے ہیں۔ اس پر اس کے تخت پر چاہوہ نما ہوا ہے اور عراق سے
 لیکر شام، مصر اور عرب تک کی خاک اوڑا دیا ہے۔ اہل عرب کا بیان ہے کہ اس وقت عربوں کا یہیں کل
 معدن عدنان تھا۔

اشعیا (س۵۹ ق م) خرقیاں (س۵۹ ق م) اور یرمیاہ (س۵۹ ق م) نبیوں نے خانوادہ قیدار کو اس
خونخوار اور سفاک بادشاہ کے غریب سے ہتھیار کیا ہے۔ سب سے پہلے اشعیا بنی کہتے ہیں:-
قیدار کا تمام جاہ و جلال مٹ جائیگا۔ تیرا نڈا ز اور بہادر فرزند قیدار کی تعداد گھٹ جائیگی۔ (اشعیا ۱۷: ۱۶-۱۷)
باب ۲۴۔ آیت ۱۱ میں ہے:-

ان دیہاتوں میں آواز فحش میں قیدار رہتے ہیں۔

باب ۴۰ درس ۷ میں ہے:-

قیدار کے گلے اور بنا یو ط کی ہیٹیں اکٹھی کھائیں گی۔

یرمیاہ بنی نے کہا (۲۸-۲۹)

قیدار اور حضور کی حکومتوں پر انہوں نے۔ جنگ بابل کا بادشاہ بنوخذ نذر (نخت نصر) تباہ کر لگا خدا کا
ہے اٹھو اور قیدار کے پاس جاؤ اور اہل مشرق کو برا بکرو۔

اہل عرب نے روایت کی ہے کہ نخت نصر ملکہ کرتا ہوا تجارت تک پہنچ گیا تھا۔ معد بن عدنان برسرِ مقابلہ ہوا۔
اور ایک غیر منفصل جنگ کے بعد دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یرمیاہ
بنی نے معد کو بچا لیا۔ اور شاید اس شکست سے بنو قیدار کو کچھ زیادہ صدمہ نہیں پہنچا۔ خرقیاں بنی جو نخت نصر
کی ان جہاں سوزیوں کے زمانہ میں موجود تھے اور فلسطین سے قید ہو کر (س۵۹ ق م) بابل گئے تھے قیدار کے
شہزادوں کا ذکر کرتے ہیں:-

عرب اور قیدار کے تمام شہزادوں نے بہیر بکری کا تجمہ سے ہو پار کیا۔ (۲۶-۲۱)

ان انبیاء کی معاصرانہ شہادتوں سے بنو قیدار کی معاشرت یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خمیوں اور گاؤں میں آباد
تھے۔ بہادر اور شجاع تھے۔ قبائل کے سردار تھے۔ بدویاتہ جاہ و جلال اور شان و شکوہ اور کما کو حاصل تھا۔
تجارت اور کاشتکاری اور بعلبیت ہی نقشہ اور کازمانہ اسلام تک موجود تھا۔ (مفہوم از کتاب ابن القرآن جلد
دوم۔ تذکرہ انبیا و قیدار)

مشرقی مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ عدنان کے دو بیٹے تھے۔ معد اور عکب۔ عکب کی نسبت وہ
صرف اتنا ہی لکھتے ہیں کہ وہ علاقہ یمن کی فیلٹ جاکر سکونت پذیر ہوا۔ باقی حالات پر پردہ ہے لیکن زمانہ
حال کی تحقیقات عالم القدامت کے افادات۔ خصوصاً اون کہتوں کی عبارات سے۔ جو علاقہ حضر موت
کے مقام حصن شراب میں پائے گئے ہیں اور جنکو مسٹر فارستر قوم قادی کے اخبار و آثار سے شمار کرتے ہیں۔ یہ ثابت
ہوتا ہے کہ عکب نے کچھ عرصہ تک اسی علاقہ میں شاہی کی تھی۔ مذکورہ صدر کہتوں کو حضر موت کے علاقہ

ہیں ایسیٹا انڈیا کمپنی کے جہازی افسروں نے ۱۸۳۷ء میں پایا تھا۔ ان کتبوں کا پورا بیان مع نقشوں کے
ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جنرل جلد سوم میں مندرج ہے۔ مسٹر فارسٹر نے اسکی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس
سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عکاسہ وہاں کا حاکم تھا۔

معدن بن عدنان کے بعد قبائل عرب کے سرداری اور حکومت معدن سے تعلق رکھتی تھی۔ معدن اور حضرت بنی ہاشم
اوسوقت کے مشہور زمانہ دونوں معاصر تھے۔ اور دونوں میں باہمانہ مراسم اتحاد قائم تھے۔ مورخ مسعودی
نے مروج الذهب میں حضرت ابراہیم کے ساتھ معدن بن عدنان کا ذکر کیا ہے۔ وقد کان کاہنیا معہ معدن بن عدنان انھما راجعین ذکرہما
حضرت ابراہیم کے ساتھ معدن بن عدنان رہتے تھے اور یہ ایسے واقعات ہیں کہ انکا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ تاہم انھوں سے مسعودی
کے اس نچلے بیان اور مندرجہ بالا حقیقت اس طرح پائی جاتی ہے۔

معدن بن عدنان اور حضرت ارمیہ کے حالات اور باہمانہ تعلقات جو گذرے ہیں وہ حقیقتاً بہت
طویل ہیں جبکہ خلاصہ یہ ہے کہ جب بنو نصر نے حملہ کیا اور عرب میں بنی عدنان اور بنی جرہم کو
شکست دی اور شہر مکہ کو بالکل لوٹ لیا اور وہاں کے صدر ہاشمہ بن عبد مناف کو پکڑ کر اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ تو
اوسوقت خند استغالی نے معدن بن عدنان کی جان کو بال بال بچا لیا۔ حضرت ارمیہ اور اون کے وصی و
جانشین ریشیا (کاتب الوحی) کو معدن بن عدنان کی حمایت میں بھیجا۔ یہ دونوں حضرات مکہ میں آئے اور عدنان
کو ہی اپنے ساتھ شہر مکہ یا حیرت میں۔ جو علاقہ شام میں ہے۔ لے گئے۔ اور اون کو ایک معتد بہ زمانہ تک
بوجہ غلطی و آرام رکھا۔ واکملہ ملقبہ پر ابن کلبیہ پر معدن بن عدنان کی اولاد میں تھا۔ عرب کا
بادشاہ ہوا۔ اور بنو وائل سے چند لڑائیاں لڑا۔ تاہم بنو خندیمہ اور قیس بن مسیرہ باری باری سے
جواز پر حکمرانی کرتے رہے اور یہ سب سلاطین صحیح طور پر معدن بن عدنان کی اولاد میں تھے۔

مگر بات یہ ہے کہ ان متذکرہ بالا۔ عدنانی سلسلہ حکمرانی کا زمانہ حکومت صحت کے ساتھ قائم کرنا اور بتلانا
سخت و دشوار ہے اور حقیقتاً ان حکمرانوں کا حقیقی طور پر حکمرانی کا زمانہ بتلانا سے بالکل غور نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس کے
مسلو است کا کوئی قومی اور معتبر ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ لیکن غور و خیال کرنے کے بعد ہم اسناد انرا
کر سکتے ہیں کہ ابن اسماعیل الاصل فرمانروایان عرب کا زمانہ حکومت اسی وقت ہوگا۔ جب بنو نصر کی سلاطنتیں
اور دیگر مسابہ حکومتیں اپنے عروج و اوج پر تھیں۔ کہ زمانہ کو تمام کر کے اٹھالیں اور اوبار کی حالتوں میں بتلانا ہو چکی
تھیں۔ (خطبات اسوۃ ۵۹۴)

معدن بن عدنان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام نزار تھا۔ نزار کے پانچ بیٹے تھے۔ پانچوں بیٹوں سے
پانچ مشہور شاخیں قائم ہوئیں۔ انصار۔ ایاد۔ ریمہ۔ قضا۔ عرب کے تمام قسدا رسی قبائل انھیں

کے فروغ میں، میلاد مسیح کے پیش زبانی میں طولا یہ بین سے شام تک اور عرضاً صحرا و نجد سے بحرین و عراق تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور زمانہ اسلام تک انکا یہی نقشہ تھا۔

یہ پانچوں شاخیں پہر چوڑے چوڑے مختلف خاندانوں پر منقسم ہو گئیں۔ ان کا مجموعی نام اپنے اپنے مورثا علی کی نسبت سے بنو عدنان، بنو معد اور بنو نزار قائم ہوا۔ نزار کے پانچ خاندانوں میں سے۔ اثنار اور ایاد نے کوئی بڑی وقعت حاصل نہیں کی۔ ربیعہ قضاہ اور مضر نے کثرت تعداد و دنیاوی اعزاز اور سیاسی اقتدار میں بڑی ناموری حاصل کی اور حجاز و نجد و عراق میں ان کی عظیم الشان حکومتیں اور چوٹی چوٹی ریاستیں قائم ہوئیں بنو عبد القیس کے بحرین میں۔ بکر و تغلب اور کنذہ کے نجد میں اور آل مضر کے عراق و حیرہ میں نظام حکمرانی جاری ہوئے۔

قبیلہ قریش

سلسلہ نسب مضر کی شاخ متعدد اور وسیع خاندانوں میں منقسم ہو گئی جن میں سے ایک قریش کا خاندان ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

قہر ابن مالک ابن نضر ابن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر ابن نزار ابن معد ابن عدنان
عدنان تک سلسلہ نسب حرف بحرف صحیح ہے اور ناقابل شکک صحیح روایات سے ثابت ہے۔ احادیث صحیحہ میں مروی ہے۔ اشعار عرب میں مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب بھی انھیں واسطوں سے عدنان تک پہنچتا ہے۔

نہر کا لقب قریش تھا۔ اس بنا پر اس کی نسل نے "قریش" اپنا خاندانی علم قرار دیا لہذا قریش کے وچہ سمیمہ قریش عربی میں متعدد معنی ہیں۔ اسکا ایک معنی "قریش" و "نضر" ہے جس کے معنی آلتساب و تحصیل ہیں۔ خیال ہے کہ چونکہ اس خاندان کا اصلی پیشہ تجارت ہے۔ اس لیے قریش کے نام سے موسوم ہے۔

(مورخین و محققین عرب اس استہراج اور استغراق کو ذکر نہیں کرتے اور نہ قریش کے معنی تحصیل و آلتساب کے بتلاتے ہیں۔ بلکہ قریش سے جمیع واجماع کے مفہوم لیتے ہیں۔) ہذا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے (قریش ایک درباری و زندہ جانور کا بھی نام ہے جو درباری جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ نہر نے اپنے اسمیاء و قوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا ہے۔

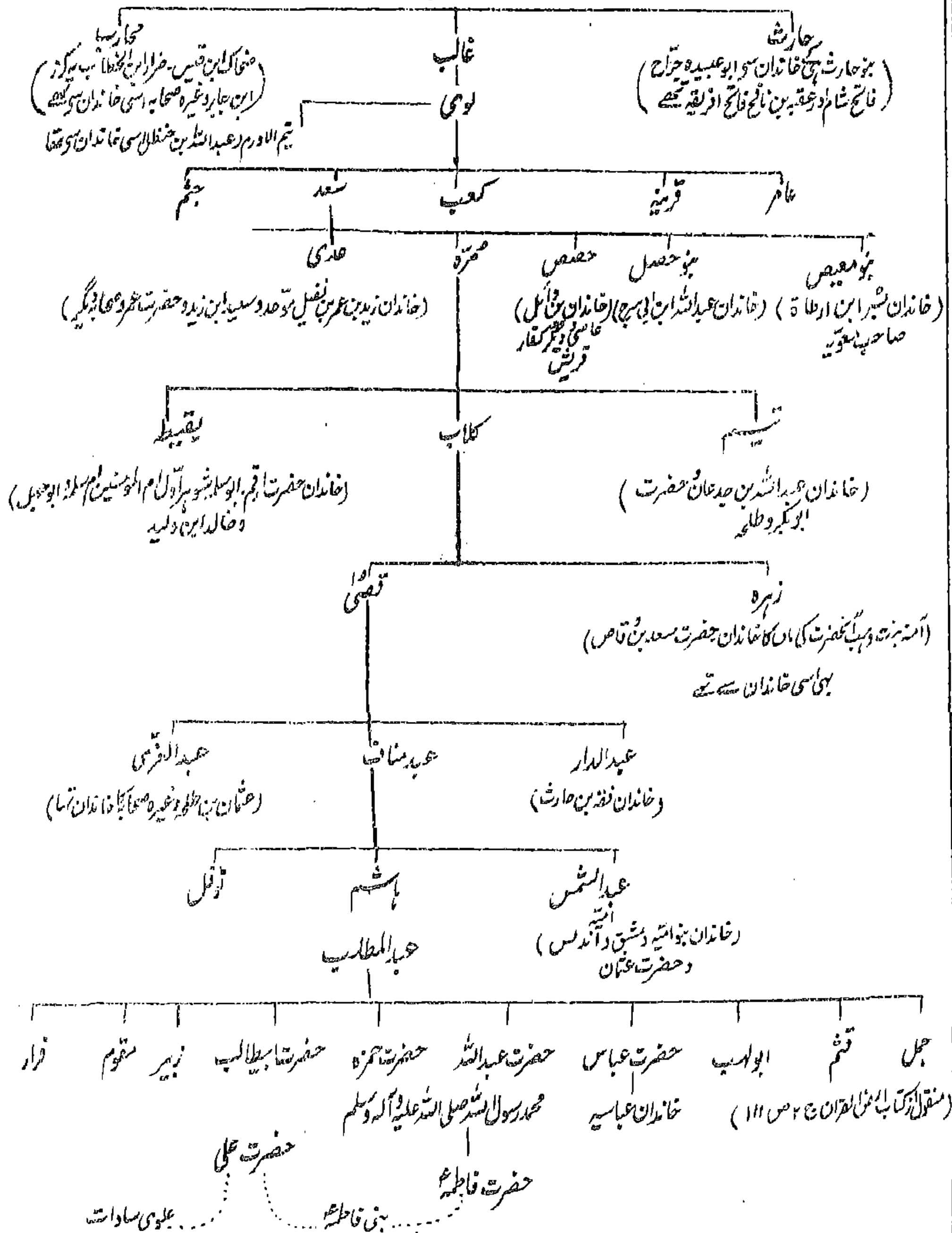
مستشرقین یورپ نے۔ جنکو ہماری تاریخ سے خود غرضانہ محبت ہے۔ اسی دوسری رائے کو پسند کیا ہے لیکن اسلئے نہیں کہ وہ روایتاً صحیح تر ہے بلکہ اسلئے کہ توٹرم (طوطی) کے ثبوت کے لئے ایک سند ہاتھ لگتی ہے۔ حالانکہ اسکی تردید کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس خاندان میں قریش کے نام کی نہ پوجا ہوتی تھی اور نہ اس نام

قریش کی شاخیں

قریش بھی کوئی ایک قبیلہ نہ تھا۔ جوڑے بڑے دس مختلف خاندانوں پر منقسم تھا۔ ہاشم
امیہ۔ نوفل۔ عبدالدار۔ اسد۔ تیم۔ خزوم۔ عدی۔ نجج۔ شہم۔ ان کا سلسلہ نسب

سب ذیل ہے :-

فرقہ (۱)



سب سے پہلے قریش کون کہلایا بعد اس خاندان میں بدلتا تک کوئی شخص قابل ذکر نہیں گذرا۔ ان سے آئندہ چودہویں پشت میں خزیمہ بن مدرکہ ایک ایسا شخص معلوم ہوتا ہے جس کے بیٹے زہیر بن حجاز میں حکومت کی اور اس کے بعد اس کے بیٹے قبیلہ سے بھی گزرنے کی مگر انیسویں کہ یہ دونوں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے شجر نسب میں داخل نہیں ہوتے۔ اس لئے ہم نے ان کے تفصیل حالات کی زیادہ فکر نہیں کی۔

خزیمہ کی ایک پشت بعد نضر کے وقت سے اس سلسلہ کے کسی قدر سلسل حالات و واقعات تاریخوں میں پائے جاتے ہیں۔ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید مورخین و محققین نے اس سلسلہ کے حالات کو نضر ابن کنانہ بن خزیمہ کے عہد سے ایک سلسلہ اور ترتیب کے ساتھ لکھا ہے۔ اکثر محققین کا اسی بنابر یہ مختار معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان میں پہلا شخص جو قریش کہلایا وہ نضر ابن کنانہ تھا۔ بعض فہرین مالک ابن نضر (نضر کے پوتے) کو اول قریش بتلاتے ہیں۔ حافظ عراقی سیرت منقولہ میں لکھتے ہیں۔

اما قریش خاندان کا جتنی فہر
جہاں سے ہوا کہ اکثر بن النضر
قریش صحیح یہ ہے کہ وہ فہر بن مالک (نضر ابن کنانہ) ہیں جس نے ان کو جمع کیا
اور انہوں نے نضر کو بتلایا ہے۔

اس شجر قدیم عرب سے فہر کی صحت شخصیت تو ضرور معلوم ہوئی۔ مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ نضر کا شمار بھی اسکے نسب میں ظاہر ہو گیا۔ قول اول کے مطابق ممکن ہو کہ قریش کی خصوصیت نضر ہی کے وقت سے پیدا ہوئی ہو۔ مگر اس سے اس خصوصیت اور اسکی شہرت کی طرف توجہ نہ کی ہو۔ لیکن اس کی دوسری ہی پشت میں اس کے پوتے فہر بن مالک نے اس کی شہرت کا خاص اہتمام کیا اور تمام بنی نضر کو جمع کر کے ان کا قریشی ہونا بتلایا۔

نضر اور فہر پر جو قوت نہیں، ان سے دو تین پشت بعد قصی ابن کلاب کی نسبت یہی اکثر مورخین کی رائے ہے کہ پہلے ہی شخص قریش کے لقب سے مشہور ہوا۔ کیونکہ قریش کے قومی وجود آثار اور اقتدار کا قیام اور ان کا اجتماع اسی شخص کے وقت سے اور اسی کے اہتمام و انتظام سے قائم ہوا ہے۔ اور حقیقتاً تمام مشاہیر قریش اور دلائل سے یہی وہ شخص تاریخوں میں پایا جاتا ہے جس نے قریشوں کو عربوں کے قبائل و اقوام سے ایک جدا گانہ اور مشہور قوم بنایا۔ اور پھر ایسے اعزاز و امتیاز کے ساتھ کہ کچھ اہل عرب ہی نے اس کے اس قومی القاب و نام کو تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ غیر قوموں اور دوسرے قبیلوں نے ہی۔ ان اوصاف و خصوصیات کے اعتبار سے نضر ابن کنانہ اصل قریش اور اول قریش کہلانے کا اتنا مستحق ہو سکتا ہے اور نہ فہر بن مالک ابن نضر کے طبقہ میں اپنا ہی مختار قائم کیا ہے۔ اسکے ثبوت میں وہ حسب ذیل مشاہیر پیش کرتے ہیں۔

قال هذا ابن غانم العدوي كلابي لهيب
بن عبد مناف به ابوكم قصي كان يدعى جهمًا
به جهم الله القباثل من فهر

قد عي قصي جهمًا يجمعه قریشیہ قصی سمیت
قریشی قریشا وکان یقال لهم قبل ذلك بنو النضر
وقت سے قریش کا لقب قریش ہوا۔ اس سے پہلے وہ لوگ بنو نضر کہلاتے تھے۔

ایک دوسری شہادت پیش کرتے ہیں۔

عن سعيد بن محمد بن عبد الملك بن مروان
سئل محمد بن جبير عن معنى ما سميت قریشیہ
قال سميت بذلك الحشر من نضر فها قد
الجبهم النضر فها قال عبد الملك ما سميت
هذا او كان سميت ان قصيا كان يقال له النضر
ولم تسم قریشی قبله

قصی کے اول قریش ہونے کی تیسری شہادت یہ ہے۔
عن عبد الرحمن بن عوف قال لما نزل قصي الحشر
وعلى عليه فعل انفاك بهياد فنفيل له النضر
فهو اول من سمى به

(طبقات ابن ۴۰)

خاند بن غانم العدوی نے ابوہبیل بن عبد مناف کی تعریف
میں کہا کہ یہ تمہارے باپ قصی جہم ہیں۔
اس لئے کہ خاند نے قبائل بنو نضر کو اسی کے وقت میں جمع فرمایا
ہے اس کے بعد ابن سعد لکھتے ہیں:-

قصی کا لقب جمع (جمع کنندہ) قرار پایا۔ اس وجہ سے کہ ایک وقت
میں قریش کا اجماع (من حشيت القوم) واقع ہوا قصی ہی کے

سعد بن محمد کا بیان ہے کہ محمد بن جبير سے عبد الملك ابن
مروان نے پوچھا کہ کس وقت میں قریش کا لقب قریش قائم ہوا
محمد نے جواب دیا اس وقت سے جب انہوں نے اپنی مدت
کے اختلافات کے بعد آپس میں پھر اتفاق اختیار کیا۔ کیونکہ
قریش کے لغوی معنی جمع کے ہیں عبد الملك نے کہا کہ میں
آج تک یہ نہیں سنا تھا۔ لیکن میں نے تو یہ سنا تھا کہ قصی کا نام
قریش پڑا اور اس سے قبل اس قبیلہ کا نام قریش نہیں تھا۔

عبد الرحمن ابن عوف کا قول ہے کہ جب قصی مکہ میں آئے اور انکو
غلبہ حاصل ہو گیا اور ان سے انفال حسنہ ظاہر ہوئے تو انکا لقب
قریش مقرر ہوا اور وہ پہلے شخص ہیں جو اس لقب سے موسوم
ہوئے۔

عیسائی بلا کے متعصب ہیں۔ ارض القرآن کے حوالہ سے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ وہ بنو اسمعیل میں ٹوٹو نرم۔
(طوطیت) ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس سے بنو اسمعیل کی جو اسلام کی اصل میں۔ ایک گونہ دولت منظور ہے
(مارگولوس جیات محمد) فاضل معاصر صاحب ارض القرآن نے ایک دہیسا جواب ہی دیدیا ہے اور بتلادیا ہے
کہ اگر قریش کے لغوی معنی "جاووز زندہ دریا" کے سبب سے یہ خیال پیدا کیا ہے۔ تاہم خلاف واقع ہے۔ کیونکہ
قریش میں کسی وقت جاووز پرتی (طوطیت) ثابت نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر مخالفین اسلام کو اسی وجہ تسمیہ کی خصوصیت پر اصرار ہے جس کا قدیم و جدید عربی تاریکوں میں کہیں نشان نہیں ملتا۔ تو ہم ان سے استفسار کرتے ہیں کہ عرب کے ان قبائل نے ایام جاہلیت میں جانوروں پر اپنے نام لگ کر اپنی طوطیت (جانور پرستی) کا اظہار کیا تھا۔ مگر آپ حضرات تو اس چکاچوند والی روشنی اور تہذیب کے زمانے میں ہی۔ مسٹر آلف (بیسٹریا) مسٹر پیکاک (مور) مسٹر پیرٹ (طوطا) مسٹر ڈکسن (بطح کا بچہ) وغیرہ مثلاً ہم نام رکھ رکھ کر آج تک اپنے ٹوٹو نرم کا پورا ثبوت پہنچا رہے ہیں۔

تسمیہ قریش کی اولیت کی نسبت ہم نے ابن سعد کی شہادتیں جو اوپر پیش کی ہیں۔ انکو۔ اور اون سے پہلے جو اقوال لکھے گئے ہیں۔ اون کو ایک جا جمع کر کے ایک تحقیق طلب شخص باسانی حقیقت حال کو سمجھ کر اپنا یوں اطمینان کر لے گا کہ اہل عرب (بنو اسمعیل) میں قبائل و عشائر کو ایک خاص قوم بنانے اور اس لئے ایک خاص امتیاز ہی نام سے شہرت دے جانیکا خیال سب سے پہلے نصر بن کنانہ کو پیدا ہوا۔ اور اس نے اس بنا پر اپنے قبیلہ اور عشیرہ والوں کو۔ جتنے ہی اس وقت جمع ہو سکے۔ پہلے اسی شخص نے اکٹھا کیا۔ اور اس جمیع کی رو سے وہ قریش کہلایا۔ اس کے بعد مالک بن نصر نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی۔ مالک کے بیٹے فہر نے پھر اس خیال کو زندہ کیا۔ اور قومی مجموعہ کی ترتیب دی۔ مگر وہ بھی خاطر خواہ کامیاب نہوا۔ وجہ یہ تھی کہ غیر قبائل چاکمانہ غلبہ نہ نصری کو حاصل ہو سکا اور نہ فہر کو۔ لیکن کسی کار یا ض کسی کی ثمت ضائع نہیں جاتی۔ کوشش موقوف ہو جاتی تھی۔ ارادہ اور نیت تو دل سے متا نہیں تھا۔ اس اصول کی بنا پر قریش کی ترتیب و نسبت کی نسبت فہر ابن مالک کی سعی و نیت ہی ایک حد تک عرب کے جریہ میں یادگار رہ گئی۔ اور مورخین اخبار اور تحقیق دان بنا لئے انکو ہی موجدان تسمیہ قریش کے ذیل میں تسلیم کر لیا۔

مگر تاریخ و انساب کی کمال اور پر غور و رقی گردانی کے بعد محقق ہو جاتا ہے کہ ان تمام کوششوں کی تکمیل قصیٰ ابن کلاب کے زمانہ میں ہوئی۔ اور قریش کے ان تمام غور و توفی اصطلاح و اتحاد کی بنیاد کا تکملہ اسی شخص کی ذات خاص سے ہوا۔ اور قبیلہ قریش کی قومی یکجہتی۔ اور کافرانہ وقار و اقتدار اور حکومت و آثار غرض سب کچھ اسی زمانہ میں قائم ہوئے۔ اور پھر ایسے استقرار و استحکام کے ساتھ کہ ظہور اسلام تک حکومت حجاز اور امارت کعبہ اسی خاندان میں برقرار رہی۔ جیسا کہ مفصلہ ذیل سلسلہ بیان سے ظاہر ہے۔

قصیٰ ابن کلاب پہلے تولیت خانہ کعبہ اور امارت مکہ کے حالات

قبل اسکے کہ ہم خانوہ ابراہیمی کے اس حلیل القدر اور نام آور بزرگ کے تاریخی حالات شروع کریں مناسبیت مقام اور سلسلہ کلام قائم رکھنے کی ضرورت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم تولیت خانہ کعبہ اور امارت مکہ کے متعلق وہ حالات

واقعات جنگوہم نے حضرت اسمعیلؑ کی وقت تک لکھ کر چھوڑ دیا ہے۔ بطور اجمال بیان کر کے قصی ابن کلاب تک اسکا سلسلہ پورا اور تمام کر دیں۔

یہاں تک اور بیان ہو چکا ہے کہ حضرت اسمعیلؑ کے بعد آپ کے پڑے صاحبزادے نابت ابن اسمعیلؑ پر امارت مکہ اور تولیت خانہ کعبہ کے منصب تفویض ہوئے۔ مگر جیسا کہ علامہ ارزقی اور قریب قریب تمام مورخین و محققین نے لکھا ہے۔ یہ تمام اختیارات قرابت قریبہ کو جوہر سے بنی جبرہم کے دست اقتدار میں دیدے گئے۔ علامہ ارزقی کی عبارت یہ ہے۔

حضرت اسمعیلؑ نے رعلہ بنت مضا بن عمر جبرہمی کے لطف سے اولاد عقبہ چھوڑی۔ مضا بن نے وفات اسمعیلؑ کے بعد اون کی اولاد کو اپنے ساتھ رکھا اور اون کی کفالت کی کیونکہ وہ سب ان کے حقیقی نواسے ہوتے تھے۔ اسی وقت سے بنی جبرہم کی مکہ میں عظمت قائم ہو گئی۔ یہاں تک تولیت خانہ کعبہ خدمت

وترک (اسمعیل) ولد امن رعلہ بنت مضا بن عمر الجبرہمی فقام مضا بن امن ولد اسمعیل وکفلہم کاتھ بنوا یدنہ فلم یزل امرہم یعظم بہک ویتفیل حتی ولو البیت وکانوا اولاتہ ویتجائبہ وکلاتاکہم بکام بہک

حجاب اور شہر مکہ کی امارت و حکومت بھی ان کے قبضہ و اختیار میں آگئی۔

علامہ ارزقی نے خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی امارت کے متعلق اتنے ہی بیان پر اکتفا فرمائی۔ مگر ہم اس کو کسی قدر زیادہ تفصیل سے لکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تاریخ طبری۔ ابن اثیر۔ زرقانی کے مفصلہ فی القباہت ملاحظہ ہوں۔

حضرت اسمعیلؑ کے بیٹوں میں نابت سب سے بڑے تھے۔ اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد اپنے آبائی منصب پر فائز ہوئے۔ قبیلہ جبرہم کو حضرت ابراہیمؑ کی اجازت سے مکہ میں آباد ہوا تھا۔ نابت اور ان کے تمام معاملات کا نگران ہوا۔ اس لئے کہ حضرت اسمعیلؑ نے رعلہ بنت مضا بن عمر جبرہمی سے شادی کر لی تھی اور تمام بنو اسمعیلؑ کی اولاد تھی۔ اس قرابت قریبہ کے رو سے قبیلہ جبرہم نابت اور تمام بنو اسمعیلؑ کا ولی اور قریب خیر خواہ مقرر ہوا۔ اور مضا بن عمر رئیس جبرہم کو اسی ذریعہ سے تولیت کعبہ اور امارت مکہ حاصل ہوئی۔

مکہ میں اس وقت دو قبیلے آباد تھے۔ ایک بنو جبرہم۔ دوسرے بنو قحطورہ (عمالیت) بنی قحطورہ حضرت ابراہیمؑ کی دوسری بی بی کی اولاد تھے۔ جو تین سے آکر مکہ میں بس گئے تھے۔ اس وقت مضا بن عمر قبیلہ جبرہم کے رئیس تھے اور قحطورہ کا امیر مکہ کے حصہ اعلیٰ میں جبرہم مع بنو اسمعیلؑ آباد تھے۔ اور وہاں کی حکومت بنی جبرہم سے متعلق تھی شہر کے حصہ پائین میں بنی قحطورہ بستے تھے اور وہاں کی امارت اون سے متعلق رکھتی تھی۔ حصول ترجیح اور تفضیل کی بنا پر ان دونوں مختلف قبائل میں بڑی بڑی خونریزیاں واقع ہوئیں اور بالآخر

نتیجہ یہ ہوا کہ متضامن نے سمجد ع کو قتل کر ڈالا اور اسکے قبیلہ کو سخت شکست پہنچائی اور ہمیشہ کیلئے ایسا کمزور کر دیا کہ پھر انہوں نے جرہم کیوں کے مقابلہ میں سر نہ اٹھایا اس نتیجائی کے بعد متضامن ابن جرہم کی تمام مکہ کا امیر اور حاکم تسلیم کر لیا گیا۔ اور خانہ کعبہ کی تمام خدمات و اختیارات اس کے قبضہ اقتدار میں پہلے سے تھے ہی۔

متضامن کے بعد اس کی اولاد میں مدت تک نسلاً بعد نسل امارت کعبہ اور حکومت مکہ کے تمام اختیارات باقی اور قائم رہے اور بنو اسمعیل کچھ تو قرابت قریبہ اور زیادہ تر اپنی مالی اور فوجی ضعف و انحلال کو بہت سے اپنے غور و نظر اختیار و اقتدار کے واسطے لینے کیلئے جرہم کیوں سے برسرِ مقابلہ ہو سکے۔ یہاں تک کہ بنی جرہم کے اطوار و رفتار میں بمقابلہ قایم روش اور حسن سلوک کے بہت بڑا اختلاف اور فرق آگیا۔ اون میں ریاست کی شان اور امارت کی تمکنت آگئی۔

اور اون کی موجودہ شان نہ سطوت اور امیرانہ شوکت بنو اسمعیل کے ساتھ قرابت مندانہ اور عزت دارانہ محبت و ہمدردی کی جگہ بیدردی اور نفرت کا اظہار کرنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنو اسمعیل اور بنی نابت کے کثیر التعداد قبائل عشائر مختلف اقطاع و حصص ملکی میں جلا وطن ہو ہو کر بدویانہ زندگی بسر کرنے لگے جیسا کہ تاریخ آل نابت کی تفصیل میں ہم اوپر لکھ کر سنا آئے ہیں۔ بنو اسمعیل و بنو نابت کے معدودہ چھ قبائل وہیں رہ گئے۔

بنو جرہم کے ظلم و تعدی کی خبریں جب تمام دنیا میں عالمگیر ہوئیں تو اس پاس کے تمام علاقوں کے قبائل اون کے خلاف براہِ انگلیختہ ہو گئے یمن کے قبیلہ بنی قحطان کی ایک شاخ جو بنی خزاعہ مشہور تھی بنی جرہم پر حملہ آور ہوئی۔ اور انکو شکست دیکر تمام شہر اور اسکے حوالی پر قابض ہو گئی۔

بنی جرہم نے بنی خزاعہ سے شکست پا کر مکہ سے نکل جانے کیوقت بہرکت کی کہ عمر ابن حارث جو اس وقت بنی جرہم کا رئیس تھا۔ اس نے اپنی قوم و قبیلہ کی صلاح و مشورت سے جہر الاسود کو اسکے مقام سے اوکھاڑ لیا۔ اور اون دونوں سوسے کے ہرنوں کو جو اسفندیار شہر پار فارس نے خانہ کعبہ کے مندر کے کھمبے تھے۔ اور وہ بیش بہا زر ہیں جو خانہ کعبہ کے خزانہ میں مدت سے محفوظ و خزانوں چلی آئی تھیں نکال کر چاہ زفرم میں پوشیدہ کر دیں۔ اور اس کنوئیں کو مٹی ڈال کر ایسا چھپا دیا کہ چاہ زفرم کا کوئی اثر اور نشان باقی نہیں تھا۔

عدنان ثانی بنی جرہم کی امارت و حکومت تیسری صدی ق م تک قائم رہی۔ اسی طرح بنی خزاعہ کی حکومت و امارت کا سلسلہ سن عیسوی کے سو برس پہلے تک باقی رہا۔ اس اثنا میں بنی اسمعیل کی قوت روز بروز ضعیف اور کمزور ہوتی گئی۔ فلانم بخت نصر کے حملوں نے جس کی مدافعت کیلئے بنی جرہم اور بنی خزاعہ نے حسبِ وطن اور حفاظت بیت اللہ کے تقاضے اور جذبات سے باہم اتفاق کر لیا تھا۔ مگر ناکامیاب رہے۔ ان کے معاون و محاذ اقبیلہ جرہم کی بھی اسی قوتوں کو بالکل زائل کر دیا تھا۔ مگر نظام مشیت نے عدنان دوم کے زمانہ سے بنی اسمعیل کی درستی کی طرف توجہ فرمائی۔ اور وہ اس طرح کہ عدنان دوم نے بنی جرہم کے ایک رئیس اور معمول شخص کی لڑکی سے شادی کر لی اور مکہ میں

اسی ذریعہ سے آہستہ آہستہ اپنا اقتدار اور اثر بڑھایا۔ اور آئنا کہ ان کے صاحبزادہ معد ثانی کی اولاد و اعتساب اور اعیان و اصحاب حجاز سے نکل کر علاقہ نجد تک پھیل گئے۔

پہری عدنان موجودہ عروج و اقتدار کی ترقیوں میں چہرہ نشین تک خلافت امیر رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی اور معد ثانی سے لیکر کنانہ بن خزیمہ تک کوئی ذی اثر اور مقتدر شخص ان میں پیدا نہ ہو سکا۔ مگر باہنیمہ ان لوگوں میں اگر کوئی اسی ترقی ہی نمایاں نہیں ہوئی تو کچھ ایسا ضعف ہی نہیں پیدا ہوا۔ ایک سکونی حالت برقرار قائم رہی۔ پھر قصی ابن کلاب کے زمانہ میں انہوں نے پورا عروج و اقتدار حاصل کر لیا۔

قصی ابن کلاب قصی ابن کلاب کے حالات زندگی بالکل حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں اور حقیقتاً ایسے ہی ہیں جیسا کہ تاریخوں سے بڑے بڑے نموداران اور سرداران ملکی کے حالات و واقعات پائے جاتے ہیں۔ یہ تو اس سے پہلے ہی بہت سے لوگوں نے امارت مکہ اور ولایت کعبہ کی خدمات کو انجام دیا ہے۔ مگر حقیقتاً امارت مکہ اور ولایت کعبہ اصول و قواعد کے مطابق قصی کے وقت اور حکم سے قائم ہوئی۔ اسی طرح ملکی رفاہ۔ اور قومی اصلاح کی جو تدبیریں اور ترکیبیں قصی نے جاری کیں اور ان سے اپنے تمام ملک و قوم کو فائدہ پہونچایا وہ میرے سلسلہ بیان سے آئندہ ظاہر ہونگی۔

ابتدائی حالات قصی ابن کلاب کے باپ کلاب بن مرہ نے خاندان ازد میں۔ فاطمہ بنت سعد سے شادی کی تھی۔ قبیلہ ازد کے لوگ بھی شہر مکرہ علاقہ یمن سے آکر مکہ میں بس گئے تھے۔ اور قبیلہ بنی الدیل بن بکر سے شادی بیاہ کر کے انھیں میں مل جل گئے تھے اسی قبیلہ میں فاطمہ بنت سعد ازدی سے کلاب ابن مرہ کی شادی ہوئی۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ فاطمہ کے بطن سے پہلے زہرہ ابن کلاب پیدا ہوئے۔ اور پھر ایک عرصہ کے بعد قصی ابن کلاب کی ولادت ہوئی۔ مگر قصی کے دو دھ چھٹنے کے بعد ہی کلاب کا انتقال ہو گیا۔ اور فاطمہ نے ربیعہ ابن خرام ثضاعی سے شادی کر لی۔ ربیعہ نے چند دن کے بعد فاطمہ کو اپنے مسکن و موطن شہر عذرہ علاقہ شام میں ساتھ چلنے کے لئے مجبور کیا۔ اور فاطمہ کو آخر کار جانا ہی پڑا۔ زہرہ ابن کلاب کو چونکہ سن تیز تک پہونچ چکے تھے ان کے قبیلہ والوں میں چھڑ دیا۔ اور قصی کو مکس ہو نیچے باعث ہمرہ لیلیا اور ربیعہ اپنے موجودہ شوہر کے ساتھ فاطمہ علاقہ شام میں چلی گئیں۔

علاقہ ابن سعد طایفات میں قصی کی وجہ تسمیہ کی نسبت حجاز سے علاقہ شام تک کی مسافت طے کر نیچے ان کے قصی نام رکھے جائیکا تمام سبب قرار دیتے ہیں۔ بہر حال قصی نے شہر عذرہ اور قبیلہ بنی قضاہ میں پرورش پائی اور ہمیشہ اپنے آپکو ربیعہ کا بیٹا خیال کیا۔ فاطمہ کے بطن اور ربیعہ کے صلب سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ذراح رکھا گیا۔ ربیعہ نے باوجود اسکے کہ فاطمہ سے اب اس کی منگی اولاد ہی پیدا ہو چکی تھی۔ قصی پر اپنے اشتقاق و اکرام کم نہیں کیے بلکہ سلسلہ

ابراہیمی اور خانوادہ اسمعیلی ہونے کے باعث سے انکی عظمت و حرمت ویسی ہی قائم اور برقرار رکھی۔
قصی کو اپنی حقیقت کی اطلاع
 ان سے تیر اندازی میں ان بن ہو گئی۔ اور فیما بین بابت بڑھتے بڑھتے مقابلہ اور مقابلہ کی نوبت پہنچ گئی۔ اس مرد قصاعی نے باہمی مکالمہ میں تعریضاً یہ بھی کہہ دیا کہ تم ہمارے قبیلہ اور ہمارے موطن سے چلے جاؤ۔ اور اپنے بطن و وطن کی طرف واپس جاؤ۔ ہمارا تمہارا میل جول مناسب نہیں۔ کیونکہ تم ہماری قوم قبیلہ سے نہیں ہو قصی کو۔ جو اس وقت تک اپنے آپ کو بنی قضاہ کا ایک فرد خالص سمجھتے تھے۔ اسکی تعریض بہت بڑی معلوم ہوئی قصہ کو رفع دفع کر کے فوراً اپنی ماں کے پاس آئے اور پوچھنے لگے میرے باپ کا کیا نام ہے۔ ماں نے کہا ربیعہ قصی پوچھے اگر یہ سچ ہوتا تو لوگ اس سے انکار نہیں کرتے۔ اب تو اس سمجھ گئی کہ آج کسی نے حقیقت حال اس سے کہہ دی۔ ماں نے جواب دیا کہ یہ تم سے کس نے کہہ دیا۔ اور جس نے ہی کہا ہو۔ تو میں تم سے کہتی ہوں کہ تم اپنے قوم و وطن کے اعتبار سے۔ اس کہنے والے شخص سے بدرجہا بہتر ہو۔ تم ذاتی شرافت نسبی نجابت اور وطنی مفاخرت میں معترض سے برائے اعلیٰ ترجیح و تفضیل کے مستحق ہو۔ تمہارا باپ کلاب ابن مرہ ابن کعب قرشی ہے اور تیرے قبیلہ کے لوگ کہ معظم میں بیت اللہ احرام اور اسکے چاروں گرد آباد ہیں۔ اتنا سنا تھا کہ قصی کے دلیں قوی غیرت کا وہ غیر تحمل جوش آیا کہ فوراً اس کے پاس سے یہ کہتے ہوئے اڑھ کھڑے ہوئے کہ قسم خدا کی میں اب یہاں ہرگز نہیں رہوں گا۔ ماں نے کہا کہ اتنا تو ٹھہر جاؤ کہ حجاج کے قافلے یہاں سے روانہ ہوں تو میں تمکو اونکے ساتھ کر دوں کیونکہ تمہارے تنہا جانے سے مجھ کو تمہاری نقصان جان کا اندیشہ ہے۔

کہ میں قصی کی بازگشت دو چوڑے
بھائیوں کی مدت پر ملاقات
 جب بنی قضاہ کے لوگ حج کرنے کو مکہ جانے لگے۔ تو انہیں کے ساتھ قصی بھی ایک مدت مدید کے بعد مکہ واپس آئے اسوقت تک زہرہ ابن کلاب۔ انکے بڑے بھائی زندہ تھے قصی کہ میں کہیں نہیں ٹھہرے۔ بلکہ اپنی ہجر ہی جاعت بنی قضاہ کو ساتھ لئے ہوئے۔ اور تلاش کرتے ہوئے اپنے بڑے بھائی زہرہ ابن کلاب کے مکان پر پہنچے بھائی بہت ہی کبیر السین ہو چکے تھے۔ اور اون کی آنکھوں سے بصارت کی قوت بھی زائل ہو چکی تھی۔ اور وہ بنیائی سے ایسے مجبور و معذور ہو چکے تھے۔ کہ زہرہ قصی کو مطلق دیکھ نہ سکے۔ بالآخر قصی نے اپنی معرفت آپ کرائی اور کہا کہ میں آپ کا چھوٹا بھائی قصی ابن کلاب ہوں۔ زہرہ مر جہا کہہ کر اڑھ کھڑے ہو گئے اور کہا قریب آ جاؤ۔ قصی جب قریب پہنچے تو زہرہ نے انکا بدن ٹھول کر پہچان لیا اور کہا کہ تم بیشک میرے بھائی ہو زہرہ کے بدن پر تمام بال تھے اور ایسے ہی قصی کے ہی۔ اور تمام جسم پر بال کا سو ناقدیم سے اس خاندان کا امتیاز تھا زہرہ نے انکا بدن ٹھوکراپنے اسی معیار خاندانی کی تلاش کی تھی۔ اور جب وہ پاگئے تو تصدیق کر دی۔

محدثی فاطمہ بنت مسلم الاصلیہ عن
 فاطمہ الخنّاعیة و كانت قد ادرکت اصحاب
 الرسول اللہ صلعم قال لا تزوجن قصی الی حلیل
 بن عبد شمس ابنتہ مصبی و ولدت له اولادہ
 قال حلیل انما ولد قصی و لدی هم بنوا ابنتی فا
 صی بکة البیت و البیت و القیام بامرکة الی قصی

وقال انت الحق بے۔

اور کہہ گیا کہ وہ ہی ان کا سب سے زیادہ سچی ہے۔

ایسے صاف و پاک طریقہ استحقاق امارت مکہ اور تولیت کعبہ کی موجودگی میں اس ناپاک ذریعہ کو کسی کی عقل سلیم قبول نہیں کرے گی۔

تولیت کعبہ اور امارت مکہ قضی کا قبل اسکے کہ ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھائیں۔ پہلو اس مقام پر اٹھنا لکھ کر دکھلا دینا نہایت ضروری ہے کہ تولیت کعبہ اور امارت مکہ کا منصب جیسا کہ ہم کامل تفصیل اور قوی دلیل سے اوپر لکھ آئے ہیں ذریعہ استماع کا

موروثی اور جائز حق تھا

موروثی اور جائز حق تو ضرور تھا۔ لیکن یہ استحقاق اور یہ منصب بنی نسا بنی شادون میں سے انھیں نفوس کے ساتھ بطور منصوص مخصوص کیا گیا تھا جو اس عمدہ جلیلہ کی پوری اہلیت اور صلاحیت رکھتے تھے۔ اور ان کی یہ اہلیت اور صلاحیت ہی ودیعت الہی کے خاص انتخاب عنایات پر موقوف تھے۔ بشا ہات کثیرہ بتلا رہے ہیں کہ باوجود اس کے کہ یہ استحقاق اور یہ منصب دوسروں کے قبضہ و اختیار میں چلے بھی جائیں اور غیر مستحقین ان پر غصب جبر غلبہ استیلا یا اور کسی تدبیر اور حکمت عملی سے منصرف بھی ہو جائیں۔ مگر وہ ایک نہ ایک دن انھیں غیر مستحقین سے اپنے اصلی مستحقین کی حقیقت اور اہلیت کے اقرار و اعتراف کرنا ہی چھوڑتے تھے۔ ثبوت کیلئے حلیل خزاعی کا واقعہ جو ابھی ابھی لکھا گیا ہے موجود ہے۔ حلیل خزاعی باوجود اسکے کہ ساٹھ سال اور شہتاپشت سے تولیت کعبہ اور امارت مکہ پر متصرف اور متقابض چلا آتا تھا۔ عرب کے قریب قریب تمام قبائل و عشائر مدینہ سے بنی خزاعہ کو اس تولیت اور امارت کا جائز حق تسلیم کر چکے تھے۔ مگر تاہم جب اس حقیقی مستحق کا سامنا ہو گیا تو آخر حلیل خزاعی کو اتنی مدت مدید کے قبضہ و تصرف کے خلاف قضی کے اصلی حقوق و تصرف کا اقرار و اعتراف کرنا ہی پڑا۔ اور خود دست بردار ہو کر اپنے بعد قضی کے قبضہ و اختیار میں واپس کرنا پڑا۔

بنی خزاعہ اور بنی بکر سے حلیل نے واگذاشت حقوق قضی کی وصیت تو کر دی۔ مگر اس کی وصیت پر عمل نہ نہیں ہوا۔ اور بنی خزاعہ اور بنی بکر نے ملکر قضی کو امارت و تولیت کے منصب پر قابض نہیں ہونے دیا۔ قضی نے ان سے فوری منازعت

کے سلسلہ میں نہ ہوا۔ تھوڑے دن اور صبر کیا۔ یہاں تک کہ چند روزوں میں قضی اور ان کی اولاد نے گمراہی اور اس کے اطراف جو انب میں اپنے کاروبار تجارت کے ذریعہ سے اپنی مالی حالت ایک حد تک درست کر لی۔ اسی اثنا میں قضی نے تمام قریش اور بنی کنانہ کو جو حضرت ابراہیم و اسماعیل کی صحیح النسل اولاد تھے۔ ایک مجمع خاص میں مجتمع کر کے تولیت کعبہ اور امارت مکہ کے متعلق ایک طویلانی تقریر کی۔ اور انہیں پوری تفصیل سے بیان کیا کہ قریش اور بنی کنانہ حضرت ابراہیم و اسماعیل کی صحیح اولاد ہیں اور قبیلہ خزاعہ اور بنی بکر کے مقابلہ میں امارت مکہ اور تولیت خانہ کعبہ کے خاص طور پر

مستحق ہیں تو اس بنا پر ہماری موجودگی میں کسی دوسرے کو اس پر قبضہ و تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ان سے پہلے بالمساہلت ان امور کے منتشر کر نیکی کو شش کیجائے اگر وہ بالمساہلت اس کا تصفیہ نہ کر سکیں تو پھر یہ تمام اختیارات ان سے بالمنازعت واپس لئے جاویں۔

یہ سکر تمام قریش اور بنی کنانہ نے قصی کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اور اس کی اطاعت و متابعت اختیار کر لی اسی روز سے قریش کا نام اس خصوصیت کے ساتھ شہرت پذیر ہوا کہ چونکہ ان کا اتفاق و اتحاد ایسے وقت سے مستحکم ہو گیا۔ اور یہی وہ قوی وجہ ہیں جو نصر ابن کنانہ اور نہرا بن مالک وغیرہ کے مقابلہ میں قصی کو قریش کے اصلی باعث تسمیہ ہونیکا صحیح ثبوت پہنچاتے ہیں۔ ابن سعد محمد ابن عمر کا اسناد سے طبقات میں لکھتے ہیں۔

عجب قصی کو کسی قدر نارغ البال حاصل ہوئی تو بنی خزاعہ اور بنی بکر نے ان کو قیام مکہ سے منع کیا۔ تب قریشیوں نے اس کے پاس ملکر اجماع کیا اور اسی دن سے ان کا نام قریش مشہور ہوا کیونکہ قریش کے معنی جمع ہونیکے ہیں۔

لما فرغ قصی ونفی خراعه و بنی بکر عن مکہ
تجمعت الیہ قریش فسمیٰ یومئذ قریشا
لحال تجمعهما والتقرن لیتجمع طبقات ج ۱ ص ۳۸

تاریخوں کے مطالعہ سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ بنو اسماعیل کے دلمیں تولیت خانہ کعبہ اور مارت مکہ کے نہ ملنے یا کسی وجہ سے اس سے ٹکرائے یا باز رکھے جانیکا بہت بڑا خیال اور ملال پیدا ہوتا تھا جبکہ وہ اپنی مجبوری اور ضعف کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ مگر جب کہ بنی ان کی حالتوں میں ذرا بھی درستی اور قوت آجاتی تھی تو وہ فوراً غیر قوموں کے قبضہ و اختیار سے اپنے ان حقوق خصوصہ کو واپس لینے پر آمادہ ہو جاتے تھے نصر ابن کنانہ اور نہرا بن مالک نے بھی اپنے اپنے وقتوں میں اسی امر خاص کیلئے اپنے قوم و قبیلہ کو جمع کیا تھا۔ مگر اس اجماع سے نصر ابن کنانہ اپنا کام نکال سکا اور نہرا بن مالک اپنے ارادہ میں کامیاب ہو سکا۔ چونکہ مشیت ایزدی اس کامیابی کا سہرا مخصوص طور پر قصی کے سر باندھ چکی تھی۔ اسلئے فہر سے چہشتوں کے بعد قصی نے اپنی اس آبائی تمنا و مدعا کو خاطر خواہ پورا کیا۔

اتنا لکھ کر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجائے ہیں۔ قصی نے جب مکہ میں اپنی قوم و قبیلہ کو اس مهم کی انجام دہی پر پورے طور سے راضی اور آمادہ کر لیا تو اس نے اندرونی قوت کیساتھ اپنی بیرونی طاقت کی درستی کا بھی سامان کیا۔ اور اپنے بھائی زراح ابن ربیعہ کو لکھ بھیا۔ وہ بھائی کا خط پاتے ہی اپنے قبیلہ سے ایک معتد جمیت لیکر مکہ میں پہنچ گیا جب قصی اور بکر و بنی خزاعہ میں بالمساہلت کوئی تصفیہ نہ ہوا اور بنی خزاعہ اور بنی بکر کسی طرح قصی کی تولیت اور مارت پر راضی نہ ہوئے تو بالآخر جانبین سے مقابلہ کی نوبت پہنچی۔ مقام الطح میں سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ طرفین سے کثیر الشہداء لوگ مارے گئے۔ آخر کار جانبین سے مصالحت پیش ہوئی۔ لعیر ابن عوف حکم ہوئے اور دونوں نے قصی کی تولیت کعبہ اور مارت مکہ مغلہ دلوادی۔ اور بنی بکر و خزاعہ کا خون بہا بھی قصی سے نہیں دلوایا۔ بلکہ اس کے خلاف بنی بکر و

بنی خزاعہ سے قصی کے مقتولین کی دیت دلوادی۔ اور اسی وجہ خاص سے مجاز میں لعین بن عوف کا نام شہ آخ ہو گیا۔
کیونکہ اس نے بہت خونوں کو رائگاں کر دیا۔ (طبری۔ ابن سعد)

قصی نے زہر شیر سے مکہ کو فتح کیا جب قصی کے تمام معاملات خاطر خواہ درست ہو گئے۔ تو قصی نے اپنے
علاء بن ابی رباح ابن ربیعہ اور اسکی ہمراہی جمعیت کو اونکے وطن کی
طرف رخصت کر دیا۔ اور اسی وقت سے قریش اور بنی ربیعہ کے مابین

بہمہ تعلقات اتحاد اور زیادہ قوی اور مستحکم ہو گئے۔ قوم ربیعہ کے لوگ سالانہ ایام حج میں بلاناغہ آنے لگے اور
قصی کے ہمان رہنے لگے۔ قریش بھی قصی کے ساتھ اون کی قرابت کی رعایت سے بنو ربیعہ کی تعظیم و تکریم کرنے
لگے اور جنگ خراہہ کی وقت سے بنو ربیعہ کو اپنا شریک و معین یقین کرنے لگے۔

پہلے قصی کے حالات کو اسوجہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ اکثر محققین و مورخین کا خیال کہ لینا کہ
قصی ابن کلاب نے امارت مکہ و تولیت کعبہ بے محنت و مشقت صرف اپنے حیلہ و حکمت سے المحترش ابن حلیل
کو شراب پلا کر حاصل کر لی محض بے اصل ہے۔ مثلاً کہ بالا مشاہد تاریخی ثابت کر رہے ہیں کہ اپنے آبائی قوت و اختیاء
اور امارت و اقتدار کے حاصل کرنے میں قصی کو کتنی زحماتیں اٹھانی ہوئیں اور کتنے سامان فراہم کرنے ہوئے۔ یہ ممکن
ہے کہ المحترش کو شراب پلا کر کلیہ کعبہ حاصل کر لیتی ہو۔ مگر صرف کچھ بھی بھانسنے سے یا ایک المحترش کے شریک رفیق
بنجانے سے قصی کو امارت مکہ اور تولیت کعبہ حاصل ہونیوالی نہیں تھی۔ بنی بکر اور بنو خزاعہ کب اسکو قبول کرتے۔
جدیہ کہ وہ خاتمہ جنگ تھیں۔ باوجود اسکے کہ حلیل کی وصیت اور المحترش کی نااہلیت اور قصی کے ساتھ اسکے ساز
باز سے ہی آگاہ ہو چکے تھے۔ قصی کے استحقاق و مطالبات سے انکار ہی کرتے رہے۔

ان مشاہد کو پیش نگاہ رکھ کر ایک محقق آسانی سے تصفیہ کر لیتا کہ قصی ابن کلاب نے اپنی آبائی حکومت و امارت
اور خاندانی عظمت و اقتدار ایک سخت لڑائی کے بعد جیسی کہ عربی قبائل میں لڑائیاں ہوتی ہیں پہراز سر نو حاصل کیا
ہے۔ حالات و واقعات مذکورہ بالا سے کامل طور پر ثابت ہے۔ ان مشاہد تاریخی کے مقابلہ میں شرابخواری والی روایت
اگر مان ہی لی جائے۔ تو قول منفر و ثابت ہوتی ہے جس کی کوئی تفصیل و تصریح ثابت نہیں۔ اس بنا پر اس روایت
کو تاریخی واقعہ سمجھنا غلطی ہے۔

قوی اصلاح اور دارالشدوہ کی افتتاح قصی نے اسی اثنا میں بنی نضر بنی کنانہ اور بنی فہر کے قبائل
کو جو بنو بکر و بنو خزاعہ کے غلبہ و ظلم سے سکونت مکہ ترک کر کے
مختلف مقامات میں آباد ہو گئے تھے۔ پہر کہ میں واپس بلایا۔ شہر میں عموماً تمام اور بیت اللہ کے خصوصاً چاروں طرف
دور و نزدیک خاردار درختوں کے جنگل کھڑے تھے اور اس معبد الہی کی صفائی اور پاکیزگی کو بالکل بدنام بنا رہے

تھے قصی نے سب پہلے ان تمام مقامات کی صفائی کو مد نظر رکھ کر ان تمام جنگلوں کے کٹوا دیئے گا ہتمام کیا قبیلہ قریش کے اکثر اور عرب کے دیگر اقوام و قبائل نے اپنی قدامت پسندی اور اوہام پرستی کی بنا پر قصی کو اس امر سے روکنا چاہا مگر قصی نے اپنے اور اعران انصار کو ہمراہ لیکر ان جنگل جہاں یونکو خود کاٹنے لگا۔ اسکی مستعدی اور آمادگی دیکھ کر تمام عرب اسکے شریک ہو گئے۔ تو پورے عرصہ میں وہ مقامات بالکل صاف و شفاف ہو گئے۔ تو قصی نے ان تمام مقامات کو چار حصوں میں منقسم کیا۔ اور باہر سے آئے ہوئے قریشیوں کے مختلف قبائل و عشائر کو انہیں مقامات میں بسایا۔ ان انتظامات و قبائل قریش ہی پر نہیں بلکہ تمام اقوام عرب پر قصی کی امارت و حکومت کے کامل اور مستحکم اثر پیدا کر دئے۔ اور اہل عرب دینی اور دنیاوی حیثیت سے قصی ابن کلاب کو اپنا پیشوا اور سردار تسلیم کرنے لگے۔

قصی ابن کلاب کے دیگر انتظامات متعلقہ تولیت کعبہ امارت مکہ کی تفصیل میں ابن سعد لکھتے ہیں:-

عن ابی صالح عن ابن عباس قال کان قصی ابن کلاب اول ولد کعب ابن لوی اصحابا صالحا طامعا لہ قریش قومہ فکان اشرف اہل مکۃ لا ینام فیہا فابقی دارالندوۃ و جعل بابھا الی البیت ففیہا کان یحون امر قریشا کلہ و ما ارادوا من نکاح او حرب او مشورۃ فیہا ینزلہم حتی ان کان الیہ الجاریۃ تبلیغ ان تدسح فایشتد درعھا لا فیہا ثم ینطلق لھا الی اھلھا ولا یقعدون لواء حرب لھم ولا من قوم غایرھم الا فی دارالندوۃ یعقدہ لھم قصی ولا یسدر لھم غلام الا فی دارالندوۃ ولا یتخبر غایرون قریش فی رھلون الا منھا ولا یقعد موت الا لھم فیہا تشریفا لہ و یمنا برایۃ و معرفۃ بفضلہ و یتبعون امرہا کالدین المتبع لا یعمل بغیرہ فی حیاتہ و بعد موتہ و کان الیہ الجابۃ و السقاۃ و الفادۃ و الناع و الندوۃ و حکم مکۃ کلہ و کان یعشر من دخل مکۃ لھم اھلھا

ابن صالح ابن عباس سے نقل ہے کہ کعب ابن لوی کی اولاد میں قصی ابن کلاب پہلا شخص ہے جس نے مکہ کی حکومت حاصل کی اور اس کی تمام قوم نے اسکی اطاعت اختیار کی۔ اور بلا مناعت احد سے وہ پہلا شخص ثابت ہوتا ہے جو شریف مکہ تسلیم کیا گیا۔ اسی نے دارالندوہ کی بنیاد قائم کی اور اس کے دروازہ کو حرم محترم کے اندر داخل کیا۔ اسی مکان میں قریش کے تمام امور پیش ہوتے تھے۔ ضرورت کے کالج۔ حرب و ضرب مقابلہ و مقابلہ اور دیگر تمام ضروریات کی نسبت اسی مکان میں جمے ہوئے مشورت کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ عروس کا خلعت عروسی بھی یہیں قطع ہوتا تھا۔ اور یہیں بنایا جاتا تھا۔ اور یہیں سے وہ اپنے گھر حضرت کیجاتی تھی۔ اور قریش کے علاوہ عرب کے دوسرے قوم و قبیلہ کے لوگ بھی سوائے اس جگہ کے اور کسی دوسری جگہ یا علم جنگ آراستہ کر کے مجاز نہیں تھے۔ اور اسی علم کو سوائے قصی کے کوئی دوسرا مرتب بھی نہیں کر سکتا تھا اور ایک غلام بھی اپنا غدر سوائے یہاں تک کہیں اور نہیں پیش کر سکتا تھا بلکہ کوئی تافہ سوائے اس مقام کے کسی دوسرے مقام سے مرتب ہو کر اوٹھایا نہیں جاسکتا تھا۔ اور اسی طرح داخلہ کے وقت بھی اسکو تحریم و نکریم کے خیال سے پہلے اسی مقام پر آنا ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا خدمات کعبہ میں سقایہ اور فادہ کے ماسوا۔ اور تہیہ خدمات کی تفصیل کامل طور سے اوپر بیان ہو چکی ہے۔ ذیل میں سقایہ اور فادہ کی تفصیل یہی قلمبند ہوئی ہے۔

فرض قصي على قريش السقاية والرفادة
فقال يا معشر قريش ان بكم جيران الله
واهل بيته واهل الحرم وان ايساح
ضيقان الله وتزجر اربابته وهم اشد الضيق
بالكرامة فاجعلوا لهم طعاما وشرايا
ايام الحج حتى يصدروا عنهم فافعلوا كما اذا
يخرجون ذلك كل عام من اموالهم فخرجوا
يتراقدون ذلك فيدفعونه اليه فيمنعهم
اصعام الناس ايام حتى وليمة وليمة
حييا ضحاها من ادم فليسقي فيها بسملة ومنى
وعرفته فبصري ذلك من امر في الجاهلية على
قوله حتى قام الاسلام ثم جرها في الاسلام
على ذلك اليوم..

طبقات ج ۱ ص ۴۱

قصہ نے ایام حج میں تشریف پر حجاج کی ضیافت اور بانی پلاسٹک کی خدمت کو فرض کر دیا۔ اس کی تفصیلی کیفیت یہ ہے کہ قصہ نے تمام تشریف کو جمع کر کے کہا کہ تلوک سفر بآں خدا ہو۔ اور اہل بیت خدا اور اہل حرم کہلاتے ہو۔ اور حجاج حقیقت میں خدا کے مکان ہیں اور اس کے خانہ مقدس کے زوار۔ اور کریم و اکرام ضیف کے متعلق وہ تمہارے اور مہمانوں سے زیادہ مستحق ہیں اس لئے تم لوگ ان کی سہولت اور ہمدردی کا اوس وقت تک پورا انتظام تیار کر رکھو جب تک کہ وہ تم سے رخصت ہو کر تمہارے شہر سے واپس نہیں تمام لوگوں نے قصہ کے اس حکم کو مان لیا اور اقرار کیا کہ ہم حجاج کو بانی پلاسٹک کے اور کہانے کہلا نہیں گئے۔ ان لوگوں نے اسی وقت سے یہ قاعدہ اختیار کر لیا کہ سال بہر میں شخص ضیافت حجاج کیلئے اپنے بل سے کچھ خرچ نکال لیا کرتا تھا۔ اور سب اس کو قصہ کے پاس جمع کراتے تھے۔ اسی رقم مجموعہ سے قصہ حجاج کی ضیافت کا سامان اُنکر قیام کہ دینی کے ایام میں کیا کرتے تھے قصہ نے یہاں سے تعلق بڑھاتے ہوئے متعدد اجلاس منوائے تھے۔ اور مقامات۔ مکہ منی اور عرفات

یہ انہیں جو ضلوع کے ذریعہ سے تمام محتاج کو پانی پلایا جاتا ہے۔ قصی نے ایام جاہلیت میں ان قوہ انتظام کو رائج کیا تھا اور فی نفسہ
 اور باجملہ یہ امور ایسے مفید تھے کہ اسلام نے ہی آج تک انکو جاری رکھا۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۱

تفصیلی ابن کلاب کے یہ حالات و واقعات تھے جنکو ہم مختلف مآخذوں سے مشروح بالا عبارت میں جمع کر دیا ہے اور شبلی صاحب کے اختصار اور بالا جہاں بیان سے قطع نظر کر کے ان واقعات کو حتی الامکان وسعت

اور تفصیل کے ساتھ اس ضرورت خاص کیوجہ سے قلمبند کیا ہے کہ قبیلہ قریش پر زمانہ قوت و محدود نہیں بلکہ تمام اقوام عرب کی نام و نمود۔ اور نکاح تمدن۔ اور نکل تہذیب و اخلاق و معاشرت۔ غرض عرب کے تمام دینی۔ دنیاوی۔ ملکی اور قومی اقتدار اسی شخص کی تہا قابلیت۔ صلاحیت۔ تجویز اور تدبیر سے وجود پذیر ہوئے اور تاریخوں سے یہی شخص پہلا اور تہا ثابت ہوا ہے۔ یہ قوم عرب کو ایک علیحدہ قومیت کی انتہائی صورت میں لایا اور انکو دوسرے اقوام و قبائل کی نگاہ میں تعظیم و تکریم اور وقت کے قابل ٹھرایا۔

قصی کے جن ملکی اور قومی رفاد و اصلاح کے کاموں کا ہم اوپر ذکر کرتے ہیں۔ وہ کامل طور سے تمدن تہذیب سیاست اور حسن معاشرت میں اسکی اعلیٰ قابلیت و استعداد کو ثابت کر رہے ہیں۔ علی الخصوص خانہ کعبہ اور حجاج کعبہ کی ضیافت کے انتظام و سامان اسکو وارث خوان خلیل اللہ اور خانوادہ اہل عیسیٰ کا سرمایہ ناز بناتے ہیں۔ اس نمود قوم اور اقتدار قبیلہ نے منسلک عیسٰی انتقال کیا۔

عبد مناف بن قصی کی امارت

قصی ابن کلاب کے چار بیٹے تھے۔ انہیں عبدالدار سے بڑا تھا لیکن بالکل ضعیف اور کمزور طبیعت کا آدمی تھا۔ قصی نے اگرچہ مرتے وقت حرم محرم کے تمام خدمات عبدالدار ہی کو دے دیے۔ مگر اسکی قابلیت اور ضعیف مزاجی کے باعث قصی کے بعد قریش کی دستار ریاست عبد مناف کے سر نہ رہی۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

سكان عبد الدار اكبر واكبر لداة قكان ضعيفا
وكان اخوته قد شرفوا عليه
(طبقات ج ۱ ص ۲۱)

عبد مناف کے زمانہ امارت میں کوئی قابل لڑکر واقعہ تاریخوں میں پایا نہیں جاتا جس کو خصوصیت کے ساتھ ہم انکو ذکر میں نقل کرتے ہیں۔ بڑا شرف جو عبد مناف کو حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ انھیں کے نسل میں سرور کائنات شرف موجودات حضرت ختم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود و وجود و قائم ہوا۔ مبارک آں صدف باشد کہ چوں تو گو ہرے دارد۔

ہاشم ابن عبد مناف کی امارت مکہ

عبد مناف کے چہ بیٹے تھے۔ انہیں حضرت ہاشم نہایت ہی مشہور و معروف اور قابل عظمت بزرگ تھے۔ اور تمام قریش میں یہ وہ نمودار اور ذی اقتدار شخص گذرا ہے۔ جسکے ذاتی اوصاف و قابلیت نے تمام قوم قریش کی گذشتہ و جاری

اور اثر کچھ علاقہ حجاز اور حوالی مکہ ہی میں نہیں بلکہ عرب اور تمام ہمسایہ ممالک اور اقوام و قبائل میں بالاستقلال قائم کر دیا۔

اسیوں کوئی کلام نہیں ہوا تعمیل میں قریش کی نو داریوں کی ابتدا جیسا کہ ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں قصی ابن کلاب کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے۔ مگر جب ان واقعات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اونکی ترقی کا اُ وقت محض آغاز ہی آغاز تھا قصی کی لیاقت اور قابلیت میں کوئی عذر نہیں۔ انہوں نے اپنے وقت میں اپنی گذشتہ قومی اور خاندانی عظمت و قوت واپس لینے میں اور اپنے ملک قوم کی حالتوں کے درست کرنا میں۔ اور اسکے نظام تربیتی کے درست و فراہم کرنا میں بہت ہی مفید اور کارآمد تدبیریں سوچیں۔ اور انہیں سے اکثرت کو عمل میں بھی لائے اور اونکے مفید نتیجے بھی دکھائے۔ مگر اصول ارتقا کے مطابق چونکہ ہر شے کی ترقی اور تکمیل بیک وقت نہیں ہو سکتی تھی اس لئے قصی کی مختلف تجاویز و تدابیر اونکے قومی اور ملکی عروج و ترقی کا مقدمہ تھا جن کی ترتیب تکمیل حضرت ہاشم کے زمانہ میں عرش اکمال تک پہنچ گئی اور اسکے اختتام و تمام کا سہرا انہیں کے سر باندھا گیا۔ جیسا کہ ہمارے سلسلہ بیان سے آئندہ ظاہر ہو گا۔

حضرت ہاشم نے سب سے پہلے خدمات کعبہ کی درستی و ترتیب کی طرف توجہ فرمائی جس کی خانہ کعبہ کی خدمت میں نسبت قصی کے زمانہ ہی سے چنانچہ قسم کے انتظامی شکا متیں چلی آ رہی تھیں۔ مگر عبداللہ قصی کے وقت ہی سے ان خدمات کے مختار و منظم قرار پا چکے تھے اسلئے اس میں کسی قسم کی دخلداری سے آپس کی مشابہت کا پورا خوف تھا۔ مگر بنی عبد الدار کی بے احتیاطی اور بے ترکیبی بڑھتے بڑھتے اس زمانے میں ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ اسلئے حضرت ہاشم نے ان خدمات مبارکہ کی اصلاح و درستی کی ہر صورت کو آپس کی مشابہت اور مخالفت کے خوف پر ترجیح دی۔ ایک دن اپنے سب بھائیوں کو جمع کیا اور اونکے مجمع میں ان امور کو پیش کیا۔ سب نے بنی عبد الدار سے ان خدمات کے واپس لینے کی تجویز میں ہاشم کی رائے سے اتفاق کیا۔ بنی عبد الدار کو ان خدمات کے واپس دینے کا پیغام بھیجا گیا۔ انہوں نے قطعی انکار کر دیا۔ اس بنا پر بنی ہاشم کی اور رنجیدگی و افسوس ہو گئی۔ اور ہر روز سے دنوں میں بڑھتے بڑھتے جانبدار سے مقابلہ اور مقابلہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بالآخر موجودہ مخالفت و مشابہت اس شرط و معاہدہ کیساتھ ختم کر دی گئی کہ خدمات کعبہ کے متعلق سب سے رفاہ کے خدمات بنی عبد الدار سے واپس لے کر بنی عبد مناف کو واپس کر دئے گئے اور حجابہ۔ ثور۔ اور دار الندوہ کے خدمات بنی عبد الدار کی تحویل میں چھوڑ دئے گئے۔ مگر ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں کہ دار الندوہ کے اختیارات بنی عبد الدار کے ہاتھوں میں کبھی نہیں گئے جتنا کہ فکرہ ابن ہاشم ابن عبد مناف نے معویہ ابن سفیان کے ہاتھ او سکھو بیچ ڈالا۔ اس بنا پر سنیہ۔ رفاہ کے ساتھ دار الندوہ کا منصب بھی ہاشم ابن عبد مناف کے

قبضہ میں آگیا۔

مولوی شبلی صاحب کی یہ تحریر بالکل غلط ہے کہ امارت کہ اور تولیت کعبہ حضرت عبدالمطلب کے عہد میں بنی ہاشم سے منزع ہو گئی تھی۔ آپ کی یہ رائے شاید شرائط صلیب نامہ مرقومہ بالا پر مبنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ طبقات کی عبارت پر نظر نہیں پڑی بہر حال ہم اس مسئلہ کو حضرت عبدالمطلب کے خاص حالات میں مفصل طور سے لکھ کر تبادیلنگے کہ مولوی صاحب کا یہ قیاس او کی تحقیق کی خامی ہے۔

ان تینوں خدمات (سفایہ - رفاہ - اور التادہ) کو جس خوش اسلوبی سے ہاشم مرحوم نے اپنے زمانہ حیات میں انجام دیا وہ آج تک تاریخ عرب میں انکے حسن انتظامی اور خوش ریاقتی کی یادگار ہے۔ خانہ کعبہ کی مقدس خدمات کی خاطر خواہ اصلاح و ترمیم فرما کر ہاشم مرحوم ملکی اور قومی رفاہ و ارتقا کی طرف متوجہ ہوئے۔

ملکی اور قومی رفاہ و اصلاح
دنیا جانتی ہے کہ عرب چٹیل میدان اور تمام سرزمین گیتان ہے اور اہل عرب بالکل مفلس اور نادار قوم۔ اپنی کم سرمایگی اور بے سروسامانی کی وجہ سے وہ کیسے طرح اپنی حالت کو درست نہیں کر سکتے تھے۔ او کی ناداری اور کم افلاس او کی ترقی اور خوشحالی کا سخت مانع تھا۔ یہ ہاشم مرحوم کی قومی ہمدردی اور ملکی رفاہ کی خدمات تھی جس نے اپنے ملک و قوم کو ایک مدت پر اور عرصہ دراز کی ترقی مفلسی اور ناداری کے بعد ترقی اور مرقہ احوال کے درجوں تک پہنچایا۔ اور رفتہ رفتہ اپنی مفلوک الحال اور بے سرمایہ قوم و قبیلہ کو تجارت پیشہ قوم اور کاروباری فرقہ بنایا۔ تمام مغربی اور مشرقی مورخین و محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ قریش کے مشہور و معروف قبیلہ میں بیوپار اور کاروبار کرنے کا خیال، شوق اور مذاق ہاشم مرحوم ہی نے پیدا کیا۔ اگرچہ علم آثار کے اکتشافات و تحقیقات جدیدہ کے عرب میں مشن تجارت کا وجود ہاشم سے بہت قبل پایا جاتا ہے۔ مگر وہ بنی قظورہ اور بنی سبارہ (عرب بادومی) اور اصحاب مدین وغیرہ خاص توام قبائل تک محدود تھا۔ اگر ان میں کہیں کہیں بیوپار یا اسماعیلی عرب کا ذکر آتا ہے تو ان کا شمول کوئی خاص تعلق میں شمار نہیں کرنا چاہیے بلکہ انہیں غیر اقوامی تاجروں کے ویل ضمن میں تصور کرنا ہو گا۔

ہاشم مرحوم کے ایسے پسے اور خاص حامی قوم نے دو ہزار برس کی جمہالت کے اس تاریکیہ زمانہ میں اپنی ملکی رفاہ اور قومی اصلاح و ترقی کیلئے اپنی قوم و ملک کو سب سے پہلے وہی ذریعہ اور وسیلہ بتلایا جو فی زمانہ کمال تہذیب کمال تمدن اور کمال ترقی کے موجودہ زمانہ میں بھی ہمارے ملکی اور قومی رفاہ و اصلاح (مصلح) اپنی اپنی مختلف قوم اور جماعتوں کو ان کے عروج و ترقی حاصل کرنے کیلئے بتلایا اور دکھلایا کرتے ہیں۔ اسلئے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ملکی اور قومی رفاہ کے خدمات و خیالات کے متعلق ہاشم مرحوم کی حسن تدبیر آپکا اعلیٰ تمدن و ہزار برس پہلے ہی ترقی اور کمال کے اسی درجہ پر پہنچا ہوا تھا جس درجہ اور مقام تک زمانہ موجودہ کے ہمدردان قوم و وطن کے خدمات

و خیالات پہونچے ہوئے ہیں۔

قریش کی قومی تجارت میں شریقی قومی ہمدردی اور ملکی رفاه کے خیالوں سے بی بی تاثیر ہو کر باشم مرحوم نے انگو تجارت کے بیطرفانہ خاص طور پر غیبت دلائی۔ اور اپنے خاص سرمایہ سے سمیت

بھی۔ کیونکہ عرب کی جاہل قوم کو اگر دنیا کے کاروبار میں کسی شے سے دلچسپی تھی تو وہ تجارت ہی تھی۔ غوراً تمام لوگ تو اپنی کم بابتگی اور ناداری کی وجہ سے تجارت کا شغل نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ مگر وہ لوگ جو کسی قدر سرمایہ والے تھے

وہ تمام شریقی تجارت پیشہ اور کاروباری لوگ تھے۔ انھیں میں حضرت باشم ابن عبد مناف ہی تھے۔ اس اصلی نبی باطن قوم نے ان کے اصلی مرض اور اسکے حیران کن علاج کو فوراً معلوم کر لیا۔ اور اسی کے مطابق ملکی تدبیر اختیار کی۔ اس سے

قبل جو سرمایہ دار حضرات تھے وہ کہیں قدر خود غرضی اور ذاتی نفع اندوزی کے خیال سے جو اکثر اہل تجارت کی طبیعت کا لازمہ ہے۔ وہ اپنی قوم کو ان امور کے بیطرفانہ غیبت والے کیلئے ایک حد تک مجبور تھے۔ مگر باشم فیاض کی تربت اصول

عدالت و حقوق مساوت پر قائم تھے۔ اور انہیں ذاتی منفعت اور خود غرضی کو ذرا ہی مداخلت نہیں تھی۔ اسی صفت خاص کا نتیجہ تھا کہ باشم مرحوم نے اپنے تمام قوم و قبیلہ کو تجارت کے بیطرفانہ لگایا۔ اور انہیں سے نادار اور بے سرمایہ لوگوں کو

اپنے سرمایہ سے کافی مدد پہونچائی۔ ان کو ایک معتد بہ باعث میں پہونچے جمع کر کے ایک تلافی اور تجارتی کارواں بنایا۔ اور ان کو سال بہ سال دو مرتبہ دو مختلف اطراف میں تجارت کرانے کی غرض سے بھیجے جانے کا قاعدہ مندر کیا جس

طرح قصصی گواہی دینا نہ تھا۔ یہاں تک کہ رعایت سے قریش کا لقب دیا گیا تھا اسی طرح باشم مرحوم ہی اپنے وقت میں ایلاف قریش اور انہیں قریش کو پہونچانے سے پہونچا۔ انہیں قریش میں لکھتے ہیں کہ انہیں قریش میں ایلاف قریش و ایلاف قریش

بنا اب قریش باشم کو صاحب ایلاف قریش (کاروان سالانہ قریش) کہتے تھے۔ اور ایلاف قریش کے معنی حرکت کنندگان قریش کے ہیں۔ قریش کے تجارتی تلافیے جائز تھے کہ وہ تمام میں یمن اور حبشہ تک جاتے تھے۔ اور گرمیوں میں علاقہ

شام کے شہر غزہ تک۔ اور انہیں ہی ان کے بعد باشم مرحوم کی چھ تدبیر اور قومی اور ملکی رفاه و فلاح کیلئے ایسی مفید اور پرتوقع ثابت ہوئی کہ وہ دنیا بھر کی آمد و رفت اور اولاد کے بعد تمام قریش اور ایلاف قریش کے حال اہل عرب کی حالتوں

میں ایک حد تک ورستی اور ترقی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ان میں شہادت ہے حضرت باشم ہی کو نہیں بلکہ ان کے قوم کے تمام اہل اس زور اور فلوکس حال لوگوں کو ان کی غیر تحمل سمیت دلائی اور وہ اس بلا ستحرکیہ و شغریہ خود اسی

کاروبار میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

جب قریشیوں کی تجارت کو دوسری قوم کی تجارت کے مقابلہ میں بہت زرخ ہوئے باشم مرحوم اور قومی ہمدردی

میں غیر متوقع کامیابی کے لکیر۔ حضرت باشم اکثر اپنے کاروانوں کے ساتھ اپنا مال تجارت لیکر ہی جاتا کرتے

تھے۔ اور کبھی کسی ضرورت سے خود مکہ میں بھی رہ جاتے تھے مگر اہل یمن و شام کی بے رخی اور ناتوجی کی خبر جب اونکو معلوم ہوتی تو اونہوں نے اس کی فوری اصلاح کو ضروری سمجھا اور بذات خاص قیصر کے پاس ان امور کی درستی اور اصلاح کیلئے چلے گئے۔ قیصر نے انکا بڑا اعزاز کیا۔ ہاشم نے قیصر سے اپنا مدعا بیان کیا۔ اور اس کی رعایا کے ہاتھوں قریش کے کاروان تجارت کو جو جو دشواریاں پیش آئی تھیں ایک ایک کر کے بیان کر دیں۔ قیصر نے بکمال رضا و رغبت قریش کے کاروان تجارت کے امن و اماں اور حفاظت مال و جان کا پورا سامان کیا۔ منزلوں کے قیام اور سفر کے ایام و حالت میں عام شاہراہوں اور گذرگاہوں میں اپنی طرف سے معاہدہ لکھ کر ہاشم مرحوم کے حوالہ کر دیا۔ اور اسکی نقل اپنے قلمرو میں خصوصاً اون علاقوں میں اور مقاموں میں جو مکہ سے شام آنے والے راستہ کے قریب تھے۔ یا ملحق تھے وہاں کے عمال اور رئیسان قبائل کے پاس بھجوا دی۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۰

نجاشی شہاۃ حبشہ کے نام ہاشم کا خط ملک شام کی تجارتی مشکلوں کو پوری کامیابیوں کے ساتھ رفع دفع کر کے حضرت ہاشم علاقہ یمن و حبشہ کی درستی معاملات کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر ایسکے لئے بادشاہ حبشہ کے پاس بذات خاص حاضری کی ضرورت نہ دیکھ کر ایک خط لکھ دیا گیا اور اوسے سے خاطر خواہ کام نہ لگایا۔ جیسا کہ ابن سعد کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وکتب الی النجاشی ان یدخل قریشتا رضہ و
اکانوا المعاصرا
| نجاشی بادشاہ یمن و حبشہ کے پاس خط لکھ کر بھیجا گیا کہ وہ اپنوں ملک میں قریش کو تجارت کرنیکی اجازت دے۔

خط پہونچنے کی دیر تھی۔ نجاشی کو کوئی عذر نہوا۔ قریش کو حبش کے ملک عمروسہ میں آزادانہ تجارت کرنیکی اجازت ہو گئی۔ مولوی شبلی صاحب ان حالات کو ذیل کے مختصر الفاظ میں یوں لکھتے ہیں۔

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت سیریشی سے کہلاتے تھے۔ چرمی جوتھوں میں پانی بہرہ واکر زمرم اور منی کے پاس سہیل رکھتے تھے۔ تجارت کو ترقی دی۔ قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوا دیا کہ قریش حبش اسکے ملک میں اسباب تجارت لیکر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کیلئے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں انگوریہ (الفرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے قیصر کا پایتخت تھا۔ تجارت قریش انگوریہ میں برابر جایا کرتے تھے۔ تو قیصر نہایت عزت و حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔ عرب کے راستہ محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے ان قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ یہ قریش کا کاروان تجارت کو ضرر نہ پہونچائیں گے۔ جسکے صلے میں کارواں قریش اون قبائل میں اونکی ضرورت کی چیزیں خود لیکر جائیں گے۔ اور اون سے خرید و فروخت کر لیں گے۔ یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔ اسیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۸

الغرض ہاشم مرحوم نے ان مشکلات کو جو قریشی کاروان تجارت کو اپنے کاروبار میں حائل تھیں نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے رفع کر دیا کہ پہرہاں کے مقامی قوموں کو ان کی مخالفت اور ضرر رسانی پر جرأت نہ ہو سکی۔ اور اس طرح ہمیشہ کے لئے قریش کے کاروان تجارت کا راستہ مکہ سے یمن اور شام تک صاف ہو گیا۔ ملکی رفاہ اور قومی اصلاح و فلاح کے تعلق ہاشم مرحوم کی یہ اعلیٰ تدبیریں تھیں۔ یہ محاسن خدمات تھے۔ جو قریب قریب دو ہزار برس کے بعد بھی قوم و ملک کی بشارت اور لانا تھا شکر گذاریوں کے ساتھ عربی رفاہ تاریخ ہی میں نہیں۔ بلکہ تذکرہ عالم کے مختلف صحائف و جہاں میں آج تک محفوظ و مرقوم ہیں۔

ہاشم مرحوم کی اس ہمدردی اور دلسوزی نے تمام ملک قوم کو ان کا مطیع و مستعد اور والد و شہید بنا رکھا تھا اور ایسا کہ ہر شخص ان کی متابعت کو اپنی مفاخرت سمجھتا تھا اور اپنے تمام مصائب و جوانی ضروریہ کے وقت نہیں اپنا حامی معین اور مشکل یقین کرتا تھا۔ اور تھا ہی ایسا ہی۔

ہاشم مرحوم کی شہرت و اقتدار کا اثر اس زمانہ میں ملک عرب اور قوم قریش ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ اطراف و جوانب کے بیرونی اقوام و قبائل ہی پوری طرف سے ان کی ذاتی وجاہت اور عظمت کے زیر اثر تھے۔ اور ان کی سب سے بڑی وجہ اور قومی سہولت یہ تھا کہ بیرونی قوم و قبائل کے بیشمار لوگ سالانہ ایام حج میں آکر حضرت ہاشم کے ہاں تین شبانہ روز تک امان رہ کر رہتے تھے۔ اور رفاہ کے قیم خدمت۔ جو قصی ابن کلاب کے وقت کا دستور تھا۔ اور جو فی الحال ان سے خاص طور پر تعلق رکھتا تھا حضرت ہاشم کی طرف سے اس عالی ہستی فیاضی اور کشادہ دلی کیساتھ عمل میں لائی جاتی تھی اور بلا اختصار و امتیاز اصول مساوت و عدالت کے تمام شرائط احتیاط کے ساتھ عرب کے تمام صادرین و واردین کی عام ضیافت کیجاتی تھی کہ وہ تمام اقوام و قبائل ہاشم مرحوم کی اعلیٰ فیاضی اور حمان نوازی کے غلام بیدام نہایت تھے اور ان کے جو دو سخا اور مہر و عطا کے واقعات میں بڑی بڑی نظلیں اور طول و مفصل قصائد تصنیف کر کے یادگار ہو جاتے تھے۔

ہم قصی ابن کلاب کے ذکر میں خدمت رفاہ کے متعلق۔ ان تمام انعامات کو جو ان کے وقت میں کے جانے تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور اب ذیل میں۔ اس خدمت کے متعلق ہاشم مرحوم کی فیاضیوں نے جس وسعت اور مہمت سے کام کیا ہے۔ اس کو بالتفصیل قلمبند کرتے ہیں۔ ابن سعد بطبقات میں لکھتے ہیں۔

جب ہاشم ابن عبد مناف بن قصی کو سقایہ کی خدمت ملی اور رفاہ حاج کی۔ ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی تمام قبیلہ قریش میں ایک مرنہ الحال بزرگ تھے جب یہ عہدہ ان کے سپرد ہوئے اور موسم حج قریب آیا تو ہاشم نے تمام قبیلہ قریش کو جمع

ان ولی ہاشم بن عبد مناف بن قصی السقایہ والرفادہ کان منہم موالکسرا وکان اذا حضر الحج قام فی قریش فقال یا مشر قریش انکم جیران للہ و اهل بیتہ فانه یا تسکیم فی هذا الموسم

کر کے فرمایا کہ اسے جماعت قریش تم خدا کی جماعت ہو اور اس کے گمراہی
ان ایام میں تمہارے پاس غانہ خدا کی زیارت کرنا ہے۔ اوس کے
خانہ مقدس کی عظمت بظہر ہے کہ خیال سے کہتے ہیں پس وہ لوگ
خدا کے مہمان ہیں۔ اور سیزان کا سب سے بڑا حق یہی ہے کہ وہ اپنے
مہمانوں کی باحسن سلوک خیانت کرے اور یہ ایک ایسا حق ہے
کہ حق سبحانہ تعالیٰ تمہیں اس کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور تم میں ان
حقوق کو اوس طرح محفوظ رکھا ہے جس طرح وہ اپنے بندوں کی
جماعت کو دوسری جماعت سے محفوظ رکھتا ہے پس تم اپنا ان
مہمانوں اور زائروں کے ساتھ باکرامت پیش آؤ جو بالکل گروہ خبا
ہیں اٹی ہوئی جماعتوں کی صورت میں دور دراز ملکوں سے
تمہارے پاس آتے ہیں۔ گو یا وہ فوج متباہر کنندگان کی جماعت
ہیں۔ جو دوری مسافت اور تکالیف سفر کی وجہ سے ضعیف۔ لافز
شکستہ۔ اقامت و خیران تمہارے پاس آتے ہیں پس تم بالطفانہ
اکرام تمام ان کو اپنے پاس بلاؤ۔ اور ان کو پانی پلاؤ۔ ہاشم کا حکم سنکر
تمام قریش نے خادہ کی خدمت کا سامان کرنا شروع کیا۔ اور تمام
قریش نے جو اہل بیت کے معزز و لقب سے یاد کے جاتے ہیں مال کثیر
اس خدمت کے لئے بھیج کرنا آغاز کر دیا۔ اور خود ہاشم ابن عبدمناف
بھی ہر سال بیسہ لال کثیر اپنے سرمایہ سے اس میں صرف خاص کیلئے
نذر کیا کرتے تھے اور جو لوگ کہ قریش میں تمول تھے۔ وہ طعام داران
کا سامان کرتے تھے۔ اور انہیں سے ہر شخص سے ششمال ہر قبیہ کعبہ
کے لئے نذر نکال کر لاتا تھا۔ ہاشم نے حجاج کے پانی پلانے کے لئے
چھڑے کے بڑے بڑے حوض بنوائے تھے۔ اور وہ زفرم کے پاس رکھ

Presented by Ziaraat.Com

روغن تیسرے روز سٹو اور خرے۔ اور پہر کہ سے پانی لیجا کر منی میں تمام حجاج کو پلایا جاتا تھا۔ اور اوس دن چمڑے کے حوضوں میں پانی قیل القل رہ جاتا تھا۔ اس لئے منی سے لٹنے والے دن سلسلہ ضیافت ختم ہو جاتا تھا۔ اور تمام لوگ اپنے اپنے مقامات کی طرف واپس جاتے تھے۔ بہر حال سیالہ اور وفادہ کی تعمیل خدمات کی تفصیل تھی۔ جو ہاشم مرحوم کی اس عالی ہمتی اور کشادہ دلی کو ان کے اسلاف کی قدیم فیاضی اور سخاوت سے کہیں بڑھی چڑھی ثابت کرتی ہے۔ یہ تو ہاشم مرحوم کے وہ محاسن اخلاق و اشفاق تھے۔ جو عموماً حجاج کعبہ کی آرام رسانی کے متعلق عرب کے تمام تاریخی کارناموں میں اون کی ابدی یادگار ہیں۔ اب اسکے بعد ان کی اس فیاضی اور انبیاء کی تفصیل ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے ہم وطن اور ہمسایہ اقوام و قبائل کے ساتھ مکہ کی سیالہ قحط کے مصیبت ناک زمانہ میں دکھائی ہیں۔ مولوی شبلی صاحب ہاشم مرحوم کے اس مشہور و معروف انبیاء فیاضی اور فیاضی کو ان الفاظ مختصرہ میں بیان کرتے ہیں۔

ایک دفعہ کہ میں قحط پڑا اب ہاشم نے اس قحط میں شور میں روٹیاں چوراکر کھلائیں اوسوقت ان کا نام ہاشم مشہور ہو گیا۔ عرب زبان میں چوراکر نیکو کلمہ کہتے ہیں۔ جب کا اسم فاعل ہاشم ہے۔ اب اس محل اور مختصر بیان کی تفصیل طبقات کی اصلی عبارت سے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

کہ میں سیالہ قحط سالی اور ہاشم مرحوم کی فیاضی

خاصات قریشا سنوات ذہبن بالاموال
فقد رجع الی الشام فامر بنی کثیر بنی بزلہ فحملہ
الانزل علی اہل مکہ وافی مکہ فہشتم
ذلک الحنیز یعنی کسروں شرد کا و النحرہ تلک
الاہل شہام لہما لہما ففطخوا شہام کفء القدر
شہامی الجھقان فاشبع اہل مکہ فکان اول
الشیعاء بعد النینۃ الی اہل مکہ فہشتم فہشتم
بنی ذلک ہاشم و قال عبد اللہ ابن الزبیری
فی ذلک ۵

عمر العلی ہشتم الشریعہ لہو
ورمہا لہم مکتہ مستور ہجرات

قوم قریش ایک بار سیالہ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئی۔ یہاں تک کہ جو کچھ ان کے پاس سرمایہ موجود تھا وہ بالکل اٹھ گیا۔ ہاشم نے اپنے قوم و ملک کی مصیبت نہیں دیکھی تھی۔ تو وہ شام کی طرف بذات خاص چلے گئے۔ اور وہاں سے کثیر التعداد روٹیاں کچوراکر اور بڑی بڑی کھالوں میں بھر کر اونٹوں پر باندھ کر لے کر واپس آئے۔ مکہ پہنچ کر اون روٹیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شور بے پس ڈلو کر خرید تیار کر دیا۔ پھر حرمی اونٹوں پر روٹیاں لاد کر لائے تھے۔ اون کو ذبح کر دیا اور کچورایا۔ جب کھانا پاک کر تیار ہو گیا تو بڑے بڑے ظروف بھر کر تمام جامعوں کو کھلوا دیا۔ یہاں تک کہ تمام اہل مکہ سیر ہو گئے۔ گویا قحط کی مصیبتوں کے بعد مکہ کے غربت زدہ لوگ اول بار پھر از سر نو زندہ ہوئے۔ اس انبیاء عام کے لحاظ سے حضرت ہاشم اسی دن سے ہاشم مشہور ہو گئے۔ کیونکہ ہاشم کے معنی آٹوڑنے والے کے ہیں۔ چنانچہ عبد اللہ ابن الزبیری نے ہاشم کے اس انبیاء عظیم کی یادگار میں ذیل کا شعر یادگار

چوڑا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ۵۔ عالی ہمت عمر ہاشم کا اصلی نام) نے زید کا چچا اپنی قوم کے لئے تیار کر دیا۔ اسی حالت خاص میں کہ ہاشم گان مکہ قحط زدگی کے باعث بالکل ضعیف و لاغر ہو چکے تھے۔

ابن ہشام نے ایک اور شعر اسکے علاوہ لکھا ہے۔ وہ یہ ہے۔

سنة اليه الرحلتان مكله هـ	ہاشم گان مکہ کیلئے دو سفر و نکل انتظام کیا
سفر الشتاء و رحلة الاضياف	ایک گرمی اور ایک جاڑے کے ایام میں

طبقات ابن سعد میں وہب بن عبد قصىٰ کے یہ اشعار درج ہیں جنہیں یہ پورا واقعہ نظم کر دیا ہے۔

نحل هاشم ما ضاق عنه	ہاشم نے اپنی قوم کی مصیبت کو نہ تحمل کیا
واعيانا ان يقوم به ابن مضي	اور انکی امداد کیلئے کہیں بن نہیں کی شان میں آمادہ ہو گئے۔
اتاهم بالفسا ثم غابت	اور ارض شام سے جو کثرت سے سیوہ خیر نہ پہنچا۔
من ارض الشام بالبر النفيض	ہاشم گان مکہ کیلئے کہا لو نہیں ہرگز اذوقہ لائے۔
فاوسع اهل مكة من هشيم	تمام ہاشم گان مکہ کو روٹی اور گوشت کے
وشاب الخبز بالثمن الغرير	ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھلا سکے۔
فظل القوم بين متلاوت	تمام قوم اس طرح انکے احوال فیض کے زیر سایہ
من الشيزاء ما رها لفيض	ان تمام تکالیف کے بعد آگئی۔

طبقات ص ۴۴

طبقات ص ۴۴

حقیقت میں ہاشم مرحوم کی تمام ملکی اور قومی خدمتیں۔ قوم و وطن کی ترقی اور مدد احوال اور درستی معاشرت کے لئے ایسی مفید اور کارآمد ثابت ہوئیں جو اس وقت سے آج تک اہل عرب کے دل سے ہولیں ہیں اور نہ اب الابد تک بھول جائے گی اسید کی جاتی ہے قوم و ملک کیساتھ ان کی ایسی پیہر خالص اور بے لوث سہمد رومی کو شمش اور سہی ایسی پراثر ثابت ہوئی کہ اس نے ہاشم گان مکہ اور فریب و حوار کے تمام ہمسایہ قوم و قبائل کے قلوب کو تسخیر کر لیا۔ اس سے زیادہ ان فیاضانہ قوی ایشار کی عام قبولیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ فیاض کے مدح و اوصاف میں بڑے بڑے مدحور الکآرا قصیدے لکھے گئے۔ اور اس کی فیاضی کے اظہار و اعتراف میں طویل و طویل اور پُر تفصیل نظموں تیار کی گئیں۔ اُس زمانہ میں ہاشم مرحوم کی وجاہت و عظمت اور حکومت و امارت کے لئے عرب کی تمام قوم و قبائل پر ایسے جم گئے تھے کہ ان کے مقابلہ میں کسی رو داری اور مذہب داری کچھ کام نہ کر سکی۔

ہاشم کے ساتھ امیہ کی مخالفت

حقیقت

ہاشم بد اندیش کہ برکسندہ باد

عیب شاید ہندیش در نظر

مشرکین رضی اللہ عنہم بذلک وجعل بنیہما الکفا
المنزلی فذکرہما لہما علیہ فافترہما شتم الکفا
بنی ففرہما و افترہما من بعضہ و بعضہم افسیہ الی
المشام فاقام لہما شتمہ بنیہما فکتابت اول
عدلی و لا وقتت بینہما شتم و افسیہ۔

طبقات ص ۲۵

ہشتم نے منافروں کے انعقاد کو اپنی شان و مراتب کے خلاف
سمجھ کر انکار کر دیا۔ لیکن قوم و قبیلہ کے لوگوں نے اس کے استر فضا
پر مجبور کیا۔ بالآخر ہاشتم نے افسیہ کیساتھ منافروں کے ساتھ یہ
شرائط طرہائے کہ جانبین سے جو فریق مغلوب ہو سکے وہ
پچاس سیاہ آنکھوں والے اونٹ ستر کر لینگا اور دس برس تک
تک کی سکونت ترک کر دینگا۔ اس پر یہ شرائط قبول کر لئے۔
جانبین سے قبیلہ خزاعہ کا ایک کاہن حکم مقرر ہوا اجماع پر

منافروں کا یہ اور افسیہ ہاشتم پر غالب آئے اور ہاشتم نے یہ اونٹ شتر طرہائے کہ اطاعت افسیہ سے لیکر نہ بچ سکے۔ اور
اویس و ثعلبہ اونٹوں کو شتم کی طرف لے کر تمام منافروں کو جمع کر لیا اور افسیہ نے اویس و ثعلبہ سے سکونت کر چھوڑ دی اور دس برس تک شتم
میں جا کر مقیم رہا۔ اور یہ پہلی عداوت تھی جو سلسلہ ہاشمیہ اور خاندان افسیہ کے فیما بین واقع ہوئی۔

بہر حال یہ شتم ہاشتم و افسیہ کے باہمی منافرت اور منافرت کے صحیح واقعات ہیں جو قریب میں باوجود ہم متعلق
ہونے کے کائنات کی طرح سے یا تہذیب کے نقطہ نظر سے ترقی مابہ الاشیاء کو ثابت کر رہے ہیں۔

انسوس سے کہ مولوی شہابی صاحب نے اس واقعہ تاریخی کو جو
سیرت بنی ہاشمی کے لکھنے والے کو قلمبند کرنا از حد ضروری تھا
بالکل مرفوع القلم فرما دیا ہے۔ حالانکہ قریب قریب تمام عربی

مولوی شہابی صاحب کی واقعات صحیح
سے صریح چشم پوشی

ماخذوں میں بالتفصیل مندرج ہے۔ اور ہم نے انھیں کے اصل ماخذ و سند طبقات ابن سعد سے اور نقل کیا
ہے اکثر مشفحات بطور ظاہر اس فرد گزشتہ کو مولوی صاحب کی کوہ قلمی اور انسانی مہو سے تعبیر فرمایا ہے۔ مگر ہم اس کے
مولوی صاحب کی کمال عاقبت اندیشی اور قیاس و حدیث کے تسلیم کے شہابی صاحب نے کو قلم نہیں لیا اور نہ سوئیات کے
مذہب و دین افسیہ کے انتحار و اندراج کے غور و فکر کے متعلق امام بخاری اور ابن حجر عسقلانی کے ہمزون اور
ہم شگ ہیں۔ بلکہ ان امور کے اظہار و استحضار میں ان حضرات سے زیادہ محتاط اور محدود۔

ہاشتم و افسیہ کے واقعات شہابی کو اپنے نے مخالفت و مقاصد پاک نہیں چھپا یا ہے بلکہ تفصیلی ابن کلاب اور ہاشتم ابن
عبید منافات کے اور ابن خطیب کے بالکل قلمزد و یا ہے۔ جو حدیث کہ یہ اور فیہا انت حجاج کے متعلق جمع قریش ہیں
بیان کے کہ شہابی صاحب کے قدیم متاخر و شرافت کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور یہ دونوں خطبے طبقات
ابن سعد میں جو شہابی صاحب کی تمام تحقیق کا اصل مآخذ ہے۔ موجود ہیں۔ مولوی صاحب نے مرقومہ بالا دونوں
واقعات کو شہر آشفاقاً مقدم کے لحاظ سے اس کے چھپا یا اور مرفوع القلم فرمایا ہے کہ ان واقعات سے سلاطین

امویہ کے معائب مناقص اور بنی ہاشم کے فضائل و مناقب کا پورا پورا انکشاف ہوتا تھا۔ اور یہ دونوں امر آپ کے درعاکے خلاف تھے۔ کیونکہ سلاطین امویہ کے ساتھ آپ کو دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا شرف حاصل تھا۔ اور ولید ابن عبدالملک آپ کی مجوزہ تالیفات اسلامی ہر روز کی فہرست خاص میں داخل تھا۔ رسول صلعم کے انتقال فرمانیکے بعد بنی ہاشم اور بنی فاطمہ سے آپ کو واسطہ اور تعلق رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ پیران امور کے اظہار و انکشاف کو اس کے مرکز اور مبدی سے حاصل کرنا اور ان کے استخفاف کی کماحقہ کوشش کرنا جس سے اپنے ممدوحین کے معائب اور بضرورت اور بیکار لوگوں کے مناقب نہ ظاہر ہونے پائیں آپ کا فرض لازمی اور منصب العین قائمی تھا۔

مگر بایں ہمہ یہ بھی سمجھ لینا ضرور ہے کہ شمس العلماء صاحب دنیا میں اکیلے بار یک ہیں یا روشنفکر تو تھے ہی نہیں اونکے ایسے سیکڑوں اور ہزاروں دور میں۔ بالغ نظر حقیقت حال کا سراغ لگانے والے اور بال کی کہاں نکالنے والے خدا کے بند سے ایسے موجود ہیں جو مولوی صاحب کے استخفاف کے بھند سے دارحالوں کو توڑ کر حقیقت حال کا پورا پورا شاہد اہل دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

اہل بیت تمہیداً اتنا لکھ کر ہم اپنے درعاسے بیان پر آجائے ہیں۔ چونکہ شبلی صاحب کی قلمرو واقعات سے ہمارے بہت سے موجودہ اور آئندہ مضامین کو پورا تعلق ہے اسلئے اون کی تحقیق اور تفصیل ہمارے لئے ضروری اور لازمی ہے۔ ہم کو قبسی۔ اور ہاشم کے خطبات سے اہل البیت اور ان کے خصائص فضائل و مناقب کو ہم دونوں خطبوں کے اصل عربی الفاظ میں ابن سعد کی عبارت سے اور لکھ آئے ہیں۔ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ اہل بیت کا لقب خطاب اور منصب عرب میں نہایت قدیم اور ہمیشہ قابل تعظیم و تحريم تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس مبارک لقب خطاب سے انھیں معززین کی مخصوص جماعت قرار دی جاتی تھی جو بیت اللہ کے منہب ولایت پر فائز ہوتے تھے اور اپنے ذاتی اور صفاتی کمالات کے اعتبار سے تمام قوم و قبیلہ میں واجب الاحترام سمجھے جاتے تھے۔ اور یہ تسلیم ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل سلام اللہ علیہما نے بیت اللہ کی عمارت مقدسہ کی حکم خدا بنیاد رکھ کر اس کو تکمیل تک پہنچایا۔ سب سے پہلے خدا سے سبجائے تعالیٰ۔ نے انھیں بزرگواروں کو اہل البیت کے معزز لقب سے بطور خاص مشرف فرمایا اور ان کے بعد اوت کی ذریت اور سلسلہ سے اپنے آپ کو اس خطاب سے مخاطب کیے جانے کو ہمیشہ اپنا خاص استحقاق اور خاندانی افتخار قرار دیا۔ اور یہ لوگ اپنی اس خفائی مغائرت و اعزاز اور اس روحانی شرف و امتیاز کو کسی حال اور مقام میں نہ ہولے۔ اگرچہ زمانہ کی نامساعدت اور اہل زمانہ کی ناموافقت نے ایک مدت میں ان کا گہر بیان نہ پھوٹا اور دنیا کے انقلابات اور نامہربان قوم و قبیلہ کے باہمی اختلافات نے ان کے تمام آثار و آثار کو مٹا کر ان کو ایسا کمزور اور ضعیف بنا دیا کہ بالآخر ان کو سکوت کا ترک کر کے ادھر ادھر جا کر آباد ہونا پڑا۔ جیسا کہ عربی تاریخیں مکرر بیان

ہو کر تیار ہی ہیں۔ مگر اس درمیان میں جب کہی اون کی حالتوں میں ذرا ہی قوت آئی، اونہوں نے سب سے پہلے اپنے اہلبیت ہونے کی حقوق پر بیت اللہ مقدس کی تولیت کا مطالبہ کیا۔ ان کو شمشوں میں اونکو کہی وقت اور عارضی کامیابی بھی ہوئی اور کہی قطعی ناکامیابی۔ جیسا کہ نصر ابن کثانہ اور فرابن مالک کے حالات ظاہر ہے۔ مگر باوجود ان تمام مصلیبات، مشکلات اور مصائب کے وہ اپنے اصلی حقوق کے خواستگاری سے دست برداری نہ کر سکے یہاں تک کہ قصی ابن کلاب نے آخر اوسکو بزور بازو اپنے فریق مخالف سے واپس لیا۔ اسی لئے قصی نے اپنی قوم و قبیلہ کی جماعت میں اپنی فتحیابی کے بعد بیت اللہ مبارک کی خدمات اور اوسکی انتظامی ترتیب و ترمیم کے متعلق جو خطبہ دیا ہے اور اونکو اس کی انجام دہی کی طرف مخاطب کیا ہے اوسیں انکو اہلبیت کے خاص لفظ سے منسوب کر کے اونکے فضائل و مناقب کو اونھیں یاد دلایا ہے۔

پھر قصی ابن کلاب کے بعد عبد مناف نے بنی عبد الدار سے جو باقرار ابن سعد مکان ضعیفہ و کان اخوتہ قد شرفوا علیہ (عبدالدار ضعیف المزاج آدمی تھا اور اسی وجہ سے اوسکے اور بھائیوں کو اوسپر شرف اور غلبہ حاصل ہو گیا) اختیارات تولیت خانہ کعبہ اور امارت شہر مکہ منسوخ کر لئے۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ عبدالدار حقیقتاً ان مناصب جلیل کیلئے نمایاں و اہل نہ تھا۔ اسی طرح عبد مناف کے بعد ہاشم مرحوم نے اپنے وقت میں رفاہ اور سقایہ کی خدمات جو بنی عبد الدار کے علاقہ رہ گئے تھے۔ واپس لے لیں۔ صرف اسلئے کہ وہ فیاضی اور کشادہ دلی سے حجاج کے اتنے بڑے مجمع کی ضیافت اور سقایہ نہیں کر سکتے تھے لہذا توبہ ہے کہ ان حملوں کی واپسی لے جانو اسے شور سے میں عبد الشمس بنی امیہ کے باب ہی داخل تھے۔

جب بنی عبد الدار سے یہ اختیارات واپس لگئے تو ہاشم نے اپنی حسن انتظامی اور خوش دلی سے ان خدمات کو باحسن الوجہ انجام دیا۔ اور تمام قوم و قبیلہ کی ترنی اور مرفہ احوالی کا ایسا انتظام کیا جو آج تک نہیں ہوا تھا۔ اشیہ کو ہاشم کے ساتھ اتحاد نسبی اور اہلبیت کی کچھتی کے غلط قیاس پر مساوات، برابری اور ہم پری کا خیال پیدا ہوا۔ انہیں خیالوں کے ساتھ رشک و حسد ہی اشتعال طبع کے باعث ہوئے۔ حالانکہ سلسلہ واقعات سے برابر ثابت ہوتا آیا ہے کہ اس منصب جلیل کے حصول کے اسباب کو شمش انسانی سے زیادہ تدبیر بانی، اور تقدیر بزدانی سے مہیا اور فراہم ہوتے ہیں اور ظاہری طور تمام قوم و ملک کا اسی خوش نصیب اور اقبال مند شخص واحد پر اتفاق و اتحاد بھی ہو جاتا ہے جسکو مدبرین قدرت اس عمدہ جلیہ کے لئے پہلے منتخب کر لیتے ہیں۔ ورنہ اہل عرب اور انکے قوم و قبائل کے دائمی اختلاف سے کہی ایسے ہی تھے اور متفقہ نظام قومی اور ملکی کی امید نہیں ہو سکتی ہے۔ مگر حقیقت کے جوہر شناس خوب جانتے ہیں کہ یہ قدرت کے خاص تصرفات تھے۔ جو اپنی غلی صورتیں پیدا کرنے کی ضرورتوں سے انھیں فوراً اتفاق و اتحاد پیدا کر دیتے تھے۔ جیسا کہ قصی ابن کلاب، عبد مناف اور ہاشم مرحوم کے حالات و واقعات

سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ امر ہی ضروری اور لحاظ کے قابل ہے کہ اس منصب جلیل کے حصول کے وقت ہر بزرگ قوم نے خاص کر لقب اہل بیت کی خصوصیت کے ساتھ اپنے مفاخر کا اظہار کیا ہے۔ قصی اور ہاشم کی تقریریں صاف صاف اس دعویٰ کو بتلا رہی ہیں۔ ظاہری طور پر اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اتحاد حاصل اور نسل کی بنیاد پر قریش پر کیا منحصر ہے تمام ذریت اہل بیت اس لقب سے یاد کئے جانے کی مستحق ہے۔ مگر اس تعمیم میں ایک روحانی تفصیل ہی صاف طور پر مضمر ہے جس کو مشاہدات تاریخی علیحدہ کر کے بتلا رہے ہیں۔ کہ وہ تخصیص عام طور سے ہر شخص کے اختیار و قابو میں نہیں تھی۔ کہ جس وقت جو چاہتا وہ حاصل کر لیتا۔ یہ خصوص اہلیت اور قابلیت جبروت قدرت کے متعلق تھی۔ اور اوسیں انسانی تدبیر و تجویز کو بہت کم داخل تھی۔ ورنہ بنی عبدالدار پر عبد مناف کو اور بنی عبد مناف پر ہاشم کو اور پھر اسی طرح امیہ بن عبد شمس پر ہاشم کو باعتبار ہم جنس اور ہم نسبی کے ترجیح و تفضیل کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

بنی عبدالدار اور بنی عبد مناف کی مخالفتیں نہ ایسی شدید تھیں اور نہ اتنی دیر پا۔ اور نہ شیوع اسلام تک اونکا کوئی اثر اسلام کی مضرت یا مخالفت کا باعث ہوا۔ سوائے اسکے کہ بنی عبدالدار اور بنی عبد مناف نے مشرکین قریش اور کافرین مکہ کا ساتھ دیا۔ اور عام اہل عرب کی طرح اسلام کے مخالف بنے رہے۔ اسلئے انکی مخالفت اتنی قابل ذکر نہیں۔ بنگلات اسکے بنی امیہ کی دائمی اور قائمی مخالفت اسوقت سے لیکر ہمیشہ بڑھتی ہی گئی۔ جب تک کہ اوس نے بنی ہاشم اور خاندان رسول سلام اللہ علیہ کو بالکل خاک و سیاہ نہ کر لیا۔ ہاشم کے مقابلہ میں امیہ کا دعویٰ دوسری امارت مکہ کو لیتا ہے۔ اور اہلبیت کو ملاسنے کی آرزو نہ لے لیا اور لپٹنا بعد لپٹنا بنی امیہ کے خاندان میں برابر قائم رہی۔ ہاشم سے امیہ کا مقابلہ عبدالمطلب سے حرب ابن امیہ کا سامنا ہوا۔ ابوسفیان ابن حرب

کا جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ معویہ ابن ابوسفیان کا حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے ساتھ تو از سر کے تاریخ کے ایسے مشاہدات ہیں جن سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ معویہ کو آخر وقت میں ہزاروں مغویانہ اور مفسدانہ کر و حیلہ اور جعل و فریب سے امارت حکومت عرب ملی ہی تو وہ صرف ان کو امیر بنا کر تمام ہو گئی اور باد جودا شوق و شہوت و ثروت کے کسی نے ان کو اہل بیت کے معزز اور گرانمایہ القاب و خطاب سے کبھی مخاطب نہ کیا۔

اسی حقیقت میں آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اور اہلبیت شناس قلوب پہچان لیتے ہیں کہ اتنی شدید اور مدت مدید کی مخالفت کے بعد بھی بنی امیہ کو بنی ہاشم سے اس روحانی مفاخرت اور عظمت و جلالت کے واپس لینے میں کبھی کامیابی نہ ہوئی۔ جبکہ حصول کیلئے انہوں نے امیہ کے وقت سے ابتدا کی تھی۔

بہر حال پہلے قصی نے اور قصی کے بعد ہاشم نے اہلبیت کی روحانی عظمت و جلال پر کسی قدر روشنی ڈالی تھی اور ان کے اعزاز و امتیاز سے قوم و ملک کو آگاہ کیا تھا۔ مگر ہر انہیں ہاشم مرحوم کے زمانہ سے یہ منصب جلیل عساکہ نظام الہیہ کی مشیت ظاہر ہوتی ہے۔ انہیں کے سلسلہ میں ایسا قایم اور مستقل ہو گیا کہ ہر ذریت اسماعیلی یا سلسلہ قریش کے کسی دوسرے شعبہ یا فرع میں نہ گیا اور نہ ان شمار الہی المستعان اہل الہا باذ تک جائیگا۔

اسلام اور ربانی اسلام علیہ السلام نے عہدہ جلیلہ اہلبیت کی روحانی عظمت و جلال کو انصاف الہیہ انما میریں اللہ لیدھب عنکم اھل البیت الحسب و یطھرکم تطھیرا۔

حقیقی کر خداوند عالم نے ارادہ کر لیا ہے کہ اسے اہلبیت تم سے تمام الائنشوں کو دور کر دے اور ایسا پاک و پاکیزہ کر دے جو پاکیزہ کر نیکافق ہے۔

(۲) (نصاری) سے کہہ دو کہ ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو ہم اپنے نفس کو اور تم اپنے نفس کو (مباہلہ) کیلئے بلاؤ۔

(۳) (اسیہ پیغمبر مسلمانوں سے) کہہ دو کہ میں تبلیغ رسالت کا تم سے کوئی معاوضہ یا اجرت نہیں انگتا ہوں۔ سوائے اسکے اوقات مذہب رسول کے ساتھ محبت رکھو۔

(۲) قالوا اندع ابنائنا و ابنائکم لسانا و دسانکم و الفنا و انفسکم جرد ۵

(۳) قل لا اسئلكم علیہ اجر الا المودۃ فی القربی جرد ۲۵

کے مطابق پورے طور سے بتلادیا اور تمام دنیا کو سمجھا دیا کہ اس لقب جلیل کی عطا و تفویض کا تعلق بالکل خدا کی مشیت سے ہے نہ بندہ کی کوشش اور ہمت سے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ ہی ہاشم کے فضائل و مناقب اور بنی امیہ کے مناقب و معائب بھی بتلادئے اور ثابت کر دیا کہ فطرت اور خلقت کے اصول اختلافی کے مطابق بنی امیہ کو بنی ہاشم سے کبھی ہم سہری اور مساوت کا حق حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور قرابت و رشتہ مندی کے ظاہری اتحاد اسکے روحانی اختلاف اور باطنی امتیاز کو زائل نہیں کر سکتے تھے۔ اسکے ثبوت و تصدیق میں دریش و تاریخ کے اخبار و آثار کثرت سے موجود ہیں۔ جن میں سے چند ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔ صحیحین بخاری و مسلم اور ترمذی میں مرقوم ہے۔

عائشہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ خدا سے بھانہ تعالیٰ نے بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو منتخب کر لیا۔

عن عائشہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ اصطفیٰ من بنی کنانہ قریشا ثم اصطفیٰ من قریش بنی ہاشم قاضی تمیاض۔ یہ اپنی کتاب شفاء میں لکھا ہے۔

عن واثمہ ابن ابی اسحاق قال قال رسول اللہ ﷺ
ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسمعيل و
اصطفى من ولد اسمعيل بنی کنانہ قریشاً
واصطفى من قریش بنی ہاشم واصطفاني
من بنی ہاشم۔

انخرجه ايضا فقال هذا حديث صحيح

تاریخ ابوالفداء میں ہے۔

واثمہ ابن الاسحاق سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کہ برگزیدہ کیا اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں بنی اسماعیل کو
اور اولاد اسماعیل میں بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ میں قریش کو اور
قریش میں بنی ہاشم کو۔ اور بنی ہاشم میں محمد کو

اس حدیث کو ترمذی زہبی لکھ کر بتلایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ما جبریل اقلیت الا قریش مشارقہا ومغاربہا
قلم امجد احد الا افضل من محمد وقلیت الا قریش
مشارقہا ومغاربہا قلم امجد بنی ابی الفضل
من بنی ہاشم۔

عائشہ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کہ جبریل اقلیت کے لئے زمین میں مشرق سے مغرب تک گشت
اور پھر زمین کو مشرق سے مغرب تک گشت
نگاہ کر دیکھا اگر کسی بائچے کو بنی ہاشم سے افضل نہ پایا۔

تاریخ و حدیث کے مرقوم بالا معتبر و مستند مشاہد میرے مدعا کے بیان کی تصدیق کیلئے کافی ہیں۔ کیونکہ ان
سے بنی امیہ پر کیا منحصر ہے۔ تمام قریش اور جمیع سلسلہ اسماعیلی اور حبلہ ذریات ابراہیمی پر بنی ہاشم کی فضیلت اور
ترجیح قطعی طور پر ثابت ہے۔ ایسے مخصوص شرف و مفاخر کے مقابلہ میں بنی امیہ کے ایسے بدنام۔ مجروح اور قبیح
قبیلہ کی کیا ہستی اور کیا وجود ہے۔ جو بنی ہاشم سے شرف و فضیلت میں مقابلہ کرے۔ اسکی حقیقت اور وجود
اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی نگاہوں میں جتنا اور عیاں کچھ ثابت ہوا ہے وہ ذیل کی تفسیر و حدیث کی
تلفیق اور مستند و اشہاد و اسناد سے کما حقہ ظاہر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں۔

ابن جریر۔ ابن المنذر۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی۔ ابن مردودہ
اور حاکم نے بطریق صحیح حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ
سے روایت کی ہے کہ جن لوگوں نے دین خدا کو کفر سے بدل دیا
وہ فاجر ترین قوم قریش بنی امیہ اور بنو مخیرہ ہیں۔

تفسیر درمنثور

انخرجه ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم
والطبرانی فی الاوسط وابن مردودہ والحاکم
وصحیہ من طرق علی ابن ابی طالب رضی اللہ
عنہ فی قوله تعالیٰ الم تارا الی الذین بدلوا
نفسہ اللہ کفرا قال ہا الا یخبر ان من قریش
بنو امیہ وبنو مخیرہ

عالم اسلام میں بنی امیہ کی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے اور یہ وجود۔ پروہ کون لایق قلم نہ لکے گا جو انکو بنی ہاشم

کا ہموزن اور ہسپا یہ خیال کر لیا۔ بنو عبد مناف ہونے کی اتحاد کی تنہا بنا پر ناہمواران بنی امیہ کو بزرگواران بنی ہاشم کا مقابل ٹھہرائے گا۔ بلکہ بخلاف اسکے۔ ان بدنام کنندگان خاندان دوومان کو اعیان قبیلہ ہاشم کا بالکل نفیض اور مستقصا یا نیگا۔

بہر حال مرقومہ بالا اسناد و اشہاد سے بنی امیہ کے اوس وہم و گمان کی پوری تردید کر دی گئی ہے جو ان کے دلوں میں بنی ہاشم کے ساتھ مساوۃ فی المراتب حاصل ہونے کے متعلق خطور کر رہے تھے۔ بنی امیہ پر بنی ہاشم کی فضیلت و شرافت کو قرآن و حدیث تفسیر اور حدیث سے ثابت کر کے ہم اہل بیت کے اعزاز و امتیاز کمپیٹیف متوجہ ہوتے ہیں۔

ہم اس اعزاز قدیم کی عظمت و حرمت مخصوصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے قصی اور ہاشم کے زمانوں تک ثابت کر آئے ہیں اور مشاہیر تاریخی سے بتلائے ہیں کہ وہ اپنے ان مراتب و مدارج پر اوس وقت سے لیکر اس وقت تک دیگر اقوام کے مقابلہ میں برابر شرف و مفاخرت کا خاص طور پر اظہار کرتے آئے۔ باوجودیکہ ایک مدت بعد تک ان کے یہ اقتدار و آثار ان کے قبضہ اختیار سے نکل گئے ان کی حالتیں بالکل خراب ہو گئیں اور عرصہ دراز تک یہ گنہگار اور بے نام و نشان رہے۔ لیکن اس ضعف و انحلال کی خاص حالتوں میں بھی انہوں نے اپنے اس خاندانی شرافت و عظمت کا دعویٰ اور مطالبہ نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ قصی ابن کلاب اور ہاشم ابن عبد مناف نے ان تمام اختیارات کو ان کے قبضہ اختیار سے واپس لے لیا۔ اور جیسا کہ ابھی تاریخی اسناد سے اوپر لکھا گیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگواروں نے اپنی قوم و قبیلہ کو اسی لفظ اہل بیت سے ان کے قدیم اقتدار و عظمت کو یاد دلایا اور ترقی احوال کی راہوں پر لگایا۔ ہاشم مرحوم تک تو اسی منصب کو قریش اپنا موروثی اعزاز سمجھتے رہے۔ مگر ہاشم کے بعد جب بنی ہاشم کے ساتھ اس کا مخصوص تعلق قائم ہو گیا۔ تو اہل بیت سے صرف بنی ہاشم سمجھے جاتے گئے۔ ہاشم کے وقت تک گو بنی عبد مناف بنی عبد الدار وغیرہ قبائل و عشائر کے جدا جدا تفریق نام رکھے گئے تھے۔ مگر حقیقتاً سب قریش کے ایک ہی نام سے مشہور تھے۔ مگر ہاشم کے بعد بنو ہاشم کے مخصوص اور جداگانہ تفریق قائم ہو گئی۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

ہاشم ابن عبد مناف نے اپنے بعد اپنے بانی مطلب ابن عبد مناف کو اپنا وصی قرار دیا۔ اسی وقت سے بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہو گئے۔ اور آج تک ایک ہیں۔ اسی طرح بنو نوفل اور بنو عبد شمس (بنو امیہ) ایک ہو گئے اور آج تک ایک ہیں۔

اوصی دھا ہاشم ابن عبد مناف الی اخصیہ
مطلب ابن عبد مناف فیلو اھا ہاشم و بنو مطلب
ابن واحد الی الیوم و بنو نوفل و بنو عبد شمس
ابن عبد مناف و بنو عبد شمس الی الیوم

اس بنا پر وہ تمام روحانی عظمت و اقتدار نبی ہاشم کی طرف ودیعت ہو گئے۔ اور ان کی سیرت و عادت سائر قریش سے بالکل علیحدہ ہو گئی۔ اور اب اہلبیت کا مقدس و معزز لقب ہی کلیتاً اور قطعاً انہیں سے متعلق ہو گیا۔ اصل میں تو اہلبیت کا اعزاز ہی خطاب اور امتیاز ہی القاب سے پہلے حضرت ابراہیم اور اس کے اہل و عیال کو جنہوں نے بیت الہی کی تعمیر کو انجام دیا اور سب سے پہلے اس کی خدمت پر مامور ہوئے۔

منجانب اللہ تفویض فرمایا گیا جیسا کہ نفوس قرانی سے ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد سے حضرت ہاشم کے وقت تک اسی سلسلہ اور خانوادہ کے لوگ اصول توریث کی بنا پر اسکو اپنا جائز حق سمجھتے رہے۔ مگر جہانک تحقیق کی جاتی ہے اسکی حقیقت یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس منصب کا تعلق اور اس گرانمایہ القاب و خطاب کی تفویض بھی حصول رسالت اور نزول نبوت کے ساتھ ساتھ تھی چونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام رسالت و نبوت کے عہد ہائے جلیلہ پر فائز تھے۔ اسلئے خدمات کعبہ ہی انہیں تقدسین کے سپرد ہوئی اور سب سے پہلے ہی گرانمایہ القاب و خطاب اہلبیت سے مخصوص و معروف فرمائے گئے۔ ہاشم مرحوم کے زمانہ تک چونکہ اس سلسلہ میں کسی کو منصب رسالت اور عہدہ نبوت تفویض نہیں ہوا۔ مگر ہاں جو اس سلسلہ پر ابھی اور خانوادہ اسماعیلی میں محامد و اوصاف کریمہ اور افعال و اعمال حسنہ سے آراستہ و پیراستہ پایا گیا۔ وہ اس خطاب و القاب کا خالص مستحق و سزاوار سمجھا گیا۔ گو اس کے قبیلہ اور عشیرے واسلے برائے نام اہلبیت ہونیکے دعویدار زبانی بنے رہے مگر یہ دعوے انھیں کے خاص ہو کر رہ گئے۔ عام لوگوں نے نہ اسے منظور کیا اور نہ مشہور جیسا کہ بنی ہاشم کے مقابلہ میں بنی آبیہ کے زبانی جمع خراج ہاشم ابن عبد مناف کے بعد اس کی تخصیص بنی ہاشم کے ساتھ ہو گئی جیسا کہ ہم ابھی ابھی اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر بنی ہاشم کی تخصیص۔ انتخاب اور اصطفا۔ اگرچہ احادیث سے ثابت ہے۔ مگر یہ اختصاص و انتخاب ہی ان کے محامد و محاسن ذاتی پر مبنی تھا۔ اور اسکو اجزائے رسالت اور شعبائے نبوت سے تعلق نہیں تھا۔ مگر ہاشم مرحوم سے جو تہی ہی پشت میں جناب سید المرسلین اور خاتم النبیین سلام اللہ علیہ آکہ کو قدرت نے مبعوث فرما کر آپ کے اواخر رسالت اور شعاع نبوت سے خاندان ہاشم اور دو دمان عبدالمطہرب میں چار چاند لگا دئے۔ واللہ بخیر و بکرم من یشر۔ بارگاہ قدرت اور پائیگاہ شہادت سے اس شرف مخصوص اور فضائل و مراتب کی سند مخصوص اس خانوادہ مطہر کے لئے جدید اور مزید کر دی گئی۔ وَاٰتٰی الْفَضْلَ الْکَثِیْرَ یٰۤاَبْنٰی اِسْمٰیْلَ۔ اور اہل بیت کا مقدس خطاب القاب اس خاندان کے لئے منتقل اور اب دی کر دیا گیا۔ اور اس عہدہ جلیلہ سے تعمیم کے قدیم قیاسات و توہمات کو بالکل مٹا حاصل و نیست و نابود کر کے صرف پانچ نفوس قدسیہ شمسہ الشیخا کو (پچھن پاک علیہم السلام) اور ان کے بعد ان کی اولاد معصومہ کو۔ اس عظمت و جلالت کا اصلی مستحق قرار دیا۔ جو انصار اے بخوان کے ساتھ عباہ کے موقع پر۔ منکرین مسیحی کے مقابلہ میں۔ خدا کی وحدانیت اور اس کے رسول برحق کی صداقت ثابت کرنیکے

لئے خدا کے آگے کھڑے کیے گئے تھے۔ اس وقت اہل اسلام کی اتنی کثیر جماعت میں ہی پانچ نفوس قدسیہ خدا کی توحید اور رسول کی نبوت کی تصدیق کے شاہد معتبر دستیاب ہوئے۔ اور انکے اسی تکرار ایبانی اور مجاہدہ نفسی کی جلد و مدین ان بزرگواروں کو انہیں بدائشراخ کی بشارت تفویض فرمائی گئی۔ جیسا کہ ان شراشر بالتفصیل اپنے مقام پر بیان کیے جائے گی۔

سیرۃ النبی جلد اول میں شیلی صاحب نے ہاشم کی تفصیل و ترجیح اور مخالفت و شاجرت باہمانہ کو خاص کر اسلئے چسپا کیا۔ اور اتنے بڑے واقعات تاریخ کو مرفوع القلم فرمایا کہ نہ بنی ہاشم کے فضائل و مراتب ظاہر ہو سکیں اور نہ بنی امیہ کے مناقص و معائب۔ اور بنی قصی اور بنی عبد مناف ہونے کی کجی کے معاملہ میں پڑ کر ان دونوں متضاد قبائل و عشائر میں ہمہ گیری اور برابری سمجھی جاوے۔ اور آپس کی مخالفت و مخالفت سے بالکل بے علم و اطلاع رہ کر جانہیں میں مراحم و اتفاق و اتحاد اور ذرائع انکس و مثبت یقین کی جائے۔ وائے ہذا ضلالت مبین شلی صاحب کی یہ ایجاد ہی طبع آزمائی نہیں ہے۔ بلکہ تحقیق سے اس کی ابتدا ہی معاویہ کے بدعات و خسرعات پر مشتمل ہوتی ہے۔ پچانوچہ معاملات صحابہ میں پہلا خط جو معاویہ نے جناب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اسکی عبارت عنوان یہ تھی۔

ہم بنی عبد مناف ایک چاہ سے پانی پیتے تھے۔ اور ایک ماں کی چاتی سے دودھ۔ ہم میں سے کسی ایک

کو دوسرے پر ترجیح نہیں تھی۔ اور ہمارا کوئی قائم اپنے تاعید پر فخر و افتخار نہیں رکھتا۔ مجبور اور محتاج ہمارے دونوں مؤید تھے۔ اور ہماری جماعت متفق تھی۔ ترجمہ تاریخ ہاشم کوئی۔

مولوی شلی صاحب کی تنہا کوششوں سے حقیقت کا استخفاف نہیں ہو سکتا۔ ان کے اختیار و قدرت میں بس اتنا ہی تھا کہ وہ اپنی کتاب میں لکھیں جیسا انھوں نے کیا۔ مگر ان بشارت کار ناموں کو کیا کر سکیے جو دو ہزار برس پیشتر سے ان واقعات کی حقیقت کا تمام دنیا کو شاہد کر رہے ہیں۔

مذکورہ بالا شاہدات تاریخی سے ثابت ہو گیا کہ امیہ ابن عبد شمس سلیبی نبوت عمر سے عقد اور وفات کی حسد و نفسانیت ہاشم کی عظمت اور اقتدار کا کچھ لگاؤ نہ ہو سکی

بلکہ اسکے خلاف تمام اہل عرب نے امیہ کو خفیف انحرکات۔ حاسد اور ناقابل سمجھا۔ ہاشم مرحوم مادام الحیات بڑی ثروت۔ بڑے اقتدار اور بڑی شان و شوکت سے امارت رکھ کر اور تولیت خانہ کعبہ کے خدمات انجام دیتے رہے۔ اور تمام ملکی اور قومی رفاہ و اصلاح کی تدبیروں اور کوششوں کو کسی وقت نظر انداز یا فراموش نہ کر سکے۔ حکومت و امارت کے ملکی نظام و تدبیر کے علاوہ قومی تجارت اور کاروبار کی ترقی و کامیابی کی تجویزیں ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور کبھی اوس سے نا تو بھی اختیار نہیں کی۔ کارواں تجارت کے ساتھ خود آتے جاتے رہے۔ راستوں گزر گاہ

اور سنہوں میں اہل کارواں اور ان کے سامان کی حفاظت اور امن و امان کے انتظام و اہتمام فرماتے رہے۔
 یہاں تک کہ اس شہداء کے ملک و وطن اور فدائی قوم نے انھیں فکر و انتظام میں اپنی جان نثار کر دی۔ تفصیل یہ ہے
 ابن سعد طبقاً سنہ میں لکھتے ہیں۔

فخرجهم هاشم في غير قريش فيهما تجارات و
 كان يلقونهم على المدينة فنزلوا السوق النبط
 فصادفوا سوقا تقوم بها في السنة يمشون
 لها فباعوا واشتروا ونظروا الى امرأة على
 موضع مشرب من السوق فرائى امرأة تامر
 بها لينة تری و يباع لها فرائى امرأة هاشمية
 جلدية مع جمال هاشم عندها ائيم هي ام
 ذات نرجة فقبل له ائيم كانت تحت ابي حبيبة
 بن الجحلا م فولدت له عمرا و معبد اثم فافترقا
 وكان تحت ابي حبيبة الرجاء لفرانها في قومها حتى
 نيسر طوا لها ان امرها بسيد ها فاذا كرهت
 رجلا فافترقه و هي سلى بنت عمر بن تميم بن
 اسيد بن خديش بن عامر بن غنم ابن عدی
 ائيم فخطبها بها هاشم فعرفت شرفه و
 نسبته فنزلت عن نفسها و دخل بها و صهر طعما
 و دعاه من هذا من اصحاب ابي لهب الذين كانوا
 معه و كانوا اربعين رجلا من قريش فيهم
 رجال من بني عبد مناف و مخزوم و سهم
 و دعاه من الخزرج سبعين رجلا و قام باصحابه
 ائيم و علق سلى بعبد المطلب فولدت له في المدة
 شديدة سلى سليمة و خرج بها هاشم في اصحابه الى الشام حتى
 بلغ غزاة فاشتكى فاداه و اعليه حتى مات فدفنوه بقرعة
 ص ۳۶

ہاشم کارواں قریش کے ساتھ بغرض تجارت لگے۔ اور مدینہ
 کے راستہ پر بازار بنطیں پہنچے، جہاں ہر سال بہت بڑا بازار
 لگاکر تاتھا اور قرب و جوار سے لوگ جمع ہو کر خرید و فروخت کیا
 کرتے تھے اور اس وقت بھی لوگ خرید و فروخت میں مصروف
 تھے۔ اور ایک زن معظہ کیان متوجہ تھے جو بازار کے ایک مقام
 بلند پر تھیں۔ اور وہ خاتون دن لوگوں کو اپنے اشیاء و ضروری
 کی خرید و فروخت کیلئے حکم کرتی تھی۔ اور سب لوگ اس کی طرف
 سے خرید و فروخت کر رہے تھے۔ وہ قبول ضرورت صحابہ
 جمال خاتون تھی۔ ہاشم بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی
 نسبت لوگوں سے پوچھا کہ یہ بیوہ ہے یا صاحب شوہر ہے تو
 معلوم ہوا کہ زن بیوہ ہے۔ یہ پہلے اجنبی بن جراح کے عیال
 نکاح میں تھیں اور ان سے اس کے دو بیٹے عمر اور معبد نامی پیدا ہوئے
 اسکے بعد اجنبی نے طلاق دیدی اور آپ یہ اپنی شرافت و
 نجابت ذاتی کی وجہ سے کسی مرد سے اس وقت نکاح کرنا نہیں
 چاہتی تاوقتیکہ وہ مرد اس امر کا اقرار کر لے کہ نکاح کے بعد
 انکو اختیار ہے کہ اگر وہ اسکو ناپسندیدہ یا تنگینی تو اس سے
 مفارقت اختیار کر لیں گی۔ انکا نام سلی بنت عمر بن عبد بن
 لبید بن خديش بن عامر بن غنم بن عدی قبیلہ بنی النجار سے
 ہیں۔ یہ سنکر ہاشم نے اوتکے پاس نکاح کا پیغام بھیجا کیونکہ
 وہ صاحب حسن و جمال تھیں سلی کو جب ہاشم کی شرافت و
 نسب کا حال معلوم ہو گیا تو ہاشم سے عقد کر لیا۔ ہاشم نے عقد
 سلی کی ولیمہ کی بڑی تیاری کی۔ کہنا نا پکوا یا اور جتنے لوگ کارواں

قریش میں اس وقت اویس کے ساتھ تھے۔ سب کی دعوت کی۔ سب کو بلایا اور کہلایا اور یہ سب مجموع چالیس آدمی تھے اور ان میں بنی عبد مناف بنی مخزوم اور بنی سہم کے قبیلے والے موجود تھے۔ سلی کی طمان سے خزیج کے قبیلے والے ہی بنائے گئے۔ شادی کے بعد ہاشم نے چندے وہاں قیام کیا۔ انھیں دنوں سلی کو عبد المطلب کا محل رہ گیا۔ اسکے بعد ہاشم اپنے اصحاب کیساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے مقام غزہ پہنچ کر بیمار پڑ گئے۔ ان کی علالت کی وجہ سے قافلہ والوں نے وہیں قیام کیا۔ ہاشم نے بالآخر وہیں وفات پائی۔ قافلہ والوں نے غزہ ہی میں انکو دفن کر دیا۔ طبقات ج ۱ ص ۲۶۔

ہاشم کی وفات تقریباً ۵۱ء میں واقع ہوئی اور یہی عبد المطلب کا سال ولادت بھی ہے۔ مرقومہ بالا واقعات انھیں مضامین کے ساتھ سیرت ابن ہشام ص ۶۶ مطبوعہ مصر میں بھی مندرج ہیں۔ ہاشم مرحوم کے ایسے حسن۔ سر پرست اور بخود ار قوم و ملک کی وفات پر مرثیہ نہ لکھے جائیں۔ امکان سے باہر ہے۔ اہل عرب نے انکی وفات پر بے شمار مرثیے لکھے ان تمام مرثیوں میں ان کی دو صاحبزادیوں کے دو مرثیے خاص طور پر مشہور ہیں۔ اور عرب کی تاریخ و ادب کی کتابوں میں آج تک محفوظ و مستور۔ ہم ابن سعد اور ابن ہشام کے جامعات سے انکا ایک ایک شعر نقل کر رہے ہیں مثلاً: ہاشم کا شعر۔

بکمال النبی بنید من دطی الحسنى

ذی المکرمات وذی الفضائل

شفا ہشت ہاشم کے مرثیہ کا یہ شعر ہے۔

عین جودی بدست و مہجوم

واسطی الذمہ للجواد الکرم

بہترین گزشتہ زاری اس نیکو کار کیلئے شایاں ہے۔ جو اپنے قبیلہ و

جماعت میں سب سے بہتر تھا۔ صاحب کرم تھا۔ اور صاحب اعمال حسنہ۔

اے آنکھ اس غم و مصیبت میں اور اس کریم و جواد مرد

بزرگ کے لئے روادراپنے آنسو بہا۔

ہاشم مرحوم کا نام عمر ابن مناف اور لقب ہاشم تو تمام تاریخ و سیر میں مندرج ہے۔ مگر کنیت کم دیکھی گئی۔ صاحب صراح اللغات نے ابو الفضل کنیت بتلائی ہے۔ اور وجہ کنیت یہ ٹھہرائی ہے کہ بنی ہاشم تمام عرب میں بہت بڑے تیر انداز مشہور تھے۔ اور اس فن کے کامل تھے۔ یہ کمال انکو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ورثہ پہنچا تھا۔ اسی رعایت سے ہاشم کی کنیت ابو الفضل مشہور تھی۔ صراح مطبوعہ کلکتہ ص ۹۸۶

مطلب ابن عبد مناف کی امارت

محمد ابن سائب الکلبی۔ امام الاثاب کے اسناد سے اوپر لکھا گیا ہے کہ ہاشم نے اپنی وفات کے وقت اپنے بھائی مطلب کی امارت کیلئے وصیت کر دی تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں۔

المطلب ابن عبد مناف بن قصی اکبر من ہاشم
یعنی مطلب ابن عبد مناف ابن قصی۔ ہاشم اور عباس دونوں

ومن عبد شمس وهو الذي عقد المظلف القرشي
من النجاشي في متجرتها كان شريفا في قومه
مظافا سيدا وكان قرشي تسمية الفضيحة
قولي بعد الماشم السقايه والرفادة

سے بڑے تھے۔ اور یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے قریش کے لئے
بادشاہ نجاشی سے معاہدہ قائم فرمائے۔ وہ اپنے قوم و قبیلہ کے
سید و سردار اور اشراف ترین مردم تھے۔ اور یہ وہی بزرگ
ہیں جنکی فیاضی اور سخاوت کے اعتبار سے قریش نے انکا لقب

الفضیض رکھا تھا۔ ہاشم مرحوم کے بعد خدمت کعبہ میں سقایہ اور رفادہ کے متولی ہوئے۔ طبقات ص ۴۸

افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس بزرگ ہاشمی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ شاید اس کو یہ قلمی میں مصالحت
سفر ہو کہ بزرگان اور نموداران ہاشمی ہاشم کی تعداد میں اجاں تک کہی ہو وہ آپ کے مدعا سے تالیفی کے مطابق اور
مناسب ہوگی۔ ان کی امارت کا کوئی ذکر کیا ہے اور نہ نجاشی کے ساتھ معاہدہ جدید کی قومی خدمت کا تذکرہ۔ لکھا
ہی تو حضرت عبد المطلب کے حالات میں اسکا کہ مطلب۔ ہاشم کے بھائی تھے۔ انکو آپ کے ناموں میں رہنے
کے حالات معلوم ہوئے تو فوراً یہ نہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچ کر پچھتہ ہو گئے۔ جسکو شروع کی پہونچ گئے۔ اسکا حال سنا تو بڑا بچھا
تین دن حمان ہے۔ چوتھے دن شیبہ (عبد المطلب) کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ سیرۃ النبی ص ۱۲۱
اس عبارت سے غریب مطلب کی کیا معرفت ہوئی۔ اور آپ کے اس مختصر سے دنیا کو عبد المطلب ابن عبد
کے ذاتی اوصاف۔ خدمات اور حالات کیا معلوم ہوئے۔ کیا ایک محقق۔ مؤرخ اور سیرت نگار کا معیار تالیف
اور شعائر تصنیف یہی ہونا چاہیے کہ وہ ہر شخص کے حالات اور ذکر و احوال میں بلا ضرورت اسنا اقتضار اختیار کرے
کہ اس کے ذاتی حالات معلوم ہو سکیں اور نہ اس کے خدمات۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب کے نزدیک یہ بزرگ ہاشمی اگر کسی توجہ اور التفات کے قابل نہیں تھا تو اس سے
اوسکی عظمت و جلالت میں سہر ہو گئی نہیں آئی۔ کہہ نہ کہ وہ یہ نمودار اور ذمی اقتدار سردار قریش ہے جس کے لفظ
ایشارے زیر بار ہو کر تمام ملک توڑنے اور سکون فیاض کا لقب مخصوص ہوا تھا۔

حضرت مطلب کی وفات علیہ السلام کے شہر قرآن میں واقع ہوئی۔ مطلب قریش کے کاروان تجارت کیا تھا
حسب معمول کہیں گئے تھے۔ قرآن میں پہونچ کر غلیل ہو گئے۔ اور اسی علالت میں انتقال کر گئے۔ مطلب کی وفات
ہاشم کے انتقال سے دس برس اور تقریباً ۵۲ عہد میں واقع ہوئی۔

حضرت عبد المطلب ابن ہاشم کی امارت

حضرت عبد المطلب کا اصلی نام شیبہ شیبہ نام رکھے جانے کی وجہ ابن سعد اور ابن ہشام وغیرہم
یہ بتلاتے ہیں۔

علقت سلی لعبد المطلب فولد تنہ و فی مراسہ
شعبہ فستہ شعبہ ۷۷ ص -

ہشتم سے سلی کو عبد المطلب کا عمل رہ گیا۔ جب وہ پیدا ہوئے تو
اوتکے سر پر سفید (چھوٹے) بال تھے۔ ہر دو روز کا نام شیبہ ہوا۔

حضرت ہاشم کے انتقال کے بعد سے یہ برابر نہال میں رہے۔ سلی نے بوجہ اپنی خوشحالی کے سسرال کی کوئی
پردہ نہیں کی اور نہ ان لوگوں کے کسی قسم کے تعلقات قائم رکھے۔ اور محالاًستوریت کو شیبہ (حضرت عبد المطلب)
اپنے بیٹے سمجھ کر جو ان ہونیکے وقت تک اوتھار رکھا۔ اور اس درمیان میں سلی نے اپنی طرف سے اس بچے کی خبر گیری
یا اسکے وہاں طلبہ کرنے چاہنے کی توجہ کیا۔ کو اپنی غیرت اور شرفیانہ ہمت کے خلاف نہ تھا۔ اور بالکل خاموشی اختیار
کی۔ اسلئے عبد المطلب کی طرف سے ہر ہشتم کو ایک عرصہ تک قطعاً علی رہی۔ یہاں تک کہ سطلبہ کو یہ ہی معلوم نہیں
ہوا کہ اوتکے برادر مرحوم کا کوئی متیم معصوم دنیا میں یادگار موجود ہے۔

عبد المطلب کو عبد المطلب کے حالات کی کیسے
اطلاع ہوئی

شبی صاحب ان اقسام کے حالات و واقعات کو
زوار پر پیش کر کے ہیں اور اپنے سیاق و سباق سے خلاف
سمجھتے ہیں۔ مگر ہم تاریخ تحقیقی اور سیرت نگاری کی مروجہ

دور واریوں کے اعتبار سے کسی خاص شخص کے حالات و واقعات پر ہرگز توجہ اور کئی تفصیل کو جس سے اس
خاص شخص کے ذاتی اور عہد فانی تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہو۔ اپنا فرض مالمی سمجھتے ہیں۔ اسلئے شبی صاحب کے
اون اختلافات سے جو اکثر مقامات پر صرف اشارات ہو کر رہ جاتے ہیں۔ قطع نظر کر کے ان حالات کو اسی
تفصیل سے بیان کرتے ہیں جس تفصیل سے وہ اپنے اصلی ماخذوں میں مستخرج ہیں۔ اسلئے تحقیقی طبقات ابن سعد
سیرت ابن ہشام اور تاریخ کبیر ابن جریر بطبری میں مرقوم ہے۔

ثابت بن المنذر ابن ہشام۔ حسان ابن ثابت شاعر کے باپ
کو میں بقبصرہ ہجرہ آئے اور سطلبہ سے ملے۔ انہیں اور انہیں
مراسم اتحاد تھے۔ باتوں بات میں کہتے تھے کہ اگر تم نے اپنی بھتیجی
شیبہ نامی کو جو ان احوال ہمارے قبیلہ کے ہمراہ ہے۔ دیکھو تو اسکو
خوش حالی میں اور شرافت کی سرپا تھویر پاؤ گے۔ میں نے اسکو
اسکے ماموں کے لڑکوں کے ساتھ تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا اور
جب اوسکا نشانہ پر تیر بٹھایا تھا تو وہ یا آواز بلند کیا اور ٹھٹھا بجا
کہ میں ہوں عمر اعلیٰ کا بیٹا (مگر ہشتم کا نام تھا) یہ سن کر
سطلبہ نے کہہ کر کہ میں تو اسکو اپنے ساتھ لائے بغیر اپنے

وقدم بن المنذر بن ہشام و هو ابو حسان ابن
ثابت الشاعر۔ منہجہ معتبر فانی المطلب و حسان
وکان له خلیفۃ فقال له لوسا ئیت ابن اخیلاف
شیبہ فینا الرائیت جبکہ اور ذہبیت و شرفا لقد
تظہرت الیہ و هو ایضا فضل فنیانا موانعوالہ
فیہ فضل مرہا یتے جہمیعاً فی مثل سادتی ہذا
ولیقول کما خصی انا ابن العمر الہی فقال
المطلب یا ابا اویس لا اوسعی ہتی اخبرہ الیہ
واقدم بہ فقال ثابت ما امرنی سلی بن فہد الیہ

وكان احواله حتى يكون هو الذي يقدم عليك
الى ما همنا راغباً فيك فقال المطلب يا ابا اوس
ما كنت لا دعه هناك ويترك ما ترقومه و
سقطه ونسبه وشرفه في قومته ما قد علمت
فخرج المطلب فوراً المدينة فقول في تاحيه
وجعل يسأل عنه حتى وجدته يرمي في فستان
من احواله فلما راى عرف شبه ابيه فيه
ففاضت عيناه وضمه اليه وكساها حلة
ديمانيه والشاء يقول :-

عزمت شديداً واليها قد حضرت

ابناءها حوله بالنبل تنفصل

عزمت اجدده متنا وشبهه

ففاضت عني عليه وابل بسبل

فارسيت سلمي الى المطلب فدعته الى النزول
عليها فقال شاني اخف من ذلك ما اريد ان
احل عقداً حتى اقبض ابن اخي والحقة
بلده وقومه فقال لست بمرسلته معك
وعظمت عليه فقال المطلب لا تفعل فاني
غير منصرف حتى اخرج به معي ابن اخي قد
بلغ وهو غريب في غير قومه ولفظ اهل بيت
شرف قومنا والمقام ببلده خيراً من المقام
هنا وانا املك حيث امان فلما رأت انه غير
مقتصر حتى يخرج به استنظرته ثلاثة ايام
وتحول اليهم فنزل عندهم فاقم ثلاثة ايام
والطلاق جميعاً فانشاء المطلب يقول كما

ہو سکتا ثابت نہ کہ میں تو نہیں دیکھتا کہ سلی یا اوس کے
ماموں، جو اوس کے ہم وطن ہیں۔ اوسکو تمہارے ساتھ آئے
دینگے۔ اور آگے ہی ابھی اوسکو یہاں نہ لانا چاہیے۔ کیونکہ وہ اپنے
ماموں کے ساتھ کبھی غیر کے گھر تو نہیں ہے اور پر ایسی حالت
میں کہ شکوہ اسکے لائے کی اور شاید کہ شکی خود غیبت ہوئی ہے۔
مطلب نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ اے ابا اوس (ثابت
کی کنیت تھی) یہ مجھ سے کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اسے لائے
بغیر چڑیوں اور اوس آثار، اقتدار اور کسی اقتدار کو جو میری
قوم میں اوسکو حاصل ہے اس سے چڑیوں یا اون سے اسکو
محروم رکھوں اسکا اصل مطلب کہ سے روانہ ہوئے۔ یہ نہ پوچھے
اور بیرون شہر مقیم ہوئے اور اپنے بھتیجے کی تلاش کرنے لگے۔ اور
بالآخر اوسکو پاگئے اسی حالت میں جیسا کہ ثابت نے اون سے
بیان کیا تھا۔ شبیبہ اور بچوں کو ساتھ تیر اندازی میں مصروف تھے
دیکھتے ہی مطلب نے پہچان لیا۔ اور انکو اپنے باپ کا شرم براد
مطلب کا مہربان ہو کر رہنے پر مجبور کیا۔ مطلب کی آنکھوں سے
بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ فوراً اوسکو لپٹا لیا اور ایک حلقہ
ربانی، جو مخصوص اون کے لئے گھر سے لیکے تھے پہنا دیا۔ اور یہ شہار
اپنی زبان پر جاری کئے۔ میں نے شبیبہ کو ایسی حالت میں کہ
بنی نجر کے لڑکے تیر اندازی میں اوسے گھیرے ہوئے تھے پہچان
لیا۔ میں نے اوسکو بنی نجر کے لڑکوں کو بالکل اپنے لوگوں کی پائی
اور اوس سے اپنی خوشبو بھی پائی۔ پس میری آنکھوں سے سیاحہ
آنسو جاری ہو گئے۔ اب سلی کو مطلب کے آنکھ کی خبر ملی۔ انہوں نے
مطلب کو اپنے گھر بلا لیا۔ مطلب کے اور کچھ لگے کہ میرے
لئے بڑی بدنامی کا باعث ہو گا۔ اگر میں تم سے اپنے بھتیجے کے
لئے لینے اور اپنے شہر میں لپٹا لینے کا غم وارادہ چپاؤں۔ یہ شکر

انشاء فی ہشام بن محمد عن ابیہ
ابنہ بنی النجاران جئتہم
انی منہم و ابنہم و النخیس
راکتہم قوماً اذ اجبتہم
مہود القسانی و اجبتوا حبیبی
و دخل بہ المطلب مسکة فہذا قریش ہذا
عبد المطلب ذوال و شکم انما ہوا بن اخی شیبہ
ابن عترة طبقات ص ۲۸-۲۹

سلمی نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ اس کو ہیجہ لے جانے پر کہی
راضی نہیں گی اور اس پر سلمی نے سخت قسمیں کمانی شروع کر دیں
مطلب نے کہا۔ ہاں ہاں یہ نہ کرو۔ کیونکہ میں تو اسے بغیر اس کو
لیگنے یہاں سے لٹا نہیں ہوں۔ کیونکہ تم خود سوچو کہ میرا بھتیجا بونع
کے قریب پہونچ گیا اور وہ اب تک ایک غیر قوم و قبیلہ میں کچھ دیر رہا
ہے۔ اور ہم لوگ اہل بیت ہیں۔ جو اپنے تمام قوم و قبیلہ میں اشراف
زین افراد ہیں۔ اور یہ ابھی غور کرو کہ اس کے لئے اس مقام میں
رہنے سے اپنے خاص شہر میں رہنا زیادہ مناسب ہے۔ اور یونہی وہ
جہاں رہ گیا تھا راہیٹا ہے اور تمہارا فرزند بالآخر حب سلمی کو

یقین ہو گیا کہ مطلب اپنے ارادے سے باز نہ آئیگے تو مطلب نے تین دن اور سلمی اور قبیلہ بنی النجار کے اظہار ارادے کا انتظار کیا۔ اور انھیں
لوگوں پر اس امر کو محول کر دیا۔ اور تین دن تک بنی النجار کے مہمان رہے۔ آخر کار اون کی رضا و استمراج سے لڑکے کو ہمراہ لے چلے اور
بنی نجار کے تمام لوگ رسم ترخیں کے اصول پر مطلب کی مشائعت کی غرض سے انکے ہمراہ ہو گئے۔ اور مطلب نے انکے یہ اخلاق و
اشفاق و مہمہ کر یہ اشعار انشائے کہ میری طرف سے بنی نجار کو یہ پیام پہونچا دو کہ میں نے اون کے پاس آکر یہ سمجھ لیا ہے کہ اونکے
اہل و عیال اور تمام گروہ گویا میرے لوگ ہیں اور گویا میں اپنے ہی لوگوں میں ہوں۔ میں نے ان لوگوں کو ایک ایسی قوم پایا کہ میں
جب ان لوگوں کے پاس پہونچا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ میری ملاقات کیا میری آواز تک کے مشتاق ہیں۔ بہر حال مطلب اپنے بھتیجے
شیبہ کے ساتھ پشت مکہ سے شہر میں داخل ہوئے۔ قریش نے اس لڑکے کو انکے پیچھے پیٹھا دیکر کہا کہ یہ تو عبدالمطلب ہے۔
غلام مطلب مطلب نے انکے اس غلط قیاس کی فوراً تردید کر دی اور کہا افسوس ہے تم پر شیبہ ابن عمر (ہشتم) میرا خاص بھتیجا
ہے۔ طبقات از صفحہ ۲۸ و ۲۹

قبیلہ بنی نجار کے انھیں محاسن اخلاق کے اعتراف میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخلہ مدینہ کی وقت
قبیلہ بنی نجار کو اپنی فرو دکاہ بننے کے شرف خاص سے مشرف فرمایا جس کو ہم تفہیمیل سے اپنے مقام پر لکھیں گے۔ بنی نجار کی
کی نموداری اور ذمی اقتداری کیلئے ہی ثبوت کافی ہیں۔

آدم برسر مطلب بن۔ مندرجہ بالا واقعات کو شبلی صاحب کے موجودہ طریقہ اختصارات و اشارات کے خلاف ہم نے
تفصیل و تطویل سے کیوں لکھا۔ صرف اسلئے کہ شبلی صاحب جن مختصر اور گئے ہوئے الفاظ میں اس تاریخی واقعہ کو لکھا
ہے۔ وہ بھی معلوم ہو جائے۔ عربی ماخذ کی اصلی عبارت بھی اس غرض سے نقل کر دی گئی ہے۔ کہ دونوں عبارتوں کے
مقابلہ اور موازنہ کے وقت باسانی معلوم ہو جائے کہ مولوی صاحب کے مختصر و ست اس بزرگ ہاشمی اور سید قریشی کے

مستقل اور امور کی کوئی اطلاع۔ کوئی خبر اور کوئی علم نہیں ہو سکتا جن سے اس بزرگ کی ذاتی وجاہت اور ذمی اثر ہو نہ کیا ثبوت خاص اوسے کے قوم و قبیلہ میں نہیں پایا جاتا بلکہ دوسری قوم و قبائل میں بھی اوسکی عظمت اور حرمت اوسے طرح مسلم اور مسلم بھی جاتی ہے۔

اسی تفصیل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم میں اوسوقت اپنی قومی حیثیت اور خاندانی شرف و مفاخرت کا کس حد اور کس درجہ تک کا پاس و محافظ تھا کہ مطلب اپنے گمشدہ عزیز خاندان کے حالات ثابت کی زبانی شکر۔ جو نہایت آرام و راحت سے اپنے ناناں میں پرورش پا کر جوانی کے قریب پہونچ گیا تھا یعقوب واربتاب ہو گئے۔ اور پھر ایک منٹ تک اوسکے پرورش پائے و قبیلہ غیر میں۔ گو وہ قرابت اور عزیزداری میں کتنا ہی قریب نہ ہو۔ گوارا کر کے بدینہ پہونچنے سکی اور تمام اکابر و عائد بنی سجاد۔ (ط کے کے چوڑ جانے کیلئے اصرار پر اصرار کرتے رہے۔ مگر مطلب نے ایک نہ مانا۔ اور کبھی طرح اپنی حیثیت خاندانی اور عظمت موروثی کے حقیقی افتخار اور اصلی اقتدار کو یہ کہہ کر کہ ہم اہلبیت میں اور اپنی قوم قبیلہ میں امیر ترین افراد۔ اوسکے اخلاق و اشفاق کا زیر بار نہ ہونے دیا۔

کیا شبلی صاحب ان واقعات کو جن کے لفظاً لفظاً اور حرف حرف سے مطلب اور خاندان ہاشم کے فضائل و خصائص ثابت ہوتے تھے۔ اپنے مدعا کے تالیفی سے زائد سمجھتے تھے؟ کیا ان واقعات سے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجد بزرگوار کے اعلیٰ محاسن اخلاق۔ طرز معاشرت۔ شریفانہ حیثیت اور ریسائے شان و شوکت کا اظہار نہیں ہوتا؟ کیا اپنے بھتیجے کی تلاش میں مطلب کی یہ تمام سرگزشت و واقعات تاریخی کی تعریف میں نہیں آتی ہا کیا یہ واقعات ایک تاریخ نویس اور سیرت نگار کیلئے قابل ذکر نہیں ہیں؟ واقعات تاریخی بھی ضرور ہیں۔ اسلئے کہ شبلی صاحب کے شیخ تحقیق۔ ابن سعد کے طبقات میں موجود ہیں۔ اور قابل ذکر بھی ضرور ہیں۔ اسلئے کہ اس سے کہ وہ بدینہ کے دو نمودار اور ذی اقتدار قبیلوں کے جن معاشرت۔ تہذیب اور تمدن کے حالات پورے طور سے معلوم ہوتے ہیں مگر ہاں مولوی شبلی کیلئے اس وجہ خاص سے قابل ذکر نہیں ہیں کہ ان سے آپ کے مجوزہ سیر و زانت اسلام کے فریق مخالف بنی ہاشم کی فضیلت۔ شرافت۔ قومی عزت اور خاندانی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ آپ کی طبع نازک کے ناگوار ہے۔ مولوی صاحب کے مقلدین ہی اس طریقہ اختصار کو پسند کرینگے۔ ورنہ ایک محقق اور مورخ تو ان حالات کی تفصیل کو اپنی تاریخ و سیر کے تالیفی مقاصد کے اجراء سے لازمی تسلیم کر لیا اور اسی اصول کی بنا پر قدیم و جدید مورخین و اہل سیرت نے اپنے تالیفات و تصنیفات میں ان واقعات و حالات کو مفصل طریقہ سے قلمبند کیا ہے۔

شیخ کی وجہ تسمیہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ مگر قوم قریش نے اسلئے تحمل و وقار اور شوکت و اقتدار کے اعتبار سے ان کو شہید پیر الحجاز کا خطاب دیا تھا۔ مگر تمام لوگ عبدالمطلب ہی کہتے تھے۔ اور بالآخر یہی نام سے مشہور ہو گئے۔ مطلب نے اپنی وفات کی وقت انہیں کو اپنا وصی و وارث قرار دیا طبقات میں ہے۔

فَوَلَّى عَبْدَ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ بَعْدَهُ الْمِرْصَادَةَ وَ
السَّقَايَةَ فَلَمْ يَزَلْ ذَلِكَ بَعْدَهُ لِيُطْعَمَ الْحَاجُّو
لِيَسْقِيَهُمْ فِي حَيَاضٍ مِنْ أَدَمٍ بِهَكَّةَ فَلَمَّا سَقَى
نَزَمَ نَزَمَ يَتَرَكُ السَّقَى فِي الْحَيَاضِ بِهَكَّةَ وَسَقَاهُمْ
مَنْ نَزَمَ حِينَ حَفَرَهَا وَسَوَّاهُ لِيُحِلَّ الْمَسَاءَ مَنْ
نَزَمَ إِلَى عَرَفَةَ فَيَسْقِيَهُمْ -

مطلب نے رفادہ اور سقایہ کے منصب اپنے عہد بعد مطلب
کو سپرد کر دیے۔ اور انہوں نے کبھی حجاج کا کھانا کھلوانا اور
چمڑے کے ٹرے بڑے بڑے حوض میں پانی بہہ رہا اور کھوپانی پلانا ترک
نہیں کیا۔ لیکن جب سے انہوں نے چاہ زمزم کو کھود کر پانی
پلانا شروع کیا تو اسی وقت سے ان چرمی حوضوں کے ذریعہ
سے پانی پلانے کا طریقہ موقوف ہو گیا۔

طبقات ۴۹

نبلی صاحب نے اس بزرگ کی نسبت بھی وہی کوتاہی اور اختصار پسندی کا قدیم طریقہ اختیار کیا ہے چنانچہ تلاش
و تیار ہی چاہ زمزم کے متعلق صرف اتنی ہی خامہ فرسائی گوارا فرمائی گئی ہے۔

عبد المطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ زمزم جو ایک مدت سے اٹک کر گم گیا تھا۔ انہوں نے اسکا پتہ لگایا
اور کھود کر نئے سرے سے درست کر دیا۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۱

یہ تو نبلی صاحب کی مختصر عبارت ہے۔ مگر آپ سے سیکڑوں برس پہلے کی عربی تاریخوں سے اس کے تفصیلی حالات
جو تحقیق ہوتے ہیں وہ ذیل میں مندرج کئے جاتے ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں بنی جبرہم کے اخراج کے ترکہ و تربیت نہایت
کے ذکر میں لکھا ہے۔

فخرج عمر بن الخطاب بن مضا بن الجحر ہجری ذی القعدة
الکعبہ وخرجوا کثرت فذبحوا فی زمزم واطلاق
عمر بن الخطاب بن مضا بن الجحر ہجری ذی القعدة
ہجری ذی القعدة کے چھٹے اور چھٹا سو و کعبہ کے اندر سے نکالی گئے۔ زمزم
میں آگودن کر دیا اور چلے گئے۔

حافظ جمال الدین۔ محدث شیرازی نے۔ کامل ابن اثیر کے اسناد سے۔ اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنی
کتاب روضۃ الاحباب میں لکھا ہے۔ ان کی اصلی عبارت یہ ہے۔

چوں حال بایں منوال رسید قوم جبرہم یقین گشت کہ ریاست
کہ از ایشان زائل میشود۔ دل ازاں برداشتند۔ و پیش ایشان
دراں وقت عمر بن حارث بود۔ حسد اور باغث شد بر انکہ
حجر الاسود را از رکن برکنند۔ و صورت دو آہو پڑہ از طحا کہ کہند
فارسی ہدیہ کعبہ فرستادہ بود و انرا اثر الی کعبہ خواندند و باسلاخ
چند کہ در خانہ کعبہ بود۔ ہم را برداشتند و در چاہ زمزم پشمال

جب اس طریقہ پر حال پہونچ گیا تو قوم جبرہم نے یقین کر لیا کہ گتہ
کی ریاست ہم سے چلی جاتی ہے۔ تو انہوں نے اسکی طرف سے
اپنا دل اوٹھالیا۔ اسوقت انکا سردار عمر بن حارث تھا۔ اسپر
حسد نے غلبہ کیا۔ اس نے کعبہ سے حجر الاسود کو اکھاڑ کر اور اوتھا
دونوں ہرنوں کے طوائی مجتہدوں کو۔ جو اسفند یا شہر پار فارس تھے
کعبہ میں نذر چڑھا دیے تھے۔ لیکر اور ان چند سلاخوں کو جو کعبہ

کرد و آزار پناہ شدت و باز میں ہوا نمود۔

میں تھیں سب کو اٹھا کر چاہ زمزم میں پوشیدہ کر دیا۔ اور زمزم کو
ہاٹ کر زمین کے برابر کر دیا۔ روضہ الاحباب جلد اول ص ۱۸۷

چاہ زمزم کے مفقود اور بے نام و نشان کی یہ وجہ ہوئی۔ زمزم سلسلہ
ابراہیمی اور خاندانہ اسماعیلی کی عظمت تقاضی کا قدرتی اور نہایت
قدیم یادگار تھا۔ اسلئے بنو اسمعیل اسکی یاد کو ہی بھول نہیں سکتے تھے

زمزم کی تلاش اور از سر نو حرمت
حضرت عبدالمطلب کی تہذیب و تربیت

انسان کو کرم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

باوجود کہ بنی جرہم و بنی قضاہ کے بعد امارت کہ پر بنو اسمعیل کے قبضہ میں آگئی، مگر تاہم حضرت عبدالمطلب کے
وقت تک کسی بزرگ ہاشمی کو چاہ زمزم کے سراغ لگانے اور حرمت کرانکی طرف نہ توجہ ہوئی اور نہ ہیئت۔ امتداد زمانہ
کے سبب سے بنو اسمعیل کے اکثر افراد زمزم کے نام اور اس کی حقیقت کو فراموش کر گئے۔ ساکنین عرب عموماً اور باشندگان
مکہ خصوصاً پانی کو ایک ایسی نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے جس کے مقابلہ میں وہ دنیا کی کسی دولت کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے
تھے۔ نہ کہیں انسانی آبادی کا اصلی باعث ہی زمزم کا چشمہ ثابت ہوتا ہے جس کو پہلے حضرت ہاجرہ اور اسمعیل علیہما السلام
اور ان کے بعد بنو اسمعیل نے گھیر کر ایک حوض بنو یا کنوئیں کی صورت میں بنالیا تھا۔ وہ اتنی مدت مدید سے مفقود او
لاوجود ہو گیا تھا۔ مکہ والوں کو کمی آب کی جیسی تکلیف ہو رہی تھی وہ بالکل اندازہ سے باہر ہے۔ خیریت تھی کہ شہر
میں کچھ کنوئیں کھود لئے گئے تھے۔ جن سے پیاسوں کی پیاس بجھ جایا کرتی تھی۔ مگر تاہم سالہا سال مکہ میں پانی کا قحط بنا
رہتا تھا۔ حج کے ایام میں یہ تکلیف اور بڑھ جاتی تھی۔ اور منصبدار ستایہ کی گویا جان پرین آتی تھی۔ سمجھ لینے کیلئے کافی ہے
کہ جس مقام پر وہاں کی ضرورت کیلئے پانی کافی نہ ہو۔ وہاں باہر کے آنیوالی تھاج کی بدشمار جاعت کے لئے کافی طور پر
پانی فراہم کرنا آسان بات نہیں تھی۔

قصی ابن کلاب کے ایام امارت سے لیکر مطلب ابن عبد مناف کے عہد حکومت تک تو جیسا اور بیان ہو چکا ہے
پڑے پڑے چرمی حوضوں میں شہر کے کنوئیں سے پانی بہر کر خانہ گدیہ کے صحن میں رکھ دیا جاتا تھا۔ اور وہی حجاج کو پایا
جاتا تھا۔ عرفات و منی میں جانیا لے دن ہی وہی حوض اٹھا کر وہاں لیجائے جاتے تھے اور وہی اون دونوں مقاموں
میں ہی حجاج کے کام آتے تھے۔

عبدالمطلب نے ہی اپنی امارت کے ابتدائی ایام میں چند بے خدمت ستایہ کی انجام دہی میں ہی قدیم طریقہ
اختیار کئے اور وہ ہی انھیں حوضوں کے ذریعے سے تمام حجاج کو پانی پلا یا سکے۔ بالآخر انھوں نے اسکو حد درجہ کی
تکلیف کا باعث سمجھا اور اصلی چاہ زمزم کے سراغ لگانے اور وہاں پر از سر نو ایک نیا کنواں بنانے کا ارادہ کیا۔
اور اپنے اس ارادہ و تجویز کو دینی اور قومی ضرورتوں کے اعتبار سے بہت بڑا کار خیر اور ثواب عیسا ب کا باعث سمجھا

اور حقیقت میں تھا ہی ایسا ہی۔

مکن تھا کہ حضرت عبدالمطلب صبح کعبہ یا اور کسی مقام متصل میں ایک معمولی کنواں کھدوا دیتے تھے۔ اور ستھاپک موجودہ ضرورت پوری ہو جاتی۔ مگر نہیں۔ ان کے دل میں اسی قدر قیاسیہ رحمت کی تھی جو خدا کی طرف سے ان کے خاندانی عظمت و تقدس کا معیار قرار دیا گیا تھا۔ ان کا خلوص انکی ہمت خدا سے شرط کر چکی تھی کہ یہ کنواں وہیں کھودا جائے گا جہاں اصلی زمزم واقع تھا۔ اور وہ صورت دہشت میں چاروں طرف ہاتھوں سے بنائی ہوئی مینڈ سے گھرا ہوا حوض تھا جسکو حضرات ہاجرہ و اسماعیل علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے بنایا تھا۔ اور چشمہ زمزم کے آب رحمت کو انہیں جمع کر رکھا تھا۔ اسی شرط کی وجہ سے حضرت عبدالمطلب کی تعمیل تعمیر میں تاخیر ہو گئی۔ ورنہ یہ عالی ہمت اپنی نیت کو کب کا پورا کر چکا ہوتا۔

ہمت مردان مدد خدا جناب عبدالمطلب نے زمزم کے اصلی مقام کے پتہ لگانے میں اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اٹکھا نہیں رکھا۔ مگر کسی سے کوئی پتہ یا نشان نہ ملا۔ بالآخر عبدالمطلب نے اسکے اصلی مقام کے پتہ لگانے میں اس بارہی حقیقی کمپٹ رجوع کی جس نے زلال رحمت بنا کر اسکو اسماعیل علیہ السلام پر پیدا کیا تھا۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

اكانت زمزم سقيا من الله اتي في المنام
مرات فامر بحفرها ووصف له موضعها
زمزم خاص خدا کی رحمت کی سقائ تھی۔ عالم رویا میں یہ بتاؤ
طور پر عبدالمطلب کو بتلایا اور اسکے کہوے جانیکا حکم ہوا۔
الغرض عبدالمطلب کے ارادہ کے ساتھ مشیت کا ارادہ ہی شامل حال ہو گیا۔ اور خدا کے بتلائے ہوئے
مقام پر کھودنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ حضرت عبدالمطلب کی سب سے زیادہ قدر کے قابل ہمت تو یہ تھی کہ اپنے
اپنے اس کام میں اپنی قوم و قبیلہ کے قسم کی مدد و حمایت نہیں مانگی اور خدا کی راہ میں اس کا عظیم کو۔ صرف
دو باب بیٹوں نے مکر از آغاز تا انجام تمام کیا تفصیل آگے آتی ہے۔

مرمت زمزم میں قریش کی مخالفت
بڑا ہو جسد نفسانیت اور برابری و مساوت کے غلط
انداز غرور و نخوت کا جس نے عبدالمطلب کی اسی اشار

نفس اور ناد و فلاح کے کام میں ہی تمام قریش کو اونکی مخالفت اور حضرت زمزم کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ اول تو
اونہوں نے یہ کہہ کر عبدالمطلب کو کنوئیں کو دھونے سے روکنا چاہا کہ ہم اپنے ہتھوں کے سامنے گڈھا کرنے نہیں دینگے
مگر حضرت عبدالمطلب اور اونکے بیٹے حارث قریش سے مقابلہ و مقابلہ پر فوراً تیار ہو گئے۔ مزاحمت کی جماعت مرتع
ہو گئی۔ اور عبدالمطلب کے تیور بڑے دیکھ کر موقع سے ہٹ گئی۔ ابن سعد قریش کی اس اول مخالفت کا کوئی ذکر
نہیں کرتے۔ مگر ابن ہشام اپنی سیرت میں ذیل کی تفصیلی عبارت لکھتے ہیں۔

فَعِنْدَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَمَعَهُ ابْنَةُ الْحَارِثِ وَلَيْسَ
لَهُ يَوْمَئِذٍ وَلَدٌ غَيْرُهُ فَوَجِدَ قُرَيْشَ الْاَنْحِلَ وَوَجِدَ
الْعَرَابَ يَنْقَرُونَ عِنْدَ هَآبِ بْنِ الْوَشَنِيِّ اِسَافٌ وَ
نَاثِرٌ الَّذِيْنَ كَانَتْ قُرَيْشٌ تَحْرُسُهُمْ عِنْدَ هَآذِيَا تَحْجَاهَا
فِيْجَاءُ عِبَا الْمُعُولِ وَقَامَ لِيَحْضُرَ حَيْثُ اِمْرُفَقَامَتِ اِلَيْهِ
قُرَيْشٌ مَّحِيْنٌ اَوْ اَمَجَدُهُ فَقَالُوْا اَوَاللّٰهِ لَا يَدْرِيْكَ
لِيَحْضُرَ مِنْ قُرَيْشٍ هَآذِيْنَ الَّذِيْنَ تَحْرُسُهُمْ هَآفَقَالَ
عَبْدُ الْمُطَّلِبِ لَا بَشَرٌ اِلَّا مَحْرُثٌ وَهَآذِيْ مَحْضِيْ اَمَحْضَرُ
قَوْلَ اللّٰهِ لَا مَضْمِيْنَ لِمَا اَمَرْتُ بِهِ فَلَمَّا اَعْرَفُوْا اَنَّهُ
غَيْرُ نَاسِرٍ مَّحْضَرٌ اَبْدِيْنَهُ وَبَدِيْنِ اَمَحْضَرُ

ابن ہشام ص ۵ مطبوعہ مصر

صبح سویرے عبد المطلب اپنے بیٹے حارث کو اور اس وقت تک
انکا ہی ایک بیٹا تھا۔ ساتھ لیکر کنواں کھودنے کی غرض خاص سے
گئے۔ اور قرینۃ النمل وغرائب کے علامات دینیات قدرت کے
مطابق جو عالم رویا میں خدا کی طرف سے انکو بتائے گئے تھے اور
جو امین اون دونوں بتوں کے واقعہ تھا جگانام اسانہ و نائلہ تھا اور
جنگے اگر قریش اپنے جانوران قربانی کو سحر کیا کرتے تھے جب یہاں
عبد المطلب کنواں کھودنے کیلئے تیار ہو کر اور کدال وغیرہ لیکر گئے
تو ایک تیرہ قریش انکی مخالفت پر آمادہ استادہ ہو گئے اور کہا ہم
شکو اپنے ان دونوں بتوں کے درمیان کنواں نہیں کھودنے دیجئے
عبد المطلب اپنے بیٹے حارث سے کہا کہ ان لوگوں کو ہمارے پاس
ہٹا دو کہ ہم بغیر کنواں کھودے نہیں رہیں گے اور کہی اُس کام کو

بچھڑ گئے جبکہ انجام کرنا حکم مجھ کو مل چکا ہے۔ انکی یہ تقریر سکر قریش کو یقین ہو گیا کہ یہ اپنے ارادے سے ہرگز باز نہیں آؤ گئے۔ اسلئے وہ انکو
اور انکی کڈھا کر نیچے مقام کو چھوڑ کر ہٹ آئے۔

یہ واقعہ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ قریش نہیں جانتے تھے کہ بنی ہاشم اپنی کوئی نمودنایم کریں۔ وہ انکے کسی کام کو
عام اس سے کہ وہ اون کے اور تمام عوام الناس کیلئے کیسا اور کتنا ہی مفید ہو۔ صرف اس نفسانیت کے خاص
خیال سے کہ وہ بنی ہاشم کر رہے ہیں۔ اپنی ٹھنڈی آنکھوں سے کہی نہیں دیکھ سکتے تھے جسب و نسب کی بکھیتی کے غلط
قیاس پر انکے سرور پر بنی ہاشم کی برامری اور ہسری کے جن سوار تھے۔ جو عفریت خانہ بنی امیہ سے نکل پڑے تھے۔
حالانکہ وہ اپنے ان توہمات کی غلطی کو دیکھتے جاتے تھے۔ اور مقاید کے وقت پر انخفت۔ ندامت اور ذلت پر ذلت
اوٹھاتے جاتے تھے مگر طبیعت کی ناہمواری سے باز نہیں آتے تھے۔

۱۰ غراب اور قرینۃ النمل۔ صفحہ گذشتہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبد المطلب کو عالم رویا میں اصل زمزم کا نشان اور خاص مقام
جہاں بتلا گیا تھا اس جگہ دو ظاہری علامات یہی بتلائے گئے تھے۔ ایک تو چوٹیوں یا دیمک کا پہاڑ (قرینۃ النمل) دوسرے کوئے کا آشیانہ سے
اوڑنا۔ طبقات۔ سیرت ابن ہشام۔ ابن اثیر اور روضۃ الاسباب کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبد المطلب نے رویا سے عبادت کی ہدایت
کے مطابق اس مقام خاص پر دیمک کا ٹیلہ پانا۔ جو امتدادیام کی وجہ سے وہاں پیدا ہو گیا تھا۔ جب یہ کہتا تو اس میں سے کوئے بھی۔ جو اس کے اندر آشیانہ
رکھتے تھے۔ نکال کر اوڑھے۔ اس بنا پر خدا کے بتلائے ہوئے علامات کی تفسیر ہو گئی۔ وہ علی کل شیء قدیر۔

بہر حال چاہہ زمزم کے کھود جانے کے متعلق قریش کی عبدالمطلب کے ساتھ یہ پہلی مخالفت تھی۔ آگے چلکر اسکی صورت اور ہستی تک معلوم ہوتی ہے۔ اور اسکے آخر میں جو ذلت قریش کے پیراموں حال ہوئی وہ سخت سے سخت عبرت ناک ثابت ہوتی ہے۔ ابن سعد اور ابن ہشام کی متفقہ عبارتوں سے اسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

فخضر ثلثۃ ایام ثم بدالہ الطوی نکبر وقال
هذا اذ لم یسئل فعرفت قریش انہ قد درک
الماء فاثرة فقالوا ۱۱ شکرکنا فیہ فقال ما انا
بفاعل هذا امر خصصت بہ دوکم فاجعلوا
بنینا وبنینکم من شعثکم ۱۲ حاکمکم الیہ قالوا
کاھنۃ بنی سعد ہذا لیم وکانت یسعدان من
اشراف الشام فخرجوا الیہا

طبقات ص ۲۹

تین دن تک یاب بیٹے (عبدالمطلب اور حارث) نے لکڑی وہ
کوٹاں کو دیا تیسرے روز جا کر اصل چاہہ زمزم کا نشان ملا۔ دونوں
صاحبوں نے تکبیر کے نعرے بلند کئے اور کہا کہ یہی ہمارا عیسیٰ کا
اصلی کنواں ہے۔ قریش نے جب دیکھا کہ بنی ہاشم یا عبدالمطلب
پانی کو پا گئے۔ تو اونکے پاس آئے۔ اور کہا کہ ہم کو بھی اس کام میں
شریک کرلو۔ عبدالمطلب بولے ہر تو ایسا نہیں کرینگے کیونکہ تم
لوگوں کو چھوڑ کر یہ امر میرے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے مگر ہاں اگر
اتم جائے تو ہمارے تمہارے باہمی تصفیہ کیلئے تم لوگ کسی کو حکم مقرر

کرلو۔ قریش نے کہا کہ ہذیم نامی کاہنہ کو جو قبیلہ بنی سعد سے ہو۔ اور شام کے بالائی حصہ مقام معان میں رہتی ہے اس امر کے تصفیہ کیلئے
حکم مقرر کرتے ہیں پس سب لکڑی اسکی طرت چلے۔

ابن ہشام اسکو اور توضیح سے لکھتے ہیں۔ ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو۔

فلما یخضر عبدالمطلب (۱) الی سیرامتی بدالہ الطوی
فکبر وعرن انہ قد صدق فلما اتتہا دی بہ الخضر
وسجد فیہا غزالین من ذهب وھما لغز الاکان
الذان دفنت جرم فیہا حدین خرجت من مکة
ووجد فیہا اسیاف قلعیہ وادرا عانقال لہ
قریش یا عبدالمطلب لنا معک فی هذا الشراک
وھق قال لا وکن ھلم الی امر نصف بنی وبنینکم
سیرۃ شام جلد اول ص ۵۰ مطبوعہ مصر۔

ہم نصفاً نصف کر دینگے۔

عبدالمطلب نے توڑا اکھودا تھا کہ قدیم آثار چاہہ لکھل آئے۔ تو
عبدالمطلب نے خوشی میں تکبیر کہی اور یقین ہو گیا کہ خواہیں جو کچھ
انگو بتلایا گیا ہے وہ صحیح ہے جب کچھ اور اکھودا تو دونوں سو نیکے
ہر ن لکھلے ہو گئے جو ہم نے مکہ سے جاتے وقت چاہہ زمزم میں دفن
کر دیا تھا پھر اس میں عبدالمطلب کو قلعی کی ہوئیں چند تلواریں اور زین
بھی دستیاب ہوئیں۔ تب تو قریش ہر آئے اور اگر عبدالمطلب سے
کھنے لگے کہ ان اشیاء پر آدہ شدہ میں ہمارا بھی حق و حصہ ہے
عبدالمطلب نے کہا نہیں۔ مگر ہاں اگر تم باخود ہا تصفیہ چاہو تو

اب قریش کی اصل مخالفت اور علت مخالفت معلوم ہو گئی۔ یہی مال و اسباب کی برآمدگی موجودہ فحاشیت کی
وجہ تھی۔ اور انھیں کے برآمد ہونے کی خبر سے انگو عبدالمطلب کے ساتھ فساد و ٹکرا پر پراگندہ کر دیا۔ وگرنہ صرف

کھد جاتا اور کوئی چیز نہ برآمد ہوتی تو پھر قریش کچھ نہ بولتے۔ ان چیزوں نے قریش کی حسد و نفسانیت اور حرص طمع میں بار دیگر پرچوشی اور نئی آمادگی پیدا کر دی اور وہ ان کے ساتھ مخالفت اور فتنہ انگیزی پر آمادہ اور مستعد ہو گئے۔ ابن سعد بقیہ حالات یوں لکھتے ہیں۔

خرج مع عبدالمطلب عشرون رجلاً من بني عبدمنہ
وخرجت قریش بعشرين رجلاً من قباثلها فلما
سكنوا بالفقير من طريق الشام اوحذوه فني ماء
القوم جميعاً فعضشوا فقالوا لعبدالمطلب تري
فقال هو الموت فليحمل رجل منهم حفرة لنفسه
فكلمنا مات رجل دفنه اصحابه حتى يكون اخراهم
رجلاً واحداً فيموتون ضيعته اليسر من ان تموتوا
جميعاً فحفروا ثم قعدوا ينتظرون الموت فقال
عبدالمطلب والله ان القاسنا بايدينا هلكنا العجز
اذا نضرب في الارض فغسي الله ان يزرقنا ماء
ببعض هذا ليل وفما رتلوا و قام عبدالمطلب
الى راحلته فركبها فلما انبتت به انفرج
ثمت خفها عين ماء عذب فلبس عبدالمطلب
وكبر اصحابه وشربوا جميعاً ثم دعا القباثل
من قریش فقالوا اهبلوا الى المساء المراء فقد
سقمنا الله فشرابوا واستقوا وقالوا قد قضى
لك علينا الذي سقاك هذا المساء هذه
الفلاة هو الذي سقاك نرمزم فوالله لا
انما صمك فيها ابدان رجلاً رجلاً رجلاً
ولم يصلوا الى الكاهنة ومفلوا بينه وبين
نرمزم۔

طبقات ج ۱ ص ۵۰

عبدالمطلب کے ساتھ بیس آدمی عبدمناف کی اولاد میں سے اور
قریش کے ساتھ تمام قبائل میں سے ایک ایک آدمی مکہ کے نکلے
جب علاقہ شام کے مقام فقیر یا حذوہ میں پہنچے تو تمام لوگوں
کا پانی تمام ہو گیا۔ اور سب پید سے ہو گئے۔ تو سب عبدالمطلب
کہا کہ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ کہا کہ موت۔ تم میں سے ہر آدمی
اپنے لئے ایک گھڑا کھود رکھے۔ جو آدمی مرے اور سکا ہوا ہی
اوسکو دفن کر دے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی تنہا باقی رہ جائیگا
اور وہ البتہ جو باقی رہا رہی اور محض کسی و بی بیاری کی سخت
موت مر گیا۔ مگر اس سختی کے ساتھ ایک آدمی کا رہ جانا اتنے
آمیوں کی سختی سے مرنے سے آسان تر ہو گا۔ اس لوگوں نے
گھڑے کھودے اور اپنی اپنی موت کے منتظر ہو کر بیٹھ رہے جب
حضرت عبدالمطلب نے اونکی یہ حالت دیکھی تو کہا کہ یہ ہمارے
ہاتھوں کی بلائی ہوئی مصیبت کہی جائیگی اور یہ ہمارے ضعف و
کمزوری کا نتیجہ سمجھا جائیگا اور سبطِ نقیہ سے ہماری جہالت اور ذلت
کی دنیا میں ایک مثال قائم ہو جائیگی۔ اگر خدا کو منظور ہے تو اس
مقام سے کسی دوسرے مقام پر پہنچو پانی عنایت فرمایا گیا۔ یہ
شکر و دلگدازوں سے چلنے پر تیار ہو گئے اور حضرت عبدالمطلب
ہی سوار ہونے کیلئے اپنی سواری کے قریب آکر بٹھ ہوئے۔ اور
جوں ہی وہاں سے چلے ویسے ہی آپ کے پیروں کے نیچے آب
شیریں کا ایک چشمہ ریگ میں نظر آئی دیا۔ اوسکے دیکھتے ہی
حضرت عبدالمطلب اور اونکے ہمراہیوں نے جوشِ سرسبز میں
تکبیریں کہیں اور سب سیر ہو ہو کر اوس پانی کو پیا اور پلایا پھر

ان لوگوں نے قریش کے قبائل کو بھی آواز دی اور کہا کہ اس آبِ رداں کی طرف دوڑاؤ۔ جو خداوندِ عالم نے ہمیں عنایت فرمایا ہے اور پلایا ہے۔ پس وہ تمام لوگ بھی آئے۔ اوس پانی کو پیا اور پلایا اور کھینے لگے کہ اب ہماری موجودہ نزاع کا فیصلہ ہو گیا جس شخص نے پہلو اس چشمہ سرزمین سے پانی پلایا ہے بیشک وہی ہمارا چاہہاں ہے۔ پانی پلائے گا۔ خدا کی قسم اب اس امر میں ہم اوسکے ساتھ کہی مخالفت نہ کریں گے۔ وہ لوگ حضرت عبد المطلب کے ساتھ ہو کر اوس وقت لوٹ آئے اور اوس کا ہنہ شامیہ کے پاس نہیں گئے اور پھر نغمہ اور حضرت عبد المطلب کے معاملات سے بالکل دست بردار ہو گئے۔

سیرت ابن ہشام کی عبارت ہی قریب قریب یہی ہے۔ مگر انہیں جو امر خاص قابل ذکر ہے وہ قریش اور بنی ہاشم کے اخلاقی اوصاف کے اختلاف ہیں۔ ذیل کی عبارت سے اُن کا پورا انکشاف ہوتا ہے۔

فریقین نکلا اور حب جہاز و شام کے مابین پہونچے تو یہاں اگر حضرت عبد المطلب اور ان کے ہمراہیوں کا پانی ختم ہو گیا اور وہ لوگ پیا سے رو گئے۔ اور حبِ پیاس سے ہلاکت کے قریب پہونچ گئے تو انہوں نے قریش کے قبائل سے پانی پلانے کی درخواست کی اور ان لوگوں نے قطعی انکار کر دیا اور کہا کہ ہم اپنی جانوں کے لئے ایسی مصیبت کا خوف داندیشہ کرتے ہیں۔ جو تمہاری جانوں پر پڑی ہے اور جسکو ہم خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہ جواب صاف پا کر حضرت عبد المطلب نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم دیکھتے ہو جو تمہاری قوم تمہارے ساتھ کر رہی ہے اور اوسکو تمہارے صحاب اور ہماری جان کا کوئی خوف و لحاظ نہیں

فریقین احقوا اذ کانوا ببعض تلك المفانرة
بين الشام واليمن فزنى ماء عبد المطلب واصحابه
فظموا محقوا ليقنوا بالملكه فاستسقوا من
معهم من قبائل قریش فابوا عليهم فقالوا انا
بهمانرة ونحن ونحش على انفسنا مشي مسا
اصابكم فلما راى عبد المطلب ما صنع القوم
وما يتخوف على نفسه واصحابه قال ماذا ترد
قالوا يا مرائنا اكلنا قنم مراكب فامرنا بما شئت
ابن ہشام ج ۱ ص ۶۹ مطبوعہ مصر

ہے۔ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ اصحاب عبد المطلب نے جواب دیا ہماری کوئی رائے سوائے اسکے نہیں ہے کہ ہم آپ کی رائے کی متابعت کریں۔ جو آپ تجویز کریں وہ حکم ہو کر دیں۔

اس واقعہ سے پہلے جس چیز کا انکشاف ہوتا ہے۔ وہ تعمير و تخصیص کا مسئلہ ہے۔ معمول کے ظاہری اصول پر ہر شخص تخصیص کو اکثر حسن ارادت کا نتیجہ اور خلوص و عقیدت کا مقتضا سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر اکثر لوگ بنی ہاشم کی بنی انتیہ یا سائر قریش پر تفضیل و ترجیح کو قابل ذکر نہیں سمجھتے اور اسکو عموماً مولفین کی خوش عقیدگی سمجھ کر اکثر قلم انداز کر دیتے ہیں۔ ثبلی صاحب ہی اسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ ابن سعد، ابن ہشام، ابن اثیر وغیرہم کی اسی اسی صد ہ کتابیں اور عربی ماخذ یا یوں کہیے کہ تصنیف و تالیف کے کتب خانے کے کتب خانے سیرۃ النبی کی تدوین کے وقت آپ کے پیش نظر تھے۔ جنہیں یہ واقعات تحریر تھے مگر آپ نے اپنے اصولِ طبیبی کے مطابق مذکورہ بالا ماخذوں

کی نیکلی۔ واقعات سے صریح چشم پوشی اختیار فرمائی۔ اور ہوشم کے ایسی مبالغہ آویز تعلیم اخلاقی۔ فیاضانہ اور قومی ہمدردی کے واقعات کو بالکل ہٹا دیا اور قطعا لاو جو دہنایا۔ حالانکہ یہی دو واقعات آپ کی ہدایت و تفسیر کے لئے کافی تھے۔ جن سے آپ بخوبی سمجھ لے سکتے تھے کہ بنو امیہ اور تمام قوم قریش کو باوجود ہم اسلی اور ہم وطنی کے بنی ہاشم کے ساتھ اخلاق۔ تہذیب۔ عام ہمدردی۔ فیاضی اور اشتقاق کے تمام محاسن اوصاف میں کوئی مشابہت اور مماثلت نہیں ہے۔ اور انہیں واقعات سے آپ نتیجہ نکال لے سکتے تھے کہ ان اوصاف و محامد کے لئے ہمدردی اور ہم وطنی کی ضرورت نہیں۔ انکی افولین قدرت کی تجویز اور مشیت کی تدبیر پر موقوف ہوتی۔ پتہ و ریز انسانی عالم میں ممکن نہیں ہے کہ ایک قوم۔ ایک ملک اور ایک شہر کے لوگ اپنی جمہوریت میں اتنے لوگوں کو گوداؤں کے اوسوقت مخالفت خیال ہی کیوں نہوں۔ پیاس سے مرنا ہوا آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے پاس کافی مقدار میں پانی رکھ کر ہی اون پیاس سے مرے ہوئے انسانوں کو پانی دینے سے انکار صاف کر دیں۔ اور ایک بوئندہ دیں جیسا کہ ابن ہشام کی مرقومہ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب اور اون کے ہمراہیوں نے پیاس سے بھر کر پھر کر کے اور آگست کی قریش پہونچ کر اپنے ہمدردی اور ہوشم اور ہوشم قریشی بھائیوں اور عزیزوں سے پانی مانگا اور اون لوگوں نے نہ پانی پر نہ کیا۔

اسی واقعہ کا دوسرا رخ یہ تھا کہ وہ لوگ طبعاً اور اپنی ہشام دونوں کی ترقی عبارت سے یہ اثر ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے جب سب لشکر کا بن عبدالمطلب کو آپ شیریں کا چشمہ مل گیا تو ان شیریں نے اپنا سونا پینا اور اس زلالی رحمت سے خود سیراب ہونا۔ اپنے فطرتی اخلاق سے خلافت کربا۔ درمندان قوم نے منکرین اور خشک گیر حیا حضرت قریش کو بلایا اور اس چشمہ رحمت کا سب کو پانی پلایا۔

یہی وہ واقعات جا نہیں کی فطرت اور تقاضا سے طبعیت کو بخوبی بتلا تے ہیں۔ دونوں ہم اصل ہی ہیں اور ہم وطن ہی۔ مگر ایک کی طبیعت میں تسادد و عداوت تھی۔ ایسے ایسے امور سر بھرے پڑے ہیں کہ ان کی ظاہری تصویر انسانی بالکل ترکیب حیوانی معلوم ہوتی ہے۔ بخلاف ایسے امور کے مزاج و فطرت ہمدردی۔ ہشام مروت اور اخلاق کے لئے انتہا اور بیش بہا ہر حال سے پورا اور ملوچ ہے کہ باوجود ایسی شدید مخالفت و مخالفت کے ہی وہ اپنے ایسے مخالفت اور دشمنی کو ہی اس فطرت میں شریک کر کے اور جسے دیکھ کر ذرا بھی مائل نہ کر سکے۔ جو خدا کے بھانہ تعالیٰ کی طرف سے انکو خاص طور پر مقرر فرمائی گئی تھی۔

یہی وہ واقعات ہیں جو آپ اور عام قریش کی طبائع حیوانی اور بنی ہاشم کے عالی لاکھ خصائص روحانی۔ اور تعمید و تہذیب کی حقیقت کا پورا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اختلاف اور امتداد۔ امتداد بعد انسان۔ اور طبائع اور طبائع فریقین کے سلسلہ میں برائے قائم اور برقرار رہتا ہے۔ جو شرح کر کے دیکھ کر تمام قریش کے اپنے نظام کے ایک تشریب علیکم السلام کے

[illegible]

واقعہ چاہہ زفرم ہو بقول شبلی صاحب، حضرت عبدالملک طلبہ کی حیات کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اور اس کی بنیاد
پیشی ہاشم کے موبد میں اسٹیم ہونیکا اصلی بھیار عربی کے دو معتبر اور مستند تاریکوں سے اور لکھو دیا گیا۔ اور ان میں حضرت
عبدالملک طلبہ کے استقصال اور پاداری کی مثال بالکل بنیاد اور ناجواب ثابت ہوئی۔ چاہہ زفرم کا کام اس کی
نیماض سے محض بلکی اور قومی رفاه و فلاح کے خیال سے کیا وہ کعبہ اور حجاج کعبہ کی آرام دہانی کے لئے کھانسی اپنا فرس
سجڑ کر آغا کر کیا تھا جس میں انکی ذاتی منفعت اور فائدہ کا کوئی تعلق اور لوٹ نہیں تھا۔ مگر قریش صرف اپنی عداوت
اور نفسانیت کے لئے تھا۔ اس کے اس کے اس کا خیر اور رفاه عام کی غلی ایشار کو ہی ٹھنڈی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے آغا
ہی ہے اس کے اور اپنی قوم و قبائل کی کثرت پر ان سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ لیکن حضرت عبدالملک
ان کی قوم و کثرت سے مرعوب ہو کر اپنے اس ارادے سے باز آجائے۔ مگر نہیں یہ خدا کا کام تھا۔ اور خدا کی طرف
سے دیا گیا تھا کہ مہر و عطا ہو۔ اس لئے اس کے ارادے میں ایک روحانی قوت تھی۔ جو انسانی قوت سے مغلوب اور مرعوب

نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے اس باعث سے قریش کی مخالفت کی کوئی پوزیشن کی اور اپنے اردو سے میں اسی طرح مستقل رہے۔ تاریخیں بتلا رہی ہیں کہ عبدالمطلب نے قریش کی متفقہ عداوت و مخالفت کا عین اس وقت میں مقابلہ کیا ہے جب انکے ساتھ سوا سے حارث کے اوس موقع پر دوسرا حامی اور مددگار نہیں تھا۔ آخر قریش ہی انکے غم بالغرم کی قوت اور اپنی جہالت کے قائل ہو گئے۔ اور اپنے مفسدوں سے باز آئے۔ یہ پہلی مخالفت تھی۔

دوسری مخالفت پہلی سے کہیں زیادہ شدید تھی۔ یہ اصول فطرت سے مطابق تھی۔ کیونکہ اس میں مال و متاع اور قیمتی اشیاء کی دستیابی کی امید و طمع شامل تھی۔ حالانکہ عبدالمطلب نے انکے مطالبہ کی وقت ہی ان اموال کیساتھ اپنے قبضہ و تصرف کی خصوصیت اور قریش کی غیر سرکاری صاف صاف لفظوں میں بیان کر دی تھی۔ مگر چونکہ اس امر میں اس کی بارطبع و آرزو کا زیادہ دست دراز تھا اس لئے قریش کسی طرح نہ رگ سکے۔ بالآخر محکمہ کی نوبت آئی۔ اور اسکے تصفیہ میں نظام قدرت نے قریش کی دوسری طبعی کا منظر اور بنی ہاشم کی خوش اخلاقی اور فیاضی کا محضر ان کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیا تو پھر حروان قریش کو توبہ و انابت اور مخالفت و ندامت کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا۔ یہ تاریخی واقعات انھیں حالات و مشاہدات کے آئینے میں چھین حقیقت کے پورے انکشاف ہوتے ہیں۔ تمام تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چاہے زمزم کی تکمیل تعمیر تک قریش نے بالکل خوشی اختیار کی۔ مگر تکمیل زمزم کے بعد مخالفت قریش کی ایک اور مذہبی حرکت تاریخوں سے پائی جاتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

عبدالمطلب کی مخالفت میں قریش کی ایک آخری حرکت مذہبی

جب زمزم کی تعمیر تمام ہو گئی تو حضرت عبدالمطلب نے چاہے زمزم کو تمام اقوام مکہ کے لئے وقف کر دیا۔ ایک تو ایسے متبرک اور مقدس کنوئیں کی قدامت اور پرہیزگار مہترم کے اندر واقع

ہونے کی خصوصیت اور برکت نے تمام لوگوں کو اسکے استعمال کی طرف خاص توجہ اور رغبت دلانی۔ مکہ میں اس وقت بارہ کنوئیں اور بھی قبل سے بنے ہوئے تھے اس طرح کہ ہر قبیلہ کے لئے ایک کنواں علیحدہ تھا۔ انکی تفصیل پوری تصریح کے ساتھ سیرت ابن ہشام میں مندرج ہے۔ ص ۵۰۔

زمزم کی تعمیر کے بعد جیسا کہ مواہب لدنیہ کے اسناد سے صاحب روضۃ الاحباب کا مختار ہے کہ یہ تمام کنوئیں بیکار ہو گئے۔ اولاً صرف محض اتفاقی ضرورتوں کے وقت تک محدود ہو گیا۔ زمزم کے مروجہ عام نے جس کی بنا تعمیر کو حضرت عبدالمطلب کی خاص فیاضی اور عالی ہمتی سے تعلق تھا۔ آپ کی عظمت اور قدر و منزلت اہل عرب کی نگاہوں میں پہلے سے ہی زیادہ کر دی۔ حضرت عبدالمطلب نے جس خلوص و عقیدت سے اس کار خیر کی ابتدا کی تھی اسی نیک نیتی اور پاک نفسی کے ساتھ اسکو انجام تک پہنچا ہی دیا۔ تجرید و دریم زمزم کو حضرت عبدالمطلب نے خدا کی طرف سے سمجھ کر اپنا فرض عینی یقین کر لیا تھا۔ اسی لئے اسکی انجام دہی میں جیسا کہ

ہم اور دیکھا آگئے ہیں۔ بڑے حرم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ چاہہ زمرم سے جو اشیاء برآمد ہونے لگیں۔ اور جو قریش کے تمام مفسدوں کے اصلی باعث تھے۔ انکو آپ نے جیسا قریش کا گناہ تھا اپنی ضرورتوں کے لئے کبھی ہاتھ نہ لگایا۔ ویسا کا ویسا ہی محفوظ رکھا۔

جب چاہہ زمرم تیار ہو گیا تو قریش نے اس میں حصہ پانچا پھر مطالبہ کرنا شروع کیا۔ عبد المطلب نے پھر دینے سے انکار کیا۔ بالآخر قرعہ اندازی کی گئی۔ سوئے کے ہر تلو اور قلعہ دار تلواریں پر تو کعبہ کا نام لگلا۔ اور وہ اسی وقت سے کعبہ کی نذر کر دی گئیں۔ باقی رہیں زمرم۔ اور پھر عبد المطلب کا نام لگلا۔ وہ انکو لگائیں۔ قریش کا نام کسی پر نہ لگلا۔ یہ بالکل مجروح رہ گئے۔ طبع راہہ حضرت وہ ہر سہ تھی۔

سیرت ابن ہشام ص ۵۰ ج ۱ مصر

ان اشیاء کعبہ کے متعلق دو قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ حضرت عبد المطلب نے سوئے کے ہر تلو کو توڑ کر اسی سے درہائے کعبہ کے کوئی درگنجین فضل اور کنجیاں بنوائیں۔ اور تلواروں کو باب کعبہ پر عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے آویزاں کر دیا۔

طبقات ابن سعد ص ۵۰ ج ۱ جرین

دوسری روایت یہ ہے کہ انہیں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ بلکہ ان اشیاء کو اس طرح در کعبہ پر آویزاں کر دیا۔ ایک مدت تک یہ دونوں چیزیں آویزاں رہیں پھر قریش انکو ہٹا لیا۔

طبقات ابن سعد صفحہ اربعاً

ابن سعد نے مختصر الفاظ میں اسکی کیفیت یوں لکھی ہے۔

فلما حضر عبد المطلب زمرم استخرج من القلعة
و من قلعہ جیسہ فخر بعلیہا المقدس فخر بہا
الکعبۃ فجعل صفائح الذہب علی باب الکعبۃ
فقد انشأ ثلثۃ نفر من قریش فخر بہا
جب عبد المطلب نے زمرم کو دوا تو انہیں سے سوئے کے دو ہر تلو
قلعہ کی تین تلواریں۔ اور زمرم برآمد ہوئیں۔ ان پر قرعہ اندازی
کرائی گئی۔ یہ اشیاء خانہ کعبہ کے نام پر لگائے۔ وہ سوئے کے اشیاء
باب کعبہ پر آویزاں کر کے لگائے۔ وہ آویزاں تھے۔ یہاں تک کہ قریش
کے تین آدمی اسے چور لگائے۔

نور الثیرازی نے روضۃ الاحباب میں اس واقعہ کو پوری تفصیل سے لکھا ہے اصل عبارت حسب ذیل ہے۔

قریش نزد عبد المطلب آمدند و گفتند ترا نصیب از این
مال بسیار دادہ آغاز محبت کردند عبد المطلب گفت
اگر چه شمار دارم بختی نیست زیرا کہ مرا درین امر عادت
نکردہ و بیکہ مانع شدید کنین من انصاف دہم و با شما
قرعہ برآرم۔ ایشان را منی شدند عبد المطلب مال
را دو قسم کردند۔ آہو بر ہارا قسمتی ساختہ و اسلحہ جات

قریش عبد المطلب کے پاس آئے اور کہا کہ تمکو اس مال میں ہم
لوگوں کو بھی حصہ دینا چاہیے۔ اور غاصبت شروع کر دی عبد المطلب
نے کہا کہ اگرچہ اس مال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس
کام میں تم لوگوں نے مجھے کوئی مدد نہیں پہنچائی ہے۔ بلکہ مجھ کو
تو تم نے اس سے باز رکھنا چاہتا۔ مگر تاہم میں تمہارے ساتھ انصاف
سے کام لوں گا۔ اور اس کام کو قرعہ سے انجام دوں گا۔ وہ راضی

را قسمتیہ۔ وقرعہ را بنام کتبہ تعین ساخت۔ دیگر سے بنام قریش
 و دیگر سے بنام خود چون قرعہ زد آہو بر بنام کعبہ برآمد و
 اسلم بنام عبدالطلب و قریش را چہیز سے زرسید عبدالطلب
 اس اسلمہ را کہ بنام و سے برآمدند و در مصالح خانہ کعبہ چہیز
 کرد و فرمود تا در امینین ہر اسے خانہ کعبہ ساختند و از اس
 در امینین بر آئے خانہ کعبہ بساختند و اس دو آہو برہ زرتیا
 کہ کعبہ بساخت خانہ کعبہ بود و یاد تا کو کعبہ اسے از اس بساختند
 و بر اس در امینین نشان زدند و در روایتی آست کہ
 ایشان را بہاں صورت بر در کعبہ آویختند و ہمچہاں
 آویختہ بود تا شب جماعت از قریش بخوردن خمر مشغول
 بودند و ابولہب در میان ایشان بود و کنیزکان مغنیہ
 ہم بودند۔ چون اسباب طرب ایشان ختم شد۔ متوجہ
 خانہ کعبہ شدند و آں دو آہو برہ ملکہ را کہ آنجا آویختہ
 بودند۔ بدزدند و ہم در ہاں شب باہل قافلہ فروختند
 کہ خمر بکہ آوردہ بودند و ہر چہ در آں قافلہ بود بیکبار در
 ہر اسے آں بستند و یک ماہ بطرب و لہو مشغول بودند
 و در آں یکماہ بیکس را معلوم نہو کہ انکار از کہ صادر شد
 تا شب جماعت ابن عبدالطلب را اتفاق مرور پر در
 سرا سے کہ آنجا جماعت در آنجا بودند واقع شد۔ کنیزکان مغنیہ
 سرود می گفتند و در آں اسے سرود گفتن بیانے کہ مثل
 بود بر سر قہ آں دو آہو برہ از در خانہ کعبہ و فروختن باہل
 قافلہ میخواندند۔ عباس بن عبدالمطلب را از اس مطلع شد
 آنجا جماعت را گرفتند و تا دیب بلع کر دند و بعضیہ را قطعید
 کردند۔

روضۃ الاحباب جلد اول ص ۶۴ طبع لکھنؤ۔

ہو گئے عبدالطلب نے ہاں کے دو حصہ کئے۔ ایک حصہ میں
 سونے کے ہرنوں کو رکھا۔ اور دوسرے میں زربہوں کو۔ ایک
 قرعہ کعبہ کے نام۔ ایک قریش کے نام اور ایک اپنے نام ڈالا
 جانا تجویز کیا۔ اسی کے مطابق قرعہ ڈالا گیا۔ جب قرعہ ڈالا گیا۔ تو
 سونے کے ہرنوں پر کعبہ کا نام نکلا۔ اور زربہوں پر عبدالطلب
 کا نام نکلا۔ اور قریش کا نام کسی چہیز پر نہیں نکلا۔ عبدالطلب
 نے اون زربہوں کو جو انکے نام سے نکلی تھیں۔ خانہ کعبہ کے
 اصلاح کے کاموں میں صرف کیں۔ اون سے کعبہ کے آہنی
 دروازے بنائے جانیکا حکم کیا۔ اور وہ بنائے گئے۔ اور ان
 سونے کے ہرنوں کو دیکر خانہ کعبہ کے کواڑوں کی گلیخیں تیار
 کرائیں۔ اور کواڑوں پر بٹلائیں۔ دوسری روایت میں
 وارد ہے کہ ان کو اسی صورت میں دروازہ کعبہ پر آویزاں کر دیا
 گیا۔ اور یہ آویزاں تھے۔ ایک جماعت قریش جس میں ابولہب
 ہی شامل تھا۔ بیٹھی ہوئی شراب پیتی تھی۔ گمانے والی لونڈیاں
 ہی ہمراہ تھیں جب انکا سامان عیش تمام ہو گیا۔ تو وہ لوگ
 خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ سونے کے دونوں ہرنوں
 کو۔ جو لٹکے ہوئے تھے۔ چڑھایا۔ اور اسی رات کو شراب فرشتوں
 کے قافلہ کے ساتھ۔ جو کہ میں زرد تھا۔ اونکو بچھا الا اور جتنی
 شراب انکے پاس تھی سب ایکبار خرید لی۔ اور ایک مہینہ تک
 شراب پیتے۔ اپنے کسی کو نہ معلوم ہوا کہ یہ فعل کس سے صادر ہوا
 یہاں تک کہ ایک شب کو عباس ابن مطلب کا قریش کی اس
 صحبت عیش و طرب کی طرف سے گدہ ہوا۔ کنیزان مغنیہ
 گارہی تھیں اور اپنے گیتوں میں۔ اون دونوں طلائی ہرنوں
 کے چوڑی کرنے اور قافلہ کے ہاتھ چڑھنے کے پورے حالات
 گویا گفٹے ہاڑ پھاڑ کر بیان کر رہی تھیں۔ عباس نے ان گیتوں کو

سُنا اور قریش کو تمام حالات کی اطلاع کی۔ جماعت کی جماعت پکڑی گئی۔ اون کی سخت تنبیہ و تاویب کی گئی۔ اور لعنت جرم سرفہ
بہمنوں کے ہاتھ کاٹنے والے لگے۔
روضۃ الاحیاء ص ۶۴

ابن سعد کی اجمالی تفصیل تھی اور روضۃ الاحیاء نے قریش کے حرکات و تاشائستہ کی کامل تشریح کر دی ان
تمام فضیلتوں کے بعد بھی قریش کو بنی ہاشم یا بنی مطلب کے ساتھ ہم وطنی اور ہم نسبی کے غلط قیاس پر مساوت
کے دعوے بنے تھے۔ اور اپنے تعلیم کے زعم میں تنفیص کے نظام ربانی میں خواہ مخواہ اپنے آپ کو داخل و شامل
سمجھنے پر مڑے ٹپتے تھے اور باوجود متواتر انکامیاہوں کے بھی اپنے زعم حماقت سے باز نہیں آتے تھے۔ ہم ان کے
ناہنجار کردار و رفتار کو بہت جلد اپنے آئینہ بیان میں قلمبند کرتے ہیں۔

ہاشم مرحوم کے حالات میں اُمیہ ابن عبد شمس کے زعم باطل اور اس غظیم منافرہ کی پوری کیفیت ہوا انہوں
ہاشم کے مقابلہ میں قائم کیا تھا اور بالآخر جو ذلت و رسوائی اٹھائی تھی۔ بالتفصیل لکھ دیتے ہیں۔ اُمیہ کے بعد ان کے
بیٹے حرب ابن امیہ نے بھی حضرت عبدالمطلب کے ساتھ وہی خیال باطل پیدا کیا۔ اور خواہ مخواہ عرب کی
قدیم رسم جہالت۔ منافرت کی پر بنیاد ڈالی۔ اگر بد نہ تو اند سپر تمام کند۔

بہر حال تعمیر چاہہ زعم کے متعلق ہم مفصل حالات لکھ چکے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جاوے تو حضرت
عبدالمطلب کی یہ ہمت۔ یہ فیاضی اور احسان اپنے خاص ملک و احسان کے لئے محدود نہیں تھا بلکہ ان تمام
بیشمار اور لانا نہ تھا قوم و قبائل کے لئے ہی جو حج کے موسم میں دور دور سے زیارت بیت اللہ کے لئے جمع ہو کر آتے تھے
یہ ایک ایسا کار نمایاں تھا اور احسان فراوان۔ جو حضرت عبدالمطلب کی فیاضی اور عالی ہمتی کی لا جواب مثال
بجرا ابدال باؤ تک قائم رہا۔

حضرت عبداللہ ذبیح ثانی کی قربانی

چاہہ زعم کی نگین کے بعد آپ کی حیات گرامی صفات کا واقعہ حضرت عبداللہ ذبیح ثانی کی قربانی ہے
اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔

چاہہ زعم کی زعم حقیقتاً ایک کار عظیم تھی۔ اول تو اس قدیم شمار پرانی کا احیا اس کی تجدید و ترمیم کا
ہونے کی حیثیت سے حضرت عبدالمطلب کی سعادت و رشادت کا فرض منصبی تھا۔ دوسرے جوانی کے بعد اور فہم و عاقل
کی خالصتاً اللہ خدمت آپ کی اس فیاضانہ اور دایرہ ہمت کی شکر تھی۔ ان سب پر عرب کی سنگدلانہ زمین
پر عموماً اور حجاز کی سطح آہنی پر خصوصاً کھڑا کر دنا اور پانی لگانا۔ کوئی آسان بات نہیں تھی۔ بلکہ ٹپکے کی
والے کا کام تھا۔ حضرت عبدالمطلب بھی اپنی ذمہ داری۔ اس امر عظیم الشان کی دشواری اور اس بار عظیم کی

گرا باری کو جو سب سے پہلے تھے۔ اس پر اپنے مقوم اور وطن قبائل کی مخالفت اس امر عظیم کی تکمیل کی طرے سے آگے بڑھ کر باؤس اور بیکل بخاری تھی مگر آپ کے روحانی استقلال و پاداری سے ان امور کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ جو کام اپنے ذمہ لیا تھا۔ ان تمام دشواریوں اور دشواریوں کی موجودگی میں بھی تمام کر دیا۔

ان تمام دشواریوں کے وقت تک عالم میں اپنی اس خدمت جلیل کی انجام دہی کے متعلق اس شرط و اقرار کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں نذرمانی تھی کہ اس خدمت کی سبیل اللہ کے صلہ میں۔ اگر منعم حقیقی آنکو دس بیٹے عیسیٰ فرما دے گا۔ اور ان سب کو سب کو سب تک پہنچائے گا۔ تو ان میں سے ایک بیٹے کو وہ خدا کے نام پر قربان کر دیں گے۔

مجھے یاد ہے کہ اس نیک نفس بزرگ کے اس پاک ارادے اور نیت کو بھی پورا کر دیا۔ حادثہ۔ ریٹر ایٹلاکس۔ عبداللہ بن عمر بن الخطاب۔ المقوم۔ خضر اور عباس۔ دس بیٹوں کی تعداد پوری ہو گئی تو حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب سے نذر کے لئے تیار ہو گئے۔ طبقات ابن سعد میں اس منظر کو ذیل کی عبارت میں دکھایا گیا ہے۔

ثم انهم خرجوا منهم ورجعوا اليهم الى الوفاء لله بعهده
فما اختلفت عليهم من شئ من شئهم احد ولا قسا لولا
اوفت بعهدهم ما فعلوا

حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب نے اپنے تمام بیٹوں کو حبيب سبب الیٰہ
ہوئے (اپنے ارادے سے) بیٹے بیٹے کو خدا کی ایجاز
نذر کے لئے بلایا۔ ان میں کسی ایک نے بھی باپ کے حکم سے
استغاثہ نہیں کیا اور شفیع اللفظ ہو کر عرفی کی کہ آپ شوق

سے اپنا نذر دے گا۔ کہ پورا کریں اور جو چیز فرمایا ہو اس پر عمل فرمائیں۔ طبقات ج ۱ ص ۵۲ پر ہے۔

ایک بیٹے کی قربانی کا وعدہ تھا۔ اور یہاں باپ کے حکم پر بیٹوں نے نذر کیا۔ اس کا کیا کیا گیا۔ یا پھر کا دل اس کا فیہ نہ کر سکا۔ مگر حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب کے استقلال و پاداری نے
وقت اندازی کے ذریعہ سے اس امر میں جھکے کو بھی ملے کر لیا جس اتفاق سے اس کے محبوب ترین فرزند عبداللہ کے نام
قرعہ لگا۔ اس سے زیادہ دشواری سے سامنا ہوا۔ مگر حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب کا استقلال و ہمت
لا یو ایس تھی۔ فوراً پیار سے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور فریج کی طرف لے چلا۔ اس حیرت انگیز عالم کو ابن سعد طبقات میں
یوں دکھایا ہے۔

ثم انهم خرجوا منهم ورجعوا اليهم الى الوفاء لله بعهده
فما اختلفت عليهم من شئ من شئهم احد ولا قسا لولا
اوفت بعهدهم ما فعلوا

حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب نے اپنے تمام بیٹوں کو حبيب سبب الیٰہ
ہوئے (اپنے ارادے سے) بیٹے بیٹے کو خدا کی ایجاز
نذر کے لئے بلایا۔ ان میں کسی ایک نے بھی باپ کے حکم سے
استغاثہ نہیں کیا اور شفیع اللفظ ہو کر عرفی کی کہ آپ شوق

تضرب فی اہلک السراشم الہی فی الحرم

جسٹ زیادہ اون کی صاحبزادیاں ہائی کی محبت میں بقیار
اور زار زار روتی تھیں بالآخر اون میں سے ایک نے باپ کے

عرض کی کہ عبداللہ اور اون اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کیوں نہیں کی جاتی جو حرم میں چر رہے ہیں۔ (ابن سعد)
سیرت ابن ہشام میں نبات عبدالمطلب کے ساتھ حضرت عبداللہ کے نامالی اعزہ و اقارب ہی اس
قرعہ اندازی کی تجویز میں شریک پائے جاتے ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے۔

وقال له المنصور بن عبد اللہ بن عمر بن
مخندوم وكان عبد اللہ ابن امخت القوم
واللہ کہ تنجہ ابد امختی تقدرفیہ
فان كان فداؤہ باموالنا فداہنا

منصور بن عبد اللہ بن عمر بن مخندوم نے۔ جو رشتہ میں حضرت
عبداللہ کے ماموں ہوتے تھے۔ عبدالمطلب سے کہا کہ
ہم عبداللہ کو ہرگز ذبح نہ کرنے دینگے تاوقتیکہ انکے لئے
ہی قرعہ اندازی کیجائے۔ اور انکا جو فدیہ ہو گا وہ ہم اپنے

مال سے ادا کریں گے۔ سیرت ابن ہشام ص ۵۲ مصر

حضرت عبدالمطلب نے بالآخر قرعہ اندازی کی تجویز اختیار کی۔ چونکہ شریعت ایراسمی میں رقم دیت کے
نصاب مقررہ کی نسبت عشر مقابل کا طریقہ جاری تھا۔ اسلئے حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے
پہلے پچیس اونٹوں کی تعداد پر قرعہ ڈالا۔ قرعہ عبداللہ ہی کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے پھر دس کی تعداد
بڑھا کر دس کے بیس کر دیے۔ پھر ہی عبداللہ ہی کا نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب بقاعدہ عشر دس دس اونٹ
برابر بڑھاتے گئے۔ یہاں تک کہ سو اونٹوں کی تعداد پوری ہو گئی۔ تو قرعہ اونٹوں کے نام پڑا۔ اور حضرت
عبداللہ قربانی سے بچ گئے۔

حضرت عبدالمطلب کو اپنی نذر کے نامکمل رہ جانے سے ایک ناگوار و بے بسی ہی ملا۔ ہزار جیسا آپ کے
مورث اعلیٰ اور عبدالمجید حضرت ابراہیم کو فدیہ اسماعیل کے نازل ہونے سے مستولی ہوا تھا۔ اسلئے حضرت عبدالمطلب
نے خاص کر اپنے اطمینان کلی حاصل اور قریب ازوی کے کامل کر لینے کی غرض سے اس حکم کے آجائے پر ہی
تین بار قرعہ اندازی فرمائی۔ اس مستقل مزاج اور مستقیم الارادہ بزرگ ہاشمی کی اس خرم و احتیاط کا منظر
ابن ہشام نے ذیل کی عبارت میں دکھلایا ہے۔

فخر بن القدیر علی اکابر بل فقالت فمیش ومن
حضرت قد انتہی رضا ربک یا عبدالمطلب قال
اللہ حتی اضرب علیہا ثلاث مرات
فضرہوا علی عبد اللہ وعلی اکابر وقام عبدالمطلب

جب اونٹوں پر قرعہ نکل آیا تو قریش اور چاہا حضرت نے حضرت
عبدالمطلب سے کہا کہ اے خداوند عالم عبداللہ کے ذریعہ پر بھی
ہو گیا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا میں اسکو نہیں مانتے کہ جب
میکے کہ تین بار قرعہ اندازی کر کے اس حکم کو محکم نہ کر لیں چنانچہ

یدعو اللہ فخرجہم القدیم علی الہام ثم عا د
والثانیۃ وعبدا لمطلب قائم یدعو اللہ
فخرجہم القدیم علی الہام ثم عا د
والثالثۃ وعبدا لمطلب قائم یدعو اللہ
فخرجہم القدیم علی الہام ثم عا د
ابن ہشام ۵۲

پہر قرعہ ڈالا گیا۔ حضرت عبدالمطلب ابکی بارہوی سابق کی طرح
خدا سے دعا مانگتے رہے۔ یہاں تک کہ پہر اونٹوں ہی کے نام
قرعہ نکلا۔ دوسرے بار پہر دو ہرایا۔ اور عبدالمطلب دوسری
طرح دست بدعا رہے۔ مگر ابکی بارہوی قرعہ اونٹوں ہی کے نام
نکلا۔ تیسری بار پہر قرعہ ڈالا گیا۔ اور عبدالمطلب کھڑے ہو کر
دست بدعا رہے مگر قرعہ اونٹوں ہی کے نام نکلا۔ یہ مشاہدہ
فرما کر عبدالمطلب نے اونٹوں کو سحر فرمایا۔

اس واقعہ سے حضرت عبدالمطلب کے کمال استقلال و پاداری کے پورے ثبوت ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہو جاتا
ہے کہ آپ کو خدا کے کاموں کے بجالاتے اور تعمیل فرماتے میں کس قدر خرم و احتیاط۔ استحکام و استقلال لاحق حال
رہتا ہے۔ ان سب امور کے ساتھ اس راز عظیم کا بھی پورا انکشاف ہو گیا کہ سلسلہ ابراہیمی میں یہ دوسری
قرآنی ہی فدیہ سے بدل گئی اور ذاتی انجیل کی نسبت و ارادہ اپنی اصلی صورت میں اس وقت تک جلوہ آرا
نہیں ہوا۔ جب تک کہ ایک سو بارہ برس کے بعد تقریباً اس مقدس خاندان کے مایہ افتخار ابی عبد اللہ الحسین
ابن علی علیہما السلام نے اپنے عظیم المثال استقلال و پاداری سے خدا کی راہ میں جان دیکر اس کمی کو پورا نہ کر لیا۔
یہ واقعہ بھی حضرت عبدالمطلب کے کمال و استقلال بہت اور ایشیائے نفسی کا عظیم ترین واقعہ ہے جو تعمیر و
ترمیم چاہے زفرم کی خاص فیاضی سے کہی کم نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ قلبی تعلقات و جذبات کے اعتبار سے تو ہر
شخص اس واقعہ کو اس سے بھی زیادہ دشوار و غیر متحمل قرار دے گا جتنا حقیقت میں یہ ایشیاء و انداز ایسا کامل۔ ایسا خاص
اور ایسا بے مثال تھا کہ ان کے بعد ان کی اولاد و اصناف نے اس شرف مخصوصہ پر برابر مفاخرت کا خاص اظہار
کیا۔ یہاں تک کہ مقررہ موجودات، مفصل کائنات، اشرف المخلوقات حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ الطاہرین
نے ان بنی حسان کا اعتراف فرما کر اس کی روحانی عظمت و تقدس کا اقرار فرمایا۔

عرب کی تمام قدیم و جدید مورخین بڑی شرح و بسط سے حضرت عبدالمطلب کے اس بنیظیر ایشیاء و انداز کے واقعہ
کو اس وقت سے لیکر اس وقت تک برابر لکھتے آئے ہیں۔ مگر سرسید صاحب نے بڑی دلیری سے اس مشفق العام اور
مشہور بین المجرور واقعہ کی تردید و تکذیب کی ہے۔ ان کے انکار کا اصلی اور حقیقی سبب وہی قرآنی اسماعیل اسحاق
کے تعلق ان کے عیسائیوں اور یہودیوں کی کورانہ تقلید و تصدیق ہے جس کی پوری تنقید اوپر کر دی گئی ہے۔ سرسید
صاحب کا یہ انکار عربی تاریخ و سیر سے انکی بے خبری اور کوثر نظری ثابت کرتا ہے۔

حرب ابن امیہ (پدر ابو سفیان) کی حاسدانہ مخالفت

اشتم مرحوم کے حالات میں امیہ ابن عبد شمس کے زعم باطل اور اس عظیم الشان معرکہ منافرہ کی داستان کا کل جو امیہ نے ہاشم کے مقابلہ میں قائم کیا تھا اور بالآخر جو ذلت و رسوائی اور ٹھانی تھی ہم پوری تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ امیہ کے بعد حرب ابن امیہ نے یہ تو لکھ لکھا کہ بنیاد ہی قدیم ہو جو باپ کے حضرت عبد المطلب کے ساتھ وہی خیال باطل پیدا کئے۔ اور خواہ مخواہ عرب کی قدیم رسم جالت بمعرکہ منافرت کی بنیاد ڈالی۔

قبل اسکے کہ ہم اس جاہلانہ رسم منافرت کا جو حقیقتاً باہانہ منافرت کی زبانی رجز خوانی ہے مفصل حالات قلمبند کریں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسکی تفصیل سے پہلے اسکے اسباب و قوع کو بیان کر دیں حقیقت یوں ہے کہ حضرت عبد المطلب کی نیک نفسی۔ فیاضی۔ حسن اخلاق۔ محاسن تہذیب اور ذاتی اعزاز و وجاہت کے اوصاف نے۔ آپ کو اپنے بزرگوں کے اقتدار و عظمت کا کامل نمونہ بنا کر رکھا تھا خصوصاً زفرم کی تعمیر نے قریش اور عام باشندگان مکہ پر کیا منحصر ہے کہ وہ نواح کے تمام قبائل و اقوام کو آپ کا مطیع و منقاد بنا دیا تھا۔ معاملات زفرم میں قریش کو شکست فاش ہو سچ ہی چکی تھی عبد المطلب کی اس تازہ نام و نمود نے انکے حسد و کینہ کو پہلے سے ہی زیادہ مشتعل اور براہینغہ کر دیا۔ نذر و قربانی کے معاملہ نے یہ قیامت کی نوعیت کر دی کہ عبد المطلب کی روحانی عظمت و تقدیس کا تمام عرب کو براۃ العین شاہدہ کر دیا۔ اور اس واقعہ عظیم سے وہ آپ کو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا اصلی وارث اور قائم مقام یقین کرنے لگے۔ اور آپ کی امارت و حکومت کے ساتھ عقیدہ و ارادت کے تعلقات ہی اہل عرب کے قلوب میں پیدا ہو گئے۔ اسکے بعد ہی بنی ثقیف کی منافرت کا واقعہ پیش ہوا۔ اگرچہ وہ غیر مقام تھا۔ اور غیر لوگ تھے۔ مگر حسد و نفسانیت کی وہبہ سے قریش میں سے کسی نے ہی عبد المطلب کے ساتھ اس منافرہ میں نہیں دیا لیکن اسی تنہائی اور غربت کے عالم میں ہی خدا نے عبد المطلب کی بات رکھ لی پھر کہ منافرہ میں بنی ثقیف ہارے۔ اور بنو ہاشم و بنو عبد المطلب جیتے اس واقعہ نے حرب ابن امیہ کو خواہ مخواہ سب زیادہ پر جوش بنا دیا۔ اور ایسا کہ پھر وہ قرابت و اتحاد سب کو بالائے طاق رکھ کر فوراً مقابلہ پر تیار ہو گئے۔

ہم پہلے بنی ثقیف کے معاملات کو ابن سعد کی عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

عبد المطلب بن ہاشم کا طائف میں ایک چشمہ آب تھا جس کا نام ذوالنہزم تھا۔ اور وہ مدت سے بنی ثقیف کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ عبد المطلب نے اس کا مطالبہ کیا قبیلہ ثقیف نے انکار کر دیا۔ حذیب بن احمارث اذن کا امیر تھا

سمات لعبد المطلب بن ہاشم ماء بالطائف يقال له ذوالنہزم وكان في بدی ثقیف دهرًا ثم طلبه عبد المطلب منهم فابوا عليه وكان صاحب امر ثقیف حذیب بن

بن الحارث فابی علیہ و خاصمہ فیہ فدعا
 ہذا ذلک الی المناظرۃ الی الکاهن العذری و
 کان یقال لہ عتری سملہ و کان بالشام فتناضر
 اعلی ابل سموھا فخرج عبد المطلب فی نفر من
 قریش ومعه ابنہ الحارث وکلا و لد لہ یومئذ
 غیرہ و خرج مجذب فی نفر من ثقیف فنقد
 ماء عبد المطلب و اھمیا بہ فطلبوا الی
 الثقیفین ان یشقوہم فابوا ففجرا للہ لھم
 عینا من تحت سحران بعیر عبد المطلب
 فجعل اللہ عزوجل و علم ان ذلک منہ فشرعوا
 سلھم و حملوا احماقتھم و تفقد ماء الثقیفین
 فلبثوا الی عبد المطلب لیستسقوئہ فاستقام
 و اتوا الکاهن فنفر عبد المطلب علیھم فاحذ
 عبد المطلب الابل فخرھا و اخذ ذوا الھرم
 و رجعہ و قد فضلہ علیہ و فضل قومہ علی
 قومہ ۔

سیرت ابن ہشام ص ۳۵

اوس نے چشمہ کے دینے سے انکار کیا۔ اور مخاصمت پر آمادہ ہو گیا
 جانبین سے مناظرہ کے شرائط مقرر ہوئے۔ اور قبیلہ عذرا کا کاهن
 جو غزنی سلمی کے نام سے مشہور تھا۔ طرفین سے حکم مقرر ہوا۔
 اور معاوضہ میں دونوں فریق سے ایک ایک اونٹ علیحدہ
 کیا گیا۔ اسلئے کہ جس کا حق ثابت ہو۔ وہ ناحق والے سے ایک
 اونٹ تاوان لے۔ عبد المطلب قریش کی جماعت کو لے کر
 نکلے۔ اور آپ کے ساتھ حارث آپ کے بیٹے ہی تھے۔ اور اس وقت
 تک یہی ایک رطل کے تھے۔ اور سطرف سے جذب یہی
 بنی ثقیف کی جماعت لے کر باہر نکلا۔ دونوں جماعتیں حکم کے
 آنے کی منتظر رہیں۔ حکم کے آنے میں غیر امیہ دیر ہوئی۔ اسی
 اثنا میں عبد المطلب کا بھراہی پانی چک گیا۔ اور انہوں نے
 ثقیف سے پانی مانگا۔ ان سب نے پانی دینے سے
 قطعی انکار کر دیا۔ قدرت خدا نے عبد المطلب کے اونٹ
 کے پاؤں کے نیچے ایک چشمہ رواں پانی کا پیدا کر دیا۔
 اور ان کے ہمراہیوں نے خداوند عالم کے اس کا شکر ادا
 کر کے وہ پانی پیا۔ اپنی تمام جماعت کو وہ پانی پلایا۔ اور
 بقدر ضرورت بار کر دیا۔ اب بنی ثقیف کا پانی بھی چک گیا

تو سب کے سب عبد المطلب کے پاس آئے اور پانی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے ان سب کو بھی پانی پلایا۔ پھر دونوں فریق
 ملکر کاهن کے پاس گئے۔ اوس نے عبد المطلب کے حقوق کی ترجیح دی۔ اور شرعاً مناظرہ کے مطابق عبد المطلب نے اون
 اونٹوں کو لے لیا اور بیچ کیا اور چشمہ اب موسومہ ذمی الہرم کو۔ جو ہا بنین میں بہا کرتا رہتا تھا۔ بنی ثقیف سے واپس دلوایا
 عبد المطلب پہر واپس آئے اور اوس دن سے انکو اور انکی قوم کو۔ بنی ثقیف اور انکی قوم پر فضیلت و ترجیح حاصل
 ہو گئی۔ سیرت ابن ہشام ص ۳۵

بنی ثقیف پر حضرت عبد المطلب اور بنی ہاشم کی فتنائی سے عمریہ ابن امیہ کے واپس خواہ خواہ نفسانیت
 پیدا کر دی اور پھر ایسی کردہ اوستہ اکیدم کے لئے ہوئے ہنہال بسکا۔ اور باوجودیکہ حضرت عبد المطلب کے ساتھ
 ہر اسم بکبر اور فحشاں کوئی مشابہت نہ تھی۔ مگر یہی فحشاں حضرت عبد المطلب سے مناسبت اور

مخاصرت پر آمادہ ہو گیا۔ طبقات میں ابن سعد لکھتے ہیں۔

تنافر عبد المطلب ابن ہاشم و حرب ابن امیہ
الی النبیاشی الحکشی فابی ان بتفر بنہما فحصل
بینہما نفیل ابن عبد الغنی فقال لحرب یا ابا
عمر اتنا فور مجلہ هو اطول منك قامة واعظم
منك هامسة و اوسم منك و سامية و اقل
منك لامة و اکثر منك و لد او اجمل منك
صفد او اطول منك مرقدا و انقصر علیہ فقال
حرب ان من انتکات النسا ان جعلناک
تھمکاً

طبقات ص ۵۲

عبد المطلب ابن ہاشم اور حرب ابن امیہ کے درمیان منازہ
قرار پایا۔ اور نجاشی حاکم حبشہ کو حکم ہونے کیلئے لکھا گیا اُس نے
ان لوگوں کے درمیان حکم مقرر ہونے سے انکار کر دیا تب طرفین
سے نفیل ابن عبد الغنی حکم مقرر ہوا۔ نفیل نے حرب کو مخاطب
کر کے کہا کہ تم کو بکر ایسے شخص سے منازہ کر سکتے ہو۔ جو قد و قامت
میں تم سے زیادہ طویل بہمت میں تم سے زیادہ وسیع حسن و جمال
میں تم سے زیادہ وجہ عیوب و مناقص میں تم سے بہت
ہی کم۔ اولاد و عقاب میں تم سے بہت زیادہ۔ جو دو سخا
میں تم سے زیادہ فیاض اور تقریر بیان میں تم سے زیادہ
لسان۔ یہ بکر نفیل نے عبد المطلب کو حرب پر فضیلت دیا

حرب نے کہا کہ یہ بھی ہماری شومی ایام تھی کہ ہم نے تم کو اپنا حکم قرار دیا۔
یہ سب بنی امیہ حضرات کے حرکات۔ جو ابتدا سے بنی ہاشم کی مخالفت میں انواع و اقسام کی خفائے ہوتیں
پیدا کیا کرتے تھے۔ اس سے قبل حرب کے باپ امیہ اور خود عبد شمس کی مخالفتوں کو ہم اوپر بالتفصیل بیان کر چکے
ہیں۔ مرقومہ بالا واقعات میں ان کے صاحبزادے حرب کے منازہ کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ ہر شخص ان
حالات و واقعات کو دیکھ کر سمجھ لے گا کہ جس طرح تمام اہل عرب میں قریش کی اور تمام قریش میں بنی ہاشم کی فضیلت
اور قدر و منزلت قدیم ہے اسی طرح بنی امیہ کے مقابل میں کامل طور پر بنی ہاشم کی منفا خرت ہی اور اوسے کے
ساتھ جس طرح بنی ہاشم کے قریش ہمیشہ مخالفت بنے رہے اسی طرح بنی ہاشم کے بنی امیہ بھی جانی اور لاگو
دشمن۔

اصول اضداد کے اعتبار سے قریش و امیہ کی مخالفت بنی ہاشم کی وجہ است کو حد مدہ پہنچانے کی جگہ پہل شعی
ایضاً باضداد ہا (تمام انبیاء اپنے اضداد سے پہچانے جاتے ہیں) کے مطابق۔ تمام دیار و امصار میں اسکے آثار و
اقتدار کو بڑھاتی گئی۔ افسوس ہے کہ جس طرح ہاشم اور امیہ کے باہمی مخالفت و منافرت کو مولوی تسلی نے چھپا یا ہے
اسی طرح حرب اور عبد المطلب کی مشاجرت کو بھی۔ حالانکہ دونوں واقعات ان کے اصلی ماخذ طبقات ابن
سعد میں موجود ہیں اور نہ ہی خاص کر اسی سے نقل کئے ہیں۔

ہم شبلی صاحب کے اس آخفاف کیلئے پہنچی لکھیں گے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اسکے لئے مولوی صاحب سخت

مجبور ہیں۔ کیونکہ ان حالات کا گھناہ عام اس سے کہ کیسی ہی معتبر تاریخی ماخذوں میں مندرج نہ ہوں اور ان کے موجودہ مدعا کے تالیف کے لئے ہی مضر تھے۔ اس استحباب و استخفاف سے وہ جو کام لینا چاہتے تھے وہ یہی تھا کہ بنی ہاشم کے ذاتی اقتدار، ثروت و اختیار میں وہ تخصیص و تائید باقی کی اہمیت نہ ظاہر ہونے دیں بلکہ عام ملکی عروج و زوال اور قومی ترقی و ادبار کی معمولی صورت میں۔ اصول تقسیم کے مطابق۔ ان کے معاملات کو بھی۔ غلبہ اور استیلا اور غیرہ کا نتیجہ قرار دیں۔ مگر حقیقت کا متناشی جس طرح حقیقت کی باریکیوں کو بالنباتہ اس طرح خود غرضی اور نفسانیت کی تاریکیوں کو بھی۔ جیسا کہ ان واقعات نے اصل حقیقت کی چہرہ کشائی کر دی ہے۔

تعمیر فرم۔ تدر عبد اللہ منافرہ قریش۔ منافرہ بنی ثقیف اور منافرہ بنی امیہ۔ جیسا کہ عبد المطلب کے قابل الزم واقعات تھے۔ جن کو شہلی صاحب نے یا تو سرے سے مرفوع القلم فرما دیا۔ یا ان میں سے بعض کو از فرم کی مرمت۔ عبد اللہ کی نذر لکھا بھی تو اس اختصار کے ساتھ جو تلخیص تلخیص کا جوہر مقتطع کر دیا ہے تو یہ جاننا ہوگا۔ انھیں واقعات کی طرح اہام کوبہ کے قصہ سے اٹھا کر قیل کی فوج کشی کے حالات ہیں۔ جو عبد المطلب کی زندگی کے مشہور ترین واقعات ہیں۔ ہم ان کو ابن ہشام اور زرقانی کے اصلی عبارتوں سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ابراہیم بن الصبیح (صحابہ الفیل) کی خانہ کعبہ پر چڑھائی و حکمتی

ابراہیم بن الصبیح کہہ شرم کا لہجہ ملا قلب
علی الیمن و ملاکھا من قبل یجاشی راہی الناس
بنحوہ من ایاہم اللہ فقال ابن تذبھون
فقیل یجھون بدیت اللہ بکلتہ قال من ہو قبل من الیمن
قال و ما کسوة نہ قبل ما یاتی من ہنا من الوصال
فقال و المیدم کلبین لکم خبر منہ فبنی لہم
کنیستہ بصنعاء بالرخام الالبیض و الاحمر
و الاسود و بجلوہا بالذهب و الفضة
و انواع الجواہر و اذل اهل الیمن علی بنائھا و
کلفھم فیھا انواعا من الشیر و نقل لھا الرخام
المتخرج و الحجارة المنقشۃ بالذهب و الفضة
من قصر بلقیس و کان علی فرسخ من موضعھا

جب ابراہیم بن الصبیح الاشرم نے غلبہ کر کے نجاشی کی طرف
(شاہ حبش) سے علاقہ یمن پر قبضہ کر لیا تو اس نے لوگوں کو ایام
جمع میں حج کے لئے سفر کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ تم لوگ کہاں
جاتے ہو۔ ان لوگوں نے جواب دیا۔ کہ میں خانہ خدا کا حج کرتے
جاتے ہیں۔ پوچھا وہ کہاں ہے۔ کہا کہ علاقہ حجاز میں۔ دریافت
کیا یہ کپڑے کیسے ہیں۔ جواب دیا۔ یہ اس خانہ خدا کے ہدیہ ہیں
جو وہاں جاتا ہے یہ لکیر جاتا ہے۔ اس نے کہا مسیح کی قسم میں
اوس سے بہتر تمہارے لئے یہ ہیں بنائے دیتا ہوں۔ پھر اوس نے
شہر صنعاء دار السلطنت یمن میں یہ قید۔ سرخ۔ زرد اور سیاہ
قسموں کے رنگ رخام۔ ایک کنیسہ بنایا اور اوپر سونے
چاندی کی پچھکاری کرائی۔ اور انواع و اقسام کے جواہرات
جڑوائے۔ اہل یمن کو اس کے بنانے اور تعمیر کرنے کی مدد کی طرح

وَنُصِبَ فِيهَا صُليبا نًا مِّن ذَهَبٍ وَفُضِّتْهُ
مِنَابِر مِّن عَاجِرٍ وَابْنُوسٍ وَغَيْرُهُ وَاسْمَاتُ
تَشْرِفُ مِنْهَا عَلَى عَدَدِ نَافِيسٍ تَقَاعُ بَنَاتُهَا
عُلُوها وَلِذَا اسْمَاهَا الْقُلَيْبِيسُ فَلَمَّا ارَادَ الْخَلِيفَةُ
الْيَهُاءُ كَتَبَ الْإِنْبِيا شَىٰ إِلَىٰ بَنِي تَكْنِيَّةٍ سَبَا سَمِ
الْمَلِكِ كَمِ يَوْمَ شَلْهَا فَبَلَّهَا أَسْرِدَ صَرْفُ حَجَرٍ الْعَرَبِ
الْيَهُاءُ وَاسْمُهُ النَّاسِ مِّنَ الذَّهَابِ إِلَىٰ الْمَكَّةِ
فَلَمَّا اشْتَرَى الْخَلِيفَةُ عِنْدَ الْعَرَبِ خَرَجَ مِنْهَا
كَمَا نَهَ مَغْضَبٌ فَتَقَوَّطَ فِيهَا شَمِ خَرَجَ فَلَاحِقُ
بَارِضُهُ فَاغْضَبَهُ ذَلِكَ مُشْدِدٌ وَخَلْفُ
لِيَنْقُضَ الْكَنْيَةَ سَجَلًا جَلًّا وَكَتَبَ إِلَىٰ الْإِنْبِيا شَىٰ
يَخْرُجُ ذَلِكَ وَسَالَهُ أَنْ يَبْعَثَ إِلَيْهِ فَيُجَاهِدَ وَهَذَا
فَلَمَّا قَدَّمَ الْفَيْلَ إِلَيْهِ خَرَجَ فِي مَسِيرٍ الْفَاحِشِ
إِذَا بَلَغَ الْفَيْلَ يَطْرُقُ الظَّاهِقُ ثُمَّ أَرْسَلَ
إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَهُ إِلَىٰ مَكَّةَ فَاخْذَتْ بِلَا
لَعِبٍ الْمَطْلَبِ فَنَزَلَ هَبْلًا وَبَلَغَ عِندَ الْمَطْلَبِ
ذَلِكَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ كَلَّا تَفْرَحُونَ أَكَلًا أَتَيْتُمْ
لَا يَصِلُ إِلَىٰ هَدَمِ الْبَيْتِ شَاكِلًا هَذَا الْبَيْتُ رَأَىٰ
لِحِمْسِهِ وَتَحْفُظُهُ وَعِنْدَ ابْنِ إِسْمَاعِيلَ لَعَنَ
إِبْرَاهِيمَ مَخَاطِئَ الْحَمِيحِ إِلَىٰ مَكَّةَ وَقَالَ لِّلْمَسْأَلِ
عَنِ السَّيِّدِ أَهْلَ الْبَلَدِ وَشَرَفِهِمْ ثُمَّ قَالَ لِلْمَلِكِ
يَقُولُ لَمْ أَتِ لِحَمِيَّتِهِمْ أَنَّمَا جَعَلْتُ لِهَدَمِ هَذَا
لَبَيْتٍ فَإِنْ لَمْ تَرْضَهُ دُونَهُ لِحَمِيَّتِهِ فَلَوْ هَذَا

کی تکلیفیں اور زلت پر پہنچائی۔ اور بنیاد رکھے ہوئے سنگ مرمر
اور سونے چاندی سے نقش و نگار کیے ہوئے پتھر قلعہ فلسطین کی
کھنہ عارت سے۔ جو ایک فرسخ (۱۲ میل) کے فاصلہ پر تھا
نیکال لائے تھے۔ اس کی سیارہ و صلیبیں سونے اور چاندی
کی نصب کی تھیں اور اس میں متعدد و بنسبز عمارت کی لکڑی اور
آبنوس وغیرہ کے رکھے تھے۔ اور چونکہ وہ شہر کی تمام عمارتوں
سے بلند تر تھا۔ اس پر رعایت سے اس کا نام قلعہ بن رکھا جب
ابراہیم نے اس میں مراسم حج بجالانے کا ارادہ کیا تو نجاشی کو لکھ
بیجا کہ ہم نے بادشاہ کے نام سے اس شہر میں ایک کنیہ بنایا
ہے جس کے ایسا کوئی کنیہ پہلے نہیں بنا تھا میں نے قصد کیا
ہے کہ تمام عرب کے لوگ یہیں جمع ہو کر حج کیا کریں اور اگر
حج کیا جانا روک دیا جائے جب یہ خبر تمام مشرور ہو گئی تو اہل
عرب (حجاز) کو بھی معلوم ہوئی۔ تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص
کو ابراہیم کی اس حرکت پر سخت طیش آیا اور اس کنیہ میں جا کر
پاخانہ پھر آیا۔ اور ہر دہائی سے ہانگ کر اپنے مقام پر چلا آیا
اس حرکت نے ابراہیم کو بہت غصہ دلایا۔ اور اس نے قسم کھائی
کہ اب جب تک وہ کنیہ کی اینٹ سے اینٹ نہ اڑھاؤں گا۔ دم
نہ لے گا۔ اس نے اسی وقت نجاشی کو اس واقعہ کی خبر بھیجی
اور اس سے درخواست کی کہ اس کا مشہور و معروف اور
عظیم الشان ہوتی۔ خود نامی بھیج دیا جائے۔ بہر حال نجاشی کے
ہاتھی جب پہنچ گئے تو ابراہیم نے ساٹھ ہزار کی جمعیت کیساتھ
کہ کارخ کیا جب اپنی ہر اسی جمعیت کے ساتھ وہ ملائف کی
راہ سے مکہ کے قریب فلسطین (ایک مقام کا نام) تک پہنچ گیا

سورة الفیل فیہ المیم و فیہ الفیل لعلی و فیہ المیم لعلی و فیہ المیم لعلی و فیہ المیم لعلی و فیہ المیم لعلی
محرر و فتح ہر ثانی مشہور۔ کہ سے تین فرسخ یا ایک مقام ہے۔ زرقانی ص ۱۰۵ مطبوعہ حیدرآباد۔

لی مبد ما لکم فان هو لم یرد حرا با فانتھی یہ
 فندخل فساءل فقیل لہ عبد المطلب فقال لہ
 امر بہ ابرہہ فقال عبد المطلب واللہ ما
 یرید حربہ وما لنا بذلک من طاقتہ ہذا
 بیت اللہ الحرام وبیت خلیلہ ابراہیم فان
 یمنعہ فہو بلیتہ وحرمہ وان یخل بدینہ
 ویدنیہ فواللہ ما عندنا دفع عنہ قال حناطہ
 فانطلق الیہ فاذنہ امر فی ان تایتہ بالک
 فانطلق بہ عبد المطلب و معہ بعض بنیہ
 فتکلم انیس ما یس فیل ابرہہ فقال انہما
 الملک ہذا سید قریش بیابک یستاذن
 علیک وھو صاحب عزۃ مملکۃ ویطعم اناس
 فی الشہار والوحوش والطیر فی قریش الجبال
 فاذا ذل لہ ابرہہ وکان عبد المطلب اوسم
 الناس اجلہم واعظمہم فخطم فی عین
 ابرہہ فاجلہ واکرمہ عن ان یجلس تمۃ
 وکرہ ان تراه المہذبہ یجلس معہ علی
 سریر مملکۃ فنزل عن سریرہ فجلس علی بساطہ
 اجلسہ معہ الی جہنیہ ثم قال لہ جمانہ قل
 لہ ما حاجتک فقال لہ ما حاجتی ان یرد الملک
 علی ما اتوا بعیرا صابھا فقال لہ جمانہ قل لہ کنت
 اعجب منہ من امین لریاک ثم قد رھدت فیک
 اقلک فی ما اتی بعیر و نلک بیتا وھودینک و
 دین ابائک قد حدیث لھد مہ لا یکن فیہ
 فقال عبد المطلب انی انا رب الابل والان

تو ابراہیم نے اپنی فوج کا ایک دستہ وہاں سے مکہ میں بھیجا اور
 اس دستہ فوج نے مکہ میں آکر حضرت عبد المطلب کے اونٹ
 چرائے اور اپنے ساتھ بیگ لے کر جب اس فوج کی خبر حضرت
 عبد المطلب کو پہنچی تو آپ نے تمام قریش کو جمع کر کے کہا کہ
 تم لوگ انہدام کعبہ کی خبر اگر گریہ و زاری نہ کرو۔ کیونکہ یہ خدا
 کا گھر ہے اور وہ اس کی ضرور حفاظت و حمایت کرے گا۔ اور
 ابن اسحاق کے مطابق ابراہیم نے حناطہ الحمیری نامی ایک
 افسر فوج کو اس غرض سے مکہ بھیجا کہ وہ امیر شہر اور سردار اہل
 مکہ سے یہ پیغام شاہی پہنچا دے کہ وہ اہل شہر کے ساتھ
 لڑنے کی نیت سے کہیں نہیں آیا ہے۔ بلکہ کعبہ کے انہدام
 کے تمنا ارادے سے ہیں وہ لوگ اگر انہدام کعبہ کے متعلق
 اوس سے معترض نہوں گے تو اوسکو اہل شہر کی خدمت و فزیری
 کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر وہ لوگ جنگ پر آمادہ
 ہو جائیں گے تو پھر مجھ کو دہرا کر لانا پڑے گا۔ ابراہیم کا فرستادہ
 آیا اور اوس نے سید قوم اور امیر شہر کو دریافت کیا تو لوگوں نے
 حضرت عبد المطلب کو بتلایا۔ امیر فوج نے ابراہیم کا پیام
 عبد المطلب سے دہرایا تو انہوں نے جواب دیا قسم خدا
 کی مجھے ہی اوس سے جنگ مقصود نہیں ہے اور حقیقتاً ہم میں
 اوس سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے یہ خدا کا گھر ہے اور اوس کے
 خلیل ابراہیم کا۔ وہی اوسکو اسکے انہدام سے باز رکھے گا۔
 کیونکہ یہ گھر اوس کا گھر ہے۔ اور یہ حرم اوس کا حرم ہے اور وہی
 اپنے گھر کو اوس سے خالی کر سکتا ہے۔ ہمارے پاس اوس کے
 دفاع کی قوت نہیں ہے۔ حناطہ۔ امیر فوج ابراہیم نے یہ شکر
 کہا کہ تو آپ میرے ساتھ چلے چلیں کہ یہ مکہ ابراہیم نے کہا تھا کہ
 اوس سردار قوم کو میرے پاس لیتے آنا۔ نیز حضرت عبد المطلب

للبيت رباً يستمنعه قال ما كان لمتنع مني قال
انت وذلك فرفع عليه امله ونازل عن كلبه
فقلدها واشعرها وجعل لها وجعلها
هدية للبيت وبثها في الحرم

زرقانی ج ۱ ص ۱۰۶

چلے اور آپ کے بعض اہل کے بھی آپ کے ہمراہ ہوئے۔ ابراہیم
کا وار و غیر فنیخا نہ انیس عربی النسل تھا اسی کے وسیلہ سے
یہ لوگ خیمہ شاہی تک پہنچے۔ اور انیس نے خیمہ کے اندر
جا کر ابراہیم کو اطلاع کی کہ قریشیوں کے سید و سردار دراز
پر کھڑے ہیں۔ اُنکو اندر آئیگی اجازت دیجائے۔ وہ مغز ترین
اہل مکہ ہیں۔ اور یہ وہ فیاض بزرگ ہیں جو لوگوں کو عام گزگاہوں

پر کھانا کھاتا ہے اور دوش و طیور کیلئے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر خوانی کر رہا ہوتا ہے۔ یہ سکر ابراہیم نے فوراً اجازت دیدی اور
حضرت عبدالطلب کو اندر بلا لیا۔ چونکہ عبدالطلب تمام قریش میں سب سے زیادہ مسخرز اور معظّم تھے۔ اسلئے ابراہیم کی
نگاہوں میں ہی انکی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ اُس نے یہ نہ چاہا کہ یہ ہم سے نیچے بیٹھیں اور نیز اُسکو یہ ہی شہید ہو کہ اہل حبشہ
جو مکہ اور عبدالطلب کو ایک ساتھ تختہ شاہی پر بیٹھا ہوا دیکھ کر پسند نہ کریں اور وجہ سے ابراہیم اپنے تخت سے نیچے اتر
آیا۔ اور عبدالطلب کو اپنے ساتھ قریش پر بیٹھا لیا۔ پھر اپنے ترجمان سے کہلوایا کہ آپ کس غرض سے آئے ہیں عبدالطلب
نے کہا کہ میری ہی حاجت ہے کہ میرے دوست و سوا دست جو تمہاری فوج کے لوگ لوٹا لائے ہیں وہ مجھے واپس لی جائیں۔ یہ سکر
ابراہیم نے اپنے ترجمان سے کہلوایا کہ مجھے آپ کے اس بیان پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ آپ مجھ سے اپنے اونٹوں کے لئے
تواضع کرتے ہیں اور اُنوں گھر کے انہدام کے متعلق جو آپ کے اور آپ کے آبا سے کرام کا دین ہے کوئی طرح نہ عرض
نہیں کرتے۔ عبدالطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ اور اُس گھر کا ہی ایک مالک ہے اور وہی تم کو
اسکے انہدام سے باز رکھے گا۔ اُس نے کہا کہ وہ کون ایسا ہے جو مجھے اس ارادے سے باز رکھے گا۔ حضرت عبدالطلب
نے کہا کہ یہ تم جانو اور وہ۔ پھر ابراہیم نے عبدالطلب کے اونٹ واپس دئے۔ امام کلبی نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ
عبدالطلب نے اُن اونٹوں کو راستہ کر کے خانہ کعبہ پر نذر چڑھا دیا۔ اور حرم میں لاکر چھوڑ دیا۔

فوج ابراہیم کی کہ پر چڑھائی۔ انہدام کعبہ کے اسباب۔ وجہ اور اُسکے ابتدائی حالات۔ ہم نے عربی کے
دو معتبر اور قایم ماخذوں سے پوری تفصیل کے ساتھ نقل کر کے مفصلہ بالا حالات و واقعات حضرت
عبدالطلب کی ذاتی وجاہت۔ قدر و منزلت اور اعزاز و اکرام جو قوم و قریش اور تمام اہل عرب کے علاوہ
دوسرے مقامات کے اکابر و عمائد کی نگاہوں میں ہی قائم تھے اور آپ کا عبور و تحمل اور تائید الہی کی اُسید پر
توکل کامل طور پر ثابت ہو گیا۔

ابراہیم کے پاس سے واپس آ کر حضرت عبدالطلب نے موجودہ فتنہ و فساد کے لحاظ سے مکہ کا قیام ترک
فرما دیا اور جاحٹ قریش کو ساتھ لیکر پہاڑوں پر چلے گئے۔ زرقانی لکھتے ہیں۔

والنصف الی قریش واستخبرهم الخبر وامرهم بالخرج من مكة والقریش فی شغب الجبال والشعاب تنحرفا علیہم من معرا کجبتہ

حضرت عبدالمطلب نے ابرہہ کے پاس سے واپس آکر قریش سے یہ تمام واقعات دہرا دیئے۔ اور انکو قیام مکہ کے ترک کر دینے اور پہاڑوں کے شگاف اور دروں میں پناہ لینے کیلئے حکم دیا۔ حضرت عبدالمطلب کے اس مفید اور ضروری حکم کو سنیے مان لیا۔

تمام قریش فوج ابرہہ کے قتل و غارت کے خوف سے شہر چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے اور مکہ کی آبادی بالکل خالی ہو گئی۔ حضرت عبدالمطلب نے اس وقت تک شہر کو نہ چھوڑا جب تک کہ تمام قوم کے لوگ پہاڑوں کی طرف نہ بکھل گئے۔ خانہ کعبہ سے دواغ ہوئی۔ خاص کیفیت زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتی ہے۔

ثم قام عبدالمطلب فامخذ بمخلفه الكعبة و معه نفر من قریش یدعون الله ويستنصرونه علی ابرہہ وجندہ ثم امرہم ان یلقوا بالیاء والفلق ھو وھن معہ من قریش الی الجبال ینفلقن ما ابرہہ فاعل بکلمۃ

حضرت عبدالمطلب زنجیر خانہ کعبہ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ ایک جماعت قریش ہی تھی۔ آپ نے ان کے ساتھ ملکر ابرہہ اور فوج ابرہہ پر نصرت و حمایت فرمائی جانے کی درگاہ رب العزت سے دعا مانگی اور پھر دروازہ کعبہ کی زنجیر پھٹ گئی اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لیکر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ اور ابرہہ کی کارروائیوں کا انتظار کر نیلے۔

بہر حال مرقومہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ حضرت عبدالمطلب خدا کا گھر خدا پر چھوڑ کر پہاڑوں کے دروں میں اپنے اہل و عیال کو لے کر چلے آئے اور نصرت و حمایت الہی کے مشاہدہ و قدرت کا انتظار فرمائے گئے۔

انہدام کعبہ کے متعلق اصحاب قبیل کی ناکامی

ابرہہ ابن الصبح علی الصبح اپنی تمام جمعیت کے ساتھ معہ ابراہیمی کے انہدام کے حکم ارادے سے شہر مکہ میں داخل ہوا اور اپنے ہمراہی ہاتھیوں کی فلک ناطق دروں سے خانہ الہی کے انہدام و تباہی کا جوہر قصد کیا۔ ویسے ہی یہ نالارے کی ہوئی جو دیر ہی بڑا سحان الشد شان تیری۔ جبروت قدرت نے شخص ہی مقدار اور ادنیٰ مخلوق کی فوج تیار کر کے ابرہہ کے ایسے اعلیٰ درجہ کی باقاعدہ اور تربیت یافتہ لشکر کو ان طویل لڑائی باتھیوں کے ساتھ دم کے دم میں تباہ و برباد کر ڈالا۔ زرقانی اور ابن ہشام کی عبارت تفصیلی حسب ذیل ہے۔

فامرہم الله تعالیٰ علیہم حیدر امثالہ لطیف والہب انسان مرقہ کل مطاثر منہا شلقة ابحار یلکھا ہما ہجر فی منقارہ و

خدا تعالیٰ نے سمندر (بحر عرب) کی طرف سے ایک قسم کے جانوروں کے جھنڈ اور فوج کی فوج نازل فرمائی۔ انہیں سے ہر طائر کی چونچ میں ایک اور دونوں چنگوں میں دو پتروں کی

يُجْرَانِ فِي رَجُلِيهِ امْتَالِ الْجَمْعِ وَالْعَدَسِ لَا
تَصِيبُ احَدًا لَا هَلَاكَ وَلَيْسَ سَلَامٌ اَصَابَتْ
وَمِنْ جَوَاهِرِ بَيْنِ يَنْشُدُ رَحْمَتِ الْمَطْرِقِ الَّذِي
مَنْهُ جَاءَ الْفَتْحُ وَابْتَسَا قَطُونُ بِلَاحِ طَرِيقِ وَ
يَهْلِكُونَ بِكُلِّ مَهْلَكٍ عَلَى كُلِّ مَنَهْلٍ وَاصِيبُ
اَبْرَةٍ فِي مَجْسَدِهِ وَمِنْ جَوَاهِرِ مَعَهُمْ لَيْسَ قَطْ
اَنْعَالُهُ اَنْعَالُهُ كَمَا اسْتَقَطَّتْ مِنْهُ اَنْعَالُهُ بِمَقْعَتِهَا
مِنْهُ مَدَّةٌ تَمُتُ قَبْلَ وَدَمٍ مَحْتَمِيٍّ قَدْ مَوَّابَهُ عَشْعَاءُ
ابن شمام ج اس ۱۹ مصر

موتگ اور ماش کے برابر برکنکریاں تھیں۔ پرندوں کے اس
بشمار جنگ نے جبروت قدرت کے اشارہ سے ابرہہ کی فوج
شاہی پر اس زور سے سنگبارانی کی کہ اس کے کثیر السعد لشکر
میں سے کوئی ایسا نہ بچا جو نہ مر گیا ہو یا کم سے کم بچے انتہا
نہ زخمی ہو اہوا اور وہ سب کے سب اگر وہیں ہلاک نہیں
ہو گئے تو بھاگ نکلے اور یہ حال ہوا کہ وہ اتنا ہی
نہیں جانتے تھے کہ کس راستہ سے بھاگیں اور کہا گئے
پر ہی تمام راستوں میں ان کے اعتساکٹ لنگر گرتے جاتے
تھے اور تمام راستوں میں مرتے جاتے تھے۔ ابرہہ خود بھی
اس غدا میں مبتلا ہوا اور وہ بھی لشکر کے ساتھ بھاگ

نکلے اور اس کی اونگھیاں ہی پور پور سے جدا ہو کر گئیں اور اسی کے ایسا اور لوگوں کی اونگھوں کا ہی حال ہوا۔
اور مقامات افتادہ سے خون اور ریم جاری ہوا اور وہ اس غراب حالت سے شہر صنعاء (دار الحکومت یمن) میں پہنچے۔
خانہ کعبہ کے ساتھ ابرہہ کی بیہ ادبی اور ہتک حرمت کی سزاؤں بنیہ دنیا میں ابدالایا و تک خوف الہی کے
لئے کافی ہو گئی۔ اور پھر اس وقت سے لیکر اس وقت تک کسی غیر عرب اور غیر مسلم قوم کو اس بیت معظم کے انہدام
و غارتگی کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ان شاء اللہ قیامت تک ہوگی۔ کہ شتمہ قدرت نے ایک چشم زدنا میں ابرہہ
اور نجاشی کے ایسے دو بڑے سلاطین کی جبروت و سطوت کو خاک میں ملا دیا اور ان کے تمام سامان و نگو جو
اونہوں نے نظام شاہی کے اعلیٰ پیمانہ پر مہیا کیا تھا۔ ایک آن واحد میں محض معمولی اور بیوج و مخلوق سے تباہ و برباد
کر ڈالا۔

مولا علی شہلی نے اس واقعہ قدیم کو
عرب کی تمام قدیم اور جدید مورخین نے اصحاب فیل کے واقعہ کو
پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اصحاب فیل کی روایت
نزل ابابیل کے حالات و واقعات درج ہیں۔ مگر مولا علی شہلی

اس بڑے واقعہ تاریخی کو جس سے خانہ کعبہ کی تقدیس اور عظمت پورے طور پر ثابت ہوتی تھی بالکل نسیا نہیں کر دیا۔
مرقمہ بالا چند واقعات کی نسبت آپ کے متوجہ فرمادے کہ جو اور مجبوری معلوم ہی ہوتی تھی۔ مگر اس کے مرفوع القلم فراموش
جائز کیا کوئی خاص سبب ظاہر نہیں ہوتا اگرچہ ہاشم یا عبدالمطلب کے خدما نص ثابت ہو سکا وہی غریبوں
ہی آپ کو لاحق ہوا تھا۔ تو اس کے ساتھ ہی ساتھ خانہ کعبہ زاد اللہ شرفا کی عظمت و حرمت کا اظہار و انکشاف بھی

تو ہوتا تھا۔ مگر نہیں یقیناً آپ کیلئے وہی وجہ اول مانع ہوئی۔ اور اسکی بنا پر اسکا استخفاف ہی ایسا ہی ضروری اور لازمی ٹھہرا کہ پہر اسکی مقابلہ میں اسواقہ کی اہمیت قابل توجہ اور لائق التفات نہیں سمجھی گئی۔ حالانکہ تاریخ عرب کا یہ ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ اسکے وقوع سے ایک جدید سن کی ایجاد قائم ہوئی اور سن عام الفیل کی بنیاد پڑی۔ اسکی قدرت اور شہرت مشرقی ممالک سے ہوتی ہوئی مغربی اقلیم تک پہنچ گئی اور تمام مغربی محققین مؤرخین نے اس واقعہ کو اور اسکے باعث سے عرب میں ایک نئے سن کے قائم ہونے کو مشرق وسطیٰ کے ساتھ لکھا ہے۔

زمانہ حال کے مغربی مؤرخین نے گزشتہ صدی سے تاریخ کو اصول فلسفہ پر ترتیب کر نیکی تعلیم شروع کی ہے اور معمول مشاہدات روزمرہ کے اصول پر ادون تمام تاریخی واقعات کو خارج از عقل اور بیرون قیاس ٹھہرایا ہے جو قدرت کے تصرفات اور شہیت کے کرامات تھے۔ ممکن ہے کہ شبلی صاحب نے بھی اپنی سیرۃ النبی کو فلسفہ تاریخی کے پائے پر صحیح آمار سے لیکھ لیا اس واقعہ کو غلط اور مضحکہ خیز سمجھ کر قلم انداز کر دیا ہو۔ اگر ایسا ہی تھا تو یہی سرسید احمد خاں کہ اتنا اسواقہ کو لکھ کر اور اہل عرب کی رواۃ پرستی کا معتقد سمجھ کر غلط اور خلاف عقل ٹھہرایا ہوتا۔ اور زول اباسیل کے واقعہ کو شیوع مرض آریہ (جیکب) سے ظاہری طور پر مطابق فرما دیا ہوتا تاہم غنیمت تھا کہ چونکہ اس سے اصل واقعہ جو حکشی ابراہیم قصداً اندام خانہ کھیر شیلوٹ و باسے آبلہ (جیکب) اور تہریت جو درجہ اور حفاظت بیت اللہ کے صحیح واقعات تو دنیا کو معلوم ہو جاتی اور تاریخ عرب کا اتنا بڑا قدیم و عظیم واقعہ مرفوع القلم اور کالعدم ہو گیا ہے۔

تنبیہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب کے ایسا محقق اور فلسفی مؤرخ اسکی ضرورت کے فلسفہ کو نہ پسندے گا۔ اسکے علمی اور خارجی باتوں میں بھی امتیاز نہ کرے گا۔

اچھا یہ تسلیم کر لیا کہ اباسیلوں کا عذاب نہیں آیا تھا۔ بلکہ مکہ میں جیکب کی وبا پھیل گئی تھی۔ اور یہی ابراہیم اور اسکے لشکر کی تباہی و غارت کا اصلی باعث بنا ہوئی۔ تو اس سے کیا۔ ابراہیم کا اندام کھیر کی نیست۔ اسے اپنے لشکر جو اس کے ساتھ آئے۔ اسکی فوج حکشی مجاہد ہے۔ ہر شہیت اور فتح عزیمت کے تمام حالات و واقعات جو قدرت کے تصرفات ہیں نہ کسی کے بغیر ذکر کرامات۔ جو کسی کے بچہ میں نہ آئیں۔ یہ سب غلط ہو جائینگے۔ یہ تو نہ کسی مشرقی مؤرخ کی جدید تحقیقات کا نتیجہ بنا ہوتا ہے اور نہ کسی مغربی محقق کے اقتباسات مزید کا مدعا۔ دیکھو باوجود انکار و جھڑپ اور خوارقِ عادت۔ آپ کے محسن و معادن ڈاکٹر سرسید احمد خاں صاحب اس واقعہ کی حقیقت کا کس نفی میں سے انکشاف فرماتے ہیں۔

میں اپنے اس خطبہ میں اس لغو اور بیہودہ روایتوں اور قرآن مجید کے غلط معنی بیان کرنے پر جو مفسرین نے اس واقعہ کی بابت بیان کی ہے۔ بحث کرنا نہیں چاہتا میں ایک لمبا مباحثہ ہے۔ مگر جو واقعہ کہ گزرا اسکو صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیتا ہوں۔

کتابوں میں مذکور ہے کہ اصحاب فیل سے پہلے تین دفعہ کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کیا مگر غلط

آؤت میں گرفتار ہو گئے (کیا یہ قدرت کا اظہار اور اعجاز و کرامت کا اقرار نہیں ہے)

وہ قصے چنداں مشہور نہیں ہیں۔ مشہور قصہ اصحاب فیل کا ہے۔ ابراہیم الاشرم جو ایک عیسائی حاکم مین تھا۔ اس نے صنعاء یمن میں قوسبہ عماران کے ایک عظیم الشان کنیسہ یعنی گرجا بنایا تھا اور فلیس اسکا نام رکھا تھا۔ اور یہ بات چاہی کہ لوگ کعبہ کا حج چھوڑ دیں اور اس کنیسہ کا حج کیا کریں اور اسلئے اسکے ڈھانے کا ارادہ کیا اور مع فوج کے اور چند ہاتھوں کے روانہ ہوا اور مغس میں اتر کر اس وقت قریش کناہہ رزاعہ اور ہذیل سب لڑنے کو تیار ہو گئے مگر انہوں نے ابراہیم الاشرم سے مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے میں نہیں پائی۔ ابراہیم الاشرم نے کہا یہ سچا کہ مجھے تم سے جدال و قتال منظور نہیں ہے بلکہ کعبہ کا ڈھانا صرف مقصود ہے۔ اس گفتگو میں چند روز گزرے اور اسی درمیان میں ابراہیم کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ پھر تمام لشکر برباد ہو گیا۔ بہت سے مر گئے خدائے تعالیٰ نے انہیں ایسی آفت ڈالی کہ جو بد ارادہ انہوں نے کیا تھا۔ اوپر کامیاب نہ ہو سکے۔ کیا یہ معجزہ کا اعتراف اور اقرار صاف نہیں ہے (مفسرین نے اس قصہ کو عجیب طرح سے رنگا ہے۔ قرآن مجید میں دو لفظ طیراً اور اسحارۃ آئے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کی مناسبت سے جو مفسرین اور مفسرین نے چاہا بنا لیا ہے جسکی کچھ اصل نہیں ہے خطبات ص ۵۵۲۔ لاہور

مرقمہ بالا عبارت میں سید صاحب نے باوجود تردید و تنقید معانی اصل مطالب کو بالکل ویسا ہی لکھ دیا ہے جیسا کہ ہم عربی کے معتبر اور مستند ماخذوں سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ اصل واقعہ سے نہ سید صاحب کو اثر کیا ہو سکتا ہے نہ دنیا پر میں کسی کو بھی۔ مگر تمام دنیا کے خلاف شبلی صاحب تنہا اسکو مرفوع القلم فرماتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔ حالانکہ سیرۃ النبی کے لکھنے والے اسکو اپنی ولادت سے قبل دو جیسے قیل کا واقعہ تمام تاریخوں میں بتلاتے ہیں۔ اور تمام مشاہدہ تاریخی سے یہ امر صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ واقعہ اصحاب فیل کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود قائم ہو چکا تھا اور یہ ولایت الہی ساری مہینوں سے جناب انہ بنت و مہرب سلام اللہ علیہا کے بطن مظہر میں امانت تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں۔

ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الاثنين لعشر لیال مخلون من شهر ربيع الاول وكان قدوم اصحاب الفیل للنصف من التحرم فباين الفیل وباين مولد رسول اللہ صلعم	جناب رسالتنا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسویں ربيع الاول کی رات کو۔ دو شنبہ کے دن پیدا ہوئے اور نصف (۵) محرم میں اصحاب الفیل مکہ میں آچکے تھے تو اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور واقعہ اصحاب
---	--

شمس و شمسون لیلۃ

نیل کے درمیان کل پچپن راتوں کی مدت گزری تھی

ص ۶۲ مطبوعہ جرمن

طبقات ص ۶۲ مطبوعہ جرمن

اسی بنا پر ابن ہشام نے ہی ص ۵۶ ج ۱ میں آنحضرت صلیع کی ولادت اور مکہ میں اصحاب بیل کی آمد ایک ہی سال کے اندر تحریر کی ہے۔

پھر ایک مورخ ایک سیرت نویس اور ایک محقق۔ اتنے قریب کے گذرے ہوئے ایسے مشہور و معروف واقعہ کو جس سے اس ملک کی تاریخ میں ایک زمانہ قائم ہوتا ہو۔ کیسے قلم انداز کر سکتا ہے۔ مگر مولوی شبلی تمام سیر و تواریخ کے خلاف اسکو مرفوع القلم فرما سکے۔ اگر اسکے استخفاف و استقصار کی مصلحت آپ نے ایک فلسفی مورخ ہونے کی حیثیت سے اختیار کی ہے تو یہ بھی آپ کی عقل کی خوبی ہے۔ آپ کی مختصرات یا سیرۃ النبیؐ کو کوئی فلسفہ تاریخ عرب نہیں کہہ سکتا نہ کم سے کم ابن خلدون کا نمونہ سمجھ سکتا۔ آپ کو جو کچھ فلسفہ یا منطق کے اصول و دلائل تاریخ و حدیث کی تحقیق و تنقیہ میں بیان کرتے تھے۔ وہ آپ مقدمہ الکتاب میں بیان کر چکے۔ مولوی شبلی صاحب کو یقین کر لینا چاہیے کہ جب تک آپ خدا کی قدرت اور اس کی بشیارا اور لائتھا تصرفات سے قطعی انکار نہ کر لینگے۔ اس وقت تک آپ ان جبروت الہیہ کے کسی مشاہدہ کو خارج از عقل اور ناممکن نہیں کہہ سکتے۔ اور شبلی صاحب پر کیا منحصر ہے تمام بنی نوع انسان کو۔ عام اس سے کہ وہ فلسفی ہوں یا سنیست ہوں، مورخ ہوں یا محدث، شاعر ہوں یا ادیب۔ جب تک کہ وہ خدا اور اسکی اسچی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اونکو۔ ان تمام خارج از عقل بحالات اور ناممکنات کو بالکل مطابق عقل معمول قدرت اور ممکن الوقوع ماننا ہی پڑیگا۔

اگر شبلی صاحب کا بھی یہی خیال ہے اور اسی خیال کی بنا پر موجودہ عام تاریکی کے زمانہ میں صرف نئی روشنی والوں کے خوف تشنیع سے۔ آپ نے اس واقعہ کو مرفوع القلم فرمایا ہے تو وہ اپنی اسی کتاب میں دیکھیں کہ آپ نے حضرت ابراہیم کے وقت سے لیکر آنحضرت صلیع کی وفات تک خدا کی جبروت قدرت کے کتنے واقعات مندرج کئے ہیں اور صرف نقل و اندراج ہی نہیں بلکہ انھیں کے استنباط پر اپنے استدلال قائم فرمائے ہیں۔ پھر اپنے ہی اختیاء کردہ مختار و معیار سے خلاف ورزی شعار دانشمندی نہیں۔

ہم اتنا لکھنے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شبلی صاحب سے اچھے تو اوں کے تلمیذ رشید مولوی سلیمان صاحب ندوی نکلے جنہوں نے باوجود اسکے کہ یہ واقعہ اونکا موضوع تالیف بھی نہیں تھا۔ اپنی کتاب ارض القرآن میں اس واقعہ کو من حیث الوقوع پوری تفصیل سے لکھ کر جدید مفسرین کے بعض غمخیزات کی تنقید بھی کر دی ہے۔ افسوس کہ آپ تو اتنا ہی نہ کر سکے۔

سید صاحب کے تغیرات فی اللفظ اور
تصرفات فی المعنی کی تنقید و تردید

اب رہا یہ امر کہ سید صاحب نے ہی اس سے انکار کیا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ سید صاحب نے اصل واقعہ سے ذرا بھی انکار نہیں کیا ہے اور سید صاحب پر کیا کوئی ہی اسکی تاریخی حیثیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ سید صاحب نے اس واقعہ کے متعلق صرف ابابیلوں کے ذریعہ سے سنگبارانی پر اعتراض کیا ہے اور اسکو معمولی افسانہ اور محض کہانی ٹھہرایا ہے بشبلی صاحب نے تو واقعہ کا واقعہ ہی مرفوع و مقطوع فرما دیا ہے گویا اسکا وجود وقوع آپ کے نزدیک ثابت ہی نہیں۔ اسی حالت میں آپ کا مختار اور سید صاحب کی رائے کیسے مساوی ہو سکتی ہے۔ ہر ذی فہم آسانی سے سمجھ لے گا کہ تحقیق و تلاش واقعات میں آپ کا کیا سرمایہ ہے اور سید صاحب کا کیا پایہ۔

سید کو اس پر اعتراض کی کیا ضرورت لاحق ہوئی۔ سید صاحب نے لندن میں بیٹھ کر اور ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری کے امیدوار بن کر اپنے خیالات کے اقتباسات کو اپنی کتاب خطبات میں اتحاد بین المذاہب کے اصول پر جمع کیا۔ اتحاد کا خیال تو اسلام میں بہت قدیم ہے۔ تمام مذاہب کے خلاف اسلام ہی نے سب سے پہلے اتحاد فی المذاہب کی حقیقت کا انکشاف کیا اور اس مسئلہ کو صاف کر کے بتلادیا کہ ہمارا وہی مذہب ہے جو آدم کا مذہب ہے۔ ہمارا وہی دین ہے۔ جو ابراہیم کا دین ہے۔ ہمارا وہی طریق ہے۔ جو عیسیٰ کا طریق ہے۔ اہل مولود یولد علی فطرۃ اکھلاص۔ تمام انسان فطرت اسلام پر خلوت کئے گئے ہیں۔ اسی کی پہلی تعلیم ہے اس لئے مسئلہ گویا اسلام کی ایجاد ہے اور اسلام ہی اسکا موجد ہے۔ اس بنا پر یہ اتحاد تو ہمارا خاص اعتقاد ہے۔ اس سے ہکو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ اختلاف بین المذاہب ہے۔ وہ بعد کے معتقدات اور عملیات ہیں۔ جن کے لانہا اور بے شمار اختلاف رائے و العمل نے رشتہ اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ہر مذہب و ملت کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر دیا بلکہ ایک کو دوسرے کا سخت مخالف بنا کر مقابلہ اور قتال پر آج تک تیار کر رکھا ہے۔

چونکہ اختلاف مذاہب پر بحث کرنا میرا مقصد نہیں ہے، اس لئے اس سے قطع نظر کہ تم اپنے مدعا سے بیان پر آجاتے ہیں۔ سید صاحب نے اول تو اسی اتحاد کے اصول کو اپنے خطبات کی ترتیب و تدوین کی وقت پیش نظر رکھا ہے۔ دوسرے اسی ضرورت سے انہوں نے ماہرین فلسفہ مغربی اور تحقیقین علم ہستی کی تحقیقات سے پیمانے پر علم الہیات کے خاص مسائل کا بھی موازنہ کرنا چاہا ہے۔ لیکن اس موازنہ میں مغربی تحقیقات کی حسن و قبح ظاہر یا پس تنقید میں نظر ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکے۔ سید صاحب کی تنقید ہی قوت سرور کیم پیور اور ان مستعصب عیسائیوں کے لغویات کی تردید و تکذیب تک تمام ہو گئی ہے۔ جنہوں نے بیباکی سے آنحضرت صلی علیہ وسلم کی سیاست نظام حکومت اور احکام شریعت پر اعتراض کئے ہیں۔ مگر ان امور کی نسبت ہمیشہ کو قلمی اور قصیر النظری سے

کام لیا گیا ہے۔ یورپین محققین کے مقابلہ میں عربی مورخین کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ اور یورپین محققین کی ایسی شدید تقلید اختیار کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ایسے سہل اور عام فہم الفاظ کے وقت خیز غیر مرسوم۔ خلاف محاورات اور غیر مصطلحات معانی بتلانے میں اور دراز قیاس و واقع تاویل فرمانے میں ذرا ہی تامل نہیں کیا گیا ہے بلکہ کچھ کچھ الفاظ میں قدرت الہیہ کے جبروت اور اس کے اظہار کی غیر متحمل ضرورت۔ خانہ کعبہ کی حفاظت وغیرہ کے تمام حالات و واقعات سے بالکل انکار کر کے۔ ان مشاہدات قدیمہ اور کرامات عظیمہ کو جو ٹٹے فسانے اور اون کے سلسلہ رواۃ کو جن میں ہر طبقہ اور ہر درجہ کے اسلامی محدثین و مفسرین شامل ہیں ایک سرے سے (نعوذ باللہ) وضاع اور کذاب ٹھہرا دئے گئے ہیں۔ مگر قیاسین یورپ کے قیاسات پر تنقید و تحقیق کی نگاہ سرسری ہی نہیں ڈالی گئی۔ حالانکہ انھیں یورپ والوں کے کتب قدیمہ کے اخبار و آثار پر اگر محض سطحی نظر ہی پڑتی جاتی۔ تو غالباً اون کے خاص مرویات و معتقدات میں اتنے مہملات اور محالات جو اصل میں اون کے توہمات کے طور اور انبار ہیں۔ مشاہدہ کئے جاتے۔ جو کسی کے عقل میں کیا وہم و گمان میں ہی نہیں آسکتے تھے۔ غیرت ہے اور افسوس ہے کہ سید صاحب کے خطبات میں نہ انکی کوئی تفصیل قلمبند ہے اور نہ تنقید۔

بہر حال۔ اگر سید صاحب کی یہ خاص رائے ہے۔ تو بہتر ہے وہ اپنے ہی معتقدات تک اسکو محدود و موقوف رکھیں عام مسلمانوں کو اسکے تسلیم کی تکلیف نہ دیں۔ اور یقین کر لیں کہ آپ کی اس تعلیم سے تمام مسلمانوں کو جبروت قدرت کے تصرفات اور ضرورت کے وقت اون کے عجائب و غرائب مشاہدات سے انکار کرنا پڑے گا۔ جو ان کے عقائد کو باطل اور اون کے قلوب سے نور ایمان و عرفان کو زائل کر دے گا۔

یہاں تو اب اس سے ابابیل بصفہ جمع عام قیاس کیا گیا ہے۔ اور طیار کو طیر کے مادہ سے بقاعدہ استخراج۔ مستخرج بتلایا گیا ہے اور اسکے معنی قال بد کے مراد لئے گئے ہیں۔ مگر العقل و الجبرادیع ان کے صاف و صریح الفاظ قرآنی میں قوم فرعون پر عذاب الہی کی جو مختلف صورتیں بتلائی گئی ہیں۔ ان کے معنیوں میں مسلمانوں کو کسی تاویل بتلائی جائیگی۔ ابابیل تو عقل صحیح کے سامنے کسی مقدار کا جانور تسلیم ہی کیا جاسکتا ہے۔ مگر عقل جسے آپ لٹو کہتے ہیں۔ انکی تو ابابیل کے مقابلہ میں کوئی مقدار ہی نہیں قائم کی جاسکتی۔ پھر قوم فرعون کے ایسے توانا اور قوی ہر شکل انسانوں کو ایسے ہیچمداد اور لا وجود حشرۃ الارض کا تباہ و برباد کر دینا۔ جو انھیں قرآنی سے ثابت ہے۔ کیونکہ خلاف عقل اور ناممکن نہ ٹھہرا جائیگا۔ ابابیل کوئی بتلائے کہ سید صاحب کی اس تعلیم سے غریب مسلمانوں کو قرآن سے انکار صریح کرنا ہو گا یا نہیں۔ اور انکار قرآن کے بعد پھر وہ مسلمان رہیں گے اور نہ اسکا ایمان ایمان۔

قرآن پر موقوف نہیں۔ قرآن سے پہلے کی تمام کتب مقدسہ میں ان مشاہدات قدرت کی اس سے زیادہ تصریح و تفصیل مندرج ہے۔ مگر اس وقت سے لیکر اس وقت تک اون کے متبعین اور معتقدین اقوام کو جنہیں زیادہ تر یورپ

کے محققین شامل ہیں۔ ذرا ہی انکار نہیں ہے کہ وہ انکو اپنے مقامات میں غلط ٹھہرتے ہیں نہ انکو صنوع و موضوع بتلاتے ہیں۔ یورپ کے تمام ممالک میں بھیجی اسوقت فیلسفہ و طبیعت کا پتلا دکھائی دیتا ہے مگر حسب اوسکے معتقدات اسکے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ یا جسوقت اسکا کوئی مذہبی پیشوا کسی مذہبی مجلس میں یا خاص طور پر ان مشاہدات قدرت کو جو جناب عیسیٰ مریم کی تصدیقی رسالت اور تکلیف ملاوت کی ضرورت سے مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوئے اور نیز اس کے مابعد بھی عیسائیت کے اثبات و استلال میں جو آریوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے۔ ان سے بیان کئے جاتے ہیں تو وہ سمجھا اور اطاعتاً کہہ کر اوتھیں مان لیتا ہے اور ان کے محال عقل اور بیرون قیاس ہونے پر اپنے فلسفہ و طبیعت کی ذرا ہی روشنی نہیں ڈالتا۔ کیونکہ وہ ان امور کو ابتدا ہی میں سمجھ چکا ہے اور یقین کر چکا ہے کہ حسب قدرت کو تسلیم کر لیا گیا ہے تو اوسکے عمل سے انکار صریح جمالتا ہے۔ اکثر محققین یورپ کی احتیاط کی اپ تک یہی حالت ہے ہم اوت میں سے چند مختار ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔

فرانس کا مشہور فاضل کیمیل فلارمیان (Camel Flamern) جو ذیل سائنس کا استاد مانا جاتا ہے۔ اپنی کتاب اسپرچوز لیبرم (Spiritualism) میں لکھتا ہے:-

انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز نظر سے ہٹ جاتی ہے یا جسکو وہ نہیں جانتا اور سمجھ نہیں سکتا اسکے وجود سے انکار کرتا ہے۔ ہیروڈوٹس یا پلین کی تحریروں میں اگر ہم یہ پڑھیں کہ ایک عورت کی ران میں چاتی تھی اور اسی سے وہ اپنے بچے کو زود زود پلاتی تھی تو ہکو بے اختیار ہنسی آتی اور ہم استہزاکرے۔ لیکن پیرس کی علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جون ۱۸۲۶ء میں یہ واقعہ براہ العین مشاہدہ کیا گیا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مگر کیا اور حسب اوسکی تشریح کی گئی تو اس کے پیٹ میں ایک بچہ پایا گیا۔ جو اوس شخص کا تو ام تھا۔ اور اسکے جسم میں پردوش پارہا تھا۔ تو ہم اس واقعہ کو شخص خرافات سمجھتے۔ لیکن چند روز ہوئے کہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بچہ چھپن میں اس تکس بدن ہی میں پردوش پاتا رہا اور ہر وقت ہر سیر و ڈس کے ایک شخص ہم سے کہتا ہے کہ گوڑ کا یہ بیان کہ سکندر کی موی روکستان نے ایک ایسا بچہ دیا تھا جس کے سر پر تھا۔ خلافت خلیفہ مجاہد آتا تھا لیکن آج تمام طبیبی و کثرتوں میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سے بچے لیڈر سر کے پیدا ہوئے ہیں۔

اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہیں کہ ہکو احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ جو لوگ فیلسفہ و طبیعت کے انکار کر دیا کرتے ہیں وہ جاہل اور کوون ہیں۔ دکائل فلارمیان کی کتاب ص ۲۴۲ جو الکلام شلی

(ص ۱۱۸ ج ۲)

مولوی شلی صاحب الکلام جلد دوم میں خرق عادت اور روحانی فوہیات کی نسبت خود تحریر فرماتے ہیں کہ:-

چونکہ ہمارے ملک میں عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ یورپ عام طور پر خرق عادات کا منکر ہے اور اسی بنا پر جدید تعلیم کا ایک ایک کچھ ہر قسم کے ایک ایسے واقعہ پر جو محسوسات عام کے خلاف ہو۔ استہزا اور انکار کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ خرق عادات کے متعلق یورپ کے مشہور مستند حکما و فضلا کے اقوال و آراء اس موقع پر نقل کریں۔

۱۸۶۹ء میں بمقام لندن ایک بہت بڑی مجلس ان امور کی تحقیقات کیے منعقد ہوئی۔ اس مجلس کے ارکان یہ تھے۔

سر جان لیک (Sir John Lake) ممبر پارلیمنٹ صدر انجمن
 پروفیسر ہیکسلی (Prof Huxely) علم طبیعیات کا سب سے بڑا عالم وکیل
 لوئیس (Louis) فیزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم
 الفرڈ وایلز (Alfred Wales) جو ڈارون کا ہم عصر اور سلسلہ ارتقا میں بابر کا شریک تھا۔ ممبر
 مارگن (Morgen) مجلس علوم ریاضیہ کا صدر انجمن ممبر
 جان کاکس (John Cox)

ان کے سوا اور بہت سے فضلا شریک مجلس تھے۔ اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس برائے تحقیقات کرتی رہی اخیر میں مجلس نے جو رپورٹ تیار کی اس کے بعض فقرے یہ ہیں۔

مجلس نے اپنی تحقیقات کا مدار صرف ان تجویزوں پر رکھا جو مجلس نے برائے الدین مشاہدہ کئے اور جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجلس میں چار ممبر ایسے تھے جو شرع میں اس قسم کے واقعات کے سخت منکر تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ یا تو ان واقعات میں فریب اور شعبہ بازی سے کام لیا جاتا ہے۔ یا خود انسان کے عصبی نظام کا اثر ہے۔ لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجویزوں کے بعد ان کو یہ قرار کرنا پڑا کہ یہ خرق عادات حقیقی اور واقعی ہیں۔

اس کے بعد انگلستان اور امریکا میں اسکی تحقیقات کے لئے ایک مجلس قائم ہوئی جس کے صدر انجمن ہیزل ووب اور ہوڈسن تھے۔ یہ مجلس قریباً بارہ برس تک تحقیقات میں مصروف رہی اور بالآخر ۱۸۹۹ء میں اس نے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات (خرق عادات اور روحانی اثرات) کی صحت کا اعتراف کیا۔ ہیزل ووب نے جو رائے لکھی اس کے بعض فقرے یہ ہیں:-

مجھ کو امید ہے کہ میں برسوں بعد تمام دنیا کے سامنے دلائل قطعیہ سے ثابت کر دوں گا کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ میں خود اپنی آنکھوں سے وہ خرق عادات دیکھے جن کی نسبت کسی طرح

شعبہ د اور فریب کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

ہوڈسن کی رپورٹ کے بعض جملے یہ ہیں۔

دنیا کو بہت جلد عظیم انسان جدید اطلالیں حاصل ہونیوالی ہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ ایک برس میں میں دنیا کے لئے انسانی زندگی کیلئے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کروں گا۔ اگر پروفیسر ہنز کو ب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اوس نے مردوں کی روحوں سے باتیں کیں تو اوس نے بالکل سچ دعویٰ کیا ہے۔ پروفیسر کا کس۔ جو امپیرل سائنٹیفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے۔ اوس نے مجمع عام میں کہا۔ میں صرف یہی نہیں کہتا کہ یہ (خرق عادات اور روحانی اثرات) ممکن ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ بالکل حقیقت واقعی ہے۔

اپنی کتاب اسپیریکولسزم میں لکھتا ہے :-

چونکہ مجھ کو ان واقعات کا قطعی یقین ہو چکا ہے۔ اسلئے یہ اخلاقی نامردی ہے کہ میں ان کے ظاہر کرنے

میں اس بنا پر ہچکچاؤں کہ نکتہ چیں میری سہمی اور اٹینگے۔

جرمن کا مشہور شخصیت داں زولنر Zolner ہی اسکی طرف متوجہ ہوا۔ اسکے ساتھ چند فضلا شریک ہوئے جنہیں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

ویسر (Veler)

Fashioner فیشنر فیکل سائنس کا استاد اور یونیورسٹی کا پروفیسر

Vendette ونڈٹ نہایت مشہور فاضل اور یونیورسٹی کا پروفیسر

بالآخر بہت ہی تحقیقات کے بعد ان تمام فاضلوں نے روح کے عجیب و غریب کوششوں کا اعتراف کیا۔ زولنر بہت بڑا عالم تھا۔ اسکے اعتراف پر لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید اوس نے دھوکا کھایا۔ چنانچہ چند مشہور پروفیسروں نے یہ خیال اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اسپر زولنر نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام اوراق علمیہ ہے۔ اس میں نہایت زور و شور سے اپنے مشاہدات کا حوالہ دیا اور انکی صحت پر دلائل قائم کئے۔

۱۸۹۱ء میں جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اوسکے ایک جلسہ میں پروفیسر لودج (Lodge) نے جو

بہت بڑا ریاضی داں ہے ایک لکچر دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا۔

اب وہ وقت آگیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم میں اب تک جو حد فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے جس طرح

اور بہت سی حدیں ٹوٹ گئیں۔ اس طریقہ سے ثابت ہو جائیگا کہ ممکنات کی کچھ حدود انتہا نہیں اور یہ کہ

جس قدر ہم جانتے ہیں وہ بقایا ان چیزوں کے جو ہم کو معلوم نہیں ہیں کچھ نسبت نہیں رکھتی۔

۲۲ جون ۱۸۹۸ء کو جو کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پروفیسر ڈوٹروچے Du Dutrochete نے اپنی اسپیچ میں کہا۔

یہ خرق عادات جو اس وقت ہم نے مشاہدہ کئے۔ اور جن کے ذکر سے ان لوگوں کو طیش آجاتا ہے جو اپنے آپ کو عالم خیال کرتے ہیں اور جزئی مسئلہ و مباحثہ علمیہ پر گفتگو کرتے ہیں۔ ان میں متواتر مشاہدات کے سلسلہ میں داخل ہیں جو ایک مدت سے ہمارے تجربہ میں آ رہے ہیں اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہو گیا ہے۔

۱۸۹۲ء میں بمقام میلان ایک بہت بڑی کمیٹی منعقد ہوئی جس کے ممبر سب ذیل تھے۔

الگزینڈر گزاکوف Alexander Kozokoff

جیوفانی۔ میلان کے صد خانہ کا سکریٹری

کارل وورل۔ جرمن کا مشہور ڈاکٹر

جیوروب جیوروا۔ فریجکل سائنس کا پروفیسر

لسبوس روزو (Lombroso)

ان علما نے ۱۶ اجلاس میں ان امور کی تحقیقات کی اور بالآخر اپنی رپورٹ میں کہا کہ۔

جو خرق عادات ہم نے مشاہدہ کئے۔ انہیں کئی قسم کا شعبہ بازی یا چالاک نہیں تھی۔ اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہیں کہ مسائل علمیہ میں داخل کئے جائیں۔

(منقول از کتاب الکلام جلد دوم مولفہ مولوی شمس علی از نصف ۱۲۰-۱۲۵)

ہم نے قبل صاحب کے خاص انتقادات کلامیہ سے خرق عادات اور جھڑپ کے وجود و ثبوت میں تحقیق پورے کئے۔ اتنے اعتراضات پیش کر دیے اور ہماری موجودہ ضرورت تنقیدی کے لئے اتنی ہی کافی ہے کہ ہم ہمیشہ علمائوں پر اور غیرت سے ان نادانوں پر جو بلا تحقیق و تحقیق اور بلا تامل و تکلف ایک ذرا سے شبہ پر غصہ میں آتی اور ان کے تمام مفسرین غرضین اور مؤرخین کو جید ہرک و حرکتیں اور کڑا بین کر دیتے ہیں۔

سید صاحب اور علی الاکثر انگریزی تعلیم یافتہ مجددین و مجددین کے معانی قرآن میں ایسے لغو اور زائل تاویل کی جس سے جہ جرات ہوئی ہے۔ وہ سیرت ابن ہشام کی یہ عبارت ہے۔

قال ابن السكيت مصداق مني يعقوب ابن عبد الله	ابن الحان کہتے ہیں کہ یعقوب ابن عبد الله نے فرمایا ہے بیان کیا کہ
مصداق اولی صاف بیت الحکیم ہے و ابجد ہوتا	اسی سال تک عرب میں جہم پر اس نے نکلے اور بابلہ والی باری ہودا
باصول العرب ذالک العام و انتہ اول ما	ہوئی اور اسی سال عرب کی سرزمین پر پیدا۔ (کالیہ دانے) ناگ

لہذا ہر امر التیجرا الحاصل والاحتیاط والعشما
ذات العام۔

پہنسی اور شہر ایک قسم کا گوند پیدا کر نوا (درخت) کے پتے ہی نکلنا
شروع ہوئے۔
مطبوعہ مصر ص ۹ ایچ ۱

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ابن ہشام اپنے اس بیان میں بالکل منقروہ ہے۔ واقعہ می اور ابن سعد اسکا کوئی
ذکر نہیں کرتے۔ اس بنا پر شخص کہہ سکتا ہے کہ وہ غلطی میں کسی نے اس کے وقوع کا اثر نہیں کیا ہے اور
شبلی صاحب کے اصول تحقیق و تنقید کے اعتبار پر جب تک یہ واقعہ تاریخی، علمی سے حدیث کا مخصوص حصہ صحیحین کا
مختار نہ ثابت ہو سکے، ماننا سچا ہے گا۔ اور کسی صحیح المآخذ و مسلمان کے نزدیک قابل اعتبار و اعتماد سمجھنا جائیگا۔
اور اگر شبلی صاحب کی زبانی حرم و احتیاط کے خلاف ابن ہشام کو اسکی قدامت کی وجہ سے قابل اعتبار سمجھ
بھی لیں تو یہی یہ کہا جائیگا کہ ابن ہشام نے اسکو قصہ اباسیل کی کامل تصویر و تفصیل کے بعد لکھا ہے۔ اس بنا پر یہ بھولی
ثابت ہے کہ اس روایت پر ابن اسحاق نے اپنا مختار قائم کیا ہے اور ابن ہشام نے کیونکہ سیاق عبارت سے
اس کیلئے کوئی زمانہ مقرر نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ سمجھا جاوے یا یقین کر لیا جاوے کہ چچا کی و باعلین اوسی روز
اور اسی وقت بھوٹ نکلی جب ابرہہ الا شرم اپنی فوج گراں لیکر غانہ کعبہ کے انہدام کیلئے مکہ میں داخل ہوا تھا۔ بلکہ
وہ تو کہتے ہیں کہ یعقوب ابن عتبہ کامیان ہے کہ اوسی سال عرب میں جہم میں دانے اور آبلے پڑنے والی بیماری کا آغاز ہوا
اور اس سے پہلے نہیں تھی۔

اس عبارت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اوسی سال کے اندر اس وبا کا شیوع ہوا۔ ابن سعد اور ابن ہشام
کے متفقہ اقوال کے مطابق۔ اصحاب نبیل کا واقعہ نصف ماہ حرم میں وقوع پذیر ہوا۔ اسلئے ممکن ہے کہ سال بھر کے اندر
حرم سے لیکر آئندہ ذی الحجہ تک کے بارہ مہینوں کی مدت میں یہ امراض و بائی نمایاں ہوئے۔
پھر جب اس روایت سے اس وبا کا آمد اصحاب نبیل یا انکے حلات کے عین وقت میں بھوٹ پڑنا ثابت نہیں ہوتا
تو قرآن مجید کی ایسی صاف اور کھلی معنیوں میں تاویلات مملہ گانبار گنا محض بیسود اور بیکار ہے۔

ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ تمام مسلمان بھی کہ ابن ہشام نے بھی صحیح لکھا ہے۔ اور ابن اسحاق سے
ابن ہشام نے بھی صحیح روایت کی ہے کہ اوسی عام الضیل کے اندر اندر اوس قادر مطلق نے قوم عرب کی تنبیہ و عبرت کے
اوس عارضی اور وقتی عذاب (احجار اباسیل) کے ساتھ ہی ساتھ اس دائمی اور قائمی بلا و مصیبت (وبائے چچا) کو
بھی نازل فرمایا۔ تو اس سے واقعہ اباسیل کے ظہور و وقوع میں کیا نقصان و تخریب ہوتا ہے۔ ہاں اگر ابن ہشام نے
اباسیل کے واقعہ کو نہ لکھا ہوتا۔ اور صرف وبائے چچا کے شیوع کو قلمبند کیا ہوتا تو کسی قدر ان حضرات کے تاویلات
مملہ کے لئے گنجائش ہو سکتی تھی۔

اباسیل کو آپا کی جمع بتلانا ابلیثی ہے۔ ابن ہشام اور ابن اسحاق دونوں بزرگوار عربی النسل تھے عربی

اور ان کی خاص زبان تھی۔ اوبہ لغت کے ماہر کامل تھے۔ اور عالم و فاضل۔ وہ ہندی نژاد خام عربی دانوں کی طرح
ابیل کو آبلہ کی جمع بتلا دینے کی ایذریسی نہیں کر سکتے تھے۔ موجودہ زمانہ کے انگریزی تعلیمیافتہ حضرات نے ابیل
کو آبلہ کی جمع سمجھ کر اپنی عربی دانی اور ایجاب طبعی کا نمونہ دکھایا ہے۔ ان کی اس قیاسی لفظ شناسی کی حقیقت کا انکشاف
صراح اللغات کی مفصلہ ذیل عبارت سے ہو جاتا ہے۔

وَكَذَا طَيْرٌ ابَا بَيْسِلٍ قَالَ وَهَكَذَا لِيُحْيِي فِيهِ
التَّكْثِيرُ وَهِيَ مِنَ الْحَجَمِ الَّذِي كَانُوا أَحْدَادًا
وَقَالَ بَعْضُهُمْ وَأَحَدُهُ الْوَلُّ مِثْلُ بَيْسِلٍ وَقَالَ
بَعْضُهُمْ بَيْسِلٍ وَقَالَ وَلَمْ أَحَدًا هَرَبَ تَعْرِفَ
لَهُ وَأَحَدًا

صراح مبلوہ کلثہ ص ۸۲

اسی طرح لفظ ابیل ہے رشتہ لفظ ابیل سے اور جمعیت
کثرت سے اسکو ابیل کہتے ہیں۔ اور یہ اسی جمع ہے جس کا واحد
نہیں ہے بعضوں نے ابیل کو مثل عجل کو اسکا واحد قرار دیا ہے
اور بعض ابیل کو اسکا واحد بتلاتے ہیں۔ مگر آخر قول یہ ہے کہ
اہل عرب میں سے کسی ایک نے ہی اس جمع کا واحد نہیں بتلایا
صراح اللغات

اب قیاس کہ ابیل آبلہ کی جمع ہے یا اور کچھ مشتقات سے کسی سرسری غلطی سے اور کھلی نگاہی ایذریسی
وہ محدود علم و اطلاع والے مسلمان جو اس لفظ کے لغوی تحقیق سے قاصر ہیں وہ اس عالم فریبی میں پڑ کر عبارت
قرآنی کے صحیح مطالب معانی کے سمجھنے میں ضرورتاً لکڑی لگے۔ ان کی نیت میں فساد و عقیدت میں ارتداد اور
معرفت میں اشتباہ کے سیاہ داغ لگتے جاتے ہیں۔ گروہ خلیفہ جو ان مطالب و مقاصد کی حقیقت پر کمالی علم و اطلاع
رکھتا ہے وہ یہ بھی ان وساوس شیطانی پر متوجہ ہوتا ہے اور ان مفاسد نہانی کو کبھی خیال میں لاتا ہے۔
لغت عرب میں آبلہ کوئی لفظ نہیں۔ بلکہ تشرک۔ حرف الف ایک لفظ ہے۔
آبلہ عربی کا کوئی لفظ نہیں۔ جس کے معنی ہو قوت کے ہیں۔ فارسی کے آبلہ بزوات حرف الف غالباً
اسی سے مشتق ہے۔ آبلہ فارسی فارسی کا لفظ ہے جس کے معنی چھوٹے۔ یا چھوٹے کے ہیں۔ جو اکثر جبل جہانے کی
وجہ سے انسان کے جسم پر پڑھاتا ہے۔ اور آبلہ سے مرعش چھپک کی مناسبت بالکل صحیح اور فی الواقع ہے۔ مگر آبلہ
سے ابیل کا تنا سبب بالکل بے بنیاد ہے۔

ابہرہ اس واقعہ کا خیال عقلی ہونا۔ اس کی نسبت تیسرا صاحب نے جو اپنی طرف سے یہ لکھ کر کہ ان لغو اور
بیہودہ روایتوں پر اور قرآن مجید کے غلط معانی بیان کرنے پر جو غصہ میں ہے اس قصہ کی نسبت بیان کی ہیں ہیں
بحث کرنا نہیں چاہتا جس میں ایک صاحب کا مذکورہ مباحثہ ہے۔ خطبات ص ۵۵۲۔ جو مجبوری و کمالاتی ہے وہی
مجہول ہی لا حق ہے۔ کیونکہ میری موجودہ تالیف تاریخ و سیر کے مضامین پر حاوی ہے جس کو منقولہ و مستحکم
تعلیق سے مستحکم ثابت ہے۔ مگر تاہم ہم نے خرق عادات اور قدرت کے تصرفات کے متعلق محققین یورپ اور

محمد بن مغرب کے اعترافات اور لکھ دئے ہیں جن سے معتز ضہین اور شہیدین حضرت اس کی پوری تسکین ہو جائیگی
وما توفیق الا باللہ۔

مگر تاہم ناظرین کتاب کی مرشدی کے لئے اتنا اور لکھ دینا میرے لئے ضروری ہے۔ جیسا کہ اس بحث کے آغاز میں
لکھا گیا ہے کہ جب خدا سے واجب الوجود کے وجود اور اسکے تمام صفات کو عین ذات سمجھ کر تسلیم کر چکے ہیں اور صرف
اسکو تسلیم ہی نہیں بلکہ انکو عین مشاہدات یقین کر کے انکی شہادت دیکھ چکے ہیں اور یہ امور بحکم ظاہر جسے پوشیدہ اور مخفی
ہیں اور پرانیستے کہ ہرگز کسی وقت اپنے کسی حواس اور قوت سے ذریعہ سے انھیں معلوم نہ ہو سکتے کہ انکی کوئی امید نہیں ہو
نہ انکے احساس کیلئے ہمارے اعضا کے جانی کام آتے ہیں نہ قوائے افہامی تو جب ایک ذات خاص کی نسبت باوجود
ایتنے محالات کے اسکے واحد قادر۔ حاضر اور ناظر ہونے کا ہم باور نہ آئے اقرار اور دل سے تصدیق کرتے ہیں تو
پھر اس قادر مطلق کے اظہار قدرت کی مختلف صورتوں کو عام اس سے کہ ہماری ظاہر میں نگاہوں کی کتنی ہی عجیب غریب
یہ معلوم ہوتی ہوں۔ کیسے حال اور نا ممکن کہہ سکتے ہیں یہ جو حقائق ایسی حالتیں کہ جب قدرت پر دانہ اور تیر و تیر پانچ
کی ان جلوہ آرائیوں کا سلسلہ تاریخی دنیا میں از بیش عالم کے زمانہ سے لیکر اس دم تک ہر زمانے اور ہر وقت میں
جاری و جاری ثابت ہوتا ہے۔ تو اب غرض منقول اور مقول دونوں طریقوں سے کہ ہم اس قدرت کی جلوہ نمایوں کی
تصدیق و اقرار اسی طرح لازم ہو گیا جس طرح اس قادر مطلق کے وجود اور حیرت کا یقین و اعتراف اور قبول
اسلام کا ایسا مسلم مسئلہ عقائدی ہے جو اصحاب حقیقت اور ارباب معرفت کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے
تمام علماء اعظام اور فضلاء سے کہ امحق سبحانہ تعالیٰ کے تمام صفات کو عین ذات اور اس کی تقدس و منزه ذات کو
عین صفات یقین کرتے ہیں اور اسی کی تعلیم کرتے ہیں۔ اس بنا پر اسکے افعال قدرت کو اسکی قدرت سے جدا
یا اسکی قدرت کو اس قادر مطلق سے علیحدہ نہ کرنا۔ اور اس کی حقیقت معرفت کو اور اک ظاہر اور قوائے حسیہ کی
ذریعہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرنا۔ میری کہ وہ عقلی۔ سب اور فنی و فنی و فنی کی یہ قدرت ہے اور اسکے
حیرت ہی کی یہ قوت کہ باوجود ان تمام تعریفیں و تکریمیں کہ بھی غافل سے غافل انسان کو بھی ہر ایک خاصہ نتجہ
اور حالت پر ہر چکر اسکی حیرت قدرت کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔

یہ صاحب نے بھی باوجود ایسے غفلت و شدید اعتراف و انکار کے بھی۔ اسی سبب اور عذابا باطل

کے واقعہ میں بالآخر یہ لکھ کر کہ ”اگر کسی شخص کی و باکھیلی۔ جو اس سے پہلے نہیں تھی۔ تمام لشکر بہاد ہو گیا

ہرگز نہ ہو سکتا۔ اور بہت سے اسی حالتیں پر کہ خدا تعالیٰ نے ان پر ایسی آفت ڈالی کہ جو بہ ارادہ انھوں نے کیا

نکاح اسمیر کامیاب نہ ہوئے۔“ (خود بیان ص ۵۵۲) اس قادر مطلق کی قدرت کا پورا اقرار کر ہی دیا۔ یہی قدرت اسکے

اصل تصرفات ہیں۔

ہم اس بحث کے تمام مقاصد کو ختم کر چکے۔ اس کے خاتمہ پر ہم کو صرف اتنا لکھ دینا باقی رہ گیا ہے کہ تمام مسلمان اصحاب قبل کے واقعات کو حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً اسی طرح صحیح اور فی الواقع یقین کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی فصیح اور عام فہم عبارت میں نازل ہوا ہے۔ ہم ایک قاطع مطلق کا اقرار کر چکے ہیں تو اب اس کے ظہور قدرت سے انکار کرنا ہماری شان عبودیت کے خلاف ہے۔ اپنی ہی ہے شان خدا کی شان کے۔

موجودہ زمانہ کے روشنفکر محققین، فلسفہ جدید کی شہ آبی میں بہت اور طبعیات کے خدائی، اسواقہ کو محض اتفاقات پر محمول کریں یا معمولی حادثات سے تعبیر کریں، عرض بتلائیں یا وہاں، مگر ہم تو قصص قرآنی کے مطابق اس واقعہ کو عذاب الہی کی سخت بلا یقین کرتے ہیں اور عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی سب سے قدیم اور عظیم فتح۔ جو عیسائیوں کے اون گمراہانہ تحریکات و تحریکات کی سزا و پاداش میں حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے اون پر نازل فرمائی گئی جس کو انہوں نے اپنے تعصب و نفسانیت کی بنا پر اس قدیم اور واجب بیت الہی کی توہین و انہدام کیلئے اختیار کیا تھا۔ جس کے بار بار ہم نے تجھے اور مردود راہیہ علیہ السلام اللہ علیہما۔

اگر تاہم انہوں کے درنی گردانی کی تحریف سی زحمت گوارا فرمائی جائے تو ارباب تحقیق کی نگاہوں میں عیسائیوں کے لاپتہ تعصب اور عیسائیت کا حقہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہودیوں کی کورانہ تقلید میں عیسائیوں کی بنواسماعیل کے ساتھ قلبی نفرت کا یہ پورا زمانہ تھا۔ انکی بنواسماعیل اور بنو ہاجرہ کے ساتھ عداوت اس شدت کے ساتھ بڑھی ہوئی تھی کہ باوجود اخبار و آثار صحیحہ سے قدرت و عظمت کعبہ ثابت ہو چکے ہی وہ نہ اسکو معبد الہی تسلیم کرنا گوارا کرتے تھے اور نہ اس کو صرف عمارت امیر اسرائیلی ماننا چاہتے تھے۔ حالانکہ عرب کے تمام اخبار و آثار قدیمہ کافی طور سے اسکا ثبوت دے رہے ہیں اور زمین و آسمان کے خمیر عرب تحقیق ہی یہ جنہوں نے یہودی کی کتب قدیمہ کا ترجمہ کیا ہے۔ اسکی شرحیں لکھی ہیں اسکا اعتراف کرتے ہیں کہ بخت نصر اور شاہان بابل کی تاخت و تاراج کے بعد جب یہودیوں نے عرب اور خصوصاً حوالی مکہ و مدینہ میں سکونت اختیار کی تو وہ ہی اہل عرب کی طرح اس معبد الہی کی عظمت و حریم کرتے تھے۔ اسکو خالص عمارت ابراہیمی یقین کرتے تھے اور عربوں کے ساتھ سالانہ مراسم و ارکان حج بجالاتے تھے۔ مگر آگے چلکر جب گرد و نواح کے حکام میں عیسائیت کا اقتدار قائم ہو گیا اور بنواسماعیل کی قوت و اختیار میں کمی آئی تو یہ (یہودی) ابن الوقتی کر کے عربوں کے اتحاد و اتفاق سے دست بردار ہو کر عیسائیوں کے معین و مددگار بن گئے اور بیت المقدس کی مسافت بعید و کملا اپنا کعبہ الگ بنانے کی ترغیب دی۔ ابراہیمہ الا شرم نے اس تجویز میں مذہبی خیال کے ساتھ سیاسی نظم و تدبیر کو بھی شامل کر دیا۔ اور اس تدبیر سے اس نے اپنی لشکر گاہ، شہر صنعاء کو مکہ کی طرح مرفہ اسحالی تجارت اور کاروباری شہر کا مرکز بنانا چاہا۔ اور اس طریقہ اور قاعدہ سے ملکی اور قومی رعایا کو اون تمام منافع اور محاصل سے محروم اور مال برباد بنایا۔ جن ذرائع اور وسائل سے مکہ اور تمام علاقہ حجاز کے اقوام و قبائل ہر سال ایام حج میں مستفید و مستفیض ہو کر آتے تھے۔

مگر اہم الا شرم کو اپنی سیاسی تدبیر کی فکر میں مشیت کے ارادے اور تقدیر کے نیرنگ کی کیا خبر اسے
سوچنے کو تو سب کچھ سوچ لیا اور کر سکیو حتیٰ الامکان سب کچھ کر لیا مگر حیرت کے ایک ہاتھ نے آن کی آن میں اس کے
سارے منصوبے، اس کے سارے سامان خاک میں ملا دیے اور اس کی فوجی، سیاسی اور تمدنی غرض تمام قوتیں ہونٹ
دیکھتے ہی دیکھتے رہ گئیں۔ واللہ یفعل ما یشاء

حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کی شادی

ابن ہشام۔ ابن سعد۔ طبری۔ ابن اثیر اور ابوالفداء غرض ارباب قریب قریب تمام عربی تاریخوں نے حضرت عبداللہ
ابن مطلب کی شادی کے واقعہ کو اصحاب قبل کے واقعہ کے بعد لکھا ہے۔ حالانکہ انھیں کے مختار سے اصحاب
قبل کا واقعہ ولادت جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کل پچھتر روز پہلے کا ثابت ہوتا ہے۔ بات یہ
ہے کہ حضرات متقدمین کو سلسلہ و ترتیب سن سے زیادہ واقعات کی اہمیت مد نظر رہتی ہے اور اس بنا پر وہ
مطابقت سن کا اس قدر خیال نہیں کرتے تھے۔

بہر حال۔ ابن سعد کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کا سن شادی کی وقت شہر برس کا ثابت
ہوتا ہے یوں تو آپ کی نسبت کہ کے تمام اشرف و اعلیٰ قبائل سے بھی برابر آیا کی مگر نظام مشیت نے اس ازدواج
کا شرف کہ و ان کی خوش قسمتی کا نتیجہ نہیں ٹھہرایا تھا۔ بلکہ اس فخر و مباہات کو بنی زہرہ کا تمغہ شرافت قرار دے
رکھا تھا جو بیرون مکہ آباد تھے۔ اسکی مثال مفصلہ ذیل واقعہ سے باسانی معلوم ہو جائے گی۔

قبیلہ بنت نوفل۔ ورقہ ابن نوفل۔ مشہور معروف عالم تریاک ہیں
جو سونت، دشمن و بھی تھیں اور بہت بڑی عقیقہ۔ ایک بار حضرت
عبداللہ ابن عبدالمطلب کے سامنے سے گزریں قبیلہ نے دیکھتے ہی آپ
کو اپنی طرف بلایا۔ اور نکاح کی درخواست کی اور ان کا گوشہ دامن
کیا لیا حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب نے قطعی انکار کیا اور اسکی
پاس سے سرعت تمام چلے آئے۔ اس واقعہ کو عرسہ ہو گیا۔ اس درمیان
میں آپ کی شادی حضرت آمنہ سے ہو گئی اور جناب رسالت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا عمل واقعہ ہو گیا۔

قبیلہ بنت نوفل اہمیت و ورقہ ابن نوفل
و کائنات تنظر۔ تصانف فہرہا عبداللہ بن
عبدالطلب فد عتہ لیست بضع منہا و
لنمت طرفہ ثوبہ فانی وقال حقاً انکما خیر
سرلیا حق دخل علی امنہ بنت وھب فوقہ
علیہا فخلت بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم۔ طبقات ص

نتیجہ واقعہ ذیل کی تہہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

عبداللہ ابن عبدالمطلب نے ایک بار پر اس کی لڑکی کو دیکھا تو

شم رجیع عبداللہ ابن عبدالمطلب الی المراءۃ

فوجدھا فانظرہ فقال ھل لک فی الذی
عرضت علی فقاتل کاهرات و فی وجھاٹ نور
دسا طبع ثم رجعت و لیس فیہ ذلک النور
طبقات ص ۵۹

پوچھا کہ اب اس امر میں تمہاری کیا رائے ہے۔ میں کی نسبت تم
نے ایک بار مجھ سے درخواست کی تھی۔ اس نے جواب دیا کہ اب کچھ
نہیں کیونکہ جب اس وقت تم میرے پاس سے ہو کر نکلے تھے۔ تو
میں نے تمہارے چہرے سے ایک نورساطع دیکھا تھا۔ اب جو تم لوٹ
ا کر میرے پاس آئے تو وہ نور تم میں نہیں پائی ہوں۔

ابن سعد نے اس واقعہ کو قتیبت و رقبہ کے علاوہ قاطعہ ثبت مرقہ شمشیر کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔
بہر حال چونکہ شہیت کو اس ازدواج و اتحاد سے اپنی ولعیت خاص کی استبداد و ایجاد منظور تھی جس کے لئے
عائد و شرافت قریش میں بنی زہرہ زیادہ تر روزوں تجویز کئے گئے تھے۔ گویا شہیت کی اسی تحریک حضرت عبدالمطلب
اپنی کہ کی تمام نسبتوں کو نامنظور فرماتے تھے۔ اور بنی زہرہ کی آئی ہوئی نسبت کو قبول فرما کر حضرت عبد اللہ کی شادی
حضرت آمنہ بنت وہب سے کر دی اور اپنی شادی المہر بنت وہب سے کر لی۔ وہب سب سے پہلے بھائی تھے۔
اور وہب کے بعد اپنے قبیلہ کے سید و سردار اور اپنے زمانہ کے ذی اقتدار و صاحب اختیار۔ یہ دونوں صاحب حبیب و صاحب
ابن زہرہ ابن کلاب کے صاحبزادے تھے۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:-

سكانت آمنه بنت وهب في حجر عمها وهيب ابن
عبد مناف ابن زهره فمشی اليه عبد المطلب
ابن هاشم باجنه عبد الله ابی رسول الله صلى الله عليه وسلم
فخطب عليه آمنه بنت وهب فزوجها عبد الله
بن عبد المطلب وخطب اليه عبد المطلب
ابن هاشم في مجلسه ذلک ابنته هاله بنت
وهيب علي نفسه فزوجها ايضا هاله فكانت تزوج
عبد المطلب بن هاشم وتزوج عبد الله بن
عبد المطلب في مجلس واحد فولدت هاله بنت
وهيب لعبد المطلب حمزة بن عبد المطلب فكان
حمزة عم رسول الله صلى الله عليه وسلم في النسب واستفاد من
الزينة اعدا لها تزوج عبد الله بن عبد المطلب
آمنه بنت وهب اقام عندها ثلثا ثمانت

آمنہ بنت وہب اپنے چچا وہیب ابن عبد مناف ابن زہرہ ابن کلاب
کی کفالت میں تھیں حضرت عبدالمطلب حضرت عبد اللہ کو لے کر
بنی زہرہ کے قیام گاہ پر لے گئے۔ اور حضرت آمنہ کا خطہ نکاح اپنے
صاحب زادے عبد اللہ پر جناب رسالتاب صلعم سے پڑا اور آمنہ کو
عبد اللہ سے بیاہ دیا۔ اور وہیب کی لڑکی المہر بنت وہب سے
خود خطہ نکاح پڑ کر شادی کر لی۔ اور یہ دونوں نکاح ایک ہی مجلس
میں یکے وقت واقع ہوئے۔ المہر کے بطن سے حضرت عبدالمطلب
کے ہاں حضرت حمزہ پیدا ہوئے۔ المہر نے جناب رسالتاب صلعم کو
دودھ پلایا۔ اس بنا پر حضرت حمزہ عرسلہ نسب میں تو آنحضرت
صلعم کے عم محترم تھے۔ مگر علاقہ ریاضت کے اعتبار سے وہ آپ کے
رضاعی بھائی ہوتے تھے۔ جب محضر عبد اللہ کی شادی حضرت
آمنہ بنت وہب سے ہو گئی۔ تو آپ سسرال میں تین دن تک قیام
فرما رہے۔ کیونکہ یہ دستور تھا کہ شادی کے بعد شوہر اپنی عروس

تلك السنة عندهم اذا دخل الرجل على

کے ہاں تین دن تک قیام کرتا تھا۔

امراتہ فی اہلہا۔ طبقات ج ۱ ص ۵۸

طبقات ابن سعد جلد اول ص ۵۸

حضرت عبدالمطلب پر اپنے بیٹے کے ساتھ بیک وقت اور سبک مجلس اپنی ہی شادی کر لینے کیلئے جو ان طبع لوہین مقررین دیدہ اعتراض رکھتے ہیں اور عیسیٰ متعصبین تو کھل کھل کر استہزا کرتے ہیں مگر دونوں حقیقت شناسی سے علیحدہ ہیں۔ یہ حضرات اپنے زمانہ اور اہل زمانہ کی طرح اس زمانہ اور اسکے اہل زمانہ کو بھی قیاس کرتے ہیں۔ ان کا یہ موازنہ سراپا غلط ہے۔ مجھ کو اونکے اس غلط قیاس کی تردید و تنقید کی مطلق ضرورت نہیں۔ مگر حقیقت امری کا ہلکا دینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی اس شادی سے جو نتیجہ نکلا۔ اور حقیقتاً جو تدبیر الہی کا علین مقصود ثابت ہوتا ہے وہ اسی سے ظاہر ہے کہ اس اتحاد و وصلت کی علت و غایت جناب حمزہ کی ولادت تھی۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ چچا تھے۔ ان تمام حضرات میں امانت اسلام اور رفاقت حضرت سید الانام ہیں۔ بعد ابرہہؓ جس خلوص و عقیدت کے ساتھ حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلبؓ نے اپنے خدائے جوہر و کمال سے۔ ویسے کسی ایک نے ہی نہیں سکا۔ چنانچہ علی المدائبر

وقد تمجدہ و فضله المجلد الاول من الكتاب الاسوۃ الرسول في

سيرة الرسول المقبول صلى الله عليه وآله وسلم

ذو الحكمة والعقول في المربع الرابع

بإجماع من شهدوا له بالنبوة والبرهان

ولم يأت به بعد ألف من

البحر المقدس

وأخيراً

دعونا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيد المرسلين وآله الطيبين الطاهرين

تشریف العمارت

کواکہ

المولف الاحقر

السید اولاد حیدر بکر امی عفاہ اللہ

الحمای

صانہا اللہ عن لافات

۴۲
۱۴۴